ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۱

الم

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلام مولٰینا سید عبدالدائم جلالی

مرتب کی ہوئی ہے اسکے جملہ حقوق محفوظ ہیں

پبلشر

آستانہ [illegible] بکس نمبر ۱۲۰۶ سوئیوالان [illegible] دہلی

ہدیہ فی پارہ [illegible] روپے

تفسیر بیان السبحان

معارف لوح محفوظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

بندۂ خدا دائم جلالی عفی عنہ کہتا ہے کہ علم تفسیر تمام علوم کا سرتاج مقصود کل راس المال اور غرض اعلیٰ ہے۔ اسی پر کمال ایمان اور معرفت الٰہی موقوف ہے۔ تمام علوم کے حاصل کرنے سے مسلمان کی اصلی غرض یہ ہے کہ کتاب الٰہی کی سمجھ اور دانش پیدا ہو جائے تاکہ صحیح عقائد، حق معارف، محاسن اخلاق، اعمال صالحہ اور ادائے حقوق کی صحیح تعلیم حاصل ہو کر انسان کو فلاح دارین اور قرب الٰہی نصیب ہو جائے۔ جسم صاف، روح پاکیزہ، خیالات صحیح، جذبات صادقہ اور وجدانیات میں راستی و درستی پیدا ہو جائے اور رحمت الٰہی شامل حال ہو کر ایک ظلوم و جہول انسان کا دین و دنیا میں بیڑا پار کر دے۔ لیکن علم تفسیر اور صحیح تعلیم قرآن صرف علم نبوت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ سردار دو عالم کی ذات بابرکات ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والی، تزکیۂ اخلاق کرنے والی اور لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لانے والی تھی۔ عرب ایک بے آب و گیاہ ملک تھا، نہ نہروں کی شادابی تھی، نہ دریاؤں کی تر و تازگی، نہ زراعت نہ سبزی، خارزار ریگستان تھا پتھر اور ریت تھا۔ پھر اس پر باشندگان عرب کی فلاکت اور نکبت اسباب معیشت کی تنگی، اخلاق کی پستی، کل قوم خانہ بدوش، ذری ذری سی بات پر جنگ و جدال کرنے والی معمولی سی بات پر آدمی کے عزیز ترین خون کو جانوروں کے خون سے ارزاں سمجھنے والی۔ قومی جرگہ کر دکھایا جاتا تھا۔ بتوں کی پرستش اور شیطانی اوہام میں کل باشندگان ملک گرفتار تھے۔ جنوں سے فریاد کی جاتی تھی۔ بھوتوں پریتوں کی منتیں مانی جاتی تھیں۔ شعر و شاعری پر ناز تھا۔ ڈھال تلوار سے ایک دوسرے کی تواضع تھی۔ لیکن بایں ہمہ خدائے حکیم نے اس قوم میں عمدہ فضائل اور شمائل کریمہ کا مادہ بھی ودیعت کر دیا تھا۔ صدق طینت، وفاء عہد اور شرافت ذاتی کے ایسے جواہر بے بہا ان کے اندر موجود تھے کہ اولاد اسماعیل کے ایک کروڑ افراد میں کسی کا نسب مخلوط اور غیر خالص نہ تھا۔ [illegible] جاننا کہ معدن جواہر سے جو خاک آلود جواہر اور زر [illegible] ہوتے ہیں وہ مٹی کے ٹھیکروں سے جن پر چینی کا پالش کر دیا گیا ہو۔ بہرحال [illegible] دیتے ہیں۔

اس وقت روم و فارس کی قومیں اپنی نفیس پوشاک، سادہ [illegible] چوبرلا اور ہفت منزلہ عمارات اور راحت و آرام کے تمام اسباب کی فراہمی پر نازاں تھیں۔ لیکن سؤر کے کان میں ریشم کا ڈورا باندھنے [illegible] گردن میں جواہر کا پٹہ لٹکا دینے سے کیا حاصل۔ عرب اسی پست ترین حالت [illegible] گندگی کے اصل تھے۔ معلم جہاں نے جب انہیں ہدایت دلائی اور نور ایمان اور روشنی معارف سے آراستہ کیا تو اس وقت جو ہر ذاتی

کا ظہور ہوا اور چند سال کی مدت میں تمام محاسن اخلاق سے آراستہ ہو کر کل عالم کے لئے ہادی کامل بن گئے۔ یہ انھیں کے نفوس قدسیہ کی کوششوں کا طفیل ہے کہ ہم تک قرآن کریم پہونچا۔ اور ہم کو راہ حق معلوم ہوئی۔ لہٰذا ہم کو انہی کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید کے معارف جاننا اور کلام پاک کی تفسیر سمجھنا فرض قطعی ہے۔ اور چونکہ صحابہ کرام کی تفسیریں اور علوم قرآنیہ کی تعلیم ہم تک بواسطہ تابعین و تبع تابعین وغیرہ کے پہونچیں اور تابعین وغیرہم نے ہی صحابہ کے چراغ معرفت سے روشنی کا اقتباس کیا تھا۔ اور انہی کے ذریعہ سے اس روشنی نے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ اس لئے قرآن کی تفسیر سمجھنے کے لئے ہم کو انہی حضرات مؤلفین و مفسرین کی مدون کردہ تالیفات اور تفسیریں پیش نظر رکھنی لازم ہیں بحمد اللہ میں نے اپنی اس تفسیر کی تالیف میں اکابر ائمہ کی تفسیروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور انہی سے اقتباس کیا ہے۔ لیکن آیت کا مطلب بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ (۱) نکات قرآنی بیان کئے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید اس متکلم کا کلام ہے جو حکمت و فصاحت کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کا کلام تمام رموز حکمت و فصاحت اور نکات معرفت کا سرچشمہ ہے لہٰذا بیجا نہیں کہ ہم بقدر امکان غور کر کے کلام کے سربستہ راز سمجھنے اور جائزہ لینے کی کوشش کریں۔

(۲) مقصود بیان بھی ہر آیت یا چند آیات کے مجموعہ کے بعد ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ سطحی نظر رکھنے والا طبقہ جو زبان عربی سے واقف نہیں اس کو معلوم ہو جائے کہ کلام پاک کی اس آیت یا مجموعۂ آیات سے حاصل اور نتیجہ کیا نکلا ہم کو قرآن اس آیت میں کیا تعلیم دینی چاہتا ہے۔ اور ہم کو اس سے اصلاح عقائد، درستی اخلاق اور تکمیل انسانیت کے قوانین کا کس حد تک استنباط کرنا چاہئے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

تنبیہ تفسیر شروع کرنے سے پہلے اس امر کو بھی جان لینا ضروری ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ پڑھ لینا سنت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مطلب یہ ہے کہ جب تلاوت قرآن کا ارادہ کرے تو أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ لینا چاہئے۔

تعوذ پڑھنے کے متعلق حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر نماز شروع کرتے تو اول تکبیر کہتے۔ پھر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ فرماتے۔ پھر تین بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے۔ پھر أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ پڑھتے تھے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت جبیر بن مطعم رض کی روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلعم جب نماز میں داخل ہوتے تو تین مرتبہ اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اور تین بار الْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا اور تین دفعہ سُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا فرماتے۔ پھر اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ پڑھتے تھے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت میں یہ ہے کہ حضور والا جب نماز کو کھڑے ہوتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر تین بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور تین بار سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فرماتے پھر ایک بار أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ فرماتے تھے۔ (احمد)

اس کے علاوہ اور بہت احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے قبل تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

تعوذ پڑھنے میں ایک نکتہ عقلی یہ ہے کہ جو کچھ آدمی منہ سے لغو اور بیہودہ کلمات بکتا ہے اس سے منہ کی طہارت ہو جاتی ہے پھر اس میں خدائے برتر سے استعانت، قدرت کاملہ کا اظہار اور اپنی عاجزی کا اقرار بھی ہے اور اس بات کا مرکزی اقبال ہے کہ مجھ کو اس دشمن باطنی یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں میں اس کے مقابلے کے لئے تجھ سے پناہ جوئی کرتا ہوں میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے دل کو اس خبیث دشمن سے محفوظ رکھ تاکہ میرا قلب مردہ نہ ہو جائے کسی دوسرے کافر دشمن کا مارا ہوا شہید ہوتا ہے لیکن اس مردود دشمن کا مارا ہوا مردود ہوتا ہے بس تیری ہی پناہ کا خواستگار ہوں۔ اب میں خدا سے مدد کی خواستگاری کر کے تفسیر شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے اسمائے صفتی

قرآن۔ وحی۔ عربی۔ علم۔ حق۔ عجب۔ صدق۔ مجید۔ زبور۔ نذیر۔ بلاغ۔ احسن۔ صحف۔ مثانی۔ فصل۔ قیم۔ حبل۔ حکیم۔ علی۔ ذکر۔ شفاء۔ رحمۃ۔ نور۔ کلام مبین۔ کتاب کریم۔ ھدیٰ۔ فرقان۔ موعظۃ۔ مبارک۔ حکمۃ بالغۃ۔ مھیمن۔ قول۔ نبا عظیم۔ تنزیل۔ احسن الحدیث۔ متشابہ۔ مرفوعۃ۔ مطھرۃ۔ مکرمۃ۔ قصص۔ عزیز۔ بشیر۔ بشریٰ۔ منادی۔ عدل۔ تذکرہ۔ ھادی۔ بیان۔ بصائر۔ روح۔ صراط مستقیم۔ العروۃ الوثقیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

شیخ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سورۂ نمل کے علاوہ قرآن میں جو بسم اللہ ہے وہ جزو قرآن منزل ہے لیکن سورۃ کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ ہر سورۃ کو دوسری سورۃ سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ ہاں سورۂ نمل میں جو اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیا ہے وہ سورۃ کا جزو ہے۔ کیونکہ سنن ابو داؤد میں باسناد صحیح بروایت ابن عباس رض مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کا فصل نہیں پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی۔ داؤد ظاہری، شیخ جصاص، اور ابوالحسن کرخی رح کا یہی قول ہے۔ اور یہی مسلک امام ابو حنیفہ رح کا ہے۔

حدیث مذکورہ کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے بلکہ مستقل آیت ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے درمیان اور بندے کے درمیان نصفا نصف قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا گیا ہے اگر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو قرار دیا جائے گا تو نصفا نصف تقسیم نہ ہوگی۔ مزید برآں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے اور بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ جزو فاتحہ نہیں۔ ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک آیت تو سری پڑھی جائے اور باقی سورۃ جہر کے ساتھ پڑھی جائے۔ بسم اللہ کو جہر کے ساتھ

نہ پڑھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کا بھی مسلک ہے۔

بسم اللہ کے فضائل نقلیہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کے متعلق استفسار کیا حضور نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں قرب ہے۔ (ابن حاتم وابن مردویہ)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عیسیٰ ابن مریم کو ان کی والدہ نے معلم کے سپرد کیا معلم نے حضرت عیسیٰ سے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔ حضرت عیسیٰ نے کہا بسم اللہ کیا چیز ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں حضرت عیسیٰ نے کہا ب سے مراد بہاء الٰہی ہے اور س سے مراد سناء الٰہی۔ اور م سے مملکت الٰہی یعنی اللہ سب کا معبود مالک ہے دین و دنیا میں کافروں اور مسلمانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اور آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحیم ہے۔ (ابن جریر ابن مردویہ)

حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو سوائے سلیمان علیہ السلام کے کسی پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی اور وہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ہے

حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ جو شخص انیس ۱۹ زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہو تو بسم اللہ الرحمن الرحیمؒ پڑھا کرے۔ تاکہ بسم اللہ کے ہر حرف کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس کو عذاب کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھے۔ (اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے۔)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو مہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص و ناتمام رہتا ہے۔ یعنی اس میں برکت نصیب نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ بظاہر مکمل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ وابن زہاوی وابن صلاح ونووی وغیرہ)

بسم اللہ کا مطلب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس خدائے بزرگ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تمام عالم کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے۔ واحد و یکتا ہے۔ کیف، کم، ہیئت، زمان، اور مکان سے پاک ہے۔ اس نے ہم کو پیدا کیا۔ روحانی اور جسمانی نعمتیں اپنی رحمت سے عطا کیں۔ اس کا فیض عام ہے۔ چرند، پرند، درند، کافر، مسلم، زندیق و موحد سب اس کے خوانِ کرم پر دردہ ہیں۔ لیکن آخرت میں اس کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے والے اور رحمتِ عامہ سے فائدہ اٹھانے والے صرف معتقد خدا پرست اور مسلمان ہوں گے کافروں کو اس روز اس کے دامن رحمت میں پناہ نہیں ملے گی دنیا میں رحمت عمومی ہے اور آخرت میں خصوصی۔

نکات

(۱) جس طرح ذاتِ خدا بابرکت ہے اسی طرح اس خدائے قدوس کا نام بھی متبرک ہے۔ اسی وجہ سے باللہ نہیں کہا بلکہ بِسْمِ اللّٰهِ فرمایا۔

(۲) اس آیت میں تین لفظ بیان کئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اوّل وہ زمانہ جب اس کی روح بالکل آزاد تھی۔ جسم اور اس کا کوئی ذرّہ عالم ہستی میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ عالم امر میں ہر شخص کی روح اس مادی کثافت سے علیحدہ شاداں و شاداں نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ نور محض کے درجے پر تھی۔ پھر یہ زمانہ آیا کہ اس نور محض کو اس قفس عنصری اور مادی قید میں بند کر دیا گیا۔ اس کے واسطے کھانے پینے کی ضروریات اور اصول وجود کے اعتبار سے تمام عوارض لازم قرار پاگئے۔ سوم وہ زمانہ جب کہ مرنے کے بعد یہ روح آزاد ہوگی۔ اور جس قدر اس میں جسمانی کثافت اور مادی آلائش کا اثر ہوگا اتنا ہی اس پر عذاب اور قرب الٰہی سے دُوری ہوگی۔ یہ تین حالتیں ہر انسان کی ہیں۔ پہلے لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ موجود کو معدوم کرنے والا اور نیست کو ہست کرنے والا ہے۔ اس کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے کسی قسم کا نقصان اور خرابی اس کی ذات جامع صفات میں نہیں ہے۔ اس کے بعد لفظ رحمٰن ذکر کیا اس سے یہ مراد ہے کہ خدائے برتر جس طرح عالم کا خالق اور موجد ہے اسی طرح تمام عالم اپنے بقا میں بھی اسی کا محتاج ہے۔ وہ دنیا کے ہر ذرہ کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔ اس کے دامنِ رحمت میں کائنات عالم کے ہر فرد کو پناہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی رحمت، عادہ جس طرح آسمانوں پر ہے اسی طرح زمین کے نیچے بھی ہے۔ قعر سمندر کے اندر چھوٹا سا آبی جانور جس طرح اس کے خوان کرم سے بہرہ اندوز ہے اسی طرح پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹیوں پر بھی کوئی ہستی اس کے کرم سے محروم نہیں۔ کافر بھی اسی کے خرمن کا خوشہ چیں ہے اور مسلمان بھی اسی کا دست نگر۔ پھر تیسرے درجہ پر لفظ رحیم ذکر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں یعنی اس مادی زندگی کے بعد بھی لوگ اس کے محتاج ہوں گے۔ وہاں بھی اس کی رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔ توحید پرست طبقہ وہاں بھی اس کے کرم سے فیضیاب ہوگا۔ اپنے بندوں کی فروگذاشتیں اور لغزشیں وہی معاف فرما کر اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۳) عموماً دنیا کا دستور ہے اور ایک عام رواج ہے کہ کسی کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کرنے کے صرف دو اسباب ہوتے ہیں۔ یا تو اس کی طرف سے تکلیف و ضرر رسانی کا اندیشہ ہوتا ہے جو اطاعت گذاری پر مجبور کرتا ہے۔ یا اس سے کوئی لالچ اور حصول منافع کی امید وابستہ ہوتی ہے۔ جو فرمانبرداری کا باعث ہوتی ہے۔ اور اگر دونوں باتیں یعنی طمع و خوف اکٹھے ہوں تو وہاں فرمانبرداری کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے کیونکہ صرف خوف، دہشت و نفرت کا سبب ہے۔ اور محض امید جرأت و بے باکی کا ذریعہ ہے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے جلال قہاری سے ڈراتا اور رحمت صفاتی کا امیدوار بنانا چاہتا ہے۔ لفظ اللہ کے ذکر کرنے سے جلال جبروتی اور ہیبت غیر متناہی کا اظہار مقصود ہے۔ اور رحمٰن و رحیم سے ترغیب و طمع کی طرف اشارہ ہے۔ اور تینوں کے مجموعے کے ذکر کرنے سے یہ مطلب ہوگیا کہ بندہ کو خداوند تعالیٰ سے خوف و امید رکھ کر خالص دل سے خدا تعالیٰ کی محبت فطری اپنے دل میں رکھنی چاہئے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے عشق و محویت کے درجے پر پہنچنا چاہئے۔

(۴) دنیا میں انسان دو طرح کے ہیں ایک تو وہ خالص محبت رکھنے والا طبقہ ہے جو بغیر کسی . . . طمع کے صرف خدا کے لئے ہر دوسرا تمام سکر خیالات ماسوا اپنے دماغ سے نکال دیتا ہے۔ اور بلا لحاظ رحمت و غضب صرف محبت ذاتی اس کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے۔ بلکہ احساس محبت بھی اس کو نہیں رہتا۔ صرف محویت اور فنا فی الذات ہی اس کے ذوق کے لئے کافی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے تو لفظ اللہ کا ذکر کافی سمجھا گیا۔ کیونکہ اللہ اس جامع صفات ذوالجلال کی ذات گرامی کا مخصوص نام ہے جس کی

ذات میں محویت، وفنا عارف کا مقصود اصلی ہے۔ دوسرے طبقہ میں وہ انسان ہیں جو ذات محض کے ساتھ محبت ذاتی نہیں رکھتے بلکہ ان کی محبت صفاتی ہوتی ہے یعنی ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ جلال کبریائی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس طبقے کے لئے لفظ رحمٰن ورحیم ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) رحمت کے دو حصے یا دو شاخیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ہر چیز کی ضروریات اور حاجات پوری کردی جائیں۔ اسباب حیات و بقاء حیات مہیا کردیئے جائیں۔ جو جو مرغوب اشیاء ہیں وہ اس کو دیدی جائیں۔

دوسری وہ رحمت ہے جس میں تمام مخالف اور غیر موافق اشیاء کو دور کردیا جاتا ہے۔ مقصد کے خلاف جو جو امور ہوتے ہیں ان کو دفع کردیا جاتا ہے۔ گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمت کبیرہ مقدم الذکر رحمت ہے۔ اور موخر الذکر رحمت ابر ہے۔ یا رحمت کبیرہ کے شرائط میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے معنی کی طرف لفظ رحمٰن سے اشارہ کیا اور دوسرے معنی کی طرف لفظ رحیم سے۔

مقصودِ بیان ہر چیز میں مؤثر حقیقی صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اور اس کا وجود تمام عالم کے لئے موجد اور علت بقا ہے خدا تعالیٰ نے ہی تمام عالم کو پیدا کیا ہے وہی تمام عالم کی ہستی و نیستی کا مالک ہے۔ اس میں کوئی عیب و نقصان نہیں۔ وہ تمام عالم پر رحم کرنے والا ہے۔ مسلمان کو ہر کام میں اسی کا نام برکت کے لئے لینا چاہیئے۔ اس سے ہر کام میں مدد کی التجا کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا مخلوق کے پیدا کرنے سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ بلکہ مخلوق کو پیدا کرنا اور عمر طبعی تک پہونچانا، اس کے رحم و شفقت کا ایک مظاہرہ ہے۔ انسانوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے پر رحم کریں۔ غریبوں پر امیر، مظلوموں پر حاکم، بیکسوں پر بادشاہ مہربانی کریں۔ اگر کسی کو فائدہ پہونچائیں تو عوض ملنے کی امید نہ رکھیں۔ بلکہ محض خوشنودی خدا کے لئے صفت رحم کو کام میں لائیں۔ خدا تعالیٰ کے جلال کبریائی سے خوف کرنا اور جمال صفاتی کی امید رکھنی چاہیئے۔ خدا کو واحد یکتا جامع صفات کمالیہ جاننا اور صفات نقصان سے پاک سمجھنا چاہیئے۔ وغیرہ۔

سُورۃ الفاتحہ

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیات، ۲۵ کلمات اور ۱۲۹ حروف ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

سُورۃ الحمد - ام الکتاب - فاتحۃ القرآن - السبع المثانی - وافیہ شافیہ - رقیہ - نور - سورۃ الصلوٰۃ - سورۃ السوال - سورۃ تعلیم المسئلۃ - سورۃ الحمد الاولیٰ - سورۃ الحمد القصریٰ - سورۃ المناجاۃ - سورۃ التفویض - سورۃ الدعاء - الصلوٰۃ - الکنز - الشفاء - کافیہ - اساس - سورۃ الشکر - ام القرآن - قرآن عظیم

فضائل سورۂ فاتحہ

امام احمد، امام بخاری، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بروایت ابو سعید بن معلی بیان کیا ہے کہ ایک روز میں نماز

پڑھ رہا تھا۔ یکایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی۔ میں نماز تمام کر کے خدمت گرامی میں حاضر ہوا، ارشاد فرمایا ابوسعید تمہارے لئے حاضری سے کونسا امر مانع ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا خدا تعالیٰ نے تم کو میرے حکم کی تعمیل کے وجوب کے لئے ارشاد نہیں فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ پھر فرمایا کہ مسجد سے باہر جانے سے قبل میں تم کو قرآن کی اعظم سورۃ بتاؤں گا۔ اس کے بعد حضور والا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے باتیں کرتے چلے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کی ایک بزرگ ترین سورۃ بتاؤں گا۔ فرمایا ہاں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت ابی ابن کعب کی روایت بھی اسی طرح ہے لیکن اس میں اتنا زائد ہے کہ حضور نے فرمایا میں تجھ کو ایسی سورۃ بتاؤں گا جس کی مثل توریت انجیل بلکہ قرآن میں بھی نازل نہیں ہوئی۔

امام احمد نے حضرت جابر رض کی روایت نقل کی ہے۔ جابر رض فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پیشاب سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے دوبارہ کہا، السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ میں نے سہ بارہ پھر یہی عرض کیا۔ پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضور ایک طرف کو چل دیئے۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا حضور مکان میں پہونچ کر اندر تشریف لے گئے۔ اور میں مغموم مسجد میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں سرکار والا طہارت کر کے باہر تشریف لائے اور فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر فرمایا جابر! کیا میں تجھ کو قرآن کی بزرگ ترین سورۃ بتاؤں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ضرور فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھا کرو۔

شانِ نزول شروع شروع جب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا کی جانب تشریف لے جاتے تو یا محمد کی آواز کان میں آتی۔ حضور اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تو زمین و آسمان کے بیچ میں معلق تخت پر ایک نورانی شخص بیٹھا ہوا نظر آیا کرتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور خوف زدہ ہو کر واپس آجایا کرتے تھے۔ چند بار ایسا ہونے پر حضور نے سارا قصہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جو توریت کے ماہر اور زبردست عالم تھے ذکر کیا۔ ورقہ نے تسلی دے کر کہا کہ اے محمد! تم خوف نہ کرو۔ بلکہ کان لگا کر سنو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے بعد جب حضور صحرا کو تشریف لے گئے اور حسب دستور یا محمد کی آواز کان میں آئی تو حضور نے لبیک کہا اور سنا کہ کیا آواز آتی ہے۔ آواز آئی اے محمد! میں جبرئیل خدا کا فرشتہ ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں اول کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اب پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۱]

(دلائل النبوۃ۔ بیہقی و واحدی)

[۱] بعض صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ سب سے پہلے غار حرا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞ تک نازل ہوئی۔ (باقی اگلا صفحہ دیکھئے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

ہر تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جو تمام جہان کا موجد و مربی نہایت مہربان و رحیم ہے روزِ جزا کا مالک ہے۔

تفسیر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی ہر قسم کی تعریف و ثنا ازل سے ابد تک جہاں کہیں اور جب کبھی اور جس طور پر ہو یا ہو سکتی ہو یا ہوئی ہو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے اور ہر حمد و شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کسی مخلوق کو یا کسی بنائے ہوئے معبود کو بالکل دخل نہیں ہے کیونکہ وہی تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ ہر حسن اور ہر خوبی اس کے اندر موجود ہے۔ اس کا علم وجود قدرت اکمل و افضل و اقویٰ ہے اور چونکہ اس کے علم کی طرح کسی کا علم نہیں اور اس کے وجود کی مثل کسی کا وجود نہیں۔ اور اس کی قدرت کی مانند کسی کو قدرت نہیں۔ اگر کسی میں صفت علم و قدرت یا ایجاد یا مادّۂ ایجاد ہے بھی تو وہ درحقیقت اُسی کا عطیہ ہے۔ حقیقت میں وہی موجود ہے۔ وہی موجد ہے۔ وہی علیم و معلم ہے۔ وہی قادر و قدرت بخش ہے۔ تمام عالم ورجز ظلی ہے۔ اُسی کا وجود حقیقی ہے۔ تمام دنیا حادث و ممکن ہے۔ وہی قدیم و واجب ہے۔ اسی لیے وہی ہر حمد و ستائش کا مستحق ہے۔ خواہ وہ ستائش زبان سے ہو یا دل سے ہو یا دماغ سے ہو یا عبادتِ جسمانی سے ہو۔ یعنی زبان سے یا دل سے یا ارکان سے۔ بہرحال اسی کو ہر حمد و شکر زیبا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہے:-

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ درحقیقت پہلے دعوے کی دلیل نما صفت ہے یعنی خدا تعالیٰ ہی قابلِ ستائش اور لائقِ عبادت کیوں ہے۔ اس لیے کہ اُسی نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں اور تاریکی سے روشنی میں لایا۔ جان عزیز عطا فرمائی۔ لاکھوں نعمتیں جسمانی اور روحانی عطا فرمائیں۔ بلا استحقاق گوناگوں انعام سے سرفراز فرمایا۔ اسبابِ طاعت مہیا فرمائے اور مزید احسان یہ کیا کہ انبیاء و رسل ہدایت کے واسطے بھیجے۔ لہٰذا وہی قابلِ حمد اور لائقِ پرستش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی نے ہم کو نعمتِ وجود سے سرفراز فرمایا۔ جسمانی ترقی تدریجاً عطا فرمائی اور عقلِ عالی روشنی کے ذرائع بھی مہیا کیے۔ لہٰذا ہمارا جسم اور ہماری روح اُسی کی مرہونِ منت ہوئی۔ اس لیے اُسی کی تعریف و عبادت بہرکیف ہم پر واجب ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ رب العالمین کی دلیل ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے مربی موجد ہونے اور درجۂ کمال کو پہنچانے کا ثبوت کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ دنیا میں ہر چرند و پرند اور بندہ پر رحم کرنے والا ہے اور سرکش و جاہل انسان کی بداعمالیوں، فتنہ انگیزیوں اور افترا بندیوں کے باوجود اس نے اپنی ظلِ عاطفت کو تنگ نہیں کیا۔ کسی کو اس کے شرک کفر یا گناہ کے عوض اپنی رحمتِ عامہ سے مایوس و محروم نہیں کیا، خلعتِ وجود کسی کے بدن سے اس کے جرم کی پاداش میں نہیں اُتارا، کسی کا رزق بند

(بقیہ حاشیہ) ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ اور بعض جلیل القدر صحابہ کی روایات سے بھی منقول ہے۔ پوری تفصیل ہم نے سورۂ اقراء کی شانِ نزول کے بیان میں لکھ دی ہے۔ مختلف روایات میں موافقت پیدا کرنے کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ اقراء ما لم یعلم تک سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن سورتوں میں سب سے پہلے پوری سورت سورۂ الحمد اُتری۔

نہیں کیا اور فرمانبرداری کی جزا علاوہ فلاحِ دنیوی کے آخرت میں بھی عقیدت کیش اور توحید پرستوں کو عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ جس کو یقیناً وہ بمرحمت فرمائے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس کے رب العالمین ہونے کا ہو سکتا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یہ الرحمٰن الرحیم کا ثبوت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائیں وہ تو ہر شخص کافر ہو یا موحد، دیوانہ ہو یا فرزانہ، بچہ ہو یا بوڑھا، سب جانتے ہی ہیں آخرت میں بھی وہ اچھے فرمانبردار عمل اور اطاعت شعاروں کو ثواب بے حساب عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت فرمائے گا۔ کیونکہ وہی روزِ جزا کا مالک ہے جو چاہے گا کرے گا اور جس طرح احکام نافذ فرمائے گا کوئی روک ٹوک نہ کر سکے گا۔ وہی مختار کامل ہوگا۔ جس طرح دنیا میں صفتِ ایجاد و تربیت اس کے لیے مخصوص ہے اسی طرح آخرت میں بھی وہ قادرِ مطلق اور مختار علی الاطلاق ہوگا اور ہر قسم کی جزا دینے پر قادر ہوگا۔

آیاتِ مذکورہ کے معنی اور سلسلۂ ارتباط بیان مذکورہ کے بالکل برعکس بھی مفسرین نے لکھا ہے۔ یعنی مابعد کو ماقبل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدائے برتر جامع صفاتِ کمالیہ کا نام ہی استعانت اور تبرک کے لائق ہے اور وہی تمام صفات و محاسن کا جامع ہے، اس لیے ہر قسم کی حمد خواہ قولی ہو یا فعلی یا تصوری اُسی کے لیے موزوں ہے اور وہی علیم قدیر اور واحد و یکتا اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے وجود و صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اس لیے وہی تمام عالم کا موجد مربی اور جسمانی اور روحانی ترقیاں دے کر درجۂ کمال کو پہنچانے والا ہے۔ عالم کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود اور بقاء وجود میں اس کا محتاج ہے اور چونکہ وہی موجد مربی ہے۔ اس لیے دین و دنیا میں ہر بڑی چھوٹی نعمت ہر شخص کو اسی کے رحم و کرم سے ملی ہے اور ملے گی اور چونکہ وہی نعمتوں کا دینے والا اور اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے اسی کو روزِ آخرت میں جزا و سزا کا استحقاق ہے۔ وہی روزِ قیامت کا بلا شریک و معاند مالک و مختار ہے۔

مکاشفہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ نظریہ اور عملیہ انسان دونوں کی اصلاح کا نام ہدایت، نجات، سعادت اور فلاح ہے۔ لیکن ان قوتوں کی خرابی کثافت اور تاریکی کا نام گمراہی، شقاوت، بدبختی، عذابِ سرمدی، الم روحانی اور بربادی ہے۔ رہی یہ بات کہ ان قوتوں کی اصلاح کیونکر ہو۔ تو اوّل ان امور کو جان لینے کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے قوتیں تباہ و برباد ہو کر عذابِ سرمدی، الم روحانی اور شقاوت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ان قوتوں کی تباہی کے آٹھ اسباب ہیں:

(۱) خدا کے وجود کا انکار یا اس کے صفاتِ کمالیہ کے ثبوت کا انکار یا کائنات عالم میں سے کسی چیز کو وجود میں مستقل اور خدا سے غنی جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات میں کوئی چیز بھی از خود پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک طبیعت کا تصرف قائم رہتا ہے اس چیز کا وجود ہماری نظروں کے سامنے رہتا ہے، لیکن جب نیچرل تصرف ختم ہو جاتا ہے اور طبیعت حفظِ وجود چھوڑ دیتی ہے تو وہ چیز ہماری نظروں سے غائب ہوتی ہے، لیکن واقع میں اس کا وجود رہتا ہے۔ جس طرح کہ زنجیر کا گول گھیرا جس کی ہر کڑی دوسری سے وابستہ ہو اور اس کا گول چکر ہو تو جو حلقہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے ہم اس کو موجود سمجھتے ہیں اور جو نظروں سے غائب ہو جاتا ہے ہم سمجھتے ہیں وہ فنا ہو گیا۔ حالانکہ اس زنجیر کی کہیں سے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ اس کی کوئی کڑی مرتی ہے نہ زندہ ہوتی ہے بلکہ نظر کے سامنے آجاتی ہے یا نظر سے غائب ہو جاتی ہے اور زنجیر کے اس دائرے کی یہ حرکت جبلی اور زود بگوی

نہ کوئی اس کا محرک ہے نہ فاعل۔ نہ کوئی خدا ہے نہ خدا کی کوئی صفت۔

(۲) خدا کے وجود اور اس کے صفات کا تو اقرار ہو اور اس بات کا بھی اقبال ہو کہ خدا خالق ہے۔ عدم سے وجود میں لانے والا اور نیست سے ہست کرنے والا ہے، لیکن مخلوق کو پیدا ہونے کے بعد خالق کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کی زندگی کے جس قدر ضروری ذرائع تھے وہ سب موجود ہو گئے اب خدا کو اس کے بقاء وجود میں کیا دخل ہے گویا مطلب یہ کہ خدا خالقِ وجود تو ہے لیکن بقاء وجود میں کسی شے کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۳) خدا ضرور موجود ہے۔ صفاتِ کمال سے متصف بھی ہے، لیکن بعض چیزیں اور بھی ازلی ابدی ہیں مستقل وجود رکھتی ہیں۔ ان کو الوہیت کے کچھ اختیارات حاصل ہیں، مثلاً آگ، پانی، ہوا، زمانہ، روح، مادہ وغیرہ۔

(۴) خدا موجود ہے واحد ہے رازق ہے، خالق ہے۔ اس نے ہماری تربیت بھی کی ہے اور کرتا بھی ہے لیکن کبھی وہ بخیل بھی ہو جاتا ہے۔ ظلم و حق تلفی بھی کر لیتا ہے۔ اس لیے ہم کو اس سے محبت نہیں ہم اس کے فرستادوں سے دشمنی کرنے پر مجبور ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستہ کی خلاف ورزی کرنے کا ہم کو حق ہے۔

(۵) خدا و انبیاء کا اقرار ہو، لیکن حشر جسمانی، عذاب ثواب، اعمال کی جسمانی سزا جزا کا انکار ہو۔

(۶) خدا، انبیاء، روزِ قیامت اور روزِ قیامت کی جزا سزا اور حشر جسمانی کا اقرار ہو لیکن بعض اشخاص کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ یہ ہماری شفاعت کریں گے خدا سے مقابلہ کر کے ہم کو نجات دلا دیں گے۔ خدا کو عذاب نہ دینے دیں گے۔ اس لیے ہم ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہتے ہیں۔

(۷) خدا کی توحید، رسالت کی حقانیت، قیامت کی واقعیت حشر نشر، جنت، دوزخ اور حساب کتاب کی صحت کا یقین ہے لیکن ہماری زبان اور ہاتھ پاؤں احکامِ خدا کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں۔ نیکی کی بجائے بدی اور بھلائی کی جگہ ہم برائی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی زبان اور اعضائے جسمانی سے مجبور ہیں۔ خدا نے ہم کو کیوں ایسے اعضا دیے جو ہمارے قابو میں نہیں کیوں ہم کو ایسی قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ عطا کی جس کو ہم روک نہیں سکتے۔

(۸) خدا نے ہم کو سب کچھ ٹھیک اور درست عطا کیا لیکن قصور یہ صرف ہمارا ہے کہ زبان سے ہم جھوٹ فحش اور کفریہ کلمات بکتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سے امورِ حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ ہیں قوتِ نظریہ و عملیہ کی خرابی اور الم روحانی کے اصولِ ثمانیہ۔ اب ان کا علاج کس طرح پر ہونا چاہیے اور اس کے اصلاح و درستگی کی کیا شکل ہے۔ کونسا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے ہماری یہ دونوں قوتیں صحیح اور درست ہو جائیں۔ کیونکہ عالم میں ہر مذہب اور روشن ہوش رکھنے والا اسی کا مدعی ہے کہ ہمارا پیش کردہ نظریہ ہی اصلاحِ نفس کا بہترین اور واحد ذریعہ ہے۔ پھر ہم کونسی راہ اختیار کریں۔ تو اوّل الذکر عقیدہ کی تردید کی تو خدا تعالیٰ نے یہ صورت بتائی کہ تم اپنی روحانی، جسمانی، وہبی اور کسبی قوتوں سے اُس خدائے واحد لاشریک کی ستائش کرو جو اپنی صفات میں کمال رکھتا ہے۔ سب کا خالق موجد اور مدبّر ہے۔ حکیم ہے مؤثرِ حقیقی ہے۔ ازلی ہے ابدی ہے نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ کوئی شے از خود نہیں بس وہ اللہ ہے اور کل مخلوق اس کی بنائی ہوئی ہے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے خیال کی تردید ربّ العالمین کے لفظ سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا ہر چیز کا موجد ہے۔ ہر چیز کو نیست

سے ہستیوں اور لیس سے الیس میں وہی لایا ہے اور فقط یہی نہیں کہ وہ موجد اسباب و شرائط ہے۔ بلکہ پیدا ہونے کے بعد بقاء بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شے کو پیدا کر کے بقائے وجود کے تمام ضروریات و حوائج مہیا کرتا رہتا ہے۔ ہر موجود کو رفتہ رفتہ جسمانی و روحانی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہونچاتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ بخل یا ظلم کی وجہ سے ضروریات ترقی میں سے کوئی چیز بچا رکھے اور نہ دے۔ جب وہ موجد ہے تو وجود کو باقی رکھنے کے جتنے اسباب ممکن ہیں سب کو مہیا کرنے والا بھی وہی ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کے علاوہ کسی چیز کا وجود مستقل ہو۔ وہ ہی پیدا کرنے والا اور تربیت کرنے والا ہے اور جب غیر اللہ میں سے کسی چیز کا وجود ہی مستقل نہیں ہے تو پھر وہ اوصاف الوہیت کی کیسے مالک بن سکتی ہے۔ وہ نہ ظالم ہے نہ بخیل۔ ہر شخص کو اس کی استعداد قابلیت کے موافق اس نے اپنی رحمت سے فیضیاب کیا ہے۔ اس کے بعد نمبر پنجم و ششم کے خیالات کی تردید مالک یوم الدین کے لفظ سے ہوتی ہے یعنی خدا روز جزا کا مالک ہے جس طرح عذاب ثواب چاہے گا دے گا۔ جسمانی عذاب ثواب ناممکن نہیں کہ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ پھر عذاب و ثواب کے انکار کے کیا معنی۔ وہ روز جزا کا مالک و مختار ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی اس سے زبردستی سفارش کر کے کسی کو نجات دلا دے یا عذاب نہ دینے دے یا قیامت کے دن کوئی اس سے احکام کی روک ٹوک کرے یا اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔ اب رہا ساتواں خیال تو گو اس کی تردید ہر ٹکڑے سے ہو سکتی ہے۔ لیکن رحمٰن و رحیم کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ اس خیال کا استیصال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا مہربان، شفیق اور رحیم ہے۔ اس نے تم کو ہاتھ پاؤں اور زبان ناجائز و حرام ارتکاب کے لیے نہیں دی ہے۔ نہ اس نے تم کو شہوانی و غضبی قوتوں کو علی الاطلاق رہا کرنے کا حکم دیا ہے صرف اپنے کرم سے تم کو جائز خواہشات کے پورا کرنے اور صحیح انتقام لینے کے لیے یہ قوتیں عطا کی ہیں تاکہ تم ان قوتوں سے جائز طور پر بہرہ اندوز ہو اور اپنی قوت عقلیہ کا ان کو تابع بناؤ نہ یہ کہ ان کو مطلق العنان چھوڑ دو۔ کیونکہ مطلق العنان چھوڑ دینا یا ان کو مطلق العنان چھوڑنے کا حکم دینا رحم و مہربانی کے خلاف ہے اور خدا رحمٰن و رحیم ہے۔ اب رہا آٹھویں نمبر کا علاج تو اس کی تو اس کی صاف اور واضح ترکیب یہ ہے کہ خدا کو واحد لاشریک موجد عالم، مربی جہان منصف عادل، جواد اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف سمجھو۔ زبان سے ان باتوں کا اقرار کرو۔ دلی توجہ اس کی طرف کرو۔ اعضائے ظاہری سے اس کے حکم کی تعمیل کی کوشش کرو۔ جب یہ تینوں امور تم کو حاصل ہو جائیں گے تو خوف و رجا کے مجموعہ سے تم کو محبت و عشق کا درجہ حاصل ہو جائے گا اور عشق سے آگے بڑھ کر رضا پھر تسلیم پھر فنا فی الذات کا مرتبہ ملے گا اور توحید خالص کے درجہ میں پہونچ کر تم کو نجات ابدی، فلاح دائمی اور سعادت سرمدی نصیب ہو جائے گی۔ (تفسیر اتقان و کبیر وغیرہ)

مقصود بیان

توحید ذاتی و صفاتی کی تبلیغ اس امر کا اظہار کہ خدا ہی سب کا پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہے۔ اسی سے ہر کام میں امداد کی خواستگاری کی جائے۔ حشر جسمانی حساب کتاب اور اعمال کی جزا سزا ضرور ہوگی۔ خدا کی رحمت سے تمام عالم کا وجود اور بقا ہے۔ خدا تعالیٰ کی کوئی خاص غرض اور نفع اس عالم کی پیدائش سے نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس کی رحمت ہے۔ کسی کے گناہ یا کفر کی وجہ سے خدا اپنا رزق و فیض بند نہیں کرتا۔ مومن کو اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ ہر کام کو شروع کرنے سے قبل خدا کا نام بطور تبرک لیا کرے اور پھر خدا کی حمد و ثنا اور اقرار احسان کیا جائے۔ اس کے بعد عرض مدعا کرے۔ بندوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہئے

ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنی لازم ہے۔ احسان کے معاوضہ سے قطع نظر کرکے صرف رحم اپنا نصب العین بنانا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم جو کچھ سلوک کسی کے ساتھ کرتے ہیں کسی کی مدد کرتے ہیں یا کسی کو جو کچھ مال دیتے ہیں درحقیقت وہ خدا کا فضل ہے۔ ہم صرف دینے کا ذریعہ ہیں۔ ورنہ دینے والا دراصل خدا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کے جلال ذاتی سے خوف دلانا اور رحمت الٰہی کا امیدوار کرنا بھی ان آیات سے مقصود ہے۔ اس امر کی تعلیم بھی مقصود ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا زندہ رکھنے والا اور اعمال کی جزا دینے والا ہے تو پھر کیوں غیر اللہ کی پرستش کی جائے سوائے خدا کے کوئی لائق پرستش نہیں ہے۔ گویا تبلیغ ایمان اور تحذیر عن الکفر بھی اس آیت کا مقصود ہے۔ وغیرہ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ؁

ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تمام دنیا یعنی محسوس غیر محسوس علوی سفلی زمینی آسمانی بسیط مرکب حیوانات جمادات اور نباتات کو پیدا کرنے والا رزق دینے والا درجۂ کمال کو پہونچانے والا اور بالآخر انسان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس کے سوا اس مخلوق میں کوئی تاثیر حقیقی پیدا نہیں کرسکتا۔ ہماری حیات اور بقا ئیات کا فاعل حقیقی وہی ہے۔ تو جب یہ تمام امور ثابت ہیں تو پھر واقعی ہماری عبادت اور استعانت کا وہی مستحق ہے کسی دوسرے کو اس میں قطعاً دخل نہیں ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم تیری ذات اور صفات کا اقرار کرچکے اس سے ہمارے دل پر تیری عظمت کا نقش اس طرح جم گیا کہ ہم تجھ کو حاضر سمجھنے لگے اور ہر وقت اپنے دل میں موجود یقین کرنے لگے۔ تو ہمارا خالق مربی اور بلا غرض پرورش کرنے والا ہے۔ اس لیے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہری اعضا باطنی قویٰ اور جان و مال سے جو پرستش ہوسکتی ہے وہ تیرے ہی لیے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ ہم تجھ کو سجدہ اور رکوع کرتے ہیں۔ تیرا نام تبرک کے لیے لیتے ہیں۔ تیری تقدیس تسبیح اور تحمید کرتے ہیں۔ مصائب و مہمات میں تجھی کو پکارتے ہیں۔ تجھ سے دعا مانگتے ہیں۔ تیرے احکام و فرائض کی تعمیل کرتے۔ تیرے ہی لیے مالی قربانیاں کرتے، زکوٰۃ خیرات اور صدقات دیتے ہیں۔ تیری عبادات میں دل سے خضوع و خشوع کرتے ہیں اور اسی کو غرض کر تیری ہی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی عبادت کو تیرے لیے ہی مخصوص کرتے ہیں لیکن اس تمام عبادت و عرفان کا سرچشمہ تیری ہی امداد ہے۔ ہم بذات خود کچھ نہیں کرسکتے۔ اگر کسی کام کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو تو ہی اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کام کے سرانجام دہی کے لیے ضروری اور غیر ضروری آلات و اسباب و ساز و سامان مہیا کر دینا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور فقط اتنا ہی نہیں کہ تو اس کام کی درستگی کے لیے سامان فراہم کر دیتا ہے بلکہ جو رکاوٹیں اور موانع درمیان میں حائل ہوتے ہیں ان کو بھی تو ہی دور کرتا ہے اور پھر باوجود اسباب کی موجودگی اور موانع کے نہ ہونے کے یا موانع کی موجودگی اور اسباب کے نہ ہونے کے تو ہی اس کام کو پیدا کرنے والا ہے

کہ خداتعالیٰ کی ہدایت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) خداتعالیٰ ہمارے دل میں نیک بات کا ارادہ پیدا کرتا ہے (۲) خداتعالیٰ نے ہم کو ظاہری اور باطنی حواس، روشن عقل اور فکر و دانش کی قوت عطا فرمائی ہے تاکہ ہم سیدھے راستے پر چلیں (۳) انبیاء و رسل، علماء و اولیاء اور دیگر رہبران دین کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا تاکہ ہم ان کے اقوال پر عمل کریں اور ان کے افعال کی تقلید کریں اور قدم بہ قدم چلیں (۴) کتابیں، صحیفے اور صحیح قوانین ہمارے لیے بھیجے تاکہ ہم کو کسی چیز کی سمت غلطی اور حق و باطل کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے (۵) ہمارے روحانی جذبات کو شیطانی اور نفسانی ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رکھا اور ان تمام خطرات سے آگاہ فرمایا جو شیاطین جن و انس وغیرہ سے ہم کو درپیش ہونے والے تھے۔

اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ صراط مستقیم کے کیا معنی ہیں اور سیدھے راستے کی ہدایت کرنے کے کیا معنی۔ صراط مستقیم سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو زیادتی کمی اور افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہو۔ ٹھیک وسط میں ہو۔ قوت شہوانیہ کی حد وسط میں ہی اعتدال ہے نہ بالکل خواہشات کو مردہ کر دیا جائے کہ کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو، نہ اتنا مطلق العنان چھوڑ دیا جائے کہ جا بجا حق و ناحق، جائز و ناجائز سب حاصل کرنے سے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے پیچھے آدمی پڑ جائے۔ اسی طرح قوت غضبیہ کے مقتضیات کے پورا کرنے میں بھی آدمی اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ نہ اس قدر جاہل لٹھ ہو جائے کہ معمولی سی بات پر خاندانوں کے خاندانوں کو فنا کر ڈالے۔ نہ جذبات انتقام اس کے اس قدر سرد پڑ جائیں کہ غیرت و حمیت کے موقع پر بھی اس کو جوش شجاعت نہ آئے اور شکر بے غیرتی کو گوارا کرے۔ اسی طرح قوت عقلیہ میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھے۔ جب تینوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا تو سیدھا راستہ مل جائے گا اور یہی راہ اسلام ہے۔ اب اس راہ اسلام کے کچھ مختلف مراتب ہیں اور باہمی مراتب کے اختلاف کی وجہ سے آیت کے معنی میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ جن کی تفصیل ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

(۱) عام لوگوں کی ہدایت کے تو یہ معنی ہیں کہ خلوص، یقین اور سچے ایمان کے ساتھ شریعت کے فرائض و نوافل کی پابندی کی جائے۔ کوئی فرض، واجب، سنت، مستحب ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ ریا و عجب سے یہ عبادت خالی ہو۔ اخلاق، عادات، رفتار، گفتار اور اطوار میں شریعت کی موافقت اختیار کی جائے۔ قوانین اسلام کی راہ راست سے سر مو کجروی نہ ہونے پائے۔ حقوق نفس، حقوق والدین و اقرباء و احباب ادا کر دیئے جائیں وغیرہ۔

اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ الٰہی تو ہم کو شریعت اسلامیہ کا پابند بنا۔ فرائض اسلامی ہم سے ادا کرا۔ خالص ایمان اور یقین ہم کو عطا کر تاکہ ہم تیرے رسول کی پیروی کریں اور طبقۂ عوام سے نکل کر ہم تیرے دوستوں کے طبقہ میں داخل ہو جائیں۔

(۲) صالحین کی ہدایت۔ اس وقت ہدایت کے یہ معنی ہوں گے کہ الٰہی تو ہم کو نور معرفت اور ایقان کی روشنی عطا کر، قوانین اسلام کا پابند رکھ۔ اپنی رضامندی کا راستہ بتا اور وہ راہ بتا جس میں عقل و حواس کچھ نہیں کر سکتے اور ہزاروں شیاطین اور مزاحم اس میں موجود ہیں ان سے بچا کر ہم کو اپنی راہ پر چلا تاکہ ہم خطرات و وسوسوں سے نکل کر اصلاح قلب کر سکیں اور تیرے نور معرفت سے قلب کو روشن کر لیں اور تیرے صالح بندوں کے زمرہ میں داخل ہو جائیں۔

(۳) اولیاء کی ہدایت۔ اس کے چار درجات ہیں اور ہر درجہ دوسرے سے اعلیٰ ہے۔ پہلا درجہ حضرات اولیاء امت کا ہے

دوسرا درجہ شہداء کا ہے۔ تیسرا درجہ صدیقین کا ہے۔ چوتھا درجہ انبیاء کا ہے اور ان سب کے آخر میں فنا، ذاتی ہے۔ عام مسلمان جب صالحین کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو وہاں سے ترقی کر کے معمولی اولیاء کے درجہ میں آتے ہیں اور معمولی ولایت کے مرتبہ سے آگے بڑھکر شہادت کا درجہ ہے جس میں انسان اپنا تن من دھن رضا یا مادہ یہاں تک کہ اپنی زندگی راہ خدا میں قربان کر دیتا ہے۔ اس سے آگے صدیقوں کا رتبہ ہے اور صدیقوں سے آگے انبیاء کا اور انبیاء کے مرتبہ سے آگے کچھ نہیں صرف فنائے ذاتی اور حوض کا درجہ ل جاتا ہے۔ جس کے مالک ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي یعنی حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ الٰہی تو اپنے طاعات و قوانین کا پابند بنا اور ان پر پابند رکھ، نورِ معرفت عطا کر، نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ۔ ہمارے دل کو اپنے نور سے منور کر دے۔ ہماری رضا و ارادہ کو اپنی راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما اور بلآخر ہم کو صداقت کے مرتبہ میں پہونچا دے۔ اسی کی تفصیل کی طرف صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے اپنے ان بندوں کو راہ راست پر ڈال کر منزلِ مقصود کو پہونچایا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ اسی طرح ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ راہ راست دیکھنے کے باوجود ہم گمراہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ اس پر چل کر مقصود اصلی تک پہونچ جائیں اور سب کو نجات حاصل ہو جائے۔ کیونکہ منزلِ مقصود تک پہونچانا بھی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔

خدا تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام فرمایا اُن کا ذکر آیت ذیل میں ہے:- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہی ایسے لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو ان بزرگ ہستیوں کی رفاقت نصیب ہو اس سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ادنیٰ درجہ والوں یعنی صالحین کے لیے وہ نعمتیں مہیا فرمائی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی کے دماغ میں ان کا تصور و خیال آیا (کما فی السنن) جب صالحین کے یہ مراتب ہیں تو اعلیٰ درجات کا کیا قیاس و اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بندہ ابتدا میں رہنمائی پاتا ہے۔ حق و باطل کے طریقے اس کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں اور وہ بظاہر مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر اس رہنمائی کے بموجب مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پہونچانے والا صرف باری تعالیٰ ہے اس لیے اسی سے درخواست کرتا ہے کہ تو ارحم الراحمین اور ہادی ہے۔ اپنے فضل سے مجھے ایسا راستہ بتا دے، بلکہ ایسے راستے کے ذریعہ منزلِ مقصود تک پہونچا دے جس سے تیرے نعمت بردار اور منت کش بندے مقصود تک پہونچے ہیں۔

ابن کثیر نے بہ روایت حضرت علیؓ بیان کیا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد کتابِ الٰہی ہے۔ (ابن جریر، احمد، ترمذی) ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صراطِ مستقیم سے دین اسلام مراد ہے۔ یہی قول حضرت جابر، محمد بن حنفیہ اور عبد الرحمٰن بن زید وغیرہ سے مروی ہے۔

سنن کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے احکام پر پابندی کی نصیحت فرمائی تو ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! حضور کو اس کا خوف نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہم خود تو پڑھتے ہی ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور

ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی۔ حضورؐ نے بطور تعجب کے فرمایا کہ میں تو تجھے مدینے کے دانشمندوں میں سے جانتا تھا اور تو نے ایسی بات کہی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان یہود و نصاریٰ کی بغل میں بھی کتاب ہے۔ لیکن ان کو اس سے کیا فائدہ۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ نواس بن سمعانؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم مثالاً فرمایا ہے۔ یعنی خدا نے ایک صراط مستقیم بنائی اور صراط کے دونوں جانب دیواریں ہیں جن میں بغیر کواڑ کے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط کے اس دروازہ پر ایک شخص موجود ہے اور کہتا ہے کہ لوگو سب کے سب اس راہ میں آجاؤ اور کج راہی مت اختیار کرو اور جب کوئی راہگیر ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو دوسرے سرے والا شخص پکار کر کہتا ہے۔ ارے بیوقوف یہ دروازہ مت کھول۔ کیونکہ اگر اس کو کھولے گا تو اندر جا پڑے گا۔ پھر حضور اکرم نے اس تمثیل کا مطلب بیان فرمایا کہ صراط مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواریں حدود الٰہی ہیں اور دروازے محرمات شرعیہ ہیں اور دروازہ پر بیٹھا ہوا شخص کتاب الٰہی ہے اور بالائی سرے سے پکارنے والا ہر مسلمان کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہوتا ہے۔

(ابن ابی حاتم، ترمذی، نسائی وغیرہ)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جس پر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے اور یہی قول صحیح بھی ہے۔ کیونکہ جس نے شیخین کی اقتدار کی وہ حق کا تابع ہوا اور جو حق کا تابع ہوا وہ اسلام کا تابع ہوا اور جو اسلام کا تابع ہوا وہ قرآن پاک کا تابع ہوا۔ لہٰذا مذکورۂ بالا تمام اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (اتقان)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ، یہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی توضیح ہے یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر نہ چلا جو صراط مستقیم سے ہٹ کر افراط کی جانب مائل ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے اُن پر تیرا غضب نازل ہو گیا اور نہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تفریط کی جانب متوجہ ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے۔ اُن کے دلوں پر گناہ کا زنگ چڑھ گیا۔ لیکن ان کو پھر بھی قلب کے زنگ آلود ہونے کا احساس نہ ہوا اور ویسے ہی گمراہ رہے۔ اس وقت اُن کے دلوں پر جہالت و گناہ کے پردے پڑ گئے اور دل میں تاریکی پیدا ہو گئی مگر بایں ہمہ اب بھی ان کو شعور نہ آیا اور دل کی تاریکی ان کو نظر نہ آئی، گناہوں سے وہ دست کش نہ ہوئے۔ اعمال و عقائد کی غلطی نے ان کے دلوں پر تسلط حاصل کر لیا۔ کفر کی تخم ریزی اُن کے اقوال و افعال اور اعتقادیات میں ہو گئی تو اب اُن کے دلوں پر کفر کی مہر لگ گئی اور دل میں ہدایت کی طرف سے بندش پیدا ہو گئی۔ لیکن انھوں نے اس کے باوجود اس کفر کی مہر کو توڑنے کی کوشش نہ کی تو اب شرک و گمراہی کے قفل ان کے حواس و مشاعر کے دروازوں پر لگ گئے اور وہ قطعاً گمراہ ہو گئے۔ اُن کے ہدایت یافتہ ہونے کی بالکل امید نہیں رہی۔ الٰہی ہم کو ان گمراہوں کی راہ پر نہ چلا۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم تجھ سے صالحین کی راہ چاہتے ہیں۔ جس طرح تو نے ان کو مقصد پر پہونچا دیا اسی طرح ہم کو بھی پہونچا دے۔ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے یہودی اور وہ لوگ جو یہودیوں کی طرح عقائد رکھتے ہیں مراد ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ خراب ہو گیا۔ انھوں نے دانستہ سرتابی کی اس لیے اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ضالین سے عیسائی اور ان کے مشابہ لوگ مراد ہیں۔ عیسائیوں نے حق کو پہچانا ہی نہیں اور گمراہی میں بھٹکتے پھرے۔ ترمذی اور امام احمد نے ایک صحیح روایت اسی قول کی تائید میں بیان کی ہے جس کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالین ہیں

یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور یہی حق قول ہے۔

نکات (۱) آدمی کی سعادتِ کامل اور نجاتِ صحیح یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال و اقوال بھی درست۔ نہ عقائد میں کمی یا مبالغہ ہو نہ اقوال و افعال میں کوتاہی۔ جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہو گئیں ان کو کامل سعادت اور پوری نعمت حاصل ہو گئی۔ لیکن اگر کسی کا عقیدہ خراب ہو۔ خدا تعالیٰ کی ذات صفات احوالِ قیامت وغیرہ کے متعلق فاسد عقیدہ اور غلط خیال رکھتا ہو اور اپنے اختراعی توہمات کو ہی عرفان تصور کر کے مست ہو رہا ہو اس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس کے اقوال و افعال خراب ہوں، فضائلِ حمیدہ اور فرائضِ دینیہ کے ادا کرنے سے بے بہرہ اور افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو وہ گمراہی اور منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ ایسے لوگ بھی سعادت کامل حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مومن کو چاہیئے کہ عقیدہ بھی صحیح رکھے اور فرائضِ الٰہی کا بھی پابند ہو تاکہ مکمل نجات اور پوری سعادت کا مستحق ہو جائے۔

(۲) مومن ظاہر و باطن میں خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ کا پورا انعام ہوتا ہے اور کافر و منافق پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور ازلی گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی منافقوں پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور کافر گمراہ ہیں۔

مقصودِ بیان ہر چیز یہاں تک کہ ہدایت کی بھی دعا خدا ہی سے کرنی چاہیئے۔ واصلین اہلِ انعام کا جادۂ ڈھونڈھنا چاہیئے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو جو بزرگیاں اور مراتب عطا ہوئے ہیں وہ محض انعامِ الٰہی تھا۔ مقصود تک پہونچانے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ کسی کو اپنے علم پر نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خالی علم حاصل کر لینے سے ہی اصل مقصد حاصل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جب علم کے موافق خدا تعالیٰ ہدایت بھی کرے تو آدمی مراد کو پہونچتا ہے۔ دیکھو یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل عطا ہوئی جو ہدایت کے لیے کافی تھی۔ مگر وہ لوگ منزلِ مقصود تک نہ پہونچ سکے۔ خدا تعالیٰ کے غضب اور اضلال سے پناہ مانگنی چاہیئے اور جس طرح ظاہر میں پناہ مانگنا ضروری ہے اسی طرح باطن میں بھی پناہ مانگنی چاہیئے۔ غیر مذاہب والوں کا طریقہ اور وضع اور مشابہت قطعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ مشابہت باطنی ہو یا ظاہری دونوں گمراہی کی شاخیں ہیں۔ صراطِ مستقیم اور سیدھا راستہ وہی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے کسی طرف جھکنا نہ چاہیئے ورنہ راہِ راست چھوٹ جائے گی۔ اعتدال اور توسط بہترین چیز ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ وغیرہ

پوری سورت کا خلاصۂ بیان

انسان کو چاہیئے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات مقدس کا پر تو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو خدائے قدوس کی حمد و ثنا اور اس کے صفات و کمالات کا ذکر کرے تاکہ اس ذاتِ گرامی کے ساتھ کچھ لگاؤ اور مناسبت پیدا ہو جائے۔ جب مناسبت پیدا ہو جائے اور سیر الی اللہ کرنے کا شوق پیدا ہو تو عبادت کا توشہ اور استعانت کی سواری بھی ساتھ لے لے اور سیدھے راستہ کی بھی تلاش کرے اور جب سیدھا راستہ مل جائے تو رفقائے سفر بھی ایسے ساتھ ہونے چاہیئں کہ جن کی وجہ سے راستہ کی دشواریاں اور تکلیفیں دور ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ راستہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور گھنا جنگل نہ ہو تاکہ ان میں پھر الجھ کر نہ رہ جائے جس سے

اہل راستہ گم ہو جائے اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو۔ جتنے خطرات اور وسوسے دل میں پیدا ہوں ان کو رد کر دے۔ قوت شہوانیہ اور غضبیہ کے افراط و تفریط کے جھاڑ جھنکاڑ راستہ سے صاف کر دے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ معرفت الٰہی کا پتہ تو قلب پر ثبت ہو جائے گا جس سے قلب روشن ہو جائے گا۔

ہدایت خاص سورۂ حمد تمام قرآن کا نچوڑ ہے۔ اس میں عقائد و اعمال کی اصلاح بھی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تمام صفات جلالیہ اور کمالیہ کا بیان بھی ہے۔ تہذیب نفس، ادب اور اخلاق کی تعلیم بھی ہے۔ پورا علم شریعت طریقت اور حقیقت اس میں موجود ہے۔ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی تعریف بھی ہے۔ منافقین اور کافرین کی برائی بھی ہے۔ سیر من اللہ اور سیر الی اللہ کی طرف دل چسپ لطیف اشارات بھی ہیں۔ فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف ترغیب اور نافرمانی و سرتابی سے تہدید و منع بھی ہے۔ خلاصہ یہ جو کچھ بھی سارے قرآن میں ہے وہ ایک سورۃ میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں ان امور کا مفصل بیان ہے اور اس سورت میں اجمالی اشارات ہیں قرآن سے امور مذکورہ کا استنباط اکثر سمجھدار لوگ کر سکتے ہیں اور اس سورت سے مضامین بالا کا اقتباس صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے حواس روشن، مشاعر منور، دل صاف، روح مستعد ہو اور دماغ میں ملکہ دانش اور پھر خدا کی توفیق بھی شامل حال ہو۔

سورۃ البقرۃ

اس سورۃ کا نام سورۂ بقرہ اس لیے ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے زمانے کے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ نے اُن کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کا مفصل قصہ اسی سورت میں مذکور ہے۔ اس سورۃ کا نام فسطاط القرآن اور سنام القرآن بھی ہے۔ اسی سورۃ میں ۴۰ رکوع ۲۸۷ یا ۲۸۶ آیات ۶۲۲۱ الفاظ اور ۲۵۵۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور قرآن کی سورتوں میں سب سے بڑی ہے۔ مدینہ میں سب سے آخر میں یہی نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کی بعض آیات مدنی نہیں ہیں۔ مثلاً وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ الخ اور فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ الخ اور لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ الخ۔

شانِ نزول

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا اقتدار تھا اور تمام عرب ان کو مسلّم رہبر اور قائد مانا کرتے تھے۔ اسلام جب مدینہ میں پہونچا اور اس کی روشنی نے سعید روحوں کو منور کرنا شروع کیا تو اہل کتاب کو یہ امر نہایت شاق گزرا۔ کیونکہ اس سے اُن کی وجاہت اور عزت اور مالی منافع میں کمی واقع ہوئی۔ اس لیے سب اہل کتاب مع اپنے تبعین کے اسلام کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے اور نور اسلام کو اپنے منہ کی پھونک سے گل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان سب کا سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہ راس المنافقین تھا۔ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن باطن میں کافر تھا۔ اسی وجہ سے اس کو اسلام کا زیادہ موقع سہولت کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اسی بناء پر خدا تعالیٰ نے ان کی بحثوں کے ضرر کو دفع کرنے اور شکوک شبہات کی

اصلاح کے لیے یہ سورت نازل کرنی شروع کی تمام دشمنان اسلام کے گروہ کے مدینہ اور اطراف مدینہ میں تقسیم تھے ایک گروہ تھے جو کھلم کھلا مسلمانوں کے مخالف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔ توحید و رسالت کے ماننے والے نہ تھے۔ یہ فرقہ کافروں کا تھا۔ دوسرا گروہ منافقوں کا تھا جو بظاہر مدعیان اسلام تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے۔ تیسرا گروہ مسلمانوں کے دلوں پر اس قدر شکوک و شبہات نہ ڈال سکتا تھا کیونکہ مسلمان جانتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ان کا کوئی قول قابل تسلیم و اتباع نہیں۔ لیکن مؤخر الذکر گروہ کا فرد مسلمانوں کے لیے بہت نقصان دہ تھا۔ ان کا ایک پیشوا یعنی مالک بن صیف یہودی مسلمانوں کے دلوں میں بہت زیادہ شک ڈالا کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے جس کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس شک کو پہلے رفع کیا اور پھر چار آیات مسلمانوں کی مدح میں، دو آیات کافروں کی مذمت میں اور تیرہ آیات منافقوں کے احوال کے بیان میں نازل فرمائیں۔

ربط سورۂ بقرہ میں ان تمام مضامین کی تشریح ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان کئے گئے تھے۔ سورۂ حمد میں جو مضامین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے۔ اس سورۃ میں ان کی تفصیل ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی شرح شروع کے تین رکوع میں کردی گئی۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مضامین اجمالی تھے۔ ان کی تفصیل میں آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا، پھل پھول، میوہ، اناج اور تمام ان چیزوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس سے تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو زندگی عطا کرنا، ان کو ہر طرح کی نعمتیں مرحمت کرنا، اولاد اسمٰعیل میں نبی کو پیدا کرنا، کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا، مکہ کے باشندگان کے لیے رزق رسانی کا وعدہ وغیرہ وغیرہ یہ سب تربیتِ عالم کے انواع مظاہر ہیں۔ پھر من و سلویٰ بنی اسرائیل کو عطا کرنا، ابر کا سایہ کرنا، سلطنتِ زائلہ کا واپس ملنا، فرعون سے نجات حاصل ہونا وغیرہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی شرح ہے پھر گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت سے مقتول کی لاش کو مارنا اور اس کا زندہ ہو جانا اور اپنے قاتل کا نام بتانا اور بنی اسرائیل کی سرتابیوں پر طرح طرح کی سزا دینا اور کفار و منافقین کا جہنم میں جانا یہ سب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی توضیح ہے۔ پھر فرائضِ دینی کے ادا کرنے کا حکم تسبیح تکبیر اور تہلیل وغیرہ کے مسائل، شرک و بت پرستی کی ممانعت، محبتِ الٰہی کی تعلیم وغیرہ یہ سب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر ہے۔ پھر قرآن کا متقیوں کے لیے ہدایت ہونا، اخلاق و فضائل کی وضاحت۔ احکامِ طلاق و نکاح وغیرہ اور صلۂ رحمی۔ والدین کی اطاعت اور اقارب اہل کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم سب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفصیل ہے۔ پھر حضرت ابراہیم و یعقوب و دیگر انبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے اقوال و احوال اور ان پر انعام الٰہی ہونا وغیرہ سب صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تشریح ہے اور فرعون کو غرق ہونا۔ نمرود کا حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں تباہ ہونا اور یہود پر مصائب نازل ہونا سب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ کی توضیح ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن مضامین کا سورۂ حمد میں اجمالاً بیان کیا گیا تھا ان کی تفصیل اس سورت میں کردی گئی ہے۔

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

الٓمّٓ　یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شبہ نہیں　پرہیزگاروں کے لیے رہنما ہے

تفسیر الٓمّٓ یعنی الف۔ لام۔ میم۔ کیونکہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب الٰہی سے ایک حرف پڑھا اس کے واسطے ایک نیکی ہے اور اس کی نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ لیکن میری مراد یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (ترمذی وغیرہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ متشابہات میں بعض امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ چنانچہ الٓمّٓ میں الف سے آلاء الٰہی، لام سے لطف الٰہی اور میم سے ملک الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ الف سے اللہ، لام سے جبرئیل اور میم سے محمدؐ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ کے واسطے سے محمدؐ پر نازل ہوا۔

ابن کثیر نے کہا کہ کل حروف مقطعات جو قرآن میں وارد ہیں اور انتیس سورتوں میں آئے ہیں بحذف مکرر ان کی تعداد صرف ۱۴ رہ جاتی ہے جس کا مجموعہ نص حکیم قاطع لہ سر ہوتا ہے یعنی یہ کتاب حکیم حقیقی کی طرف سے متضمن اسرار ہے۔ بعض اکابر نے بیان کیا کہ الف سے اَنَا لام سے اللہ اور میم سے اَعْلَمُ کی طرف اشارہ ہے یعنی اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ یعنی میں معبود برحق ہوں اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

لیکن حق یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ یہ خدا اور اس کے رسول کے درمیان رموز ہیں جن پر ہمارا ایمان لانا فرض اور ضروری ہے اور یہی ہمارا فرض ہے کہ ان سے جو کچھ بھی مراد ہو اس کو حق جانیں اور متشابہات صرف حروف مقطعات نہیں بلکہ عذاب قبر کی کیفیت، شہیدوں کی حیات، جنت و دوزخ کے احوال وغیرہ سب متشابہات میں ہیں اور ان پر مسلمان ایمان لازم ہے۔ کیونکہ ہماری عقل اور بینائی ان امور میں نابینا اور عنین کی طرح ہے۔ نابینا خود کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کو نہیں معلوم کہ روشنی کیسی ہوتی ہے۔ بیان کرنے سے نور کی کیفیت اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح عنین کو کیف جماع صرف بیان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ چیزیں وجدانی ہیں۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ مشاہدہ کرنے اور محسوس کرنے کی قوت عطا کرے گا، وہی جان لیں گے۔ اس کے لیے بیان بیکار ہے۔ حدیثوں میں بھی اس میں غور کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال سے مختلف زجر آمیز روایات کا ثبوت ان لوگوں کے حق میں ملتا ہے جو متشابہات میں گفتگو کرتے ہیں۔ تفسیر کی علمائے راسخین کو اجازت ہے۔ بہرحال ہم حروف مقطعات کے اس تفسیر میں کوئی معنی بیان نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا گزشتہ کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا اس کے حق اور سچا ہونے میں کسی عقلمند کو شبہ نہیں ہوسکتا بشرطیکہ خواہشات نفسانی اور وسائس شیطانی کا خیال ترک کرکے خالص دل سے طالب حق بن کر اس پر غور کرے۔ جو شخص ایسا کرے گا اور صفائی دل، تہذیب نفس اور جذبات صادقہ کے ساتھ حقانیت کی روشنی میں اس کو سمجھے گا تو ضرور سمجھ لے گا کہ اس کتاب کے حق اور الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کو یقین ہو جائے گا کہ پہلی تمام الہامی کتابیں

منسوخ ہو چکی ہیں اور یہ ان کے لیے ناسخ ہے۔ اس کے مطالب و مضامین اس قدر صاف اور سلجھے ہوئے ہیں کہ عقل انسانی ان کو یقینی طور پر تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین یقینی اور قطعی ہوں، کسی قسم کے ریب اور شک کو ان میں دخل نہ ہو وہ بلا شبہ منجانب اللہ ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب پرہیزگار لوگوں کو راہ راست بتاتی ہے۔ اس کے مضامین اور قواعد گمراہوں کو سیدھا راستہ بتانے والے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لانے والے ہیں۔ محاسن اور اخلاق کی یہ کتاب تعلیم دیتی اور افعالِ ذمیمہ سے روکتی ہے۔ پھر عقلمند آدمی کو غور کرنے کے بعد اس کے الہامی ہونے میں کیا شک رہ جائے گا اور جن کی قسمت میں خدا تعالیٰ نے متقی بننا لکھ دیا ہے وہ کس طرح اس کی حقانیت ہدایت اور مخزنِ کمال ہونے میں شبہ کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کے کیا معنی ہیں اور متقی کس کو کہتے ہیں۔ اس کی توضیح کے لیے مختلف احادیث آئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقین سے یہی مومن مراد ہیں جو شرک سے بچتے اور طاعت الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو حرام سے بچتے اور فرائض ادا کرتے ہیں۔

ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا بندہ متقین کے درجہ کو اس وقت پہنچتا ہے جب ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جن میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ ان چیزوں میں نہ پڑ جائے جن میں گناہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک و بت پرستی سے بچتی ہے خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔

حضرت ابی ابن کعب نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ جس طرح خار دار راستہ میں سے دامن سمیٹ کر کوشش کے ساتھ آپ نکل جاتے ہیں بس یہی حالت متقی کی ہوتی ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کے خوف عجاب سے پرہیز رکھے اگرچہ ایک ذرہ برابر ہو۔ یہاں تک کہ بعض ایسی چیزیں ترک کر دے جن کو حلال جانتا ہو لیکن وغدغۂ حرام کی وجہ سے خوف کرتا ہو کہ شاید حجاب اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہو جائے۔ یہی معنی ایک جماعت صلحاء و تابعین سے مروی ہیں۔

درحقیقت تقویٰ کے عرف شریعت میں یہ معنی ہیں کہ بندہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دے جو آخرت میں اس کے لیے مضر ہیں اور اس کے تین درجات و مراتب ہیں۔

(۱) شرک و کفر نہ کرے اور دوامی عذاب سے بےخوف ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر مومن کو خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں (۲) ہر قسم کے گناہ سے بچنا خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ (۳) سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔ تمام خطرات اور خیالات سے آئینۂ دل کو صاف کرنا ہمہ تن جمال جہاں آرا میں محو ہو جاتا۔ یہ تقویٰ حقیقی تقویٰ ہے اور اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء اولیاء ہوتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں تقویٰ کے تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن سے اعلانِ توحید، ترک صغائر و کبائر اور فنا فی اللہ تینوں کے مطالب و مضامین اخذ کیے جاتے ہیں۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ کتاب الٰہی کافروں کو توحید کا راستہ دکھلانے والی فاسقوں اور گناہگاروں کو صغائر و کبائر سے بچنے کی ہدایت کرنے والی، اور صالحین کو اولیاء شہداء اور صدیقین کے مراتب تک

پہونچنے کا طریقہ بتانے والا ہے۔ پھر کس طرح اس کی حقانیت و اعجاز میں شک ہو سکتا ہے۔

مقصودِ بیان پہلی کتابوں میں جس کتاب الہامی کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔ آدمی کو اس میں غور و خوض کرکے اس کی خوبیاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو سمجھدار اور فہیم طبقہ ہے۔ اگر وہ غور سے کام لے تو پھر اس کو قرآن کی صداقت و حقانیت اور ہادی ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے اندر ہر طبقہ کے انسانوں کے لیے مواد ہدایت موجود ہے۔ انسان ترقی کرکے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پہونچ سکتا ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ پہلے نواہی کو پرہیز رکھے اور امر کا پابند ہو۔ پھر مشتبہات اور مشکوکات کو بھی چھوڑ دے تاکہ صلحاء کے درجہ تک رسائی ہو۔ پھر ان حلال چیزوں سے بھی کنارہ کش ہو جائے جو معرفتِ الٰہی سے حجاب ہو جانے کا ذریعہ قرار پا سکتی ہوں۔ اس کے آگے ماسوا اللہ کو ترک کر دے۔ کوئی شخص بغیر اتقاء کے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بغیر طلب حق کے ہدایت مجسم سے بھی رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ طلب صادق حصولِ حقانیت کے لیے شرط ہے۔ جو شخص طلبِ صادق رکھتا ہے اور متقی بننا چاہتا ہے اس کو خدا تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ راہِ راست دکھا دیتا ہے وغیرہ۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں

تفسیر یعنی متقی وہ لوگ ہیں جن کے عقائد درست ہوں جو چیزیں ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں ان پر بھی ان کا ایمان ہو۔ بدنی اور مالی فرائض ادا کرتے ہوں۔ اوامر و نواہی کے پابند ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان کی قوت نظریہ اور عملیہ دونوں صحیح ہوں۔ آیت مذکورہ کے تین ٹکڑے ہیں۔ ہم ہر ایک کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالغیب۔ غیب اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے غائب ہو اور اس کے مدارج مختلف اشخاص کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔ عام آدمیوں کے لیے خدا تعالیٰ، ملائکہ، کتابیں، رسول، روزِ قیامت، تقدیرِ الٰہی، عذابِ قبر، دوزخ، جنت، حشر نشر، پل صراط، میزان وغیرہ سب غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ لیکن جس قدر مراتب میں ترقی ہوتی جائے گی انکشاف بڑھتا جائے گا تو جو چیز غیب میں داخل تھی پھر اس کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج میں دوزخ، جنت، حور، قصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کے واسطے یہ غیب نہیں رہا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو جن جن چیزوں کا انکشاف عطا فرما دیا تو وہ چیزیں بھی معائنہ میں داخل ہو گئیں۔ اگرچہ ہمارے لیے وہ غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ ابو العالیہ نے اس غیب سے جو آیت میں مذکور ہے ہستی باری تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتابیں، رسول، روزِ آخرت، جنت، دوزخ اور حشر مراد لیا ہے۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک جنت دوزخ کا حال جو قرآن میں مذکور ہے سب غیب میں داخل ہے۔

(۲) اقامتِ صلوٰۃ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا کیا جائے اس کی اقامت کی جائے اور خشوع و خضوع سے نماز میں توجہ کی جائے۔ حضرت قتادہؓ نے اور زیادتی کی ہے کہ نماز کے اوقات کی پابندی اور وضو کا

التزام بھی رکھے۔ ابن حبان نے درود اور التحیات کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور درحقیقت نماز تمام بدنی عبادتوں کی جڑ ہے اس کے التزام سے تمام گناہوں کی رغبت مٹ جاتی ہے۔ امورِ ممنوعہ کا ارتکاب انسان چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان فارق قرار دیا ہے۔

(۳) اداء صدقہ۔ صحابہؓ پر ابتدا ہی سے زکوٰۃ فرض ہوئی تھی، لیکن اس کی کوئی خاص مقدار واجب نہ تھی۔ بلکہ مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو اس وقت یہی آدمی کے خرچ سے جو کچھ فاضل بچتا تھا اس کو صدقہ کر دینا واجب تھا۔ پھر ہجرت کے دوسرے سال تخفیف فرما کر زکوٰۃ کی مقدار معین کر دی۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا کرنی مراد ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کے دوسرے قول نیز ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کو نفقہ دینا آیت میں مراد ہے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ متقین وہ شرعی حقوق جو مال سے تعلق رکھتے ہیں ادا کرتے ہیں خواہ فرض زکوٰۃ ہو یا متعلقین کے مصارف یا اقارب واجانب کے ادائے حقوق سب اس میں شامل ہیں۔

آیت مذکورہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے حامل ہوتے ہیں۔ امور منکرہ اور افعال ممنوعہ سے پرہیز رکھتے ہیں۔ وہ خدا کا حق بھی ادا کرتے ہیں اور بندوں کا بھی۔ ان کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اعمال معتدل بھی۔ وہ عبادت بدنی بھی کرتے ہیں اور حقوقِ مالی بھی ادا کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان مومن کا عقیدہ درست ہونا چاہیے۔ فرائض مذہبی اس کو ادا کرنا چاہئیں اور محرمات سے پرہیز رکھنا ضروری ہے۔ ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ نماز تمام بدنی عبادات کی سردار ہے۔ اسی کے اندر روزہ بھی داخل ہے۔ کیونکہ نماز کے اندر وہ تمام چیزیں ممنوع ہیں جو روزہ کی حالت میں ممنوع ہیں۔ زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک ضروری جزو ہے تقویٰ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ جس کے عقائد و اعمال صحیح ہوں گے وہ متقی ہے۔ راہِ خدا میں اگر مال دیا جائے تو اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیے ایسا نہ کیا جائے کہ کل مال دے کر آدمی خود فقیر ہو جائے۔ آدمی کو اپنی قوتِ علمیہ اور عملیہ کی تکمیل ضروری ہے۔ درحقیقت دینے والا خدا ہے دینے والے کو بھی خدا ہی نے دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ

اور جو آپ پر اُتاری ہوئی کتاب (قرآن) پر اور جو کتابیں آپ سے پہلے (اور نبیوں پر) اتاری گئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور

هُمْ يُوْقِنُوْنَ○

آخرت کا بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر یؤمنون بالغیب سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات، وجود ملائکہ، کتب الٰہیہ اور روز قیامت پر ایمان لانا مراد تھا۔ آیت مذکورہ میں اس علم مومنہ کے ایک حصہ کی خصوصیت کے ساتھ تصریح کر دی تاکہ یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید

ہو جائے کہ پہلا بھی کتبِ سماویہ پر ایمان ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانے والے متقی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان خدا کے تمام صحیفوں پر ہو جو وحی آپ پر نازل ہوئی ہے اس پر بھی اور جو وحی گزشتہ پیغمبروں پر بھیجی گئی تھی اس پر بھی ہو اور وحی عام ہے۔ خواہ وہ وحی متلو ہو جس کو جبرئیلؑ خدا کی طرف سے بالفاظ مقررہ ادا کرتے تھے یا وحی غیر متلو ہو اور بلا توسط جبرئیلؑ اور بلا تخصیص الفاظ صرف دل میں القاء ہوا ہو یا انکشاف روحانی ہو یا الہامی مضامین ہوں جن کو مختلف پیغمبروں نے اپنی عبارتوں میں تعبیر کر کے لکھوا دیا۔ بہر حال ان تمام صحیفوں، کتابوں، الہاموں اور انکشافوں کو وہ لوگ برحق مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ان کو یقین کامل ہے۔ دنیا کے رنج و راحت کو وہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی ایمان بالغیب رکھنے والے ہیں۔ یہود و نصاریٰ مومن بالغیب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہودیوں کا ایمان توراۃ انجیل و قرآن دونوں پر نہیں ہے اور عیسائی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور ایمان بالغیب اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کل آسمانی وحی پر ایمان نہ ہو۔

مقصود بیان ایمان بالغیب کی کیفیت کا بیان اور اس کے حصول کی ترغیب۔ یہود و نصاریٰ مومن بالغیب نہیں ہیں۔ آخرت ہی درحقیقت یقین کے قابل ہے اور دنیا کے فوائد و مصائب تو فانی اور زوال پذیر ہیں ان پر یقین اور بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستے پر ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

تفسیر جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف گزشتہ آیات میں بیان کر چکا اور سعادت کی مکمل تفصیل ختم ہو گئی تو اب اس سعادت کے نتیجہ کو اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ یعنی پہلے یہ بیان کیا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے اور خدا کی ہدایت کا نتیجہ کیا ہے۔ وہ اس آیت میں مذکور ہے کہ فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن متقین کا اوپر بیان ہو چکا وہی اپنے رب کی جانب سے ہدایت کے طریقہ میں اور انہی کو دین و دنیا میں کامیابی حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں ہدایت سے مراد نور و استقامت ہے اور فلاح سے مراد خیر و خوبی کا حصول اور بدی سے نجات ہے۔ یعنی انہی لوگوں کو خدا کی طرف سے نور و استقامت حاصل ہے اور انہی کو ہر بدی اور برائی سے نجات ملتی ہے اور یہی کامیاب ہوں گے۔

مقصود بیان ہر نور، استقامت اور ہدایت خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ خدا ہی سے استقامت اور ہدایت کے حصول کی دعا کرے۔ متقی ہی آخرت میں صاحب فلاح ہوں گے۔ جن لوگوں کو خدا کی طرف سے دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے وہی آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ وجود فلاح ہدایت پر مترتب ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس طرح تربیت جسمانی کرتا اسی طرح اپنی ہدایت سے تربیت روحانی بھی کرتا ہے لہٰذا مسلمان کو جسمانی اور روحانی پرورش کے لیے چھوٹا سا چھوٹا سوال بھی اسی سے کرنا چاہیے۔ آیت میں ایک بلیغ ترین پیرایہ میں

تقویٰ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

بے شک جو لوگ کافر ہیں (اور) منکر ہیں ان کو خواہ آپ (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ تو ایمان لائیں گے نہیں

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ

(کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا اور (آخرت میں)

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

تفسیر آیت خَتَمَ اللّٰہُ الخ ولید بن مغیرہ، عتبہ، شیبہ اور ابوجہل وغیرہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی جن کی موت الشرک ازلی علم میں کفر پر ہی تھی۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے سعید روحیں رکھنے والوں کا حال اور نتیجہ بیان فرمادیا تو مزید ترغیب کے لیے اہل شقاوت کا حال و مآل بیان کرنا شروع کیا تاکہ دانشمند طبقہ اول الذکر فرقہ کے حال و مآل کو پڑھ کر اس کی طرف راغب ہو اور مؤخر الذکر فرقہ کی حالت و نتیجہ پر غور کر کے اس سے اعراض و گریز کرے اور چونکہ اہل شقاوت دو طرح کے تھے ایک تو وہ جو کھلم کھلا حق کے مخالف تھے جن کو کافر کہا جاتا تھا اور دوسرے وہ جو ظاہر میں تو اہل حق کے موافق تھے اور باطن میں ان کے مخالف تھے۔ مسلمانوں سے بالکل تضاد اور تقابل کافروں ہی کو تھا۔ کیونکہ مسلمان ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں مومن ہوتا ہے اور کافر دونوں حالتوں میں مخالف اور منکر ہوتا ہے۔ اس لیے آیت میں پہلے کفار کا حال بیان فرمایا۔ گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے کافروں کے لیے نہیں۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ کافروں کے لیے ہدایت ہو۔ کیونکہ متقی تو خود ہدایت یافتہ ہیں ان کو ہدایت کی کیا ضرورت۔ آیات مذکورہ میں ایک استدلال اور برہانی صورت میں اس خیال کی تردید فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے کفر یا شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں یا گناہوں کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ نور ازلی سے محروم نہیں ہیں ان کو ضرور قرآن سے ہدایت ہوگی اور وہ شرک، کفر اور معاصی سے کنارہ کش ہوکر ضرور راہ راست پر آجائیں گے۔ لیکن جو لوگ ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں ازلی بدنصیب ہیں۔ ان کو تم اتمام حجت کے لیے کتنا ہی عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ لیکن ان کو نہ قرآن سے راہ راست مل سکتی ہے نہ تمہارے خوف دلانے سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ازلی بدنصیب ہیں۔ ان کے دلوں پر معاصی اور تمرد کے زنگ چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ نظر صحیح سے اعراض کرتے اور گمراہی میں منہمک رہتے ہیں۔ کفر و معاصی کو پسند کرتے اور ایمان سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے دلوں کے اندر حقانیت و صداقت کا نفوذ نہیں ہو سکتا

ان کے کان حق بات کے سننے سے نفرت کرتے ہیں اور آنکھیں نابینا ہیں کہ بینات اور قدرت الٰہی کو نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو خدا نے بھی ان کے دلوں پر غفلت جہالت اور شقاوت کے پردے ڈال دیے۔ ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور آنکھوں کی بینائی چھین لی۔ بس اب مہر الٰہی کی وجہ سے ان کے دل بہائم کے ایسے دل ہو گئے۔ حق و صداقت تبلیغ و تسلیم اور اقرار و ہدایت ان کے لیے بے سود ہے۔ نہ آنکھوں سے ان کو حقانیت دکھتی ہے۔ نہ کانوں سے سچائی کی باتیں سن سکتے ہیں۔ نہ عقل حواس اور مشاعرے درک حقیقت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تم اور قرآن حقائق اشیاء کو حل نہیں سکتے جو انوارِ الٰہیہ سے محروم ہیں ان کو جہاں کون منور کر سکتا ہے۔ تمہاری تبلیغ اور قرآن کی ہدایت میں کوئی قصور نہیں۔ لیکن ازلی بد قسمتوں کو بھلائی نصیب نہیں ہو سکتی جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ان کو کفر و معصیت کی طرف بےخودی کی حالت میں دوڑاتی ہے۔ اور فطرت سے ان کو دلی نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں اور کسی طرح حق و صدق کی قابلیت ان میں باقی نہیں رہی۔ اب لامحالہ ان کے لیے تکلیف دہ اور اذیت رساں عذاب تیار ہے۔ جس سے کسی طور پر ان کو رہائی نہیں مل سکتی۔ وہ اس کی سزا ضرور بھگتیں گے۔

مقصودِ بیان سعادت و شقاوت ازلی اور فطری چیز ہے۔ جو ازلاً شقی ہے اس کو تمام نصائح بے سود ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو شخص کفر و گناہ سے دلی محبت اور نور و ایمان سے قلبی نفرت رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ سعادت و شقاوت کی پیدائش خدا کے حکم سے ہے۔ لیکن ان کے اسباب کا ارتکاب کر کے بندہ خود ان دونوں میں سے کسی ایک کا مستحق بن جاتا ہے۔ آیت میں اخبار بالغیب واقعی پیشین گوئی اور کفر و شرک سے ترہیب بھی ہے۔ اس امر کی طرف ایک لطیف ترین اشارہ بھی ہے کہ محرومانِ قسمت کے رہنمائی کے تینوں ذرائع بیکار ہوتے ہیں نہ ان میں خود ہی اتنی عقل ہوتی ہے کہ غور کر کے راہِ راست اختیار کریں۔ نہ ان کی آنکھوں میں ایسی قوت بینائی ہوتی ہے کہ آیاتِ الٰہی اور شانہائے قدرت کو دیکھ کر حق و باطل کا امتیاز کر سکتے ہوں اور نہ ان کے کانوں میں ایسا مادۂ شنوائی ہوتا ہے جس سے مخبر صادق کے کلام حق کو سن سکیں۔ نَحْشُرُوْا نَحْشُرُ نَا مُؤْمِنَا۔ جب خدا تعالیٰ کفار کے احوال بیان کر چکا تو اب گمراہوں کے دوسرے فرقے یعنی اہل نفاق کی حالت بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور روزِ قیامت پر بھی حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں

تفسیر مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم اللہ و رسول اور روزِ قیامت پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس سے مقصد ان کا صرف یہ تھا کہ مسلمانوں میں مل کر دنیوی منافع سمیٹیں اور ان سختیوں سے محفوظ ہو جائیں جو کفار پر ہونے والی تھیں۔ یہ گروہ منافقین کا تھا اور ان میں سرگروہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے بالاتفاق اس کو مدینہ کا سردار بنانا چاہا تھا اب کی جب

حضور گرامی تشریف لے آئے اور لوگوں کی مُردہ تاریک روحوں میں نئی زندگی کی روشنی پیدا کردی تو اس وقت ابن ابی کا کوئی امتیاز اور امتیاز قائم نہ رہا۔ اسی بنا پر اس شخص کو اہل اسلام سے حسد اور بغض پیدا ہوگیا مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ اپنے خبث باطن کو ظاہر نہ کرسکا اور لوگوں کے ساتھ خود بھی بظاہر مسلمان ہوگیا۔ لیکن یہ اور اس کے رفیق بہر صورت پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور آفتاب پر خاک ڈال کر چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین قبائل اوس و خزرج کے بعض افراد تھے اور یہی قول ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہ کا ہے۔ بہرحال آیت مذکورہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو مدینہ اور اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ یعنی منافق کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لے آئے اور احکام میں مسلمانوں کی طرح ہو گئے۔ حالانکہ یہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے۔ نہ اب آئندہ مومن ہوسکتے ہیں۔ یہ مومنین کے ساتھ سے ہی خارج ہیں۔ نہ ان کا خدا پر ایمان ہے۔ نہ قیامت پر نہ نبی و قرآن پر۔

مقصودِ بیان منافقوں کی حالت کی مزید توضیح فرمائی تاکہ سچے ایمانداروں کو ان کے اعمال و اقوال دیکھ کر دھوکہ نہ ہو۔ جو شخص زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر دل میں بالکل منکر ہو وہ مومن نہیں۔ جو شخص دل میں متردد اور مذبذب ہو اور زبان سے اقرار اسلام کرے وہ بھی منافق ہے۔ جس شخص کے دل میں حُبِّ دنیا، طلب عزت و جاہ اور غلبۂ شہوت کی وجہ سے تصدیق اور یقین نہ ہو اور دنیا کے منافع و مصالح کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو وہ بھی مومن نہیں۔ اگرچہ بظاہر اسلامی احکام اور شرائع اسلام سے بہرہ اندوز ہو۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

یہ لوگ اللہ سے اور مومنین سے دغا بازی کرتے ہیں اور (واقع میں) وہ سوائے اپنے آپ کے اور کسی کو دغا نہیں دیتے اور ان کو سمجھ نہیں۔

تفسیر یہ گزشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دھوکے باز ہیں۔ خدا سے اور مسلمانوں سے فریب کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن ان کو اس کا شعور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ منافق خدا اور مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں کہ خبث باطن کے باوجود اظہار اسلام کرتے ہیں اور فی الحقیقت یہ اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ خدا علام الغیوب ہے اس کو یہ دھوکا نہیں دے سکتے اور نہ مسلمانوں کو فریب دے سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی مکاری کی اطلاع دیتا رہے گا۔ مکر کا اثر نہ خدا پر پڑ سکتا ہے نہ مسلمانوں پر بلکہ اُلٹا انہی پر پڑے گا۔ دنیا میں بھی ان کی رسوائی اور ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے ہمکنار ہو بیٹھیں گے۔ لیکن اس بدیہی بات کا ان کو احساس و شعور بھی نہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ خدا کو کون دھوکا دے سکتا ہے اور مکر کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے۔ انتہائے جہالت سے اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

مقصودِ بیان جو لوگ مسلمانوں اور صوفیوں کی ایسی شکل بنا کر لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں۔ دھوکا بازی قطعاً حرام ہے۔ خصوصاً احکام اسلام میں دھوکا بازی کرنی سخت جرم ہے وغیرہ۔

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ان کے دلوں میں (شک اور نفاق کی) بیماری ہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب اس

أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ○

وجہ سے ہوگا کہ وہ (آیات خداوندی کو) جھٹلاتے تھے۔

تفسیر یہ گزشتہ آیت کی علت ہے۔ پہلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان کے مدعی ہیں لیکن درحقیقت یہ مومن نہیں ہیں۔ صرف فریب دہی ان کا اصل مقصد ہے۔ لیکن فریب دہی کا وبال انہی کی طرف عائد ہونے والا ہے کیونکہ ان کے دل بیمار ہیں۔ الخ

علما تابعین مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ابو العالیہ وغیرہ کے نزدیک آیت مذکورہ میں مرض دل سے مراد دل کا مرض یعنی شک یا نفاق ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مرض سے مراد جسمانی بیماری نہیں بلکہ دینی بیماری مقصود ہے کیونکہ جس طرح بدنی بیماری سے بدن کمزور ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں شک کرنے سے دین ضعیف ہو جاتا ہے اور جس طرح معمولی بیماری موت اور زندگی کی بیچ کی حالت ہے اسی طرح نفاق بھی کفر و اسلام کے بین بین حالت کا نام ہے۔ اسی لئے نفاق کو مرض فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ منافقوں کے دل نفاق کی وجہ سے مریض تو تھے ہی اب جوں جوں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور انھوں نے ان آیات کو دل سے نہیں مانا تو ان کا مرض نفاق دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی فریب بازی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی فطرت میں صحت و سلامتی نہیں اور دل پر مرض شک عارض ہے۔ لہٰذا جس قدر فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی گئیں اور انھوں نے ان سے خلاف ورزی کی تو ان کے اصلی مرض کو ترقی ہوتی گئی اور جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اس عالم میں عذاب الیم ہے۔

بلعاظ یہ ہے کہ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی اور نشو و نما کا باعث ہے۔ مگر کسی درخت میں اسی پانی سے حنظل اور کڑوے پھل پیدا ہوتے ہیں اور جس کا تخم اچھا ہوتا ہے اس سے عمدہ اور خوشبودار پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم مومنوں کے لئے شفا اور کج فطرت رکھنے والوں کے لئے زیادتی مرض کا سبب ہوتا ہے اور اس کی وجہ صرف ان کی فطری تکذیب ہوتی ہے۔

مقصودِ بیان ہدایت و گمراہی یا سعادت و شقاوت محض اصلی استعداد اور سرشتی قابلیت کے موافق ہوتی ہے۔ ازلی بیماروں کا مزاج فاسد ہوتا ہے۔ ان سے ویسے ہی افعال ناشائستہ سرزد ہوتے ہیں۔ تمام امور کا خالق خدا ہے۔ مگر بظاہر ان امور کی اسناد مختلف ظاہری اسباب کی طرف ہوتی ہے۔ اس امر کی طرف بھی ایک مذکرترین ارشاد

ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اختیار رکھتا ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے وہ سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے، تکذیب قرآن سے روح بیمار ہو جاتی ہے۔ ہر عمل کی جزا یقینی ہے، خدا ظالم نہیں ہے کہ بے گناہ کسی کو عذاب دے بلکہ عذاب کا سبب صرف اعمال ہیں۔ منافق کا درجہ کافر سے بدتر ہے۔ کافر کو صرف ایک قلبی بیماری ہوتی ہے اور اس کی سزا بھی آخرت میں ملے گی۔ منافقوں کے دل میں دو ہوتی ہیں۔ لہٰذا سزا بھی دوگنی ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی وہ تو بہر صورت کافروں کی سزا سے بڑھ کر ہے باقی دنیا میں بھی ان کو سزا ملتی ہے۔ جس دین کو دل نہیں چاہتا اس کو بکراہت خاطر قبول کرنا پڑتا ہے اور پھر بادلِ ناخواستہ جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے اور پھر اپنے خیر خواہوں سے لڑنا پڑتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ملک میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ

درحقیقت یہ لوگ فسادی ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے

تفسیر ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر بعض صحابہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں فساد سے مراد کفر و معصیت ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ کیونکہ آسمان و زمین کی صلاحیت تو خدا تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ربیع بن انس، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے فساد کے ایک اور معنی بیان کئے ہیں۔ وہ یہ کہ منافقوں نے جب ملک میں خدا کی نافرمانی پھیلائی اور جن امور سے ان کو منع کیا گیا تھا ان کا ارتکاب کیا اور فرائضِ الٰہی کو ضائع کیا۔ دینِ اسلام میں شک پیدا کیا۔ مسلمانوں کی تکذیب کی اور جب کبھی موقع آیا کافروں کی امداد کی تو اس سے ملک میں فساد پیدا ہوا جس کو وہ اپنی دانست میں اصلاح سمجھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں پر قلبی مرض یہاں تک غالب آ گیا تھا کہ ان کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں رہی۔ کیونکہ جب مسلمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خدا تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو، دو غلا پن نہ کرو، اسلام کی تکذیب سے کنارہ کش ہو جاؤ، باطن میں بھی کافروں کے طرفدار نہ بنو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ لوگ مفسد ہیں۔ ہمیشہ فساد کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ ان کے دوغلے پن سے کافر تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں کوئی نمود و خوبی نہیں ہے۔ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر بھی بدستور معصیت میں مبتلا ہیں اور معنوی طور پر ہماری طرف مائل ہیں۔ اگر اسلام میں خوبیاں ہوتیں تو یہ کیوں ہماری طرف رجحان رکھتے۔ ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی ذات سے ضرر پہنچتا تھا کہ ایک دینِ اسلام کو چھوڑ کر دوسروں کے دلوں سے بھی خوف ہٹ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ لہٰذا منافق دونوں طرف فساد برپا کرتا تھا۔ کافروں کے اندر بھی غلط فہمی پھیلاتا تھا اور مسلمانوں کو بھی ورغلاتا تھا۔

مقصود بیان احکامِ الٰہی کی پابندی اور اخلاق کی درستی سے عالم میں اصلاح ہوتی ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے انتظامِ عالم میں خلل آتا ہے۔ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو تباہ ہو جاتا ہے شعور و احساس کا فوت ہونا بڑی بلا ہے۔ کافروں سے دینی معاملات میں دلی دوستی کرنا قطعاً حرام ہے۔ نظریہ کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم (بھی) ایمان لاؤ جس طرح (اور) لوگ ایمان لائے ہیں (تو) کہتے ہیں کیا ہم بھی ایمان لے آئیں

السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں۔ سمجھ لو یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

تفسیر اس آیت میں منافقوں کی حالت کا بیان ہے یعنی جب منافقوں سے ناصح کہتا ہے کہ صحابہ کی طرح تم بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، روزِ قیامت اور جنت دوزخ وغیرہ پر ایمان لاؤ، فتنہ و فساد ترک کرو، ان فانی لذات سے کنارہ کش ہو جاؤ اور مردانِ خدا کی طرح عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالمِ باقی کو اختیار کرو اور غیر فانی لذتوں کے حصول کے لیے تن من دھن سب کچھ قربان کر دو تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ خیالی جنت و دوزخ کے لیے مقاصدِ دنیا کو چھوڑ بیٹھیں۔ دنیا دین سے مقدم ہے۔ آخرت کی نعمتیں کس نے دیکھی ہیں جس کو یہاں عیش و آرام ہے بس ہر جگہ عیش و آرام ہے۔ یہ لطفِ زندگانی یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے۔ اُدھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے۔ یہ لوگ کیا احمق ہیں کہ دنیوی عیش و آرام اور چین و راحت چھوڑ کر شب و روز ایک موہوم خدا کی یاد میں موہومی مقاصد کے لیے مشغول ہیں۔ اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے۔ ہمارے لیے تو یہی مناسب ہے کہ دنیا سازی سے کام لیں۔ ایک طرف ہو جانا عقلمندی کے خلاف ہے۔ اپنی قوم سے بھی ملے رہیں اور مسلمانوں سے بھی۔ کیونکہ اگر مسلمان مغلوب ہو گئے تو برادری والوں کی نظر سے نہیں گریں گے اور اگر مسلمانوں کا دور دورہ ہوا اور ان کا وقت آیا تو بھی ہمارا دامن ہاتھ سے نہ جائے گا۔ اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ درحقیقت احمق و بیوقوف یہی لوگ ہیں۔ انجام بین نہیں، عاقبت اندیش نہیں۔ فانی اور زوال پذیر لذتوں کو لازوال نعمتوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اس عالمِ بقا کے مقابلہ میں جس کا زمانہ غیر متناہی ہے ان لذائذِ فانیہ پر مفتون و فریفتہ ہونا اور اس یقینی امر کے لیے تیاری نہ کرنا نہایت حماقت و سفاہت ہے۔ جس طرح نادان بچے ذرا سی ناپاک مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور قیمتی جواہرات ہاتھ سے دے دیتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ عالمِ آخرت برحق ہے۔ وہاں جانا برحق ہے۔ رسول بھی برحق ہیں اور ان کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور دوغلا پن کرنا سراسر حماقت ہے۔ لیکن یہ لوگ امراضِ روحانی میں گرفتار ہیں۔ ان کو بُرے بھلے کا امتیاز نہیں رہا۔ ان کو انجام کی خبر نہیں۔

مقصودِ بیان جس کام کا نتیجہ اچھا ہو اسی کا اختیار کرنا عقلمندی ہے۔ حماقت و عقلمندی کا معیار یہ دنیوی عقل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں دینی عقل ہو وہی عقلمند ہے خواہ دنیا کے معاملات میں بے وقوف ہو اور جس شخص کو دینی فہم و دانش نہیں وہ بے وقوف ہے خواہ دنیا کے کاموں میں تیز ہو۔ صحابہ کا ایمان یا ان جیسا ایمان ہی معتبر ہے۔ ان کے [illegible] کے مقصود عام حالی کی مثالیں نہیں ہیں۔ اتباع صحابہ لازم ہے۔ آیت میں دقیق پہلو ہیں۔ ایمان والے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ انجام بینی اور عاقبت اندیشی عقل کا کام ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ

اور یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں (تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاچکے اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں (سرداروں) کے

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

پاس جاتے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو (مسلمانوں سے) تمسخر کرتے ہیں ان کے تمسخر کی اللہ اُن کو سزا دیتا ہے

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

اور اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھر رہیں۔

تفسیر یہ منافقوں کی حالت کا تتمہ ہے۔ پہلے اُن سے کہا گیا تھا کہ بُرے خصائل کو چھوڑ دو۔ فتنہ و فساد خدا کی زمین پر پھیلا کر اپنے گناہوں سے انتظام عالم میں خلل نہ ڈالو۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایمان لے آؤ۔ نیک اعمال کرو۔ لیکن منافقوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ نفاق اور دو رخا پن قائم رکھا۔ چنانچہ اسی نفاق کی صورت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت میں شیاطین سے مراد منافقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقوں کے ساتھی بھی شیاطین میں داخل ہیں اور بعض یہودی بھی مراد ہیں جو مالداری کی وجہ سے منافقوں کے سردار بنے بیٹھے تھے اور اسلام کے متعلق ان کے دلوں میں شک ڈالتے اور تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آمادہ کرتے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہر جنس میں جو سرکش اور متمرد ہو وہ اس جنس میں شیطان ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جب منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لہٰذا جو مالِ غنیمت تم کو جہاد میں حاصل ہوا ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو۔ لیکن جب اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ در حقیقت دین میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم مسلمان نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں سردار ان سے کہتے تھے کہ تم تو مسلمانوں کے پاس جا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہو اور ان سے ایمان کا عہد کر چکے ہو پھر ہم کیسے یقین کر لیں کہ تم دین میں ہمارے ساتھ ہو۔ یہ جو باطنی فرقہ جواب دیتا تھا کہ تم اطمینان رکھو واقعی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی اور مذاق

کہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بیوقوف اور سیدھے سادے آدمی ہیں۔ ہماری اس بات کو کیا جانیں کہ ہم کیسے پوشیدہ طور پر اپنا کام چلاتے ہیں اور دولت کمانے ہیں مسلمانوں سے مطلع کردیتے ہیں اور خزانوں میں شریک بنا لیتے ہیں۔ اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا ہنسی اور دل لگی کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیا بیوقوف بنا رہے ہیں۔ خدا اس دھوکا بازی اور استہزاء کی جزا دے رہا ہے کہ ایسی خراب حالت میں ان کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور حماقت میں سرگرداں پھرتے رہیں جس کا نتیجہ دنیا میں بھی خراب ہے۔ مسلمانوں اور کافروں میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے۔ لیکن ان کو اس کا علم نہیں کہ ہمارے ساتھ یہ معاملت کیوں ہیں۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ ضرور حالِ انسانی کی سزا دیتا ہے۔ اگر آدمی خود گناہ میں گھستا چلا جائے تو خدا تعالیٰ بھی ڈھیل چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ انسان بعض دنیوی فوائد کے حصول سے خوش ہوتا ہے اور درحقیقت وہ فوائد اس کے لیے زہرِ قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنی خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنی ہے اور ان کا ادب خدا کا ادب ہے اور ان سے محبت کرنی خدا سے محبت کرنی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرف سے خود بدلہ لیتا ہے۔ وغیرہ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی سو نہ سودمند ہوئی ان

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

کی تجارت اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے

تفسیر یہ بھی سزائے نفاق کا ضمیمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی حاصل کرلی۔ یعنی وہ جو ہر انسان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے۔ اگر اس پر عوارض اور موانع پیش نہیں آتے تو اس کی وجہ سے ہر انسان نیکی اور حیاتِ ابدی کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی بداعمالیوں سے اس نورِ فطرت کو بجھا دیا اور جو طبعی ہدایت ان کو حاصل کرنی چاہیے تھی اس کو نظرانداز کرکے اپنے اندر اخلاقِ رذیلہ اور ملکاتِ خاسدہ پیدا کرلیے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا۔ منہ سے کلمۂ توحید کہہ دیا اور اس کی بدولت دنیوی منافع حاصل کرلیے۔ اس سے زیادہ سودمند تجارت اور کیا ہوسکتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت میں ان کو نفع نہ ہوا۔ انہوں نے اپنی عمرِ عزیز اور بے بہا نورِ فطرت صرف کرکے دنیا کے زوال پذیر منافع اور نفسانی فوائد حاصل کرلیے۔ یہ تجارت نامعقول نہ ہوئی بلکہ درحقیقت فطرتاً ان کو تجارت کرنی آتی ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان، مال کو خدا کی راہ میں صرف کرکے حیاتِ ابدی حاصل کرتے۔ مگر انہوں نے اصل مال (فطرتِ سلیمہ) کو بھی برباد کردیا۔

مقصودِ بیان انسان اگر خواہشات انسانی اور ترغیبات شیطانی کو اپنے دل سے دور کردے تو پھر نورِ فطرت اس کو سیدھے راستہ کی طرف لے جاتا ہے۔ گمراہی اور ہدایت فطری چیزیں ہیں۔ اگر فطری نورِ ہدایت کو انسان بجھادے تو پھر ہدایت ملنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ ہر انسان کو ہدایت حاصل کرنے کی خود کوشش کرنی چاہیے۔ عمر نہایت عزیز اور بے بہا چیز ہے، جس کا عوض صرف روحانی روشنی اور حیاتِ ابدی ہو سکتی ہے۔ دنیوی مال و دولت اور عیش و آرام حاصل کرنے کے لیے اس جوہرِ گراں بہا کو صرف کرنا حماقت ہے۔

منافقوں کی حالت کی مزید تشریح کے لیے خداوند تعالیٰ نے آئندہ آیات میں دو مثالیں بیان فرمائیں۔ جس شخص کو کسی قدر ایمان کے موافق اسرارِ الٰہی کا کچھ علم ہو وہی ان مثالوں کی حقیقت کافی طور پر سمجھ سکتا ہے۔ پہلی مثال ذیل کی آیات میں مذکور ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ

ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ایسی ہے جس نے آگ جلائی　　پھر جب اس نے اپنے اردگرد کو روشن کردیا تو لے گیا

اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ

اللہ تعالیٰ ان کی روشنی اور چھوڑ دیا اُن کو تاریکیوں میں کہ وہ دیکھ نہیں سکتے　　بہرے گونگے

عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

اندھے ہیں کہ وہ نہیں پھر سکتے

تفسیر ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ اور قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس زمانہ میں کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن بعد کو وہ منافق ہو گئے تو ان کی مثل ایسی ہوئی جیسے کسی شخص نے تاریک رات میں آگ جلائی اور جب کوڑے کرکٹ کے جلنے کی وجہ سے آس پاس روشنی پیدا ہو گئی تو تمام خوف انگیز اور ایذا رساں چیزیں اس کو صاف نظر آنے لگیں۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد آگ بجھ گئی تو اب اس کی حالت یہ ہو گئی کہ کسی موذی چیز سے بچنے کی اس میں طاقت نہ رہی اور نہ کوئی ایذا رساں چیز اس کو دکھائی دینی ممکن رہی۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اول شرک کی تاریکی میں پڑا تھا پھر مسلمان ہوا تو حلال و حرام اور نیک و بد کو پہچاننے لگا پھر دوبارہ کفر میں پڑ گیا تو حلال و حرام اور خیر و شر کا امتیاز باقی نہ رہا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ منافقوں کی حالت میں آگ کی روشنی فقط یہی تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ یہ منافق کی مثل ہے جو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا۔ پھر اس کی قلبی نابینائی اس پر چھا جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن، ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید

سے یہی قول مروی ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آیت میں فقط ایسے ہی منافقوں کا انحصار نہیں ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے۔ بلکہ ایسے منافق بھی آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ جنھوں نے صرف زبان سے اظہارِ اسلام کیا تھا اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن منافقوں کی نسبت یہ گمان ہے کہ وہ ایمان لائے تھے پھر کافر ہو گئے۔ جیسے کہ ابن عباس رضؓ وغیرہ کے قول سے ظاہر ہے تو درحقیقت نورِ ایمان ان کے دل کے اندر جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ ایک تصور تھا جو حواس میں اور دماغی مشاعر میں پیدا ہوا تھا اور اس سے ایک روشنی ظاہر ہوئی تھی اور دوسری قسم میں ایسا بھی نہ تھا۔ درحقیقت دلی تصدیق کا نور ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی کار خیر کا ارادہ کرتا ہے اور پھر انسانی حواس اور نفسانی خطرات اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ آدمی اپنی واقعی حالت بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور جونہی اس کی روشنی سے آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں فوراً روشنی گل ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور وہ شخص حیران پریشان رہ گیا۔ کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی۔ دوست دشمن اور اچھے برے کا امتیاز نظروں سے جاتا رہا۔ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ نورِ فطرت جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں ودیعت رکھا ہے نہ ابھر سکا تھا اور خیر و شر کے پہچاننے اور سعادت و شقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا تو اسی وقت خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا یعنی ان کے نفاق، تعصب، عناد اور حبِّ جاہ و مال کے اندھیاؤں نے اس چراغِ فطرت کو بالکل گل کر دیا۔ اب یہ بالکل بہرے ہو کر رہ گئے۔ کسی ہادی اور رہنما کی بات تک نہیں سن سکتے اور گونگے بھی ہو گئے کہ اپنے قلبی مرض کو حکیم روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور اندھے بھی ہو گئے کہ آثارِ قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آ سکتے اور جب ہدایت کے تمام راستے بند ہو گئے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی مشعل جلائی اور رسولِ گرامی ﷺ کو مبعوث فرما کر دینِ اسلام کو روشن کیا تو تمام مخلوق کو اس روشنی میں منزلِ مقصود کا راستہ مل گیا۔ لیکن منافق اندھے بن گئے۔ کیونکہ جب آنکھ میں روشنی اور نور نہیں تو مشعل سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اگر نرے اندھے ہوتے تو بھی غنیمت تھا۔ کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی رہنمائی میں منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر جب بہرہ اور گونگا بھی ہو تو اس کے راہ پر آنے کی بالکل امید نہیں ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ منافقوں کے پاس نہ عقل کی آنکھ ہے کہ سیدھا راستہ خود پہچان کر اسلام لے آئیں۔ نہ کسی رہنما کی طرف رجوع ہے کہ کسی اللہ والے کا دامن پکڑ کر اس کی رہنمائی میں منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں اور نہ خود حق بات پر کان لگاتے ہیں۔ پھر بھلا ایسے شخص کے راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔

مقصودِ بیان دینِ اسلام روشنی ہے اور کفر تاریکی۔ اگر آدمی خود عقل سے سیدھا راستہ تلاش نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے پوچھنا چاہیے۔ ورنہ کم از کم اگر کوئی واقف کار خود بخود رہنمائی کرے تو اس کی بات کان رکھ کر سننا چاہیے۔ نورِ ایمان کو نفاق، تعصب اور دیگر اندرونی اخلاقی گناہوں کی تیز ہوائیں گل کر دیتی ہیں۔ جب انسان خود گمراہ ہونا چاہے تو خدا بھی اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے اور ایمان کی روشنی اس سے چھین لیتا ہے۔ خدا جس کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے گمراہ کر دیتا ہے پھر اس کو راہِ راست نہیں مل سکتی۔ منافق کے اندر روحانی روشنی نہیں ہوتی کہ یہ

کی وجہ سے حق و باطل اور خیر و شر کا وہ امتیاز کر سکے وغیرہ۔

اس مثال کے بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ منافقوں کے احوال کی توضیح کے لیے دوسری مثال بیان فرماتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ

یا (ان کی مثال) آسمانی بارش جیسی ہے کہ جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے اپنے کانوں میں، انگلیاں اپنے

فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

دیتے ہیں کڑک سے مارے موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہیں منکروں کو قریب

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ

ہے کہ بجلی اُچک لے جاوے اُن کی آنکھیں جب چمکتی ہے اُن کے لیے (تو) اس میں چلنے لگتے ہیں

وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ

اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے اُن پر (تو) کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں سلب کر لیتا

تفسیر مدینے کے دو منافق بھاگ کر مکہ کی طرف چلے راستہ میں بارش آگئی جس میں کڑک چمک اور گرج بہت زیادہ تھی۔ اندھیرا گھپ ہوگیا۔ یہ دونوں حیران پریشان کھڑے رہ گئے جب ذرا بجلی چمکتی تھی تو دو قدم چل لیتے تھے اور جب پھر اندھیرا چھا جاتا تھا تو کھڑے ہو جاتے تھے اور گرجنے کی ہولناک دہل کے مارے موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے کہ کاش صبح ہو اور بادل کھلے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں واپس جا کر بیعت کرلیں۔ چنانچہ صبح ہوئی تو یہ حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کرلی۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ بالا میں بیان کی۔

علامہ نیشاپوری اور محقق سیوطی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں پوری حالت کی پوری حالت سے تو تشبیہ موجود ہی ہے۔ مگر ہر ہر حصہ کو دوسرے حصہ سے بھی مشابہت ہے چنانچہ نزول قرآن جو زندگی جاوید کا سبب ہے اس کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بارش سے تمام نباتات و حیوانات کی زندگیاں اور نشو و نما وابستہ ہے اور نزول قرآن حیات ابدیہ کا ذریعہ ہے اور قرآن میں جو کفر و نفاق مذموم کا بیان ہے وہ تاریکیاں ہیں۔ پھر اس کفر و نفاق پر جو عذاب دوزخ کی سخت وعید و تہدید ہے وہ مشابہ برعد ہے اور قرآن کے اندر جو وحدانیت الٰہی اور آیات قدرت کی روشن دلائل مذکور ہیں وہ مشابہ برق ہیں۔ یہ بڑی دلائل و براہین ہیں جو اُن کے دلوں کو ڈرا کر بے تاب کر دیتی تھیں لیکن پھر بھی وہ اُن کو سننا نہ چاہتے تھے اور اس وعید و تہدید کے سننے سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور اس خوف سے اپنی عورتوں اور بچوں کو

کو مارے تھے کہ کہیں ان آیات کو سن کر وہ اسلام کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ بارش اور چمک کڑک تھی۔ پھر اگر قرآن میں کوئی بات اپنی خواہش کے موافق ان کو مل جاتی تو دو قدم اسلام پہ چلتے تھے اور کافروں میں جب ان کی خواہش کی تاریکی پر مرکوز تھی تو رک جاتے تھے۔ لیکن یہ رکنا ان کے لیے مفید نہ تھا۔ کیونکہ خدا کو ان پہ ہر طرح سے قابو تھا اور خدا کی گرفت سے بچ کر وہ جا نہیں سکتے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافق لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو بارش سے ڈر کر ایک جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر کڑک، چمک اور رات کی تاریکیاں بھی ہیں) کسی قحط سالی کے مقام میں چلے جائیں۔ بس یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ قرآن سے (جو کہ آسمانی بلکہ روحانی پانی اور روح کو تر و تازہ کرنے والی بارش ہے) اور قرآن کے اوامر و نواہی اور عبادات و احکام کی مشقتوں سے ڈر کر کفر کے گھر میں اور نفاق کی اندھیری کوٹھری میں چھپنا چاہتے ہیں اور قرآن کی نفس کش باتوں سے (کہ جو کڑک اور گرج کے مشابہ ہیں) اور اس کی قدرتی روحانی روشنی سے (کہ جو بجلی کی طرح ہے) ڈرتے ہیں اور اس کو باعث موت خیال کرتے ضلالت اور غفلت کی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں تاکہ یہ آواز کان میں نہ پڑے اور اس سے نہ مر جائیں اب یہ موت اگرچہ نفسِ امارہ کی موت ہے۔ روح کی موت نہیں ہے بلکہ روح کے لیے تازگی، شادابی اور حیاتِ ابدی ہے اور موت بھی ہو تو خدا سے کیونکر بھاگ سکتے ہیں۔ اس کے احاطۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ خصوصاً کفار کو تو وہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ پھر یہ حرکت سراسر حماقت اور نہایت درجہ کی سفاہت ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ منافق نفسانی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے وہ مسافر جو اندھیری رات میں جا رہا ہو بارش برس رہی ہو، بادل گرج رہے ہوں، بجلی چمک رہی ہو۔ ان مصائب سے یہ غریب پریشان ہو جاتا ہو۔ اگر ذرا بجلی چمکتی ہو تو دو چار قدم آگے بڑھا لیتا ہو۔ لیکن پھر حیران پریشان کھڑا رہ جاتا ہو۔ اسی طرح منافق حیران ہیں۔ جب ذرا وعظ و نصیحت سنتے ہیں تو سنبھل جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں نصیحت کا اثر دل سے مٹا کر اسی گمراہی کی تاریکی میں گھس جاتے ہیں۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ بارش میں گرج، چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن نتیجہ میں کھیتوں کی سرسبزی شادابی اور درختوں کی تر و تازگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں ابتداءً محنت، سختی اور افلاس سب ہی کچھ ہے۔ لیکن نتیجہ و انجام فلاحِ دارین ہے۔

مقصودِ بیان

دکھ کے ساتھ سکھ اور رنج کے ساتھ راحت ہے۔ ظاہری تکلیف اندرونی راحت کا اگر سبب ہو تو بہتر ہے۔ ابتدائی مشقت انجام کی آسائش کا باعث ہو تو اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ احکامِ اسلامی اگرچہ قیود معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن روح کو عذاب و آلام سے آزاد کرنے والے ہیں اس لیے قابلِ برداشت ہیں۔ موت سے کسی شخص کو کسی تدبیر سے رہائی ملنی ناممکن ہے۔

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ میں ایک لطیف ترین اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جس قدر چیزیں اسباب و علل کے ساتھ وابستہ ہیں کور بصیرت والے تو انہی اسباب و علل کو ان چیزوں کا فاعلِ حقیقی اور موجد و مولد جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کی عقل کی آنکھوں میں نورِ حقیقی نہیں ہوتا۔ ان کی نظر بس اسی سبب اور مسبب و علت و معلول تک رسائی رکھتی ہے۔ لیکن جن کی چشم بصیرت وا ہے وہ کوتاہ نظری سے کام نہیں لیتے اور ان تمام اسباب کی علت تلاش کرتے ہیں اور ان اسباب و علل کو واسطہ محض

جان کر سبب الاسباب کی طرف رجوع واشیاء کو منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام اسباب و مسببات کا وجود و بقا وغیرہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

تفسیر یہ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور کڑک وگرج کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں تاکہ اس کی دہل سے مر نہ جائیں۔ لیکن خدا ان کی آنکھوں کا نور بینائی اور کانوں کی سامعہ زائل کر سکتا ہے خواہ کتنی ہی محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

مقصود بیان خدا کے قبضۂ و اختیار کا دائرہ غیر متناہی ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن مصلحت عامہ کی وجہ سے نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے تمام کافروں، منکروں اور قوانین الٰہی سے روگردانی کرنے والوں کو ایکدم ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا۔ خدا نے انسان کی ہدایت اور کامیابی کے تمام ذرائع مہیا کر دیئے۔ لیکن انسان ان کو اپنے لیے قید سمجھ کر ان سے بھاگتا ہے اور ہدایت الٰہی کو اپنے لیے موت سمجھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو! تم اپنے اس رب کی پرستش کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

پہلے ہو گئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ

تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ سے مکہ والوں کو خطاب ہوتا ہے اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مدینہ والے مخاطب ہوتے ہیں۔ کیونکہ مکہ میں مسلمان کم اور کافر زیادہ تھے اس لیے بصورت عموم خطاب کرنا مناسب تھا اور مدینہ میں مسلمان زیادہ اور کافر کم تھے اس لیے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنا موزوں تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن کے خطابات کا محل و مورد اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ جہاں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں تمام دنیا کے انسان خطاب میں داخل ہیں اور جہاں صرف مسلمانوں کو خطاب کیا ہے وہاں تمام دنیا کے مسلمان حکم میں داخل ہیں۔

گزشتہ آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اہل تقویٰ اور متبعین شریعت

کے لیے باعث ہدایت ہے۔ پھر کافروں کی حالت بیان کی گئی۔ آخر میں منافقوں کے نفاق کی کیفیت کا اظہار کیا گیا۔ اب سب کو مجملاً مخاطب کیا گیا۔ کیونکہ تینوں فرقوں کے احوال بیان کرنے سے عموماً عقلمند انسان سعادت اور ہدایت کے مشتاق بن گئے تھے۔ لہٰذا المقصود واصل یعنی توحید و عبادت کا بیان مناسب معلوم ہوا۔ تاکہ توحید و عبادت سے وہ وصف تقویٰ جس کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا اور جس سے سعادت ابدی اور ہدایت سرمدی سرمنزل تمہید میں آئی ہے حاصل ہو جائے اور چونکہ عبادت کا استحقاق اس وقت خصوصیت کے ساتھ ہو سکتا ہے جبکہ تمام لوگ اپنے وجود اور بقائے وجود میں خدا کے محتاج ہوں۔ اس لیے اول کا بیان تو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک کیا اور دوسری بات کا بیان آئندہ آیت میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اے لوگو! اپنے رب کو واحد جانو اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ اعتقاد میں نہ صفت میں نہ فعل میں۔ کیونکہ وہی تمہارا اور تمہارے اسلاف کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے تمہیں سابق ولاحق انسانوں کو پیدا کیا۔ لہٰذا وہی الوہیت و عبادت کے لائق ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو خالق ہوگا وہ مخلوق نہ ہوگا۔ دوسرے اپنا وجود اور ہستی میں اس کے محتاج ہیں۔ وہ وجود میں دوسروں کی محتاج نہیں۔ لہٰذا قابل پرستش وہی ذات مقدس ہے۔ اور تمہارے خیالی معبود اس کے ہمسر نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری اس عبادت گزاری اور اطاعت شعاری سے اس کا کوئی ذاتی فائدہ وابستہ نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی نفع ہے۔ تم کو صفت تقویٰ حاصل ہو جائے گی اور آتش جہنم سے بچ جاؤ گے۔ کیونکہ جب بندہ اپنی روح اور اپنے تمام اعضائے جسمانی سے خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے آگے سر نیاز خم کرتا ہے تو اس کی روح پر انوار الٰہی کی چمک پڑتی ہے اور روح کے روشن ہونے سے تقویٰ اور سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معبودیت کے استحقاق کا معیار خالقیت ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے تمہاری ہستی عدم سے پیدا کی تو تمہاری ہستی کا معبود بھی (وہی) ہو سکتا ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ

جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

برسایا پھر اس پانی سے میوے پیدا کیے تمہارے رزق کے لیے

تفسیر یہ استحقاق معبودیت و الوہیت کی دوسری صورت کا بیان ہے۔ یعنی معبودیت کے استحقاق کا معیار ایک تو خالقیت ہے اور دوسرا ربوبیت یعنی بقائے زندگی کے اسباب مہیا کرنا اور ہستی انسانی کو تدریجاً کمال تک پہنچانا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے تم کو پیدا کرنے کے بعد تمہاری بقائے حیات کے تمام اسباب مہیا کیے ہیں۔ زمین کو تمہارے آرام کے لیے نرم فرش بنایا۔ ایک چوتھائی زمین کو پانی سے باہر نکال دیا اور پھر اس کو نہ اس قدر نرم کیا کہ دلدل ہو جائے۔ نہ ایسا سخت اور ٹھوس کیا کہ رہنا ناممکن ہو جائے اور انسان لڑھک پڑے۔ بلکہ ایسا معتدل و مناسب بنایا کہ سب لوگ آرام سے اس پر رہتے

سوتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر آسمان کو خیمہ کی طرح تمہارے لیے چھت بنا دیا۔ روشنی و تاریکی کا انتظام کیا۔ اس کے بعد تم کو اس سطح زمین پر رکھا اور روزمرہ تمہاری پرورش اور تربیت کا انتظام بھی کردیا۔ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگارنگ کے پھول و پھل پیدا کیے جن کو تم کھاتے استعمال کرتے ہو اور مزے اٹھاتے ہو۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ خدا نے ہی تم کو پیدا کیا، نیست سے ہست بنایا اور اسی نے تمہاری بقائے حیات کے ذرائع پیدا کیے۔ رہنے کی جگہ، کھانے کے لیے رنگارنگ کی غذا اور پہننے کے لیے لباس عطا فرمایا۔ لہٰذا تم اپنی ایجادِ ہستی اور بقائے ہستی میں اسی کے محتاج ہو اور جب تمہاری کل ہستی اسی کے احسان کی شکر کُل بلکہ اسی کے احسان پر موقوف ہے تو پھر اسی کو مستحق الوہیت سمجھو، شرک مت کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم علم رکھتے ہو

تفسیر یہ گزشتہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جب استحقاق الوہیت و معبودیت خدا کو ہے۔ تمام مخلوق کو پیدا کرنا، آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس بہترین مکان میں تم کو رکھنا اور قسم قسم کے کھانے کھلانا جب اسی کا فعل ہے تو تمہارے واسطے بھی لازم ہے کہ تم خیالی معبودوں اور دیوتاؤں کو اس کے ساتھ ذات صفات اور افعال میں شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ہستی اور بقائے ہستی کا فاعل حقیقی وہی ہے۔

مقصودِ بیان خدا واحد لاشریک ہے۔ تمام عالم کو پیدا کرنے والا اور پرورش جسمانی و روحانی کرنے والا ہے۔ اس نے آسمان، زمین، پانی اور سبزہ درخت اور اس کے پھل، پہاڑ اور اس کی پیداوار سب کچھ انسان کے فائدہ کے لیے بنایا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، بلکہ دنیا اس کی محتاج ہے اور جو کسی کا محتاج نہ ہو وہی قابل معبودیت ہوتا ہے۔ پانی ابر سے پیدا ہوتا ہے۔ پانی سے پھل پھول اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصل غرض اتقاء پرہیزگاری ہے اور اتقاء پرہیزگاری پرستش الٰہی سے پیدا ہوتی ہے جس قدر پرہیزگاری بڑھتی جائے گی اور خواہشات نفسانی سے دماغ صاف ہوتا جائے گا۔ وحدانیت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا جائے گا۔ یہ تمام مصنوعات اور آیات بینات وحدانیت اور توحید ربانی کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں اور اسی کے لیے استحقاق معبودیت ثابت کرتی ہیں۔ آیت میں خدا تعالیٰ نے نازک ترین انداز میں اپنی نعمتوں اور بخششوں کا اظہار، عبادت کا حکم اور اس کا انجام کار محبت الٰہی پیدا کرنے کے مضامین استحقاق الوہیت، تمام عالم کی پیدائش کی ابتداء، اپنے وجود، قدرت، ارادہ علم اور دیگر صفات کمال کا بیان کردیا اور بت پرستی بلکہ مخلوق پرستی کی ممانعت بھی کردی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اور اگر تم شک میں ہو اس کتاب سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو لے آؤ اس جیسی ایک

مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

سورت　اور بلالو　اپنے حمایتیوں کو　اللہ کے سوا　اگر تم　سچے ہو

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

پھر اگر ایسا نہ کرو اور (کبھی) کر بھی نہ سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی (کافر)　اور پتھر (بت)

وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور اپنی توحید کا اعلان کر کے ایمان لانے کی دعوت دی تھی لیکن عبادت مقبول عند اللہ کا امتیاز (فرق) صرف عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک نبی کا توسط نہ ہو یہ مادی مخلوق ذوہ مجردہ سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دلیل سے ثابت کی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ تم پر رسول اللہ کا اتباع اور قرآن کریم کی پیروی لازم ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ اعلان توحید کے بعد اقرار رسالت کی دعوت دی گئی چنانچہ فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا الخ۔ یعنی اگر تم کو قرآن میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور یہ شک تمہارا نورِ عقل پر مبنی ہو تو ہم تم کو بتا چکے ہیں کہ عقل والے کے لیے سوچنے کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہتا اور اگر تم کو اوہام بشری اور وساوس شیطانی کی وجہ سے کچھ شک ہو تو جسمانی اوہام سے منہ موڑ کر ذرا قلب سلیم کی جانب رجوع کرو تو نورِ عقل سے یقیناً تمہارا شک زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ شک صرف اس امر میں تم کو ہے کہ یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خود ساختہ ہے تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تم بھی اس کے مثل یک سورۃ بنا لاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے کسی کی تربیت کا منت کش نہیں بنایا۔ تم بھی خوب واقف ہو کہ محمد صلعم نے کسی بندہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور تم لوگوں نے بڑھ بڑھا کر فصاحت و بلاغت میں دعویٰ کمال پیدا کیا ہے اس لیے اگر محمد صلعم باوجود ان پڑھ اور امی ہونے کے قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہیں تو تم باوجود کمال کے اس سے بہتر فصیح و بلیغ بنا سکتے ہو۔ لہٰذا ایک سورۃ ہی کم از کم اس کی مثل بنا لاؤ اور تنہا نہ بنا سکتے ہو تو وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو اپنے مددگاروں کو بلا ناؤں کو فصحاء و بلغاء کو جمع کر کے ان سے بھی امداد حاصل کرو اور دوسری قوموں کی مدد ہی سے اس کی مثل بنا لاؤ۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ محمدؐ کا خود تراشیدہ ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ۔ اب اگر مقابلہ نہ کر سکو یعنی جب تم کو اعجازِ کلام سے معلوم ہو گیا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو قطعاً معلوم ہو گیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اس لیے

ثابت ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں لہٰذا اُن سے سرتابی کرنی اُن کی نبوت کا انکار کرنا اور ان کے احکام کی تعمیل نہ کرنی عذاب جہنم کا موجب ہے پس تم کو اس سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ جہنم کی آگ معمولی آگ نہیں ہے بلکہ ایسی آگ ہے :۔

اَلَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ معمولی دنیوی آگ کا کوئی تحمل نہیں کر سکتا پھر ایسی آگ کس طرح قابل برداشت ہو سکتی ہے جو پتھروں اور آدمیوں سے روشن ہوگی اور پتھروں میں تمہارے دیوتاؤں کی مورتیاں نیز ہانڈی کے پتھر اور گندھک وغیرہ کی چٹانیں بھی ہوں گی جن میں سے بعض کا جلنا تمہاری سوختگی کا باعث ہوگا اور بعض کے جلنے سے تم اس سوختہ جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائیں گے اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ آگ ہر شخص کے لیے نہیں ہوگی۔ بلکہ :۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۝ اس کی تیاری صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو احکام اسلام، نبوت محمدیہ، اعجاز قرآن اور حقانیت شرع کے منکر ہیں۔ لہٰذا تم کو انکار نہ کرنا چاہیئے۔ (تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، رازی، نیز تفسیر ابن مسعود، ابن عباس و حسن بصری وغیرہ)۔

پوری آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو اس کلام میں جس کو ہم نے اپنے بندہ محمدؐ پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں تو قطع نظر دیگر معجزات اور نشانہائے نبوت کے تم خاص اس کلام کا ہی مقابلہ کر کے دیکھو۔ کیونکہ ہر قسم کا کلام بنانے میں تم محمد صلعم سے کم نہیں۔ تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی خاص اسی شہر اور اسی ملک اور اسی قوم کے افراد ہو کہ جس کے محمدؐ ہیں بلکہ تم ان سے اس قوت کلامیہ میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ تم شعر و شاعری اور سخن پروری کے مشّاق ہو اور محمد صلعم کو ابتدائے عمر سے تم عبادت ریاضت اور گوشہ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو۔ تم ہر مجلس و میلے میں شاعری اور خطابت کا مقابلہ کرنے جاتے ہو اور محمد صلعم طبعاً اس سے نفرت کرنے والے ہیں لیکن اس قوت کلامی کے باوجود تم سے ایک سورت کی برابر بھی کلام نہیں بنایا جاتا۔ تم کو نہایت زور اور دعوے کے ساتھ مقابلہ کے لیے بلایا جاتا ہے اور اجازت دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر کوشش کرو اور پھر اپنے معبودوں سے بھی مدد لو جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مصدر اور ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ پھر جب تم سے ایک سورۃ کی برابر نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکے گا تو یقین کر لو کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے جو تمام عالم سے قدرت میں زائد ہے۔ اس کا مقابلہ اور اس کے کلام کی تکذیب کرنا اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے جس کی آگ بہت سخت اور تیز ہے معمولی آگ نہیں ہے۔ اُس میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ اُس آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو سچا جانو اور احکام اسلام پر صدق دل سے ایمان لا کر کار بند ہو جاؤ۔ کیونکہ منکروں کے لیے وہ آگ تیار کی گئی ہے جب تم منکر نہ ہو گے تو اس آگ میں داخل بھی نہ ہو گے۔

نکات (۱) شہداء کے معنی مختلف آتے ہیں۔ حاضر، مدد کرنے والا، حاکم، گواہی دینے والا۔ آیت میں چاروں معنی بن سکتے ہیں یعنی جو فصیح و بلیغ حاضر اور موجود ہوں اُن کو بلاؤ اور اُن سے مدد لو یا تم اپنے مددگاروں کو مدد کے لیے بلاؤ یا فیصلہ کرنے والوں کے پاس اس مقابلہ کا فیصلہ کرنے کے لیے جاؤ۔ دیکھو وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں یا گواہوں کو بلاؤ تاکہ وہ اظہار کریں کہ تمہارا کلام قرآن کی طرح ہے یا نہیں۔ (۲) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے جس کی صورت یہ تھی کہ لوح محفوظ سے تو یکدم پورا بیت العزت تک نازل ہوا تھا مگر وہاں سے دنیا میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا (۳) جس امر میں مخالفین کو بڑا دعوی تھا اسی میں اُن کو عاجز بنا کر قرآن کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا (۴) معجزۂ قرآنی ثابت کر کے

رسول اللہ صلعم کی نبوت ثابت کردی (۵) خدا کے سوا جس قدر باطل معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں یا قادر مطلق یا مختار عام جانتے ہیں ان سب کی نہایت خوبی سے تردید کردی (۶) کفر کی سزا دوزخ کو قرار دیا۔ (۷) اس بات کو واضح کر دیا کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے وغیرہ۔

مقصودِ بیان کسی کو قرآن کی حقانیت، اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلعم کی سچائی میں شک وشبہ نہ کرنا چاہیئے۔ انکار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بڑا سا بڑا نبی مرسل یہاں تک کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے بندے اور عبادت گزار بندے تھے۔ مختلف مصالح اور حکمتوں کے ماتحت حسب ضرورت قرآن تھوڑا تھوڑا ٹکڑے ہو کر دنیا میں نازل ہوا لیکن یہ بات باعث شک نہیں ہو سکتی۔ تمام دنیا کے انسان، جنات بلکہ تمام مخلوقات بھی جمع ہو کر قرآن کی ایک سورت کی برابر بھی فصاحت بلاغت مضامین کی جامعیت، ربط عبارت، شستگی معنی اور افادہ عام کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں بنا سکتے۔ مقابلۂ قرآن سے عاجز ہونے کی یہ ایک زبردست پیشین گوئی ہے جو اب تک صادق ہوئی اور آئندہ بھی صادق ہوگی پیشین گوئی کی صداقت بھی ایک معجزہ ہے جہنم صرف اعتقادی یا عملی منکروں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔ دوزخ کی آگ کی کیفیت اس آگ کی کیفیت سے جدا ہے۔ وغیرہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور (اے محمدؐ) بشارت دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ بیشک اُن کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ

بہتی ہیں جب کبھی ان کو اس میں سے کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا کہنے لگیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

کو پہلے کھانے کو ملا تھا اور وہ دیئے جائیں گے ایک ہی جیسے پھل اور اُن کے لیے اُس میں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر گزشتہ آیات میں کفار کی حالت بیان کی گئی تھی اور اُن کو نصیحت کی گئی تھی کہ جہنم سے بچنے کا سامان کریں۔ ان آیات میں مومنوں کی حالت کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس کا اظہار کر دیا جائے کہ وہ نافرمانی کا نتیجہ تھا تو یہ فرمانبرداری کا ثمرہ ہے۔ تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور حکم الٰہی کے موافق اعمال صالحہ کیے اُن کو بشارت دے دو۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ ان کے لیے جنت میں مکانات ہیں اور اُن مکانات کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی نہریں کوہ مشک کے نیچے سے جاری ہیں۔ یہی قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ یعنی جتنی مرتبہ اہلِ جنت کو جنت کے پھل دیئے جائیں گے وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہم کو اس سے پہلے دیدیئے گئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جب اہلِ جنت کے پاس جنت کا کوئی خاص قسم کا پھل لایا جائے گا اور وہ اس کی ظاہری شکل صورت پر نظر کریں گے تو آپس میں کہیں گے کہ یہ تو ویسا ہی پھل معلوم ہوتا ہے۔ جو ہم کو اس سے پہلے دنیا میں دیا گیا تھا (سدی)۔ قتادہ عبدالرحمٰن ابن زید اور شیخ طبری نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ لیکن عکرمہ اور ربیع بن انس وغیرہ نے آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اہلِ جنت کو جنت کا میوہ ایک وقت عطا ہوگا جس کی لذت اور مزے سے وہ واقف ہو جائیں گے۔ پھر دوسرے وقت اسی شکل و صورت کا پھل اُن کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی نظر آتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے مل چکا ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا یعنی اہلِ جنت کو یہ رزق باہم ایک دوسرے کا ہم شکل ملے گا لیکن ذائقہ اور کیفیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ یعنی اہلِ جنت کے لیے جنت میں بہترین مرغوب خاطر مکانات اور عمدہ عمدہ میوے اور غذائیں ہی فقط نہ ہوں گی۔ بلکہ اور بھی مرغوب طبع چیزیں ان کو ملیں گی۔ پاک صاف ستھری اور ہر قسم کے میل کچیل اور غلاظت و کثافت سے مبرا بیویاں بھی ان کو وہاں نصیب ہوں گی، جن کے اندر انسانی لوازم میں سے کوئی نجاست نہ ہوگی اور یہ تمام نعمتیں عارضی نہ ہوں گی کہ کچھ مدت کے بعد زائل ہو جائیں یا ان سے لے لی جائیں، یا اہلِ جنت کو جنت سے نکال دیا جائے۔ بلکہ جنتی

وَهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ جنت کے اندر ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ موت سے مامون اور زوال نعمتوں سے محفوظ ہوں گے نہ ان کو کفر کا خوف ہوگا، نہ مرنے کا ڈر، بلکہ یہ تمام نعمتیں دائمی اور سرمدی ہوں گی۔

آیاتِ مذکورہ کا حاصل مطلب اور خلاصہ یہ نکلا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام بھی کیے۔ احکامِ اسلام کی تعمیل کی اور اوامر و نواہی کے پابند رہے اُن کو مرنے کے بعد اس عالم میں ایسے باغ عنایت ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میووں میں عجیب لطف ہوگا کہ شکل و صورت اور رنگ و بو تو یکساں ہوگی اور مزے الگ الگ ہوں گے یہاں تک کہ جب کوئی میوہ ان کو ملے گا تو ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں مگر کھانے کے بعد ان کو نیا لطف حاصل ہوگا اور اُن کو جس طرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہوں گے اسی طرح اُنس و دلچسپی کے لیے پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی جو ہر قابلِ نفرت چیز سے پاک ہوں گی۔ کوئی کراہت انگیز چیز نہ ان کی صورت میں ہوگی نہ سیرت میں اور یہ اہلِ جنت غم پیری، خوفِ موت، الم افلاس اور اندیشہ انقطاع سے قطعاً محفوظ ہوں گے۔ ہمیشہ ہمیش عیش و آرام کے ساتھ جنت میں رہیں گے

مقصودِ بیان ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے۔ اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان نہیں ہیں۔ بغیر اعمالِ صالحہ کے بھی صرف تصدیق قلبی اور اقرارِ زبانی سے آدمی مومن ہو سکتا ہے۔ ہاں تکمیلِ ایمان اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے۔ جنت کی بشارت انہی لوگوں کے لیے ہے جو ایمان بھی رکھتے ہوں اور اعمالِ صالحہ کے بھی مالک ہوں۔ مومنوں کے لیے ایک جنت نہیں ہے بلکہ بہت سی جنتیں ہیں۔ جنت کے پھل رنگ بو اور شکل میں ملتے جلتے ہوں گے اور مزے میں مختلف۔ جنت کی عورتیں تمام کثافتِ بشری سے پاک صاف ہوں گی۔ اہلِ جنت نہ کبھی مریں گے نہ کبھی جنت سے نکالے جائیں گے۔ آیت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دعوت احسن اسلوب کے ساتھ دی گئی ہے اور مومن باعمل کے ثواب کا بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ گذشتہ آیات کے پڑھنے سے انسانی طبیعتوں پر جو خوف طاری ہو گیا ہو وہ اس بشارت سے جاتا رہے اور انسان بیم و امید کے درمیان وابستہ اختیار کر کے مومنِ کامل بن جائے۔ جنت کی چیزوں کی حقیقت اور اندرونی کیفیت دنیوی اشیاء کے حقائق اور کوائف سے بالکل غیر ہوگی۔ اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ میں علم مبداء کی طرف اشارہ تھا اور اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ الخ سے علم معاش کی طرف۔ ان آیات میں علم معاد کا بیان مقصود ہے وغیرہ۔ اگلی آیت میں خداوند تعالیٰ منافقوں کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اظہارِ حقیقت فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْیٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

بیشک اللہ کسی مچھر کی مثال دینے سے نہیں شرماتے اب جو لوگ

اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

ایمان لاچکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے اور اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے اور جو کافر ہیں تو وہ کہتے ہیں

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا

کہ اللہ کو اس ادنیٰ مثال سے کیا غرض تھی اللہ بہتیروں کو ایسی مثالوں سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے مگر

يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اُن بدکاروں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو پختہ قول و قرار کرنے کے بعد پیمانِ خدائی کو توڑ دیتے

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِی

ہیں اور جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے

الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

پھرتے ہیں یہی لوگ زیاں کار ہیں

تفسیر اس سے پیشتر جبکہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کی حالت کی وضاحت کے لیے دو تمثیلیں بیان فرمائی تھیں اور پھر اثبات نبوت کے لیے فرمایا تھا کہ اگر اس قرآن کو منجانب اللہ تسلیم نہیں کرتے تو تم بھی اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ لیکن عاجز ہو کر مقابلہ نہ کر سکے تو ایسی حالت میں اور کوئی بات تو بن نہ پڑی تو یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب ہے کہ خدا ایسا جلیل القدر ہونے کے باوجود ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں دے کر اثبات مدعا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے جانوروں کی تمثیلیں مختلف آیات میں بیان فرمائی تھیں۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کے معبود ایسے ضعیف اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان کے منہ پر بیٹھ جائے تو اڑا بھی نہیں سکتے۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ ان تمثیلوں کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی عجیب خدا ہے جس کو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے میں مطلق شرم نہیں آتی۔ اس وقت آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔ کہ خدا تعالیٰ کسی مثال کو بیان کرنا نہیں چھوڑ سکتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمارے نزدیک ہماری ساری مخلوق برابر ہے۔ خواہ مچھر ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر کوئی اور چیز ہو۔ چھوٹا بڑا ہماری نظر میں برابر ہے۔ کیونکہ سب خدا ہی کی مخلوق ہے۔ سب کو اسی نے پیدا کیا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اب ایماندار لوگ جانتے ہیں اور جن کو معرفت الٰہی حاصل ہے وہی سمجھتے ہیں کہ یہ پروردگار کی جانب سے حق ہے۔ نور معرفت سے ہی لوگ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے اصل مقصود کیا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ باقی رہے کافر تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس تمثیل سے کیا ہے۔ ان کو جہالت کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے سے بہتوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ فرماتے ہیں کہ جن کو خدا ہدایت کرتا ہے وہ مومنین ہیں کہ امثلہ قرآن کی تصدیق سے ان کا نور ہدایت اور دوبالا ہو جاتا ہے اور جن کو گمراہ کرتا یا گمراہ چھوڑتا ہے وہ منافقین ہیں کہ کلام الٰہی کے انکار سے ان کی تاریکی ضلالت میں اور تاریکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی اس سے خدا تعالیٰ سوائے فاسقوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ صرف فاسقوں کو اس نور تک رسائی کی اجازت نہیں دیتا اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ فاسقین سے مراد

یہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے دانستہ کفر کیا۔ گویا فاسقین سے عام طبقہ مراد ہے۔ خواہ یہودی ہوں یا علمائے عیسائیت یا منافق۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حد سے خارج ہو گئے تھے اس لیے خدا نے ان کو گمراہ اور بھٹکتا چھوڑ دیا۔ مفسر مواہب الرحمٰن کا قول ہے کہ جو شخص امر حق اور سنت صحیح سے باہر ہو وہ فاسق ہے۔ لیکن فسق کے مراتب ہیں۔ جو شخص عمل سنت سے خارج ہو وہ مبتدع ہے اور جو شخص حرام کا مرتکب ہو اس کو اصطلاح میں فاسق کہتے ہیں اور جو شخص عقائد اسلام سے خارج ہو وہ منافق ہے اور اس میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ ۪ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یعنی ہمارے بیان کردہ مثالوں پر وہی اعتراض کرتے اور گمراہ ہوتے ہیں جن کا شیوہ اور دستور العمل فسق و معصیت ہے۔ یہ لوگ اللہ کے اس اقرار کو توڑتے ہیں جو ازل میں کیا تھا اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا اس کو کاٹتے ہیں اور تفرقہ کرتے ہیں۔ انبیاء میں سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اقارب کے ساتھ نیک برتاؤ اور سلوک نہیں کرتے اور نہ محمد پر ایمان لاتے ہیں۔ جس عہد شکنی کا آیت میں ذکر ہے اس سے کونسی عہد شکنی مراد ہے اور اس حکم میں کون لوگ داخل ہیں؟ تو اکثر علماء کا قول ہے کہ آیت میں تمام مشرک، کافر اور منافق مراد ہیں اور عہد سے مراد ایک تو وہ عہد ہے جو ازل کے روز سب ذریات سے خدا نے اپنی توحید اور اتباع احکام کا لیا تھا۔ دوسرے دنیا میں آیات الٰہی اور پیغام رسالت بھی میثاقِ الٰہی میں داخل ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ آیت میں صرف منافق مراد ہیں اور منافق کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو غالب ہونے کی دوسرے مغلوب ہونے کی۔ غلبہ کے وقت تو منافق میں چھ اخلاق رذیلہ ہوتے ہیں۔ اگر اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، اہلِ قرابت سے قطع تعلق کرتا ہے، زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتا ہے، بات کہتا ہے تو جھوٹی کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا۔ اگر منافق مغلوب ہوتا ہے تو صرف تین باتیں اس کے اندر رہ جاتی ہیں۔ جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ عہد سے وہ اقرار ایمان مراد ہے، جو قرآن کے اندر مذکور ہے۔ ابن جریر نے منافقوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی داخل کیا ہے۔ ابن حبان کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۔ یعنی ایسے ہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خاسر کا لفظ اگر اہلِ اسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے کفر مراد ہوتا ہے اور اہلِ اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے گناہ مراد ہوتا ہے اور یہاں مقدم الذکر معنی مراد ہیں۔ یعنی کفر۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مچھر یا اُس سے بھی چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے نہیں رک سکتا۔ کیونکہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہوتا ہے اور امر معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا حال ہوگا اُسی قسم کی چیز سے مثال دی جائے گی۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ مثال دینے میں خوبی یہ ہونی چاہیے کہ جس چیز کی مثال دی ہے وہ اس تمثیل کے مناسب ہو۔ لہٰذا جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور خدا نے اُن کو نورِ فطرت سے منور کیا ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ مثال درست ہے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے سمجھانے کے لیے بیان کی ہے اور جو کافر ہیں نورِ بصیرت سے محروم ہیں وہ طعن کرتے ہیں کہ خدا کو ایسی رکیک مثالوں سے کیا غرض ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انکار رکھنے والے لوگ اُن پر غور و فکر کر کے بہترین نتیجہ نکالتے ہیں۔ اور

کور بصیرت رکھنے والے نکتہ چینیاں کرکے فوائد سے محروم رہتے ہیں اور یہ گروہ فاسقوں کا ہوتا ہے جو میثاقِ ازل کو توڑتے ہیں۔ زمین پر بدی، فتنہ فساد، کفر و ظلم۔ الحاد و بیدینی پھیلاتے ہیں اور جس بات کے قائم رکھنے کا خدا سے انھوں نے وعدہ کیا تھا اور خدا نے بھی ان کو حکم دیا تھا اس کو قائم نہیں رکھتے۔ وہ حقوقِ الٰہی ادا کرتے ہیں نہ حقوقِ عباد۔ لہٰذا یہی لوگ بدنصیب اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں بھی اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتیں گے اور آخرت میں بھی عذابِ سرمدی میں مبتلا ہوں گے۔

مقصودِ بیان

خدا تعالیٰ کی نظر میں تمام مخلوق مساویانہ حیثیت رکھتی ہے۔ نورِ فطرت رکھنے والے اور معرفتِ الٰہی کو متصف ہونے والے حقائقِ اشیاء اور اسرارِ الٰہی کو اپنے نورِ معرفت سے جانتے ہیں۔ جن لوگوں کے نورِ فطرت پر جہالت کے پردے پڑے ہیں۔ وہ مصالحِ الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے۔ حدودِ الٰہی سے سرتابی کرنے والے فاسق ہیں۔ اور فتنہ و فساد کی بلندی کرنے والے بھی فاسق ہیں۔ جو شخص خود احکامِ شرع سے سرکشی کرتا ہے اور نورِ فطرت پر جہالت کے پردے ڈالتا ہے خدا اس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

آیت میں امورِ ذیل کی تعلیم بھی بہترین اور لطیف انداز میں دی گئی ہے :۔ حقوقِ محبت، حقوقِ ملت، حقوقِ اخوت، حقوقِ قرابت، حقوقِ وطن اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا حکم۔ دروغ بافی، افترا پردازی، فتنہ انگیزی، خونریزی، اخفائے حق، شرک، کفر اور دیگر روحانیت سوز اخلاق کی ممانعت، اقرارِ توحید و رسالت، انبیاء اور کتبِ الٰہیہ پر ایمان، صلۂ رحمی کرنے اور آیاتِ الٰہیہ میں غور کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ

تم اللہ کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم زندہ نہ تھے پھر اسی نے تم کو زندگی عطا کی پھر وہی تم کو مردہ کرے گا

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

اور دوبارہ وہی زندہ کرے گا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہوگا

تفسیر

گذشتہ آیات میں جب قرآن پاک کا اعجاز اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہوگیا اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی ہوگیا تو اب یہاں سے آیت يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ تک خدا تعالیٰ اپنی اُن نعمتوں کا اظہار کرتا ہے جو تمام دنیا کے لیے عام ہیں۔ کوئی شخص اور کوئی قوم اُن کے لیے مخصوص نہیں اور ان نعمتوں کے ذکر کے دوران میں مبدء و معاد کے متعلق بہت سی باتیں بھی بتاتا ہے تاکہ قرآن کا اعجاز خوب دلنشین ہوجائے۔ (حقانی و بیضاوی)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یعنی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت اور دیگر صفات کا کس طرح انکار کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے۔ بالکل معدوم تھے۔ نہ تم میں کوئی حس تھی نہ حرکت۔ فَاَحْيَاكُمْ پھر خدا ہی نے تم کو زندگی عطا کی۔ نیست سے ہست کیا۔ مطلب یہ کہ خدا تمہارا موجد اور خالق ہے۔ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر کچھ زمانے کے بعد تم کو وہی مارے گا۔ اس کو

گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ بلکہ دائرۂ اختیار میں ہو۔ وہ تم کو مار سکتا ہے۔ پھر تم کو حیاتِ جدید عطا کرے گا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے مُردہ خاک تھے۔ پھر خدا نے زندہ کیا۔ پھر دوسری بار اجل مقرر کے وقت موت آئے گی۔ پھر دوبارہ قیامت کے دن زندگی عطا کی جائے گی۔ بس یہی دو موت اور دو زندگیاں آیت میں مراد ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اور ایک جماعتِ صحابہؓ تابعین سے منقول ہے۔ ثُمَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ یعنی کچھ زمانہ کے بعد پھر اُسی کے پاس تم کو واپس لے جایا جائے گا اور وہاں پہنچ کر اقرارِ ربوبیت اور اقبالِ توحید کرو گے۔ لیکن اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ پہلے ہم نیست تھے پھر خدا نے ہم کو موجود کیا اور پھر مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر حساب دینا، خدا کے پاس جانا اور جزا سزا بھگتنا ہے تو پھر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ جس نے ایسے انعامات دیئے، اس قدر تم پر احسانات کیے اور آئندہ اُسی سے بہتری کی اُمید اور بُرائی کا خوف ہے۔ اور وہی تمام کفر و ایمان اور اچھے بُرے اعمال کی جزا سزا دینے والا ہے۔ پھر اُسی کی نافرمانی کی جائے اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کر کے قرآن و رسالت کا انکار کیا جائے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

مقصودِ بیان انسان حادث اور ممکن ہے۔ خدا نے اس کو نیست سے ہست کیا ہے۔ خدا نے ہی یہ زندگی عطا فرمائی ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا خدا ہی کے اوصاف ہیں۔ حشرِ جسمانی اور حساب کتاب برحق ہے۔ خدا کے پاس ضرور لوٹ کر جانا پڑے گا۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ تمام روحیں خدا ہی کے پاس سے آئی تھیں اور اسی کے پاس پھر سب کو جانا پڑے گا۔ آیت میں احوال مبدء، معاش، معاد اور کیفیتِ معاد کی طرف بھی ایک دقیق تلمیح ہے۔ اس جگہ صرف ایجاد و خلق کا مضمون بیان کیا گیا۔ آئندہ آیت میں بقائے وجود کا بیان ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں بنائیں پھر آسمانوں کے بنانے کا ارادہ کیا

فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۲۹

تو سات آسمان ہموار بنا دیے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہی انسان کو خلعتِ ہستی سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا وجود اُسی کا بخشش احسان ہے۔ لہٰذا وہی معبود و مسجود ہونے کے لائق ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم کو عدم سے موجود کیا ہی تھا۔ لیکن موجود کرنے کے بعد یونہی سرگرداں اور بے سر و سامان نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ تمہاری روح اور جسم کے لیے تمام عالم ارضی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے فوائد حاصل کرو۔ نباتات، معدنیات، حیوانات سب تمہارے منافع کے لیے، نفسِ نباتی نفسِ حیوانی اور جمادات میں صورت کمالیہ اور تاثیرات گوناگوں تمہارے ہی فائدے کے لیے پیدا کیں۔ جن میں سے بعض کا تو استعمال تمہارے لیے براہِ راست

فائدہ رساں ہے اور بعض کا استعمال بالواسطہ نفع بخش ہے۔ زہر و تریاق، جڑی بوٹی، جواہر اور خزانات، غلہ، پھل، میوہ اور مختلف سبزیاں سب تمہارے ہی فائدے کے لیے ہیں اور فقط یہ ہی نہیں بلکہ زمین کو ایک مجموعی حیثیت سے پیدا کرنے کے بعد اُس نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا اور فوراً سات آسمان ٹھیک ٹھیک بغیر کسی خرابی ناہمواری اور رخنہ کے بنا ڈالے تاکہ آسمانی آباء کے اثرات افعی ہیں؟ قبول کریں اور اس سے تمہارے مفید مطلب اشیاء پیدا ہوں۔ پھلوں میں پختگی پیدا ہو۔ سمندروں میں مد و جزر ہو۔ بخارات و دخانات سے بارش۔ بجلی، کڑک، گرج اور اولے کر فائدہ رساں اشیاء کی پیدائش کا سبب ہو اور ان چیزوں کو خدا نے لاعلمی میں پیدا نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ ہر چیز کی حالت پیدائش، طریق پیدائش اور کیفیت پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس لئے اُس کا یہ فعل بیکار نہیں اور نہ اُس کو اس طرح عالم میں کوئی دشواری ہوسکتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ خدا ہی تم کو ہست کرنے والا ہے اور تمہاری پرورش روحانی اور جسمانی کے لئے اُس نے یہ تمام کائنات عالم پیدا کی اور پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی پرستش کرو اور اس سے سرتابی کرتے رہو۔ حالانکہ تمہارا وجود اور تمہارے وجود کے اسباب اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مقصودِ بیان زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے۔ اگرچہ درستی اور ہمواری بعد کو ہوئی ہے۔ دُنیا کا ذرہ ذرہ خدا نے انسان کے فوائد کے لیے بنایا ہے اور تربیتِ ارواح و اجسام اُن کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ ہر چیز انسان کی تربیت میں سرگرم عمل ہے پھر خدا کی ناشکری کرنی عاقل سے بعید ہے۔ آسمان سات ہیں اور ہموار ہیں۔ کوئی رخنہ یا کمزوری یا نیچا اُونچا پن اُن میں نہیں ہے۔ خدا تمام چیزوں کی پیدائش، وقتِ پیدائش اور کیفیت پیدائش سے واقف ہے۔ کوئی ذرہ کلی ہو یا جزئی مادی ہو یا غیر مادی اُس کے علم سے خارج نہیں ہے، اس کو ہر ہر چیز کا تفصیلی علم ہے۔

اصل میں عالم کی تمام چیزیں انسان کے لئے مباح پیدا کی گئی تھیں، لیکن بعد کو منافع خصوصی اور مصالح ذاتی کی وجہ سے بعض کو حرام کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا

اور (اے محمدؐ یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

عرض کیا کہ آپ اُس کو نائب بناتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تو آپ کی تسبیح

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

و تقدیس بیان کرتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

تفسیر احسانات الٰہی کے تین مراتب ہیں نیست سے ہست کرنا، بقاء ہستی کے تمام اسباب و لوازم پیدا کرنا، اعزاز افزائی فرمانا۔ جہاں چہ مقدم الذکر دونوں احسانات کو گزشتہ آیات میں بیان کر دیا گیا۔ یہاں تیسرے احسان کا ذکر ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے جسم نوری بنایا ہے۔ اُن کے اندر مادی کثافت اور شہوانی و غضبی کدورت نہیں ہے۔ خواہشات نفسانیہ سے وہ بالکل پاک ہیں اُن کے افعال میں سہو و خلل بھی ممکن نہیں۔ وہ عقل خالص ہیں اوہام و خیالات کا وہاں ہجوم ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جائے نہ جذبات نفسانی اُن کو ہیجان میں لا سکتے کہ کھلنے پہنچنے کی ضرورت ہو لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۔ اور جب ایسی پاک اور نورمحض مخلوق پر خدا تعالیٰ نے انسان کو فضیلت عطا فرمائی تو اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز افزائی ہو سکتی ہے اور تکمیل احسان کا اس سے زیادہ اور کون سا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو جمعہ کی آخری ساعت میں پیدا کیا اور اُن کے اندر تین قوتیں پیدا کیں ملکیت، شہوت اور غضب۔ اب اگر آدمی قوت شہوانیہ کا اتباع کرتا ہے اور قوت ملکیہ کو مغلوب کر لیتا ہے تو اس کا نام گناہ ہے یا قوت غضبیہ کو غلبہ دیتا ہے تب بھی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر حاکم شرع یا صرف اس کی عقل اگر اس کو اعتدال پر لے آئے گی تو صفت غضب عدل اور رحمت سب کا ظہور ہوگا لہٰذا اگر حاکم نے موافق شریعت حکم دیا تو وہ نائب شرع اور خلیفۂ الٰہی ہے اور ظالم بصفت غضب متصف ہے اور مظلوم بصفت رحمت اور اگر انسان نے خود ہی اپنی عقل کے حکم سے توبہ کر لی تو وہ خود خلیفۂ الٰہی ہوا۔ اسی معنی کی طرف آیات ذیل میں لطیف اشارہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۔ یعنی تم کو اے محمد! اظہار کرنا چاہیے کہ جب ذکر ہے تمہارے پروردگار نے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنے نائب اور جانشین پیدا کرنے والا ہوں۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کے اقوال سے استنباط کر کے آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا الٰہی یہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا خلیفہ درحقیقت اس کی ذریات اور نسل ہوگی۔ شیخ سیوطی نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ طبری فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی بناء پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنی طرف سے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں جو میری مخلوق کے درمیان میرے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں میرا نائب ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ حضرت آدمؑ اور اُن کی نسل میں سے جو لوگ شرع کے موافق احکام عدل جاری کرنے والے ہیں۔ سب خلیفہ ہیں۔ لیکن بعض مفسرین نے خلیفہ کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ خلیفہ سے نائب خدا مراد نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ کی اولاد جو ایک دوسرے کی جانشین ہے یہی مراد ہے۔

قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔ فرشتے بولے کیا تو زمین پر اپنا جانشین ایسی مخلوق کو بنائے گا جو وہاں اپنے گناہوں سے فتنہ و فساد کرے گی اور خون ریزی کرے گی اور اگر عبادت و معرفت مقصود ہے تو اس کے لئے ہم کافی ہیں (ہم تیری تسبیح و حمد اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

[illegible] وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ روئے زمین پر خدا تعالیٰ نے اوّل جنات کو آباد کیا تھا، جب ان میں فسق و فجور کی کثرت ہوئی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو پہاڑوں اور جزیروں میں لے جا کر آباد کر دو اور زمین پر ان کی جگہ تم آباد ہو جاؤ غرض جنات کے قائم مقام فرشتے ہوئے اور ان سب کا افسر ابلیس کو بنایا گیا جو ہزاروں برس عبادت میں صرف کر چکا تھا، آخر کار جب

فرشتے نے مکہ اور طائف کے درمیان بمقام نعمان اسی طرح کا ایک پُتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے اُس کی صورت ہاتھ پاؤں، ناک، کان، منہ اور آنکھیں بنائیں اور کچھ مدت تک اس خشک پُتلے کو اسی حالت میں رکھا۔ فرشتے اس عجیب وغریب صورت کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ خدا جانے اس میں کیا حکمت وراز ہے جو خلیفہ بنایا جائے گا اور ابلیس اس کو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا حقیر چیز ہے، لیکن جب قلب کو دیکھا تو حیران ہوگیا کہ عجب نہیں اس میں کوئی لطیفہ ربانی ہو۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے رُوح کو اس پُتلے میں داخل ہونے کا حکم دیا، جب رُوح اس تنگ و تاریک خاکی حجرے میں بحکم الٰہی داخل ہوئی اسی وقت حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ حضرت آدمؑ نے الہام الٰہی سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ جواب عطا ہوا۔ پھر حضرت آدمؑ کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کی جماعت کے پاس جا کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہو۔ جو کچھ وہ جواب دیں تمہاری اولاد اور نیز تمہارے لئے وہی باہم تحیت ہے۔ حضرت آدم نے فرشتوں کی جماعت سے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا اور فرشتوں نے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ جواب دیا۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کے دل میں القاء کر دیا کہ فلاں چیز کا یہ نام ہے اور فلاں چیز کا یہ نام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسماء سے یہی نام مراد ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں۔ مثلاً انسان، چوپایہ، زمین، آسمان، پہاڑ، میدان، خشکی، تری، گھوڑا، گدھا، دیگ، ہانڈی، پیالہ وغیرہ۔ (ابن ابی حاتم اور ابن جریر) مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر چیز کا نام سکھایا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ملائکہ کے نام بھی سکھائے تھے۔ حمید شامی کہتے ہیں کہ ستاروں کے نام بھی بتلائے تھے، لیکن ابن جریر نے اس معنی کو پسند کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اُن کی اولاد اور ملائکہ وغیرہ سب کے نام سکھائے تھے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے اجزاء مختلف اور قوائے متباینہ رکھے تھے جن سے اُن کو طرح طرح کے معقولات، محسوسات، حقائق اشیاء، اُن کے خواص اور نام، اصولِ علم، قوانینِ صنعت اور اُن کے آلات کی کیفیت کا علم حاصل ہو سکے۔ پھر جب حضرت آدمؑ کو فضیلتِ علم حاصل ہوگئی جو تمام صفاتِ کمالیہ کی سرتاج ہے اور جس پر مدارِ خلافت ہے تو خدا تعالیٰ نے اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربار عام میں پوچھا کہ تم مجھ کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح و تقدیس کو علم اشیاء لازم ہے) اسی لئے ہم مستحق خلافت ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کے معنی مختلف روایتوں میں مختلف آتے ہیں۔ حسن و قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے بڑھ کر علم والا پیدا نہیں کرے گا تو تم اپنے علم سے ان چیزوں کے خواص اور افعال بیان کرو۔ ضحاک کی روایت میں یہ معنی مذکور ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ خدا زمین پر خلیفہ پیدا نہیں کرے گا تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ سے یہ معنی منقول ہیں کہ تم ان لوگوں کے نام بتاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ آدم کی اولاد سب کی سب زمین پر فساد و خوں ریزی کرے گی۔ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ کو ارشاد ہوا تھا کہ تم اُن کے نام بتاؤ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو زمین پر خلیفہ کیا تو اس کی ذریت میں فساد و خوں ریزی ہوگی اور جب کہ تم ان چیزوں کے خواص و افعال ہی نہیں جانتے جو تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر جو چیزیں آئندہ ہوں گی اُن کو کس طرح جان سکو گے اور علم نہ ہوگا تو تسبیح و تقدیس کس طرح بدرجۂ کمال کر سکو گے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

فرشتے بولے تو پاک ذات ہے نہیں ہم کو علم مگر جتنا تو نے ہم کو سکھا دیا بے شک تو ہی علم والا (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیر لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ قوت نہ تھی جس سے حقائق اشیاء اور جزئیات امور کا علم ہو سکے اس لئے نہ بتا سکے اور عرض کرنے لگے کہ تیری ہی شان پاک ہے ہم کو تیرے تعلیم کردہ علم کے سوا اور کچھ واقفیت نہیں البتہ تو ہی علیم و حکیم ہے۔ ملائکہ نے ادب کے ساتھ پہلے تسبیح کی جس سے معلوم ہوا کہ ہر عیب و نقص جناب باری سے منفی ہے البتہ اس کی شان ہر ایک کمال کا مجمع ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں علم پیدا کرتا ہے تو وہ مخلوق اسی قدر علم رکھتی ہے جتنا اس کو عطا کیا گیا۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

ارشاد ہوا کہ اے آدم! بتا دو ان کو ان چیزوں کے نام سو جب بتا دیئے آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیوں کیا

اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی چیزوں کو جانتا ہوں اور مجھ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

تفسیر جب فرشتوں کا عجز ظاہر ہو گیا اور انہوں نے اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اقرار قصور کر لیا تو خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ ان کو ان اشیاء کے نام بتا دو اور ان اشیاء کے ناموں سے ان کو مطلع کر دو۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ یعنی جب حسب الحکم حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو جب ان مخلوقات کے نام بتائے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے تمام چیزوں کے نام بتانے شروع کئے اور فرمایا تم جبرئیل ہو، تم میکائیل ہو، تم اسرافیل ہو۔ اسی طرح تمام اسماء بتا دیئے یہاں تک کہ حقیر ترین پرندوں کے نام بھی بیان کر دیئے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر ہوئی ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ تو خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا تم اپنے دل میں کیا سمجھے تھے کیا میں نے تم سے پہلے ظاہر نہ کر دیا تھا کہ میں ہر چیز کی حکمت و مصلحت اور زمین و آسمان کے ہر پوشیدہ راز سے واقف ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ آیت کے اس حصہ کی تفسیر میں بہت سے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ملائکہ کو ارشاد ہوا تھا کہ تمہارا ظاہر بھی مجھ کو معلوم ہے اور باطن بھی جو ابلیس نے چھپا رکھا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ کبر و غرور اگرچہ ازلی [illegible] میں تھا جو فقط ابلیس ہی میں تھا۔ لیکن جب کوئی قوم اکٹھی ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کا فعل سب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ لشکر بہت تجربہ کار ہے۔ [illegible] حالانکہ کل لشکر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس گروہ ملائکہ میں یہ غرور صرف ابلیس نے چھپا رکھا تھا۔ مگر اجمالی نسبت سب کی طرف کر دی گئی۔ اسی سے [illegible]

سدی میں ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کا منقول ہے کہ فرشتوں نے جو بات ظاہر کی تھی وہ تو یہی تھی کہ جو لوگ خوں ریزی اور فساد کریں گے اُن کو خلیفہ کس طرح بنایا جائے گا اور جو امر مخفی رکھا تھا اُس سے مراد کبر و غرور ہے۔ جو ابلیس کے دل میں تھا۔ یہی قول سعید بن جبیرؒ مجاہدؒ سدی، ضحاک اور سفیان ثوری سے منقول ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا ظاہر قول تو یہی تھا کہ ہم لوگ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں پھر کیا حکمت ہے کہ ایسی مخلوق خلیفہ ہو جو فساد و خوں ریزی کرے گی اور باطنی بات یہ تھی کہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ کوئی مخلوق نہ ہوگی۔

مقصود بیان فتنہ و فساد قوت شہوانی کا کام ہے اور خوں ریزی قوت غضبیہ سے تعلق رکھتی ہے اور علم قوت عقلیہ کا فعل ہے۔ ان تینوں امور کے ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ انسان میں تینوں قوتیں رکھی گئی ہیں۔ علم تمام صفات کمالیہ سے اشرف و افضل ہے اور اسی پر استحقاق خلافت کا دار و مدار ہے کیوں کہ علم کے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور فیصلہ صحیح کرنے کی قوت نہ ہو تو استحقاق خلافت نہیں ہو سکتا۔ علم کا درجہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے تسبیح و تقدیس سے افضل علم کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو کل اشیاء کا علم عطا کیا گیا تھا۔ انسان کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ آیت میں ایک خفیف اشارہ اس امر کی تعلیم کی طرف بھی ہے کہ اعتراف قصور اور توبہ سے قبل خدا کی تسبیح کرنی چاہیے تاکہ اس کو تمام عیوب و نقصانات سے پاک کہا جائے اس کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ کل علم خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ حکمت کا مرتبہ علم سے بڑھ کر ہے اسی وجہ سے علیم کے بعد حکیم کا لفظ ذکر کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے باہر تمام عالم میں کوئی ذرہ نہیں ہے۔ ظاہر باطن اور اول آخر سب کا خدا کو علم ہے۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا انکار کیا

وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝

اور غرور کیا اور ہو گیا کافروں میں سے

تفسیر یہ چوتھی نعمت ہے پہلے حضرت آدمؑ کے واسطے علمی عزت افزائی تھی اور یہ عملی قدر بخشی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کا حکم ہوتا ہے کیونکہ جب آدمؑ کی علمی فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تحفت لطیفی سے مطلع کر کے سجود و تعظیم کی نذر پیش کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ حضرت آدمؑ کی فضیلت کامل طور پر مظاہرہ ہو جائے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انھیں انکار کرنے والے یا خلافت آدمؑ میں چوں و چرا کرنے والے فرشتوں سے فرمایا کہ اب آدمؑ کا استحقاق خلافت ظاہر ہو گیا اب تم سب اس کی تعظیم و تکریم کرو اور سجدۂ تعظیمی اس کے سامنے بجا لاؤ۔ حسب الحکم

تو سب فرشتے سجدے میں گر پڑے (کیوں کہ نورِ محض تھے اُن میں سرکشی اور سرتابی کا مادہ نہ تھا) مگر ابلیس نے انکار کیا (ابلیس بھی فرشتوں میں داخل تھا اگرچہ اس کی سرشت ناری تھی اور فرشتوں کی خلقت نوری، لیکن عبادت و ریاضت اور اطاعت و مجاہدہ کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کر دیا گیا تھا اور اس کو بھی فرشتوں میں شمار کر لیا گیا تھا اور غرور سے کہنے لگا کہ میں اس کو سجدہ نہیں کروں گا یہ خاکی ہے میں ناری ہوں یہ اب کی مخلوق ہے اور میری عمر طویل ہے۔ میں ہزاروں برس عبادت و ریاضت میں گزار چکا ہوں پھر اس عجیب الخلقت کثیف پتلے کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں) اور در حقیقت خدا تعالیٰ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ منکرین کے گروہ میں داخل ہے۔ احکام الٰہی سے سرکشی کرنے والا ہے۔

تقریر مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو ملا تھا وہ مناظرہ و مباحثہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جونہی حضرت آدمؑ کے خاکی پتلے میں خدا تعالیٰ نے رُوح ڈالی تو فوراً فرشتے سجدے میں گر پڑے اور بعد کو مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئی۔

مقصودِ بیان ـــ سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے جس نے شیطان کا ستیاناس کر دیا اور اس کو راندۂ بارگاہ بنا دیا۔ غلط کی مرضی پر راضی رہنا چاہیے۔ شیطان اس کی مرضی پر راضی نہ ہوا، اس لئے اس کا نتیجہ خراب ہوا۔ انسان اپنے علم، عبادت، ریاضت اور اطاعت پر مغرور نہ ہو کیوں کہ اعتبار انجام کا ہے۔ معلوم نہیں انجام کیسا ہو۔ شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت انجام میں اُس کے لئے مفید نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنی اور اس کی شان میں گستاخی کرنی سخت گناہ ہے۔ انسان کو نعمتِ الٰہی پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کرنی چاہیے بلکہ ادائے شکر کرنا چاہیے۔ آخر میں تکبر انسان کو کافر کر سکتا ہے۔ حکم الٰہی بجا لانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ ڈھیل اور سستی نہ کرنی چاہیے۔ کوئی حیلہ و حجت بھی نہ ہونی چاہیے۔ احکام الٰہی جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اُن میں قیاس آرائی اور دماغ تراشی سے کام نہ لے۔ کیوں کہ اُن کی واقعی حقیقت معلوم ہونا محال ہے۔ سوائے خدا کے ان کا کوئی محقق نہیں۔ خدا تعالیٰ کی صنعت و حکمت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور نہ اس کی اجازت ہے۔ اُس کی حکمت بالغہ کا ہم کو علم نہیں۔ اسی وجہ سے بعض اشیاء کی پیدائش کو ہم نقصان دہ اور غیر مفید خیال کرتے ہیں اور واقع میں اُن چیزوں کا وجود فائدہ رساں اور ضروری ہوتا ہے۔ ہم کو خدا کے علم و حکمت میں کسی گستاخی اور بے باکی کی اجازت نہیں ہے۔ کبر و غرور خواہ سینے کے اندر چھپا ہوا ہو لیکن بہر حال ممنوع ہے اور ذلت کے غار میں گراتا ہے۔ آیت کے اخیر ٹکڑے میں ایک دقیق ترین لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس بطورِ عبادت ہے ان کے اندر لطیفۂ محبت نہیں ہوتا۔ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وغیرہ۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور با فراغت اس میں سے کھاؤ

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ۝

جہاں چاہو اور اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ گنہ گار ہو جاؤ گے

تفسیر یہ گزشتہ آیات کا ضمیمہ اور تتمۂ خلافت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔ اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔ حضرت آدمؑ کو زوج کی کیا ضرورت تھی اور یہ زوجہ کس طرح پیدا ہوئیں؟ اور جنت سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ابلیس جب جنت سے نکال دیا گیا اور حضرت آدمؑ جنت میں تنہا رہ گئے تو ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور عالم میں سلسلۂ وراثت و خلافت جاری کرنا اصل مقصود تھا، اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا اور فرمایا کہ آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے مراد وہی جنت ہے جس کا وعدہ مسلمانوں سے خداتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اہل سنت کا یہی قول ہے۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جنت میں سکونت کا حکم صرف ایک ساعت بلکہ اس سے بھی کم مقدار میں جنت کے اندر رہنے سے پورا ہو سکتا تھا اس لئے مکث بالاکل کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس جنت میں بے فراغی کے ساتھ جہاں تم دونوں کا دل چاہے کھاتے رہو لیکن

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ۔ اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (کھانا تو درکنار) کیونکہ اگر اس کے پاس جاؤ گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ محققین علماء کا قول ہے کہ درخت کوئی معین نہ تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ اس نوع کے درخت کے پاس نہ جانا۔ شجرۃ سے مراد سعید بن جبیر، محمد بن قیس، جعدہ بن ہبیرہ، الشعبی و سدی کے قول کے مطابق درخت انگور ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک گیہوں کا درخت مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ، ابن جریج وغیرہ کا قول ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ بعض لوگوں نے کھجور کا درخت بیان کیا ہے۔

مقصود بیان حضرت آدمؑ و حضرت حوا کو جنت میں بالکل آزاد رکھا گیا تھا۔ سوا مخصوص قسم کے ہر چیز کے کھانے کی اجازت تھی۔ جو شخص امور مشتبہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ یقیناً حرام امور میں پھنس جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو مشتبہ امور سے بھی پرہیز رکھنا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنے یا خلاف ورزی کرنے سے انسان درحقیقت خود اپنا نقصان کرتا ہے مستوجب بارگاہ الٰہی ہوتا ہے اور خسارہ اٹھاتا ہے۔ امر خدا کی تعمیل میں علت غرض تلاش کرنی اور چون و چرا کرنا نامناسب ہے۔ [illegible]

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا

پھر شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا پس نکلوا دیا ان کو آرام میں سے جس میں وہ تھے اور ہم نے حکم دیا کہ اتر جاؤ تم

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ۝

ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ (دنیوی) سامان ایک معین وقت تک ہے

تفسیر یعنی حضرت آدم و حوا کو درخت کے پاس جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن شیطان نے ان دونوں کو بہکایا اور کہا کہ یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ۔ اے آدم میں تجھ کو ایسا درخت بتا دوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تجھ کو لازوال سلطنت ملے گی اور یہ الفاظ بھی کہے کہ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ۔ تم کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے صرف اس وجہ سے منع کیا ہے کہ کھانے کے بعد تم دونوں کے فرشتے (لا جسم) ہو جانے یا دائمی طور پر زندہ رہنے کا خوف تھا۔ بالآخر حضرت آدم و حوا شیطان کے بہکانے میں آگئے اور درخت ممنوعہ کھا لیا۔ کھاتے ہی لباس جنت بدن سے دور ہو گیا اور شیطانی اغوا اس نعمت لازوال سے دور ہونے اور جنت سے نکالے جانے کا سبب ہوا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ۔ جب حضرت آدم نے شیطان کے بہکانے سے نادانستگی کی حالت میں پھل کھا لیا تو عتاب الٰہی شروع ہوا کیونکہ انبیاء کی بھول اور خطاء اجتہادی بھی قابل گرفت ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے لئے نہیں ہے چلو اترو زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے اسباب فراہم کرو۔ تم اس لباس لطیف، منزل شریف، رزق کریم اور راحت مقیم کے لائق نہیں ہو۔

مقصود بیان شیطان کے اغوا کرنے کے اسباب بے انتہا ہیں ہر طریقہ سے شیطان بہکاتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ عتاب الٰہی کا سبب درحقیقت انسان کی نافرمانی ہے۔ جنت پیدا ہو چکی ہے انسان زندگی میں تو زمین پر رہتا ہے، لیکن مرنے کے بعد بھی زمین میں ہی رہے گا۔ باہم بغض و عداوت فطری ہے۔ وقت معین تک انسانوں کو جائز منافع دنیا سے متمتع ہونے کی اجازت ہے۔ دنیا ایک سرائے ہے اور انسان اس میں مسافر ہے۔ اس لئے دنیا کو صرف قرارگاہ سمجھنا چاہیئے دائمی پائے گاہ نہ خیال کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝

بعد ازاں آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ حاصل کرئے تو اللہ نے ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے

تفسیر یعنی حضرت آدم جب جنت سے نکالے گئے تو فوراً ان کو اس غلطی اور قصور کا احساس ہوا۔ بہت پشیمان ہوئے اور مدت تک پریشان حال زمین پر اپنے گناہوں پر روتے اور سرگرداں پھرتے رہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش زن ہوا اور حضرت آدم کے دل میں یہ دعا القاء فرمائی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ حضرت آدم نے ان کلمات کو پڑھ کر دعا کرنی شروع کی۔ اپنے قصور کو برا سمجھ کر دلی سوز و گداز اور ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ آئندہ کے لئے ترک گناہ کا مصمم ارادہ کر کے بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی کیونکہ خدا کی ذات یقیناً توبہ قبول کرنے والا ہے اور بندوں پر ہر حالت میں رحمت و مہربانی فرمانے والا ہے۔

مقصودِ بیان ترک گناہ، اعترافِ جرم، عزمِ ترک اور توبہ کی تعلیم، اس بات پر تنبیہ کہ دعا بھی خدا کی طرف سے انسان کے دل میں القا ہوتی ہے۔ یہ بھی اُسی کی رحمت ہے کہ وہ دعا کی توفیق دیتا ہے اور پھر خود ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ خدا سے زیادہ کوئی توبہ قبول کرنے والا نہیں ہے۔ وغیرہ

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت پہنچے تو جو کوئی چلے گا میری

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ہدایت پر قرآن کر نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر حضرت آدم کی توبہ قبول ہوگئی تھی، لیکن زمین پر رہنا، جنت سے نکالا جانا، دوزخ کا خوف اور اسبابِ معیشت کی فراہمی یہ سب اُن کی تکالیف اور افکار کے اسباب تھے، اس لئے ارشاد ہو ہے کہ تم زمین پر چلے جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو۔ وہاں بھی تم پر میری عنایت رہے گی اور میری رحمت شاملِ حال ہوگی، لیکن جب میری جانب سے تمہارے پاس میری ہدایت یعنی انبیاء، علماء، کتب اور عقلِ فطری پہنچے تو اس کا اتباع کرنا۔ جو کچھ ہوگیا وہ ہوگیا۔ اب آئندہ کو ایسا نہ کرنا۔ میری ہدایت کے بموجب چلنا۔ کیوں کہ جو شخص میری ہدایت اور اسبابِ ہدایت کے بموجب چلے گا اُس کو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا اور نہ جنت سے محرومی کا غم ہوگا۔ میں اُس کو پھر دوبارہ ان مصائبِ ارضی اور اسبابِ معیشت کی فراہمی سے آزاد کرکے جنت میں داخل کردوں گا اور دوزخ سے محفوظ رکھوں گا۔ البتہ دنیا میں اس کو وہ ملے گا جو مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور جو نافرمانی کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر ہاں جو شخص میری ہدایت کو نہ مانے گا، احکامِ انبیاء، ہدایتِ کتب اور عقلِ سلیم کی رہنمائی قبول نہ کرے گا اور ہماری نشانیوں کی تکذیب کرے گا۔ آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کو جھوٹا بتائے گا اور آثارِ قدرت کا جو ذاتِ واحدِ قدوس پر دلالت کرتے ہیں انکار کرے گا وہ یقیناً ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخی ہوگا۔ کبھی اس کو رہائی نہ ملے گی۔ دوزخ کی آگ، فراقِ الٰہی کی آگ، رنج و الم کی آگ اور سب سے بڑھ کر اپنے کفر و شرک کی آگ میں جلتا رہے گا۔

ہدایت اوپر کی آیت میں ھُدًی سے مراد بروایت ابوالعالیہ انبیاء اور کتبِ الٰہیہ ہیں۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ مقاتل ھُدًی سے مراد صرف ذاتِ محمدی ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن مراد ہے۔

مقصود بیان ہدایت محض توفیق الٰہی ہے کسی بندے کے بس کی بات نہیں ہے اور خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور باقی گمراہی ہی گمراہی ہے۔ کسی شخص کی عقل ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے کیوں کہ آلائش مادی اور اوہام و وساوس سے آلودہ ہے۔ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ نجات انہیں کا حصہ ہے جو ہدایت الٰہی کے پیرو ہیں۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملے گی۔ ترہیب و ترغیب، اتباع شریعت کی تعلیم، نجات کا وعدہ، عذاب کی بعض دوسری وجود تسمیہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ سب کچھ آیت کے مضمون سے مقصود ہے۔

بعض ضروری امور حضرت آدمؑ زمین پر ضرور تشریف لائے تھے اور بروایت وہ ہند کوہ سرانیپ (سیلون یا لنکا) میں اترے تھے لیکن آپ نے سکونت کہاں اختیار کی؟ اس کی کوئی تحقیق نہیں ہے حضرت حوا جدہ میں اُتری تھیں اور وہیں سکونت پذیر ہوئی تھیں شاید اسی لئے جدّہ کو جدّہ کہتے ہیں کیوں کہ جدّہ عربی میں دادی کو کہتے ہیں۔ چوں کہ تمام آدمیوں کی دادی وہاں نازل ہوکر اقامت گزیں ہوئی تھیں، اسی لئے اس مقام کا نام جدّہ رکھا گیا۔ حضرت آدم و حوا کی ملاقات مقام عرفات میں ہوئی اور وہیں فراق جنت کے بعد ہر ایک نے دوسرے کو پہچانا۔ کعبہ حضرت آدمؑ نے بہ ہدایت حضرت جبرئیل بنایا تھا۔ سب سے پہلے دنیا میں یہی تعمیر ہوئی۔ حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی۔ عرب سے نکل کر جدّہ میں یا فلسطین یا شام میں ہر دو حضرات نے سکونت اختیار کی تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک مصر کو وطن بنایا تھا۔ حضرت آدم کی عمر نو سو تیس سال کی ہوئی۔ قبر کا پتہ معلوم نہیں۔ حضرت حوا کی قبر کے کچھ نشانات جدّہ میں موجود ہیں۔

جب خدا تعالیٰ توحید و نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کی تائید میں ایجاد، ابقاء وجود اور عام نعمتوں کا ذکر کر چکا اور انسان کی عزت افزائی کا بیان ختم ہو گیا تو اب خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کی مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ فرماتا ہے کیونکہ کائنات انسانی میں بنی اسرائیل سے زیادہ انعامات الٰہیہ کا مورد کوئی نہیں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں جتنے پیغمبر گزرے کسی کی نسل میں اتنے پیغمبر نہیں ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ

اے اسرائیل کی اولاد میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں یاد کرو اور تم میرا اقرار پورا کرو

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

میں تمہارا پورا کروں اور تم مجھ سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اس (قرآن) پر جو میں نے اتارا ہے جو تصدیق کرتا ہے اس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝

(توریت) کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ اس کے پہلے منکر اور نہ لو میری آیتوں کے عوض میں تھوڑا مول اور تم مجھ سے ڈرتے رہو

تفسیر اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا۔ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایل کے معنی اللہ اور اسرا کے معنی بندہ یعنی عبد اللہ۔ اولاد اسرائیل سے مراد یہود

خوف کا مرکز نہ بناؤ ۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ گے تو عام یہودی تمہاری سیادت سے نکل کر محمد صلعم کے تابع ہو جائیں گے اور جو کچھ تم کو نذرانہ دیا کرتے تھے وہ بند ہو جائے گا ۔ اس حقیر دنیوی مال کا لالچ نہ کرو بلکہ دائمی نجات کی مجھ سے امید رکھو اور میرے ہی عذاب کا خوف کرو ایسا نہ ہو کہ جو عذاب گزشتہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا ہے وہ تم پر بھی نازل ہو جائے ۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۝ یعنی اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ان صحیفوں اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں، تمہاری کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نشانات صفات و حالات مذکور ہیں اور جس شریعت کا ذکر ہے اس کی تصدیق اس قرآن سے ہوتی ہے۔ (ابو العالیہ، مجاہد و ربیع بن انس اور قتادہ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے) لہٰذا تم اس کو سچا جانو اور انکار کرنے والوں میں سے تم اوّل نہ ہو یعنی اہل کتاب میں تم انکار کرنے میں سب سے اوّل نہ ہو کیوں کہ رسول اللہ کی شناخت کا علم جس طرح تم کو حاصل ہے اوروں کو وہ واقفیت نہیں ہے ۔ (ابن عباس و ابو العالیہ)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ یعنی دنیا کا فائدہ چند روزہ زوال پذیر اور بے مقدار ہے تم رشوتیں لے کر میری آیات کو نہ بدلو۔ صفات و نشانات محمد (صلعم) جو تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں دنیوی مال کی لالچ سے ان کو تحریف نہ کرو اور اس قلیل منافع کو میری آیات پر ترجیح نہ دو اور مجھ سے ڈرتے رہو کیوں کہ مشیت الٰہی کے خلاف کسی کا ایک ذرّہ نہیں ہل سکتا۔ خالق اور رزاق وہی موجد و مبدع دیکھا ہے ۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ مطلب تفسیری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے " اے بنی اسرائیل اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح اعادۂ او تقریباً کر چھوڑ کر روحانی راستہ بتانے کے لئے قرآن اور نبی آخر الزماں کو بھیجا ہے ۔ تم میری گزشتہ مہربانیوں اور عنایتوں کا خیال کر کے میرے اس عہد کو پورا کرو جو میثاق کے دن تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا حکم مانیں گے اور پھر وقتاً فوقتاً اس عہد کی تجدید و توثیق بھی تم کرتے رہے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں اپنا عہد پورا کروں گا ۔ دنیا میں تمہاری عزت و شوکت اور زائل شدہ سلطنت واپس دے دوں گا، اور آخرت میں تم کو حیات ابدیہ اور نجات حقیقیہ سے سرفراز کروں گا اور اس عہد کا وفا کرنا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزماں اور قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے اصول دین مطالب توراۃ اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے ۔ جب یہ بات ہے تو اب تم اہل علم یا اہل کتاب ہیں سے سب سے اوّل منکر بن کر اغراض دنیوی کے عوض جو بالکل بے مقدار ہیں میری آیات کو نہ بیچو اور میرے عذاب سے خوف کرو "

مقصود بیان ۔ ایفاء عہد کی تعلیم ، گزشتہ انعامات الٰہی کو یاد کرنے کا حکم ، امید و خوف کا مرکز صرف ذات خداوندی کو قرار دینے کا وجوب ، قرآن پر ایمان لانے کا امر ، اس امر کی تصریح کہ قرآن احکام توریت کا مصدق ہے ۔ اگرچہ فروعی اختلاف ہے ۔ احکام شریعت کو مالی لالچ یا کسی اور امر کی طمع کی وجہ سے چھپانا ، بدلنا ، فروخت کرنا حرام ہے ۔ عالم ناسوت سے بیزار ہو کر عالم لاہوت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ یعنی شرک جلی سے احتراز کیا جائے یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے ۔ گناہ و شرک خفی سے احتراز کیا جائے یہ دوسرا مرتبہ ہے ۔ غیر اللہ کے توسّل سے نظر اٹھالی جائے یہ تیسرا مرتبہ ہے ۔ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر جایا جائے یہ چوتھا

مرتبہ ہے۔ لفظ فَاتَّقُوْنِ سے چاروں معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ

تفسیر یعنی سچ میں غلط نہ ملاؤ اور نہ حق کو دانستہ چھپاؤ۔ پہلی آیات میں صحت نظریات کا حکم تھا، یہاں درستی عملیات کا امر کیا جاتا ہے۔ علماءِ یہود کا دستور تھا کہ کتبِ انبیاء میں عموماً کسی خاص مدعا اور غرض کو ثابت کرنے کے لیے گھٹا بڑھا دیا کرتے تھے۔ یا جو کتابیں کسی حادثہ کی وجہ سے تلف ہو جاتی تھیں یا ناقص ہو جاتی تھیں اُن کے نام پر اپنی تصنیف کردہ کتابوں کو جاری کرتے تھے۔ کبھی شرح کے طور پر کچھ لکھ دیتے تھے۔ لیکن متن و شرح اور قدیم و جدید میں کوئی امتیازی نشان نہ بناتے تھے جس سے معلوم ہو سکے کہ کونسا حصہ اصل ہے اور کونسا حصہ بڑھایا ہوا ہے اور تمام بنی اسرائیل میں کوئی حافظ بھی نہ تھا نہ اصلی کتب دینیہ ملتی تھیں بلکہ جس کاہن اور راہب و عالم کے پاس جو حصہ تھا وہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر کتاب میں گھٹانا بڑھانا خصوصاً کسی مالی لالچ کے وقت بہت آسان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حضورؐ کے متعلق کتبِ انبیاء میں بشارتیں دیکھ کر بنی اسرائیل سرکارِ عالیؐ کے ظہور کے منتظر تھے اور محامدِ محمدی بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن ظہورِ نبوت کے بعد رشکِ خاندانی، حسدِ ذاتی اور طمعِ دنیوی کی وجہ سے اُن بشارتوں کو اُلٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور مسائلِ فقہیہ میں تاویلات و توجیہات کرنے لگے، اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں اپنی طرف سے باطل کو نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپایا کرو، کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں گمراہ ہوتے ہیں (حقانی و معالم التنزیل مع زیادت) اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حق کو چھپانا گناہ ہی ہے۔ پھر جان بوجھ کر پوشیدہ کرنا اور سخت گناہ ہے۔ پھر ایمان سے خود محروم ہونا کس قدر نقصان ہے۔ پھر دوسروں سے حق کو چھپانا اور سچ کا اظہار نہ کرنا اُن کی محرومی اور ثباتِ کفر کا سبب ہے۔ یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر دوسروں کو دھوکا دے کر کفر میں ڈالنا، آیاتِ الٰہی کو کوڑیوں کے مول بیچنا اور ملک میں فساد پھیلانا گناہ در گناہ ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا ارشاد ہوا۔

مقصودِ بیان معاملاتِ الٰہی میں خلط و خبط نہ کیا جائے۔ کشف کو خیال سے، فہم کو وہم سے، فراست کو قیاس سے، الہام کو وسواس سے اور حقیقت کو شک سے، بندگی کو ربوبیت سے، شریعت کو رسم و عادت سے، اخلاص کو ریاکاری سے اور کرامت کو مکاری سے مخلوط نہ کیا جائے۔ بلکہ بقول شیخ سہل آخرت کو دنیا سے مخلوط نہ کیا جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو

تفسیر اس سے پہلے کی آیت میں بُری باتوں کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں اچھی باتوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے عبادت مالی وبدنی فرض کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو باطل سے نہ ملاؤ، خالص دل سے ایمان لاؤ اور باقاعدہ ترتیل وتعدیل ارکان کے ساتھ وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھو تاکہ تمہارے دل نرم پڑ جائیں، دلوں کی سیاہی زائل ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا کرو۔ تاکہ مال میں برکت ہو اور فقراء ومساکین کے حقوق ادا ہو کر مساوات انسانی کا مظاہرہ ہو جائے اور فقط یہی نہیں کہ گھر میں نماز پڑھ لیا کرو، بلکہ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جن کی نماز میں رکوع ایک جزو ضروری ہے شامل ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اپنے مذہب کی نماز جس میں رکوع نہیں ہے ترک کر دو۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر پڑھو۔

مقصود بیان۔ نماز وزکوٰۃ کی فرضیت، جماعت کا وجوب، مساوات انسانی کا مظاہرہ وغیرہ۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو بھلائی کا اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے ہو تو

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى

کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور تم سہارا پکڑو صبر اور نماز کا اور بیشک نماز ضرور دشوار ہے مگر ان

الْخٰشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ۝ ع ٥

عاجزی کرنے والوں پر (نہیں)، جن کا خیال ہے کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملیں گے اور بلاشبہ اُس کی طرف لوٹیں گے۔

تفسیر یہ آیت علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علمائے یہود باخبر کچھ ان یہودیوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کرتے تھے کہ تم دین اسلام پر قائم رہو، اطاعت محمد کیے جاؤ۔ یہی سچا مذہب ہے لیکن خود اسلام سے گریز کرتے تھے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ یعنی کیا تم لوگوں کو تو اسلام لانے، اسلام پر ثابت قدم رہنے، اطاعت الٰہی، تقویٰ اور امور خیر کے اختیار کرنے، صوم وصلوٰۃ کے ادا کرنے اور رشوت نہ لے کر حق پوشی نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہو اور خود ان ہدایات پر عامل نہیں ہوتے اور اختیار خیر کے موقع پر گویا اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔ خود ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ حالانکہ تم توراۃ پڑھتے ہو جس کے اندر دیگراں را نصیحت وخود را فضیحت کی کس قدر مخالفت ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنا کیسی بُری حرکت ہے، کیونکہ اگر سمجھتے ہوتے تو اس حرکت سے باز آجاتے۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم توراۃ کی تلاوت کرتے ہو۔ اس میں اعمال صالحہ کی نہایت تاکید ہے اور خود عمل نہ کرنے اور محض دوسروں کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید ہے مگر تم خود عمل نہیں کرتے۔ دوسرے لوگوں کو وعظ وتدریس کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہو، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے

نفس سرکش ہیں وہ ان اعمالِ حسنہ، قیدِ شریعت اور روحانی صفات کو پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ تم روزہ نماز سے نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ۔ کیونکہ روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا، صبر کرنا اور نفسانی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر تمام اعضائے جسم کو عبادت میں معروف رکھنا، روح کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا، تسبیح و تقدیس کرنا، قرآن پڑھنا، دل کو حاضر رکھنا، ان سب کا مجموعہ روح کے لیے تازگی بخش ہے۔ نفس کی تیزی کو توڑ دیتا ہے، حبِّ مال و جاہ کو زائل کر دیتا ہے اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کو جو عملِ خیر سے مانع ہوتی ہے پژمردہ کر دیتا ہے۔

شیخ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آیتِ مذکورہ میں صبر سے روزہ مُراد ہے، کیونکہ روزہ خواہشات کو توڑ دیتا ہے۔ یعنی اس سے سرداری و مال کی خواہش ٹوٹ جائے گی اور نماز کا حکم اس لیے دیا کہ اس سے بارگاہِ الٰہی میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا علم کا غرور جاتا رہے گا اور نماز روزہ کے مجموعے سے یہودیوں کے تینوں اخلاقِ ذمیمہ زائل ہو جائیں گے۔ نہ حبِّ مال و جاہ رہے گی نہ غرورِ علم۔ ابنِ حبان فرماتے ہیں کہ نماز سے مراد تمام فرائضِ دینی ہیں اور صبر سے مراد خواہشاتِ نفسانی کی بندش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے خواہشاتِ شیطانی کو زائل کرو، پھر فرائضِ دینی کو ادا کرو۔ گویا اوامر و نواہی کے پابند ہو جاؤ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ۔ اور یہ نماز بھی کافروں اور منافقوں کے واسطے دشوار بات ہے۔ اس کے متحمل بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ملنا ہے۔ ابنِ عباسؓ اور مجاہد کے نزدیک خاشعین سے وہ سچے مومن مراد ہیں جو آیاتِ الٰہی کو سچا اور دل سے مانتے ہیں۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ خاشعین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ ابن حبان کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بارگاہِ الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ضحاک نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز سب پر ثقیل ہے سوائے ایسے لوگوں کے جو خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے وعدہ و وعید کو سچا جان کر اُس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کے ثواب کے اُمیدوار ہوتے ہیں۔

مجاہد و ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں لفظ ظن آیا ہے اُس کے معنی یقین کے ہیں۔ بیضاوی نے کہیں ظن کے معنی توقع کے لکھے ہیں۔ یعنی جو خدا سے ملنے کے متوقع ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ آیت میں ملاقات سے موت مراد ہے اور ظن سے مراد انتظار یعنی جو لوگ موت کے انتظار میں ہیں اُن پر نماز گراں نہیں ہے۔ کیونکہ نماز میں ان کو مناجاتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور جس بات کے انتظار میں یہ لوگ ہیں اُس کے مقابلہ میں نماز کی مشقت ہیچ ہے۔

مقصودِ بیان

خود پابندِ احکام ہونے کا وعظ اور بعد کو دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم۔ لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ جو خود پابند نہیں وہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کرے۔ کیونکہ خود پابندِ عمل ہونا واجب ہے اور دوسروں کو پابند بنانا دوسرا واجب ہے۔ ایک واجب کے ترک سے دوسرے واجب کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ تمام اوامر و نواہی کی تعلیم قوتِ شہوانیہ کا علاج بتلانے کا حکم، نماز ادا کرنے کا وجوب، اس بات کا حکم کہ مرنے کے بعد یقیناً خدا کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے۔ فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کی مدح، قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی لطیف پیرایہ میں تعریف، تمیلِ احکامِ شریعت میں اگر تساہل یا تردد ہو تو نماز روزہ سے استعانت کا حکم وغیرہ۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

اور اس بات کو میں نے تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دی

تفسیر چونکہ بنی اسرائیل کو اہل علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ سے دو چند غرور اور تعصب تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم میری نعمتوں کو یاد کرو اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ میں نے ایک زمانہ میں تمہارے آباؤ اجداد کو اُس زمانہ کے تمام انسانوں پر شرف عطا کیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ اور متبرک لوگ تمہارے خاندان کو مقدس اور متبرک جان کر ادب سے خدمت پیش کرتے تھے اور تمہارے خاندان کی عزت و حرمت اور علم و نبوت کی شہرت عالمگیر تھی۔ ابوالعالیہ، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور اسمٰعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ عالمین سے مراد بنی اسرائیل کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تمام عالم پر فضیلت مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اُمت محمدیہ بحکم نص تمام اُمتوں سے افضل ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اور اس دن سے ڈرتے رہو کہ کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئے گا اور نہ قبول ہوگی اُس کی جانب سے سفارش

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی بدلا اور نہ اُن کی کچھ مدد کی جائے گی

تفسیر یعنی اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور نعم الٰہی کے حق کو ادا نہیں کرتے اور شریعت کی خلاف ورزی اور بُت پرستی کرنے کی وجہ سے تم اپنی سلطنت و حشمت اور نعمت کو خاک میں ملا چکے تو خوب سمجھ لو اور ڈرتے رہو کہ ایک روز ضرور مرنا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن خدا کے سامنے حساب کتاب دینے کے لیے جانا ہے اس روز وہاں کوئی شخص عذاب الٰہی کو کسی طریقہ سے دفع نہ کر سکے گا۔ نہ تو کوئی شخص تمہاری ذمہ داری کر سکے گا کہ تمہاری جانب سے تمام حقوق و مطالبے اپنے سر پر لے اور نہ کوئی اپنی وجاہت ذاتی کی وجہ سے تمہاری سفارش کر کے عذاب کو معاف کرا سکے گا اور نہ کوئی مال و دولت پاکر اور معاوضہ لے کر تمہارے جرم کا عوض دے سکے گا اور نہ یہ ممکن ہو گا کہ کوئی خدا سے مقابلہ کر کے تمہاری مدد کرے اور اس صورت سے تمہاری نجات ہو جائے۔ جب دفع عذاب کے یہ کل طریقے ناممکن ہیں اور رہائی کی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر تم کو عذاب الٰہی کا خوف کرنا چاہیئے اور شریعت محمدیؐ کا پیرو بن جانا چاہیئے۔

مقصود بیان ترغیب و ترہیب۔ بنی اسرائیل پر احسان کرنے کا بیان۔ دفع عذاب کا وعدہ۔ امکان۔ اس امر کی تصریح کہ کوئی شخص کافروں کو عالم سے چھڑا نہ سکے گا۔ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ کافروں کی کوئی سفارش نہیں کرسکتا۔ کوئی کسی کے گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ کوئی مال عوض میں نہیں دے سکتا۔ وغیرہ

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

اور (یاد کرو) جب فرعون والوں سے ہم نے تم کو رہائی دی وہ تم کو بڑی تکلیف پہنچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

کراتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی

تفسیر حضرت یوسفؑ نے بنی اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا اور چار سو برس کے اندر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی تو اہل مصر کو ان پردیسیوں کا مصر میں رہنا پسند خاطر نہ تھا اور خود برسرحکومت ہونے کی وجہ سے اُن سے ٹیکس لیتے اور ذلیل کام کراتے تھے۔ عورتوں سے سوت کتواتے اور کپڑا بنواتے اور مردوں سے ذلیل مزدوری کا کام لیتے اور کھیت جتواتے تھے۔ یہ پہلے سے اس مصیبت میں تو مبتلا تھے ہی کہ ایک شب فرعون مصر ولید بن مصعب بن ریان نے خواب دیکھا اور صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر پوچھی کہ میں نے بیت المقدس (یروشلم) کی طرف سے ایک آگ آتی دیکھی جس نے تمام مصر کو گھیر لیا اور چن چن کر ایک ایک قبطی (خاندان فراعنہ کے افراد) کو جلا دیا۔ یہ سن کر تمام کاہنوں نے باتفاق کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو آپ کی ہلاکت اور زوال سلطنت کا سبب ہوگا۔ فرعون نے یہ سنتے ہی تمام دائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ فوراً قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی چھوڑ دی جائے۔ غرض اس شورش میں نوے ہزار معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے گئے۔ اس وقت سرداران قبطیان نے متفق ہو کر فرعون سے التجا کی کہ یہ بنی اسرائیل شودر ہیں۔ تمام ذلیل کام ان یہودیوں سے ہی متعلق ہیں۔ اگر یہ قتل عام اسی طرح جاری رہا اور بچے یونہی مارے جاتے رہے اور بوڑھے لوگ تو مر ہی رہے ہیں تو تمام کام ذلیل کام بھی ہم ہی کو کرنے ہوں گے۔ یہ سن کر فرعون نے یہ ترمیم کی کہ ایک سال قتل جاری رہا کرے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل موقوف تھا اس سال حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے ہاتھوں لطیف حکمت کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل! اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون کے ساتھیوں سے نجات دی تھی وہ لوگ تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کیا کرتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔ لیکن اس مصیبت سے ہم نے تم کو نجات دی اور اس مصیبت و نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی پوری آزمائش تھی۔

مقصودِ بیان بنی اسرائیل پر احسان و انعام کا بیان اور رسول اللہ کے زمانہ کے یہودیوں کو دعوتِ اسلام۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جب انسانی مصائب انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور انسان صبر کرتا ہے تو خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ آیت سے ایک امر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی تو تکلیف و مصائب میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے اور کبھی راحت و آرام پہنچا کر امتحان کیا جاتا ہے۔ وغیرہ

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝

اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے واسطے دریا کو پھاڑ کر تم کو نجات دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور تم دیکھتے تھے

تفسیر حضرت موسیٰ کی بعثت سے قبل فرعون اور فرعون کے ہم قوم بنی اسرائیل پر بڑے مظالم کیا کرتے تھے اور بنی اسرائیل اس امید پر ان مظالم کو برداشت کرتے رہتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر ہم ہی سے خدا تعالیٰ مبعوث فرمائے گا جس کی وجہ سے ہم کو اس بلا سے نجات مل جائے گی۔ لیکن موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بھی اُن کی تکلیفوں میں کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت موسیٰ فرعون کو مختلف معجزات کے ذریعہ ہدایت کرتے تھے کہ اس ظلم کو چھوڑ دے یا میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے تاکہ میں ان کو اُن کے آبائی ملک شام میں لے جاؤں۔ لیکن فرعون نے نہ مانا۔ موسیٰؑ کے قول سے سرتابی کی بلکہ موسیٰؑ کے قتل کے درپے ہو گیا۔ بالآخر بحکم خدا موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے باہر نکل گئے اور فرعون کو خبر بھی نہ ہوئی۔ عمرو بن میمون وغیرہ تابعین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر بحرِ قلزم پر پہنچے۔ سمندر بھرا ہوا تھا اور نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا کہ فرمائیے خدا تعالیٰ نے آپ کو کدھر چلنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت یوشع نے فوراً سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ لیکن دھار میں پہنچ کر موجوں کے تھپیڑے سے پھر کنارے پر آ گئے۔ تین بار اسی طرح واقعہ ہوا۔ اُس وقت بنی اسرائیل نے گھبرانا شروع کیا۔ اتنے میں فرعون کا لشکر نظر آیا جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا۔ بنی اسرائیل لشکر کو دیکھ کر اور خوفزدہ ہو گئے اور کہنے لگے اب ہم ضرور گرفتار ہو جائیں گے۔ اور موسیٰؑ سے کہنے لگے۔ کیا مصر میں قبرستان نہ تھے کہ تم ہم کو یہاں مروانے لائے۔ اب ہم تمہارے کسی جادو کا یقین نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے جھڑکا اور فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہی بچ کے راستہ بتائے گا۔ بالآخر موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ حضرت موسیٰؑ نے بارہ قبائل کے بارہ راستوں کے لیے بارہ جگہ لاٹھی ماری جس سے سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا۔ پانی بلکہ کیچڑ بھی خشک ہو گیا۔ ہر گروہ کا ایک خشک راستہ بن گیا۔ پھر حکم ہوا کہ اب سمندر پار ہو جاؤ۔ سب لوگ خشک راہوں سے سمندر پار ہو گئے۔ اتنے میں فرعون بھی مع لشکر کے دوسرے کنارے پر آ پہنچا۔ ہامان نے کہا کہ موسیٰ بزورِ ساحری اس شان سے پار نکل گیا آپ بقوتِ خدائی اُتر چلئے۔ فرعون اگرچہ پار جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حمیت سے شرم کھا کر دیا میں گھس گیا اور اسی خشک راستہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ کیونکہ بحکمِ الٰہی اس وقت خشک راستے موجود تھے۔ بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر ہراساں و ترساں کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سمندر برابر ہو گیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا۔ لیکن بنی اسرائیل پر پھر بھی خوف طاری تھا۔ جب سمندر سے فرعون کی ناپاک لاش باہر پھینک دی گئی تب بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین ہوا اور مطمئن ہوئے۔ یہ واقعہ

ماہِ محرم روزِ عاشورہ کا ہے۔ صحیح روایت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر کو پار کر رہے تھے تو خدا تعالیٰ نے ہر خشک راہ میں اِدھر اُدھر سوراخ کھول دیئے تھے تاکہ ہر گروہ دوسرے کے عبور کی حالت بھی دیکھ سکے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

ہماری اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے بحر (قلزم) کو تمہارے لیے پھاڑ دیا تھا اس میں خشک راستے بنا دیئے تھے اور ان راستوں کے ذریعے تم کو فرعون سے نجات دی تھی۔ لیکن وہی چیز جو تمہارے لیے باعثِ رحمت تھی فرعون والوں کے لیے باعثِ عذاب ہوئی اور ہم نے تمہاری نظروں کے سامنے اُن کو غرق کر دیا۔

مقصودِ بیان قدرتِ الٰہی کا اظہار، اس امر کی طرف اشارہ کہ جو چیز فرمانبردار بندوں کے لیے باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ وہ سرکش انسانوں کے لیے ذریعۂ عذاب ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کا ثبوت۔ اس امر پہ تنبیہ کہ خدا تعالیٰ سرکشوں کی ایک وقتِ خاص تک رسی ڈھیل چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن بالآخر گرفت کرتا ہے تو پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے۔

وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰىٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے بچھڑا بنا لیا اس کے بعد

وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اور تم ظلم کر رہے تھے پھر ہم نے اس پر بھی درگزر کی شاید تم احسان مانو

وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور (یاد کرو) جب ہم نے عطا کی موسیٰؑ کو کتاب اور قانونِ فیصل تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے وہ حالات بیان کرتا ہے جو بحرِ قلزم سے پار اُتر کر ظہور پذیر ہوئے۔ آیات کی تفسیر سے قبل اصل قصہ جان لینا ضروری ہے۔ جب موسیٰ بحرِ قلزم کو عبور کر کے کوہِ طور کے پاس پہنچے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تیس روز تک ترکِ دنیا کر کے ہماری عبادت کرو تاکہ اس دوران میں جسمانی اور مادی کثافت کم ہو کر روحانیت غالب ہو جائے اور خدا سے ہم کلامی کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ حسب الحکم حضرت موسیٰؑ کوہِ طور کے جنگل میں عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کے لیے چلے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل مطلق العنان ہو گئے اور چونکہ ان کی فطرت میں محسوس پرستی کا خمیر تھا، اس لیے محسوس معبودوں کی تلاش میں سرگرم رہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تھے تو قبطیوں سے کچھ زیورات شادی کے بہانے سے لے کر گئے تھے۔ وہ زیور بھی اُن کے پاس موجود تھا۔ سامری ایک پُرفن بازیگر تھا اور حضرت جبرئیلؑ کو اس نے اس وقت دیکھا تھا جب غرقِ فرعون کے وقت آپ بشکلِ بشری گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے۔ اس وقت جبرئیل کے گھوڑے کی خاکِ قدم

اس نے تھوڑی سی اٹھالی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس محفوظ تھی۔ پس اس نے حضرت موسیٰؑ کی غیبت اور بنی اسرائیل کی بیوقوفی سے فائدہ اٹھایا اور قبطیوں والے زیور کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس کے پیٹ میں قدم جبرائیل کی خاک ڈال دی۔ بچھڑا بولنے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰؑ کا رب ہے۔ حضرت ہارونؑ نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا کہ بے وقوفو! دیکھو یہ خدا کی آزمائش ہے حضرت موسیٰؑ صرف ایک ماہ کے لیے گئے ہیں تم ان کو آنے دو۔ ایسا کھلا ہوا شرک نہ کرو۔ لیکن کسی نے ان کا کہنا نہ مانا اور مار ڈالنے کے لیے تیار ہوگئے۔ حضرت ہارونؑ خاموش ہوگئے۔ ادھر حضرت موسیٰؑ کو دس روز کی مزید تاخیر ہوگئی۔ کیونکہ بجائے تیس دن کے خدا تعالیٰ نے تریح کرکے ایک چلہ مقرر کر دیا تھا۔ بیوقوف اسرائیلی ویسے ہی محسوس پرستی کی طرف مائل تھے۔ سامری نے اغوا کرنے میں اور اضافہ کیا۔ کہنے لگا۔ دیکھو تمہارا اور موسیٰؑ کا خدا تو یہ ہے۔ موسیٰؑ بھٹک کر کوہِ طور کی طرف گئے ہیں اور اسی وجہ سے اب تک نہیں آئے۔ پس پھر کیا تھا سوائے بارہ ہزار آدمیوں کے سب بے وقوف گئوسالہ پرستی میں مشغول ہوگئے۔ مدت مقررہ کے بعد جب حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر سے احکام کی تختیاں لے کر آئے تو بنی اسرائیل کو اس باطل پرستی میں دیکھ کر غضبناک ہوگئے۔ تختیاں پھینک دیں۔ حضرت ہارونؑ پر خوب ناراض ہوئے اور سخت باز پرس کی۔ حضرت ہارونؑ نے معقول معذرت کی۔ سامری سے دریافت کیا تو اس نے کل واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو بددعا دی جس سے وہ کوڑھی ہوگیا اور کوئی اس کے پاس تک نہ آتا تھا اور نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا۔ اسی حالت میں وہ مرگیا۔ بالآخر خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینک دو۔ اور تمہاری توبہ قبول ہونے کی یہ صورت ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ ایک روز میں ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر میں حضرت موسیٰؑ نے گڑگڑا کر التجا کی تو معافی کا حکم آیا۔ اس کے بعد دوبارہ حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور انہی احکام کا مجموعہ توریت کے نام سے موسوم ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اس نعمت کو یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰؑ سے ایک چلہ کا وعدہ کیا اور حکم دیا کہ چالیس شب تم عبادت کرو۔ چالیس شب گزرنے پر تم کو توریت عطا کی جائے گی۔ جس کے اندر ہدایت اور نور ہوگا۔ حسب الحکم موسیٰؑ کوہِ طور کے غار کی طرف گئے۔ ان کے جانے کے بعد تم نے بنائے ہوئے گئوسالہ کو معبود بنالیا اور خدا جانے یہ خرابی کی۔ جو چیز قابل پرستش نہ تھی اس کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن پھر بھی ہم نے تم پر احسان کیا اور تمہارے جرم سے درگذر کی تاکہ تم ہمارے احسان کا شکریہ ادا کرو اور اس احسان کو بھی یاد کرو کہ ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے موسیٰؑ کو ایک کتاب یعنی توریت دی، جس کے ذریعہ سے حق و باطل، حلال و حرام اور احکام شرعیہ و روحانی میں امتیاز ہوتا تھا اور اس سے مقصود صرف تمہاری ہدایت تھی۔

مقصودِ بیان عبادت و صفائی نفس کے لیے چند روز کے لیے عارضی طور پر تعلقات دنیا ترک کر دینے جائز ہیں۔ شرک بڑا ظلم ہے۔ دینِ الٰہی اور کتاب سماوی بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ یعنی اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ ہم جنس کی شرارت سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ آدمی آدمی کے لیے شیطان سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو ہدایت کرے اور کتاب الٰہی اور قول پیغمبر کے موافق اس کی بات ہو تو ماننا چاہیے۔ ورنہ اس کو جھوٹا اور گمراہ جاننا چاہیے۔ سوائے گمراہی کے اس کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ جو چیز خلاف عادت واقع ہو اس کو کرامت ہی نہ سمجھ لینا چاہیے جب تک شریعت کے مطابق نہ ہو۔ اگر شرک کرکے کوئی مرتد ہو جائے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ ہدایت کو کتاب الٰہی ہی سے تلاش کرنا چاہیے کتاب الٰہی

سے حق و باطل، کفر و اسلام، ہدایت و گمراہی، نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم نے بیشک گوسالہ کو (معبود) بنا لینے سے اپنے اوپر ظلم کیا

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

سو توبہ کرو تم اپنے خالق کی جانب اور اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے تمہارے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

خالق کے نزدیک پھر اللہ متوجہ ہوا تم پر یقیناً وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تفسیر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کوہ طور پر بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے سے آگاہ فرمایا اور موسیٰؑ توریت لیے واپس آئے اور بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو افسوس کرنے لگے اور نادم ہو کر توبہ کرنی شروع کر دی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول ہونے کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا کیونکہ جس شخص کو آخرت کا پختہ یقین ہوتا ہے اور اُس سے مغفرت کا پختہ وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ لامحالہ اس دار فانی کو چھوڑ کر آخرت کو پسند کرتا ہے اور یہ بھی درحقیقت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ بالآخر بنی اسرائیل نے اپنے اہل قرابت کو مارنا شروع کیا۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے معافی کی دعا کی اور خدا نے معاف فرمایا۔ اس قصہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے قوم والو! تم نے گوسالہ پرستی کر کے خود اپنے لیے خرابی پیدا کی ہے۔ اب اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور (توبہ کی صورت یہ ہے کہ باہم خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہی تمہارے لیے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر جب موسیٰؑ کی ہدایت کے موافق تم نے عمل کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کی کیونکہ خدا تواب رحیم ہے۔

سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا تھا کہ قبولِ توبہ کی صرف یہ شکل ہے کہ اگر باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملے تو قتل کر دے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا (ابن جریر) اس روایت کی تفصیل ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں آئی ہے کہ جب قتل کا حکم صادر ہوا تو جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اُن کو اس حکم سے مطلع کیا گیا۔ انھوں نے سر تسلیم جھکا دیا اور جنھوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تلواریں کرتے تھے اور اس وقت ایک تاریکی چھا گئی اور انھوں نے گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے تاریکی دور ہوئی اور قتل کا حکم معاف ہوا۔ مجاہد کی روایت میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار ظاہر کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ تاریکی دور ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ مقتولین کی لاشیں دیکھ کر غمگین ہوئے تو خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ کیوں غمگین ہوتے ہو جو لوگ مقتول ہوئے وہ میرے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور جو لوگ باقی رہے ہیں میں نے اُن کی توبہ

قبول فرمائی۔ یہ فرحت آگیں پیام سُن کر حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا غم دور ہوا۔

مقصودِ بیان

آیت میں ایک لطیف ترین اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو، خواہ ہوا پرست ہو، یا جاہ پرست یا زندہ پرست یا مُردہ پرست یا حکومت پرست۔ بہرحال جو غیر اللہ کا پرستار ہو۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ نفس کے گوسالہ کی قربانی کرے۔ قوتِ شہوانیہ و غضبیہ کے افعال کو دائرۂ شریعت کے اندر محدود کر دے۔ حکمِ الٰہی کے خلاف نفس سے کوئی کام نہ لے۔ اپنی رضا و ارادہ کو تسلیمِ حکمِ الٰہی میں فنا کر دے اس سے حیاتِ جاودانی اور غذائے روحانی حاصل ہو جائیگی۔ آیت اس مضمون پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ ایسے امور تعلیم فرماتا ہے جن سے حیاتِ جاودانی وابستہ ہے اور گناہگار بلکہ کافر و مرتد بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ چونکہ خدا ہی خالقِ کائنات ہے۔ اس لیے اسی کو قتلِ نفس کا حکم صادر کرنے کا اختیار ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ

اور (یاد کرو) جب کہا تم نے کہ اے موسیٰؑ ہم ہرگز تم پر یقین نہ کریں گے جب تک اللہ کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں تو تم کو بجلی نے

الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

آپکڑا اور تم دیکھ رہے تھے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو زندہ کر کے اُٹھایا تاکہ تم احسان مانو

تفسیر

ابن جریر، بغوی اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو موسیٰؑ نے ستر شخص اپنی قوم میں سے منتخب کیے اور ان لوگوں کو لے کر کوہِ طور پر معذرت کے لیے گئے۔ ان لوگوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تم اپنے رب سے کلام کرو ہم سنتے ہیں۔ اس ہمکلامی کی وجہ سے موسیٰؑ کا چہرہ ایسا منور ہو گیا تھا کہ ان کو دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے کہنے لگے کہ ہم نے صرف باتیں سُنی ہیں۔ لیکن جب تک خدا کو بالمشاہدہ اور علی الاعلان آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں گے ہم کو ہرگز یقین نہ ہوگا۔ اس گستاخی پر ایک بجلی گری اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے جو یہ دیکھا تو عرض کیا الٰہی میں ان کو بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دینے کے لیے ساتھ لایا تھا اب یہ تو مر گئے۔ میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا۔ تب خدا نے دوبارہ پھر اُن کو زندہ کر دیا۔ یہی واقعہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری اس عنایت کو بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کوہِ طور پر کہا تھا کہ ہم تمہارے قول پر صرف سُن کر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس طرح یقین کر سکتے ہیں تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر تم پر اس گستاخی کی سزا میں بجلی گری اور تم کو ہلاک کر دیا گیا اور تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے تم کو پھر زندہ کیا تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو اور شریعتِ موسوی کو دل و جان سے قبول کرو۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت میں صعق سے مراد موت ہے اور ان لوگوں کی موت وہ موت مقررہ نہ تھی جو ہر کسی کو آتی ہے۔ بلکہ یہ موت بطور سزا ہی کے واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اُن کو زندہ کر دیا گیا تھا تاکہ قسمتِ الٰہی کا معائنہ کریں اور اپنی موتِ مقررہ تک زندگی

کے نفوس پورے کریں، یہی قول حضرت قتادہ کا ہے۔

سدی اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ بجلی سے جل کر مر گئے تو حضرت موسیٰ کھڑے ہو کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی میں بنی اسرائیل کو کیا کہوں گا۔ ہزاروں وہاں مارے گئے اور جو کچھ اچھے اچھے چھانٹے گئے تھے وہ یہاں ہلاک ہو گئے۔ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۔ یعنی الٰہی اگر چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم کو ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک کرے گا جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے یہ تو تیرا امتحان ہی امتحان ہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ یہ ستر بھی انہی گوسالہ پرستوں میں سے ہیں۔ لیکن خدا نے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ الخ

مقصود بیان خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی موجب سزا ہے۔ ہر شخص کا مرتبہ علیحدہ ہے۔ جب تک استعداد حاصل نہ ہو مشاہدہ کی طلب بھی حرام ہے اور مشاہدہ کی استعداد ہو تو معائنہ کی درخواست ناجائز ہے۔ جوں جوں قابلیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مراتب قرب بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل تجلی غضبی میں گرفتار ہوئے تھے۔ موت مقدر سے نہ مرے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ فرما دیا۔ دنیا میں مشاہدۂ الٰہی تو ممکن ہے لیکن معائنہ ناممکن ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ

اور (یاد کرو) ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا (اور ہم نے حکم دے دیا کہ) ہم نے جو

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ

بہترین چیزیں تم کو رزق دی ہیں، انہیں سے کھاؤ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور (یاد کرو)

قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

جب ہم نے حکم دیا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو بافراغت اور گھسو

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

دروازہ میں جھکے جھکے اور "حِطّۃ" کہے جاؤ تو ہم بخش دیں گے تمہارے قصور اور زیادہ دیں گے نیک بندوں کو تو

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ

بدل ڈالا شریروں نے اس قول کو (اور کہنے لگے وہ قول) جو نہ بتایا گیا تھا ان کو پس ہم نے نازل کیا ان شریروں

فَظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى

پر آسمانی عذاب ان کی عدول حکمی کے سبب سے — اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے

لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

لیے پانی مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) کہ اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے (اور) ہر قوم

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى

نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا (اور ہم نے حکم دیا) کھاؤ اور پیو خدا کے رزق میں سے (مگر) ملک میں فساد

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

پھیلاتے مت پھرو

تفسیر ان آیات کی تفسیر سے قبل ہم آیات کا پورا قصہ لکھنا چاہتے ہیں تاکہ آیات کا مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ اس کے بعد آیت کے ہر ہر ٹکڑے کو علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔

جب بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے ملک شام کو جانے کا حکم ہوا تو چلنے کو تو چل دیے۔ لیکن راستے میں قوم عمالقہ کی جسمانی قوت اور شان و شوکت کی اطلاع ہوئی تو تعمیل حکم میں جھجکے اور تغافل کیا۔ اس پر ان کو بیابان عرب کے ایک سنسان میدان میں چالیس سال تک حیران پریشان پھرنے کی سزا ملی۔ بہتیرا چلتے تھے لیکن اپنے آپ کو جہاں سے چلے تھے وہیں پاتے تھے۔ آخر کار جب دھوپ کی تیزی اور بھوک پیاس کی شدت سے گھبرا اٹھے تو موسیٰؑ سے دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے سارے دن ان پر بادل سایہ کرتا تھا اور روزانہ فجر سے طلوع آفتاب تک ترنجبین یا گوند اور شے جو دھنئے کے دانوں کی طرح ہوتی تھی اور کھلے میدان پر جم جاتی تھی، جس کو لے کر بنی اسرائیل روٹیاں پکا کر کھاتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ چیز شہد سے زیادہ شیریں تھی تو اکتا کر یہ سوچا شور کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے اُن کے ڈیرے والے خیموں کے پاس بٹیریں بکثرت جمع ہونے لگیں جن کو نہایت آسانی سے یہ پکڑ لیتے تھے اور دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔ مگر یہ حکم تھا کہ ہر روز صرف اپنے کھانے کی مقدار جمع کر لیا کرو۔ اور جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کرو۔ کیونکہ ہفتہ کے دن یہ آسمانی رزق نہیں آئے گا اس لیے صرف جمعہ کے دن تو دو دن کی خوراک لے لیا کرو اور دیگر ایام میں کسی دن اگلے روز کا کچھ فکر نہ کرنا اور اگلے دن کے لیے کچھ جمع نہ کرنا۔ یہ لوگ عرصہ تک بے محنت آسمانی کھانا کھاتے رہے۔ آخر خلاف حکم الٰہی من و سلویٰ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے کھانا نازل ہونا بند ہو گیا اور جو جمع کیا تھا سب سڑ گیا اور سزا میں گرفتار ہوئے۔ جب مشقت سفر سے تنگ آگئے اور حضرت موسیٰؑ سے رہائی کی التجا کی تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دریائے یردن کے کنارے تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور فرمایا کہ تم خود تو اس ملک میں جانے نہ پاؤ گے بلکہ تمہاری قوم

نہیں ہوگی۔ ہاں بنی اسرائیل سے کہہ دینا کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو جس کو اریحا کہا جاتا ہے فتح کروگے۔ لہٰذا جب تم اس ملک میں داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھاتا لیکن اس کے شکریہ میں یہ بات ضرور ہے کہ شہر کے ساتوں دروازوں میں سے جس دروازہ میں داخل ہو تو اپنی فتح و بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے نہایت عاجزی سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور تم میں سے جو لوگ نیک ہیں ان کو اُس کے معاوضہ میں اور زیادہ عطا کریں گے جب حضرت یوشع بن نون کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور شہر فتح کیا تو بجائے تواضع اور استغفار کے اور بدکار بن گئے اور طرح طرح کی بدکاریاں اور حکم الٰہی میں دل لگیاں کرنے لگے۔ چنانچہ حِطَّةٌ (استغفار) کی بجائے حِنْطَةٌ فِي شَعْرَةٍ یعنی گیہوں اور جَو کہتے ہوئے داخل ہوئے اور سجدہ کی بجائے بچوں کی طرح سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جاگھسے۔ اس عدول حکمی پر آسمانی عذاب نازل ہوا اور ان میں پھوڑے کی وبا پھیلی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم ستر ہزار آدمی مرگئے۔ اس کے علاوہ اجنبی بادشاہوں کے ہاتھوں سے تباہ و برباد ہوئے اور اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بد پایا۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک احسان اور بھی چند بار کیا تھا۔ وہ یہ کہ بیابان رفیدیم وایلم اور قادس وغیرہ میں جب بنی اسرائیل تھے اور پانی نہ ملا تھا اور حضرت موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی تھی تو حضرت موسیٰؑ نے بحکم الٰہی اپنا عصا پتھر پر مارا تھا۔ جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے ہر فرقہ کا ایک جدا گھاٹ پیدا ہوگیا تھا۔ آیات مذکورہ میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اب ہم ذیل میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں:۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ یعنی یاد کرو جب کہ ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا تھا تاکہ تم دھوپ کی تیزی اور آفتاب کی حرارت سے محفوظ رہو۔ غَمَامَ ایک سفید ابر تھا جس سے وادی تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ ہو جاتا تھا۔ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ اور ہم نے تم پر ترنجبین اور بٹیریں نازل کی تھیں۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مَنّ ایک چیز تھی جو درختوں پر جم جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مَنّ ایک قسم کا گوند تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ گاڑھے شیرہ کی شکل میں اوس کی طرح گرتی تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ اودک کی پتیوں پر گرتی تھی۔ قتادہ کا قول ہے کہ تیہ میں برف کی طرح گرتی تھی۔ جس کا رنگ دودھ سے زیادہ سپید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں ہوتا تھا اور فجر سے طلوعِ آفتاب تک اس کی بارش ہوتی تھی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ مَنّ ایک چیز شہد کی طرح ہوتی تھی، جس کو پانی میں گھول کر پیتے تھے۔ وہب ابن منبہ کا قول ہے کہ مَنّ باریک میدہ کی طرح نازل ہوتی تھی جس کی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔ ابن کثیرؒ نے ایک حدیث مختلف طرق سے استخراج کی ہے کہ کماۃ (کھنبی) بھی مَنّ کی ایک قسم ہے (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند سمانی (لوا یا بٹیر) کے مشابہ تھا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ اور ربیع وغیرہ سے مروی ہے کہ سلویٰ اسی بٹیر کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند تھا جس کا رنگ مائل بسرخی تھا ہوائے جنوبی اس کو تیہ میں لاتی تھی۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ یعنی ہم نے جو رزق تم کو عطا کیا اس میں سے پاک اور صاف ستھرا کھاؤ۔ نہ بغیر ذبح کئے کھاؤ۔ نہ سڑا کر کھاؤ یعنی جمع نہ کرو اس سے یہ چیزیں سڑ جائیں گی۔

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ لیکن ان لوگوں نے حکم نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ اشیائے مذکورہ سڑ گئیں۔ اس سے

انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنے ہی لیے خرابی کی۔ آسمانی رزق بند ہو گیا۔

حاصل یہ کہ جب بنی اسرائیل تیہ میں گرفتار ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو آیاتِ قدرت دکھائیں اور ان کے ایمان کو پختہ کیا۔ لیکن انھوں نے سرتابیاں اور نافرمانیاں کیں اور کہنے لگے کہ ہم کو یہ غذا پسند نہیں۔ ایک ہی قسم کی غذا کب تک کھائے جائیں۔ اس کے علاوہ اس سنسان بیابان میں پھرتے پھرتے ہم تنگ آ گئے۔ مشقتِ سفر سے اکتا گئے۔ اب ہم آبادی میں جانا چاہتے ہیں۔ اس پر خدا نے حکم دیا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ کہ اس آبادی یعنی اریحا یا بیت المقدس یا ایلیا میں داخل ہو۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا اور وہاں جا کر جو کچھ چاہو فراخی اور وسعت کے ساتھ کھاؤ۔ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ ہر طرح کا غلہ اور میوہ وہاں بکثرت ہے۔ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ لیکن شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو فتح کے غرور میں سرمست نہ ہونا، بلکہ نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ شکرِ الٰہی میں جھکے ہوئے داخل ہونا اور استغفار کہتے جانا۔ اگر تم اس حکم کی تعمیل کرو گے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور تم نیکوکار ہو جاؤ گے اور مرتبۂ محسنین میں داخل ہو جاؤ گے اور محسنین کی نعمتوں میں ہم مزید اضافہ کرتے ہیں۔ لہٰذا تم کو بھی دولت و مال عطا کریں گے اور دیگر ممالک کی حکومت تم کو مرحمت فرمائیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ کے نزدیک سجدہ سے مراد آیت میں رکوع ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ۔ لیکن ظالموں نے بات کو بدل ڈالا۔ جو قول اُن سے کہا گیا تھا اس کو بگاڑ ڈالا۔ حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ فِیْ شَعْرَةٍ بنا لیا اور سجدہ و رکوع کی بجائے سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا الخ اور ہم نے ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے ایک پلید عذاب نازل کیا۔ طاعون میں اُن کو مبتلا کیا کہ ایکدم ستر ہزار مر گئے۔ حدیث میں طاعون کو رجز کہا گیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى الخ یعنی اے بنی اسرائیل تم اُس نعمتِ الٰہی کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی اور اس بیابان میں کہیں پانی موجود نہ تھا تو موسیٰ نے ہم سے پانی کے لیے دعا کی۔ ہم نے حکم دیا کہ پتھر پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ فوراً پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے یعنی تمام فرقوں نے علیحدہ علیحدہ اپنا چشمہ دریافت کر لیا اور ہر ایک کا گھاٹ جدا جدا ہو گیا اور ہم نے کہہ دیا کہ خدا کا رزق کھاؤ پیو۔ لیکن زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اعتقادِ توحید میں شیطانی وسوسہ نہ قبول کرو۔ احکامِ توریت قبول کرنے سے انکار نہ کرو، جہاد سے پہلو تہی نہ کرو اور خدا کی ناشکری نہ کرو۔

حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی دو شاخہ تھی۔ پانچ گز لمبی تھی۔ اس کا دو شاخہ سرا اندھیرے میں چمکتا تھا اور اس کا نام علیق تھا (مسالک معالم التنزیل) مقاتل کا قول ہے کہ عصا کا نام بنعہ تھا۔ حضرت آدمؑ اس کو جنت سے ساتھ لائے اور بطور ارث حضرت شعیب کو پہنچی تھی اور شعیب سے حضرت موسیٰؑ کو ملی تھی۔ مگر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

مقصود بیان قدرتِ الٰہی کا ثبوت بغیر اسباب کے رزق پہونچانے کا بیان، خدا کی رحمت و اعانت و تربیت کا اظہار، اس امر کی طرف اشارہ کہ احکامِ الٰہی سے سرتابی کر کے انسان خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا، تکبر، رعونت اور غرور کی ممانعت، فروتنی، انکسار اور تواضع کا حکم، بنی اسرائیل کی سرشت بد اور فطرت سیئہ کا اظہار اور اس بات کی طرف ایک لطیف تلمیح کہ خدا کی گرفت کا دائرہ وسیع ہے اور جس شخص پر دنیوی یا اخروی عذاب ہوتا ہے یا ہو گا وہ اسی کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ رزقِ الٰہی کی اباحت و حلت کا بیان، کفر و شرک، عصیان و طغیان، حق تلفی اور بد اخلاقی کی ممانعت۔ یہ سب فساد کی شکلیں ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

کہ ہمارے لیے زمین کی اگائی ہوئی چیزیں یعنی ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز عطا کرے

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو جو ادنیٰ ہے بہتر چیز کے بدلے میں لینا چاہتے ہو (تم بڑے احمق ہو) اترو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

کسی شہر میں تو تم کو ملے گا جو کچھ تم مانگتے ہو

تفسیر خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے محنت و مشقت کے لطیف غذا عنایت فرمائی۔ صاف ستھرا شیریں پانی پینے کو مرحمت کیا لیکن فطری جہالت رکھنے والے کور بصیرت انسان کہنے لگے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔ موسیٰؑ ہم ایک قسم کی چیز پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہر روز ہم کو من و سلویٰ ہی ملتا ہے۔ ہم کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ ہماری طبیعت اور چیزوں کو بھی چاہتی ہے۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا الخ۔ آپ ہمارے لیے خدا سے دعا کیجئے کہ زمین کی سبزیاں، ترکاریاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور، پیاز ہم کو عطا کرے۔ اس سے ہمارا ذائقہ بدلے گا اور کچھ لطف حاصل ہوگا۔ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے تو ہماری طبیعت اکتا گئی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، ربیع بن انس اور سعید بن جبیر کے نزدیک فوم بمعنی لہسن ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے فوم بمعنی گیہوں لکھا ہے۔ قرطبی نے بروایت عطاء و قتادہ بیان کیا ہے کہ فوم اس غلہ کو کہتے ہیں جس کی روٹی پکائی جاتی ہے خواہ کوئی غلہ ہو۔ بنی اسرائیل نے ان چیزوں کی خواہش صرف اس وجہ سے کی کہ وہ نعمت الٰہی کے لائق نہ تھے۔ جس چیز کے لائق تھے اسی چیز کی خواہش کی۔ کیونکہ یہ لوگ لطافت، نورانیت کی بہ نسبت مادی کدورت کی طرف زیادہ مائل تھے اور ان چیزوں کو اس مادی زبان کے ذائقہ میں دخل ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی فطرت کے مطابق غذا کی استدعا کی۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الخ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم بھی عجیب احمق ہو۔ افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ردی چیز کو چاہتے ہو۔ وہ رزق الٰہی جو لطیف و بابرکت ہے بغیر محنت و مشقت کے تم کو ملتا ہے اور اس کا مزہ اور لطافت مناسب روحانیت ہے اور اس کو کھا کر تم درجات آخرت حاصل کرنے کے واسطے فارغ البال ہو۔ ایسی بیش بہا سہل الحصول لطیف غذا کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو مانگتے ہو جو صرف اسی جسمانی زبان کے مزہ سے متعلق ہیں اور اس کے باوجود بغیر مشقت اور محنت کے وہ تم کو حاصل

بھی نہیں ہو سکتیں اور وہ لطافت بھی حاصل نہ ہو گی جو عبادت کے مناسب ہے۔ آخر کیوں اس کو پسند کرتے ہو۔ لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کا فرمان نہ مانا۔ مجبور ہو کر موسیٰؑ نے دعا کی اور حکم الٰہی ہوا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا الخ۔ کسی شہر میں جا کر اُترو، وہاں تمہاری خواہش کی چیزیں مل جائیں گی۔ مصر سے مصر فرعون مراد نہیں ہے۔ عام شہر بلکہ چند شہر مراد ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور چھ لاکھ آدمیوں کا اجتماع خلاف عادت ہے۔ مراد یہ ہے کہ وادی تیہ کے قریب قریب جو دیہات، آبادیاں اور شہر ہیں اُن میں جا کر اترو۔ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔

مقصود بیان جو لوگ نظرتاً نورانیت اور روشنی روح سے محروم ہیں وہ سرمایۂ حیات میں سے اُن چیزوں کے خواستگار رہتے ہیں جن سے ان کی جسمانی اور مادی کثافت میں اضافہ ہو اور نور روحانیت اور مجھتا چلا جائے۔ نور بخشو کا مقتضا اور خواہش بیجا طور پر پورا کرنا قوت روحانیت کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔ یکسوئی اور مادہ پرست انسانوں سے علیحدگی ہی نور فطری کو چمکانے اور روشن کرنے کا ذریعہ ہے اور مادی تمدن رکھنے والوں سے اختلاط مادی قویٰ کو روحانی قوت پر غالب کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کور بصیرت تھے۔ ان کو لطیف و کثیف اور روحانیت و مادیت کا امتیاز نہ تھا اسی لیے لطیف کو چھوڑ کر کثیف کے خواہاں ہوئے۔ عام انسانوں کی طبیعت جدت اور نیرنگی کی خواہاں ہوتی ہے۔ خواہ مطلوب متروک سے ادنیٰ ہی ہو۔ وغیرہ

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ

اور اُن پر محتاجی اور ذلت کی مار پڑی اور وہ اللہ کے غصہ میں آ گئے یہ اس

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ

لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق خون کرتے تھے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟ ع

اور یہ گنہگار نافرمان اور زیادتی کرنے والے تھے

تفسیر جب بنی اسرائیل نے من و سلویٰ اور لطیف نعمتوں پر صبر نہ کیا اور سبزیاں، ترکاریاں اُن کو منظور خاطر ہوئیں تو آبادیوں سے قریب جا کر اُن کو کاشتکاری وغیرہ کی اجازت دی گئی۔ پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کو عزت عطا کی تھی۔ اُن کے آباؤ اجداد کو حضرت موسیٰ اور یوشع وغیرہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا تھا اور فرمانبرداری کے صلہ میں تمام عالم پر ان کو بزرگی و شرف عطا کیا تھا اور ممالک شام، یمن، مصر وغیرہ کی حکومت اُن کے سپرد فرمائی تھی۔ لیکن ان کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے توحید الٰہی کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا اور اطاعت و عدل کو چھوڑ کر انبیاء و صالحین کی قبروں کی پرستش شروع کر دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے ہر قوم و قبیلہ اور ہر شہر و گاؤں میں ایک ہی وقت بکثرت نبی مبعوث فرمائے۔ اس کے علاوہ خاص خاص علماء اور بھی تھے جو بغیر کسی دنیوی طمع کے اُن کو نصیحت

کرتے تھے لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ جو کوئی دینِ توحید کی اُن کو نصیحت کرتا وہ اُس کے دشمن ہو جاتے، اس کو گمراہ سمجھتے، یہاں تک کہ قتل کر دیتے۔ چناں چہ ایک زمانہ میں تین سو علماء اور صلحاء کو قتل کیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمت و فضیلت اُن سے واپس لے لی اور دریائے غضب میں موج آئی اور مذکورۂ ذیل ان کا انجام ہوا۔

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ الخ یعنی اُن کفر پسند بنی اسرائیل پر ذلت و خواری کی مار پڑی۔ اول ایرانیوں نے ان کو برباد اور ذلیل کیا، پھر رومیوں کے غلام ہوئے اور آخر میں مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کیا۔ اپنی حکومت جاتی رہی۔ نہ وہ پہلی سی عزت رہی نہ حکومت۔

وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی خدا تعالیٰ کا اُن پر غضب نازل ہوا۔ ضحاک اور سعید بن جبیر نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستوجب و مستحق ہو گئے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ غضب الٰہی اُن پر طاری ہو گیا۔ ابن جریر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حرکات کا آخری رجوع غضب الٰہی کی طرف ہوا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سزا اور عذاب ان کے واسطے سخت نہ سمجھنا چاہیے اور نہ اس کو ناانصافی پر مبنی سمجھنا چاہیے بلکہ اُن کے عظیم الشان قصور کو دیکھنا چاہیے کہ آیاتِ قدرت، معجزاتِ نبوت اور کتب الٰہیہ کا متواتر انکار کرتے جاتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اسی لیے خدا تعالیٰ نے اُن کو ذلت، مسکنت اور غضب کی سزا دی۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ایک ہی وقت میں تین سو انبیاء کو قتل کیا تھا (ابوداؤد، طیالسی)۔ آیت کے آخری ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقط انھوں نے کفر و قتلِ انبیاء ہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اعمال، اقوال اور عقائد میں یہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کو یوسف نجار کا بیٹا اور جادوگر کہتے تھے اور حضرت مریمؑ کو بدکاری کا الزام لگاتے تھے۔ یہ سب ان کی بہتان بندی اور افترا پردازی تھی۔ بس اسی بنا پر ان کے لیے ذلتِ آخرت کے باوجود ذلتِ دنیا بھی مقرر کی گئی اور دین و دنیا میں عذابِ الٰہی اُن پر مسلط ہوا۔

مقصودِ بیان

خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تاکہ نعمت باقی رہے۔ کیونکہ جس قوم کو جو نعمت عطا ہوتی ہے جب تک وہ قوم شکر پر قائم رہتی ہے۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی نعمت میں کوئی تغیر نہیں فرماتا لیکن جب وہ قوم خود اس کو بدل ڈالتی ہے اور فسق و فجور میں پڑ کر شریعتِ الٰہی پر قائم نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ بھی نعمت زائل کر دیتا ہے۔ ایک خاص اشارہ آیت میں اس طرف بھی ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ کبھی رضائے الٰہی میں اپنے اختیار و پسند کو دخل نہ دے اور خدا داد نعمت کا جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر راضی رہے۔ یہ ہوس نہ کرے کہ بجائے اس کے اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ کسی چیز کے خیر و شر سے وہ خود ناواقف ہے اُس کو معلوم نہیں کہ کام اگر اس کی خواہش کے مطابق ہو گیا تو کیسا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثبات، یقین اور استقامت ہی کی دعا کرتا رہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جسمِ خاکی کی تکمیل ایسے امور و اسباب سے کرتا ہے جو حصولِ نورانیت کے مانع نہ ہوں، بلکہ تکمیلِ معارف کے لیے مددگار ہوں۔ کیونکہ حصولِ کمالات کے لیے بقائے جسم ضروری ہے۔ آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عذابِ الٰہی اگرچہ سخت ہو پھر بھی جرم کے مقابلہ میں سخت نہیں ہوتا۔ صرف سزا کو دیکھ کر خدا کو ظالم و بے انصاف نہ کہا جائے۔ بلکہ اپنے قصور کو دیکھا جائے اور اس پر غور کیا جائے کہ جو سزا ہم کو ہمارے قصور و جرم کی ہی ملی ہے۔

آیت سے تین امور بھی واضح ہوتے ہیں۔ (۱) بنی اسرائیل ناشکری اور کفر و شرک میں مبتلا تھے (۲) انبیاء کو انھوں نے قتل کیا تھا مثلاً زکریا، یحییٰ وغیرہ (۳) قول، فعل اور عقیدہ میں یہ حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ

یقیناً جو لوگ مسلمان بنے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور بے دین (ان میں سے)

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ

جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

پاس ثواب ہے اور نہ ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یہود کی ذلت اور ان پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان کیا گیا تھا جس سے یہود کو مایوسی ہوئی کہ اب ہمارا ٹھکانا الٰہی میں کہاں ہو گا. ہم کچھ بھی کریں ہمارے آباؤ اجداد کے جرائم معاف نہیں ہو سکتے ورنہ ہماری بھی نجات وقت سدا ہو سکتی ہے تو آیت مذکورہ میں اس مایوسی کو دور کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے آیت کی اس طرح تفسیر بیان کی ہے کہ خدا کو کسی کی ذات سے عداوت نہیں اور نہ خاندانی وجاہت و نسلی کا اس کے نزدیک کوئی امتیاز و اعتبار ہے۔ بلکہ صرف ایمان و اعمال پر دار و مدار ہے. کوئی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومن ہوں یا موسیٰ علیہ السلام کے یہودی یا حضرت عیسیٰ کے عہد کے نصاریٰ یا اپنے زمانہ کے صابی، بہرحال زبانی دعویٰ معتبر نہیں۔ بلکہ ان میں سے جس کا حقیقی اور خالص ایمان خدا پر اور روز قیامت پر ہو گا اور اعمال نیک ہوں گے تو اس کو اجر ضرور خدا کے ہاں سے ملے گا۔ نہ اس کو عذاب کا خوف ہو گا۔ نہ اس بات کا رنج ہو گا کہ ہائے ہم نے کیوں عمر کو ضائع کیا اور غلط مذاہب اور غلط خیالات کی پابندی کو نجات کا راستہ سمجھ کر جہنم کو پہنچے۔

یہود درحقیقت یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا چونکہ سلطنت یہودا کی اولاد میں رہی تھی اس لیے بادشاہوں کے خوش کرنے کو لوگوں نے اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ سب قوم کا لقب یہودی ہو گیا نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے مددگاروں اور اتباع کرنے والوں کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی نصرت و مدد کی تھی۔ اس لیے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ صابئین کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ لوگ بے دین تھے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، سدی، ابوالشعثاء جابر بن زید، ضحاک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ صابی جماعت زبور پڑھتی ہے اور اہل کتاب ہے۔ قتادہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زبور پڑھتے تھے قبلہ رخ نماز پڑھتے تھے اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے ابو الزناد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عراقی تھے۔ تمام انبیاء کو مانتے تھے اور یمن کی طرف رخ کر کے پنجوقتہ نماز ادا کرتے تھے بعض لوگ ان کو نوح کی اُمت قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ ستارہ پرست کہتے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو آیت سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ملا اہل کتاب ہی تھے۔ اگرچہ رفتہ رفتہ مذہب میں تغیرات کر کے ستارہ پرست یا ملائکہ پرست یا کچھ اور ہی گئے ہوں جس طرح کہ عیسائی

اور یہودی رفتہ رفتہ شرک کرنے لگے۔

مقصود بیان خدا کے نزدیک وجاہت ذاتی، عزت خاندانی اور دولت وحکومت کا اعتبار نہیں۔ جو شخص سچے دل کو مومن ہوگا، نیک اعمال رکھتا ہوگا، وہی خدا کے نزدیک سرفراز وباکرامت ہے۔ یہودی، عیسائی اور صابی اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے۔ اب دَورِ محمدیؐ میں یہودیت، عیسائیت اور صابئیت کا کمال یہی ہے کہ محمدؐ پر ایمان لایا جائے اور نبوت محمدیؐ کی انکار کی صورت میں نہ کوئی حقیقی معنی میں یہودی رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی سچا عیسائی نہ صابی۔ زبانی دعویٰ سے کچھ بھی کہہ لیا جائے وغیرہ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم پر طور کو معلق کر دیا لے لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی کے ساتھ

وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا

اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی تو اگر

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ حالوں میں سے ہوتے

تفسیر موسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ کوہ طور پر آکر چلہ کشی کرو تو تم کو توریت ملے۔ حسب الحکم حضرت موسیٰؑ وہاں جاکر عبادت میں مشغول ہوئے۔ ادھر یہودیوں نے سامری کے اغوا سے سونے چاندی کا بچھڑا پوجنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو مطلع کیا گیا کہ آپ کی قوم کی خبر لو وہ مشرک بن گئے۔ یہ حکم پاکر حضرت موسیٰؑ واپس آئے۔ دیکھا تو واقعی بدگرگوں حالت تھی۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اگر یہ مشرک لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کریں تو بیشک آخرت کے دائمی عذاب سے نکل سکتے ہیں۔ ورنہ اس کے علاوہ ان کی توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس وقت سب گھبرا گئے کہ کیا کریں۔ آنکھوں دیکھتے اور اپنے ہاتھوں اپنے بھائی بندوں کا خون کرنا بہت مشکل ہے اور ایسا کئے بغیر بھی چارہ نظر نہیں آتا۔ غرض موسیٰؑ دست بدعا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ایک سیاہ بادل اوپر سے اٹھا۔ جس سے تمام قوم پر اندھیرا چھا گیا۔ اور اندھا دھند ایک نے دوسرے کو خواہ باپ ہو یا بیٹا قتل کرنا شروع کیا۔ شام تک ستر ہزار قتل ہو گئے تب حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ بارگاہ صمدی میں گڑگڑائے۔ اس وقت بادل دور ہوا اور باقیماندہ قوم کو معافی مل گئی۔ اس کے بعد جب موسیٰ نے اُن کے سامنے آسمانی کتاب یعنی توراۃ پیش کی اور اس کے احکام پر پابند ہونے کا حکم دیا تو وہ پھر شرارت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے تو ایسے سخت احکام نہیں مانے جاتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کو پابند بنانے کی ایک صورت کی کہ ہلاک کرنا تو مناسب نہ سمجھا بلکہ بچوں کی طرح زبردستی عہد لیا۔ جس کی شکل یہ ہوئی کہ پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ یا تو توریت پر

عمل کرنے کا عہد کرو، ورنہ سب دبا کر ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ اس وقت چاروناچار ان کو ماننا پڑا۔ اسی قصہ کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔ اور اس وقت کے میثاق کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے آباء و اجداد کے سروں پر کوہ طور کو معلق کر دیا تھا۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ ہو اور مخصوص پہاڑ کا نام بھی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو شرف مناجات حاصل ہوا تھا اور توریت ملی تھی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک یہاں کوہ طور ہی مراد ہے۔ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ۔ یعنی ہم نے تمہارے آباء و اجداد سے کہا تھا کہ اب توریت کو عزم کی اور شاق فرماں پذیری کے ساتھ ارادہ اور مضبوطی کے ساتھ اس پر کاربند ہو جاؤ۔ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ اور جو احکام و مسائل توریت میں ہیں ان سے نصیحت حاصل کرو۔ اخلاق ظاہر و باطن درست کرو اور معارف و حقائق سے آراستہ ہو جاؤ۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اور امید رکھو کہ اس اطاعت و فرماں پذیری کے ذریعے تم کو عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے قبول احکام سے انکار کر دیا تو خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور قریب تھا کہ ان کے سروں پر گر پڑے۔ یہودی گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے۔ لیکن کنکھیوں سے دیکھتے رہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور عذاب دور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اب بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں کہ ایک آنکھ کا کچھ حصہ کھلا رکھتے ہیں اور اس سے دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سجدہ بہتر ہے۔ اسی سے عذاب الٰہی دور ہوا تھا۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ یعنی اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی تم عہد پر قائم نہ رہے اور احکام توریت کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ اب اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی تباہ ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت شمویلؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دیگر انبیاء کو بھیج کر نصیحت فرمائی اور ان حضرات نے سمجھایا اور یہودیوں کو راہ راست پر لائے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ ورنہ یہودی تو اپنی تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔

مقصود بیان خدا تعالیٰ رحیم ہے اور طریقۂ ہدایت کو خوب جانتا ہے۔ کبھی عذاب دے کر، کبھی نعمتوں سے سرفراز کر کے، کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی صرف سمجھا کر نصیحت فرماتا ہے اور اس سب کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ گنہگار انسان عذاب سے بچ جائے۔ کسی کو عذاب سے بچانے یا عذاب دینے کے ساتھ غرض وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ انسان ہی کے اعمال کا نتیجہ ہے اور اسی کی بہبودی یا تباہی اس سے وابستہ ہے۔ مختلف انبیاء، ریفارمر اور علماء و صلحاء، جو عام انسانی حالت اور بداخلاقی کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمائے۔ یا اس دور اسلامی میں مخلص علماء و صلحاء پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صرف خدا کی رحمت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ یہ مخلوق عذاب میں مبتلا نہ ہو اور ان کی نصیحت سے فرمانبردار بن جائے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا

اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے بارے میں زیادتی کی تھی تو تم ان کو جان چکے ہو تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ

قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۞ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا

ہو جاؤ تم بندر ذلیل　پس ہم نے بنایا اس واقعہ کو عبرت اُن کے لیے جو روبرو تھے　اور جو پیچھے آنے والے تھے

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞

اور نصیحت (بنایا) واسطے پرہیزگاروں کے

تفسیر حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشعؑ، پھر کالبؑ، پھر یوشاؑ، پھر حزقیلؑ وغیرہ انبیاء ہوتے اور بنی اسرائیل کے اخلاق کی اصلاح کرتے رہے۔ لیکن بنی اسرائیل کچھ دنوں تک تو نصیحت مانتے تھے بعد میں پھر بُت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ، یسعؑ اور ذوالکفل وغیرہ کو یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا۔ لیکن بنائے فساد یہ تھی کہ پیغمبر علیحدہ ہوتا تھا اور بادشاہ علیحدہ۔ پیغمبر کے پاس کوئی مادی طاقت حکومت اور اسباب جنگ نہ ہوتا تھا کہ بنی اسرائیل کو مجبور کر کے شریعت موسوی کا پابند بنائے اور بادشاہوں کے پاس حکومت، دولت اور سامانِ جنگ ہوتا تھا اس لیے بادشاہوں کی وجہ سے ہی فسادِ شریعت ہوتا تھا۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو نبی بنا کر بھیجا اور بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت داؤدؑ نے تمام بنی اسرائیل کو بزورِ سلطنت مطیع بنایا اور جس سرکشی سے انبیاءؑ کو قتل کرتے تھے۔ اُس کی سزا اُن کو مل گئی۔ حضرت داؤدؑ کے ہی زمانہ میں ملک شام کے غربی جانب سمندر کے کنارے ایک آبادی تھی جس کا نام ایلہ تھا۔ اس میں تقریباً اسّی ہزار یہودی آباد تھے اور اُن کی تجارت کا مدار مچھلیوں پر تھا۔ انہی کا قصہ آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل بروایت ابن عباسؓ یہ ہے کہ اہلِ ایلہ کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصوص طور پر مقدس بنایا گیا تھا اور حکم تھا کہ اس دن شکار نہ کرنا۔ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی جب حد سے آگے بڑھ گئی تو خدا تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور امتحاناً یہ صورت کر دی کہ ہفتہ ہی کے دن تمام مچھلیاں پانی کی سطح پر تیر کر آجایا کرتی تھیں اور باقی ایام میں پانی کے اندر رہتی تھیں۔ اسی طرح ایک مدت دراز گذر گئی۔ ایک روز ایک شخص نے سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑ کر ڈورے باندھ کر دریا میں چھوڑ دی اور دریا کے کنارے ایک کیل گاڑ کر ڈوری کا کنارہ اُس کیل سے باندھ دیا تاکہ مچھلی جا نہ سکے۔ پھر اتوار کا دن ہوا تو اس کو پکڑ لایا۔ اسی طرح اُس نے دوسرے سنیچر کو بھی کیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بھی اسی طرح خفیہ طور پر یہ حرکت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح ایک زمانۂ دراز گذر گیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا۔ پھر یہ لوگ بہت دلیر ہو گئے اور علی الاعلان دریا کے قریب قریب گہرے حوض کھود کے اور دریا سے نالیاں کاٹ کر حوضوں تک پہنچا دیں۔ ہفتہ کے دن حسبِ معمول مچھلیاں پانی کی سطح پر آتی تھیں اور نالیوں میں ہوتی ہوئی حوضوں میں آجاتیں لیکن ان کی گہرائی اور پانی کی قلت کی وجہ سے نکل نہ سکتی تھیں۔ اتوار کے دن بنی اسرائیل مچھلیاں پکڑ لیتے تھے اور علانیہ بازاروں میں فروخت کرتے۔ حضرت داؤدؑ نے منع فرمایا کہ ایسی حرکت نہ کرو۔ حضرت داؤدؑ کے ساتھ بارہ سو یہودی تو متفق ہوئے بلکہ پہلے ہی سے یہ لوگ اس گناہ میں شریک نہ تھے اور دوسروں کو بھی اس جرم سے منع کرتے تھے۔ باقی یہود کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک علی الاعلان نافرمانی کرنے والا اور مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنے والا تھا اور دوسرا گروہ خود تو شکار نہ کرتا تھا لیکن دوسروں کو شکار کرنے سے منع بھی نہ کرتا تھا بلکہ ناصح گروہ سے کہتا تھا کہ جس قوم کو خدا ہلاک کرنا چاہتا ہے تم اس کو

کس طرح نصیحت کر سکتے ہو۔ بہر حال اس یوم عبادت کی بے حرمتی حکم الٰہی کی نافرمانی اور تمردی وگناہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس بیباک فرقہ کو ایک روز بندر کی صورت پر مسخ کر دیا۔ دل بھی اُن کے بندروں کے دل کی طرح بے عقل ہو گئے اور صورتیں تو بندروں کی ایسی ہو ہی گئیں (حضرت مجاہد کا یہی قول اور یہی مطلب ہے) اور تین روز کے اندر اندر سب مجرم گروہ اپنے مکانوں کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم قطعاً خوب جانتے ہو کہ کن لوگوں نے سنیچر کی بے حرمتی کرنے میں حد سے تجاوز کیا تھا۔ لہٰذا خدا نے بھی اُن ظالموں کے متعلق کہہ دیا کہ ملعون بندر فوراً بن جاؤ۔ وہ لوگ بندر بن گئے اور تین دن کے اندر سر پٹک کر مر گئے اور یہ واقعہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کا ہوا تھا، لیکن درحقیقت یہ اگلی پچھلی قوموں کی عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا گیا تھا تاکہ خدا کی نافرمانی اور محرماتِ الٰہی کی شکست کا وبال اُن کے پیشِ نظر ہو اور وہ سرتابی کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جن لوگوں کے اندر پرہیزگاری کا مادہ ہے یا اُن کے مقدر میں پرہیزگار بننا لکھ دیا گیا ہے وہ اس واقعہ سے نصیحت حاصل کریں۔

مقصودِ بیان حصولِ عبرت اور نصیحت پذیری کی تعلیم، خدا تعالیٰ کی قوت و جلال کا اظہار، نافرمانی و سرتابی اور محرماتِ الٰہی کی شکست کا وبال اس امر کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن کے اندر تقویٰ کا مادہ ہے اور فطرتاً اُن کے اندر نور چمک رہا ہے۔ وہی آیاتِ قدرت سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا

اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک گائے حلال کرو وہ کہنے لگے

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا

کیا تم ہم کو مسخرہ بناتے ہو موسیٰؑ نے کہا خدا مجھے اپنی پناہ میں رکھے کہ میں ایسا نادان بنوں قوم والے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

بولے تو اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ قبول کر بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰؑ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا

بوڑھی ہو نہ بچھیا درمیانی جوان ہو اب جو حکم تم کو دیا گیا ہے اُس کو بجا لاؤ کہنے لگے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ

اپنے رب سے ہمارے لیے اتنا اور دریافت کرو کہ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰؑ نے کہا خدا فرماتا ہے وہ گائے زرد ہو جس کا رنگ

فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ ۝ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا هِيَ

کھلتا ہوا نظر نواز ہو کہنے لگے اپنے رب سے ہمارے لیے اتنا اور دریافت کرلو وہ کھول کر بتادے

اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيۡنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ۝ قَالَ

کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ ہم کو اس گائے میں ابھی تک اشتباہ ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت یاب ہوں گے موسیٰ نے کہا

اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَـرۡثَ ۚ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو کہ زمین جوتتی ہو اور نہ کھیت کو سینچتی ہو

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيۡهَا ؕ قَالُوا الۡـئٰنَ جِئۡتَ بِالۡحَـقِّ ؕ فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا

صحیح سالم بے داغ ہو بولے اب تم ٹھیک پتہ لائے چنانچہ انہوں نے گائے ذبح کی (اگرچہ) ایسا

يَفۡعَلُوۡنَ ۝ ع

کرتے لگتے نہ تھے

تفسیر

ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبید بن حمید، آدم بن ابی ایاس کی تفسیروں سے نیز تفسیر معراج وغیرہ سے اقتباس کرکے ذیل میں پورا قصہ جو آیات مذکورہ بالا سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے۔ اس قصہ میں بھی آیات قدرت اور دلائل معرفت بہت ہیں ان میں سے بعض کو ہم مقصود بیان میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تفسیروں میں جو قصہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا۔ اس کے پاس ایک بچھیا تھی اور بیوی بھی اس کی بہت خدا پرست تھی۔ مرتے وقت اس نے اپنی بیوی کے مشورہ سے اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کی امانت میں دے دیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی میں اس گائے کو تیری امانت میں اپنے چھوٹے بچے کے لیے دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا یتیم بچہ کو نیک والدہ پرورش کرتی رہی۔ جب لڑکا بالغ ہوا تو وہ بھی بہت سعید نکلا۔ ماں کے خلاف حکم کوئی کام نہ کرتا تھا اور ہمہ تن ماں کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری میں مصروف تھا۔ ایک دن اس کی والدہ نے خوش ہو کر کہا کہ بیٹا فلاں جنگل میں ایک گائے تیرے باپ نے خدا کی ودیعت میں تیرے لیے سپرد کی تھی تو اس کو جا کر لے آ۔ بیٹا جنگل کو گیا اور امانت الٰہی کا نام لے کر گائے کو آواز دی۔ گائے فوراً دوڑتی چلی آئی۔ گائے نہایت خوشنما صاف بے داغ تھی۔ نہ بچی تھی نہ بڑھی اور میانی عمر کی تھی۔ یہ شخص گائے کو لے کر اپنی والدہ کے پاس آیا۔ والدہ نے اجازت دے دی کہ اس کو لے جا کر بازار میں فروخت کرکے اپنی اہل و عیال کی پرورش کا سامان درست کرے لیکن جو دام لگیں میرے مشورہ کے بغیر نہ دینا۔ یہ شخص گائے کو بازار لے گیا۔ ایک خریدار نے کچھ قیمت لگائی۔ اس نے کہا اچھا گھر میں اپنی والدہ سے دریافت کرلوں خریدار نے

کہا کہ تم بغیر مشورہ کے بیچ دو تو دو چند قیمت دوں۔ لیکن اس سعادت مند نے گائے نہ دی اور والدہ سے آکر تذکرہ کیا۔ والدہ نے منع کر دیا۔ دوسرے روز اس خریدار نے سہ چند قیمت لگائی اور اسی طرح روز قیمت میں اضافہ کرتا رہا لیکن نیک بیٹے کی نیک ماں ہمیشہ سے انکار کرتی رہی۔ ایک روز اس عورت نے کہا کہ بیٹا اس خریدار سے مشورہ کرنا کہ گائے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ واقعی ہم کو فروخت کرنا چاہیے یا نہیں۔ کیونکہ عورت خدا پرست تھی سمجھ گئی کہ خریدار یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ۔ الغرض لڑکے نے جا کر اس شخص سے ماں کا پیام کہا۔ اس نے جواب دیا کہ اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ عنقریب بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت ہوگی اور اس کے چمڑے میں سونا بھر کر خرید یں گے اس وقت تم فروخت کرنا بالفعل مت بیچو۔

اب ہم اس قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا مالدار تھا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بھتیجے موجود تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا۔ ایک روز مشورہ کر کے ایک بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کو گاؤں کے رقبہ سے باہر دوسرے گاؤں کے رقبہ میں پھینک دیا اور صبح کو خود ہی چچا کے خون کا مدعی ہوا اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اور دیت کا مطالبہ کیا۔ اس گاؤں کے آدمیوں نے انکار کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں گاؤں کے آدمی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن کچھ لوگ سمجھدار بھی تھے۔ انھوں نے کہا کہ بھائیو لڑائی کیوں کرتے ہو۔ رسول خدا آخر موجود ہیں ان سے چل کر دریافت کرو۔ جس شخص کا وہ نام بتا دیں بس وہی قاتل ہے۔ چنانچہ بالاتفاق سب حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدعی نے عرض کیا یا نبی اللہ! ان گاؤں والوں نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔ مجھے قصاص دلوائیے یا دیت دلوائیے۔ وہ لوگ چونکہ بے قصور تھے اس لیے انھوں نے عرض کیا یا کلیم اللہ! ہم لوگوں کو دیت ادا کرنے میں کچھ دقت و دشواری نہیں ہے۔ لیکن مقتول کے بھتیجے ہم پر الزام لگاتے ہیں اور ہم کو اس بات کی شرم ہے کہ یہ الزام ہم پر ہمیشہ قائم رہے گا اور مقتول کے خاندان والے ہم سے ہمیشہ دشمنی کریں گے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ قاتل کا نام دریافت ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو حکم الٰہی ہوا کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کو اللہ پاک کا حکم سنا دیا۔ اس پر وہ لوگ جھگڑا کرنے اور گائے کے متعلق سوال پر سوال کرنے شروع کر دیے۔ وہ گائے کیسی ہو کس رنگ کی ہو کس عمر کی ہو کس قسم کی ہو؟ آخر سب کا جواب دے دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی گائے اسی یتیم لڑکے کے پاس ملی جس کے عوض اس کی کھال بھر سونا دیا گیا۔ بنی اسرائیل نے بادل ناخواستہ اس کو خریدا اور ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا۔ مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجوں کے نام بتا دیے اور ظاہر کر دیا کہ فلاں بھتیجے نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا۔ غرض قاتل سے قصاص لیا گیا۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی الخ۔ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے ان کی استدعا کے جواب میں کہا تھا کہ قاتل کا نام معلوم کرنے کی یہ صورت ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل نہایت بے باکی اور بد تمیزی سے کہنے لگے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ یہ مذاق کا کون سا موقع ہے۔ ہم قاتل کا نام دریافت کرتے ہیں تم گائے ذبح کرنے کو کہتے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں جاہل نہیں ہوں کہ بے موقع ایسا کروں، بے موقع مذاق کرنا جہالت ہے اور میں جاہلوں کے گروہ میں داخل ہونے سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں تم گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اچھا یہ دریافت کر دو کہ گائے کا سن کیا ہونا چاہیے؟ بنی اسرائیل کا مقصد اس سے یہ تھا

تاخیر تعمیل اور سرتابی و طغیانی تھا حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو ایسی بوڑھی ہو جس کی نسل منقطع ہو گئی ہو اور نہ اس قدر بچی ہو کہ نر کے قابل نہ ہو بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ اب تم تاخیر نہ کرو بلکہ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کی فوراً تعمیل کرو۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو معمولی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن چونکہ انہوں نے خود اپنے واسطے سختی کو پسند کیا اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی ان کے واسطے قیود میں اضافہ کر دیا۔ خیر بنی اسرائیل بولے کہ اچھا خدا سے دعا کیجیے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہونا چاہیے۔ اس کا بیان بھی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے صاف کھلے ہوئے زرد رنگ کی ہونی چاہیے۔ جس کا رنگ بامزہ فراز ہو اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو۔ گویا انتہائی شگفتہ ہونے سے اس کے رنگ میں دھوپ چھائیں نظر آتی ہو اور اس کا رنگ بڑھتا ہوا ایک لہر سی معلوم ہوتی ہو۔ بنی اسرائیل بولے کہ ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہمارے فہم میں گڑبڑ ہو گئی۔ آپ خدا سے دعا کیجیے کہ ہم کو صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ گائے ایسی ہوگی اور اس صفات و حلیہ کی ہوگی اور ان شاء اللہ ہم مقصد کو پہنچ جائیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے ایسی ہو کہ کاشتکاری کے کام آتی ہو۔ نہ تو کھیتیاں جوتتی ہو، نہ کھیتیوں کو سینچتی ہو۔ اس سے محنت کا کوئی کام لیا جاتا ہو کسی طرح کا اس میں کوئی نقص و عیب دھبہ اور داغ ہو کوئی دھبہ نہ ہو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہاں آپ نے ٹھیک بات کہی اور پورا بیان کیا۔ بالآخر بنی اسرائیل نے ایسی گائے ذبح کر دی۔ لیکن انہوں نے اتنے سوال جواب اور حیل و حجت سے کام لیا کہ ان کے ارادہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کام نہ کریں گے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بنی اسرائیل ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی ذبح نہ کر سکتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

اور جب کہ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا اور ایک دوسرے پر اس کے قتل کا الزام رکھنے لگے تھے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اللہ کو

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

اس کا فاش کرنا تھا اس لیے ہم نے حکم دیا کہ اس مردہ کے گائے کا کوئی ٹکڑا لگا دو اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تم کو

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(اپنی قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا تتمہ ہے بلکہ گذشتہ آیات سے اصل مقصود یہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا یعنی اس واقعہ کو یاد کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو جبکہ تمہارے اسلاف میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا۔ اور پھر اس کے قاتل کے متعلق تم نے باہم اختلاف کیا تھا۔ دو فریق ہو گئے تھے اور ہر ایک نے دوسرے پر قتل کا الزام لگایا تھا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ لیکن جس چیز کو تم چھپاتے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ اس سے کوئی بات مخفی

نہیں ہے وہ قاتل کا نام بتاسکتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب انھوں نے گائے ذبح کرلی اور بہ قاتل کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی بدکاری کس طرح ظاہر ہوگی فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کی لاش پر مارو۔ وہ فوراً زندہ ہوکر قاتل کا نام بتادے گا چنانچہ جب گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا گیا تو مقتول نے زندہ ہوکر قاتل کا نام بتادیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت مقتول زندہ ہوکر اُٹھا تھا تو اُس کی لاش سے خون جاری تھا حالانکہ اس وقت اس کو قتل اور دفن ہوئے ایک زمانہ گزر گیا تھا پھر اُس نے اپنے قاتل کا نام بتادیا۔ سدی کہتے ہیں کہ اس نے اپنے بھتیجے کا نام بتایا تھا۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ نام بتانے کے بعد وہ بدستور سابق مُردہ ہوگیا۔ كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح اس مقتول کو مرنے کے بعد زندہ کیا اسی طرح خدا مُردوں کو زندہ کردے گا۔ اس میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور خدا تعالیٰ تم کو اپنے آثار قدرت اور آیات قوت دکھاتا ہے تاکہ تم کو سمجھ حاصل ہو اور تم غور کرو کہ جس طرح خدا ایک مُردہ کو مرنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے اور وہ مُردہ گذشتہ زندگی کا واقعہ بیان کرسکتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ سب مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے اور سب اپنی گذشتہ زندگیوں کے واقعات بتاسکتے ہیں۔

مقصودِ بیان

آیات سے ضمناً اور اشارۃً مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں:۔ تقربِ باری تعالیٰ پیشِ نظر رہنا چاہیئے حکم باری تعالیٰ کی تعمیل کی جائے۔ یتیم کو ہر صورت ممکن فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ خدا کے بھروسہ پر جو کام کیا جاتا ہے اُس کا نتیجہ بہترین ہوتا ہے۔ اس لیے خدا پر توکل کرنا چاہیئے۔ اولاد پر شفقت و رحمت کی جائے۔ ماں کے احکام کی پابندی کی جائے۔ والدہ کی اطاعت کا ثمرہ بالآخر اچھا نکلتا ہے۔ خدا سے دعا کرنے والے کے واسطے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی نیاز و نذر پیش کرے۔ جو چیز خدا کی نذر و نیاز میں پیش کی جائے وہ بہترین اور بیش بہا ہونی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ ہونی چاہیئے۔ درحقیقت مؤثر خداوند تعالیٰ ہے اسباب صرف علامات اور ذرائع ہیں۔ بنی اسرائیل سخت جاہل تھے۔ تعمیل حکم الٰہی میں تاخیر اور ٹال مٹول کرنا چاہتے تھے۔ معرفتِ الٰہی سے قطعاً ناآشنا تھے۔ قدرتِ الٰہی اور رازِ خداوندی سے بالکل ناواقف تھے۔ بے موقع مذاق کرنا جہالت کی علامت ہے اور کسی پیغمبر اور ریفارمر کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی خدا تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آثار قدرت درحقیقت آیاتِ الٰہی ہیں جن کو بصیرت کوش دماغ ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی اُن سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وہ ان کو ضرور زندہ کرے گا۔ بعثِ جسمانی حق ہے۔ دوبارہ زندگی میں پہلی زندگی کے واقعات انسان ضرور بتائے گا۔ اس لیے حساب کتاب حق ہے۔ پورے قصہ میں ایک دقیق ترین اشارہ اور باریک لطیفہ اور بھی ہے۔ جس کی وضاحت ذیل کی تقریر پر غور کرنے سے ہوتی ہے۔ نفسِ انسانی یعنی نفس کی قوتِ شہوانیہ ایک گائے ہے اور ٹھیک جوشِ جوانی کے زمانہ میں نفسِ انسانی یعنی وہی قوتِ شہوانیہ کی گائے نظر زیب، خوش منظر اور جاذبِ توجہ ہوتی ہے۔ اس تقریر کے سمجھنے کے بعد غور کرنا چاہیئے کہ جو شخص اپنے نفسِ امارہ کی حقیقی موت چاہتا ہو اس کو اپنے نفس کی گائے عین جوشِ جوانی کے زمانہ میں جبکہ یہ گائے جاذبِ نظر ہو طلبِ دنیا میں ذلیل نہ ہوا ہو اور دنیوی میل کا کوئی داغ اس پر نہ ہو اور معاصی کا کوئی عیب و نقصان بھی نہ ہو۔ ایسی حالت میں قوتِ شہوانیہ کی گائے کو ذبح کر دینا چاہیئے۔ اُس کا اندر قربان کر دینا چاہیئے تاکہ روح کو نئی زندگی حاصل ہو اور وہ تمام عالمِ ملکوت اور لاہوت کے واقعات کا اظہار کرے

در مقتول و ہم کے درمیان جو اختلاف و تنازعہ رہتا ہے وہ رفع ہو جائے اور اصل قاتل یعنی وہم کا پتہ چل جائے اور پھر اس سے قصاص لیا جائے یعنی ہر قسم کے شک و تردد کو دور کر کے صادق ایمان اور پختہ یقین حاصل کر لیا جائے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا اُن سے بھی زیادہ سخت

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ اُن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور اُن میں سے

مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں

تفسیر جب گذشتہ آیات میں یہود کو ترہیب اور ترغیب کامل طور پر کر دی گئی اور نصیحت و عبرت کے مضامین کی انتہا ہو گئی تو اب فرماتا ہے کہ ان واقعات و عجائبات قدرت کے دیکھنے کی تم کو ایک سعادت ہو گئی۔ تم پر اس کا اب کوئی اثر نہیں ہوتا گویا تم چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے۔ گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے۔ جس طرح پتھروں میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء کی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ تم سنگدل ہو۔ پتھروں سے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے اور ان میں تو کچھ تاثر کا مادہ بھی ہے۔ کیونکہ بعض پتھروں کے اندر سے پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں جن سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بعض پتھروں کی جھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹیوں سے گرتے ہیں۔ گویا ہیبت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور پھر بدستور مُردہ ہو گیا تو یہودیوں کو ان آیات الٰہی کے دیکھنے سے نرم دل ہونا چاہیے تھا کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا مگر بجائے اس کے انہوں نے اور تکذیب کرنی شروع کر دی اور کہنے لگے واللہ ہم نے تو نہیں مارا ہے۔ اسی لیے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قلوب پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے تو بحکم الٰہی دریا جاری ہو جاتے ہیں اور بعض شق ہو جاتے ہیں اور بعض بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں مگر ان کے قلوب میں نصیحت الٰہی اور خوف خداوندی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ بعض اہل ادب کہتے ہیں کہ جن پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں وہ اُن کے گریہ و نالہ کی کثرت ہے اور جن پتھروں سے پھٹ کر صرف کسی قدر پانی بہتا ہے وہ گریہ کی قلت ہے اور جو پتھر بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں وہ دل کا خشوع و خضوع ہے اور بغیر آنسو کے گریہ ہے۔ امام رازی اور قرطبی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ پتھروں کا گرنا حقیقی معنی میں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر جنس کے واسطے اپنی معرفت کے بموجب جدا فہم پیدا فرمایا ہے۔ یہی سلف صالحین کا مذہب ہے

مقصود بیان بعض انسانوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی نصیحت و عبرت اُن کے لیے سود مند نہیں ہوتی۔ اگرچہ فیضِ الٰہی برابر جاری ہے لیکن قابلیت مفقود ہے۔ جانداروں بے جان مخلوق بھی خدا تعالیٰ سے خوف کرتی اور اس کی توحید و ربوبیت کا اقرار کرتی ہے۔ اگرچہ اس کا طریقۂ معرفت جدا ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ لوگوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور فیضِ ہدایت کا قصور ہے بلکہ یہ کفار و مشرکین کی استعداد کا نقص ہے ورنہ فیضِ ہدایت عام ہے۔ اہلِ بصیرت کے لیے آیت میں ایک خاص ہدایت اور بھی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ قلوب چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو نورِ الٰہی سے منور اور اس میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور اُن سے علم کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ یہ قلوب انبیاء، خاصانِ خدا اور اولیاء کرام کے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ قلوب جو ان علوم سے ایک خاص حصہ حاصل کر کے جمع رکھتے ہیں اور پھر اس کو پھیلا کر دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ یہ علمائے راسخین کے قلوب ہیں۔ تیسرے وہ دل ہیں جن کے اندر صرف خشوع و اطاعت ہوتی ہے ہر وقت خوفِ الٰہی سے لرزتے ہیں لیکن اُن کے دلوں سے نہ علم کی نہریں جاری ہیں اور نہ اُن کے حصۂ علم سے عوام کو نفع پہنچتا ہے۔ یہ زاہدوں، عابدوں اور پرہیزگاروں کے دل ہیں۔ چوتھے وہ قلوب ہیں جن پر علم کا اثر تک نہیں پہنچتا اور نہ وہ خوفِ الٰہی سے نرم ہوتے ہیں۔ بلکہ ہدایت سے عاری، فرعون سے پُر خواہشاتِ نفسانی سے لبریز اور سرکشی میں کامل ہوتے ہیں۔ ایسے قلوب کو موجوداتِ عالم میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے فرمایا کہ ان کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ

کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہود تمہارا کہنا مان لیں گے حالانکہ انہی میں کے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے تھے

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

پھر سمجھ بوجھ کر اس کو بدل دیتے تھے اور وہ جانتے (بھی) تھے

تفسیر یعنی اے مسلمانو! کیا تم کو اس بات کی آرزو ہے کہ یہ یہودی تمہاری بات مان لیں گے۔ حالانکہ اُن کے اسلاف میں سے موسیٰ کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا کہ کلامِ الٰہی کو سن کر دانستہ تحریف کرتا تھا۔ جب اُن کے اسلاف کی یہ حالت تھی تو پھر تم کو اُن کے مقلدین سے ایمان کی کس طرح اُمید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ شریر طینت اور خبیث جبلت ہیں۔ ان سے ایمان کی امید نہ رکھو۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ان لوگوں کی سرشت خراب ہے۔ تم کو ان سے اُمید نہ رکھنی چاہیے کہ یہ اسلام قبول کریں گے کیونکہ ان کے اسلاف تو بادجود یکہ اسی وقت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر جانتے تھے اور توریت کو آسمانی کتاب مانتے تھے پھر بھی خواہشِ نفسانیہ کی وجہ سے اس میں تحریف کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بچے انھی میں ہیں۔ ان کے نزدیک تو تمہارا دین اور قرآن حق ہی نہیں۔ یہ کیونکر تمہاری بات مان سکتے ہیں۔

مقصود بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کے اسلام سے مایوسی اور پیشین گوئی، اسلاف یہود کی شریر طینتی کا بیان، مسلمانوں کو تسلی وغیرہ۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ

اور جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں ایک دوسرے کے پاس

بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ

ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم بتائے دیتے ہو مسلمانوں کو جو کچھ ظاہر کیا اللہ نے تم پر تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اس کے ذریعہ سے تمہارے رب کے پاس

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

تو کیا سمجھتے نہیں ہو　کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام دے دیا تھا کہ مدینہ میں سوائے مسلمان کے کوئی نہ داخل ہونے پائے۔ اس پر بعض یہودی مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی غرض سے منافقانہ اسلام لائے اور صبح کو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مسلمانوں سے ملتے جلتے اور اپنا اعتبار جتانے کو توریت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور تعریفیں بھی کھول کر دکھاتے تھے اور شام کو واپس جاکر جب اپنے شیاطین الانس یعنی سرداران یہود اُبی اور کعب بن اشرف اور وہب بن منبہ وغیرہ کے پاس بیٹھتے تو وہ ان کو ملامت کرتے تھے کہ بیوقوفو! تم اپنے علم اور اپنی کتاب میں سے مسلمانوں کو کیوں سند اور ثبوت دے دیتے ہو۔ یہ مسلمان دلیل پیش کریں گے کہ خدا کے ہاں یعنی توریت میں ہمارے نبی کی تعریف موجود ہے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا۔ یعنی جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں یعنی رسول عربی کے نام کے طفیل سے ہم لوگ تمہارا زمانہ ہوا کہ تم لوگوں پر فتحمندی کی دُعا مانگا کرتے تھے اور حکم توریت کے موافق خوداں کے منتظر تھے۔ (محمد بن اسحاق عن ابن عباس)

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ الخ۔ لیکن جب باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور تنہائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو مسلمانوں سے صرف ظاہر میں ایمان کا اقرار کیا تھا اور دل سے ہم مومن نہیں ہیں۔ غرض جب یہ لوگ اپنے خواندہ گدھوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے خوش کرنے کو اظہار کرتے ہیں کہ آپ لوگ مطمئن رہیں ہم دل سے مسلمان نہیں ہیں۔ وہ لوگ جواب دیتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم زبانی مصلحت سے ایمان ظاہر کرتے ہو اور دل سے نہیں مانتے ہو تو خیر یہ بہتر ہے۔ لیکن ان سے ایسی باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کہ محمد بیشک پیغمبر برحق ہیں اور ہم کو توریت میں ان پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم مدت سے ان کے ظہور کے منتظر تھے اور زمانۂ جاہلیت میں انہی کے فضائل بیان کرتے تھے اور انہی کے نام پاک کا واسطہ دلاکر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ منافقین مسلمانوں

سے تو تورات کے لیے مذکورہ باتوں کا اظہار کر دیا کرتے اور یہاں سے جاکر جب اپنے علماء سے ملتے تو وہ کہتے تھے اور ملامت کرتے تھے کہ تم مسلمانوں سے یہ باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو۔ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم پر حجت قائم کریں گے کہ تم نے جان بوجھ کر کفر کیا ہے۔ پھر ہم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ کس قدر احمق ہیں۔ کیا ان کو یہ نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

مقصود بیان

یہودیوں کے ایک خاص گروہ کے نفاق اور حماقت کا بیان۔ تورات میں محامد محمدی موجود ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ۔ خدا کے علم کی وسعت اور اس کے عالم الغیب ہونے کا ثبوت وغیرہ

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

اور کچھ لوگ ان میں سے اَن پڑھ ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کے سوائے آرزوؤں کے اور یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ

تو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہے۔ تاکہ لیویں اس

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝

کے ذریعہ سے تھوڑے سے دام تو بڑی خرابی ہے اُن پر اُن کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی اور بڑی خرابی ہو اُن کے واسطے اُن کی کمائی سے

تفسیر

یہود چونکہ پیروں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اس لیے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی خصوصیت ظاہر کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کبھی کہتے کہ سوائے چند روز کے یعنی جتنے دنوں ہم نے گوسالہ پرستی کی اس کے علاوہ ہم کو دوزخ کی آگ مس بھی نہ کر سکے گی۔ کبھی کہتے کہ جنت ہمارے باپ دادا کی میراث ہے۔ ہمارے سوا اس میں کوئی نہیں جانے کا۔ ان خود تراشیدہ باتوں اور اس قسم کی خوش خبریوں پر ناخواندہ عوام پھولے نہیں سماتے تھے۔ اُن کی حماقت ظاہر کرنے کو خدا تعالیٰ نے وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ نازل فرمایا۔ لیکن جو لوگ پڑھے لکھے تھے۔ مذہبی عالم تھے۔ اُن کی کیفیت ہی عجیب تھی۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ تورات میں اس طرح شمار رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کی آنکھیں سرمگیں، بال گھونگر والے، قد متوسط اور صورت نہایت دلکش ہوگی۔ ان علماء نے حسد کی وجہ سے اس کو مٹا دیا اور لکھ دیا کہ نبی آخر الزماں کا قد لمبا، آنکھیں نیلی اور بال سیدھے ہوں گے۔ اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ نازل فرمایا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ بے پڑھے لکھے ہیں اور علم سے واقف نہیں اُن کی تو یہ کیفیت ہے کہ تورات وغیرہ آسمانی کتب سے تو واقف نہیں ہیں کہ حقیقت کا علم ہو سکے۔ صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے دلوں میں جمائے ہیں۔ مثلاً ہم خدا کے محبوب ہیں بیٹے ہیں۔ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ ہمارے باپ دادا انبیاء اور پیر تھے وہ ہم کو دوزخ سے چھڑا لیں گے۔ اگر ہم کو عذاب ہوا بھی تو چند روز کے

لیے ہوگا۔ استحقاقِ نبوت ہمارے خاندان ہی کو حاصل ہے۔ باقی جو پڑھے لکھے آدمی تھے وہ امراء کی مرضی کے مطابق غلط مسائل اور جھوٹی روایا گھڑ گھڑ کر دیا کرتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے تورات میں موجود ہے۔ اس ذریعہ سے ان کو کچھ مال اور مرتبہ مل جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُن کے اس لکھنے پر بھی تُف ہے اور اس کمائی پر بھی تُف ہے۔

مقصودِ بیان ولایت، نبوت، یا علم و پیشوائی خاندانی میراث نہیں ہے۔ جنت کا کوئی ٹھیکیدار نہیں۔ خیالی ٹوٹکے کچھ فائدہ بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ امراء کی خوشنودی کے لیے احکام الٰہی میں تحریف کرنی حرام ہے اور تحریف کر کے جو کمائی حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی ہی نہیں بجز گنتی کے چند روز کے آپ کہہ دیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار

عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

لیا ہے کہ وہ اپنے اقرار کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ پر (جھوٹ) بولتے ہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

تفسیر اس آیت میں پہلے مضمون کی تکمیل کی گئی ہے اور یہودیوں کے فاسد خیالات کا بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ یعنی یہودی کہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اگر ہم کو آگ مس بھی کرے گی تو چند روز کے لیے۔ جتنے روز ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی یعنی چالیس روز یا سات روز۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ الخ۔ تم اُن سے کہہ دو کہ کیا تم نے خدا سے اس کا کوئی عہد لے لیا ہے کہ خدا اپنے عہد سے خلاف ورزی نہ کرے گا اور تم کو باوجود کفر و شرک اور گناہوں کے عذاب نہ دے گا یا بغیر علم و دانش کے یونہی افترا بندی کرتے ہو جس کا کوئی ثبوت تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخی ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ایسے لوگ جنتی لوگ جنتی

الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ع

ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے

مقصود بیان آیت کے تفصیلی مضامین تو گذر چکے ہیں اجمالی صورت میں خدا تعالیٰ فرائض خلق و فرائض خالق کی ادائیگی کی تعلیم دینی چاہتا ہو تو کس کی
عبادت، والدین سے حسن سلوک، اہل کتب کی پرورش، یتیموں اور غریبوں کی ہمدردی کا حکم دیا، کسی نماز اسعف کا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور (یاد کرو) جب ہم نے اُسے اقرار کیا کہ آپس میں خون نہ بہانا اور جلاوطن نہ کرنا اپنوں کو اپنے

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

گھروں سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو پھر وہی تم ہو کہ آپس میں خون

اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ

کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو اُن کے گھروں سے نکال دیتے ہو اُن کے مقابلہ میں ایک دوسرے

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

کی گناہ اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہو اور اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو عوض دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ تم پر ان کا

اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

نکالنا ہی حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب کی بعض بات کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس کوئی سزا نہیں ایسے شخص کی

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

جو تم میں سے ایسا کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن لوٹا دیئے جائیں گے

اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

سخت سے سخت عذاب کی طرف اور اللہ بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کرتے ہو یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا تو نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ع
اُن کو مدد دی جاوے گی

تفسیر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی مدینہ میں رہتے تھے وہ پہلی آیت کے مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ یہ برائیاں تو ہمارے بزرگوں کی ہیں ہم بنی یعقوب ہیں۔ اُن سے جڑے ہیں اس لیے ہم کو آتش دوزخ صرف چند روز کے لیے چھوئے گی۔ پھر ہم لوگ چھوٹ جائیں گے۔ اُن کے اس خیال کی تردید خداوند تعالیٰ ان آیات میں کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت میں قول و قرار لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ کسی کو جلاوطن نہ کرنا اور اگر اپنی قوم میں سے کسی کو کسی کا غلام یا باندی یا دوسرے کا قیدی پاؤ تو عوض دے کر رہا کرا لینا۔ اس کے بعد بنی قریظہ جو یہود کا ایک فرقہ تھا قبیلۂ اوس کا حلیف ہوگیا تھا کہ وقت پر ہم تمہاری مدد کریں گے اور دوسرے قبیلہ یعنی بنی نضیر نے خزرج سے ایسا ہی معاہدہ کر لیا تھا۔ اب جس وقت اوس و خزرج میں لڑائی ہوتی تو بنو قریظہ اور بنو نضیر اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے تھے اور اُن کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے تھے اور جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر غالب آتا تو اُس کے گھروں کو مسمار کر دیتا آبادی کو ویران اور باشندوں کو جلاوطن کر دیتا تھا لیکن جو کوئی ہم قوم گرفتار ہو کر آتا تو سب جمع ہو کر چندہ سے اس کو رہا کرا لیتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ تم عوض دے کر کیوں رہا کراتے ہو؟ تو کہتے کہ اللہ سے ہمارا قول و قرار یہی ہے۔ لیکن جب اُن سے دریافت کیا جاتا کہ لڑتے کیوں ہو؟ جلاوطن کیوں کرتے ہو اور آبادیاں کیوں ویران کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم سے اُن لوگوں کی ذلت نہیں دیکھی جاتی جن سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ غرض چار احکام میں سے ایک حکم یعنی قیدی کی رہائی کے حکم کو تو مانتے تھے۔ باقی تین احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ قول و قرار کے خلاف ایک دوسرے کو ہلاک کرتے، جلاوطن کرتے اور بھائی بندوں کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرتے تھے۔ اسی تفصیل کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ یعنی تم کو نسے اچھے ہو اُس وقت کو یاد کرو جبکہ تمہارے اسلاف سے بھی عہد لیا تھا کہ آپس کے لوگوں کا خون نہ بہائیں گے اور اُن کو اُن کے گھروں سے نکال کر باہر نہ کریں گے اور تمہارے اسلاف نے اس کا اقرار کیا تھا اور اس عہد کو مانا تھا اور تم بھی اس بات کو دل سے حق جانتے ہو کہ تمہارے بزرگوں سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ لیکن اب تم کو اُس قول و قرار کے بعد کیا ہو گیا ہے کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے اور ان کو جلاوطن کرتے ہو اور اپنی ہی قوم والوں پر چڑھائی کرتے ہو۔ اُن کے مقابلہ میں غیروں کو مدد دیتے ہو اور توریت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہو۔ حالانکہ بھائی بندوں کو قتل کرنا اور جلاوطن کرنا تمہارے لیے توریت میں حرام کر دیا گیا تھا۔ ہاں اگر تمہارے پاس وہ لوگ قیدی بنا کر لائے جاتے ہیں تو فدیہ دے کر تم اُن کو رہا کرا لیتے ہو تو کیا توریت کے بعض احکام کو تم مانتے ہو اور بعض سے سرتابی کرتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن کے منکر ہو۔ فدیہ دے کر رہا کرنے کا حکم تو مانتے ہو اور باقی تینوں احکام کو غلط جانتے ہو۔ بس ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اُن کو رسوائی اور ذلت ہو اور فقط دنیوی ذلت پر ہی کفایت نہ کی جائے۔ بلکہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے (قرآن کا یہ حکم یا پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو قریظہ تو نہایت ذلت کے ساتھ جنگ میں کھیت رہے اور قبیلہ اوس ہی نے جن کا ان کا حلیف تھا ان کو قتل کیا۔ باقی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو ملک شام کی طرف جلاوطن کیا گیا) خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔ تمام باتوں کا اُس کو علم ہے۔ ہاں اس نے کافروں کے

لیے مہلت دے رکھی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الخ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ عام یہودیوں کی بلکہ تمام سلف و خلف کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ یہ تمام فرقہ ہی ایسا ہے۔ انھوں نے آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس جہاں کے عیش و آرام کو حاصل کرنے کے بدلے میں دنیائے فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا اس لیے یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ نہ اُن کے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف ہوگی اور نہ کوئی ان کی مدد کرے گا۔

مقصود بیان حب الوطنی اور محبت قومی کی تعلیم۔ اپنی قوم کے خلاف غیروں کو مدد دینے کی ممانعت، خونریزی اور جلا وطن کرنے کی حرمت اپنی قوم کے خلاف جتھہ بندی کرنے اور ان کو قتل و جلا وطن کرنے پر تنبیہ و تہدید اہم قوم قیدیوں غلاموں اور باندیوں کو عوض دے کر رہا کرانے کی بہترین تبلیغ۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اور دقیق ترین اشارہ کہ جو شخص قوم کی غداری کرتا ہے۔ غیروں کو اپنی قوم کے خلاف مدد دیتا ہے اس کو علاوہ عذاب آخرت کے دنیوی رسوائی اور ذلت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ آخروی زندگی پر اس فانی زندگی اور اسباب زندگی کو ترجیح دینے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد ہم نے متواتر رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ

ابن مریم کو معجزات دیئے اور روح پاک (جبرئیل) سے ہم نے اُن کو مدد دی تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○

تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا تو تم نے تکبر اور اعراض کیا ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کرڈالتے تھے

تفسیر انسان کو خدا نے دو قوتیں یعنی نظری و عملی عطا فرمائی ہیں۔ انہی دونوں قوتوں کی اصلاح سے نجات ابدی وابستہ ہے۔ گزشتہ آیات تک تو بنی اسرائیل کی وہ خرابیاں بیان کی گئی تھیں جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مثلاً اقارب اور اجنبیوں کے حقوق ادا نہ کرنا۔ اس قوت کی خرابی اور فساد سے انسان بہت زیادہ گنہگار ہوتا ہے۔ لیکن کافر نہیں ہوتا۔ اس لیے گزشتہ آیات کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس دعوے کا کامل ابطال نہیں ہوا تھا کہ ہم چند روز سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہ سکتے۔ اب اس آیت میں کامل طور پر ان کے باطل دعوی کی تردید کردی۔ کیونکہ قوت نظری کی مکمل خرابی یہ ہے کہ انبیاء کی تکذیب کی جائے۔ اُن کو قتل کیا جائے اور جو احکام حق کے خلاف ہوں اُن کو متکبرانہ انداز میں ٹھکرا دیا جائے۔ چنانچہ اسی مطلب کی وضاحت کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ الخ۔ یعنی ہم نے موسیٰ کو توریت عطا کی لیکن جب یہودیوں نے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی اور اپنی خواہشات کے موافق اُس میں تحریف و تبدیل کرلی تو ہم نے موسیٰ کے بعد متواتر انبیاء بھیجے جو احکام توریت کی پابندی

کرتے تھے اور یہ انبیاء موسیٰؑ کے قدم بقدم چلے آتے تھے۔ لیکن یہودیوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا اور توریت میں پھر تحریف کرنے لگے تو ہم نے وقت آخر میں وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہم نے عیسیٰؑ بن مریم کو بھیجا اور انجیل دے کر توریت کے بعض احکام مثلاً جہاد اور حرمتِ گوشت خنزیر و شراب وغیرہ کو منسوخ کیا۔ لیکن چونکہ ان کے ماننے کے واسطے معجزات کی بھی ضرورت تھی اس لیے خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات بھی دیئے اور روح القدس کو ان کی امداد پر مقرر کیا (روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ اور بعض کے نزدیک انجیل اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰؑ کی روح القدس ہے)۔ لیکن یہودی سرکشی سے باز نہ آئے۔ حضرت زکریا و یحییٰؑ کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن بن گئے اور انجیل و توریت میں مرضی کے خلاف جو احکام تھے ان کو تحریف کر دیا۔ انبیاءؑ کی بے ادبی کی۔ ان پر تشنیع کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ الخ۔ ان یہودیوں کی عجیب حالت ہے۔ جب بھی کوئی رسول ان کی مرضی کے خلاف احکام الٰہی لایا انھوں نے متکبرانہ انداز میں اس سے اعراض کیا اور آخر میں انبیاء کے ایک فرقہ کو تو قتل کر ڈالا اور دوسرے فریق کی تکذیب کی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے موسیٰؑ کو توراۃ عطا کی اور وقتاً فوقتاً دینِ موسوی کی اصلاح کے لیے پے در پے انبیاء بھیجے۔ آخر میں عیسیٰ کو کھلے کھلے معجزات دے کر بھیجا۔ لیکن یہود کی خباثت پھر بھی نہ گئی۔ یہاں تک کہ جب کسی رسول نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی حکم دیا تو سرکشی کر کے ٹال دیا اور اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ بہت سے انبیاء کو تو جھٹلایا اور بہت کو ناحق قتل کر دیا اور اس کے باوجود محبت الٰہی اور نجات ابدی کے دعوے دار بنے رہے۔

مقصودِ بیان موسیٰؑ کو توریت دی گئی۔ توریت کی تائید کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تائید روح القدس سے کی گئی۔ یہودی غرور کے ساتھ احکام انبیاء کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ بہت سے انبیاء کو انھوں نے قتل کر دیا تھا۔ توریت میں تحریف کرتے تھے۔ وغیرہ

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ بلکہ پھٹکار دی ہے اُن کو اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سے تو بہت کم ایمان لاتے ہیں

تفسیر جبکہ قرآن مجید نے یہودیوں کے شبہاتِ باطلہ کا بالکل استیصال کر دیا اور کوئی معقول جواب اور قابل قبول دلیل ان کے پاس نہ رہی تو جاہلانہ جواب پر اُتر آئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے دین پر ثابت قدم ہیں آپ کی کوئی بات قبول نہ کریں گے ہمارے دل در غلاف ہیں جس کے اندر خواہ علوم مخفی ہے۔ غیر دین کی بات ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غلاف وغلاف کچھ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن پر لعنت اور پھٹکار کر دی ہے۔ اسی لیے کلمات الٰہی میں سے کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں (یعنی بعض دلوں پر یہ لعنت کا حجاب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ایمان لاتے ہیں) اور اکثر کے دلوں پر لعنت کا حجاب ہے۔ یا یہ مطلب کہ تھوڑے احکام کو مانتے ہیں بیشتر احکام کو نہیں مانتے۔

مقصودِ بیان۔ یہودیوں پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کی وجہ اُن کا کفر ہے۔ وغیرہ

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا

اور جب اُن کے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آپہنچی جو تصدیق کرتی ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے اور اس سے

مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا

پہلے فتح طلب کیا کرتے تھے کافروں پر سو جب آیا اُن کے پاس جس کو پہچان

عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

رکھا تھا تو انکار کرنے لگے پس اللہ کی پھٹکار کافروں پر

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیوں کی جب کبھی قبائل اوس و خزرج سے لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی اُمی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح و غلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً اُن کو فتح حاصل ہو جاتی تھی اور جب حضور والا خود تشریف فرما ہوئے تو یہودی کافر ہو گئے اور ایمان نہ لائے۔ ایک بار حضرت بشیر بن براء، داؤد بن سلمہ اور معاذ بن جبلؓ نے اُن لوگوں سے کہا کہ یہودیو! تم تو اس سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دشمن پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے پھر اب کیا وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ اس کے علاوہ ہم جب حالت شرک میں تھے تو تم ہم سے محمدؐ کی توصیف اور حلیہ مبارک بیان کرتے تھے۔ اب ذرا انصاف سے دیکھو کہ بجنسہ وہی حلیہ ہے یا نہیں۔ یہ سُن کر سلام بن مشکم یہودی نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں ہے جن کا ہم ذکر کرتے تھے۔ اُس وقت آیت مذکور نازل ہوئی۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان یہود کے لیے خدا کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی جس میں اصول دین موسوی کی تصدیق ہے اور جو کفار مشرکین کے مقابلہ میں بمنزلہ شاہد عدل کے ہے تو یہ لوگ اُس کے منکر ہو گئے اور مزید طرفہ یہ ہوا کہ جس نبی آخر الزماں کے یہ منتظر تھے اور جس کے توسل سے کافروں کے مقابلہ میں فتحیاب ہونے کی دُعائیں کیا کرتے تھے جب وہی جانا پہچانا نبی اُن کے پاس آیا تو اس کا انکار کر بیٹھے۔ اسے لیے انکار کرنے والوں پر صرف اُن کے کفر کی وجہ سے خدا کی لعنت ہے۔

آیت کے آخری ٹکڑے کے ثبوت میں مفسرین نے سلمہ بن قیس کی ایک روایت نقل کی ہے۔ سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک روز اُس نے ہم سے عالم آخرت کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کیا۔ ہم نے دلیل رسالت کی۔ کہنے لگا عنقریب مکہ اور یمن کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کرے گا۔ ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا؟ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اگر یہ لڑکا باقی رہا تو دیکھ لے گا۔ چند روز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر مشہور ہوئی تو ہم نے اس یہودی سے کہا کہ اب قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتا؟ وہ سنکر شرمندہ ہو کر کہا کہ یہ وہ شخص نہیں ہیں۔

نکات اور توضیح قصہ محمد بن اسحاق، مجاہد اور ابوالعالیہ وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے کہ جب توریت نازل ہوئی اور بنی اسرائیل ایمان لائے اور توریت میں حضورؐ کی ذاتی اور اُمت محمدیہ کے فضائل پڑھے اور شرب

یعنی مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہونے کا تذکرہ دیکھا تو ان اسرائیلیوں کو بڑا شوق ہوا۔ جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کے زمانۂ دراز کے بعد بخت نصر نے ملک شام کو پامال اور بیت المقدس کو ویران کر دیا تو اسرائیلیوں نے اس حادثہ میں سوائے ممالک عربیہ کے کہیں امن و ملجا نہ پایا۔ اسی طرف چل دیئے اور چونکہ اسرائیلی علماء واقف تھے کہ پیغمبر آخر الزماں قصبۂ ذات النخل یعنی مدینہ میں ہجرت کے بعد تشریف لائیں گے اس لیے تلاش کرتے رہے کہ قصبۂ ذات النخل کہاں ہے ڈھونڈتے ڈھونڈتے یثرب پر گذر ہوا تو یہیں رہ پڑے۔ یہ لوگ اولادِ نسل کے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت خیبر کو بھی چلی گئی تھی۔ مدت تک یہاں بڑے کروفر سے رہتے رہے۔ زمانۂ دراز کے بعد یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے قبائل اوس وخزرج جو ملکِ سبا کے رہنے والے تھے یثرب کو آئے اور یہودیوں پر غالب آگئے اور یہودیوں پر اس قدر مظالم کیے کہ یہودی تنگ آگئے اور مجبور ہو کر دعا کرنے لگے کہ الٰہی ہم کو پیغمبر آخر الزماں سے جلد مدد دے۔ قبائل اوس وخزرج اُن کی اس دعا کو سن کر تعجب کرتے اور دریافت کرتے یہ کیا بات ہے؟ یہودی جواب دیتے کہ وہ نبی عظیم الشان ہوں گے اور ہم ان کی حمایت میں تم کو ہلاک کریں گے۔ کچھ زمانہ کے بعد قبائل اوس وخزرج میں باہم نفاق ہوا اور قریب سو برس کے باہم قتال رہا۔ یہودیوں کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ اوس کا مددگار بن گیا اور دوسرا خزرج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی ان میں باہم ایسی خونریز جنگ ہوئی جو عرب میں اب تک یادگار ہے۔ اس جنگ کا نام یوم البعاث ہے۔ پھر جب حضورؐ تشریف لائے تو قبائل اوس وخزرج نے تو حضورؐ کی تصدیق کی اور یہودی اسی عداوت کی وجہ سے کفر پر جم گئے اور فقط یہی نہیں بلکہ اوس وخزرج والوں کو بہکانا شروع کیا۔ لیکن اُن کا اغوا سود مند نہ ہوا اور اوس وخزرج والے انصار کے نام سے موسوم ہوگئے۔

مقصود بیان حسد وعداوت بُری بلا ہے انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ کتنا ہی سرکش انسان ہو اسلام اس کو مدارجِ عالیہ پر پہنچا دیتا ہے۔ یہودی سخت متعصب اور کینہ توز قوم ہے۔ کافر خدا کی رحمت سے دور ہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حضورؐ کا حلیہ اسرائیلی علماء پہلے سے جانتے تھے۔ قرآن اور توریت اصول میں متحد ہیں۔ قرآن اصولِ توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ وغیرہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا

بڑے مول خریدا انھوں نے جانوں اپنی کو کہ اُس کا انکار کرتے ہیں جو اُتارا ہے اللہ نے اس حسد میں کہ

اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (وحی) نازل فرماتا ہے سو وہ

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

غصہ پر غصہ کے مستحق ہوگئے اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے۔

تفسیر مجاہد کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا۔ حالانکہ اُن سے عہد لیا گیا تھا کہ حضورؐ کے اوصاف ظاہر کریں مگر انھوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کیا اور حسد و بغاوتِ نفس کی وجہ سے کفر پر اَڑے رہے۔ ان آیات میں اسی مطلب کی وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ الخ یعنی خدائی احکام اور آسمانی کتاب کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خواہشات کو جو یہودیوں نے قابلِ ترجیح سمجھا اور آسمانی احکام کا انکار کیا یہ بڑی بات ہے۔ ان کے کفر کرنے اور خواہشاتِ نفس کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اس بات پر حسد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسولِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ عربی سے پیدا کر کے اپنی رحمت نبوت اور قرآن سے کیوں سرفراز فرمایا اور بندوں میں سے اپنی مشیئت کے موافق کیوں حاملِ رحمت کا انتخاب کیا۔ اس سرکشی، حسد اور کفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ کے دوبالا غضب میں مبتلا ہو گئے۔ شروع میں آیاتِ الٰہی کا انھوں نے انکار کیا اور انبیاء کی تکذیب کی اور اُن کو قتل کیا۔ اس بنا پر اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور کافروں کے لیے اہانت کُن عذاب دنیا و آخرت میں مقرر ہی ہے۔ انھوں نے کفر کیا۔ اس لیے خدا نے ان کو ذلت و خواری میں مبتلا کیا اور آخرت میں اُن کے لیے عذاب مقرر کیا۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہود نے جو قرآن کا صرف اس وجہ سے انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کرتا ہے ہمارے خاندان میں کیوں نبی کو مبعوث نہ کیا تو اُن کی اس سعی و تجارت کا نتیجہ اچھا نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی جان اور نجات ابدی کو دے کر کفر کو لے لیا۔ یہ بُری بات ہے۔ اس کے عوض اُن پر دوچند غضبِ الٰہی نازل ہوا اور آخرت میں تو اس کا ثمرہ عذاب ہی ہے۔

مقصودِ بیان یہودی خداوند تعالیٰ سے ضد کرتے تھے۔ خدا مختارِ مطلق ہے جس کو اہل اور قابل جانتا ہے اس کو اپنے فضل و رحمت سے سرفراز فرماتا ہے اور نبی بناتا ہے۔ نبوت کسبی نہیں ہے، نہ کسی کی میراث ہے، نہ کسی کی خاندانی وجاہت و اعزاز کو اس میں دخل ہے۔ یہودی دانستہ صرف ضد سے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے، ورنہ فی الحقیقت حضورؐ کی نبوت سے اچھی طرح واقف تھے۔ خصوصیت کے ساتھ کافروں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت آمیز اور ذلیل کُن ہوگا اور اس عذاب سے مقصود علاوہ جسمانی تکالیف کے ذلت و خواری بھی ہوگی۔ ہاں مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا اس سے مقصود مسلمانوں کی ذلت و حقارت نہ ہوگی بلکہ صرف گناہوں کی نجاست دور کرنے کے لیے ان پر عذاب ہوگا۔ وغیرہ۔

مذکورہ بالا متعدد آیات میں یہ امر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا ایمان فی الحقیقت توریت پر بھی نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی یہ لوگ نہیں پہچانتے تھے۔ لیکن صراحتہً اس بات کو ثابت نہیں کیا گیا تھا۔ آئندہ آیات میں خدا تعالیٰ یہود کے اس دعویٰ ایمان کا صراحتہً مدلل رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اُتارا ہے اُس پر ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُس پر ایمان لاویں گے جو ہم پر اُتارا گیا ہے

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ

اور اس کے ماسوا کا کفر کرتے ہیں حالانکہ وہ سچا ہے جو اُن کے پاس ہے اُس کی تصدیق بھی کہہ دو کہ پھر

تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے ہو اگر تم ایماندار ہو

تفسیر یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ اُن کو دلی ایمان اور نفسانی دعویٰ میں امتیاز نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اُن کے دلوں پر تیرگی چھائی تھی اس لیے وہ قلبی تصدیق اور نورِ ایمان سے واقف ہی نہ تھے۔ خیالی اقرار کو ہی ایمان سمجھتے تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت اُن کا یقین ایمانی دلوں میں نہ تھا بلکہ صرف ظاہری حواس تک اس کی انتہا تھی۔ لہٰذا اوپر کی آیات میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کی عبرت کے واسطے یہودیوں کا حال بیان فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی جب یہودیوں وغیرہ سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمدؐ پر نازل فرمایا ہے اُس کو مانو اور اُس کی پیروی کرو کیونکہ یہ توریت و انجیل کی بشارت کے موافق ہے۔ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اُس کو تو ہم مانتے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہم توریت کو مانتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں ہم انجیل کو مانتے ہیں۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور اپنی کتاب کے علاوہ اور کتابوں سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں یعنی یہودی اور نصرانی قرآن کو نہیں مانتے۔ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ حالانکہ قرآن بالکل سچا ہے واقعی خدا کی کتاب ہے۔ کیونکہ اُن کتابوں کی اصول کے اعتبار سے تصدیق کرتا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں یعنی ان کے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں اور جب یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے تو جس چیز کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ہمارا اپنی اپنی کتاب پر ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ کے واسطے یہ لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس سب کو مانا جائے اگرچہ بعض احکامِ جزئیات میں کتبِ قدیمہ پر عمل نہ کیا جائے۔ لیکن اصول کے اشتراک کی وجہ سے سب کو حق مانا جائے۔ اب اگر ایسی صورت میں بھی ان کو مومن ہونے کا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اے نبی! آپ کہہ دیجئے اگر تم واقعی توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پہلے انبیاء کو تمہارے اسلاف کیوں قتل کیا کرتے تھے اور تم اُن کے اس فعل کو کیوں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اب اگر وہ جواب دیں کہ انبیاء معجزات نہیں لائے تھے کہ ہم کو اُن کی شناخت ہوتی کیونکہ

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

اور موسیٰؑ تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر پھر تم نے اُن کی غیر حاضری میں بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم

ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ

ناحق کوش تھے اور جب ہم نے تمہارا اقرار لیا اور تمہارے اوپر طور کو اُٹھالیا (اور کہہ دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو

آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ

دی ہے اس کو مضبوطی سے لو اور اس کے احکام سنو تو بولے ہم نے سن تو لیا مگر مانتا نہیں بات یہ تھی کہ اُن کے کفر کی وجہ سے بچھڑا اُن کے

الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

دلوں میں رچ گیا تھا کہہ دو اگر تم ایمانداری کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارا (یہ) ایمان تم کو بڑے کام سکھاتا ہے۔

تفسیر موسیٰ تمہارے پاس کھلے کھلے (نو) معجزات یقیناً لائے تھے۔ لیکن اُن کے بعد تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنا نقصان کیا جو قابل پرستش نہ تھا اُس کی پرستش کی اور جو عبادت کے قابل تھا اس کی عبادت ترک کر دی۔ پھر گوسالہ پرستی کے بعد تم کو تنبیہ کی گئی اور توریت عطا کی گئی۔ لیکن پھر بھی تم نے اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو تمہارے سروں پر معلق کر دیا اور فرما دیا کہ جو احکام ہم نے تم کو عطا کئے اُن کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور سختی کے ساتھ اُن پر عمل کرو۔ احکام کو اچھی طرح سے سنو۔ یہ عہد تم سے لے لیا۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اس کو مانتے نہیں ہیں۔ یعنی ظاہر میں تو انھوں نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے سن لیا تاکہ کوہ طور اُن کے سروں پر سے ہٹ جائے۔ لیکن باطن میں یہی کہا کہ ہم نہیں مانیں گے۔ کیونکہ کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں میں گوسالہ کی محبت سرایت کر گئی تھی اور شراب کی طرح رگ و پے میں پھیل گئی تھی۔ اے نبی! تم اُن سے کہہ دو کہ اگر تم ایسی حالت میں ایماندار ہو تو تمہارا یہ! ہاں جس چیز کا تم کو حکم دیتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ باطل ہے۔ تمہارا ایمان تم کو آیات الٰہی کے انکار، انبیاء کی مخالفت اور قتل، محمد صلعم کی نبوت سے انکار اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ حق نہیں ہے۔ تم دعویٰ ایمان میں بالکل جھوٹے ہو۔ تمہارے دلوں میں قطعاً ایمان نہیں ہے

مقصود بیان اگر قرآن پر ایمان نہ ہو تو کسی کتاب الٰہی پر ایمان نہیں۔ کیونکہ قرآن آسمانی کتب کے اصول کی تصدیق کرتا ہے۔ قتل انبیاء کفر ہے کوئی آسمانی کتاب اس کی اجازت نہیں دیتی۔ زیادہ سرکش اور معاند انسان کو سختی اور زبردستی کے ساتھ بھی پابند احکام بنانا جائز ہے۔ کیونکہ انسان اور جاہل انسان بچوں کی طرح ہے اور اس کی ضد بھی بچوں کی ہٹ سے کم نہیں جس طرح شفیق والدین اور سرپرست اولاد کو زبردستی راہ راست کی ہدایت کر سکتے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کو سختی کے ساتھ پابند شریعت بنانا جائز ہے۔ یہودی سخت منافق تھے۔ ظاہر میں تو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم مانتے ہیں اور باطن میں وہی سرتابی کرنے کا خیال جاگزیں تھا۔ وغیرہ

یہود کا ایک خام خیال یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لیے مخصوص ہے۔ نجات ابدی ہمارا ہی حصہ ہے۔ سعادت اُخروی ہم کو ہی حاصل ہوگی۔ کوئی مذہب اور قوم اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ توریت کے ہم وزن کوئی کتاب، اور موسیٰؑ کی برابر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم کسی اور کتاب اور نبی کو کیوں مانیں اور توریت و موسیٰؑ کے مقابلہ میں کیوں کسی کی بات مان جائیں۔ یہ خیال فاسد انسان کی ترقی اور کامیابی میں سب سے بڑھ کر سد راہ ہے اور سعادت بشری کے حق میں زہر قاتل ہے۔ خدا تعالیٰ اسی خیال کو ذیل کی آیات میں باطل کرتا ہے اور ایک دو منفرد دلیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ

کہہ دو کہ اگر دارِ آخرت کی خوبی خدا کے ہاں تمہارے ہی لیے مخصوص ہے اور لوگوں کے لیے نہیں

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○

ہے تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں صرف تمہارے ہی لیے سعادتِ اُخروی منحصر ہے اور دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں تو تم موت کی تمنا کرو۔ کیونکہ جس کے واسطے جنت اور سعادتِ اُخروی یقینی ہو تو ضرور وہ موت کی تمنا کرے گا اس واسطے کہ جنت کی نعمتیں انعام عظیم الشان ہیں اور وہاں کے عیش آرام اور راحت و چین دائمی اور پائیدار ہیں لہٰذا اس کے حصول کی دعا کرنا اور زینۂ موت پر چڑھ کر وہاں پہنچنا ایک لازمی امر ہے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ بطور پیشین گوئی اور اظہارِ غیب کے یہودیوں کے انکار کو ظاہر فرماتا ہے۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○

اور وہ اپنے گناہوں کے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے کبھی موت کی آرزو نہ کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یعنی وہ جو کفر، بدکاریاں، تحریف تورات، قتلِ انبیاء، انکارِ قرآن، عداوتِ رسول اللہ صلعم، ارتکابِ صریح اور افعالِ ذمیمہ اُن سے سرزد ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے جہنم میں ان کا داخل ہونا قطعی ہے۔ اس وجہ سے یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ موت کی تمنا سے مباہلہ اور موت کے لیے دعا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ جب حضور اقدس صلعم نے یہودیوں کو دعوت دی کہ آؤ موت کے لیے دعا کریں۔ فریقین میں سے جو شخص جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا تو یہودیوں نے مُہلت مانگی اور عرض کیا کہ ابوالقاسم ذرا ٹھہر جائیے ہم غور کرلیں۔ پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ شخص پیغمبر ہے اگر اس سے مباہلہ کیا تو سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ سے انکار کیا اور کہنے لگے ہمارے لیے ہمارا مذہب ہے اور آپ کے لیے آپ کا مذہب ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور سلسلۂ اسانید بھی صحیح ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مر جاتے۔ جہاں اور جس جگہ جو یہودی ہوتا وہ اُسی جگہ مر جاتا جائز ہو سکتا ابن کثیر، قتادہ، ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہم کے نزدیک بھی آیت میں تمنائے موت سے مباہلہ اور دعائے موت مراد ہے۔

جب یہودیوں نے باوجود دعویٰ ایمان کے مباہلہ سے انکار کیا تو صریح ثابت ہو گیا کہ جس چیز پر یہ ایمان و یقین کا دعویٰ کرتے ہیں در حقیقت اس پر ان کا ایمان و یقین نہیں ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ کفر و شرک کر کے اپنے آپ کو جنت اور رضائے الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔ یہ لوگ در حقیقت جہنمی ہیں۔ جنتی ہونے کا ان کا دعویٰ غلط ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَوٰةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ

اور تم سب لوگوں سے زیادہ اُن کو جینے کا حریص پاؤ گے بلکہ مشرکین سے بھی زیادہ اُن میں سے ہر ایک چاہتا ہے

لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ

خواہشمند ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو حالانکہ درازی عمر اُس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکتی

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

اور اللہ اُن کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر یعنی یہودیوں کو تمام لوگوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کی آرزو ہے یہاں تک کہ جو لوگ مشرک ہیں مثلاً عرب کے بت پرست، ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے ہنود (رواہ ابن ابی حاتم والحاکم) اُن سے بھی زیادہ اُن کو جینے کی حرص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک تو آخرت کے قائل ہی نہیں اس لیے ان کے لیے سعادت و فلاح صرف اسی حیات فانی سے وابستہ ہے۔ اسی بنا پر ان کو دنیوی زندگی کی حرص زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یہودیوں کی عجیب کیفیت ہے کہ باوجود اقرار آخرت کے اور باوجود دعویٰ نجات ابدی کے ان کو مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کی خواستگاری و آرزومندی اور ہزاروں برس جینے کی حرص ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے دلوں میں جو کچھ ہیں اور ان کو اپنے جنتی ہونے کا یقین نہیں۔ ان یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ مدت طویل تک زندہ رہے لیکن یہ طول عمر اس کو عذاب الٰہی سے رہائی نہیں دے سکتی۔ بالآخر جہنم میں جانا ہے۔ دنیوی فلاح کی امید اور اخروی عذاب کے خوف سے کتنے ہی لوگ حیات دنیوی کے خواستگار ہیں لیکن بالآخر مر کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے گا کیونکہ خدا ان کے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیشین گوئی ہے کہ یہ لوگ پکے دنیادار ہیں۔ ان کا دعویٰ زبانی ہے۔ وہ اعمال کے نتیجہ کو خوب سمجھ رہے ہیں اس لیے وہ کبھی موت کی آرزو نہیں کر سکیں گے۔ یہ تمام لوگوں سے یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواستگار اور آرزومند ہیں۔ ہزاروں برس جینے کی حرص کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کے آگے کسی چیز کی وقعت نہیں۔ یہ سعادت و برکت سے بےنصیب ہیں۔ اس جہان کی متاع کا [illegible] پر شیفتہ ہیں۔ اخروی نجات سے قطعی مایوس ہیں اس لیے ہر طرح کے آرزومند ہیں کہ جہاں تک ہو سکے دنیاوی لذائذ و کیفیات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو عذاب اخروی سے بچے رہیں۔ لیکن ان کی کتنی ہی عمر ہو عذاب آخرت سے بچ نہیں سکتے۔ خدا ان کی بداعمالیوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ ان کے کرتوت خدا سے مخفی نہیں۔ پھر تھوڑی عمر ہو یا زیادہ ان کی بداعمالی کی سزا ان کو ضرور دی جائے گی۔

فائدہ۔ علماء محققین کے نزدیک دنیا کی محنت و مشقت یا مصیبت کے سبب سے موت کی تمنا کرنی منع ہے لیکن اگر شوقِ آخرت میں موت کی خواہش کرے یا [illegible] ایمان کے ساتھ مرنے کا آرزومند ہو تو جائز ہے۔ ابن کثیر وغیرہ علماء نے یہی تحقیق کی ہے۔

مقصد بیان۔ موت ایک پردہ ہے جو انسان کی اس مادی زندگی اور حیات ابدی کے درمیان حائل ہے۔ یہ پردہ اٹھ جانے کے بعد اس

پردہ کھلتے ہی سعادت اخروی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور جو فطرتاً یا عملاً گنہگار دل رکھتے ہیں وہ اس حجاب کے دور ہونے کے بعد طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ یہودی نجات ابدی کے مدعی تھے لیکن جھوٹے تھے اس لیے ان کو دنیوی زندگی کی زیادہ حرص تھی۔ یہودیوں کا ایمان بعد قیامت اور اس کے حساب کتاب پر ضرور تھا۔ اگرچہ اس نور ایمان کو دنیوی لالچ و خوف کی تاریکی نے چھپا رکھا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے انسان کے اعمال کا کوئی حصہ مخفی نہیں ہے۔ وغیرہ

جب اعمال قبیحہ اور گناہوں کی شامت و نحوست سے قلب پر تاریکی کا غلاف چڑھ جاتا ہے اور نور فطری چھپ جاتا ہے تو طلب آخرت اور محبت حقیقی کی لذت موہوم اور صرف خیالی معلوم ہونے لگتی ہے اور جسمانی کو دوست رکھ کر دنیا اور کرائف دنیا کی چاہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان دنیا کے حوا و ہوس اور نفس پرست انسانوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ انبیاء و صلحاء، علماء، ملائکہ اور نورانی مخلوق سے اس کو عداوت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روشنی و ظلمت اور کدورت و نورانیت میں تضاد ہے۔ اسی لیے خبیث یہودیوں نے حضرت جبرئیل سے عداوت پیدا کرلی تھی۔ اسی مناسبت سے ذیل کی آیات میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا

کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا جبرئیل نے تو خدا کے حکم سے یہ قرآن، تمہارے دل میں ڈالا ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

حالانکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت و خوشخبری ہے جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

تفسیر

ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ہم تمام روایتوں کو چھوڑ کر صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ابن جریر، احمد، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک بار کچھ یہودی عبداللہ بن صوریا کی زیر قیادت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چار سوالات کا جواب دے دیجئے۔ اگر آپ صحیح جواب دے دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ بہرحال قول و قرار کے بعد ابن صوریا نے عرض کیا کہ فرمائیے سب سے پہلے حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا۔ نبی امی جس کا ذکر توریت میں ہے اس کی کیا علامت ہے۔ پیٹ کے اندر بچہ نر اور مادہ کس طرح ہو جاتا ہے اور کیوں ہو جاتا ہے۔ آپ کے پاس خبریں اور وحی کون لاتا ہے؟ حضور ﷺ نے ان سے میثاق اور اقرار پختہ لے کر ارشاد فرمایا۔ تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ایک شدید مرض لاحق ہوا تھا اور جب مرض طویل ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے صحت عطا فرما دے گا تو میں اپنا مرغوب ترین کھانا پینا ترک کر دوں گا اور وہ غذا ہرگز نہیں کھاؤں گا جو مجھ کو سب سے زیادہ پسند ہے یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔ خدا تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرما دی

اور انھوں نے بندر پروری کی۔ باقی وہ نبی اُمّی جس کا تورات میں ذکر ہے اُس کے صفات میں سے یہ بات ہوگی کہ اُس کی آنکھیں سوئیں گی لیکن دل بیدار رہے گا۔ نر و مادہ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی رقیق اور زرد ان دونوں پانیوں میں سے جو پانی غالب آجاتا ہے بچہ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ باقی وحی میرے پاس جبریل لاتے ہیں اور ہر نبی کے پاس جبریل ہی وحی لے کر جاتے تھے۔ یہودی بولے۔ آپ نے سب ٹھیک فرمایا۔ لیکن جبرئیل ہمارا جانی دشمن ہے۔ جبرئیل کے مزاج میں سختی بہت ہے۔ وہی عذاب نازل کرتا اور لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اگر میکائیل آپ کے پاس وحی لاتے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آتے۔ اس قصہ کے بعد آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

(۲) قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیات کا شانِ نزول ایک یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور اُن سے جبرئیل کے متعلق کچھ استفسار کیا۔ یہودی کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اسرار اور رازوں سے محمدؐ کو مطلع کرتا ہے اور وہی عذاب نازل کیا کرتا ہے۔ ہاں میکائیل مرفہ الحال اور سلامتی کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا۔ اچھا خدا تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ جبرئیل خدا کے دائیں جانب ہے اور میکائیل بائیں جانب ہے اور باہم ان دونوں میں دشمنی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا۔ اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو پھر ان دونوں میں دشمنی نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ گدھوں سے بھی زیادہ بیوقوف ہو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا دشمن ہوگا وہ درحقیقت خدا کا دشمن ہوگا۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُدھر حضرت جبرئیلؑ آیاتِ مذکورہ لے کر پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ عمرؓ! تمہارے پروردگار نے تمہاری موافقت کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو وہ اپنی عداوت میں جل مرے۔ جبرئیل کو وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ جبرئیلؑ کا کوئی ایسا جرم ہے جو عداوت انگیزی کا سبب ہو اگر اس نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تو فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ الخ بحکم خدا نازل کیا ہے۔ اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا ہے۔ یہ کلامِ الٰہی ہے اور یہ کوئی نئی کتاب نہیں ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انجیل، تورات وغیرہ کتب حق تھیں اور خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور فقط یہ گزشتہ کتابوں کی تصدیق ہی نہیں کرتا بلکہ خود بھی قوانینِ عدل اور ضوابطِ ہدایت سے پُر ہے۔ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ جذبۂ ایمان رکھنے والوں کے لیے بشارت اور ہدایت ہے۔ راہِ راست دکھاتا ہے اور راہِ راست پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس لعنت کے مصداق فقط یہودی ہی نہیں ہیں اور نہ صرف جبرئیل کی عداوت ہی موجبِ لعنت ہے بلکہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ جو شخص خدا کا دشمن ہو، اس کی ذات و صفات کا منکر ہو، اُس کے احکام کو نہ مانتا ہو، قانونِ شریعت کا کفر کرتا ہو۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ اور جو شخص خدا کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور خصوصیت کے ساتھ جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اس کفر کا نتیجۂ بد خود اُس کو اُٹھانا پڑے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ کیونکہ اللہ کافروں کا دشمن ہے، کافروں کو ان کی دشمنی کی سزا دینے والا ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکمِ الٰہی سے کرتا ہے اس نے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بحکمِ خدا نازل کیا ہے۔ اب جو اس کا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے۔ اس کے علاوہ تم کو خود قرآن پر غور کرنا چاہیئے۔ غور کرنے کے بعد کوئی صحیح دماغ اور روشن حواس رکھنے والا انسان اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن تمام گزشتہ کتبِ الہامی کی

تصدیق کرتا ہے۔ اس کے اصول اور قوانین حرف بحرف دیگر کتبِ الہامیہ کے موافق ہیں۔ اس لیے جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں وہ کسی طرح اس کا انکار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اس کا انکار درحقیقت ان کا انکار ہے۔ باقی جو لوگ کسی سابق نبی یا گزشتہ کتاب کے مقلد نہیں ہیں بلکہ جو کتاب مصالح دینی، فوائدِ دنیوی اور سعادتِ انسانی کا مجموعہ ہو اُس کو ماننے والے ہیں تو وہ بھی قرآن کا انکار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ قرآن وادیٔ جہالت میں بھٹکنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے انسان کو نکال کر اعتدال کا راستہ بتاتا ہے اور سعادتِ دارین سے ہمکنار کردیتا ہے۔ مزید برآں جو فرقہ اہلِ ایمان ہے، انکار و کفر کے داغ اُن کے نورانی دل پر نہیں لگے ہیں تو اُن کے لیے یہ قرآن باعثِ بشارت ہے۔
اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی ذات صفات کا منکر ہو یا اس کے فرشتوں اور رسولوں کو نہ مانتا ہو خصوصاً جس کو مقرب ترین فرشتوں یعنی جبرئیل و میکائیل سے دشمنی ہو تو وہ یقیناً کافر ہے اور کافر کا ٹھکانا کہیں نہیں۔ نہ اس کو سعادتِ دارین حاصل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ خدا کافروں کا دشمن ہے۔

مقصودِ بیان قرآن تین فرقوں کے نزدیک واجب التسلیم ہونا چاہیے۔ (۱) جو لوگ کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہوں اور اس کے احکام کی تقلید کرتے ہوں (۲) جو لوگ کسی آسمانی کتاب کو اندھا دھند نہیں مانتے بلکہ ہر قانون اور ہر حکم کو عقل کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی محض مقلد نہیں بلکہ تنقید اور تبصرہ کا مادہ بھی ان میں ہے۔ (۳) جو لوگ ایمان اچکے ہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن اطمینان بخش اور تسلی خیز باتوں کے خواستگار ہیں۔ ان تینوں فرقوں کو قرآن گمراہی سے نکال کر ہدایت کی سطح پر لاتا ہے۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خوشنودیٔ الٰہی کی خوشخبری دیتا ہے۔ آیات سے امورِ ذیل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جس شخص کی فطرت جذبۂ ایمان سے خالی ہے اُس کو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا اور نہ قرآن اُس کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔ کسی ایک فرشتہ یا ایک کتاب الٰہی یا ایک پیغمبر برحق کا انکار کل کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ عقلِ انسانی ہدایت اور حصولِ سعادت کے لیے ناکافی ہے۔ بغیر کتابِ الٰہی کے کسی کو نجات کا صحیح اور کامل راستہ نہیں مل سکتا۔ وغیرہ

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ○

اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیات بھیجی ہیں اور سرکشوں کے سوا کوئی اُن کا انکار نہیں کرتا۔

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○

کیا یہ لوگ جب کوئی قول و قرار کریں گے تو ان میں کا کوئی نہ کوئی فریق اس قول و قرار کو پھینک دے گا (ایک فریق نہیں) بلکہ انہی کے اکثر بے ایمان ہیں

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا جو اُن کی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے قوم

فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت پھینک دیا گویا اُن کو کچھ

كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

خبر ہی نہیں ہے

تفسیر علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابن صوریا یہودی نے جو فدک کا رہنے والا تھا اور یہودیوں میں بڑا عالم تھا حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ محمدؐ! تمہاری جو نشانیاں ہم کو معلوم تھیں اُن میں سے کوئی نشانی بھی تم میں نہیں پائی جاتی اور خدا نے تمہارے نبی ہونے کی کوئی دلیل بیان کی۔ اس کی تردید میں آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الخ۔ یعنی ہم نے تم پر کھلی ہوئی اور واضح آیات نازل کی ہیں دیکھنے والوں کے لیے۔ اُن سے تمہاری نبوت کا واضح ثبوت ہوتا ہے (کیونکہ ایک امّی شخص جب توریت وانجیل کا لب ولباب بیان کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے اسرار وحقائق ظاہر کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت نبوت ہو سکتا ہے۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ سوائے ان نافرمانوں کے ان آیات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جو لوگ طاعت الٰہی اور حدِ ایمان سے خارج ہیں انکار ان کی عادت ہی یہ ہے۔ یہی لوگ ان واضح نشانیوں کا انکار کر سکتے ہیں اور یہودی چونکہ نافرمان اور حدِ ایمان سے خارج ہیں اس لیے یہ منکر ہیں۔ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا الخ۔ لَا يُؤْمِنُونَ تک کیونکہ یہودیوں نے جب معرفت الٰہی اور پابندیٔ شریعت کا کوئی عہد باندھا تو ایک فریق نے ضرور اس کی خلاف ورزی کی اور میثاق ومعاہدہ کو پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ ایک فریق پر ہی کیا منحصر ہے ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

سدی کہتے ہیں کہ یہودیوں نے جب توریت اور قرآن کو ایک دوسرے کے موافق پایا تو توریت کے احکام کو بھی ترک کر دیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ انھوں نے اپنی کتاب پر بھی ایمان چھوڑ دیا ہے۔ اسی کے بیان کے لیے ذیل کی آیات نازل ہوئیں۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ الخ یعنی اہل کتاب کی سرتابی اور نقضِ عہد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُن کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور توریت وغیرہ کی تصدیق کی تو اہل کتاب نے (اپنی کتاب کو بھی پس پشت پھینک دیا اور اس کے احکام کے بھی پابند نہ رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو توریت وغیرہ کے الہامی ہونے کا بھی علم نہیں ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے انکار کے لیے یہ عذر پیش کرنا کہ چونکہ اس کو جبرئیل لاتے ہیں اس لیے ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے بالکل بیہودہ ہے۔ کیونکہ بصیرت کو ش دماغ اور بصیرت افروز آنکھیں رکھنے والوں کے لیے اس میں بالکل واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں نبوت کی موجود ہیں کوئی بات ایسی نہیں کہ صحیح حواس رکھنے والا اُس کا انکار کر سکے۔ ہاں جس کی عادت ہی نافرمانی کی چلی آتی ہے وہ ضرور انکار کرتا ہے اور یہودیوں کی چونکہ نافرمانی کی عادت ہے اس لیے یہ انکار کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب کبھی احکام الٰہی کے پابند رہنے کا معاہدہ کیا ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی اور سب سے بڑھ کر ان کے نقض معاہدہ کا ثبوت یہ ہے کہ جب انہی کی کتب کی تصدیق رسول نے کی اور انہی اصول وکلیات کی ان کو تعلیم دی جو توریت میں موجود ہیں تو انھوں نے توریت پر بھی عمل ترک کر دیا۔

مقصود بیان قرآن اور دیگر معجزات ثبوت نبوت کے لیے کتنی بڑی نشانیاں ہیں۔ معجزہ نبوت کو ثابت کرتا ہے اور سوائے اس شخص کے جو حد سے خارج ہو کوئی معجزہ کا انکار نہیں کرسکتا۔ یہودی ہمیشہ عہد الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ قرآن توریت وغیرہ کے اصول کی تائید کرتا ہے۔ عہد الٰہی کی شکست حرام ہے۔ وغیرہ

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد میں شیطان پڑھا پڑھا کر (جادو) کرتے تھے　اور (اس زمانہ میں بھی) سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى

بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے　اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو

الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا　حالانکہ ہاروت ماروت اس وقت تک کسی کو کچھ سکھاتے نہ تھے جب

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ

تک یہ نہ کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں تم کافر نہ بن جانا　مگر لوگ ان سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں

بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

تفریق ڈال دیں　حالانکہ بغیر حکم خدا کے وہ اس جادو سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي

اور ایسی باتیں بھی سیکھتے تھے جو ان کو ضرر پہنچاتیں نفع نہ دیتیں　اور یہ جان چکے تھے کہ جو اس کا خریدار ہو　اس کے لیے آخرت میں

الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

کوئی حصہ　نہیں ہے　اور جس عمل کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا وہ بہت برا ہے　کاش ان کو سمجھ ہوتی

تفسیر ابن کثیر نے بروایت سدی ان آیات کے شان نزول کے متعلق ایک تفصیلی قصہ لکھا ہے جس کو مختصر کر کے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیطان حسب معمول آسمان تک پہنچ جاتے اور فرشتوں کی باہم بات

کا جو تذکرہ ہوتا تھا اس کو غور سے سنتے تھے اور جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت یہ حادثہ ہوگا تو نیچے واپس آکر اپنے ملاقات شناسا یعنی انسان نما شیطانوں کے دلوں میں اُن تمام واقعات کا الہام والقار کردیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ کاہن کو اگر ایک واقعہ اتفاقی صحت میں معلوم ہوتا تو وہ اس کے ساتھ دس جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے ملتہ ملتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل قبول کرلی کہ شیطان یعنی جنات غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی سب بیاضوں کو جمع کرا کے ایک صندوق میں رکھ کر اپنے تخت کے نیچے دفن کرادیا اور لوگوں میں اس طرح کی کفر آمیز باتیں کہنے کی تہدیدی ممانعت کرادی۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد شیطانوں نے جاہلوں کو ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا کہ انہی کتابوں کی بدولت حضرت سلیمانؑ جن وانس پر حکومت کرتے تھے درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اور جادو سے ہی انہوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو مطالعہ کر کے کفریات کی پیروی کی اور برابر حضرت سلیمانؑ کو جادوگر جانتے رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کو سرکارِ عالی نے زمرۂ انبیاء میں داخل کیا تو یہودی کہنے لگے دیکھو یہ سلیمانؑ کو انبیاء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ سلیمانؑ جادوگر تھے نبی نہ تھے۔ یہود کے اس خیال کی تردید مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ نے فرما دی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔ یعنی بنی اسرائیل نے اس سحر و کفر کی پیروی کی جو حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین جن وانس پڑھا کرتے تھے۔ معارفِ نبوت اور احکامِ الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف شیطانوں کا اختراع کردہ باطل خیال تھا کہ سلیمان جادوگر ہیں۔ جادو کے زور سے انہوں نے سب کو مسخر کر لیا ہے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا نہ سحر کے زور سے کسی کو مسخر کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اور بنی اسرائیل نے اُس سحر کی پیروی کی جو (بطور امتحان) ہاروت و ماروت کو مقام بابل میں عطا کیا گیا تھا۔ یہ ہاروت و ماروت بہت نیک تھے اور یہاں تک اُن کی نیک نیتی کی نوبت پہنچی تھی کہ لوگ اُن کو فرشتہ کہنے لگے تھے حالانکہ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ وہ دونوں فرشتہ نما انسان جس کسی کو کلمات سحر سکھاتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش کے لیے مقرر ہیں تم کو تعلیم سحر تو دیتے ہیں مگر تم اس پر عمل نہ کرنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔ حق و باطل اور کفر و ملت میں امتیاز تم کو کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہمارا تعلیم کردہ سحر بھی خارقِ عادت ہے مگر چونکہ اس کا دارومدار خبثِ نفس، باطنی نجاست اور محبت شیاطین پر ہے، اس لیے تم کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے اور تعلیم قربات حاصل کرنا چاہیے جو طہارت نفس، پاکیزگی روح اور نورِ معرفت پر مبنی ہے۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ لیکن یہ خبیث انسان ان کی تنبیہ پر عمل نہ کرتے تھے اور ایسا ایسا خبیث عمل اُن سے سیکھتے تھے جس کے استعمال سے میاں بیوی میں تفریق ہو جائے اور فقط سیکھنے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اس کو استعمال کر کے زوجین میں نفاق و فراق کرا دیتے تھے۔ حالانکہ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ بغیر حکم الٰہی وہ کسی کو اس سحر سے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ جس طرح عالم محسوسات میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت پر تمام تصرفات موقوف رکھے ہیں اسی طرح غیر محسوسات میں بھی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہے۔ اگرچہ ساحر کو قدرت الٰہی نظر نہ آئے اور وہ اپنے ہی عمل کی تاثیر سمجھے وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ لیکن یہ لوگ تاثیر مذکورہ سے غافل تھے اور ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لیے غیر مفید بلکہ ضرر رساں تھیں۔ کیونکہ ساحر جب تک شیطان سے مناسبت حاصل نہ کرے، جب تک طہارت نفس اور مکارم اخلاق اور کرامت ظاہر و باطن کو ترک نہ کرے اس

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُّنَزَّلَ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو منکر اسلام ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے پروردگار

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

کی طرف سے بھلائی (یعنی وحی) نازل کی جائے حالانکہ خدا اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

کیونکہ خدا بڑے فضل والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں مشابہت کفار سے منع کیا گیا تھا۔ اس آیت میں اس حکم کی علت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو کفار کی کینہ توزی کی اطلاع دی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے قلبی نفرت پیدا ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب ان میں سے کوئی نہیں چاہتا اور پسند نہیں کرتا کہ پروردگار کی طرف سے کوئی وحی یا علم دین یا نصرت و امداد تم پر نازل ہو۔ مشرکین عرب تو وحی کے قائل نہ تھے لیکن جہالت سے حسد کرتے اور صرف جلن سے کہتے کہ بنی ہاشم میں ایک پیغمبر ہو اور تمام عرب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہوں۔ ہم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے (دیکھو) چنانچہ ابوجہل کہتا تھا کہ بنو ہاشم نے فضائل و محاسن حاصل کیے تھے لیکن ہم نے بھی کوشش کی اور کافی جدوجہد سے جب ان کے درجہ پر پہنچے تو اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے۔ اب تم کیسے برابری کر سکتے ہو تو واللہ ہم اس کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ سابق اہل کتاب ضرور بعثت رسول کے منتظر تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ بنی اسرائیل ہوگا کیونکہ حضرت اسحاق کی اولاد میں برابر نبوت چلی آئی ہے۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ اس لیے وہ جانتے تھے کہ ہم میں سے ہی کوئی نبی ہوگا۔ جب اولاد اسمٰعیل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو حسد ہوا اور رشک سے سرتابی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا اپنی رحمت سے جس شخص کو چاہتا ہے نوازتا ہے کیونکہ وہ بڑے فضل والا ہے۔ خاندانی وجاہت اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی میں کیا دخل ہے۔ فضل خدا میراث نہیں۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق اور حکیم ہے۔ اس کی حکمت و مشیت میں کسی کو دخل نہیں۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت سے سرفراز کرتا ہے۔

مقصود بیان کفار و مشرکین کو مسلمانوں سے دلی عناد ہے اور ان کو اسلام کے قواعد و ضوابط پر رشک ہوتا ہے۔ وحی ہو یا علم دین یا نصرت و امداد سب خداداد چیزیں ہیں۔ نبوت وہبی چیز ہے کسب کو اس میں دخل نہیں۔ اتقاء، زہد اور ریاضت و عبادت سے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ازل میں مقدر فرما دیا تھا کہ فلاں شخص پیغمبر ہوگا۔ اس میں حامل رسالت ہونے کی صلاحیت ہے۔ بے ادب لوگ جو اس قرب و ادب سے بے بہرہ ہیں اور اپنی قدرت نفس سے ہر کمال کو نبوت کو کسبی قرار دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اُس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور نازل کر دیتے ہیں

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر یہاں سے خداتعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ قرآن اور اسلام کے متعلق کرتے تھے اور اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تمہاری شریعت الہامی ہے تو پھر کو منسوخ کرنے کے کیا معنی۔ خداتعالیٰ کے احکام ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ اگر یہ شریعت و قرآن منجانب اللہ ہے تو اس کلام تورات وغیرہ کو اس نے کیوں منسوخ کیا اور پھر خود ہی اس شریعت کے بعض احکام کو ایک وقت نافذ کیا اور دوسرے وقت موقوف کیا کہ خداتعالیٰ کو پہلے اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ خداتعالیٰ نے ان شبہات کے ازالہ کے لیے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم جو آیت نسخ کرتے ہیں یعنی اس کے حکم یا تلاوت یا حکم و تلاوت دونوں کو موقوف کرتے ہیں یا بالکل تمہارے ذہن سے اس کے الفاظ فراموش کر دیتے ہیں تو اس میں خاص حکمت و مصلحت مضمر ہوتی ہے۔ پہلی آیت سے زیادہ مفید آیت نازل کرتے ہیں اور یہ آیت ثواب میں بھی پہلی آیت سے یا تو بڑھ کر ہوتی ہے یا اس کی مثل ہوتی ہے، لیکن فوائد و مصالح کے لحاظ سے بڑھ کر ہی ہوتی ہے۔ کیا تم واقف نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے پھر اپنی مشیت سے اس حکم کو بدل دیتا ہے اور ایسا حکم دیتا ہے جس میں ثواب کی کثرت، فوائد کی زیادتی اور مشقت کی سہولت ہوتی ہے یا مشقت میں پہلے حکم کی برابر ہی ہوتا ہے، لیکن دقائق حکمت اور تکمیل نفس کے اعتبار سے اکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا خداتعالیٰ نے پہلے توریت نازل کی۔ پھر انجیل سے اس کے بعض احکام مثلاً جہاد و حرمت شراب وغیرہ کو منسوخ کیا۔ پھر قرآن سے ان احکام ہی منسوخ کر لیے اور قرآن میں سے بھی جس وقت جو حکم چاہا اپنی حکمت بالغہ اور مشیت کاملہ سے منسوخ فرما دیا۔ حاصل آیت یہ ہے کہ قرآن میں جو بعض آیتوں کی تلاوت منسوخ ہوئی یا آیت کا حکم صرف منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہی یا تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دیئے گئے یا رسول اللہ صلعم کے ذہن سے کسی آیت کا حکم اور الفاظ بالکل فراموش کرا دیئے گئے یہ سب مصلحت پر مبنی ہے۔ خداتعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور زمانہ کی ضرورتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جیسا وقت اور موقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم نازل کر دیتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ اصل تو قانون کی ترمیم حاکم کے اختیار میں ہے۔ کسی دوسرے شخص کو اس پر طعن کرنے کا حق نہیں۔ دوسرے بامقتضائے زمانہ حکم کا بدلنا تو حاکم کے تدبر اور دانائی پر دلالت کرتا ہے۔ خداتعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے کا حق ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس پر نکتہ چینی کر سکے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا

یہ درخواست کی تھی کہ اس کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجیے۔ ارشاد فرمایا اچھا مگر خطرہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لیے آسمانی مائدہ تھا ویسے ہی یہ سونے کا پہاڑ تمہارے لیے ہوگا۔ قریش نے اس سے انکار کیا اور اپنی بات سے لوٹ گئے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی سوال کرنے چاہتے ہو جیسے موسیٰ سے کئے گئے تھے کہ ہم کو کھلم کھلا خدا دکھا دو، ہمارے لیے پتھر سے نہریں نکال دو اور مکمل کتاب لے آؤ۔ یہ تمہارے سوالات بیہودہ اور لغو ہیں۔ ایمان لانے اور نور معرفت حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ تمہارا ارادہ بھی یہ ہے کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی بیہودگی کرو جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات نبوت اور دلائل معجزات اس بات کے واسطے قطعی آیات و دلالات ہیں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں اور یہ واضح ایمان موجود ہے تو پھر تم کفر کو ایمان پر کیوں ترجیح دیتے ہو۔ جو شخص ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے گا وہ سیدھے سادے راستہ سے سرتابی کرے گا اور گمراہ ہو جائے گا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا

باوجودیکہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے محض اپنے دلی حسد کی وجہ سے بہت سے اہل کتاب دل سے خواہشمند ہیں کہ

حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا

تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی لوٹا کر تم کو کافر بنا دیں سو تم درگزر کرو

وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

اور خیال میں بھی نہ کرو تاوقتیکہ خدا اپنا حکم دے بھیجے بلاشبہ خدا سب کچھ کرسکتا ہے۔

تفسیر عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہودیوں کو سب سے زائد عرب پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کے فضائل گزشتہ کتب میں مذکور تھے اولاد اسمٰعیل میں سے مبعوث فرمایا اس لیے جہاں تک ممکن تھا یہ لوگ عرب کو اسلام سے بہکاتے تھے۔ انہی کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے حضورؐ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے شکست پائی تو یہودیوں نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ کو بہکانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اگر تم دین برحق پر ہوتے تو کبھی شکست نہ کھاتے اب اگر تم ہمارے دین کی طرف رجوع کرو گے تو زیادہ ہدایت پاؤ گے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ نے جواب دیا کہ تم لوگ واقف ہو کہ عہد شکنی کا کیا حکم ہے۔ یہودی بولے اس عہد توڑنے کا بڑا گناہ ہے۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں تیرے دین اسلام پر قائم رہوں گا اور تیرے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پھروں گا۔ لیکن تم لوگ بدعہد ہو کر معاہدہ توریت کو توڑ بیٹھے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا میں تو اس بات پر راضی ہو چکا کہ خدا تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں۔ اسلام میرا

دین ہے۔ قرآن میرا پیشوا ہے کعبہ میرا قبلہ ہے۔ مومنین میرے بھائی ہیں اور کفار میرے دشمن ہیں۔ اس کے بعد ہر دو حضرت حفصہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کر دیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد الٰہی کا ماحصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اگرچہ قرآن اور رسول کی حقانیت بالکل واضح طور پر معلوم ہو گئی۔ بنی اسرائیل کو ثابت ہو گیا کہ توراۃ، انجیل اور دیگر کتب انبیاء میں خاتم النبیین کے جو نشان و صفات بیان کئے گئے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ مادۂ حسد ان کے دلوں میں مدفون ہے اور کینہ و بغض اُن کی سرشت میں داخل ہے اس لیے باوجود انکشاف حق کے یہی چاہتے ہیں کہ تم کو بھی دوبارہ مشرک و کافر بنا دیں اور جیسے خود ہیں ویسا ہی تم کو بھی کر دیں۔ تم ان کے حسد کے مقابلہ میں حتی الامکان اُن سے درگزر کرو انتقامی شکل نہ اختیار کرو یہاں تک کہ خدا اُن کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہ کر دے یا تم کو کوئی خاص حکم نہ دے دے اور یہ نہ سمجھو کہ اُن کی یہ سرکشی اور افراط ہمیشہ جاری رہے گی اور خدا اُن کو سزا نہ دے گا۔ خدا اُن کو ضرور دنیا و آخرت میں سزا دے گا کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ (اس آیت میں جس قطعی فیصلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا بیان آیت جہاد میں کر دیا گیا ہے۔ جس کی تعمیل میں مسلمانوں نے کچھ یہودیوں کو قتل کیا اور کچھ کو جلاوطن کر کے ملک شام کی طرف نکال دیا)۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور تم ٹھیک ٹھیک نماز پڑھو　اور زکوٰۃ　دو　اور جو بھلائی آگے سے　اپنے لیے بھیجو گے　اللہ کے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ہاں اُس کو پاؤ گے　بیشک اللہ تمہارے اعمال　کو خوب　دیکھ رہا　ہے۔

تفسیر یہ آیت گزشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں عفو و درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بھی امر کیا گیا تھا کہ تم کسی اغواکرنے والے کے بہکانے میں نہ آؤ، ایمان پر ثابت قدم رہو لیکن پھر یہ شبہ ہوتا تھا کہ جب انتقام کی ممانعت ہے اور عفو و درگزر کا حکم ہے تو دشمنوں سے محفوظ رہنے کی اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تو اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ دشمنوں کے پیچھے نہ پڑو بلکہ اپنی روح کو روشن کرنے کی فکر کرو۔ عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت نماز ہے۔ تم پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ ہو زکوٰۃ ادا کرو تاکہ آپس میں مساوات و اتحاد کا مظاہرہ ہو اور دشمن خود تمہاری قوت اور تمہارے خلوص کو دیکھ کر پست حوصلہ ہو جائیں) اس کے علاوہ جو نیکی تم کرو گے خواہ مخلوق خدا کے ساتھ نیک سلوک ہو یا فرائض الٰہی کی ادائیگی ہو وہ رائیگاں نہ جائے گی۔ مرنے کے بعد سب کی جزا تم کو آخرت میں خدا کی طرف سے ملے گی۔ تمہارے کسی عمل کی جزا سے خدا غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کو خدا خوب دیکھ رہا ہے۔

مقصود بیان بنی اسرائیل کی کینہ توزی اور حسد باطنی کا اظہار، رسول اطہر اور قرآن کی گزشتہ بشارات سے موافقت کا بیان، عفو و درگزر کا حکم، انتقام کی ممانعت، خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تصریح، فرائض بدنی و مالی ادا کرنے کا امر، ساوات عام اور اخوت اسلامی کی تکمیل کی طرف لطیف اشارہ، احسن سلوک اور عمل خیر کی تلقین اور جزا و ثواب کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

بلا ثبوت خام خیالی کے ساتھ کسی عقیدہ کو جما لینا یا بلا دلیل اپنے اختراع سے کوئی فیصلہ شرعی صادر کرنا ناجائز ہے۔ ہر حکم شرعی کے لیے کوئی ثبوت شرعی ہونا ضروری ہے۔ وغیرہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

اور یہودی تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی ٹھیک مذہب پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی ٹھیک مذہب

الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا

پر نہیں ہیں حالانکہ یہ سب (اللہ کی) کتاب پڑھتے ہیں اُن کی سی باتیں جاہل (بت پرست) بھی

يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا

کہتے چلے آئے ہیں سو اللہ قیامت کے دن ان کے جھگڑے کا

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

خود فیصلہ کر دے گا

تفسیر علامہ سیوطی نے اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہودیوں کے بڑے بڑے عالم بھی حاضر ہوئے۔ علمائے یہود میں سے رافع بن حریملہ یہودی نے خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور صاف کہہ دیا کہ عیسائیو تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے تورات کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کی شان میں بے ادبی کی اور مذہب یہود کو لغو، بیہودہ بتایا اُس وقت یہ پوری آیت یَخْتَلِفُونَ تک نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسائیوں کو بدراہ بتلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کو بدراہ کہتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتاب پڑھتا ہے۔ یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں آئندہ آنے والے روح القدس کی تصدیق موجود ہے اور عیسائی انجیل پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے اور اکثر احکام توریت اُن پر لازم ہیں لیکن محض نفسانیت سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اور اہل کتاب ہی پر کیا منحصر ہے۔ یہ خیالات کچھ انہی میں نہیں ہیں بلکہ ان سے پیشتر عرب کے بت پرست اور ایران کے مجوس جن کو آسمانی کتب کا علم نہ تھا اور نہ وہ اہل کتاب تھے وہ بھی اسی خام خیالی میں مبتلا تھے اور اپنے عقائد و اعمال ہی کو حق کہتے تھے۔ حالانکہ ان کی گمراہی تمام الہامی مذہب رکھنے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ امر ہے۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ لہٰذا خدا تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا فیصلہ کرے گا

اور اختلافی مسائل کا تصفیہ کرے گا اور دکھا دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر، کون مستحق نجات ہے اور کون سزاوار عتاب۔

مقصود بیان ہر فرقہ و ملت والا بزعم خود غلط بنا ہوا نجات کا ٹھیکیدار ہے۔ یہودی عیسائیوں کو اور عیسائی یہودیوں کو گمراہ کہتے ہیں۔ توریت میں حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق اور انجیل میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے۔ جو لوگ علم دین و رکھتے ہوں اور الہامی کتب اُن کے پاس نہ ہو وہ درحقیقت جاہل ہیں اگرچہ دنیوی علوم میں زبردست ماہر ہوں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ انصاف کرے گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا۔ وغیرہ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى

اور اُن سے زیادہ ناحق کوش کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا نام لینے سے روکتے اور اُن کے اُجڑ جانے

خَرَابِهَآ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۚ لَهُمْ

کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ خود اس قابل نہ تھے کہ مسجدوں میں بے باک ہو کر گھستے خصوصیت کے

فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ساتھ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی اُن کے لیے بڑا عذاب ہوگا

تفسیر اس آیت کا حکم اگرچہ عام ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکرِ خدا کرنے سے منع کرے اور مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے اس حکم کے ذیل میں داخل ہے۔ لیکن شانِ نزول کے اعتبار سے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ، سعید بن ابی عروبہ، سدی اور ابن جریر وغیرہ کے قول کے موافق تو آیت مذکورہ میں اُن عیسائیوں کی صنیع و تشنیع کی گئی ہے جنہوں نے بخت نصر کی مدد سے بیت المقدس میں کوڑا ڈالا۔ مقامِ صخرہ میں سور ذبح کئے، یروشلم کو تباہ کیا، یہودیوں کو قتل کیا اور بیت المقدس کو خراب کیا لیکن عبدالرحمٰن بن زید، سعید بن جبیر اور ابن کثیر وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مشرکینِ عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ ۶ھ ماہ ذیقعدہ کے پہلے ہفتہ کو پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچ کر عمرہ کرنا چاہا۔ لیکن مشرکوں نے حضورؐ کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حضورؐ نے فرمایا اس بیت العتیق سے تو کسی کو روکا نہیں جاتا ہے پھر تم ہم کو کیوں روکتے ہو۔ مشرکین کہنے لگے کہ ہم ایسے لوگوں کو نہیں آنے دیں گے جنہوں نے بدر کے روز ہمارے باپ، چچا اور بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ گویا انہوں نے مسجدِ حرام کو ویران کرنے کی کوشش کی اور ذکرِ خدا سے مسلمانوں کو روکا۔ میرے نزدیک یہی آخری شانِ نزول زیادہ صحیح ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح دیگر مشرکینِ عرب بھی مسلمانوں سے دلی عداوت رکھتے ہیں اور ظلم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فریضۂ مذہبی سے روکتے ہیں۔ مسجد حرام، مسجد ابو بکرؓ اور مکہ کے اطراف میں مسلمانوں نے عبادت کے لیے جو مقامات مخصوص کر لیے تھے ان میں خدا کا نام لینے نہیں دیتے اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان مساجد کو

برباد کرنے بے رونق بنانے اور تباہ و ویران کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کو ان مقاماتِ مقدسہ میں انتہائی ادب اور خوف سے جانا چاہیے تھا اس کے برخلاف یہ ایسے متبرک مقامات میں کوڑا گندگی اور مرے ہوئے جانوروں کی انتڑیاں ڈالتے ہیں۔ لا محالہ ان لوگوں کو اور ان کے مددگاروں کو دنیا میں بھی رُسوائی اور فضیحت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو ان کے لیے ایک زبردست عذاب الٰہی موجود ہی ہے۔

مقصودِ بیان مساجد کے احترام و ادب کی تعلیم، فریضۂ مذہبی کے ادائیگی کی ممانعت نہ کرنے کا حکم، مساجد و معابد کو تباہ و برباد کرنے کی ممانعت، با آخر خدا پرستوں کے غالب آ جانے کی پیشین گوئی۔ دنیا میں ظالموں کے رُسوا ہونے اور آخرت میں عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کی تصریح لطیف پیرایہ میں ترغیب و ترہیب، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مشرکوں کے دعویٰ حقانیت کی تردید، ظلم کی ممانعت، ذکرِ خدا سے روکنے کو ظلم اعظم قرار دینا وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

پورب پچھم تو اللہ ہی کا ہے جس طرف مُنہ کرو اسی طرف اللہ ہی کا مُنہ ہے یقیناً اللہ فراخ رحمت والا باخبر ہے

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول تین طرح بیان کی گئی ہے:۔

(۱) حضرت ربیعہ اور عبد اللہ بن عامر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مسلمان کسی سفرِ جہاد میں تھے شب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن تاریکی کی وجہ سے قبلہ کی سمت محسوس نہ ہوئی۔ ہر چند کوشش کی مگر قبلہ کا صحیح رُخ معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار سب نے اپنے اپنے خیال اور غالب گمان کے اعتبار سے جدھر قبلہ سمجھا اسی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھ لی۔ صبح کو حضور عالی کی خدمت میں یہ قصہ عرض کر دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سمت ترک کر کے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا۔ اس کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(۳) بعض مفسرین نے شانِ نزول میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ شریف سے مکہ جا رہے تھے اور سواری پر ہی بیٹھے ہوئے نوافل کی نیت باندھ رکھی تھی۔ اونٹنی جدھر چاہتی تھی رُخ کر کے چل دیتی تھی اور قبلہ کی طرف رُخ مبارک نہ رہتا تھا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اوّل شانِ نزول کی بنا پر ماحصل مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب نماز کی حالت میں رُخ کرنا فرض بیشک ہے لیکن یہ امر تعبدی ہے مقصود تو اللہ کو سجدہ کرنا ہے۔ اس لیے اگر کسی تاریکی وغیرہ کے عذر سے قبلہ کی صحیح سمت نہ معلوم ہو سکے تو جدھر کو بھی منہ کر کے اللہ کو سجدہ کرو گے تمہارا سجدہ ہو جائے گا۔ کیونکہ قبلہ تو ایک جانب ہے اور اللہ ہر طرف ہے۔ کسی خاص سمت میں محدود نہیں ہے۔ البتہ جہاں قبلہ کی سمت معلوم ہو سکے وہاں ہمارے حکم کی تعمیل کی بنا پر ضرور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔

متوسط الذکر شانِ نزول کی بنا پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرق و مغرب یعنی تمام عالم خدا کا بنایا ہوا اور اسی کی ملک ہے کسی کو اس کی طرف

اور ملک کے احکام میں کیا دخل ہے۔ جدھر چاہتا ہے اُدھر کو رُخ کر کے اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے۔ اس کے واسطے کوئی جہت مخصوص نہیں۔ ہر طرف اسی کی جلوہ پاشی ہے اور پھر اس کا دائرہ ظہور اور وسعتِ علمی بھی لامحدود ہے۔ جدھر کو مُنہ کر کے عبادت کی جائے اُدھر ہی کا ظہور اور اس کو علم ہے پہلے بیت المقدس قبلۂ نماز تھا۔ اب اُس نے کعبہ کی طرف رُخ کر کے اپنی پرستش کا حکم دے دیا کیونکہ وہ ہر طرف ہے۔

مؤخر الذکر صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ معبودِ برحق کسی خاص حد اور معین جہت میں محدود نہیں اس لیے اگر سواری پر غیر سمت کو بھی منہ کر کے نوافل پڑھ لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

میرے نزدیک بہتر مطلب آیت کا یہ ہو سکتا ہے کہ جو ہر سہ شقوق کو جامع ہے کہ تمام عالم خدا کا بنایا ہوا ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ تمام زمین محلِ سجدہ ہے۔ لہٰذا جس جگہ (قبلہ کی طرف رُخ کر کے) نماز ادا کرو گے وہ خدا ہی کے واسطے ہوگی۔ کیونکہ اس کی جلوہ ریزیاں کہیں محدود نہیں ہیں اور وہ اُس کی نور پاشیوں کا دائرہ تنگ ہے، نہ اس کی وسعتِ علمی سے کوئی چیز خارج ہے۔ لہٰذا مشرق میں ہو یا مغرب میں، جنوب میں ہو یا شمال میں، کُھلے میدان میں ہو یا تنگ و تاریک حجرے میں ہر حال اُسی کے لیے سجدہ ہوگا اور اس کو ضرور اس کا علم ہوگا۔

مقصودِ بیان تمام عالم خدا کی ملک ہے۔ اس کی پرتو افگنی سے کوئی ذرہ خالی نہیں۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اس کی کوئی مخصوص جہت اور محدود سمت نہیں۔ اس کا دائرہ علم وسیع ہے اور ضیا ریزی احاطۂ حصر سے خارج ہے۔ تمام دنیا اُسی کا پرتو ہے۔ زمین پر ہر جگہ نماز جائز ہے۔ قبلہ مسجود نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ درحقیقت مسجود لامحدود ہے۔ وغیرہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے　حالانکہ وہ پاک ذات ہے　البتہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُسی کا ہے سب اسی

قٰنِتُوْنَ ○ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

کے تابعدار ہیں　وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے　اور جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکی نسبت صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے

تفسیر وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور صفاتِ کمالیہ کا اعتقاد بندوں پر فرض کیا ہے۔ اہلِ کمال اپنے نورِ معرفت سے پہچانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام صفاتِ کمال سے موصوف ہے۔ نہ وہ کسی مخلوق سے مشابہ ہے نہ کوئی مخلوق اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ خدائے قدوس جسم، جہت، شکل، صورت، مکان، زمان، کیف، کم، جوہر، عرض سے پاک ہے اور ہر اُس چیز سے منزہ ہے جو مخلوق ہے یا مخلوق کے تصور، خیال، قیاس اور وہم میں آ سکتی ہے۔ اس لیے گزشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی خصوصی جہت نہیں۔ لہٰذا جس شخص کا اس پر ایمان ہے وہ تو مومن ہے اور جو اس راستے سے بھٹکا اور گروہ یا فرقہ کی تو اُس کا ایمان اپنے تصورات اور انہی تراشیدہ صورتوں پر ہے جو کہ اس کے تصور میں قائم ہوا اُسی کو اُس نے اپنا خدا بنا لیا۔ منحرف گروہ تین تھے۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہودی عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور ان کے دیکھا دیکھی عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان تینوں فرقوں کا رد ان آیات میں کیا گیا ہے اور رد کے واسطے پانچ دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلی دلیل

لفظ سُبْحٰنَهٗ سے دوسری دلیل لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے۔ تیسری دلیل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ سے۔ چوتھی دلیل بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اور پانچویں دلیل آیت کے آخر ٹکڑے سے مستنبط ہوتی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم ذیل میں لکھیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے اپنے لیے بیٹا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ یہ بات ان کی بے ادبی، گستاخی اور بدتہذیبی پر دلالت کرتی ہے اور سراسر افترا و بہتان ہے۔ کیونکہ سُبْحٰنَهٗ خداتعالیٰ ان بہتان تراشیوں اور بے ادبیوں سے پاک ہے۔ بیٹا باپ کے ضرور مشابہ اور متجانس ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ مجانست و مشابہت دو چیز کو حتی نہ مسیح کو نہ فرشتوں کو۔ پھر کس طرح ان کو اس کی اولاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ سب مخلوق اور مجبور، وہ خالق مختار۔ یہ سب اپنے وجود میں محتاج۔ وہ موجد قادر مطلق پھر کس طرح ان کی خدا سے مشابہت ہوسکتی ہے۔ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دوسری دلیل ہے یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق و مملوک ہے۔ خالق و مخلوق اور مالک و مملوک میں والد و ولد کے تعلقات کس طرح ہوسکتے ہیں۔ بیٹا باپ کے ساتھ نوعیت میں حصہ دار ہوتا ہے اور مخلوق خالق کے ساتھ اشتراک رکھ نہیں سکتی۔ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ یعنی آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات اس کی مطیع و فرمانبردار حکم کی تابع اور خشوع و خضوع کے ساتھ حلقہ بگوش ہے کوئی اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ کوئی اس کے فرمان سے سرتابی و گردن کشی نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی خدا کا بیٹا ہوتا تو حلقہ بگوش نہ ہوتا۔ کیونکہ اس میں بھی خدائی کا جز ہوتا جو استغنا اور استقلال کا موجب ہے لیکن بجائے استقلال و استغنا کے سب اسی کے مطیع ہیں اس کی تقدیر سے کوئی خارج نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی نظیر ہے نہ شبیہ و مثل نہ مانند۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی خدا نے تمام عالم کو عدم سے وجود کا جامہ پہنایا۔ نہ کوئی مادہ و صورت پہلے سے موجود تھا کہ اس نے ان دونوں میں صرف ارتباط پیدا کردیا ہو۔ نہ مادہ اور کیف تھا کہ صرف کیفیت بدل دی ہو بلکہ تکوین و صنعت سے بالاتر وہ موجد عالم ہے بغیر کسی تشبیہ و تمثیل کے اس نے عالم کو بنایا ہے۔ نہ اس کا کوئی جز ہے نہ بیٹا کیونکہ بیٹا باپ کے مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب عالم عدم سے وجود میں بغیر کسی قدیم مادہ کے آیا تو پھر اس میں کوئی شخص کس طرح خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے۔ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ یہ پانچویں دلیل ہے یعنی ولد کی پیدائش تو رفتہ رفتہ تدریجاً مختلف تبدیلیاں اور تغیرات ہونے کے بعد مختلف اوقات میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ نیز بیٹے کی پیدائش اور ضروریات پیدائش کی تکمیل باپ کے اختیار سے بھی خارج ہوتی ہے لیکن خدا قادر مطلق اور موجد کامل ہے۔ جب ارادۂ الٰہیہ کسی چیز کی ایجاد سے متعلق ہوتا ہے اور وہ کسی کو عالم ہستی میں لانا چاہتا ہے تو فوراً بغیر کسی توقف اور تدریجی تکمیل کے وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کس طرح کوئی اس کا بیٹا یا وہ کسی کا باپ ہوسکتا ہے۔

مقصود بیان

خداتعالیٰ زمان مکان حیثیت جگہ کی تغیر تبدل کم کیف احتیاج اور انعقاد وغیرہ سے پاک ہے۔ دنیا کا وہ خالق ہے۔ عالم اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ عدم محض سے عالم کو ہست کیا۔ سب اس کے قولی فعلی اور حالی فرمانبردار مطیع و منقاد ہیں۔ کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ اس کی تقدیر کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ ارادۂ الٰہی کے ساتھ فوراً اشیاء کا وجود ہوتا ہے۔ نہ وہاں زمانہ لگتا ہو نہ آن نہ منٹ نہ سکنڈ۔ وغیرہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

اور جاہل کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں نہیں کہہ دیتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اس طرح

قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ

اُن سے پہلے کے لوگ کہا کرتے تھے اُن کا سا قول ان سب کے دل ایک ہی سے ہیں ہم تو یقین

بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○

کرنے والوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر چکے ہیں

تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رافع بن حریملہ یہودی نے حضورؐ والا کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ رسول ہیں تو خدا ہم سے کہہ دے تاکہ ہم سُن لیں یا کوئی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جس سے ہم کو شناخت ہو جائے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (محمد بن اسحاق)۔ مجاہد کہتے ہیں یہ نصرانیوں کی گفتگو تھی۔ ابن جریر نے سیاق کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو پسند کیا ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی قائل ہیں کہ یہ کفار عرب کا قول تھا۔ ابن کثیر اور سیوطی کا یہی مختار ہے۔ بہرحال حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نورِ ایمان سے بے بہرہ ہیں، معرفتِ الٰہی سے ناآشنا ہیں، حقیقتِ رسالت کا ان کو علم نہیں، ازلاً کور بصیرت ہیں، باوجود کھلے ہوئے معجزات اور واضح آیات کے یہی کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی رسالت کا اظہار خدا ہم سے کیوں نہیں کر دیتا۔ ہم سے دو بدو گفتگو کرنا چاہیئے یا کوئی ایسی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جانی چاہیئے جس سے ہم کو شبہ باقی نہ رہے اور ہم کو سحر کا احتمال بھی نہ رہے۔ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تم کو ان کے قول کی طرف کوئی خاص التفات نہ کرنی چاہیے۔ نہ کوئی مخصوص اثر لینا چاہیئے۔ کیونکہ اگلے انبیاء کی قومیں بھی ایسی ہی باتیں کر چکی ہیں۔ انھوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یونہی سرکشی اور کفر کیا تھا اور خدا سے ہم کلام ہونے کی خواستگاری کی تھی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں۔ یہ کفار عرب اور یہود و نصاریٰ سب گمراہی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کفر و عناد، سرکشی و گمراہی اور ہٹ دھرمی سب کا شیوہ ہے۔ ان کے دل ٹیڑھے ہیں، کسی معجزہ پر ایمان نہیں لائیں گے ورنہ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ایمانِ فطری اور معرفتِ جبلی رکھنے والوں کے لیے تو ہم نے کھلے کھلے معجزات و آیات ظاہر کر دیئے ہیں جو ان کی یقین افزائی اور بصیرت افروزی کے لیے کافی ہیں۔ لیکن جو لوگ فطرۃً کور دماغ رکھتے ہیں، جن کی آنکھوں پر گمراہی کے پردے پڑے ہیں ان کی سمجھ میں کیا آسکتا ہے۔ جب تمہارا کلام نہیں سمجھ سکتے اور اس کو سحر پر محمول کرتے ہیں تو پھر ہمارا خطاب کیونکر سُن سکتے ہیں اور بغیر مجاہدہ کا مرتبہ طے کیے ہوئے مشاہدہ کے درجہ پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان جو لوگ ازلاً شقی ہیں، جن کے دلوں پر گمراہی کے قفل لگے ہیں اور آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے ہیں اور کانوں استماعِ حق سے بہرے ہیں اُن کے لیے تمام ہدایات بے سود ہیں۔ نہ ان کو نبی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ ولی سے نہ قرآن سے نہ معجزہ اور کرامات سے۔ ہاں! جو لوگ سعید روحیں رکھتے ہیں چراغ ایمان سے ان کی روحیں روشن ہیں ان کے لیے معمولی ہدایت بھی کافی ہے۔ تمام کفار نفسِ کفر و عناد میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ فرق صرف مراتب کا ہے۔ کسی کا کفر

کہنے سے کیا فائدہ۔

اس سے آئندہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور فرما دیا گیا ہے کہ آپ کسی کو ہدایت یاب کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ نہ آپ سے یہ دریافت کیا جائے گا کہ یہ شخص دوزخی کیوں ہوا۔ ہدایت یاب کرنا یا گمراہ چھوڑ دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو بر سرِ حق گمراہ ہیں ان کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ ان کے کہنے سے کیا فائدہ۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ۝

ہم نے بلاشبہ تم کو حقانیت کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخیوں کی کچھ باز پرس نہ ہوگی

تفسیر یعنی ہم نے تم کو ہدایت و قرآن دے کر بھیجا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دو اور دوزخ سے ڈراؤ۔ جو لوگ حاملان ایمان ہیں جن کے دماغ شک و وہم کی کثافت سے پاک ہیں اور جن کی روحیں یقین کی حلاوت سے آشنا ہیں اور اعمال نیک ہیں ان کو خوشنودیٔ الٰہی کی بشارت سنا دو اور جو لوگ تاریک دماغ رکھتے ہیں، اختراعی شکوک اور بے بنیاد اوہام میں مبتلا ہیں۔ ایمان و یقین کا جگمگاتا ستارہ اُن کے سیاہ دلوں پر پرتو افگن نہیں ہوا۔ جن کے علمی و عملی قویٰ ناقص ہیں ان کو عذاب الٰہی سے خوف دلاؤ۔ ابن عباسؓ کے نزدیک حق سے مراد قرآن ہے اور سیوطی نے حق سے ہدایت مراد لی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث۔ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ یعنی تم سے یہ دریافت نہ کیا جائے گا کہ یہ لوگ دوزخی کیوں ہوئے۔ تمہارا کام صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے۔ ان کا حساب خدا تعالیٰ خود کرے گا آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ راہِ راست دکھا دینے کے بعد منزل مقصود تک پہنچا بھی دیں۔ آپ صرف مہتاد و راہبر ہیں نہ کہ موصل اور کامیاب کن۔ یہ کام صرف خدا کا ہے۔ واللہ الہادی و بیدہ ازمۃ المقاصد والمبادی۔

مقصود بیان (دیر ایمان سے منور کرنا یا کفر کی تاریکی میں چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے مخصوص قبضۂ قدرت میں ہے کسی انسان کو اس میں دخل نہیں ہے۔ نہ نبی کو نہ ولی کو نہ مقرب فرشتہ کو۔ پیغمبر کا کام صرف رہنمائی ہے۔ حضور باقدس کو خدا تعالیٰ نے نیک لوگوں کو خوشخبری سنانے اور بداطوار اشخاص کو دوزخ سے ڈرانے کو قرآن دے کر بھیجا اور فرما دیا کہ جو اس قانونِ الٰہی کی پابندی کرے گا وہ رحمت الٰہی سے سرفراز ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ وغیرہ

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ

تم سے یہودی اور نہ عیسائی اُس وقت تک ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک تم اُن کا دین نہ اختیار کرو گے (اے محمد) کہہ دو کہ

هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى

درحقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور اگر علم آچکنے کے بعد بھی تم ان کی نفسانی خواہشات پر چلے

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ہوگا

تفسیر گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ جو نورِ ایمان سے بے بہرہ ہیں اُن کے لیے کوئی معجزہ مفید نہیں۔ اب یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ کتاب حق یعنی توریت و انجیل کی تعلیم و پابندی کرتے ہیں ان کو تو توراۃ و انجیل کی بشارت ہی کافی ہے اور رسول کا ہر معجزہ اُن کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔ باقی وہ لوگ جو توراۃ و انجیل کے احکام کی ہی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہواؤ ہوس کے پابند ہیں اُن کے لیے معجزات بھی بیکار ہیں وہ اپنی خیالی باتوں سے نہیں ہٹیں گے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات و معجزات اس لیے نہیں ہیں کہ یہ لوگ ان کو دیکھنے کے بعد راہِ حق کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ ان گمراہانِ ازلی کا مقصود صرف تعنت و عناد ہے۔ راہِ حق پر آنا ہی یہ نہیں چاہتے۔ انھوں نے جو ٹیڑھا راستہ اپنے باطل خیالات کے موافق اختیار کر رکھا ہے اُس سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے۔ لہٰذا اگر اس گمراہی اور کجروی میں تم ان کی موافقت کرو گے تو راضی ہوں گے ورنہ ان کی خوشنودی اور رضامندی قطعاً ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ ایسی چیزوں کی خواہش چھوڑ دیجیے جس سے یہ لوگ موافق ہو کر راضی ہوجائیں بلکہ رضائے الٰہی کی جستجو کیجیے اور جو پیغامِ رسالت آپ کو دیا گیا ہے وہ پہنچا دیجیے (ابن جریر) قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى اور ان سے کہہ دیجیے کہ جس ہدایت و حق پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے یعنی عقائد و قوانین وہی حقیقی ہدایت ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے یا سمجھتے ہو سب گمراہی ہے۔ لیکن اس علمِ حقانیت اور تصریحِ ہدایت کے بعد بھی بالفرض وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ سے وَلَا نَصِيْرٍ تک اگر آپ یا آپ کی اُمت کے لوگ ان گمراہوں کی گمراہی کی پیروی کریں گے اور ہوا پرستی کی طرف مائل ہو کر اتباعِ حق سے کنارہ کش ہوں گے تو پھر خدا سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس وحی اور دینِ حق آچکا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے اہلِ کتاب ہونے پر ناز نہ کرنا چاہیے کیونکہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو کما حقہٗ پڑھتے رہتے ہیں یہی لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ع

اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ ہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر درحقیقت اہلِ کتاب وہی ہیں جو اُس کو عمدہ طور سے پڑھتے اُس پر عمل کرتے اور ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، شاہ نجاشی کعب احبار اور ضغاطر رومی وغیرہ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حقِ تلاوت یہ ہے کہ جب ایسی آیت پر پہنچے جس میں جنت کا ذکر ہے تو خدا تعالیٰ سے جنت کی خواستگاری کرے اور جب ایسی آیت پڑھے جس میں دوزخ کا ذکر ہے تو خدا سے جہنم سے پناہ مانگے (ابن ابی حاتم)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حقِ تلاوت

یہ ہے کہ کتاب الہٰی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کہے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی طرح پڑھے کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف نہ کرے اور اس کے موقع ان کی تاویل بدل کر نہ کرے۔ حضرت قتادہ، ابن عباس، سدی، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، مجاہد، ابن زید اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اور جو شخص اس قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہونے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر بھی نہیں ہے۔ توریت و انجیل کی بشارت کی تصدیق کرتے ہوئے ان کو قرآن کا اعتقاد کرنا چاہیئے تھا۔

مقصود بیان ہر گروہ فرقہ یا شخص یہی چاہتا ہے کہ سیدھی راہ چلنے والا کہی ہماری راہ پر کہا جائے۔ ہدایت و ضلالت کے امتیاز کا معیار عقل نہیں بلکہ نقل ہے۔ جو چیز خدا کے نزدیک ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو ہماری تراشیدہ ہدایت ہے وہ گمراہی ہے۔ توریت و انجیل وغیرہ پر سچا ایمان رکھنے سے قرآن پر ایمان لانا بالضرور ہو جاتا ہے اور قرآن کے انکار سے دیگر کتب سماوی کا انکار بھی لازم آتا ہے۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ

اے اولاد یعقوب میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں تم پر کر چکا ہوں اور اس کو بھی یاد کرو کہ اس زمانہ میں

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا

سارے جہان پر میں نے تم کو فوقیت عطا کی تھی اور اس دن سے ڈرو جبکہ کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کا

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ سفارش کام آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی

تفسیر بقاعی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کا ارتباط ماقبل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابتدا سورۃ میں بنی اسرائیل کی نعمتوں کی یاد دہانی کی تھی پھر درمیان میں ان کے عیوب و بدکاریاں ظاہر کیں جس سے قصہ کو طول ہو گیا اب آخر میں پھر نعمتوں کی یاد دہانی فرماتا ہے۔ گویا بقول حرانی کلام کا آخر حصہ ابتدائی حصہ سے مرتبط ہو گیا۔ لیکن یہ تاویل رکیک ہے بلکہ امام ابن کثیر نے تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نبی امی ہیں جن کا ذکر توریت و انجیل وغیرہ میں آیا ہے اور انہی صفات کے حامل ہیں جو گزشتہ کتب الٰہی میں مذکور ہیں۔ حالانکہ یہ تم پر انعامات کثیرہ کا ذریعہ ہے۔ اب تم کو اپنے بچانا د بھائیوں یعنی عربوں پر حسد نہ کرنا چاہیئے کہ خاتم المرسلین کیوں ان میں پیدا ہوئے کیونکہ تمہارے لیے بھی تو یہ وہی نعمت ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں تم کو عنایت کر چکا ہوں۔ میں نے تمہارے

اسلاف کو اُن کے تمام ہمعصر لوگوں پر فضیلت عطا کی تھی لہٰذا اُن نعمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شکر گذاری کے ساتھ محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ تمام انبیاء اور علماء ایمان لاچکے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اُس کی رضامندی کے خواہاں تھے۔ پھر تم کیوں خدا کی نافرمانی کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ جو لوگ اپنے رب عزوجل کی خوشنودی کے خواستگار ہیں وہ نافرمانی کرنے والوں سے راضی ہوں گے یا سفارش کریں گے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا۔ تم کو اُس دن کے عذاب سے ڈرنا چاہیے کہ کوئی شخص کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئے گا۔ یہ نہ ہو سکے گا کہ تمہارا بار کوئی اور اپنے سر لیلے کیونکہ کوئی نفس خود مختار نہ ہوگا۔ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ وہاں معاوضہ دے کر کسی کی خلاصی ممکن ہوگی۔ تم کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا۔ اب ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ قیامت کے دن کوئی معاوضہ مقبول نہ ہوگا۔ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ کسی کی سفارش (کافروں کے لیے) مفید ہوگی۔ یعنی کافروں کی کوئی سفارش کرے گا ہی نہیں۔ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ خدا کے مقابلہ میں آکر زبردستی کوئی نجات دلا سکے گا۔ کسی کو مجال نہ ہوگی کہ کافروں کا مددگار بن سکے۔ جب چاروں ذرائع خلاصی و نجات کے کام نہ آئیں گے تو تمہارا یہ خیال کر لینا کہ ہمارے انبیاء و پیشوا ہم کو نجات دلا دیں گے، بالکل غلط ہے۔ لہٰذا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہ سکو۔

مقصود بیان ترغیب و ترہیب، لطیف پیرائے میں دعوتِ اسلام، حقانیتِ اسلام کی طرف دقیق ترین اشارہ، قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے مالک مختار اور واحد قہار ہونے کی تصریح، کفار کے عدم نجات کا اظہار۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

اور جب ابراہیمؑ کی ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمائش کی تو انھوں نے انکو پورا کر دیا اللہ نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے

اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝

والا ہوں ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے اللہ نے فرمایا میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی۔

تفسیر یہود و نصاریٰ مدعی تھے کہ نبوت و علم ہمارا موروثی ہے۔ حاملِ رسالت صرف اولادِ اسحاق چلی آئی ہے۔ بنی اسماعیل میں کوئی نبی مبعوث ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے اس لیے ہم اسماعیلی نبی پر ایمان نہیں لا سکتے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید گذشتہ آیات میں بہترین ثبوت کے ساتھ کر دی۔ ترہیب و ترغیب، تذکیر و وعظ اور تکمیل دلائل کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام دی۔ لیکن اب یہاں سے پارۂ سیقول تک تردید کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جس کو تمام دنیا کی تاریخ داں اقوام تسلیم کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ اسماعیل ہوں یا اسحاق دونوں ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور حضرت ابراہیم کی دعا سے ہی ان کو نبوت ملی تھی۔ اول درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کو ہی پیشوا اور امام بنایا گیا تھا۔ بعد کو یہ پیشوائی اُن کی اولاد میں بطور وراثت جاری رہی۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت اس شرط پر کی گئی تھی کہ نافرمان اور سرکش انسان پیشوا نہ ہو سکیں گے۔ لہٰذا فرمانبردار اور خدا پرست انسانوں ہی کے لیے امامت و نبوت مخصوص رہی خواہ وہ اسماعیلی ہوں یا اسرائیلی سلسلۂ نسب کر کوئی دخل

نہیں ہے۔ سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں کے لیے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمانا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں باوجود سرکشی اور طغیان کے انبیاء ہمیشہ بنتے چلے جائیں اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہر شخص باوجود خداپرست اور مجسمۂ اخلاق ہونے کے خلعت نبوت سے محروم رہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر تم کو اپنے نسب پر فخر ہے اور امتیازی شرف کے مدعی ہو تو اعمال کی بھی تو اصلاح کرو اور اپنے مورثِ اعلیٰ یعنی ابراہیمؑ کی طرف صحیح نسبت رکھنے کے لیے اُن کی توحید پر بھی تو قائم رہو اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیمؑ کا امتحان لیا تھا اور ابراہیمؑ امتحان میں پورے اُترے تھے۔ وہ باتیں کیا تھیں جن سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا۔ اس کے متعلق مختلف صحابہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہؓ اور حسن بصریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بعض احکام تو طہارتِ روحانی سے متعلق تھے اور معرفتِ الٰہی اُن سے وابستہ تھی۔ مثلاً توحید، ایمان بالغیب، شمس و قمر اور دیگر ستاروں کی الوہیت سے رُوگردانی وغیرہ اور دس احکام طہارتِ جسمانی سے متعلق تھے۔ مونچھیں کتروانی، کلی کرنی، ناک صاف کرنی، مسواک کرنی، سر کے بالوں کی بیچ سے مانگ نکالنی، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنے، موئے زیرِ ناف کی اصلاح، ختنہ کرنا، پانی سے استنجا کرنا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان خدا تعالیٰ نے ایمان جان مال اور اولاد کے اعتبار سے لیا تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے کامل طریقہ پر پورا کیا۔ نمرود کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پرواہ نہ کی۔ جوشِ توحید سے سرشار ہو کر والہانہ انداز میں آگ میں کود پڑے۔ نہ جان کا خوف، نہ دنیا و مافیہا کی طرف توجہ، ایمان کی آزمائش اس طرح پوری کی کہ محض ایمان بچانے کے لیے ترکِ وطن کیا۔ ہجرت کر کے ملکِ شام کو چلے گئے۔ مالی قربانی کی یہ شکل تھی کہ کل مال مہمان نوازی اور مسلم پروری میں لُٹا دیا اور بالآخر اولاد کو بھی راہِ خدا میں صرف خوشنودیٔ خدا کے حصول کے لیے قربان کر دیا۔ غرض حضرت ابراہیمؑ تو تمام رُوحانی و جسمانی قربانیوں میں پورے اُترے۔ اگر بنی اسرائیل بھی مدعیٔ شرف ہیں تو ان کو بھی اپنے مورثِ اعلیٰ کی طرح امتحانِ الٰہی میں ثابت قدم رہ کر اپنے جدِ اعلیٰ کے اخلاق و اطوار اختیار کرنے چاہئیں۔ ورنہ صرف سلسلۂ نسب امتیازی شرف کا سبب نہیں بن سکتا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے اور مجاہد وغیرہ اس کے راوی ہیں کہ قوانینِ اسلام کے تین حصے ہیں۔ دس کا ذکر تو سورۂ براءت کی آیت اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الخ میں آیا ہے اور دس کا بیان اول سورۂ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور سورۂ سَاَلَ سَآئِلٌ میں ہے اور آخری دس کا ذکر سورۂ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الخ میں آیا ہے اور ان سب کو حضرت ابراہیمؑ نے پورا کیا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی جب حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اُترے تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا اور نبی بناؤں گا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا بہت اچھا لیکن میری نسل میں سے بھی امام و نبی بنائیے۔ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہدِ نبوت و امامت ظالموں اور کافروں کو شامل نہیں ہو سکتا۔ نافرمان اور فاسق نبی نہیں ہو سکتے۔ خداپرست، دیندار، فرمانبردار اور عاملانِ معرفت ہی انبیاء ہوں گے۔

مقصودِ بیان حضرت ابراہیمؑ کو آزمائش کے بعد نبوت کا مرتبہ ملا تھا۔ خاصانِ خدا کی سخت ترین آزمائشیں کی جاتی ہیں جو موا ہبِ عظمیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و اولیاء کو ملتی ہیں وہاں سب حسب و نسب کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نبوت، امامت، ولایت کسی فاسق اور کافر کو نہیں مل سکتی خواہ اس کو کتنی ہی نسبی شرافت حاصل ہو۔ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ وغیرہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کی زیارت گاہ بنایا اور امن کی جگہ بنایا اور (کہہ دیا کہ) مقامِ ابراہیم

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

کو جائے نماز بنا لو

تفسیر یعنی اے اولادِ ابراہیم اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ہم نے کعبہ کو مرجع خلائق اور تمام لوگوں کے لیے جائے امن بنا دیا تھا۔ خانۂ کعبہ سے مومنوں کی خواہش کبھی سیر نہیں ہوتی۔ جو آتے ہی لوٹ جاتے ہیں پھر شوق و جذبہ سے مجبور ہو کر والہانہ انداز میں رجوع کرتے ہیں (علی بن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم، ابوالعالیہ، عطاء، حسن وغیرہ) اور جائے امن ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ دورِ جاہلیت میں اطراف مکہ میں لوگ کشت و خون کرتے تھے لیکن مکہ والوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی پردیسی آدمی کسی کو قتل کر کے حرم کے اندر آجاتا اور مقتول کا بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو حرم کے اندر پا لیتا تب بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ قصاص لینا اور قتل کرنا تو در کنار۔ یہ تمام باتیں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اثرات ہیں لہٰذا اے اولادِ اسرائیل تم بھی اس بات سے نصیحت حاصل کرو اور اپنے محترم بزرگ کی پیروی کرو اور نبی آخرالزماں کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ حضرت عمر فاروقؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے حجۃ الوداع میں اس مقام پر سے گزرے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا مقامِ ابراہیم یہی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہاں یہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا حضور ہم اس کو نماز کی جگہ مقرر نہ کر لیں؟ اس وقت حضرت عمرؓ کی منشار کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخرالزماں کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے اور مقامِ ابراہیم کو نماز کے لیے مقرر کر لو۔ ابن کثیر اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت تک یہ پتھر جس کو مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے کعبہ سے متصل تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو سیلاب آیا اس سے یہ پتھر بہہ گیا حضرت عمرؓ نے دوبارہ اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ نصب کر دیا اور اس کے آس پاس پتھروں کی دیوار چُن دی۔ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانے کے یہ معنی ہیں کہ طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھو اور بحالتِ مجبوری اس کے قریب پڑھ لو۔ یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔

مقصودِ بیان سب کو طریقۂ ابراہیمی کا اتباع کرنا چاہیئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہی کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور آپ نے ہی کعبہ کو مرجع خلائق اور جائے امن بنانے کی دعا کی تھی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی خوشی سے بطور خود کعبہ کو تعمیر نہیں کیا تھا جس سے لوگ اعتراض کرنے لگیں کہ کعبہ کو جہت عبادت قرار دینا شرک کی علامت ہے۔ کعبہ بھی پتھروں کا ایک مکان ہے۔ اس مکان کو دیگر مکانوں پر کیوں امتیازی شرف حاصل ہے۔ بلکہ ابراہیم و اسماعیل نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہم نے ہی ان کو تعمیر و طہاراتِ کعبہ کا حکم دیا تھا اور۔

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِۦمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ

اور ابراہیم و اسمٰعیل کو ہم نے حکم دے دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے

وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ۝

والوں کے لیے پاک صاف کردو۔

تفسیر ہم نے ہی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ بیت العتیق کو جو ہمارا جلوہ گاہ خاص ہے طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیے نجاست اور گندگی سے پاک صاف رکھو (تفسیر حسن بصری) یا بتوں سے پاک صاف رکھو (ابن عباسؓ) یا بتوں سے، فحش کلام سے، کفر انگیز اور بہتان آمیز الفاظ سے پاک رکھو اور اس میں شرک نہ ہونے دو (مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ عبید بن عمیر، قتادہ وغیرہ) گو یا مدعا یہ ہے کہ نشانِ قدرت تو اس میں موجود ہی ہے کہ کوئی جانور بیٹ نہیں کرتا اور بدتمیزی کے ساتھ اوپر سے نہیں گزرتا۔ نشانِ شریعت بھی ہونا چاہیے۔ لہٰذا نجاستِ باطنی یا نجاستِ ظاہری کوئی کعبہ کے اندر نہ ہونی چاہیے۔ ہر کثافت سے کعبہ کو پاک رہنا چاہیے۔ شیخ ابن کثیر نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطرافِ عالم سے زیارتِ بیت اللہ کے لیے جاتے ہیں یعنی غیر ملکی لوگ طائفین سے مراد ہیں اور عاکفین سے اہلِ مکہ مراد ہیں۔

مقصود بیان کعبہ کے اندر سوائے عبادت، ریاضت، خدا پرستی اور تذکیر و وعظ کے دنیوی مشاغل ناجائز ہیں۔ کعبہ کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف رکھنا چاہیے۔ نجاستِ اعتقادی یعنی شرک و کفر، نجاستِ اعمالی یعنی قتل، زناء، شراب خوری، لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد وغیرہ بداعمالیاں اور نجاستِ اقوالی یعنی تہمت، کذب، افتراء، غیبت، فضول بکواس، فحش بیانی، کفر آمیز یا گناہ آفریں کلمات وغیرہ کی کعبہ کے اندر حرمت قطعی ہے۔ کعبہ کی طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ صرف شریعتِ محمدیہ میں ہی نہیں ہے۔ آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ کفار کا داخلہ کعبہ کے اندر ممنوع ہے۔ کوئی غیر مسلم مجاز نہیں کہ تفریح کے لیے کعبہ کے اندر جائے یا تعمیر و اصلاح کے لیے داخل ہو۔ ایک لطیف ترین اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر بُت پرستی کی نجاست پھیلاتے ہیں یا یہود و نصاریٰ جو کعبہ کا حج و طواف کرتے ہیں یہ سراسر غلط ہے اور سنّتِ ابراہیم بلکہ بنائے کعبہ کے مقتضا کے خلاف ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِۦمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا ءَامِنًا وَٱرْزُقْ أَهْلَهُۥ مِنَ

اور یاد کرو کہ جب ابراہیم نے کہا پروردگار اس کو امن کا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں میں ان لوگوں کو

ٱلثَّمَرَٰتِ مَنْ ءَامَنَ مِنْهُم بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ

پھل عطا فرما جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اللہ نے فرمایا اور جو منکر ہوگا

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝

اس کو بھی میں کچھ دنوں مزے اڑانے دوں گا اور مآلاخر اس کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کروں گا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں چند رسوم کعبہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام برکت وسعادت اور رسوم طیبہ جن کا پہلے ذکر کیا گیا وہ ابراہیم کی دعا سے ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی تو نے کعبہ کو مرجع خلائق اور امن گاہ تو بنایا ہے۔ لیکن یہاں ایک شہر دارالامن بھی بنا دے تاکہ آنے والوں کے لیے ہر قسم کا آرام رہے اور تیرے اس گھر کی کافی نگہداشت بھی ہو سکے۔ وَارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جن لوگوں کا ایمان خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور روزِ قیامت پر ہو ان کو (مادی اور روحانی) پھل عنایت فرما یہاں کے باشندوں کو رزق مادی بھی عطا کر اور نبوت وامامت سے بھی سرفراز فرما) حضرت ابراہیمؑ نے کفار کے لیے رزق مادی کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ میرا عہدِ نبوت کافروں کو نہیں پہنچے گا۔ اس فرمان سے حضرت ابراہیمؑ کو خیال ہوا کہ کافروں کے واسطے رزق کی بھی دعا کرنی خلاف ادب ہے اور رزقِ الٰہی کا دروازہ یہاں کے کافروں کے لیے بھی بند ہے۔ لیکن چونکہ رزق مادی اور روحانی میں فرق ہے۔ نبوت اور جسمانی پرورش کا سامان جدا جدا چیزیں ہیں۔ نبوت کا ہر شخص سزاوار نہیں ہو سکتا اور رزقِ الٰہی سے ہر نیک و بد فیضیاب ہوتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ کہ رزق روحانی یعنی نبوت وامامت وولایت تو خاص خاص مومنوں کے لیے ہی مخصوص ہے لیکن حیات جسمانی کے سامان میں تمام دنیا شریک ہے خواہ کافر ہو یا مومن، نیک ہو یا بد روزی سب کو ملے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومنین کو بہرہ اندوزی کا موقع ہمیشہ ملتا رہے گا اور کفار کو میں صرف اس دنیوی زندگانی میں جس کی مقدار قلیل ہے، مزہ اڑانے اور فیض عام سے بہرہ اندوز ہونے کی مہلت دوں گا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد مجبور کر کے دوزخ میں لے جاؤں گا جو نہایت خراب جگہ ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم واسماعیل کی یہ دعا قبول فرمائی۔ مکہ کو دارالامن بنایا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی کفار مکہ کے اندر کشت و خون نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی پردیسی مکہ سے باہر کسی کو قتل کر کے شہر کے اندر آجاتا تھا تو کوئی اس سے قصاص نہیں لے سکتا تھا اور رزق دینے کی یہ شان اختیار کی کہ مکہ جیسے خشک ریگستانی مقام میں طائف سے ہر قسم کا غلہ، میوہ، سبزیاں اور ارضی پیداوار کا ذخیرہ اہل مکہ کے لیے ہر وقت مہیا کرنے کا سامان درست فرما دیا۔ اگرچہ مکہ میں سبزیاں، میوہ جات اور دیگر قسم کی پیداوار میں سے کوئی جنس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ طائف کی سرزمین بہت سیر حاصل ہے اس لیے وہاں سے ہر قسم کی چیز کی درآمد کا سلسلہ جاری ہے۔ اب رہی رزقِ روحانی یعنی نبوت، امامت، ولایت وغیرہ کی دعا کی قبولیت تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرح عالم میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا۔ صدیق اکبرؓ کی طرح صداقت وامامت میں کسی نبی کے جانشین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ فاروق اعظمؓ کی عدالت، امامت، نور قلبی اور کشفِ روحانی کی مثال صفحات تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ذوالنورین کی حیا، کس نبی کے مصاحب اور حواری کو حاصل ہوئی۔ اسد اللہ کی شجاعت اور علم کے امتیازی پایہ کو کونسا عالم پہنچا۔ پھر دیگر اولیائے امت جن کی تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز ہے سب آفتاب فاران کے پرتو نہیں تو اور کیا ہیں۔ مزید برآں امتِ محمدیہ کو اشرف الامم اور شہید علی الناس بنایا گیا۔ یہ سب حضرت

ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کی تاثیر اور خداداد برکت وسعادت ہے۔

مقصودِ بیان دنیوی زندگی چند روزہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے خوانِ کرم سے کوئی محروم نہیں۔ کفر واسلام کو روزی میں دخل نہیں رزقِ روحانی صرف مومنین کو عطا ہوتا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

اور یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور کہہ رہے تھے) اے ہمارے پروردگار!

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ

ہماری طرف سے اس کو قبول فرما بیشک تو سننے والا باخبر ہے اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری

ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ

اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم کو معاف فرما کیونکہ

اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے

تفسیر یہاں سے لے کر چند آیات میں خدا تعالیٰ تعمیر کعبہ، حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی دعا، حج کے احکام، خاتم النبیین کی نبوت، اُمّتِ مسلمہ کا شرف اور بعض دیگر امور کو لطیف پیرایہ میں بیان فرماتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی دعا اپنی اولادؑ کے متعلق مجمل مذکور تھی یہاں اس کی تفصیل بیان کرنی مقصود ہے اور کعبہ کا ذکر بھی کچھ مختصر سا آیا تھا۔ اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور حج وطواف وغیرہ کی شرعیت ثابت ہو جائے اور بنی اسرائیل کو حضور والا کی نبوت کا انکار اور کعبہ کو قبلہ بنانے پر طعن کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ واسماعیلؑ کعبہ کی دیواریں چنتے جاتے تھے۔ یعنی ابراہیمؑ چن رہے تھے اور اسمٰعیلؑ پتھر اور گارا اٹھا کر دے رہے تھے۔ لیکن چونکہ نیک بندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے اعمال کے غیر مقبول ہونے سے ڈرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دونوں بزرگ بھی کعبہ بناتے میں نہایت عجز وانکساری سے دعا کرتے جاتے تھے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اے ہمارے رب! تو ہماری اس کوشش کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہماری دعاؤں کو خوب سنتا ہے اور ہمارے دلی اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ وہیب ابن الورد جب اس آیت کو پڑھتے تو روتے اور کہتے کہ خلیل اللہ علیہ السلام بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو (ابن ابی حاتم) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے رب ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھیو اور ہمیشہ ہم کو

اپنی اطاعت گزاری اور فرماں پذیری کی توفیق عطا فرمائیو تاکہ تیری مرضی کے خلاف ہم سے کوئی فعل سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کیجیو۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اور جو کچھ تو نے عبادت وحج کے قوانین مقرر کیے ہیں وہ بھی ہم کو تعلیم کر دے اور اگر ہم سے کوئی فروگذاشت ہوگئی ہو یا ہو جائے یا ہماری نسل کے جو قصور ہوں ان کو تو اپنے رحم سے معاف فرما دے کیونکہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہاں اس لطیف نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ آدم میں سے ایک اُمتِ مومنہ کے لیے کتنا اہتمام فرمایا۔ پہلے اپنے دو اولوالعزم پیغمبروں سے کعبہ بنوایا پھر اُن سے دعا کرائی اور چونکہ خانۂ کعبہ کو تمام مساجد و مکانات پر شرف حاصل ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ جس اُمتِ مسلمہ کے لیے اس عظیم المنزلت مکان کی تعمیر کرائی گئی اس کا مرتبہ کیسا ہوگا اور صرف یہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے اور باقی قرآن تو صاف الفاظ میں نہایت بلند آہنگی سے کہہ رہا ہے کہ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ پھر حیف ہے اُن یہودیوں، عیسائیوں اور پرستارانِ ہوا و ہوس پر کہ ایسے عظیم الشان والا مرتبت نبی کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ایسی شریف المنزلت امت میں داخل ہونا نہ چاہتے تھے اور ایسے عالی مرتبہ کعبہ کو قبلۂ نماز اور عبادت گاہ بنانے پر طعن و تشنیع کرتے تھے اور خدائے قدوس کے پاک مکان کو کفر و شرک، بت پرستی اور گناہوں کی نجاست سے آلودہ کرتے تھے۔

مقصود بیان کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کا بنایا ہوا کعبہ گر گیا تھا اور نمود بھی اُس کی زمین میں دفن ہو چکی تھی۔ ہر عملِ خیر کے وقت بھی انسان کو خوف کرتے رہنا چاہیے کہ مبادا یہ عمل مردود ہو اور تمام کیا کرایا رائیگاں جائے۔ بڑا سا بڑا عابد زاہد ہو یا کوئی ولی یا عالم یا امام سب کو تواضع، انکسار، فروتنی اور مسکینی اپنا شعار بنا لینا چاہیے۔ کیونکہ کوئی شخص سوائے انبیاء کے معصوم نہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ جیسے اولوالعزم انبیاء نے جو کہ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اپنی انتہائی عجز و انکساری سے عفوِ لغزش کی دعا کی تو غیر معصوم انسان کس گنتی میں ہیں۔ انسان کو باوجود انتہائی نیکی کے ثبات و استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ شیطان قوی ہے۔ ممکن ہے بہکا کر گمراہ کر دے اور توفیقِ خیر خدا تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ لہٰذا استقامت کی دعا اس سے کرنی لازم ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادت کے رسوم یا طریقے خدا ہی تعلیم کرنے والا ہے۔ کسی انسان کی عقل اس کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ ان آیات میں تعلیمِ دعا کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دعا مانگنے سے پہلے اور دعا مانگنے کے درمیان میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے احسان کا اظہار، ربوبیت کا اقرار اور اپنی بندگی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ وغیرہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اے ہمارے پروردگار! اُن میں سے ہی ایک پیغمبر پیدا کرنا جو اُن کے سامنے تیری آیات پڑھے اور اُن کو کتاب و شریعت سکھائے

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اور اُن کو (شرک سے) پاک صاف کرے بلا شبہ تو غالب و دانا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمنی طور پر دُعائے ابراہیمی میں دخل تھا۔ حضرت ابراہیم نے صرف ایک اُمّتِ مسلمہ کے لیے دعا کی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابراہیم صراحۃً اپنی دُعا میں حضورِ گرامی کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کعبہ کی حفاظت اور نگہداشت اُمّتِ مسلمہ کرے گی لیکن اُمّتِ مسلمہ کو ضرورت ایک سردار کی ہوگی جو ہر طرح سے اس اُمّتِ مرحومہ کی قیادت کرے گا اور تمام سعادات و برکات اسی کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما اور یہ رسول نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ ہو۔ اس کے اندر وہ اوصاف و اخلاق اور فیوض و معارف موجود ہوں جس سے عام و خاص، جاہل و عالم، تاریک دماغ رکھنے والے اور نورِ فطری کے حامل سب یکساں فیضیاب ہوں اور ہر شخص اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ یعنی عام لوگوں کو تیری آیات اور مقدس کلام پڑھ کر سُنائے۔ اُن کو شریعتِ الٰہیہ کے ظاہری احکام بتائے۔ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یعنی جو لوگ عالم ہیں لیکن علماء میں ان کا مرتبہ امتیازی نہیں بلکہ عمومی ہے تو ایسے علماء کو وہ کتاب مقدس کی تعلیم دے، احکام اور ادلّہ بتائے، فروع و اصول سے واقف کرے اور دلائلِ توحید و نبوت سمجھائے۔ وَالْحِكْمَةَ یعنی جو لوگ علماء میں امتیازی شرف رکھتے ہیں، قوتِ اجتہاد کے مالک ہیں، علمی تبحر اور وسعتِ معلومات کی وجہ سے صرف احکام و ادلہ کا علم ان کے لیے سیر کن نہیں ہے بلکہ ان کو اسرار و حقائق کی ضرورت ہے تو ایسے لوگوں کو وہ اسرارِ شریعت کی تعلیم دے، حقائق و معارفِ الٰہیہ بتائے، رموزِ کتاب سے واقف کرے۔ وَیُزَكِّیْهِمْ یہ مرتبہ خاصانِ خاص کا ہے۔ اولیائے اُمّت ہی اس مرتبہ سے سرفراز ہیں، اُن کے نفوسِ قدسیہ مہبطِ کمالاتِ نبوت کا آئینہ ہیں، جن کے اندر نورِ نبوت چمکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نبی روشن روح رکھنے والوں کے تزکیہ کا بھی سبب ہو۔ اُن کے آئینۂ دل میں اپنی روحانی تعلیم کے پانی سے تمام سیاہی اور زنگ دور کر کے اپنے فیوضِ قدس اور نورِ رسالت سے اُن کو منور کر دے۔

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور تمام اُمّتِ اسلامیہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔ اُمّتِ اسلامیہ میں چار طبقات ہیں۔ عام، خاص، خاص الخاص، اخص الخاص۔ عام کی ہدایت کے لیے صرف معجزات اور ظاہری آیات قرآنیہ اور فرامینِ نبویہ مخصوص ہیں۔ خاص کی ہدایت کے لیے احکام ادلہ فروع و اصول، دلائلِ توحید و براہینِ رسالت کا علم ضروری ہے۔ خاص الخاص کے افادہ کے لیے اسرارِ شریعت، حقائق و معارف اور رموز کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ اخص الخاص میں تخلیۂ رذائل اور تحلیہ بالفضائل کا مادّہ تو موجود ہی ہوتا ہے۔ ان کی روحیں سعید اور دل مادۂ ہدایت سے لبریز ہوتے ہیں۔ لیکن تخلیہ کے بعد ان کے قلوب کی صفائی اور تجلیہ و تزکیہ کی بھی احتیاج ہے اور یہ سب کام جس حُسن و خوبی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے وہ عدیم النظیر ہیں۔ حضور اشرف المخلوقات اشرف الانبیاء اور خاتم النبیین ہوئے۔ سچ ہے۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ آیت میں ایک لطیف تلمیح اس طرف بھی ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ہر مرتبہ کو طے کر کے اوپر والے درجہ میں پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ انتہا پر پہنچ کر کمالاتِ محمدیہ کا مکمل آئینہ اور مجسمۂ اخلاق بن جائے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرما دیا ہے کہ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ

اور ابراہیمؑ کے طریقے سے کون مُنہ پھیر سکتا ہے　سوائے اُن کے جس کی　خود عقل جاتی رہی ہو　کیونکہ بلاشبہ

اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ہم نے اُن کو دنیا میں بھی منتخب کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوں (کے زمرہ) میں ہوں گے۔

تفسیر حضرت عبداللہ بن سلام نے جو یہودی عالم تھے اور یہودیت چھوڑ کر حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرکے مسلمان ہوچکے تھے۔ اپنے دونوں بھتیجوں سلمان اور مہاجر کو بُلاکر کہا کہ تم ذرا توراۃ دیکھو۔ اس میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ إنی باعث من ولد اسمٰعیل نبیا اسمه احمد فمن امن به فقد اهتدیٰ ورشد ومن لا یؤمن به فهو ملعون یعنی میں اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو کفر کرے گا اس پر خدا کی پھٹکار۔ مہربان چچا کا یہ کلام سُن کر سلمان تو مسلمان ہوگئے لیکن مہاجر نے انکار کیا اور نہ مانا۔ اس کے بارے میں آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دُعا نقل کی گئی تھی اور وہ دعا قبول بھی ہوئی اور رسول اللہ صلعم دنیا میں تشریف بھی لائے۔ تعلیمِ قرآن، تبلیغِ سنّت اور تزکیۂ نفوس بھی کیا، اعلانِ توحید اور استیصالِ شرک بھی کیا اور یہ تمام باتیں بعینہٖ ملّتِ ابراہیمی میں موجود تھیں تو گویا حضورِ اقدس نے ملّتِ ابراہیمی کی تجدید کی۔ لہٰذا جو شخص شریعتِ اسلامیہ کا منکر ہے وہ ملّتِ ابراہیمی کا منکر ہے اور ملّتِ ابراہیمی چونکہ دوامی ہے۔ کوئی سلیم عقل رکھنے والا اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ ملّتِ ابراہیم یعنی توحیدِ الٰہی تزکیۂ نفوس، تعلیمِ اخلاق، تبلیغِ احکامِ الٰہی وغیرہ سے وہی شخص انکار واعراض کرتا ہے جو نادان ہو، احمق ہو، اپنے نفس کو بھی پہچانتا ہو کہ ہر نفس مخلوق ہے اور خدا اس کا خالق ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی مخلوقیت اور خدا کی خالقیت پہچان لے گا وہ کس طرح کفر و شرک کرسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ کافر و مشرک خصوصاً یہود و نصاریٰ ملّتِ ابراہیمی سے بدرجۂ ہی خارج ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ اور حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ مسیحؑ یا عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہا جائے۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہ گزشتہ کی علّت ہے۔ یعنی ملّتِ ابراہیمی حق ہے اور اس کا حکم استمراری ہے۔ اس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ابراہیم کو خدا تعالیٰ نے دنیا میں سرفراز کیا تھا، نبوّت و خُلّت کا مرتبہ عطا کیا تھا اور ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور آخرت میں تو ان کو اپنی مخصوص نعمتوں کے لیے منتخب کر ہی لیا ہے۔ پھر ایسے اولوالعزم اور ذیشان نبی کی ملّت سے کون ذی ہوش اعراض کرسکتا ہے

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ

جب اُن کے رب نے اُن سے کہا کہ فرمانبردار بن جاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں رب العالمین کا فرماں بردار ہوگیا اور ابراہیمؑ نے اپنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

بیٹوں کو بھی اسی کی وصیت کی تھی اور یعقوبؑ نے بھی کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کیا ہے لہٰذا

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ

حالتِ اسلام کے علاوہ اور کسی حالت پر نہ مرنا

تفسیر اِذْ قَالَ لَهٗ سے لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تک۔ یہ گذشتہ آیت کی علت ہے۔ یعنی ہم نے ابراہیم کو اتنی عزت وکرامت کیوں عطا کی تھی اس لیے کہ جب ہم نے اس سے کہا کہ توحیدِ خالص کو اختیار کر اور خدا تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری پر قائم رہ تو اس نے فقط یہی نہیں کہا کہ اچھا بلکہ نہایت خوشی سے کہا کہ میں نے اپنا تن من دھن اپنے رب العالمین کے سپرد کیا پس اس کی رضا پر راضی اور اس کے احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم جھکاتا ہوں اور فقط اتنا ہی نہیں کہ خود توحیدِ الٰہی اور احکام خداوندی کو تسلیم کیا۔ بلکہ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُؕ ابراہیمؑ نے اور اس کی اولاد میں سے یعقوب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کر دی کہ اسی ملتِ توحید پر قائم رہنا کیونکہ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اے بچو خدا نے تمہارے لیے اسی دین وملت کو منتخب فرمایا ہے۔ توحیدِ الٰہی تہذیب اخلاق، ادائے حقوق اور کفر وشرک سے بیزاری کو تمہارا دین قرار دیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم بھی تم مسلمان رہنا اور اپنا جان ومال خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے اسی کے احکام کے پابند رہنا۔ حضرت ابراہیمؑ کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، مدین، مدان، زمران، یقشان، اسباق یا شیق اور شوخ یا سوح۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ روبن، شمعون یا سمعون، لاوی، یہودا، ریلون یا ریالون، یشجر، جاد، دان، نفتالی، آشر، یوسف، بنیامین۔ (خازن)

مقصودِ بیان ملتِ ابراہیمی دوامی ہے۔ یعنی اس کے اصول توحیدِ باری، تزکیۂ نفس، ادائے حقوق، اقامتِ عدل وغیرہ لازوال اور غیر قابلِ نسخ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبوت رہی۔ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں تمام انبیاء ہوئے۔ صرف رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ دینِ ابراہیمی بدیہی اور مسلّم الثبوت ہے۔ بصیرت آگیں دماغ رکھنے والے اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہو اس کو وجودِ باری اور توحیدِ خداوندی کا علم قطعاً نہیں ہو سکتا اور جو اپنے نفس کو جانتا ہے اپنی مخلوقیت حدوثِ امکان، احتیاج اور فنا سے واقف ہے۔ وہ ضرور خدا کے خالق قدیم واجب مستغنی اور باقی ہونے کا قائل ہوگا اور یہی ملتِ ابراہیمی کا بنیادی پتھر ہے۔ خدا تعالیٰ بے محل اپنی نبوت کسی کو نہیں دیتا۔ پیغمبروں میں برداشت رسالت کی استعداد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کی قابلیت اور صلاحیت ثابت ہوتی ہے اس لیے ان کو پیغمبر بناتا ہے۔ ملتِ ابراہیمی بلکہ دینِ الٰہی کا اصل منشا یہی ہے کہ اپنا تن من دھن گویا اپنا کل سراپا اور محبوب ترین چیزیں خوشنودیٔ الٰہی کے حصول کے لیے قربان کر دی جائیں۔ یہی شریعت اسلامی کی تعلیم ہے۔ عالم اور عارف باللہ کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ خود اپنے اعتقاد واعمال کی اصلاح کر لے اور اپنی کشتی پار کر لے جائے۔ بلکہ اپنے متعلقین خصوصاً اولاد کو بھی اوامر ونواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے۔ ایمان واسلام درحقیقت وقتِ آخر کا ہی قابلِ اعتبار ہے۔ ورنہ تمام عمر مسلمان رہ کر مرنے کے وقت کافر بن جانا موجبِ وبال ہے۔ وغیرہ

یہودیوں نے جب حضرت یعقوبؑ کا ذکر سنا تو حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابو القاسم آپ کو علم بھی ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے مرنے کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ انہوں نے وفات کے وقت اپنی ساری اولاد کو بلا کر کہا تھا کہ تم اپنے مذہب یہودیت کو ہرگز نہ چھوڑنا [illegible] پھر ہم آپ کے کہنے میں آ کر اُن کی وصیت کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں۔ اس وقت آیت مندرجۂ ذیل اَمْ كُنْتُمْ

شُهَدَآءَ سے وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ تک نازل ہوئی۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا

کیا تم لوگ اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد

تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ

کس کی پرستش کروگے؟ بیٹوں نے جواب دیا ہم تمہارے باپ تمہارے باپ دادا ابراہیم

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ

واسمٰعیل واسحٰق کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اسی کے ہم فرمانبردار ہیں

تفسیر خداتعالیٰ اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یعقوبؑ نے وفات کے بعد اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور فرماتا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ یعقوبؑ نے مرتے وقت اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی۔ کیا تم اپنی وفات کے وقت وہاں موجود تھے۔ تم لوگ نہ اس زمانہ میں موجود تھے نہ اور کوئی طریقہ صحیح علم کا تمہارے پاس ہے، نہ توریت میں اس کا بیان ہے۔ پھر تم کو یہ کہاں سے خبر ہوئی۔ بات یہ تھی کہ یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میرے بعد تم کس کی پرستش کروگے؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف یعنی ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ کے معبود کی پرستش کریں گے۔ جس کی آپ اور آپ کے اہلِ اسلام پرستش کرتے تھے وہی ہمارا بھی معبود ہے کیونکہ وہی قابلِ پرستش خدائے واحد ویگانہ ہے اور ہم تو اسی پر ایمان لاچکے ہیں۔ ہمارا اخلاص اسی کے لیے ہے۔ اور جان ومال اسی کے لیے مخصوص ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو وصیت کرنے کی ضرورت اس واسطے پڑی اور یہ سوال وجواب کا سلسلہ اس لیے قائم کیا کہ اس زمانہ میں حضرت یعقوبؑ مصر میں وارد تھے وہیں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ مصر کے بادشاہ کے علاوہ عام قبطی کافر تھے۔ اس لیے حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کی طرف سے بھی خطرہ ہوا کہ کہیں صحبت بد کی وجہ سے یہ بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرنے لگیں۔ لڑکے اس خطرہ کو سمجھ گئے اور اطمینان دلانے کے لیے نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ ہم اسلام پر قائم رہیں گے۔

آیات کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہودیو! تم اس زمانہ میں موجود نہ تھے جب اسرائیل کا انتقال ہوا۔ نہ تمہارا یہ یہودی مذہب تھا۔ تم تو موسیٰؑ کے زمانہ میں ہوئے اور تمہارا مذہب بھی موسیٰؑ کے زمانہ سے شروع ہوا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یعقوبؑ نے یہودی رہنے کی اولاد کو وصیت کی تھی، بالکل غلط ہے۔ یعقوبؑ نے تو صرف اخلاص توحید اور شرک وکفر سے محترز رہنے کی وصیت کی تھی اور یہی محمد صلعم تم کو تعلیم دیتے ہیں۔ پھر تم دینِ اسلام سے کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ تمہارے مورثِ اعلیٰ یعنی اسرائیل کی وصیت کے موافق ہے۔

مقصودِ بیان اولاد پر شفقت اور ان کی بہی خواہی مسلمانوں کا فرض ہے۔ خصوصاً دینی سعادت اور عاقبت کی فلاح کے بہبودی کے ذرائع اختیار کرنے کی نصیحت کرنی تو لازمی ہے۔ یہی سنتِ انبیاء ہے۔ پرستش غیر اللہ حرام ہے صحبت بد

ہر شخص کے خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی متقی عالم کا بیٹا ہو یا زاہد عابد ولی اللہ کا پیر زادہ یا کوئی نبی زادہ۔ انسان کو پہلے توحید ذات، تنزیہ صفات کے مدارج طے کرنے چاہئیں اور پھر رضا و تسلیم کے مرتبہ میں پہنچ کر فنا مادہ کی صفت اختیار کرنی چاہیے۔ جس طرح حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے پہلے توحید کا اقرار کیا اور بعد کو وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کہدیا۔ وغیرہ

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

وہ تو ایک جماعت تھی سو گذر گئی جو اس نے کمایا اس کے ہی لیے مفید تھا جو تم کماؤ وہ تمہارے ہی لیے مفید ہے

وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

تم سے اُن کے اعمال کی کچھ بازپرس نہ ہوگی

تفسیر جب حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی مذکورۂ بالا آیات میں مدح کی گئی اور خداوند تعالیٰ نے اُن کے مدارجِ عالیہ اور اعلیٰ مقام کا بیان فرمایا تو یہودی اپنی جہالت سے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ لوگ ہمارے باپ دادا ہیں ہمارے گناہ و بداعمالیاں قابلِ مواخذہ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اسلاف اور ان کے نمایاں کارنامے ہماری نجات کے لیے کافی ہیں۔ اس دعویٰ کی تردید کے لیے خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہ اُمت تو گذر گئی جو کام انھوں نے کیے اُس کے فوائد منافع تو انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ تم کو ان کے نتائج اعمال سے کیا سروکار۔ تم نے جو کچھ کیا اس کا فائدہ تمہارے لیے مخصوص ہوگا۔ اگر تم نے اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کا وسیلہ پایا ہے تو اپنے اسلاف کے ساتھ ملائے جاؤ گے ورنہ تم کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ تم کو ان پر تکیہ و بھروسہ کرکے کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا نہ ہونا چاہیے اور تم سے اُن کے اعمال کی بھی بازپرس نہ ہوگی یعنی تم کو نہ ان کی نیکیوں سے کوئی فائدہ پہنچے گا نہ وہ تمہاری بدکاریوں کے ذمہ دار ہوں گے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا کفیل ہوگا۔ کافر کا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ الغرض نجات کا مدار ایمان و توحید پر ہے۔ جو لوگ اسلام و توحید سے غافل ہو کر کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ہرگز مغفور نہیں اور نہ نیکیوں سے اُن کی کوئی وابستگی قائم رہ سکتی ہے۔

مقصودِ بیان کل آیات سے غرض یہ ہے کہ مومن احمق نہیں ہوتا۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں بعض لوگ نافہم ہوں اور کافر کفر پہ رہتے ہوئے عقلمند نہیں ہوتا۔ اگرچہ دنیوی امور میں اس کی عقل تیز ہو۔ جو شخص ملتِ ابراہیمی کی اقتدا کرنی چاہے اس پر مندرجہ ذیل امور ہونے لازم ہیں۔ غیرِ حق سے لگاؤ بالکل چھوڑ دے۔ جو چیز حق سے مانع ہو اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ امر قضا و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ نفسِ سرکش سے بقوتِ تمام مقابلہ کرے تاکہ اس کو مغلوب کر لے اور اس کے شر سے محفوظ رہے۔ خلقِ خدا پر شفقت کرے۔ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صداقت، ہمدردی اور انصاف کا برتاؤ کرے۔ آیاتِ قدرت میں غور و خوض کرکے مصنوعات سے صانع کی خالقیت قدرت ارادۂ علمی اور ارادہ کاملہ پہ استدلال کرے۔ اپنے تمام مرغوبات اور خواہشاتِ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ترک کر دے۔ مال، جان، عیش آرام سب راہِ خدا میں قربان کر دے۔ کورانہ تقلید اور ہٹ دھرمی و ضد پیروی نہ کرے۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پہ تکیہ کرکے اعمالِ صالحہ سے

اور نہی عن المنکر کر اپنا شعار بنالے اور بالکل توحید محض اور وحدت صرف کے دریائے بے پایاں میں غرق ہو جائے تاکہ فنا کے مرتبہ سے نکل کر بقا کے مرتبہ میں پہنچ جائے یہی غافل و بن جائے۔ صحبت بد کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اوامر و نواہی کا پابند ہو جائے۔ امر بالمعروف ملت ابراہیمی کے اصول تھے اور یہی شریعت اسلامیہ کا اصل نقطۂ نظر ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

اور کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ راست پاؤ گے (اے محمدؐ) تم کہدو نہیں ہم تو ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلیں گے جو حق کی طرف مائل تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نجران یمن کے نصاریٰ اور مدینہ کے یہودی مثلاً کعب بن اشرف مالک بن صیف و وہب بن یہود اور ابو یاسر بن اخطب وغیرہ میں باہم مخاصمہ ہوا۔ ہر ایک اپنی حقانیت کا دعویدار ہوا۔ ہر فریق نے دوسرے کی تکفیر کی ابن صوریا کہنے لگا کہ ہم لوگ جس مذہب پر ہیں اس کے سوا تمام مذاہب کی بنا گمراہی پر ہے۔ یہی شخص صحابہ سے کہنے لگا کہ تم بھی ہمارے ہی مذہب کو مانو تو ہدایت پاؤ گے۔ اسی طرح نجران کے عیسائی بھی کہنے لگے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بن جاؤ تو تم راہ راست پر آ جاؤ گے اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تم کہدو کہ ہم نہ یہودیوں کا اتباع کر سکتے ہیں نہ عیسائیوں کا۔ ان دونوں فریقوں نے اپنی اپنی کتب کو بگاڑ رکھا ہے۔ اصول مسائل اور بنیادی مباحث میں انھوں نے تحریف کر ڈالی، عقائد خراب کر لیے۔ توحید کی بجائے تثنیہ اور تثلیث کے قائل ہو گئے۔ ہم صرف ملت ابراہیم کا اتباع کرتے ہیں۔ ابراہیم کی ملت کے اصولی و عملی کے ہم پیرو ہیں اور عقائد میں بھی ان ہی سے متفق ہیں کیونکہ ابراہیم نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر لیا تھا۔ غیر اللہ کی پرستش سے منہ موڑ لیا تھا۔ ابراہیم مشرک نہ تھے۔ لہٰذا عقائد اور اصول احکام میں ہم انہی سے متفق ہیں اور تم ان کی ملت حنیفہ سے خارج ہو۔ تم توحید شرک آمیز یا شرک توحید آمیز کے قائل ہو اس لیے ہم تمہارے مذہب کا اتباع نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اصل مدعا کا اظہار کرتا ہے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اصول ایمان کی تعلیم فرماتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

(مسلمانو) تم کہدو ہم تو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور ان احکام پر جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ

وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ

اسحٰق یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اُتارے گئے اور اُس کتاب پر جو موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو

النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَهٗ

اُن کے رب کی طرف سے دی گئی ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے

مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ

فرمانبردار ہیں اب اگر وہ تمہارا سا ایمان لے آویں تو بلاشبہ راہِ حق پر آ گئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰهُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

انحراف کریں تو سمجھ لو کہ یہ صرف ضد کی وجہ سے کرتے ہیں عنقریب اُن پر اللہ تمہارا انتقام لے گا کیونکہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے

تفسیر

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یعنی اے مسلمانو! تم کہہ دو کہ ہم نے خدا کو مان لیا۔ بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے۔ اپنی ذات و صفات میں حق ہے۔ خالق رازق اور مخلوق کو ضرر یا نفع پہنچانے والا ہے۔ وہی اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور ان پر جزا سزا دینے والا ہے۔ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے نہ وہ کسی کی اولاد۔ نہ اس کا کوئی سہیم ہے نہ مثل وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا اور ہم نے اس چیز کو بھی مان لیا اور دل سے سچ جانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی خفی یا وحی جلی کے ذریعہ نازل کی گئی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور ہم کو اُن صحیفوں پر بھی یقین ہے جو حضرت ابراہیم پر نازل کیے گئے تھے اور پھر اسماعیل اسحاق یعقوب اور یعقوب کی نسل پر بھی یعنی مؤخر الذکر تمام انبیاء اور اُن کی اولاد سب صحفِ ابراہیمی پر عمل کرنے کے لیے مکلف بنائی گئی تھی۔ ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ شیخ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل کیے گئے تھے۔ شیخ ابن کثیر بروایت ابوالعالیہ و ربیع و قتادہ کہتے ہیں کہ اسباط سبط کی جمع ہے۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے اور اُن کی نسل ہے کیونکہ حضرت یعقوبؑ کے ہر بیٹے کی اولاد میں ایک کثیر گروہ ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ انبیاء پر جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہمارا سب پر یقین و ایمان ہے۔ اور خصوصاً وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حضرت موسیٰ و عیسیٰ کو جو توریت و انجیل عطا کی گئی تھی ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتابیں آسمانی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے ان کو عطا کی تھیں اور یہ پیغمبر برحق تھے اور فقط اتنا ہی نہیں بلکہ وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ خدا تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کو حق جانتے ہیں خواہ ان کا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ چاہے ان کے نام بھی ہم کو معلوم نہ ہوں۔ لیکن ہم مجمل طریقہ پر سب پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب خدا کے فرستادے اور معصوم تھے۔ مبلغین و رہبر تھے لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ہم ان انبیاء میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں۔ ایک کا اقرار اور دوسرے کی تکفیر کریں۔ ایک کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا جانیں۔ ہم کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی تکذیب نہیں کرتے۔ سب اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اور ان کی شریعت اسی زمانہ میں واجب العمل

تھی۔ حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ توریت، انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ، لیکن قرآن مجید تمہارے لیے (عمل کے واسطے) کافی ہے (رواہ ابن حاتم) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ الوہیت خالص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے۔ اسی نے تمام انبیاء کو اعلانِ توحید کے لیے بھیجا البتہ احکام عملی میں اپنی حکمت و مشیت کے موافق ہر زمانہ میں اختلاف کر دیا تو ہمارے لیے ہمارا مقصود حقیقی تو خدا تعالیٰ کی اطاعت گزاری خالص فرمانبرداری رضا و تسلیم اور اسی کے احکام کی تعمیل ہے۔ ہم اسی کے مخلص و مطیع ہیں۔ اس نے جس زمانہ میں جیسا ہم کو حکم دیا ہم کو سب پر ایمان و یقین ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا اب اگر یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک و کافر اسی چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تمہارا ایمان ہے۔ تمام انبیاء کو حق جانیں، کسی میں باہم تفریق نہ کریں۔ تمام کتب الٰہیہ پر یقین رکھیں۔ قرآن کو سچا جانیں اور محمدؐ کو برحق مانیں، کفر و شرک اور تثنیہ و تثلیث کے قائل نہ ہوں تو یہ بھی یقیناً راہِ راست پر ہو جائیں گے۔ معالم اور تبیان میں بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہی قرأت ہے اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں بھی یہی معنی آئے ہیں۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ اور اگر یہ لوگ اس بات سے اعراض اور روگردانی کریں۔ تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ کو حق نہ جانیں۔ کسی کا اقرار اور کسی کی تکفیر کریں۔ قرآن کو سچا اور محمدؐ کو برحق نہ جانیں تو یہ درحقیقت مخالف ہی ہیں۔ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور صداقت کے دشمن ہیں۔ راہِ مستقیم کو چھوڑ کر کوئی فرقہ گمراہی میں کسی سمت اور شق کو چل رہا ہے اور کوئی کسی سمت کو فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ خدا تعالیٰ عنقریب تم کو ان پر فتح عطا فرمائے گا کیونکہ تمہارے الفاظ اور دعاؤں کو سنتا اور افعال و ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تمہاری کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور تمہاری قولی فعلی اور قلبی سعی برباد نہ ہوگی۔ اس آیت میں مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور کامیابی کی پیشین گوئی کی ہے۔ چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد ہی یہ وعدہ پورا کیا گیا۔ ہجرت کے تیسرے سال فرقہ بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور ملک شام کی جانب نکال دیا گیا اور ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ احزاب سے فراغت پا کر ہتھیار بھی نہ کھولے تھے کہ بنو قریظہ پر جہاد کا حکم ہوا اور تمام یہودی سوائے عورتوں اور بچوں کے مارے گئے اور پھر نجران کے عیسائی بھی مطیع ہو گئے۔

مقصودِ بیان

یہودیت اور عیسائیت دونوں سیدھے راستے نہیں ہیں اور نہ نجات و سعادت کے کفیل ہونے کے اہل ہیں بلکہ ملتِ ابراہیمی ہی ہدایت کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے۔ مسلمان ملتِ ابراہیمی کا اتباع صرف دو امور میں کرتے ہیں (۱) اصولِ احکام اور قواعد میانی یعنی جو اصولِ اعمال اور قواعد احکام حضرت ابراہیمؑ کے مذہب میں تھے وہی شریعت اسلامیہ میں ہیں۔ اس کی طرف لفظ ملۃ اور حنیف سے ایک بلیغ اشارہ کیا گیا ہے (۲) عقائد و ارکان یعنی توحید ذات و صفات اقرارِ قیامت و بعثت جسمانی حساب کتاب جنت و دوزخ عذاب ثواب، تمام انبیاء کی تصدیق وغیرہ یہ عقائد بھی ملت اسلامیہ کے ہیں۔ لہٰذا دینِ ابراہیمی اور مذہب اسلام باہم متحد و متفق ہیں۔ رہا فروعی اختلاف تو یہ ہر زمانہ اور اہلِ زمانہ کے مصالح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہونا لازم ہے اس سے اصول میں اختلاف لازم نہیں آتا۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جن انبیاء کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں آگیا ہے ان کی تصدیق تو تفصیلاً کرے اور جن کا تذکرہ نہیں آیا ہے ان کی صداقت پر اجمالی ایمان رکھے۔ ایک نبی کی تکفیر بھی تمام انبیاء کی تکفیر ہے۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے سے اصل غرض خدا تعالیٰ کی اطاعت گزاری فرمانبرداری ہے۔ اُسی کے احکام کی تعمیل میں اپنا جان مال اولاد تمام اندرونی اور بیرونی قویٰ عقل شہوت اور غضب کو صرف کرنا مقصود ہے۔ نشست و برخاست، خورد و نوش، خواب و بیداری، زندگی اور موت اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر حالت اور ہر وقت

میں وہی ایک خیال پیش نظر رہنا چاہیئے۔ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے آیت کے آخر ٹکڑے میں یہود و نصاریٰ کو تہدید و وعید اور مسلمانوں کی کامیابی و نصرت کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ

(تم کہدو) ہم نے تو اللہ کا رنگ لے لیا اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اُسی کی

لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○

عبادت کرتے ہیں

تفسیر عیسائیوں کا دستور تھا کہ لڑکے کے یوم ولادت سے ساتویں روز اُس کو زرد پانی سے نہلاتے تھے اور ایک رنگین حوض میں غوطہ دیتے تھے۔ اس پانی کو معمودیہ کہتے تھے اور اب بھی یہ پتسمہ کرنے کی رسم جاری ہے۔ عیسائی اس غسل کو نجات و حصولِ سعادت کا ذریعہ جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ آیتِ مذکورہ میں اس کی تردید کرتا ہے۔ ماحصل مطلب یہ ہے کہ یہ تو ایک رسم کی پابندی ہے اور بیہودہ ہے۔ زرد رنگ رنگا تو کیا اور سرخ رنگ رنگا جب کیا سب لاحاصل ہے۔ اصل رنگ تو مقدس دینِ اللہ کی تربیت ہے۔ جس کو اللہ کا رنگا ہوا رنگ کہنا چاہیئے۔ اس مبارک اور پاک رنگ سے بہتر اور کونسا رنگ ہو سکتا ہے۔ ظاہری رنگ سے کپڑا وغیرہ رنگ جاتا ہے اور اس خدائی رنگ سے روح و دل رنگین ہو جاتا ہے۔ اطاعت و توحید کا اثر مسلمان کے رنگ و ریشے اور رونگٹے رونگٹے میں سرایت کر جاتا ہے اور مسلمان کا ریشہ ریشہ اُسی کی عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ رنگ حقیقی ہے جو نجات و سعادت کا کفیل ہو سکتا ہے اور اس سے بے چین روحوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ باقی دنیا کے دیگر رنگ دل اور روح کو رنگین نہیں کر سکتے۔

مقصودِ بیان مسلمان کے ریشے ریشے اور رونگٹے رونگٹے میں محبتِ الٰہی پیوست ہونی چاہیئے اور اس کے بدن و روح کا ذرہ ذرہ عبادتِ الٰہی میں سرگرم رہنا چاہیئے۔ سوائے خدائے قدوس کے کسی کو لائق پرستش نہ سمجھا جائے، دنیا کا ہر کام اور ہر شغل اور ہر خیال محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہونا چاہیئے۔ ظاہر پرستی بے وقعت چیز ہے۔ یہ راہ نجات ہے نہ طریقۂ سعادت۔ مسلمان اور کافر کی ظاہری شکل اگرچہ ایک سی ہے۔ لیکن مسلمان کا باطن اس رنگ فطری سے رنگین ہو جاتا ہے جو ہر وقت اس کو نورِ توحید سے سرشار رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ظاہری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیت و عمل کو دیکھتا ہے۔ وغیرہ۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ

(اے محمد) کہہ دو کیا اللہ کے دین میں ہم سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہمارے کرتوت ہمارے لیے ہیں اور تمہارے کرتوت تمہارے لیے

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اور ہم تو اُنہی کے لیے خالص ہیں کیا تم اس کے قائل ہو کہ ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ

و یعقوب اور اولادِ یعقوب یہودی یا عیسائی تھے (اے محمدؐ) کہہ دو کیا تم (زیادہ) واقف ہو یا اللہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور اس سے بڑھ کر ناحق کوش کون ہے کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اس کو چھپائے اور خدا تمہارے اعمال سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

بے خبر نہیں ہے وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اس کے کرتوت اس کے لیے تھے اور تمہارے کرتوت

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۶

تمہارے لیے تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ ہو گی۔

تفسیر قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ محی السنۃ نے معالم میں اور سیوطی نے تکملہ میں اس آیت کی شانِ نزول یہ تحریر کی ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم کو کتابِ الٰہی یعنی توریت تم سے پہلے ملی ہے اور ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس بھی تمہارے قبلے سے سابق ہے اور ہمیں لوگوں میں انبیاء ہوتے چلے آئے ہیں۔ عرب میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو ہمیں سے ہوتے بنی اسماعیل میں سے نہ ہوتے۔ یہود کے اس خیال کی تردید خدا تعالیٰ پوری آیت میں کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے دریافت کرو کہ تم جو نبوت کو اپنی میراث سمجھے ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ بنی اسرائیل ہی ہونا چاہیے اس کی کیا وجہ اور کیا ثبوت ہے۔ تم فضلِ خدا اور رحمتِ الٰہی کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے ہو۔ یہ کیوں۔ کیا تمہارا خدا سے کوئی رشتہ ہے کہ سوائے تمہاری قوم کے کہیں نبی نہ ہو یا تمہارے اعمال و افعال تم کو نبوت کا مستحق قرار دیے ہوئے ہیں۔ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ خدا کا تم سے کوئی رشتہ یا تعلقِ خصوصی ہے جس نے تم کو مخصوص طور پہ حاملِ نبوت بنا دیا ہے اور ہم اس تعلق سے محروم ہیں۔ اس لیے ہم میں کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو تمہارا یہ گمان غلط ہے۔ خدا جس طرح تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے۔ اس کا کسی مخلوق سے رشتہ نہیں۔ اُس کے نزدیک بحیثیت مخلوق ہونے کے سب بندے برابر ہیں۔ وہ سب کا خالق، محسن، رازق اور پروردگار ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و رحمت سے برگزیدہ فرما دیتا ہے۔ لہٰذا تمام بندے جب اس کی مخلوق ہیں تو سب اسی کے فضل کے امیدوار ہیں۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تمہارے اعمال و افعال ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ تم کو حاملِ نبوت بناتے ہیں تو تمہارے

لیے تمہارے اعمال مفید ہیں اور ہمارے لیے ہمارے اعمال۔ ہم امیدوار ہیں کہ اگر اس کے فضل و رحمت سے ہمارے اعمال مقبول ہوں تو وہ اپنی رحمت سے ہم کو سرفراز فرمائے اور چونکہ تم نے راہِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔ تمہاری اطاعت میں اخلاص اور عقائد میں توحید نہ رہی۔ ظاہر پرستی میں مبتلا ہو کر تم اپنے عقائد و اعمال خراب کر چکے اور ہم اُسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے، نہ اعتقاد میں، نہ اعمال میں۔ پھر تم نے کیوں نبوت کو اپنی میراث سمجھ لیا اور رسالت الٰہی کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ حاصل یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی میں ہم تم دونوں مشترک ہیں اور اعمال میں ہم تم سے بہتر ہیں۔ ہمارے اعمال شرک سے پاک ہیں اور تم توحید شرک آمیز کے قائل ہو۔ ہمارے اعمال میں خلوص و بندگی اور تمہارے اعمال میں ظاہر پرستی۔ پھر کیوں بنی اسرائیل میں نبی ہو اور بنی اسماعیل میں نہ ہو اور فقط یہی نہیں کہ تم ہماری ہدایت اور حقانیت ہی کے منکر ہو۔ بلکہ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تم تو ظاہر حق کے بھی منکر ہو اور ایسی باتیں کرتے ہو جو عقل و نقل کے مخالف ہیں، نہ روایت سے ان کی صحت ثابت ہو سکتی ہے نہ درایت سے تم قائل ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی تمام نسل یا یہودی تھے یا عیسائی۔ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہ سب حضرات یہودی تھے۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ سب عیسائی تھے اور تم سے جب اس کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو کہتے ہو کہ ہم کو اس کا بخوبی علم ہے اور یہ تمام گروہ اسلاف ہم کو نجات دلا دے گا تو قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ اے رسولؐ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ خدا زیادہ عالم ہے، یا تم اور یہ تو یقینی امر ہے کہ خدا ازلی عالم ہے۔ اس لیے اُس نے جو فرمایا ہے وہی حق ہے کہ ابراہیمؑ اور مذکورہ تمام انبیاء موحد تھے۔ یہودیت اور نصرانیت تو دونوں بعد کو پیدا ہوئی اور آخر میں جب یہودیت و عیسائیت میں لوگ تعصب کرنے لگے، فسق و فجور میں پڑ گئے۔ دین کو ایک کھیل بنا لیا۔ تمام راہِ حق اور معارفِ توحید مٹ گئے تو خدا نے اپنے برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا اور اس کی بشارتیں پہلے ہی سے توراۃ و انجیل اور دیگر صحف میں دے دیں۔ تم توریت وغیرہ میں پڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یعنی وہ خاص توحید جس پر ابراہیمؑ تھے اور تم پڑھتے تھے کہ خاتم الانبیاء کے یہ اوصاف و شرف اور یہ حلیہ ہے۔ لیکن تم اس واضح شہادت کو چھپاتے ہو۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ اس شخص سے زیادہ ناحق کوش اور ظالم کون ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس کوئی شہادت واقعی ہو اور وہ اس کا اظہار نہ کرے اور خصوصاً ایسے عظیم الشان رسول اور ایسی والا مرتبت اُمت کے متعلق شہادت جو افضل الخلق ہے اور جس پر کہ حصولِ نجات موقوف ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ تم کو اس بات پر ناز نہ ہونا چاہیے کہ ابراہیم و اسماعیل وغیرہ ہمارے اسلاف تھے وہ ہم کو عذاب سے ہر حالت میں بچا لیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال اور کرتوت سے غافل نہیں ہے۔ وہ خوب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ تم کو تمہارے اعمال کی ضرور سزا دے گا اور گزشتہ انبیاء و صلحاء کے اعمال و افعال تمہارے لیے سودمند نہ ہوں گے۔ دین میں نسب کو دخل نہیں ہے۔ اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ جس شخص کو اس کے اعمال جنت میں نہ لے جائیں گے اس کو اس کا نسب آگے نہ بڑھا سکے گا۔

مقصود بیان

خدا کا کسی سے کوئی خاص رشتہ اور خصوصی تعلق نہیں۔ جو شخص خدا کے سامنے عجز و نیاز اور دلی اخلاص سے پیش آتا ہے وہی محبوب اور رحمتِ الٰہی کا مستحق ہے۔ دین حق درحقیقت اسلام ہے۔ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی نسل والے یہودی اور عیسائی نہ تھے، بلکہ خالص موحد اور مسلم تھے۔ ان حضرات کا اسلام اور ان کی فرمت

اسلامیہ دونوں متحد ہیں۔ تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم اور دیگر پیغام ہائے الٰہی میں رسول اقدس اور حضور کی امت کے متعلق پیشین گوئیاں موجود تھیں اور باوجود ترمیم و تغیر کے اب بھی موجود ہیں۔ شہادت حق کا چھپانا حرام ہے۔ کسی کو دوسرے کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے۔ نہ ایک کا عمل دوسرے کو سود مند ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
سیقول پارہ 2
تفسیر
بیان السبحان
مفسر قرآن علامہ سید عبدالدائم الجلالی
toobaafoundation.com
منیجر وسیم بکڈپو وسیم فائن آرٹ پریس دیوبند یوپی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانْ

کا

پارہ نمبر ۲

سَیَقُوْلُ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط ہرماہ شائع ہورہی ہے

ناظرینِ مولوی کے اصرار پر

بصورتِ پارہ

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بک ڈپو دیوبند

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند۔ یوپی

ضروری اعلان

دین حق کی تبلیغ واشاعت کیلئے عظیم الشان پروگرام

اظہار تشکر

ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ اعلان یہ اعلان کر رہے ہے کہ تفسیر بیان السبحان بحمد للہ تکمیل کو پہونچی جو ۴۲ جزو پر مشتمل ہے۔ اگر مخلص معاونین حضرات اپنا تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پریشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے، کاغذ کی گرانی، بحرانی حد تک بڑھ چکی ہے اور اس پر بھی دستیاب نہیں ہوتا لہذا فوراً قدرے ہدیہ میں اضافہ کرنا پڑا، ۰/6۔ امید ہے کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں درگذر فرمائیں گے

چند گذارشات

(۱) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان کا مجلد / روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 115/- روپیہ ہے علاوہ محصولڈاک (۲) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلد روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے۔ لیکن یہ قیمت علاوہ محصولڈاک کے ہے چار جلدوں میں کمل ہوا ہے ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جزو /۵ روپیہ ہے۔ لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ دیا جائے گا یعنی فی جزو کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ فی پارہ دیا جائیگا۔ لیکن علاوہ محصولڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی، پی، جو جاویگی وہ -/۵ روپے میں بھیجی جاویگی مع محصول ڈاک کے دو پاروں کی وی، پی 7/0 روپیہ تین پاروں کی وی، پی -/۱۰ روپیہ اور چار پاروں کی وی، پی -/13 روپیہ اور پانچ پاروں کی وی پی 15/50 میں بھیجی جائیگی۔ یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصول ڈاک کے ہے۔ اور اب مجلد کی قیمت یعنی پاروں کی وی، پی -/31 مع محصولڈاک کے بھیجی جائے گی۔ مجلد پانچ پاروں کی وی، پی 17/50 کی ہو گی۔ بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس سے انتیس پاروں تک ہر پارے کے دو جزو ہیں۔ اور تیس پارہ چار جزو ہیں۔ اس لئے ۲۶ تا ۳۰ تک ۱۴ جزوں کی جلد بنائی جائے گی۔ آخر کی جلد کا ہدیہ 37/50 روپیہ ہے۔

نوٹ

بحمد للہ فتاوی عالمگیری کے ۲۲ جزو طبع ہو چکے ہیں۔ ان کا ہدیہ بھی حسب بالا ہو گا۔ جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے وہ پیش کی جائیں گی۔ فی جزو فتاوی عالمگیری کا 6/0 روپیہ کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجران کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ علاوہ محصول ڈاک کے دیا جائیگا۔ وی، پی، -/۴/۰ روپیہ مع محصولڈاک کے جاوے گی دو پاروں کی وی، پی 7/0 روپیہ تین کی -/۱۰ روپیہ چار جزو کی 13/0 روپیہ اور پانچ جزو کی -/15 غیر مجلد کی قیمت اور مجلد دس پاروں کی 31/0 روپیہ مع محصول ڈاک کے بھیجی جاویگی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ "عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے"۔ ابن کثیر کے نزدیک بیوقوفوں سے مشرکین عرب مراد ہیں (الزجاج) ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس سے پڑھے لکھے یہودی مراد ہیں۔ سدی کے قول کے بموجب منافق مراد ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ سفہاء سے مراد اہل کتاب ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ سفہاء سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ سب کے حق میں آیت کا حکم عام ہے۔ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا۔ یعنی عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے مسلمان لوگ بیت المقدس سے کیوں پھر گئے۔ مطلب یہ کہ بیوقوف لوگ رازِ الٰہی سے واقف نہیں، نہ خاصانِ خدا پر ان کا اعتقاد ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر یہ لوگ اعتراض کریں گے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ تم ان سے کہہ دو کہ مشرق و مغرب جنوب و شمال سب جہتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں (سدی) ان سب کا بغیر کسی خصوصیت کے مالک ہے۔ اس کی ذاتی خصوصیت کسی خاص مقام سے نہیں ہر جگہ اور ہر سمت اس کے لیے یکساں ہے۔ ہر مقام پر اس کی جلوہ پاشی اور ضیا فگنی ہے۔ ہاں کسی مصلحت و راز کی وجہ سے کسی ایک جہت کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص فرما دیتا ہے اور يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ جس شخص کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے اور سیدھا راستہ بتاتا ہے بلکہ مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور انہیں میں سے صحابہ ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(اے امت محمدیہ) اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم اور لوگوں کے مقابلہ میں (بروزِ قیامت) گواہ بنو

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

اور تمہارے رسول تمہاری صداقت کے گواہ بنیں

تفسیر وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اے مسلمانو! جس طرح ہم نے تم کو راہِ راست کی ہدایت کی اور تمہارے قبلہ کو افضل بنایا اسی طرح تم کو تمام امتوں میں افضل اور عادل بنایا (سیوطی)۔ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ (۱) ہم نے تم کو افضل و عادل اس لیے بنایا تاکہ ہر امر خیر میں تم لوگوں کے ہادی اور رہبر بنو۔ جس بات کو تم اچھا یا بُرا کہو اس میں تم خدا تعالیٰ کی طرف سے گواہ مانے جاؤ اور رسول تمہارا ہادی اور رہبر بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی کے قلب پر القاء کرے، تم خود اس کی تعمیل کرو اور دوسروں کو اس کی تعلیم دو (۲) اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے تم کو تمام امتوں سے افضل و برتر اس لیے بنایا تاکہ تم لوگوں میں قیامت کے دن گواہ ہو اور رسول تمہارے گواہ ہوں۔ امام احمد نے بروایت ابو سعید خدری بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوحؑ کو بُلا کر دریافت کیا جائے گا۔ کیا تم نے احکامِ الٰہی کی تبلیغ کر دی تھی؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے جی ہاں۔ پھر حضرت نوحؑ کی امت کو بُلایا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم کو احکامِ الٰہی پہنچائے گئے تھے؟ امتِ نوح کہے گی ہمارے پاس تو کوئی عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اس وقت حضرت نوحؑ سے خطاب ہو گا کہ تمہاری گواہی کون دے سکتا ہے؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے محمدؐ اور ان کی امت۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرما کر آیت

مذکورہ تلاوت کی اور فرمایا اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ تم لوگ حضرت نوح کے گواہ ہو گے اور میں تمہارا گواہ ہوں گا۔ (بخاری ترمذی ابن ماجہ نسائی) حضرت جابر بن عبد اللہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں اور میری امت سب خلق پر مطلع ہوں گے اور ہر شخص جو ہمارے پاس آئے گا اور جس پیغمبر کی امت نے اس کی تکذیب کی ہو گی اس کے واسطے ہم ہی گواہی دیں گے کہ اس نے پیغمبر رب کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا (ابن کثیر)

حاصل روایات یہ ہے کہ قیامت کے دن سب اگلے پچھلے لوگ میدان میں جمع ہوں گے تو ہر امت کے کافر طبقے سے کہا جائے گا کیا تم کو کسی نے احکام الٰہی کی تبلیغ نہیں کی تھی؟ وہ سب کہیں گے ما جاءنا من بشیر ولا نذیر۔ پھر ان منکرین انبیاء سے مطالبہ کیا جائے گا اور بطور اتمام حجت حکم ہوگا کہ اپنے گواہ لاؤ۔ تمام انبیاء امت محمدی کو گواہی میں پیش کریں گے۔ کافر کہیں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے بعد آئے تھے ان کو ہماری حالت کا کس طرح علم ہو سکتا ہے یہ غلط کہتے ہیں۔ امت محمدیہ عرض کرے گی کہ ہم کو اس کا علم خدا کی کتاب یعنی قرآن سے ہوا ہے اس کے بعد حضور پاک سے امت کی حالت دیانت کی جانچ کی جائے گی تو حضور اپنی امت کی عدالت اور صدق کی گواہی دیں گے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رؤسائے یہود نے حضرت معاذ سے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس سارے نبیوں کا قبلہ تھا۔ یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم تمام فرقوں میں برتر اور ہر امت سے افضل ہیں لیکن اب انہوں نے ہمارے مقدس قبلہ کو حسد اور بغض کی وجہ کو چھوڑ دیا ہے۔ حسد کی وجہ سے قبول نہ فرمایا۔ تم کو بزرگی کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے اس کی تصدیق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی ہے۔

مقصود بیان

تمام انبیاء بھائی بھائی ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کا مؤید و مصلح ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کو حضرت ابراہیمؑ سے ایک اصلی اور دوامی خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے اس کعبہ کو خلاف طبیعت کے کرامات سے تعبیر کیا۔ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی جہت مکان اور جگہ مخصوص نہیں۔ لیکن بعض مقامات خصوصیت کے ساتھ مظاہر ہیں تو ادھر جانا ہو قدر قیمت ہیں اور ان کا علم صرف ہدایت الٰہی سے ہوتا ہے۔ تمام عادل آمر بالخیر اور نہی عن المنکر تھے۔ ان سب کی ہدایت اور تعلیم واجب العمل ہے۔ ان کی تعلیم و تبلیغ رسول اللہ صلعم کی ہدایت وارشاد کا پرتو اور ظل ہے۔ اجماع صحابہ حجت قطعی ہے کیونکہ جس امر پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو جائے اگر وہ امر باطل اور خلاف حق ہو تو عدالت صحابہ میں رخنہ لازم آئے گا اور چونکہ صحابہ کا عادل ہونا قطعی ہے لہٰذا جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو جائے۔ وہ بھی یقینی اور قطعی اصل ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کے لیے ثقہ لوگوں کی تصدیق ہونی چاہیئے۔ ایک پوشیدہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قاضی کو بغیر شہادت کے محض اپنے علم پر فیصلہ نہ کرنا چاہیئے۔ مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت دعویٰ کے لیے گواہ پیش کرے۔ قاضی کسی گواہ کے بیان پر جرح نہیں کر سکتا۔ مدعا علیہ کو جرح کا حق ہے۔ گواہ کو شہادت کے لیے معائنہ یا تفصیل معائنہ ضروری نہیں بلکہ اگر اس کو یقینی خبر معلوم ہو خواہ اس کا معائنہ نہ ہو تب بھی گواہی دے سکتا ہے۔ احکام الٰہی میں قوت واہمہ کو دخل دینا اور چون و چرا کرنا بے وقوفوں یعنی غیر مسلموں کا کام ہے اور جن کو نور فطرت سے کچھ روشنی حاصل ہے وہ چون و چرا نہیں کرتے وغیرہ۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

(اے محمد) جس قبلہ پر آپ قائم تھے اس کو قبلہ بنانے سے ہماری صرف یہ غرض تھی کہ رسول کی پیروی کرنے والے اور ایڑیوں کے

يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ

بل لوٹ جانے والے نمایاں ہوجائیں یہ بات اگرچہ شاق گزری مگر ان لوگوں پر شاق نہیں گزری جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے

تفسیر یہ آیت یَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ کا تتمہ اور تفسیر ہے اور تحویل قبلہ کے ایک مخفی راز کا اظہار ہے۔ مطلب یہ کہ چند روز بیت المقدس (قبلہ) کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا سر یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہوجائے۔ کیونکہ جو لوگ صادق الیقین اور سچے جان نثار ہیں اور دل سے رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے ہیں وہ بلاخوف و تردد حضورؐ کے حکم کو قبول کرلیتے ہیں۔ خواہ اُن کے رسم خاندانی اور حمیت قومی کے خلاف ہی ہو اور جو لوگ رواج خاندان اور تقلید آباء اور تعصب ملی و قومی میں گرفتار ہیں وہ نکتہ چینیاں کرتے اور راہِ راست سے کجروی اختیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنے اور پھر اُس کو چھوڑ کر اصلی قبلہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے سے مقصود یہ ہے کہ ہم کو دونوں فرقوں میں امتیاز ہوجائے (سیوطی) یعنی ایسا علم ہوجائے جس پر ثواب یا عذاب دیا جاسکے۔ کیونکہ ویسے تو خدا تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کے اعتبار سے ہر چیز کا علم ہے لیکن اس پر ثواب عذاب مترتب نہیں بلکہ ثواب عذاب اس علم ظہوری پر مترتب ہے جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً یعنی اپنے شعائرِ مذہبی، رواجِ ملی اور رسم قومی کو چھوڑنا اگرچہ بہت بھاری بات ہے۔ یہ امر بہت دشوار ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے رسم و رواج اور مسلماتِ مذہبی کو ترک کردیا جائے لیکن إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے راہِ راست بتادی یا مقصودِ اصلی میں کامیاب کرنا چاہا اور جہالت کے پردے ان کے دلوں سے دور کردیئے اُن کے لیے یہ کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ اطاعتِ رسول کو اپنے ملکی اور ملی رواجوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ ذیل روایت تحریر کی ہے۔ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا رات (یعنی کل زوال کے بعد) حضور اقدسؐ پر قرآن کی ایک آیت نازل ہوئی ہے جس میں حضور کو کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے کعبہ کی طرف مُنہ کرلیئے۔ ترمذی اور مسلم کی روایت میں ہے کہ مسجد قبا والے صحابہ رکوع میں تھے اور اسی ہیئت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

مقصود بیان جو لوگ ازلی شقی ہیں نورِ فطرت سے اُن کے دل محروم ہیں اُن کو احکامِ شریعت میں تردد و شک اور گرانی ہوتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو توفیقِ الٰہی سے روشنیٔ ایمان حاصل ہے اور دلوں پر جہالت و گمراہی کے پردے نہیں پڑے ہیں وہ احکامِ شریعت کی تعمیل میں کوئی دشواری اور ثقل محسوس نہیں کرتے۔ ہر رسم و رواج کو مرضی الٰہی پر قربان کردیتے ہیں۔ صحابۂ کرام رسول اللہ صلعم کے اتباع اور فرمانبرداری میں نہایت ثابت قدم اور راسخ العقیدہ تھے۔ حضور صلعم کا ہر فعل اُن کے لیے واجب تقلید تھا اور وہ حضور کے ہر قول و فعل پر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہوجاتے تھے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ

اور اللہ تمہارا ایمان اکارت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اللہ لوگوں پر یقیناً شفیق و مہربان ہے

تفسیر

حیی بن اخطب اور دیگر یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شک ڈالنے کے لیے دریافت کیا کہ تم لوگ جو نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے ہو وہ ہدایت پر مبنی تھی یا گمراہی تھی۔ اول الذکر صورت میں تو تم نے اس کو ترک کر دیا اور بالآخر گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور موخر الذکر تقدیر پر تم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا اور تم میں سے جو مسلمان اس زمانہ میں مر گئے جبکہ تم لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو وہ گمراہی پر مرے۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ درحقیقت ہدایت و گمراہی کا معیار حکم خدا کی تعمیل اور عدم تعمیل ہے۔ ہدایت وہی ہے جس کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا اور گمراہی وہ جس کی خدا نے ممانعت فرمائی۔ یہ خاموش کن جواب سن کر شیطان کہنے لگے کہ اچھا تمہارے پاس اُن لوگوں کی نجات و ہدایت کے متعلق کیا ثبوت موجود ہے جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ ہی میں مر گئے ہیں (یعنی اسعد بن زرارہ، ابو امامہ، براء بن معرور وغیرہ) یہ اعتراض سن کر مذکورہ شہداء کے رشتہ دار اور اہلِ قرابت حضور اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ حضور کو خدا تعالیٰ نے قبلہ ابراہیمی کی طرف پھر جانے کا حکم دیا۔ لیکن ہمارے اُن بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اُسی زمانہ میں اُن کا انتقال ہو گیا اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جو پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھ چکے ہو اور رسول اللہ کے حکم کا تم نے اتباع کیا ہے ثانی قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے خدا تعالیٰ اس پہلی عبادت کو ضائع اور برباد نہیں فرمائے گا بلکہ اس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا۔ خدا نے ہی تم کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ تم نافرمانی اور سرکشی سے باز رہے۔ خصوصاً تحویلِ قبلہ میں نکتہ چینیاں کر کے تم نے ایمان کو زائل نہیں کیا یہ تم پر فضل الٰہی ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ خدا تعالیٰ تم پر بڑا مہربان و شفیق ہے کہ تم کو ایمان خالص اور اتباع کامل کی توفیق عطا فرمائی اور تم تحویلِ قبلہ پر کوئی خوردہ گیری نہ کر سکے۔

مقصودِ بیان

خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تعمیلِ احکام اور فرمانبرداری کرنے والے مستحقِ ثواب ہیں۔ ایمان کا جزوِ اعظم نماز ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی رحمت و شفقت سے انسان کی بہتری اور سعادت و فلاح چاہتا ہے۔ لیکن انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کے اسباب تیار کرتا ہے۔ وغیرہ

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ

تمہارا آسمان کی طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنا ہم دیکھ رہے ہیں لہٰذا جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اُسی کی طرف اپنا رُخ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

پھیر لیا کرو اور (مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو اُسی کی طرف اپنا رُخ کر لیا کرو۔

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور اہل کتاب بلاشبہ خوب واقف ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ) اُن کے پروردگار کی طرف سے یقیناً

رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

برحق ہے اور اللہ اُن کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر اکثر مفسرین قائل ہیں کہ یہ آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے لیکن معنی میں مقدم ہے، کیونکہ یہی شروع قصہ ہے۔ **واقعۂ نزول** یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا انتہائی شوق تھا اور حضور روالا وحی کے انتظار میں بار بار مُنھ کو آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے۔ گویا قلب مبارک میں یہ توقع اور اُمید تھی کہ خدا تعالیٰ مجھ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیدے گا اور حضور کا یہ شوق علاوہ مصالح تبلیغی کے اس امر پر بھی مبنی تھا کہ کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے سب سے پُرانا قبلہ ہے اور حضور روالا کو اس کی طرف انتہائی رغبت تھی اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی لیکن تفسیر ابن کثیر میں شانِ نزول کو دوسرے الفاظ میں قدرے تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ہجرت کے بعد جب مدینہ تشریف لائے اور مدینہ کے باشندے اکثر یہود تھے تو خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھیں۔ یہودی اس سے بہت خوش ہوئے اور حضورؐ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منھ کرکے نماز پڑھی لیکن حضورؐ کی دل سے خواہش یہی تھی کہ میرا قبلہ وہی ہو جو قبلۂ ابراہیمی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے اور آسمان کی طرف انتظار وحی میں بار بار نظر اُٹھاتے تھے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ یعنی ہم آپ کے اظہارِ رغبت کو جانتے تھے جو ترقی مراتب کی وجہ سے بیت الحرام کو قبلہ بنانے کے متعلق تھی۔ اگرچہ ادب وتہذیب سے صراحۃً اس کا سوال نہ تھا۔ لہٰذا ہم تم کو اس قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دئے دیتے ہیں جس کی طرف تم کو رغبت ہے۔ اب تم مسجد حرام یعنی اس مسجد کی طرف اپنا رُخ پھیر لو جہاں قتل وگناہ، اور قصاص وخونریزی حرام ہے اور جو خدا کے نزدیک نہایت محترم ومعظم ہے۔ اس سے آگے عام امت کو حکم دیا جاتا ہے وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ یعنی کچھ مکہ اور نواحِ مکہ کی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تم جس جگہ اور جہاں کہیں ہو اور فرض نماز پڑھنی چاہو تو کعبہ کی طرف منھ کرلیا کرو۔ اس سے آگے یہودیوں کو متنبہ کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ یعنی تحویلِ قبلہ کے متعلق یہودی جو کچھ اعتراض کرتے ہیں یہ اُن کی محض حق پوشی اور باطل کوشی ہے، کیونکہ روایات نسلی کی بنا پر یہود خوب واقف تھے کہ قبلۂ ابراہیمی افضل اور برحق ہے اور قبلۂ ابراہیمی کی طرف نماز پڑھنی اور بیت المقدس کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہونا ان کی کتابوں میں موجود ہے اور بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہونا بھی اُن کے علم میں ہے۔ بغض وعناد سے تحویل پر اعتراض کرنا ان کی حق پوشی کو ظاہر کرتا ہے۔

سدی کے نزدیک اہل کتاب سے یہودی مراد ہیں اور کتاب سے تورات۔ لیکن دوسرے علماء نے اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں فرقے مراد لیے ہیں اور کتاب بھی تورات وانجیل دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ دونوں کی کتابوں میں قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت، بیت المقدس کا نسخ اور رسول اللہ کے جامع القبلتین ہونے کا بیان موجود ہے اور معترض بھی دونوں فرقے ہی تھے۔ اس سے آگے یہودیوں کو زجر کی جاتی ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ یعنی خدا ان کی مکاری اور دھوکہ بازی سے غافل نہیں۔ اس کو ان فتنہ انگیزیوں کا بخوبی علم ہے۔ ضرور اُن کو اس کا بدلا دے گا۔

مقصودِ بیان

آیت قَدْ نَرٰی میں رسولِ گرامی کے ادبِ نفس اور تہذیبِ قلبی کی طرف ایک خاص اشارہ ہے کہ حضورؐ والا اپنی زبان سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں فرماتے تھے اور کمالِ ادب کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں تحویلِ قبلہ کی درخواست نہیں کرتے تھے بلکہ امیدوارانہ اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ مزید برآں آیت سے حضورؐ کی عظمتِ شان اور علوِ مرتبہ کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ آپ کی خواہش مرضیٔ الٰہی کے مطابق واقع ہوئی اور قلبِ مبارک میں وہی بات پیدا ہوئی جو ارادۂ الٰہی میں تھی اور مصالحِ اسلامی جس کے اندر مضمر تھے۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہتِ کعبہ کی طرف رُخ کرنا کافی ہے۔ جس شخص کی نظر کے سامنے کعبہ موجود نہ ہو اس کے لیے بالکل سیدھ اور محاذات بخطِ مستقیم ضرور نہیں بلکہ کعبہ کی سمت نماز پڑھتے وقت منہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن سفر کے دوران میں سواری پر نفلیں پڑھنی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں رسول اللہ صلعم اور آپ کی اُمت کے اوصاف اخلاق قبلۂ ابراہیمی کی تفضیلت اور حضور صلعم کی جامع القبلتین ہونا مذکور تھا۔ لیکن یہود محض عناد و حسد اور تعصبِ ملی کی بنا پر تحویلِ قبلہ پر معترض تھے۔ خدا سے افعالِ عباد مخفی نہیں اور نہ وہ انسانوں کے حرکات سے ناواقف ہے۔ وغیرہ

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ

(اے محمدؐ) اگر تم اہلِ کتاب کے سامنے ساری دلیلیں پیش کرو گے تب بھی وہ تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے اور تم

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

بھی ان کے قبلہ کو ماننے والے نہیں اور اُن میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور اگر اس علم کے بعد

اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

جو انہیں پہنچا ہے تم ان کی خواہشوں پر چلے تو ایسی حالت میں تم بھی بلاشبہ ظالموں

الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

میں سے ہو گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو

اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْھُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

پہچانتے ہیں مگر اُن میں سے کچھ لوگ دانستہ حق کو چھپاتے ہیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ع

حق بات وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔

تفسیر حضور اقدس صلعم کو مخالفین کے حق پر آنے کی انتہائی آرزو تھی کہ یہ کسی طرح گمراہی سے نکل کر ہدایت پر آجائیں خواہ معجزات کو دیکھ کر ہی ہو۔ لیکن چونکہ اہل کتاب شقی ازلی تھے اور اس شقاوت باطنی کی وجہ سے وہ عدو انکار سے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلعم کو اغوا کرنے اور بیت المقدس کی طرف حضورؐ کو دوبارہ پھیرنے کے لیے طرح طرح کی دماغ آرائی اور دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ اگر ہمارے قبلہ کی طرف آپ نماز پڑھتے رہتے تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کے دین کو سچا سمجھتے۔ لیکن اب تو ہم آپ پر ایمان نہیں لاسکتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ اگر بالفرض آپ اُن کو ہر قسم کے معجزات دکھا دیں گے اور تحویل قبلہ کی ہر دلیل و حجت اُن کے سامنے پیش کر دیں گے تب بھی یہ آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ کے قبلہ کو مانیں گے۔ یعنی صدق نبوت اور قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت کو جانتے ہوئے یہ لوگ صرف تعصب دلی اور رسم قومی سے کعبہ کے منکر ہیں۔ اُن کے سامنے کتنے ہی دلائل و براہین بیان کیے جائیں لیکن وہ ہرگز نہیں مانیں گے وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور نہ آپ اُن کے قبلہ کو مان سکتے ہیں۔ یعنی آپ کو بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہ کرنا چاہیئے۔

بعض مفسرین نے ان آیات کا اور مطلب بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ اُن کے سامنے تمام معجزات و دلائل ظاہر کر دیں گے تب بھی یہ آپ کے قول و فعل اور مرضی کو نہیں مانیں گے۔ نہ توحید شرک آمیز سے باز آئیں گے۔ نہ اقرار نبوت و تصدیق رسالت اور اتباع احکام الٰہی کریں گے۔ لہٰذا آپ بھی ان کے دعا کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور نہ ان کو ہدایت کرنے کی آرزو کیجئے۔ کیونکہ ان کو آپ سے ہی تعصب نہیں کہ آپ کے قبلہ ہی سے کورانہ انکار کرتے ہوں بلکہ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ان کی ضد و کد اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا نہ دوسرے کے مذہب و ملت کی تصدیق کرتا ہے۔ یہود نصاریٰ کی تکفیر کرتے ہیں اور عیسائی یہود کو کافر جانتے ہیں۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بیت اللحم یعنی جائے پیدائش مسیح یروشلم کے شرقی جانب ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یہ گذشتہ ممانعت کی تاکید ہے۔ یعنی آپ کو ہرگز ان کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن بالفرض اگر آپ اُن کی خواہشات و ہوا پرستیوں کے تابع ہوں گے تو بُرا کریں گے اور خود اپنا نقصان کریں گے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلعم کو ہے۔ لیکن چونکہ رسول اللہ معصوم اور ہر گناہ سے محفوظ تھے۔ اس لیے باحسن اسلوب افراد امت کو غیر مسلموں کی متابعت اور ان کی ہوا پرستیوں کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کو جو پہلے یہودی عالم تھے اور پھر مسلمان ہو چکے تھے یہ آیت سُنائی تو حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے جواب دیا۔ بیشک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی تعریف توریت میں موجود ہے۔ بلکہ مجھ کو اپنے بیٹے کے بیٹے ہونے میں شک ممکن ہے کیونکہ عورتوں کا واقعی حال خدا جانے۔ کیا معلوم کہ خوہر کی عدم موجودگی میں اُن سے کیا حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے رسول ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ خدا کی بتائی ہوئی علامات سب کی سب حضورؐ میں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بصیرت کوش اور حق پرست اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہی وہ رسول اللہ ہیں جن کا حال گزشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے (زمخشری، بیضاوی، بغوی) یا حق پرست اہل کتاب محمد صلعم کی

حقانیت نبوت کو پہچانتے ہیں (مجاہد و قتادہ) مطلب یہ ہے کہ حق پرست اہل کتاب جانتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلعم لائے ہیں وہ حق ہے اور خدا کی طرف سے ہے (ابن کثیر) حاصل یہ ہے کہ صحیح عقل والے اہل کتاب رسول اللہ کی ذات یا نبوت یا حقانیت اسلام پر بالکل اسی طرح یقین رکھتے ہیں جیسا اپنی اولاد کے اولاد ہونے کو جانتے ہیں۔

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ لیکن انہی میں سے علماء کا ایک گروہ تو عمداً جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں ان کو کتب الٰہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی عربی کے یہ صفات ہوں گے لیکن وہ دانستہ کتمانِ حق کرتے ہیں۔ مگر ان کی اس حق پوشی سے کیا ہوتا ہے کیونکہ اَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ کیونکہ حق تو وہی ہے جس کو خدا ظاہر کرتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا تم کو قطعاً حقانیت میں شک نہ کرنا چاہیئے اور نہ شکی دماغ رکھنے والوں کی تقلید کرنی چاہیئے (یہ تعلیم درحقیقت اُمتِ محمدیہ کو ہے)۔

کل آیات کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انصاف پسند اور حق پرست اہلِ کتاب تو تم کو کچھ الزام دیں گے نہیں۔ کیونکہ اول تمہارا کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا پھر چند مہینے بیت المقدس کا قبلہ ہونا پھر بدستور کعبہ کا قبلہ ہو جانا سب کچھ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تحریر کے موافق ہے۔ اہل ظالم ضدی اور سرکش کافر جن کو حق و ناحق سے کچھ سروکار نہیں خواہ مخواہ الزام دینے سے کام ہے وہ تو کسی صورت میں اب بھی الزام دینے سے نہ چوکیں گے۔ لیکن ان کا عدم وجود عند اللہ برابر ہے۔ ان کی کسی لغویات کا اعتبار کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اُن کے کسی قول کو باعثِ شک انگیزی نہ خیال کرنا چاہیئے۔

مقصود بیان جو لوگ فطری اور جبلّی گمراہی میں گرفتار ہیں وہ کسی طرح راہِ روشن پر نہیں آسکتے خواہ ان کو تمام معجزات و دلائلِ واضحہ دکھا دیئے جائیں۔ ان کی سرشت میں ہواپرستی خواہشات کی غلامی اور بندگیٔ شہوت ہے۔ نہ ان کا کوئی منصوص قبلہ ہے۔ نہ خوشنودیٔ خدا مطلوب ہے بلکہ اتباعِ نفس اصلی غرض ہے اسی لیے انہوں نے الگ الگ قبلے مقرر کر رکھے ہیں۔ کسی مسلمان کو امورِ دین اور اصلاحِ عقائد و اعمال میں کسی غیر مسلم کی کورانہ اتباع نہ کرنا چاہیئے۔ تمام غیر مسلم صرف توہمات میں مبتلا ہیں اور ان کے قول و فعل کی بنا ر خیال آرائی اور الفاظ تراشی پر ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم وحیِ حق اور الہامِ صادق پر مبنی ہے۔ جو لوگ سعید روحیں رکھتے ہیں اور اُن کے حواس و مشاعر چراغِ فطرت سے روشن ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آفتابِ اسلام کی روشنی سے ضرور ضیا اندوز ہوتے ہیں اور جو انسان کور باطن اور تاریک حواس والے ہیں اور صحیح وجدانیات نہیں رکھتے ان کو علم حقیقت کی روشنی سے بھی کوئی حاصل نہیں۔ اندھے کو باوجود علم آفتاب کے سورج کی روشنی سے کیا فائدہ۔ کسی مسلمان کو شریعت کے کسی حکم میں شک و تردد نہ کرنا چاہیئے۔ شک و تردد موجبِ کفر ہے۔ وغیرہ

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ

ہر ایک کا ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو تم جہاں کہیں ہوگے اللہ تعالیٰ تم کو ایک

اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

جگہ جمع کر لے گا بلاشبہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں اتباعِ اہلِ کتاب سے ممانعت کی گئی تھی۔ اس آیت میں اس کی تائید ہے اور یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جب امرِ حق دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہو جائے تو پھر اس میں کسی کی مخالفت یا موافقت کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کوئی انسان تمام اولادِ آدم کو کسی دنیوی امر میں بھی متفق الرائے اور متحد الخیال نہیں کر سکتا۔ پھر دینی امور میں کس طرح سب ایک نقطہ پر جمع ہو سکتے ہیں۔ ہر شخص کا عقیدہ میلِ قلبی اور رُجحانِ خاطر خداداد ہوتا ہے۔ لہٰذا متفق الرائے کرنے کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور دوسروں کی استمالت و خوشنودئ مزاج کے لیے عقیدہ صحیحہ اور اعمالِ حقہ کی قربانی نہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ ہر شخص اور ہر قوم کا رُخ علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ہے۔ تم سب کو متحد الخیال بنانے کی کوشش فضول نہ کرو بلکہ جو نیکیاں تمہیں مقصودِ اصلی ہیں اُن کے اختیار و حصول کی کوشش کرو۔ استقبالِ کعبہ میں اگر یہ لوگ مخالف ہیں تو ہونے دو۔ کیونکہ استقبالِ کعبہ مقصود بالذات نہیں بلکہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے جانچنے کا معیار ہے لیکن سب کا مقصود اس سے یہی ہے کہ حکم کی فرمانبرداری کی جائے لہٰذا اس میں جھگڑا اور مخالفت مناسب نہیں اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رسول ہیں اور آپ کی دعوت تمام مخلوق کے لیے عام ہے اس لیے جو قبلہ آپ کا ہے وہی تمام عالم کا قبلہ ہونا چاہیئے اور یہی فرمان پذیری اور عصیان کیشی کی کسوٹی ہے۔ اس قبلہ سے انحراف بیکار ہے۔ قبلہ مقصود یہی نہیں ہے بلکہ اصل مدعا تو مرضیاتِ الٰہی اور طاعات ہیں۔ لہٰذا اس میں تردد و شک بیجا ہے۔ بلکہ نیکیاں جہاں پاؤ کماؤ۔

ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ہر مذہب و ملت والے کا ایک قبلہ ہے جس کی جانب وہ اپنا رُخ کرتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قبلہ وہی ہے جس طرف مسلمان متوجہ ہیں۔

ابوالعالیہ نے یہ معنی بیان کئے کہ یہود کے لیے ایک جدا قبلہ ہے اور نصرانیوں کا علیحدہ قبلہ ہے لیکن اے امتِ محمدی خدا نے تم کو ایک خاص قبلہ کی ہدایت کی ہے اور یہی حقیقی قبلہ ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی وغیرہ نے بھی اسی مطلب کی تائید کی ہے۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔ یعنی یہ اختلافِ جہات اور باہمی تفرقہ تو اسی عالم میں ہے۔ ورنہ آخرت میں تو سب کو ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع کر کے لے آئے گا۔ تم مجتمع الاجزاء ہو یا متفرق الاجزاء آسمانی فضا میں تمہارے ذرات پھیلے ہوئے ہوں یا زمین کی تہہ میں منتشر ہوں پہاڑ کی چوٹی پر ہوں یا قعرِ سمندر کے اندر بہرحال خدا تعالیٰ تم کو حشر میں اکٹھا کرے گا اس وقت سب کا قبلہ ایک ہی ہوگا۔ یعنی ذاتِ خداوندی ہی سب کا قبلۂ اُمید اور مرجعِ اعمال ہوگی اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جب ذرات مادی قعرِ سمندر اور فضائے آسمانی میں منتشر ہو جائیں گے اور ان کی صورتِ نوعیہ بالکل تبدیل ہو جائے گی تو پھر خدا تعالیٰ اُن کو کس طرح جمع کر سکتا ہے۔ کیونکہ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ خدا بلاشک و شبہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی چیز اس کے دائرۂ قدرت سے خارج نہیں لہٰذا اس کی توحید و الوہیت پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔

مقصودِ بیان

امرِ حق کے ثبوت و وضاحت کے بعد کسی کی مخالفت کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہر ایک قوم بلکہ ہر مذہب و ملت والے کا قبلہ جداگانہ ہے لیکن قبلہ درحقیقت قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ اصل مقصود نیکی کا حصول اور بدی سے اجتناب ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ بعث جسمانی حشر اجساد اجتماع فی الحشر حساب کتاب سزا و جزا برحق ہے۔ وغیرہ

چند اسرار

آیات مذکورۂ بالا کا جو اصلی مدعا تھا وہ تو ہم سطور بالا میں تحریر کر چکے۔ ذیل میں آیاتِ محولہ کا چند اسرار لکھتے ہیں جن کو نورِ عرفان رکھنے والے انسان اگر مقصودِ بیان سے تعبیر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص جہت ہے یعنی ہر روح کے واسطے وجوداتِ اور حقیقتِ صفات کی طرف جدا جدا راستے اور طریقے ہیں اور ہر روح کا علیحدہ علیحدہ قبلہ ہے۔ ارواحِ قدسیہ کی توجہ عین العیان یعنی خالص ذات کی طرف رہتی ہے اور ارواحِ جلالیہ کا قبلہ خالص صفات ہیں اور ارواح دیگرہ کا رُخ عین القدم کی طرف ہوتا ہے اور ارواحِ بقائیہ یعنی وہ ارواح جو خود فنا ہو کر بقائے قدم سے باقی ہیں۔ ان کا مرکزِ توجہ عین الابد ہے اور ارواحِ شائقہ انوارِ مشاہدہ کے مشتاق ہیں۔ شوق سے بھری ہوئی روحوں کی توجہ مشاہدۂ انوار پر رہتی ہے اور ارواحِ موانسہ کے لیے جاذبِ توجہ حسن الصفات ہے اور ارواحِ روحانیہ کا قبلہ غیب کے باغات ہیں۔

اب ان میں سے ہر روح کی توجہ کا نقطہ علیحدہ ہے اگرچہ تمام ارواح روحانیہ اپنے قبلہ کی طرف قصد کرتی اور الوہیت و صمدیت کے مقام کی طرف کشش رکھتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہر ایک کا مطلع جدا ہے۔ بعض روحیں از خود رفتہ ہیں (والہات) بعض شوق سے لبریز ہیں (شائقہ) بعض انس سے پُر ہیں (مونسہ) بعض عاشق ہیں۔ بعض اپنی ہستی سے فنا ہیں (فانیہ) اور بعض فنا ہو کر بقائے قدم سے باقی ہیں (باقیہ) بعض نشۂ عشق میں سرمست ہیں اور ادبِ الٰہی کے مقامات مشاہدات اور معائنات کے کشف کے خوف سے اور غیب کے علوم سے باادب ہو کر خوفناک و بیہوش ہیں (ساکرہ) اور بعض اگرچہ شوق و جذب کے نشہ سے فنائے ہستی کر چکے ہیں لیکن بقائے قدم سے باقی رہ کر دوبارہ ہوش میں آگئے ہیں۔ اگرچہ یہ ہوش اپنا ہوش نہیں ہے بلکہ ہوش بالقدم ہے (صاحیہ) لہٰذا ان سب کے مطامح اور مراکزِ توجہ جب جدا جدا ہیں تو تم کو توحید و تجرید کی استعانت سے سب سے اعلیٰ مقام فنا کی طرف دوڑنا چاہیئے اور وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کیونکہ اہلِ معرفت کی تمام ارواح جن کو عالمِ صفات کی سیر میسر ہوئی ہے وہ ازلی تقدیر کے موافق ضرور حضورِ الٰہی میں پہنچ گئیں اور خدا تعالیٰ سب کو شرفِ حضور عطا فرمائے گا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا آگے بڑھنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو مقامِ استقامت سے بھی بہرہ اندوز کر سکتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ

اور (اے محمدؐ) جہاں کہیں سے تم نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کرو کیونکہ یہی

لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

بات تمہارے رب کی طرف سے یقینی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور (اے محمدؐ) تم جہاں کہیں سے نکلو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

(نماز میں) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف رکھنا اور (مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنا رُخ اسی کی

شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

طرف رکھنا تاکہ لوگوں کا تم پر کوئی الزام قائم نہ رہے مگر اُن میں سے جو لوگ ناحق کوشش

مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ

ان میں سے سو تم ان سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور تاکہ میں تم کو اپنی نعمت پوری دوں

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

اور تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے تین بار ذکر فرمایا۔ ایک مرتبہ فَوَلِّ وَجْهَكَ الخ اور پھر ذکر کر دیا گیا۔ دوسری بار تیسری مرتبہ اس آیت میں ذکر کیا۔ یہ تکرار بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کے تین وجوہ ہیں۔

(۱) پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے تعمیم احوال مراد ہے۔ یعنی ہر حالت میں نماز قبلۂ ابراہیمی کی جانب پڑھنی چاہیے۔ دوسری بار ذکر کرنے سے تعمیم مکان کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر جگہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا لازم ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ اقامت کی صورت ہو یا سیر کی۔ وطن ہو یا غیر وطن۔ تیسری بار ذکر کرنے سے تعمیم زمانہ مقصود ہے یعنی ہر زمانہ میں صبح و شام ظہر عصر زمانہ امن ہو یا زمانۂ جہاد بہر حال سمتِ قبلہ ضروری ہے۔

(۲) تحویلِ قبلہ ایک عظیم الشان حکم تھا اور ابن عباس رضؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ احکامِ اسلامی میں سب سے اول بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم منسوخ ہوا ہے تو جب یہ حکم ناسخ سب سے پہلی مرتبہ ذکر کیا گیا تو دل میں خیالات و اوہام کا اثر پڑنا فطرتِ بشری کے مقتضا میں داخل تھا اور یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ حکم دائمی نہ ہو عارضی ہو چند روز کے بعد پھر بیت المقدس ہی قبلہ قرار پائے۔ اسی بنا پر بہت سے اشخاص کو ایک حیرت ہو گئی اور وہ اشتباہ و شبہ میں پڑ گئے۔ لیکن جن کو خدا تعالیٰ نے قلبِ سلیم عطا کیا تھا اور نورِ معرفت نے ان کے مشاعر وجدانیہ کو روشن کر رکھا تھا ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل پر یقینِ کامل تھا مگر پھر بھی اہلِ کتاب کا اغوا اور ضلالت انگیزی کا سلسلہ برابر جاری تھا اس لیے دوبارہ دہی پہلا حکم دیا تاکہ اہلِ کتاب کا فتنہ فرو ہو جائے اور ظاہر ہو جائے کہ یہ حکم ازلی ہے اور گزشتہ کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ کوئی امرِ عجیب یا خرقِ عادت نہیں ہے۔ لیکن اگر کمزور دماغ اور متزلزل ایمان رکھنے والوں کو پھر بھی امرِ قبلہ میں کوئی خلجان باقی رہ گیا ہو تو اس کے ازالے کے لیے تیسری مرتبہ (۳) حکم دیا تاکہ حتمی صورت میں تحویلِ قبلہ کا حکم ظاہر ہو جائے اور اہلِ کتاب کو قطعاً مایوسی ہو جائے کہ اب یہ نبی ہمارے قبلہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔

(۳) خدا تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا ذکر تین آیات میں فرمایا۔ لیکن ہر مرتبہ اس کی علت علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ذکر کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دینے کی مختلف علتیں اور مصالح ہیں۔ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور انتہائی خواہش پوری کرنے کے لیے اور شانِ رسالت کے اکرام و تعظیم کے مظاہرہ کے لیے فرمایا قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ دوسری مرتبہ اپنی عادت اور قانونِ فطرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا اور اس کے ضمن میں نسخ کو مشروع کیا اور ملتِ محمدیہ کے لیے سہولت مہیا فرمائی اور غیب کی خبر دی کہ گزشتہ کتابوں میں بھی یہ حکم مذکور ہے کوئی امر عجیب نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ ذکر کرنے کی علت یہ بیان کی کہ مسلمانوں پر تکمیل نعمت ہو جائے اور مخالفین کے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے اور اہلِ کتاب جلن کرتے تھے کہ جس نبی کا گذشتہ کتابوں میں ذکر ہے وہ تو قبلۂ ابراہیمی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے گا اور محمد چونکہ بیت المقدس

کی سمت نماز پڑھتے ہیں اس لیے یہ وہ نبی نہیں ہو سکتے جن کی بشارت دی گئی ہے۔ تیسری بار ذکر کرنے سے اُن کے طعن کی بیخ کنی اور ان
کا ازالہ مقصود ہے اور اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ کتابوں میں جس نبی کا ذکر ہے کہ وہ جامع القبلتین ہوگا وہ یہی نبی ہے اب
شک وشبہ کی بالکل گنجائش باقی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین کی بے جا حجت کا استیصال ہو گیا۔ مشرکین کہتے تھے کہ محمد اتباعِ ابراہیمی
کے تو مدعی ہیں لیکن قبلۂ ابراہیمی کو چھوڑ کر قبلۂ اہلِ کتاب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم قبلۂ ابراہیمی کی طرف
رُخ رکھو (بیضاوی) امام فخرالدین رازی نے اس تکرارِ حکم کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم اس شخص کے لیے ہے جو مکہ میں کعبہ کے پاس موجود
ہو اور دوسرا حکم اس کے لیے ہے جو مکہ میں تو ہو لیکن کعبہ سے غیر حاضر ہو اور تیسرا حکم مکہ سے باہر والوں کے لیے ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اول حکم اس
شخص کے لیے ہے جو مکہ میں ہو خواہ کعبہ کے پاس ہو یا نہ ہو اور دوسرا حکم غیر ممالک والوں کے لیے ہے اور تیسرا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو سفر میں
ہوں وغیرہ۔

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یعنی بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ پھیرنا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔ کسی قسم کے شک وشبہ کی
اس میں گنجائش نہیں ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ تمہارے اعمال وافعال سے ناواقف نہیں ہے۔ تم کو تمہارے اعمال
کا ثواب عظیم عنایت فرمائے گا۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی تم جہاں اور جس جگہ سے نکلو اور کہیں کو جاؤ اپنا
رُخ کعبہ کی طرف نماز میں رکھو وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اور جہاں کہیں ہو جس شہر میں ہو جس ملک میں ہو سفر میں ہو حضر
میں ہو بہرحال تم سب استقبالِ کعبہ کرو لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تاکہ لوگوں کو تم پر کعبہ کے متعلق یا صحت نبوت میں نکتہ چینی اور
خوردہ گیری کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ ابن کثیر کے نزدیک لِلنَّاسِ سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین عرب
دونوں فرقے مراد ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلۂ ابراہیمی کی طرف توجہ کی تو اہلِ کتاب کہنے لگے کہ محمد عنقریب ہمارے دین کی
طرف بھی رجوع کر لیں گے جس طرح ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کر لیا۔ یہی قول مجاہد، عطاء، ضحاک، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس کا ہے۔
اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ہاں جو لوگ ظالم ہیں، حق پوشی اور باطل کوشی کرتے ہیں وہ تو بہرحال جھگڑا کیے جائیں گے۔ لیکن تم کو اس فضول مکابرے
اور مجادلے سے اور جھگڑے کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ یعنی تم کو ان کے طعنوں کا خوف نہ کرنا چاہیے اور نہ اس بات
سے ڈرنا چاہیے کہ یہ تم کو حج وطواف نہ کرنے دیں گے بلکہ میری فرماں پذیری مدنظر رکھو اور نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ میں ہی نصرت وامداد پر قادر
ہوں میں تم کو اُن پر غالب کر دوں گا۔

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ لہٰذا تم کو مجھی سے خوف کرنا چاہیے تاکہ میں تمہاری امداد کروں اور اپنی نعمت مکمل طور پر تم کو عطا کروں۔
محی السنۃ نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے تکمیل نعمت صرف داخلۂ جنت سے ہوگی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں نعمتِ کاملہ
یہ ہے کہ اسلام پر ہی خاتمہ ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اور اس لیے بھی تم کو مجھی سے خوف کرنا چاہیے تاکہ راہِ راست تم کو مل جائے اور جس معاملہ
میں دوسری قومیں کجراہ یا گمراہ ہیں تم اس ضلالت سے بچ جاؤ۔

مقصودِ بیان

تحویلِ قبلہ کا بار بار حکم۔ سفر حضر وطن اور غیر وطن اقامت وسیر میں صبح وشام دوپہر سہ پہر ہر وقت کعبہ کی طرف نماز
میں رُخ کرنے کا ارشاد۔ اعدائے اسلام کی کمزور دلائل کا ابطال۔ اس امر کی تصریح کہ جن سرکش انسانوں کے پاس
مقابلہ اور مناظرہ کے وقت کوئی دلیل نہیں باقی رہتی وہ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ لیکن ان کا جھگڑا بے سود ہے۔ اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ

سکتا۔ غیر اللہ سے خوف کرنے کی ممانعت اور صرف واحد قدوس سے ڈرنے کا حکم۔ مسلمانوں کو تکمیل نعمت کرنے کے بعد منت کش بنانا آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی ہدایت اور تربیت اخلاق کے لیے تمام ضروری ذرائع مہیا کرتا ہے۔ لیکن انسان اپنے اعمال سے خود ہلاک ہوتا ہے۔ وغیرہ

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

(یہ بھی ایسا ہی احسان ہے) جیسا کہ ہم نے تمہارے لیے تمہارے ہی لوگوں میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو ہماری آیات تمہارے سامنے پڑھ کر سناتا ہے اور تم

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ فَاذْكُرُوْنِيْٓ

کو پاک صاف بناتا ہے اور تم کو قرآن و شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور جن باتوں سے تم ناواقف تھے وہ تم کو سکھاتا ہے لہٰذا تم میری یاد میں لگے رہو

اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ ۱۸ ع

میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو

تفسیر مخالفین نے اعتراض کیا تھا کہ شریعت محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے جس طرح کہ قبلہ منسوخ ہو گیا۔ اس شبہ کا ازالہ خداوند تعالیٰ نے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے مُّهْتَدُوْنَ تک کر دیا اور چونکہ تحویل قبلہ کو ایک نعمت قرار دیا اس لیے اس کے ساتھ دوسری نعمت کی بھی یاد دہانی کی كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح کعبہ کو قبلہ بنا کر ہم نے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کی اسی طرح یہ بھی ہمارا عظیم الشان اور عدیم النظیر احسان ہے کہ ایک عالی مرتبہ رسول کو تمہارے لیے مبعوث فرمایا اور تمہاری قوم میں سے ہی اس کو پیدا کیا یعنی اگرچہ تمام انبیاء اولادِ اسرائیل سے ہوتے چلے آئے ہیں اور نبوت و حکومت دونوں بطور وراثت بنی اسرائیل میں رہی ہیں لیکن اب ہماری عنایت تمہارے حال پر مبذول ہوئی اور نبی مکرم کو ہم نے تمہاری قوم میں سے پیدا کیا اور اس نبی نے تمہاری سعادت اور نجاتِ ابدی کے واسطے ہر ممکن ذریعہ مہیا کیے اول تو یہ کہ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وہ تمہارے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ جو جو نشانیاں توراۃ میں بیان کی گئی ہیں وہ ان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کی زبان حق شریعت ہے۔ وہ تم کو ہدایت کرتا اور حق و باطل کا فرق دکھاتا ہے وَيُزَكِّيْكُمْ دوسرے یہ کہ تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق کرتا ہے۔ نجاست بت پرستی، کفر، یہودیت اور شرک و نصرانیت سے تم کو پاک کرتا ہے وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور تیسرے یہ کہ تمام نجاستوں اور کثافتوں سے پاک صاف کر کے تم کو زیور اخلاق سے آراستہ کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہے۔ خدا شناسی اور دانائی کی حقیقت سکھاتا ہے۔ تمہارے اخلاق پاکیزہ، عادات مستقیم کرتا اور اقوال و افعال و اطوار میں راستی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خود مجسمۂ اخلاق بن کر تم کو بھی پیکر تہذیب بناتا ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور بالآخر تمہاری ہدایت تجلیہ تزکیہ اور تحلیہ کر کے تم کو ایسی چیز سکھاتا ہے جس کا تم کو علم نہ تھا۔ ان تمام [illegible] سے تم کو روشن کر دیتا ہے۔ لہٰذا مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب میں نے تم کو ایسے نبی کے وجود گرامی سے سرفراز کیا جس سے تم کو سعادتِ دارین حاصل ہوئی تو تمہارا فرض ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ میری

یاد کرو، زبان سے میری تسبیح تحمید تہلیل تکبیر کرو اور کتاب کی تلاوت کیے جاؤ۔ اپنے تمام لطائف باطنیہ اور اندرونی قویٰ کو میری طرف متوجہ رکھو اور اتنی محویت حاصل کرو کہ اپنے نفوس کو بھی بھول جاؤ۔ نیز اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو میرے اوامر و نواہی پر کاربند رہنے میں معروف رکھو۔ اَذْكُرْكُمْ اگر تم ایسا کرو گے تو میں بھی تم کو ثواب عطا کروں گا۔ اپنا نور تقدس تم پر فائز کروں گا، اپنی رحمت تم پر نازل کروں گا اور اپنے قرب میں تم کو جگہ عنایت کروں گا۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور میری ان تمام نعمات کا زبان دل اور اعضاء سے شکریہ ادا کرو۔ عصیان کوشی اور نافرمانی کر کے کفران نعمت نہ کرو۔

مقصود بیان مومنین کو ذکر شکر اور تفکر کی ہدایت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور علو مرتبہ کا اظہار۔ مومنین کو اس کی طرف اشارہ اس بات کی طرف ایک خاص تلمیح کہ نبی کا مبعوث کرنا انسانوں پر خدا تعالیٰ کا مخصوص احسان ہے اگر انبیاء نہ ہوتے تو انسان کو ہدایت حاصل نہ ہوتی۔ آیات میں اس بات کی طرف بھی ایک لطیف کنایہ ہے کہ انسان کو پہلے اپنے نور عقل اور چشم بصیرت سے باطل و حق میں امتیاز کرنا چاہیے۔ پھر باطل پرستی کی تمام نجاستوں اور کثافتوں کو آئینۂ دل سے صاف کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد قرآن و حدیث کا اتباع کر کے روح کی جلا کرنی لازم ہے تاکہ آخر میں نور معرفت اور آفتاب احدیت کے قبول پرتو سے وہ منور ہو جائے۔ گویا یہ انسان کی تربیت روحانی کے تدریجی مراتب ہیں کہ پہلے انسان گمراہی کو چھوڑتا ہے۔ ممنوعات اور امور منکرہ سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ پھر اسوۂ حسنہ اور اخلاق فاضلہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتا ہے اور بالآخر اس کا اصل مدعا یعنی آفتاب قدس کی جلوہ ریزی اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب والے بھی سعادت روحانی حاصل کر سکتے ہیں۔ یا مسلمان شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی شاہد قدم سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ یہ صراحتہً گمراہی ہے۔ کوئی شخص بغیر اتباع قرآن و حدیث کے فلاح و سعادت نہیں پا سکتا اور نہ اس کے دل پر نور معرفت کی ضیا پاشی ہو سکتی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

مسلمانو! (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد لو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کیا تھا اور اپنے اس خصوصی احسان کا ذکر فرمایا تھا جو بعثت رسول کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور پھر اس پر شکر کرنے اور کفران نعمت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اتباع اور امر و نواہی کی پابندی بغیر تکلیف برداشت کیے اور بدون نفسانی و مالی قربانی کے مکمل طور پر نہیں ہو سکتی اور اس قسم کے بار گراں کو برداشت کرنے کے لیے کوئی سہارا بھی ہونا چاہیے جس کی اعانت سے اس بار گراں کا تحمل آسان ہو جائے اور قوم و ملت کی عزت برقرار رہے، اس لیے آیت مذکورہ میں صبر و صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! صبر کرو۔ جو امر الٰہی ہیں ان کو بجا لاؤ اگرچہ تم کو ان کے ادا کرنے میں بڑی بھاری مشقت اور درد و تکلیف برداشت کرنی پڑے۔ خواہشات نفسانی کو روک کر عفت حاصل کرو۔ فضول چیزوں کی خواہش ترک کر کے زہد و قناعت اختیار کرو اور انتقام سے اپنی طبیعت روک کر صفت حلم پیدا کرو۔ راز داری اور متانت کو حاصل کر کے

پیاس اور مرغوبات نفس کے ترک کا اپنے کو خوگر بناؤ اور نماز بھی ادا کرو، اس سے بندہ کو خدا سے تقرب ہو جاتا ہے، روح منور ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے گناہ سے انسان کنارہ کش ہونے لگتا ہے۔ یہی باتیں تم کو اطاعت رسول کا پابند بنا دیں گی اور انہی کی مدد سے احکام شریعت پر قائم ہو جاؤ گے۔ صبر و صلوٰۃ کے متعلق ہم ذیل میں چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے آیت کے مفہوم کی تاکید ہوتی ہے
ابن کثیر کا قول ہے کہ بندہ کو اگر نعمت الٰہی ملے تو شکر کرنا چاہیے نہ ملے تو صبر ضروری ہے اور نماز تمام خصائل خیر خصوصاً ذکر شکر اور صبر کو جامع ہے حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی عجب حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے جو حکم جاری فرماتا ہے اس میں اس کی بہتری ہی ہوتی ہے اب اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر کیا تو اس کو ثواب ملے گا اور اگر خلاف مرضی کوئی بات پیش آئی اور اس نے صبر کیا تب بھی ثواب ملے گا۔
حدیث میں نماز کو معراج المومنین فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مہم درپیش ہوتی تو بہت جلد نماز کی طرف رجوع فرماتے۔
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یہ گزشتہ کلام کی علت ہے۔ یعنی اے مسلمانو! صبر و صلوٰۃ سے دفع مصیبت اور حصول عافیت کے طالب ہو کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ جو لوگ جہاد بدنی اور مقابلہ نفسانی کرتے ہیں، اعدائے ظاہر و باطن کے دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے نفس کو ان چیزوں سے روکتے ہیں جو نفس پر شاق گزرتی ہیں خواہ اوامر کی پابندی ہو یا نواہی سے اجتناب بہرحال خدا کی توفیق ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ خدا ان کو دارین میں کامیاب کرتا ہے۔

مقصودِ بیان

آیت میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ کفار سے جہاد کرنے کی بہ نسبت نفسانی مجاہدہ بہت سخت ہے اطاعات الٰہی کو بجا لانا اور ممنوعات سے پرہیز رکھنا جہاد اکبر ہے اسی مفہوم کو لفظ صبر و صلوٰۃ سے ادا کیا گیا۔ آیت کا منصوصہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ جو شخص کوشش کرتا ہے قوت شہوانی و غضبی کو زیر کر کے عقل سے کام لیتا ہے خدا اس کو کامیاب کرتا ہے ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسب اور تحمل مشقت کامیابی کی کنجی ہے۔ دنیوی مقاصد ہوں یا دینی قربانی کے بغیر کسی مقصود کا حصول نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جائیں اُن کو مُردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے ہو۔

تفسیر

جنگ بدر میں چودہ مسلمان جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے شہید ہو گئے۔ لوگوں نے ان کا نام لیکر کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شخص مر گئے اور دنیوی نعمتیں ان سے چھوٹ گئیں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (معالم) گزشتہ آیت میں جہاد اکبر یعنی صبر و صلوٰۃ کا حکم تھا اس آیت میں شہداء کی اخروی کامیابی بیان کرتے ہوئے جہاد اکبر یعنی مقابلہ کفار کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں، قرب الٰہی ان کو حاصل ہے۔ عرش رحمٰن کے نیچے ان کے مسکن ہیں۔ جو مراتب ان کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں ہو سکتے۔ چونکہ ان کو اس قسم کی حیات ابدی حاصل ہے تو در حقیقت زندگی انہی کی زندگی ہے۔ ہاں کفار و مشرکین جن کی روحوں کو مرنے کے بعد عذاب دیا جاتا ہے اور طرح طرح کی تکالیف ان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں مردہ در حقیقت یہ ہیں اور انہی کو میت کہا جا سکتا ہے کیونکہ دنیوی عیش و آرام اور راحت و آسائش بھی چھوٹی اور آخرت میں بھی چین نصیب نہ ہوا۔ باقی جن لوگوں کو اس فانی عیش کے بعد نعمت غیر لازوال زندگی اور جلوۂ قدرت کی ضیا اندوزی حاصل ہوئی وہ مردہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اور کہا گیا ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یعنی درحقیقت شہداء زندہ ہیں۔ عالم برزخ میں ان کو پیکر نورانی اور باسِ قدسی عطا ہوتا ہے۔ یہ قرآن کی آیت نص ہے اور واضح ہو کہ یہ امر
ہے۔ لیکن ان کی حیاتِ جاودانی کو تمہاری یہ آنکھیں اور یہ حواس محسوس نہیں کر سکتے جو اجسامِ کثیفہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اور اس
سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔

مقصودِ بیان شہداء کی حیاتِ جاودانی کی تصریح، اس امر کی تصریح کہ اس مادی زندگی سے برتر ایک اور لازوال زندگی ہے
جو شہداء کو میسر ہے۔ شہداء کی حیاتِ ابدی کا احساس و شعور ان کثیف حواس سے نہیں ہو سکتا کیونکہ علت
و نور میں بُعدِ بعید ہے۔ جہادِ اکبر و اصغر کی ترغیب، نورِ معرفت حاصل کرنے اور عشق کی تلوار سے اپنے نفس کی قربانی کرنے کی طرف اشارہ۔ شہداء
(خواہ بدنی ہوں یا نفسانی) کے واسطے ہر قسم کی عزت، نعمت، آرام، عیش، تقربِ الٰہی اور نورِ قدس کے حصول کا اعلان۔ وغیرہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور یقیناً ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالی و جانی نقصان اور پھلوں کی کمی (کی تکلیف سے) تمہاری آزمائش

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

کریں گے اور (اے محبوب) ایسے صابر لوگوں کو خوشخبری سنا دو کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ

ہم تو بلاشبہ اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف بالآخر جانے والے ہیں انہی لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

صد آفریں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں صبر کا حکم اور اس کے نتائج و فوائد بیان کیے گئے تھے۔ یہاں اطلاع دی جاتی ہے کہ ضرور تم کو دولت سے
بے بہرہ کیا جائے گا اور تم کو طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑیں گے۔ یہ پیش گوئی اور آئندہ کے متعلق خبر اس
لیے دی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو تسکینِ خاطر اور اطمینان حاصل ہو جائے تاکہ آئندہ مصائب کے برداشت کرنے کے لیے وہ دلیری اور جرأت
کے ساتھ تیار ہو جائیں اور ثبات سے ان کے قدم نہ ڈگمگانے پائیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

صفا اور مروہ خدا کی طرف سے دو ادب گاہ مقرر ہیں لہٰذا جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے ان دونوں کے چکر لگانے

أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص اپنے شوق سے کوئی نیک کام کرے تو بیشک خدا قبول کرنے والا باخبر ہے

تفسیر آیتِ متصلہ میں صبر و صابرین کی مدح اور آزمائشِ الٰہی کا ذکر تھا یہاں صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے کا ذکر کرنے سے اس طرف ایک مخفی اشارہ کیا گیا ہے کہ فقط یہ امتحان اور صبر کرنے کا حکم تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ پہلے پہلے اولوالعزم انبیاء اور عارفین اس امتحان میں مبتلا کیے گئے اور انھوں نے مصائب پر صبر کیا اس لیے ان کے مراتب و درجات اس قدر بلند کیے کہ ان کے تعمیر کردہ مکان اور دیگر معمولی مقامات بھی اُن کے نام کے لگنے کی وجہ سے اس قدر متبرک ہو گئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص امتیاز عطا فرما دیا یاد کرو حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی گئی نوجوان اکیلا بیٹا اسمٰعیلؑ اُن سے جدا کر کے ایک لق و دق بیابان میں ڈال دیا گیا۔ اسمٰعیلؑ کی والدہ ہاجرہؑ کو تنہائی اور بھوک پیاس تپشِ آفتاب کی تکلیف دی گئی۔ لیکن چونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا اس لیے خدا تعالیٰ نے انہی کی بدولت معمولی پہاڑیوں کو جن کا نام صفا و مروہ تھا ایسی برکت اور عظمت عطا فرمائی کہ ان کے درمیان طواف کرنے کو اپنی عبادت کے شعائر اور مخصوص علامات میں داخل کر لیا۔

جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو بحکمِ الٰہی حضرت خلیل اللہ اس لق و دق بیابان اور خشک میدان میں چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہاجرہ کی مشک کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے سے بیقرار ہو کر خدا کی طرف ملتجی ہوئیں اور اسی حالتِ اضطراب میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اُس پہاڑی پر ظہورِ رحمتِ الٰہی کی اُمید میں گھومتی رہیں تو اس وقت خدا تعالیٰ نے ہاجرہ کی دعا قبول فرمائی اور فرشتہ نے آواز دی ہاجرہ تجلی رحمت کا ظہور ہو گیا۔ تیرے اور تیرے بچے کے لیے خدا نے چشمہ جاری کر دیا جو بھوک و پیاس دونوں سے بے غم کر دے گا۔ اسی وقت سے یہ جگہ محلِ اجابت قرار پائی۔ دورِ جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بُت رکھے تھے۔ ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔ اساف دیوتا تھا اور نائلہ دیوی۔ اہلِ عرب حج تو ابتداہی سے کرتے چلے آئے لیکن جہالت و کفر کی وجہ سے کچھ غلطیاں کرنے لگے تھے۔ توحید کی بجائے کعبہ کے اندر شرک کرنے لگے تھے۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے تھے اور حضرت ہاجرہ کی گویا نقل کرتے تھے لیکن دورانِ سعی میں اساف و نائلہ کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا اور تمام بُت توڑ دیئے گئے تو اساف و نائلہ کو بھی توڑ دیا گیا۔ لیکن چونکہ صفا و مروہ کے درمیان اہلِ جاہلیت دوڑ کر میں دوڑا کرتے تھے، اس لیے مسلمان اس سعی کو کرنے سے جھجکے تو آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ کوہ صفا و مروہ عبادتِ الٰہی کے مخصوص نشانات اور امتیازی آداب گاہوں میں سے ہیں جس طرح کعبہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ اور تمام مساجد خدا کی عبادت کے مقامات ہیں۔ اسی طرح صفا و مروہ کی پہاڑیاں بھی عبادتِ الٰہی کے مخصوص مقامات ہیں۔ ان مقاماتِ مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اور اجابتِ دعا کے لیے ان مقامات میں طواف کرنا چاہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔ تو ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں بدستور ثواب کا کام ہے۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی نیکی ہے اور جو شخص بلا جبر و اکراہ اپنی خوشی اور رغبتِ خاطر سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے ثواب کو رائیگاں نہیں فرماتا بلکہ

اس کو قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ خدا تعالیٰ بندوں کی نیکیوں کا قدردان بھی ہے اور ان کے اعمال سے واقف بھی ہے ایسا نہیں ہے کہ کسی کے اعمال کی اس کو اطلاع نہ ہو یا اطلاع ہو لیکن وہ قدردانی نہ کرے اور اعمال کا ثواب عطا نہ فرمائے۔

مقصودِ بیان بعض مقامات مخصوص طور پر تجلی گاہِ رحمت ہیں، جن میں سے صفا و مروہ بھی ہیں۔ ان میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگانی ضروری ہے۔ خواہ واجب ہو یا رکن۔ نیکی وہی معتبر ہے جو بخوشی خاطر اور دلی رغبت سے ہو۔ جبر و اکراہ اور زبردستی کی نیکی غیر مقبول ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کے اعمال رائیگاں نہیں فرماتا ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے خارج بھی نہیں ہے۔

اسرار و نکات گزشتہ کتبِ الٰہی میں ایک پیشین گوئی درج ہے کہ جَاءَ اللّٰهُ مِنْ سِينَا وَاسْتَعْلَنَ بِسَاعِيرَ وَاَشْرَقَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ یعنی نورِ الٰہی موسیٰؑ کے زمانہ میں وادیٔ سینا سے نکلا اور حضرت عیسیٰ کے عہد میں کوہ ساعیر سے ظاہر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فاران کی پہاڑیوں یعنی صفا و مروہ وغیرہ سے طلوع ہوا۔ آیت مذکورہ میں لفظ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ سے اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ صرف ظاہری دوڑ لگانی اور طواف کرنا کافی نہیں ہے بلکہ حاجی کو چاہیئے کہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے وقت مشاہدہ کے نور میں مستغرق ہو کر قدرتِ الٰہی کی روشنی کا مطالعہ کرے اور دونوں پر نظر ڈال کر بشریت کی کدورتوں سے پاک ہو جائے۔ صفاءِ معرفت کے ساتھ ساتھ اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہو اور جس طرح بیت اللہ کا حجاب حرم ہے اور حرم کا حجاب مکہ ہے اور مکہ کا حجاب یہ پہاڑیاں ہیں اور جب تک ان سب پردوں کو طے نہ کیا جائے کعبہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح خیمہ حضوری تک ملکوت و جبروت کے ہزاروں پردے ہیں۔ جب تک ان کو طے نہ کیا جائے بارگاہِ قدس میں حضور نہیں ہو سکتا۔ الخ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

جو لوگ اُن کھلی نشانیوں کو اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں جو ہم کتاب (توریت) میں نازل کر چکے ہیں باوجودیکہ ہم اُن لوگوں کے سامنے

بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝

کتاب (توریت) میں کھول کر بیان کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور (تمام عالم کے) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی حالت درست کر لی اور صاف صاف بیان کر دیا ان کی خطاؤں کو میں معاف کر دوں گا کیونکہ میں بڑا معاف کرنے والا مہربان ہوں

تفسیر جب براہین و دلائل سے یہود و نصاریٰ کے شکوک کا ازالہ کر دیا گیا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور مخالفین کو ترہیب آمیز عبارت میں نصیحت کی جاتی ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن ابو العالیہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ مطلق اہلِ کتاب کے حق میں اتری ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس میں داخل ہیں اگرچہ یہود اس مذمت کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ ان کی کتابیں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف زیادہ مشرح تھے اور فاران کے پہاڑوں کے فضائل مفصل لکھے تھے لیکن یہ

یہ ہے کہ آیت کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو حق کو چھپاتا ہو کیونکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے خصوص سبب کا نہیں۔
آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین شریعت او مناقب اوصاف تمام کتب انبیاء میں مذکور ہیں۔ فاران کی
پہاڑیوں کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں اولاد اسماعیل پر فضل و رحمت کا وعدہ کتب سابقہ میں شرح بیان کر دیا
گیا ہے مگر اہل کتاب ان تمام روایات اور بشارات کو چھپاتے ہیں اور عام جاہلوں کو شکوک و شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور بہودی واضح کو
آیات و روایات پر پردہ ڈالتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس فعل کے مرتکب ہیں أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ان پر خدا کی اور تمام
عالم کی لعنت ہے۔ فرشتے، جنات، آدمی، چرند، پرند اور درند سب کی ان پر لعنت برستی ہے۔ دنیا میں بھی ان کو رسوائی، ذلت اور بے برکتی
نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی وہ نجات سے محروم ہوں گے۔
اللّٰعِنُوْنَ سے مراد ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کے نزدیک ملائکہ اور مومنین ہیں۔ ابن عطیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے
لیکن ابن عباس کے قول کے موافق جن و انس کے علاوہ اور مخلوق مراد ہے۔
مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین پر خشک سالی ہوتی ہے تو مویشی کہتے ہیں کہ یہ آدمیوں کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ نافرمانوں پہ
لعنت کرے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض مخلوق کی لعنت بزبانِ حال ہوتی ہے اور بعض کی بزبانِ مقال۔ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا
یہ گزشتہ کلام کی استثناء ہے یعنی ہاں جن لوگوں نے شرک، کفر، بدعت اور کتمانِ حق وغیرہ سے توبہ کر لی۔ دل سے حق کی طرف رجوع کر لیا، اعمالِ صالحہ سے
اپنے نفس کی اصلاح کر لی اور تائید توبہ کے لیے پھر ان امور کو علی الاعلان بیان بھی کر دیا جن کو پہلے مخفی رکھتے تھے اور امانتِ الٰہی کو ظاہر کر دیا تو فَاُولٰٓئِكَ
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ایسے لوگوں کو خدا بھی معاف فرما دیتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے
ان کی گزشتہ بداعمالیوں پر نظر نہیں فرماتا ہے بلکہ اپنے عفو و مغفرت کے پانی سے اُن کی گزشتہ بدکاریاں دھو ڈالتا ہے۔
پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ آیات قدرت کو چھپانے والے فطری گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے فطرتِ الٰہی کا

مقصودِ بیان

ہر ذرہ ان پر لعنت کرتا ہے۔ کتمانِ حق حرام ہے۔ جو شخص فیصلۂ الٰہی اور حکم شرعی کو چھپاتا ہے وہ وعید کا مستحق ہے۔
توحیدِ الٰہی، بعثتِ انبیاء اور دیگر آیاتِ رشد فطری چیزیں ہیں جو بالکل واضح طور پر خدا نے بیان کر دی ہیں۔ ان کا چھپانا قانونِ فطرت کی خلاف
ورزی کرنا ہے۔ وغیرہ
دوسری آیت میں تبلیغ و ہدایت کو ایک لطیف پہلو سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ شرک و
بدعت کو چھوڑ کر اعمال کی بھی اصلاح لازم ہے اور جو گزشتہ قصور ہو گئے ہوں ان کا بالکل استیصال ضروری ہے اور ایسے امور کے اظہار کرنے کی
ضرورت ہے جن سے توبہ کا عملی مظاہرہ ہو اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔
ایک امر یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف مذاہب کے مذہبی لیڈر اگر سچے دل سے توبہ کر لیں اور صالح اعمال کے ساتھ ساتھ اپنی گزشتہ
غلطیوں کا اعتراف کر لیں تو ان کی توبہ مقبول ہے، خواہ اس سے قبل ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہو۔ گویا آیت میں درس
مساوات اور اخوتِ اسلامی کی تعلیم دی گئی ہے کہ صاف دل سے مسلمان ہو جانے کے بعد نو وارد مسلمانوں اور ان تمام مسلمانوں میں کوئی امتیاز فرق
باقی نہیں رہتا خواہ وہ ابتدا سے ہوں یا بعد میں، خدا کے نزدیک دونوں کی حیثیت مساویانہ ہے۔ کیونکہ خدا رحیم ہے اس کی صفتِ رحم اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ یہ
اطاعت شعار نو مسلم نسلی مسلمانوں سے درجہ میں کم رہیں۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ

جو لوگ کافر رہے اور کفر پر ہی مرے اُن پر خدا کی اور فرشتوں کی

وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اور سب آدمیوں کی پھٹکار وہ ہمیشہ پھٹکار میں رہیں گے اُن کے عذاب میں بالکل

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

تخفیف نہ کی جائے گی اور نہ انھیں مُہلت دی جائے گی

تفسیر یہ ازلی اشقیاء کا بیان ہے یعنی وہ فطری کافر جنھوں نے کفر کو اختیار کیا خواہ حق کو چھپا کر یا کسی اور صورت سے یعنی خدا کی وحدانیت اور حضور خاتم النبیین صلعم کی رسالت کا انکار کر کے بہر صورت جنھوں نے شرک و بدعات سے توبہ نہ کی اور تا دمِ آخر کافر رہے اور کفر ہی کی حالت میں مرے، نہ توبہ کی نہ اعمال کی اصلاح کی تو ان مردودوں پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی اور تمام علوی سفلی مخلوق کی لعنت برستی ہے۔ ہمیشہ یہ رحمتِ خداوندی سے دور رہیں گے کبھی نجات نہ ہوگی۔ تمام دنیا کی مخلوق ان کے وسیلے حالی یا مقالی بد دعا کرتی ہے اور اُن کے اعضاء اور ان کی حالت ان پر لعنت کرتی ہے لیکن اس فطری لعنت کا ان کو احساس نہیں ہوتا ہمیشہ یہ لوگ اسی لعنت میں رہیں گے کبھی سعادتِ اُخروی ان کو حاصل نہ ہوگی اور نہ کبھی فطری لعنت سے بچ سکیں گے۔ عذابِ الٰہی اُن پر سے کبھی کم نہ ہوگا ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہیں گے اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی یعنی کبھی اور کسی وقت عذابِ الٰہی سے رہائی نہ ملے گی۔

مقصودِ بیان اعمال کا دار و مدار انجام پر ہے۔ اگر مرتے وقت آدمی کافر رہا اور تمام عمر کفر کرنے کے بعد آخر وقت علاماتِ موت ظاہر ہونے سے قبل ایمان لے آیا تو احکامِ اسلام اس پر جاری ہوں گے۔ کفر و شرک خلافِ عقل و فطرت ہے اسی لیے کفار پر تمام عالمِ ہستی یہاں تک کہ کفار کے اعضاء و جوارح بھی حالی لعنت کرتے ہیں۔ کفار کے عذاب میں کبھی کمی نہ ہوگی اور نہ ان کو کبھی عذاب سے رہائی ملے گی۔ کیونکہ ازلی اشقیاء کا کفر غیر محدود ہے لہٰذا ان کا عذاب بھی غیر محدود ہے۔ وغیرہ

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ ع

اور تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان و رحیم ہے

تفسیر تفسیر سراج وغیرہ میں مذکور ہے کہ کفارِ قریش نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے پروردگار کے اوصاف بیان کیجئے اس واقعہ پر آیت مذکورہ نازل ہوئی

پہلے بیان کیا گیا تھا کہ نافرمان اور کافر مستحق لعنت ہیں خدا کی اور تمام کائنات کی اور ان پر لعنت ہوتی ہے تو یہ خیال پیدا ہو سکتا

تھا کہ خدا تعالیٰ ان کافروں اور عصیاں شعاروں کو عذاب نہیں دے سکتا یا نہیں دے گا۔ کیونکہ صرف وہی معبود و الٰہ نہیں ہے بلکہ بت وغیرہ اہرمن اور دیگر اکثر معبود عالم میں موجود ہیں۔ یہ اپنی طاقت سے اپنے پرستاروں کو عذاب سے بچالیں گے یا کم از کم سفارش کرکے بچائیں گے اسی خیال کے ابطال کے لیے آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس شیطانی وسوسہ کا ازالہ کردیا گیا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات پاک کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنی صفات میں یگانہ ہے، اپنے افعال میں واحد ہے۔ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، وہ معبود برحق ہے واحد و یکتا ہے۔ لیکن وحدت و تعدد سے بالاتر۔ کم و کیف، ہیئت و صورت، مکان و زمان، امکان و حدوث سب سے بری ہے۔ وہ ایک ہے لیکن وحدت بھی اس کی عارض نہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگرچہ مستحقِ عبادت وہی اللہ ہے مگر دیگر معبودوں کا وجود بھی عالم میں ہے کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا عالم میں کسی معبودِ برحق کا وجود ہی نہیں، وہی واجب قدیم جامع صفاتِ کمالیہ اور علۃ العلل ہے۔ اس کے علاوہ تمام عالم ممکن حادث اور ناقص ہے۔ دوسرا کوئی کس طرح لائقِ پرستش اور مستحقِ عبادت ہو سکتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ دنیا و آخرت میں حصولِ سعادت و فلاح تو اسی پر موقوف ہے۔ چھوٹی بڑی نعمت، تربیت جسمانی و روحانی، صحت و دولت، علم و ہدایت، اسلام و ایمان اور آخرت میں نجات سب اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ تمام عالم کو اسی نے پیدا کیا۔ لوازمِ حیات مہیا کئے، لباسِ وجود عطا کیا، جسمانی اور روحانی قوتیں مرحمت فرمائے۔ تو جب وہی ان تمام چیزوں کی علت اور وہی فاعلِ حقیقی ہے اور دنیا و دین میں سب اسی کی رحمت کے محتاج ہیں تو کس کا منہ ہے کہ عبودیت کا دعویٰ کر سکے۔

مقصود بیان توحید ذات و صفات کا اعلان۔ اس امر کا تلمیح آمیز بیان کہ معبودِ حقیقی اور قابلِ پرستش صرف وہی خدائے یگانہ ہے کبھی اور وہی روحانی جسمانی دنیوی و دینی کل نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ خدا مخلوق پر ہمیشہ رحم کرتا ہے دنیا میں تو کافر، مسلم، گناہگار اور فرمانبردار سب اس کے خوانِ کرم کے ریزہ چین ہیں اور آخرت میں اس کی رحمت سے صرف مسلمان بہرہ ور ہوں گے۔ عالم کائنات میں سوا اس کے کوئی معبود نہیں، وغیرہ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں (کے چلنے)

الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ

میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ اوپر سے اتارتا اور

مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّ

زمین کے مردہ ہونے کے بعد پھر اس پانی سے زندہ کرتا ہے اور اس نے زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

ہواؤں کے چلانے میں اور اس بادل میں جو آسمان زمین کے درمیان گھرا ہوا ہے (غرض ان سب چیزوں میں) سمجھدار لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں

تفسیر علامہ سیوطی اور مفسر معالم التنزیل نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں نے خدا تعالیٰ کے مذکورہ اوصافِ مقدس کو سُنا کہ وہ واحد فرد یگانہ بے ہمتا لاشریک لہٗ جامع صفات اور متوحد بالذات ہے۔ کل عالم کا فاعلِ حقیقی اور موجوداتِ عالم کا علۃ العلل ہے تو تعجب کے ساتھ برہان و دلیل کے طالب ہوئے۔ کیونکہ وحدانیتِ ذات و توحیدِ صفات عقلی مسائل تھے۔ قوانینِ فطرت سے ان کا اثبات ضروری تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے اس آیت کو مکمل نازل فرمایا۔ اس آیت میں توحیدِ ذات و صفات وجودِ باری اور اس کے علتِ کل ہونے کی آٹھ دلیلیں بیان کی گئی ہیں جو نورِ بصیرت رکھنے والے کے لیے آیتِ ہدایت ہیں۔ (١) آسمان و زمین کی پیدائش (٢) رات و دن کا تعاقب (٣) سمندر میں جہازوں کا چلنا اور دیگر دریائی عجائبات (٤) ابر سے بارش کا برسنا (٥) بارش سے خشک زمین کا سرسبز ہونا (٦) حیوانات کا اس غذا سے پرورش پانا اور توالد و تناسل کے ذریعے سے بڑھنا (٧) ہوا کا تبادلہ (٨) آسمان و زمین کے درمیان ابر کا معلق ہونا۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کا مطلب یہ ہے کہ کس قدر زبردست اجسام رکھنے والے آسمان اور کیسی گول اور عظیم الفطرت زمین خدا نے پیدا کی۔ آسمان متعدد بنائے۔ پھر ان میں لاکھوں روشن ستارے پیدا کیے۔ ستاروں میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا، کوئی سرخ کوئی سفید، کوئی سیارہ کوئی ثابت پیدا کیا۔ ان سب کی طبیعت ایک ہے۔ پھر یہ اختلاف کیوں ہے۔ یہ اختلاف لون تغایرِ جسم، امتیازِ صغر و کبر، تفاوتِ حجم کیا خود بخود ہو گیا، آسمان کیا خود بخود بغیر ستون کے قائم ہیں۔ کل زمین کا ایک مادہ اور ایک قوام ہے۔ پھر اختلاف رنگ و خاصیت کیوں ہے۔ پیداوار کی صلاحیت میں کیوں تغایر ہے۔ پانی کے بیچ میں زمین کیوں معلق ہے۔ کونسی کشش اور قوتِ جذب اس کو بیچ میں رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر قدرتِ جذب سے یہ بیچ میں قائم ہے اور زمین میں بھی مثل دیگر ستاروں کے ہے تو پھر یہ کشش میں توازن اور مساوات کس نے قائم کی۔ اس سب کے علاوہ یہ تمام اجسام مرکب ہیں اور حادث ہیں۔ کیا باوجود حدوث و افتقار کے یہ فاعلِ مختار اور قادرِ مطلق سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ دلیلِ فطرت تو ہم کو بتا رہی ہے کہ اس تمام ہستی کی علت العلل خدائے یگانہ بے ہمتا ہے وہی قادرِ مطلق مختارِ کل ہے۔ یفعل ما یشآء و یحکم ما یرید لا الٰہ الا اللہ۔

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ یہ دوسری دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کا باہم تعاقب کہ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے۔ پھر رات و دن کا مختلف فصلوں میں چھوٹا بڑا ہونا۔ پھر مختلف ممالک میں خطِ استوا سے دوری اور نزدیکی کے اعتبار سے رات و دن کی مقدار میں تفاوت کیوں ہے۔ کیا آفتاب کی ذاتی رفتار اس تغایر و تفاد کی علت ہو سکتی ہے۔ کیا آفتاب کی حرکت از خود ہے۔ کیا یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ کیا خدا اس لیل و نہار کا خالق، مبدع اور علتِ اختلاف نہیں ہے۔ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ۔ یہ تیسری دلیل ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ سمندر کے غیر محدود عجائبات، طرح طرح کی پیداوار اور ایک قسم کے پانی میں مختلف رنگ، مختلف شکل اور مختلف اقسام اور مختلف انواع کے جانوروں کا پیدا ہونا۔ قعرِ سمندر کے اندر شکم صدف میں دُرِ یتیم کا پرورش پانا۔ سطحِ آب پر بڑے بڑے بھاری جہازوں کا لاکھوں ٹن وزن لے کر جانا اور پانی کا باوجود رقیق اور سیال ہونے کے اُن کے بار کا اٹھانا! اور پھر ان جہازوں کے ذریعہ سے ایک ملک کی پیداوار یا مصنوعات کا دوسرے ملک میں پہنچ کر وہاں کے لیے اسبابِ راحت و عیش مہیا کرنا وغیرہ کیا یہ قدرتِ الٰہی کے آثار نہیں ہیں۔

پانی کو زمین کا محیط ہونا اور سمندر سے اٹھ کر مانسون ہوا کا چلنا اور اس سے پانی برس کر بالآخر سمندر میں آکر شامل ہوجانا اور اس سلسلۂ غیر متناہی کا برابر قائم رہنا کیا خداوند تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور وحدانیت پر دلالت نہیں کرتا۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی ابر سے بارش کا نازل ہونا اور ہزاروں من پانی کا وزن لے کر ابر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور حسب ضرورت کروڑہا بوندوں کو برسا کر ایک سیلاب عظیم تیار کردینا خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ظاہر ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا یہ پانچویں دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش سے خشک اور تپتی ہوئی مردہ زمین میں ازسرِنو جان پڑنا اور عریاں زمین کا سبز مخملی لباس پہن لینا۔ پھول پھل اور مختلف قسم کے اناج کا پیدا ہونا جس سے تمام زندہ کائنات کی زندگی وابستہ ہے۔ کیا برہانِ توحید اور ثبوتِ وجودِ باری نہیں ہے۔ کیا یہ تمام امور خود بخود سرانجام پاتے ہیں۔ پانی کی طبیعت ایک، مادہ ایک، زمین کا مادہ ایک، صورتِ نوعیہ ایک، پھر پیداوار میں یہ بیّن اختلاف کیوں ہے۔ پانی کی شکل میں زمین کو غذا پہنچنا اور پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پھول اور غلہ پیدا ہونا۔ مختلف اشکال ہیئت اور طرح طرح کے درخت پیدا ہونا کیا خدا کی شانِ صناعی کو واضح نہیں کر رہا ہے۔ آفتاب ایک، ماہتاب ایک اور ایک ہی شعاعی گرمی یا سردی، زمین کا مادہ واحد، پانی کی خاصیت واحد، پھر ایک درخت کا شیریں دوسرے کا تلخ ہونا کیا یہ سب نیرنگیاں اسی قادرِ مطلق کے دستِ قدرت کی نہیں ہیں جو اس تمام محسوس اور نیم محسوس کائنات کے پسِ پردہ جلوہ گر ہے۔ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ یہ چھٹی دلیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زمین پر ہزاروں قسم کے جانور پھیلے ہوئے ہیں جن کی گنتی انسانی قدرت سے خارج ہے۔ بعض توالد و تناسل کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ تخم ہوتا ہے۔ تخم سے خون، خون سے ہڈی گوشت پوست بنتا ہے۔ پھر ایک مکمل جانور حساس متحرک بن جاتا ہے۔ بعض بغیر تخم کے پیدا ہوتے ہیں۔ برساتی پانی سے مٹی میں ہزار مینڈک اور طرح طرح کے کیڑے ہوتے ہیں۔ پھر ادنیٰ درجہ کے حیوان مثلاً خراطین یعنی کیچوے سے لے کر اعلیٰ درجہ کے مکمل انسان تک ایک منظم سلسلہ درجہ بدرجہ ارتقائی اور ترتیبی صورت میں مربوط ہے۔ یہ اسرارِ الٰہی کا مجموعہ اور جمالِ قدرت کا آئینہ نہیں تو اور کیا ہے۔ وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ یہ ساتویں دلیل ہے۔ یعنی پروا، پچھوا اور جنوبی و شمالی ہوا کا چلنا اور باہم ہوا کا تبادلہ، استنشاقی ہوا اور اجزائے دخانیہ کا دور ہونا، اجزائے نسیم اور آکسیجن کا حاصل ہونا۔ صبح اور شام کی ہواؤں میں مستی اور اعتدال ہونا، رات کی ہواؤں میں خنکی اور دن کی ہواؤں میں تیزی و گرمی یہ سب رازہائے قدرت کا خزانہ یا خزانۂ مخفی کی کنجی نہیں تو اور کیا ہے۔ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یہ آٹھویں دلیل ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابر کا آسمان و زمین کے درمیان معلق ہونا نہ اوپر کو اٹھنا نہ نیچے گرنا بلکہ ہوا کے جھونکوں سے ادھر اُدھر پھرنا۔ حالانکہ اگر ان اجزائے بخاری میں پانی کے اجزا غالب ہوں تو ان کو نیچے گرنا چاہیئے اور ہوائی اجزاء زائد ہوں تو کبھی نہ برسنا چاہیئے۔ لیکن اس کے برخلاف ابر فضا میں معلق ہے۔ نہ نیچے گرتا ہے نہ جا کر اوپر جم جاتا ہے۔ یہ سب آثارِ قدرت اور براہینِ توحید نہیں تو اور کیا ہے۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ یعنی تمام معروضات مذکورہ عقل و بصیرت رکھنے والے طبقہ کے لیے شمعِ راہ ہیں اور ایک وجودِ موجود قادرِ مطلق مختارِ کل مریدِ ازلی حکیم و علیم واحد و یگانہ صانع کا پتہ دیتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش، رات دن کا تعاقب و اختلاف ہزار ہا من بوجھ لاد کر جہازوں کا سمندر میں چلنا آسمان سے بارش کا برسنا اور خشک زمین کا اس سے سرسبز ہونا پھر ہر قسم کے حیوانات کا اس غذا سے پرورش پاکر توالد و تناسل اور توالیہ کے ذریعہ سے بڑھنا اور زمین پر پھیلنا، ابر کا بلا سہارے زمین و آسمان کے درمیان معلق رہنا۔ غرض یہ سب امورِ قدرت کے کرشمے اور ربِ توحید کے مظاہرات ہیں اور یہ چیزیں سب کی سب ممکناتِ عالم سے ہیں جن کا وجود و عدم یکساں ہے اور کسی ایک شق کا ظاہر ہونا بغیر مرجح کے ناممکن ہے۔ ضرور ایک ایسے مرجح کی ہستی لازمی ہے کہ جب چاہے موجود کرے اور جب چاہے معدوم کرے اور وہ ذات واجب الوجود وحدہٗ لاشریک ہے، جو یگانہ و فرد

حقیقی النظیر واحد بے مثال قادر ذوالجلال مختار علی الاطلاق عالم حقائق حکیم کامل اور صناع بے مثال ہے۔ کیونکہ نعوذ باللہ اگر متعدد خدا ہوں تو باہم اختلاف سے عالم کا نظم ونسق برہم ہو جائے اور متفق ہوں تو دو فاعلوں کا ایک فعل واثر پر اجتماع لازم آئے گا۔ بہر حال تمام افراد ممکنہ اور حوادث و واقعات صانع لم یزل کی وحدانیت ثابت کر رہے ہیں اور بزبان حال بول رہے ہیں کہ وحدہٗ لاشریک۔ لا الٰہ الا ہو الرحمٰن الرحیم۔

مقصود بیان عقل وبصیرت رکھنے والوں کو آیات قدرت کے مشاہدہ کی تعلیم۔ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنے کی طرف اشارہ، کی فضیلت و شرافت کی تصریح، توحید ذات و صفات کا وضوح۔ قدرت کاملہ محیط کل ہونے کا بیان۔ وغیرہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اور شریک بنا رکھتے ہیں جن سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے

اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ

کرنی چاہیئے البتہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص ظالموں کی اس وقت کی حالت دیکھے جبکہ وہ

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ

عذاب کو دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے جبکہ

تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

کافروں کے پیشوا اپنے مریدوں سے بیزار ہوں گے اور کافر عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

منقطع ہو جائیں گے اور پیروی کرنے والے مرید کہیں گے کاش ہم کو ایک بار پھر دنیا میں جانا مل جائے تو ہم بھی ان

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ

سے ایسے ہی الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے (آج) الگ ہو گئے اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو ان کے سامنے باعث افسوس بنا کر لائیگا

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ ع

اور وہ دوزخ سے کبھی نکلنے والے نہ ہوں گے

تفسیر گزشتہ آیات سے خدا کی ذات و صفات و وحدانیت اور خالقِ کائنات ہونا ثابت ہو گیا لیکن بعض بیوقوف باوجود کھلی دلیلوں کے پھر شرک میں مبتلا ہیں۔ ان کا بیان آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ میں کیا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ کے نزدیک انداد سے مراد بت ہیں اور بعض کے قول کے موافق وہ سردار اور مذہبی پیشوا مراد ہیں جن کی فرمانبرداری حکمِ شریعت کے خلاف کیا کرتے تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آیت میں عام معنی مراد ہے یعنی وہ ہر چیز جو ذکر اللہ سے غافل کرے وہی مراد ہے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ بعض بیوقوف نافہم لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں، غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، جاہ پرستی، نفس پرستی، دنیا پرستی، جاہ پرستی، حکومت پرستی، بت پرستی، استاد پرستی غرض یہ کہ غیر اللہ پرستی کرتے ہیں اور يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ان کی ایسی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جیسی خدا کی کرنی چاہیئے اور ہر وقت غیر اللہ کی طرف ایسا میلانِ خاطر رکھتے ہیں جو سوائے خدا کے اور کسی کی طرف سزاوار نہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ لیکن جو لوگ خدا سے ہی نفع و ضرر کو وابستہ جانتے ہیں، ذات و صفاتِ الٰہی میں کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں اور سچے دل سے خدا پر ایمان لے آئے ہیں وہ تو احکامِ الٰہی کی فرمانبرداری میں اپنا جان و مال فدا کیا کرتے ہیں۔ اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابل کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر لوگ جو غیر اللہ سے محبت اور پرستش کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کے معبود مصیبت کے وقت ان کے کام آئیں گے تو ان کا یہ خیال غلط ہے (اگرچہ محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ مصیبت کے وقت محبوب محب کے کام آئے) کیونکہ قیامت کے دن جب یہ باطل کوش لوگ عذابِ الٰہی کو دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ پوری قدرت اور کامل قدرت و غلبہ خدا ہی کے لیے ہے۔ اور عذابِ الٰہی بہت سخت ہے اور خدا ہی کے قبضہ میں عذاب دینا ہے (اور یہ باطل معبود ہم کو عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے) تو اس وقت ان کی خواہش ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم شرک و نافرمانی نہ کرتے۔ کیونکہ جن چیزوں کو انھوں نے اپنا معبود و خدا بنایا تھا وہ تو بالکل مجبور ہوں گی ان کی کسی طرح امداد نہ کر سکیں گی۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ۔ یعنی عذابِ الٰہی کا وقت ایسا ہولناک ہوگا کہ ان کے دنیوی پیشوا اور امام بھی اظہارِ بیزاری کریں گے اور عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ان کا ساتھ نہ دیں گے اور ان کی خلاصی و نجات کے تمام ذرائع ٹوٹ جائیں گے۔

عطا نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اسباب سے مراد مودت و دوستی ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ یعنی دنیوی دوستی و مودت وہاں کام نہ آئے گی اور جس قدر دوستی کے تعلقات تھے قیامت کے دن اجنبیت و غیریت سے بدل جائیں گے۔ کوئی دوست کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اسباب سے مراد رشتہ داری اور قرابت ہے۔ بعض کے نزدیک اعمال مراد ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ بیوقوف جن ملائکہ کو دنیا میں پوجتے تھے وہ بھی ان سے قیامت کے دن اظہارِ بیزاری کریں گے اور کہیں گے (تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ) اور یہ بھی کہیں گے (سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ) یعنی چونکہ غیر اللہ کی پرستش ایک سخت خوفناک چیز ہے۔ پس ملائکہ باوجود عصمت کے خوف کھائیں گے اور اپنی طرف اس نسبتِ باطل کے منسوب ہونے سے بھی اظہارِ برات کریں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا۔ یعنی وہ وقت نہایت حسرت کا ہوگا جب باطل پرستوں کو وہاں کا کوئی راستہ نہ ملے گا اور نجات سے مایوس ہو جائیں گے تو انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ مجبور ہو کر کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک بار لوٹ کر دنیا میں

[illegible] ہے

جا کر پھر ان کا ثواب کی بدی پر ترک وکفر کرتے [illegible] اللہ [illegible]

[illegible] مطلب یہ ہے اس کی آرزو [illegible]

[illegible] کے حال [illegible] حسرت و ندامت ہوں گے اور خدا تعالیٰ یونہی ان کے اعمال [illegible]

[illegible] وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ [illegible] داخل ہونے سے قبل [illegible]

[illegible] کی یہ کیفیت ہوگی مگر جب دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو پھر کبھی نہ نکل سکیں گے [illegible]

[illegible] دوزخ [illegible] کی سرتاسر آرزوئیں کرتے رہیں گے اور دوزخ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

مقصود بیان غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت خواہ کسی قسم کی پرستش ہو نفس پرستی ہو یا شہوت پرستی یا غضب پرستی یا طمع پرستی، ہوا پرستی یا جاہ پرستی یا حکومت پرستی، بتوں کی عبادت ہو یا شیطانوں کی یا آفتاب و ماہتاب کی یا دیگر ستاروں کی یا فرشتوں کی یا پیروں کی یا قبروں کی یا انبیاء و اولیاء کی یا موالید ثلٰثہ اور عناصر اربعہ میں سے کسی کی [illegible] غیر اللہ کی [illegible] ایسی تعظیم و تکریم کرنی جو خدا وند قدوس کیلئے مخصوص ہے حرام ہے۔

محبت الٰہی کی تعلیم اور آسمانی اوامر و نواہی پر کاربند ہونے کی طرف اشارہ مومنین کاملین کی پختگی ایمان اللہ [illegible] اعمال کفار کے ہیبت ناک نقشہ کا بیان۔ خدا تعالیٰ کے غالب قادر قوی اور ذات و صفات میں منفرد ہونے کا اظہار قیامت کے دن ہر قسم کی امداد سے کافروں کے مایوس و محروم ہو جانے کی تصریح، کفار پر دائمی عذاب ہونے کی نص۔ وغیرہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

لوگو زمین کی پیداوار میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم

الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ

نہ چلو کیونکہ وہ کھلا ہوا دشمن ہے وہ تو تم کو بدکاری اور بے حیائی اور بےسبب بوجھ

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

خدا پر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گا

تفسیر بیضاوی نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور پہننا حرام کر لیا تھا ان کے حق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی لیکن قرطبی و سیوطی وغیرہ نے اس کو مرجوح قرار دیا ہے اور راجح روایت یہ بیان کی ہے کہ قبائل بنی ثقیف، خزاعہ، عامر اور بنی مدلج کے کفار کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا تھا۔ جنہوں نے سانڈ وغیرہ جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت کا مورد کچھ ہی ہو بہرحال عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب غیر معتبر ہے۔ اسی لیے آیت کے حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو عمدہ کھانا پہننا چھوڑ دے اور از روئے اعتقاد لذائذ جائز کو اپنے اوپر حرام کرلے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! روئے زمین کی پیداوار میں سے جو چیزیں شرعاً حلال ہیں اور ان کی حلت میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہوا ان کو کھاؤ ان کی حلت میں شک نہ کرو۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۔ خطوات شیطان سے مراد شیطان کے راستے ہیں (زجاج) یا وہ گناہ مراد ہیں جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے (ابو عبیدہ) یا خدا کی مطلق نافرمانی مراد ہے (قتادہ وسدی) یا وہ امر قبیحہ مراد ہیں جن کو شیطان آراستہ و دلکش بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے (سعید بن جبیر و اختارہ السیوطی)

شعبی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کی نذر مانی حضرت مسروق نے اس کو فتویٰ دیا کہ مینڈھا ذبح کردے اور فرمایا یہ فعل خطوات شیطان سے ہے۔

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کچھ نمک اور چند کھیرے پیش کیے گئے۔ آپ نے کھانا شروع کیا حاضرین بھی کھانے میں مشغول ہوگئے۔ لیکن ایک شخص الگ ہوگیا۔ ابن مسعودؓ نے حکم دیا اس شخص کو بھی دینا چاہیے۔ اس شخص نے عرض کیا میرا دل نہیں چاہتا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کیا تمہارا روزہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی نہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے نذر مانی ہے کہ کھیرے کبھی نہ کھاؤں گا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا یہ خطوات شیطان سے ہے تم کو کھانا چاہیے اور قسم کا کفارہ ادا کردینا چاہیے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو قسم یا نذر غصہ میں ہو وہ خطوات شیطان سے ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! شیطان کی پیروی نہ کرو کہ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام بنالو یہ شیطانی حرکت ہے اس سے پرہیز رکھو إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کی دشمنی انہیں لوگوں کو نظر آتی ہے جو نور بصیرت رکھتے ہیں اور جو کور دماغ لوگ ہیں وہ شیطان کو دوست سمجھتے ہیں اور حقیقت امر سے بے بہرہ ہیں۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ یہ شیطان کے عدو مبین ہونے کا ثبوت ہے۔ یعنی شیطان بے سود اور بری باتیں تمہارے دل میں ڈالتا اور گناہ و بدی کی طرف تم کو مائل کرتا ہے اور عقلی و شرعی منکرات کے ارتکاب کا تم کو مشورہ دیتا ہے۔ سوء سے مراد وہ چیز ہے جو عقلاً قبیح ہو اور فحشاء سے مراد امر منکر ہے جو شرعاً قبیح ہو۔ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ اور شیطان تم کو اس طرف بھی مائل کرتا ہے کہ غیر یقینی باتوں کو حکم الٰہی کہو اور اپنے دماغی اختراعات کو حلال یا حرام کہنے لگو۔

مقصود بیان

دنیا کی کل حلال چیزوں کا کھانا پینا پہننا اور استعمال کرنا مباح ہے لیکن ان چیزوں کی حلت میں کوئی شرعی شبہ نہ ہونا چاہیے حلت و حرمت کا حکم اپنی عقل سے تراشنا حرام ہے۔ جو چیز شرعاً حلال ہے وہی حلال ہے اور جو چیز شرعاً حرام ہے وہ حرام ہے۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال جاننا گمراہی ہے۔ دماغی توہمات یا قیاسی الجھنوں کا اتباع کرنا حرام ہے بشرطیکہ قیاس کی علت منصوصہ نہ ہو اور ظن مجتہد کا رجوع کسی شرعی قانون کی طرف ہو۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام پر چلو تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

باپ دادا کو پایا ہے بھلا اگر اُن کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور گمراہ ہوں

تفسیر گزشتہ آیات میں ان لوگوں کو زجر و تنبیہ کی گئی تھی۔ جو حلال شرعی کو حرام کر لیتے ہیں اور ظنیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں چونکہ یہودی بھی انہی لوگوں میں داخل تھے۔ کیونکہ یہودی بھی احکام قرآنی کے خلاف حلال کو حرام جانتے اور دماغی تراشیدہ احکام کی پیروی کرتے تھے۔ اس لیے اس آیت میں یہودیوں کی حالت بیان کی گئی۔

ابن کثیر اور بغوی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضور والا نے جب یہودیوں کو ایمان کی ترغیب اور اسلام کی دعوت دی تو رافع بن حرملہ اور مالک بن عوف کہنے لگے محمد! ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے تھے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عقلمند تھے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں کی حماقت کی بھی عجیب حالت ہے۔ جب اُن سے احکام الٰہی پر کاربند ہونے اور عمل پیرا ہونے کو کہا جاتا ہے تو قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں۔ ہم باپ دادا کے رواج کے مقابلہ میں احکام الٰہی کا اتباع نہیں کر سکتے ہم نے تو اپنے اسلاف کو جن رواجوں اور رسموں پر عمل کرتے پایا انہی کو مانیں گے اور انہی پر عمل کریں گے۔ خدا تعالیٰ اس قول کی تردید فرماتا ہے۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ کیا یہ لوگ اپنے اسلاف کی کورانہ تقلید اور اندھا دھند پیروی کیے جائیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا امور دینی میں عقل نہ رکھتے ہوں۔ مسائل الٰہی سے واقف نہ ہوں اور نہ راہِ حق پر ہوں ان کی جہالت قابل تعجب ہے۔

مقصود بیان اگر باپ دادا یا خاندانی بزرگ کسی غلط راستہ پر ہوں اور اُن کے افعال احکام الٰہی کے خلاف ہوں تو ان کی پیروی نہ کی جائے جس شخص میں خود قوت نظر اور ملکۂ اجتہاد ہو اس کو دوسرے کی تقلید کرنی ناجائز ہے۔ باقی انبیاء، ائمہ مجتہدین کے اقوال کو ماننا تو تقلید نہیں بلکہ اتباع ما انزل اللہ ہے۔ گویا ممانعت اس بات کی ہے کہ کسی غیر کا قول احکام دینی کے متعلق بلا دلیل مان لیا جائے اور چونکہ یہ معنی تقلید مجتہدین میں نہیں پائے جاتے، اس لیے ان کی تقلید درحقیقت اتباع ما انزل اللہ ہے۔ ہاں جو لوگ اصحاب نظر ہیں ان کے لیے کسی مجتہد کی تقلید بھی ناجائز ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اور کافروں کو نصیحت کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جانور کے پیچھے چلا رہا ہو جو سوائے پکار اور چلانے کی

وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

آواز کے اور کچھ نہ سنتا ہو یہ لوگ بہرے گونگے اندھے ہیں اسی وجہ سے کچھ نہیں سمجھتے

تفسیر یعنی ان کافروں کو سمجھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنگلی جانوروں کو بلائے اور وہ سوائے چیخ پکار اور محض آواز کے کچھ بھی نہیں

سننے اور بلا سمجھے بوجھے محض آواز سے ایک طرف کو چل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان کا ہے جو نہ علم و خرد رکھتے ہیں، نہ عالم کی بات مانتے ہیں بلکہ باپ دادا کے رسموں کی پابندی بلا سمجھے بوجھے کرتے ہیں۔ آیت کی تفسیر میں چار قول بیان کیے گئے ہیں۔ جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ لیکن صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

ابن عباس رضؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس گمراہی اور جہالت میں کافر پڑے ہیں اُن کی مثال چوپایوں کے اس چلتے ہوئے ریوڑ کی طرح ہے جس کو راہ پر چلانے کے لیے چرواہا آواز دیتا ہے لیکن وہ مویشی اس کی بات نہیں سمجھتے صرف آواز سنتے ہیں۔ شیخ ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، عطا، حسن بصری، قتادہ، عطاء خراسانی اور ربیع بن انس رضؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ کفار باپ دادوں کا اتباع کرتے ہیں اور حقیقت حال سے واقف نہیں کہ یہ گمراہی ہے یا ہدایت۔ اس اتباع میں ان کی حالت ان مویشیوں کی طرح ہے جو چرواہے کی صرف آواز سنتے ہیں اور مفہوم نہیں سمجھتے۔ ابوالبقاء نے کہا ہے کہ آیت میں کفار کے ہادی کو چرواہے سے تشبیہ دی گئی اور کفار کو بہائم سے۔

ثعلب نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ کافر جو اپنے بتوں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا اپنے گلہ کو پکارتا ہے۔ حالانکہ ان جانوروں کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہیں۔ ابن جریر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کافر جو اپنے پتھر سے بنے دیوتاؤں کو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات میں چیخ رہا ہو کہ سوائے آواز بازگشت کے اس کو کوئی چیز جواب نہیں دیتی اور نہ سنتی ہے اور جو آواز لوٹ کر آتی ہے اس کا کچھ حقیقت نہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ نورِ بصیرت ان کے دماغوں میں نہیں کہ آفتابِ حق کو دیکھ سکیں۔ گوشِ معرفت اُن کے گراں ہیں جس کی وجہ سے یہ حق بات نہیں سُن سکتے اور نطقِ صداقت کی ان کو طاقت میسّر نہیں کہ اعلانِ حق یا کلمۂ صداقت زبان پر لاسکیں۔ حاصل یہ کہ عقلِ نورانی سے محروم ہیں اس لیے دینی سمجھ اور فقاہتِ حق سے بے نصیب ہیں۔

مقصود بیان

کفار بالکل جانوروں کی طرح ہیں جو چرواہے کی آواز پر بلا سمجھے بوجھے چل دیتے ہیں۔ کفار نورِ فطرت اور ضیاءِ عقل سے محروم ہیں۔ اگرچہ ظاہری حواس اور باطنی دماغی مشاعر ان کے دُرست ہیں لیکن بصیرتِ معرفت اور حقانیت سے بالکل خالی ہیں اسی لیے ان کو ہدایت کی سمجھ اور حق کی ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کی عقلی روحانی پر جہالت کے پردے پڑے ہیں نورِ فطرت گمراہی کے قفلوں کے اندر بند ہو ان کو راہِ راست مل ہی نہیں سکتی خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ آیت میں تبلیغ نما ترہیب اور کفر و جہالت سے زجر و توبیخ بھی ہے اور کفار کی فطری پستی کا بھی اظہار ہے۔ وغیرہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

مسلمانو! ہماری دی ہوئی پاک چیزیں کھاؤ اور اگر تم اُسی کی عبادت

اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

کرتے ہو تو اس کا شکر بھی کرو

تفسیر پہلی آیت کا تو مورد خاص تھا لیکن اس آیت میں ایک حلال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے مسلمانو! ہم نے تم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے انہی چیزوں کو کام میں لاؤ جو ستھری چیزیں کہ از روئے شرع حلال ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک کھانے سے نفع اٹھانا مراد ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ طیبات سے پاک کمائی مراد ہے صرف پاک طعام ہی مراد نہیں ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ رزقِ حلال مراد ہے۔

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اور خدا کا شکر ادا کرو زبان کو بھی اس کی حمد و شکر میں صرف کرو اور باقی دیگر اعضاء و جوارح کو بھی اسی کے حکم کی تعمیل اور اسی کی فرمانبرداری میں مشغول رکھو۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم واقعی اس کی پرستش کرتے ہو کہ وہی معبود ہے اور جانتے ہو کہ خدا ہی نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بیہقی وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا اور جن و انس کا حال ایک تعجب انگیز ہے پیدا میں کرتا ہوں اور پرستش غیروں کی کی جاتی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں اور شکر اوروں کا ادا کیا جاتا ہے۔

مقصودِ بیان افراط و تفریط دونوں شرعاً ناجائز ہیں۔ تفریط تو یہ ہے کہ جو چیزیں شرعاً حلال ہیں ان کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا جائے اس کی تردید مقصود ہے۔ حلال کی طرف ترغیب اور حرام سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو تم عبادت سمجھ کر نہیں کھاتے ہو یہ خیال غلط ہے۔ ان کا ترک کرنا عبادت نہیں ہے۔ خدا نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کو اپنے اوپر حرام کر لینا کفرانِ نعمت ہے۔ تم کو کفرانِ نعمت نہ کرنا چاہیے بلکہ شکرِ الٰہی بجا لانا چاہیے اور شکر کو بھی صرف زبان کو کافی نہیں بلکہ دل، زبان اور تمام اعضاء و جوارح کو طاعتِ الٰہی اور فرمانبرداری میں صرف کرنا چاہیے۔ صرف زبانی یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں کافی نہیں ہے جب تک اس کا عملی ثبوت نہ ہو۔

ہدایتِ خاص تمام حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا لازم ہی نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔ ہاں بعض وقت بعض اشیاء کا کھانا واجب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر نہ کھانے سے خوفِ ہلاکت ہو تو بقدر سدِّ رمق کھانا واجب ہے اور کبھی کھانا مستحب ہوتا ہے مثلاً ولیمہ اور مہمانوں کے ساتھ کھانا وغیرہ۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

اس نے تم پر صرف مردار کو اور خون کو اور سؤر کے گوشت کو اور اس چیز کو جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ہاں جو کوئی ناچار ہو جائے مگر عدول حکمی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں حلال چیزوں کے کھانے اور حرام چیزوں سے اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ اہلِ عرب نے بہت سی حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال سمجھ رکھا تھا۔ کیونکہ ان کو حلت و حرمت کا کوئی شرعی علم نہ تھا صرف رواج و رسم کے اعتبار سے جو چیز ان کے نزدیک حلال تھی اس کو حلال جانتے تھے اور جو چیز حرام تھی اس کو حرام جانتے تھے۔ حلال و حرام کا مسئلہ چونکہ تفصیل کا محتاج تھا اس لیے اس

کو بیان کیا جاتا ہے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے ان میں سے صرف مذکورہ ذیل اشیا حرام ہیں: (۱) مردار خواہ کسی قسم کا ہو خود بخود مر جائے یا شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا بغیر اللہ کے نام کے کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کر مار ڈالا ہو یا گلا گھونٹنے سے وہ مر گیا ہو یا جھٹکا کرنے سے مرا ہو وغیرہ (مگر ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہے)

وَالدَّمَ یہ دوسری قسم ہے۔ یعنی خون رواں کا کھانا بھی حرام ہے خواہ اس کو پکا کر کھایا جائے یا سینک کر یا جما کر یا ویسے ہی پی لیا جائے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ یہ تیسری قسم ہے۔ یعنی سور کا گوشت پوست ہڈیاں چربی رگ پٹھا کھال وغیرہ سب حرام ہیں۔ آیت میں اگرچہ صرف گوشت کا بیان ہے لیکن گوشت پر ہی حصر نہیں ہے بلکہ گوشت ہی چونکہ سب سے بڑھ کر قابلِ انتفاع چیز تھی اس لیے اس کو ہی ذکر کر دیا اور باقی اجزاء حکماً اس میں داخل ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یہ آخری قسم ہے یعنی جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سوائے خدا کے کسی اور کے نام پر اس کو نامزد کیا گیا ہو یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو مثلاً شیخ سدو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، کالی بھوانی کا سانڈ وغیرہ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک، مجاہد اور قتادہ وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مقصود ہے۔ یعنی جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے وہ حرام ہے۔ ربیع بن انس اور بعض متاخرین احناف وغیرہ علماء نے غیر اللہ کے نام پر نامزد ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی جس چیز کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کر دیا گیا ہو خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا دیا گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے اور ہم نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ اس جو شخص مذکورہ اشیاء کے کھانے یا استعمال کرنے پر مجبور ہی ہو جائے۔ مثلاً کوئی حلال چیز پاس موجود نہ ہو اور بھوک کی وجہ سے چل پھر نہ سکے یا کسی سخت مرض میں مبتلا ہو جائے اور ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ ہو یا کوئی ظالم مذکورہ اشیاء کے کھانے پر مجبور کرے اور اس کو یقین ہو جائے کہ اگر میں نہ کھاؤں گا تو ظالم مجھ کو مار ڈالے گا یا میرے کسی عزیز رشتہ دار کو مار ڈالے گا یا ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالے گا۔

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ تو ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کھانے سے لذت مطلوب ہو نہ حد ضرورت سے زائد تجاوز کرے۔ لیکن ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں پاک نہیں ہو جاتی ہیں بدستور نجس ہیں مگر مجبوری کی وجہ سے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اب اگر کھانے میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہو جائے تو خدا غفور رحیم ہے خود بے اعتدالی نہ کرنی چاہیے۔

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر مختلف صورت سے کی گئی ہے۔ بعض نے تو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رہزن نہ ہو خلیفۃ المسلمین سے باغی نہ ہو اور کسی کام معصیت کے لیے نکلا ہو۔ لہٰذا جو شخص رہزنی کرنے، ڈاکہ ڈالنے، خلیفہ سے بغاوت کرنے یا کسی اور گناہ کے ارادہ سے سفر کو نکلا ہو اور مذکورہ چیزوں کے استعمال پر مجبور ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں۔ مجاہد، سعید بن جبیر، شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔ ابن حیان کہتے ہیں غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو حلال جاننے والا نہ ہو۔ سدی کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ خواہش نفسانی پوری کرنی چاہتا ہو۔ ابن ایاس کہتے ہیں کہ مردار کو بھون کر ایسا نہ بنائے کہ کھانے کی رغبت و خواہش پیدا ہونے لگے اور صرف اس قدر ساتھ لے لے کہ رزق حلال مل جائے۔ جب رزق حلال مل جائے تو مردار کو پھینک دے۔

مقصود بیان جن اشیاء کو کفار نے حرام سمجھ رکھا تھا ان میں سے واقعی حرام اشیاء کی تفصیل، توحید ذات وصفات کے اظہار واعلان کے لیے ان تمام چیزوں کی ممانعت جو شرک کا شبہ بھی پیدا کرتی ہوں۔ مجبور ومضطر شخص کو اکل حرام کی اجازت لیکن بقدر دفع ضرورت اس امر کی طرف اشارہ کہ مقصود نیت کا حسن واصلاح ہے۔ اگر نیت درست ہے اور عمل میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہوگئی ہے تو خدا تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان کو اپنی زندگی بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر خوف ہو جائے کہ ہلاکت پیدا ہو جائے گی تو اکل حرام بھی جائز ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اصلاح زندگی کا حکم دیتا ہے۔ افناء زندگی خلاف منشائے الٰہی ہے۔ ہلاکت نفس حکم شرعی کے خلاف ہے۔ اسی لیے قتل وخودکشی حرام ہے۔ وغیرہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ

جو لوگ ان آیات کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں سے نازل کی ہیں اور اس کے عوض تھیل معاوضہ

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

لے لیتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں (لذیذ غذا نہیں بلکہ) آگ بھرتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات

اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک وصاف کرے گا اور جمعیت کے ساتھ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا

تفسیر یہ آیت یہودی علماء کے حق میں نازل ہوئی جن کو عام یہودیوں نے اپنا سردار مقرر کر لیا تھا۔ عوام کی کھیتی باڑیوں میں یہ حصہ دار تھے اس کے علاوہ تحفے ہدیے بھی ان کو خوب ملتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان مبعوث ہوئے تو ان کو اپنی سیادت وریاست کے زوال کا خوف پیدا ہوا۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ تورات سے محو کر دیا یا تغیر وتبدل کر کے اظہار کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ روپیہ پیسہ لے کر یہ عوام کے جذبات کے موافق خلاف حق فیصلے بھی دے دیا کرتے تھے جس طرح کہ آجکل کے پیشہ ور مفتی کیا کرتے ہیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام اور آیات الٰہی کو چھپاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ ظاہر نہیں کرتے تاکہ ان کی ریاست زائل نہ ہو بلکہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ لکھا کر کہتے ہیں کہ یہ تورات الٰہی ہے اور کتاب الٰہی کو چھپانے کے عوض کچھ دنیوی حقیر مال حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کی کھیتی باڑی میں حصہ، ہدیہ اور تحفہ اور کچھ روپیہ پیسہ اس کتمان حق کے عوض ان کو مل جاتا ہے تو اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ یہ لوگ درحقیقت کھانا نہیں کھاتے بلکہ دوزخ کی آگ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں۔ کیونکہ یہی کمائی ان کے واسطے آتش دوزخ کا سبب ہے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان سے مہربانی سے کلام نہ کرے گا ابن جریر کے قول کے موافق یہ مطلب ہے کہ خدا بالکل ان سے کلام نہیں کرے گا۔ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے۔ مفسرین کے نزدیک صحیح معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور نہ گناہوں کی آلائش سے کبھی ان کو پاک کرے گا کہ اپنی عصیان شعاری اور معصیت کوشی کی گندگی سے منزہ

ہوکر وہ عذاب الٰہی سے رہائی پاسکیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بلکہ ان کے لیے سخت تکلیف دہ الم رساں عذاب ہوگا اور یہ عذاب الٰہی کبھی ختم نہیں ہوگا۔

مقصودِ بیان

کتمانِ حق حرام ہے۔ کتمانِ حق کی اُجرت و کمائی بھی حرام ہے۔ خلافِ شرع اُجرت لے کر فتویٰ دینا ناجائز ہے۔ عذاب الٰہی گناہگار مسلمان کے لیے ایسا ہے جیسے سونے کو پگھلانے سے اس کی کثافت دور ہوجاتی ہے اور سونا خالص نکل آتا ہے۔ یا لوہے کو آگ میں ڈالنے سے زنگ اور میل دور ہوکر صاف ہوجاتا ہے۔ عذاب الٰہی سے مسلمانوں کے گناہوں کی کثافت بھی دور ہوجائے گی اور وہ پاک صاف ہوکر دوزخ سے نکل آئے گا لیکن دوامی عذاب صرف کفار کے لیے ہی مخصوص ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدلے ہدایت کے گمراہی اور ثواب کی بجائے عذاب مول لیا

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ

سو ان کو آگ کی کس قدر سہار ہے یہ بات اس لیے ہے کہ اللہ ہی نے کتاب برحق نازل کی ہے

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجہ کی پھوٹ میں پڑے ہیں

تفسیر

چونکہ یہودی علماء کا جرم سخت تھا لہٰذا آیت مذمت کو کرر بصورتِ عذاب بیان کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ بہت ہی سرکش و گمراہ ہے۔ انھوں نے فطری ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو حاصل کرلیا اور مغفرتِ الٰہی جس کا یقینی وعدہ نیکوکاروں سے کیا گیا ہے اس کو ترک کرکے عذابِ الٰہی کو ترجیح دی اور مول لیا۔ ایسے امور کو اختیار کیا جو ضلالت انگیز اور باعثِ عذاب تھے اور جو چیزیں ہدایت کی تھیں اور ان کی وجہ سے مغفرت یقینی تھی ان سے بہرہ نہیں کی۔

فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔ یہ اظہارِ تعجب کے طور پر کہا گیا ہے۔ یعنی انھوں نے جو اس قدر اسبابِ دوزخ کو اختیار کیا تو گویا قصداً دوزخ میں جانے کو پسند کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آتشِ جہنم کے برداشت کی بہت کافی طاقت ہے۔ جب تو اس قدر دلیری کے ساتھ انھوں نے اسبابِ جہنم کو اختیار کیا۔ تعجب ہے کہ ان کو عذابِ الٰہی کے برداشت کی کیسی طاقت ہے اور وہ کونسی قوت ہے کہ جس نے ان کو آتشِ دوزخ کے تحمل پر دلیر بنا دیا (سیوطی، ابوالبقا، مجاہد، حسن بصری) یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ آگ میں کس قسم کا استقامت ہیں (جامع) یا دوزخیوں میں ایسے عمل کرلے پر کس قدر جمے ہوئے ہیں (کسائی و قطرب)۔ یہی قول ابن عباس، سدی، عطار اور ابوعبیدہ کا ہے۔ گویا نار سے اعمالِ اہلِ نار مراد ہیں اور صبر کے معنی جم جانے اور قائم رہنے کے ہیں۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ یعنی ان لوگوں کو عذابِ الٰہی کے برداشت کی طاقت تو واقع میں نہیں ہے اور نہ ان میں اس قدر دلیری ہے کہ آگ کے تحمل پر صبر کرسکیں لیکن خداتعالیٰ نے ان کو سفیہ و احمق بنا دیا ہے اور ان کو اپنی سفاہت اور حالت کا احساس نہیں جو درحقیقت خود ایک عذاب ہے اور یہ عذاب صرف ڈھکوسلے ہی نہیں اور نہ صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے بلکہ

عذاب واقعی ہے اعاس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے حقانیت و صداقت کی حامل کتاب نازل کی تھی اور انھوں نے اس کے بعض حصے چھپائے۔ تحریف و تبدیل کیا اور باہم اختلاف کرنے لگے۔ کتاب سے قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی یہود نے قرآن کے وہ احکام تو تسلیم کر لیے جو اُن کی توریت کے موافق تھے اور جو احکام مخالف توریت تھے ان کو نہ مانا

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ یعنی خدا نے تو کتاب کو صداقت و حقانیت کا پیامبر بنا کر بھیجا تھا لیکن اختلاف کرنے والوں نے اس میں بیجا تاویلیں کیں۔ بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حق و ہدایت سے بہت دور جا پڑے راہ مستقیم کو چھوڑ کر ادھر ادھر پگڈنڈیوں پر مارے پھرنے لگے۔

مقصودِ بیان

ہر ایک انسان کو فطری ہدایت حاصل ہے لیکن بعض لوگ اس نورِ فطرت کو بجھا کر کسی گمراہی کی تاریکی میں جا پڑتے ہیں فطرتاً ہر انسان کے لیے مغفرتِ الٰہی اور سعادتِ ابدی موجود ہے لیکن بُرا ہو ہواؤ ہوس اور شیطانی جذبات کا جو انسان کو عذاب میں ڈالتے ہیں۔ اسبابِ عذاب کا اختیار کرنا گویا دوزخ کا اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ سنکھیا کھا کر مرنا یقینی ہے۔ گناہ و کفر کر کے دوزخ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر خدا اپنی رحمت سے مسلمانوں کو معاف کر دے تو یہ اس کا احسان ہے۔ کتاب الٰہی میں بیجا تاویلیں، دماغی اختراع اور ذہنی تراش خراش کو دخل دینا حرام ہے۔ تفسیر کتاب وہی ہے جس کا ماخذ نقل پر ہے۔ وغیرہ

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

نیکی نہیں ہے | صرف یہی | مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنے میں | بلکہ نیکی | تو وہ | ہے

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی

جو اللہ پر | اور روزِ آخرت پر | اور فرشتوں پر | اور اللہ کی کتاب پر اور انبیاء پر یقین رکھتا ہو | اور باوجود

الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ

خواہشِ مال کے | اس مال کو | رشتہ داروں | اور یتیموں | اور فقیروں | اور مسافروں اور سائلوں اور بردوں

وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

کے آزاد کرانے میں | دیتا ہو | اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھتا ہو اور زکوٰۃ دیتا ہو | اور (نیک وہ ہیں جو) وعدہ کرنے کے بعد

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ

اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہوں اور قابلِ مدح حالت ان لوگوں کی ہے جو تنگی | اور | تکلیف | اور لڑائی | کے وقت | صبر کرتے

الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

لڑائی | یہ لوگ | سچے ہیں | اور یہی ہیں پرہیزگار | ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگوں نے جو مباح چیزوں کو از خود صرف رواجی پابندی کی وجہ سے حرام قرار دے کر ان سے اجتناب کرنے کو باعثِ ثواب خیال کر رکھا ہے تم ایسا نہ کرو بلکہ شریعت نے جس چیز کو حلال کر دیا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہاں اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے رسوم کو جو اصولِ مذہب نہیں ہیں اصولِ احسانات سمجھ رکھا ہے اور انہی کو باعثِ نجات خیال کرتے ہیں اور در حقیقت جو اصولِ نجات ہیں اور سعادتِ دارین کے بنیادی پتھر ہیں ان کی طرف نگاہ و غلط انداز سے بھی نہیں دیکھتے رسم و رواج اور ظاہر پرستی پہ اپنے نفس کو پابند رکھنا اور اصولِ سعادت و نجات کو ترک کرنا نیکی نہیں ہے کیونکہ نیکی اور سعادت کے اصول دو ہی ہو سکتے ہیں۔ (۱) عقائد و خیالات کی اصلاح (۲) اعمال و افعال اور اقوال کی درستگی۔ مؤخر الذکر شق میں حقوقِ الٰہی کی ادائیگی، اقربا و احباب اور اعزا کی حق شناسی، اخلاقِ فاضلہ اور ملکاتِ حسنہ کا حصول، دنیا میں عافیت و امن پھیلانے کی کوشش، یتیموں، مسکینوں، فقیروں اور مسافروں کی غمخواری، غلاموں کی ہمدردی اور ان کے آزاد کرنے کی سعی وغیرہ تمام امورِ حسنہ داخل ہیں۔ اس لیے صرف آباؤ اجداد کے رسموں کی پابندی کرنی اور ہرائی لکیر کو پیٹنا موجبِ نجات نہیں ہو سکتا بلکہ منزہ حیات اور روحِ زندگی کا دار و مدار صرف اصولِ ہدایت کی پابندی پر ہے۔ جو ان قوانینِ فطرت پر عمل پیرا ہو گا سعید ہو گا اور جو ان نیچرل قواعد کی خلاف ورزی کرے گا شقاوت سے ہم آغوش ہونا پڑے گا۔ سب سے پہلے تصحیح عقائد اور اصلاحِ معلومات کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ زیادہ تر نجات و حیاتِ ابدی کا مدار اسی پر ہے اس لیے سب سے اول اسی کے بیان کو واضح کیا گیا ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرنا ہی نیکی کی بات نہیں ہے اور نہ نیکی کا اس پر حصر ہے بلکہ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ نیکی در حقیقت اس شخص کی نیکی ہے جو خدا پر ایمان لاتا ہے۔ ذاتِ باری کو تمام کائنات کا مبداء سمجھتا ہے کل عالم کی عنانِ ایجاد و تربیت اسی کے دستِ قدرت میں جانتا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں خیال کرتا۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور معاد پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ یقین رکھتا ہے کہ ایک روز یہ عالمِ ہستی فنا ہو جائے گا صرف ذاتِ محض باقی رہ جائے گی جس طرح جانبِ ابتدا میں بھی وہی خدائے واحد قدوس تھا اور اس کائناتِ آسمانی و زمینی کا کوئی نشان نہ تھا اسی طرح جانبِ انتہا میں بھی وہی وحدہٗ لاشریک رہ جائے گا اور کل دنیا فنا ہو جائے گی اور پھر وہی واحد قہار سب لوگوں کو جزا و سزا کے لیے پیدا فرمائے گا جس طرح پہلی بار اس نے دنیا کو پیدا کیا تھا۔ جزا و سزا، حساب کتاب، جنت، دوزخ وغیرہ کا وجود یقینی ہے وَالْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں پر بھی وہ ایمان رکھتا ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کا فرمان پذیر معصوم بندہ خیال کرتا ہے۔ ایک کو دوسرے کا دشمن نہیں جانتا خصوصاً حضرت جبرئیل کو حاملِ وحی سمجھتا ہے وَالْكِتٰبِ اور چونکہ ہدایتِ خلق کے لیے کتابِ الٰہی کی ضرورت ہے اس لیے ایمان رکھتا ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں حق ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں لوگوں کی ہدایت کے لیے مختلف انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی تھیں اور سب کے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتابِ مبین یعنی قرآن کو نازل فرمایا اور چونکہ پیامِ الٰہی کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے نفوس قدسی صفات ہوں اور مادی کثافت ان کے اندر کم ہو۔ آئینہ کی طرح ان کے دو رخ ہوں۔ ایک رخ مادی اور دوسرا نورانی جو نورانی جہت سے فیضِ قیامتز قبول کر کے عوام تک پہنچا سکیں۔

وَالنَّبِيّٖنَ اس لیے اس کا ایمان انبیاء پر بھی ہوتا ہے۔ وہ دل سے تصدیق کرتا ہے کہ خدا کے تمام فرستادے حق پر تھے۔ مخلوق کو گمراہی

سے نکال کر روشنی میں لانا چاہتے تھے۔ مخلوق کی ہدایت کے لیے آفتاب ارشاد تھے اور خود گناہوں سے معصوم تھے۔

اس سے آگے اعمال وافعال کی اصلاح وتصحیح کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى یعنی فقط معتقدات وعقائد کی اصلاح ہی نہیں بلکہ اس کے اخلاق واعمال بھی درست ہوں۔ اقارب احباب سے ہمدردی کرتا ہو اگرچہ اس کو مال کی ضرورت ہو اور دلی رغبت ومیلان بھی مال کی طرف ہو لیکن غیروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہو اور اسی جذبۂ ایثار کے ماتحت اقرباء کی پرورش اپنے مال سے کرتا ہو۔

وَالْيَتٰمٰى اور صرف اقرباء ہی کی غمخواری نہیں بلکہ غیروں کی مؤانست کا بھی کفیل ہو اور مفلوک الحال ستم زدہ بچوں کی کفالت کا بار اٹھاتا ہو جن کے باپ کا سایہ اُن کے سروں سے اٹھ گیا ہو اور بیچارے شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے ہوں۔ روشِ پدری کی بجائے ان کو بستر خاک نصیب ہو اور آغوشِ مادر کے عوض خدا کے خاکی فرش کی گود۔ وَالْمَسٰكِيْنَ نیز ان باعزت غریبوں کی بھی پرورش کرتا ہو جو حیا کی وجہ سے نہ سوال کر سکتے ہیں۔ نہ خود ان کے پاس اس قدر مال ہے کہ اپنے عیال کو کھلا کر ان کی شکم سیری کر سکیں اور نہ عوام کو ان کی حالت پر اطلاع ہے کہ کوئی ان کی خبرگیری کر سکے۔ اس کے علاوہ وَابْنَ السَّبِيْلِ اُن خانہ بدوشوں کی بھی ہمدردی کرتا ہو جو اعزاء واحباب سے دور غریب الوطن غیر ممالک میں سرگرداں پریشان پھرتے ہیں۔ نہ کوئی مونس نہ غمخوار نہ ہمدم نہ ہمراز۔

وَالسَّآئِلِيْنَ اور ان سوال کرنے والوں کو بھی اپنے مال میں حصہ دار بناتا ہے جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں وَفِي الرِّقَابِ اور آخر میں ان بندگانِ خدا کی آزادی کی بھی کوشش کرتا ہے اور حتی الامکان اُن غلاموں کی رہائی میں صرف مال سے دریغ نہیں کرتا جن کی عنانِ اختیار کسی بندہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ غریبوں کو نہ اپنے نفس پر اختیار ہے نہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی پر۔ صبح سے شام تک عرق ریزی کرتے ہیں۔ لیکن شام کو صرف یہی نہیں کہ دن بھر کا کمایا ہوا مال اُن کے آقا کے ملک میں داخل ہو جائے بلکہ انتہائی ذلت کے ساتھ مدت کو آقا کی پیش خدمتی کرنی پڑتی ہے۔ بیچاروں کی زندگی بہائم سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو حقوقِ مالی کا تذکرہ تھا اور حقوقِ مالی بھی وہ جو شریعت کے مقرر کردہ فرض یعنی زکوٰۃ سے خارج تھے۔ اس سے آگے فرائض بدنی اور زکوٰۃ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرائض بدنی میں نماز جزو اعظم تھی اس لیے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ یعنی مخلوقِ خدا کی ہمدردی وغمخواری کرنے کے بعد وہ فرائض بدنی بھی ادا کرتا ہو، پابندی کے ساتھ پنجگانہ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ تعدیلِ ارکان ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتا ہو تاکہ روح کی روشنی، بدن کی صفائی اور تندرستی، صبر واستقامت کی توفیق اور اتحادِ ملی وقومی کا مظاہرہ ہو اور ان تمام مدارج کو طے کرنے کے بعد رضائے خالق اور قربِ الٰہی حاصل ہو جائے۔

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ گزشتہ حقوقِ مالی اگرچہ فرائضِ انسانی میں داخل تھے لیکن چونکہ شرعاً ان مصارف کی کوئی مقدار نہ تھی اس لیے یہاں زکوٰۃ کا ذکر کیا یعنی گزشتہ حقوق کی ادائیگی کے باوجود وہ زکوٰۃ مقررہ بھی ادا کرتا ہو اور تعمیلِ حکمِ الٰہی کو اپنا مخصوص مطمحِ نظر قرار دیتا ہو۔ صرف اسی خیال پر اکتفا نہیں کرتے کہ ہم حقوقِ مالی ادا کر چکے اب مزید صرف کی کیا ضرورت ہے۔

یعنی مذکورہ خصائل وصفات کے حاملین کے یہ اوصاف بھی ہوں کہ جو وعدہ وعہد کرتے ہوں اس کو پورا کرتے ہوں۔ کافروں سے ہوں یا مسلمانوں سے، دوستوں سے ہوں یا دشمنوں سے، عزیزوں سے ہوں یا غیروں سے۔ بہرحال اپنے وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ تجارتی یعنی دینی، اقتصادی اور جنگی معاہدات، کنفدے صلح وجنگ کے معاہدے، صدق، امانت، دیانت وغیرہ تمام اوصاف کو

اس کلمہ میں داخل ہیں۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ اور خصوصیت کے ساتھ صبر و استقامت کا مادہ ان میں انتہائی درجہ پر موجود ہے وہ تنگی میں بھی صبر سے کام لیتے ہیں۔ افلاس کو چھپانے دست درازی نہ کرنے اور شکر ادا کرنے کی طرف ہر وقت دھیان رکھتے ہیں۔ وَالضَّرَّآءِ اور مصیبت کے وقت بھی استقامت و ثبات کو ہاتھ سے نہیں کھوتے۔ جزع فزع نہیں کرتے بڑی بڑی [illegible] میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت بھی دلیری اور پامردی سے کام لیتے ہیں۔ وطن و قوم کی حفاظت مذہب و ملت کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمن کے سامنے جم جاتے ہیں۔ تلواروں کی چھاؤں سے پشت نہیں موڑتے۔ جان کا صرفہ نہیں کرتے۔ اپنے خون کو اسلامی مقاصد کے مقابلہ میں عزیز نہیں سمجھتے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا یہی لوگ صادق الایمان ہیں۔ صدیقیت کا مرتبہ انہی کو حاصل ہے۔ قوت نظریہ انہی کی مکمل اور روشن ہے۔ عقائد و خیالات انہی کے صحیح ہیں۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی متقی ہیں۔ اعمال و افعال انہی کے صحیح ہیں شرک و گناہ اور فساد فی الارض سے یہی طبقہ بچنے والا ہے۔ یہی زمین پر امن و عافیت پھیلانے کی کوشاں ہیں۔ انہی کی قوت عملیہ درست ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اوصاف رکھنے والوں کا نفس مزکّی نظری و عملی قوتیں صحیح اور عقائد و اعمال درست ہیں۔

مقصود بیان ایمان کامل کی تعلیم یعنی اس بات پر ایمان لانے کی ہدایت کہ خدا واحد لاشریک قادر مطلق حکیم علیم موجد رازق اور معید ہے۔ کل کائنات کی عنان ایجاد و تربیت اسی کے ہاتھ میں ہے اور حیات و ممات کا وہی مالک ہے۔ پھر دونوں نورانی مخلوق پر بھی ایمان ضروری ہے۔ ایک وہ طبقہ جو نور مجسم اور صفا محض ہے۔ یعنی فرشتے۔ دوسرے وہ لوگ جن کا تعلق اس مادہ اور مادیت سے بھی ہے اور جنہوں نے اپنی مادی قوتوں کو روحانی قوت سے زیر کر لیا ہے یعنی گروہ انبیاء۔ اس کے علاوہ معاد قیامت اور اس کے تمام تفصیلی مسائل پر بھی ایمان ضروری ہے اور قوانین الٰہی کی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی لازم ہے۔ اعزاء احباب دوست، دشمن، اپنا بیگانہ، یتیم، مسکین، مسافر، فقیر کی پرورش کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ دشمن سے بھی سلوک کیا جائے۔ غلاموں کے آزاد کرانے، قیدیوں کو رہا کرانے، اور قرضداروں کا قرض ادا کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ایفائے وعدہ، پابندی معاہدہ اور قول کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ آخر میں صبر و استقلال، بلند حوصلگی، مصائب امراض میں ثبات دشمنان دین کے مقابلہ میں پائیداری اور قائم رہنے کا بھی ارشاد ہے۔ نماز پر پابند رہنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی صراحت کی گئی ہے۔ گویا اصول سعادت و سیادت قوانین ترقی اور نجات کے قواعد کی مکمل طور پر تعلیم دی گئی ہے اور آباؤ اجداد کے رسوم کی کورانہ تقلید سے منع کیا گیا ہے جن کے اندر سوائے پوست کے مغز کا فقدان ہے۔

ہدایت خاص یہ آیت ہم کو درس مساوات اور اتحاد ملی و قومی کا سبق دیتی ہے۔ اس کے اندر نجات و ترقی کے بیش بہا خزانے مخفی ہیں۔ کاش مسلمان اس کو اپنے لیے چراغ ہدایت بنالیں تو اس طرح اقوام عالم کی نظروں میں ذلت اٹھانی نہ پڑے اور اسلام کی اعلیٰ شان مخالفین اسلام کی نظروں میں نمایاں ہو جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

مسلمانوں تم پر مقتولین کا قصاص لازم کر دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ

اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اب اگر کسی کو اُس کے (مسلمان) بھائی کی طرف سے معاف کر دیا جائے

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تو دستور کے مطابق (دیت کا) مطالبہ اور خوش معاملگی سے اُس کو ادا کرنا چاہیئے یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی کر دی گئی ہے اور اس

وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي

کی رحمت ہے اب اگر اس کے بعد کوئی زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب (موجود) ہے اے عقلمندو! تمہارے لیے قصاص

الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم (خون ریزی سے) باز آجاؤ

تفسیر ابن کثیر نے تفسیر میں ذکر کیا ہے اور بغوی نے قتادہ اور مقاتل بن حیان کی روایت نقل کی ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے دو گروہ آباد تھے بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ دورِ اسلام سے قبل ان دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی۔ بنو قریظہ مغلوب ہوئے اور اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ چونکہ بنو نضیر بنو قریظہ سے زیادہ شریف تھے اس لیے اگر کوئی نضیری کسی قریظہ والے کو قتل کر دیتا تو نضیری کو اُس کے عوض قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ سو وسق کھجوریں دیت میں ادا کر دی جاتی تھیں اور اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو مار ڈالتا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر اتفاقاً اس سے دیت بھی لی جاتی تو دوگنی یعنی دو سو وسق۔ خدا تعالیٰ نے اس تفریق کو مٹانے اور مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ نازل کی۔

سعید بن جبیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ زمانۂ اسلام سے کچھ پہلے عرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں سخت لڑائی ہوئی۔ ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آیا اور اوس نے دوسرے قبیلہ کے بہت سے لوگوں اور عورتوں کو مار ڈالا۔ جب حضور اقدس صلعم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن پہلی لڑائی کے عوض لینے کا [illegible] اور چونکہ شکست خوردہ قبیلہ عالی خاندان شمار ہوتا تھا اس لیے اس نے فاتح قبیلے سے کہا کہ ہم تو اپنے ہر مقتول غلام [illegible] کے عوض [illegible] میں مرد کو قتل کریں گے اس وقت دل کو چین ہوگا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (صحیح قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم منسوخ ہے اور آیت مائدہ اس کی ناسخ ہے)۔ آیت کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! مقتولین کے قتلِ عمد کا قصاص اور قصاص میں مساوات و عدل کا لحاظ تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ قصاص فرض ہے خواہ کسی کو قتل کرے۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ اگر کوئی آزاد آدمی کسی دوسرے آزاد شخص کو قتل کر دے تو اسی قاتل کو قصاص میں قتل کرنا لازم ہے۔ قاتل کی شرافت، حسب و نسب اور وجاہت و مالداری پر نظر نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ حریت میں قاتل و مقتول دونوں برابر ہیں اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیے کہ ایک کے عوض سینکڑوں غیر مجرموں کو قتل کر ڈالو اور غصہ میں آکر قاتل کے خاندان کو تباہ کر دو۔ نہ یہ بات مناسب ہے کہ مقتول کی وجاہت و شرافت کے لحاظ سے قاتل کو اور قاتل کے تمام طرفداروں کو مار ڈالو بلکہ عدل و مساوات کو ملحوظ رکھو۔ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اور اگر کسی غلام نے دوسرے غلام کو قتل کر دیا ہو تو عوض میں اسی غلام کو قتل کر دو۔ اس بات کا مطالبہ نہ کرو کہ ہم اس کے آقا کو بھی ماریں گے یا اپنے غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کریں گے۔ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى اور اگر عورت کسی عورت کو مار ڈالے تو قاتلہ عورت کو ہی قتل کرو اس کے شوہر اولاد اور بھائی بندوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس بات کی خواہش کرو کہ ہم مقتولہ کے عوض مقابل قوم کے مرد کو قتل کریں گے۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ اب اگر مقتول کے تمام وارث اپنے مسلمان بھائی کو یعنی قاتل کو قصاص معاف کر دیں یا بعض وارث معاف کر دیں اور بعض معاف نہ کریں فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ اور دیت ادا کرنی باہم طے ہو جائے تو سہولت اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ قاتل کمزور ہے اگر یہ مفلس اور تنگ دست ہو (مگر) الفوراً ادا کرنے کا تقاضا کیا جائے بلکہ مہلت دی جائے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیے کہ انتہائی زیادتی سے پیش آئیں یا خلاف شریعت امور کا مطالبہ کریں۔ مثلاً قاتل سے کہیں کہ اپنی جورو بیٹی یا بہن کو ہمارے حوالے کر دو یا اپنی اولاد کو ہماری غلامی میں دے دو یا تو خود ہماری غلامی کو اختیار کرے۔ اسی طرح قاتل پر بھی لازم ہے کہ مقتول کے وارثوں کے احسان کو فراموش نہ کرے جو معاوضہ طے پا گیا ہے اس کو بلا حیلہ و حجت ادا کر دے۔ اگر مہلت کا بھی مطالبہ کرے تو مدت وعدہ کے اندر ادا کر دے۔ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ یہ حکم دیت تمہارے لیے خدا کی طرف سے سہولت کی وجہ سے ہے اور اس کی رحمت ہے اور قصاص ہی فرض رہتا اور دیت کافی نہ ہوتی۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ جو شخص اس قرارداد کے بعد پھر زیادتی کرے گا۔ دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو مار ڈالے گا یا اقرار ادا کے بعد ادا نہ کرے گا تو اس کے واسطے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے اور دین میں بھی۔ دنیا میں اس سے قصاص لیا جائے گا اور آخرت میں جہنم میں جائے گا۔

ہدایتِ خاص

آیت مذکورہ میں جو آزاد کے مقابل آزاد کو غلام کے مقابل غلام کو اور عورت کے مقابل عورت کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ عورت کے مقابل مرد کو یا غلام کے مقابل آزاد کو قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ اول تو یہ آیت ہی منسوخ ہے جس طرح ہم نے اوپر بیان کر دیا۔ دوسرے عورت اور غلام کا تذکرہ بطور تمثیل کے ہے۔ تیسرے یہ کہ اہل عرب آزاد مرد کے مقتول ہونے کا تو قصاص لیتے ہی تھے خواہ اس کا قاتل کوئی ہو۔ غلام ہو، عورت ہو یا آزاد مرد ہو صرف معاوضہ اور قصاص لینے [illegible] [illegible] مقتول عورت یا مقتول غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کی تردید آیت میں ہو گئی۔ اس کے علاوہ شان نزول میں بیان [illegible] کسی دوسرے مغلوب قبیلہ نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم اپنے مقتول غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کریں گے اور مقتول عورت کے عوض مرد کو ماریں گے۔ چونکہ یہ حکم و قول ظلم آمیز اور خلاف انصاف تھا کہ ہے کوئی بھرے کوئی۔ اس لیے آیت میں اس کا رد کر دیا گیا مقصود در حقیقت مساوات کا اعلان دینا ہے۔ یہ مدعا نہیں ہے کہ عورت کا قاتل مرد یا غلام کا قاتل حُر ہو تو قصاص نہ لیا جائے۔

ہدایتِ خاص ۲

گزشتہ اُمتوں پر قصاص لینا اور مار ڈالنا ہی واجب تھا لیکن مسلمانوں کے لیے یہ سہولت ہو گئی کہ اگر مقتول کے وارث قصاص معاف کر کے مال لینے پر راضی ہو جائیں تب بھی جائز ہے۔ اسی کی طرف لفظ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ مطلب یہ ہے کہ اے دانشمندان قوم! تمہارے لیے قصاص میں ایک عظیم الشان زندگی مضمر ہے۔ رسم قصاص اور مساوات نہ ہونے سے ایام جاہلیت کی سفاکی اور خاندانوں کے ہزاروں افراد کا تہ تیغ ہو جانا ہے گا۔ اس کے علاوہ [illegible] جب قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا تو قانون عدل کا خوف ہے کہ کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرے گا جس کے نتیجہ میں [illegible] کی جان بھی بچ گئی جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جاتا اور ارادہ کرنے والے کی جان بھی محفوظ رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصاص

قصاص کے اندر سوشل اور معاشرتی اصلاح و حیات مضمر ہے۔

تنبیہ قصاص لینے کا حق حاکم کو ہے یہاں مطالبۂ قصاص کا حق مقتول کے وارثوں کو ہے۔ قصاص کے واسطے قتل عمد ضروری ہے قتل خطا یا شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہے جس کی تعداد سو اونٹ یا دس ہزار درہم ہے۔

مقصود بیان عرب کی دیرینہ صدہا سالہ خانہ جنگیوں کا خاتمہ سفاکیوں کی خونریزیوں کی انسداد قتال و جدال کی بندش، مساوات انسانی کا درس، زمین پر امن و اصلاح کا اعلان معاشرتی اصلاح، کینہ توزیوں کی بیخ کنی، اس بات کی طرف اشارہ کہ قاتل نے اگرچہ مقتول کو قتل کر دیا ہے۔ پھر بھی مقتول کے وارثوں کا وہ مسلمان بھائی ہے۔ اس لیے حتی الامکان اس کو معاف کر دینا چاہیئے اس لفظ اخیہ سے ایثار، رحم اور عفو کے جذبات کو حرکت دینی مقصود ہے۔ عدل اور انصاف کی طرف بھی آیت میں ہدایت کی گئی ہے۔ زیادتی کرنے والے کو سزا کا خوف دلایا گیا ہے اور بالآخر لفظ یا اولی الالباب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ذرا عقل سے سوچنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ قانون قصاص اور مساوات عوض کس قدر منافع سے لبریز ہے۔ اگر قانون قصاص نافذ نہ کیا جاتا تو کس قدر مفاسد و بربادیاں دنیا میں پھیل جاتیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ

تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت آجائے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۞ فَمَن

کیلیے بہ رسدی وصیت کر جائے خدا سے ڈرنے والوں پر یہ حکم لازم ہے پھر اگر سننے کے

بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

بعد بھی کوئی اس وصیت میں تبدیل تغیر کرے گا تو تبدیل کا گناہ صرف تبدیل کرنے والے پر ہوگا بیشک اللہ خوب

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۞ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ

سنتا اور جانتا ہے لیکن اگر کسی کو وصیت کنندہ کی طرف سے طرفداری یا بے انصافی کا اندیشہ ہو اور وہ سب کے آپس

بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

میں صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ میت کے کل مال کا وارث صرف بیٹا ہوتا تھا ماں باپ اور دیگر اعزا و اقارب سب محروم ہوتے تھے اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر اعزا کو کل ترکہ کی تہائی مال میں وصیت کرنی فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس پر تین راتیں گزریں اور اس کے پاس وصیت لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین)، لیکن اسی آیت کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام وارثوں کے حصے علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیے گئے تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا (بیہقی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا گیا۔ اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے (صحیحین)، اس لیے اہل قرابت جو وارث ہو جائیں یا شرعاً ان کا کوئی حق ہی مقرر نہ کیا گیا ہو تو ان کے حق میں آیت کا حکم باقی ہے لیکن حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ تہائی مال میں سے وصیت کرنے کا اختیار ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر علامات موت ظاہر ہو جائیں اور خیال ہو جائے کہ اب انتقال ہو جائے گا خواہ بعد کو انتقال نہ ہو بلکہ تندرستی ہو جائے اور مال کثیر بھی ترکہ میں باقی چھوڑے۔ یعنی ادائے قرض اور تجہیز و تکفین کے بعد مال کثیر رہ جانے کا بھی خیال ہو تو ایسی صورت میں (تہائی مال میں) وصیت کرنی فرض ہے۔ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور یہ وصیت کرنی والدین اور دیگر اقارب کے واسطے ہے لیکن دستور کے موافق ہونی چاہیئیں۔ یہ نہیں کہ کل مال یا نصف مال وصیت میں دیدے بلکہ تہائی مال میں وصیت کرنی چاہیئے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیئے کہ کسی دولت مند کی رعایت سے اس کو زیادہ مال کی وصیت کرے حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ یہ حکم وصیت مسلمانوں پر حق لازم کر دیا گیا اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ پس اب جو شخص مال پر قبضہ کرنے کے بعد یا گواہ اور وصیت پر اطلاع پانے کے بعد اصل وصیت کے مفہوم کو پوشیدہ کرے گا اور اس کو بدل کر ظاہر کرے گا۔ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ تو اس تبدیلہ تحریف کا گناہ بدلنے والے کی گردن پر ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وصیت کرنے والے کی وصیت کو بھی سنتا اور جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیل کو بھی۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ہاں اگر کسی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا اور کسی موصیٰ لہ کی طرف زیادہ مائل ہو جائے گا یا موصی نے وصیت خلاف انصاف کی اور اس کے مرنے کے بعد جھگڑا پیدا ہو گیا اور کسی شخص نے وصیت میں کچھ زیادتی کر کے وارثوں میں باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل تغیر میں اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ اس کی نیت اچھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اگر اس اصلاح کی کوشش میں کچھ خلاف وصیت اس سے بات ہو جائے تو اس کی گرفت نہ ہوگی۔ خدا معاف کرنے والا ہے۔

تنبیہ کتنے مال کی موجودگی میں وصیت واجب تھی اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، عطیہ، ضحاک، سدی، ربیع، مقاتل، قتادہ اور زہری وغیرہ کے نزدیک مال کی کوئی مخصوص مقدار نہ تھی۔ بلکہ ادائے قرض اور ضروری مصارف کے بعد بقیہ مال میں وصیت واجب تھی۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک کثرت مال لازم جس کی تعیین مقدار کے لیے ہزار دینار یا پانچسو دینار یا ساٹھ دینار مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ اس کی تعیین عرف پر موقوف ہے کوئی مقدار مخصوص نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک وصیت کے لیے مال کثیر کا باقی رہنا ضروری تھا۔

مقصود بیان صلہ رحمی اور کنبہ پروری کی تعلیم، تمام رشتہ داروں کی مساوات اور انصاف کرنے کی ہدایت۔ کسی ایک کی حق تلفی اور دوسرے کی طرف میلان خاطر رکھنے کی ممانعت۔ نیت کی اصلاح کی اجازت وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مسلمانو! تم پر روزے ایسے ہی فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر

مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم

فرض کر دیئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (روزوں کی فرضیت) گنتی کے چند دن ہیں ہاں تم میں سے جو شخص بیمار

مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ

ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گن کر رکھ لے اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن

تو وہ (ہر روزہ کے) بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا دے دیں اور جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو یہ اُس کے لیے اور بھی اچھا ہے اور اگر تم

تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

سمجھدار ہو تو (سمجھ لو کہ) روزہ رکھنا (فدیہ دینے سے) اچھا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا جو حیاتِ دنیوی کا موجب ہے۔ اب روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ روزہ حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے۔ روزے سے انسان کی مادی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں اور روحانی قوت غالب آجاتی ہے جس کی وجہ سے دل میں نورِ مادہ سے تجرد اور کثافتِ جسمانی سے پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کی روح کو اس خاکی جسم کو چھوڑنے کے بعد حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں روزہ رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ تمہارے واسطے لازم ہے کہ دن بھر کھانے پینے اور لذتِ جنسی حاصل کرنے سے صرف رضا جوئی خالق کی نیت سے رُکے رہو۔ یہ بھی مناسب ہے تمہارے شہوانی اور غضبی قوتوں کے جس قدر ناجائز اقتضائیات ہیں اُن سے بھی کنارہ کش رہو۔ جھوٹ، غیبت، افترا، ایذا رسانی، چوری، قمار بازی، فتنہ، غضب، انتقام، فحش گوئی وغیرہ سے پرہیز رکھو۔ ذکر و فکر میں اپنے نفس کو روکے رکھو اور یہ روزہ کی فرضیت صرف تم پر ہی نہیں ہوئی بلکہ تم سے قبل جتنی امتیں گزری ہیں سب پر روزہ فرض تھا۔ یہ الفاظ تاکید حکم اور لوگوں کو ترغیب دینے اور ذہن انسانی کو روزہ سے مانوس کرنے کے لیے کہے گئے ہیں تاکہ لوگ روزہ رکھنے کی کوشش کریں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تم کو روزہ کا حکم صرف اس لیے دیا گیا کہ تم متقی بن جاؤ، تمہارے نفسانی خواہشات کا زور ٹوٹ جائے۔ دل کا تزکیہ اور قلب کی طہارت ہو جائے۔ شیطان کے راستے مسدود ہو جائیں۔ اور ہر قسم کے گناہ سے تم محفوظ رہ سکو۔ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ روزہ تم کو ہمیشہ رکھنا پڑے گا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ روزہ رکھنے کا حکم چند معدود دنوں کے واسطے ہے۔ بس چند روزہ ایام میں روزہ رکھنا اور باقی سال میں بے روزہ رہنا۔ پورے سال بھر روزہ رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ فقط رمضان کے روزے

رکھنے ممانی ہیں۔ لیکن اس میں یہ سہولت ہے کہ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ تم میں سے اگر کوئی بیار ہو روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جاتا ہو یا مسافر ہو تو رمضان کے روزے نہ رکھے بلکہ اتنے ہی دن دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے۔ مریض تندرست ہو جائے تو رکھ لے اور مسافر اپنے گھر آ جائے تو اس فرض کو ادا کرے اور اس سے بڑھ کر سہولت یہ ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ کہ جو شخص ناطاقت ہو زیادہ کمزور اور بوڑھا ہو یا امیر دولتمند ہو کہ روزہ رکھنے سے مشقت اٹھانی پڑتی ہو تو روزہ رکھنا لازم نہیں بلکہ ایک فقیر کو دو وقت کھلا دے۔ یہ اس کے روزے کا بدلہ ہو جائے گا۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ لیکن اگر کوئی دولتمند اپنی طرف سے نیکی کرے۔ خود روزہ بھی رکھ لے اور مسکین کے کھانے سے زیادہ دے دے تو اور بہتر ہے مگر وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ روزہ رکھنا تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ اگر تم کو اس کی فضیلت خوبی اور فوائد جسمانی و روحانی کا علم ہو جائے تو تم ضرور روزہ ہی کو پسند کرو گے لہٰذا روزہ ہی رکھنا چاہیے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ

وہ ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت

مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ

اور امتیاز حق و باطل کے صاف صاف حکم موجود ہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص (حالت اقامت و صحت میں) اس مہینہ کو پائے تو اس کے

كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ

مہینہ روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں میں (اس کی بجائے) گن کر رکھ لے اللہ تم پر نرمی کرنا چاہتا

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى

سختی کرنا نہیں چاہتا قضا روزوں کے شمار کا حکم اس لیے ہے کہ تم تعداد پوری کرلو اور اللہ اس بات پر خدا کی عظمت

مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور اس لیے تاکہ تم احسان مانو

تفسیر یہ آیت بر بنائے جمہور گزشتہ آیت کی ناسخ ہے۔ پہلی آیت میں اُمراء وغیرہ کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہاں اُس تخییر کے حکم کو باطل کیا گیا اور چونکہ پہلے مبہم طور پر اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کہا تھا یہاں اس کی وضاحت کر دی۔ حضرت معاذ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی قول حسن بصری، سدی اور حضرت ابن عمر وغیرہ کا ہے سیوطی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ ایام معدودہ سے مراد رمضان ہے اور ماہ رمضان کے روزوں کے لیے اس لیے خصوصیت دی گئی کہ اسی ماہ میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے راہ راست دکھانے والا اور حق و باطل میں تفریق و تمیز کرنے کے لیے کھلی کھلی علامات اور واضح دلائل کا حامل ہے۔ یہ شرافت ماہِ رمضان کو ہی حاصل ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ لہٰذا جو شخص رمضان کے مہینہ کو پالے اُس پر پورے رمضان تک روزے رکھنے لازم ہیں۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ہاں جو شخص مریض ہو روزہ رکھنے سے مجبور ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے علاوہ بوڑھا جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں اس کا حکم پہلے بیان کر دیا گیا اور وہی باقی رہا۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یہ احکام میں نرمی صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو مشقت و دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا ہے بلکہ تمہاری سہولت و آسانی اس کو مقصود ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ یعنی مرض یا سفر کی وجہ سے جو روزے قضا ہو گئے ہوں ان کی تعداد کو ملحوظ رکھو تاکہ اسی شمار کے مطابق قضا روزے رکھ سکو اور قضا شدہ روزوں کی تعداد پوری کر سکو۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ یعنی خدا تعالیٰ نے قضا کا حکم تم کو دیا اور سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ ترک کرنے کی اجازت دیدی اور پھر اسی تعداد کے مطابق قضا روزے رکھنے کا قاعدہ تم کو بتا دیا تاکہ تم خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اس کی عظمت و ربوبیت کا اقرار کرو۔ ابن مسعودؓ تکبیر میں یہ الفاظ کہتے تھے۔ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ روزہ داروں پر حق ہے جب ماہ شوال کو دیکھیں تو تکبیر کہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی خدا تعالیٰ نے روزہ کے قانون میں تمہارے لیے سہولت اس لیے دے رکھی ہے کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور شکر کے ارکان اور عمل سے اس کی ستائش کرو۔ زبان کو اس کی تعریف میں مشغول رکھو۔ اعضاء سے اس کی اطاعت و فرمان پذیری کرو اور دل سے اس کی تصدیق کرو۔

کُل آیات کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں ہر ماہ تین دن یعنی ایام بیض کا روزہ رکھنا فرض تھا۔ نیز عاشورہ کا روزہ بھی ہر سال لازم تھا۔ اس کے بعد رمضان کے روزے فرض ہوئے اور جو روزے پہلے فرض تھے بعد کو سنت رہ گئے۔ لیکن اس میں بھی آسانی رکھی گئی تھی کہ مقدور والے اگر رمضان میں روزے نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض ایک محتاج کا پیٹ بھر دیں تو یہ بھی کافی ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی روزہ رکھنا مناسب تھا کیونکہ روزہ رکھنے کی فضیلت روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے اگر باوجود فدیہ دینے کے روزہ بھی رکھ لیا تو روزہ فرضیت سے بری کر دیتا تھا اور فدیہ نفل بن کر موجب اجر یا ثواب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ آیت أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ نازل ہونے پر مسلمانوں کو اختیار رہا جس نے چاہا روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا فدیہ دے دیا۔ لیکن جب آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو گذشتہ حکم منسوخ ہو گیا اب غریب امیر سب کو رمضان کے سارے روزے رکھنے فرض ہیں۔ البتہ مسافر اور مریض کو اب بھی اجازت ہے کہ اگر وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں تو بعد میں اس کی قضا کر لیں۔ ہاں جو شخص بہت بوڑھا یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں تو اس کے لیے فی روزہ ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کا حکم اب بھی قائم ہے۔

مقصودِ بیان فرضیت روزہ کا عمومی حکم، خواہ دولتمند ہو یا نادار، امیر ہو یا مفلس، بادشاہ ہو یا فقیر سب پر یہ حکم تا طلق مساویانہ طور پر لازم ہے۔ اس سے اسلامی احکام کی مساوات پسندی اور تعادل کا پتہ چلتا ہے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف لطیف اشارہ، مادی قوتوں کے زور توڑنے کی طرف نادر تلمیح، روزہ تمام الہامی شریعتوں کا جزو لازم ہے۔ اس کی صراحت کر کے مسلمانوں

کے لیے تسکین خاطر اور طمانیت قلبی کے مواد کی فراہمی۔ رمضان کی حرمت برکت اور کرامت کا اظہار قرآن کی عظمت اور وقعت کی تصریح اور اس بات کا ضمنی بیان کہ قرآن حق و باطل میں تفرقہ کرنے والا، بھولے ہوؤں کو راہ راست دکھانے والا ہے۔ اس کے اندر حقیقت بین نظر رکھنے والوں کے لیے واضح دلائل اور کھلے معجزات و نشانات ہیں، جو بصیرت کوش اور ہدایت طلب لوگوں کے لیے راہنما بن سکتے ہیں۔ حمد شکر اور اظہار عظمت الٰہی کا حکم وغیرہ۔

ضروری ہدایت اول تمام قرآن لوح محفوظ سے نقل ہوکر ۲۴ رمضان کو پہلے آسمان پر نازل ہوگیا تھا پھر تیئیس ۲۳ سال میں بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا اُترتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ پر پہلی رمضان کو صحیفے اُترے تھے اور موسیٰؑ پر توریت ۶ رمضان کو نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل ۱۳ رمضان کو اُتری۔ حضرت داؤدؑ پر زبور ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی۔ باقی دیگر انبیاء پر بھی صحیفے ایک دفعہ ہی نازل ہوئے تھے مگر قرآن پاک کو دونوں فضیلتیں مرحمت ہوئیں۔ یعنی ایک دفعہ آسمان دنیا پر پہنچا اور متفرق طور پر حسب ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوتا رہا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا

اور جب تم سے میرے بندے میری بات پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہی ہوں دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے

لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ

مناسب ہے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ سیدھی راہ پر آجائیں

تفسیر اس کے شان نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن حیدہ قشیری سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلعم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ [illegible] ہمارا رب پاس ہی ہے کہ ہم آہستہ دعا مانگیں یا دور ہے کہ پکار پکار کر دعا کریں؟ حضور یہ سن کر خاموش ہوگئے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (ابن ابی حاتم و ابو جریر و ابن مردویہ و ابوالشیخ الاصبہانی)۔

جامع الاصول کی روایت سے جو حضرت نعمان بن بشیر کے حوالہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور والا نے ایک روز فرمایا دعا کرنی عبادت ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ؟ ہمارا رب کیا قریب ہے؟ کہ اس کو آہستہ سے دعا کریں یا دور ہے کہ پکار پکار کر مانگیں اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (اخرجہ بغوی)

عطاء کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وقت دعا کرنی بہتر ہے؟ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخین کی روایت میں ہے کہ کسی جہاد پر حضور اقدسؐ مع صحابہ کے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی میں لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کرنی شروع کی۔ حضورؐ نے فرمایا لوگو! تمہارا رب نہ بہرا ہے نہ دور ہے۔ اس وقت آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی اور حضورؐ کے کلام کی تصدیق ہوگئی (صحیحین)۔ بہر حال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا مطلب یہ ہے کہ میرے بندے اگر آپ سے دریافت کریں کہ ہمارا رب قریب ہے یا دور تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے قریب ہی ہوں۔ میری رحمت قدرت اور علم اُن سے نزدیک ہی ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ دعا کرنے والے جب اور جس وقت مجھ سے (بخلوص قلب) دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعا قبول کرتا ہوں۔ دعا کے لیے کوئی خاص وقت ضروری نہیں کہ کسی متعین وقت دعا کی جائے تو میں قبول کروں اور اس مخصوص موقعہ کے علاوہ کی جائے تو نہ قبول کروں۔ پھر جب میری رحمت اتنی وسیع ہے کہ میں ہر وقت

دُعا کی شنوائی کرتا ہوں کسی وقت میرا باب رحمت بند نہیں۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي تو میرے بندوں پر بھی لازم ہے کہ میری اطاعت و فرمانبرداری کریں میرے احکام کی تعمیل کریں اور مجھے وحدہٗ لاشریک عالم کا اور مجیب الدعوات خلاقِ عالم جانیں لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ تاکہ میرے باب رحمت تک ان کی رسائی ہو سکے اور اصل مدعا یعنی قربِ خدا حاصل ہو جائے۔

مقصودِ بیان

ہر وقت صبح ہو یا شام، آدھی رات کا وقت ہو یا دوپہر کا ہر صورت اور بہر حال دعا قبول ہوتی ہے لیکن قبولیتِ دعا کا التزام ضروری ہے یعنی خلوص دل، شریعتِ الٰہی کی پابندی اور ایمانِ صحیح۔ ان شرائط کی موجودگی میں آدمی ہمیشہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ کیونکہ وعدۂ الٰہی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کبھی کبھی شرائطِ مذکورہ کی عدم موجودگی میں بھی صرف خلوصِ دل کی وجہ سے دعا قبول ہو جاتی ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح اور شریعت اسلامی کی پابندی ہی معرفتِ الٰہی کا زینہ ہے۔ جو لوگ اس کے خلاف معرفت کے دعویدار عرفان اور خلوص کے مدعی ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیبیوں سے قربت کرنی حلال کر دی گئی ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔـٰنَ

ہو اللہ کو علم ہوا کہ تم چوری سے اپنا نقصان کرتے تھے اس لئے اس نے عنایت فرمائی اور تمہاری خطا سے درگزر کی لہٰذا اب

بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

تم ان سے قربت کرو اور اس (اولاد) کی طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور کھاتے پیتے رہو تاوقتیکہ فجر کی سفید دھاری (رات کی)

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ

سیاہ دھاری سے ممتاز ہونے لگے پھر روزے کو رات تک پورا کرو اور جب مسجدوں

وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ

میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو عورتوں سے ہم بستری نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں

تفسیر

یہ آیات احکامِ صیام کا تتمہ اور ضمیمہ ہیں۔ علماء مفسرین نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزہ دار کے لئے کھانا پینا اور منافع جنسی سے بہرہ اندوز ہونا عشاء کی نماز پڑھنے اور سو جانے سے قبل جائز تھا لیکن عشاء کی نماز پڑھنے اور سو جانے سے یہ چیزیں ممنوع قرار پاتی تھیں۔ چنانچہ ابو صرمہ صحابی کا ایک قصہ اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلے میں مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابو صرمہ دن بھر کام کرنے کے بعد شام کو

تھکے ماندے گھر میں آئے۔ روزہ افطار کرنے کے بعد بیوی سے کھانا طلب کیا۔ چونکہ کھانا موجود نہ تھا اس لئے بیوی کہیں سے لینے گئی۔ کھانے کے آنے میں دیر ہوگئی اور یہ سوگئے۔ کچھ دیر کے بعد بیوی نے آکر بیدار کیا لیکن چونکہ خواب کے بعد بیدار ہوکر کھانا ممنوع تھا اس لئے انھوں نے نہ کھایا اور صبح پھر دوسرے دن کا روزہ رکھ لیا۔ دوسرے روز بہت کمزوری ہوگئی اور حضورؐ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اسی طرح دیگر واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ دیر تک خدمت حضورؐ میں حاضر رہنے کے بعد رات گئے گھر میں آئے اور بیوی سے قربت کا ارادہ کیا۔ بیوی نے عذر کیا کہ میں سوگئی تھی۔ لیکن جذبات سے مجبور ہوکر حضرت عمرؓ متمتع اندوز ہوگئے۔ اسی طرح حضرت کعبؓ سے بھی حرکت سرزد ہوگئی۔ صبح کو فاروق اعظم روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں صبح صادق تک کھانے پینے اور دیگر اقتضائیات کو پورے کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ خواہ نماز عشاء کے بعد یا قبل اسی طرح سوکر اٹھنے کے بعد ہو یا سونے سے پہلے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ کی شب میں بیوی سے قربت حلال کردی گئی ہے۔ کیونکہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا۔ مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں سے طبعی رغبت ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کے لئے پردہ پوش ہوتی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے۔ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ یعنی خدا کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور پر ملا کرتے تھے اور خود اپنا نقصان کرتے تھے۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ خیر خدا نے تم پر عنایت کی اور تمہاری گزشتہ غلطیوں سے درگزر فرمائی۔ یہاں تک تو پہلے قانون کا نسخ تھا۔ اس سے آگے ممنوعات سابقہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ لیکن اب تم عورتوں سے قربت کرسکتے ہو۔ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ لیکن اس قربت میں تم کو اس چیز کی ضرور طلب مدنظر ہونی چاہیئے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کردی اور لکھ دی ہے۔ مراد یہ کہ صرف خواہش نفسانی پوری کرنے اور تمتع جنسی حاصل کرنے کے لئے ہی عورتوں سے قربت نہ کرو بلکہ جماع سے اصل مقصود طلب اولاد ہونی چاہیئے۔ ابوہریرہ، ابن عباس، انس، شریح، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور بعض دیگر صحابہ و تابعین سے یہی تفسیر مروی ہے۔ بعض لوگوں نے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جو چیز خدا نے تمہارے لئے مباح کردی ہے اسی کا قصد کرو یعنی خلاف محل کی خواہش نہ کرو۔ ابن جریر کے نزدیک عام مفہوم مراد لینا صحیح ہے۔ یہاں تک تو حلت جماع کا بیان تھا۔ آگے کھانے پینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح صادق کا سفید ڈورا رات کے سیاہ ڈورے سے نمودار نہ ہوجائے۔ یعنی افطار کے بعد سے صبح صادق تک کھاؤ پیو۔ شروع میں اس آیت کے آخر میں لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل نہ ہوا تھا۔ اس لیے بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوئی اور وہ سیاہ سفید ڈورے سے یہی معمولی سیاہ سفید تاگے سمجھ گئے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ من الفجر نازل نہ ہوا تھا اور بعض لوگ جب روزہ کا ارادہ کرتے تو دونوں پاؤں کے درمیان سفید و سیاہ تاگے باندھ لیتے اور جب تک سفید و سیاہ تاگوں میں رنگ کا امتیاز نظر نہ آتا برابر کھاتے پیتے رہتے۔ آخر میں جب لفظ من الفجر نازل ہوا تو لوگ سمجھے کہ سفید و سیاہ تاگوں سے دن اور رات مراد ہیں (بخاری) امام احمد نے حضرت عدی بن حاتم کی ایک روایت نقل کی ہے۔ عدی کہتے ہیں کہ جب آیت حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوئی تو میں نے دو ڈورے ایک سفید دوسرا سیاہ تکیے کے نیچے رکھ لئے۔ پھر میں نے اُن کو دیکھنا شروع کیا۔ جب مجھ کو ان کی سیاہی اور سفیدی کا امتیاز ہوگیا تو اس وقت میں نے کھانا پینا ترک کیا۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور کیفیت واقعہ عرض کی۔ فرمایا کیا تم نے ایسا کیا تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے (کہ اتنے بڑے دن و رات تکیہ کے نیچے آگئے) ارے مراد یہ ہے کہ رات کی سیاہی اور تاریکی سے صبح کی روشنی نمودار ہوجائے (تو اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو) (صحیحین)۔

فائدہ:۔ آیت سے سحری کھانے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ کھانے پینے کی اجازت سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک دی گئی ہے اور سحری کھانے میں بھی بالکل آخری وقت کھانے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی اجازت و رخصت سے فائدہ اٹھانا مستحب ہے۔

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ یہ روزہ کی انتہا کا بیان ہے۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہو تو کھانا پینا ترک کردو اور روزہ رکھ لو پھر شام تک

قائم رکھو۔ جوں ہی شام ہو جائے یعنی آفتاب غروب ہو جائے تو روزہ پورا ہو گیا افطار کر لو۔

فائدہ: اس آیت سے تہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انتہائے روزہ کی حد ابتدائے شب کو قرار دیا ہے آیت سے افطار میں جلدی کرنے کا بھی استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ رخصت الٰہی سے فائدہ اندوز ہونا مستحب ہے۔

مقصود بیان

قانون صیام میں لوگوں کے واسطے سہولت مہیا کرنی اس بات کی تصریح ہے کہ روزہ سے مقصود کسر شہوت ہے نہ کہ شہوت کشی۔ روزہ کی راتوں میں جماع جائز ہے۔ روزہ کی مقدار صبح صادق سے لے کر ابتدائے شب تک ہے۔ شب کو روزہ جائز نہیں۔ آخری وقت سحری کھانی مستحب ہے۔ افطار میں جلدی کرنی بہتر ہے۔ صوم وصال منع ہے۔ عورتیں مردوں کی پردہ پوش ہیں اور مرد عورتوں کے۔ عورتیں اور مرد صنفی میلان میں برابر ہیں۔ خلاف محل قربت حرام ہے۔ قربت سے مقصود اولاد ہونی چاہیئے۔ جو اختلاط صنفی کا بدل ہے محض شہوت رانی اور نقصان اقتصاد کا پیدا کرنا مقصود نہ ہونا چاہیئے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ لوگ حالت اعتکاف میں مسجد سے نکل کر اپنی بیویوں سے قربت کر لیا کرتے تھے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بحالت اعتکاف قربت سے ممانعت کر دی گئی۔ مطلب یہ کہ جب تم مسجدوں کے گوشہ نشین ہو گئے ہو تو اس زمانہ میں عورتوں سے جماع نہ کرو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کی دو شرطیں ہیں (۱) ایک دن کامل کم از کم بیٹھنا (۲) مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا۔ شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں باتیں شرط نہیں ہیں بلکہ افضل ہیں۔ اعتکاف کے یہ معنی ہیں کہ تقرب الٰہی کی نیت سے مسجد میں چند روز یا چند ساعت یا جس قدر ہو سکے گوشہ نشینی اختیار کی جائے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا۔ یہ خدا کی قائم کردہ حدیں اور اسی کے مقرر کردہ قوانین ہیں تم ان کے مرتکب نہ ہو اور تکاب تو کیا معنی ان کے پاس بھی نہ جاؤ (یعنی تم کو ان کے اسرار معلوم نہیں۔ ان کی ابتدا تو عبودیت سے ہوتی ہے اور انتہا ربوبیت پر۔ خدا تعالیٰ نے احکام ربوبیت کی تعلیم عبودیت میں جدبندی کر دی ہے۔ لہٰذا تم کو چون وچرا اس کی پابندی کرنی چاہیئے) كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح یہ حدود قوانین مقرر کئے ہیں اسی طرح لوگوں کے فائدہ اور ہدایت کے لئے احکام کی تفصیل اور قوانین کا امتیازی اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ متقی ہو جائیں شرک ومعاصی سے بچ جائیں۔

تمام شیطانی وسوسوں، نفسانی اوہام اور دنیوی زرق برق کو چھوڑ کر چند روز کے لئے دلی توجہ اور روحانی خلوص سے خدا کی یاد کرنے کے لئے مسجد میں گوشہ نشین ہو جانے کا حکم۔ گوشہ نشینی کے زمانہ میں مباشرت یعنی اقتضائے صنفی کو پیدا نہ کرنے کی ہدایت۔ قوانین اسلام کا حدود الٰہی یا خدا کی قائم کردہ حدود ہونے کا بیان اور ممنوعات سے پرہیز رکھنے کا وجوب۔ قوانین اسلام اور حدود شرعیہ کا اصل مدعا لوگوں کی ہدایت اور ان کو متقی بنانا ہے۔ وغیرہ

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ

اور آپس میں　ایک دوسرے　کے مال　ناحق　نہ کھاؤ　اور اس مال کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے حاکموں کو نہ دو تاکہ لوگوں کے مال

أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ع

میں سے جو کچھ ہاتھ لگے　دیدہ و دانستہ　ناحق　اڑا لو

تفسیر

احکام صیام کے بیان میں رات کو کھانے پینے اور جماع کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن بعض صورتیں ایسی تھیں جن میں ان جائز کردہ چیزوں سے بالکل فائدہ اٹھانا ممنوع تھا۔ مثلاً دوران اعتکاف میں مباشرت ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں باوجود روزہ نہ ہونے کے بھی کھانا ناجائز ہے۔ اس کی تفصیل آیت مذکورہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ تم لوگ آپس میں ناجائز طور پر اور

ناحق اپنا مال نہ کھاؤ۔ یعنی اگر اپنا مال ہو تب بھی ناجائز اور ممنوع طور پر نہ کھاؤ۔ فضول خرچی، عیاشی اور دیگر لہو و لعب میں اپنا مال برباد نہ کرو اور دوسرے کا مال ہو تب بھی اس کے حصول کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو، چوری نہ کرو، غصب نہ کرو، سود کا لین دین نہ کرو، خیانت، دغا، فریب، حیلہ سازی، دھوکہ اور رشوت وغیرہ سے پرایا مال حاصل نہ کرو۔

وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور دیدہ و دانستہ رشوت دے کر مال کو حکام رسی کا ذریعہ بنا کر پرایا مال بھی نہ اُڑاؤ۔ گویا مدعا یہ ہے کہ کسی طرح پرایا مال حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو۔ نہ تو خود دھوکا فریب، دغا بازی، چوری، خیانت وغیرہ سے کمائی کرو، نہ حکام کو رشوت دے کر غیر کا حق چھینا اور جھوٹے مقدمات کی ڈگریاں لینے کی کوشش کرو۔ یہ دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب ہے۔

مقصودِ بیان حصولِ مال کے تمام ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت، رشوت دے کر حکام تک رسائی پیدا کرنی اور پھر اس رسائی سے جھگڑا اور اُٹھانے کی حرمت وغیرہ۔

فائدہ: - حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ آیت کا حکم اس شخص کے حق میں ہے جس پر کسی کا کچھ مالی حق ہو مگر گواہ نہ ہوں۔ اس لئے یہ شخص منکر ہو اور حکام سے اپیل کرے۔ حالانکہ اُس کو خوب علم ہے کہ مجھ پر حق واقعی ہے اور اس طرح میں پرائی حق تلفی کر رہا ہوں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حاکم نے صورتِ مقدمہ کو دیکھ کر خلافِ واقعہ حکم دے دیا تو اس حکم سے نہ حرام حلال ہو جاتا ہے نہ حلال حرام۔ صرف ظاہر میں اس کا اجراء ہوگا۔ ناجائز ڈگریاں حاصل کرنے والا اور اس طرح سے پرایا مال ہضم کر جانے والا خدا کے ہاں ماخوذ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں بھی ایک انسان ہوں اور مدعی مدعا علیہ جھگڑا لے کر میرے پاس آتے ہیں اور بعض لوگ اپنی حجت بیان کرنے میں فریق ثانی سے زیادہ طرار اور زبان آور ہوتے ہیں۔ اس لئے میں (ظاہر بیان کو دیکھ کر) اگر اس کو ڈگری دے دوں تو درحقیقت وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا چاہے اس کو لے لے یا چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ لاعلمی میں اگر میں کسی مدعی کو خلافِ واقعہ ڈگری دے دوں تو اس کو اس سے فائدہ نہ اُٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ گناہ اور موجبِ عذابِ آخرت ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

(اے محمدؐ) لوگ تم سے چاند کی بابت پوچھتے ہیں تم کہدو کہ وہ شناخت وقت کا ذریعہ ہے آدمیوں کے (کاروبار کا) بھی اور حج کا بھی

تفسیر رمضان، شوال، حج، محرم اور دیگر ایام کا اسلامی حساب چاند سے لگایا جاتا تھا۔ اس لئے ایک روز حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سبب ہے کہ چاند پہلی رات میں تو دھاگے کی طرح باریک ہوتا ہے اور پھر دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں تاریخ کو گول کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر روز بروز گھٹنا شروع ہوتا ہے اور آخر میں پھر اصلی حالت پر دھاگے کی طرح باریک رہ جاتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (دیکھو کشاف، امام راغب، سیوطی وغیرہ) چونکہ یہ سوال ہیئت کے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی اس زمانہ کے صحرا نورد خانہ بدوش بدویوں میں صلاحیت نہ تھی۔ اور نہ اس کی حقیقت و ماہیت بیان کرنے سے معاش و معاد کی کوئی غرض وابستہ تھی اس لئے انتہائی درجۂ بلاغت کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے فائدہ بتا دیا اور چاند کی اس کمی بیشی سے جو لوگوں کے کاروبار اور معاملات وابستہ تھے اس کا اظہار کر دیا مطلب یہ ہے کہ لوگ تم سے چاند کی حقیقت و ماہیت اور کمی بیشی کے اسباب دریافت کرتے ہیں۔ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ تم جواب دے دو کہ چاند سے لوگوں کے دنیوی اور دینی کاروبار کا وقت اور زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ چاند کی روزانہ تاریخوں سے مہینے اور مہینوں سے برس بنتے ہیں۔ یہ بھی چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فائدے ہیں۔

مقصودِ بیان تعیین اوقات کا ذریعہ چاند ہے۔ چاند سے ہی اسلامی حساب کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ خواہ دنیوی معاملات ہوں یا دینی سب کا

حساب چاند سے ہی لگانا چاہیئے۔ آیت میں اس امر کی طرف بھی ایک لطیف ترین نازک اشارہ ہے کہ جن چیزوں کے حقائق و اسرار سمجھنے کی آدمی میں قابلیت نہ ہو ان کے متعلق سوال کر کے اپنا اور جواب دینے والے کا خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کوئی اپنی ناسمجھی اور بیوقوفی کی وجہ سے اس قسم کا غیر مفید اور خلاف محل سوال کر بیٹھے تو جھڑکنا زجر کرنا اور ترش روئی سے انکار کر دینا نہ چاہیئے بلکہ ایسا جواب دینا چاہیئے جو اس کے لئے مفید ہو اگرچہ وہ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اس طور سے سوال نہ کر سکا جس طرح اس کو کرنا چاہیئے تھا۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ

اور یہ نیکی نہیں ہے کہ گھروں کے اندر پشت مکان کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیک تو وہ ہے جو گناہوں سے بچتا رہے

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ مراد کو پہنچو

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ ہم چند اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت جابر اور عوفی نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ سوائے قریش کے عرب کے دیگر قبائل جب گھر سے نکل کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے اور پھر گھر میں کسی کام کے لئے آنے کی ضرورت ہوتی تھی تو دروازے سے داخل ہونا حرام سمجھتے تھے بلکہ پس پشت سے چھت کے اوپر چڑھ کر دیوار پھاند کر آیا کرتے تھے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں دروازے سے داخل ہوئے اور حضور کے ساتھ ساتھ رفاعہ بن تابوت یا قطبہ بن عامر انصاری بھی داخل ہو گئے۔ لوگوں نے رفاعہ یا قطبہ سے سبب دریافت کیا اور کہا کہ تم تو تاجر ہو قریش نہیں ہو پھر تم کیوں احرام کے بعد دروازے سے داخل ہوئے۔ رفاعہ بولے میں بھی حضور کے دین پر ہوں۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بخاری اور ابو داؤد نے بروایت براء بن عازب بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں احرام باندھنے کے بعد لوگ دروازوں سے گھروں میں داخل ہونے کو گناہ جانتے تھے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حضرت براء کی دوسری روایت میں ہے کہ انصار کا قاعدہ تھا جب سفر حج سے مدینہ کو واپس آتے تو کوئی شخص اپنے گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قوموں کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص بقصد سفر گھر سے نکل جاتا اور پھر کسی مصلحت کی وجہ سے سفر کو جانا نہ چاہتا تو واپسی میں دروازہ سے گھر میں نہ آتا بلکہ پشت کی طرف سے دیوار پھاند کر داخل ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

معالم میں محمد بن کعب کا قول منقول ہے کہ جب کوئی اعتکاف کرتا تو گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتا ایسا دستور تھا۔ اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب عید سے لوٹتے تھے تو گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہوتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ امر موجب نیکی ہے۔ اس کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ مکانوں کی پشت کی طرف سے پھاند کر یا نقب لگا کر یا کسی اور صورت سے اندر داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے۔ نہ اس کو نیکی میں دخل ہے اور نہ حالت احرام میں ایسا کرنا موجب ثواب ہے۔ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ بلکہ نیکی والا شخص تو وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ متقی ہو، تمام ممنوعات سے الگ رہتا ہو، شریعت الٰہیہ کا پابند ہو۔ شرک اور تمام معاصی کو اس نے ترک کر دیا ہو۔ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا تم گھروں میں آیا کرو تو دروازوں سے آیا کرو، خواہ احرام کی حالت ہو یا غیر احرام کی۔ سفر سے واپس آؤ یا کہیں اور سے۔ بہر صورت قاعدہ کی پابندی ضروری ہے۔ ہر کام دستور و قاعدہ کے مطابق ضروری ہے۔ پس پشت سے کود کر یا نقب لگا کر گھروں میں آنا دستور کے خلاف ہے۔ لہٰذا تم دستور و قانون کی پابندی کرو اور نیکی کے اصول کی محافظت رکھو۔ اس کی مخالفت و دوری نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تقویٰ اختیار کرو۔ اے اہل ایمان اللہ

نفسانی جذبات کے قتال کرنے کی ممانعت یعنی اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ مسلمان کا اصل مطمح نظر، ملک گیری، جاہ طلبی اور حکومت پسندی نہ ہونا چاہیئے بلکہ اشاعت کلمۃ اللہ مقصود اصلی ہونا چاہیئے۔

نہ لڑنے والے طبقہ کو چھوڑ دینے کا حکم یعنی بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور دیگر کمزور ہستی رکھنے والوں سے لڑنے کی ممانعت گویا غیر مجرموں اور بیقصوروں سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت، مثلہ کرنے یا جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت دشمنوں سے کوئی ناشائستہ حرکت کرنے کی حرمت اور بازداشت۔ اپنی طرف سے ہر طرح زیادتی کرنے کا امتناع اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی بازداشت وغیرہ۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ

اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی وہاں سے اُن کو نکال دو کیونکہ شرک خونریزی سے

مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ

بھی بڑھ کر ہے مگر اُن سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو تاوقتیکہ وہ تم سے اس جگہ نہ لڑیں لیکن اگر وہ تم سے

فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُو

(وہاں) لڑیں تو تم بھی انکو مار ڈالو ان کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ (شرک سے) باز آجاویں تو اللہ غفور رحیم ہے اور یہاں تک

هُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

اُن سے لڑو کہ شرک باقی نہ رہے اور خالص اللہ ہی کا دین رہ جائے اب اگر وہ (شرک سے) باز آجائیں تو سوا ظالموں کے کسی پر دراز دستی نہیں چاہیئے۔

تفسیر وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ حاصل یہ ہے کہ اگر تم میں اور کفار میں کوئی معاہدہ نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو حرم کے اندر ہوں یا باہر کعبہ کے پاس ہوں یا کسی اور جگہ۔

وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ اور جس طرح انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا تھا تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے قابلِ احترام مقام میں خونریزی کی یا مقدس جگہ میں کفار سے قتال کیا۔ کیونکہ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کفار وہاں فتنہ و فساد کرتے ہیں۔ کفر و شرک کرتے ہیں جس سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور قتال و خونریزی کی بنیاد پڑتی ہے اور فتنہ درحقیقت خونریزی سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔ اس سے مخلوقِ خدا تباہ ہو جاتی اور آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں لہٰذا تم کو ان سے لڑنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں مسجد حرام کا پھر بھی احترام ضرور ہے وہاں قتل و غارت سے حتی الامکان اجتناب رکھنا لازم ہے۔ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ مسجد حرام کے پاس اس وقت تک لڑائی نہ لڑو جب تک کفار تم سے وہاں جنگ نہ کریں تم اپنی طرف سے پیش دستی اور سبقت نہ کرو فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ لیکن اگر کفار مسجد حرام کا احترام نہ کریں اور خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کا لحاظ نہ رہے اور تم سے مقاتلہ ہی کریں تو مجبوراً ان کو وہیں مار ڈالو۔ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ کیونکہ ان کافروں کی یہی سزا ہے بغیر اس سزا کے یہ باز نہ آئیں گے۔ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ہاں اگر کفار باز آجائیں، شرک و کفر چھوڑ دیں اور توبہ کر لیں تو خدا معاف کرنے والا ہے۔ تم بھی ان سے قتال نہ کرو۔

چونکہ جہاد اصل عبادت نہیں ہے بلکہ اعلانِ حق اشاعتِ توحید اور کفار کی مدافعت کے لئے اس کا حکم ہے اس لئے کھلے الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ یعنی کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک سطح زمین پر فتنہ و فساد شرک و کفر اور پرستش

غیر اللہ روئے زمین پر باقی نہ رہے۔ کسی کافر کو زمین پر قتل، خونریزی اور تباہی اور ہلاکت آفرینی کی مجال نہ ہے اور احکام الٰہی بے روک ٹوک عمل ہونے لگے۔

چونکہ اشاعتِ توحید اور بندشِ فساد کے بعد جہاد کی اجازت نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے:۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اگر لوگ شرک، کفر، سرکشی، طغیان اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں تو پھر ان پر زیادتی کرنے، جہاد کرنے اور خونریزی کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس کی اجازت تو ان لوگوں کے حق میں ہے جو ظالم ہوں، ناحق گوش ہوں، شرک و فساد کر رہے ہوں اور توحید کی اشاعت کے بعد یہ لوگ ظالم نہ رہے۔ لہٰذا جہاد کی اجازت بھی نہیں۔

آخری دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حکم جہاد صرف اصلاحِ عالم اور روئے زمین پر امن چین اور توحید پھیلانے کے لئے تھا اور جب تک اس عالم میں یہ خرابیاں باقی رہیں گی حکم جہاد قائم رہے گا۔

مقصودِ بیان اگر کفار مسلمانوں کے استیصال اور مضرت رسانی کے در پے ہوں تو مدافعت ضروری ہے۔ حرم کے اندر قتل و خونریزی حرام ہے اور صرف اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ عظمتِ الٰہی کے منافی ہے۔ اگر عظمتِ الٰہی کی بقا حرم کے اندر مدافعت پر موقوف ہو تو وہاں بھی خونریزی جائز ہے۔ توبہ سے گزشتہ گناہ یہاں تک کہ قتل و غارت کے جرائم بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ مذہبِ الٰہی کا اصل منشا عالم میں امن چین پھیلانا، قانونِ عدل جاری کرنا اور سب لوگوں کو نقطۂ توحید و اصلاحِ اعمال پر لانا ہے۔ جو شخص اس مدعا کی تکمیل سے مانع آئے گا اس سے قتال کرنا واجب ہے وغیرہ

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

حرمت کا مہینہ حرمت کے مہینہ کے مقابل ہے اور ادب رکھنے کی چیزوں میں عوض معاوضہ ہے لہٰذا جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے

تفسیر یہ گزشتہ حکمِ جہاد کا تتمہ ہے۔ دورِ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں اہل عرب چار مہینوں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کا احترام کرتے تھے۔ ان مہینوں میں قتال و جدال نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حرم کی سرزمین تو ہمیشہ قتال و خونریزی سے محفوظ رہتی تھی۔ جب ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ نے عمرہ نہ کرنے دیا اور آئندہ سال عمرہ قضا کر لینے پر باہمی صلح ہو گئی تو ماہ ذیقعدہ سنہ ۷ھ میں حسب معاہدہ عمرہ قضا کرنے کے لئے حضورؐ مع صحابہ تشریف لے چلے۔ مسلمانوں کے دل میں اس وقت دو خیال پیدا ہوئے۔ وہ یہ کہ اگر کفار مانع آئے اور جس طرح گزشتہ سال عمرہ نہ کرنے دیا اس سال بھی عمرہ کرنے سے روکا تو کیا کیا جائے گا۔ کس طرح قتال اور جنگ مدافعانہ کی جا سکتی ہے۔ اول تو یہ ماہ ذیقعدہ ہے جو واجب الاحترام ہے۔ قتل و خونریزی اس مہینہ میں مناسب نہیں۔ دوسرے حرم کی سرزمین میں لڑائی کیونکر ممکن ہے۔ اس خیال کی تردید اور حکم جہاد کی تکمیل کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پہلے خیال کے ازالہ کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ماہ حرام ماہ حرام کے مقابل ہے۔ گزشتہ سال کا ماہ حرام اور اس سال کا ماہ حرام دونوں برابر ہیں۔ گزشتہ سال اسی ماہ حرام میں کفار نے تم کو روکا، لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا۔ اسی طرح تم بھی ماہ حرام میں ان سے قتال کر سکتے ہو۔ رہا حرمتِ حرم کا خیال تو اس کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ یعنی تمام حرمتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ جس طرح تم کعبہ کی سرزمین کو محترم جانتے ہو ان کے نزدیک بھی وہ واجب الاحترام ہے۔ جب انھوں نے حرمتِ حرم کا لحاظ نہ کیا اور ہتک کعبہ کیا تو تمہارے لئے بھی ان کی مدافعت جائز ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ یہاں اگر کوئی تم پر زیادتی کرے جنگ میں پیش دستی اور سبقت کرے اور حرم کے اندر جنگ کرنے سے نہ رکے اور نہ احترام ماہ کا لحاظ رکھے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ تو تم بھی اس کا بدلا لو لیکن بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ عوض میں زیادتی نہ ہونی چاہیے۔ جتنی ایذا اور مضرت اس نے تم کو پہنچائی ہو تم بھی اتنی ہی بعد

اس کو پہنچاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ مگر اس مقابلہ و انتقام میں جذباتِ نفسانیہ کو دخل نہ دو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ خود ابتدا نہ کرو اور اپنی طرف سے زیادتی بھی نہ کرو۔ قانونِ عدل اور سارتقائے نفس کا لحاظ رکھو کیونکہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ تم کو جان لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ والوں کی ہی مدد کرتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں خدا سے ڈرتے ہیں۔ قانونِ عدل کا لحاظ رکھتے ہیں انہی کی نصرت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر تم تقویٰ کا لحاظ رکھ کر کفار سے مقابلہ کرو گے تو خدا تمہاری بھی مدد فرمائے گا اور دشمنوں پر کامیاب کرے گا۔

مقصودِ بیان انتقام جائز ہے اور کفار سے قتال بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت نہ ہو۔ زیادتی کسی پر جائز نہیں۔ خواہ ظالم ہو یا عادل، کافر ہو یا مسلم۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں حق کی طرفداری اور اعلانِ صداقت کی حمایت کرتے ہیں ان کو خدا مقاصد میں کامیاب کرتا ہے اور ہر طرح ان کی امداد فرماتا ہے۔ حرمتِ الٰہی کا احترام ضروری ہے۔ لیکن اگر قانونِ الٰہی کی شکست ہو رہی ہو تو اس وقت شریعت الٰہی کی حفاظت لازم ہے خواہ اس میں کسی حرمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی ہو جائے۔ وغیرہ

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۚۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ
اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○
کیونکہ اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں چونکہ علماء کا بہت اختلاف ہے اور اس میں متعدد اقوال ہیں اس لئے ہم اول آیت کا سلیس مطلب بیان کرتے ہیں پھر اسبابِ نزول بیان کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ہر کارِ خیر میں جہاں مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہو صرف کرو۔ خصوصاً جہاد کی تیاری میں تو ضرور مال صرف کرو۔ کیونکہ اگر صرف نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آ جائیں گے۔ اس صورت میں تم خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالو گے اور وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ خود اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ راہِ خدا میں صرف کرو لیکن اتنا صرف نہ کرو کہ خود بالکل نادار ہو کر دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرو۔ کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے اور تم کو خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا نہ کرنا چاہیئے نیز یہ معنی بھی جائز ہیں کہ اگرچہ جہاد کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم بغیر ساز و سامان کے اپنے سے بہت زیادہ قوی دشمن کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہو۔ کیونکہ یہ تو خود اپنی ہلاکت اپنے ہاتھوں مول لینی ہے۔

آیت کا مطلب ایک اور بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جان و مال دونوں راہِ خدا میں صرف کرو۔ لیکن اس سے یہ غرض نہیں کہ کتنا ہی قوی اور زبردست دشمن ہو اس کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو جاؤ یا تم کو خود جہاد کے لئے کتنے ہی مال کی ضرورت ہو دوسروں کو اپنا کل مال دے کر خود محتاج بن جاؤ اور دوسروں سے سوال کرتے پھرو۔ یہ خود اپنے لئے ہلاکت آفرینی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی حکمِ جہاد کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر وقت خونخوار بنے رہو اور ہر برپیکار رہو بلکہ جہاد و قتال کا چونکہ موقع علیحدہ ہے اس لئے نیکی کرنے کی عادت پیدا کرو۔ خدا تعالیٰ نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے۔

اسبابِ نزول ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ آیت مذکورہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہیں اگرچہ تطویل ہو جائے گی لیکن یہ طوالت فائدہ خیز ہے۔ ذیل کی تمام روایات صحیح ہیں۔ ان میں سے بعض تو سببِ نزول میں داخل ہیں۔

امام بخاری نے بروایت حضرت حذیفہ بیان کیا ہے کہ آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس، مجاہد،

عکرمہ، سعید بن جبیر، عطا، قتادہ، ضحاک، سدی، حسن بصری اور مقاتل سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

یزید بن ابی حبیب سے بروایت ابوعمران منقول ہے کہ کسی مہاجر نے قسطنطنیہ میں کفار سے مقابلہ کے وقت دشمن کی صف پر حملہ کیا اور صف کو توڑ کر دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ اس مہاجر نے خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا تھا۔ ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ ہم اس آیت سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ ہمارے ہی حق میں یہ آیت اتری ہے۔ ہم نے حضور اقدسؐ کا ساتھ دیا تھا اور معرکوں میں حضورؐ کے ہمرکاب رہے تھے اور حضورؐ کی مدد کی تھی جب اسلام کی اشاعت بہت زیادہ ہوگئی تو ہم انصاریوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ رہنے کی عزت عطا فرمائی ہے اور حضورؐ کی مدد کرنے کا شرف ہم کو مرحمت فرمایا ہے۔ لیکن اب اسلام کی اشاعت بہت ہو گئی اور مسلمان بکثرت ہو گئے اور ہم نے اپنے مال واولاد اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر حضورؐ کے ہمرکاب رہنے کو پسند کیا تھا۔ اپنے تعلقات قرابت اور مال کی کچھ پرواہ نہ کی تھی مگر اب لڑائی ختم ہو گئی۔ کوئی جھگڑا قصہ باقی نہ رہا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم اپنے گھر بار کی طرف رجوع کریں۔ بال بچوں میں جا کر رہیں۔ اسی وقت ہمارے حق میں آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ نازل ہوئی۔ گویا اہل ومال کا خیال کرنا اور بال بچوں کے ساتھ جا کر رہنا اور جہاد ترک کرنا ہی موجب ہلاکت تھا اور یہی آیت میں مراد ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی مردویہ، حافظ ابویعلیٰ، ابن حبان، حاکم)

ایک شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا کہ اگر میں تنہا دشمن پر حملہ کروں تو کیا میں خود اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالوں گا۔ فرمایا نہیں، آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ تو نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے (رواہ ابن مردویہ الحاکم)

تہلکۃ یہ ہے کہ آدمی گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے۔ اس صورت میں وہ خود اپنی ہلاکت آفرینی کا سبب ہوگا (ترمذی وغیرہ)

ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت وَلَا تُلْقُوْا جنگ کے متعلق نہیں ہے بلکہ نفقہ کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے گا تو خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

ضحاک بن ابی جبیرہ سے مروی ہے کہ انصار صدقہ دیا کرتے تھے اور اپنے مال میں سے کچھ حصہ راہ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک سال قحط پڑا اس سے انصار راہ خدا میں کچھ خرچ نہ کر سکے اس پر آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ الخ نازل ہوئی۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ القاء الی الہلاک سے مراد بخل ہے۔

نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ آدمی کوئی گناہ کرے اور پھر کہے کہ میرا یہ گناہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا تو ایسے شخص کے حق میں خدا نے نازل فرمایا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (ابن مردویہ)

مطلب [illegible] چاہیے۔ حسن، ابن سیرین، ابوقلابہ اور عبیدۃ السلمانی سے بھی یہی مروی ہے [illegible] ابن ابی شیبہ نے بروایت ابن عباس بیان کیا [illegible]

ابن ابی حاتم [illegible] بیان کیا ہے کہ محمد بن کعب آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ کی تفسیر میں کہتے تھے کہ پہلے جب مجاہد راہ خدا میں جہاد کرتے تھے جس کے پاس زاد راہ زیادہ ہوتا تھا وہ دوسروں کو تقسیم کر دیتا تھا اور یہاں تک ایثار سے کام لیتا تھا کہ خود اس کے پاس کچھ نہ رہتا تھا اور وہ دوسروں کا دست نگر بن جاتا تھا اس وقت خدا تعالیٰ نے آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ نازل فرمائی۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں حکم دیتے وہاں جہاد کرنے کے لیے لوگ جایا کرتے تھے لیکن بہت سے لوگ بغیر توشہ کے جایا کرتے تھے۔ یا تو ان کے پاس ہوتا ہی نہ تھا یا میسر ہو سکتا تھا لیکن خود نہ لے جاتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے حکم دیا وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ یعنی جو کچھ میسر ہو اس کو زاد راہ کے طور پر ساتھ لے لیا کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ تہلکہ سے مراد ہے کہ آدمی بھوک پیاس یا چلنے کی تکلیف سے مر جائے۔ اور جن لوگوں کے پاس زاد راہ نہ ہوتا تھا ان کو حکم دیا گیا۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

تنقیح: محمود طاس کے قول سے آیت کا مفہوم عام معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دمشق کے محاصرہ کے وقت ایک شخص اکیلا دشمن کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ لوگوں نے اس کے اس فعل کو خلاف شریعت خیال کیا اور حضرت عمرو بن العاص سے یہ واقعہ کہا آپ نے اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ولا تلقوا

بایدیکم الی التہلکۃ۔ بات یہ تھی کہ عمرو بن عاص کے نزدیک آیت عام معنی پر محمول ہے۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سپہ سالار بنا کر جہاز پر بھیجا اتفاقاً ایک روز وہاں ان کو احتلام ہوگیا سخت سردی پڑ رہی تھی اس لئے انھوں نے غسل نہ کیا اور تیمم کرکے نماز پڑھا دی۔ مدینہ میں پہنچے تو حضورؐ سے یہ واقعہ عرض کیا گیا حضور اقدسؐ نے عمرو بن عاص سے سبب دریافت کیا۔ عمرو بن عاص نے یہی آیت پڑھ کر سنا دی۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمرو بن عاص کا اجتہاد ٹھیک تھا ورنہ حضور ضرور کچھ فرماتے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ جو واقعات روایت کئے گئے یہ سب آیت کی تفسیر میں معتبر ہیں۔ دنیوی ہو یا دینی۔ بہرحال جو امر آدمی کے لیے ہلاکت آفرینی کا سبب ہو سکتا ہو وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

مقصود بیان راہ خدا میں جان و مال سے دریغ نہ کرنا چاہیئے بغیر زاد راہ کے سفر کرنا خلاف شرع ہے۔ خود اپنی ہلاکت کے اسباب پیدا کرنا ناجائز ہے۔ گناہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ توبہ کا اظہار یہی کرے یعنی گناہ چھوڑ دے اور نیکوکاری کرنی شروع کردے وغیرہ

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا

اور اللہ کی رضامندی کے لئے حج و عمرہ کو پورا کرو　اب اگر تم کو روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو وہ کرو　اور تاوقتیکہ قربانی

رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن

اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے　سر نہ منڈاؤ　اور اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو　یا اُس کے سر میں تکلیف

رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

ہو　تو اُس پر فدیہ لازم ہے　روزے ہوں یا صدقہ　یا قربانی پھر جب تم کو اطمینان ہوجائے اور کوئی شخص عمرہ کو ملا کر

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ

حج سے فائدہ اٹھائے تو جو قربانی میسر آئے (کرنی لازم ہے) اور جس کو قربانی میسر نہ آئے　تو حج کے زمانہ میں　تین روزے　رکھے

وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي

اور واپس آکے سات روزے رکھے　یہ پورے　دس ہوگئے　مگر یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

پاس (یعنی مکہ میں) نہ ہو　اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو　کہ اللہ　کا عذاب　سخت ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں احکام صیام و جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور حکم جہاد کے دوران میں حج و عمرہ کا بھی تذکرہ آیا تھا اس لئے ان آیات میں حج و عمرہ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ آیات کی تفسیر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شرعی اصطلاحات ان آیات میں استعمال کی گئی ہیں ان کی مختصر توضیح کردی جائے تاکہ آیات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

عمرہ صرف طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا نام ہے۔ یعنی بیرون حرم سے احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنا پھر صفا و مروہ

کے درمیان سعی کرنی پھر سر منڈا کر احرام کھول دینا۔ حج کے واسطے زمانہ مقرر ہے مگر عمرہ کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں۔ سال کے کل ایام میں عمرہ جائز ہے۔ ۹، ۱۰ عرفہ کے دن اور ایام تشریق میں اور دسویں ذی الحجہ کو مکروہ ہے۔

افراد میقات یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے۔ مکہ میں پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگائے۔ پھر ۸ ذی الحجہ کو منا میں رات کو اقامت کرے ۹۔ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات کو جائے۔ شام تک وہیں رہے۔ غروب کے بعد عرفات سے نکل کر مزدلفہ میں جا کر رات کو قیام کرے۔ ۱۰۔ ذی الحجہ کی صبح کو منا میں واپس آئے اور مکہ کی سمت والے جمرہ پر سات کنکریاں مار کر قربانی کر کے سر منڈا کر احرام کھول دے۔ عورتیں سر کے بالوں کی ایک لٹ ہی کتر دیں۔ پھر اسی روز یا دوسرے تیسرے روز طواف زیارت کرے۔ پھر تینوں جمرات پر سات کنکریاں مارے لیکن شروع اس جمرے سے کرے جو عرفات کی جانب ہے۔

قران حج و عمرہ دونوں کی ایک دم نیت کر کے احرام باندھے کہ میں پہنچ کر اول عمرہ کرے پھر بغیر احرام کھولے ۸ ذی الحجہ کو حج کے افعال شروع کرے۔ دسویں تاریخ کو قربانی کرنا بھی اس پر واجب ہے۔ اس قربانی کو دم قرآن کہتے ہیں۔ اگر قربانی میسر نہ آئے تو دس روزے رکھے۔ تین روزے نویں تاریخ تک اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر۔

تمتع اس میں حج و عمرہ دونوں کی نیت علیحدہ علیحدہ کرنی ہوتی ہے۔ پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر احرام کھول کر آٹھ تاریخ کو حرم کے اندر کسی جگہ سے احرام باندھ کر حج کے افعال کئے جاتے ہیں۔ تمتع کرنے والے پر بھی ۱۰ تاریخ کو قربانی کرنی واجب ہے اور بصورت مجبوری دس روزے رکھنے لازم ہیں۔ (حقانی و مواہب الرحمٰن و ابن کثیر)۔ اب ہم آیت کی تفسیر شروع کرتے ہیں:-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حج و عمرہ کی تکمیل خدا کے واسطے کرو۔ یعنی نیت میں خلوص رکھو۔ دونوں کے شروط و ارکان میں کمی نہ کرو اور شروع کر کے نا تمام نہ چھوڑو۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ یعنی اگر بحالت احرام تم کو راستہ میں رک جانا پڑے اور حج و عمرہ نہ کر سکو خواہ دشمن کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تو اس صورت میں قربانی کا ایک جانور خواہ بکری ہو یا گائے یا اونٹ جو میسر آئے بھیج دو اور جب خیال ہو جائے کہ قربانی کعبہ میں پہنچ کر ذبح ہو گئی ہو گی تو احرام کھول دو اور سر منڈا لو اور عذر رفع ہو جائے تو آئندہ کبھی حج و عمرہ کی قضا کر لو۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ لیکن جب تک قربانی کا جانور مکہ میں پہنچ کر ذبح نہ کر دیا جائے اس وقت تک سر نہ منڈاؤ ورنہ احرام کھولو۔ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ حضرت کعب بن عجرہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور احرام باندھے ہوئے چونکہ مدت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے سر سے جوئیں گر رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا کیا تجھ کو سر کے کیڑوں سے اذیت ہو رہی ہے۔ کعب نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اچھا تو سر منڈا دے اور تین روزے رکھ یا تین صاع چھوہاروں کا ایک ٹوکرا چھ مسکینوں کو دیدے۔ ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (صحاح ستہ)

مطلب یہ کہ جو شخص مریض ہو یعنی احرام کے بعد اس کو کوئی مجبور کن مرض لاحق ہو گیا ہو یا سر میں جوئیں پڑ جائیں کہ ان سے بہت تکلیف ہو یا کوئی اور وجہ درپیش ہو جائے کہ سر منڈانا پڑ جائے تو سر منڈا دینا چاہیئے۔ لیکن اس کے بدلے میں قربانی کرنی چاہیئے۔ یعنی کم از کم ایک بکری کو ذبح کرنا چاہیئے ورنہ چھ مسکین کو تین صاع طعام دیدے اور اگر کچھ میسر نہ آئے تو تین روزے رکھ لے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پھر اگر حالت امن ہو جبکہ کوئی روک ٹوک نہ ہو کوئی عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر ترتیب وار ادا کرے خواہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام باندھے (قران) یا دو احرام علیحدہ علیحدہ باندھے (تمتع) تو شکرانہ میں ایک قربانی کرنی چاہیئے جو میسر ہو بکری ہو یا گائے یا اونٹ۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ الخ لیکن اگر کسی کو کوئی قربانی میسر نہ آئے تو دس دن کے روزے رکھنے چاہیئں تین تو دوران حج میں دسویں تاریخ تک اور سات واپسی کے بعد اپنے گھر جا کر۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ ملا کر ادا کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جو کہ میقات کے اندر کا باشندہ نہ ہو کیونکہ اس کو اس سہولت کی ضرورت ہے اہل مکہ کو اس کی ضرورت نہیں وہ جب چاہیں عمرہ علیحدہ کر سکتے ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی احکام الٰہی کی پابندی رکھو خلاف ورزی نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اگر خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب سخت ہے وہ سخت سزا دے گا۔ آیات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور کسی دشمن یا مرض یا کسی اور مانع کی وجہ سے حج وعمرہ پورا کرنے سے معذور ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ قربانی کا جانور فدیہ کے طور پر خود یا کسی کے ذریعہ سے بھیج کر ذبح کرائے اس وقت احرام کھولنا اور سر منڈانا جائز ہو جائیں گے۔ ہاں اگر سر میں زخم یا جوؤں کی تکلیف ہو تو سر منڈا کر فدیہ دینا لازم ہے۔ تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو تین صاع (تقریباً دس سیر) گیہوں یا غلہ دے یا کم از کم ایک بکری ذبح کرے اور جو شخص ایام حج (شوال، ذیقعدہ اور نو دن ذی الحجہ کے) میں احرام باندھ کر حج وعمرہ دونوں ادا کرنا چاہے تو شکرانہ میں ایک قربانی واجب ہے اور میسر نہ ہو تو نویں تاریخ سے قبل چھٹی تاریخ سے یا ساتویں تاریخ سے تین روزے رکھے اور سات روزے حج کے بعد گھر جا کر رکھے مگر یہ تمتع کا جواز اسی شخص کے لیے مخصوص ہے جو کہ یا اطراف مکہ کا رہنے والا نہ ہو۔ جو شخص مقامی باشندہ ہو گا اس کو اس سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

مقصود بیان حج وعمرہ کے احکام کا بیان، کفار کی مخالفت، مرض کی تکلیف یا کسی اور مانع کی وجہ سے اگر حج وعمرہ نہ ہو سکے تو بغیر اتمام شرعی احرام کھول کر پھر کبھی قضا کرنے کا حکم، احکام حج وعمرہ میں سہولت مدنظر رکھنے کی صراحت، تمام اعمال وعبادات خصوصاً حج وغیرہ میں خلوص قلبی رکھنے اور خاص خوشنودیٔ الٰہی ملحوظ رکھنے کی ہدایت۔ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے پر عذاب کا ترتب وغیرہ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ

حج کے چند مہینے مقرر ہیں لہٰذا جس شخص نے ان مہینوں میں (نیت کرنے کے بعد اپنے اوپر) حج کو لازم کر لیا تو پھر حج میں نہ عورتوں سے قربت جائز ہے

وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ

نہ عدول حکمی نہ جھگڑا اور نیکی کا کوئی کام کرو خدا اس کو جانتا ہے

تفسیر اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ یعنی حج شروع کرنے کے چند مہینے مقرر ہیں۔ باتفاق مفسرین حج کے احرام وتکمیل کے ایام ماہ شوال، ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا دسواں دن بھی داخل ہے اور شافعیؒ کے نزدیک صرف دسویں شب داخل ہے دسواں دن خارج ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ ایام حج میں شمار کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ اب جو شخص اس زمانہ میں حج کا التزام کر لے یعنی احرام باندھ لے تو احرام سے لے کر انتہائے حج تک فَلَا رَفَثَ عورتوں سے قربت اختلاط اور اسباب اختیار نہ کرے۔ وہاں جماع ہیں وَلَا فُسُوْقَ اور فحش زبانی، شہوت انگیز تذکرہ گالی گلوچ اور دیگر گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ اور لڑائی جھگڑا ہاتھاپائی اور دیگر قتال و خونریزی کے دواعی کا ارتکاب کرے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رَفَثَ سے مراد جماع اور جماع کی تعریض ہے اور عورتوں کے سامنے اس قسم کا ذکر کرنا بھی رفث کے حکم میں داخل ہے۔ گویا عورتوں کی موجودگی میں شہوت انگیز ذکر ممنوع ہے۔ لیکن ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رفث سے مراد جماع ہے۔ فحش یا فحش گوئی مراد ہے۔ اس بناء پر عورتوں کی موجودگی ضروری نہیں۔ اسی تفسیر کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ فسوق دراصل حدود شرعیہ سے خارج ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے ابن عباسؓ کے نزدیک کل معاصی فسوق میں داخل ہیں۔ ابن جبیر کہتے ہیں کہ فسوق کفر اور عصیان کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ ابن عمرؓ کے نزدیک فسوق سے مراد بد زبانی اور برا بھلا کہنا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں فسوق سے مراد وہ فعل ہے جس کا ارتکاب حالت احرام میں منع ہے۔ مثلاً ناخن تراشنا، شکار کرنا، بال کترنا وغیرہ۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فسوق سے مطلق معاصی مراد لینا ہی حق ہے اور یہی بہتر ہے۔

جدال کے معنی ہیں قتل کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنا۔ لَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں (۱) یعنی وقت کی تعیین ہو اس کو مانگ میں اب کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کی وضاحت کر دی۔ مجاہد وسدی نے یہی تفسیر کی ہے اور بہت سی روایت کو پیش کیا ہے

جو حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ اہل عرب موقف حج کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے اور ہر ایک دعویٰ تھا کہ ہمارا موقف ہی موقف ابراہیمی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس جھگڑے کو قطع کر دیا اور اپنے رسول کو مناسک حج سکھا دیئے۔ قاسم بن محمد فرماتے ہیں جدال فی الحج کے یہ معنی ہیں کہ بعض لوگ کہیں حج کل ہوگا اور بعض کہیں نہیں آج ہوگا (۲) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جدال نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے ساتھی سے جھگڑا نہ کرو کہ اس کو بھی غصہ آجائے۔ ابن مسعود، عطاء، ابوالعالیہ، عکرمہ اور ابراہیم نخعی وغیرہم سے یہی تفسیر مروی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ عام مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔

مقصود بیان فحش و بدزبانی، جھگڑا، خصومت، گالی گلوچ اور دیگر معاصی سے دورانِ حج میں باز رہنے کی ہدایت، قوتِ شہوانیہ و غضبیہ کے اقتضائیات پورے کرنے کی ممانعت۔ اس امر کی طرف مخفی تنبیہ کہ عبادتِ الٰہی بغیر خلوص قلبی اور جذبۂ روحانیت کے بیکار ہے۔ اگر قوتِ روحانی مادی قوتوں سے مغلوب ہے اور ارکانِ عبادت یا فرائض عبادت کی ادائیگی نہ ہو سکی تو ایسی عبادت بے سود ہے۔ وغیرہ

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

اور نیکی کا کوئی کام کرو خدا اس کو جانتا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں شر اور بدکاری سے بچنے کی ہدایت تھی۔ اس لئے آیت میں حصولِ خیر کے متعلق ترغیب دی جاتی ہے گویا نیکوکاری حاصل کرنے کی انتہائی تاکید کر دی۔ کیونکہ بدی اور شر کی ممانعت سے خیر اور نیکی ویسے ہی لازم آتی ہے۔ پھر نیکی کی ترغیب بھی موجود ہے تو گویا حصولِ خیر کی تاکید ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نیکی ہو سکے نہایت کوشش کر کے حاصل کرو، ہر عمل کی جزا بالیقین ملے گی۔ کیونکہ ایامِ حج حصولِ قربتِ الٰہی کا زمانہ ہے۔ بابِ رحمت کھلا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس زمانہ میں اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ ہوتی ہے۔ بندہ کی کوئی نیکی اس کے دائرۂ علم سے خارج نہیں۔

مقصود بیان نیکی کرنے کی ترغیب، جزا کا وعدہ، علمِ الٰہی کی وسعت، کسی جزئی واقعہ کے بھی اس کے علم سے خارج نہ ہونے کی صراحت اور اس امر کی طرف اشارہ کہ آدمی کا مطمح نظر محض خیر ہونی چاہیئے۔ وغیرہ

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ○

اور زادِ راہ لے لیا کرو اور خرچ لینے میں سب سے بڑا فائدہ (سوال سے) بچنا ہے اور عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہو

تفسیر ایک یمنی قافلہ نے حج کا ارادہ کیا اور اپنے آپ کو متوکل کہتے ہوئے بلا زادِ راہ ساتھ لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے مگر مکہ میں پہنچے تو لوگوں سے سوال کرنے لگے اور حاجیوں کے لئے وبالِ جان بن گئے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (بخاری، ابو داؤد)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم کو توشہ ہمراہ لے کر حج کو آنا چاہیئے اور اتنا سامان ضرور ساتھ لے لینا چاہیئے جو سفر کے لئے کافی ہو اور لوگوں پر بار نہ ہو۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے بروایت ابن عمر آیت مذکورہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کا دستور تھا جب احرام باندھتے اور زادِ راہ ہمراہ ہوتا تو پھینک دیتے اور از سرِ نو زادِ راہ مہیا کرتے۔ اس کی ممانعت کے واسطے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی، نخعی، سالم بن عبداللہ، قتادہ، ربیع اور سعید بن جبیر وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ مقاتل کہتے ہیں کہ جب تَزَوَّدُوْا نازل ہوئی تو ایک نادار مسلمان نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو راہ کے توشہ کے لئے تو کوئی چیز ملتی نہیں تو پھر کیا کریں۔ فرمایا صرف اتنا زادِ راہ فراہم کر لو جس سے لوگوں سے مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے لئے توشہ لینا ضروری ہے اور بہترین توشہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلانے سے بچ جاؤ۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ آیاتِ مذکورہ بالا میں زادِ راہ ہمراہ لینا امر کرتا یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ظاہری توشہ کافی نہیں ہے جو سفرِ حج کے لئے لوگ کیا کرتے ہیں۔

بلکہ حقیقی توشہ کی بھی ضرورت ہے۔ عقلمند ہو تو غور کرو کہ یہ میدان جو دنیا سے آخرت تک لمبا ہے اس کو قطع کرنے کے لئے بھی توشہ کی ضرورت ہے اور جس طرح حج میں اجتماع ہوتا ہے اسی طرح میدان قیامت میں (اجتماع) ہونا ہے۔ لہٰذا احکام الٰہی کی پابندی کرو، اوامر و نواہی پر کاربند ہو۔ خلوص قلبی سے عبادات ادا کرو اور اپنے اقوال و افعال اور اطوار میں غیر اللہ کا خیال چھوڑ دو صرف خوف خدا اور پرہیزگاری کو اپنے لئے زادِ راہ بناؤ۔

مقصودِ بیان ظاہری اور باطنی توشہ ہمراہ لینے کا حکم۔ نور وحدت ہمراہ لے کر ازلیت کے اس لمبے بیابان کو طے کر کے ملک غیب کی سیر کی طرف ایماء، نورِ حق گم کر دینے سے ترتیب حالات، مشاہدہ و مراقبہ میں غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم۔ اس امر کی وضاحت کہ توشہ بقدر ضرورت لازم ہے لیکن اس میدانِ حیات کو طے کرنے اور منزلِ قدس تک پہنچنے کے لئے کس توشہ کی ضرورت ہے۔ وہ باطنی توشہ یعنی شروع میں تمام معصیت آمیز امور سے کنارہ کشی کی جائے اور اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔ اس سے آگے بڑھ کر دنیا کی تمام چیزوں سے دستبردار ہی دی جائے اور انتہا یہ ہو کہ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیا جائے۔ گویا اب تمام عالم سے اجتناب و تقویٰ محض ذاتِ الٰہی کے لئے ہو گیا۔ حاصل یہ کہ محض رضا جوئی خالق نصب العین ہونا چاہئے۔ اسی زادِ راہ سے اتنا لمبا سفر طے ہو گا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرو

تفسیر عکاظ، ذی المجنہ اور ذی المجاز مکہ کے اطراف میں تجارتی منڈیاں تھیں۔ عرب لوگ سالانہ ان میں جمع ہو کر لین دین اور دیگر کاروبار کی تکمیل کرتے تھے لیکن موسم حج کے زمانہ میں ہر قسم کی خرید و فروخت سے پرہیز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ یاد الٰہی کے ایام ہیں۔ اس خیال و رواج کے ابطال کے لئے آیت بالا نازل ہوئی (ابو داؤد بروایت ابن عباس)

مطلب یہ ہے کہ موسم حج میں اگر تم لوگ تجارتی کاروبار یا کرایہ وغیرہ سے رزقِ الٰہی اور فضل خداوندی کی تلاش کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی مقصود تو رضائے مولا ہے۔ یہ امور اس میں حارج نہیں۔ پھر کیوں اور کس طرح ممنوع ہو سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان تجارت کی ترغیب لیکن اکل حلال جس کو فضل رب سے تعبیر کیا ہے حاصل کرنے کی ہدایت۔ آیت میں اگرچہ بظاہر تجارت کی اجازت ہے۔ لیکن فضائل و محامد حاصل کرنے کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے جو ایسے ہی مجمع سے حاصل ہو سکتے ہیں فضل رب کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کی خیر اور نیکی کو شامل ہے مثلاً تبادلۂ خیالات، اہلِ اسلام کے اتحاد کا مظاہرہ، باہم میل محبت اور تعلقات کی توسیع، اہل اسلام قدم کی ہدایت، ایک ملک کے مال کی دوسرے ملک میں فروخت اور پھر اس سے وہاں کے لوگوں کا بہرہ اندوز ہونا، مسلمانوں کے جمود کا علاج وغیرہ۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

تم کو بتا دیا ہے ویسے ہی تم اس کی یاد کرو اگرچہ اس سے پہلے تم ناواقف تھے

تفسیر درمیان میں کچھ احکام ذیلی بیان کر دیئے گئے۔ اب پھر احکام حج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم عرفات سے چلو یعنی عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آکر شب گزار ہو اور صبح کو تڑکے سے منیٰ کو جانے لگو تو مشعر الحرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کو قزح بھی کہتے ہیں اس کے پاس

تکبیر و تہلیل کیا کرو اور اس بات پر خدا کا حمد و شکر ادا کرو کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے تم کو ہدایت اور آداب حج سکھائے۔ توحید خالص کی تعلیم دی اور جو شرک کی باتیں تم نے عبادت الٰہی میں طار رکھی تھیں اُن سے منع کیا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت مسعود بن مخرمہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں ہم کو خطبہ دیا حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ آگاہ رہو کہ مشرکوں کا قاعدہ تھا جب آفتاب پہاڑ کی چوٹیوں پر اس طرح نظر آتا تھا جس طرح مردوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو غروب سے قبل ہی مشرک و بت پرست یہاں سے چل دیتے تھے لیکن ہم یہاں سے غروب آفتاب کے بعد چلتے ہیں۔ اسی طرح مشرک لوگ مشعر الحرام سے اس وقت چلتے تھے جب آفتاب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا نظر آنے لگتا تھا جیسا مردوں کے سروں پر عمامہ۔ لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے قبل ہی چلتے ہیں۔ ہماری راہ مشرکوں کی راہ سے علیحدہ ہے۔ اس حدیث کا تتمہ حضرت جابرؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ عرفات میں جب شام کا وقت ہوا اور سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو حضور والا اسامہ کو ردیف بنا کر قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر چلے۔ اونٹنی کی باگ اتنی کھینچتے تھے کہ اس کا سر کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگ جاتا تھا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو آہستہ آہستہ چلنے کا اشارہ کرتے چلے جاتے تھے بالآخر مزدلفہ پہنچے وہاں نماز مغرب و عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا کیا پھر لیٹ رہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو اذان و اقامت کے بعد نماز فجر ادا کی اور فجر کی نماز پڑھ کر قصواء پر سوار ہو کر چل دیئے۔ مشعر الحرام کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی اور تکبیر و تہلیل و تحمید میں برابر مشغول رہے۔ یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ اس کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو گئے۔ یہ کمل حدیث كَمَا هَدٰىكُمْ کی تفسیر ہے۔

مقصود بیان ذکر و شکر، تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کا حکم اور اس امر کی صراحت کہ ہادیٔ برحق خداوند تعالیٰ ہے۔ یہ بھی اسی کی ہدایت ہے کہ آداب عبادت مسلمانوں کو معلوم ہوئے۔ وغیرہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر تم بھی وہیں سے واپس پھرو جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں اور اللہ سے طلب مغفرت کرو کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر قریش چونکہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے واسطے ہر بات میں کچھ امتیازی خصوصیات قائم کر رکھی تھیں اور کسی بات میں دیگر قبائل عرب کو برابر کرنے کو اپنا ہتک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ تمام عرب حج کے موقع پر جمع ہو کر قیام کرتے تھے اور قریش اپنی نخوت و غرور کے جذبہ کے ماتحت عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنے کو اپنے لئے توہین خیال کرتے تھے اس لئے عرفات سے ورے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے مکہ لوٹ آتے تھے۔ اس آیت میں اسی کی ممانعت کر دی گئی اور عرفات سے چلنے کا حکم دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اور لوگ عرفات سے لوٹ کر آیا کرتے ہیں تم بھی وہاں سے لوٹ کر آیا کرو۔ یہ نہیں کہ صرف حرم کی سرحد تک گئے، مزدلفہ میں قیام کیا اور خدا پرستی کے دعوے میں سرمست ہو کر یہیں سے لوٹ آئے۔ باقی اس عبادت میں جو فرو گذاشت ہو جائے تو اس کی معافی کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرو۔ خدا بخشنے والا ہے بخش دے گا مگر دانستہ تو ایسی حرکت نہ کرو کہ شرافت خاندانی یا کعبہ کے کلید بردار ہونے کے گھمنڈ میں اپنے کو دوسروں سے ممتاز سمجھنے لگو یہاں تک کہ طریق عبادت میں بھی تفریق کرنے لگو۔

مقصود بیان ذہنی مساوات، کبر و نخوت کا استیصال اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انسان سے عبادت میں حسب مرتبہ کوئی نہ کوئی قصور ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ عبادت سے فراغت کے وقت استغفار کیا کرے تاکہ جو فرو گذاشت ہو گئی ہو وہ معاف ہی ہو جائے۔ وغیرہ

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان تو اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ

ان لوگوں کی کوشش سود مند ہے جو نیک اعمال اور فلاح دارین کی دعا یہ لوگ کرتے ہیں اس کی جزا ان کو ضرور ملے گی اور خدا تعالیٰ لوگوں کے بدلوں کے اعمال کا حساب بہت جلد کرے گا اور عنقریب اتنا ہو جائے گا کہ کون دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کا جویاں تھا اور کس کی ہمت صرف دنیا پر منحصر تھی۔

مقصود بیان

فلاح دارین کی دعا کرنے کی ہدایت اور دونوں جہان کی بہبودی حاصل کرنے کی کوشش کی طرف ضمنی اشارہ ۔ اس امر کی صراحت کہ صرف دعا سے خیر و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عملی طور پر اس کے حصول کی کوشش نہ کی جائے ۔ اگر دنیوی فلاح پیش نظر ہے تو اس کے ذرائع و وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور دینی مقاصد مرغوب خاطر ہیں تو عقائد و اعمال کی اصلاح لازم ہے۔ یہ درحقیقت اندھے توکل اور رہبانیت کی بیخ کنی ہے۔ خود اعتباری پیدا کرنے کا زریں پیام ہے اور قانون قدرت کا اس سے مظاہرہ کرنا مقصود ہے کہ ہر جزا عمل سے وابستہ ہے اور ہر نتیجہ کوشش پر موقوف ہے۔ ہاں خود اعتمادی اور کوشش کو موجب نخوت و غرور اور سبب انکار قدرت نہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ ہر چیز کا وجود سبب سے وابستہ ہے لیکن مسبب خدا تعالیٰ ہے اس لئے دعا کرنی بھی لازم ہے۔ ع۔ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور چند گنتی کے دنوں میں اللہ کی یاد کرو اب اگر کوئی (منا سے) دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو ٹھہر ا رہا اس پر

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ

بھی کچھ گناہ نہیں ہے (یہ) اس کے لئے ہے جو پرہیزگاری کرے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم کو اسی کے پاس اٹھا کر جمع کیا جائیگا

تفسیر

یہ آیات ایام تشریق کی تکبیرات کے وجوب کو ظاہر کر رہی ہیں۔ حاجی ۱۰ ذی الحجہ کو طواف وغیرہ کے بعد تین دن کے لئے منا میں جا کر ٹھہرتے ہیں اس لئے حکم ہوتا ہے کہ تشریق کے چند دنوں میں یاد الٰہی کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ایام کھانے پینے اور یاد الٰہی کرنے کے ہیں (السبع)۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ سے عَلَيْهِ تک عہد جاہلیت میں دو قسم کے آدمی تھے بعض لوگ تو صرف دو روز منا میں قیام کرنے اور رمی جمار کرنے کو واجب خیال کرتے تھے اور تیسرے دن وہاں ٹھہرنے کو گناہ جانتے تھے اور بعض لوگ تین دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور دو روز ٹھہرنے کو گناہ خیال کرتے تھے۔ ان دونوں فرقوں کی تردید میں آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایام تشریق کے صرف دو دن ہی رمی جمار کر کے واپس چلا آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اور جو شخص تیسرے روز بھی ٹھہرا ہے اور کنکریاں پھینکے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ لِمَنِ اتَّقٰى مگر یہ حکم صرف متقی اور مومن کے لئے ہے جو شرک سے احتراز کرتا ہے اور جو لوگ مشرک ہیں یا حج میں ممنوعات سے انہوں نے اجتناب نہیں کیا ہے تو ان کو نہ دو روز ٹھہرنا مفید ہے نہ تین روز۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ لہٰذا تم کو خدا سے خوف کرنا اور شرک سے بچنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو کہ خدا کے سامنے جانا ہے وہی تم کو سزا و جزا دے گا اور وہی تمہارا کل ہو گا۔

مقصود بیان

ایام تشریق میں تکبیروں کا وجوب، گیارھویں یا بارھویں تاریخ کو منا سے واپس جانے کی اجازت ۔ اس امر کی صراحت کہ عبادات حقیقت تقویٰ ہے۔ جو شخص شرک سے پرہیز رکھتا ہے اور عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا ہے اس کے سب اعمال مقبول ہیں اور جو شخص صرف رسم کی پابندی کرنے کے لئے عبادات خصوصاً افعال حج کرتا ہے اس کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ظاہر پرستوں کے خیالات کا ابطال ہے اور غلامانہ ذہنیت کی مرتکب ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کی باتیں دنیوی زندگی میں تم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی بات پر خدا کو گواہ بناتے ہیں

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں — اور جب لوٹ کر جاتے ہیں تو زمین پر فساد پھیلانے — اور زراعت و مویشی کو تباہ کرنے کے لئے دوڑے

وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

پھرتے ہیں — حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا — اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

پس اس کے لئے جہنم کافی ہے — اور وہ برا ٹھکانا ہے

تفسیر بقول سدی یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی۔ اخنس نہایت دلکش صورت اور گوش نشین کلام کا مالک تھا باتیں نہایت شیریں کرتا تھا اور بظاہر مسلمان ہوگیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب بڑھانے کے لئے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں حضور پر ایمان لے آیا ہوں اور مسلمانوں کا دلی دوست ہوں مگر دل میں یہ سخت ترین منافق تھا اور مسلمانوں سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ یہ حضور اقدس کے پاس سے پلٹ کر جا رہا تھا۔ راستہ میں مسلمانوں کی کچھ کھیتیاں اور زمین جوتنے کے گدھے نظر پڑے۔ اس کمبخت نے کھیت جلا دیئے اور گدھوں کے کونچیں کاٹ دیں ان سب واقعات کو آیات مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے مگر آیات کا حکم عام ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بعض لوگ ایسے ہیں کہ دنیوی زندگانی میں ان کا کلام تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بڑے شیریں کلام خوش گو نظر آتے ہیں۔ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہم آپ سے دل سے محبت کرتے ہیں اور جو زبان سے کہتے ہیں وہی ہمارے دل میں بھی ہے۔ ہمارا ظاہر و باطن موافق ہے۔ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ تم سے اور مسلمانوں سے بہت زیادہ خصومت رکھتا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا اور جب تمہارے پاس سے اٹھ کر جاتا ہے تو ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دل سے سعی کرتا ہے کہ تم کو تباہ کردے وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ اور تمہاری کھیتیاں اور کھیتوں کے جانوروں کی نسل کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی زراعت کو اجاڑنا اور زراعت کے جانوروں کو ہلاک کرنا اس کے فساد کا ثبوت ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ مگر خدا پسند نہیں فرماتا کہ اس کی زمین پر تباہی اور بربادی پھیلے اور لوگوں کا امن وچین برباد ہو اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے۔ بلکہ اس کو امن و آشتی، اصلاح و عافیت پسند ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کر، اس بدکاری سے باز آجا، ملک میں تباہی نہ پھیلا اور لوگوں کے امن کو تباہی و غارتگری سے تبدیل نہ کر اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ تو اس کی حمیت کفر اور غیرت جاہلانہ جوش میں آجاتی ہے اور مزید گناہ کرنے پر اس کو ابھارتی ہے۔ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ایسے آدمی کی سزا کے لئے جہنم بہت کافی ہے۔ وہ یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس کی سزا نہ دے گا۔ خدا ضرور اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بدترین مقام ہے ایسے ہی منافق اور سرکش لوگ وہاں داخل ہوں گے اور رہیں گے۔

مقصود بیان منافقوں کی حالت کا انکشاف، دنیا میں تباہی پھیلانے اور ملک میں فساد انگیزی کرنے کی ممانعت، صلح و آشتی اور امن چین کا اعلان عام، مفسدان عالم اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرنے والوں کے سر پر ایک پتھر شکن ضرب، کھیتیاں اجاڑنے اور کھیتی کے جانوروں کو خواہ مخواہ ہلاک کرنے کا قطعی امتناع، اس امر کی وضاحت کہ بعض جاہل بدعت کیش اپنے آپ کو عالم اور نور معرفت سے آراستہ ظاہر کرتے ہیں اپنی جاذب نظر صورت اور دلکش شیریں مقال کے ذریعہ سے مومنین کو حق سے روکتے گمراہی کی طرف کھینچتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ لمبی داڑھی، پاکیزہ شکل، عالمانہ یا صوفیانہ لباس پھر اس پر تسخیر کن گفتگو اور دلنشین وجاہت یہ سب ان کے آلات حرب ہوتے ہیں اور اسی سامان کی بدولت وہ مومنوں کے دلوں کو نرم کر لیتے ہیں اور بھولے بھالے پاک طینت مومنوں کو اپنا معتقد بنا کر ان کا مال اڑاتے ہیں۔ یہ نہایت بدطینت لوگ ہیں۔ مسلمانوں کے اور اسلام کے

سخت ترین دشمن ہیں۔ بظاہر تو یہ اپنی شب بیداری، ورم آلود پاؤں، زرد چہرے، لمبے جُبے اور زیر ناف ڈاڑھی کو اپنی صفائی باطن اور نیو ہدایت کا گواہ بتلاتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی تباہی، اسلام کی بربادی اور خدا کی زمین پر فتنہ وفساد کا بیج بونے میں کمی نہیں کرتے۔ یہ لوگ نفس کے بندے اور ہوا و ہوس کے غلام ہیں۔ اعاذ اللہ المسلمین منہم۔ یہ ہیں بے عمل شرارت انگیز مولوی، جاہل مزار پرست صوفی شیطان کے چیلے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں　جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے　اپنی جان دیتے ہیں　اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفیق ہے

تفسیر خدا تعالیٰ نے درحقیقت چار فرقوں کا بیان کیا ہے۔ پہلا فرقہ تو وہ تھا جو صرف دنیا کا طالب تھا۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی طلبِ دنیا بس اس کی نظر مقصود تھی۔ ان کوتاہ نظر لوگوں کا بیان توفمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا وما له فی الاٰخرة من خلاق میں ہوگیا۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جو دنیا کا بھی طالب تھا اور دین کا بھی یعنی دنیوی اسباب اور مال ومتاع کی بھی ان کو طلب تھی تاکہ آخرت کی تیاری میں کوئی نقصان نہ واقع ہو ان لوگوں کا بیان ومنھم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار میں ہوگیا۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جو ظاہر میں آخرت کا طالب تھا اور باطن میں اس کا مرکز طلب صرف دنیوی نفع تھا۔ یہ لوگ منافق تھے۔ ان کا بیان ومن الناس من یعجبك قولهٗ میں ہوگیا۔ چوتھا فرقہ وہ تھا جو مخلص وصادق تھا۔ اپنا جان مال خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے صرف کرتا تھا۔ اور پھر بھی شرمسار تھا کہ یہ ہدیہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس فرقہ کا بیان آیات مذکورہ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول بھی اگرچہ خاص ہے۔ لیکن چونکہ خصوصیتِ سبب سے حکم میں خصوصیت نہیں پیدا ہوتی اس لئے آیت کا حکم عام ہے۔ تمام انصار ومہاجرین بلکہ مسلمانانِ امت بھی اس حکم میں شریک ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت سعید بن مسیّب بیان کیا ہے کہ حضرت صہیبؓ بن سنان مکہ سے ہجرت کرکے جب مدینہ کو آنے لگے تو مشرکین قریش نے ان کا پیچھا کیا اور راستہ میں آگھیرا۔ حضرت صہیبؓ اپنی سواری سے اتر پڑے اور ترکش سے تیر نکال کر بولے اے جماعت قریش جانتے ہو کہ میں مشہور تیرانداز ہوں، اگر تم نے مجھ تک آنا چاہا تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خرچ کروں گا پھر تلوار سے جہاں تک قوت کام دے گی تم کو قتل کروں گا۔ جب تھک جاؤں گا اس وقت تم مجھ کو پکڑ سکو گے لیکن اس میں تمہاری سیکڑوں لاشیں زمین پر تڑپتی نظر آئیں گی اس لئے بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جاؤ ہاں اگر مال کی طلب ہے تو مکہ میں جہاں جہاں میرا مال ہے سب بتلائے دیتا ہوں جا کر لے لو۔ کفار اس بات پر راضی ہوگئے۔ حضرت صہیبؓ ان کو سارا مال بتا کر مدینہ کو چل دیئے۔ ادھر مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ صہیب نے بڑی سودمند تجارت کی۔ حضرت صہیبؓ کے پہنچنے سے قبل حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعتِ صحابہ کے ساتھ حرہ تک ان کے استقبال کے لئے آئے۔ حضرت صہیبؓ کی جماعت سے ملاقات ہوئی تو سب لوگوں نے کہا آپ کی تجارت بہت سودمند ہوئی۔ صہیبؓ نے جواب دیا۔ خدا کرے آپ کی تجارت بھی نافع ہو اور کبھی خسارہ نہ ہو لیکن حقیقت تو بتائیے کیا بات ہے؟ لوگوں نے نازل شدہ آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ یہ آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی فروخت کر ڈالتے ہیں اور جان کے عوض رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں سو ان پر خدا بھی مہربانی کرتا ہے۔ کیونکہ ان بندوں پر خدا رحم کرتا ہے جو ماسوا اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا کا حق عبودیت ادا کرتے ہیں اور جان ومال کی پرواہ نہیں کرتے۔

مقصودِ بیان محبت خدا ورسول اور ثباتِ اسلامی کی ترغیب حیاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے بدل وجان کوشش کرنے کی طرف اشارہ، دنیا اور موجوداتِ دنیا یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی رضائے مولا میں قربان کردینے کی مدحت اس امر کی وضاحت کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے اور حق عبودیت ادا کرتا ہے۔ خدا بھی ان پر مہربانی کرتا ہے۔ یعنی رافت ورحمت الٰہی کا سبب جذبِ طاعت وعبودیت ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ

مسلمانوں اسلام میں پورے پورے آ جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ

کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے پھر اگر کھلی کھلی نشانیاں آ چکنے کے بعد بھی تم نے لغزش کی

فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

تو جانے رہو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر

گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگ مرضیاتِ الٰہی کے طالب اور پختہ مومن ہیں۔ بعض بظاہر مومن اور باطن میں منافق ہیں۔ اس آیت میں مومنین اہلِ کتاب کو (بروایت ابن عباسؓ) تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ رسولِ اطہر کے تمام احکام و شرائع کا اتباع ظاہر و باطن ہر صورت میں کرنا چاہیئے تاکہ عمل میں کوئی نفاق کا شبہ بھی باقی نہ رہے۔ حضرت عکرمہ سے ابن کثیر نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، سعید بن عمر، قیس بن زید وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ لوگ پہلے یہودی تھے جب مسلمان ہو گئے تو ان میں سے بعض کو خیال پیدا ہوا کہ اگر حالتِ اسلام میں ہم سنیچر کی عظمت چھوڑ دیں گے تو خوف ہے کہیں ویسا عذاب نہ نازل ہو جائے جو حضرت داؤد کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح توریت پر عمل نہ کرنے سے بھی ان کو عذابِ الٰہی کا خوف ہوا اس لیے انھوں نے حضورِ والا سے ایک روز عرض کیا یا رسول اللہ ہم پہلے ہفتہ کے دن کی عظمت کیا کرتے تھے اب بھی ہم کو اس کی تعظیم کرنے کی اجازت دیدیجیئے۔ اس کے علاوہ ہمارے لئے یہ بھی مباح فرما دیجیئے کہ ہم رات کی عبادت میں توریت کی تلاوت کیا کریں۔ اس وقت یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

سِلْم سے مراد ابن عباس، طاؤس، ضحاک، عکرمہ، قتادہ، سدی اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اسلام ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے فرمانبرداری اور اطاعت کے معنی بھی لئے ہیں۔

كَافَّةً کے معنی ابن عباسؓ نے سب لوگ لکھے ہیں اور مجاہد کے نزدیک كَافَّةً سے مراد تمام اعمال و افعال ہیں۔

بہرحال آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام و مسائل کو ماننا لازم ہے۔ اوامر پر عمل اور نواہی سے امتناع ضروری ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ جی احکام کو دل چاہا مانا، نہ دل چاہا نہ مانا۔ گزشتہ شریعتوں کے احکام اسلامی احکام کے مقابلہ میں واجب العمل بلکہ جائز بھی نہیں رہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ تم کو ہرگز احکامِ الٰہی میں تفریق نہ کرنی چاہیے۔ اسلام کے کل سہام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر بالخیر، نہی عن الشر وغیرہ پر نہایت کوشش کے ساتھ کاربند رہنا چاہیئے۔ گزشتہ شریعت کے احکام کی طرف اسلامی احکام کے مقابلہ میں میلان نہ چاہیئے کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے اور شیطان مومنوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ مگر اس کی دشمنی دیکھنے کے لئے ایمان کی آنکھیں اور دماغ کی روشنی چاہیئے۔ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ اب اگر آیاتِ عقلیہ، معجزاتِ نبویہ اور آثارِ فطرت دیکھنے کے بعد بھی تم نے لغزش کی، حقانیتِ اسلام کے ثبوت کے بعد بھی احکامِ اسلامی سے تم نے عدول کیا تو تم سے انتقام لیا جائے گا اور سارے اعمال کی سزا دی جائے گی اور تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم دنیا میں موجود ہیں ہم کو کس طرح سزا دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سب پر غالب ہے۔ کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ نہیں سکتا اور کوئی زبردست طاقت والا اس پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر عذاب میں دیر ہو جائے تو اس سے دلیر مت ہو جاؤ اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ حکیم ہے حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

مقصودِ بیان

تمام اسلامی احکام پر کاربند رہنے کی ہدایت، کتب سابقہ کے احکام پر اسلامی احکام کے مقابلہ میں عمل پیرا ہونے کی ممانعت، اطاعتِ شیطان کی صراحت، با وجود علم کے عمل نہ کرنے پر سخت وعید، قدرتِ الٰہی کے غیر متناہی اور لا محدود ہونے کی طرف ایما، اہلِ بصیرت کے واسطے کامل نصیحت، رضا بقضا کی تعلیم، تقدیری امور پر اظہار اطمینان و سکون، اسلام، اطاعت و انقیاد اور قدرتِ الٰہی کے سامنے رشتہ صد گردن ہونے کا حکم ہے۔

سے روگردانی، اسباب کی طرف سے بے التفاتی اور تمام رنج و راحت، غم و خوشی، دکھ اور سکھ میں ثابت القلب اور مطمئن باللہ رہنے کا امر وغیرہ۔

شیخ ابو عثمان کا قول ہے کہ آیت فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے حق تعالیٰ کو بصفت الوہیت پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ وہی الٰہ برحق اور معبود مطلق ہے اس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں، وہی تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ لیکن اس جاننے کے باوجود اگر اس شخص نے مدارج قرب کو چھوڑ کر مادی اور نفسانی مراتب کی طرف رجوع کیا تو اس نے شرک کیا اور اس کا یہی عذاب ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو قرب اور مشاہدے سے محروم کر دے اور اپنے اسرار کا محال نہ بنائے۔ اگرچہ عبادت میں یہ شخص اپنے آپ کو فنا کر دے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ ابر کے سائبانوں میں اللہ اور فرشتے ان کے پاس آجائیں اور کام ہی تمام کر دیا جائے

وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَ

اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ ہم نے ان کو کس قدر واضح نشانیاں دیں اور

مَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

جو شخص اللہ کی نعمت مل چکنے کے بعد اس کو بدل ڈالے تو یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں وعید و عذاب کا تذکرہ آگیا تھا اور احکام اسلامی سے انحراف کرنے پر سزا کی وعید تھی۔ اس آیت میں احکام اسلامی سے سرتابی کرنے والوں کے لئے دہشت انگیز وعید ہے خصوصیت کے ساتھ وہ سرکش متمرد یہود جنہوں نے اپنی نخوت سے موسیٰ کے زمانہ میں ہی قبول توریت اور احکام توحید سے اعراض و انحراف کیا تھا ان کی طرف خصوصی اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ جو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ لوگ تو صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا تعالیٰ خود اپنے فرشتوں کو لے کر بادلوں میں آجائے اور اسلامی احکام کی خود تبلیغ کرے تب شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ حالانکہ جو فیصلہ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ حقانیت اسلام کے دلائل پیش کیے جا چکے۔ براہین فطری و معجزات نبوی بھی ظاہر کر دیئے گئے۔ اب یہ یقینی امر ہے کہ ماننے والے کو ثواب، نہ ماننے والے کو عذاب ہوگا اور سب کے سب خدا کے پاس جائیں گے۔ وہی ان کے حساب کتاب اور ثواب و عقاب کا مالک ہے۔ سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ یعنی جو ازلی شقی ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لا سکتے۔ دیکھو ہم نے بنی اسرائیل کے سامنے کس قدر دلائل واضحہ بیان کئے۔ مثلاً دریائے نیل کو ان کے لئے خشک کیا، سمر پران کو فتح دی، خدا کی آواز سننی چاہی تو ان کو آواز سنائی، من وسلویٰ کو ان کے لئے نازل کیا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ نعمتوں کے شکر کے بجائے کفران کیا۔ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص خدا داد نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے دلائل واضحہ اور ثبوت فطری کے باوجود کفر کرتا ہے تو خدا اس کو عذاب دیتا ہے اور معمولی عذاب نہیں بہت سخت عذاب کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ خدا تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

مقصود بیان شان باری تعالیٰ میں گستاخی کرنے پر سخت وعید اس بات کی طرف اشارہ کہ ثبوت حقانیت اسلام کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں اور نہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ خود آکر بادلوں کے پردے میں بولے۔ بلکہ کسی چیز کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل اور فطری ثبوت کافی ہیں۔ عقلی دلائل اور فطری ثبوت کو نہ ماننے والے ازلی شقی ہیں۔ نور عقل و معرفت سے بے بہرہ ہیں اس لئے مستوجب عذاب ہیں۔ اسلامی اصول و احکام کے موافق عقل ہونے کی طرف لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے کہ دین الٰہی فطری ہوتا ہے۔ لیکن کور عقل والوں کو نہیں سوجھتا۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

کافروں کے لئے دنیوی زندگانی (چونکہ) آراستہ کی گئی ہے (اس لئے) یہ مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

قیامت کے روز ان سے اونچے درجہ پر ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں:۔ (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکینِ مکہ مثلاً ابوجہل وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جو مال و دولت پر نازاں تھے اور اس متاعِ فانی پر اترا کر فقراء اہلِ ایمان مثلاً عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، صہیب، بلال اور خباب وغیرہ پر ہنستے تھے۔ سیوطی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ گویا یہ آیت واقعۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ بدر میں ابوجہل کا انتقال ہو گیا تھا (۲) قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ یہ منافق طبقہ دنیوی عیش و عشرت کے نشہ میں سرگراں ہو کر مفلس مہاجرین سے مذاق کرتے تھے اور کہتے تھے دیکھو محمد انہی کے ساتھ غالب ہونے کا گمان رکھتے ہیں (۳) عطا کا قول ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی سرداران کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین سے استہزاء کرتے تھے خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ بغیر لڑائی کے تم کو ان یہودیوں کا مال عطا کیا جائے گا۔ (معالم التنزیل)

بہر حال آیت سے عام کفار مراد ہیں جو دنیوی ثروت و جاہ و مال و منال میں سرمست ہو کر مفلس مسلمانوں کو ستانے اور اُن پر آوازے کستے ہیں۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ توحیدِ الٰہی، رسالتِ محمدی، قرآن اور سزا جزا وغیرہ کے منکر ہیں صرف اسی فانی زندگی کے عیش و آرام پر اپنی نظر کو مقصور رکھتے ہیں۔ اپنے مال کو مصارفِ واجبی میں خرچ نہیں کرتے بلکہ وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مسلمانوں پر آوازے کستے ہیں، اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دنیوی زندگی بظاہر آراستہ پیراستہ کر دی گئی ہے، لیکن زوال پذیر اور قریب الانقطاع ہے۔ اس لئے اس کو باطنی زینت حاصل نہیں ہے صرف آزمائش و امتحان ہے۔۔۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ باطنی آراستگی کے مالک مسلمان ہیں۔ قیامت کے دن مومنوں کے درجات بہت بڑھ چڑھ کر ہوں گے اور کفار نہایت ذلت و پستی میں ہوں گے۔ مسلمان دنیا میں اتقاء نفس سے گزارا کرتے ہیں۔ لہو و لعب عیش طرب ان کے لئے جاذبِ توجہ اور دلکشی کا سامان مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ دنیوی جائز مال سے اگرچہ پرہیز نہیں کرتے مگر محبتِ مال سے ضرور سبکدوش ہوتے ہیں۔ ان کی اصلی غرض شرک و کفر سے اجتناب کرنا ہے۔ کفار کو اپنے مال و دولت پر نازاں نہ ہونا چاہئے کیونکہ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب نعمت عطا فرماتا ہے۔ دین میں تو مسلمانوں کے لئے لازوال نعمتیں ہیں ہی لیکن ممکن ہے کہ کافروں کا یہ سب مال مومنوں کی ملک میں آ جائے۔ مالِ دنیا تو خدا کے اختیار میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

مقصود بیان دنیا کے فانی اور زائل ہونے کی طرف اشارہ، اموالِ دنیوی اور جاہ و دولت واقعی ظاہری آراستگی اور شیطانی گمراہی کے اسباب ہیں، اس کی طرف لطیف تلمیح، مسلمانوں کو تسکین و تشفی، دنیوی کامیابی اور فلاحِ آخرت کا وعدہ، اس امر کی صراحت کہ تمام اسباب مسببِ مطلق کے ہاتھوں میں ہیں جدھر چاہتا ہے اسبابِ راحت کو پھیر دیتا ہے، کسی کو نادار مفلس اور فقیر جان کر مذاق کرنے کی ممانعت، اتقائے نفس کی فضیلت، دنیا کی ناپائیداری کی تصویر وغیرہ

وقف

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ

لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر اللہ نے انبیاء کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر اور اُن کے ساتھ

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

سچی کتاب بھیجی تاکہ جس بات میں لوگ اختلاف کریں اس میں خدا تعالیٰ فیصلہ کر دے اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی

إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ

تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو وہ راہ حق

اٰمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

دکھائی جس میں اُن لوگوں نے اختلاف کر رکھا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ دنیوی مال و متاع کو باعث فخر خیال کرنا اور موجب ہدایت جاننا غلطی ہے۔ ہدایت اس مال پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہدایت کے اسباب ہی اور ہیں۔ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ دنیوی رزق در روزی میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھ لینا کہ ہم خدا کے منظور نظر ہیں غلط ہے۔ کیونکہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ابتدائے فطرت میں تو سب لوگ فطری طور پر ایک ہی خیال کے آدمی تھے۔ خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ہوا و ہوس اور دنیوی لذائذ کو ہیچ سمجھتے تھے۔ لیکن نسل انسانی زائد ہوئی تو لوگوں نے باہم تفرقہ شروع کر دیا۔ حقیقی نور کم ہو گیا۔ لوگ طبیعت و ہوس کے بندے ہو کر ٹیڑھے راستوں پر چلنے لگے۔ اوہام پرستی، شہوت رانی اور تعصب و جہالت نے ان کی عقل کو کمزور کر دیا۔ کوئی کسی طرف جانے لگا کوئی کسی طرف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ تو خدا نے اپنے اسرار معرفت کے واقف کار لوگ بھیجے جو احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچا سکیں اور لوگوں کی تمام کجراہیوں کو دور کر کے عدالت کا ایک سیدھا راستہ قائم کر دیں۔ سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو خوشنودی خدا اور دائمی نجات کی خوشخبریاں دیدیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب سرمدی اور قہر الٰہی سے ڈرائیں۔ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اور خدا نے اپنا قانون عدالت بھی ان کو عطا فرمایا جو بالکل ٹھیک اور صحیح تھا نہ افراط کی جانب مائل تھا نہ تفریط کی طرف۔ بعض انبیاء کو مستقل کتاب دی، بعض کو صحیفے دیئے اور بعض کو گزشتہ شریعت کی تجدید کا حکم دیا۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ تاکہ ہر نبی لوگوں کے اختلافی مسائل میں کتاب آسمانی کے موافق فیصلہ کر دیا کرے اور تمام لوگ راہ راست پر آجائیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ لیکن جن پر نفسانیت اور گمراہی غالب تھی وہ کھلی کھلی آیات و دلائل دیکھنے کے باوجود صرف سرکشی اور مادی قوتوں کے حد اعتدال سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے مخالف رہے اور کتاب الٰہی کے احکام و عبارت میں باہم اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ عبارتیں بدل ڈالیں۔ معنی میں غلط اور رکیک تاویلیں کیں۔ سیدھے سادے حکم کو توڑ مروڑ کر کے اپنے مطلب کے موافق بنانے کی کوشش کی۔ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ لیکن خدا نے اپنے فضل و عنایت سے اختلافی امور میں ایمانداروں کو سیدھا راستہ بتا دیا اور جو واقعی حق تھا اس کا انکشاف ان پر کر دیا کیونکہ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ خدا تعالیٰ مختار ہے جس کو چاہتا ہے اعتدال کا راستہ بتاتا ہے۔ افراط و تفریط سے منع کرتا ہے اور روکتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی اور کجروی میں چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں۔

مقصود بیان تمام عالم میں شروع میں توحید کامل تھی لیکن انسانوں نے اپنے ہوا و ہوس اور شہوت و غضب کے ماتحت کجراہی اختیار کی۔ انسانی عقل راہ راست اور قانون عدالت تلاش کرنے سے قاصر ہے۔ ہر شخص کی عقل اور رائے جدا ہے۔ بغاص عقل کا جذبات نفس سے اتحاد ناممکن ہے اس لئے کچھ واقف اسرار بندوں کو خدا نے بھیجا جن کے دو رُخ تھے۔ ایک روشن روحانی دوسرا تاریک مادی۔ روحانی روشن رُخ میں چونکہ فیض قدیم کے قبول کرنے کی قابلیت تھی اس لئے اسی سمت سے ان کو قانون عدل ملا۔ انھوں نے اس قانون عدل کے موافق تاریک سمت والوں کا اختلاف مٹانے کی کوشش کی۔ اختلاف عموماً اور دینی تفرقہ خصوصاً بری بلا ہے۔ دنیا میں گمراہی کبھی اختلاف و عناد کی وجہ سے پھیلی۔ خدا نے ہر زمانہ میں اس تفرقہ حق و باطل کے واضح کرنے کے لئے انبیاء و کتب بھیجے۔ ہادی برحق خدا ہے۔ نہ بھی کسی کو موحد بنا سکتا ہو نہ کتب آسمانی جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت و سعادت تھی وہ تفرقہ سے کنارہ کش ہو کر راہ راست پر آ گئے اور جو فطری رہا بست ارکے ششں تھے وہ بدستور گمراہ رہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ گزشتہ لوگوں کی سی حالت تمھیں پیش نہیں آئی۔

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

انہیں سختی بھی پہنچی اور تکلیفیں بھی اور اُن کو جھڑ جھڑا دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور رسول کے ساتھ والے مومن (گھبرا کر) کہنے لگے

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

کہ اللہ کی مدد کب ہوگی (ہم نے کہا) سنو اللہ کی مدد قریب ہی ہے

تفسیر اس آیت میں مسلمانوں کو صبر و توکل ثابت قدمی، تحمل، مصائب جسمانی و مالی تکالیف اُٹھانے کی ترغیب اور دنیوی ناکامی سے بے دل نہ ہونے کی وایت طلب مولا، امر حق اور استحقاق آخرت کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے شان نزول دو بیان کئے گئے ہیں سدی و قتادہ کے نزدیک تو یہ آیت غزوۂ خندق کے متعلق نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو سخت و تکلیف دشمنی کا خوف، موسمی سردی، تنگدستی اور اسباب معیشت کی تنگی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور مسلمان ہر قسم کی اذیت میں مبتلا تھے۔

شیخ ابن کثیر اور علامہ سیوطی کا مختار یہ ہے کہ جنگ احد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ رسول پاکؐ مع صحابہ کے جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو تشریف لائے اور کل مال و اسباب مکہ میں ہی رہ گیا جس پر کافروں نے قبضہ کر لیا تو ان کو بڑی دشواری اور تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پھر یہاں پہنچ کر تنگدستی اور افلاس میں بھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔ مدینہ کے یہود مخالف تھے اور ہر وقت نقصان پہنچانے کے کوشاں تھے۔ کچھ منافق تھے بظاہر دوست اور دل میں سخت ترین دشمن چونکہ کفار کے حملوں کا خوف قبائل عرب الگ برسرِ پیکار نظر آتے تھے اس وقت مسلمانوں کو تسکین و اطمینان دلانے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ طلب حق اور استحقاق آخرت بغیر تکلیف برداشت کئے نا ممکن ہے تم ویسے ہی ثواب آخرت اور نجات ابدی حاصل کرنا چاہتے ہو صرف ایمان لانا ہی ابدی زندگی حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنی چاہئے۔ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ ابھی تک تم پر وہ مصائب و شدائد نہیں آئے جو گزشتہ انبیاء اور ان کے فرمانبرداروں پر آچکے ہیں۔ وہ آروں سے چیرے گئے، آگ میں جلائے گئے اُن کے گھر بار لوٹ لئے گئے۔ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ نقر و فاقہ، افلاس و ناداری اور دیگر جسمانی تکالیف میں وہ لوگ مبتلا ہوئے مگر راہِ حق پر ثابت قدم رہے۔ وَزُلْزِلُوْا بلکہ اُن پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ بُرا حال ہو گیا۔ مصیبتوں نے ان کے دل کو ہلا دیا۔ بدنی قوتوں میں لرزہ پیدا کیا۔ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ — اور وہ ایسے بے قرار ہوئے کہ باوجودیکہ انبیاء کو امداد کے ہمراہی مسلمانوں کو امداد الٰہی کا یقین تھا۔ لیکن اضطراری حالت میں پکار اُٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی اور کب ہماری ان تکلیفوں کا خاتمہ ہوگا۔ بالآخر غیب سے ان کو بشارت ہوئی اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ اور اُن سے کہہ دیا گیا کہ یقین رکھو اور مطمئن ہو جاؤ کہ مدد الٰہی اور ظفر و کامرانی عنقریب آئے گی اور ان تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کو تسکین و تشفی، جہاد کرنے اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے کی ہدایت، صبر و تحمل توکل و ثبات، کوشش و جانبازی کی ترغیب، اس امر کی صراحت کہ بغیر تکالیف برداشت کئے اور بلا تحمل مصائب کے عیش و راحت مل نہیں سکتی یہ بھی ایک امر واضح ہوتا ہے کہ مدد الٰہی بھی اس شخص کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنی مدد خود کرتا ہے۔ آیت سے اس بات پر بھی ایک ضمنی استدلال ہو سکتا ہے کہ دنیا کے کل مصائب جسمانی و مالی تکالیف سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں جو مسلمانوں کا استقلال و تحمل آزمانے کو بھیجے جاتے ہیں کہ کون مصائب پر صابر رہتا ہے اور کون راہ حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

(اے محمدؐ) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم اُن سے کہہ دو کہ جو کچھ مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کو رشتہ داروں کو

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

یتیموں کو محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور تم جو کچھ نیکی کرو گے اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عمرو بن جموح نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم کیا چیز (کار خیر میں) صرف کریں اور کس کو دیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا سوال کے دو حصے تھے۔ ایک یہ کہ کونسی چیز صرف کریں۔ اونٹ، گائے، بکری، روپیہ پیسہ، غلہ کپڑا۔ دوسرا حصہ یہ تھا کہ کس مصرف و محل میں خرچ کریں۔ خدا تعالیٰ نے دونوں سوالوں کا جواب آیت میں دے دیا۔ پہلے حصہ کا ضمنی اور دوسرے کا صریحی۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز صرف کریں۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ تم ان سے کہہ دو کہ ہر فائدہ کی چیز تم صرف کرو کپڑا ہو یا غلہ یا جانور یا روپیہ پیسہ وغیرہ بہرحال جو مفید چیز ہو اور اس کو تم راہ خدا میں صرف کرنا چاہو۔ یہ سوال کے پہلے حصہ کا ضمنی جواب ہوگیا۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ تو اپنے نفس و اولاد کے ضروری مصارف کے بعد والدین کو، قرابتداروں کو اور ان یتیم بچوں کو جو نابالغ ہوں اور سر سے شفقتِ پدری کا سایہ اٹھ گیا ہو پھر ان مسکینوں کو دو جو محتاج ہوں یا ان کو بقدرِ کفایت نہ ملتا ہو پھر ان مسافروں کو جو زادِ خرچ ختم ہو جانے کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہوں اگرچہ گھر پر دولتمند ہوں۔ یہ سوال کے دوسرے حصہ کا صریحی جواب ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ خلاصہ یہ کہ جو کچھ تم نیکی کرو گے، حلال مال راہ خدا میں صرف کرو گے خدا اس سے بخوبی واقف ہے تمہارا دیا ہوا ضائع نہ جائے گا جزاء یقینی ملے گی۔

ہدایتِ خاص یہ حکم نفل صدقات کا ہے۔ یہاں سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ تو ماں باپ کو دینی جائز نہیں ہے پھر کس طرح والدین کو دیں۔ مطلب یہ ہے کہ خیرات کے یہ مصارف ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف دوسری جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

دو امر اور بھی آیت سے معلوم ہو گئے۔ اول یہ کہ صدقات و خیرات میں زیادہ قابلِ توجہ چیز قابلِ مصرف و محل کا لحاظ ہے۔ اگر مصرف کی موزونیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو خیرات ضائع یا قلیل الاجر ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا چیز دینی چاہیئے اس کا تعین تو انسان کی ہمت و وسعت پر موقوف ہے اور اس امر پر اس کا دارومدار ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کتنی ہے۔ انسان میں جتنی وسعت ہو اور جتنی خدا سے محبت ہو اتنا دینا چاہیئے ہاں مذکورہ مصارف میں صرف کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

مقصودِ بیان خیرات و صدقات کی ترغیب، مستحقین کے حقوق کی ترتیب، مذکورہ مصارف کے علاوہ بھی ہر نفقہ خیر کی اجازت اور ثواب کی صراحت۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ درحقیقت قابلِ دریافت یہ بات ہے کہ کہاں صرف کیا جائے۔ خیرات کس کو دی جائے۔ یہ بات قابلِ سوال نہیں کہ کیا چیز صرف کی جائے۔ کیونکہ یہ بات تو نہایت واضح ہے۔ وغیرہ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ

تم پر جہاد فرض کیا گیا اگرچہ وہ تم پر شاق ہے لیکن ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز شاق معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور

عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم دل سے پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو (اس کی) اللہ جانتا ہے تم ناواقف ہو۔

تفسیر گزشتہ آیت میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس آیت میں جان قربان کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قوم و ملت کا بقاء بغیر جان و مال کی قربانی کے ناممکن ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے تو جنگِ مدافعانہ کی بھی اجازت نہ تھی بلکہ صبر و برداشت کا حکم تھا۔ پھر مدینہ میں تشریف لائے تو دشمنوں کی مدافعت کی اجازت مل گئی اور اجازت ہو گئی کہ جو شخص تم سے لڑے تم بھی لڑو جو شخص تم کو مارے تم بھی مارو۔ لیکن یہ جنگ صرف دفاعی تھی اور اس کی اجازت صرف کفار کی دست درازیاں روکنے کے لئے دی گئی تھی۔ اس حکم دفاعی کے باوجود جب کفار اپنی چیرہ دستیوں اور ظلم تعدیوں سے باز نہ

آگے تو اب جہاد کا حکم دیا جاتا ہے اور مدافعت کفار فرض کی جاتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم پر دشمنوں سے لڑنا اور ان کی مدافعت کرنا واجب کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ جہاد کا حکم تم کو ناگوار ہوگا۔ کیونکہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھنا اعدائے دین کو قتل کرنا اگرچہ وہ قرابتدار اور آشنا ہوں بہت سخت کام ہے۔ گھر میں بیٹھنا، اہل و عیال کے ساتھ معاشرت رکھنی، امن چین اور راحت و آرام سے رہنا اگرچہ ہر شخص کو طبعی طور پر مرغوب ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جفاکشی، تحمل مصائب، جان و مال کی قربانی شاق ہوتی ہے لیکن وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کی طبیعت کو شاق گذرتی ہیں اور واقع میں وہ اس کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ کسی شخص کا یہ ہے کہ اہل و عیال، وطن و قوم، عزیز و اقرباء، دولت و مال، عیش و آرام کو چھوڑ کر خانہ بدوش ہو کر دھوپ اور ریگستان میں سفر کرے۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ آسائش چھوڑ کر جفاکشی اور راحت چھوڑ کر مالی بدنی مصائب برداشت کرے۔ لیکن اس جفاکشی اور تحمل و مصائب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ قوم و ملک کی آزادی، شیرازۂ ملت کی بندش، توحید الٰہی کا اعلان، مال و دولت اور عزت و جاہ کا حصول، عزت و حریت کا بقاء، دشمنوں پر غلبہ اور خصوصاً ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کی تحصیل۔ لہٰذا چونکہ ایثار و جانبازی کے نتائج عمدہ ہیں اس لئے ان نتائج کا سبب بھی قابل عمل ہے۔ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کو فطرتاً مرغوب ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا میلانِ طبع ان کی جانب ہوتا ہے لیکن واقع میں وہ ضرر رساں اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص فطری طور پر چاہتا ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ نہایت امن چین کے ساتھ رہے۔ نہ سفر کی تکلیف، نہ مال کی بربادی، نہ فکر، نہ خطرہ، نہ دشمنوں کے مقابلہ میں جان کا خطرہ، نہ دھوپ و لو برداشت کرنے کی ضرورت۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ قوم و ملت کی غلامی، شیرازۂ ملت کا انتشار، شرک و کفر، فتنہ و فساد، ظلم و جور کی اشاعت، ذلت و غلامی، دشمنوں کا غلبہ، افلاس و نکبت کا حصول، عزت و جاہ کی تباہی اور بالآخر عذاب الٰہی اور غضب خداوندی کا نزول لہٰذا چونکہ بزدلی، چین اور آرام طلبی کے نتائج برے ہیں، اس لئے ان نتائج کے اسباب بھی واجب الترک ہیں لیکن وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہ تمام مصالح و اسباب و مسببات کی ترتیب، حکم جہاد کی حکمت اور مدافعت اعداء کا فائدہ خدا ہی جانتا ہے۔ انسان کو اس کا صحیح علم نہیں۔ اس لئے مفید کو مضر اور مضر کو مفید سمجھنے لگتا ہے۔

مقصود بیان قومی وطنی اور ملی شیرازہ بندی کا حکم، جفاکشی، مالی ایثار اور جانی قربانی کی ہدایت، اس بات کا پرزور اعلان کہ فتنہ و فساد اور ظلم و شرک کی بیخ کنی ہر مسلمان کا فرض ہے تاکہ خدا کا بول بالا ہو۔ قوم و ملک دشمنوں کے پنجہ سے آزاد رہے۔ مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہو۔ آیت میں بزدلی، آرام طلبی اور کاہلی کی ضمنی ممانعت ہے۔ مصائب کے تحمل اور تکالیف کی برداشت کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد کو ترک کرنا اور مادی قوتوں کا اقتصار پیدا کرنے سے بالآخر انفرادی تباہی، قومی بربادی، ملی و وطنی غلامی و شخصی ذلت اور افلاس و نکبت کا حصول لازمی ہے وغیرہ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ

(اے محمد) تم سے ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور

اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ

اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد تو

اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى یَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنِ

قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ تم سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین

اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ

سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا اور کفر کی حالت ہی میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کے دنیا و دین میں

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

اعمال اکارت جائیں گے اور یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا ایک تھوڑا سا فوجی دستہ حضرت عبداللہ بن جحش کی زیر کمانڈ بطن نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ راستہ میں قریش کے ایک قافلہ سے جو طائف سے آرہا تھا اُن کا مقابلہ ہوگیا۔ لڑائی میں مسلمانوں نے عمرو حضرمی کو مار ڈالا کہ ایسا اتفاق ہوا کہ ماہِ رجب کا چاند دیکھا گیا اور صحابہ اس کو جمادی الثانی کی ۳۰ تاریخ سمجھے تھے۔ غرض اس پر کفار نے طعن شروع کیا کہ دیکھو محمد قابلِ احترام مہینوں میں لڑائی کرنے کی اپنے ساتھیوں کو اجازت دیتے ہیں اور ماہِ حرام کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ مسلمانوں نے حضور اقدسؐ سے ان واجب الاحترام مہینوں میں جہاد کرنے کا حکم دریافت کیا اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ لوگ آپ سے ماہائے حرام میں لڑنے یعنی جہاد کرنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان مہینوں میں جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں! قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگرچہ ان مہینوں میں لڑائی کرنی بُری بات ہے وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لیکن راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا، ایسی تدبیریں کرنی کہ لوگ اسلام نہ لائیں اور تبلیغ ایمان نہ کر سکیں وَكُفْرٌ بِهِ اور دینِ الٰہی کا انکار کرنا خدا و رسول یا اسلام کے اصولی احکام کو نہ ماننا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کے حج یا عمرہ سے یا اس میں ادائے عبادت وغیرہ سے خدا کے پاک بندوں کو روکنا وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ اور جو لوگ کعبہ کے واقعی مستحق ہیں اور وہاں کے رہنے والے ہیں اُن کو نکال کر شہر بدر کر دینا جیسا کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک ماہِ حرام میں قتال کرنے سے زیادہ سخت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اگر بھول کر یا دھوکے سے ماہِ حرام میں قتال کیا تو تم نے طعنے دینے شروع کر دیئے ماہِ حرام میں قتال کرنا بالفرض اگر گناہ بھی ہو تب بھی یہ گناہ اس سے زیادہ سخت ہے کہ لوگوں کو راہِ خدا سے روکو، مسجد الحرام سے روکو، حج و عمرہ اور نماز و طواف وغیرہ نہ ادا کرنے دو۔ دینِ الٰہی کا انکار کرو۔ اور جو لوگ مسجد الحرام میں عبادت کرنے کے مستحق ہیں اُن کو مکہ سے نکال دو کہ مجبور ہو کر وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ گویا کافروں اور مسلمانوں کے فعل میں دو طرح سے فرق ہے اوّل تو یہ کہ لشکرِ اسلام کا یہ فعل عمداً نہ تھا صرف اشتباہِ تاریخ کی وجہ سے ایسا ہوگیا تھا اور کفار کے مذکورہ بالا تمام افعال قصداً اور بالارادہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ ماہِ حرام میں قتال کرنا بہت خفیف بات ہے اور مذکورہ بالا امور نہایت سخت ہیں۔ لہٰذا جو شخص شدید معاصی کا مرتکب ہو وہ کیونکر ایسے شخص کو طعن کر سکتا ہے جو نادانستہ کوئی خفیف ترین حرکت کر بیٹھا ہو۔ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ اور شرک کرنا، ملک میں فتنہ و فساد مچانا اور مومنوں کو ستانا تو ماہِ حرام میں جنگ کرنے سے بہت زیادہ سخت چیز ہے۔ یہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جب کفار نے ان مہینوں کا احترام نہ کیا، ان مہینوں میں تم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں عمرہ نہ کرنے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دینِ اسلام سے انحراف کیا تو اگر تم عوض لینے کے لئے اس مہینہ میں قتال کرو بھی تو کیا گناہ ہے۔ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا تم کو ہرگز یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے ماہِ حرام میں کفار سے جنگ کی۔ خدا جانے یہ کتنا بڑا جرم ہو کیونکہ یہ کفار تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ جب تک ان کا بس چلے گا تم کو دینِ اسلام سے پھیرنے کے لئے تم سے برابر لڑتے رہیں گے لہٰذا تم بھی ان کو مار و اور اپنے دین پر قائم رہو۔ کافروں کے فریب میں نہ آؤ۔ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کیونکہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی حالت پر مرے گا اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو جائے گا اور اسی حالتِ کفر پر اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس کا گزشتہ کیا کرایا سب ملیامیٹ ہو جائے گا۔ دنیا میں بھی اس کے اعمال کی پاداش یعنی فتح و نصرت وغیرہ اس کو نصیب نہ ہوگی اور آخرت میں بھی اس کی سزا جہنم ہوگی جہاں داخل ہونے کے بعد پھر کبھی چھٹکارا نہ ملے گا۔

مقصودِ بیان ماہِ حرام میں جنگِ دفاعی جائز ہے۔ شرک و کفر، فتنہ و فساد، فرائضِ الٰہی یا واجباتِ شرعی کی ادائیگی سے بندش، ماہِ حرام میں قتال کرنے سے بہت زیادہ بدتر ہے۔ معابد و مساجد سے کسی مسلمان کو ادائے فریضہ یا عبادتِ الٰہی یا کوئی اور عملِ خیر کرنے سے نہ روکنا چاہیئے۔ تبلیغِ اسلامی میں رکاوٹیں پیدا کرنی یا مسلمانوں کو کفر کی طرف مائل کرنا بدترین جرم ہے۔ مرتد کے وہ تمام نیک اعمال جو حالتِ ارتداد سے قبل اس نے کئے برباد جاتے ہیں ان کو جزا نہ ملے گی۔ مرتد نجاتِ اخروی سے ہمیشہ کے لئے اس وقت محروم ہو سکتا ہے جب کہ کفر کی حالت پر مرا ہو (اگر مرتد ہونے کے بعد پھر

مسلمان ہوگیا تو ایسے شخص کے قبولِ اسلام میں علماء کا اختلاف ہے) جہاد درحقیقت جنگِ دفاعی یا اعلائے کلمۃ اللہ کرنے کے لئے لڑنے کا نام ہے۔ نہ کہ زبردستی لوگوں کو پکڑ کر مسلمان بنالے گا۔ وغیرہ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت

رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

کے اُمیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر طبرانی کے معجم کبیر میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب گزشتہ آیات میں عبداللہ بن جحش اور ان کے ہمراہیوں کے متعلق صراحۃً بیان کر دیا گیا کہ یہ لوگ ملزم نہیں ہیں اور ان حضرات کو گنہگاری کی فکر نہ رہی تو اس وقت ان کو ثواب کی اُمید ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ اب کیا ہم اس بات کی طمع رکھیں کہ یہ لڑائی ہمارے لئے ایک غزوہ ہوگی اور جہاد کرنے والوں کا ثواب ہم کو ملے گا۔ اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ عموماً مومنین اور خصوصاً وہ لوگ جنھوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا تمام گناہوں کو چھوڑا۔ نیز وہ لوگ جنھوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانی و مالی قربانیاں کیں اور جہاد کیا یہی لوگ واقعی طور پر رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں اور ان کو رحمت کا اُمیدوار ہونا چاہئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے جو غلطی اُن سے ہوگئی ہوگی وہ معاف فرمائے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جزا عطا فرمائے گا۔

مقصودِ بیان مومنوں کو عموماً اور ان لوگوں کو خصوصاً ثواب کا اُمیدوار کرنا جنھوں نے رضائے مولا کے لئے گھر بار مال متاع اور تمام ناجائز خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کی۔ راہِ خدا میں تن من دھن نثار کر دیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ہر امکانی کوشش کی۔ آیت میں نفسانی خواہشات کے ترک کرنے کی جانب ایماء ہے اور جہاد مالی بدنی قلبی بلکہ حمایتِ اسلام کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی طرف ضمنی اشارہ ہے۔ وغیرہ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

(اے محمدؐ) تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم کہدو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے

تفسیر پہلے خدا تعالیٰ نے وہ امور بیان کئے تھے جن سے شیرازۂ ملی و قومی منتشر ہو جاتا ہے۔ اب وہ امور بیان کئے جاتے ہیں جن کے ارتکاب سے قومی و مذہبی بربادی لازم آتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ معاذ بن جبل رضؓ اور انصار کی ایک جماعت نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ شراب سے تو عقل جاتی رہتی ہے اور قمار سے مال برباد ہوتا ہے ہم کو ان کے متعلق حکم دیجئے کہ کیا کریں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عرب میں شراب نوشی و قمار بازی کا مدت سے دستور تھا اور اہلِ عرب ان دونوں چیزوں کے عموماً بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ کل جزیرۂ عرب میں چند افراد ہی اس سے محفوظ رہے ہوں گے۔ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما رہے صحابہ بدستور اپنے قدیمی خو پر قائم رہے۔ جب سرکار مدینہ تشریف لائے تو بتدریج شراب اور جوئے کی ممانعت ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی اور قمار و شراب کی اس آیت میں کچھ مضرت ظاہر کر کے مسلمانوں کی طبیعت کو عادتِ طبعی سے جو طبیعتِ ثانیہ ہو چکی تھی پھیرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس آیت سے ان چیزوں کی حرمت کی وضاحت نہ ہوئی۔ صحابہ برابر ان چیزوں سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ لیکن پہلے کی بہ نسبت ضرور ان کے استعمال میں کمی آگئی۔ اس کے بعد آیت

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی اور مسلمانوں کو شراب پی کر نماز کو کھڑے ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ پھر کچھ دنوں بعد آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ سے دونوں چیزوں کی حرمت واضح طور پر کر دی گئی اور اس تدریجی ممانعت سے اہل عرب نے مالوف طبعی کو ترک کیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل عرب آپ سے شراب اور جوئے کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ چیزیں جائز ہیں یا ناجائز۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے ارتکاب میں بڑا گناہ ہے اور منافع بہت تھوڑے ہیں۔ مرف تجارتی یا تعلیق سوموی فوائد ہیں۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا مگر ان کا گناہ اور مضرت نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ شراب سے عقل اور صحت برباد ہو جاتی ہے نسل انسانی کی افزائش میں کمی آجاتی ہے۔ حواس میں بلادت، دماغ میں تاریکی اور نور روحانی میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ قمار سے مال برباد ہوتا ہے۔ اقتصادیات اور معیشت انسانی پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وبالِ آخرت گردن پر سوار رہتا ہے۔

مقصود بیان

شراب اور جوئے کی تجارتی اور ذوقی منافع کی طرف صراحت تو ایماء اور اس بات کا اظہار کہ ان چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ منافع ضرور ہیں۔ مثلاً شراب نوشی سے کچھ دیر کے لیے سرور فرحت اعصاب و افکار حاصل ہو جاتا ہے۔ جوا کھیلنے سے بھی تفریح طبعی اور کبھی کبھی مال کا بھی حصول ہو جاتا ہے لیکن ان کی مضرت اس نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ لفظ نفع ...... سے استدلال کرتے ہیں کہ نصِ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شراب میں کچھ صحت جسمانی کا مواد موجود ہے حالانکہ یہ غلط ہے نَّفْعِهِمَا کی ضمیر اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتی۔ اہل عربیت اور قواعداں طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، تم کہہ دو کہ جو کچھ حاجت سے بچے اسی طرح اللہ تم سے صاف صاف حکم بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

تاکہ دنیا اور دین کے متعلق تم غور کرو

تفسیر

ایک بار حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ نے حضور گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلعم یوں تو ہمارے پاس غلام بھی ہیں، مویشی بھی ہیں۔ نقد مال بھی ہے۔ روپیہ پیسہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور خدا تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے۔ یہ فرمایئے کہ ہم کیا چیز صرف کریں! اس وقت یہ آیت اُتری۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا صرف کریں! مویشی دیں، روپیہ پیسہ دیں، باندی غلام دیں، کیا دیں اور کتنا دیں؟ قُلِ الْعَفْوَ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ جو چیز بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہو، تمہارے حوائج اور مصارف اور لوازم زندگی سے بچے اس کو خیرات کر دو اور بقدرِ ضرورت سے زائد نہ رکھو۔ لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ اپنی ضرورت کی چیز دے ڈالو اور پھر دوسروں کے دست نگر بن جاؤ۔

تفسیر مدارک اور بخاری وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہر مسلمان اپنی ضرورت سے زائد چیز خیرات کر دیا کرتا تھا۔ کاشتکار صرف اتنا غلہ رکھتا تھا کہ ایک سال کے لئے کافی ہو جائے اور باقی دے ڈالتا تھا اور پیشہ ور لوگ صرف قوت لایموت رکھ لیتے تھے اور باقی خیرات کر دیا کرتے تھے لیکن جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ابن عباس رضؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ آیت زکوٰۃ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ـــ یعنی یہ حکمت آمیز حکم خدا تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تاکہ اسلام میں قوت اخوت و مساوات کا مظاہرہ۔ احکام الٰہی کی اشاعت اور دین میں لوگوں کو استقامت حاصل ہو۔ تم کسی کے دست نگر بھی نہ ہو۔ سوال کی ذلت بھی نہ اٹھانی پڑے اور برادرانِ اسلام کی امداد اور غمخواری بھی ہو جائے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ فانی اور زوال پذیر مال جو دنیا میں کسی طرح تمہارے پاس ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا تھا۔ آخرت میں

تمہارے لئے جمع ہو جائے) خدا تعالیٰ ایسے ہی پر مصلحت اور حکمت آمیز احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ دنیا و آخرت پر غور کرنے کا تم کو موقع ملے اور تم غور کر سکو کہ دنیا فانی ہے زوال پذیر ہے اور آخرت دائمی ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ درخور اعتبار نہیں۔ اس کے کسی مال کی طرف میلان طبع اور دل بستگی نہ ہونی چاہیئے۔ ہاں بقدرِ ضرورت مال لازم آتا ہے تاکہ اپنے اسلام میں بھی ضعف نہ ہو، ذلت سے بھی ہم کنار ہونا نہ پڑے اور مسلمان بھائیوں کی بھی پوری ہمدردی ہو جائے۔

مقصود بیان اخوتِ اسلامیہ، اتحاد بین المسلمین اور مساوات انسانیہ کا کامل ترین مظاہرہ۔ اپنے لازمی ضروریات کی موجودگی میں دوسروں کو نہ دینے کی طرف ایمار بشرطیکہ دینے کے بعد پچھتانا یا ذلت اٹھانی پڑتی ہو۔ احکام اسلامی کے حکمت آمیز اور پر مصلحت ہونے کی صراحت۔ دنیوی اور دینی احکام میں غور کرنے اور سوچنے کی دعوت۔ وغیرہ۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور تم سے یتیموں کی بابت دریافت کرتے ہیں تم کہدو کہ اُن کی بھلائی کا کام کرنا بہتر ہے اور اگر تم (کھانے پینے میں) اُن کو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون بگاڑتا اور کون سنوارتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر جب آیت وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ نازل ہوئی اور یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت ہو گئی تو جو لوگ یتیموں کی کفالت اور سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خوف کے مارے انھوں نے یتیموں کا مال، ان کی تجارت اور کھانا پینا سب کچھ علیحدہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر یتیم بچوں نے جو کچھ کھانا کھایا۔ باقی سڑ گیا۔ یہ بات بھی بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی، اُدھر یتیموں کا تجارتی نقصان ہونے لگا تو مجبوراً صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ اور علیحدہ کھانا پینا کرنے میں بہت دقت ہے ہم کیا کریں؟" اُس وقت یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں اور یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یتیموں کا مال اگر ہماری غذا میں مل جائے اور ہم اس کو کھائیں تو وہ موجب عذاب ہے اُن کو ساتھ ملا کر کھلانے سے گناہ گار ہوتے ہیں۔ یتیموں کا مال اپنے مال سے جدا کر کے الگ اُن کے واسطے کھانا تیار کرتے ہیں تو دشواری پیش آتی ہے اور یتیموں کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ آپ ان سے کہد یجئے کہ یتیموں کی خیر خواہی مدِنظر ہے اُن کی اصلاح بہتر ہے۔ خواہ اصلاح مالی ہو یا تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ہو۔ بہرحال اُن کی بہتری اور فلاح ہو تو اُن کے لئے بھی بہتر ہے اور تمہارے لئے بھی۔ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۔ لہٰذا اگر تم اُن کو اپنے ساتھ ملا لو خواہ اس صورت سے کہ اُن کا کھانا پینا اپنے ساتھ کر لو یا اُن کے تجارتی مال کو اپنے تجارتی مال کے ساتھ ملا کر تجارت کر لو، آپس ہی میں نکاح بیاہ کر لو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، واجب الرحم ہیں۔ بھائی کا بھائی پر حق ہوتا ہے لہٰذا تم پر حق ہے کہ اُن کی خیر طلبی کرو، لیکن بدنیتی کو دخل نہ دو۔ اُن کے مال کو ضائع نہ کرو نہ اُن کے مال سے خود فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرو کیوں کہ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۔ خدا تعالیٰ بدنیت اور نیک نیت کو خوب جانتا ہے اُس کو علم ہے کہ کون یتیم کا خیر خواہ اور کون بدخواہ ہے اور یہ تو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ورنہ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اگر خدا چاہتا تو تم کو دشواری میں چھوڑ سکتا تھا اور وہی سخت حکم جاری رکھتا کہ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ۔ اس کا کھانا پینا اور تجارتی کاروبار وغیرہ سب علیحدہ رکھو، مگر خدا تعالیٰ غالب ہے اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور اُس کے تمام کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ اس لئے اُس نے تمہاری سہولت کے لئے یہ حکم دے دیا۔

مقصود بیان یتیم کی بہبودی اور خیر خواہی کی تعلیم۔ یتیم کے منافع کے لئے اس کے مال سے جو مصارف کئے جائیں اُن کا جواز۔ اخوت اسلامی کا اظہار۔

اخوت ومساوات کا واسطہ دے کر رحم کرنے کی ہدایت نیک نیتی کے ساتھ یتیم کی تعلیم وتربیت یا زیادتی مال کے واسطے اُس کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت اس امر کی صراحت کہ خدا عالم الغیب ہے۔ نیک نیت اور بدنیت سے واقف ہے۔ اس بات کی تصریح کہ خدا تعالیٰ نے احکام اسلامی میں سہولت وآسانی کو مدنظر رکھا ہے۔ اس امر کی طرف بھی آیت میں اشارہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ سخت ترین احکام بھی نازل فرماتا تب بھی اُس کو ظالم و جابر نہیں کہا جاسکتا وغیرہ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک عورت اگرچہ تم کو اچھی معلوم ہو مگر اس سے ایک مومن باندی

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

بہرحال بہتر ہے اور مشرکوں کے ساتھ نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک مرد اگرچہ تم کو اچھا معلوم ہو مگر ایک

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ

مومن غلام بہرحال اس سے بہتر ہے وہ (مشرک) تم کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے جنت و

وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

تفسیر عناق نامی ایک عورت نہایت حسینہ جمیلہ تھی۔ بہت سے لوگ اس سے نکاح کرنے کے آرزومند تھے، مگر اس نے کسی سے نکاح کا اقرار نہ کیا۔ ایک صحابی ابن ابی مرثد غنوی تھے اُن سے نکاح کرنے پر وہ رضامند ہوگئی۔ چونکہ عناق ایمان نہ لائی تھی اور حالتِ شرک پر تھی، اس لئے ابن ابی مرثدؓ نے حضور اقدسؐ سے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تک مشرک پسند عورتیں مسلمان نہ ہوجائیں تم اُن سے نکاح نہ کرو۔ ہاں اگر مسلمان ہوجائیں تو خیر۔ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی مسلمان سیاہ فام باندی کو غصہ کی حالت میں کسی حرکت پر مار دیا۔ جب غصہ فرو ہوا تو اس نازیبا حرکت پر بہت نادم ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے یہ غلطی ہوگئی اس کی تلافی یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو آزاد کر کے نکاح میں لے آؤں۔ غرض حضورؐ کے مشورے سے آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیا لوگوں نے طعنے دینے شروع کئے کہ باندی سے نکاح کر لیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مشرک عورت اگرچہ تمہاری دل کشی کے سامان کی حامل ہو، حسین ہو جمیل ہو اُس کی صورت وغیرہ تمہارے لئے جاذبِ نظر اور دل نشین ہو لیکن اُس سے حقیر سی مسلمان باندی بہتر ہے۔ پھر باندی سے نکاح پر طعنے دینے اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنا یہ کیا حماقت ہے صحیحین میں بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال، جمال، شرافت نسبی اور دین داری۔ تم کو دین دار عورت کی جستجو کرنی چاہئے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ یہ گزشتہ کا تتمہ ہے پہلے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح ناجائز قرار دیا۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ۔ یعنی مشرک مردوں کا مال، جمال، وجاہت اور حکومت خواہ کتنی ہی جاذب توجہ ہو، لیکن اُن سے بہتر ایک معمولی مسلمان غلام ہے لہٰذا مشرکوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ یہ سابق حکم کی علت ہے یعنی مسلمان باندی حسین و جمیل دولت مند مشرک عورت سے بہتر ہے اور مسلمان ادنیٰ غلام مجرد سے دولت مند صاحب وجاہت کافر سے بہتر ہے کیوں کہ کافر انسان کو خدا کی نافرمانی، سرکشی اور گناہ کی دعوت دیتے ہیں جس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ حاصلِ دلیل یہ ہوا کہ مشرکوں سے رابطہ نکاح نہ پیدا کرو۔ کیوں کہ اس قسم کے نکاح سے دین و دنیا دونوں برباد ہو جائیں گے۔ معاش و معاد میں خلل پڑے گا۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت باہم نہ ہوئی تو لطف زندگی ختم ہو گیا اور محبت ہوئی تو کافر کے رسوم کفر اور لوازم شرک سے چشم پوشی کرنی پڑے گی جس سے دین برباد ہو جائے گا۔ مسلمان اپنے گھر میں غیر اللہ کی پرستش کیوں کر گوارا کر سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۔ یعنی کفار تم کو دوزخ میں جانے کی دعوت دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے ارادہ سے تم کو جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم ایسے اعمال و اسباب اختیار کرو جس سے تمہاری مغفرت ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جاؤ اسی لئے اس نے اپنے رسول کے اتباع کا حکم دیا اور قانون عمل نازل فرمایا۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ اور لوگوں کے سامنے اپنے احکام اور قوانین کھول کر خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اُن کی حکمت و مصلحت پر غور کر کے نصیحت حاصل کریں اور نعمتِ ایمان کی قدر کریں اور سب کے سب قانونِ شریعت کے پابند ہو جائیں۔

مقصودِ بیان بُت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ نکاح جاری کرنے کی بندش، حُسن و جمال، مال و منال، عزت و حکومت کے مقابلے میں دین داری اور صلاح اعمال کی ترجیح اور اس بات کی صراحت کہ کافر کیسے ہی دولت مند ہوں یا صاحب اعزاز اور دل کش حسن رکھتے ہوں، کیسی ہی ان کو دنیوی عزت، حکومت اور وجاہت حاصل ہو لیکن فقیر ترین مومن کے ایمان کے مقابل نہیں ہو سکتے۔ آیت میں اس امر کا ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اگر سلسلۂ نکاح مسلمان کا کافر کے ساتھ قائم ہو گیا تو نظام امن میں فساد لازم آئے گا کسی طرح ایک دوسرے سے وابستگی نہیں ہو سکتی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان کو کافر سے یا تو کنارہ کش ہونا پڑے گا یا اس کے ساتھ جہنم میں جانا پڑے گا۔ احکام شریعت کے حسن و مصلحت پر غور کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے تاکہ بصیرت کوش طبقہ اسرار احکام سے واقف ہو اور غور کرے کہ کوئی شرعی حکم خلاف عقل و فطرت نہیں۔ ہر حکم میں بلاد و عباد کی اصلاح مضمر ہے اور ہر قانونِ شرع سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی مقصود ہے۔ وغیرہ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ

اور تم سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو یہ گندگی ہے لہٰذا حالتِ حیض میں عورتوں (کی قربت) سے علیحدہ رہو

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ

اور تاوقتیکہ وہ پاک نہ ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جدھر سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اُن کے پاس جاؤ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے

تفسیر حائضہ عورتوں کے متعلق اہلِ کتاب نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا تھا۔ اسلام نے جہاں دنیا کے سامنے دیگر قوانین اعتدال پیش کئے وہاں اس معاملے میں بھی راہِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔ یہود میں اس درجہ افراط تھا کہ اپنی حائضہ عورتوں سے بالکل جدا ہو جاتے تھے۔ نہ اُن کے ساتھ کھاتے پیتے تھے نہ اُن سے بات کرتے تھے نہ پاس بیٹھتے بلکہ اُن کو بالکل علیحدہ مکان میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا تعلق اُن سے نہ رکھتے تھے۔ اُن کے برخلاف عیسائی بہت ہی تفریط کرتے تھے۔ حائضہ عورتوں سے علاوہ اختلاط اور اشتراک نشست و برخاست اور طعام و طعام

کے کبھی کبھی قربت سے بھی نہ چوکتے تھے۔ جب ان دونوں فرقوں میں مباحثہ ہوا تو حضرت ثابت بن واحداح نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہودی اور عیسائی تو ایسا کرتے ہیں۔ ہم حیض کی حالت میں اپنی عورتوں سے کیا معاملہ کریں۔ اسلامی حکم سے ہم کو مطلع فرمائیے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے اعتزال کے ظاہری معنی لئے اور حائضہ عورتوں کو بالکل علیحدہ کر کے اپنی کوٹھڑی سے باہر کر دیتے تھے۔ لیکن اس میں بڑی دقت و تکلیف برداشت کرنی پڑی، اس لئے چند اعرابیوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ سردی بہت سخت ہے اور کپڑے ہمارے پاس کم ہیں۔ اگر ہم حائضہ عورتوں کو کپڑے دیتے ہیں تو باقی گھر والے مرے جاتے ہیں اور گھر والوں کو دیتے ہیں تو حائضہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا کہ تم کو صرف جماع سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ حالتِ حیض میں عورتوں سے کیا معاملہ کریں اور ان کے ساتھ رہیں یا نہ رہیں، قربت کریں یا نہ کریں؟ قُلْ هُوَ اَذًى آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی ناپاکی ہے یعنی اس میں قربت کرنی طہارت و پاکیزگی کے خلاف ہے پھر ایذا بر دماغی و نفسانی کے علاوہ اس میں جسمانی ایذا بھی ہے۔ طرح طرح کی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ. بحالتِ حیض میں عورتوں کو علیحدہ کر دو۔ اُن سے قربت نہ کرو۔ یعنی سونا کھانا پینا، رہنا سہنا اُن کے ساتھ ممنوع نہیں۔ صرف جماع و قربت سے پرہیز رکھو۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں غسل نہ کر لیں یا مدتِ غسل تک نہ پہنچ جائیں اُس وقت تک اُن سے قربت نہ کرو۔ جماع کرنے سے پرہیز رکھو فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ جب عورتیں بالکل پاک ہو جائیں غسل کر لیں تو حکمِ الٰہی کے موافق اُن سے برمحل قربت کرو۔ خلافِ محل قربت کا ارتکاب نہ کرو اور قربت میں اسی محل کو ملحوظ رکھو جس کا خدا تعالیٰ حکم دے چکا ہے۔ یعنی طلبِ نسل و اولاد۔ یعنی جماع کو صرف شہوت رانی کا ذریعہ نہ بناؤ بلکہ اصل مقصود کو پیشِ نظر رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ یعنی تم کو حالتِ حیض کے علاوہ طہارت کی صورت میں ہر فائدہ اندوز ہونے کا اختیار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہوتِ نفسانی میں انہماک تمہارے لئے جائز ہے ایسا نہ کیا کرو کہ لذت کے حصول میں ہر وقت غرق رہو اور پاکی ناپاکی کی بھی پروا نہ کرو بلکہ خدا کی طرف بھی رجوع کرو۔ جماع کو نفسانی اقتضا کا آلہ اور شہوت پرستی کا ذریعہ بناؤ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی لوگ پسندیدہ ہیں جو اس کی طرف رجوع کرنے والے اور طہارت منش ہیں۔ پاکیزگیِ جسم اور پاکیزگیِ روح دونوں کے خوگر ہیں۔

مقصود بیان راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ہدایت اور افراط و تفریط سے بازداشت۔ لواطت کی حرمت۔ اس امر کی صراحت کہ جوازِ جماع سے مقصود طلبِ اولاد اور افزائشِ نسلِ انسانی ہے۔ طہارتِ نفسانی و جسمانی حاصل کرنے کی طرف لطیف ترغیب۔ اس طرف ایک نازک ترین ایماء کہ قوانینِ اسلام میں جس طرح صفائی روحانی اور اصلاحِ باطنی کا لحاظ رکھا گیا ہے اسی طرح ظاہری اخلاق کی درستگی اور جسمانی صحت پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں پیش کیا گیا جو روحانی اصول و آداب کے خلاف ہو یا جسمانی حفظانِ صحت کے قواعد کے مخالف ہو۔ اقتضاءِ مادی کو پورا کرنا اگرچہ جائز رکھا گیا ہے لیکن آیت میں صراحت کر دی گئی کہ اس میں بھی رجوع الی اللہ، طہارتِ نفس اور صفائی روح کا لحاظ رہے اور ان لذائذ میں سرتاپا غرق ہو کر صحتِ بدن اور زیرکیِ روح کو فنا نہ کر دیا جائے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جس طریقہ سے چاہو جاؤ اور اپنے لئے پیش خیمہ بھیج دو اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ڈرو اور جانے رہو کہ تم کو اس سے ضرور ملنا ہے اور (اے محمد) ایمانداروں کو خوشخبری سنا دو

تفسیر یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ اگر عورت سے برمحل ہی قربت کی جائے مگر طریقہ معروف کے خلاف کی جائے۔ مثلاً عورت کی پشت مرد کے منہ کی طرف ہو تو اس سے

بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق استفسار کیا تو تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ عورتیں تمہارے لئے کھیت کی زمین کی طرح ہیں اور مرد کاشتکار ہے اور نطفہ تخم ہے۔ تم اپنے کھیتوں میں ہر طرح سے داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن محلِ کاشت کا لحاظ ضروری ہے۔ محلِ کاشت کے علاوہ خلافِ محل جائز نہیں اور اصل مدعا کا لحاظ بھی لازمی ہے کہ طلبِ اولاد اصل مدعا ہونا چاہئے۔ ورنہ جب کھیت سے پیداوار نہ حاصل ہوئی یا پیداوار کے لئے تخم ریزی نہ کی گئی تو کاشت فضول ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اولادِ صالح آدمی کیلئے ایک صدقہ جاریہ ہے جو مرنے کے بعد قائم رہتا ہے۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ جماع سے اصل غرض نسلِ انسانی کی افزائش ہونی چاہئے اور فتنۂ نفس سے محفوظ رہنا مقصود ہونا چاہئے۔ صرف اشتہائے نفس کا رفع اصل مدعا نہ ہونا چاہئے بلکہ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اس کاشتکاری میں اپنے لئے پہلے سے نیک نیت کر لو اور نسلِ انسانی کی افزائش کو مطمحِ نظر بنا لو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خوفِ خدا اپنے ارادوں میں اور اعمال میں قائم رکھو۔ اصلی مقصود صرف خوشنودیٔ خدا کو بناؤ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ اور خوب سمجھ لو کہ ضرور تم کو ایک روز خدا سے ملنا ہے۔ اس کے سامنے جانا ہے۔ وہ تمہارے ارادے اور نیت سے واقف ہے۔ اس وقت تمہارے تمام مخفی ارادوں کا اظہار ہو جائے گا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہ مسلمان خالص مومن قابلِ بشارت ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو سچا مفید واجب العمل سمجھا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ضروری خیال کیا ہے۔

مقصودِ بیان لطیف پیرایہ میں سلسلۂ ازدواج و نکاح کی غرض کا بیان، آدابِ مباشرت کی تعلیم یعنی اس امر کا اظہار کہ شہوتِ نفس کی حالت میں بھی کسی کام کو بغیر صدقِ نیت کے شروع نہ کریں۔ کسی حالت میں اتقائے نفس کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ جماع میں بھی صدقِ نیت کے ساتھ تحصیلِ عفت، نسلِ انسانی کی افزائش اور صدقہ جاریہ کو پیشِ نظر رکھیں۔ آیت سے ضمنی طور پر لواطت کی حرمت محض شہوت رانی کے لئے جماع کی ممانعت اور عورتوں کو عیاشی کا آلہ سمجھنے سے بازداشت اور امتناع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ قانونِ فطرت کی تعلیم اور اخلاقِ فاضلہ کے اختیار کرنے کی ہدایت بھی آیات سے مترشح ہوتی ہے۔ وغیرہ

فائدہ ابن جریر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ آیت قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کے یہ معنی ہیں کہ شروع صحبت سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص قربت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا تو اگر اس صحبت میں ان کے لئے کوئی بچہ مقدر میں ہوگا تو شیطان اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ لہٰذا اسی حدیث کی بنا پر بعض مفسرین نے قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جماع سے اولادِ صالح کی خواہش کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اور اللہ کو اپنی قسموں کی آڑ نہ بناؤ کہ (بخدا) ہم سلوک نہ کریں گے اور پرہیزگار نہ رہیں گے اور لوگوں میں ملاپ نہیں کرائیں گے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو صاحبِ بیضاوی نے نقل کی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن کو طلاقِ رجعی دیدی۔ لیکن چند روز کے بعد صلح کا ارادہ کیا اور رجوع کی خواہش کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھالی کہ نعمان سے کلام نہ کروں گا اور میاں بیوی میں صلح نہ ہونے دوں گا۔ دوسری روایت ابن جریر نے بروایت ابن جریج بیان کی کہ مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ جب حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور برأت کے متعلق قرآن میں صراحت آگئی تو حضرت ابوبکر رضؓ نے قسم کھائی کہ مسطح کو جو میں مصارف دیا کرتا تھا اب نہ دوں گا۔ اس نے عائشہ پر تہمت لگائی اور منافقوں کے ساتھ شریک ہوگیا۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی اور حضرت ابوبکر رضؓ نے قسم توڑ کر کفارہ ادا کیا۔

صحیح یہ ہے کہ آیت کا شانِ نزول کوئی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوتے تھے۔ لوگوں کا دستور تھا کہ خدا کی قسمیں کھا بیٹھتے تھے کہ میں اپنے ماں باپ سے نہ ملوں گا یا فلاں شخص سے صلح نہ کروں گا یا بیوی سے میل نہ کروں گا۔ یا فلاں شخص کے مصارف کی خبرگیری نہ کروں گا۔ اس کے علاوہ بعض لوگ بات بات پر خدا کی قسم کھایا کرتے تھے اور خدا کی قسم کو تکیہ کلام بنا کر نام الٰہی کی بے توقیری کرتے تھے۔ اس سب کے متعلق آیت کا نزول ہوا۔

حاصل ہدایت یہ ہے کہ تم جو خدا تعالیٰ کے نام کو اپنی اچھی بری قسموں کی آڑ بنا کر کہتے ہو کہ ہم لوگوں کے ساتھ اب سلوک و احسان نہیں کریں گے، باہم صلح نہ کرائیں گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم نیکی کرنے پر جو بار بار خدا کی قسمیں کھاتے ہو واللہ باللہ کہتے رہتے ہو اس میں خدا کے نام کی بدتہذیبی اور بے ادبی ہے۔ تم خدا کے نام کو اپنی نیکی کا بھی نشانہ نہ بناؤ اور قسم کو تکیۂ کلام نہ کرو۔ اس سے گناہ و معاصی پر قسم کھانے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوگئی تو امور شر پر تو بدرجۂ اولیٰ قسم کھانے کی ممانعت ہوگئی۔ حاصل یہ کہ آیت میں کم قسم کھانے کی ترغیب ہے یا امورِ ممنوعہ پر قسم کھانے کی ممانعت ہے۔ موخر الذکر تفسیر کو سیوطی نے پسند کیا ہے اور مقدم الذکر تفسیر بیضاوی اور شیخ ابوحیان نے ذکر کی ہے۔ میری رائے میں آخری معنی بہتر ہیں۔ اگر شانِ نزول کو خاص تسلیم کیا جائے اور مقدم الذکر معنی اس وقت صحیح ہیں جب شانِ نزول میں عموم اختیار کیا جائے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ یعنی خدا تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ اگر قسم کھاؤ گے تو ضرور وہ اس کو سنے گا اور اس کے نام کی عزت ترک کرو گے تو یہ بھی اس کے احاطۂ علمی سے خارج نہیں۔ اس میں ممانعتِ قسم کی تاکید ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لئے وعید ہے۔

مقصودِ بیان کارِ خیر سے باز رہنے کی قسم کھانے کی ممانعت، قسم کو تکیۂ کلام بنانے اور نامِ خدا کی بے توقیری کرنے سے بازداشت، نیکی، خدا ترسی، اقرباء کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے کی ترغیب۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نیکی کرنا یا مسلمانوں میں صلح کرانا یا کسی کے ساتھ سلوک و احسان کرنا تو خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔ اس میں جذباتِ نفسانیہ کو دخل دینا بیجا ہے۔ گویا للّٰہیت، ایثار اور خلوص کی مبارک تعلیم دی گئی ہے اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وغیرہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ

اللہ تمہاری اُن قسموں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا جو بیہودہ طور پر زبان سے نکل جاتی ہیں بلکہ اُن قسموں کی پکڑ کرے گا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے اور اللہ بخشنے والا بُردبار ہے۔

تفسیر چونکہ قسم کا ذکر گزشتہ آیت میں کیا گیا تھا اس لئے قسم کے احکام یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی جھوٹی بات پر بلا ارادہ تمہاری زبان سے قسم نکل گئی یا ارادہ کر کے قسم کھائی اور وہ جھوٹی تھی لیکن قسم کھانے والا اس کو صحیح سمجھتا تھا تو ایسی قسم ساقط الاعتبار ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا تم سے کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں اگر کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قصداً قسم کھائی اور پھر قسم کی خلاف ورزی کی تو خدا تعالیٰ مواخذہ کرے گا۔ اگر اس کا کفارہ دیدو گے تو خدا تعالیٰ معاف فرما دے گا کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔

مقصودِ بیان بلا ارادہ قسم کھانے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ قصداً بالارادہ قسم کھا کر اُس کی خلاف ورزی کرنا قابلِ گرفت ہے۔ لیکن کفارہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے آیت میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ خدا نادانستہ اور بلا ارادہ فعل کی گرفت نہیں کرتا۔ ہاں اگر ارادہ و قصد کے ساتھ کسی معصیت اور خلافِ شریعت حرکت کا ارتکاب کیا جائے تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

اب ہم ذیل میں قسم کے اقسام اور علماء کے مختلف اقوال نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ عظیم الشان مسئلہ خوب واضح طور پر سمجھ میں آ جائے۔

اقسامِ قسم۔ اہلِ حنفیت کے نزدیک قسم کے تین اقسام ہیں (۱) یمین لغو۔ یعنی اگر کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر قسم کھانے والا اپنے گمان میں اس کو راست سمجھتا تھا۔ یہ شرعاً ساقط الاعتبار ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ (۲) یمین منعقدہ جو کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کھائی جائے۔ اگر اس قسم کی خلاف ورزی کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا یعنی ایک باندی یا غلام آزاد کرنا پڑے گا اور اس کی وسعت نہ ہوگی تو دس محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا اور متوسط لباس دینا پڑے گا اور بالکل توفیق نہ ہوگی تو متواتر تین روزے رکھنے پڑیں گے۔ (۳) یمین غموس جو قصداً کسی گزشتہ معاملہ کے جھوٹی قسم کھائی جائے اس کا گناہ اتنا زیادہ ہے کہ کفارہ سے بھی نہیں جاتا۔ توبہ و استغفار لازم ہے۔

اختلافِ علماء۔ ذیل میں یمین لغو کے متعلق علماء کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ لغو صرف مذاق اور ہزل میں ہوتا ہے جیسے آدمی کہتا ہے لا واللہ یا بلی واللہ۔ ابن عمر، شعبی، عروہ بن زبیر، ابوصالح، ابوقلابہ اور زہری کا یہی قول ہے۔

لیکن دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی ہے کہ لغو اس شے کو کہتے ہیں کہ جان کر آدمی اُس پر قسم کھاتا ہے اور واقعہ کے خلاف ہو۔ یہی قول ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، حسن، زرارہ، ابومالک، عطاء خراسانی، سدی، مکحول، مقاتل، طاؤس، قتادہ اور اکثر دیگر تابعین وعلماء کا ہے۔

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ہم نے تفسیر میں ایسے معنی بیان کئے ہیں جو دونوں روایتوں کو جامع ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ لغو قسم یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور پھر اس کو بھول جائے۔

زید ابن اسلمؒ کہتے ہیں کہ لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹ جائیں یا میرا کل مال تباہ ہو جائے اگر میں یہ فعل نکروں یا یہ فعل کروں۔ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ تم غصہ کی حالت میں کسی بات کے متعلق قسم کھالو لیکن سعید بن جبیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے تھے لغو قسم یہ ہے کہ تم حلال کو اپنے اوپر حرام کرلو۔

تنبیہ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ لازم ہے۔ لیکن امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غموس میں کفارہ نہیں۔ ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

جو لوگ اپنی بیبیوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھابیٹھیں اُن پر چار مہینے علیحدہ رہنا لازم ہے پھر (اس مدت میں) اگر وہ رجوع کرلیں تو خدا غفور رحیم

رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

ہے اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اللہ سننے والا واقف کار ہے

تفسیر لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ یعنی جو لوگ قسم کھالیتے ہیں کہ اپنی عورتوں سے قربت نہ کریں گے اُن کو چار ماہ تک رُکنا لازم ہے فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اب اگر اس مدت کے اندر انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور عورتوں سے قربت کرلی تو جو ضرر عورتوں کو انہوں نے پہنچایا ہے اُس کو خدا معاف کرنے والا ہے۔ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اور اگر انہوں نے رجوع نہ کیا اور مدت گزر گئی اور عورتوں کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ خداتعالیٰ اُن کے قول کو سننے والا اور اُن کے ارادہ کو جاننے والا ہے۔

ان آیات میں ایلاء کا حکم بیان کردیا گیا۔ عرب میں دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھابیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا۔ اس قسم کے مارے نہ تو پھر عورت کے پاس آتے تھے نہ اس کو طلاق دیتے تھے۔ اس کی وجہ سے عورت کو بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ خداتعالیٰ نے اس طرح کی قسم کھانے کے احکام بیان کردیے۔ کیونکہ یہ بھی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

وضاحت۔ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا اس کی چار صورتیں ہیں (۱) کوئی مدت معین نہ کرے۔ غیر معین مدت تک کے واسطے قسم کھالے (۲) مدت کی تعیین کردے اور صرف چار ماہ کے واسطے ترک صحبت کی قسم کھالے (۳) چار ماہ سے زیادہ کی قید لگائے مثلاً چھ مہینے سات مہینے صحبت نہ کروں گا (۴) چار ماہ سے کم کی قید لگائے۔ مثلاً تین ماہ دو ماہ ایک ماہ وغیرہ کے واسطے عہد کرکے ترک قربت کی قسم کھالے۔

مقدم الذکر تینوں صورتیں شرعاً ایلاء کہلاتی ہیں اور ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دے گا اور بی بی سے قربت کرے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر چار مہینے یوں ہی گزر گئے رجوع نہ کیا تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن جدید نکاح سے پھر بیوی حلال ہو سکتی ہے اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ قسم اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم آئے گا اور قسم پوری کرے گا تب بھی نکاح باقی رہے گا اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔ هذا الملخص فی التفاسیر

مقصود بیان احکام معاشرت میں خصوصی سہولت، صلح آشتی اور ابقاء نکاح کی ضمنی ہدایت، مدت ایلاء گزرنے کے بعد طلاق کا وقوع اور عزم طلاق

دینے کی عدم ضرورت، عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا سبق اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کو ضرر اور رنج نہ پہنچایا جائے اور اگر غصہ کی حالت میں ان کو رنج پہنچ جائے تو استمالت اور نرمی سے اس کی تلافی کرنی چاہیئے۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ گزشتہ قصور معاف فرما دے گا۔ وغیرہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو (نکاح ثانی سے) روکے رہیں اور اگر ان کا ایمان اللہ اور روز قیامت پر ہے تو ان کے لئے جائز

اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ

نہیں کہ جو چیز اللہ نے اُن کے رحم کے اندر پیدا کی ہو اس کو چھپالیں اس مدت میں ان کے شوہروں کو رجوع کر لینے کا زیادہ

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ

استحقاق ہے بشرطیکہ اُن کو اصلاح حال مقصود ہو اور عورتوں کا حق بھی مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا (مردوں کا حق) عورتوں پر دستور کے مطابق ہو مگر مردوں کو

عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

عورتوں پر کچھ فوقیت ضرور ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں ایلاء کا بیان کیا گیا تھا جو طلاق کا پیش خیمہ ہے یا بذات خود طلاق ہے۔ ان آیات میں مطلقہ عورتوں کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ ایام جاہلیت میں طلاق کی عدت کے بارے میں لوگ برابر جھگڑا وغیرہ کرتے تھے۔ عورتوں کو طلاق دے کر سال سال بھر الگ رہتے تھے اور پھر اس پر دعوا کرتے تھے۔ اس لئے بیچاری عورت اس دوران میں نہ تو کہیں اور نکاح کر سکتی تھی، نہ شوہر اس کے ضروری مصارف کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس طرح عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا۔ اسماء بنت یزید انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دی تھی۔ عدت کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی تھی۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے آیاتِ مذکورہ میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کہ جن عورتوں کو طلاق کمل دی گئی ہو تو ان کو تین حیض یا تین حیض کی مدت یعنی تین مہینہ تک اپنے آپ کو جدید نکاح سے روکنا چاہیئے۔ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ اور جو چیز خدا نے ان کے رحم کے اندر پیدا کی ہے اس کو پوشیدہ نہ کریں۔ حیض کو ٹھیک ٹھیک حساب کے ساتھ ظاہر کریں۔ دوسرے شوہر کے ساتھ جلد نکاح کر لینے کی غرض سے حساب حیض کو چھپانا ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر پہلے شوہر کا بچہ رحم میں ہو تو اس کو بھی مخفی نہ کریں اور اس بات کا خوف نہ کریں کہ نو ماہ تک وضع حمل کا کون انتظار کرے گا۔ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اگر ان کو خدا اور روز قیامت پر ایمان ہے اور وہ یقین رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جانا ہے اور ہر ظاہر و مخفی بات کا حساب کتاب دینا ہے تو ایسی ناجائز حرکت کا ارتکاب نہ کرنا چاہیئے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اگر عورت کا زمانۂ عدت ختم نہ ہوا ہو (اور طلاق کی پوری تعداد بھی نہ ہوئی ہو) تو مردوں کو اختیار ہے کہ عورتوں سے رجوع کر لیں۔ یعنی زمانۂ عدت کے اندر اگر مرد طلاق سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کو مستقلاً اختیار ہے عورت کی رضامندی کو دخل نہیں ہے (اگر عدت کے بعد رجوع کرنا چاہا تو عورت کی رضامندی لازم ہے) اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا یعنی شوہروں کو واپسی کا اختیار تو ہے اور عورتوں کی رضامندی بھی ضروری نہیں ہے لیکن اس واپسی سے غرض اصلاح اور آپس کی بہبودی ہونی چاہیئے۔ عورت کو دکھ یا نقصان پہنچانے کی غرض نہ ہو۔ باہمی حقوق کی نگہداشت مقصود ہو۔ اگر یہ شرط متحقق نہ ہوگی تو مردوں کو رجوع کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح حسن سلوک، احسان اور خوبی معاشرت کے حقوق عورتوں کے مردوں پر بھی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کے حقوق سلب کر لئے جائیں۔ حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ تفاوت صرف کیفیت حقوق میں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر عورتوں اور مردوں کے حقوق

مساویانہ ایک دوسرے پر ہیں تو عورتیں مطلق العنان خود مختار اور شتر بے مہار ہو جائیں اور ہر وقت شوہر سے اختلاف رائے اور لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار رہیں۔ آزادی کامل یا مظاہرہ بیجائی کا مطالبہ کریں کیونکہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ مردوں کو پھر بھی ایک مخصوص فوقیت حاصل ہے۔ اُن کے اعضاء قوی ہیں اور ہر قسم کی محنت برداشت کر سکتے ہیں عقل میں نقصان نہیں، تدبر، مآل اندیشی اور جفاکشی میں ان کو امتیاز حاصل ہے۔ عورتیں عموماً کوتاہ بین، نازک اندام، کم قوت اور ناقص الفہم ہوتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عموماً مرد عموماً عورتوں سے امور مذکورہ کے اعتبار سے افضل ہیں۔ اب اگر کوئی خاص عورت امور مذکورہ میں مردوں سے افضل یا اُن کے مساوی ہو جائے تو کلیہ نہیں ٹوٹتا۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اس نے اپنی حکمت سے مردوں اور عورتوں میں یہ تفاوت جسمانی وعقلی اور اختلاف فرائض صنفی پیدا کیا۔ مردوں کے فرائض علیحدہ بنائے اور ان کے اعضاء بھی ویسے ہی بنائے۔ عورتوں کے فرائض جدا مقرر کئے اور ویسے ہی خلقتِ اعضاء اُن کو عنایت کی۔ مردوں اور عورتوں کو مساویانہ حقوق دیئے۔ پھر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور نظم عالم قائم رکھنے کے لئے مرد کو بعض امور میں عورت پر فضیلت عطا کی اور درجہ بڑھایا۔

مقصود بیان مطلقہ عورت کی عدت کا بیان، جدید شوہر کرنے کی جلدی میں حیض کے حساب میں غلطی کرنے یا پہلے شوہر کے حمل کو چھپانے کی ممانعت مردوں کو رجوع کا مستقل حق حاصل ہونا، عورتوں کو دکھ دینے اور ضرر پہنچانے کی غرض سے رجوع کرنے کی ضمنی ممانعت، انسان کے ہر دو صنف کے مساویانہ حقوق کا اعلان، ہر ایک کے فرائض زندگی اور واجبات حیات کی علیحدگی، مساوات و اتحاد قائم رکھنے کے لئے مردوں کے واسطے بعض امتیازی خصوصیات، اس تفاوتِ خلقی اور اختلافِ فرائض اور مردوں کی امتیازی خصوصیت کے پُر حکمت ہونے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ

چند مسائل جو عورتیں جوان ہوں اور رسم زفاف کی ادائیگی کے بعد اُن کو طلاق دی گئی ہو تو ان کی عدت کی میعاد تین حیض ہیں۔ جو عورتیں بہت بوڑھی ہو گئی ہوں کہ ان کو حیض نہ ہوتا ہو یا بہت کم سن ہوں کہ استقرار حمل کے قابل نہ ہوں اُن کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ کو اگر طلاق دی تو وضع حمل تک اس کی عدت ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جائے۔ خواہ دو برس میں یا طلاق کے دوسرے روز بہر صورت اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے طلاق میں نیت ضروری نہیں اور نہ طلاق کی اطلاع عورت کو ضروری ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

طلاق دو بار (تک) ہے اس کے بعد یا تو حسن سلوک کے ساتھ روک رکھنا چاہیئے یا حسن خلق کے ساتھ آزاد کر دینا

تفسیر گذشتہ آیت میں جب مردوں کو مستقل طور پر طلاق کے بعد رجوع کر لینے کا حق دیدیا گیا تو بعض لوگ اپنی عورتوں کو بے تعداد طلاق دے دیتے تھے۔ پھر عورتوں کو ایذا پہنچانے کی غرض سے جب اُن کی عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو فوراً اُن سے رجعت کر لیتے تھے۔ وہ بیچاریاں بین بین حالت میں رہتی تھیں۔ نہ تو بیویوں کا سا برتاؤ اُن کے ساتھ ہوتا تھا اور نہ بالکل تعلق ہی منقطع ہوتا تھا کہ اس شوہر سے جدا ہو کر دوسرا شوہر کر لیں۔ چنانچہ ایک بدکسی انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ واللہ میں تجھے ایسا کر کے چھوڑوں گا کہ تو نہ شوہر والی ہوگی نہ بے شوہر والی۔ یہ کہہ کر انصاری نے اس کو طلاق دے دی اور جب عدت گزرنے کا وقت قریب آیا تو رجعت کر لی پھر اس کو طلاق دیدی۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا۔ عورت نے حضرت عائشہؓ سے جا کر شکایت کی حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

یعنی صرف دو طلاق تک رجوع کرنے کا حق ہے اور دونوں طلاقیں بھی الگ الگ باری باری سے دینی چاہئیں۔ یہ نہیں کہ سینکڑوں طلاقیں ایک دم دے ڈالے۔ اب دو طلاقوں کے بعد یا تو حسن معاشرت اور صلح صلاح سے عورت سے مردل کر رہیں، عورت پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ ورنہ اچھی طرح اور حسن سلوک سے چھوڑ دے پھر رجوع نہ کرے۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کرے یا دلیے نہ چھوڑے تو تیسری طلاق دے کر چھوڑ دے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو خوش معاملگی اور حسن معاشرت کے ساتھ ہو۔ عورت کو دق نہ کرے اور نہ اُس کے عیوب دنیا کے سامنے بیان کرتا پھرے۔ نہ اس کو گالی کوسنا دے نہ جسمانی تکلیف پہنچائے۔

مقصودِ بیان مَردوں کی زیادتی اور تعدی کی بندش، حُسنِ معاشرت اور خوش معاملگی کی تعلیم، عورت رکھنے اور چھوڑنے میں فرض شناسی اور خوش اسلوبی کی ہدایت، عورتوں پر ظلم و جبر کرنے اور اُن کو معلق رکھنے سے باز داشت، خلاصہ یہ کہ حقوق صنفی کا اظہار، نظامِ عالم کو درست رکھنے کی تلقین اور اتحاد و محبت کے ساتھ باہم برتاؤ کرنے کا حکم اور امنِ عامہ کے اسباب کا اعلان۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ط

اور جو چیز تم عورتوں کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لینا تمہارے لئے جائز نہیں البتہ اگر زوجین کو اندیشہ ہو کہ احکامِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُودُ

لہٰذا اگر تم کو اندیشہ ہو کہ زوجین احکامِ خداوندی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اُس مال کو دے لینے دیں) کوئی ہرج نہیں جو عورت اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے مرد کو دے۔ یہ

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ج وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝

اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ناحق کوش ہیں

تفسیر یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور اُن کی بی بی جمیلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جمیلہ کو ثابت نے ایک باغ مہر میں دیا تھا۔ جمیلہ نے وہ باغ واپس کر کے خلع کرنا چاہا اور شوہر سے علیحدہ ہو جانے کی درخواست کی۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ یہ آیت پہلی آیت کا تکملہ ہے۔ پہلی آیت میں عورتوں سے حُسنِ سیرت اور خوش معاملگی سے پیش آنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دے دیا ہے۔ خواہ مہر ہو یا بطلہ بخشش کے زیور کپڑا چڑھاوا اور دیگر سامان دیا ہو اُس میں سے کچھ زبردستی اور عورت کی ناراضگی سے واپس نہ لو إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ہاں اگر مرد نے دو طلاقیں دیدی ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو خیال ہو کہ اب ہماری قانونِ شریعت کے مطابق حُسنِ سلوک کے ساتھ نہ گزرے گی اور آئندہ نباہ اچھا نہ ہوگا تو آئندہ کی تُو تُو مَیں مَیں سے یہی بہتر ہے کہ اگر عورت اپنی خوشی کچھ مال دے کر اپنے نفس کو آزاد کرانا چاہے تو اس سے مال لے کر آزاد کر دیا جائے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔ یہ زوجین کے اولیاء اور سرپرستوں کو خطاب ہے۔ یعنی اب اگر تم کو قرائن اور کیفیتِ احوال سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں میں گزارا نہیں ہو سکتا، قوانینِ اسلام کے موافق یہ آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے اور عورت مرد کو کچھ دے کر گلو خلاصی کرانی چاہے تو تم مت روکو۔ مرد کو چاہیئے کہ مال قبول کر لے اور اس کو چھوڑ دے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر عورت سرکش ہے تو دئے ہوئے مہر سے زائد بھی لینا جائز ہے اور اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہے تو دئے ہوئے مہر سے زائد لینا ہرگز جائز نہیں۔ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا یعنی مذکورہ بالا احکام خدائی قوانین ہیں جو سب لوگوں کو ایک حدِ مخصوص کے اندر لا کر کاربند اور عمل پیرا بنانے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان قوانین میں غریب امیر شریف رذیل عالم جاہل اور بادشاہ و فقیر کی کوئی تفریق نہیں۔ تم کو ان سے سرِ مو تجاوز اور سرتابی نہ کرنی چاہئے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ کیونکہ جو لوگ قوانینِ الٰہی سے سرتابی کرتے ہیں اور ان کے دائرہ سے آگے بڑھتے ہیں وہ بیجا بات کرتے ہیں۔ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ وبالِ آخرت مول لیتے ہیں۔

مقصودِ بیان نظامِ عالم کی درستگی اور بقا کے لئے قانونِ خلع کا اجراء، فساد و تباہی سے دنیا کو بچانے کے لئے خلع کی شرط پر کاربند ہونے کی ہدایت، حتی الامکان زوجین میں صلح کرانے اور میل جول پیدا کرنے کی کوشش کرنے کا ضمنی امر اور بحالتِ مایوسی یا بوقتِ مجبوری خلع کرنے سے نہ روکنے کا حکم، قوانینِ الٰہی میں مساواتِ عامہ کا اظہار اور امتیازِ نسل قومی وجاہت ذاتی شرف حاکمانہ تفوق اور علم و دولت کی برتری و فضیلت کی بنا پر کسی کو عام قانون سے مستثنیٰ کرنے کی نفی، قوانینِ الٰہی پر پابند رہنے اور احکامِ شریعت کے سامنے رشتہ در گردن اور حلقہ بگوش

رہنے کی نصیحت۔ بصورت خلاف ورزی عذاب کی وعید۔ وغیرہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

پھر اگر مرد عورت کو طلاق دیدے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کوئی دوسرا شوہر نہ کرلے اب اگر دوسرے شوہر نے اس کو طلاق

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ

دیدی تو (پہلے) شوہر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہیں اگر پھر (نکاح کرکے) مل جائیں بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ احکام خدا کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کے احکام

اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

ہیں سمجھدار آدمیوں کے لئے خدا ان کو صاف صاف بیان کرتا ہے

تفسیر یہ آیت عائشہ بنت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے شوہر رفاعہ سے طلاق پانے اور ایام عدت گزارنے کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کر لیا لیکن انہوں نے قبل جماع طلاق دے دی تو عائشہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شوہر یعنی رفاعہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں جب تک جماع کے بعد طلاق نہ ہو حلال درست نہیں اور پہلے شوہر کے نکاح میں آنا جائز نہیں۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اب اس شوہر کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا اور عورت اس کے لئے حرام ہو گئی۔ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر یہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کرلے اور دوسرے شوہر سے قربت جسم بھی ہو جائے اور پھر وہ طلاق بھی دیدے تو زمانۂ عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ۔ پہلے دو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا تھا پھر ذیلی حکم خلع کا دیا گیا۔ اس کے بعد حلالہ کا جواز ظاہر کیا گیا۔ یہ آیت حلالہ والی آیت کا تتمہ ہے۔ گویا حاصل ارشاد یہ ہوا کہ جب عورت زوجِ ثانی سے نکاح کرلے اور پھر یہ شوہر بھی منافع صنفی سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد اس کو طلاق دیدے اور طلاق کے بعد زمانۂ عدت بھی گزر جائے تو اب کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اور زوج اول باہم میل کرلیں اور جدید نکاح کرلیں بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ ہم قانون الٰہی کے موافق نہایت اتحاد و ملاپ کے ساتھ گذارا کر سکیں گے اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں گے لیکن زوجِ ثانی سے یہ شرط نہ کرلی جائے کہ تجھے نکاح کے بعد طلاق ضرور دینی ہوگی۔ عورت کا تیسرے سے نکاح اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے شوہر سے عورت کے نکاح کا جواز ہو جائے۔ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت کا حکم آیا ہے۔ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ یعنی مذکورہ بالا خلع اور حلالہ کے احکام خدا کے قائم کردہ قوانین ہیں۔ خدا نے سمجھدار اور ذی فہم لوگوں کے منافع کے لئے ان کو بیان کیا ہے تاکہ ہوشیار اور مدبرک دماغ رکھنے والا طبقہ اس کے فوائد پر غور کرے اور سمجھے کہ ان احکام کے تحت میں کیا اسرار و مصالح ہیں۔ خلع سے کس قدر حقوق نسوانی کی تکمیل، مساواتِ صنفی کا اظہار، نظام معاشرت کی درستگی اور قانون تمدن کی اصلاح ہوئی ہے اور حلالہ میں کیسے کیسے راز پوشیدہ ہیں۔ شوہر اول اپنے فعل مکروہ یعنی طلاق کی پوری سزا برداشت کر لیتا ہے اور دوبارہ نکاح کرنے کے بعد پھر اس کو طلاق دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لوگوں کو جب اس قانون کا علم ہوتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس وقت جوشِ غضب میں آکر طلاق دیدی اور پھر رجوع نہ کیا تو آئندہ پچھتانا پڑے گا۔ عورت کے رازدار اور لوگ ہو جائیں گے۔ اگر ہم دوبارہ نکاح کرنا چاہیں گے تو جب تک کوئی دوسرا شوہر منافع جنسی اس سے حاصل نہ کرلے ہم نکاح نہ کر سکیں گے۔ اس حمیت انگیز خیال کی وجہ سے اکثر لوگ طلاق جیسے مکروہ فعل کی طرف اقدام نہ کریں گے اور مغلوب الغضب نہ بنیں گے۔

مقصودِ بیان حلالہ کا جواز، شوہر اول کو اس کے فعل مکروہ کی کافی سزا برداشت کرنے کا وجوب، امر طلاق کی کراہت کا مخفی اظہار، حضرت عائشہ اور اصلاح معاشرت کے لئے عدیم المثال قانون کا اجراء، حقوق صنفی کی ادائیگی کی طرف لطیف اشارہ، نظام معاشرت کی اصلاح اور

اختلاط نطفہ اور اشتراک فی النسب سے محفوظ رکھنے کے لئے عدت کا لزوم۔ قوانین الٰہی کی پابندی کا بغیر کسی تفریق و امتیاز کے وجوبی حکم وغیرہ

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کرلے کو ہوں تو یا تو حسن معاشرت کے ساتھ اُن کو روک رکھو یا حسن سلوک سے اُن کو آزاد کردو

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا

اور تکلیف دینے کے لئے اُن کو نہ روک رکھو کہ پھر اُن پر زیادتی کرنے لگو اور جو شخص ایسا کرے گا وہ کچھ اپنا ہی کھوئے گا اور اللہ

تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ

کے احکام کا مذاق نہ اُڑاؤ اور اللہ نے جو احسان تم پر کئے ہیں ان کو یاد کرو اور جو کتاب و شریعت اس نے تم پر نازل

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

کی ہے اس سے تم کو نصیحت دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ خدا سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ثابت بن یسار نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب عدت گزرنے کے تین دن باقی رہے تو رجعت کرلی پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونے سے تین روز قبل رجعت کرلی اور پھر طلاق دیدی۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس فعل کی ممانعت کردی گئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دیدی جائے اور عدت کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہو تو یا تو رجعت کرلینی چاہئے لیکن عورت کو ضرر و تکلیف پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ دستور کے مطابق اصلاح معاشرت اور اتحاد الفت کے لئے یا اس کو آزاد کردینا چاہئے لیکن آزادی میں بھی اس کو ضرر پہنچانے کا خیال نہ کیا جائے تنگ نہ کیا جائے۔ نہ تو کوب لعن طعن اور دراز دستی نہ کی جائے بلکہ حسن سلوک اور شرافت انسانی کو مدنظر رکھکر آزاد کردیا جائے۔ اگر اس کو روکا جائے اور رجعت کرنے کا خیال ہو تب بھی اس کو دکھ پہنچانے اور اس پر زیادتی کرنے کے ارادہ کو دور رکھا جائے۔ دستور کے موافق خوش معاملگی اور حسن معیت کے ساتھ اس کو روکا جائے۔

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ اگر کوئی شخص عورت پر زیادتی کرنی چاہے گا اور اس کو ضرر و تکلیف پہنچائے گا خواہ رجعت کی صورت میں یا آزادی کی صورت میں تو وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اپنے فعل کا وبال اس کو برداشت کرنا ہوگا۔ عورت کی حق تلفی کا عذاب اس کی گردن پر ہوگا۔

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ طلاق دیدی اور کہہ دیا کہ ہم نے تو یونہی دل لگی میں کہہ دیا تھا اسی طرح غلام کو آزاد کردیا اور کہہ دیا کہ ویسے ہی مذاق سے ہم نے آزاد کیا تھا۔ اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی محل مذاق نہیں ہیں ان کو لہو و لعب کی طرح بے وقعت نہ سمجھو بلکہ احکام شریعت کی پابندی کرو۔ جو لفظ شریعت کے مطابق زبان سے نکالو اس پر عمل بھی کرو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اور جو جو نعمتیں خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں اُن کو یاد کرو اور شکریہ ادا کرو۔ تم پہلے گمراہ تھے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرما کر نور ایمان سے تمہارے دلوں کو روشن کیا۔ ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عنایت کی۔ بدافعالی اور زیاں کاری کے بجائے اخلاق فاضلہ سے تم کو آراستہ کیا۔ یہ سب خداداد نعمتیں ہیں۔ ان کا شکر واجب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ قرآن پاک اور حکمت (وحی خفی یعنی احادیث رسول اللہ) سے تم کو سرفراز کیا اور ان پر عامل ہونے کی تم کو ہدایت کی۔ لہٰذا تم کو نہایت کوشش سے حکم الٰہی پر کاربند

ہونا چاہئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خدا سے ڈرنا چاہیے۔ اتقائے نفس اور تعمیل حکم الٰہی کا التزام کرنا چاہیے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور سمجھ رکھنا چاہئے کہ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ جس سے نہ طلاق یا غلام کو آزاد کرنے کے متعلق تم نکالتے ہو اور جو نیت رکھتے ہو اُس سے بھی واقف ہے اور یہ بھی اس کو علم ہے کہ تم اس کے احکام کا مذاق اڑاتے ہو یا نہیں۔

مقصود بیان

نہایت بلند آہنگی سے حقوقِ نسواں کے تحفظ کا اعلان، عورت کو چھوڑنے اور رکھنے کی دونوں صورتوں میں شرافتِ انسانی اور تقویٰ عمل پر کاربند رہنے کا درس، عورتوں کی حق تلفی کرنے والوں اور ان پر زیادتی کرنے والوں کے لئے سخت وعید، حالتِ صلح و جنگ دونوں میں تقویٰ و عدالت کی پابندی کی مسلمانوں کو ہدایت، خداداد نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کا شکر ادا کرنے کا وجوبی حکم، اس امر کی ضمنی صراحت کہ احادیث رسول اور قرآن ایک نعمت عظمیٰ ہے اور تمام جسمانی و روحانی نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یعنی پیدائش اور تربیت بھی نعمتیں ہیں، مال و دولت عزت و جاہ سب نعمتیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ کیونکہ یہی حیاتِ حقیقیہ کے حصول کا سرچشمہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا بیان اور اس بات کی تصریح کہ کوئی چیز اس کے دائرۂ علمی سے خارج نہیں۔ وغیرہ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو پھر اُن کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

بشرطیکہ دستور کے مطابق وہ باہم رضامند ہو جائیں یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

رکھتا ہو یہ تمہارے لئے بڑا مفید اور پاکیزہ بات ہے اور اللہ واقف ہے اور تم ناواقف ہو

تفسیر

معقل بن یسار مزنی نے اپنی بہن کا نکاح حضرت عبداللہ بن عاصم سے کیا تھا۔ عبداللہ نے کسی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور عدت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد پھر انہوں نے اسی مطلقہ بیوی کو نکاح کا پیام بھجوایا اور وہ بھی رضامند ہو گئی۔ لیکن حضرت معقل نے کہا کہ عبداللہ میں نے اپنی بہن کو تیرے نکاح میں دے کر تیری عزت افزائی کی تھی لیکن تو نے قدردانی نہ کی اور اُس کو طلاق دے دی۔ اب تو پھر نکاح کرنا چاہتا ہے۔ پس اب نکاح ہونا ناممکن ہے میں ہرگز اب تیرے ساتھ نکاح نہ ہونے دوں گا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت معقل نے آیت کو سُن کر عبداللہ بن عاصم کو خود بلا کر اپنی بہن کا دوبارہ اُن کے ساتھ نکاح کر دیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو ایک یا دو طلاقیں دے چکو اور ان کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو اب اگر وہ اپنے شوہر اول سے باہم نکاح جدید کرنے پر بخوشی رضامند ہوں تو ان کو عورت کے سرپرست نہیں روک سکتے لیکن شرط یہ ہے کہ دستور کے موافق نکاح کریں۔ ایسا نہ ہو کہ چھپ چوری کر لیں، یا پہلے یارانہ گانٹھ کر بعد کو نکاح کریں۔ بلکہ نہایت شرافت و پاکیزگی کے ساتھ باعزت طریقہ پر نکاح کرنا چاہیں تو پہلے شوہروں سے بھی کر سکتی ہیں۔ کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی یہ نصیحت مسلمانوں کے لئے ہے۔ وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کا ایمان خدا اور روزِ آخرت پر ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ہی تعمیل احکام کی ہم کو جزا دے گا۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ یعنی یہی تراضی زوجین کی صورت جو بیان کی گئی ہے نہ روکنا۔ عصمت و عزت کے لئے نہایت پاکیزہ اور صفائی کا کام ہے کیونکہ وہ طلاق دینے کے بعد خود میاں بیوی کو ایک دوسرے سے تعلق خاطر رہتا ہے اسی وجہ سے جبکہ وہ عدت کو جبری طلاق نہیں دیتا اور جب

تعلق خاطر باقی رہا اور نکاح جدید سے اُن کو روک دیا گیا تو زنا کا خوف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ خفیہ تعلقات پیدا کر لیں جس سے بدنامی، عزت کی بربادی اور دینی و دنیوی و اخروی دونوں کے گردن پر رہے گا لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اُن کا باہم نکاح ہونے دیا جائے اس میں زنا کا احتمال نہیں، بدنامی کا اندیشہ ہے نہ عزت کی بربادی کا شبہ نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ کیا واقع میں ان کو ایک دوسرے سے لگاؤ بھی ہے اور اس نکاح کا نتیجہ اچھا ہوگا اور نکاح نہ کرنے کا نتیجہ برا نکلے گا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ لوگوں کو اس کا علم نہیں نہ کوئی اس اجازت نکاح کے فوائد سے واقف ہے کہ ان مطلقہ میاں بیوی کے نکاح کرنے سے کیا فوائد برآمد ہوں گے اور نکاح نہ کرنے دینے سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی۔

مقصود بیان اگر مرد نے عورت کو دو طلاقیں دے دیں اور عدت کا زمانہ ختم ہو گیا تو دوبارہ بلا حلالہ کے زوجین نکاح کر سکتے ہیں کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

آیت میں چند امور کی طرف لطیف اشارات کئے گئے ہیں۔ محبت زوجین کے جذبات کی رعایت۔ نکاح جدید کو ملامت و ننگ خیال کرنے کی ممانعت۔ مرد و عورت کے خفیہ معاملات کی بازداشت۔ شرافت انسانی اور عزت خاندانی کو باقی رکھنے کی کوشش نکاح سے قبل یارانہ کرنے یا خفیہ طور پر نکاح کر لینے سے امتناع۔ زنا اور دواعی زنا سے اجتناب کی لازمی ہدایت۔ طہارت نفسانی پاکیزگی اخلاق اور محاسن تمدن حاصل کرنے کا حکم حمیت جاہلیت اور منفعت انگیز قومی یا خاندانی رسوم کی بیخ کنی۔ مدنیت اور اجتماع انسانی کو تباہ کرنے والے رسم و رواج کے ترک کر دینے کا امر۔ وغیرہ۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس کا ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہتا ہو اور

عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ

جس کا وہ بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا حسب دستور لازم ہے۔ کسی کو برداشت سے زائد تکلیف نہ دی جائے نہ ماں کو

وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا

اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث پر بھی ایسا ہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ

فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

باہمی رضامندی اور مشورہ سے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی سے

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ

دودھ پلوانا چاہو تو کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ جو ان کو دینا ٹھہرا ہے وہ حسن سلوک کے ساتھ دے دو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

اور خدا سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر ۔ ان آیات میں دودھ پلانے کا حکم ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ حکم ان عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ جن کو طلاق دی گئی ہے۔ اکثر مفسرین کے

یہی بیان کیا ہے۔ ابن حجر کا بھی یہی مختار ہے، لیکن بعض لوگ عموم حکم کے قائل ہیں۔ طلاق کے بعد مرد و عورت میں ایک قسم کی دشمنی و بغض پیدا ہو جاتا ہے اگر مطلقہ عورت کا کوئی شیرخوار بچہ رہ جائے تو اس کے دودھ پلانے کے متعلق جھگڑا ہو سکتا ہے۔ عورت خواہ مخواہ یا کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی وجہ سے اس بچے کی طرف سے بے التفاتی کرتی ہے اور اس کو دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے اور شوہر کو اس کی پرورش میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف بغض و عناد کی وجہ سے مرد مطلقہ عورت سے بچہ کو چھیننا چاہتا ہے تاکہ عورت کو بچے کی جدائی کی تکلیف ہو، اس لئے آیاتِ مذکورہ میں ان تمام امور کا فیصلہ کر دیا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔ استحقاقِ اُجرت ان کو دو سال دودھ پلانے کا ہے اور یہ حکم اس شخص کو دیا جاتا ہے جو مدتِ رضاعت کی تکمیل کرانی چاہے یعنی دو سال سے زائد دودھ پلانے پر عورت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر اپنی خوشی سے زائد مدت تک پلائے تو استحقاقِ اجرت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور بچوں کے باپ پر لازم ہے کہ رضاعت کی اجرت میں بچوں کی ماں کو دستور کے موافق روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے یعنی نہ عورتیں کو تکلیف دی جائے کہ اُن سے بچہ چھین لیا جائے یا اُجرت بہت ہی کم دی جائے اور نہ مرد پر زیادتی کی جائے کہ اُس کے حوصلے سے زائد اس پر عورت کے مصارف کا بار ڈالا جائے بلکہ حیثیت کے موافق نان و نفقہ کی خبرگیری کی جائے۔ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا خلاصہ یہ کہ کسی شخص کو فریقین میں سے ناقابلِ برداشت یا تکلیف دہ کام پر مجبور نہ کیا جائے۔ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا یعنی نہ تو بچے کی ماں کو تکلیف دی جائے کہ اس کی اولاد چھین لی جائے یا زبردستی عناداً زبردستی دودھ پلوایا جائے یا اجرتِ رضاعت نہ دی جائے یا نان و نفقہ اس کو کم دیا جائے۔ وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ اور نہ باپ کو ضرر پہنچایا جائے کہ شیرخوار بچے کی پرورش اُس کے سر ڈال دی جائے یا نان و نفقہ کا اتنا گراں بار اُس کے سر پر ڈال دیا جائے کہ اُس میں برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ اور اگر باپ نہ ہو تو اس کے وارثوں پر بھی اسی طرح کا نان و نفقہ واجب ہے جس طرح باپ پر واجب تھا۔ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ پس اگر والدین باہمی مشورہ اور رضامندی کے بعد بچہ کا دودھ (دو سال سے کم میں) چھڑانا چاہیں اور مدتِ رضاعت کی تکمیل نہ کرنی چاہیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اُن کو اختیار ہے کیونکہ والدین کو جتنی شفقت و محبت اپنی اولاد سے ہو سکتی ہے اتنی دوسرے کو نہیں ہو سکتی اور والدین جس قدر اپنی اولاد کے مصلحت بین ہوتے ہیں اتنا غیر آدمی نہیں ہو سکتا۔ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ یہ خطاب والد اور والدہ دونوں کو ہے یعنی اگر ماں باپ کو یہ منظور ہو کہ بچے کو کسی دائی کا دودھ پلائیں اور اس میں والدہ کی یا والد کی کوئی مصلحت ہو۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مقررہ اجرت بخوبی کامل طور پر بسہولت ادا کر دی جائے کم دے کر جھگڑا یا کمی بیشی نہ کی جائے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ خدا سے ڈرتے رہو نیت اچھی رکھو اور شرعِ الٰہی کے مطابق اعمال پر کاربند رہو یہ نہ خیال کرو کہ ہمارے اس عمل کی کس کو خبر ہو گی۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ تمہارے ہر فعل کو دیکھتا اور ہر نیت کو جانتا ہے۔

مقصودِ بیان

آیت میں عورت کو دودھ پلانے کی اور بچے پر شفقت کرنے کی طرف ایک لطافت آمیز ترغیب ہے یعنی یہ کہا گیا کہ عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ وہ تمہاری ہی اولاد ہے اور تمہارا جزو ہے وہ تمہاری شفقت و محبت کی مستحق ہے، اس لئے تم کو دودھ پلانا چاہئے اور باپ کے سر نہ ڈالنا چاہئے۔ اسی طرح باپ کو رحم دلانے کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ چونکہ اُس بچے کے تم باپ ہو، اس لئے اُس کی سرپرستی نگہداشت، تربیت اور اُس کی حفاظتِ جان کے اسباب مہیا کرنا تمہارا فرض ہے تم پر لازم ہے کہ اُس کو ماں کے سر پر خواہ مخواہ نہ ڈال دو بلکہ رضاعت کی اجرت مقدرت کے مطابق ادا کرو۔

آیت میں مساواتِ عملی، تحفظِ حقوق، اولاد پر رحم و شفقت اور اصولِ تمدن کا زرّیں ذخیرہ موجود ہے۔ ناقابلِ برداشت یا تکلیف دہ امور پر مجبور کرنے کی ممانعت ہے۔ دایہ سے دودھ پلوانے کی اجازت کی بھی صراحت ہے۔ دو سال سے کم ہی بشرط رضامندی والدین دودھ چھڑانے کی بھی اباحت ہے اور اخیر میں نیک اعمال ادائیگی حقوق اور حسنِ نیت کی طرف ترغیب تاز ترغیب ہے۔

چند مسائل:۔ دو برس کامل دودھ پلانا ضروری نہیں بلکہ والدین باہم مشورہ کر کے اگر دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دیں تو جائز ہے۔

لیکن اگر صرف عورت یا صرف مرد بغیر دوسرے کی رضامندی کے دودھ چھڑانا چاہے تو جائز نہیں۔

آیت کا حکم اگرچہ مطلقہ عورت کے متعلق ہے، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم عام ہے۔ بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ اس بیوی کا نان نفقہ بحق زوجیت ہے۔

دودھ پلانے کی مدت زائد سے زائد دو سال ہے اس سے زائد جائز نہیں۔

ماں اگر معذور نہ ہو تو اس پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور اگر منکوحہ ہو یا عدت میں ہو تو اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں اس کو نان نفقہ بحق زوجیت اور دوسری صورت میں بحق عدت ملے گا اجرت کی ضرورت نہیں۔

اگر عدت ختم ہوگئی تو بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔

اگر عدت ختم ہو جائے اور عورت دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس سے جبریہ دودھ نہ پلایا جائے گا یعنی اجرت دینے کے بعد بھی جبر نہ کیا جائے گا ہاں اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ نہ پئے تب جبر کیا جائے گا۔

اگر ماں دودھ پلانا چاہے تو باپ کے لئے جائز نہیں کہ اس سے چھڑا کر دوسری انا کا دودھ پلائے۔ ہاں اگر ماں کا دودھ بچے کو نقصان دیتا ہو تو دوسری کا دودھ پلانا جائز ہے۔

باپ موجود ہو تو بچے کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مر جائے اور بچہ کا مال (بطور ترکہ) موجود ہو تو بچے کے مال ہی سے اس کی پرورش کا صرفہ دیا جائے گا۔ اگر بچہ مفلس ہو باپ نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو باپ کے جو قریبی عزیز اور محرم ہیں اور شرعاً مستحق میراث ہیں اُن کے ذمہ بچہ کی تربیت کے مصارف ہوں گے۔

انا کا دودھ پلوانا جائز ہے، لیکن جو اجرت طے ہو جائے اس کی ادائیگی بلا کم و کاست اور بغیر رگڑے جھگڑے کے ضروری ہے۔ وہ اس کو دینی لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو عورتوں کو چار ماہ دس روز اپنے آپ کو روک رکھنا

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

چاہیئے پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو شریعت کے مطابق جو کچھ وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس کا

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے کل اعمال سے باخبر ہے

تفسیر عدت تین طرح کی ہوتی ہے (۱) عدت طلاق اس کے حکم اور مقدار کا گزشتہ آیات میں ذکر ہو گیا۔ (۲) عدت وفات اس کا بیان اس آیت میں کیا گیا (۳) عدت اس حاملہ کی جس کا شوہر مر گیا ہو اس کا حکم آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ میں ذکر کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ :- جن عورتوں کے شوہر مر جائیں اور وہ حاملہ بھی نہ ہوں تو ان پر لازم ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا کہ چار ماہ دس شب نکاح جدید اور مناسبات نکاح سے پرہیز رکھیں۔ زیب و زینت، سرمہ خوشبو وغیرہ سے الگ رہیں اور بغیر ضرورت خاص اس گھر سے باہر نہ نکلیں جس گھر میں شوہر نے وفات پائی ہے تاکہ نکاح سابق کی عزت حرمت کا اظہار، بے وفائی کے اسباب و مناسبات سے اجتناب اور غیر بے محبت کے جذبات کا

بیچ میں عورت کی رضامندی کا خفیہ آمیز اظہار ہو جائے تو وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ جب تک مدت مقررہ پوری نہ ہو جائے اس وقت تک عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو اور اظہار رضامندی کے باوجود دوران عدت میں نکاح نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ اور یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اس سے واقف ہے لہٰذا تم کو اس سے خوف کرنا چاہیے۔ عورتوں کے متعلق کوئی بدنیتی نہ کرو اور نہ تنہائی میں اُن سے عہد و پیمان لو یہ خیال نہ کرو کہ سوائے ہمارے اس کو کون جانتا ہے کیوں کہ خدا تعالیٰ انسان کے دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اگر سزا میں تاخیر ہو تو دلیر نہ ہونا چاہیے کیوں کہ خدا غفور ہے اور سب سے بڑھ کر حلم رکھتا ہے اور اپنے حلم کی وجہ سے وہ فوراً عذاب نہیں دیتا ہے۔

مقصود بیان طہارت نفس، پاکیزگی اخلاق، صفائی ظاہر و باطن اور شرافت انسانی کی تعلیم، عزت و حرمت کے باقی رکھنے کا حکم، ممنوع شئے کے ارتکاب کی طرف جو چیزیں مائل کرنے والی ہیں یا جن امور سے امر ممنوع کے ارتکاب کا اندیشہ ہے اُن کی ممانعت یعنی مرد و عورت کے خفیہ عہد و پیمان اور میثاق نکاح سے باز داشت تہذیب اخلاق، رونق تمدن اور اصلاح معاشرت کی تکمیل کی طرف اشارہ، اس بے وقوف کور بصیرت شخص کے سر پر ایک کاری ضرب جو خدا کے تحمل و پردہ پوشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے اس فعل کا خدا کو علم نہیں اور اپنی اس جہالت کی وجہ سے اور زیادہ گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ وغیرہ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ

جب تک تم نے عورتوں سے قربت نہ کی ہو اور نہ مہر معین کیا ہو اگر (ایسی صورت میں) تم عورتوں کو طلاق دیدو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے

وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور مطلقہ عورتوں سے سلوک کرو فارغ البال شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق اور نادار پر اس کی حیثیت کے مطابق حسب دستور سلوک کرنا ضرور ہے یہ بات نیکوں پر لازم ہے

تفسیر طلاق کی ایک قسم اوپر بیان کر دی گئی یعنی جس عورت کا مہر معین کر دیا گیا ہو اور اس کو قربت کے بعد طلاق دی ہو تو اس کا پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ یہاں دوسری قسم کا ذکر ہے جو بالکل پہلی قسم کی ضد ہے یعنی اُس عورت کو طلاق دی جس کا نہ تو مہر معین کیا گیا تھا نہ اُس سے قربت کی گئی ہے اگر ایسی صورت پیش آجائے وَمَتِّعُوْهُنَّ تو ایسی عورت کو کم از کم کچھ خرچ دینا چاہیے جس کی مقدار باعتبار سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم تین کپڑے یعنی ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر مثل ہے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ لیکن یہ حکم سب کے لئے یکساں نہیں ہے بلکہ وسعت و تنگ دستی کے اعتبار سے فرق ہے جو لوگ دولت مند اور فراخ دست ہیں اُن کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیے۔ حضرت امام حسن نے دس ہزار درہم دیئے تھے اور جو تنگ دست مفلس ہیں اُن کو اپنے مقدور کے موافق دینا چاہیے یعنی کم از کم ایک جوڑا مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ عورت کو یہ سامان دستور کے موافق دینا چاہیے۔ اس کی حق تلفی نہ کرنی چاہیے، لیکن یہ حق وجوبی نہیں ہے بلکہ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ اُن لوگوں پر حق ہے جو نیکی کرنی چاہتے ہیں۔

مقصود بیان اپنے قول کی پاسداری کی تعلیم اور اس امر کا اظہار کہ صرف زبانی نکاح سے بھی عورت کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں خواہ اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ اس سے منافع صنفی حاصل کئے ہوں نا قابل برداشت حکم کی بندش اور عامۃ الناس کے لئے سہولت کا لحاظ وغیرہ

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور اگر قربت سے پہلے تم نے اُن کو طلاق دی ہو اور اُن کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو مقرر کردہ مہر کا نصف حصہ دینا

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا

لازم ہے ہاں اگر عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے اختیار میں عقدِ نکاح ہے (تو کچھ نہ دینا بھی جائز ہے) اور معاف

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○

کر دینا پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے اور آپس کے احسان کو نہ بھولو اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر اوپر طلاق کی دونوں قسمیں اُن کے احکام اور عدت و مہر کا بیان کر دیا گیا یہاں طلاق کی تیسری صورت بیان کی جاتی ہے یعنی وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً اگر نکاح کے وقت عورت مہر مقرر کر دیا، مگر قربت سے قبل اُس کو طلاق دے دی تو ایسی عورت کے لئے مہر ضروری ہے، لیکن فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ مقرر کردہ مہر کا نصف کیوں کہ منافع جنسی حاصل نہیں کئے ہیں اور مہر مقرر ہو چکا ہے لہٰذا دونوں پہلوؤں کا لحاظ ضروری ہے تاکہ نہ عورت کی حق تلفی ہو نہ مرد پر زیادتی ہو۔

اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ ہاں اگر عورت خود معاف کر دے اور مہر بالکل نہ لے۔ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یا شوہر اپنی طرف سے درگزر کرے اور پورا مہر دے دے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے (الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے حضرت علی اور اکثر صحابہ کے نزدیک شوہر ہی مراد ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور اسی کے مطابق ہم نے تفسیر لکھی ہے، لیکن حسن مجاہد اور شافعی وغیرہ کے نزدیک اس سے مرد و عورت کے سرپرست ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورت خود معاف کر دے اور اگر عورت نابالغ ہو تو اس کے ولی معاف کر دیں تو کوئی ہرج نہیں ہے) وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یعنی صورتِ مذکورہ میں نصف مہر ادا کرنا واجب ہے لیکن اگر عورت معاف کر دے بالکل نہ لے یا مرد درگزر کرے پورا مہر دے دے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے اتقاء نفس کے زیادہ قریب ہے۔ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ مرد کے واسطے یہی موزوں ہے کہ کل مہر دے دے کیوں کہ مرد کو خدا تعالیٰ نے فضیلت عطا کی ہے ہر طرح سے کما سکتا ہے۔ عورت ضعیف الخلقت اور نازک اندام ہے لہٰذا فضیلت جنسی کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور قوی الخلقت کو نازک اندام رکھنے والی صنف کے ساتھ مراعات کرنی چاہیئے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور خدا سے اس کے اجر کا طلبگار ہونا چاہیئے وہ سب کے اعمال کا نگراں ہے کسی کی نیکی ضائع نہ کرے گا۔

مقصودِ بیان جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور مہر مقرر کر دیا ہو اس کو طلاق کے بعد نصف مہر دینے کا جواز، لیکن کل مہر دینے کی فضیلت۔ مروت، تسامح، چشم پوشی، بلند حوصلگی اور اتقاء نفس کی تلقین۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کے حقوق میں جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ ایک روپیہ کی بجائے دو دو روپے دینے چاہئیں گویا تحفظِ حقوقِ نسوانی کی طرف ایک دعوت آمیز ترغیب ہے اسلامی مساوات اور ہمدردی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

ہدایتِ خاص ابن مردویہ نے بہ روایت حضرت علی رض بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمان اپنے ہاتھ کی چیز کو دانت سے پکڑ کر رکھے گا اور احسان و تفضل کرنا بھول جائے گا۔ حالاں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ بدکار لوگ ہوں گے جو مجبور و مضطر لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اپنے مسلمان بھائی کی طرف بھی بڑھا دو اور اس کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرو کیوں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اُس کو غمگین نہیں کرتا اور نہ اس کو محروم رکھتا ہے۔ جب کسی کے پاس سوال کرنے والا آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو سائل کے لئے دعا ہی کر دے ورنہ اللہ بل جاتا

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ○

نمازوں کی پابندی رکھو خصوصاً بیچ کی نماز اور اللہ کے آگے مؤدب کھڑے رہا کرو

تفسیر کلام ربانی کا دستور ہے کہ انسانی معاملات اور عبادات کی ملی جلی تعلیم دیتا ہے اگرچہ مسائل حقوق انسانی کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں تو بیچ در بیچ آیات میں فرائض الٰہی کا بھی تذکرہ کر دیا جاتا ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ قرآن صرف ایک شق کو اختیار کرتا ہے انسانی حقوق کو ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حقوق الٰہی سے تعرض نہیں کرتا یا فرائض خداوندی ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اصول تمدن، اصلاح اخلاق اور انتظام عالم کی ترقی سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ گزشتہ آیات میں طلاق عدت مہر اور بعض دیگر امور کا بیان تھا جن کا تعلق حقوق انسانی سے تھا اور انتظام عالم کی اصلاح ان کے ساتھ وابستہ تھی اب ان آیات میں فریضہ الٰہی کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ کے شان نزول میں مفسرین نے ایک روایت لکھی ہے کہ لوگ عصر کی نماز پڑھنے میں تاخیر کر دیتے تھے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو جاتا تھا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی :-

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دیگر اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی جس کے بعد مسلمانوں نے نماز میں بولنا اور اشارہ کرنا ترک کر دیا۔

صلوٰۃ وسطیٰ کو خدا تعالیٰ نے مبہم ہی رکھا ہے تاکہ اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں لوگ کل نمازوں کی پابندی رکھیں۔ یہی وجہ ہے اس کی مراد میں صحابہ میں بڑا اختلاف ہوا ہے۔ کیوں کہ پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز دو دو نمازوں کے درمیان ہے اس اعتبار سے ہر نماز صلوٰۃ وسطیٰ درمیانی نماز ہو سکتی ہے۔ کسی نے اس سے فجر کی نماز کسی نے ظہر کی نماز کسی نے عشاء کی نماز اور کسی نے عصر کی نماز مراد لی ہے۔ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے موافق بیان کیا تاہم راجح قول یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے کیوں کہ عصر کی نماز ٹھیک وسط میں ہے اس سے قبل دن کی دو نمازیں یعنی فجر و ظہر ہیں اور اس کے بعد رات کی دو نمازیں یعنی مغرب و عشاء واقع ہیں۔ گویا اس کا وسط ہونا دو حیثیت سے ہے ایک تو یہ کہ یہ دو دو نمازوں کے درمیان ہے یعنی دن کی دو نمازیں اس سے مقدم ہیں اور رات کی دو نمازیں اس سے موخر ہیں۔ اس کے علاوہ رات کی نماز شروع ہونے سے قبل اور دن کی نمازیں ختم ہونے کے بعد اس کا وقت ہے، اس لئے اس کو درمیانی نماز کہا جا سکتا ہے۔ صحیحین کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ :- مسلمانو! (جہاں تم حقوق کی نگہداشت کرتے ہو وہاں فرائض الٰہی کی ادائیگی میں بھی کوشش کرو۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اس کا بھی لحاظ رکھو) کل نمازوں کی پابندی کرو۔ خصوصیت سے عصر کی نماز کا تو بہت ہی لحاظ رکھو۔ یعنی یہی وقت بازاری کاروبار کا ہے ایسا نہ ہو کہ تم کاروبار میں مشغول رہ کر اس نماز کی طرف سے غافل ہو جاؤ۔ تم کو تمام کام چھوڑ کر عصر کی نماز ادا کرنی چاہیے اور نمازوں کی ادائیگی میں عجلت نہ کیا کرو۔ نہ اس دوران میں کوئی اشارہ یا کلام کیا کرو بلکہ خدا کے سامنے ادب سے خاموش رہا کرو اور نہایت خشوع و خضوع سے کھڑے ہوا کرو۔ یہ فرض ناقابل نسخ ہے۔ کسی حالت میں اس کی معافی نہیں۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

اب اگر تم کو (دشمن کا) خوف ہو تو پیادہ یا سوار (پڑھ لیا کرو) پھر جب اطمینان ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا تم کو سکھایا جو تم نہ جانتے تھے

تفسیر یہاں تک کہ اگر تم دشمن کے مقابلے پر ہو اور خوف ہو کہ کہیں دشمن حملہ نہ کر دے اس وقت بھی یہ فریضہ معاف نہیں ہاں اس کے بعض احکام و شرائط میں تخفیف منظور ہے۔ اگر دشمن کا خوف ہو تو تم میں سے جو سوار ہو وہ سواری کی حالت میں اور جو پیادہ ہو پیادہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھ لو نہ رکوع و سجود کا لحاظ ضروری ہے نہ قبلہ رخ ہونے کا مقصود محافظت اور پابندی ہے۔ نماز ترک نہ کرو۔ جب خوف کی حالت نہ رہا جب چین ہو جائے تو پھر انہیں ارکان و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرو جو تعلیم کر دیے گئے ہیں۔ قبلے کی طرف رُخ کرو۔ رکوع اور سجدہ قعود و قیام کا التزام کرو۔

مقصود بیان فریضہ بدنی یعنی نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید۔ صلوٰۃ خوف بوقت قتال کی ترکیب۔ لڑائی کے وقت ارکان و شرائط نماز کا سقوط۔ اس امر کی طرف نازک اشارہ کہ اختیار ما ہو کی حالت میں فرض الٰہی کے ظاہری ارکان بھی ساقط نہیں ہوتے ہاں اضطرار یا خوف کی حالت میں ظاہری شرائط و ارکان کی پابندی لازم نہیں رہ گر نفس فریضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ وغیرہ۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو لازم ہے کہ اپنی بیبیوں کے لئے سال بھر تک کے خرچ

الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ

اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں پھر اگر وہ عورتیں خود نکل جائیں اور شریعت کے مطابق کچھ اپنے لئے کریں تو اس کا تم

مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر درمیان میں نماز کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا تاکہ حقوق ناس کی ادائیگی کے ساتھ فریضۂ الٰہی اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی اہمیت بھی محفوظ رہے۔ اب پھر انہیں انسانی معاملات کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

معالم میں محی السنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حارث طائف سے مدینے کو ہجرت کر کے آئے اُن کے ہمراہ والدین، اولاد اور بیوی بھی موجود تھے۔ مدینے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور اولاد کو اس کا ترکہ تقسیم کر دیا۔ بیوی کو کچھ نہیں دیا بلکہ وارثوں کو حکم دے دیا کہ اس عورت کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ایک سال کا نفقہ دے دیں اور سکونت کے لئے جگہ بھی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

زمانۂ جاہلیت میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور میت وصیت کر جاتا تھا کہ عدت کے اندر ہی اس کو نکال باہر کر دینا۔ وارث بیچاری عورت کو میت کی وصیت کے مطابق دورانِ عدت میں ہی نکال کر باہر کر دیتے تھے اور نان نفقہ کچھ نہ دیتے تھے وہ بیچاری اس زمانے میں نہ تو جدید نکاح کر سکتی تھی نہ اس کی معاش کا کوئی ذریعہ ہوتا تھا۔ اسلام میں بجائے ایک سال کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز رکھی گئی اور چوں کہ اس وقت تک آیت میراث نازل نہ ہوئی تھی اور عورت کا کوئی شرعی حصہ ترکہ میں مقرر نہ کیا گیا تھا، اس لئے یہ رعایت رکھی گئی کہ اگر بیوہ اپنے متوفی شوہر کے ترکہ میں ایک سال تک رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے۔ سال بھر تک ترکہ میں ہی اس کو نان نفقہ اور سکونت کا مکان ملے گا کوئی اس کو ان حقوق سے محروم نہیں کر سکتا اور اگر چار ماہ دس روز عدت کر لے کے بعد بقیہ ایام میں نہ رہنا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔ عدت کے بعد جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔ جب آیت میراث نازل ہوئی اور شوہر کے ترکہ میں سے عورت کے لئے چوتھایا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا تو سال بھر کے نفقہ اور سکونت کا حکم منسوخ ہو گیا چناں چہ جمہور اسلام کے نزدیک یہ آیت منسوخ الحکم ہے اور عدت والی آیت یا میراث والی آیت اس کی ناسخ ہے، لیکن ابن جریر طبری کے نزدیک اس آیت کا حکم بدستور باقی ہے۔ چار ماہ دس روز کا نفقہ تو عدت کی وجہ سے ملے گا اور سات ماہ بیس ایام کا نفقہ حسبِ میت ملنا ضروری ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرنے کے قریب ہوں اُن پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے متعلق ورثاء کو وصیت کر دیں کہ ہماری بیویوں کو سال بھر تک نان نفقہ اور سکونت کا مکان دینا ان کو نکال نہ دینا مکان وفات میں ان کو رکھنا۔ فَإِنْ خَرَجْنَ لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے چلی جائیں، تمہاری طرف سے اُن پر جبر و زیادتی نہ ہو اور وہ خود کہیں نکاح جائز طور پر کرنا چاہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ تو جو کچھ وہ زیب و زینت عدت کے بعد کریں اور دستور کے موافق ذاتی تصرف کرنا چاہیں تمہارے لئے اُن کے فعل سے کوئی نقصان نہیں ہے نہ تم کو روکنے کا حق ہے۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ غالب اور حکیم ہے اُس کا کوئی فعل و حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔ رسم جاہلیت کو اس نے اپنی حکمت سے باطل فرمایا۔ عورت کے حقوق کا تحفظ کیا عورت کو مختار بنایا اور وارثوں کو ممانعت کی کہ زبردستی بیوہ کو گھر سے نہ نکالو، لیکن اگر عدت کے بعد وہ خود چلی جائے اور نکاح کرنا چاہے تو تم نہ روکو۔

مقصودِ بیان ۔ حقوق نسوانی کا بیان۔ عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک کی ہدایت یہاں تک کہ اپنے انتقال کے بعد بھی بیوہ کی مزید آسائش کا

ضروری لحاظ بیوہ پر زیادتی کرلے اور اس کے بےکس ہونے کی حالت میں محتاج مطلق کرکے گھر سے نکال دینے کی ممانعت۔ رسوم جاہلیت کا ابطال بیوہ کو عدت کے بعد تمام انسانی فطری اختیارات کی تفویض۔ اور عدت کے بعد شرعی زیب و زینت اور شریفانہ نکاح کی اجازت۔ وغیرہ۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ○ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں سے خوشخوئی کے ساتھ سلوک کرنا پرہیزگاروں پر لازم ہے اسی طرح تمہارے فائدہ کے لئے اللہ

لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ع

اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو

تفسیر اس آیت میں مطلقہ عورت کے نفقہ کا بیان ہے اور پہلی آیت میں بیوہ کے مصارف و سکونت کا ذکر کیا گیا تھا ارشاد حق ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو اُن کی عدت کے زمانے کے لئے مصارف ضروری دینے واجب ہیں (بیضاوی و مدارک) اگر توفیق و مقدور کے موافق ہونے چاہییں دولت مند پر اُس کی حیثیت کے مطابق ضروری ہیں اور غریب پر اُس کے مقدور کے لائق۔

بعض لوگوں نے آیت کا ایک شان نزول بیان کیا ہے وہ یہ کہ جب اُس عورت کو نفقہ دینے کا حکم دیا گیا جس سے قربت نہ کی ہو اور نہ اُس کا مہر مقرر کیا ہو اور قربت سے قبل ہی طلاق دے دی جائے تو ایک شخص کہنے لگا کہ خدا تعالیٰ نے حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ فرمایا ہے لہٰذا میں اگر احسان کرنا چاہوں گا تو دوں گا اور احسان نہ کرنا چاہوں گا تو نہ دوں گا۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ نفقہ اور متعہ دینا واجب ہے۔ جس عورت کو طلاق دی جائے خواہ کوئی ہو اور کسی حالت میں طلاق دی گئی ہو قبل قربت یا بعد از قربت بہرحال نفقہ ضرور ہے (البتہ مقدار نفقہ میں تفاوت ہے) حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ خدا تعالیٰ نے یہ حق ایمان داروں اور خدا ترسوں پر لازم کر دیا ہے۔ کسی کو اس سے انحراف کی اجازت نہیں ہے۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ نے یہ حکمت آمیز اور پُر مصلحت حکم دیا اسی طرح خدا تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم اُن کے منافع و مصالح پر غور کرو اور سمجھو کہ یہ احکام کس قدر فوائد سے لبریز ہیں۔ اصول تمدن، آداب معاشرت، امن عامہ اور اصلاح اخلاق میں اُن کو کس قدر دخل ہے۔

مقصودِ بیان نان نفقہ دینے کا وجوبی حکم۔ مطلقہ عورت کے استحقاق کا اظہار۔ مطلقہ کو نفقہ دینے میں مرد و عورت دونوں کے واسطے اعتدال اور توسط کی ہدایت اور کمی بیشی کی ممانعت وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ

(اے محمد) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے پھر ان کو اللہ

لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْیَاھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ

نے حکم دیا کہ مرجاؤ (وہ مرگئے) پھر اللہ نے اُن کو زندہ کیا بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے مگر اکثر

النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ○

آدمی نہیں مانتے

تفسیر ایک بار قوم بنی اسرائیل میں طاعون پھیلا بعض لوگ ڈر کے مارے وطن چھوڑ کر بھاگ گئے، لیکن موت کے پنجے سے کہاں بھاگ سکتے۔ خداتعالیٰ کے حکم سے سب کو ایک دم موت آگئی اور آٹھ دن یا اس سے زائد مُردہ رہے پھر حضرت حزقیل کی دُعا سے زندہ ہو گئے اور مدتوں تک موت کا اثر ان کے بدن پر قائم رہا جو کپڑا استعمال کرتے وہ کفن کی طرح ہو جاتا۔ اس طرح بلاسبب موت اور بلا سبب حیات کا ان کو مشاہدہ ہو گیا۔ شیخ ابن کثیر نے اس قصہ کو ذرا مفصل لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی ضلع یا بستی کے رہنے والے بنی اسرائیل وبا میں مبتلا ہو گئے جب بیماری کی کثرت ہوئی تو مرنے کے خوف سے بھاگ کر جنگل کو چلے گئے کچھ ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ خداتعالیٰ نے دو فرشتے ان کی موت کے لئے مسلط فرمائے۔ ایک نے نشیبی زمین میں پہنچ کر اور دوسرے نے بلندی پر چڑھ کر کرخت لہجہ میں آواز دی "سب مر جاؤ" یک دم سب کے سب مر گئے۔ کئی روز کے بعد جب دوسری بستی والوں کو اطلاع ہوئی اور انھوں نے دفن کرنے کا ارادہ کیا تو چونکہ لاشوں میں تعفن آگیا تھا بدبو کی وجہ سے وہ دفن نہ کر سکے۔ مجبوراً لاشوں کے اردگرد پتھر اور لکڑیاں ڈال دیں اور احاطہ کر دیا تاکہ کوئی جانور اندر جا کر کسی لاش کو کھا نہ سکے کچھ دنوں کے بعد لاشیں گل کر خاک ہو گئیں اور ہڈیاں پڑی رہیں۔ ایک زمانۂ دراز کے بعد حضرت حزقیل جو حضرت موسیٰ کے بعد تیسرے خلیفہ تھے اُدھر سے گذرے اور خداوند تعالیٰ سے دُعا کی کہ میرے ہاتھ پر ان کو زندہ کر دے۔ خداتعالیٰ نے حضرت حزقیل کی دُعا قبول فرمائی اور تمام پراگندہ خاک کو جمع کر کے گوشت پوست کی شکل میں تبدیل فرما کر ان کے اندر روح ڈالی اور سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ خوابِ دراز کے بعد ہم بیدار ہوئے ہیں اور بالآخر سب نے توحید و قدرت الٰہی کا اقرار کیا۔

حاصل آیت یہ ہے کہ کیا اے نبی آپ کو ان لوگوں کا قصہ نہیں معلوم جو ہزاروں کی تعداد میں اپنی آبادیوں سے موت کے ڈر کے مارے بھاگ نکلے تھے کہ کہیں یہ وبا ہم کو بھی نہ کھالے۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا لیکن خداتعالیٰ نے اُن کے متعلق حکم دیا کہ مر جاؤ۔ حسب الحکم وہ مر گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ پھر موت کے بعد اُن کو زندہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ کا تماشا دکھایا اور ثابت کر دیا کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ خداتعالیٰ ہمیشہ لوگوں پر مہربانی فرماتا ہے۔ واضح دلائل اور کھلے کھلے ثبوت و آیات اُن کو دکھاتا ہے اور ان کو راہ فلاح پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر آدمی خدا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ نفس و شیطان کے بندے بنے رہتے ہیں۔ انعام الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں، قضاو قدر سے بھاگتے ہیں۔

مقصودِ بیان حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت، قضاو قدر پر راضی رہنے کی صراحت، اس بات پر یقین رکھنے کی ہدایت کہ موت اور زندگی سب خداتعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ آئی ہوئی موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ آیت میں مذکورۂ ذیل امور کی بھی ہدایت ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے، نامردی اور بزدلی فضول بلکہ مضرت رساں ہے، خدا قادرِ مطلق ہے جس طرح مار سکتا ہے اسی طرح زندہ بھی کر سکتا ہے، حشر جسمانی بھی اس کے نزدیک دشوار نہیں، چونکہ آئندہ آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہاں جہاد و جنگ پر جرأت دلائی ہے۔ وغیرہ۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جانتے رہو کہ اللہ سننے والا باخبر ہے

تفسیر یعنی جب موت کا ایک وقت مقرر ہے اور قضاء الٰہی سے رہائی ناممکن ہے تو پھر ایسی موت اختیار کرنی چاہیئے جو خوشنودی خدا کا سبب ہو لہٰذا راہِ خدا میں جہاد کرو۔ اشاعت اسلام اعلان توحید اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے دشمنانِ دین سے لڑو اور سمجھ لو کہ خداتعالیٰ تمہارے اقوال کو سُنتا ہے اور تمہارے احوال کو جانتا ہے۔ وہ واقف ہے کہ تم میں سے کون راہِ خدا میں قربان ہونے کا حوصلہ رکھتا ہے اور کون ہمت ہار کر بُزدل بن کر بیٹھ جاتا ہے۔

مقصودِ بیان ۔ جہاد کی ترغیب، اشاعتِ اسلام اور اعلانِ توحید کا ضمنی حکم، جزا و سزا کی طرف اشارہ وغیرہ۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

ہے کوئی ایسا　کہ اللہ کو　قرضِ حسنہ دے　تاکہ اللہ اس کے دیے ہوئے قرض کو　چند گنا　بڑھا دے

وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

اور اللہ تنگدست بھی کرتا ہے اور فراخ دست بھی اور اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں راہِ خدا میں قتال کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا یہاں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ جہاد مالی اور جانی دونوں قسم کا ہوتا ہے پہلے جہادِ جانی کا تذکرہ ہوا اور یہ جہادِ مالی کا بیان ہے ارشاد ہوتا ہے کہ :- کون شخص خدا کو قرضِ حسن دینا چاہتا ہے یعنی کون شخص راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہتا ہے، لیکن یہ قرض حسن وہ نہیں ہے جس کا کوئی ثمرہ حاصل نہ ہو اور بے سود جائے بلکہ فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ خدا تعالیٰ نے اس کے دیے ہوئے قرض سے سود در سود اور ضعف در ضعف بڑھا کر اس کو عطا فرمائے گا جس کی مقدار .... دس گنا سے لے کر سات سو بلکہ چودہ سو گنا تک ہوگی لہٰذا ایسا مفید اور ثمر آنگیز قرض دینے میں تم کو پیش قدمی کرنی چاہیے اور راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہیئے کیوں کہ اگر نہ دوگے تو جوں کہ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ رزق و مال کی تنگی فراخی خدا ہی دستِ قدرت میں ہے، اس لئے شاید وہ بھی تم کو نہ دے اور پھر آخرت میں تو دینے اور نہ دینے کا نتیجہ ملے گا ہی کیوں کہ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ سب کو اسی کے سامنے جانا ہے اسی نے پیدا کیا تھا اور واپس پھر وہیں جائے گا فیاضی و بخل کا نتیجہ وہی دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضؓ نے خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا خدا تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے ؟ ارشاد فرمایا ہاں ۔ ابوالدحداح نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دستِ مبارک دراز کیجیے۔ حضورؐ نے اُن کی طرف ہاتھ پھیلا دیا۔ ابوالدحداح رضؓ نے دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دیا (اس باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے) پھر ابوالدحداح رضؓ نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ باغ میں سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے مولا کو قرض دے دیا۔

مقصودِ بیان اخوتِ عامہ، مساواتِ اسلامیہ، ایثارِ نفس، مالی قربانی، اعلانِ اسلام، اشاعتِ توحید، فقیروں کی غمخواری، مسکینوں کی ہمدردی، بےکسوں کی امداد، کافروں سے جہاد اور ضرورت مندوں کی پرورش کرنے کی لطیف ترین ترغیب، ثواب کی امید اور عذاب کا خوف دلانا اس امر کی طرف اشارہ کہ جو ضرورت مند اور محتاج طبقہ کو نہیں دیتا خدا بھی اس کو نہیں دیتا۔ رزق و مال، تنگی و فراخی اور دستِ سب اسی کے دستِ قدرت میں ہے ۔ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ

(اے محمدؐ) کیا تم کو موسیٰ کے بعد　بنی اسرائیل کی جماعت　کی حالت　معلوم نہیں　جبکہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا　کہ ہمارا

لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ

ایک بادشاہ　مقرر کر دیجیے　تاکہ ہم راہِ خدا میں لڑیں　نبی نے کہا　اگر تم پر　جہاد فرض　کر دیا گیا　تو بہت ممکن　ہے

اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا

تم نہ　لڑو　کہنے لگے　ہم راہِ خدا میں　کس طرح　جہاد نہ　کریں گے　حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے نکالے

وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

جا چکے ہیں لیکن جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یہ قصہ بھی مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے اور ہر قسم کی قربانی کرنے کے واسطے تیار ہو جانے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ سے گیارہ سو سال پہلے کا ہے۔ توراۃ میں اس کی بہت بڑی تفصیل ہے۔ ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ مفصل بیان کریں تاکہ قرآن کا بیان کردہ قصہ واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔ لیکن ہم توریت سے نقل کرنی نہیں چاہتے بلکہ علمائے اسلام مثلاً بغوی، ابن کثیر، محی السنۃ اور دیگر علماء کی روایتوں پر اعتبار کرتے ہوئے ذیل میں کسی قدر بسیط نشار لکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور توریت پر عمل کرنے کی انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی۔ حضرت یوشعؑ کے بعد کالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے پھر حزقیل خلیفہ ہوئے۔ حزقیل کے بعد بنی اسرائیل میں بہت بڑی بڑی بدعتیں پھیل گئیں۔ عہود الٰہی فراموش کر دئے گئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ اس وقت حضرت الیاسؑ مبعوث ہوئے۔ اسی طرح انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اور بنی اسرائیل کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر میں حضرت الیسع نبی بنا کر بھیجے گئے۔ لیکن بنی اسرائیل کی سرکشیاں بڑھتی گئیں۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا جس کو تابوت سکینہ کہا جاتا تھا۔ اس کے اندر توریت کا نسخہ، حضرت موسیٰؑ کی عصا اور حضرت ہارون کا جبہ تھا۔ یہ صندوق نہایت متبرک تھا۔ جب تک بنی اسرائیل احکام الٰہی کی تعمیل کرتے رہے تو کوئی قوم ان پر ظفریاب نہ ہو سکی۔ لیکن جب ان کی نافرمانیاں اور سرکشیاں حد سے گزر گئیں اور عہد توریت کو انہوں نے بالکل فراموش کر دیا تو خدا تعالیٰ نے انہی کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا اور مختلف لڑائیوں میں ان کو شکستیں اٹھانی پڑیں اور ایک جنگ میں تو تابوت بھی ان سے چھین لیا گیا۔ محی السنۃ نے معالم میں بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل گناہ و سرکشی میں غرق ہوئے تو ان کے دشمن ان پر غالب آنے لگے۔ چنانچہ ان کا ایک سب سے بڑا دشمن ظاہر ہوا اور ان کی بیخ کنی کے درپے ہو گیا۔ یہ قوم بلشاشاتی جو بحیرہ روم کے کنارے مصر و فلسطین کے درمیان رہتی تھی۔ انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے ان کے بادشاہ کا نام جالوت تھا۔ قوم بلشاشا بنی اسرائیل پر غالب ہو گئی۔ ان کے بہت ممالک انہوں نے فتح کر لئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان میں سے صرف شہزادے اور شہزادیاں ۴۴۰ تھے۔ عمالقہ نے ان پر جزیہ بھی مقرر کیا۔ خلاصہ یہ کہ بنی اسرائیل کو عمالقہ کے ہاتھوں بری طرح ذلت نصیب ہوئی اور ناقابل برداشت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی نسل میں ہمیشہ نبوت چلی آئی تھی۔ لیکن ان کی نسل میں سے کوئی باقی نہ رہا صرف ایک حاملہ عورت بچی تھی۔ بنی اسرائیل اس عورت کی بڑی نگہداشت کرتے تھے اور امیدوار تھے کہ اس کے شکم سے شاید نرینہ فرزند پیدا ہو اور وہ ہماری زائل شدہ عزت پھر واپس دلا دے اور اس کی وجہ سے ہماری یہ ذلت دور ہو جائے۔ عورت بھی دعا کرتی تھی کہ الٰہی مجھے فرزند نرینہ عطا فرما۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے اس عورت کو لڑکا عنایت فرمایا۔ عورت نے لڑکے کا نام اشموئیل رکھا۔ جس کے معنی عبرانی میں یہ ہیں کہ خدا نے میری دعا سن لی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام شمعون تھا۔ بالآخر اشموئیل یا شمعون نے بہترین تربیت پائی۔ علوم توریت حاصل کئے اور بالغ ہونے کے بعد خلعت نبوت سے اس کو سرفراز کیا گیا۔ حضرت شموئیل نے دعوت توحید دینی شروع کی اور لوگوں کو توریت کے اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کی۔ بنی اسرائیل نے ان کی تکذیب کی اور کہنے لگے تم نے نبوت کے دعوے میں بہت جلدی کی۔ قبل از وقت دعویٰ کر دیا۔ ابھی تم نبی نہیں ہوئے ہو۔ اور اگر تم واقع میں نبی ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرو، جس کی زیر قیادت ہم دشمن پر غالب آئیں۔ اس درخواست کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کا تقرر نبی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ بادشاہ کی حکومت پر دنیا متفق ہوتی تھی اور بادشاہ نبی کا فرمانبردار ہوتا تھا۔ ایک شخص نبی بھی اور بادشاہ نہ ہوتا تھا۔ لاوی بن یعقوب کی اولاد میں نبوت ہوا کرتی تھی اور یہود ابن یعقوب کی اولاد میں سلطنت۔ جب تم نے حضرت شموئیل سے بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تو حضرت شموئیل نے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور دشمنوں کی مدافعت تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم انحراف کر جاؤ۔ سب لوگوں نے پختہ عہد کر لیا۔ حضرت شموئیل بادشاہ کی تلاش میں نکلے۔ ان کے پاس ایک لاٹھی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ اتنا دراز قد اگر تم کو مل جائے تو اسی کو بادشاہ بنالو۔ چنانچہ بڑی تلاش کے بعد بنیامین بن یعقوب کی نسل میں ایک شخص شاؤل نامی

ط اسی کو عربی میں طالوت کہا جاتا ہے۔ یہ قوم کا موچی یا سقا یا چرواہا تھا لیکن نہایت تندرست تن آور اور قوی الجثہ اور تمام بنی اسرائیل سے زائد ذی علم تھا۔ حضرت شموئیل نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل بولے کہ یہ تو نہ انبیاء کی نسل سے ہے نہ سلاطین کی نسل سے نہ لاوی کی اولاد سے ہے نہ یہودا کی اولاد سے پھر ہم اس کو کس طرح بادشاہ تسلیم کرلیں۔ ہم بادشاہت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شخص ذلیل قوم کا بھی ہے اور بالکل نادار ہے۔ نہ اس کے پاس نسلی شرافت ہے کہ اپنی خاندانی وجاہت سے لوگوں کو قابو میں لے آئے۔ نہ مال ہی ہے کہ روپیہ دے کر رعایا کو مسخر کر سکے۔ شموئیل بولے کہ لوگو! کیا خدا کے انعام میں تمہارا ٹھیک ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور طالوت تو تم سے قد آور اور طاقت ور بھی ہے علم میں بھی تم سے زائد ہے۔ پھر بادشاہ کے لئے اور کس بات کی ضرورت ہے اور اگر اب بھی تم کو اس کی بادشاہت میں کچھ شبہ ہے اور خیال کرتے ہو کہ میں نے اپنی طرف سے اس کو بادشاہ بنایا ہے خدا نے اس کو مقرر نہیں کیا ہے تو اس کے ثبوت میں میں کہتا ہوں کہ وہ تابوت جو دشمن تم سے چھین کر لے گئے ہیں طالوت اس کو لے آئے گا اس شرط پر سب رضامند ہو گئے۔ چنانچہ طالوت اس متبرک صندوق کی تلاش میں بحکم پیغمبر چل دیا اور جنگل میں ایک بیل گاڑی پر اس کو آتا ہوا دیکھا کیونکہ دشمنوں کے واسطے وہ تابوت منحوس ثابت ہوا تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ نحوست بنی اسرائیل میں ہی پھیلانا چاہیئے۔ اس لئے ایک گاڑی پر صندوق کو رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا تھا۔ طالوت اس صندوق کو لے آیا اور قوم نے اس کی سلطنت تسلیم کرلی۔ طالوت نے لشکر جمع کیا اور تین لاکھ یا ایک لاکھ یا اسی ہزار یا ستر ہزار بہر حال ایک جرار فوج لے کر عمالقہ سے مقابلہ کرنے کے لئے چل دیا۔ حضرت شموئیل نے طالوت سے کہا کہ یہ لوگ تعداد میں تو بہت ہیں لیکن حکم الٰہی ہے کہ ان کی آزمائش کی جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون شخص عہد کی پابندی کرنے والا اور مصائب پر صبر کرنے والا ہے اور کون شخص عہد شکن بزدل ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے حکم کے بموجب طالوت نے قوم سے کہا کہ بھائیو! راستہ میں دریائے شاروق آنے والا ہے اور تم کو پیاس کی شدت ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص ایک چلو سے زائد پانی نہ پیئے۔ اگر کوئی اس سے زائد پیئے گا تو میرے ساتھ سے رہ جائے گا اور میری قوم سے بھی خارج سمجھا جائے گا۔ سب نے وعدہ کرلیا۔ طالوت فوج کو آگے بڑھائے چلے۔ جب دریائے شاروق سے عبور کا موقع آیا تو سوائے تین سو دس آدمیوں کے کوئی صبر نہ کرسکا سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچے تو کہنے لگے اب تو ہم میں جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے ہم اس سے نہیں لڑ سکتے۔ لیکن تعمیل احکام کرنے والی قلیل جماعت بولی کہ آدمیوں کی کثرت اور قوت پر فتح و ظفر موقوف نہیں ہے بلکہ خدا کی امداد پر موقوف ہے۔ بہت سی قلیل تعداد کثیر جماعت پر بحکم الٰہی غالب ہوجاتی ہے۔ لیکن ان عہد شکن بزدلوں نے ایک نہ مانی اور بالآخر طالوت کو قلیل جماعت کے ہمراہ چھوڑ دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں میں جتنے آدمی باقی تھے وہ سب پکے مومن اور صابر تھے۔ لیکن پھر بھی طالوت کو خیال ہوا کہ جماعت قلیل ہے کسی طرح ان کو جرأت دلائی جائے تاکہ ہر شخص جاں نثاری کے لئے تیار ہوجائے۔ چنانچہ قوم میں اعلان کردیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کردوں گا۔ لیکن اس اعلان کے باوجود کسی کو قتل جالوت کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ جالوت بڑا دیو ہیکل انسان تھا۔ اس کے علاوہ فاتح قوم کا بادشاہ تھا۔ بالآخر حضرت شموئیل سے درخواست کی کہ آپ دعا کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ جالوت کو کون شخص قتل کرے گا۔ حضرت شموئیل نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ ایشا کا ایک لڑکا جالوت کو قتل کرے گا۔ ایشا طالوت کے ہمراہیوں میں سے تھے اور ان کا سلسلۂ نسب یہودا ابن یعقوب سے ملتا تھا۔ یعنی ایشا ابن عوید بن عابر بن سلمون بن کیون بن عمران بن رام بن حصر بن فارص بن یہودا ابن یعقوب ایشا کے بارہ بیٹے تھے۔ گیارہ قد آور، خوش رو، طاقتور اور ایک کوتاہ قامت، ضعیف الجثہ۔ حضرت شموئیل نے ایشا کے بیٹوں کو طلب کیا۔ ایشا نے طاقتور بیٹوں کو پیش کردیا اور کمزور بیٹے کو عار کی وجہ سے پیش نہ کیا۔ حضرت شموئیل نے فرمایا ان میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے بارھویں بیٹے کو لاؤ۔ چنانچہ ایشا نے داؤد کو پیش کیا۔ حضرت شموئیل نے کہا ہاں یہی شخص قتل کرے گا۔ پھر اپنے ہاتھ سے حضرت داؤد کو زرہ پہنائی اور جنگ کے لئے بھیج دیا۔ حضرت داؤد نے چلتے میں چند پتھر اٹھا کر اپنے توبرہ میں رکھ لئے اور گوپھن لے کر چل دیئے۔ جب جالوت کی فوج کے مقابل طالوت کی فوج نے صف بندی کی اور جالوت میدان میں نکل آیا اور اپنا حریف طلب کیا تو حضرت داؤد اس سے لڑنے چلے۔ پتھروں کی جھولی گلے میں ڈالی اور گوپھن ہاتھ میں لی۔ امداد الٰہی کے بھروسہ پر نہایت جرأت و ہمت سے چل دیئے اور جالوت کے مقابلہ پر جاکر کھڑے ہوگئے اور ایک پتھر گوپھن میں رکھ کر ایسا کھینچ کر مارا کہ جالوت کے خود پر پڑا اور دماغ کو پاش پاش کرتا ہوا نکل گیا فوج میں اس کے دیکھتے ہی متفرق ہوگئے اور جالوت کے علاوہ تقریباً پچیس تیس اس سے مقتول ہوئے۔ طالوت کی فوج کو فتح ہوگئی اور بالآخر چالیس سال سلطنت کرنے کے بعد طالوت کا انتقال ہوگیا اور حضرت داؤد بادشاہ بنائے گئے اور یہی سب سے پہلے شخص ہیں کہ بنی اسرائیل کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اب ہم ۹۱ ویں آیت

کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اے نبی کیا آپ کو اس اسرائیلی جماعت کے قصہ کا علم نہیں جو موسیٰ کے بعد ہوئی تھی۔ کیا اس جماعت کا قصہ کچھ کم تعجب انگیز ہے۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ انھوں نے اپنے نبی یعنی شموئیل سے کہا تھا کہ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ - ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کے زیر قیادت راہِ خدا میں دشمنوں سے جنگ کریں اور وہ ہمارا ملکی، سیاسی اور جنگی انتظام کرے۔ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا نبی نے فرمایا تمہاری حالت کو دیکھ کر تو یہ امید ہوتی ہے کہ اگر بادشاہ مقرر کر دیا گیا اور تم پر جہاد فرض ہو گیا تو راہِ خدا میں قتال نہیں کرو گے اور بزدلی کر کے بیٹھ رہو گے۔ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تو قوم کہنے لگی یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم جہاد نہیں کریں گے آخر ہمارے جہاد نہ کرنے اور بیٹھ رہنے کا کیا سبب ہے اور کیا وجہ کہ ہم راہِ خدا میں قتل نہ کریں وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا حالانکہ دشمنوں نے ہم کو ہمارے وطن سے نکالا۔ ہمارے بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے اور اولاد سے ہم کو جدا کیا۔ ہم خود دشمنوں پر دانت پیسے بیٹھے ہیں۔ یعنی علاوہ حکم خدا کی تعمیل کے ہمارے جذباتِ انتقام بھی جہاد پر ہم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جذبات کی وجہ سے ہم دشمنوں سے لڑنے پر مجبور ہیں۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ بالآخر ان کا بادشاہ (طالوت) کو مقرر کر دیا گیا اور جہاد کا وجوبی حکم ان کو دے دیا گیا۔ لیکن حکمِ جہاد کے بعد سوا بعض کے اکثر لوگ اپنے عہد و میثاق سے انحراف کر گئے (طالوت کے ساتھ سے رہ گئے یہ قصہ آئندہ آیات میں آتا ہے) اپنے پیمان سے پھر گئے۔ جہاد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ اور خدا تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ضرور ان کو سزا دے گا۔

مقصودِ بیان ملکی انتظام، سیاستِ عامہ، دشمنوں کی مدافعت، مفسدوں کی بیخ کنی اور امنِ عام کی حفاظت کے لیے بادشاہ کا ہونا ضروری ہے۔ بادشاہ کا انتخاب، قابلیت اور جواہرِ حکومت کے لحاظ سے ہونا چاہئے، وطن اور اہل و عیال سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے۔ اعدائے وطن اور دشمنانِ اولاد کی مدافعت کے لئے آدمی کے جذباتِ انتقام برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ انسان کی دماغی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی، ایک وقت غیر معمولی جرأت یا فطری سہل انگاری کی وجہ سے ایک چیز کو آسان جانتا ہے اور اسی کا طالب ہوتا ہے لیکن جب وہ چیز آپڑتی ہے تو ڈر کر اس سے بھاگتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ

اور ان کے نبی نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے کہنے لگے اس کی ہم پر کیسے

الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

سلطنت ہو سکتی ہے ہم اس کی حکومت کے زیادہ قابل ہیں اس کو تو کچھ مالی وسعت بھی میسر نہیں

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ

نبی نے کہا خدا تعالیٰ نے اس کو تم پر فوقیت عطا کی ہے اور عقل و جسم میں اس کو زیادتی مرحمت کی ہے اور اللہ اپنا ملک

مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○

جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا وسیع الرحمت اور دانا ہے

تفسیر جب بنی اسرائیل نے بادشاہ کے تقرر کی اصرار کے ساتھ درخواست کی اور جہاد کرنے کی خود رغبت ظاہر کی تو حضرت شموئیل یا شمعون نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے، تم اس کی بیعت کر لو۔ قَالُوْٓا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

کہنے لگے اس کو ہم پر حکومت و بادشاہت کیسے ہو سکتی ہے وہ خاندان نبوت کے ذریات سے نہیں اور نہ اسباب سلطنت سے ہے۔ ذلیل قوم کا آدمی ہے۔ ہم ہی ہے، چلا ایسے انتظام سلطنت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ اور اس کو وسعت مال اور دولتمندی ہی حاصل ہے کہ مال و زر اس کی حکمرانی میں مددگار بن سکے اور مال خرچ کر کے وہ انتظام ملک و سیاست کر سکے۔ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ نبی نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو تم پر برتری اور شرافت عطا کی ہے۔ بادشاہ بننے کا وہی لائق ہے کیونکہ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اس کو قوت جسمانی اور وسعت علم حاصل ہے۔ قوی ہیکل اور شاندار آدمی ہے۔ فنون حرب میں تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں۔ خدا کے انعام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ خدا تعالیٰ کا علم کامل اور فضل وسیع ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ ہر شخص کی لیاقت و استحقاق کا اس کو علم ہے اور اس کے انعام کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ جو مستحق ہوتا ہے اس کو انعام بھی پہنچتا ہے شرافت نسبی، پیشہ کی بزرگی اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی کے استحقاق میں دخل نہیں ہے۔

مقصود بیان انسان اپنی مادی سرشت کے اعتبار سے دوسروں پر بزرگی اور تفوق کا خواہاں ہوتا ہے۔ اگر اکتسابی فضیلت اور حاصل کردہ علوم و فنون سے بہرہ ور ہو تو پھر شرافت نسبی ہی کو اپنی فضیلت و تفوق کا سبب قرار دیتا ہے۔ جسمانی تندرستی، بلند قامتی اور دماغی آسائش یعنی وسعت علم خدا کے تمام انعامات کے سرچشمے ہیں اور انہی کے تفاوت سے انسانوں کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے۔ امتیاز نسلی، پیشہ کی بزرگی اور دولتمندی کو فضیلت انسانی میں دخل نہیں ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ

اور اُن کے نبی نے ان سے کہا اُس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں اللہ کی جانب سے تسکین

رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ط

اور نسل موسیٰ و ہارون کے بقیہ تبرکات ہوں گے اور اس کو فرشتے اٹھا لائیں گے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ع

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے

تفسیر بالآخر جب بنی اسرائیل نے طالوت کی حکومت تسلیم کر لی اور طالوت کی لیاقت کا کوئی امتیازی ثبوت طلب کیا تو پیغمبر نے فرمایا کہ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ اس کی حکومت و سلطنت کا ثبوت اور لیاقت و استعداد کی علامت یہ ہے کہ تابوت تمہارے پاس آ جائے گا یعنی وہ صندوق تم کو مل جائے گا جو جالوت تم سے چھین کر لے گیا ہے فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جس کے اندر وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ نے تمہارے لئے اطمینان قلب اور سکون خاطر کا ذریعہ بنایا ہے اور جس کو سامنے رکھ کر تم دشمنوں سے لڑتے تھے تو تم کو گھبراہٹ نہ ہوتی تھی۔ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ اور جس کے اندر موسیٰ اور ہارون کے تبرکات موجود ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ کی لاٹھی، حضرت ہارون کا عمامہ یا جبہ، توریت کا نسخہ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ اب تم اگر یہ خیال کرو کہ طالوت اس کو بغیر جنگ کے کیسے لے کر آئے گا تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ فرشتے خود اٹھا کر لاتے ہوں گے اور طالوت کے حوالے کر دیں گے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اس تابوت کے مل جانے میں تمہارے لئے طالوت کی سلطنت برحق ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے جس صندوق کو تم اس قدر کثیر جماعت ہونے کے باوجود حاصل نہ کر سکے وہ تنہا طالوت لے آئے گا اب تم کو یقین رکھنا چاہئے کہ طالوت کو خدا ہی نے بادشاہ مقرر کیا ہے جب ہی اس کے لئے یہ اسباب مہیا کر دے گا

مقصود بیان

بزرگوں کے تبرکات بھی بہت باوقعت اور قابلِ عظمت چیزیں ہیں۔ اُن کو عظمت و تقدس کی نظر سے دیکھنا جائز ہے۔ کسی خارقِ عادت اور عاجز کُن فعل کا اظہار انسان کی فضیلت و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ مقابلہ کے وقت آگے بڑھنے سے ہی آدمی کا جوہرِ کمال ظاہر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ احکام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے اسباب بھی ویسے ہی فراہم کر دیتا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

غرض جب جالوت فوجیں لے کر چل دیا تو اس نے کہا کہ لوگو! ایک نہر کے ذریعہ سے اللہ تمہاری آزمائش کرے گا جو شخص اس کے پانی

مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً

کو پئے گا وہ میرے گروہ میں سے نہ ہوگا اور جو اُس کو نہ پئے گا وہ میرے گروہ میں سے ہوگا ہاں جو اپنے ہاتھ کا چلو بھر لے گا (تو کوئی حرج نہیں)

بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

غرض چند لوگوں کے علاوہ سب نے پانی پی لیا پھر جب طالوت مومنوں کو ہمراہ لے کر نہر سے آگے

مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

بڑھا تو کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اُس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ خدا کو منہ دکھانا ہے

مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

انھوں نے کہا کہ بسا اوقات چھوٹا گروہ خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگیا ہے۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اور اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ: آخر طالوت کو سب نے بادشاہ مان لیا۔ طالوت اس صندوق کو بھی لے آیا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے فوج بھی جمع کر لی اور سب فوجی اس کے ساتھ چلنے کو بھی تیار ہو گئے اور طالوت سب کو اپنی زیر کمان لے کر چل بھی دیا۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ تو طالوت نے کہا کہ آگے دریائے شاروق آئے گا۔ تم کو پیاس کی شدت ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ تمہارے صبر و استقلال اور تحمل مصائب کی آزمائش کرنی چاہتا ہے تم وہاں پانی نہ پینا فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ کیونکہ جو شخص اس دریا کا پانی پئے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔ میرے ہمراہیوں سے خارج سمجھا جائے گا وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ اور جو شخص وہاں کا پانی بالکل نہ چکھے گا وہ ضرور میرا ہے اور میرا ساتھی ہونے کا مستحق ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ہاں وہ بھی میرا ہمراہی ہے جو اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلو پانی لے کر پی لے زیادہ نہ پئے۔ لیکن اکثر لوگوں نے طالوت کے حکم کی خلاف ورزی کی اور فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا سوائے بعض کے سب نے خوب سیر ہو کر پیا فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نتیجہ یہ ہوا کہ طالوت جب اپنے ہمراہیوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے دشمن سے لڑنے کا قول و قرار کیا تھا لے کر دریا کے پار پہنچا تو قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اکثر لوگ کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت کے اور اُس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ ہم تو آگے نہیں بڑھ سکتے لیکن قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ

أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ جن لوگوں کا یقین کامل خدا پر تھا اور ان کا دل سے ایمان تھا کہ ہم کو مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے۔ یعنی جن لوگوں نے طالوت کے حکم کی اطاعت کی تھی انھوں نے کہا کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت مقابلہ کے وقت بحکم الٰہی بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے لہٰذا ہم کو بھی یقین ہے کہ ہم دشمن پر غالب آئیں گے اگرچہ ہماری جماعت صرف تین سو دس آدمیوں کی ہے ہم کو ان بےدل عہد شکنوں کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو ان کو چھوڑ دو۔

مقصود بیان ہوا و ہوس کو بالکل ترک کر دینے والے خدا کے خالص بندے ہیں اور اگر دنیوی آلائش میں کسی قدر آلودہ بھی ہو جائیں تب بھی غنیمت ہے۔ نجات کی امید اور منزل مقصود پر پہنچنے کا خیال ہو سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ ہوا و ہوس اور دنیوی لذت میں غرق ہیں احکم الحاکمین کی طرف سے ان کے دلوں پر قفل لگے ہیں وہ کبھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اور کبھی ان کو نجات نہیں مل سکتی۔ صبر و استقامت اور تحمل مصائب انسان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔ وغیرہ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلے تو دعا کی پروردگار ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے قدم جمائے رکھ

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ قف وَقَتَلَ دَاوٗدُ

اور ہم کو کافروں پر فتح عنایت کر بالآخر انھوں نے کافروں کو بحکم خدا شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو

جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ

قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو حکومت اور نبوت عطا کی اور جو چاہا اُن کو سکھا دیا۔

تفسیر بالآخر بزدلوں کو چھوڑ کر یہ صادق الیقین جان فروش جماعت آگے بڑھ گئی اور جالوت کے مقابلہ پر پہنچ گئی۔ جب جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ میں جا کر میدان میں یہ لوگ کھڑے ہوئے اور صف بندی ہو گئی تو اس وقت ان مومنوں نے خدا سے صبر و استقامت اور فتح و نصرت کی دعا کی اور قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا کہنے لگے الٰہی ہم پر اپنی صبر کی بارش کر وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے قدم کافروں کے مقابلہ میں جما دے یعنی ہمارے دلوں میں جرأت پیدا کر دے کہ ہم کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں راہ فرار اختیار نہ کریں وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہم کو جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ میں ظفریاب کر دے۔ اس استقامت، صبر، جاں نثاری اور صدق یقین کا نتیجہ کیا ہوا کہ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ان مومنوں نے جالوت کی فوج کو مار بھگایا اور حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ اور خدا نے حضرت شموئیل اور طالوت کی وفات کے بعد حکومت اور نبوت دونوں حضرت داؤد کو عطا فرما دیں۔ حالانکہ حضرت داؤد سے قبل ایک شخص کو مجموعی طور پر دونوں نعمتوں سے خدا تعالیٰ نے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی شخص نبی بھی ہو اور بادشاہ بھی وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور مذکورہ انعام کے علاوہ حضرت داؤد کو خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت کے موافق کچھ علوم اور بھی خصوصیت کے ساتھ عطا فرمائے۔ مثلاً زرہ بنانا، پرندوں کی بولی سمجھنا، توریت کو لحن سے پڑھنا۔

مقصود بیان صبر و استقامت کی تعلیم، راہ خدا میں جان فروشی اور ایثار کرنے کی تلقین۔ خدا پر بھروسہ کرنے اور مصائب میں اسی سے دعا و التجا کرنے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ فتح و ظفر خدا کے دست قدرت میں ہے۔ مادی طاقت کی کمی و بیشی پر شکست و فتح موقوف نہیں۔ جذبات ایثار اور جرأت و ہمت انسان کا فرض ہے ۝

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے امیر مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

جو شخص خدا پر بھروسہ کر کے اس کی راہ میں ایثارِ نفس اور قربانی کرتا ہے خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات سے اس کو سرفراز فرماتا ہے دنیوی حکومت اور دشمنوں پر کامیابی بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دنیوی فنون و علوم بھی خداداد انعام ہے وغیرہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ

اور اگر اللہ بعض لوگوں سے بعض کو دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے مگر اللہ

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے یہ اللہ کی قدرت کی سچی نشانیاں ہیں کہ ہم تمہیں پڑھ کر

بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

سناتے ہیں اور بیشک تم ضرور پیغمبروں میں سے ہو

تفسیر اس آیت میں جہاد کا فائدہ اور حکمت بیان کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ جہاد سے عالم میں خونریزی اور فساد ہوتا ہے اور انسان کے محترم خون کا بہانا اور زمین پر فساد کرنا کونسا مصلحت آمیز فعل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو پست نہ کرتا تو ملک کا انتظام بگڑ جاتا۔ انتظام عالم ہی اس پر وابستہ ہے کہ آج ایک قوم غالب اور برسرِ حکومت ہے تو کل دوسری قوم۔ جو لوگ خدا کے سچے فرمانبردار اور عدالتِ الٰہی کو اس کے بندوں پر قائم کرنے والے ہیں، قانونِ انصاف پر عمل کرنے والے ہیں وہ حاکم ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ عدل پرستی اور انصاف شعاری چھوڑ دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی زمین کی حکومت کے لئے دوسری قوم کو منتخب فرما لیتا ہے اور اسی طرح نظامِ عالم قائم ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ اس نظم میں خرابی پیدا ہو کیونکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر ہمیشہ مہربانی کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ امنِ عام میں فساد پیدا ہو جائے۔ جب کوئی قوم سرکشی طغیان اور ظلم و ستم کرنے لگتی ہے تو خدا تعالیٰ امنِ عام اور نظمِ عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری عادل قوم کو اس کا جانشین بنا دیتا ہے اور یونہی اس عالم کا انتظام درست رکھتا ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی طالوت و جالوت کا قصہ گنہگاروں اور ظالموں کی تباہی نیکوکاروں اور ایماندار منصفوں کی فتح یہ خدا کی طرف سے آیات ہیں۔ اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیا کریں۔ لہٰذا یہ اعتراض لغو ہے کہ انبیاء کا کام لڑائی نہیں بلکہ اصلاحِ اخلاق و درستگی اعمال ہے۔ کیونکہ انبیاء کا کام یہ ہے کہ وہ قوانین دنیا والوں کے واسطے جاری کریں جن سے امنِ عام ہو اور مفسدوں کی شرارت کی بیخ کنی ہو۔ خدا کی زمین پر فساد نہ ہو، کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور آپ بھی نبی ہیں لہٰذا آپ کا فرض بھی یہی ہے کہ قانونِ عدل کا اجراء کریں اور اس کا اجراء بغیر جہاد کے ہو نہیں سکتا اس لئے اشاعتِ اسلام کے لئے جہاد ایک ضروری چیز ہے۔

مقصودِ بیان اعلانِ توحید کے لئے جہاد کی ضرورت اور اشاعتِ اسلام کے لئے مدافعتِ اعداء کی اہمیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرسل ہونا اور مرسلین کے طریقہ پر چلنے کی صراحت، گزشتہ انبیاء کے جہاد کرنے کی تصریح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اسی سنتِ فطریہ پر چلنے کی طرف اشارہ۔

※

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۳

تِلْكَ الرُّسُلُ

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلّامہ مولانا سید عبد الدائم جلالی

پبلشر

پوسٹ بکس ۱۲۰۶ سوئیوالان ۱۵۶۵ نئی دہلی ۲

پارہ سوئم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

ان رسولوں میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے تو اللہ نے کلام کیا اور کسی کے مراتب

دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ

بلند کئے اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کو قوت بھی دی اور اگر

اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے جو ان کے بعد تھے کیونکہ ان کو کھلی کھلی نشانیاں پہنچ چکی تھیں لیکن ان

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا

میں پھوٹ پڑ گئی تو کوئی ان میں سے ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ ع

مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں مختلف انبیاء کا ذکر آیا تھا اور مفسد طبقہ کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ ان آیات میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ شر و فساد کو دفع کرنے والا انبیاء ہی کا گروہ ہے۔ ہر نبی نے اپنے زمانہ میں شر و فساد کی بیخ کنی کی ہے اور ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے جداگانہ خصوصیت عطا فرمائی تھی اور اس امتیاز خصوصی کی وجہ سے ان کے مراتب میں باہم اختلاف تھا۔ کوئی کسی قسم کی فضیلت رکھتا تھا کوئی کسی قسم کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام انبیاء خدا کے پیغمبر تھے اور ہم نے بعض کو بعض پر (خصوصی امتیاز دے کر) فضیلت عطا فرمائی تھی۔ بسلسلۂ انبیاء چونکہ غیر محدود ہے سب کا تذکرہ موجب طوالت تھا اس لئے بنی اسرائیل کے سرگروہ حضرت موسیٰ کا اور بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی یعنی حضرت عیسیٰ کا اور افضل البشر حضرت خاتم الانبیاء کا آئندہ آیات میں ذکر کرنا کافی سمجھا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ مذکورہ رسولوں میں سے ایک رسول تو وہ تھے جن سے خدا تعالیٰ نے بغیر وساطت فرشتہ کے کلام کیا تھا اور شرف خطاب ان کو عطا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اور ایک وہ تھے جن کے درجات دیگر انبیاء سے بہت زیادہ بلند کئے ان کو خاتم انبیاء اشرف البشر اور رسول مطلق بنایا۔ ان کی دعوتِ اسلام قیامت تک تمام لوگوں کے لئے عام کر دی۔ کسی خاندان، کسی قوم یا کسی ملک کی خصوصیت نہ تھی بلکہ ہر ایک کو دین محمدی میں داخل ہونا ضروری قرار دیا۔ دیگر انبیاء سے معجزات بھی ان کو زیادہ عطا کئے۔ شق القمر اگرچہ ستون، جمادات اور بہائم کا سلام، ابر کا سایہ لگن ہونا، درختوں کا بولنا وغیرہ ان کو معجزات عطا فرمائے اور سب سے بڑھ کر واضح اور خصوصی معجزہ قرآن پاک ان کو مرحمت کیا۔ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ اور اسرائیلی انبیاء کے آخر میں عیسیٰ کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کو کھلے کھلے عام فہم معجزات عطا کئے۔ اندھا اور نابینا کو اچھا کرنا، مردہ کو زندہ کرنا، مٹی سے پرند بنا کر شفایاب کرنا وغیرہ یہ کھلے کھلے اور واضح آیات و علامات ان کی رسالت کی رسالت کے قرار دئے اور فقط یہی نہیں بلکہ ایک امتیاز روح القدس ان کو اور عطا کیا کہ

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ جبرئیل کو اُن کی امداد کے لئے مامور کیا۔ جہاں عیسیٰ بن مریم جاتے تھے جبرئیل اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ ان سب لوگوں نے الٰہی دنیا میں ہدایت پھیلائی، شر و فساد کا استیصال کیا، اشاعتِ توحید میں جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ حاصل یہ کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء ہدایتِ خلق پر مامور ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو ہدایت کی اور معجزات دکھا کر راہِ توحید پر لائے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر خدا تعالیٰ سب لوگوں کو ہدایت کرنی اور راہِ توحید پر لانا چاہتا تو سب توحید و ہدایت پر قائم رہتے اور مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ انبیاء کے بعد آنے والے لوگ یعنی اُن کے اُمتی باہم اختلاف اور قتل و خونریزی نہ کرتے۔ سب اپنے نبی کی تعلیم پر قائم رہتے۔ کیونکہ نبی کے ذریعہ سے ان کو دلائلِ واضحہ تو مل ہی گئے تھے اور تعلیم رسول کی صداقت میں کوئی شبہ بھی نہ رہا تھا لیکن سب کو ہدایت کر دینا اور کافروں، گنہگاروں کا دنیا میں موجود نہ ہونا مصلحتِ الٰہی کے خلاف تھا اس لئے اس نے سب کو ہدایت نہ کی بلکہ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا انبیاء کے اُمتی وفاتِ انبیاء کے بعد دینی عقائد و اصول میں نیز دنیوی فوائد کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ لڑائی جھگڑے ہونے لگے اور قتل و خونریزی تک نوبت پہنچی۔ گویا ہدایت یافتہ فرقہ کی ٹکڑیاں ہو گئیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بعض لوگ اپنے ایمان پر قائم رہے اور جو کچھ نبی نے اُن کو تعلیم کیا تھا اس پر کاربند رہے وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ اور بعض لوگ کافر بن گئے۔ مثلاً عیسائی شروع میں موحد تھے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان میں اختلاف و تفرقہ ہو گیا۔ جو موحد فرقہ تھا اس کو تثلیثیوں نے قتل کر دیا۔ یہودیوں کی بھی یہی حالت ہوئی۔ حضرت عزیر اُن کی ہدایت کو آئے تھے۔ ان کو اکثر لوگ خدا کا بیٹا کہنے لگے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا لیکن اگر خدا چاہتا کہ وہ اختلاف و جدال باہم نہ کریں سب دینِ واحد پر قائم رہیں تو ایسا ہو جاتا۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ مگر خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے فعل میں دخل نہیں دے سکتا۔ اس کی مصلحت اسی میں تھی کہ یہ لوگ باہم جنگ و جدال کریں اور باہم اختلاف و تنازعہ پیدا کریں۔ اس کی مصلحت میں کون دخل دے سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت اور امتیازی خصوصیت کی وجہ سے مرتبہ کی بلندی، رسولِ اقدس فداہ ابی و امی کی فضیلتِ تامہ اور سید الانبیاء ہونے کی تصریح، دنیا میں کفر و گمراہی اور گناہ و ظلم کا ہونا خدا کی مشیت ہے لیکن مرضیِ الٰہی سے نہیں ہے۔ دنیا میں کفر و گناہ کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ تمام انبیاء کے اُمتیوں میں اصولِ دین اور عقائد کے اعتبار سے تفرقہ ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر اُمت میں کچھ لوگ ہدایت والے قائم رہے ہیں اور کچھ گمراہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اپنے ارادہ اور فعل میں مختارِ مطلق ہے۔ اُس کے ارادہ میں کوئی دخل دے سکتا ہے نہ فعل میں وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ

مسلمانو! ہماری دی ہوئی روزی میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے خرچ کرو جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی

فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

نہ دوستی نہ سفارش اور کافر اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں

تفسیر

نیرنگیِ بیان قرآن پاک کا ایک امتیازی وصف ہے۔ پہلے جہاد کا حکم دیا تھا۔ پھر وہ قصص بیان کئے جن سے جہاد کی طرف رغبت اور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ لیکن رغبت اور خواہش کے باوجود بعض لوگ ناداری اور مصارف کی کمی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان آیات میں راہِ خدا میں مال صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

مسلمانو! ہم نے جو تم کو اس قدر رزق اور مال عطا کیا ہے تم اس میں سے کچھ حصہ ہماری راہ میں دے دو۔ یعنی یہ سب کچھ خدا کا ہی دیا ہوا ہے تو کوئی دشوار بات نہیں بلکہ قرینِ انصاف یہ ہے کہ اُسی کے دیئے ہوئے مال میں سے تھوڑا سا ہی اس کی راہ میں خرچ کرو۔ سدی، سیوطی اور زمخشری وغیرہ کے نزدیک یہاں راہِ خدا میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ مراد ہے اور اکثر تابعین کے نزدیک اس سے مراد خیرات ہے۔ بعض کے نزدیک راہِ خدا میں دینا مطلق مراد ہے خواہ زکوٰۃ ہو

صدقہ ہو، نفل ہو، کچھ بھی ہو۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۔ یعنی اس دن کے آنے سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کرو جس روز کہ کوئی اپنا مالی عوض دے کر اپنی رہائی نہ کرا سکے گا۔ یعنی اس روز تمام مال بیکار رہے گا۔ اگر ایک گناہ کے بدلے میں انسان تمام روئے زمین کے خزانوں کو دینا چاہے گا تو قبول نہ ہوگا۔ اور نہ کسی کی دوستی اپنے دوست کے کام آئے گی۔ یعنی قیامت کے دن کوئی دوست دوسرے دوست کا عذاب اپنی گردن پر لینے کو تیار نہ ہوگا اور نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔ یعنی بغیر حکم الٰہی کے کوئی سفارش نہ کرے گا۔ جب نجات کے یہ تینوں راستے بند ہوں گے اور چوتھی صورت ناممکن ہی ہے کہ کوئی زبردستی عذابِ الٰہی سے بچا لے۔ لہٰذا تم کو اس روز کے آنے سے قبل ہی اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ راہِ خدا میں دینا چاہیئے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یعنی جو لوگ خداتعالیٰ کا یا فرائضِ اسلامی کا یا روزِ قیامت اور حساب کتاب وغیرہ کا انکار کرتے ہیں، وہ باطل کوش ہیں، ظالم ہیں، اس انکار کا وبال خود اٹھائیں گے۔ روزِ قیامت ضرور ہوگا اور اس روز کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔

مقصودِ بیان

زندگی میں خیرات کرنے کا حکم، لیکن اسراف اور کل مال کے خرچ کر ڈالنے کی ممانعت کی طرف لطیف اشارہ، اور اس امر کی صراحت کہ قیامت کے دن اپنے اعمال کے سوا نہ کسی کی دوستی کام آئے گی، نہ لاکھوں کروڑوں کی دولت اور نہ کسی کی شفاعت کافروں کو نجات دلا سکے گی۔ ہاں مسلمانوں کو صلحاء اور انبیاء کی شفاعت مفید ہوگی۔ لیکن یہ شفاعت بغیر اجازتِ الٰہی نہ ہوگی۔ آیت سے دو امر اور بھی واضح ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر شخص کی موت اس کے لئے ابتدائے قیامت ہے کیونکہ حکم دیا گیا کہ قیامت آنے سے قبل راہِ خدا میں خرچ کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی موت اُس کے لئے ابتدائے قیامت ہے۔ اگرچہ قیامتِ کبریٰ کا ایک دن مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر ہی حقیقی ظالم ہیں جن کی عدمِ نجات کی صراحت ہے۔ اگرچہ ہر گناہگار مسلمان بھی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور اس اعتبار سے وہ بھی ظالم ہے۔ لیکن کامل ظلم کے مرتکب کفار ہی ہیں کیونکہ سب سے بڑا گناہ اور ظلم شرک ہے۔ اس سے زیادہ اور ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ خداتعالیٰ کی ہستی اور توحید جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے اس کا انکار کیا جائے۔ وغیرہ

گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خداتعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مبعوث فرمائے جن میں سے حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضور خاتم الانبیاءؐ بھی تھے۔ ان پیغمبروں نے وحی ربانی کی تبلیغ اور توحید ذات و صفات کا جو تمام عقائدِ صحیحہ کا سرچشمہ ہے دنیا میں اعلان کیا اور اصولِ ہدایت میں سب نے باہم ایک دوسرے کی تائید کی۔ وہ اصولِ ہدایت جو عقائدِ صحیحہ کا سنگِ بنیاد ہیں، کیا ہیں؟ اُن کا بیان ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے۔ آیت الکرسی آیت قدسی صفات ہے۔ بروایت حضرت ابی بن کعب قرآن کی تمام آیات سے عظمت درجہ میں بڑھی ہوئی ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي

اللہ ہی معبود ہے اُس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں وہ غیر فانی ہے اور عالم کو قائم رکھنے والا ہے اس کو نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ

اور زمین میں ہے اسی کا ہے اس کی بلا اجازت اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے وہ آئندہ

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ

اور گزشتہ سب کو جانتا ہے اور اُس کے علم کے کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے اس کی

كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

سلطنت آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اور ان دونوں کی نگرانی اس پر گراں نہیں ہے اور وہ عالی مرتبہ اور عظیم القدر ہے

تفسیر اللہ یعنی ذات جامع الصفات واقع میں موجود ہے جو ہر صفت کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ لفظ اللہ منکرین کے لئے ضرب کاری ہے کیونکہ عالم ہستی میں اس کا وجود کا انکار ناممکن ہے۔ بلکہ اس کا مطلب اگر یہ کہا جائے کہ عالم کائنات میں سوائے اس کے کسی کا وجود اصلی اور حقیقی ہی نہیں ہے تو بجا نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ وہی موجود ہے سب معدوم ہیں۔ وہی ہست ہے سب نیست ہیں۔ وہی اصل ہے سب سایہ ہیں۔ ہو الکل، ہو ہو، چونکہ یہ مفہوم معمولی اور سطحی عقل رکھنے والوں کی سمجھ سے بالا تھا۔ اس لئے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی جامع الصفات ہے۔ عالم کائنات میں سوائے اس کے کوئی الوہیت رکھنے والا معبود نہیں۔ وہ معبودیت میں منفرد ہے۔ واحد قدوس ہے جو وحدت و تعدد سے بھی پاک ہے۔ بے مثل ہے یکتا یگانہ و فرد وحدہٗ لاشریک لہ ذلیت کامل اسی کے لئے ہے۔ اس کی ازلیت بلا سبب اور ابدیت بلا علت ہے۔ تمام صفاتِ نقصان سے منزہ ہے۔ اس کی توحید توحید سے بھی پاک ہے بس ھو ھو لا الٰہ الا ھو اس سے آگے توحید صفات کا بیان کیا گیا ہے۔

اَلْحَیُّ وہ زندہ ہے۔ تمام مخلوق کی زندگی اس کی حیات کا پرتو ہے۔ دائم البقاء ہے۔ لم یزل ولا یزال ہے۔ عالم میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ یتصرف کیف یشاء و یحکم ما یرید۔ اَلْقَیُّوْمُ خود بذات خود قائم ہے اور مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے۔ مخلوق اس کی وجہ سے موجود اور باقی ہے۔ الحی القیوم کے یہ معنی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے زندوں کا قیام ہے اور اس قیومیت سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ معدوم میں روح حیات ڈالنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اپنی ازلیت و ابدیت میں مستقل ہے اور مخلوق کی زندگی موت روزی اور اعمال یعنی ہر چیز کا قیام و انتظام اُسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ اُس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ یعنی اُس پر نہ اونگھ کا غلبہ ہو سکتا ہے نہ نیند کا۔ کیونکہ وہ قیوم مطلق ہے دنیا کا نظم و نسق اُسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ اگر سو جائے تو انتظام عالم درہم برہم ہو جائے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات کا وہی موجد ہے۔ سب اسی کے مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ قدرت کے زیر حکومت ہیں۔ کل عالم اسی کا مقہور و مملوک اور زیر نگیں ہے وہی سب کا خالق ہے، مربی ہے، قائم رکھنے والا ہے، اور بالآخر فنا کرنے والا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وہ مختار کل ہے۔ مالک الملک ہے، قہارِ مطلق اور واحد قدوس ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے گناہگاروں کی نجات کے لئے سفارش کر سکے۔ اگر انبیاء اولیاء وغیرہ شفاعت کریں گے بھی تو اسی کے حکم اور اسی کی اجازت سے ورنہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ خدا تعالیٰ کے نزدیک ماضی، حال اور استقبال سب برابر ہیں۔ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ خواہ بزرگ ہوں یا اُن کے پہلے واقعات ہوئے ہوں یا موجودہ زمانہ میں ہوں یا آئندہ کبھی ہوں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا و آخرت کا عالم ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم قدیم کامل طور پر تمام کائنات کا دنیا و دین میں احاطہ کرنے والا ہے۔ اُس پر عالم کا کوئی ذرہ مخفی نہیں۔ عالم واقع میں کوئی چیز جو ظاہر ہو یا پوشیدہ، کلی ہو یا جزوی، کہیں ہو اور کبھی ہو وہ جس طرح ہے خدا تعالیٰ اس کو ویسے ہی اُسی طرح جانتا ہے اور اس کا علم نفس الامر کے مطابق ہے۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ اور مخلوق اس کے علم کے کسی حصہ پر مطلع نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو علم خدا تعالیٰ خود اپنی طرف سے مرحمت کرنا چاہے اور جن چیزوں کی اطلاع خود دینی چاہے اُس پر مخلوق مطلع ہو سکتی ہے۔ گویا اصل یہ نکلا کہ بندوں کے پاس جو علم و اطلاع کے اسباب ہیں حواس ظاہری مشاعر باطنی اور عقل یہ سب تاثیر الٰہی کے بغیر اپنے فعل کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ خدا کی ذات و صفات کا علم بندوں کو صرف اتنا ہے جتنا اس نے خود رسولوں اور فرشتوں کے ذریعہ سے عطا فرما دیا۔ اس سے زائد اس کی ذاتِ مقدس اور صفاتِ کاملہ کا کسی کو علم نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا علم تمام آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ بعض لوگوں نے کرسی کے معنی قدرت اور عظمت بیان کئے ہیں۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور عظمت باہرہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُن کے وجود کو باقی رکھنے والی ہے۔ ان دونوں معانی کے علاوہ اور تمام تفسیروں میں رکیک تاویلوں کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے ہم نے ان کو نظر انداز کر دیا۔

میں جا پڑے تو ایسے کفروں کے دوست اور مددگار وہ لوگ ہیں جو خیالی باطل تصویروں پر ان کو فریفتہ کرتے ہیں اور ہدایت کی آنکھیں ان کو بیٹھنے نہ دیں اس کا سبب ہیں۔ آیت سے ذیل کے امور پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ایمان نور ہے اور کفر اندھیری اور سیاہی ہے۔ ایمان و اسلام کی طرف ترغیب کفر و شرک سے ترہیب اور ایمان باللہ پر نجات ابدی کا وعدہ وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ

(اے محمدؐ) کیا تم کو اس شخص کی حالت معلوم نہیں جس نے ابراہیم سے اللہ کے متعلق اس غرور پر حجت کی تھی کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی تھی جب ابراہیم نے

الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ

کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جیتا کرتا ہے اور مارتا ہے کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا تو اللہ سورج کو مشرق سے

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَۚ ۝

نکالتا ہے تو سورج کو مغرب سے نکال یہ سن کر وہ کافر ہو نچکا ہوگیا اور اللہ بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ مومنوں کو خدا تعالیٰ اپنی نصرت عنایت فرماتا ہے اور اسی کی توفیق سے ان کو نور ہدایت حاصل ہوتا ہے اور کافروں کو جہالت کی تاریکی میں ان کے پیشوا اور مقتدا ڈالتے ہیں اور راہ حق سے گمراہ کرتے ہیں۔ اب اس آیت میں حضرت ابراہیم اور نمرود کے مناظرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ گویا یہ آیت پہلی آیت کا ثبوت ہے۔ خدا نے ابراہیم کی مدد کی اور نمرود کے مددگاروں نے اس کو اور زیادہ گمراہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ غالب آگئے اور نمرود لاجواب ہوگیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اے نبی! کیا آپ کو اس شخص کا قصہ معلوم نہیں جس نے ابراہیمؑ سے اُن کے پروردگار کے متعلق مناظرہ کیا تھا اور مکابرہ کر کے غالب آنا چاہتا تھا۔ یہ شخص نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوح شاہ بابل تھا۔ یا نمرود بن فالخ بن عابر بن شالخ ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔ دنیا کے اکثر ممالک اس کے زیر نگیں تھے اس کی عمر چار سو سال تھی اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اس نے وجود الٰہی کا انکار صرف اس وجہ سے کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی تھی پس اس نے بجائے شکر و حمد کے برعکس تکبر و غرور کیا اور خدا بن بیٹھا اور لگا خدا کی ہستی کے متعلق جھگڑا کرنے اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ یعنی نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے سوال کیا کہ جب تم مجھے اپنا خدا اور پروردگار نہیں مانتے تو بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا میرا خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ زندگی اور موت اس کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ نمرود نے دو واجب القتل قیدیوں کو بلا کر ایک کو قتل کرا دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ پھر کہنے لگا یہ کیا بڑی بات ہے یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں بلکہ میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ جب حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کا یہ احمقانہ جواب سنا کہ میں کچھ اور کہتا ہوں یہ کچھ اور جواب دیتا ہے۔ میرا مدعا عدم سے وجود میں لانا اور وجود سے عدم میں لے جانا ہے اور یہ خواہ مخواہ کا جھگڑا کرتا ہے اور خدائی کے دعوے سے باز نہیں آتا تو پہلے اچھا اگر تم کو خدائی کا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ مشرق سے سورج نکالتا ہے تم مغرب سے نکالو۔ کیونکہ جو شخص زندہ کرنے اور مارنے پر قادر ہوگا وہ ضرور موجودات عالم میں بھی اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکتا ہے اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تم ہی مارتے اور زندہ کرتے ہو تو جو شخص مارتا اور جلاتا ہے وہی کائنات کے وجود اور نظام میں متصرف ہے اور اسی کے اختیار میں مخلوق کی ذات اور تسخیر کواکب اور سیاروں کی تمام حرکات ہیں۔ لہٰذا یہ آفتاب جو مشرق سے نکلتا اور مغرب میں ڈوبتا ہے اگر تمہارے ہی تصرف سے ایسا ہوتا ہے تو اس کو ذرا مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ یہ مسکت تقریر سن کر وہ کافر خدا کے وجود کا منکر متحیر اور لاجواب ہوگیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور کافروں کو راہ راست نہیں دکھاتا ہے۔ ان کے دل میں کوئی

حکمت و دلیل بھی انکار نہیں فرماتا ہے اور بالآخر یہی لاجواب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ حق پر باطل غالب نہیں آسکتا۔

مقصود بیان زندہ کرنا مارنا سورج کو مشرق سے نکال کر مغرب میں غروب کرنا یعنی کل نظام عالم خدا ہی کے دست قدرت میں ہے کوئی تمام قدرت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی مدد فرماتا ہے اور حقانیت سے ابھری ہوئی روشن دلیلیں ان کے دل میں ڈالتا ہے نظام کائنات وجود الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہو سکتا اور نظام مصنوعات کا باقاعدہ انتظام اور ایک ضابطے کے تحت قائم رہنا خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور پروردگاری کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تمام انتظام مخلوق کی پرورش کے لئے جاری ہے۔ انسان میں خدا تعالیٰ نے دونوں قوتیں کامل طور پر ودیعت رکھی ہیں۔ عقل و روحانیت اگر غالب ہوتی ہے اور بصیرت و دانش کا مادہ قوی ہوتا ہے تو آدمی بڑی سے بڑی مصیبت اور ہولناک خطرات سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ دنیا کی کوئی ملک یا مالی لالچ اس کو حقانیت سے روک سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے باوجود شدید خطرات کے حق سے منہ نہ موڑا اور اگر انسان کے حسیات، خیالات، جذبات اور تمام احساسی قوتوں پر تاریکی غالب ہوتی ہوئی بصیرت کو دبا دیتی ہے تو واضح ترین حق کا بھی اقرار نہیں کرتا بلکہ بصیرت فطری کے خلاف خدائی کے دعوے تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ نمرود نے حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں کیا آیات میں طالبان حق کے لئے ایک درس عبرت اور ذخیرۂ نصیحت ہے۔ اظہار حق میں بیباکی اور جرأت اختیار کرنے کی تعلیم ہے اور متکبر ترین بادشاہ کے سامنے بھی اخفائے حق نہ کرنے کا اشارہ ہے خصوصاً علماء اور اصحاب بصیرت کے لئے تو ایک خاص تلقین ایماء ہے کہ حق کو جاننے کے بعد کسی طاغوتی طاقت، جبروتی حکومت اور پرجلال سلطنت کی پرواہ نہ کرنا چاہئے اور اظہار حق میں کسی جابر ظالم اور پرشکوہ حاکم کا خوف نہ کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ

یا تم نے اُن جیسے (بزرگ کی حالت پر بھی کبھی غور کیا) جو ایک ویران بستی کی طرف سے گزرے اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی کہنے لگے اس بستی کو خدا اس کی

مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ

ویرانی کے بعد کس طرح زندہ کرے گا اس پر خدا نے ان کو سو سال کے لئے مردہ کر دیا پھر ان کو زندہ کر کے فرمایا تم کتنی دیر پڑے رہے بولے ایک دن یا

بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ

ایک دن سے کم اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ تم سو سال پڑے رہے اب تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ سڑن

يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ

تک نہیں اور اپنے گدھے کو بھی غور سے دیکھو اور ہم تم کو لوگوں کے لئے نمونۂ قدرت بنانا چاہتے ہیں اور اس کی ہڈیوں کو بھی

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

دیکھو کہ کس طرح ہم ان کو جنبش دینے کے بعد گوشت پہناتے ہیں پھر جب ان پر اس بات کی وضاحت ہو گئی بولے مجھ کو معلوم ہے کہ اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر ان آیات کی تفسیر لکھنے سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جو قصہ ان آیات میں مذکور ہے اس کو مختصر طور پر لکھ دیں تاکہ آیات کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چار سو سال قبل بنی اسرائیل نے حضرت شعیاء پیغمبر کو قتل کر ڈالا اور طرح طرح کے فسق و فجور اور کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے تو خدا تعالیٰ نے قانون قدرت کے مطابق بخت نصر شاہ بابل کو ان پر مسلط کر دیا۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی بیت المقدس کو بالکل تباہ کر دیا۔ مکانات کو مسمار کر دیا۔ بنی اسرائیل کی بستیاں بالکل برباد کر دیں۔ اور بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ایک حصہ کو اپنے ساتھ باندی غلام بنا کر لے گیا ایک حصہ کو قتل کر ڈالا اور تیسرے حصہ کو وہیں ملک شام میں خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جب بیت المقدس بالکل ویران ہوگیا تو ایک روز ادھر سے ایک اسرائیلی نبی کا گزر ہوا۔ راویوں میں اختلاف ہے کہ یہ کون نبی تھے۔ وہب بن منبہ اور عبد اللہ بن عبید کہتے ہیں کہ وہ ارمیا بن خلقیا یعنی خضر تھے بعض کہتے ہیں کہ حزقیل بن بوا تھے۔ مجاہد کی روایت میں ہے کہ کوئی اور اسرائیلی نیک شخص تھا پیغمبر نہ تھا لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر تھے۔ بہرحال نبی کا گزر جو اس ویران بستی کی طرف سے ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ شہر بالکل ویران پڑا ہے۔ مکانات کی دیواریں گر گئی ہیں اور چھتیں نیچے آگئی ہیں یہ تعجب سے بولے جانے یہ بستی خداوند تعالیٰ کیسے آباد کرے گا یہ تو بالکل ویران و تباہ حال پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ ایسی ویران بستیاں کو بھی آباد کر لیتا ہے لیکن جانے کیسے کرتا ہے۔ گویا انہوں نے صنعت و قدرت کے مشاہدہ کی خواہش کی۔ یہ اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ انگوروں اور انجیروں کی ٹوکری اور ایک پیالہ شراب پاس رکھی تھی اور سواری کا گدھا درخت سے بندھا تھا۔ یہ اپنے خیال میں غرق تھے کہ نیند آگئی اور خدا تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی۔ ادھر گدھا بھی مر گیا۔ اس کا گوشت پوست گل سڑ کر خاک ہوگیا صرف ہڈیاں صاف سپید باقی رہ گئیں۔ نبی اسی مردہ حالت میں ستر سال تک وہاں پڑے رہے۔ ستر سال کے بعد بخت نصر کا انتقال ہوگیا۔ گرفتار شدہ بنی اسرائیل کو رہائی ملی۔ وہ یا ان کی نسلیں پھر بابل اور اطراف شام سے آکر بیت المقدس میں آباد ہوگئیں اور آبادی کو بھی تیس سال ہوگئے اس وقت ان پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے مشاہدۂ قدرت کے لئے زندہ کیا اور بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ان کی آنکھوں کو قوت حیات عطا کی تاکہ وہ اپنی جدید زندگی کا بھی مشاہدہ کرسکیں۔ اس کے آگے جو قصہ ہوا اس کے سمجھنے میں کچھ دشواری نہیں ہے آیت سے خود واضح ہو جائے گا اس لئے ہم اس کو ترک کرتے ہیں اور آیت کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں خدا تعالیٰ کی صنعت، نظم کائنات اور شان ربوبیت کا اظہار کیا گیا تھا یہ آیت بھی اسی مقصد کی تائید میں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اے نبی! کیا آپ کو اس شخص کا بھی قصہ معلوم ہے جو ایک ویران بستی کی طرف سے گزرا تھا۔ جس کے مکانات کی چھتیں دیواروں کے گرنے کی وجہ سے نیچے آگئی تھیں یعنی کیا آپ کو عزیر کا قصہ معلوم ہے جن کا گزر بیت المقدس کی طرف سے ہوا تھا۔ گدھے پر سوار تھے۔ انجیروں کی ٹوکری اور شراب سے بھرا ہوا برتن ساتھ تھا۔ جب بیت المقدس کی طرف سے گزرے تو دیکھا کہ تمام بستی کے مکانات گر گئے ہیں۔ کیونکہ بخت نصر نے شہر کو تباہ و برباد کیا تھا تو اظہار تعجب اور قدرت الٰہی کے مشاہدہ کی خواہش کرتے ہوئے قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا بولے کہ خدا تعالیٰ اس ویران شدہ بستی کو پھر کس طرح اور کیونکر زندہ کرے گا۔ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ اور اسی حالت پر سو برس تک ان کو رکھا سو برس تک وہیں پڑے رہے ثُمَّ بَعَثَهٗ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ پھر ان کو زندہ کرکے دریافت فرمایا تم کتنی مدت تک یہاں رہے اور یہاں پڑے رہنے کی تمہاری کل مدت کتنی ہے قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ چونکہ حضرت عزیر دن کے ابتدائی حصہ میں سوئے تھے اور غروب آفتاب کے وقت زندہ کئے گئے اس لئے کہنے لگے میں یہاں پورا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم رہا ہوں۔ حضرت عزیز کا گمان ہوا کہ جس روز میں سویا تھا یہ وہی دن ہے۔ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ خدا تعالیٰ نے فرمایا نہیں تم ایک دن یہاں نہیں رہے بلکہ سو برس رہے ہو اور مردہ بے حس پڑے رہے ہو فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ باوجود اس قدر طویل مدت گزرنے کے بعد وہ بگڑی نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی وہی کیفیت باقی رکھی ہے جو سو برس پہلے تھی۔ اعمال انسانی کے حساب اور ان کی یادداشت کے لئے تمہارے لئے یہ آئینۂ بصیرت ہے۔ جو خدا سو برس تک انجیر اور شیرہ کو صحیح سالم بغیر کسی تغیر کے قائم رکھ سکتا ہے وہ انسان کو اس کے گزشتہ اعمال بھی قیامت میں بالکل ویسے ہی یاد دلا سکتا ہے جیسے اس نے کئے تھے تاکہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا کیا حال ہے۔ حضرت عزیز نے دیکھا کہ گدھے کی صرف ہڈیاں ہی باقی تھیں اور گوشت پوست سب گل کر خاک ہوگیا تھا ارشاد ہوا کہ یہ سب قدرت کا کرشمہ ہم نے تمہاری نظر کے سامنے پیش کیا تاکہ تم صنعت الٰہی کا مشاہدہ کرو اور اپنی آنکھوں سے قدرت الٰہی کا معائنہ کر لو اور یہ وجہ بھی ہے کہ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ کہ ہم تم کو حشر جسمانی کے ثبوت کے لئے لوگوں کے واسطے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یعنی لوگ تمہاری

کیفیت اور واقعہ کو دیکھ کر سمجھ لیں گے اور یقین کرلیں گے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ انسان کو دوبارہ پھر ویسے ہی زندہ کرسکتا ہے جس طرح وہ پہلے تھا اور تمام اعمال کا حساب کتاب بھی لے سکتا ہے اور انسان کو دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اپنے گزشتہ اعمال بھی یاد ہو سکتے ہیں وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا اور گدھے کی ہڈیاں دیکھو ہم کس طرح ان کو اکٹھا کرکے زندہ کرتے ہیں ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا پھر ہم ان مجتمع ہڈیوں کو گوشت پوست اور رگ پٹھوں کے لباس سے آراستہ کرکے ان میں جان ڈالتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیز نے حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر جان ڈال کر زندہ گدھا پیش نظر کردیا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ جب حضرت عزیز نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور مشاہدہ سے تمام کیفیت ان پر ظاہر ہوگئی تو کہنے لگے میں یقین رکھتا ہوں اور علم الیقین سے عین الیقین بلکہ حق الیقین کے درجہ پر پہنچ گیا اور آنکھوں سے معائنہ کرنے کے بعد خود اپنے اوپر اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ آزمایا کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے۔ بوسیدہ ہڈیوں کو پھر از سر نو زندہ کرکے ان کا حساب کتاب کرسکتا ہے اور حشر اجسام روز قیامت میں ضرور ہوگا۔ خدا کے نزدیک یہ کچھ دشوار نہیں ہے۔

مقصود بیان

مجاہدہ سے ایمان کی طرف، ایمان بالغیب سے معائنہ کی طرف اور معائنہ سے مشاہدہ اور وجدان کی طرف ترقی ہوسکتی ہے۔ پہلے انسان کو علم الیقین ہوتا ہے۔ اس کے بعد ترقی کرکے عین الیقین کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے حاصل ہوجانے کے بعد آخری درجہ حق الیقین کا ہے جس سے انسان مشاہدہ اور وجدان کی طرف ترقی کرسکتا ہے۔

مثلاً کسی صادق القول اور معتبر آدمی نے کہا کہ چھت کے نیچے جاکر حوض ہے تم جاکر وہاں پانی پی سکتے ہو اور پیاس بجھا سکتے ہو اور چونکہ یہ شخص قابل اعتماد تھا اس لئے اس کے کہنے سے حوض کا علم آگیا تو یہ علم الیقین اور ایمان بالغیب کا مرتبہ ہے۔ ہر مومن کو یہ حاصل ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر کسی نے خود جاکر حوض کو دیکھ لیا اور آنکھوں سے معائنہ کرلیا کہ حوض موجود ہے تو اس کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوگیا۔ گویا ایمان بالغیب سے ترقی کرکے معائنہ کے مرتبہ پر آدمی پہنچا۔ یہی قصہ حضرت عزیز کا ہوا ان کو ایمان بالغیب تھا وہ یقین رکھتے تھے کہ حشر جسمانی ضرور ہوگا اور اس مردہ بستی کو خدا ضرور زندہ کرسکتا ہے مگر معائنہ کے طالب ہوئے تو گدھے کو مار کر پھر ان کے سامنے زندہ کرکے دکھایا گیا۔ پھر اگر آدمی جاکر خود اس حوض سے پانی پی لے اور پیاس بجھا لے تو اب اس کو حق الیقین حاصل ہوجائے گا اور خود مشاہدہ کرلے گا اور بذات خاص اس کو پانی کا وجدان ہوگیا اور سیرابی کی لذت سے وہ خود آشنا ہوجائے گا۔ عزیز پر علم اور عین کے دونوں درجات تو گزر گئے تھے اب تیسرا مرتبہ ان کو مشاہدہ اور وجدان کا عطا کیا گیا کہ پہلے ان کی آنکھوں میں قوت حیات عطا کی گئی تاکہ وہ خود اپنی جسمانی ساخت کی تبدیلی اور اعضاء کی تازہ حیات مشاہدہ کرلیں۔ بالآخر جب سب مراتب ان کو حاصل ہوگئے تو انھوں نے اقرار کرلیا۔ اب مجھے مشاہدہ سے معلوم ہوگیا کہ خدا اب کچھ کرسکتا ہے۔ اگرچہ ان کو پہلے سے بھی یقین تھا۔ لیکن اس یقین اور راسخ یقین میں بڑا فرق ہے۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کو یقین کے تمام مراتب یکدم نہیں عطا کردئے جاتے ہیں بلکہ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف رفتہ رفتہ ترقی دی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں امور ذیل کی طرف لطیف اشارات فرمائے ہیں۔ حشر جسمانی اور حساب کتاب حق ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے جو چیزیں بہت جلد تغیر پذیر ہیں ان کو تغیر سے روک سکتا ہے اور جو چیز کم تغیر کو قبول کرتی ہے اس کو بہت جلد فنا کرسکتا ہے۔ یعنی موجودات عالم سب اسی کے اختیار کے زیر نگیں ہیں۔ یتصرف کیف یشاء ویحکم ما یرید۔ انسان پر لازم ہے کہ مجاہدۂ عقل کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کرکے اور پھر مصنوعات پر غور و فکر کرکے ایمانی مراتب میں ترقی کرتا جائے اور بالآخر قائل ہوجائے کہ ما عرفناک الا بنور معرفتک و ما عرفناک حق معرفتک ایمان بالغیب رکھنے والا مقام تحیر اور تعجب میں ہوسکتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کی صنعت کو دیکھ کر تعجب اور تحیر کرنا ایمان کے مخالف نہیں ہے۔

ایک امر یہ واضح ہوتا ہے کہ جس قدر ایمان کی روشنی میں اضافہ ہوتا جائے گا اور قرب الٰہی بڑھتا جائے گا، اتنا ہی ادب حاصل ہوتا جائے گا۔ وغیرہ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

اور جب ابراہیم نے کہا پروردگار مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا اللہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے ابراہیم نے کہا

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

یقین کیوں نہیں ہے میں دل کی تسکین چاہتا ہوں اللہ نے فرمایا تو چار پرندے لے اور اپنی طرف اُن کو ہلا لو پھر (کاٹ کر)

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ

ہر پہاڑ پر اُن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو اس کے بعد اُن کو آواز دو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ع

اور یقین رکھو کہ اللہ زبردست دانا ہے

تفسیر یہ آیات بھی سابق آیات کے مضمون کی تائید کر رہی ہیں۔ ان میں بھی شانِ ربوبیت اور قدرتِ اقدس کے کرشمے دکھا کر معلومات سے صانع کی طرف انتقال کرنے کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی! اس قصہ کو بھی یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے رب سے عرض کیا تھا الٰہی تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز حضرت ابراہیمؑ کا ایک مُردار جانور کی طرف سے گزر ہوا جو دریا کے کنارے پڑا تھا سمندر کی مچھلیاں بھی اس کو کھاتی تھیں اور صحرائی جانور بھی اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور شکاری پرندے بھی اس کا گوشت نوچتے تھے یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے تعجب کیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا الٰہی یہ تو مجھے یقین ہے کہ تو اس کے تمام اجزاء کو جمع کر کے پھر اس کو زندہ فرمائے گا۔ اس کے ذرات ہر جگہ سے اکٹھے کرے گا خواہ ہوا میں ہوں یا قعرِ سمندر میں یا روئے زمین پر۔ بہرحال تیری قدرت سے خارج نہیں ہو سکتے۔ لیکن مجھے دکھا دے کہ تو اس کو کس طرح زندہ کرتا ہے قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ خدا تعالیٰ نے فرمایا کیا تو میری قدرت پر ایمان نہیں لایا۔ کیا تجھ کو حشر اور بعثتِ جسمانی میں کچھ شک ہے۔ کیا تجھ کو یقین نہیں کہ اس کے اجزاء جمع کرنا اور پھر اس میں دوبارہ زندگی کی روح پھونکنا میری قدرت سے خارج نہیں ہے قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا میرا ایمان تو موجود ہے میں تیری قدرتِ کاملہ پر یقین رکھتا ہوں اور حشرِ جسمانی کی تصدیق کرتا ہوں۔ لیکن میری یہ درخواست صرف اطمینانِ قلبی یعنی ایمان بالمشاہدہ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے کیفیتِ احیاء کو دیکھنا چاہتا ہوں قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ خدا تعالیٰ نے فرمایا اگر اطمینانِ قلبی مقصود ہے اور مشاہدۂ قدرت کرنا چاہتے ہو تو چار پرندے پکڑ لو اور ان کو اپنے اوپر ہلا لو۔ پھر ان کا سر تو کاٹ کر اپنے ہاتھ میں رہنے دو اور باقی جسم کو خوب کوٹ کر قیمہ کر لو ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر سب کو ملا کر تھوڑا تھوڑا حصہ اپنے مقام کی مختلف پہاڑیوں پر رکھ دو ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا پھر ان کو علیحدہ آوازیں دو اور بلاؤ۔ یہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے۔ یعنی پروں کے اجزا باہم مل کر پر بن جائیں گے گوشت کے اجزا سے مکمل گوشت ہو جائیگا۔ اسی طرح ہڈی کھال پٹھے رگ وغیرہ درست ہو جائے گا اور ہر پرندہ تمہاری آواز پر لبیک کہتا ہوا بغیر سر کے پاؤں سے دوڑتا ہوا تمہارے پاس آ جائے گا اور اپنے سر سے آکر مل جائے گا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور جان لو کہ خدا تعالیٰ تمام عالم پر غالب ہے۔ اس کے تسلط و غلبہ سے کوئی چیز سرتابی نہیں کر سکتی۔ وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی صنعت حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے نزدیک حشرِ جسمانی دشوار نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکمِ الٰہی کے بموجب چار پرندے یعنی مور، مرغ، کبوتر اور کوا لے کر سب کو ریزہ ریزہ کر کے مختلف پہاڑیوں پر رکھ دیا اور پھر صنعتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کے فعلِ احیاء کا معائنہ کیا اور اطمینانِ قلبی جو دیکھنے سے متعلق تھا اس کو حاصل کر لیا۔

مقصودِ بیان بروایت بیضاوی احتمال ہے کہ آیت میں مور سے مراد دنیوی عیش و عشرت، زیب و زینت اور آرائش و نمائش ہو اور مرغ سے مراد نفس کا جوشِ انتقام، تہوّر اور صولت ہو اور کوے سے مراد نفس کی پلیدی، خسّت، امید اور چالاکی ہو اور کبوتر سے اشارہ طول ترقی (؟) کی طلب اور خواہشِ نفسانی میں جلد پھنس جانے کی طرف ہو۔ حاصل مراد یہ کہ جو شخص دائمی بقاء اور ازلی زندگی چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ دنیوی خواہشات لذائذ لہو و لعب اور تمام مزخرفات کو چھوڑ دے اور اس طاؤسِ نظر فریب کو ٹکڑے کر دے۔ جوشِ انتقام، تہوّر اور صولت کو بھی زائل کر دے اور اس کے تمام اعمال

مرغ کو ذبح کر ڈالے۔ نفس کی اُمید و مکاری اور خباثت کو بھی ذبح کر دے اور اس کبر متکبرانہ امید شعار کو حلال کر ڈالے۔ اس کے علاوہ درجۂ نفسانی کے علو کی طلب کو بالکل چھوڑ دے اور خواہشات کے پھندے میں نہ پھنسے اور اس کبوتر کا بھی قیمہ کر دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دوامی زندگی اور حقیقی بقا حاصل ہو جائے گی۔ آیت میں امور ذیل کی طرف بھی لطیف اشارات ہیں۔ ازدیادِ ایمان کی خواہش، مشاہدہ و معائنہ کے ذریعہ سے ایمان استدلالی کی پختگی۔ معقولات پر تحقیقی نظر ڈال کر وجود قدرتِ صانع پر استدلال، حشرِ جسمانی کا ثبوت، قدرتِ کاملہ کا تمام کائنات کو محیط ہونا، ضمنی ترہیب و ترغیب، خداوند تعالیٰ کا مالکِ حقیقی اور متصرف ہونا وغیرہ۔

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں سے یہی چار عناصر مراد ہیں جن سے انسان بنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی طبیعت جدا جدا ہے اور ہر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ کر اپنے مرکز کی طرف بھاگ جانا چاہتا ہے لیکن بحکمِ خدا یہ سب مجتمع ہیں لیکن ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ یہ سب جدا جدا ہو کر اپنے مرکز کی جانب چلے جائیں گے اور انسان مر جائے گا۔ لیکن جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے چاروں پرندوں کو آواز دے کر بلایا تھا اسی طرح پھر خدا تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کر کے دوبارہ پیدا فرما دے گا۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ

جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُن کی اُس دانہ کی سی مثال ہے جس سے سات بالیں پیدا

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

ہوں اور ہر بال میں سَو دانے ہوں اور جس کو چاہتا ہے اللہ اس سے بھی دوگنا دیتا ہے اور اللہ وسیع فضل والا ہے

تفسیر جب گزشتہ آیات میں ذات و صفات اور قیامت کا ثبوت کافی طور پر ہو چکا تو اب روزِ قیامت کے لئے تیاری کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے کا ضمنی حکم دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو جزائے آخرت کی رغبت پیدا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں اپنا مال صرف کرتے ہیں یعنی محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے کارِ خیر میں مال دیتے ہیں كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ان کو ایک روپیہ کے سات سو روپے ملیں گے۔ جس طرح ایک دانہ بونے کے بعد درخت پیدا ہوتا ہے اور درخت میں سات بالیاں آتی ہیں اور ہر بال میں سو دانے ہوتے ہیں تو گویا ایک دانہ کے سات سو دانے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کی راہ میں دیا ہوا مال ضائع نہیں جاسکتا۔ ہر نیکی کا سات سو گنا اجر ملے گا بلکہ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ جس کے لئے چاہے گا خدا اس سے زیادہ بڑھا دے گا اور اس کا بھی دوگنا کر دے گا کیونکہ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ خدا تعالیٰ کا فضل وسیع ہے۔ اس کے ہاں کوئی کمی نہیں اور جو زیادتی کا مستحق ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو زیادتی کا مستحق سمجھے گا اس کو اس سے بھی دوگنا چوگنا عطا فرمائے گا۔

مقصودِ بیان راہِ خدا میں خرچ کرنے کی طرف ترغیب۔ اس امر کی صراحت کہ خدا کی فرمانبرداری میں صرف کیا ہوا مال ضائع نہیں کیا جاسکتا بلکہ جمع رہتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے۔ ایک دانہ سے سینکڑوں ہزاروں کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا کی دین اسی تعداد پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ مثال کے طور پر ہے۔ خدا جس کو چاہے گا اس سے بھی زائد دے گا۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا

جو لوگ راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں نہ ستا-

أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

ہیں انہیں اُن کے کئے کا ثواب اُن کے رب کے ہاں ملے گا اور نہ انہیں خوف ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے

تفسیر یہ گزشتہ آیات کے مضمون کی تاکید ہے۔ بروایت کلبی یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی۔ غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں مع ساز و سامان دی تھیں، جن میں سے ۹۵۰ اونٹ تھے اور ۵۰ گھوڑے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے چار ہزار دینار خدمتِ اقدس میں پیش کئے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:-

جو لوگ راہِ خدا میں (محض خدا کی خوشنودی کے لئے) اپنا مال دیتے ہیں۔ خواہ کسی قسم کا مال ہو، اونٹ ہوں، گھوڑے ہوں، نقد روپیہ پیسہ یا اور سامان ہو ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى پھر دینے کے بعد اس شخص پر احسان نہیں جتاتے کہ یہ شکستہ حال تھا میں نے اس کو پالا ہے اور نہ ایذا دیتے ہیں اس کو طرز ناسلس نہیں کرتے وغیرہ بلکہ دینے سے صرف طاعتِ الٰہی اور امداد مسلمان مقصود ہوتی ہے لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ تو ان کے دئیے ہوئے مال کا معاوضہ خدا کے پاس جمع رہتا ہے۔ ان کا صرف ضائع نہیں جا سکتا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ اور ان پر قیامت کے دن نہ عذاب کا خوف ہوگا۔ نہ گزشتہ دئیے ہوئے مال کا غم و افسوس۔ اب بعض لوگوں کے پاس مال نہیں ہوتا اور سائل آ کر کہتے ہیں کہ ہم کو دو۔ اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ○

نرمی سے جواب دینا اور درگذر کرنا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا پہنچے اور اللہ بے پروا اور بردبار ہے

تفسیر یعنی اگر مال موجود نہ ہو تو بھلی بات کہہ دینی سائل کو دعا دے دینی اور اس کی الحاح سے درگذر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے لینے والے کو دینے والے کی طرف سے ایذا پہنچے اور تکلیف اُٹھانی پڑے۔ لہٰذا تم کو دینے کے بعد ایذا نہ دینی چاہیئے اور نہ احسان جتانا چاہیئے۔ اگر دینے کے بعد احسان جتاؤ گے یا شروع سے ہی نہ دو گے تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ ہوگا تمہارا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے دینے نہ دینے دونوں سے بے پروا ہے اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ بڑا حلیم ہے۔

مقصودِ بیان دینے کے بعد سائل پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ کوئی ایسا فعل کیا جائے کہ اس کو اذیت پہنچے۔ با اخلاص کے ساتھ جو چیز دی جائے اس کا اجر ضرور ملے گا۔ اگر دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہ ہو تو سائل کو نرمی سے کوئی جواب دیدیا جائے یا اس کے واسطے دعا ہی کر دی جائے اگر سائل اڑ کرے تو اس سے چشم پوشی کی جائے زجر نہ کی جائے۔ دینے کے بعد اذیت پہنچانے اور احسان جتانے سے تو انکار بہتر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ

مسلمانو! احسان جتا کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کے دکھانے کے

مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ و روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے چکنا پتھر

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا

جس پر کچھ مٹی پڑی ہو اُس پر زور کا مینہ برس جائے اور اس کو صاف کر کے چھوڑ دے اُن کو اپنے کئے کا کوئی ثواب ہاتھ نہ

كَسَبُوا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کئے گا | اور اللہ کافروں کی قوم کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتا

تفسیر یہ بھی گذشتہ حکم کے ساتھ متصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:- اے مسلمانو! دی ہوئی خیرات کو احسان جتاکر اور سائل کو اذیت پہنچا کر برباد کرو۔ ایسی خیرات وصدقہ کا ثواب نہیں ملتا جس کو دینے کے بعد احسان دکھایا جائے یا سائل کو دکھ دیا جائے سخت سست کہہ کر دیا جائے یا دینے کے بعد کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے اس غریب کو ایذا پہنچے۔ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ یعنی جیسے کافر اور منافق مال خرچ کرتے ہیں لیکن ان کی نیت ثواب کی نہیں ہوتی، بلکہ نام آوری شہرت اور دکھاوا مقصود ہوتی ہے ان کو دینا نہ دینا دونوں برابر ہیں ان کو دینے کا ثواب کوئی نہ ملے گا تم اپنی خیرات اس طرح اکارت نہ کرو فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ ان کافروں اور منافقوں کے خیرات کرنے کی اور رائیگاں جانے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر کی چٹان پر کچھ مٹی اور دانے پڑے ہوں۔ لوگوں کو دیکھ کر خیال ہو کہ اس میں سبزی جم جائے گی اور کھیتی ہو جائے گی اور خلیدہ ہو جائے گا لیکن فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ جب اس پر ایک موسلا دھار پانی پڑا تو مٹی اور دانے بہہ گئے صاف چٹان نکل آئی۔ نہ دانہ رہا نہ کھیتی کی امید یہی حالت ان منافقوں کی ہوگی۔ ظاہری خیرات کو دیکھ کر لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کو بڑا ثواب ملے گا لیکن چونکہ ان کے پاس ایمان اور اخلاص نہیں صرف دکھانے اور نام آوری کے لئے ان کی سخاوت ہوتی ہے۔ اس لئے جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے پاس کوئی عمل خیر نہ ہوگا۔ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا اور جو کچھ انھوں نے کیا کرایا تھا اس کا اجر ان کو رتی برابر نہ ملے گا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ خدا تعالیٰ کافروں کو راہ راست نہیں دکھلاتا۔ دینے کے بعد احسان جتانا، اذیت پہنچانی اور ریاکاری یہ سب کافروں کی خصلتیں ہیں اور خدا تعالیٰ ان سے لاپرواہ ہے۔ جو شخص ایسا فعل کرے گا خدا تعالیٰ اس کو اس فعل کے ساتھ چھوڑ دے گا اور کبھی ہدایت نہیں کرے گا۔

مقصود بیان دینے کے بعد احسان جتانے یا اذیت پہنچانے سے خیرات کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ شہرت و نام آوری کے لئے دینا بے سود ہے۔ صدقہ کے ثواب کے لئے اخلاص شرط ہے۔ کافر و منافق کی خیرات کا کچھ ثواب نہ ملے گا۔ کافروں اور منافقوں کے دل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے پتھر کی چٹان کی طرح ہیں۔ جس پر نہ بارش کا پانی رک سکتا ہے نہ دانہ اگ سکتا ہے دونوں بہہ جاتے ہیں اور ان کے اعمال خیر مثل اس مٹی اور دانے کے ہیں جو پتھر کی چٹان پر ہو اور قیامت کا دن موسلا دھار بارش کی مثال ہے۔ جس طرح موسلا دھار بارش سے پتھر دھل کر صاف ہو جاتا ہے اور مٹی دانہ سب بہہ جاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن کافروں اور منافقوں کے تمام اعمال خیر اکارت جائیں گے۔ دینے کے بعد احسان جتانا یا سائل کو ایذا پہنچانی یا نام آوری و شہرت کے لئے دینا کافروں کی خصلتیں ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔ جو شخص ان خصائل کو اختیار کرے گا خدا تعالیٰ اس کو کبھی اجر نہ دے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

اور جو لوگ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلی اعتقاد سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ

مثال اس باغ کی سی ہے جو بلندی پر واقع ہے اس پر زور سے مینہ پڑا تو اس میں دو چند پھل آئے اور اگر اس

لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

پر اگر زور کا مینہ نہ پڑا تو شبنم ہی کافی ہے اور خدا تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے

تفسیر خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ اچھوں کے مقابلہ میں بروں اور بروں کے مقابلہ میں اچھوں کا ذکر فرماتا ہے اور ہر ایک فرد کا نتیجہ اس کے ساتھ ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے خوف ہو۔ پہلی آیت میں کافروں منافقوں اور ان کے دینے کا بیان کیا گیا تھا جس کی بنا ریاکاری پر تھی اور اس کا نتیجہ بھی ذکر کر دیا گیا تھا کہ ایسے دینے سے کوئی حاصل نہیں۔ اب یہاں اخلاص مند مومن طبقہ کی خیرات کا ذکر کرتا ہے اور ہزار گنا ثواب کی امید دلاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے دلجمعی اخلاص اور ایمان کے ساتھ اپنا مال راہِ خدا میں صرف کرتے ہیں اُن کے دینے کی مثال ایسی ہے جیسے كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ٹیلہ پر کوئی باغ ہو وادی میں نہ ہو اور اس پر موسلا دھار پانی برسے تو اس کی پیداوار دوگنی ہو جاتی ہے۔ میوہ دوچند پیدا ہوتا ہے فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ اور اگر موسلا دھار بارش اس پر نہ پڑا تو خفیف بارش بھی اس کے لئے کافی ہے پھل ضرور آتا ہے یہی حالت اخلاص مند مومن طبقہ کے دینے کی ہے کہ تھوڑا دے یا بہت بہرحال ثمر خرور لے گا اور خشک نہ ہوگا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور غرض کو بھی جانتا ہے۔ اگر اخلاص و ایمان کے ساتھ دوگے تو تم کو جزا و ثواب دے گا اور اگر احسان جتاکر یا ریاکاری کرنے کے واسطے دوگے تو خیرات برباد ہو جائے گی اور تمہاری خیرات کے باغ میں پھل نہیں آئے گا۔ خلاصۂ بیان یہ نکلا کہ مال خرچ کرنے کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایمان کی شرط کے علاوہ اخلاص کی بھی شرط ہے کہ محض حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کی راہ میں صرف کیا جائے۔ جس طرح نماز بغیر وضو کے درست نہیں اسی طرح خیرات بلا اخلاص معتبر نہیں۔ اس کے بعد سائل کو ستانا یا احسان جتلانا اس اجر کو برباد کرنے والا اصل ہے۔ لہٰذا بقائے ثواب کے لئے ترکِ احسان اور قطعِ ایذا شرط ہے۔ گویا علاج کے لئے ایک تو دوا کا استعمال ضروری ہے۔ دوسرے مضر اشیاء سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ معلوم ہوا کہ مرض بخل کا علاج اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اخلاص پیدا کیا جائے اور احسان جتلانے اور ستانے سے پرہیز کیا جائے اور جب شرط صحت و بقا دونوں پائی جائیں گی تو تھوڑی سی خیرات بھی حق تعالیٰ قدردانی کے ساتھ قبول فرما کر اس کو پوری ترقی عنایت فرمائے گا اور ایسا بڑھائے گا جیسے عمدہ زمین میں ایک دانہ جم کر سینکڑوں دانے بن جاتا ہے اور وہ دانے جم کر سلسلہ بسلسلہ چند سالوں میں ہزاروں من کے خرمن اور غلہ کے ڈھیر بن جاتے ہیں۔

مقصود بیان اخلاص مندی کے ساتھ خیرات کرنے کی ترغیب دلجمعی اور اخلاص قلبی کی خیرات کی روز افزوں ترقی، مسکینوں اور فقیروں کی غمخواری اور ہمدردی کی عملی تعلیم، مساوات اسلامیہ کا مظاہرہ، بغیر احسان جتلائے اور بغیر ایذا پہنچائے اخلاص کے ساتھ تھوڑی سی خیرات کرنے پر بھی قدر اور اجر کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

بھلا تم میں سے کوئی اس کی خواہش کرے گا کہ کھجوروں اور انگوروں کا اس کے پاس ایک باغ ہو جس کے اندر نہریں جاری ہوں

لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا

ہر قسم کے پھل اس میں اس کے لئے ہوں اور اس کو بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں ایک دم اس باغ پر بگولا

إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ ع ۳۶

چل گیا جس کے اندر آگ تھی تو وہ باغ جل گیا اسی طرح تمہارے سامنے اللہ احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر گزشتہ آیات میں اخلاص مند طبقہ کا ذکر تھا اور اخلاص کی خیرات کو باغ سے تشبیہ دی گئی تھی۔ ان آیات میں خیرات کو باغ سے ضرور تشبیہ دی ہے لیکن ریاکار اہل احسان جتانے والوں اور سائلوں کو ایذا پہنچانے والوں کو سخت وعید و تنبیہ کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے:-

کیا تم میں سے کوئی شخص اس امر کو پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کو نہایت جانفشانی سے تمام عمر میں پرورش کیا ہو تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور درختوں کے نیچے نہریں بھی جاری ہوں جن کی وجہ سے درخت ہرے بھرے اور شاداب رہتے ہوں لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اور ہر قسم کے پھلوں کو پیدا اور اس کے باغ میں ہو، طرح طرح کے پھل درختوں میں لگے ہوئے ہوں اور اس کو امید قوی ہو بلکہ یقین ہو کہ میرے کام آئیں گے وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ اور اس قریب پر زمانہ پیری بھی آگیا ہو اور بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہو۔ آئندہ کو باغ کے پرورش کرنے یا کسی قسم کی کمائی کرنے کی ہمت و طاقت بھی نہ ہو۔ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بہت سے بچے بھی ہوں جو کمزور ہوں اس کا ہاتھ نہ بٹا سکتے ہوں اُن کی کمائی کی بھی اُمید نہ ہو بلکہ خود اُن کی روزی کی فکر ہو فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ اسی دوران میں ایک باد سموم آتش بار آئے اور تمام باغ جل جائے۔ ایک دم سب پر جھلسا پھر جائے اور اس کی امیدیں خاک میں مل جائیں۔ سوائے حسرت و افسوس کے کوئی چارہ باقی نہ رہے۔ نہ آئندہ کمائی کا کوئی موقع باقی رہا۔ نہ اولاد سے کمائی کی کوئی اُمید بلکہ اُن کا بار بھی اُسی کی گردن پر رہا۔ دونوں آیتوں کو ملا کر خلاصہ یہ نکلا کہ رضائے حق اور برکتِ اجر حاصل ہونے کے لئے اخلاص کافی ہے۔ گو ادنیٰ درجہ کا ہو۔ البتہ برکت و ترقی خود متفاوت ہے۔ جس قدر اخلاص زیادہ، اور ترکِ احسان و قطع ایذا بیش ہوگا اسی قدر اجر میں زیادتی اور برکت میں افزودنی ہوگی اور اگر دینے کے بعد احسان جتلایا یا سائل کو ستایا تو تمام دیا دلایا خاک میں مل جائے گا۔ گویا لگا لگایا لہلہاتا ہوا باغ آگ کے بگولے سے جھلس کر راکھ بن جائے گا اور دینے کے سارے انوار و برکات سلب ہو جائیں گے۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ خدا تعالیٰ نے جس طرح گزشتہ مثالیں بیان کر کے احکام صحیح ثابت کئے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ اپنی آیاتِ نصیحت تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم اُن پر غور کرو اور سوچو کہ کیسی بہترین اخلاقی تعلیم خدا تعالیٰ نے ہم کو عطا کی ہے جس سے ہم کو دنیوی اور دینی منافع کا بیش بہا ذخیرہ ہاتھ آسکتا ہے

مقصود بیان

جو شخص ایسے کام کرتا ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں اور پھر اُن کے ساتھ بد کام بھی ملا دیتا ہے، مثلاً سخاوت کے ساتھ احسان بھی جتا دیتا ہے تو ایسے شخص کے ہاتھ سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہیں آئے گا۔ ابتدائی اور ظاہری عیش و طرب اور دولت و جاہ پر مغرور نہ ہونا چاہیئے اور نہ اس فانی عیش کے نشہ میں سرمست ہو کر نتیجہ کی طرف سے غافل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اعتبار انجام کا ہے۔ اگر لذتِ اخروی اور سعادتِ حقیقی حاصل نہیں تو یہ چیزیں بالکل فضول ہیں۔ ایک آفتِ ارضی یا سماوی ان کو فنا کرنے کے لئے کافی ہے۔ آیت میں آیاتِ الٰہی احکامِ شرعیہ اور ہدایاتِ قرآنی پر غور کرنے اور ان سے عبرت اندوز ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور ایک بصیرت افروز مثال بیان کر کے حقیقی ہمدردی اور غمخواری کی اجمالی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان کا کوئی دینی دنیوی کام اخلاص سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جاہ طلبی، نام و نمود کی خواہش اور شہرت کی خواستگاری مسلمانوں کا شعار نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہر کام میں مرضیٔ الٰہی کی جستجو پیشِ نظر رہنی چاہیئے۔ وغیرہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

مسلمانو! اپنی پاک کمائی میں سے خرچ کرو اور اُس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی

الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ

(خرچ کرو) اور ناپاک مال پر نیت نہ رکھو کہ اس میں سے (خدا کی راہ میں) تو خرچ کرنے لگو حالانکہ تم خود اُس کو لینا پسند نہ کرو گے ہاں اگر

تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝

آنکھیں بند کر لو (تو لے لوگے) اور جانے رہو کہ اللہ بے پروا خوبیوں والا ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں راہِ خدا میں صرف کرنے کا بیان تھا اور مختلف مثالیں دے کر اس بیان کی وضاحت کی گئی تھی۔ اب یہاں زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جاتا ہے

کیونکہ زکوٰۃ فرضِ اسلامی ہے پہلے مطلق خیرات کرنے کا حکم تھا۔ جب خیرات کرنے اور صدقہ وخیرات کرنے پر لوگوں کی طبیعت کو آمادہ کر دیا تو اصلی مقصود کی طرف میلان کیا۔ اس کے علاوہ پہلی آیات میں صرف کرنے کا تو حکم دے دیا گیا تھا لیکن کیفیت ومقدار نہ بتائی گئی تھی یعنی یہ ظاہر نہ کیا گیا تھا کہ کس قسم کا مال صرف کیا جائے حلال یا حرام، اچھا یا بُرا اور کتنا صرف کیا جائے۔ کُل یا جزو، بہت یا تھوڑا۔ ان آیات میں اس تمام مضمون کو بیان کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اے مسلمانو! تم نے تجارت، صنعت وحرفت یا کسی اور ذریعہ سے جو کچھ کمائی کی ہو اس کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو مگر یہ حصہ عمدہ اور کھرا ہونا چاہئے یعنی اپنی کمائی میں سے کچھ عمدہ حصہ خیرات کرو، یا زکوٰۃ میں ادا کرو۔ خراب اور ردّی چیز نہ دو۔ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور تمہاری کمائی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ مثلاً میوہ، غلّہ وغیرہ۔ اس میں سے بھی کچھ اچھا اور کھرا حصہ غریبوں کو دو۔ یعنی کل کو نہ دو۔ کچھ حصہ دو اور جو دو اچھا دو۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں۔ ہم وہ روایت لکھتے ہیں جو ہماری تنقیح وتحقیق کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ ابن جریر نے بروایت حضرت براء بن عازب بیان کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی۔ انصار کا دستور تھا کہ جب کھجوریں توڑنے کے دن آتے تو اپنے باغوں میں سے گدر یم پختہ کھجوریں لاکر مسجد اقدس کے دو ستونوں کے درمیان رسّی سے لٹکا دیتے تھے اور فقراء ومہاجرین ان کو کھایا کرتے تھے۔ لیکن بعض انصاری اچھی کھجوروں کے ساتھ کچھ ناقص اور ناکارہ کھجوریں بھی لاکر لٹکا دیتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی (رواہ ابن مردویہ والحاکم وصححہ علی شرط الشیخین) حاصل ارشاد یہ ہے کہ ناکارہ اور ردّی مال راہِ خدا میں دینے کا ارادہ نہ کرو۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ تم خود ایسے ناکارہ مال کو لینے پر بغیر سہل انگاری اور تسامح کے راضی نہیں ہوتے جو اور اپنے لئے اس کو پسند نہیں کرتے اور راہِ خدا میں ایسا ردّی مال دیتے ہو۔ (آخر فقراء مہاجرین بلکہ عام مسلمان تمہارے بھائی ہیں تو قرینِ انصاف یہی بات ہے کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند نہ کرو وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرو) یہ تمام ہدایت تمہارے ہی نفع کے لئے ہے۔ جیسا دوگے ویسا اجر پاؤگے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ کیونکہ خدا کو تو تمہارے ان صدقات اور زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لاپرواہ ہے اور بہرحال محمود ہے۔

مقصودِ بیان اگر سب مال اچھا ہو یا کچھ اچھا اور کچھ ناقص تو ایسی صورت میں عمدہ مال راہِ خدا میں صرف کرنے کا حکم اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جو بات انسان اپنے لئے پسند نہ کرے اور جو چیز اپنے حق میں لینا نہ چاہے تو خداتعالیٰ کے حق کی ادائیگی میں دینا گوارا نہ کرے یعنی جو کام اپنے لئے پسند نہ کرے اور جس چیز کے لینے پر خود راضی نہ ہو وہ اپنے محتاج مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ آیت میں مساوات اور اخوتِ اسلامیہ کا ایک زریں درس ہے اور آخر میں اس بات کی صراحت ہے کہ خداتعالیٰ اچھے بُرے مال سے بے نیاز ہے۔ اس کو نہ عمدہ مال کی ضرورت ہے نہ ردّی مال کی۔ جو کچھ انسان دیتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے دیتا ہے۔ جس طرح کہ بینک میں روپیہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ اچھا جمع کیا جائے گا اچھا ملے گا بُرا جمع کیا جائے گا تو بُرا ملے گا۔ وغیرہ۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ

شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے　اور بُری بات کا حکم دیتا ہے　اور اللہ تم سے اپنی بخشش و برکت کا وعدہ

فَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ

کرتا ہے　اور اللہ وسیع رحمت والا واقف کار ہے　جس کو چاہتا ہے سمجھ عطا کرتا ہے　اور جس کو سمجھ مل گئی

فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

اس کو بڑی خوبی　مل گئی　اور سمجھ دار ہی　نصیحت مانتے　ہیں

تفسیر انسان اپنے نفسانی جذبات اور شیطانی حسیات کے ماتحت یہ خیال کرتا ہے کہ اگر غیر خیرات کروں گا تو مفلس ہو جاؤں گا اور میرا مال تباہ ہو جائے گا۔ اس خیال کو دفع کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

شیطان تم کو افلاس و ناداری سے ڈراتا ہے اور یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اگر تم صدقات و خیرات کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے لہٰذا نہ دینا بہتر ہے وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ اور تم کو بخل کرنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر آمادہ کرتا ہے اور دل میں ڈالتا ہے کہ بخل کرنا اور زکوٰۃ نہ دینا بہتر ہے وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا اور خدا تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر بخل نہ کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے تو میں تمہاری مغفرت کروں گا اور دنیا میں بھی تمہارے مال میں برکت اور زیادتی عطا کروں گا یعنی بجائے افلاس کے تمہارے مال میں اور زیادتی ہوگی وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اور خدا کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔ تم یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنا یہ مال دے دیں گے تو اور کہاں سے لے گا۔ خدا کا فضل وسیع ہے۔ اس کے انعام میں تنگی نہیں۔ وہ خرچ کرنے والے کی حالت کو بھی خوب جانتا ہے اور اس کی آمدنی کے ذرائع سے بھی بخوبی واقف ہے (یعنی اس کا فضل وسیع اور کامل ہے اور آمدنی بھی زیادہ کر سکتا ہے اور تحصیل کے ذرائع بڑھا سکتا ہے) يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے احکام کی حقیقت اور وہ علم جو مقارن بالعمل ہے عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ ظاہری حواس رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے مال کم ہو جائے گا، لیکن زکوٰۃ کی حکمت اور حقیقت اسی شخص کو معلوم ہو سکتی ہے جس کے پاس عقل کی آنکھیں ہوں کور بصیرت نہ ہو۔ احکام دین کی سمجھ جس شخص کو خدا نے عطا فرمائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات کو کس قدر نظام معاشرت، نسق و تمدن، اخوت اسلامیہ، اتحاد اہل اسلام، قوت ملت اور افزونی مال میں دخل ہے اس سے کس قدر مال میں برکت اور زیادتی ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا اور جس شخص کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نور بصیرت اور فقاہت دینی عطا ہو جائے اس کو واقع میں ایک بہترین راہ معرفت اور سعادت ابدیہ حاصل ہو گئی وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اس کلام کی حقیقت و حکمت اور اس سے نصیحت و عبرت صرف اہل دانش ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ مادی حواس والوں کی سمجھ میں آنے کی یہ باتیں نہیں ہیں۔

مقصود بیان فوائد زکوٰۃ کی طرف لطیف اشارات۔ اس امر کی صراحت کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں افزونی اور برکت حاصل ہوتی ہے اس بات کی وضاحت کہ احکام شرعیہ خلاف عقل نہیں ہے لیکن بصیرت صحیحہ اور عقل روشن کی ضرورت ہے۔ جب تک ان کثیف حواس کا پردہ نہ اٹھا دیا جائے اس وقت تک احکام شرعیہ کے منافع سے کوئی بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

اور جو کچھ تم خیرات میں صرف کرو یا منت مانو　تو اللہ اس سے واقف ہے اور بے انصافوں کا　کوئی مددگار نہیں

تفسیر یہ آیت بھی گزشتہ کلام کی تاکید و تائید ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ تم فی سبیل اللہ صرف کرو گے یا جو کچھ تم راہ خدا میں دینے کی نذر مانو گے اور پھر اس نذر کو پورا کرو گے تو یہ ضائع نہ جائے گا سب خدا کے ہاں جمع رہے گا اور خدا اس کا اجر عطا فرمائے گا کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ خدا تعالیٰ اس سے واقف ہے اس کی جزا تم کو ضرور دے گا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ باقی جو لوگ زکوٰۃ صدقات خیرات اور ایفائے نذر سے منع کرتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یا جو لوگ بلا محل صرف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ان کے واسطے عذاب الٰہی سے کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا قیامت کے دن نہ ہوگا۔ ان کو عذاب ضرور دیا جائے گا۔

مقصود بیان۔ ایفائے نذر وغیرہ کی ترغیب اور ثواب کا وعدہ، زکوٰۃ نہ دینے والوں یا منع کرنے والوں یا بلا محل صرف کرنے والوں کے لیے وعید وغیرہ۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اگر تم ظاہر میں خیرات کرو، تب بھی اچھی بات ہے　اور اگر اس کو چھپاؤ اور اس کو محتاجوں کو دو تو وہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر

لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○

ہے اللہ تمہارے کچھ گناہوں کو دور کردے گا اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر ابن ابی حاتم نے بروایت شعبی بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے حق میں ہوا تھا۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال لاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہؐ نے استفسار فرمایا کہ اپنے متعلقین کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا نصف مال میں نے ان کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال نہایت مخفی طور پر لائے اور چھپا کر حضورؐ والا کو دے دیا۔ رسول پاکؐ نے فرمایا۔ اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کیا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا وعدہ۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سُن کر رونے لگے اور کہنے لگے! آپ پر میرے والدین نثار ہم نے جس امر خیر میں آگے بڑھنا چاہا۔ ہم کو سبقت نصیب نہ ہوئی آپ ہم سے آگے بڑھ گئے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر تم کھلم کھلا خیرات کرو اور بغیر چھپائے ادا کرو تو اچھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اگر چھپا کر فقیروں اور حاجتمندوں کو دو تو اور بہتر ہے۔ یعنی خیرات کرنی اگرچہ ظاہری اور کھلے طور پر بھی بہتر ہے اور اس میں فقیر وغنی کی تحقیق ضروری نہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ فقیروں کو چھپا کر دینا بہت ہی بہتر ہے۔ کھلم کھلا دینے سے افضل ہے وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ اور اس کے ذریعہ سے تمہارے بعض گناہوں کا اتار ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب اطلاع رکھتا ہے۔ ظاہرہ و پوشیدہ دینا اور فقراء مساکین کو بخشش کرنی یہ سب خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ باطنی وظاہری حالت کو جانتا ہے جس طرح کھلم کھلا دیئے ہوئے صدقہ کو جانتا ہے۔ اسی طرح پوشیدہ خیرات سے بھی واقف ہے۔ دونوں کو جزا دے گا۔

مقصود بیان خیرات وصدقات چھپا کر دینا افضل ہے۔ اگرچہ بغیر چھپائے دینا بھی موجب ثواب ہے اور تلاش وتحقیق کرکے فقیروں کو دینا بہتر ہے۔ اگرچہ بغیر تحقیقِ حال کے دینا بھی جائز ہے۔ خیرات سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اس آخری فقرہ سے قوت اسلامیہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور فقراء کی امداد وغمخواری کی طرف خصوصی ترغیب دی گئی ہے کہ شخصی گناہوں کی معافی کو توبہ کے علاوہ قوم کے احتیاج مند طبقہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر وابستہ کیا۔ گویا یہاں اسلامزم کے ضابطہ کے ماتحت ایک زریں تعلیم دی۔ وغیرہ

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

اُنھیں راہِ راست پر لانا تمہارا ذمہ نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لاتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو

فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

سو اپنے لئے تا وقتیکہ تم اللہ کی رضامندی کے لئے خرچ نہ کرو اور جو کچھ مال تم خیرات کرو گے وہ

يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○

تم کو پورا بدلہ پہنچا دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ کی جائے گی

تفسیر محی السنہ نے بروایت سعید بن جبیر معالم میں بیان کیا ہے کہ شروع میں مسلمان ذمی فقیروں کو صدقہ کا مال دیا کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمان غریب بہت ہوگئے اور مسلمانوں میں احتیاج مند طبقہ کی کثرت ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کو صدقہ کا مال دینے کی ممانعت فرمادی تاکہ یہ مفلس بے نوا مسلمانوں سے

تنگ آکر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ:۔

تم اگرچہ ہدایت بیانی پر مکلف ہو اور لوگوں کو راہِ راست بتانا تمہارا فرض ہے مگر ہدایت توفیق تمہارا کام نہیں ہے۔ کسی کو منزلِ مقصود پر پہنچا دینا تم پر لازم نہیں ہے۔ صرف نصیحت کرنا تمہارا فعل ہے۔ پھر اس قسم کی تدبیریں کرنے سے کیا حاصل وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بلکہ ہدایت توفیق تو خدا کا کام ہے۔ منزلِ مقصود پر پہنچانا اسی کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اس کے دل میں اسلام کی طرف سے رغبت پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا تم کو صدقہ کی بندش نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ جو کچھ تم راہِ خدا میں دوگے جو صدقہ خیرات کروگے وہ تمہارے لئے ہی مفید ہے۔ اس کا ثواب تم ہی کو ملے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قسم کا دینا مفید ہے بلکہ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ الخ تم کو صرف حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا چاہیئے۔ اب رہا یہ کہ ناقع میں لینے والا کون ہے اس کی تحقیق لازم نہیں ہے۔ کافر ذمی ہو یا مسلمان کوئی بھی واقع میں ہو تم کو اخلاص نیت رکھنا لازم ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ اور جو مال راہِ خدا میں دوگے (مسلمان کو یا کافر ذمی کو) بہرحال اس کا اجر تم کو پورا پورا ملے گا اس لحاظ سے کہ تم نے ذمی کو دیا ہے مسلمان کو نہیں دیا وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جتنا تمہارا حق ہے اتنا ضرور ملے گا۔

تحقیق حق

مفسرین اور علماء کا اختلاف ہے کہ کافر یا ملحد وغیرہ کو زکوٰۃ اور صدقہ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں۔ یہ اختلاف چونکہ طویل ہے اس لئے ہم آخری فیصلہ ہی لکھے دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ مخلوقِ الٰہی رزق دیئے جانے میں مساوی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر یا فاجر بھوکوں مرتا ہو تو اس کو صدقہ دینا موجبِ ثواب ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو تو صدقہ کے واسطے مراتب ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک آدمی کو کھانا دینا چاہتا ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ اپنے کسی محتاج رشتہ دار کو دے اور محتاج رشتہ داروں میں اگر ایک متقی اور دوسرا فاسق ہو تو متقی کو ترجیح دے۔ اس میں زیادہ فضیلت ہے۔ لیکن اگر فاسق کو دے دیا تو ثواب ضرور ملے گا ضائع نہیں جائے گا۔ علیٰ ہٰذا القیاس جو محلہ دار مسلمان اور متقی ہو وہ اس محلہ دار سے صدقہ پانے کا زیادہ مستحق ہے جو کافر یا فاسق مسلمان ہو۔ یہ تفصیل تو اس صدقہ کی ہے جو نفل ہو یعنی خیرات دینے کا حکم ہے۔ رہا صدقہ واجبہ یا زکوٰۃ وغیرہ تو زکوٰۃ کے متعلق تمام علماء نے بالاتفاق کہا ہے کہ اس کے مستحق مسلمان فقیر ہیں۔ کیونکہ مسلمان تونگروں سے زکوٰۃ کا مال لیا جاتا ہے لہٰذا مسلمان فقیروں کو دینا چاہیئے اور جس شہر یا جس بستی سے لیا ہے وہیں کے محتاج مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ دوسری جگہ منتقل نہ کرے۔ رہا صدقۂ فطر تو عام علماء تو اس کو زکوٰۃ کے حکم میں داخل کرتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی فقیروں کو بھی دے دیا جائے تو جائز ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مسلمان اہلِ احتیاج کو دے۔

مقصودِ بیان

مخلوقِ الٰہی کی عمومی پرورش کرنے اور سب کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرنے کا حکم۔ اسلامی رواداری کا ایک بہترین مظاہرہ خلافِ شرع ایسی تدبیر کرنا جس سے مجبور ہو کر لوگ بکثرت ناظر مسلمان ہو جائیں اس فعل کی ممانعت۔ اس امر کی صراحت کہ کوئی عالم کوئی ولی اور نبی یہاں تک کہ حضور خاتم الانبیاء بھی کسی کا فرکی حقیقت نہیں پلٹ سکتے۔ کسی کے اختیار میں ہدایت کی توفیق عطا کرنا اور قلبی حالت کو پلٹ دینا نہیں ہے۔ یہ فعل صرف خدا تعالیٰ کا ہے نبی یا کسی دوسرے مبلغ کا فرض صرف بیانی ہدایت کرنی ہے اور اس آیت سے ایک کاری ضرب ان جاہل صوفیوں پر پڑتی ہے جو اہلِ تصرف کو بدنام کرنے والے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم اپنے مریدوں کی قلبی حالت بدل دیتے ہیں اور تمام خیالاتی دھوئیں کو ان کے دماغ سے اپنی توجہ کے ذریعہ سے نکال کر ان کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي

(خیرات) اُن محتاجوں کا حق ہے | جو اللہ کی راہ میں گھِر گئے ہوں | ملک میں | چل پھر | نہ سکتے | ہوں

الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

سوال نہ کرنے کی وجہ سے انجان اُن کو دولتمند جانتا ہو | تم ان کی صورت سے اُن کو پہچان جاؤ

يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ ع

لپٹ چمٹ کر وہ لوگوں سے نہ مانگتے ہوں اور جو کام کی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے

تفسیر تقریباً چار سو آدمی ترکِ وطن کر کے اور تمام گھر بار اور مال و منال سے روکش ہو کر مدینہ کو چلے آئے تھے اور خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے مسجد پاک کے پاس ایک چبوترہ تھا۔ رات کو سب اس پر پڑے رہتے تھے۔ اکثر عبادت تلاوتِ قرآن اور تعلیم احادیث میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نہ کھانے کی پرواہ تھی۔ نہ دیگر ضروریاتِ انسانیہ کی۔ کسی نے کھانے کو دیا کھا لیا ورنہ بھوکے سو گئے۔ ہاں اگر کہیں جہاد پر کوئی فوجی دستہ بھیجا جاتا تو اس میں بھرتی ہو کر یہ بھی جاتے تھے۔ یا کہیں تبلیغ کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہوتی تو اس خدمت کو بھی یہ انجام دیتے تھے۔ گویا یہ لوگ صرف دینی خدمات پر مامور تھے۔ دنیا اور معاملاتِ دنیا سے بالکل علیحدہ ہو گئے تھے۔ مدینہ میں ان کا نہ گھر تھا نہ رشتہ دار، نہ مدینہ سے باہر یہ کہیں کمائی کرنے جا سکتے تھے۔ ان میں سے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ، حضرت بلال، حضرت عمار رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کو اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے اور انہی کے حق میں آیت مذکورہ کا نزول ہوا تھا آیت کا ماحصل مطلب یہ ہے کہ صدقات و خیرات تقسیم کرنی اگرچہ سب کو جائز ہے لیکن ان ضرورتمند لوگوں کو دینا زیادہ مناسب ہے جنہوں نے خدمت کے لئے اپنے نفسوں کو محصور کر رکھا ہے۔ سوائے عبادت تلاوت، تعلیم، تعلیم جہاد اور تبلیغ کے دنیا کا کوئی کام نہیں کرتے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ جہاد اور تبلیغ اور عبادت و تلاوت میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت اور معاش کے حصول کے لئے ملک میں سفر نہیں کر سکتے، چل پھر نہیں سکتے يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ چونکہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے اور دستِ آز دراز کرنے سے بچتے ہیں۔ اس لئے ناواقف لوگ ان کو دولتمند اور غنی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ واقع میں وہ دولتمند نہیں ہیں بلکہ سخت ضرورتمند ہیں تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ہر سمجھدار آدمی ان کی صورت دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ عبادت گذار اور فاقہ زدہ ہیں ان کے چہرہ سے تواضع اور انکسار کے آثار نمودار ہوتے ہیں لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ لپٹنا اور اڑ جانا تو بجائے خود رہا وہ کسی سے سوال ہی نہیں کرتے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو ضرور دو اور صدقات و خیرات کا مال ان کو کھلاؤ۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ اور (ان کے علاوہ بھی) جو مال راہِ خدا میں تم صرف کرو گے اور فقیر پروری کی نیت رکھو گے یا کارِ خیر میں خرچ کرو گے۔ خدا اس سے بخوبی واقف ہے۔ اس کی جزا ضرور تم کو عطا فرمائے گا۔

مقصود بیان سوال سے پرہیز کرنے خصوصاً اڑ کر لینے کے متعلق ضمنی ہدایت، اصحابِ صفہ کی مدح، جن لوگوں نے مشاغلِ دینی میں انہماک رکھنے کی وجہ سے ترکِ دنیا کر دیا ہو ان کو امورِ دین کی تکمیل سے اتنا موقع ہی نہ ملتا ہو یا ایسے اسباب ہی فراہم نہ ہو سکتے ہوں کہ کسب کر سکیں۔ ایسے لوگوں کو دینے کی فضیلت جہاد تبلیغ عبادت اور تلاوتِ قرآن کی طرف مخفی ترغیب وغیرہ۔ آیت کے حکم میں پڑھانے والے علماء پڑھنے والے طلباء مراقبہ اور جہادِ نفسانی کرنے والے صوفی اور مجاہدین فی سبیل داخل ہیں

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ رات دن اور ظاہر باطن اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو ان کا ثواب ان کے رب کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وقف منزل

ہاں ہے نہ ان کو ڈر ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس چار درم تھے۔ آپ نے ایک درم شب کو خیرات کیا۔ ایک درم دن میں، ایک درم چھپا کر اور ایک درم کھلم کھلا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (ابن مردویہ)

ضحاک نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جب آیت لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بہت دینار اصحاب صفہ کو بھیجے اور حضرت علیؓ نے بھی آدھی رات کے وقت ایک وسق چھوارے ان کو بھیجے تو خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار ہزار درہم خیرات کئے تھے۔ ایک ہزار رات کو اور ایک ہزار دن کو ایک ہزار چھپا کر ایک ہزار علانیہ۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

بعض مفسرین نے اس کو جنگ تبوک کی تیاری کا واقعہ لکھا ہے۔ یعنی جب جیش عسرت کی تیاری کا حکم ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان نے فوج مجاہدین کی کافی امداد کی، سواریاں دیں، زادِ راہ درست کیا، ہتھیار خرید کر دیئے۔ اس وقت انہیں حضرات کے متعلق آیت کا نزول ہوا حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں رات کو یا دن کو پوشیدہ یا علانیہ اپنا مال راہِ خدا میں صرف کرتے ہیں ان کی بخشش کا ثواب اور اجر خدا کے ہاں موجود ہے کہ جو قیامت کے دن ان کو ملے گا۔ قیامت کے دن ان کو کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔ نہ کمی اجر کا نہ غضب الٰہی کا، نہ عدم مغفرت کا اور نہ گزشتہ دیئے ہوئے مال اور گزشتہ کئے ہوئے اعمال کا ان کو غم وافسوس ہوگا۔

مقصود بیان

متعلق خیرات کرنے کی طرف ترغیب الکلام کھلا ہو یا چھپا کر، دن میں ہو یا رات میں بہر صورت ہر طرح خیرات کرنی موجب ثواب ہے (لیکن اخلاص نیت اور ایمان شرط ہے) عند ربھم کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر روپیہ یا مال ان کے پاس یا کسی اور کے پاس جمع ہوتا تو تلف ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کا اجر پروردگار کے پاس جمع رہتا ہے اس لئے کسی طرح ضائع نہیں ہو سکتا اور نہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جب خدا نے ان کی نیک اعمالی اور تعمیل احکام کے بغیر خود بخود ان کو پرورش فرمایا اور وہ ان کا پروردگار ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب جبکہ وہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ہدایت شرعی پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی ہو۔ خدا تعالیٰ نے لیل ونہار اور سر وعلانیہ کے الفاظ سے چار امور کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں۔ رات میں دینے سے یہ مراد ہے کہ لینے والے کو شرمندگی نہ ہو اور دن میں دینے سے یہ غرض ہے کہ لینے والا اپنے کو، لینے والا اور دینے والا اپنے کو دینے والا نہ سمجھے۔ ہر ایک دوسرے سے حیا کرے۔ چھپ کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ دینے والے کے دل میں صفا واخلاص پیدا ہو اور علانیہ دینے سے اس طرف ایماء ہے کہ اس کو دیتے ہوئے دیکھ کر اور لوگ بھی راہِ خیر کو اختیار کریں۔ وغیرہ

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے لپٹ کر

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ

حواس کردیا ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال

وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ

اور سود کو حرام کیا ہے پس جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ چکی اور وہ (سود خواری سے) باز آ گیا تو اسی کا ہے جو وہ پہلے

اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

لے چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جن لوگوں نے پھر سود لیا وہ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر مال کے زیادہ ہونے کی دو صورتیں ہیں دنیوی اور دینی یعنی مال کی افزونی اور راس المال پر زیادتی یا تو دنیا میں ہو سکتی ہے یا دین میں۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ آخرت میں مال کا دوگنا چوگنا بلکہ صد ہا گنا اجر ملنے کی صرف یہ صورت ہے کہ راہِ خدا میں اس کو صرف کیا جائے۔

اب رہی دنیوی زیادتی تو اس کی بھی دو ہی صورتیں سود یا تجارت۔ (حاصل مال میں زیادتی یا سود پر قرض دینے سے ہوتی ہے یا تجارت کر کے) اس کی تفصیل کے لئے ان آیات کا ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ صدقہ وخیرات کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد سود کی برائیاں بیان کرنا اور اس کو حرام کر دینا گویا صدقہ وخیرات کے بیان کی تکمیل ہے۔ کیونکہ جس طرح صدقہ وخیرات سے انسان کی رحم دلی اور مسکینوں کی دستگیری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سود سے سنگدلی اور غریبوں پر سخت گیری کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا سود صدقہ کی پوری ضد ہے۔ صدقہ میں مفت بلامعاوضہ دینا ہوتا ہے اور سود میں مفت بلا معاوضہ اصل مال سے زیادہ لینا ہوتا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ چونکہ سود خوار آدمی محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ سخت گیری سے پیش آتا تھا اور اس کی سخت گیری سے اور مسکینوں کو دہشت اور حیرانی ہوتی تھی۔ اس لئے ان کا یہ فعل عالم آخرت میں آسیب بن کر ان کے سر پر سوار ہوگا اور قیامت کے دن جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس فعل بد کی سزا میں عذاب الٰہی سے ایسے بدحواس ہوں گے جیسے کوئی آسیب زدہ یا جن رسیدہ شخص بدحواس ہوتا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا یہ سزا ان سود خواروں کو اس لئے ملے گی کہ انہوں نے سود و بیع میں کوئی فرق نہیں کیا تھا اور کہتے تھے کہ سود اور بیع میں فرق ہی کیا ہے جس طرح دس روپے کی چیز کو پندرہ روپے میں بیچنا درست ہے اسی طرح دس روپے دے کر پندرہ روپے لے لینا بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی روپے کا نفع ہے اور یہ بھی روپے کا۔ اگر ہم دس روپے قرض نہ دیتے تو اتنی مدت میں دس روپے کی تجارت سے پندرہ کر لیتے۔ لہٰذا بیع اور سود دونوں ایک ہی طرح ہیں بلکہ ربوا میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر جواز میں شبہ ہو سکتا ہے تو بیع کے۔ لیکن چونکہ بیع سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے بیع بھی حلت وجواز میں سود کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ سود خواروں کی قیاس آرائی کی تردید فرماتا ہے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کہ تمہارا یہ قیاس غلط ہے۔ خدا نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام اور خدا کی تحلیل وتحریم بغیر مصلحت کے نہیں ہوتی۔ گزشتہ بیان سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جب سود حرام ہے تو حرمت سود سے قبل جو سودی کاروبار کئے گئے وہ حرام ہوئے پھر ان سب کا کیا حکم ہے۔ اس شبہ کے دفع کرنے کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ یعنی اس ممانعت کے آنے سے قبل جو کچھ کسی نے لے لیا وہ اس کا ہو گیا۔ دنیا میں اس کا کوئی مطالبہ نہیں۔ آخرت میں اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے معاف کرے چاہے حساب کرے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے کہ ممانعت کے بعد وہ سودی کاروبار سے باز رہے اور سود خواری چھوڑ دے اور سود کو بیع کی طرح نہ سمجھے وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ممانعت کے بعد جو لوگ دوبارہ ایسی حرکت کریں گے وہ سود کو حلال سمجھیں گے اور خدا کے حکم کی تحقیر کریں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یعنی ابدی دوامی جہنمی ہوں گے۔

مقصود بیان سود کی حرمت، بیع شرعی کی حلت، سودی کاروبار کرنے والے کے عذاب کی صراحت، اس امر کی طرف اشارہ کہ دنیا میں جس قسم کے گناہ انسان کرے گا، مثلاً کسی پر ظلم کرے گا اور اس کو اس ظلم سے ایک خاص قسم کی اذیت پہنچے گی تو اس کے گناہ کی یہی نوعیت قیامت کے دن صورت مجسم بن کر اس کے سامنے آئے گی اور گناہ کی صورت کو عذاب کی صورت میں یا عذاب کی صورت کو گناہ کی صورت میں ظاہر کیا جائے گا۔ آیت سے یہ امر بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال سمجھنے والا یعنی شرعی حرمت وحلت کے برعکس عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور اگر عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے صرف حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے مثلاً سود کھاتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

لائے اور اچھے کام کئے اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھی اور زکوٰۃ ادا کی انہیں ان کا ثواب ان کے پروردگار کے

رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

پاس ہے اور نہ انہیں کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر یعنی سود خواروں کو اپنی کثرت مال پر نازاں نہ ہونا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم نفع حاصل کر رہے ہیں۔ درحقیقت وہ خود اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک سود کا روپیہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ عالم آخرت میں اس سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں افزونی معلوم ہوتی ہے مگر واقع میں وہ بربادی ہے۔ اور صدقہ و خیرات سے اگرچہ بظاہر مال کم ہوتا ہے لیکن عالم آخرت میں خدا تعالیٰ اس میں بہت افزونی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد اس کا اجر پہاڑ کی برابر معلوم ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ سود میں اگرچہ مال کی کثرت دکھائی دیتی ہے اور صدقہ و خیرات سے مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دنیا میں ہی خدا تعالیٰ سود کی برکت کھو دیتا ہے اور سودی مال سود خور کے کام نہیں آتا۔ جوڑ جوڑ کے مرجاتا ہے اور جمع کردہ مال تباہ ہو جاتا ہے۔ باقی جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی اس میں برکت ہوتی ہے۔ صاحب مال کو اس مال سے نفع اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ اپنی زندگی میں وہ خود بھی اس سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد کے کام آتا ہے تلف نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ سودی مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن انجام اس کا قلت کی طرف ہوتا ہے۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے اور سود خواروں کے دونوں فرقوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ یعنی خدا تعالیٰ دونوں قسم کے لوگوں کو عذاب دے گا۔ جن لوگوں نے سود کھایا اور سود کو حلال جانا اور یہ عقیدہ رکھا کہ سود بھی بیع حلال ہے یہ لوگ کافر ہیں ان کو خدا تعالیٰ عذاب دے گا۔ آخرت میں بھی ان پر عذاب ہوگا اور دنیا میں بھی ان کے مال کی برکت زائل ہو جائے گی۔ مال سے یہ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے خواہ مخواہ جمع کردہ روپیہ تلف ہو جائے گا اور بالآخر عذاب دنیوی ان پر غالب ہوگا۔ سود خوار آخر میں مفلس یا جذامی ہوتا جائے گا اور جو لوگ سود کو حرام جانتے ہوئے کھاتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سود واقع میں حرام ہے لیکن اس کے باوجود سودی کاروبار کرتے ہیں وہ گناہگار ہیں۔ ان کو بھی خدا تعالیٰ دینی اور دنیوی عذاب دے گا۔ بہرحال یہ دونوں فرقے خدا کو پسند نہیں۔ سود کا کاروبار ہی خدا کے نزدیک واجب الترک ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ گزشتہ آیت میں کافر اور مسلم سود خواروں کا ذکر کیا گیا تھا اور ان نافرمانوں کا تذکرہ کیا گیا تھا جو شرعی حلت و حرمت کے مطابق عقیدہ ہی نہیں رکھتے یا عقیدہ رکھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ نیز ان لوگوں کا بیان بھی ہوا تھا جو زکوٰۃ صدقہ دینے سے بچتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس سے مال کم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں مذکورہ بالا اشخاص کی ضد کا بیان ہے یعنی کافروں کے مقابل مومن، بدکاروں کے مقابل نیکوکار اور سود خواروں کے مقابل زکوٰۃ و صدقات دینے والے اس آیت میں مذکور ہیں۔ کیونکہ نیرنگی بیان قرآن کے امتیازی اوصاف میں سے ہے۔ ہر ضد کے بعد اس کی ضد کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ ترغیب کے بعد ترہیب یا انذار کے بعد بشارت بدرجہ کمال حاصل ہو جائے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ مومن ہیں کافر نہیں ہیں اور مومن بھی فاسق نہیں بلکہ نیکوکار ہیں۔ نیکیاں کرتے ہیں۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور فرائض الٰہی کے پابند ہیں۔ نمازیں باقاعدہ کل ارکان و واجبات کے ساتھ پابندی وقت سے ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ اپنے مال میں سے غرباء کا شرعی حصہ نکال کر اپنے مال میں افزونی و برکت پیدا کرتے ہیں لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کو خدا ضرور اجر دے گا۔ ان کا کوئی عمل ضائع نہ جائے گا۔ پروردگار کے پاس ہر نیک عمل کا ثواب جمع رہے گا۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور قیامت کے دن ان کو نہ تو اپنے اعمال و اجر کے فوت ہونے کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کئے ہوئے اعمال پر افسوس و غم ہوگا بلکہ وہ تمام اعمال ان کے کام آئیں گے۔

مقصود بیان سودی مال میں برکت نہیں ہوتی۔ سودی مال سود خوار کے کام نہیں آتا۔ عموماً سود خوار اپنے مال کے منافع سے محروم ہوتا ہے اور بری طرح زندگی بسر کر کے مر جاتا ہے اور آخر کار وہ مال برباد ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ و خیرات سے مال میں افزونی اور برکت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا مالی منافع سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ سودی کاروبار کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور صرف سود خوار جو سود کو حلال نہیں سمجھتا گناہگار ہے۔ کسی نیکی کا اجر ضائع نہ جائے گا۔ آخرت میں سب کا ثواب ملے گا۔ آیت سے مقصود امور ذیل کا اظہار کرنا ہے سود خواری سے ممانعت، سود خواری کا انسداد، مال کا سبب جاننے کی مخالفت، ایمان، اسلام، نماز و زکوٰۃ اور کل اعمال خیر کی طرف ناظر کی ترغیب وغیرہ۔

مسلم کے غلبہ کی بشارت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر اہل ایمان میں سے ہو تو جو کچھ سود رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ

اور اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار رہو اور اگر تم توبہ کرتے رہو تو اصل رقمیں

أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝

تمہاری ہیں نہ کسی قسم کا تم نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں بنی عمر ثقفی اور بنی مغیرہ مخزومی سود پر باہم لین دین کیا کرتے تھے۔ جب فتح مکہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور حضور والا نے سود کی حرمت کا اعلان کیا تو قبیلۂ بنی عمر نے کہا ہم اس حکم کو اس شرط پر ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ہمارا پچھلا سود جو دوسرے لوگوں پر ہے وہ بدستور واجب الادا ہے اور دوسروں کا سود جو ہمارے اوپر ہے وہ ساقط ہو جائے۔ اس کے بعد قبیلۂ مذکورہ نے قبیلۂ بنی مغیرہ مخزومی سے پچھلے سود کا سخت تقاضہ شروع کیا قبیلۂ بنی مغیرہ نے گھبرا کر حضرت عتاب بن اسید سے جو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاکم تھے استغاثہ کیا اور کہا بڑے ظلم کی بات ہے کہ تمام اہل کہ قرض وسود سے سبکدوش ہو جائیں اور ہم اب تک بدستور اسی لعنت میں گرفتار رہیں۔ حضرت عتاب نے من وعن واقعہ لکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ کو بھیج دیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بنی عمر نے پچھلا سود لینے سے توبہ کی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

مسلمانو! اگر تم سچا ایمان رکھتے ہو اور مخلص مومن ہو تو خدا سے ڈرو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اور پچھلا سود جو تمہارا کسی پر رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو۔ ہرگز اس کے لینے کا قصد نہ کرو یعنی احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اور پچھلا سود جو تمہارا کسی پر رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو اس کے لینے کا قصد نہ کرو یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی خواہ عقیدہ کی حیثیت سے نہ ہو صرف عمل کے اعتبار سے ہو، بہرحال خلوص ایمان کے مخالف ہے۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اور اگر تم اس حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو پھر خدا اور رسول کی طرف سے تم کو جنگ کا اعلان ہے۔ کیونکہ سخت تاکید اور شدید تہدید کے باوجود سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا گویا خدا اور رسول سے جنگ کرنا ہے۔ لہٰذا خدا کی طرف سے بھی تم کو جنگ کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ہاں اگر اس فعل سے تم توبہ کر لو اور سود لینے سے باز آجاؤ گے تو جو تمہارا اصلی مال اور واقعی قرض ہے وہ واجب ادا ہے تم کو ملے گا۔ نہ تم پر زیادتی کی جائے گی نہ تم کو زیادتی کرنے کا حق ہے۔ نہ تم کسی کی حق تلفی کرو کہ اصل مال کے علاوہ سود بھی لو اور نہ تمہاری حق تلفی ہو کہ اصل مال بھی نہ دلایا جائے۔ اس اعلانِ جنگ کے بعد ہی عمر نے توبہ کی اور کہنے لگے ہم کو خدا سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

مقصودِ بیان زمانۂ کفر کا سود حالتِ اسلام میں لینے کی ممانعت، بصورتِ انکار کفر کا لزوم اور مسلمان حاکم کو ایسے منکر فرقہ سے جہاد کرنے کا حکم اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ جو شخص سود کا تقاضہ کرے اس کو اصل حق یعنی نفسِ قرض سے بھی محروم رکھا جائے اس کا اصلی مال بھی نہ دلایا جائے۔ اگر سود لینے سے توبہ کرے تو اصلی مال جو واقع میں واجب الادا تھا اس کو دیدیا جائے۔ مساواتِ عامہ کا قانونی حیثیت سے اعلان وغیرہ

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

اور اگر کوئی تنگدست ہے تو فراخی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم سمجھدار ہو تو معاف کر دینا

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ

تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس دن سے ڈرو جس میں خدا کی طرف تم کو لوٹایا جائے گا پھر ہر شخص کو اس کے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

کرتوت کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی

تفسیر جب سود کے وصول باقی کی ممانعت ہوگئی تو بنی عمرو نے اصل قرض کا سخت تقاضا شروع کیا۔ بنی مغیرہ مہلت چاہتے تھے اور بنی عمرو ایک دن کی مہلت نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم نے سود چھوڑا تو اصل قرض کے ادا کرنے میں کیوں مہلت دیں اور کیوں اپنی واجبی رقم کا سختی کے ساتھ مطالبہ نہ کریں۔ ہمارا تمام قرضہ جس طرح بن پڑے ابھی ادا کرو۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور واقعی بات بھی ہے جب وہ سود جو قرضدار پر چڑھا ہوا ہے قرض خواہ کو وصول کرنے کی ممانعت کردی گئی اور آئندہ سود لینے سے منع کردیا گیا تو قرض خواہ کا قرضدار کو تنگ کرکے اصل مال وصول کرنا طبعی بات ہے۔ کیونکہ ظاہری نفع کی جو اُمید تھی جس کی وجہ سے مہلت دے رہا تھا وہ تو منقطع ہوگئی۔ مگر جو قرضدار تنگدست اور مفلوک الحال ہیں ان کے واسطے اس میں بڑی دقت ہے وہ کہاں سے لاکر قرض ادا کریں۔ خود نان شبینہ کو محتاج پھر اُن سے فوراً قرض کس طرح ادا ہونا ممکن ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قرض خواہوں کو مذکورہ بالا رحم مہربانی اور فطری غمخواری کی ہدایت فرمائی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

اگر کوئی قرضدار تنگ دست ہو۔ اصل مال بھی فوراً ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کو اس مدت کے واسطے مہلت دینی چاہیئے کہ اس کو مال میسر آجائے اور وہ فراخ دست ہوجائے۔ یہ تو وجوبی حکم تھا۔ آگے قرض خواہوں کو استحبابی حکم دیا جاتا ہے وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اگر بالکل قرض ہی معاف کردو تو یہ اور بھی اچھا ہے تمہارے لئے بہتر ہے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش تم کو علم ہوجائے کہ کسی تنگدست قرضدار کو قرض کے مطالبہ سے سبکدوش کرنا کس قدر بہتر اور کیسے اجر جزیل کا موجب ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن خدا اپنے سایہ میں لے لیگا۔ (مسلم) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ یہ وعدہ تھا وعید ہے ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کے ہول عذاب سے ڈرو۔ تم سب کو اس روز خدا تعالیٰ کے سامنے لوٹ کر جانا ہے اور جزائے حق کا دینا ہے۔ وہ انصاف کا دن ہے۔ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر شخص کو اس روز اس کے اعمال کی سزا جزا پوری پوری دی جائے گی ذرہ برابر کمی بیشی نہ ہوگی اور کسی پر قطعاً ظلم نہ ہوگا۔ حق تلفی نہ ہوگی۔ لہٰذا احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو۔ قرضداروں پہ زیادتی نہ کرو۔

مقصود بیان غریبوں، مسکینوں اور مجبور الحال لوگوں کے ساتھ رحم و کرم غمخواری اور ہمدردی کرنے کی ترغیب۔ نادار قرضدار کو اتنی مہلت دینے کا وجوبی حکم کہ اس کو ادائے قرض کے لائق مل جائے۔ احساب کتاب سزا جزا کے لازمی اور واجبی ہونے کی صراحت اس امر کی طرف تلمیح کہ سب لوگ خدا کے پاس سے ہی آئے ہیں۔ تمام ارواح و اجسام کو اسی نے پیدا کیا ہے اور یہ قطرات سب اسی سمندر کے ہیں اور اسی آفتاب کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا عقلاً یہ بات بھی ضروری ہے کہ قطرے سمندر میں جاکر شامل ہوجائیں اور یہ تمام شعاعیں اسی آفتاب مقدس کی طرف رجوع کریں لَا يُظْلَمُوْنَ کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر تم مفلس قرضدار کو قرض سے سبکدوش کردوگے تو امید یقینی رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے میں جو تم سے تساہل ہوگیا ہے یا تم ادا نہ کرسکے ہو یا نسیان ہوگیا ہے خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کو معاف فرمادے گا۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تم اپنے حقوق واجبہ سے اگر دست بردار ہوجاؤ گے تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حقوق تم کو معاف فرمادے گا اور تم کو کیا حق ہے کہ مخلوق خدا سے اپنے حقوق وصول کرو اور خدا کے حقوق ادا نہ کرو۔

ہدایت خاص صحیح روایات سے ثابت ہے کہ پورے قرآن پاک میں سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہی آیت ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اس آیت کے نزول کے بعد ۸۱ رات حضور اقدس صلعم اس دار فانی میں رہے۔

سُود کے چند مسائل

سود دو قسم کا ہوتا ہے (۱) سود قرضی (۲) سود بیعی۔ اول الذکر کی یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی کسی شخص کو قرض دیتا ہے اور ادا کرنے کی ایک خاص میعاد مقرر ہوتی ہے اور اس پر ماہواری قسط مقرر کر لی جاتی ہے اور ماہواری سود وصول کیا جاتا ہے اور قرضدار کو مزید مہلت دی جاتی ہے اور یہ سود در سود کا سلسلہ اصل رقم سے چار چند بلکہ صد چند ہونے کے بعد بھی قائم رہتا ہے اس کو ربٰو بھی کہتے ہیں۔ مؤخر الذکر سود کی یہ صورت ہے کہ گیہوں، جَو یا اور جنس سوائے نقد کے وزن کر کے دی جائے یا ناپ کر دی جائے اور پھر اس سے زائد وصول کی جائے۔ شرعاً سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔ مقدم الذکر کی صورت کی حرمت تو اسی آیت سے واضح ہو جاتی ہے شروع میں ابن عباسؓ اس کی حلت کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ سود قرض یعنی نسیہ جائز ہے۔ مگر تحقیق کے بعد انھوں نے اس رائے سے رجوع کر لیا۔ دوسری قسم کو سود فضل بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی شرعاً حرام ہے۔ لیکن اس کی تفصیل قرآن پاک میں مذکور نہیں۔ البتہ حدیث کی صحیح کتابوں میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فالفضل ربٰو۔ یعنی سونے کے مقابل سونا، چاندی کے عوض چاندی، گیہوں کے عوض گیہوں، جَو کے عوض جَو، کھجور کے عوض کھجور اور نمک کے عوض نمک فروخت کرو۔ لیکن ان کا تبادلہ مساویانہ اور دست بدست ہونا چاہئے۔ کمی بیشی نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ سود ہو جائے گا اور یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایک من گیہوں آج لے لئے اور ایک ماہ کے بعد مثلاً ایک من گیہوں دے دئے یہ بھی جائز نہیں۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایک من ردی گیہوں تیس سیر عمدہ گیہوں کے بدلہ دیئے جائیں تو جائز ہو جائے گا تو یہ بھی غلط ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جیّدھا وردیھا سواء یعنی اچھے بُرے کھرے کھوٹے اس صورت میں سب برابر ہیں۔ اچھوں کے عوض اچھے ہوں یا بُرے بہر صورت مساویانہ تبادلہ ہونا چاہئے۔

حدیث مذکور میں مذکورہ بالا چھ چیزوں میں تبادلہ کے وقت کمی بیشی حرام قرار دی گئی ہے۔ باقی دیگر اشیاء کا حکم اسی سے استخراج کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زیادہ رواج انہی چیزوں کے تبادلہ کا تھا اور معاش کا زیادہ تر مدار بھی انہی پر تھا۔ اس لئے حضورؐ نے انہی اشیاء میں سود کی حرمت کا اظہار کر دیا باقی اشیاء کو مکمل ذکر کرنا ناممکن تھا اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دیا۔ البتہ علمائے اُمت اسلامیہ جن کو خدا تعالیٰ نے اجتہاد کی روشنی عطا کی ہے وہ ضرور اس سے تمام اشیاء کے تبادلہ کا حکم نکالتے ہیں۔ ہم ذیل میں صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تحقیق کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دو شرطیں لگائی ہیں مثلاً بمثل اور یداً بید یعنی مقدار میں برابری ہو۔ یعنی ایک چیز اگر وزن ہو کر بکتی ہو تو جس چیز سے اس کا تبادلہ کیا جاتا ہے اس کا بھی وزن سے بکنا ضروری ہے۔ اگر پہلی چیز ناپ کر فروخت کی جاتی ہو تو دوسری چیز کا بھی ناپ کر فروخت کیا جانا ضروری ہے۔ پھر جنسی اتحاد بھی ضروری ہے اگر گیہوں فروخت کئے جائیں تو عوض میں گیہوں ہی ہونے ضروری ہیں اور جَو فروخت کئے جائیں تو عوض میں جَو کا ہونا ہی لازمی ہے۔ دوسری شرط حضورؐ نے دست بدست بیع ہونے کی لگائی ہے۔ ان دونوں شرطوں کا لحاظ کرتے ہوئے امور ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔

اگر سونا سونے کے عوض یا چاندی چاندی کے عوض بہرحال دو ہم جنس چیزوں کا باہم تبادلہ کیا تو دونوں مقداریں برابر ہونے چاہئیں اور دست بدست فوراً فروخت ہونی چاہئے۔

اگر دو چیزوں کا تبادلہ کیا گیا جو مختلف الجنس ہیں۔ ایک سونا ہے اور ایک چاندی اور مقدار میں دونوں ایک سی ہیں یعنی دونوں تول کر یا دونوں ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں تو کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار بیچنا جائز نہیں۔ مثلاً سونے کے عوض چاندی خریدی یہ تو جائز ہے کہ سونا تولہ بھر اور چاندی چالیس تولے ہو۔ لیکن دست بدست قبضہ ہونا چاہئے۔

اگر دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں مگر قدر میں اشتراک نہ ہو۔ ایک وزن سے فروخت ہوتی ہو اور دوسری ناپ کر۔ مثلاً ایک پشاوری لنگی وزن سے فروخت ہوتی ہو اور دوسری پشاوری لنگی ناپ کر بکتی ہو تو تبادلہ میں تفاوت جائز ہے۔ یہ جائز ہے کہ ایک پشاوری لنگی کے عوض دس لنگیاں لے لی جائیں مگر یہاں بھی دست بدست قبضہ ضروری ہے۔ ادھار پر تبادلہ جائز نہیں۔ اگر ایک چیز ایک جنس کی جو وزن ہو کر بکتی ہے ایسی چیز کے عوض فروخت کی جائے جو اور جنس کی بھی ہے اور وزن ہو کر فروخت نہیں کی جاتی ہے۔ مثلاً نقد روپیہ سے کپڑا خریدا تو ادھار پر خرید و فروخت بھی جائز ہے اور کمی بیشی بھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب

مسلمانو! جب ایک میعادِ مقررہ تک کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کیا کرو تو اُس کو لکھ لیا کرو اور تم میں سے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ

لکھنے والے کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اُس کو سکھایا ہے لکھ دے

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ

اور جس پر قرض ہے وہ لکھواتا جائے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ کاٹ چھانٹ نہ کرے پس اگر قرضدار

الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ

بے عقل یا کمزور ہو یا خود نہ لکھوا سکتا ہو تو مناسب ہے کہ اُس کا کارکن انصاف

بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

سے لکھوائے اور اپنے آدمیوں میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد

وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا

اور دو عورتیں ہوں جن گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اُس کو

الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

یاد دلا دے اور جس وقت گواہوں کو (شہادت کے لیے) بلایا جائے تو انکار نہ کریں اور میعادِ مقررہ تک لکھنے میں کاہلی نہ کرو چھوٹا معاملہ ہو یا

كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا

بڑا اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لیے بہت درست ہے اور لگتا ہے کہ (آئندہ) تم کو شبہ نہ پڑے

أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ

ہاں اگر سودا دست بدست ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرتے ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے

وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ

اور خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو لیکن نہ کاتب کو تکلیف دی جائے نہ گواہ کو اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لیے

فُسُوْقٌ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

گناہ کی بات ہے　اور اللہ سے ڈرو　اور اللہ تم کو سکھاتا ہے　اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر بیع سلم اور سود میں چونکہ بہت قریبی مشابہت تھی صرف نتیجہ کا فرق تھا۔ ایک نتیجہ میں تباہی اور بربادی حاصل ہوتی تھی اور دوسرے کے نتیجہ میں خوشحالی اور فارغ البالی۔ اس لئے سود کی حرمت سے اس طرف گمان کیا جا سکتا تھا کہ شاید بیع سلم اور مدتِ معینہ کے لئے قرض دینا بھی حرام ہو۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں اس امر کی وضاحت فرمادی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم بیع سلم یعنی بدلی کیا کرو اور قیمت نقد دے کر مبیع کی وصولی کے لئے کوئی مدت معین کر لیا کرو یا مبیع فوراً حاصل کر کے قیمت ادا کرنے کی کوئی میعاد مقرر کر لیا کرو۔ بہرحال تم کو مناسب ہے کہ پیمانہ وزن اور میعاد وغیرہ لکھ لیا کرو تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ ہو۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ اور کاتب کے لئے بھی مناسب ہے کہ لکھ دے لیکن انصاف کے ساتھ لکھنا لازم ہے۔ کاتب پر واجب ہے کہ مال اور قیمت وغیرہ کے لکھنے میں کمی بیشی نہ کرے۔ ٹھیک ٹھیک لکھے۔ بائع مشتری میں سے کسی کی جنبہ داری نہ کرے۔ مگر کاتب پر لکھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے کہ اس کو لکھنا سکھایا اسی طرح یہ بھی لوگوں کی تحریر لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ لکھ دے۔ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا اور جس شخص پر دینا لازم ہے اس پر بھی واجب ہے کہ ٹھیک ٹھیک مطالبے کے موافق مضمون لکھوائے کاٹ چھانٹ نہ کرے اور خدا کا خوف رکھے فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ اب اگر مطالبہ دار بیوقوف ہو یا بہت کمزور ہو یعنی نابالغ بچہ یا بہت زیادہ پیر فرتوت ہو یا لکھانا جانتا نہ ہو یا کوئی اور وجہ ہو کہ لکھا سکتا ہو فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ تو اس کا سرپرست باپ دادا وصی یا شرعی حاکم انصاف کے ساتھ دستاویز لکھوا دے کمی بیشی نہ کرے اور دستاویز لکھنے کے بعد معاملہ کی پختگی کے لئے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ دو مرد گواہ مسلمانوں میں سے لے لو اور مسلمان کو گواہ بناؤ کافر کو گواہ نہ بناؤ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی کافی ہیں مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اور یہ گواہ دینی اعتبار سے قابل پسند ہوں۔ حُر ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں۔ دیوانے نہ ہوں، فاسق نہ ہوں۔ جس معاملہ کی گواہی دیں اس سے خوب واقف ہوں۔ گواہی سے ان کا کوئی خاص نفع نہ ہو اور کوئی مضرت بھی واقع نہ ہوتی ہو۔ حافظہ بھی ان کا صحیح ہو۔ نسیان یا غلط گوئی میں مشہور نہ ہوں۔ بے مروت اور لالچی نہ ہوں۔ مدعا علیہ سے ان کو ذاتی عداوت بھی نہ ہو۔ ایسے ایسے گواہوں کو گواہ بناؤ۔ رہی یہ بات کہ ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کی کیوں ضرورت ہے؟ اس لئے کہ عورتوں کی قوتِ واہمہ قوی ہوتی ہے اور حافظہ بہ نسبت مردوں کے کمزور ہوتا ہے اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ممکن ہے کہ ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے گی۔ لہٰذا دو عورتیں ہونی ضروری ہیں۔ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا اور جب گواہوں کو ادائے شہادت کے لئے یا کسی واقعہ کا گواہ بننے کے لئے بلایا جائے تو انکار نہ کریں گواہوں پر واجب ہے کہ جب حاکم ادائے شہادت کے لئے بلائے تو حاضرِ عدالت ہوں یا کسی معاملہ کے وقت اگر کسی کو گواہ بننے کے لئے بلایا جائے تو اس پر لازم ہے کہ گواہ بن جائے۔ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ اس حکم کا کافی لحاظ رکھو۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال جب میعادی ہو تو اس کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ ایسے معاملات دن رات ہوتے رہتے ہیں لکھ کر کیا ہوگا زبانی لین دین ہی کافی ہے ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ کیونکہ لکھنے میں تین فوائد ہیں۔ اوّل تو یہ کہ حق العبد کی حفاظت رہے گی۔ ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جانے کا ڈر رہے گا، منصفانہ کارروائی قائم رہے گی۔ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ دوسرے یہ کہ گواہوں کو ادائے شہادت میں آسانی ہوگی۔ لکھا ہوا دیکھ کر گواہ کو اپنی گواہی یاد آجائے گی اور پھر وہ سہولت کے ساتھ گواہی دے سکے گا۔ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا تیسرے یہ کہ اہلِ معاملہ کا دل صاف رہے گا۔ ایک کو دوسرے کی طرف بدگمانی کا موقع نہ ملے گا اور انکار کی جرأت نہ ہوگی۔

کل آیت کا خلاصہ یہ نکلا کہ بیع سلم جائز ہے خواہ قیمت نقد اور مبیع اُدھار ہو یا مبیع نقد اور قیمت اُدھار لیکن میعاد مقرر ہونی ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ ۱۰ محرم تک قیمت ادا کر دوں گا یا سو روپے جو اس وقت لئے ہیں اس کا غلہ فلاں تاریخ کو دے دوں گا۔ اس معاملہ کا لکھ لینا مناسب ہے تاکہ باہمی نزاع اور اختلاف کا احتمال نہ رہے اور کاتب کے لئے مستحب ہے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے اور مطالبہ دار اگر بیوقوف آدمی ہو یا بچہ ہو یا بہت زیادہ بوڑھا اور

تو ان کا ہر معاملات کا ولی یعنی باپ دادا یا وصی یا شرعی حاکم کرے۔ اور لکھوا لینے کے بعد معاملہ کی پختگی کے لئے دو مسلمان بالغ عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنا لینی چاہئیں۔ کیونکہ اصل دعوے کا مدار انہی گواہوں پر ہے۔ گواہی کے لئے واقعہ کا خود مشاہدہ کرنا یا دستاویز کو سُن لینا کافی ہے۔ گواہوں کے دستخط لازم نہیں۔ لیکن اگر کردئے جائیں تو بہتر ہے تاکہ گواہ کو دستاویز پر اپنے دستخط دیکھ کر یاد آجائے۔ دستاویز لکھنے کے تین فوائد ہیں۔ دونوں اہل معاملہ کے حقوق کا تحفظ رہے گا۔ دلوں میں صفائی رہے گی شک کرنے کا موقع نہ ملے گا اور گواہوں کو گواہی دینے میں سہولت ہوگی۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ گزشتہ حکم بیع سلم یا قرض کا تھا جس میں لکھنے کی تاکید کی گئی تھی۔ یہ حکم دست بدست لین دین کا ہے یعنی اگر باہم فوری لین دین ہو۔ مشتری کو قیمت فوراً دیدے اور مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع مبیع اسی وقت دیدے اور قیمت پر قبضہ کرلے تو فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نزاع کا احتمال ہی نہیں ہے۔ نہ مشتری کو بدگمانی کرنے کا موقع مل سکتا ہے نہ بائع کو اسی طرح کوئی دوسرے سے رگڑا جھگڑا بھی نہیں کرسکتا۔ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ لیکن دست بدست لین دین میں بھی بہتر یہ ہے کہ گواہ تو کر ہی لیا کرو۔ کیونکہ دست بدست معاملہ میں کبھی تنازع ہو ہی جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا اور بائع سے کہا چلو مکان پر پہنچ کر قیمت دوں گا۔ بائع مشتری کے ساتھ ہولیا۔ اتفاقاً راستہ میں اس کی قیمت زیادہ لگی اور بائع نے مشتری اول سے انکار کردیا کہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کی ہے تو خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا۔ اس قسم کی ہم ذیل میں ایک حدیث لکھتے ہیں جو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا فردیہاتی سے ایک گھوڑا خریدا اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے بلا لیا کہ مکان پر پہنچ کر قیمت دیدوں گا اعرابی ساتھ ہولیا۔ لیکن حضور والا تیز جا رہے تھے اور اعرابی آہستہ آہستہ جا رہا تھا اس لئے پیچھے رہ گیا۔ لوگوں نے اعرابی کے پاس گھوڑا دیکھ کر اس کی قیمت لگانی شروع کی۔ کیونکہ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خرید چکے ہیں۔ بالآخر کسی شخص نے رسول اللہ کی قیمت سے زیادہ قیمت لگائی۔ اعرابی کے دل میں بے ایمانی آئی اور حضور کو آواز دے کر بولا۔ اگر اس قیمت پر آپ گھوڑے کو خریدتے ہیں تو خریدئے ورنہ میں اس شخص کے ہاتھ گھوڑا فروخت کئے دیتا ہوں۔ حضور پاک صلعم اعرابی کی آواز سُن کر ٹھہر گئے اور ارشاد فرمایا میں تجھ سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اعرابی بولا واللہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں میرے تیرے درمیان ایجاب وقبول پورا ہوچکا ہے۔ اسی میں نزاع بڑھ گیا اور لوگ جمع ہونے لگے۔ مسلمان حضور اقدس کی تصدیق کرتے تھے اور جو کافر ہوتا تھا وہ اعرابی کو حق بجانب کہتا تھا۔ بالآخر اعرابی نے کہنا شروع کیا کہ اچھا تم گواہ لاؤ جو گواہی دے کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت کردیا ہے اور میرے آپ کے درمیان ایجاب قبول ہوگیا ہو۔ گواہ موجود نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں حضرت خزیمہ بن ثابت پہنچ گئے اور اعرابی کا یہ کلام سُن کر کہنے لگے۔ ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کیا الخ۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دست بدست معاملہ میں اگرچہ تحریر لکھانے کی ضرورت نہیں تاہم گواہ بنا لینے بہتر ہیں تاکہ نزاع کا کوئی احتمال ہی نہ رہے۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ سابق آیت میں حکم دیا تھا کہ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے صحیح صحیح لکھ دے اور گواہ بننے یا گواہی دینے سے انکار نہ کرے۔ ٹھیک ٹھیک واقعی گواہی دیدے۔ اس حکم سے فریقین معاملہ کو موقع مل سکتا تھا کہ کاتب سے جو چاہیں جھوٹ سچ لکھالیں اور پھر اُجرت بھی نہ دیں۔ اس غریب کے ضروری کام کاج میں بھی نقصان پیدا کردیں۔ اگر وہ بیمار ہو تو پکڑ کر بلا لیں۔ اگر کہیں سلسلۂ معاش پر لگا ہوا ہو تو اس کی روزی کا سلسلہ بند کرکے اپنی دستاویز لکھالیں گویا فن کتابت وتحریر اس کے لئے وبال ہوجائے اور دنیا میں لکھنے والوں کی زندگی دوبھر بن جائے۔ اسی طرح اہل معاملہ ہر شخص کو جو گواہی دینے کی شرعی قابلیت رکھتا ہو پکڑ کر گواہ بنا سکتے تھے۔ کوئی اپنے ضروری کام میں مشغول ہو مگر اس کو مجبور کرکے بلا کر گواہ بنا سکتے تھے اور پھر زبردستی اس سے گواہی بھی دلا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر گواہ کسی غیر مقام میں ہوتا اور وہاں سے عدالت تک جانے میں کچھ صرف ہوتا ہو تو اس صرف کا بار گواہ کی گردن پر ڈال سکتے تھے اور اس سے کہہ سکتے تھے کہ ہم صرف ورف کر نہیں جانتے گواہی تم کو بہرحال دینی ہوگی۔ ان تمام نقصانات کی بندش کے لئے خداوند تعالیٰ نے صرف دو لفظ فرمائے کہ "نہ کاتب کو نقصان ومضرت پہنچائی جائے نہ گواہ کو" اس مختصر کلام سے فریقین معاملہ کی ہر قسم کی زیادتی کا استیصال ہوگیا اور قطعی ممانعت ہوگئی کہ جس بات سے کاتب وگواہ کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچتا ہو وہ فعل نہ کیا جائے۔ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ یہ گزشتہ وجوبی احکام کی خلاف ورزی کرنے پر وعید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

کہ اگر تم گزشتہ ممانعتوں کا ارتکاب کروگے تو یہ خدا کی نافرمانی ہے جس کا وبال مرتکب پر عائد ہوگا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لہٰذا تم کو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اس کے اوامر و نواہی پر کاربند رہنا چاہیئے۔ جو کام کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اس کو کرنا چاہیئے اور جس فعل کے کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس کو نہ کرنا چاہیئے۔ چون و چرا قطعاً نہ کرنا چاہیئے اور احکام الٰہی کی تنقید نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ خدا تعالیٰ خود تم کو ایسے احکام کی تعلیم دیتا ہے جس پر تمہاری فلاح دائمی اور سعادت موقوف ہے۔ لہٰذا اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہیئے۔

مقصود بیان بیع سلم اور ربا کے فرق کی طرف اشارہ، بیع سلم کی اجازت، بیع سلم میں واجب الادا چیز کی میعاد لکھنے کی ضرورت، ناپ تول قیمت اور دیگر امور ضروری لکھنے کی ہدایت، کاتب کو لکھنے کا استحبابی امر اور انصاف کے ساتھ لکھنے کی ہدایت کمی بیشی اور تراش خراش کرنے یا کسی فریق کی جنبہ داری کرنے کی ممانعت۔ اگر کاتب کو لکھنے کے لئے بلایا جائے تو انکار نہ کرنے کا استحبابی حکم اس امر کی صراحت کہ جس شخص کو خدا نے اپنی نعمت عطا کی ہے اس کو چاہیئے کہ مخلوق خدا کے فائدہ میں اس کو صرف کرے۔ کتابت و تحریر بھی خدا کی ایک نعمت ہے اس لئے کاتب کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ مطالبدار کو ہدایت کے خلاف واقعہ کوئی بات نہ لکھوائے۔ اگر مطالبہ دار کسی وجہ سے مجبور ہو اور لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کے ورثاء سرپرست لکھوا سکتے ہیں۔ دستاویز پر مطالبہ داری کے دستخط ضروری نہیں ہیں۔ ہر معاملہ میں دو مسلمان عاقل بالغ آزاد متقی مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری اور کافی ہے (مگر زنا اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ اس حکم کا علیحدہ بیان کردیا گیا ہے کہ چار گواہ ہونے لازم ہیں) معاملات میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ عورتوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور وہم قوی ہوتا ہے۔ ہر گواہ کو واقعہ یاد رکھنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایک کو یاد ہو تو وہ دوسرے کو یاد دلا سکتا ہے۔ گواہ کے واسطے مشاہدہ بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر معاملہ ختم ہونے کے بعد بھی ان کو گواہ بنایا جائے تو ان کی گواہی مقبول ہے۔ گواہوں کو اگر طلب کیا جائے تو گواہ بننے یا گواہی دینے سے انکار کی ممانعت، دستاویز سے حقوق العباد کا تحفظ، عدل و انصاف، ادائے شہادت، شاہدوں کو سہولت اور اہل معاملہ میں باہم صفائی رہتی ہے۔ کوئی کسی کی طرف سے بدگمان نہیں ہوسکتا کوئی کسی کا حق نہیں مار سکتا۔ دست بدست تجارت میں دستاویز ضروری نہیں مگر گواہ بنا لینے مستحب ہیں خواہ ایک ہی آدمی ہو۔ جس بات سے کاتب یا گواہ کو کوئی دینی یا دنیوی ضرر پہنچتا ہو اس بات کو اختیار کرنے کی ممانعت۔ خلاصہ یہ کہ امن عام، رفاہ خلق، امور تمدن کی تکمیل، باہمی صلح، میل ملت، مال و حلال کا تحفظ، دیانت، سچائی اور مصالح عباد کا ایک بے بہا خزانہ ان آیات کے اندر مضمر ہے جو دنیا کا کوئی قانون آج تک نہ پیش کرسکا نہ پیش کرسکتا ہے۔ متمدن حکومتوں کے قوانین اس قانون کے مقابلہ میں تحفظ حقوق کے اعتبار سے بہت پست درجہ پر ہیں۔ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب ایسا اصلاحی لائحہ عمل آج تک نہ پیش کرسکی۔ گواہوں کی شہادت مقبول یا مردود ہونے کا معیار، کاتب اور گواہ کو نقصان و ضرر نہ پہنچانے کی ہدایت، حق تلفی اور تغلب کی بیخ کنی کا ضابطہ اس سے بہتر ناممکن ہے۔ وغیرہ

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرُهُنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز رہن باقبضہ ہونی چاہیئے اور اگر تم میں سے ایک دوسرے کا

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

اعتبار کرلے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اس کو دوسرے کی امانت ادا کردینی چاہیئے اور اپنے رب سے ڈرنا چاہیئے اور گواہی کو نہ چھپاؤ

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۟ ع ۳۹

جو شخص اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُدھار پر خرید و فروخت کی جائے تو دستاویز لکھا لی جائے تاکہ ہر فریق معاملہ کو اطمینان ہو جائے۔ اس آیت میں اطمینان کی ایک دوسری صورت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یعنی کسی چیز کا رہن رکھ دینا۔ رہن رکھ دینا جمہور کے نزدیک سفر و حضر دونوں میں جائز ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو رہن رکھ دینا مباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں لازم ہے۔ لیکن اس کی ضرورت سفر میں عموماً زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں نہ کاتب ملتا ہو نہ گواہ تو اطمینان کے لئے کوئی چیز رہن رکھ دی جاتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر تم سفر کی حالت میں ہو یعنی کسی معذوری کی حالت میں جس طرح کہ سفر میں معذوری ہوتی ہے وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ اور لکھنے والا نہ ملے یا دوات نہ ملے یا قلم نہ ہو یا کاغذ نہ ہو یا کوئی گواہ نہ مل سکے یا کوئی اور عذر ہو تو کوئی چیز رہن رکھ دینی چاہیئے۔ لیکن شئے مرہونہ پر مرتہن کا قبضہ لازم ہے ورنہ رہن نہ سمجھا جائے گا۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کوئی چیز رہن نہیں ہو جاتی ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا لیکن اگر دائن کا مدیون پر اعتبار ہو اور بغیر دستاویز لکھائے اور بغیر رہن رکھے وہ ادھار کا معاملہ کرلے اور صرف دوسرے کی ذات پر اعتماد رکھے فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ تو مدیون پر بھی لازم ہے کہ دائن کا حق امانت سمجھ کر ادا کرے اور پورا پورا ٹھیک میعاد پر اس کو پہنچا دینے میں حیلہ حجت نہ کرے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں اپنا مال کسی کے پاس رہن رکھ دے تو مرتہن پر لازم ہے کہ راہن کے مال کو امانت سمجھے۔ اس میں کوئی تصرف نہ کرے اور نہ اس سے کوئی نفع اُٹھائے بلکہ اس معاملہ کی تکمیل ہو جائے اور کاروبار صاف ہو جائے تو مال مرہونہ راہن کو پورا پورا بغیر حیلہ حجت کے دیدے وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ اور قرض کے ادا کرنے میں خدا سے ڈرتا رہے۔ دائن کا قرض مثل امانت کے ہے اور امانت کی ادائیگی لازم ہے۔ اس میں خیانت نہ کرے اور کسی طرح یہ خیال نہ کرے کہ اگر میں یہ زر امانت ادا کر دوں گا اور قرض کا مال دے دوں گا تو نادار ہو جاؤں گا اور فاقہ مر جاؤں گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ رب ہے پرورش کا کفیل ہے۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی حقدار کا حق بغیر کسی کی گواہی کے ضائع ہوتا ہو اور وہ اس کو طلب کرائے تو گواہ کو ادائے شہادت سے انکار کرنا یا اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ یا حقدار کو علم نہ ہو کہ میرا معاملہ فلاں شخص کو معلوم ہے مگر گواہ جانتا ہے کہ میری گواہی نہ دینے سے اس کا حق تلف ہو جائے گا تب بھی ادائے شہادت واجب ہے اور اصل واقعہ بیان نہ کرنا یا غلط بیان کرنا بھی کتمانِ شہادت میں داخل ہے۔ جس میں محض زبان ہی گنہگار نہیں ہوتی بلکہ عزم معصیت کی وجہ سے دل بھی گنہگار ہوگا۔ کتمانِ شہادت سے دل بھی بگڑ جاتا ہے بلکہ اس کا سرچشمہ ہی دل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی دینا تو کبیرہ گناہوں میں بدترین گناہ ہے مگر اخفائے شہادت بھی یہی حکم رکھتا ہے۔

مقصود بیان بحالت مجبوری رہن رکھنا جائز ہے۔ رہن کی تکمیل بغیر قبضہ کے نہیں ہوتی یعنی جب تک شئے مرہونہ پر قبضہ نہ کر لیا جائے رہن معتبر نہیں۔ کسی کا قرض امانت ہے۔ جس طرح امانت میں خیانت کرنا جرم ہے اسی طرح قرض ادا نہ کرنا بھی حرام ہے۔ امانت میں بدنیتی جائز نہیں۔ اسی طرح کسی قرض کو بدنیتی سے روک لینا ادا کرنے میں حیلہ حجت کرنا بھی ناجائز ہے۔ اخفائے شہادت کبیرہ گناہ ہے اور ادائے شہادت لازم ہے۔ وغیرہ۔ مذکورہ بالا تمام ہدایات سے بھی کائنات انسانی کے حقوق کا تحفظ، لوازم تمدن کی تکمیل، اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور کسی غریب کی حق تلفی نہ ہونے دینے کی تلقین مقصود ہے تاکہ عالم میں فتنہ فساد، جنگ و جدال، بے ایمانی اور بددیانتی پیدا نہ ہو اور تمام امیر و غریب، شاہ و فقیر مساویانہ حیثیت سے اپنے اپنے حقوق کے ساتھ رہیں۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا

تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝

اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں اخفائے شہادت اور خیانت کی ممانعت کی گئی تھی۔ اسی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے اور وعید آمیز ممانعت کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان زمین کے درمیان اور ان میں جو کچھ ہے یعنی کائنات عالم سب خدا ہی کی بنائی ہوئی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔ اسی کے تابع فرمان ہے۔ اس لئے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے یعنی جو خیانت کی نیت اخفائے شہادت کا ارادہ اور گناہ کا مصمم عزم تمہارے دلوں میں ہے اس کو تم ظاہر کرو یا چھپاؤ بہرحال قیامت کے دن اس کا حساب خدا تعالیٰ تم سے کرے گا۔ حساب کے بعد فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جس شخص سے چاہے گا درگزر فرمائے گا اور جس کو عذاب دینا چاہے گا اس کو عذاب دے کا معاف نہ کرے گا۔ اس کو مغفرت کرنے یا عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے جس کو چاہے بخشے جس کو چاہے عذاب دے۔

مقصود بیان اگر گناہ کا مصمم ارادہ کر لیا جائے۔ لیکن کسی ناگہانی اور غیر اختیاری وجہ سے گناہ کا ظہور نہ ہو سکے تو چونکہ خدا تعالیٰ دلی ارادوں سے واقف ہے اس لئے ایسے ارادے بھی قابل مواخذہ ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس قسم کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وغیرہ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

رسول نے اور ایمان والوں نے اُن احکام کو مان لیا جو پروردگار کی طرف سے رسول پر اتارے گئے سب کے سب اللہ پر اور اس کے

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا

فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لے آئے (اور کہنے لگے کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں سمجھتے اور بولے ہم

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ۝

نے سُنا اور مان لیا اے ہمارے پروردگار ہم تیری بخشش کے خواستگار ہیں اور تیرے ہی طرف لوٹنا ہے

تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ صحابہ نے جب آیت وَاِنْ تُبْدُوْا سے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ اعضائے ظاہری اور وساوس قلبی دونوں کا حساب لے گا تو ان کے دل کانپ گئے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دو زانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اول تو ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ بہت سے وسوسے دل کے اندر آتے ہیں۔ اگر ان پر مواخذہ ہوا تو پھر ہمارا کہاں ٹھکانا لگے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری عرضداشت سن کر ارشاد فرمایا جو کچھ حق تعالیٰ کا حکم ہے تم اس کو بغیر چون و چرا کے مان لو۔ یہود و نصاریٰ کی طرح حجتیں نہ کرو۔ آقا کے حکم میں حجتیں کرنی بندہ کا کام نہیں ہے وہ خود تمہاری طاقت اور اپنے حکم سے واقف ہے۔ تم کو لازم ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح سمعنا وعصینا نہ کہو بلکہ یوں کہو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ الخ گویا اس آیت میں صحابہ کرام کی فضیلت ایمانی اور علو مرتبہ کو ظاہر کیا گیا ہے اور گزشتہ آیت کے حکم کو منسوخ کیا گیا ہے (رواہ احمد ومسلم ابوداؤد فی ناسخہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری دعا صحابہ کو تعلیم فرمائی تھی ــ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، بیہقی)

شانِ نزول کے بیان کے بعد اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو احکام (سخت یا آسان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے ہیں اُن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مومن بندے ایمان رکھتے ہیں اُن کی تعمیل میں کوئی چون وچرا نہیں کرتے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ہر شخص خواہ رسول ہو یا عام مومن خدا تعالیٰ کی ذات وصفات، وحدت، قدرت، علم، ارادہ، حقیقت، خلق وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے اُس کے تمام فرشتوں پر ایمان رکھتا ہے، جبریل ہو، میکائیل ہو یا کوئی اور فرشتہ ہو کسی کا انکار نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتا ہے تمام صحیفے توریت، انجیل، زبور اور قرآن کو خدا تعالیٰ کی کتابیں جانتا ہے۔ ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتا اور خدا کے تمام پیغمبروں پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ کسی کی تکذیب نہیں کرتا اور ہر ایک پیغمبر کو خدا کا بندہ اور فرستادہ جانتا ہے خدا یا خدا کا بیٹا نہیں جانتا اور جو احکام ان پیغمبروں نے اپنے زمانہ میں دئیے ہیں اُن کو حق جانتا ہے لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تمام ایماندار لوگ قائل ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے پیغمبروں میں باہم تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں جس طرح کہ یہود ونصاریٰ کرتے ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے۔ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنی خدا تعالیٰ کے خالص مومن بندے کہتے ہیں کہ الٰہی ہم نے تیرا فرمان سنا اس کو قبول کیا۔ جس چیز کے کرنے کا تو نے حکم دیا ہے اس کو بدل وجان کریں گے اور جس کام کی ممانعت کی ہے اس سے پرہیز رکھیں گے۔ ہر طرح تیرے حکم کی اطاعت کریں گے۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا الٰہی ہم تیری طرف سے معافی اور درگذر کے طالب ہیں تو ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے کیونکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ آخر تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت کے دن تو سب کو قبروں سے اُٹھائے گا۔ حساب کتاب لے گا اور عذاب و ثواب دے گا۔ لہٰذا تو ہم کو معاف فرما دے۔

مقصودِ بیان احکام الٰہی کی تصدیق اور تعمیل کرنی چاہیئے۔ تمام انبیاء کل آسمانی کتابوں اور خدا تعالیٰ کے سب فرشتوں پر ایمان لانا لازم ہے تفریق بین الانبیاء کفر ہے۔ خدا سے مغفرت کی دعا مانگنی چاہیئے اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ حشر جسمانی، جنت دوزخ، عذاب ثواب حساب کتاب وغیرہ اُخروی کیفیات سب حق ہیں۔ رسول اللہ بھی مومن تھے یعنی حضور اقدسؐ کا باطن تمام نفسانی کدورتوں اور شیطانی وسوسوں سے پاک صاف تھا جو کچھ عالم جبروت کے صفات قلب گرامی پر منکشف کئے گئے سب کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدق اخلاص سے قبول کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر مومن خواہ عارف ہوں یا صدیق مشاہدہ کے درجہ پر فائز ہوں یا مرتبہ قرب میں ہوں مخلصین کے طبقہ میں ہوں یا محسنین کے گروہ میں۔ رضا وتسلیم کے مرتبہ والے ہوں یا توکل کے بہر حال حضورؐ کے علاوہ ہر مومنِ کامل کا مشاہدہ یقینی ہوتا ہے اور ہر ایک کو کمال ایمان حاصل ہوتا ہے۔ صفات جبروت ان پر بھی منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن تجلی کا مشاہدہ کسی لباس میں ہوتا ہے خالص اور صرف مشاہدہ نہیں ہوتا۔ نفسانی وسوسوں سے ان کو خلاصی نہیں ہوتی

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا

اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا اُس کے کمائے ہوئے کا نفع بھی اسی کے لئے ہے اور اسکے کئے ہوئے کا ضرر بھی اسی کے واسطے ہے

تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

(تم کہو) اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اس کا مواخذہ ہم سے نہ کرنا اے ہمارے پروردگار ہم سے پہلے لوگوں پر جیسا بار گراں تو نے ڈالا تھا ہم پر ویسا بھاری

عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ٙ وقفة

بوجھ نہ ڈالنا اے ہمارے پروردگار ہم سے ایسا بوجھ نہ اُٹھوا جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر کر۔

وَ اغْفِرْ لَنَا ٙ وَ ارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۠ ۝ ع

اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہمارا حامی ہے کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر

تفسیر اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم دل وسوسوں سے بچ نہیں سکتے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اُن سے کنارہ کش ہیں کیوں کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا. خدا تعالیٰ ہر شخص کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا اور کسی پر ناقابل برداشت بار نہیں ڈالتا. بلکہ لَهَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا اکۡتَسَبَتۡ ہر شخص جو معمولی سی خواہ بلا ارادہ ہی ہو نیکی کرتا ہے اس کے لئے نیکی کا فائدہ مخصوص ہے اور جو قصدًا گناہ کرتا ہے اُس کا عذاب اُسی کی گردن پر لدا ہوا ہے. یعنی اعمال جوارح اور اعضاء کے افعال پر عذاب ثواب ہوگا. اگرچہ حساب اُن ارادوں کا بھی ہوگا جن کے کرنے کا پختہ اور مصمم عزم کر لیا گیا ہو اور پھر کسی وجہ سے نہیں کیا ہو گر عذاب اُن پر نہ ہوگا. اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح دعا کرنی چاہیئے. رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِیۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا یعنی الٰہی اگر ہم بھول چوک کر کوئی گناہ کر بیٹھیں تو ہم سے اُس کا مواخذہ نہ کر جس طرح تو بنی اسرائیل سے کرتا تھا. بنی اسرائیل جب بھول چوک کر کوئی گناہ کر بیٹھتے تو فورًا کوئی سزا مل جاتی اور کھانے پینے کی کوئی حلال چیز حرام کر دی جاتی اور اگر قصدًا گناہ کرتے تھے تو ایسے گناہ کی توبہ تو سوائے اپنی جان دے دینے کے کوئی اور نہ تھی قصدًا گناہ کی سزا صرف قتل تھی. مگر یہ فضل الٰہی ہے کہ بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس اُمّتِ مرحومہ پر بھول چوک معاف ہے اور قصدًا گناہ کی معافی کا دروازہ توبہ خالص سے کھل جاتا ہے. رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَآ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا الٰہی ہم پر ایسا بار نہ ڈال جیسا تو نے گزشتہ لوگوں پر ڈالا تھا گزشتہ لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں. بنی اسرائیل کے لئے احکام بہت سخت تھے. قصدًا گناہ کی سزا قتل تھی. زکوٰۃ میں چہارم مال دینے کا حکم تھا. اگر کپڑے پر کہیں نجاست لگ جاتی تو دھونے سے پاک نہیں ہوتی تھی بلکہ اتنی جگہ کو کاٹ دینے کا حکم تھا. رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ الٰہی ہم پر وہ تکالیف اور مصائب نہ ڈال جن کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہو. حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی. خدا تعالیٰ میری اُمت پر ایسی قوم کو مسلط نہیں فرمائے گا جو ان کو قتل کرنا اور نیست و نابود کرنا مباح سمجھے اور نہ ان کو قحطِ عام کی سزا میں مبتلا کرے گا. نہ غرقابی کا عذاب ان کو دیا جائے گا. وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا. ہمارے تمام گناہوں کو معاف کر دے. جو قصور ہم نے کئے ہوں سب کو مٹا دے اور پھر ہم کو اپنی مغفرت میں چھپا لے وَارۡحَمۡنَا اور مغفرت سے بڑھ کر ہم پر رحمت نازل فرما. درجاتِ قرب عطا کر دوزخ سے بچانے کے بعد جنت میں داخل فرما اور پھر جنت میں بھی مراتب برحمت فرما اَنۡتَ مَوۡلٰنَا تو ہی ہمارا آقا مالک اور ہمارے کل کاموں کا ذمہ دار ہے. تو ہی ہمارے کام بنانے والا ہے اور چوں کہ تو ہی ہمارا مولا ہے. فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ لہٰذا دنیا میں بھی تو ہماری مدد فرما، کافروں پر غلبہ عطا کر، دلائل و ثبوت میں بھی ہم کو غالب کر اور حکومت و جنگ میں بھی. حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرمایا.

مقصود بیان مذکورہ ذیل امور کے متعلق دعا کرنے کی ہدایت دینوی شان و شوکت، جاہ و جلال، دولت و حشمت، عزت و حکومت، اعلان اسلام اشاعت امن، ازالۂ فساد، کفار پر غلبہ، برہان و دلیل کی قوت اور اخروی سعادت یعنی عذاب سے نجات، جنت میں داخل، گناہوں کی معافی، رحمت کا نزول اور منازل قرب کا حصول وغیرہ.

آیت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ ہر شخص پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو اپنا مولا اور مددگار و کفیل بنے. چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اسی سے طلب کرے. دنیا پرست اور مغرور اہلِ حکومت سے التجا کرنی بے سود ہے نہ اُن کے پاس کچھ ہے نہ دے سکتے ہیں. ذات باری ہی ہر چیز کی کفیل ہے وہی دینے والا ہے وہی دلوانے والا ہے.

آیت سے ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے دعا کرنی چاہیئے کیوں کہ دنیا سے دین وابستہ ہے. غلبۂ دینی دینوی طاقت کے حصول پر موقوف ہے. لہٰذا دونوں سعادتوں کے حصول کی استدعا مسلمان کے لئے ضروری ہے.

فائدہ:- اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نماز، حج، زکوٰۃ کا ذکر کیا. حیض، طلاق ایلاء کا حکم بیان فرمایا. انبیاء علیہم السلام کے قصے ذکر کئے. سود کا حکم، لین دین کا معاملہ ارشاد فرمایا. پھر حضرت کی تصدیق اور سارے مومنوں کی تصدیق ان سب امور کی بابت ذکر فرمائی. حدیث نفس، وسوسہ اور بھول چوک کی معافی بھی عطا فرمائی اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی بلکہ مومنین کے ساتھ معاملہ عفو و غفران رحمت و نصرت کا کفار پر کیا گیا.

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ۲۰۰ آیات اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

الٓمّٓ اللہ ہی مستحق عبادت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیر فانی اور سب کو تھامنے والا ہے (اے محمد) اسی نے تم پر کتاب برحق نازل کی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ

جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے اسی نے توریت و انجیل لوگوں کی ہدایت کے

هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ

لئے اتاری اور اسی نے معجزات کو اتارا جن لوگوں نے اللہ کی آیات کو نہ مانا ان کے لئے

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

خصوصیت کے ساتھ عذاب ہے اور اللہ زبردست اور بدلا لینے والا ہے

تفسیر اس سورت میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں چوں کہ اس میں آل عمران کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لئے آل عمران نام رکھ دیا گیا
سنہ ۹ھ میں تقریباً ساٹھ عیسائی نجرانی (علاقہ یمن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینے میں عصر کے
وقت آئے ان لوگوں کے سردار چودہ آدمی تھے جن میں تین امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اوّل عاقب یعنی عبدالمسیح دوئم عاقب کا مشیر خاص
پادریوں کا سرگروہ ایہم۔ سوئم ابوحارثہ بن علقمہ بکری سب سے زیادہ ابوحارثہ وجاہت و اعزاز رکھتا تھا۔ کلیسا پر عرب کا یہی سردار تھا۔ شاہان روم
کی طرف سے اس کو جاگیریں عطا کی گئی تھیں اور بادشاہ روم کے دربار میں اس کی عزت و توقیر بھی بہت تھی اور واقع میں بھی یہ علم و فضل میں امتیازی
پایہ رکھتا تھا جو کسی دوسرے عالم کو حاصل نہ تھا۔ یہ شخص دل سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ جس نبی
اعظم کی بشارتیں توریت و انجیل میں دی گئی ہیں وہ یہی ذات گرامی ہے لیکن حب مال و عزت و دولت کا پاس داری، حکومت و جاہ کی کشش
اس کو مسلمان نہ ہونے دیتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو شاہی معتوب ہو کر منصب و جاگیر سے محروم کر دیا جاؤں گا۔ قومی اعزاز و وجاہت
بھی خاک میں مل جائے گی۔ ان شیطانی وسوسوں نے اسے مسلمان نہ ہونے دیا۔ الغرض ساٹھ عیسائیوں کا قافلہ مدینے میں پہنچا۔ حارث بن کعب
ان کے پیچھے آرہے تھے اوّل مسجد میں پہنچ کر انھوں نے نماز ادا کی۔ حضور اقدس صلعم نے ان کی مزاحمت نہ کی اور ارشاد فرمایا ان کو مشرق کی طرف
رُخ کر کے نماز پڑھنے دو۔ نماز کے بعد عبدالمسیح اور ایہم نے سلسلۂ کلام شروع کیا۔ ہم ذیل میں مکالمہ نقل کرتے ہیں :۔

حضور والا۔ تم ایمان لے آؤ۔

عیسائی۔ ہم آپ سے پہلے لا چکے

حضور والا۔ تم غلط کہتے ہو۔ تین وجہ سے تم مسلمان نہیں ہو سکتے۔ تم خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو اور سور کھاتے ہو۔

عیسائی۔ اگر یسوع خدا کا بیٹا نہیں تو اس کا باپ کون شخص تھا؟

حضور والا۔ کیا تم جانتے ہو بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟

عیسائی۔ جی ہاں!

حضور والا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ ہمارا رب حی لایموت ہے کبھی اس کو فنا نہیں اور عیسیٰؑ فانی ہیں ان کو موت آسکتی ہے۔

عیسائی۔ جی ہاں!

حضور والا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارا رب قیوم ہے ہر شے کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو رزق دیتا ہے۔

عیسائی۔ جی ہاں!

حضور والا۔ تو کیا عیسیٰ بھی ان امور میں سے کوئی کام کر سکتے ہیں؟

عیسائی۔ نہیں۔

حضور والا۔ کیا تم قائل ہو کہ خدا تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں؟

عیسائی۔ جی ہاں!

حضور والا۔ کیا عیسیٰؑ بھی سوا اس علم کے جو خدا تعالیٰ نے اُن کو عطا کیا تھا اور کسی چیز سے واقف تھے؟

عیسائی۔ نہیں۔

حضور والا۔ تو ہمارے پروردگار نے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہا بنا دیا۔ ہمارا پروردگار نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔

عیسائی۔ ہاں ایسا ہی ہے۔

حضور والا۔ کیا تم کو علم ہے اور تم قائل ہو کہ عیسیٰؑ کو اُن کی والدہ نے اپنے شکم میں اسی طرح رکھا جس طرح دوسری عورتیں حمل کو رکھا کرتی ہیں پھر عیسیٰؑ اُسی طرح پیدا ہوئے جس طرح اور بچے پیدا ہوتے ہیں پھر عیسیٰؑ کو ویسے ہی غذا ملتی رہی جیسے آدمی کے بچوں کو ملا کرتی ہے پھر وہ خود کھاتے پیتے اور پاخانے پیشاب کو جاتے رہے؟

عیسائی۔ جی ہاں ایسا ہی ہوا۔

حضور والا۔ تو جس شخص کی یہ حالت ہے اس درجہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے جو تم گمان کر رہے ہو (یعنی خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟)

عیسائی علماء یہ مسکت جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اب بھی تم کو میرے دعوے میں کچھ شبہ باقی ہو تو آؤ ہم تم اپنی اولاد کو لے کر باہر میدان میں نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر خدا کی مار ہو۔ عیسائی دعوتِ مباہلہ سُن کر عرض کرنے لگے "ہم اس کا جواب مشورہ کرنے کے بعد دیں گے۔ چنانچہ باہمی مشورے کے بعد اس چیلنج پر راضی نہ ہوئے اور نجران کو واپس چلے گئے۔ اسی دوران میں سورۂ آل عمران ابتدا سے تراسی آیات تک نازل ہوئی (ربیع بن انس) شان نزول بیان کرنے کے بعد ہم تفسیر شروع کرتے ہیں۔

الٓمٓ کی صحیح تفسیر تو یہی ہے کہ اس کی مراد معلوم نہیں۔ خدا ہی اپنی مراد سے بخوبی واقف ہے لیکن مفسرین نے قیاس آرائی کر کے کچھ تاویلی معنی بھی اس کے لکھے ہیں جن میں سے بہتر معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ الف سے اللہ اور لام سے جبرئیل اور میم سے محمدؐ مراد ہیں۔ یعنی یہ سورت یا یہ قرآن اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل کے ذریعہ رسول اللہؐ پر نازل کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس جگہ سے عیسائیوں کے عقیدے کا مدلل رد کیا گیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ عالم میں موجود ہے اور تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ کوئی صفت نقصان اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ چونکہ خدا تعالیٰ واحد محض ہے کسی قسم کی اس میں ترکیب نہیں، اس لئے حضرت عیسیٰ روح القدس اور خدا کے مجموعہ کو اللہ کہنا جائز نہیں اور چونکہ اللہ تمام صفات نقصان سے پاک اور اوصاف کمال کو جامع ہے، اس لئے اُس کو بیٹے کی ضرورت نہیں کہ اُس کی جانشینی کرے یا اُس کا ہاتھ بٹائے اور نہ یہ جائز ہے کہ عیسیٰؑ کی شکل میں خدا نے ظہور

کیا ہو۔ حاصل یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے معبود کل ہے۔ جامع کمالات ہے۔ اُس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ دعیلی نہ صلیب نہ کوئی اور۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یہ گزشتہ قول کا ثبوت ہے یعنی خدا واحد لاشریک اور مستحق عبادت کیوں ہے؟ اس لئے کہ حی ہے واجب الوجود ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہیں پھر کل عالم کا موجد بھی ہے۔ مربی اور رازق بھی ہے۔ تمام دنیا کی ہستی اور کل عالم کا بقاء اُس کی ذات سے وابستہ ہے پس وہ معبود کل اور مستحق پرستش عالم ہے کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ وہی جامع کمالات ہے نقصان و عیب سے پاک ہے۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ اس واحد قدوس نے دوبار قرآن برحق نازل فرمایا یعنی اول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر پھر دوبارہ تھوڑا تھوڑا کر کے آسمان دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک ایک تو خود ہی حقانیت کو حاوی ہے جو مضامین اس میں بیان کئے گئے ہیں اُن کی بنا ر پر شاعرانہ تراشی خرافی اور دماغی بلند پروازی پر نہیں ہے بلکہ تمام مضامین حقائق سے لبریز ہیں۔ دوسرے یہ کہ اصول کے مخالف نہیں سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اُن کتابوں میں جو فطری اصول ہدایت بیان کئے گئے ہیں وہ اس میں بھی بیان کئے گئے ہیں تو چونکہ قانون فطری اور سنت الٰہیہ کے خلاف اس میں کوئی بات نہیں ہے لامحالہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ یعنی جس خدا نے قرآن کو دوبارہ نازل فرمایا اسی نے توریت و انجیل کو اس کے پہلے ایک ایک بار نازل فرمایا تھا توان کے منزل من اللہ ہونے اور صادق ہونے کا کیا ثبوت تھا بس یہی تھا هُدًى لِّلنَّاسِ کہ یہ کتابیں طلب گاران ہدایت کے لئے باعثِ ہدایت تھیں اور لوگوں کو سیدھا راستہ بتاتی تھیں تو چونکہ یہی وصف قرآن کا ہے، اس لئے یہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ یعنی خدا تعالیٰ نے صرف توریت و انجیل ہی نازل نہیں فرمائی بلکہ ان کے علاوہ وہ صحیفے اور کتابیں بھی اُتاریں جو حق و باطل کفر و اسلام، ظلم و انصاف حق و ناحق اور فساد و امن کے درمیان فارق تھیں۔ اُن کی ہدایت سے نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا تھا اور راہ حق صاف نظر آجاتی تھی۔ لہٰذا اس زمانے میں خدا نے قرآن اُتارا تاکہ حق و باطل اور گمراہی و ہدایت میں امتیاز ہو جائے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اب اس قدر دلائل حقانیت اور ثبوت رسالت کے بعد بھی جو لوگ قرآن کے منکر ہوں گے اور رسول اللہ کی رسالت کو نہ مانیں گے محض غرور و سرکشی سے تکذیب کریں گے۔ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ تو ایسے باغیوں کے لئے خدا کا عظیم الشان عذاب تیار ہے۔ کبھی اس عذاب سے اُن کو رہائی نہ ہوگی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خدا کس طرح عذاب دے سکتا ہے۔ جزا سزا کیوں کر ہوگی؟ ہم تو مر کر فنا ہو جائیں گے۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ کیونکہ خدا تو غالب و توانا ہے زبردست و قوی ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں بلکہ وہ سب پر قوی ہے۔ اپنے وعدہ و وعید کو پورا کر سکتا ہے کوئی شخص اس کو روک نہیں سکتا اور جو لوگ اس کے پیام کے حاملین کو اور اس کی نازل کردہ کتابوں کو نہیں مانتے اور اس کے احکام سے سرتابی کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب دینے والا بھی ہے لہٰذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کا انکار کرنے والوں کو ضرور عذاب دے گا۔

مقصودِ بیان کل آسمانی کتابوں کا مطمح نظر اور نقطہ خیال ایک ہی ہے یعنی لوگوں کو ہدایت کرنی اور راہ راست دکھانی۔ قرآن پاک گزشتہ کتابوں کے اصول کی تصدیق و تائید کرتا ہے اگرچہ فروعی اختلاف بھی رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے ایسے روشن دلائل قائم کر دیئے ہیں جن کو بصیرت اندوز دماغ دیکھ کر اور ان پر غور کر کے ہدایت و صلاح کا مواد مہیا کر سکتے ہیں اور حق و باطل میں کھلا ہوا امتیاز کر سکتے ہیں۔ جو لوگ دلائل قدرت اور آیاتِ الٰہی کو نہیں مانتے، مصنوعات کو دیکھ کر وجود صانع کا یقین نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کے نازل کردہ احکام عدل کا انکار کرتے ہیں وہی حقیقی گمراہ ہیں اور عذاب کے مستحق ہیں۔ کیونکہ اگر خود انھوں نے اپنی فطرت سلیمہ سے جستجوئے حق نہ کی تو آیات الٰہی کو دیکھ کر اعتراف صداقت کرنا چاہیئے تھا اور راہ راست پر آنا لازم تھا چونکہ انھوں نے آیات الٰہی سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اُلٹا حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی لہٰذا یہ عذاب شدید کے سزاوار ہیں۔

آیت میں امور ذیل کی طرف بھی لطیف اشارات ہیں:۔

خدا تعالیٰ واجب الوجود اور موجد عالم ہے۔ عالم اپنی ایجاد اور بقائے وجود دونوں میں اس کا محتاج ہے۔ انسان کی فطرت قانون عدل بنانے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ایک ضابطہ و اصلاح نازل ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون عدل فطری ضابطہ ہے جن میں سے ہر پچھلے قانون سے سابق قانون کی تائید ہوتی ہے اور تردید بھی ہوتی ہے تو صرف فرعی تغیر ہوتا ہے۔ اصولی ترمیم نہیں ہوتی وغیرہ۔ حضرت عیسیٰؑ اپنی ہستی میں خدا تعالیٰ کے محتاج تھے بقاء وجود میں بھی اسی کے دستِ نگر تھے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے بقاء عالم وابستہ نہیں۔ لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے۔

جو تمام صفات کمال کو جامع اور نقائص وعیوب سے پاک ہو وہی معبود برحق ہونے کا مستحق ہے اور اسی کو خدائی زیبا ہے۔ حضرت عیسیٰ ؑ میں بہمہ حیثیت کمال نہ تھا۔ آلائش بشریت سے پاک نہ تھے، اپنی حیات میں مستقل نہ تھے لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ

اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں وہی رحم کے

يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اندر جیسی چاہتا ہے تمہاری صورت بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زبردست حکمت والا ہے

تفسیر اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے اللہ اور ابن اللہ ہونے کی تردید کرنی مقصود ہے اور الوہیت باری تعالیٰ کا اثبات مطلوب ہے پہلی آیات میں حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ نہ ہونے کی دو دلیلیں بیان کی گئی تھیں اول یہ کہ خدا کو حی لایموت ازلی ابدی اور واجب الوجود ہونا چاہیئے، اور حضرت عیسیٰ ایسے نہ تھے لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے اور چونکہ بیٹا باپ کے مشابہ ہونا چاہیئے اور حضرت عیسیٰ ؑ میں صفت مذکورہ نہ تھی۔ لہٰذا ابن اللہ بھی نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ خدا موجد رازق مربی اور ہستی کائنات کے بقاء کا سرچشمہ ہونا چاہیئے اور حضرت عیسیٰ نہ موجد تھے نہ رازق نہ مربی نہ عالم کے بقاء وجود کی علت۔ لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے اور چونکہ یہ صفات اُن نہ تھیں۔ اگر ابن اللہ ہوتے تو ان صفات میں مشابہت ضرور ہوتی۔ لہٰذا خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں تیسری دلیل بیان کی جاتی ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا کو عالم کل ہونا چاہیئے عالم کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہ ہونا چاہیئے اور خدا تعالیٰ سے آسمان و زمین یعنی عالم کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا وہی خدا واحد قدوس ہے اور حضرت عیسیٰ ؑ میں یہ صفت نہ تھی۔ اگر اُن کو کچھ علم بھی تھا تو خدا داد اور عطیۂ الٰہی۔ لہٰذا نہ خدا ہو سکتے ہیں نہ خدا کے بیٹے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ اس آیت سے نجرانی عیسائیوں کے سوال کا جواب اور تردید آمیز اثبات الوہیت ظاہر ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے کہا تھا اگر خدا عیسیٰ کا باپ نہیں تو اور کون ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ مرف عیسیٰ میں تم لوگ جھگڑا کر رہے ہو اور اس کے باپ کا نام دریافت کر رہے ہو حالاں کہ باپ کا وجود اور اس کے وجود سے بیٹے کی ہستی کا وابستہ ہونا صرف ظاہر بین نظر رکھنے والوں کے لئے ہے۔ درحقیقت پیدا کرتا باپ کا فعل نہیں اور نہ شکم مادر میں کسی بچے کی ہیئت خاص اور شکل معین کا لباس پہنانا کسی باپ کے قبضہ میں ہے بلکہ خدائے قدوس ہی رحم مادر کی قوتِ مصورہ کے ذریعہ سے بچے کو ایک صورت مخصوص عطا فرماتا ہے، اور جو شکل عطا کرنی چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ کل عالم کا وہی خلاق ہے لہٰذا شکم مریم میں عیسیٰ کو اسی نے پیدا کیا اور جو صورت چاہی مرحمت فرما دی اور تم کو یہ تسلیم ہے کہ آدمی کے بچوں کی طرح عیسیٰ ؑ شکم مادر میں رہے اور آدمیوں کی طرح پیدا ہوئے لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابن عباس رضؓ حضرت ابن مسعود رضؓ اور بہت سے دیگر صحابہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ چالیس روز میں نطفہ رحم کے اندر بستہ خون کی شکل قبول کرتا ہے۔ پھر چالیس روز میں مضغۂ گوشت بنتا ہے پھر چالیس روز کے بعد شکل و ہیئت رنگ و طبیعت کی تکمیل ہوتی ہے پھر ایک فرشتہ کچھ مٹی لا کر اس توام میں ملاتا ہے اور حکم الٰہی کے بموجب نر یا مادہ شقی یا سعید ہونا اور رزق کی مقدار، عمر کا اندازہ اور تمام آنے والے دکھ سکھ لکھتا ہے (پھر جب انسان پیدا ہو کر کچھ تو سابق تحریر کے خلاف نہیں کر سکتا) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس آیت میں کل دلائل الوہیت و وحدانیت کا خلاصہ بیان کر دیا گیا یعنی معبود برحق اُس کے سوا کوئی نہیں نہ کوئی سزاوار پرستش ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اپنی بادشاہت میں غالب ہے۔ سب سے زیادہ قوی اور زبردست ہے پھر عالم کل حکیم علی الاطلاق بھی ہے کائنات کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں اُس کی کوئی صنعت حکمت سے خالی نہیں لہٰذا وہی واحد قدوس معبود مطلق الٰہ برحق وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

مقصودِ بیان لوازم الوہیت کا بیان اور اس امر کا اظہار کہ خدا عالم کل ہے کسی سے نا واقف نہیں ہے دنیا میں جو فعل پیدا ہوتا ہو اشارۃً یا صراحۃً کلی جزئی خدا تعالیٰ کو بلا واسطہ سب کا علم ہے۔ خدا صاحب ارادہ ہے اور اپنے ارادے سے جس طرح چاہتا ہے عالم کو پیدا کرتا ہے یعنی مضطر و مجبور نہیں۔ اس کو کوئی فعل اضطراری نہیں۔ رنگ قوام ترکیب اعضاء شکل ہیئت بدنی، قوت و ضعف اور کل انسانی ساخت اُسی کے وسعت قدرت میں زیر ہے۔ خدا قادر مطلق اور حکیم کامل ہے جس طرح اقتضاء حکمت ہوتا ہے ویسے ہی ہر شخص کی صورت اور کیفیت جسمانی بناتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

(اے محمد) اسی نے تم پر کتاب نازل کی جس کی کچھ آیتیں تو پکی ہیں جو کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ دوسری

مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ

دو رُخی ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فساد پھیلانے اور (اپنی خواہش کے مطابق) مرادی معنی کی تلاش کرنے کو دو رُخی

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ اس کا حاصل مطلب سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں ثابت قدم ہیں

یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والے ہی نصیحت پذیر ہوتے ہیں

تفسیر جب عیسائیوں کو اپنا مذعا ثابت کرنے کے لئے کوئی عقلی ثبوت نہ ملا اور ہر طرح عاجز ہو گئے تو جاہلانہ انداز میں کہنے لگے عیسیٰؑ کو آسمانی کتابوں میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور آپ کے قرآن میں بھی ان کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ تو ہم اس بات کو اپنی عقل کے احاطے سے خارج سمجھ کر صرف کلام الٰہی کا اتباع کر کے حضرت عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے ان چند آیات میں دیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی قرآن پاک نازل فرمایا ہے جس کے اندر ہر قسم کا کلام ہے اور ہر کلام کا مقصود جدا ہے۔ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ اس میں کچھ کلام تو بالکل صریح اور واضح ہے جس کا مطلب بالکل صاف ہے تاویل اور احتمال کی گنجائش ہی نہیں یہی کلام قرآن شریف کا سنگ بنیاد ہے اسی پر احکام شریعت اصلاح اور سعادت آخرت کا مدار ہے۔ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور کچھ کلام اس کتاب میں ایسا بھی ہے کہ کسی مصلحت اور رمز کی وجہ سے اس کے الفاظ ایسے رکھے گئے ہیں جن کے کئی معنی اور پیچیدہ مطلب ہوتا ہے اور ہر پہلو دوسرے پہلو کا ہمسر ہوتا ہے (مثلاً لفظ ابن سے حقیقی بیٹا مراد ہوتا ہے کبھی بھتیجا بھی مراد ہوتا ہے جیسے ابراہیم بن آذر حالانکہ ابراہیم بن تارخ تھے اور تارخ آذر کے بھائی کا نام تھا اور کبھی پیار میں لڑکا اور بندہ کو بھی بیٹا کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح باپ کے لفظ سے حقیقی باپ مراد ہوتا ہے اور کبھی مجازی باپ یعنی بادشاہ ذی مرتبہ لوگ بھی مراد ہوتے ہیں اور کبھی پروردگار عالم بھی مراد ہوتا ہے) فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ اب جن لوگوں کے دماغ کج رو ہیں وہ ان مبہم الفاظ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں (مگر ان پر اصل مقصود یعنی اصلاح عمل کا مدار نہیں ہوتا) یہ بات کیوں کرتے ہیں؟ - ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ صرف اس لئے کہ اپنی خواہش کے موافق ان الفاظ کے معنی گھڑ لیں اور فتنہ و فساد کی طلب میں سرگرم رہیں یعنی اپنے اغراض نفسانی کی تکمیل کے لئے کج باطن لوگ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اپنے باطل عقائد کو ان متشابہ مبہم الفاظ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ ان مبہم الفاظ کے اصل معنی اور واقعی مراد کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں (اور ان کو کتاب الٰہی میں صرف آزمائش کے لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ہر فرقے کا اس کی قابلیت کے لحاظ سے امتحان ہوتا ہے جاہل طبقہ کا امتحان

تو اس طرح ہوتا ہے کہ اس کو غور و فکر کرنے اور علم حاصل کرنے کی کوشش کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ذی علم طبقہ کی آزمائش کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بعض امور میں ان کو دماغی جولانی سے روکا جاتا ہے اور چونکہ کتاب الٰہی ہر دو فریق کے لئے ہدایت ہے اس لئے آزمائش کے دونوں طریقے پیش نظر رکھے گئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون کلام الٰہی کی تعمیل میں اپنی دماغی (زبانی کرتا ہے اور کون گریز کرتا ہے) وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔ باقی جو لوگ اہل علم اور خدا پرست ہیں وہ ان ظاہر الفساد معانی کو ترک کر کے اس کلام کی اصلی مراد کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں کہ ان مبہم الفاظ کی اصلی غرض کا اسی کو علم ہے ہماری سعادت کا اس کے جاننے پر مدار نہیں ہے۔ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور سمجھانے سے وہی لوگ سمجھتے ہیں جو سمجھدار ہیں جن کے دماغ شوس میں عقل مند ہی جانتے ہیں کہ قرآن میں متشابہات کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے اور ہم کو ان پر غور و خوض کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔

خلاصہ مدعا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے واسطے خدا تعالیٰ نے روح اللہ اور کلمۃ اللہ وغیرہ نہایت مہربانی، محبت اور خصوصیت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی محبت میں اللہ کو باپ کہہ دیا کرتے تھے کیونکہ حقیقی رب اور خالق برحق وہی ہے۔ لیکن عیسائیوں کو ان کی غلط فہمی اور کورد ماغی نے کافر بنا دیا۔ وہ حضرت عیسیٰ کو واقعی خدا کا بیٹا سمجھ بیٹھے۔ عیسائیوں کی تردید میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے بعض باتیں ویسی مبہم اور مشتبہ المراد ہیں جن کا اصل مطلب بس ہم ہی جانتے ہیں (یا قرآن و حدیث کے ذریعہ سے صراحتاً یا اشارۃً بتا دیتے ہیں) گمراہ لوگ اپنی طرف سے ان کے معنی گھڑ کر گمراہ ہو گئے۔

مقصود بیان قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں۔ اول تو وہ آیات جن کے معانی واضح ہیں۔ دوم وہ آیات جو مبہم اور مشتبہ المعنی ہیں۔ آیات محکمات پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ آیات متشابہات کا نزول صرف علماء اور ذی علم طبقے کی آزمائش کے لئے ہوا ہے۔ متشابہات کے حقیقی معنی اور اصل تاویل سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں۔ راسخ فی العلم وہی لوگ ہیں جو بلا چون و چرا کل قرآن کو خدا کی طرف سے نازل شدہ جانتے ہیں وغیرہ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اے ہمارے رب راہ راست پر لانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اور ہم کو اپنی سرکار سے نعمت عطا فرما۔ بے شک تو بڑا

الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ ع

دینے والا ہے اے ہمارے رب تو بیشک اس روز لوگوں کو جمع کرے گا جس کے وجود میں کوئی شک نہیں ہے بلاشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تفسیر یہ راسخین فی العلم کا قول ہے یعنی جب کامل مومن دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مبہم آیات کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو کہتے ہیں الٰہی جس طرح تو نے ان لوگوں کے دل حق سے پھیر دیئے ہیں کہ وہ متشابہات پر غور و خوض کرنے لگے اسی طرح تو ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر دینا کیونکہ تو ہم کو ہدایت کر چکا ہے اور متشابہات پر غور و خوض نہ کرنے کی نصیحت کر دی ہے اور داعیہ خیر ہمارے دلوں میں تو نے پیدا کر دیا ہے۔ لہٰذا اب داعیہ شر ہمارے دلوں میں نہ پیدا کر دینا۔ حدیث میں وارد ہے کہ بنی آدم کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرف چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یعنی اگرچہ ہم کوئی استحقاق نہیں رکھتے نہ ہم کسی معاوضہ کے حق دار ہیں نہ ہم نے ایسی اطاعت و فرمانبرداری کی ہے کہ ہم کو اجر دینا تجھ پر واجب ہو جائے پھر بھی تو ہم کو اپنی طرف سے ہمارے ذاتی استحقاق کے بغیر ہر طرح کی رحمت عطا فرما۔ رزق، معاش، تندرستی، قوت جسمانی، دولت، عزت، جاہ و حکومت، امن و عافیت اور اولاد وغیرہ عطا کر۔ خصوصاً نور ایمان اور روشنی توحید سے ہمارے دلوں کو منور کر۔ جس کے انوار ہمارے ظاہری اعضاء پر بھی نمودار ہوں پھر مرنے کے وقت سکرات سے محفوظ رکھ قبر اور حشر کے عذاب سے بچا اور بالآخر اپنا دیدار نصیب فرما کیونکہ تو بلا استحقاق بخشنے والا ہے۔ لہٰذا تجھی سے رحمت کی امید ہے۔ ہم نے یہ دینی سعادت کی خصوصیت اس وجہ سے کہی ہے کہ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ تو بلاشک و شبہ ایک دن سب اگلے پچھلے لوگوں کو جمع فرمائے گا اور ان کو حساب کتاب کے بعد عذاب و ثواب دے گا اور وعدہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یہ وعدہ خدا کا ہے اور خدا تمام عیوب سے پاک ہے، اس لئے وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتا کیونکہ وعدہ خلافی بھی عیب ہے۔

لہٰذا ہم کو ہدایت پر قائم رکھ اور اخروی سعادت سے فیض یاب فرما۔

مقصود بیان گمراہ کرنا اور ہدایت پر لانا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ خدا تعالیٰ ہی انسان کے دل میں شر و خیر کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہی زبردست ضلالت ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی درخواست کرنی لازم ہے۔ قیامت اور حشر جسمانی ضرور ہوگا۔ خدا تعالیٰ پر لازم نہیں کہ کسی بندہ کو ثواب عطا فرماوے یا کوئی نعمت بھی دے۔ وہ خود بلا استحقاق اور بلا معاوضہ بندوں کو دینوی نعمتوں سے بھی سرفراز کرتا ہے اور آخرت میں بھی مومنوں کو سعادت عطا فرمائے گا۔ خدا تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اس کی ذات سے وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ دنیا و دین کی ہر چیز خدا ہی سے طلب کی جائے۔ خصوصاً نجات اخروی کے لیے تو دعا کرنی بہت زیادہ لازم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے مال اور اُن کی اولاد خدا کے سامنے بالکل کام نہ آئے گی

وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا

اور یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں (ان کی حالت بھی) فرعون والوں اور اُن سے پہلے والوں کی سی ہے کہ انہوں

بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کی اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر سابق آیت میں اہل ایمان کی حالت کا بیان تھا۔ اس آیت میں مومنوں کی ضد یعنی کافروں کی حالت کا تذکرہ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی وہ مالی اور خاندانی قوت جو دنیا میں ان کو حاصل تھی خدا کے عذاب کا کوئی ذرہ دفع نہ کر سکے گی۔ خدا کے مقابلے میں مال و اولاد کے کام نہ آنے کی دو صورتیں خیال میں آسکتی ہیں یا دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا کے فضل و رحمت کی ضرورت ہی نہ ہو۔ اُس کے بجائے مال و اولاد ہی کافی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مال و اولاد خدا کے مقابل ہو کر اُس کے عذاب سے بچا لے۔ آیت میں دونوں کی نفی کر دی گئی ہے۔ راہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کا نافع ہونا یا ولد صالح کا صدقۂ جاریہ بننا اور اولاد کی نیکوکاری سے باپ کا متمتع ہونا اور بات ہے۔ اس کو مقابلے میں کام آنا نہیں کہا جاتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی اپنے مال و اولاد پر بھروسہ کر کے سختی کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، لیکن قیامت کی حالت دنیا کی حالت سے مختلف ہے، وہاں کوئی چیز عذاب الٰہی کے مقابلے میں سودمند نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ دنیوی مال و منال اور کثرتِ اولاد بھی عذاب خدا کو دفع نہ کر سکے گی بلکہ أُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ یہ کافر طبقہ دوزخ کا ایندھن ہوگا جس طرح ایندھن میں آگ لگ جاتی ہے اسی طرح ان میں آگ کی تاثیر ہوگی۔ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا یعنی کافروں کا طریقہ (تکذیب رسول اور انکار حق) ایسا ہی ہے جیسے فرعون کے طرف داروں کا حضرت موسیٰ اور شریعت موسیٰ کے ساتھ تھا یا اُن سے قبل عاد و ثمود و طسم و جدیس وغیرہ اقوام کا تھا جنہوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی تھی اور پھر فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔

اُن کی سرتابیوں کی اور خطاکاریوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُن کی گرفت کی تھی اور ان کو عذاب میں مبتلا کیا تھا کیونکہ خدا کا عذاب سخت ہے جس طرح گزشتہ سرکش اقوام کو انکارِ حق کرنے کے بعد اُن کی دولت و قوت خدا کے عذاب سے نہ چھڑا سکی اس طرح اس گناہ گار کفر شعار طبقہ کو بھی کوئی طاقت خدائی گرفت سے نہ بچا سکے گی۔

مقصود بیان ۔ الکفر کلہ ملۃ واحدۃ کی طرف اشارہ یعنی کفر کسی قسم کا ہو کفر ہے۔ فرعون کے ساتھی بلکہ اس سے بھی پہلے کے کافر اور رسول اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا کافر خواہ نجران کے عیسائی ہوں یا مدینے کے یہود یا عرب کے مشرک بلکہ آئندہ آنے والے کافر بھی سب ایک حکم میں شامل ہیں۔ کسی قوم کا کفر ہو یا کسی فرد کا ہو اور کسی زمانے میں ہو سب غضب الٰہی کا موجب ہے۔ آیت میں لطیف انداز سے یہودی قوت و دولت کی بے ثباتی بے وقعتی اور بے سود ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا۔ ہمارا تجربہ کی حالت کا اندازہ کیجئے کہ برکر رہا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت غضب الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک یہ امر بھی آیت سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ بے قصور کسی کو سزا نہیں دیتا۔ بلکہ انسان کی خطائیں ہی خود سبب ہلاکت بن جاتی ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

(اے محمد) کافروں سے کہہ دو کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائے جاؤ گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے

تفسیر حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر سے کفار کو شکست دینے کے بعد واپس آئے تو بازار بنی قینقاع میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے جماعت یہود مسلمان ہو جاؤ ورنہ قریش کی طرح تم کو بھی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ یہودی بولے۔ محمد! قریش تو بالکل ناتجربہ کار اور جنگ سے ناواقف تھے اُن کو شکست دے کر تم کو مغرور نہ ہونا چاہیئے، جب ہم سے لڑو گے تو معلوم ہو گا کہ ہم کس قدر بہادر ہیں وغیرہ آخر اسی بات پر اس وقت آیت مذکورہ لاولی الابصار تک نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ان کافر یہودیوں سے آپ کہہ دیجئے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب تم مغلوب ہو گے اور تم کو ذلت اٹھانی پڑے گی۔ یہ پیشین گوئی قرآن کا ایک نہایت کھلا اور واضح اعجاز ہے۔ قبل از وقت بطور دعویٰ کے یہودیوں کے مغلوب ہونے کی صراحت کی گئی اور یہ نہیں فرمایا گیا کہ جنگ میں تم کو شکست ہو گی بلکہ جنگ میں شکست ہو یا جلا وطنی کی ذلت ہو یا کسی قسم کی اور مغلوبیت ہو سب کا عمومی اعلان کر دیا گیا اور یہ اعلان حرف بحرف پورا ہوا۔ خیبر کے یہودیوں نے جزیہ دیا۔ بنو قریظہ قتل کیئے گئے اور بنو نضیر کو مدینہ چھوڑ کر ملک شام کو جلا وطن ہونا پڑا۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:- وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ فقط دنیوی ذلت و مغلوبیت ہی تم کو نصیب نہ ہو گی بلکہ تم کو دولت ایمان آخر تک نصیب نہ ہو گی اور قیامت کے دن جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی ایک پیشین گوئی ہے کہ یہودی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ آخر وقت تک کافر ہی رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہودی ایمان نہیں لائے۔

مقصودِ بیان دشمنانِ اسلام کی ذلت کی صراحت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ اعدائے دین کے پاس دولت ہو یا قوت، جماعت و ہمت ہو یا وجاہت بہرحال اُن کی کوئی طاقت حق پر غالب نہیں آ سکتی اور بالآخر حقانیت کے سامنے باطل کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ آیت میں آئندہ واقعات کے متعلق صراحت کے ساتھ اعلان بھی ہے اور اعجازی پیشین گوئی بھی ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

ابھی تمہارے لئے اُن دو فوجوں (کی لڑائی) میں نمونۂ قدرت ہو چکا ہے جو ایک دوسرے سے گتھ گئی تھیں ایک تو راہِ خدا میں لڑ رہی تھی اور دوسری

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ

کافر تھی جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے اپنی دو چند دیکھ رہی تھیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے قوت دیتا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

آنکھوں والوں کے لئے اس میں بلاشبہ عبرت ہے

تفسیر پہلی آیت میں پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہودیوں کو باوجود قوت، عزت اور شان و شوکت کے مسلمانوں کے مقابلے میں ذلت اٹھانی اور زک کھانی پڑے گی۔ اس دعوے سے کافر و مسلمان ہر شخص کے دل میں یہ بات پیدا ہو سکتی تھی کہ کفار کے پاس دولت، طاقت اور عزت ہے۔ مسلمان غریب مفلس ہیں نہ اُن کے پاس طاقت ہے نہ دولت نہ سامانِ جنگ نہ فنونِ حرب سے واقفیت۔ پھر یہ ضعیف جماعت کس طرح اس قدر کثیر اور عظیم الشان گروہ پر غالب آسکتی ہے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لیے بطور مثال کے جنگ بدر کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی بالکل بے سر و سامان تھے اور کفار کی جماعت کثیر تھی قوت و سامان بھی اُن کے پاس بہت زائد تھا، لیکن اس کے باوجود خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب فرمایا اور سردارانِ کفر مارے گئے۔ جنگ بدر کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے تب بھی کفار کی ستم شعاریاں اور مسلم آزاریاں ختم نہ ہوئیں طرح طرح سے مسلمانوں کو تنگ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ کبھی مدینے کے یہودیوں کو اکسا کر مسلمانوں کے خلاف ابھارا جاتا، کبھی مسلمانوں کی بیرونی تبلیغ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی تھیں جو لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آنا چاہتے تھے اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ جب مسلمان بہت تنگ ہو گئے تو انھوں نے بھی کفر کا زور توڑنا چاہا اور ایسی تدبیریں کرنی چاہیں کہ اسلام کو قوت اور کفر کو شکست ہو۔ ماہِ رمضان میں ۳۱۳ مسلمان جمع ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہمراہ لے کر مدینے سے چل دیے تاکہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا تھا اس کو راستے میں روکا جائے۔ ابوسفیان کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ کسی دوسرے راستے سے بچ کر نکل گیا۔ اُدھر مکے کے قریش کو جب اطلاع ہوئی کہ مسلمان قریش کے قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کا بھی ایک انبوہ کثیر عتبہ بن ربیع کی زیرِ قیادت چل دیا اور چاہِ بدر (اس کنوئیں کو بدر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ کا بنایا ہوا تھا۔ اصل بانی کے نام پر کنوئیں کا نام رکھ دیا گیا) کے قریب مسلمانوں اور کافروں کی مُڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمان کل ۳۱۳ تھے جن میں مقداد بن عمرو اور مرثد ابن ابی مرثد صرف دو شخص گھوڑے کے سوار تھے یعنی صرف دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ تھے اتنی ہی تلواریں اور چھ زرہیں تھیں۔ باقی لوگوں کے پاس لٹھ پتھر تیر وغیرہ تھے۔ اس جماعت مسلمہ میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصار تھے۔ مہاجرین کے علم بردار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار کے صاحبِ نشان سعد بن عبادہ تھے۔ کفار کے لشکر کی تعداد ۹۵۰ تھی۔ عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل وغیرہ اُن کی فوج کے سردار تھے اور سو گھوڑے اُن کے پاس تھے۔ شروع میں مسلمان کافروں کی تعداد کو اپنی آنکھوں سے بہت زیادہ دیکھتے تھے، لیکن جنگ شروع ہو جانے اور غیبی فرشتوں کی کمک آنے کے بعد ہر دو فریق ایک دوسرے کو قلیل جانتے تھے بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ابوجہل، عتبہ اور دیگر سردارانِ قریش مارے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو چاہِ بدر میں پھنکوا دیا۔ اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ تم کو جنگ بدر کے واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ جب میدان میں مسلم اور کافر ہر دو فریق ایک دوسرے کے مقابلے پر صف آرا ہوئے تو فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ایک فرقہ تو محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے لڑ رہا تھا وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسرا فرقہ کافر تھا محض عناد و تعصب اور باطل کوشی کے لیے لڑ رہا تھا يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ مسلمان کافر جن کو (شروع میں) اپنے سے دوچند یعنی بہت زیادہ دیکھ رہے تھے اور اپنی آنکھوں سے کفار کی کثرت معائنہ کر رہے تھے، لیکن وَاللهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ کامیابی اور ظفر و فتح کی قوت و ضعف پر منحصر نہیں ہے بلکہ فتح کا دینا خدا کی مدد پر ہے اور خدا اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے سرفراز فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ظفریاب کرتا ہے لہٰذا اُسی نے مسلمانوں کو کامیاب اور کفار کو مغلوب کیا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ اس واقعہ میں صاحبانِ بصیرت کے لیے ایک ذخیرۂ عبرت ہے کہ خدا تعالیٰ نے حق کوش ...... قلیل جماعت کو باطل پرست کثیر جماعت پر ظفریاب فرمایا۔ لہٰذا تم کو اس سے عبرت حاصل کر کے ایمان لے آنا چاہیے اور مادی طاقت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔

مقصودِ بیان حق باطل پر غالب آتا ہے۔ اگرچہ بظاہر باطل کا غلبہ نظر آئے خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو ذلیل نہیں ہونے دیتا۔ کامیابی کا دار و مدار مادی طاقت اور افرادی کثرت پر نہیں ہے بلکہ ظفر و فتح خدا کی امداد کے ساتھ وابستہ ہے۔ آیت میں لطیف ترین پیرایہ میں صداقت و حقانیت کی طرف داری کرنے اور ایمان و اسلام کی طرف مائل ہونے اور غیبی قوت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ وغیرہ۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

لوگوں کے لئے آراستہ کردی گئی ہے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں بیٹے سونے اور چاندی کے ڈھیر

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ

لگے ہوئے اور نشان لگے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں یہ

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

دنیوی زندگی کا سروسامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں نہایت لطافت و بلاغت کے ساتھ دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ اسلام سے روکنے والے اور ایمان سے منع کرنے والے کچھ اسباب بھی موجود ہیں، جن کو حیاتِ دنیا کا سروسامان کہا جاتا ہے۔ لہٰذا تکمیلِ دعوت کے لئے لازم سمجھا گیا کہ اس اسبابِ تعیش کی بے ثباتی اور فنا کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ ان جاذبِ توجہ اسباب سے اُن کی طبیعت برداشتہ ہو کر حق کی طرف راغب ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:- زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ دنیا کے رہنے والے افرادِ انسانی کیلئے خواہشاتِ نفس کے حصول کی محبت فطری طور پر باعثِ دلکشی بنا دی گئی ہے۔ انسان کو اپنی نفسانی خواہش کے پورا ہونے کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے، لیکن اس کی دلکشی کے اسباب جدا جدا ہیں مثلاً عورتیں اور لڑکے۔ عورتوں سے مردوں کو جس قدر دل بستگی اور اُنس ہوتا ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ اُنھیں کی محبت انسان کو دونوں عالم سے غافل بلکہ فراموش کر دیتی ہے پھر عموماً لوگ یہی خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے لڑکے ہوں، لڑکیاں نہ ہوں تاکہ وقت پر ہمارے لئے مددگار و معین بھی ہو سکیں اور ہمارے جانشین بھی بن سکیں، لیکن اس نظامِ تمدن اور بقاءِ حیات کے لئے مال کی بھی ضرورت ہے۔ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ لہٰذا انسان کو سونے چاندی کے لگے ڈھیروں پر بھی دلی شغف اور اُنس خاطر ہوتا ہے پھر اس کے بعد آرام و آسائش اور عیش و طرب کے مظاہرے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کے لئے عمدہ گھوڑوں اور مختلف چوپایوں کی خواہش ہوتی ہے، لیکن ان سب کا باعثِ بقا اور سببِ قوام چونکہ غذا ہے خواہ غلہ ہو یا میوہ یا کچھ اور۔ بہرحال ان سب کے قیام کے لئے کھیتی اور کاشت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ سب دنیوی زندگی کی ضروریات یا عیش و طرب کا سامان ہے جس کی طرف سطحی نظر والے انسان کو کشش ہوتی ہے عموماً انسان اپنی فطری اقتضاء کی وجہ سے ان محسوس اور نیم محسوس فانی چیزوں پر فریفتہ ہوتا ہے لیکن وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ عمدہ ٹھکانا تو خدا ہی کے پاس ہے جو وسیع اور لازوال نعمتیں اور روحانی و جسمانی لذتیں خدا کے پاس ہیں اُن کے مقابلے میں یہ فانی عیش و طرب کے سامان بے مقدار ہیں لہٰذا عاقل انسان کو اس طرح نقش و نگار اور بے حقیقت سامانِ تعیش پر عاشق نہ ہونا چاہیئے۔ ان چیزوں کو بقدرِ ضرورت صرف اس خیال سے استعمال کرنا چاہیئے کہ حقیقی غیر فانی زندگی اور اس کی لازوال نعمتیں حاصل ہوں۔

مقصودِ بیان انسان کے فطری شہوانی اقتضاء کا بیان اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انسانی لذتِ صنفی حاصل کرنے اور اپنی نسل باقی رکھنے کے لئے سب سے اول عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے پھر اس ازدواجی تعلق سے جو نتیجہ اور پھل حاصل ہوتا ہے اُس میں سے عمدہ و بہترین ثمرہ یعنی لڑکے کا طالب ہوتا ہے لڑکی کو پسند نہیں کرتا۔ پھر چونکہ قوامِ حیات اور تدبیرِ خانگی کے لئے مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے سونے چاندی کے ڈھیروں کا طلبگار رہتا ہے پھر اس کو نام و نمود اور ضرورت سے زائد آسائش کی خواہش ہوتی ہے اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے تو مویشیوں اور سواریوں کی طرف رغبت کرتا ہے اور آخر میں چونکہ یہ فانی زندگی بغیر غذا کے قائم نہیں رہ سکتی، اس لئے کھیتی کی ضرورت پڑتی ہے۔ آیت میں اس بات کی طرف بھی خاص تلمیح ہے کہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں انسان کو لازم ہے کہ ان کو اپنا منتہائے نظر نہ بنائے بلکہ آن

روحانی جسمانی لذتوں کی طرف مائل ہو اور انھیں کو اپنا مرکزِ خیال بنائے جو خدا تعالیٰ کے پاس موجود ہیں اور لازوال ہیں۔ وغیرہ۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ

(اے محمد) تم کہہ دو کیا ان سب سے بہتر چیزیں میں تم کو بتاؤں پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے اندر

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور صاف ستھری بیبیاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے

وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں دنیا کی ناپائیداری دکھا کر اس کی طرف سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کی جانب توجہ دلائی تھی۔ اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہے اور چونکہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونے والے صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا اور آسائشِ دنیا کو اپنا مرکزِ خیال نہیں بناتے بلکہ ان تمام کدورتوں اور آلائشوں سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں، اس لئے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا یعنی اے رسول کہہ دیجئے کہ کیا اس فنا پذیر دنیوی سامان سے بہتر چیز جو عاقل کیلئے مرکزِ توجہ ہونی چاہیئے میں تم کو بتاؤں وہ کیا چیزیں ہیں جو انسان کا اصلی مطمحِ نظر ہونے کے قابل ہیں۔ وہ اس فانی دنیا کی طرف سے بے التفاتی کرنے والوں کے لئے خدا کے پاس جسمانی اور روحانی لذتیں ہیں۔ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ جسمانی لذائذ میں سے تو وہ جنتیں ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی (جن میں رنگا رنگ کے پھول خوش الحان پرندے اور بہترین نفیس مکانات ہوں گے) خٰلِدِينَ فِيهَا جنتی لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے نکالے جانے کا اندیشہ نہ ہوگا۔ وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور وہاں خوبصورت و خوش سیرت ہر کثافت و نجاست سے پاک حیض و نفاس اور تمام آلائشوں سے منزہ بیویاں ہوں گی یعنی مادی نظر رکھنے والے انسان کے دماغ میں جو لذتیں آسکتی ہیں وہ سب وہاں ہوں گی مگر ہوں گی سب لازوال بلا خوف و خطر کدورت و آلائش سے پاک۔ باقی جو لوگ اونچی نظر رکھتے ہیں اور جلوۂ محبوب کے طالب ہیں ان کے لئے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ جسمانی جنت اور سامانِ جنت کے علاوہ ایک روحانی جنت بھی ہوگی جس کی پُرکیف سرمستی سے وہ ہر وقت مخمور رہیں گے۔ وہ لطف آمیز مدہوشی تھوڑی سی بھی بہت بڑی ہوگی یعنی رضاءِ الٰہی کا حصول اور انوارِ قدس کی لمعہ پاشی مذکورۂ بالا تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہوگی۔ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ یہ آیاتِ بالا کے کل مضمون کے متعلق ایک اجمالی حکم ہے یعنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال و اقوال اور نیت کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کس کا فعل کس ارادہ سے ہے لہٰذا ویسی ہی اس کو جزا دے گا۔ لیکن کم از کم شرک سے بچنے کے بعد جنت کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ اب رہے مدارجِ جنت تو وہ افعال و اعمال کے تفاوت کے لحاظ سے متفاوت ہیں جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسے ہی اس کے درجے ہوں گے۔ کسی کو جنت الیقین ملے گی، کسی کو جنت مکاشفہ، کسی کو جنت مشاہدہ۔ یہاں تک جن کے اعمال کا دارومدار صرف مرضئ الٰہی کے حصول پر ہے وہ رضوانِ الٰہی کے درجے پر فائز ہوں گے۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ کے لئے جسمانی و روحانی لذائذ دینے کا وعدہ کیا ہے مگر چونکہ تقویٰ کے مراتب مختلف ہیں اس لحاظ لذائذ کے درجات بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جو لوگ صرف شرک سے بچتے ہیں اعمال کی اصلاح نہیں کرتے وہ جسمانی لذتیں یعنی جنت پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اعمال، اقوال اور اطوار کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دنیا و اہلِ دنیا کی رضا بہ الٰہی کے حصول کے مقابلہ میں پرواہ نہیں کرتے وہ رضوانِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ آیت سے امورِ ذیل کی بھی وضاحت ہو رہی ہے ۱۔ جنت ہمیشہ رہے گی اور اہلِ جنت وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی معمولی

انتہائی کوشش کرنے کے بعد بھی قاصر رہتا ہے۔ اس لئے اس کو اپنی کمزوری کا اعتراف اور اس کی معافی کی درخواست کرنی لازم ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَآ

اللہ اور فرشتے اور علم والے شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ قائم ہے ساتھ انصاف کے نہیں

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ

کوئی معبود مگر وہ وہی زبردست حکمت والا ہے بیشک (حق) دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَ

ان کے پاس علم آنے کے بعد ہی آپس میں سرکشی کر کے اختلاف کیا اور

مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر کلبی سے مروی ہے کہ ملک شام کے دو عیسائی عالم مدینہ میں آئے اور شہر کو دیکھ کر کہنے لگے یہ شہر تو اس شہر کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں پیغمبر آخر الزماں ہوں گے۔ اس کے بعد خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور حلیۂ مبارک دیکھ کر عرض کیا کیا آپ محمدؐ ہیں؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ بولے کیا آپ احمد ہیں؟ ارشاد فرمایا ہاں میرا نام محمدؐ بھی ہے اور احمد بھی۔ عرض کیا ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں اگر آپ صحیح جواب دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے حضورؐ نے فرمایا اچھا۔ کہنے لگے اچھا بتائیے کہ کتاب الٰہی میں سب سے بڑھ کر کون سی گواہی ہے؟ اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی اور وہ دونوں شخص مسلمان ہوگئے۔

آیت میں تین قسم کی شہادت کا بیان ہے۔ خدا کی گواہی۔ فرشتوں کی گواہی اور علماء کی گواہی۔ علماء سے مراد علماء حق ہیں۔ ان کی گواہی یہ ہے کہ زبان سے توحید کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے اس کا عقیدہ رکھتے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ازل میں سب لوگوں نے اقرار ربوبیت کرتے ہوئے شَهِدْنَا کہا تھا۔ فرشتوں کی گواہی صرف اقراری اور شہودی ہے کیوں کہ فرشتوں کو کسی قدر تجلّیاتِ الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہے۔ باقی رہا خدا تعالیٰ کا خود اپنی توحید کی شہادت دینے کا بیان تو اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں ہم ذیل میں مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضا فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا اور لوح کو پیدا کرنے سے چار ہزار برس پہلے ہر شخص کا رزق معین فرمایا تو جس زمانے میں آسمان تھا نہ زمین، تری تھی نہ خشکی اس وقت خدا تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے واسطے شہادت دی اور فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

زجاج کا قول ہے کہ شاہد اسی کو کہتے ہیں جو کسی کو جاننے کے بعد اس کی حالت بیان کرے۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی وحدانیت کا ہم پر انکشاف کر دیا بس یہی شہادتِ الٰہی ہے۔

بیضاوی کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اس قدر ظاہر ہے کہ جیسے گواہ اپنی آنکھوں دیکھی چیز پر یقینی گواہی دیتا ہے

ابن کثیر اور طبری وغیرہ نے شہادت اللہ کے معنی اظہار اور تبیین بیان کئے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے عالم کائنات میں ایسے دلائل اور آیات قائم کر دیے ہیں جن کو دیکھنے کے بعد توحید الٰہی بالکل واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ:۔ خدا تعالیٰ نے مصنوعات کے اندر ایسے دلائل اور بیّنات قائم کر دیئے ہیں جن سے ہر سمجھدار شخص اس کی الوہیت و توحید پر استدلال کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مخلوقات میں سے وہ نورانی طبقہ جس کو

کہ مشاہدہ و معائنہ بھی حاصل ہے وہ بھی اس کی قدوسیت و توحید کا اقرار کرتا ہے اور انبیاء و اولیاء و علماء وغیرہ بھی خدا کو واحد جانتے ہیں اور زبان سے اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص خدا کو ذات کے اعتبار سے ہی واحد نہیں جانتا بلکہ صفات میں بھی اس کو یکتا و بے مثال سمجھتا ہے اور یقین کیا ہے کہ خدا تعالیٰ صفت عدل میں منفرد ہے۔ عالم کو اس نے عدل کے ساتھ پیدا کیا اور عدل کے ساتھ باقی رکھا۔ لہٰذا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ خداوند قدوس اپنی ذات و صفات میں یکتا و بے مثال ہے۔ تمام مخلوق اس کے زیر نگین ہے اور کل مصنوعات کو اس نے اپنی حکمت سے پیدا کیا اور حکمت سے ہی قائم رکھا اور دنیا والوں کی اصلاح کے لئے اس نے اپنی حکمت بالغہ اور قوت غالبہ سے قانون جاری بنایا۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی جب عقائد مذکورہ ہر ذی ہوش اور بصارت کوش دماغ رکھنے والے کے نزدیک واجب التسلیم ہیں اور عقل سلیم رکھنے والا اس کا مقر ہے تو جو مذہب ان عقائد کا اعلان کرے گا وہ ضرور حقانی اور مقبول ہوگا اور اسلام ان عقائد کا اعلان کرتا ہے۔ لہٰذا یہی مقبول مذہب ہے اور اس کے خلاف ہر مذہب مردود ہے۔ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ یعنی گزشتہ انبیاء و علماء کا بھی یہی مذہب تھا اور ہر ایک توحید و اسلام کا علمبردار تھا اور اسی کی اشاعت انہوں نے کی تھی۔ لیکن ان کے بعد یہ یہودی و عیسائی باہم لڑنے جھگڑنے لگے کوئی توحید پر قائم رہا کسی نے دین حق سے رُوگردانی کی۔ یہ تفرقہ اس وجہ سے نہیں پیدا ہوا کہ مخالفین توحید کو تعلیم الٰہی کا علم نہ تھا۔ علم تو ضرور تھا۔ انبیاء اس کی تبلیغ کر چکے مگر صرف ضد، حسد اور شیطانی جذبات نے اُن کو تعلیم الٰہی سے رُوگردانی پر آمادہ کیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے دین اسلام کا انکار کر دیا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ لیکن جو شخص آیات قدرت اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ دلائل سے انکار کرے گا خدا اس کا خود حساب لے لیگا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کروڑہا کروڑ انسانوں کا ایک دن میں کس طرح حساب کیا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بہت جلد محاسبہ کرنے والا ہے اس کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے۔

مقصود بیان

حقانیتِ اسلام کے بدیہہ ہونے کی صراحت، توحیدِ وجودی اور شہودی کی طرف اشارہ اور اس امر کی جانب ایما کہ دلائل و براہین، مشاہدہ و معائنہ نیز نص و تصریح سے توحید الٰہی ثابت ہے۔ تمام انبیاء توحید و اسلام کے علمبردار تھے۔ رسول گرامی خدا الی وامی بھی اسلام کے مجدد تھے موجد نہ تھے۔ اسلام کے سوا خدا کے ہاں کوئی مذہب مقبول نہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام ان فطری قواعد کا حامل تھا جس کی اشاعت تمام انبیاء کرتے چلے آئے ہیں لہٰذا اس کے سوا مذہب کسی کے لئے کوئی مذہب ایجاد کرنا خلاف فطرت اور واجب الرد ہے۔ اسلام و توحید کے خلاف جن لوگوں نے مذاہب ایجاد کئے یا تعلیم انبیاء کی مخالفت کی وہ صرف عناد اور نفسانیت سے کی حق سمجھتے ہوئے اس فعل کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ آیت سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ آدمی محض نفسانی جذبات سے مغلوب ہو کر حق پوشی اور باطل کوشی کرنے لگتا ہے۔ ورنہ دل سے وہ بھی حق کو حق ہی جانتا ہے۔ وغیرہ

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا

اب اے محمدؐ اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میرا اتباع کرنے والوں نے تو اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں (مشرکوں)

الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا

سے کہو کہ تم بھی کیا سر جھکاتے ہو اگر وہ بھی مسلمان ہو جائیں تو سیدھے راستہ پر آجائیں گے اور اگر اسلام سے

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

منہ پھیر لیں تو تمہارا کام تو صرف احکام پہنچا دینا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ اسلام فطری مذہب ہے اور تمام انبیاء اسی مذہب پر تھے اور یہی دین حق ہے۔ اب اتمام حجت کے طور پر ارشاد ہوتا ہے کہ سابق ادیان کے ماننے والے اگر یہود و نصاریٰ اور مشرکین خواہ مخواہ آپ سے جھگڑا کریں اور ہر شخص اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت کا مدعی ہو تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ایک بات ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کن ہے۔ وہ یہ کہ فطری دین وہی ہو سکتا ہے جو توحید و اسلام اور رضائے الٰہی کے حصول کی تعلیم دے۔ میں اور میرے پیرو تو اپنے اعمال، اقوال، افعال، رفتار بلکہ ذات و نفس کو بھی خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہمارے سب کام خدا وحدہٗ لا شریک لہٗ کے لئے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگیاں اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دی ہیں۔ ہم اس کو وحدہٗ لا شریک جانتے ہیں۔ وہ کل صفات سے متصف اور عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ تمام انبیاء بلا تفریق برحق تھے۔ قیامت، حشر نشر، ثواب، عذاب وغیرہ سب برحق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس کے تمام فرمان برحق ہیں اور ہم اس کے احکام کی اشاعت کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ اور کیا تم لوگ بھی (خواہ یہودی ہو یا عیسائی یا مشرک) اس بات کے لئے تیار ہو۔ کیا تم بھی احکام الٰہی کی اشاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا اب اگر وہ اس کو مان لیں اور شریعت محمدی کے تمام احکام کو تسلیم کر لیں تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ اور اگر نہ مانیں تو آپ کا کوئی حرج نہیں ہے۔ زبردستی اسلام میں داخل کرنا یا کسی کے قلب کو پھیر دینا تو آپ کا کام ہی نہیں ہے۔ بلکہ صرف احکام الٰہی کو پہنچا دینا آپ کا کام ہے۔ ماننا نہ ماننا اُن کا فعل ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ خدا اپنے بندوں کی حالت خود خوب دیکھتا ہے۔ دنیا و دین میں ان کے اعمال کی ان کو سزا جزا دے گا۔

محی السنۃ نے تفسیر معالم میں ذکر کیا ہے کہ آیت فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا پڑھ کر حضور والا نے اہل کتاب کو سنائی تو بولے ہم تو مسلم ہیں۔ خدا کے احکام کو بدل و جان مانتے ہیں۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا یہودیو! کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عزیز خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے؟ بولے معاذ اللہ وہ بندہ نہ تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ نازل فرمائی۔

مقصود بیان آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان کی نشست و برخاست، خور و خواب، نیند و بیداری یہاں تک کہ زندگی و موت کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے اور حقیقی معنی میں احکام الٰہی کا حلقہ بگوش اور رشتہ در گردن ہونا ہی مسلمان کا فرض ہے۔ اس کی تعلیم سوائے اسلام کے کوئی مذہب نہیں دیتا۔ نبی یا جانشین نبی کا فرض ہے کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کر دے اور لوگوں تک پیغام الٰہی پہنچا دے۔ ماننا نہ ماننا اُن کا فعل ہے۔ سمجھا دینا مبلغ کا کام ہے۔ ہدایت دینا خدا کے اختیار میں ہے اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی نہ مانے گا تو واعظ سے اس کی باز پرس نہ ہوگی۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ

جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ

کرنے کا مشورہ دینے والوں کا خون کرتے ہیں اُن کو تکلیف دہ عذاب کی خوشخبری سنا دو یہی وہ لوگ

الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

ہیں جن کا کیا کرایا دنیا و دین میں اکارت ہے۔ اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔

تفسیر گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا اور حکم دیا گیا تھا کہ ہر مسلمان پر احکام الٰہی کی تعمیل اور اعلائے حق کی سعی فرض ہے۔ اس بیان کو سن کر
ہر جگہ دال و مال دعویٰ کر سکتا تھا اور یہ اہل کتاب کہہ سکتے تھے کہ ہمارا مذہب بھی انہی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور ہم نے اسی تعلیم کو اپنا مقصد بنا لیا
ہے۔ پھر ہم تمہارے دین میں کیوں داخل ہوں اور کیوں اسلام قبول کریں۔ اس خیال کا دفعیہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو لوگ احکام الٰہی کو نہیں مانتے اور اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتے اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ
بہ رمِ الٰہی کے عالموں کو قتل کرتے ہیں اور وہ انبیاء جو اوامر و نواہی کے پابند رہنے کی ان کو ہدایت کرتے ہیں انہی کو یہ لوگ مار ڈالتے ہیں۔ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور اس سے بڑھ کر سرکشی اور طغیان کی انتہائی حد کو پہنچے ہیں کہ عام لوگوں میں سے جو شخص عدل و انصاف کا حکم کرے
انبیاء کو قتل نہ کرنے اور اوامر و نواہی کے پابند رہنے کی ان کو ہدایت کرے ہے اس کو بھی یہ ظالم قتل کر ڈالتے ہیں فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اے پیغمبر
آپ ان کو اطلاع دیجئے بلکہ خوشخبری سنا دیجئے کہ تمہارے لئے تکلیف دہ عذاب الٰہی تیار ہے۔ قیامت کے دن تم بہت بڑے بھاری عذاب میں مبتلا ہو گے
عذاب الیم کی اطلاع ہی تمہارے لئے بشارت ہے۔ کیونکہ تمہارا گناہ بہت ہی بڑا ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ نے معالم میں بروایت ابن جریج بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام کو کتابیں
ملی تھیں۔ باقی انبیاء میں سے اور کسی نبی پر کتاب نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ وحی آتی تھی۔ ہر فرقے کے واسطے ایک ہی زمانہ میں بہت سے انبیاء ہوا کرتے تھے۔ ہر شہر میں
پچاس پچاس سو سو کی تعداد میں ہوتے تھے اور ہر نبی اپنے آدمیوں کو نصیحت کرتا تھا۔ لیکن قوم میں سے کچھ شقی ناصح کو ہی قتل کر دیتے تھے۔ لیکن قوم والوں میں
سے کچھ لوگ نصیحت ماننے والے بھی ہوتے تھے۔ نبی کے قتل کے بعد یہ ہدایت یافتہ لوگ بدکرداروں کو نصیحت کرتے تھے۔ لیکن یہ گمراہ فرقہ ان کو بھی قتل
کر ڈالتا تھا۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت ابو عبیدہ بن جراح بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے سخت
عذاب کس شخص کو ہوگا؟ ارشاد فرمایا اس شخص کو جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا اس شخص کو قتل کیا ہو جو اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرتا ہو۔ پھر
حضور نے آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ آخر تک تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں صبح کے وقت
۴۳ انبیاء کو یکدم قتل کر ڈالا تھا پھر بنی اسرائیل میں سے ۱۷۰ مومنوں نے ان قاتلوں کو نصیحت کی۔ نیکی کرنے اور بدی سے باز رہنے کا حکم دیا تو اسی
روز سورج غروب ہونے سے پہلے ان قاتلوں نے ان کو بھی قتل کر ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے انہی قاتلوں کا آیت کریمہ میں تذکرہ کیا ہے۔ شیخ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں
بروایت عبد اللہ بن مسعود بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے دن چڑھتے تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالا تھا اور پچھلے دن میں ان کی کھیتیاں فروخت کرنے کا بازار لگا تھا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ کو قتل کیا تھا۔ جن کو حضرت عیسیٰ نے تبلیغ احکام کے لئے
بھیجا تھا۔ پھر ان کے خون کے عوض خدا تعالیٰ نے بخت نصر کو مسلط فرمایا جس نے ستر ہزار بنی اسرائیل کو ایک دن میں فنا کر دیا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال اور نیکیاں دنیا و دین میں اکارت چلی گئیں۔ نہ دنیا میں ان کو گزشتہ نیکیوں کا ثمرہ ملا۔ نہ دین میں ملے گا مطلب
یہ کہ چونکہ بغیر اسلام و ایمان کے ان کی نیکیاں تھیں اس لئے ناپید ہو گئیں وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ عذاب الٰہی سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ دنیا میں
عذاب کے مواخذہ سے کوئی ان کو بچا سکا۔ بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوا۔

آیت میں خطاب ان بنی اسرائیل کو کیا گیا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور ان کو الزام دینے کے لئے ان افعال کا تذکرہ کیا
گیا ہے جن کے مرتکب ان کے اسلاف تھے وہ خود نہ تھے تو بظاہر اس سے لازم آتا ہے کہ گناہگاروں کا جرم اگر دہ گواہوں کے سر تھوپا گیا۔ لیکن اس کی دو وجہیں
ہیں۔ اول تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب اپنے اسلاف کے اعمال کو نظر استحسان سے دیکھتے تھے اور ان کی ثنا خوانی کرتے تھے تو ان کے
اسلاف کے کارنامے ذکر کر کے ان کو ان کے خیال سے روکا گیا۔ دوسرے یہ کہ جو خیالات ان کے باپ دادا کے تھے وہی ان کے بھی تھے جس طرح ان کے اسلاف نے
انبیاء و مومنین کو قتل کیا تھا۔ یہ بھی حضور اقدس اور صحابہ کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو ان کی مکاریوں سے محفوظ رکھا۔

مقصود بیان — قتل انبیاء کفر ہے۔ مومن کے قتل کی سزا جہنم ہے۔ احکام الٰہی کی تبلیغ فرض ہے۔ ظالم حاکم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرنی لازم ہے اور

سبب ہوتا ہے۔ کفر کرنے سے گزشتہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ ان کا ثواب نہیں ملے گا۔ حالتِ کفر میں کوئی نیک عمل مقبول نہیں۔ گناہ پہلا سا ... اور دوسری
... سے ... کہ وہ قرآن کو ... ان کا کوئی مددگار نہیں ... کوئی نہیں پہنچ سکتا انصاف ...
... ہم نے عذاب الٰہی ... کو قتل کیا تھا وغیرہ

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ

(اے محمد) کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جن کو (علم) کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا اب وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ کتاب اللہ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن

ان کا فیصلہ کرے مگر ان میں کا ایک گروہ منہ پھیر کر مڑ جاتا ہے یہ (کج ادائی) اس لئے ہے کہ ان کا قول ہے کہ دوزخ

تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا

کی آگ ہم کو صرف گنتی کے چند روز لگے گی اور ان کی افترا پردازیوں نے اُن کو دھوکے میں

يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

ڈال رکھا ہے اس وقت کو ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اُس روز جمع کریں گے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن کی حق تلفی نہیں کی جائے گی

تفسیر ان آیات کی شانِ نزول کے متعلق دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ یہودیوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔
سعید بن جبیر اور عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے وہاں چند یہودی جمع تھے۔ حضورؐ نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید بولے کہ آپ کس دین پر ہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا دینِ ابراہیمی پر۔ کہنے لگے وہ تو یہودی تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اچھا توریت لاؤ وہی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کن ہے لیکن یہود اس پر راضی نہ ہوئے اور انکار ہو گئے (معالم) دوسری روایت کلبی نے بیان کی ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں سے کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو توریت میں ایسے شخص کے لئے رجم کا حکم ثابت تھا۔ لیکن یہودیوں نے اپنی طرف سے اس میں ترمیم کی تھی۔ جو رذیل شخص ہوتا اس کو تو رجم کی سزا دیتے تھے اور جو شریف اور دولت مند ہوتا اس کی سزا کا یہ طریقہ تھا کہ گدھے پر سوار کر کے تشہیر کرتے اور کوڑے لگاتے تھے۔ چونکہ یہ مرد و عورت شریف تھے اس لئے انہوں نے ان کو رجم کی سزا دینی مناسب نہ سمجھی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے کہ آپ فیصلہ کر دیجئے۔ اُن کو خیال تھا کہ قرآن کے بموجب اُن کی سزا ہلکی ہوگی۔ حضور اقدسؐ نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم دیا۔ یہ سن کر نعمان بن اوفیٰ اور عدی بن عمرو کہنے لگے۔ محمدؐ! آپ نے ہم پر ظلم کیا۔ ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا میرے اور تمہارے درمیان توریت فیصلہ کن ہے۔ کہنے لگے ہاں یہ انصاف کی بات ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم میں سے کون شخص توریت کا بڑا عالم ہے۔ بولے عبد اللہ بن صوریا۔ چنانچہ ابن صوریا کو فدک سے بلایا گیا۔ حضورؐ نے توریت کا وہ پارہ جس میں رجم کی آیت تھی منگوایا اور ابن صوریا سے فرمایا پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا جب آیتِ رجم پر پہنچا تو اس پر ہتھیلی رکھ لی اور آگے بڑھ گیا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے فوراً ...

اور لوگوں نے کھودنا شروع کر دیا تو کھودتے کھودتے ایک بڑا پتھر آگیا جس پر کدال کام نہیں کرتی تھی صحابہ نے حضرت سلمان کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا آپؐ تھک کر مسجد میں جا کر سو گئے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے جا کر واقعہ کی اطلاع دی۔ حضورؐ تشریف لائے اور وضو کر کے کدال ہاتھ میں لے کر پتھر پر ایک ضرب ماری جس سے وہ ٹوٹ گیا اور اس پر سے ایک ایسی چمک نکلی کہ دینہ کے دونوں کنارے روشن ہوگئے۔ حضورؐ نے اور مسلمانوں نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا اس چمک سے مجھے حیرہ کے مکان دکھائی دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کتے کے دانت ہیں۔ پھر حضورؐ نے دوسری ضرب لگائی اور اس سے بھی ایسی ہی بجلی کوندی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا اس روشنی سے مجھے روم کے سرخ مکانات دکھائی دیئے گئے۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور ایسی ہی بجلی کوندی اور حضورؐ نے فرمایا اس چمک میں مجھے صنعاء کے مکانات نمودار ہو گئے اور مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میری امت ان سب ملکوں پر غالب آئے گی منافق یہ سن کر مسلمانوں سے کہنے لگے کیا تم اپنے نبی کے قول سے تعجب نہیں کرتے کہ تم کو جھوٹے وعدے اور خوشخبریاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے یثرب سے حیرہ کے مکانات دیکھ لئے اور اُس کو تم فتح کر دوگے۔ حالانکہ تم خوف سے خندق کھودتے ہو اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی حاصل مختصر یہ ہے کہ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ تم خدا سے دعا کرو کہ اے اللہ تو آسمان و زمین کا جسمانی اور روحانی سلطنتوں کا (یعنی بادشاہت اور نبوت کا) اور قوت و غلبہ کا مالک ہے جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے تو جس کو چاہتا ہے حکومت و سلطنت عطا کرتا ہے اور جس کے قبضہ سے نکالنا چاہتا ہے نکال لیتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ اور جس قوم کو چاہتا ہے سلطنت و حکومت دے کر عزت عطا فرماتا ہے اور جس قوم کو ذلت دینی چاہتا ہے اُس سے حکومت چھین کر ذلیل کرتا ہے۔ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تیرے ہی دستِ قدرت میں اچھائی برائی، نیکی بدی، عزت و ذلت اور سلطنت و زوالِ سلطنت، خزائنِ دولتِ دنیا و آخرت، سامانِ دنیا و نعماءِ عقبیٰ سب کچھ موجود ہے (تو ہم کو حکومت و دولت اور خیرِ دنیا و آخرت عطا فرما اور نعماءِ عقبیٰ سے سرفراز فرما) کیونکہ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تیری قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ:-

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ

رات کو (گھٹا کر) دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور جاندار کو بے جان سے پیدا کرتا ہے اور

تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

بے جان کو جاندار سے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

تفسیر تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ جتنا حصہ دن کا بڑھاتا ہے تو اتنا ہی حصہ رات کا گھٹا دیتا ہے اور جتنا حصہ رات کا بڑھاتا ہے اُتنا ہی حصہ دن کا گھٹا دیتا ہے اور ایک کو کم کر کے دوسرے میں داخل کر دیتا ہے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ظلم کے بعد انصاف اور انصاف کے بعد ظلم یا عزت کے بعد ذلت اور ذلت کے بعد عزت پیدا کرتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ اور زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے یعنی کھیتی کو دانہ سے اور دانہ کو کھیتی سے، بیج کو درخت سے اور درخت کو بیج سے، مرغی کو انڈے سے اور انڈے کو مرغی سے، انسان کو بیجان نطفہ سے اور نطفہ کو انسان سے، مُردہ دلوں (کافروں اور فاسقوں) کو زندہ دلوں (مومنوں) سے اور زندہ دلوں کو مُردہ دلوں سے وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اور فقط خلق عالم اور ایجاد ہی تیرے دستِ قدرت میں نہیں ہے۔ بلکہ تربیت و پرورش بھی تیرے ہی قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے بے انتہا رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگدست بنا دیتا ہے۔ لہٰذا تو ہم کو سلطنت، عزت، انصاف، رزقِ کامل، نورِ شریعت اور حیاتِ حقیقی مرحمت فرما اور محکومیت، ذلت، ظلم، تنگیِ رزق، گمراہی، جہل دینی اور مُردہ دلی سے بچا۔

مقصود بیان　اس امر کی صراحت کہ عالم کا خالق اور فاعل حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔ خلقت و خود، قوت، عزت، حاکمیت و محکومیت، فراخی و تنگی اسی کے قبضہ میں ہے۔ وہی اپنی صفاتی وخلاقی سے بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے۔ کافروں سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرتا ہے اور انبیاء و اولیاء کی اولاد کو کافر کر دیتا ہے۔ گویا تمام عالم میں روحانی و جسمانی تصرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہی شہنشاہ اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ بادشاہوں کے قلوب اسی کے ہاتھ میں ہیں جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ خواہ ظلم کی طرف یا عدل کی طرف۔ لہٰذا ہر قسم کی التجا اسی سے کرنی چاہیئے۔ اور حکومت و سلطنت ہو یا مال شہینہ سب کی دعا اسی سے کی جائے۔ وغیرہ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

مومن　مسلمانوں　کو چھوڑ کر　کافروں کو　دوست　نہ　بنائیں　جو ایسا　کرے گا

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ

اللہ کے　ذمہ میں　بالکل نہیں ہے　ہاں اس وقت (یہ فعل جائز ہے کہ) اُن کے شر سے　کسی طرح بچنا چاہو　اور خدا　تم کو اپنے

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

(قہر) سے ڈراتا ہے　اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے

تفسیر　گزشتہ آیت میں بیان تھا کہ دولت، عزت، حکومت، قوت سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس آیت میں حکم ہوتا ہے کہ کافروں کا جاہ و حشم، دولت و قوت دیکھ کر مسلمانوں کو اُن کی موالاۃ نہ کرنی چاہیئے۔ معالم میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ حجاج بن عمرو یہودی اور ابن الحقیق انصاری نیز قیس بن زید انصاری کے درمیان دوستی تھی۔ ان انصار سے رفاعہ بن منذر، عبد اللہ بن جبیر اور سعید بن خیثمہ وغیرہ نے کہا کہ تم ان یہودیوں سے پرہیز کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ تم کو کچھ دین کی طرف سے اغوا کریں۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جنھوں نے اپنے اہل و مال کے تحفظ کے خیال سے مشرکین مکہ کو بذریعہ خط کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے مطلع کیا تھا اور راست گوئی کی وجہ سے اُن کا قصور معاف ہوا۔ کیونکہ واقع میں حاطب مسلمان تھے اور مسلمانوں کے دلی دوست تھے۔

کلبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جو یہود و مشرکین سے محبت رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے۔ بہرحال حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مومنوں کو چھوڑ کر مسلمان کافروں کو اپنا دلی دوست اور رازدار نہ بنائیں اور ہرگز کافروں کے اندرونی دوست نہ بنیں۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ جو شخص ایسا کرے گا وہ مسلمان شمار نہ ہوگا المرء مع من احب۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ہاں اگر کافروں کی طرف سے مال و جان کے متعلق اندیشہ ہو اور کفار کی حکومت یا غلبہ ہو تو ایسی حالت میں ظاہری دوستی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر دل میں پھر بھی نفرت و بیزاری لازم ہے۔ کیونکہ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ درحقیقت خوف تو خدا سے کرنا چاہیئے اور اسی سے ڈرنا چاہیئے۔ کافروں کی شان و شوکت اور نام و نمود سے ڈرنا اور مرعوب ہونا مناسب نہیں ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ سب کو خدا کی طرف جانا ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ اگر کافروں سے دلی دوستی کرو گے تو خدا سزا دے گا۔ لہ

لہ کافروں سے مسلمانوں کی محبت چار طرح کی ہو سکتی ہے (۱) کافروں کی ملت و مذہب کو چاہا جائے کہ اُن سے محبت کی جائے اور دلی میلان اُن کی طرف ہو (باقی اگلے صفحہ)

نہیں ہے۔ بلکہ زمین آسمان کی کل کائنات کا اس کو علم ہے۔ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا کافروں سے موالات نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ تم کو اس کی سزا دے گا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کافروں سے موالات کرنے والوں کو ہر حال عذاب بھی دے سکتا ہے۔ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا اور اس روز کی حالت یاد کرو جب کہ اپنے نیک اعمال کو سامنے حاضر پائے گا اور اس سے اس کو مسرت ہوگی۔ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ اور اپنے برے اعمال کو بھی سامنے پائے گا اور اس سے اس کو اس قدر قلق ہوگا کہ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا اس کی دلی آرزو ہوگی کہ کاش یہ بداعمالیاں مجھ سے بہت زیادہ دور ہو جائیں اور میرے سامنے نہ آئیں۔ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اور خدا تعالیٰ اپنی ذات کا تم کو خوف دلاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم مجھ سے ڈرو۔ میرے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو۔ ورنہ سزا برداشت کرنی ہوگی اور یہ خوف دلانا صرف اس وجہ سے ہے کہ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ خدا تعالیٰ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔ اپنے احکام پر پابندی کی ہدایت کرتا ہے اور بصورت خلاف ورزی وعید و تہدید کرتا ہے اور تمام اعمال کے انجام سے بندوں کو پہلے سے خبردار کرتا ہے تاکہ آخر کو پچھتانا نہ پڑے۔

مقصود بیان کافروں سے خفیہ طور پر موالات کرنی بھی حرام ہے قیامت کے دن بدکردار شخص اپنی بداعمالیاں دیکھ کر ندامت و افسوس کرے گا۔ کل اعمال کی سزا جزا پہلے سے بیان کر دینا اور عواقب امور کا اظہار کر دینا بھی خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ ورنہ خدا پر لازم نہیں ہے کہ لوگوں کو دنیا میں اُن کے افعال کے نتیجہ سے خبردار کرے۔ وغیرہ۔ ترہیب و ترغیب وعدہ وعید۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

(اے محمدؐ) تم کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ تم کو بخش دے گا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

اور اللہ غفور رحیم ہے (اے محمدؐ) کہہ دو کہ اللہ اور رسول کے کہنے پر چلو اب اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی

اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝

نہ ماننے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کعبہ کے اندر کچھ قریشی اشخاص بُتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ مورتوں کو خوب بنایا سجایا تھا اُن پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے تھے۔ اتنے میں حضور والا بھی اندر داخل ہوئے۔ کیفیت حاضرہ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا۔ قریش واللہ تم نے اپنے آبا و اجداد یعنی حضرت اسمٰعیل و حضرت ابراہیم علیہما السلام کے طریقہ سے رُوگردانی کرلی۔ کفار بولے ہم تو ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے پوجتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے ہمارا قرب بڑھ جائے اس وقت آیت مذکور نازل ہوئی۔

آیت کا حکم عام ہے اور محبتِ الٰہی کے مدعیوں کو آزمانے کے لئے معیار صداقت و کذب ہے۔ اگر وہ طریقۂ محمدی پر نہیں ہیں تو جھوٹے ہیں اُن کو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں۔ محبتِ الٰہی کے دعوے میں آدمی سچا اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ تمام اقوال افعال اور اطوار میں شرع محمدی کا اتباع کرے اور سرِ مو اس سے تجاوز نہ کرے۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جس شخص نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی کام کیا وہ کام غیر مقبول ہے۔

آیت میں دو قسم کی محبتوں کا ذکر ہے (۱) بندہ کی محبت خدا سے (۲) خدا کی محبت بندہ سے۔ اول الذکر محبت کے یہ معنی ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کی طرف میلان خاطر نہ رکھے۔ ہر وقت اس کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے اور جن چیزوں کے ارتکاب کو اس نے منع کر دیا ہے اُن سے باز رہے گویا محبت اگرچہ قلبی فعل ہے لیکن اس کے ثبوت کے لئے فعلی ظہور لازم ہے۔ جب تک اطاعتِ الٰہی نہ ہوگی محبت کا دعویٰ غلط ہے اور مؤخر الذکر

محبت کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ بندہ سے راضی ہو اور اس کو ثواب عطا فرمائے۔ اور قرب خداوندی کے خواستگار ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو اور چونکہ
حاصل ارشاد یہ ہے کہ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے۔ اگر تم کو محبت الٰہی کا دعویٰ ہے اور قرب خداوندی کے خواستگار ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو اور چونکہ
احکام الٰہی بغیر واسطہ کے بندوں تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا میری پیروی کرو اور میرے احکام کو مانو۔ میری اطاعت سے تم کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی
ہو جائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ جو پہلے گناہ کر چکے ہو ان کو ناقابل معافی نہ خیال کرو
کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔ اگر میرے احکام کی اطاعت کرو گے تو خدا تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ یعنی اگر یہ لوگ خیال کریں کہ احکام الٰہی
کی اطاعت تو ضروری ہے غیر خدا کے احکام کو کیوں مانیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا اور رسول دونوں کی فرمانبرداری لازم ہے۔ رسول کی فرمانبرداری بعینہٖ
خدا کی اطاعت ہے۔ اگر یہ اس بات کو مان لیں گے اور اطاعت رسول کرنے لگیں گے تو محبت الٰہی کے دعوے میں سچے سمجھے جائیں گے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ اور نہ مانیں گے تو دعویٰ محبت میں جھوٹے ہیں۔ ایسے کافروں سے خدا محبت نہیں کرتا۔ نہ ان کو رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

مقصود بیان

محبت اگرچہ قلبی فعل ہے۔ لیکن اس کے ثبوت کے لئے عمل ظاہرہ ضروری ہے۔ محبوب کے امر و نواہی پر پابند ہوئے بغیر
دعوئے محبت غلط ہے۔ اتباع رسول سے خدا بھی راضی ہو جاتا ہے اور بندوں سے محبت کرتا ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت
ایک ہی چیز ہے اور ایک کی نافرمانی سے دوسرے کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ جو شخص سنت رسول اللہ کا پیرو نہیں وہ محبت الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے
ایسے شخص سے خدا بھی محبت نہیں کرتا۔ اسلام سے تمام سابق گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی خلاف ورزی کفر ہے۔

ہدایت خاص

ایک حدیث قدسی میں آیا ہے کہ بندہ برابر نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب کا طالب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے
کان ناک اور ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ محبت الٰہی جب بندہ کے دل میں متمکن ہوتی ہے تو نتیجۃً اس کے اعضائے
ظاہری و باطنی ہیں سب خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق کام کرتے ہیں اور اس شخص کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ یہ خود ہی اپنے ارادہ اور خواہشوں سے خالی ہو جاتا
ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں محبت و ایمان کا نور قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر قلب سے تمام بدن کے رگ و ریشہ میں پھیل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی باطن
کی آنکھ سے خود ہی نور دیکھتا ہے اور جب اس پر قائم رہتا ہے تو پھر سوائے اُن خیالات کے جو قضاؤ قدر کے موافق ہیں اور کچھ خیال ہی نہیں آتا۔ اور سب
اعضاء اس کے موافق کام کرتے ہیں اور دل ان پر حکم چلاتا ہے اور دل پر خدا تعالیٰ کی حکومت ہوتی ہے۔ اب جو بات یہ شخص زبان سے نکالتا ہے وہ ہو جاتی
ہے کیونکہ یہ بات اس کے ذاتی ارادہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ وہی ہوتی ہے جو تقدیر الٰہی میں ہوتی ہے۔ اس وقت اس کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا،
بیماری و صحت سب کام باعث ثواب ہوتے ہیں اور کمال محبت اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اللہ نے سارے عالم میں سے آدم اور نوح اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو انتخاب کر لیا ہے

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ان میں سے ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

تفسیر

گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ محبت الٰہی کے دعویٰ کے لئے اتباع رسول لازم ہے۔ اس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم خود اپنی اطاعت کرانی چاہتے ہیں۔ حالانکہ آدمی آدمی سب برابر ہیں۔ ہم کیوں ان کی اطاعت کریں۔ یہ بھی ہمارے ہی خاندان میں سے ایک
آدمی ہیں۔ اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ نے ان آیات میں دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا
کر رکھی تھی ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا برگزیدہ بندہ جس کو خداوند تعالیٰ خود منتخب کر لیتا ہے دیگر لوگوں سے افضل و بزرگ ہوتا ہے۔

مثلاً حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جو آدم ثالث تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد یعنی حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ وغیرہ پھر عمران کے دونوں صاحبزادے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ یہ سب لوگ ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور انسان تھے فرشتے نہ تھے لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ ہم اپنے ہی قوم والے کی کیوں اطاعت کریں کیونکہ خدا تعالیٰ ہر شخص کی گفتار کو سنتا اور رفتار کو جانتا ہے۔ جیسا مناسب سمجھتا ہے ویسا کرتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ نے عمران کی بیوی کے قول کو بھی سنا تھا اور اس کی نیت کا بھی خدا کو علم تھا۔ ان دونوں باتوں کا بیان آئندہ آیت میں آتا ہے)۔

حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں نبوت حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک رہی اور حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سوائے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے اور کوئی نبی نہیں ہوا۔

عمران دو تھے۔ ایک تو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے والد تھے یہ عمران بن یصہر بن قاہت بن لاوی بن یعقوب تھے۔ دوسرے عمران حضرت مریم کے والد حضرت زکریا کے ہم زلف حضرت یحییٰؑ کے خالہ زاد بھائی اور حضرت عیسیٰؑ کے نانا تھے۔ یہ عمران بن ہاشم یا عمران بن ماثان یہودا کی نسل میں سے تھے اور دونوں خدا کے محترم بندے تھے۔ دونوں کے درمیان بروایت محمد بن اسحٰق ۱۸۰۰ برس کا فصل تھا۔

مقصود بیان نبی اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے۔ انبیاء کا مرتبہ اولیاء سے بڑھ کر ہے۔ حضرت آدمؑ صرف خلیفہ ہی نہ تھے بلکہ نبی بھی تھے۔ نبی کی اطاعت لازم ہے۔ وغیرہ

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

جب کہ عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اس کو (دنیوی کاروبار سے) آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں تو میری

مِنِّي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا

طرف سے قبول فرما بلاشبہ تو سنتا اور جانتا ہے غرض جب عمران کی بیوی کو وضع حمل ہوا تو اس نے کہا میرے پروردگار میرے تو لڑکی

أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا

پیدا ہوئی ہے حالانکہ جو کچھ اس کے پیدا ہوا تھا خدا اس سے خوب واقف تھا اور لڑکا اس لڑکی کی طرح نہیں (ہو سکتا) تھا اور میں نے اس کا نام

مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا

مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان ملعون سے بچا کر تیری پناہ میں دیتی ہوں بالآخر خدا نے اس کو

بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

خوشی سے قبول کیا اور اس کی اچھی طرح نشوونما کی اور زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا جب زکریا اس کے پاس حجرہ میں

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ

جاتے تھے تو اس کے پاس کھانا (یعنی میوہ) رکھا ہوا پاتے (ایک دن) بولے مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا مریم نے کہا

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

یہ خدا کے پاس سے آیا ہے　خدا جس کو چاہتا ہے　بلاشبہ بے حساب　روزی　دیتا ہے

تفسیر حضرت زکریا ؑ کے ہم زلف یعنی عمران بن ماثان کی بیوی حنہ بنت فاقوذ حاملہ ہی تھیں کہ عمران کا انتقال ہو گیا۔ حنہ نے یہ سمجھ کر کہ شاید میرے لڑکا پیدا ہوگا یہ نذر مانی تھی کہ الٰہی میں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے تیرے گھر یعنی بیت المقدس کی خدمت کے واسطے چھوڑ دوں گی۔ اس زمانہ میں ایسی نذر ماننی سیم بلکہ موجب ثواب تھی اور حضرت زکریا کے خاندان میں تو بیت المقدس کی تولیت آ ہی رہی تھی اور حضرت زکریا کے کوئی اولاد بھی اس وقت تک نہ تھی اس لئے جانشین کی بھی ضرورت تھی۔ ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر حنہ نے مذکورۂ بالا نذر مانی۔ لیکن جب خیال کے خلاف لڑکی یعنی حضرت مریم پیدا ہوئیں تو چونکہ نرینہ اولاد کو ہی بیت المقدس کی خدمت کے واسطے مقرر کر دینے کا دستور تھا اس لئے حنہ کو تردد ہوا کہ دنیا جھا دیں بہرصورت لڑکی لڑکے کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر نذر کیونکر پوری ہوگی۔ اس لئے نہایت حسرت و افسوس سے کہنے لگیں کہ الٰہی اب کیا ہو سکتا ہے لڑکی پیدا ہوئی ہے میں نذر کس طرح پوری کروں اور خدا تعالیٰ کو اس لڑکی کے پیٹ سے ایک جلیل القدر پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ کو بطور معجزہ کے پیدا کرنا مقصود تھا اور وہ بجائے لڑکے کے لڑکی پیدا ہونے کی مصلحت سے خوب واقف تھا اور خدا کے نزدیک ایسی لڑکی لڑکوں سے بہتر و افضل تھی۔ اس لئے اس نے بخوشی حنہ کی نذر قبول فرمائی۔ غرض حنہ حضرت مریم کو لے کر بیت المقدس میں گئیں اور وہاں کے خدام اور مجاوروں سے کہا کہ یہ نذرانہ اس مقدس گھر کی خدمت کے لئے ہے۔ اس کی سرپرستی اور خور و پرداخت کرو۔ مجاوروں نے سُنا تو ہر ایک نے حضرت مریم کی کفالت کی رغبت ظاہر کی۔ کیونکہ وہ ان کے سردار عمران مرحوم کی صاحبزادی تھیں اور عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ اس وقت حضرت زکریا نے کہا کہ میں مریم کی کفالت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ کیونکہ میں اس لڑکی کا خالو ہوں اور اس کی خالہ ماں کی طرح ہی خور و پرداخت کرے گی۔ بالآخر جب جھگڑا بڑھا تو قرعہ ڈالنے پر فیصلہ ہوا۔ انیس ۱۹ آدمیوں نے جو کفالت چاہتے تھے نہر اردن میں توریت لکھنے کے قلم ڈالے کہ جس کا قلم پانی میں بیٹھ جائے گا وہی کفیل ہوگا۔ یہ دولت اللہ پاک نے حضرت زکریا کے نصیب میں لکھی تھی اس لئے ان کا قلم پانی میں ٹھہر گیا اور دوں کے قلم بہہ گئے۔ حضرت زکریا ؑ نے مریم کی پرورش شروع کر دی اور ایک مستقل حجرہ سب سے الگ اُن کے لئے بنا دیا۔ جس میں سوائے حضرت زکریا کے کوئی غیر نہیں جا سکتا تھا۔ حضرت زکریا جب حجرہ کے اندر مریم کے پاس جاتے تو سردی کے زمانہ میں گرمی اور گرمی کے زمانہ میں سردی کے میوے موجود پا کر تعجب کرتے تھے۔ ایک روز دریافت کرنے لگے کہ مریم تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آتے ہیں؟ حضرت مریم نے جواب دیا کہ خدا کے پاس سے آتے ہیں۔ خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا عمران کی بیوی (حنہ بنت فاقوذ) نے جناب باری میں عرض کیا۔ الٰہی میں تیرے خانۂ پاک کی خدمت اور تیری عبادت کے لئے اُس حمل کو نذر کرتی ہوں جو میرے شکم کے اندر ہے۔ اس کو دنیا کے کسی کاروبار میں مشغول نہ کروں گی۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تو میرا یہ نذرانہ قبول فرما تو ہی میری دُعا کو سُننے والا اور نیت کو جاننے والا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا لیکن جب لڑکی پیدا ہوئی اور اُمید کے خلاف بات ظاہر ہوئی۔ کیونکہ لڑکیوں کو خدمت بیت المقدس کے واسطے مامور کرنے کا دستور نہ تھا تو حنہ کو تردد ہوا اور معذرت کے ساتھ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى کہنے لگیں پروردگار یہ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ اب میں کیا کروں۔ نذر کیسے پوری کروں حالانکہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ حنہ کے شکم سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اُس کی حکمت و مصلحت سے خدا ہی خوب واقف تھا کہ آئندہ اس لڑکی کے بطن سے ایک عظیم الشان نبی بطور معجزہ کے پیدا ہوگا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کا سبب ہوگا اور ان کی گم شدہ بھیڑوں کو پھر راہ پر لائے گا۔ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ اور ہر لڑکا ہر لڑکی کی طرح نہیں ہو سکتا۔ یا جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کی طرح وہ لڑکا نہیں ہو سکتا تھا جس کی حنہ نے آرزو کی تھی۔ مطلب یہ کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے اتقاء میں افضل ہوتی ہیں۔ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ یہ حنہ کا قول ہے یعنی الٰہی میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور میں شیطان مردود کے اغواء سے اس کی اور اس کی اولاد کی حفاظت چاہتی

ہوں اور اس کو اور اس کی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے، پیدا ہونے کے بعد شیطان اس کو چھوتا ہے جس کی وجہ سے وہ چلانے لگتا ہے سوائے مریمؑ اور ان کے فرزند کے (رواہ البخاری والمسلم) کہ ان دونوں کو شیطان نے مَس نہیں کیا۔ یعنی انبیاء تو مس شیطان سے محفوظ ہوتے ہیں لیکن انبیاء کے علاوہ حضرت مریمؑ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ شیطان نے اُن کو مَس نہیں کیا تھا فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ. جب حنہ نے انہیں کے ساتھ نذر پیش کی تو خدا تعالیٰ نے اچھی طرح لڑکی کا نذرانہ ہی قبول کر لیا (اگرچہ اس زمانہ کے دستور کے خلاف تھا) یعنی بیت المقدس کی خدمت کے لئے خدا تعالیٰ نے مریم کو قبول کر لیا اور درجاتِ آخرت کے اعتبار سے بھی مریم کو پسند فرمایا۔ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور مریم کو اچھی اٹھان اٹھایا اور اچھی طرح بڑھایا، عفت و عصمت اور حسنِ اعضاء مریم کو عطا کیا اور جنت کے میوے دنیا میں اُن کو مرحمت فرمائے جن کا بیان اگلی آیت میں آتا ہے۔ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور حضرت مریمؑ کے اصل، تعلیم، تربیت اور خور و پرداخت کا خدا تعالیٰ نے زکریا کو ذمہ دار بنایا۔ یعنی حضرت زکریاؑ کی زیرِ سرپرستی مریم کو دے دیا گیا۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا جب حضرت زکریاؑ اس بالاخانہ پر جس میں مریمؑ کو سب سے علیحدہ رکھا تھا جاتے تھے تو وہاں عجیب عجیب پھل اور میوے رکھے ہوئے ملتے تھے۔ گرمی کے زمانہ میں جاڑے کے اور جاڑے کے زمانہ میں گرمی کے میوہ جات نظر آتے تھے۔ ایک روز تعجب سے قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا؟ حضرت زکریاؑ نے دریافت کیا مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے ہیں؟ مریمؑ اس وقت بچی ہی تھیں۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ کہنے لگیں خدا کے پاس سے آئے ہیں۔ جنت سے خدا تعالیٰ میرے لئے بھیجتا ہے کیونکہ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر مشقت و تکلیف کے بے انتہا عطا فرماتا ہے۔ خدا کی بخشش کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ محنت و مشقت ہی کی جائے۔

مقصودِ بیان

حضرت مریمؑ پیدائشی طور پر نفس کے اتباع، شیطان کے اغواء اور توجہ الی غیر اللہ سے آزاد تھیں۔ طاعتِ الٰہی میں مشغول اور مشاہدۂ تجلیات میں سرگرم تھیں۔ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کراماتِ اولیاء حق ہے۔ خرقِ عادت ممکن ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کا ثمرہ دنیا میں بھی عنایت کرتا ہے۔ اولیاء و اصفیاء پر خدا تعالیٰ کی خصوصی نظرِ عنایت ہوتی ہے۔ بعض اولیاء کا تعلق خدا سے ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ مگر اس سے فضیلتِ انبیاء میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کسی نذر کی کمیت، کیفیت اور حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ اخلاصِ قلبی پر نظر فرماتا ہے۔ نذر تھوڑی ہو یا بہت صفائی نیت کے ساتھ مقبول ہونے کے قابل ہوتی ہے۔ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کا کسی کے صلب یا بطن سے پیدا ہونا بھی والدین پر خدا کا فضل و انعام ہے۔ فضلِ الٰہی بغیر محنت و مشقت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا کی دین میں کسی سابق محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کے انعامات و احسانات کا بندوں کے افعال و اعمال پر دار و مدار نہیں ہے۔ اگرچہ نیک کام خدا تعالیٰ کی رضامندی اور بدکام خدا کی ناخوشی کے اسباب ہیں۔ جس کی کفالت میں کوئی چیز ہو یا کسی کی تربیت کسی کی زیرِ سرپرستی ہو تو سرپرست و کفیل پر لازم ہے کہ ہر طرح سے اس کی نگرانی اور غور و پرداخت کرے۔ اگر خلافِ اصول اور خارج از عادت کوئی بات پیدا ہو تو سبب دریافت کرے۔ وغیرہ۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً

اُس وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی بولے اے پروردگار مجھے اپنی سرکار سے اولاد صالح مرحمت فرما

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ

تو بے شک دعا کو سنتا ہے ابھی تک زکریا مسجد میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کو آواز دی

أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَ

کہ خدا تعالیٰ تم کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور

پھر کس طرح اولاد ہونی ممکن ہے قَالَ كَذٰلِكَ حضرت جبرئیل نے کہا۔ خدا کا حکم ایسے ہی ہے اس کو کسی واسطہ اور ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ بغیر ذریعہ اور سبب ظاہری کے بھی اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی چیز اس کو تکمیلِ فعل سے نہیں روک سکتی یعنی کسی شے کے پیدا ہونے کو حق تعالیٰ کی صرف مشیت کافی ہے۔ واسطہ یا سبب کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ واسطہ اور سبب کو بھی تو آخر اس نے اپنی خالص مشیت سے بنایا ہے اس کے لئے ..... اور سبب نہیں ہے۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً یعنی جب حضرت زکریا کے دل میں بہت شوق پیدا ہوا اور انسانی جذبہ نے مجبور کیا کہ جس کی بشارت دی گئی ہے وہ جلد ہو جائے تو عرض کیا یا پروردگار میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی مقرر فرما دے تاکہ مجھ کو علم ہو جائے کہ اب استقرارِ حمل ہو گیا۔ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ارشاد ہوا استقرارِ حمل کی علامت یہ ہے کہ تین شبانہ روز تم لوگوں سے زبان سے بات نہ کر سکو گے۔ یعنی زبان میں تکلم کی طاقت نہ ہوگی۔ ذکرِ الٰہی تو کر سکو گے مگر لوگوں سے بات نہ کر سکو گے (اس آیت سے قدرتِ الٰہی کے کمال کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کر دیتا ہے اسی طرح اسباب کی طاقت بھی سلب کر سکتا ہے۔ اسباب کی موجودگی کے باوجود مسبب کا وجود نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ زبان میں گویائی کی طاقت بھی ہے کوئی مرض بھی نہیں ہے۔ ذکرِ الٰہی پر بھی زبان چلتی ہے مگر لوگوں سے گفتگو کرنا ناممکن ہو گئی) اِلَّا رَمْزًا الا بضرورت کے وقت اشارے کنائے اور ہاتھ پاؤں سر وغیرہ کے ایماء سے تم اظہارِ مدعا کر سکو گے۔ لیکن تم پر بھی لازم ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا کہ خدا تعالیٰ کی یاد کی کثرت کرو اور اپنی نیت کو تمام خطرات سے خالی کر کے مناجات میں دل کو ہر تشویش و فکر سے پاک رکھو۔ وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ اور صبح و شام خدا کی پاکی بیان کرتے رہا کرو۔ یعنی صبح کے دن میں اور شام کے دن میں نماز میں مشغول رہو اور خدا تعالیٰ کو تمام عیوب و نقائص سے پاک سمجھو اور زبان سے تسبیح الٰہی کا اقرار کرو۔

مقصودِ بیان دوسرے کی نعمت دیکھ کر فطرتاً دنیا پرست انسان کے دل میں رشک و حسد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن خدا کے روحانی بندے کسی سے رشک و حسد نہیں کرتے۔ اگرچہ ان کو بھی نعمتِ الٰہی کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔ مگر وہ اس خواہش میں برکتِ الٰہی کے جویاں ہوتے ہیں۔ اولاد کی پیدائش اگرچہ فطرتاً والدین کی قابلیت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن کبھی خداوند تعالیٰ اس کے خلاف بھی کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز ناممکن نہیں۔ وہ ہر قسم کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ لیکن خلوصِ نیت اور نیک اعمال شرط ہے۔ نبی کی تصدیق کرنی، لوگوں کا پیشوا اور مقتدا ہونا اور خواہشاتِ نفسانی سے طبعاً نفرت ہونا بھی انعامِ الٰہی ہے۔ انسان بدکار ہو یا نیکوکار، جلیل القدر نبی ہو یا مجسم شیطان بہرحال اقتضائے بشری سے خالی نہیں اور خداوند تعالیٰ کی ظاہری قدرت کو دیکھ کر شروع میں تعجب کرتا ہے۔ چند روز کے واسطے دنیا سے الگ تھلگ رہ کر صفائے نفس اور ذکرِ الٰہی کی کوشش کرنی ناجائز نہیں ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے معانی غیب میں سے کسی بات کا طالب ہو اس پر لازم ہے کہ زبان کو فضول بکواس سے بند کرے اور دل کو شیطانی وساوس سے خالی کر کے ظاہر و باطن میں مشغول بحق ہو۔

اب ہم ذیل میں حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے کچھ مختصر واقعات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ گزشتہ اور آئندہ آیات کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

جب بیت المقدس کے اندر رہتے رہتے حضرت مریمؑ کو ایک عرصہ ہو گیا اور جوان ہو گئیں تو اب خدا تعالیٰ کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہوا اور ایک جلیل القدر عظیم الشان نبی کی پیدائش ایک پاک دامن عصمت مآب عورت کے بطن سے منظور ہوئی۔ ایک روز حضرت مریمؑ غسلِ حیض سے فارغ ہو کر اپنے حجرہ میں بیٹھی تھیں کہ آدمی کی شکل میں حضرت جبرئیلؑ نظر آئے۔ حضرت مریمؑ نے غیر مرد کو سامنے آتے دیکھ کر خدا سے پناہ چاہی اور فرمایا کہ اگر تو پاک دامن شخص ہے تو یہاں کیوں آیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا میں فرشتہ ہوں اور خدا تعالیٰ تجھ کو ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ مریمؑ نے کہا۔ میں کسی مرد کے پاس نہیں گئی اور نہ میں بدکار ہوں پھر لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت جبرئیل بولے۔ خدا کا یونہی حکم ہے خدا ایسے ہی کر دیتا ہے۔ پھر جبرئیل نے قریب آکر حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک مار دی جس سے وہ حاملہ ہو گئیں اور جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم بیت اللحم کے ایک گوشہ میں کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئیں۔ الغرض حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور آپ کی برکت سے اس خشک درخت میں فوراً تر و تازہ اور پختہ کھجوریں آگئیں۔ یہودیوں کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو گروہ کے گروہ حضرت مریم کو لعنت ملامت کرنے کے لئے آنے لگے اور کہنے لگے تیرے ماں باپ تو

اچھا میں تمہارے کہنے سے اس کو سولی دیتا ہوں۔ لیکن اس کا وبال تم پر اور تمہاری اولاد پر رہے گا۔ یہودیوں نے اس بات کا منظور کر لیا حضرت عیسیٰؑ کی ہیبت غالب تھی اور ایک بے خوبی کی سی کیفیت آپ پر طاری تھی۔ آخر کار پیلاطس نے سولی دینے کا حکم دیا۔ جس مکان میں حضرت عیسیٰؑ بند تھے اس کے اندر ایک شخص شمعون اقراینی کو بھیجا گیا تاکہ اندر سے حضرت عیسیٰؑ کو لے آئے۔ ادھر شمعون اندر پہنچا ادھر خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ عیسیٰؑ کو اٹھا لو اور شمعون کی صورت عیسیٰؑ کی طرح کر دو۔ حکم الٰہی کے بموجب شمعون کی صورت بدل کر حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہو گئی اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ شمعون کو جب اندر حضرت عیسیٰ نہ ملے تو وہ باہر نکل کر آیا۔ لوگوں نے فوراً اسی کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا۔ وہ ہر چند کہتا تھا کہ میں شمعون ہوں عیسیٰؑ نہیں ہوں۔ لیکن اپنی آنکھوں کی تکذیب کون کر سکتا تھا۔ بالآخر اس کو سولی دیدی گئی۔

اس واقعہ کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ صرف ڈھائی تین برس نبوت کو ہوئے تھے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى

اور جب　فرشتوں　نے کہا　مریم تم کو خدا تعالیٰ نے　برگزیدگی عطا کی　اور صاف ستھرا کیا　اور سارے جہاں کی عورتوں

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

میں تمہارا　انتخاب کیا　مریم اپنے رب کی اطاعت کرتی رہا کرو　اور سجدہ کیا کرو　اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

(اے محمد) یہ غیب کی خبریں ہم وحی کے ذریعہ سے　تم کو پہنچاتے ہیں　حالانکہ اس وقت تم اُن کے پاس موجود نہ تھے　جب کہ وہ اپنے قلموں کو

اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○

(بطور قرعہ کے) ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا　اور نہ تم ان کے پاس اس وقت تھے　جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

تفسیر حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ کا قصہ الحاقی طور پر ذکر کیا گیا تھا اصل مقصود حضرت مریمؑ و عیسیٰؑ کا تذکرہ تھا چنانچہ اس آیت میں پھر اصل مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ نے جب مریمؑ سے کہا کہ خدا نے تجھ کو بزرگی عطا فرمائی ہے، تیرا مرتبہ نہایت بلند اور عالی بنا لیا ہے۔ واقع میں تو خدا کی مقبول بندی ہے۔ وَطَهَّرَكِ اور تجھے خدا نے مردوں کی قربت اور تمام بشری آلائشوں سے پاک کر دیا ہے۔ تیری مادی قوتوں کو مغلوب کر دیا ہے وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اور تیرا مرتبہ اتنا اونچا کر دیا ہے کہ تیرے زمانہ کی جتنی عورتیں ہیں سب پر تجھ کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ لہٰذا مریم تجھے بھی تہہ دل سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے پروردگار کی اطاعت کرنی چاہیئے اور شکریہ کے طور پر اس کی عبادت میں سرگرم رہنا چاہیئے لیکن تیری نماز (ان عام یہودیوں کی طرح نہ ہونی چاہیئے کہ نماز میں رکوع نہیں کرتے بلکہ تیری نماز) میں رکوع ضرور ہونا چاہیئے جس طرح خالص ایماندار یہودی رکوع کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اولیا و عابدان اہل محبت کے ساتھ شامل ہو کر جو نرم دل ہو کر خدا کی طرف جھک پڑتے ہیں تجھ کو بھی بارگاہِ الٰہی میں جھکنا چاہیئے تاکہ تجھ کو اہل جماعت کی برکت نصیب ہو اور اولیاء کی صحبت سے بندگی میں استحکام ہو اور صفائی قلب ہو۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ یہ زکریاؑ اور مریمؑ کے واقعات اور یحییٰؑ و عیسیٰؑ کی پیدائش کے قصے اور مریم کی کفالت و سرپرستی کے تنازعات غیب کی خبریں ہیں۔ تم کو ان کا علم نہ تھا۔ کیونکہ تم نے انجیل و تورات نہیں پڑھی اور نہ اہل کتاب کی صحبت میں رہے بلکہ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ہم وحی کے ذریعہ سے تم کو ان واقعات کی اطلاع دے رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس کوئی علم کا ذریعہ نہ تھا اور وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ نہ تم اس وقت موجود تھے جبکہ (مریم کی والدہ بنی الکاہن کے پاس مریم کو لائی تھیں) مریم کا کفیل بننے کے لئے لوگ نہر اردن میں اپنے اپنے (توریت لکھنے کے) قلم بطور قرعہ کے ڈال رہے تھے اور سب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جس کا قلم پانی میں ٹھہر جائے وہی مریم

کی خود پرداخت اور کفالت کرے۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اور نہ تم اس وقت موجود تھے جبکہ لوگ باہم مریم کی کفالت کے متعلق جھگڑا کر رہے تھے۔ بلکہ یہ غیر معلوم واقعات ہم وحی کے ذریعے تم کو بتا رہے ہیں۔

مقصود بیان حضرت مریمؑ خدا کی برگزیدہ بندی تھیں نبی نہ تھیں۔ نہ خدا کی بیوی تھیں۔ حضرت مریمؑ نے کبھی کسی مرد سے قربت نہیں۔ نہ حرام نہ حلال۔ اُن کے نفسانی قویٰ مغلوب ہو گئے تھے۔ آیت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنے انعام سے نواز فرمائے اس پر لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت کرے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ مل کر عبادت کرنے سے خواہ عبادت فرض ہو یا نفل برکت حاصل ہوتی ہے اور عبادت قابلِ قبولیت ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم صرف وحی سے ہوا۔ ورنہ وحی سے قبل حضور اقدسؐ ان باتوں سے لاعلم تھے۔ قرعہ ڈالنا صرف دل خوش کرنے کے لئے جائز ہے۔ جو چیز انسان کے دماغ اور ذہن سے غائب ہو یعنی جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو وہ غیب کے حکم میں داخل ہے۔ لیکن یہ غیب لغوی ہے۔ آیت میں معجزنما تبلیغ کا بھی مظاہرہ کیا گیا ہے اور لطافت آمیز دعوتِ اسلام بھی دی گئی ہے کہ ایسے واقعات جن کو اہلِ کتاب بھی بہت کم جانتے ہیں ان کے متعلق ایسا محقق فیصلہ ایک بے پڑھے لکھے آدمی کی زبان سے ہونا اگر وحی الٰہی پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے۔ وغیرہ

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

جس وقت کہ فرشتوں نے کہا تھا مریم خدا تعالیٰ تم کو اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ

ابن مریم ہوگا اور دنیا و دین میں وہ باعزت اور مقرب بندوں میں سے ہوگا اور گہوارہ

النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

میں ہونے کے زمانہ میں اور نیز ادھیڑ عمر میں وہ (یکساں) لوگوں سے بات چیت کریگا اور نیک بندوں میں ہوگا

تفسیر یہ بھی حضرت جبرئیلؑ کا قول ہے یعنی اے مریم تم کو خدا تعالیٰ ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے جو بغیر باپ کے صرف حکمِ الٰہی سے پیدا ہوگا اور نقط لفظ کُنْ اُس کی پیدائش کا سبب ہوگا۔ حضرت عیسٰیؑ کو اسی وجہ سے کلمۃ اللہ کہا گیا اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ چونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ اس لئے کسی مرد کی طرف اُس کا سلسلۂ نسب منسوب نہ ہوگا بلکہ اس کا نام تیرے نام پر ہوگا یعنی مسیح عیسٰی بن مریم وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ دنیا و دین میں خدا کے نزدیک وہ با وجاہت اور ذی رتبہ ہوگا۔ دنیا میں جاہ و نبوت سے سرفراز ہوگا اور آخرت میں مراتبِ عالیہ کو حاصل ہوں گے۔ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور وہ خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا یعنی نبی مقرب ہوگا۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا اس کو یہ خصوصیت حاصل ہوگی کہ معمولی انسان بڑے ہو کر باتیں کرتے ہیں۔ مگر وہ شیر خوارگی کی حالت میں لوگوں سے بات چیت کرے گا اور میانہ عمر میں پہنچ کر تو لوگوں کو ہدایت کرے گا ہی۔ وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور خلاصہ یہ کہ وہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہوگا۔ عقائد، افعال، اقوال اور اس کی کل رفتار حیات صلاح و نیکی پر مبنی ہوگی اور وہ انبیاء کے درجۂ صلاح پر فائز ہوگا۔

مقصود بیان معمولی انسان جس طرح شیر خوارگی کی حالت میں اپنے نفس پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ قدرت و مشیت کے تابع ہوتا ہے۔ مشیت جب چاہتی ہے اس کی زبان کھول دیتی ہے، جب چاہتی ہے اُس کے پاؤں میں رفتار کی طاقت پیدا کرتی ہے اسی طرح خدا کے کامل بندے بڑے ہو کر بھی اپنے ارادہ کو ارادۂ الٰہی میں فنا کر دیتے ہیں اُن کا ہر فعل ذاتی ارادہ سے خالی ہوتا ہے۔ بلکہ ذاتِ الٰہی کا تصرف ان کے ہر فعل سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا میں اس بات کی طرف لطیف تنبیہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب انسان کو پوری قوت عطا فرمائے

تو اس کے واسطے زیبا نہیں کہ اس قوت کو حکم الٰہی کے خلاف استعمال کرے بلکہ اپنے ارادہ کو ارادۂ الٰہی [illegible] تابع [illegible]
ہو۔ اس امر کی طرف بھی ایک عمیق اشارہ ہے کہ ہر انسان شروع میں مجبور محض ہوتا ہے اور [illegible]
بھی اسی درجہ پر رہتے ہیں اور جو بدکردار تر و شعار طبقہ ہے اس میں انانیت اور رعونت آجاتی ہے اور [illegible] عالم مطلق خیال [illegible]
اور عبودیتِ الٰہی سے روگرداں ہو کر خناس شیطانی سے مغلوب ہو کر دعویٰ [illegible] کر بیٹھتا ہے [illegible] اس خیال کا یا میں نے اپنی
قوتِ بازو اور زورِ شمشیر سے حکومت حاصل کی۔ لیکن اول الذکر طبقہ ان تمام رعونتوں اور تمکنت شعاریوں کے مظاہرہ سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر فعل کا فاعل
حقیقی اور ہر تصرف کا متصرف اصلی خدا کو جانتا ہے اور اپنے کل افعال کو اسی کے افعال کا پرتو سمجھتا ہے اس وقت اسی میں ضیائے ربوبیت جلوہ افگن ہوتی
ہے اور آفتابِ الوہیت کی اس پر پرتو اندازی ہوتی ہے۔ یہ جو کچھ زبان سے نکالتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اسی درجہ پر فائز تھے۔ بچپن میں تو خدا نے اُن سے کلام کروایا ہی تھا لیکن جوانی میں بھی اُن کے اندر خدا بول رہا تھا۔ اسی سبب سے وہ جذام
اور مبروص اور مادر زاد نابینا کو سرف [illegible] کر اچھا کر دیتے تھے۔ لیکن باذن اللہ پرندے میں روح پھونکتے اور مردے کو زندہ کر دیتے تھے مگر یہ بھی باذن اللہ۔ خدا کے ہر
کامل بندے کی یہی حالت ہوتی ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا

مریم نے کہا پروردگارا! میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا فرشتہ نے کہا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا

يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

کرتا ہے جب کسی کام کو وہ کرنا چاہتا ہے تو اس سے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے اور (یہ بھی بشارت دی کہ) وہ لکھنا اور دانائی کی

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ

باتیں اور توریت و انجیل سکھائے گا اور بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر ہو کر جائے گا (اور کہیگا) کہ میں تمہارے رب کی طرف سے

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

ایک نشانی تمہارے پاس لایا ہوں میں پرندہ کی صورت مٹی کی بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بحکم خدا

طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور بحکم خدا مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

اور جو کچھ تم کھاتے ہو یا گھروں میں رکھ آتے ہو اس کو بتا دیتا ہوں اگر تم ایماندار ہو تو اس میں تمہارے لئے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(میری صداقت کی) نشانی ہے

تفسیر قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ یعنی جبرئیلؑ کے جواب میں تعجب و حیرت سے حضرت مریم نے کہا کہ میرے کیسے اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ عادتِ الٰہی تو یہ ہے کہ جوڑے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا نہ جائز نہ ناجائز قَالَ كَذٰلِكِ جبرئیلؑ نے کہا خدا کا حکم یونہی ہے کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ خدا تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اُس کو کسی واسطے اور ذریعہ کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا جب کسی کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو باپ ہو یا نہ ہو، اسباب موجود ہوں یا نہ ہوں ہر صورت فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس چیز کے پیدا ہونے کا صرف حکم دیتا ہے بس فوراً وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی اُس کی قدرت بہت بڑی ہے کسی چیز کے پیدا کرنے میں وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ اگرچہ مسبب کا وجود ظاہری اسباب کے مہیا ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ مگر وہ اس کے خلاف بھی کر سکتا ہے وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اور خدا تعالیٰ اس لڑکے کو بغیر پڑھے لکھے اور بغیر کسی مدرسہ میں حاضری دیئے فنِ تحریر سکھائے گا۔ حکمت کی باتیں جانے گا یعنی تہذیب اخلاق اور علم باطن حاصل کرے گا اور توریت و انجیل کے احکام کی تعلیم دے گا۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور فقط یہی نہیں بلکہ ایک معزز پیغمبر بنا کر بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور کرے گا چنانچہ حضرت عیسیٰؑ بہترین خوشنویس تھے۔ ایک زبردست فلاسفر اور حکیم تھے۔ توریت و انجیل کے احکام کے ماہر تھے۔ جو امور توریت میں قابلِ ترمیم تھے اُن کو آپ نے بدل ڈالا تھا اور باقی بدستور قائم رکھے تھے اور نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ میں خدا کا فرستادہ ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں تم کو میرے احکام کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنی رسالت کی صداقت اور ثبوت کے کچھ معجزات بھی تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مثلاً اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ تمہارے سامنے مٹی کی بشکل پرندہ ایک مورت گھڑتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں وہ فوراً بحکمِ الٰہی زندہ پرندہ بن جائے گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے چمگادڑ کے شکل کے متعدد پرندے بنائے تھے اور اُن پر خدا کا نام لے کر پھونک ماری تھی تو وہ بحکمِ الٰہی زندہ پرندے بن کر اُڑ گئے تھے۔ لیکن اتنا فرق تھا جس کو وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب تک وہ نظر کے سامنے رہتے تھے اُڑا کرتے تھے اور نظر سے غائب ہو جاتے تو گر جاتے تھے۔ اُن کی زندگی پائیدار نہ ہوتی تھی وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ یعنی دوسری بات یہ کہ میں بہت سی لاعلاج بیماریوں کو صرف پھونک یا دم کر کے اچھا کر دیتا ہوں مثلاً مادر زاد نابینا کی آنکھیں روشن کر دیتا ہوں اور پیدائشی برص والے کو تندرست کر دیتا ہوں (حالانکہ یہ بیماریاں تمام اطباء کے نزدیک لاعلاج ہیں حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں چونکہ طب کا بہت زور تھا۔ جالینوس وغیرہ اطباء موجود تھے۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے ان بیماریوں کو اچھا کرنے کا دعویٰ کیا جو باتفاق اطباء لاعلاج تھیں) وَاُحْىِ الْمَوْتٰى یعنی تیسری بات یہ کہ میں مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں جن کی جان نکل چکی ہو انہیں جان ڈال دیتا ہوں لیکن بِاِذْنِ اللّٰهِ یہ تمام کام خدا کے حکم اور اذن سے میں کرتا ہوں ورنہ مجھ میں اپنی طرف سے کوئی طاقت نہیں اور نہ ذاتی طور پر میں ایسا کر سکتا ہوں۔

جلال الدین سیوطی اور محی السنہ نے اپنی تفسیروں میں بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔ ایک تو حضرت عیسیٰؑ کا ایک دوست عازر نامی تھا جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس کی بہن نے حضرت عیسیٰؑ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ کا دوست عازر مر رہا ہے فوراً تشریف لائیے۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی جائے سکونت اور عازر کی رہائش گاہ میں تین روز کی مسافت تھی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ جب اپنے ہمراہیوں کو لے کر پہنچے تو عازر کو مرے تیسرا روز تھا۔ مسیح نے میت کی بہن سے فرمایا میرے ساتھ اس کی قبر پر چلو۔ حسب الحکم وہ ساتھ ہو لی اور جا کر حضرت کو عازر کی قبر پر کھڑا کر دیا۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ عازر فوراً زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا اور مدتوں جیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی اولاد ہوئی۔ دوئم ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا مر گیا تھا۔ لوگ اس کی لاش تابوت پر رکھے لئے جا رہے تھے اور بڑھیا پیچھے پیچھے روتی چلاتی جا رہی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے گذر ہوا۔ آپ نے بڑھیا پر ترس کھا کر دعا فرمائی تو مُردہ زندہ ہو کر تابوت کے اوپر ہی اُٹھ بیٹھا اور بہت زمانہ تک زندہ رہا۔ سوئم ایک شخص عشر و ٹیکس وصول کیا کرتا تھا اس کی بیٹی مر گئی تھی۔ دوسرے روز مسیح گرامی نے اس کو باذن اللہ زندہ کیا۔ یہ بھی ایک زمانہ تک جیتی رہی اور اس کے اولاد بھی ہوئی۔ چہارم ایک بار حضرت مسیح سام بن نوحؑ کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کو باذن الٰہی زندہ کیا۔ وہ زندہ ہو کر قبر سے نکل آئے۔ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔ سام معجزہ کا اظہار ہو گیا۔ اب تم قبر میں چلے جاؤ اور مر جاؤ۔ سام نے عرض کیا لیکن یہ شرط ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو سکرات کی تلخی سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سام فوراً مُردہ ہو گئے اور قبر میں دفن کر دیئے گئے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ چوتھی بات یہ کہ گھروں کے اندر جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ کھانے کے لئے تم جمع رکھتے ہو اس

کی اطلاع بھی تم کو دے سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ بتادیا کرتے تھے کہ تم نے آج فلاں چیز کھائی اور فلاں چیز کھانے کے لئے رکھ چھوڑی ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ اور قتادہؓ سے ان کے متعلق روایات آئی ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ یعنی ان مذکورہ معجزات میں تمہارے لئے میری صداقت و رسالت کا نشان ہے۔ بشرطیکہ تم میں ایمان کی دولت ہو اور ایمان لانا چاہو۔ وہ عناد کی حالت میں تو بڑے بڑے معجزات بھی بے سود ہیں۔ جب آنکھوں ہی پر غمہ ہو تو آفتاب سے کیا فائدہ ہے۔

مقصود بیان حضرت مریم ہمیشہ دوشیزہ رہیں۔ کبھی کسی مرد سے قربت نہیں کی۔ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے صرف حکم الٰہی سے پیدا ہوئے۔ حق تعالیٰ کے ارادہ میں اور اس چیز کے پیدا ہونے میں جس کا ارادہ کیا گیا ہو فصل نہیں ہوتا ہے۔ ادھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز فوراً پیدا ہو گئی۔ گویا کسی شے کا وجود ہی ارادۂ الٰہی ہے۔ حضرت عیسیٰ بہترین خوشنویس تھے۔ تہذیب اخلاق کے ماہر تھے۔ عالم باعمل تھے اور توریت و انجیل کے احکام سے واقف تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت رسالت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی اور کسی قوم کے واسطے نہ تھی اور نہ اسرائیلیوں کے علاوہ کسی اور پر حضرت عیسیٰؑ کے دین کی پیروی اور احکام انجیل کی تعمیل ضروری تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات بہت تھے۔ لیکن عظیم الشان معجزات یہ تھے کہ آپ بشکل پرندہ ایک مٹی کی مورتی بنا کر اس پر پھونک مار کر اس کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ لاعلاج مریضوں کو صرف ہاتھ سے چھو کر اچھا کر دیا کرتے تھے۔ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ لیکن یہ تمام امور حضرت عیسیٰؑ کی ذاتی طاقت سے ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ اسی لئے وہ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان سب میں حکم الٰہی اور طاقت خداوندی مضمر تھی اور حضرت عیسیٰؑ ان افعال کی تکمیل میں مشیت الٰہی کے محتاج تھے۔ مگر الوہیت حضرت عیسیٰؑ میں حلول نہیں کر گئی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کھائی پی ہوئی چیزیں اور جمع کردہ ذخیرہ بتا دیا کرتے تھے۔ یہ سب کے سب حضرت عیسیٰؑ کے کھلے کھلے معجزات تھے جن سے ان کی رسالت کی تصدیق ہوتی تھی۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کور باطن اور عناد رکھنے والوں کو کوئی ہدایت اور کوئی معجزہ مفید نہیں ہو سکتا۔ نور رسالت اور ضیائے ہدایت دیکھنے کے لئے بصیرت کوش دماغ اور نورانی عقل کی ضرورت ہے۔ یہ غلط ہے کہ انبیاء خود اپنی طرف سے ہر وقت معجزات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ بلکہ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معجزہ پیدا کرتا ہے اور اپنی مشیت مرضی سے جس کے ہاتھ پر اس کا ظہور کرانا چاہتا ہے کرا دیتا ہے۔ گویا اعجاز کی صفت درحقیقت خدا تعالیٰ کے واسطے ہی ہے۔ انبیاء کو ظاہر میں صرف اس کرامت سے سرفراز فرما دیا جاتا ہے کہ پردۂ صورت و ہیئت میں ان لوگوں سے ظہور ہوتا ہے۔ ورنہ انبیاء میں ایسی ذاتی طاقت کوئی نہیں ہوتی کہ جب چاہیں معجزہ کا اظہار کر دیں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اور مجھ سے پہلے جو توریت نازل ہوئی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور (میری نبوت کی یہ غرض ہے کہ) جو بعض چیزیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں ان

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ

کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بلاشبہ میرا اور تمہارا رب

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ

اللہ ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے بالآخر جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے انکار

الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا

دیکھا تو بولے کوئی ہے جو خدا کے واسطے میری مدد کرے حواری بولے ہم اللہ کے رسول کے حامی ہیں ہم اللہ پر

بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب جو کچھ تو نے نازل کیا ہم کو اس کا یقین ہے اور ہم تیرے رسول کے پیرو ہیں تو ہم کو

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ ع

(توحید و رسالت کی) شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور (یہودیوں نے) مکر کیا اور اللہ نے اس کا عوض دیا اور اللہ سب سے بہتر خفی تدبیر کرنے والا ہے

تفسیر وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ حضرت عیسیٰؑ نے یہ بھی کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس رسول ہو کر اس حال میں آیا ہوں کہ توریت کے جو احکام و مسائل مجھ سے پہلے موجود ہیں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اپنے زمانہ میں واجب العمل تھے لیکن وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اس کا یہ مطلب نہیں کہ توریت کے کل احکام اب بھی واجب العمل ہیں بلکہ میرے رسول بنا کر بھیجے کی غرض یہ ہے کہ جو چیزیں توریت میں تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان میں سے بعض اشیاء کو میں تمہارے لئے حلال کر دوں یعنی غرض یہ ہے کہ توریت کے بعض احکام تو برقرار رکھوں اور بعض کو منسوخ کر دوں۔ بنی اسرائیل پر جو چیزیں حرام کر دی گئی تھیں وہ دو طرح پر تھیں۔ ایک تو ان کی اصلاح حال و مآل کے لئے بطور ارشاد و ہدایت کے حرام کر دی گئی تھیں۔ مثلاً زنا، چوری، جھوٹ، بہتان، سور کا گوشت وغیرہ۔ یہ احکام تو حضرت عیسیٰؑ نے بدستور سابق برقرار رکھے اور ان میں سے کسی حکم میں ترمیم بھی نہیں کی۔ دوسرے وہ چیزیں تھیں جن کو بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے وقتاً فوقتاً حرام کر دیا گیا تھا ان چیزوں کو حضرت عیسیٰؑ نے بحکم الٰہی حلال کر دیا۔ مثلاً چربی، مچھلی، پیٹ کی چربی، پنجوں والے اور خار رکھنے والے پرندے، سنیچر کے دن شکار کی حرمت وغیرہ۔ یہ تمام احکام شریعتِ عیسوی میں منسوخ کر دیئے گئے۔ ابن کثیر اور دیگر محققین کا یہی قول ہے کہ دینِ عیسیٰ سے دینِ موسوی کا کچھ حصہ منسوخ ہو گیا اور کچھ بدستور باقی رہا۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ یعنی میرا دعویٰ رسالت بے ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ میں پروردگار کے عطا کردہ کچھ معجزات بھی لایا ہوں جن سے میری رسالت کا نشان ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا تم خدا سے ڈرو اور جو کچھ توحید الٰہی اور تعلیم شریعت کے متعلق میں تم کو احکام دوں ان کو مانو اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ یہ آیتِ سابقہ کی اصل غرض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے سامنے معجزات پیش کئے اور تم نے اس کو سحر پر محمول کیا ایسا نہ کرو۔ کیونکہ کوئی جادوگر عقائد و اعمال کی اصلاح کی دعوت نہیں دیتا۔ اور میں تم کو قوتِ نظریہ و عملیہ کے استعمال کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے عقائد کی اصلاح کرو۔ خداوند قدوس میرا اور تمہارا سب کا موجد، خالق، رازق اور مربی ہے۔ اس کی وحدانیت کا عقیدہ رکھو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اس سے تمہاری نظری قوت درست ہو جائے گی۔ فَاعْبُدُوْهُ اور اس کی اطاعت کرو۔ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور اس کے اوامر و نواہی پر پابند رہو۔ اس سے تمہاری قوتِ عملیہ درست ہو جائے گی۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی خدا رسی اور سعادتِ ابدی کا سیدھا راستہ ہے اسی سے نجاتِ حقیقی حاصل ہو سکتی ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح پر ہی حیاتِ حقیقی اور نجاتِ اخروی موقوف ہے۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ جب حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا کہ بنی اسرائیل میری نصیحت نہیں مانتے اور میرے معجزات کا بھی انکار کرتے ہیں اور اچھی طرح سے سمجھ گئے کہ یہ کفر پر جمے رہیں گے تو قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ فرمایا لوگو! دینِ الٰہی کی پیروی اور احکام حق کی اشاعت میں میرے مددگار کون ہیں؟ اس کا جواب بنی اسرائیل نے سوائے کفر و سرکشی کے اور کچھ نہ دیا لیکن قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ چند اصلی باخدا جن کے عقیدے شستہ اور صاف تھے اور سعادتِ ازلی کی پسیدی ان کے دلوں میں جھک رہی تھی بول اٹھے کہ ہم دینِ حق کی پیروی کریں گے اور ہم شریعتِ الٰہی کے واسطے ہر طرح سے مددگار ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم خدا پر ایمان لے آئے اور آپ کو رسول برحق یقین کر لیا۔ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ لیکن دلی ایمان اور قلبی یقین کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ کم از کم اس بات کے گواہ رہیں کہ ہم آپ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں اور آپ کی فرمانپذیری کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد حواریوں نے خدا سے دعا کی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ الٰہی جو انجیل تو نے نازل فرمائی ہم اس کو سچا جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ تیری طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی اور فرمانبرداری بھی قبول کر لی۔

گویا ہم نے اپنے عقائد و اعمال دونوں کی اصلاح کر لی اور جو ہدایت کا اصل مقصود تھا وہ ہم کو حاصل ہو گیا۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ لہٰذا ہم کو ان لوگوں کی فہرست میں شامل کر دے جو تیری وحدانیت کا اقرار کرنے والے اور تیرے رسول کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد امت اسلامیہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رض کی ایک روایت اسی کی تائید میں پیش کی ہے جو تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے اور صحیح الاسناد ہے۔

شیخ دہلوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے دھوبیوں سے فرمایا کہ تم کپڑے دھویا کرتے ہو آؤ میں تم کو دلوں کو دھونا سکھلا دوں۔ دھوبیوں میں دو آدمی ہدایت پا کر حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہو لئے اور یہی اصل حواری تھے۔ پھر باقی لوگوں میں سے جو تابع ہو تے گئے وہ بھی تبرکًا اسی خطاب سے مشرف ہوئے۔ وَمَكَرُوْا یعنی جو لوگ ازلی شقی اور کافر تھے انہوں نے حضرت عیسیٰ کو ضرر پہنچانے کے لئے مکر کیا۔ مطلب یہ کہ بنی اسرائیل نے حضرت کو شہید کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں۔ محی السنہ نے معالم میں بروایت ابن عباس رض بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کو ساتھ لے کر آئے اور علی الاعلان بنی اسرائیل کو دعوت دینا شروع کیا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو ساحر اور زنا کار کہنا شروع کیا اور حضرت مریم کو بھی گالیاں دیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان کے واسطے بد دعا کی اور خدا تعالیٰ نے گالیاں دینے والوں کو سؤر کی شکل پر مسخ کر دیا۔ یہ دیکھ کر یہود کے دل میں خوف پیدا ہوا اور انہوں نے خفیہ ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ ظاہر میں حضرت عیسیٰ سے مل جائے اور موقع پا کر ان کو قتل کر دے۔ بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہودی اپنی خفیہ ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ لوگوں کو ایمان لانے سے انہوں نے روکا۔ حضرت عیسیٰ کے ایک حواری کو رشوت دی مکر و حیلہ اور پوشیدہ طریقے سے حضرت عیسیٰ کو گرفتار بھی کرا دیا اور لا کر ایک مکان میں بند کر دیا۔ لیکن وَمَكَرَ اللّٰهُ خدا نے بھی خفیہ تدبیر کی کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکانے کے لئے ایک آدمی کو مکان کے اندر بھیجا تو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تو اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح کر دی لوگوں نے اسی کو حضرت عیسیٰ کے دھوکے میں سولی دے دی اور ان کو آخر تک بلکہ اس زمانہ تک یہی یقین رہا کہ ہم نے عیسیٰ کو صلیب پر لٹکا دیا۔ حالانکہ جس شخص کو سولی دی وہ اور شخص تھا اور عیسیٰ اٹھا لئے گئے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور خدا تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے کا ان سے زیادہ دانا ہے۔ اس نے ایسی تدبیر کی کہ ان کی تدبیر الٹی پڑی۔

مقصود بیان

حضرت عیسیٰ نے ان چیزوں کو تو حلال ہی رکھا جو توریت میں حلال کر دی گئی تھیں لیکن جو چیزیں دین موسوی میں حرام تھیں ان میں سے بعض اشیاء کو حلال کر دیا۔ انجیل توریت کی ناسخ تھی۔ ہر نبی کی بعثت کا اصل مدعا لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے نہایت بلند آہنگی سے توحید کا اعلان کیا تھا۔ اصلاح عقائد و اعمال ہی سعادت ابدیہ اور نجات اخرویہ کے حصول کا راستہ ہے۔ غیر موحد نجات سے قطعًا محروم ہیں۔ بنی اسرائیل نہایت سرکش اور طاغی قوم تھی۔ معجزات و بینات دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے بھی کچھ آدمی پیرو ہو گئے تھے جن کو حواری کا خطاب ملا تھا۔ حضرت عیسیٰ کو ضرر پہنچانے کی بہت سی خفیہ تدابیر چند یہودیوں نے کی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی حضرت عیسیٰ کو بچا لے اور یہودیوں کی تدبیروں کو بیکار بنا دینے کے لئے ایسی تدبیریں کیں جس کا یہودیوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ خدا تعالیٰ کی کوئی تدبیر ضرر رساں نہیں بلکہ مخلوق کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔

آیات مذکورہ ہم کو ذیل کا درس دے رہی ہیں۔ ہر شریعت دوسری شریعت کے جزوی احکام کی ناسخ ہوتی ہے۔ لیکن اصولی اعتبار سے اس کی مؤید ہوتی ہے۔ لوگوں کی علمی اور عملی قوتوں کی راستی اور تکمیل ہی تمام حاملانِ وحی کا اصل مدعا تھا۔ پکا مسلمان وہی ہے جس کے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال بھی شریعت کے موافق ہوں۔ جو شخص تعلیم نبوی کے خلاف کوئی اصلاحی اسکیم پیش کرتا ہے وہ شریعت و اسلام دونوں سے بے بہرہ ہے۔ معجزہ اور سحر یا استدراج وکرامت کا معیار امتیاز یہی ہے کہ ایک اعمالِ اخلاق اور عقائد و خیالات کی اصلاح کا علمبردار ہے اور دوسرا ہوا و ہوس شیطانی گروہات اور نفسانی جذبات کی طرف مائل کرتا ہے۔ ایک کی بنا طہارتِ باطن پر ہے اور دوسرے کا دار و مدار خباثتِ نفس پر۔ اگرچہ دونوں کی صورتیں بظاہر ایک سی معلوم ہوتی ہیں۔ صرف خرق عادت یا غیبی تصرفات ہی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ بات تو جادوگروں سے بھی ہو جاتی ہے۔ وغیرہ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جب عیسیٰ سے اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تمہاری مدت پوری کروں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور کافروں (کی نجاست) سے تم کو پاک صاف کر دوں گا

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ

اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو کافروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا اس کے بعد تم سب کو میرے پاس لوٹ

مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

آنا ہے میں تمہارے انہی اختلافات کا فیصلہ کردوں گا پھر جن لوگوں نے انکار کیا ہے

فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۞

ان کو دین و دنیا میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

اور جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں اللہ ان کے کئے کا اُن کو پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ نافرمانوں کو

الظّٰلِمِيْنَ   ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۞

پسند نہیں کرتا یہ جو ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اللہ کی آیات اور پرُ از حکمت تذکرے ہیں۔

تفسیر اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ یہ قصۂ یہود کا تتمہ ہے۔ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک مکان کے اندر بند کردیا اور باہم فیصلہ کرلیا کہ ان کو سولی دیدی جائے تو شدتِ غم سے حضرت عیسیٰؑ پر ایک بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور خداوند عالم قادرِ مطلق سے مدد کی التجا کی۔ حکم ہوا عیسیٰؑ گھبراؤ نہیں۔ یہ تم کو صلیب نہیں دے سکتے۔ میں تمہاری عمر پوری کروں گا (کشاف) یا یہ معنی کہ میں تم کو اپنے قبضہ میں کرلوں گا یعنی ان یہودیوں کا دسترس تم پر نہیں ہونے دوں گا (بیضاوی) یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جسمانی کثافت تمہاری ہلکی کردوں گا (تفسیر کبیر) اور پھر وَرَافِعُكَ اِلَیَّ تم کو دنیا سے بغیر موت کے اٹھاؤں گا۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کافر یہودیوں کے جوار سے تم کو علیحدہ کروں گا۔ یعنی یہ تم کو نہ مار سکیں گے۔ میں زندگی ہی میں تم کو ان سے بچالوں گا۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات سے ۱۹۰۵ سال بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ سکندر یونانی کے حملۂ بابل کو اس وقت ۵۰ سال گزر چکے تھے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰؑ کو قید خانہ سے آسمان پر اُٹھایا گیا اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ گویا دیگر انبیاء کے قاعدہ کے خلاف آپ کو نبوت چالیس برس کی عمر سے پہلے مل گئی تھی۔ پھر جب قربِ قیامت میں آپ کا نزول ہوگا تو سات برس اور زندہ رہیں گے اور چالیس سال عمرِ دنیوی پوری کرنے کے بعد آپ کی وفات ہوگی۔ یہی معنی آیت اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ کے ہیں۔ یعنی میں تم کو تمہاری پوری عمر کو پہنچاؤں گا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب حضرت مسیح نازل ہوں گے اور شریعت محمدیہ کے موافق عملدرآمد کریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ سوروں کو مار دیں گے۔ یعنی عام طور پر جو نصاریٰ سور کو کھاتے ہیں یہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ یعنی عیسائی صلیب کی پرستش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اس کی اہانت کریں گے اور صلیب کو توڑ کر پھینک دیں گے اور جزیہ کا حکم موقوف کردیں گے۔ یعنی اس وقت سوائے ایمان کے اور کچھ مقبول نہ ہوگا۔ یہ نہ ہوسکے گا کہ غیر مسلم لوگ ذمی بن کر رہیں۔ نزول کے بعد سات برس تک زندہ رہنا مسلم کی حدیث سے ثابت ہے اور ابوداؤد کی روایت میں چالیس سال زندہ رہنا بیان کیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں کی مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ ۳۳ سال کی عمر حضرت عیسیٰؑ کی اس وقت تھی جب ان کو اٹھایا گیا اور سات سال بعد نزول رہیں گے۔ کل چالیس برس ہو گئے۔ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہاری تصدیق کی اے عیسیٰ کو پیتا جانا قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہاری تکذیب کی یا تکذیب کریں گے۔ مراد یہ کہ مسلمان ہوں یا عیسائی بہرصورت تمہارے ماننے والوں کو یہودیوں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس برس

کے بعد شاہ طیطوس رومی ملک شام کو تاراج کرتا ہوا یروشلم پر چڑھ آیا۔ شہر کو تباہ کر کے بیت المقدس کو مسمار کر ڈالا لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا ہزاروں کو اسیر کر کے باندی غلام بنایا۔ اور اس وقت سے اب تک دنیا میں کوئی یہودی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اور یہودی کبھی بھی مسلمانوں اور عیسائیوں پر غالب نہ آ سکے۔ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ یعنی مذکورہ بالا سزا تو یہودیوں کو دنیا میں ملے گی۔ پھر قیامت کے دن سب کو خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہوگا اور دینی اختلافات کا وہی فیصلہ کرے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ کو خداوند تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تو جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے ان کے چند گروہ ہو گئے بعض تو اپنے ایمان پر قائم رہے خدا کو وحدہٗ لاشریک اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ اور رسول برحق یقین کرتے رہے۔ یہ فرقہ تو حقیقی طور پر حضرت عیسیٰ کا متبع اور پیرو تھا۔ بعض نے غلو کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو بجائے عبداللہ اور رسول اللہ کے ابن اللہ کہنے لگے اور بعض تثلیث کے قائل ہو گئے۔ ان سب فرقوں کا قرآن پاک نے رد کر دیا۔ تین سو برس تک ان لوگوں میں یونہی اختلافات رہے۔ بالآخر جب فلاسفر قسطنطین شاہ یونان نے مذہب عیسائی اختیار کیا تو اس نے دینِ مسیح کو بالکل ہی بدل ڈالا۔ انجیل میں تحریف کی، کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا اور ایک مجموعۂ قوانین بنا کر اس کا نام امانتِ کبریٰ رکھا۔ اس خیانتِ کبریٰ میں قسطنطین نے سود کو حلال کر دیا۔ عیسائیوں کے لئے مشرق کو قبلہ نماز مقرر کیا۔ روزوں میں دس روزوں کا اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ مذہب مسیحی بالکل بدل گیا۔ قسطنطین اعظم نے اپنے نام پر ایک شہر قسطنطنیہ بھی آباد کیا اور تقریباً بارہ ہزار گرجا بھی تعمیر کئے۔ اس کے بعد اس کے جانشین بادشاہ بھی ایسے ہی ہوتے آئے اور ہمیشہ یہود پر غالب اور حاکم رہے اور ان کو ذلیل و خوار کرتے رہے۔ جب خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ تمام ملائکہ مرسلین اور کل کتب الٰہی پر ایمان لانا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ جو شخص کسی ایک نبی کا بھی منکر ہو گا یا کسی پیغمبر کی توہین کرے گا وہ کافر ہے اور لوگوں نے حضور اقدس صلعم کی اس روشن تعلیم کو قبول کیا تو واقع میں اسی اُمّتِ اسلامیہ کا ہر نبی سے قرب بڑھ گیا۔ کیونکہ مدعیانِ اتباع نے تو اپنے اپنے پیغمبر کا اقوال کو بدل ڈالا تھا۔ کوئی اہانتِ نبی اور مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا، کوئی تعظیم نبی میں اس قدر غلو کرنے لگا کہ اس نبی کی تعلیم و ہدایت کے راستے سے بالکل ہٹ گیا۔ اور در واقع میں اس کا مخالف ہو گیا۔ گو بظاہر اس کی پیروی کا دعویدار رہا مگر اُمّتِ مسلمہ نے ہر نبی کو اور اس کی تعلیم کو سچا جانا اور قرآن کو ہر نبی کی تعلیم کا مؤید اور مصدق سمجھا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کے پیرو یہی لوگ قرار پائے اور آیت الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ میں بھی یہی علمبردارانِ توحید مراد ہیں۔ جب تک یہ لوگ اپنی توحیدِ ایمان پر قائم رہے اور شریعت کے پابند رہے ہمیشہ تمام غیر مسلموں پر غالب رہے۔ اب چونکہ حقیقی اتباع پیغمبران میں بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ مغلوب ہو گئے لیکن پھر بھی جو اسلامی اقوال ہدایتِ رسول پر برقرار ہیں وہ اب بھی دنیائے کفر پر بھاری ہیں اور قیامت تک بھاری رہیں گے۔ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا یہ سابق آیت کا بیان اور تتمہ ہے یعنی قیامت کے دن خدا تعالیٰ دینی اختلاف کا تو فیصلہ کرے گا ہی۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا اور توحید سے بھی روگرداں ہو گئے اُن کو سخت عذاب دے گا۔ فِي الدُّنْيَا دنیا میں بھی ان کو عذاب دے گا۔ ذلت و خواری، محکومیت و غلامی اور قتل و قید کی سزا دے گا۔ جس طرح شاہ طیطوس نے بنی اسرائیل کو قتل و غارت کیا یا مسلمانوں کے مقابل سلطنتِ روم تباہ و برباد ہو گئی اور عیسائیوں کو نہایت ذلت کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔ وَالْآخِرَةِ اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی میں یہ لوگ گرفتار ہوں گے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ باقی مومن اور نیکوکار بندوں کو خدا تعالیٰ اُن کے اعمال اور ان کی کوششوں کی پوری پوری جزا دے گا۔ دنیا میں بھی ان کو عزت و حکومت سلطنت اور غلبہ عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اپنی رحمت سے اُن کو ڈھانک لے گا۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ کافروں کی ذلتِ دنیوی اور عذابِ اخروی کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بے انصافوں اور باطل کوشوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ یہود کے قصہ کو ختم کر کے رسولِ پاکؐ کو خطاب فرمایا جاتا ہے کہ ہم یہ آیات اور تمہاری صداقتِ رسالت کی نشانیاں اور قرآنِ حکیم یعنی وہ قرآن جس کے کل قوانین نہایت حکمت اور دانشمندی پر مبنی ہیں تم کو سناتے ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ان پرانے واقعات اور اختلافی قصوں کا تم کو علم نہ تھا اور نہ یہودیوں کی سرکشی اور عیسائیوں کی تحریک سے تم واقف تھے۔ ہم نے تم کو قرآن کے ذریعہ سے ان کا علم عطا فرمایا اور فقط اسی اخبار بالغیب کو تمہاری صداقتِ رسالت کی نشانی نہیں قرار دیا بلکہ قرآن پاک کے قوانین و احکام کو پُرحکمت اور عقل کے مطابق بنایا۔

آیاتِ مذکورۂ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے پانچ وعدے فرمائے تھے :-

(۱) عمر پوری کر کے وقتِ مقررہ پر وفات دینی۔ اس میں دشمنوں سے محفوظ رکھنے اور قتل سے بچانے کی بشارت ہے۔ یہ وعدہ قریب قیامت پورا ہو گا جبکہ

تو آخری فیصلہ یہ ہو سکتا ہے کہ خدا سے ہم تم دعا کریں اور گڑگڑا کر کہیں کہ الٰہی ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر تیری پھٹکار پڑے۔ بس یہی اظہارِ صداقت کی ایک سبیل ہو
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ حضرت عیسٰیؑ کے متعلق یہی مذکورہ بیان حق ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کیونکہ سوائے....
خداوند تعالیٰ کے کوئی معبود برحق عالم کائنات میں نہیں اور نہ ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا عیسٰیؑ نہ تو خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ نہ الوہیت کے اجزائے ثلاثہ میں سے
ایک جزو بلکہ خدا کے ایک بندے اور جلیل القدر رسولؑ تھے۔ خدا نے بغیر باپ کے صرف اپنے حکم سے ان کو پیدا کیا تھا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور
خدا تعالیٰ ہی تمام کائنات پر غالب ہے۔ کوئی ذرۂ خلق اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ وہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ اس نے عیسٰیؑ کو بغیر باپ کے
پیدا کیا اور وہ اپنے کل افعال میں حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کو بغیر باپ کے پیدا کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس
فعل سے اپنی شان اور قدرت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ۔ اب ان کھلے کھلے دلائل اور صحیح صحیح بیان کے باوجود بھی
اگر یہ عیسائی اعراض کریں اور اس بیانِ صداقت کو نہ مانیں تو یہ مفسد ہیں اور خدا تعالیٰ مفسدوں کی حالت سے بخوبی واقف ہے۔ اُن کو جستجوئے حق
مقصود نہیں بلکہ فتنہ و فساد مطلوب ہے۔ یہ بلا دلیل کفر و شرک کرتے ہیں، نامناسب باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ لوگوں کو دینِ اسلام سے روکتے ہیں۔ خود بھی
گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں۔ لہٰذا عقوبت اور سزا کے مستوجب ہیں اور خدا تعالیٰ ان کو سزا دے گا۔

مقصودِ بیان

حضرت آدمؑ اور حضرت عیسٰیؑ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اس قدرتِ پیدائش میں دونوں شریک تھے۔ وضاحتِ
حق اور علمِ صداقت کے بعد انسان کو شک و تردد میں نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ شکی گروہ میں داخل بھی نہ ہونا چاہیئے۔ اگر اسلام و
کفر کا مقابلہ ہو اور ہر طرح کے روشن براہین سننے کے بعد بھی مقابل نہ مانے تو آخری فیصلہ مباہلہ کی صورت میں ہو سکتا ہے تاکہ اظہارِ صداقت ہو جائے۔
نواسے بھی بیٹے ہوتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ و امام حسینؓ کو مباہلہ کے وقت ہمراہ لیا تھا۔ قریب ترین خاندان والے بمنزلہ ایک ذات
کے ہوتے ہیں۔ انسان کو اپنی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں سے بہ نسبت دیگر اشخاص کے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ یعنی کسی کی ہمدردی کی برابری ان
کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ اظہارِ صداقت اور اعلانِ حق میں انسان کو اپنی عزیز ترین قربانی کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اپنے اہل و عیال
بھائی برادر قریب ترین رشتہ دار اور نفس کو بھی قربانی کے لئے پیش کر دینا چاہیئے۔ اگر انسان کو اپنے عقیدہ کا خود راسخ یقین نہیں ہوتا تو وہ خطرہ آمیز اور
مخدوش قربانی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صداقت اور دروغ کو جانچنے کا معیار، اولاد اور بھائی برادروں کی جان کی بازی لگا دینی اور اپنے نفس کو قربانی کے
لئے پیش کر دینا ہے۔ جو شخص حق کا طالب نہ ہو، صرف جھگڑا کرنا اور اپنی وجاہت کو برقرار رکھنا اس کو مقصود ہو تو وہ مفسد ہے۔ خود بھی گمراہ ہے اور
دنیا کو بھی دھوکے میں رکھتا ہے۔ طلبِ حق اور جستجوئے صداقت ہر شخص پر فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ پیدائشِ عیسیٰؑ
میں بھی اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود تھا وغیرہ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

(اے محمد) تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم ایک ایسی بات پر آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر (مسلم) ہے وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا

کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے پھر اس پر بھی اگر وہ منہ

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ۶۴

پھیر لیں تو (مسلمانو) تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم بلاشبہ فرمان بردار ہیں

تفسیر

سابق آیات میں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مخالفین کے تمام شبہات زائل کر دیئے اور آخر ان کو مباہلہ کے لئے بلا کر اتمام
تمام کر دیا کہ اگر سچے ہو تو مع قرابتیوں کے آؤ۔ مباہلہ کرو۔ جو جھوٹا ہوگا وہ غارت ہو جائے گا۔ یہ تمام دلائل اصول موضوعہ پر مبنی تھے اور برہانی
و الزامی دونوں قسم کے تھے اب کلام کا رنگ بدل کر ایسے دلائل بیان کئے جاتے ہیں جو علوم متعارفہ اور مقدمات مسلمہ پر مبنی ہیں یعنی ایسے رنگ سے اثباتِ
مدعا اور دعوتِ اسلام دی جا رہی ہے جس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور چونکہ اس مدعا کا ثبوت انہی کے تسلیم کردہ مقدمات پر مبنی ہے۔ لامحالہ ان کو دو
باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ یا تو اپنے مسلمات سے بھی انکار کر دیں گے یا پھر مدعا کو مان لیں گے۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے یہودیو اور عیسائیو آؤ ایک بات کو مان لو جو ہمارے تمہارے دونوں کے لئے برابر ہے اور دونوں
فریق اس کو مانتے ہیں۔ کوئی فریق اس سے انکار نہیں کر سکتا وہ یہ کہ ہم کو اور تم کو دونوں کو تسلیم ہے کہ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ کہ عبادت و پرستش صرف خدا کے ساتھ مخصوص
ہے لہٰذا ہم کو اور تم کو اسی خدائے واحد کی عبادت کرنی چاہیئے۔ کوئی ایسا فعل نہ کرنا چاہیئے جس سے پرستش غیر اللہ کا شبہ ہو۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنی ہمارا اور
تمہارا دونوں کا مسلمہ ہے۔ لہٰذا تم کو صلیب کی پرستش نہ کرنی چاہیئے اور نہ عیسیٰؑ کو اپنا معبود قرار دینا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ ہم اور تم دونوں اس عقیدہ میں متفق ہیں کہ وَلَا
نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا خدا وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نہ عیسیٰ کو اس کا بیٹا
کہو نہ عزیز کو خدا کا حصہ دار قرار دو نہ کسی کو صفتِ الوہیت سے متصف مانو۔ تیسرے یہ کہ ہم اور تم دونوں متفق الخیال ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ
دے یا اطاعتِ غیر اللہ کا حکم دے اس کا حکم نہ ماننا چاہیئے۔ لہٰذا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ تم پر لازم ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کوئی کسی کو رب
نہ بنائے۔ علمائے دین اور ائمہ مذہب کو خدائی کا درجہ نہ دے۔ اگر ائمہ اطاعتِ الٰہیہ کے خلاف کوئی حکم دیں تو ان کے حکم کو نہ مانے۔ لہٰذا تمہارے اسلاف اور سابق علماء
نے جو عیسیٰؑ اور عزیز کو خدا کا بیٹا قرار دیا یا مریم کو تثلیث کا جزو بنایا یا سور کو حلال قرار دیا یا توریت و انجیل میں ترمیم و تحریف کر دی ان میں سے کسی بات کو تسلیم نہ کرو۔
بلکہ جن باتوں کو خدا تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام جانو اور جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو حلال سمجھو۔ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ اب اگر
تم ان باتوں کو مانتے ہو تو مانو اور اس کے موافق عمل کرو۔ ورنہ ہم تم کو گواہ کر کے کہے دیتے ہیں کہ ہم تو ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے اور اسی کے
موافق عمل کرتے ہیں اور خالص مسلمان ہیں۔

*

ہدایت خاص

غور کرنے کا مقام ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر لطیف پیرائے میں کل دلائل بیان کئے اور ایسا اتمام حجت کیا کہ مخالف کو کوئی سبیل انکار و
اعراض کی باقی نہ رہی۔ شروع میں حضرت عیسیٰؑ کا حال بیان کیا اور جو مختلف تغیرات ان پر واقع ہوئے ان کو تفصیل وار بیان کر کے
ثابت کر دیا کہ ان تغیرات و احوال کی موجودگی میں عیسیٰؑ میں صفتِ الوہیت نہیں ہو سکتی۔ پھر جب باوجود ان واضح دلائل کے مخالفین کا عناد اور بیجا تعصب دور نہ
ہوا تو انتہائی اعجاز کے ساتھ ان کو مباہلہ کی دعوت دی اور چیلنج کر دیا کہ اگر تم میں صداقت کا کوئی ذرہ موجود ہے تو آؤ جان اور عزیزوں کی بازی لگا دو۔ جو جھوٹا
ہوگا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ لیکن جب مخالفین نے اس بات کو بھی نہ مانا اور ان کے دل میں کچھ شبہ پیدا ہوا کہ شاید یہ نبی سچا ہو۔ اگر سچا ہوا تو مباہلہ کر کے ہم غارت
ہو جائیں گے۔ اس خیال کے ماتحت انھوں نے دعوتِ مباہلہ قبول نہ کی بلکہ جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس کے بعد ایسے امور مسلمہ کو پیش کر کے مدعا کا اثبات کیا جن کو
سارے انبیاء اور کل اقوام عالم تسلیم کرتی ہیں۔ لیکن آخر میں جب یہ تمام دلائل اور مواعظ بے سود ثابت ہوئے اور تم نہ پسیجے اور محرومانِ ازلی نے کسی نصیحت سے
فائدہ نہ اٹھایا تو آنحضرت کو کہہ دیا کہ تم ان کو گواہ کر کے کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔ ان تمام امور کو تسلیم کرنے والے اور انہی ہدایات پر عمل کرنے والے ہیں۔ تم مانو یا نہ مانو۔

مقصود بیان

آیات میں امور ذیل کی طرف لطیف اشارات ہیں۔ ہر بصیرت و ہوش دماغ رکھنے والا خدا کو ذات و صفات میں واحد جانتا ہے۔ اسی کو
قابلِ پرستش اور مستحق الوہیت سمجھتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف دنیا کے بڑے سے بڑے شخص کے مشورہ کو بھی نہیں مانتا۔ مسلمان
کا لازم ہے کہ خدا کو واحد سمجھے۔ صفاتِ الوہیت میں کسی کو اس کا شریک نہ کرے۔ فقیروں، عالموں، اماموں اور پیروں کا قول یا فعل یا عقیدہ اگر حکم الٰہی کے خلاف ہو
تو ہرگز ان کی پیروی نہ کرے۔ حکومت پرستی، شہرت پرستی، وقت پرستی، جاہ پرستی، دولت پرستی، پیر پرستی، امام پرستی، قبر پرستی، گنبد پرستی، غرض کہ سوائے عبادتِ
الٰہیہ کے ہر قسم کی پرستش سے بیزار رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صفتِ خدائی میں شریک نہ کرے اور ان کی عبادت کرے [illegible]
ملے جس سے ان کی پرستش کا شبہ ہو اور نہ ایسا عمل ظاہر کرے جس سے پرستش کا دھوکہ ہو سوائے خدا کے کسی کو احکام کا [illegible]

کے خلاف جو شخص علمبردار ہدایت ہو اس کی پیروی نہ کرے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔ عقائد دین کی تبلیغ فرض ہے۔ اگر کوئی گمراہ ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ اپنے اسلام کو چھپا کر نہ رکھے۔ گویا تقلید شخصی حرام ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں حجت کرتے ہو حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد اتاری

مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ

گئی ہیں کیا تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے ہو تم ان باتوں میں تو جھگڑ چکے ہو جن کا تم کو کچھ علم تھا پھر اب

تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ مَا كَانَ

ان باتوں میں کیوں حجت کرتے ہو جن کی تم کو کچھ خبر نہیں اور خدا واقف ہے تم ناواقف ہو ابراہیم نہ

إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ

یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ حق پرست فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے

الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ

نہ تھے ابراہیم سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کی راہ پر چلیں اور یہ نبی اور ان کے ساتھی

وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

مسلمان اور مسلمانوں کا اللہ کارساز ہے اہل کتاب میں سے ایک گروہ دل سے خواستگار

لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ○

ہے کہ کاش تم کو گمراہ کر دے حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں

تفسیر يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ ابن جریر اور محمد بن اسحٰق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور مدینہ کے یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ یہودیوں نے کہا کہ ابراہیمؑ یہودی تھے اور دین ابراہیمی پر ہم قائم ہیں اور عیسائی کہنے لگے نہیں بلکہ ابراہیم عیسائی تھے اور ہم ان کے مذہب پر ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ توریت و انجیل جن پر تمہارے مذہبوں کا دارومدار ہے وہ تو حضرت ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ پھر ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی کیسے ہو سکتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے متعلق کیوں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو۔ کیونکہ تم میں سے ہر فریق اس بات کا مدعی ہے کہ ابراہیمؑ ہمارے ہی دین پر تھے۔ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ جس توراۃ و انجیل پر تمہارے مذہب کا دارومدار ہے وہ ابراہیمؑ کے بعد نازل کی گئی تھیں۔ پھر ابراہیمؑ کس طرح یہودی یا عیسائی ہو سکتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ سے تقریباً ایک ہزار سال بعد کو پیدا ہوئے تو قدامت بھی حضرت ابراہیمؑ سے اتنی ہی مدت بعد نازل ہوئی اور یہودی مذہب

بھی اتنی ہی مدت بعد کو ہوا اور حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰؑ سے ۱۹۰۵ سال بعد کو پیدا ہوئے اور پھر انجیل نازل ہوئی اور انجیل کے نزول کے بعد عیسائی مذہب پھیلا تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ ابراہیمؑ عیسائی یا موسائی ہوں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں۔ جس شخص کو ہزاروں برس گزر گئے اس کو بعد میں آنے والے پیغمبروں کا اُمتی قرار دیتے ہو۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ جھگڑا کر وہو تم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے متعلق جھگڑا کیا تو خیر تم کو ان کے متعلق کچھ علم تھا بھی لیکن فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ایسے معاملہ میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تم کو قطعی علم نہیں یعنی وحی کے ذریعے سے کوئی یقینی خبر تم کو معلوم نہیں۔ مطلب یہ کہ جس چیز کا تم کو قدرے علم تھا اس میں تم جھگڑے اور لڑ پڑے۔ پھر ایسے امر میں کیوں دخل انداز ہوتے ہو جس کا تم کو بالکل علم نہیں۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اور خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے وہی حضرت ابراہیمؑ کے حال کو جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تم کو اس کا مطلق علم نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے، نہ عیسائی، نہ موسیٰؑ کی اُمت میں داخل تھے نہ عیسیٰؑ کی۔ وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا بلکہ وہ فرمانبردار اور تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر دینِ حق کی طرف مائل ہونے والے تھے اور مسلم تھے یعنی موحد تھے۔ احکامِ الٰہی کے تابعدار کعبہ کی طرف نماز پڑھنے والے اور تمام احکام میں ملتِ اسلامیہ کے موافق تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ نہ تو یہودی تھے کہ عزیز کو خدا کا بیٹا کہنے لگتے نہ عیسائی تھے کہ مسیح کو ابن اللہ کہیں۔ نہ اور کسی قسم کا شرک کرتے تھے لہٰذا تم سب کا دعویٰ غلط اور خلافِ عقل و نقل ہے۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ یعنی ابراہیمؑ سے واسطہ اور تعلق نسل کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ تعلق کی خصوصیت اور محبت ان کے اتباع کے ساتھ وابستہ ہے۔ سب سے زیادہ خصوصیت اور قربت ابراہیمؑ سے انھیں لوگوں کو ہوسکتی ہے جو ان کے زمانہ میں یا بعد کو اُن کے پیرو اور متبع تھے اور اُن کے طریقہ پر چلتے تھے۔ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور ابراہیمؑ سے خصوصی قربت محمدؐ کو اور ان لوگوں کو ہے جو حضورؐ پر ایمان لائے۔ کیونکہ محمدؐ کی شریعت اکثر امور میں شریعتِ ابراہیمی کے موافق ہے اور آپ کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیمؑ کا تھا۔ تم لوگوں کو ابراہیمؑ سے خصوصی تعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ تمہارا طریقہ ان کے طریقہ سے غیر ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اور فقط یہی نہیں ہے کہ مومنوں کو ابراہیمؑ سے خصوصی تعلق اور قرب ہے بلکہ خدا مومنوں کا حامی ہے۔ اُسی کے زیرِ حمایت تمام مومن ہیں۔ اعتبار صرف ایمان کا ہے، خواہ کسی قوم اور کسی خاندان کا ہو۔ چونکہ رسولِ عربی کے پیرو مومن ہیں اس لئے خدا کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں۔ خدا ان کا حامی ہے خواہ نسلِ ابراہیمی میں ہوں یا نہ ہوں۔

مقصودِ بیان

جھگڑا کرنا بہرحال بُرا ہے۔ خواہ ایسی چیز کے متعلق ہو جس کا علم ہو یا مجہول چیز کے متعلق ہو۔ اگر نامعلوم مباحث میں محض عناد کی وجہ سے جھگڑا کیا جائے تو بد سے بدتر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت اکثر امور میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق تھی۔ تمام انبیاء ایک غرض یعنی دعوتِ توحید لے کر آئے تھے۔ سب سے زیادہ قربِ انبیاء سے مومنوں کو ہوتا ہے۔ عجمی ہو یا عربی، اسرائیلی ہو یا اسماعیلی، کسی نسل اور کسی خاندان اور کسی ملک کا ہو۔ اگر مومن ہے تو اس کو ابراہیمؑ بلکہ تمام انبیاء سے خصوصی تعلق ہے۔ اعتبار عقائد و اعمال کا ہے۔ نسلی قرابت ساقط الاعتبار ہے۔ یہودی اور عیسائی اگرچہ اہلِ کتاب کہلاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر مشرک ہیں۔ آیات مذکورۂ بالا ہم کو حسنِ عمل، اصلاحِ عقیدہ، اختیارِ اخلاقِ فاضلہ اور اجتنابِ افعالِ قبیحہ کا درس دے رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ نسبی امتیاز ہیچ ہے۔ اعتبار اعمال کا ہے۔ ورنہ اسلاف کے کارناموں پر فخر کر کے اُن سے اپنا رشتہ جوڑنا اور مُردہ ہڈیوں کو جھنجھوڑنا بے سود ہے۔ مسلمان کو ایسے اعمال و افعال اختیار کرنے چاہئیں کہ آئندہ نسلیں اُس سے رشتہ جوڑنے کو فخر سمجھیں۔ نہ یہ کہ خود دوسروں کی فضیلت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے۔

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَكُمْ قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع کے یہودیوں نے حضرت عمار بن یاسر، حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ کو بہکا کر اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ تم کو بہکانا چاہتا ہے اور ورغلا کر اسلام سے پھیرنا چاہتا ہے۔ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ حالانکہ اس اغوا کا نقصان خود انہی پر عائد ہوتا ہے۔ مسلمان اُن کے بہکانے سے گمراہ نہیں ہوسکتے اور گمراہ کرنے کا وبال خود ان کی گردن پر رہے گا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ان کے حواس اور شعور ہی خراب ہوگئے ہیں۔ ان کو ایسی کھلی ہوئی بات کا بھی احساس نہیں کہ اس اغوا کا نقصان کس کو پہنچے گا۔

مقصود بیان۔ مسلمانوں کے عدم ارتداد کی صراحت اور ان کا بیان کہ گمراہ کرنے والے پر وبال گمراہی عائد ہوتا ہے وغیرہ

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود قائل ہو اے اہل کتاب تم

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہو اور حق کو دانستہ چھپاتے ہو

تفسیر ابن کثیر نے آیت يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے اہل کتاب تم قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو یعنی قرآن کے ساتھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیاتِ الٰہی موجود ہیں اس سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ یہ حق ہے۔ دیگر مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اے اہل کتاب تم توریت و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہو اور اس کو سچا جانتے ہو پھر خدا تعالیٰ کی جو آیات محمدؐ کے متعلق ان میں موجود ہیں ان کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم کو علم ہے کہ یہ آیات محمدؐ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ آمیختہ کرتے ہو، کیوں حق کی تحریف و تبدیل کرتے ہو، کیوں حق کی بجائے باطل کو اپنی طرف سے قائم کرتے ہو، کیوں سچ میں جھوٹ ملاتے ہو۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کیوں محمدؐ کے اوصاف کو چھپاتے ہو حالانکہ دل میں تم جانتے ہو کہ وہ حق ہیں اور توریت و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں۔

مقصود بیان رسول اللہ کے احوال و اوصاف اور امتیازی علامات توریت و انجیل میں مذکور تھے۔ سچ میں جھوٹ کو اور حق میں باطل کو ملانا گناہ ہے، حقانیت و صداقت کو چھپانا سخت گناہ ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل کی گئی ہے اس پر دن کے اول حصہ میں تو ایمان

وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں انکار کر جاؤ شاید وہ (مسلمان بھی) مرتد ہو جائیں اور سوائے ان لوگوں کے جو تمہارے دین پر چلیں

دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ

اور کا یقین نہ کرو (اے محمدؐ) تم کہدو کہ ہدایت تو در حقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہے (اہل کتاب یہ بھی کہتے تھے کہ ہرگز یہ یقین نہ کرنا) کہ جیسا دین تم کو دیا گیا

یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ایسا اور کسی کو بھی دیا جا سکتا ہے یا تمہارے رب کے سامنے وہ تم کو الزام دے سکیں گے (اے محمدؐ) کہدو کہ اللہ کا فضل تو اس کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

وسیع رحمت والا جاننے والا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

تفسیر عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب اس طرح دینِ اسلام کو اور کو توڑنا چاہئے کہ صبح کو تو محمد پر ایمان لے آؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ اور کہہ دو کہ ہم نے توریت میں خوب دیکھا بھالا اور اپنے علماء سے بھی پوچھا وہ نشانیاں جو توریت میں ہیں محمد میں نہیں ملتیں۔ شاید اس دھوکے سے مسلمان مذبذب اور متردد ہو کر اپنے دین سے پھر جائیں گے۔ اس وقت یہ آیت وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ سے وَاسِعٌ عَلِيمٌ تک نازل ہوئی اور خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں کے مکر سے آگاہ کر دیا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہم مشورہ کیا۔ اٰمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ کہ جس قرآن کو مومن مانتے ہیں اور جو اسلام ان کی ہدایت کے واسطے نازل ہوا ہے اس کی تصدیق شروع دن میں کر لو اور صبح کی نماز مسلمانوں کے ساتھ پڑھ لو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لیکن دل سے تصدیق نہ کرو بلکہ بہکانے کے لئے ایسا کرو اور پھر پچھلے دن میں قرآن و اسلام کا انکار کر دو۔ عصر کی نماز مسلمانوں کے ساتھ نہ پڑھو۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ شاید یہ مسلمان خصوصاً جو پہلے اہل کتاب تھے اسلام سے پھر جائیں۔ بات یہ تھی کہ اسلام سے قبل اہل عرب یہودیوں کو ذی علم جانتے تھے اور دینی معاملات میں ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اس لئے یہودیوں نے عام لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ جب ہم اسلام میں داخل ہو کر پھر برگشتہ ہو جائیں گے تو عموماً عرب چونکہ ہم کو اہل علم جانتے ہیں۔ اس لئے خیال کریں گے کہ ایسے عالم مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئے تو واقعی اسلام حق مذہب نہیں ہے۔ اس حیلہ سے ممکن ہے کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں کا لشکر ٹوٹ جائے۔ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ اور یہودیوں نے یہ بھی آپس میں مشورہ کیا کہ جو شخص تمہارے دین کے خلاف ہو اس کی تصدیق نہ کرو۔ اس کو سچا نہ جانو کیونکہ صرف تمہارا ہی مذہب حق اور مبنی بر ہدایت ہے قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ اے محمد آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہدایت و حقانیت تو وہی ہے جس کو خدا ہدایت کہے۔ یعنی اسلام ہی حق اور مبنی بر ہدایت ہے اس کے سوا دیگر مذاہب کا اختیار کرنا گمراہی ہے۔ اس لئے تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو شخص یہودیت کی موافقت نہ کرے اس کو سچا نہ جانو۔ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ جو شخص تمہارے مذہب کے موافق نہ ہو اس کی تصدیق نہ کرو، کیونکہ اگر اس کو سچا جانو گے اور اس کی آوردہ کتاب کو نازل من اللہ مان لو گے تو خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اول تو یہ کہ جو فضیلت حکمت اور کتاب الٰہی تم کو عطا کی گئی ہے۔ وہ دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی ہے۔ اب اگر اپنے مذہب کے مخالف کو بھی سچا جانو گے تو وہ بھی اس فضیلت میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ اور نبوت و کتاب الٰہی کی خصوصیت تمہارے ہی ساتھ نہ رہے گی۔

أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ دوسری بات یہ کہ مقابلہ کے وقت مسلمان تم پر غالب آجائیں گے اور استدلال کریں گے کہ تم قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہو تو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن اسی کا حکم دیتا ہے۔ اس کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ اے نبی ان یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ فضل و رحمت تو خدا کے قبضہ میں ہے۔ جس قوم کو چاہتا ہے فضیلتِ نبوت اور کتاب عطا کرتا ہے فضلِ خدا میں تمہارا ٹھیکہ نہیں ہے کہ سوائے تمہارے خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے دوسروں کو سرفراز نہ کرے وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اور خدا کا فضل بہت وسیع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کے فضل کا اہل ہے۔ جو مستحق ہوتا ہے خدا تعالیٰ اپنا فضل و انعام اس کو عطا کرتا ہے۔ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے سرفراز کرتا ہے۔ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اس کا فضل بڑا ہے اس کی رحمت میں کوئی تنگی نہیں۔ کسی شخص کو اس کے فضل کے روکنے کا استحقاق نہیں۔

خلاصۂ آیات یہ نکلا کہ یہود کی مذکورہ مکاریوں کے دو سبب ہیں۔ اول تو ان کو اس بات کا حسد ہے کہ جیسا دین اور جیسی کتاب اور شریعت ہم کو دی گئی ویسی مسلمانوں کو بھی دی گئی۔ ایسا کیوں کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم ان کی بات کی تصدیق کر لیں گے تو وہ ہمارے مسلمات سے ہم کو قائل کریں گے۔ اس لئے یہی ضروری ہے کہ جو تمہارے دین پر نہ چلے اس کی بات ہی کو نہ مانو۔ کیونکہ اگر ان کی بات کو مانو گے تو وہ بھی صاحب شریعت و کتاب مانے پڑیں گے اور پھر وہ تم پر الزام

استحقاق نہیں ہے اور ان کا مال واپس نہ دینے میں ہمارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔ خدا نے ہم کو یہی حکم دے دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے قریش سے کچھ مال خریدا اور قیمت قرض رہی۔ بیچنے والے قریش مسلمان ہو گئے اور انہوں نے قیمت کا تقاضا کیا۔ یہودی کہنے لگے تمہارا ہم پر کچھ حق نہیں ہے تم نے اپنا دین ترک کر دیا ہے اس وقت کے دین پر نہیں ہو اور تبدیل مذہب کے بعد کوئی حق ہم پر باقی نہیں رہتا۔ ہماری کتاب میں یہی حکم ہے۔ اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ یہ لوگ دیدہ و دانستہ خدا پر افترا بندی کرتے ہیں۔ جان بوجھ کر ایسے احکام خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں جو واقع میں اس کے احکام نہیں ہیں۔

ابو صعصعہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضؓ سے کسی نے کہا کہ جہاد میں ہم کو مرغی، بکری اور دیگر قسم کا مال ملتا ہے اور یہ مال ان کافروں کا ہوتا ہے جو جزیہ دے کر ہمارے زیر تحفظ آ چکے ہیں۔ ابن عباس رضؓ نے فرمایا پھر تمہاری اس مال کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس شخص نے کہا ہماری رائے میں اس مال میں ہمارے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن عباس رضؓ نے فرمایا۔ یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسے اہل کتاب کہتے تھے کہ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب اہل کتاب نے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ کہا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دشمنانِ خدا جھوٹے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے سوائے امانت کے۔ اگر زمانۂ جاہلیت میں کسی نے کسی کے پاس کوئی امانت رکھی ہے تو وہ ادا کرنی ہو گی خواہ نیکوکار کی ہو یا فاجر کی (رواہ ابن ابی حاتم والطبرانی) تفسیر سراج میں ہے کہ آیت میں امانت کا لفظ قرض کو بھی شامل ہے۔

مقصودِ بیان امانت میں خیانت کرنی حرام ہے۔ امانت کسی کی ہو، کافر کی ہو یا مسلم کی، دوست کی یا دشمن کی۔ بہر حال اس کی ادائیگی واجب ہے۔ خدا پر افترا بندی کرنی اور جو حکم شریعت میں نہیں ہے اس کو حکم شریعت کہنا سخت جرم ہے۔ وغیرہ

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○

بیشک جس شخص نے اپنا اقرار پورا کیا اور (گناہ سے) بچتا رہا تو یقینی بات ہے کہ اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر یہ آیت سابق کا تردید آمیز تتمہ ہے۔ یعنی یہ خیال کرنا کہ ان پڑھ عربوں کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے اور پہلے واسطے تبدیل مذہب کرنے والوں کی ہر قسم کی حق تلفی روا ہے بالکل غلط ہے بلکہ جو شخص اپنا عہد پورا کرتا ہے اور وعدہ خدا سے اس نے لیا ہے اُس کو وفا کرتا ہے اور بداعمالیاں ترک کر کے افعالِ حسنہ کو اختیار کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ شخص پسندیدہ ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو پسند فرماتا ہے۔

مقصودِ بیان ۔ ادائے امانت اور ایفائے وعدہ کا حکم، متقیوں کی مدح وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض حقیر معاوضہ لے لیتے ہیں انہی کا آخرت میں کوئی

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ

حصہ نہیں ہے اور نہ اُن سے اللہ بات کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف (نظرِ رحمت سے) دیکھے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ

اور ان کے لئے خصوصیت کے ساتھ تکلیف دہ عذاب ہو گا۔ بلاشک انہیں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو کتاب (توریت) پڑھنے کے وقت مروڑ لیتے ہیں تاکہ تم (اس کو)

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُولُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ

سے سمجھے ہوئے الفاظ کو کتاب کا جزو خیال کرو حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُولُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

نازل شدہ نہیں ہے اور دانستہ وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں

تفسیر اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ یہودی علماء کے حق میں اس کا نزول ہوا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہودیوں نے توریت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد صرف اپنی قومی وجاہت اور ذرائع معاش کو برقرار رکھنے کے لئے اڑا دیئے تھے۔ اُن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں اپنا اسباب فروخت کرنے کے لئے رکھا اور خریداروں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاکر کہنے لگا کہ واللہ مجھے اس مال کی اتنی قیمت ملتی تھی حالانکہ اس کا یہ قول واقع کے خلاف تھا۔ وہ صرف مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتا تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری)

حضرت اشعث بن قیس کہتے ہیں کہ میرا ایک یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ زمین یہودی کے قبضہ میں تھی مگر ملک میری تھی اور یہودی ملکیت سے منکر تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کو کھینچ کر لایا اور واقعہ عرض کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا تو پھر یہودی سے قسم لے لے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ تو قسم کھا جائے گا اور میرا مال لے اڑے گا۔ اس وقت آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ الخ نازل ہوئی۔

صحیح یہ ہے کہ آیت کا سببِ نزول کچھ بھی ہو مگر حکم عام ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اس میثاق و عہد کے عوض جو خدا تعالیٰ سے انہوں نے کیا تھا کہ تیرے رسول پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے اور اپنی قسموں کے عوض دنیوی حقیر مال حاصل کرتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے، امانتِ الٰہی کو ادا نہیں کرتے اور خدا کو گواہ کرکے جھوٹی قسمیں کھاکر دنیوی بے مقدار مال لینا چاہتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اُن کو قیامت کے دن عافیت و نجات نصیب نہ ہوگی۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ اُن سے کلام نہ کرے گا۔ یعنی سخت ناراض ہوگا اور ایسا کلام ان سے نہیں فرمائے گا جس سے اُن کو مسرت حاصل ہو۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ ان کی طرف نظرِ عنایت کرے گا۔ وہ رحمتِ الٰہی سے قیامت کے دن محروم ہوں گے۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور نہ گناہوں سے ان کو پاک کرکے جنت میں داخل فرمائے گا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بلکہ اُن کے واسطے خصوصیت کے ساتھ دُکھ کا عذاب ہوگا اور تکلیف دِہ سزا ہوگی۔ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ یہ آیت بھی علماءِ یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی جو توریت و انجیل کے الفاظ بدل کر اپنی طرف سے کچھ عبارتیں ان میں شامل کر دیتے تھے اور اپنی زبان پھیر پھیر کر اس کو پڑھتے تھے اور لوگوں پر ظاہر کرتے تھے کہ یہ عبارت بھی کتابِ الٰہی کی ہے حالانکہ وہ عبارتیں ان کی طبعزاد اور تراشیدہ ہوتی تھیں۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی کتاب کو لوٹ پلٹ کرکے پڑھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور بعض دیگر احکام مثلاً آیت رجم وغیرہ کو اُڑا کر اس کی بجائے اپنی طرف سے عبارتیں ملا دیتا ہے لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ تاکہ تم لوگ اس تحریف شدہ عبارت کو خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا جزو سمجھو حالانکہ وہ کتابِ الٰہی کا جزو نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کا طبعزاد ہوتا ہے۔ وَيَقُولُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور تحریف کرنے کے بعد اپنی ترمیم کردہ کو خدا تعالیٰ کا نازل کردہ کلام کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نازل کردہ کلام نہیں ہوتا ہے بلکہ محض ان کا دماغی اختراع کردہ ہوتا ہے وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور دانستہ یہ لوگ خدا پر افترا بندی کرتے ہیں۔ جو کلامِ الٰہی نہیں ہے اس کو کلامِ الٰہی قرار دیتے ہیں اور یہ خدا

پر مبنی بہتان اور دروغ بانی ہے۔

مقصود بیان جھوٹی قسمیں کھانے کی ممانعت، جھوٹی قسم کھا کر اور خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے جھوٹ بولے اور اس طرح دنیوی دولت پیدا کرنے پر سخت وعید اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے پاکباز بندے ہیں اس کے اوامر و نواہی کے پابند ہیں۔ اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔ اُن کے حال پر نظر رحمت فرمائے گا اور خوش ہو کر ان سے کلام کرے گا۔ کتاب الٰہی میں تحریف کرنی اور اپنی طرف سے گھٹانا بڑھانا اور تبدیلی و تغیر کرنا کفر ہے اور پھر کلام الٰہی کی بجائے اپنا تراشیدہ کلام کو کہ اس کو کلام الٰہی قرار دینا تو اس سے زیادہ سخت جرم ہے۔ کلام پاک میں الفاظ کو تبدیل و تغیر کرنا زبان بگاڑ کر ان کو پڑھنا یا اُن کے معنی غلط بیان کرنا اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے۔ آیت میں افتراء، کذب، اللہ بہتان کی ضمنی ممانعت بھی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا

کسی آدمی کو زیبا نہیں کہ اللہ تو اُس کو کتاب اور سمجھ اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے کہے کہ

عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا

اللہ کو چھوڑ کر میرے پرستار بن جاؤ بلکہ (اُس کو یہ کہنا زیبا ہے کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھاتے رہتے ہو اور جو

كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

بھی پڑھتے رہتے ہو اور یہ (بھی زیبا ہے کہ) وہ تم کو حکم دے کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو رب بنا لو

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ع

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد وہ تم کو کفر کرنے کا حکم دے

تفسیر جب عیسائیوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے عقائد فاسد ہیں۔ الوہیت مسیح تثلیث اور روح القدس کا شریک الوہیت ہونا خلاف درایت ہے تو وہ مجبوراً کہنے لگتے ہیں کہ اگرچہ یہ احکام عقل و درایت سے ثابت نہیں ہیں لیکن نقل سے ثابت ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے۔ پھر بعض الفاظ ایسے انہوں نے فرمائے ہیں جن سے روح القدس کا شریک الوہیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ہم ان کے کلام کو سچا جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان آیات میں اس خیال کی تردید کرتا ہے۔

محمد بن اسحاق سے بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ یہ آیت مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب یہودی علماء اور نجرانی عیسائی حضورؐ کی خدمت میں جمع ہوئے اور نبی برحق نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا محمدؐ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصاریٰ مسیح کی پرستش کرتے ہیں ہم آپ کی عبادت کریں۔ رئیس نصاریٰ نے جب ابو رافع کا یہ قول سنا تو وہ بھی کہنے لگا ہاں محمد کیا آپ ہم سے اسی کے خواستگار ہیں اور اسی کی ہم کو دعوت دیتے ہیں۔ حضور اقدسؐ نے جواب دیا معاذ اللہ ہم سوائے خدا کے کسی کی پرستش کرنی نہیں چاہتے۔ نہ ہم غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں دہم کو خدا نے اس واسطے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مقاتل و ضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت نجرانی عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ان کا قول تھا کہ مسیح نے ہم کو اپنی پرستش کا حکم دیا ہے۔ معالم میں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حضور کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح آپس میں ہم ایک دوسرے

کو کرتے ہیں کیا حضورؐ کو ہم سجدہ نہ کیا کریں؟ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معاذ اللہ! ہرگز جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے بلکہ تم کو اپنے نبی کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے اور قدر شناسی کرنی چاہیئے۔ اس وقت مذکورۃ بالا آیت اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک نازل ہوئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے خلعتِ بشری اور جامۂ کمالِ انسانی سے سرفراز فرمایا اور پھر کتاب الٰہی کا علم بھی عطا فرمایا اور فقط علم ہی نہیں بلکہ فہم شریعت کی قوت بھی اس کو مرحمت کی اور اپنی طرف سے ایک نورِ روحانی اس کو عنایت فرمایا جس کی وجہ سے علم شریعت کی سمجھ اس کو حاصل ہو گئی اور فقط یہی نہیں بلکہ اس کو اس کے زمانہ کے انسانوں سے امتیاز بھی عطا کیا اور مرتبۂ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایسے شخص کو کسی طرح سزاوار نہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ کہنے لگے لوگو خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور میری عبادت کرنے لگو۔ مطلب یہ کہ اس بلند مرتبہ پر پہنچ کر نبی کو اپنا معلوم ہوجاتا کہ تمام عالم کا محتاج بندہ ہونا اور خدائے قدوس کا پروردگارِ عالم اور معبودِ کل ہونا خوب واضح ہوجاتا ہے۔ پھر وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ معبودِ مطلق کو چھوڑ کر میرے پرستار بن جاؤ۔ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے اور یہی کہنا سزاوار ہے کہ خدا پرست اللہ والے بن جاؤ۔ ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ حکماء، علماء اور صاحبانِ حلم ہو جاؤ یعنی اس حکمت کو حاصل کرو جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو عطا کی ہے اور اس سمجھ کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو علم نبوت سے حاصل ہوتی ہے اور عقل کلی اور دانشِ سلیمہ حاصل کرو یا یہ کہ فقیہ بن جاؤ اور فقاہتِ دینی حاصل کرو (حسن بصری وغیرہ) یا اہل تقویٰ بن جاؤ (ربیع بن انس و قتادہ وغیرہ)

یعنی اپنی کتاب کی تعلیم اور تدریس کے موافق خدا پرست بنے رہو۔ پیغمبر تم کو یہی حکم دے سکتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ مسیح نے ہم کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا یعنی وہ تم کو نہ اپنی عبادت کا حکم دے سکتا ہے نہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کو اپنا رب سمجھو اور خدا کی ربوبیت میں دوسرے کو شریک کرو۔ لہٰذا فرقہ صابیہ نے جو ملائکہ پرستی کی اور یہود نے عزیر پرستی اور نصاریٰ نے مسیح پرستی کی یہ بالکل حرام ہے۔ کسی نبی نے ان کو ایسا حکم نہیں دیا۔ بھلا عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایسا مرتبہ شناس روشن عقل اور نور قلبی رکھنے والا نبی اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تم کو مسلمان اور مومن ہو جانے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ جو شخص قرب الٰہی اور مشاہدہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ مخلوق کا رئیس بنے اور لوگ اس کی عزت و حرمت کریں۔ کیونکہ جو شخص درجۂ توحید خالص پر پہنچ جاتا ہے وہ اپنے نفس کا کچھ بھی وزن نہیں سمجھتا۔ خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت کے سامنے اپنی کچھ قدر و قیمت نہیں جانتا اور تجلی حق کے سامنے اپنی ہستی کو ناپید خیال کرتا ہے اور ہمیشہ اس بات سے شرمندہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجودِ پاک کے سامنے اس کا کچھ بھی وجود ہے۔ اس لئے وہ حق تعالیٰ سے حیا کر کے اپنے آپ کو فنا کر دینا محبوب سمجھتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے اوپر خدا کی نعمتیں دیکھتا ہے۔ کشفِ جمال قرب و وصال عزتِ علم کبریا عظمت قہر لطف وغیرہ نعمائے الٰہی سے اپنے آپ کو سرفراز دیکھتا ہے تو پھر دوسرے انسانوں کی حالت پر افسوس کر کے اُن پر مہربان ہوتا ہے اور ان کو بھی خدا تعالیٰ کی عبادت اور مرضیاتِ الٰہی کے طلب کرنے کی طرف بلاتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ تم بھی ہم عالم حکیم فقیہ عابد اور ربانی بن جاؤ۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ تو مسلم امر ہے کہ عیسیٰ بشر تھے اور جلیل القدر بشر تھے۔ تمام بشری نعمتیں اُن کو حاصل تھیں۔ کتاب و شریعت اور نبوت سے وہ سرفراز تھے۔ پھر ایسا برگزیدہ اور صاحبِ معرفت انسان کس طرح کسی کو حکم دے سکتا ہے کہ خدا کو چھوڑ کر مجھی کو خدا سمجھ کر پوجو۔ وہ ایسا حکم نہیں دے سکتا اور نہ وہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی نبی ولی یا فرشتہ کو اپنا رب اور معبود سمجھو بلکہ اس کی ہدایت یہی ہوگی کہ تم سب اللہ والے اور خدا پرست ربانی بن جاؤ۔ کیونکہ اسلام کے بعد کافر ہونے کی وہ ہرگز تعلیم نہیں دے سکتا۔

مقصودِ بیان انسان کو جتنے علم و کشف اور قرب و وصال کے مراتب حاصل ہوتے جاتے ہیں اُتنا ہی اُس کو اپنے عجز و جہالت و احتیاج کا یقین بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عارفانِ حق شناس اپنے وجود کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ کسی عارفِ حقیقت سے حکم الٰہی کے خلاف کسی امر کا صدور محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء معصوم ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ جسمانی بھی بے انتہا ہیں مگر روحانی نعمتیں یعنی علم کتاب، فہم شریعت اور کمالِ نبوت سب سے بڑھ کر نعمتیں ہیں۔ نبی ہونے کے بعد کسی کا گمراہ ہونا محال ہے۔ ہر نبی خدا پرستی اور توحید و تمجید کی تعلیم دیتا ہے۔ آیتِ مذکورہ سے ضمنی طور پر مذکورہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا یا کفر کی تلقین کرنی بدترین جرم ہے جو عارفِ حقیقت کے لئے

کسی طرح سزاوار نہیں ہے۔ علم کے ساتھ عمل اور معرفت کے ساتھ مجرد انکسار لازم ہے۔ حقیقت، طریقت اور معرفت شریعت سے کوئی جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ جس
کو شریعت کا صحیح علم حاصل ہو جاتا ہے اس کو یہ تمام مدارج حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس علم کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ غیر اللہ کو رب یا معبود سمجھنا یا سجدہ کرنا یا کوئی
ایسی تعظیم کرنی جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کفر ہے۔ فرق مراتب بہر حال لازم ہے۔ انبیاء، اولیاء اور دیگر پیشوایانِ ملت کی اسی کے مراتب کے مطابق عظمت
و حرمت کرنی ضروری ہے۔ کوئی نبی اپنی عزت و عظمت کا خواستگار نہیں ہوتا بلکہ جس چشمہ سے خود سیراب ہوا ہے اسی کی طرف لوگوں کی تشنہ روحوں کو ہم
سب کو بلاتا ہے۔ وغیرہ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد کر لیا تھا کہ جو کتاب اور شریعت ہم تم کو دیں اور پھر اس کے بعد کوئی رسول تمہارے پاس آئے

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ

جو اُن کتابوں کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بالضرور اس کی مدد کرنا اللہ نے فرمایا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو

اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

اور اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو انبیاء نے عرض کیا ہم اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ

الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

ہوں اس کے بعد جو لوگ رُخ پھیر لیں گے تو وہی نافرمان ہیں

تفسیر وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ اس آیت کا تفسیری معنی سمجھنے سے قبل اس امر کو جان لینا ضروری ہے کہ اس آیت میں رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
سے کونسا رسول مراد ہے اور میثاقِ انبیاء کے کیا معنی ہیں:-
(۱) رسول مصدق سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ اور میثاق انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی سے ازل ہی میں
عہد لے لیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا۔ مطلب یہ کہ ہر نبی کو حکم دے دیا تھا کہ تم اپنے بعد آنے والے نبی کی تصدیق کرنا اور اس کی
مدد کرنا بشرطیکہ تم اس کے زمانہ تک زندہ رہو۔ ورنہ اپنی امت کو ہدایت کر جانا کہ میرے بعد جو نبی پیدا ہو تم اس کی ہدایت کو قبول کرنا اور ہر طرح سے
اس کی مدد کرنا اور اس طرح یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ گویا ہر نبی کو حکم دے دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اور اگر
تم کو اُن کا زمانہ نصیب ہو تو ان کی پیروی اور مدد کرنا۔ یہی مضمون ایک صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر
موسیٰ و عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ طاؤس حسن بصری اور قتادہ وغیرہ نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔
(۲) حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی مبعوث فرمایا اس سے یہ عہد لیا کہ جب میں محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث کروں اور تم اس وقت زندہ ہو تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور یہ بھی حکم دے دیا تھا کہ تم اپنی امت سے عہد لینا
کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوں اور تم لوگ اس وقت زندہ ہو تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا۔ اس روایت میں صاف بیان
کر دیا گیا ہے کہ ہر نبی سے براہ راست خدا تعالیٰ نے محمدؐ کی رسالت کی تصدیق کرائی تھی اور حضورؐ کے اتباع کا عہد لے لیا تھا۔
(۳) یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ رسول مصدق سے ہر آئندہ آنے والا نبی مراد ہے اور میثاقِ انبیاء سے مراد وہ میثاق اور عہد ہے جو خدا تعالیٰ

نے ازل میں ہر قوم سے لے لیا تھا کہ اپنے زمانہ کے نبی پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اس کے اوامر و نواہی اور شریعت کی پابندی کرنا پھر اُس نبی کے بعد اگر کوئی اور نبی آئے اور وہ سابق نبی کی شریعت کی تصدیق کرے تو تم اس کی تصدیق کرنا اور ہر طرح سے اس کی امداد کرنا۔ یہ مطلب بالکل صاف ہے اس لئے ہم تفسیر اسی مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں اگرچہ ابن کثیر نے اور ابن جریر نے مقدم الذکر دونوں معنی کو اختیار کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب تم کو یاد کرنا اور نصیحت قبول کرنا چاہیئے کہ جب انبیاء کے متعلق ہم نے ان کی اُمتوں سے ازل ہی میں عہد لیا تھا یا نبی وقت کے زمانہ میں ہی اُس کی امت سے اقرار لے لیا تھا اور حکم دے دیا تھا۔ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ کہ دیکھو میں نے تم کو جو کتاب صحیفہ اور نور حقانیت اور دانش و عقل عطا کی ہے۔ تم کو اس کے موافق عمل کرنا چاہیئے۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ پھر اگر کوئی رسول تمہاری کتاب و شریعت کی تصدیق کرنے والا آئے اور تم کو اس کا امداد کرنا نصیب ہو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور یقیناً اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ کسی طرح اس سے سرتابی نہ کرنا۔ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ اور پھر خدا تعالیٰ نے تم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کیا تم کو اس کا اقرار ہے اور تم اس پر میرا عہد ذمہ قبول کرتے ہو اعتراف تو نہیں کرو گے اس کو دل سے قبول کرتے ہو۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا تو سب نے جواب دیا کہ ہاں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں آئندہ آنے والے نبی پر ضرور ایمان لائیں گے، اس کی مدد کریں گے اور اس کی پیروی کریں گے۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم اپنے اس اقرار و میثاق کے گواہ رہنا اس کو بھول نہ جانا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے متعلق بھی شاہد رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ اس قول و قرار کا گواہ ہوں۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اب جو لوگ اس قول و قرار اور اخذ و قبول کے بعد اپنے عہد سے پھر جائیں گے۔ آئندہ نبی کی تصدیق نہ کریں گے اُس پر ایمان نہ لائیں گے تو وہ متمرد و سرکش ہوں گے۔ طاعت الٰہی کے دائرے سے خارج ہوں گے اور حلقۂ کفر میں داخل ہو جائیں گے۔

لیکن اہل کتاب نے میثاق الٰہی کو فراموش کر دیا۔ یہودیوں نے تو نہ زکریا کو مانا، نہ یحییٰؑ کو، نہ عیسیٰؑ کو، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور عیسائیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا کھلم کھلا انکار کیا اور عیسیٰ کو بھی اس طرح مانا گویا نہ مانا۔ بہرحال دونوں فرقے اپنے عہد کو فراموش کر گئے اور ان کی کتابوں میں جو میثاق مذکور تھا اُس سے روگرداں ہو گئے۔

مقصود بیان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سالار انبیاء تھے۔ ہر نبی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی ہے۔ تمام انبیاء کو حضور صلعم کے اتباع کی آرزو تھی۔ ہر رسول سابق رسول کے دین کی تصدیق کرتا ہے۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے زمانہ کے رسول پر ایمان لائے اور اشاعت دین میں اس کی ہر ممکن مدد کرے۔ ہر نبی نے اپنے امتیوں کو جمع کر کے ہدایت کر دی تھی کہ آئندہ ایک عظیم الشان جلیل القدر نبی اس اس حلیہ اور ان ان اوصاف کا پیدا ہو گا۔ تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اسلامی دنیا کے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین کے وہ طلبگار ہیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو مخلوق ہے وہ خوشی ناخوشی اُسی کے فرمانبردار ہیں

وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ○ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ

اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اے محمدؐ) تم کہہ دو ہم تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر جو ابراہیم

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِیْسٰى وَالنَّبِیُّوْنَ

اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل کی گئیں اور ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی

مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○

طرف سے ملیں ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

تفسیر أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ تفسیر معالم وغیرہ میں مذکور ہے کہ اہل کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے آپس کا جھگڑا پیش کیا یہودی بھی دینِ ابراہیمی پر قائم رہنے کے مدعی تھے اور عیسائی بھی یہی دعویٰ کرتے تھے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہر دو فریق دینِ ابراہیمی سے خارج ہیں۔ بولے ہم آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے اور آپ کے مذہب کو قبول نہیں کر سکتے آپ کا فیصلہ غلط ہے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی

حاصلِ فرمان یہ ہے کہ کیا یہ لوگ دینِ الٰہی کے علاوہ کسی اور دین کے طالب ہیں۔ کیا اطاعتِ الٰہی سے خارج ہونا چاہتے ہیں کیا خدا سے نمود و سرکشی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اسلام کے خلاف کسی اور مذہب کا اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کی تمام موجودات چار و ناچار خدا کی مطیع فرمان ہیں۔ مومن تو دلائل فطری پر غور کر کے بخوشی سر تسلیم جھکاتے ہیں اور کافر منکر ملحد وغیرہ مجبوراً حکمِ تقدیر کے سامنے تابع اور مقہور ہوتے ہیں۔ کسی کو جرأت نہیں کہ نظامِ قدرت اور قانونِ فطرت کے خلاف علمبرداری کر سکے یا موت سے نجات پا سکے یعنی فطری دلائل کو مٹا سکے جو خود منکرین کی ذات میں موجود ہیں۔ یہ لوگ اس امر کی قدرت نہیں رکھتے کہ جو حکم ان پر جاری کیا گیا ہے اس سے اپنے نفوس کو باز رکھیں اور نظامِ قدرت سے خارج ہو جائیں۔ چونکہ اسلام توحیدِ ذات و صفات کا علمبردار اور قانونِ فطرت پر لوگوں کو پابند رکھنے کا اعلان کرتا ہے اور توحید الٰہی کے علمبرداروں میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ سب کو صادق القول تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں اور میرے پیرو مسلمان سب خدا پر اور اس کتاب پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوئی ہے ہم خدا کو واحد لاشریک۔ جامع صفات کمال اور عیوب و نقائص سے پاک خیال کرتے ہیں اور اس کے نازل کردہ اوامر و نواہی کے پابند ہیں اور اس کے تمام احکام کو برحق جانتے ہیں۔ وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ اور ہم ان شریعتوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور نسل یعقوب پر نازل ہوئی تھی سب کو برحق جانتے ہیں اور ہر نبی کو سچا اور توحید کا علمبردار سمجھتے ہیں۔ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ اور جو کتابیں اور صحیفے موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو دیئے گئے سب پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم سب کی تصدیق کرتے ہیں اور سب کو توحید کا پیامبر جانتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے کہ بعضوں کی تصدیق کریں اور بعضوں کی تکذیب بلکہ سب کو خدا کے سچے بندے اور رسول اور توحید کے داعی سمجھتے ہیں۔ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اور ہم اسی کے فرمانبردار، اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم جھکانے والے اور اسی کے لئے اپنی عبادت کو مخصوص کرنے والے ہیں یعنی تمہاری طرح نہیں ہیں۔ کہ بعض انبیاء کی تصدیق کریں اور بعض کی تکذیب۔ کبھی عزیز کی پرستش کریں اور کبھی مسیح کی، کبھی ایک کو خدائی کا حصہ دار قرار دیں کبھی دوسرے کو، کبھی خدائی ٹکڑے کر کے تین خدا مانیں، بلکہ ہم خالص موحد، رضا پر راضی، تفویض پر خوش، سب انبیاء کو ماننے والے اور سب کو توحید ذات و صفات کا حامل پیامبر جاننے والے ہیں۔ ہم نہ عقیدہ میں شرک کرتے ہیں نہ اعمال میں۔

مقصودِ بیان اسلام دینِ الٰہی ہے۔ قانونِ فطرت اور توحید کا علمبردار ہے یعنی تمام انبیاء کا دین تھا۔ مسلمان تمام انبیاء کو برحق سمجھتا ہے۔ کائنات عالم کا حدوث ذاتی ظاہر کرتا ہے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر شخص کو چار و ناچار خدا کے وجود و وحدانیت کا قائل ہونا پڑتا ہے عاقل دلائل عقلی اور مشاہدۂ قدرت سے اس پر ایمان لاتا ہے اور بیوقوف مرنے کے وقت مشاہدہ کر لیتا ہے۔ نظامِ عالم اور ترتیب موجودات اور قوانینِ فطرت وجودِ باری پر دلالت کرتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ عبادت صرف خدا ہی کی کرے۔ ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ جانے۔ جو طریق تعظیم ذاتِ الٰہی کے واسطے مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کے سامنے بجا نہ لائے، یعنی غیر اللہ کو سجدہ نہ کرے ریاکاری، ہوس، شہرت اور دنیوی وجاہت و ریاست حاصل کرنے کے لئے عبادت نہ کرے بلکہ عبادت کا اصل مقصود رضائے مولا کو سمجھے اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے عبادت کرے۔ راہِ مولا میں اپنا تن من دھن قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ فیصلۂ قضا پر نکتہ چینی نہ کرے، اور ناراض نہ ہو بلکہ اپنی صحت و بیماری، خواب و بیداری، نشست و برخاست اور زندگی و موت کو خدا ہی کی خوشنودی کے لئے وقف کر دے۔ وغیرہ

آیت اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ کی

مزید ہدایت آمیز تشریح

اس آیت کی مکمل تفسیر اور مقصودِ بیان تو ہم سطورِ بالا میں تحریر کر چکے ہیں لیکن چونکہ اس کے اندر فوائد و ہدایت کا ایک بے بہا گنجینہ پوشیدہ ہے اس لئے ہم اس کے نکات و اسرار کے متعلق ایک مختصر ہدایت آمیز مقالہ لکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب علمائے [?] نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تمام مرادوں کی جڑ اور کل حاجات کے پورا کرنے کا سرچشمہ میری بندگی ہے۔ پھر بندگی سے روگردانی کرنے والے کہاں سے منافع پیش چاہتے ہیں۔ حالانکہ میرے قرب سے عارفوں کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ میرے وصل سے الطاف حاصل ہوتے ہیں۔ مشاہدۂ قدس کی حلاوت ملتی ہے اور یہ تمام لذتیں انہیں کو حاصل ہوتی ہیں جو خالص موحد ہیں۔ لیکن جو شخص نفسانی خواہشات اور شیطانی ہوا و ہوس میں گھر جاتا ہے۔ وہ عبودیت سے روگرداں ہے اور جو شخص میری عبودیت و عبادت سے روگرداں ہوا وہ میری وحدانیت و فردانیت کے دیدار سے دور جا پڑا اور جو میری ربوبیت کے جمال سے محروم رہا وہ ہوا پرست ہے۔ خواہشات کے تاریک گڑھے میں گرتا ہے اور گمراہی کے جنگلوں میں ہلاک ہوتا پھرتا ہے۔ جو شخص الوہیت و ازلیت کے سوا دوسرے حقائق و اوصاف کا طالب ہوتا ہے وہ باطل پر حق کا دھوکا کھا کر تباہ ہو جاتا اور شیطان کی غلطیوں میں پڑ کر برباد ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر آگے بڑھنے سے رک جاتا ہے تو عناد و تعصب کی منزل میں پڑ جاتا ہے اور آگے بڑھتا ہے تو نفس کے ٹیڑھے راستہ میں چلتا ہے اور بالآخر اپنے سر پر ذلت و بلا کی خاک ڈال کر مر جاتا ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طلبگار ہوگا تو ہرگز وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائیگا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

تفسیر یہ آیاتِ سابقہ کا تتمہ اور نتیجہ ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جب آیاتِ سابقہ سے معلوم ہوگیا کہ مشاہدۂ ربوبیت بغیر عبودیت کے نہیں ہوسکتا اور بجز دین توحید و بندگی کے درجۂ قرب حاصل نہیں ہوسکتا اور اسلام ہی توحید و عبودیت کا پیامبر ہے۔ یہی رضا بقضا اور طاعت و انقیاد کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی قانونِ قدرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور قوانینِ فطرت دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تمام انبیاء اور کتبِ الٰہیہ کی یہ تصدیق کرتا ہے اور سب حاملانِ پیامِ الٰہی کا یہی مذہب تھا تو اب دینِ اسلام کے علاوہ جو شخص کوئی اور دین طلب کرے گا اور اختیار کرے گا خدا تعالیٰ کے ہاں اس کو درجۂ قبولیت حاصل نہ ہوگا۔ اس کا کوئی عمل اور ریاضت و مجاہدہ مقبول نہیں ہے۔ وہ حقیقی بندگی سے محروم ہے اور اس کی کل کری کرائی محنت آخر میں برباد ہو جائے گی اور قیامت کے دن نقصان اٹھانا پڑے گا اور وہ خسارہ میں رہے گا۔

مقصودِ بیان اسلام کی دعوت، غیر مذاہب کے نامقبول ہونے کی صراحت کافروں اور غیر مسلموں کے تمام نیک اعمال برباد ہو جانے کی وضاحت وغیرہ۔

كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ

ایسی قوم کو اللہ کیوں راہِ راست پر لانے لگا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکی ہو اور یہ گواہی دے چکی ہو کہ رسول برحق ہیں اور ان کے

جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ

پاس کھلے کھلے معجزات آ چکے ہوں اور اللہ ظالموں کو راہِ راست پر نہیں لایا کرتا ان کی جزاء یہی ہے

أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا

کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام آدمیوں کی پھٹکار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

نہ اُن کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی

تفسیر كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا بارہ مسلمان جن میں طعمہ بن ابیرق اور حارث بن سوید انصاری بھی تھے مرتد ہو کر مدینہ سے نکل کر کے چلے گئے اور مشرکین مکہ سے مل گئے۔ اُن کے متعلق یہ آیت ظالمین تک نازل ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ حارث بن سوید مرتد ہونے کے بعد پشیمان ہوئے اور اپنے بھائی جلاس بن سوید کو لکھ کر بھیجا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو کہ حارث کفر سے توبہ کرنا چاہتا ہے، کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ جلاس نے حارث کا عریضہ خدمتِ گرامی میں پیش کیا جس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی اور حضورؐ نے قبولِ توبہ کا وعدہ فرمایا۔ جلاس نے بھائی کو یہ آیت لکھ بھیج دی۔ حارث نے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ میں نے غلط نہیں سُنا۔ میرے بھائی نے غلط نہیں کہا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بھائی سے جھوٹ فرمایا۔ اور نہ خدا نے اپنے رسول سے جھوٹ ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے پھر میں کیوں نہ تائب ہوں۔ غرض حارث اسی وقت مسلمان ہو کر مدینہ کو چل دیئے اور اچھے مسلمان ہوئے۔ (رواہ ابن جریر والنسائی والحاکم وابن حبان وقال الحاکم صحیح الاسناد)۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ تعجب ہے ایسی قوم کو خدا تعالیٰ کیوں کر ہدایت کرے اور کس طرح راہِ راست پر آنے کی توفیق دے۔ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ جو مومن ہونے کے بعد کافر ہو گئی۔ حالانکہ پہلے وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ انھوں نے خود شہادت دی تھی کہ رسول اللہ برحق ہیں اور سچے ہیں۔ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ اور کھلے کھلے دلائل و معجزات بھی اُن کے سامنے پیش کئے جا چکے۔ دلائلِ قدرت اور براہینِ معجزات سے رسول اللہ کی سچائی بھی اُن پر واضح ہو گئی۔ پھر ایسے ازلی گمراہوں کو خدا تعالیٰ کس طرح ہدایت کرے۔ یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے کتبِ سابقہ میں بشارتیں دیکھ کر ان پر ایمان رکھتے تھے اور رسول اللہ کے برحق ہونے کی گواہیاں بھی دیا کرتے تھے اور اس کے باوجود رسولِ گرامی کے بے شمار معجزات بھی دیکھ چکے۔ لیکن پھر بھی عناد سے منکر ہو گئے۔ ایسے تیرہ باطن، سیاہ قلب ازلی بدنصیبوں کو کیوں کر ہدایت ہو۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ خدا تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا ہے۔ جو لوگ کفر میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ بس ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ ہمیشہ ان پر خدا کی فرشتوں کی اور مومنوں کی لعنت و پھٹکار ہوتی ہے۔ یہ تو دنیا میں سزا ہے اور آخرت میں ان کے عذاب کے لئے جہنم تیار ہے۔ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ یہ لوگ لعنت و دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی اُن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ اور نہ کبھی اُن کو عذاب سے مہلت ملے گی۔

مقصودِ بیان مرتد کا عذاب کافر سے بھی سخت ہے۔ جو لوگ معاصی اور خطاؤں میں انہماک رکھتے ہیں اور انتہائی درجہ پر پہنچ جاتے ہیں ان کو خدا بھی ہدایت نہیں کرتا۔ مرتد ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اہلِ ارتداد و دوزخ ارکانِ حق پر کائناتِ عالم بزبانِ فطرت لعنت کرتی ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور حالت کی اصلاح کر لی تو اللہ یقیناً غفور رحیم ہے

تفسیر ان جن لوگوں نے مرتد ہونے کے بعد سچے دل سے توبہ کرلی اور اخلاص کے ساتھ مسلمان ہوگئے اور اعمال بھی نیک کرنے لگے۔ تمام کفریہ حرکات کو چھوڑ دیا تو ان کو خدا معاف کردے گا۔ ان کی توبہ قبول کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

مقصودِ بیان مرتد کی توبہ قبول ہے بشرطیکہ صدق دل سے کرے اور مسلمانوں کی طرح اعمال کرنے لگے۔ اسلام کے اوامر و نواہی کا پابند ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝

اور یہی گمراہ ہیں

تفسیر قتادہ، عطاء خراسانی اور حسن بصری کے نزدیک یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے توریت و انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پائے تھے اور ان پر ایمان لائے تھے۔ پھر رسول اللہ مبعوث ہوئے تو حضورؐ کی رسالت کو نہ مانا اور کفر میں اس طرح زیادتی کی کہ اپنے عناد پر جمے رہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے تو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے پھر عیسیٰؑ کا انکار کرکے کافر ہوگئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرکے کفر میں اضافہ کر لیا۔ صحیح یہ ہے کہ آیت کا حکم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جنھوں نے کفر کے بعد توبہ تو کی مگر خالص نیت اور سچے دل سے نہ کی صرف زبانی توبہ کرلی۔

حاصلِ فرمان یہ ہے کہ جو لوگ مومن ہونے کے بعد مرتد ہوگئے۔ پھر صدق دل سے توبہ نہ کی بلکہ پیغمبر کا مقابلہ کرکے ہمیشہ کفر میں بڑھتے گئے ایسے لوگوں کی ظاہری توبہ مقبول نہیں۔ یہی لوگ گمراہ ہیں۔ اصلی گمراہی کا انحصار انہی میں ہے۔ ان کو راہِ ہدایت کبھی نصیب نہ ہوگی۔

بزار نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہوگئے تھے۔ پھر مرتد ہوگئے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر مسلمان ہوگئے لیکن دوبارہ مرتد ہوگئے۔ پھر سہ بارہ مسلمان ہونا چاہا اور اپنی قوم والوں سے کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری توبہ کے متعلق دریافت کرو۔ قوم والوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن عباس رضؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ کچھ لوگ مرتد ہوگئے تھے۔ لیکن اپنے ارتداد کی حالت چھپانے کے لئے انھوں نے مناسب سمجھا کہ ظاہراً توبہ کرلیں اور دل میں کفر کو پوشیدہ رکھیں۔ اُن کے متعلق آیت کا نزول ہوا ہے۔ یہ مطلب وہی ہے جو ہم نے تفسیری معنی میں بیان کیا ہے۔

شیخ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ آیت کا نزول ایسے لوگوں کے حق میں ہے جنھوں نے حالتِ شرک میں بداعمالیوں سے توبہ کرنی چاہی لیکن شرک سے توبہ نہ کی تو ان کی توبہ مقبول نہیں۔ بہرحال

مقصودِ بیان یہ ہے کہ اگر مرتد صرف سطحی اور ظاہری توبہ کرلے صدق نیت اور خلوص قلبی نہ ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں اور جو صدق دل سے توبہ کرلے اس کی توبہ مقبول ہے اور مسلمانوں کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ

جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مرگئے تو ان میں سے کسی کی طرف سے زمین بھر سونا قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ (عذاب سے بچنے کے لئے)

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ۧع ۱۷

وہ سونا عوض میں دے انہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا

تفسیر

یہ کافروں کی تیسری قسم کا بیان ہے۔ پہلے اُن مرتدوں کا حکم بیان کیا گیا جو صدق دل سے مسلمان ہوگئے۔ پھر اُن مرتدوں کا حکم ظاہر کیا گیا جو صرف زبانی توبہ کرتے ہیں خلوص نیت نہیں ہوتا۔ اب ان کافروں کے حکم کا بیان ہے جو توبہ ہی نہیں کرتے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اور مرتے دم تک کافر رہتے ہیں توبہ نہیں کرتے تو ظاہر ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے احکام ان پر جاری نہیں ہوسکتے۔ اُن کے لئے آخرت میں عذاب یقینی ہوگا۔ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ایسے کافروں کی نجات نہیں۔ اگر بفرض محال زمین بھر سونا اپنے کفر اور گناہوں کے عوض اُن میں سے دے کر کوئی عذاب سے چھوٹنا چاہے گا تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اور عذاب سے رہائی نہ ملے گی۔ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ اور ان کے لئے خصوصیت کے ساتھ تکلیف دہ عذاب ہوگا اور کوئی ان کا مددگار بھی نہ ہوگا کہ زبردستی خدا کے عذاب سے رہائی دلا سکے۔ خلاصہ یہ کہ وہاں نہ نقد کام دے گا نہ زور۔

مقصود بیان

حالت شرک کی کل خیر خیرات بے سود ہے۔ خدا عادل ہے۔ رشوت نہیں لیتا۔ خدا غالب و قوی ہے۔ اس کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانْ

کا

پارہ نمبر ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

از

فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبد الدائم جلالی

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بک ڈپو دیوبند

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یو۔پی)

ضروری اعلان

تبلیغ دین کے اس مقدس کام میں آپ بھی شریک ہو جائیے اور دوسروں کو بھی دعوت دیجئے کہ زیادہ سے زیادہ ممبر بن کر ثواب کے مستحق بنیں۔ اگر ممبران محصول ڈاک میں کمی چاہتے ہیں تو چار پانچ ممبر مل کر پارے منگائیں۔ اس صورت میں ہر ممبر کو تقریباً ۶۵ پیسے کا فائدہ محصول ڈاک میں ہو جائے گا۔

مالک عطاء الرحمٰن صدیقی

ھدایہ۔ =/۶

مطبوعہ
محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند

چوتھا پارہ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

تم نیکی کے درجوں کو ہرگز نہ پہنچو گے جب تک تم اُن چیزوں میں سے کچھ نہ خرچ کرو گے جو تم کو عزیز ہیں اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے

شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝

اللہ اس کو یقیناً جانتا ہے

تفسیر سابق آیات میں کافروں کی حالت کا بیان تھا اور اس امر کی صراحت تھی کہ قیامت کے دن روئے زمین کے خزانے دے کر بھی عذاب الٰہی سے نجات نہ ہوگی۔ اس آیت میں مومنوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس قسم کا مال راہِ مولیٰ میں خرچ کرنے سے کمالِ ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ حاصل یہ ہے کہ ابرار اور نیکو کاروں کا درجہ اور کمالِ ایمان کا درجہ اور مرتبہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اپنے محبوب نفس اور مرغوبِ خاطر چیزوں میں سے کچھ حصہ راہِ مولیٰ میں خرچ کرو۔ یعنی جن چیزوں سے تم کو دلی محبت اور طبعی رغبت ہے اُن سے کنارہ کش ہو۔ محبتِ الٰہی کے غلبہ اور جوش کی وجہ سے مرغوباتِ نفس کو اس کی راہ میں قربان کر دو تب کمالِ ایمان کا درجہ حاصل ہوگا۔

مرغوب خاطر اور محبوبِ طبع چیز کو راہِ خدا میں قربان کرنے والوں کے چار طبقات ہیں:- (۱) اہلِ معاملات (۲) اہلِ حالات (۳) اہلِ معرفت (۴) اہلِ توحید ان چاروں کے تفصیلی حالات کتبِ حدیث و تصوف کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ جو لوگ خواہشاتِ نفسانیہ سے دست کش ہونے والے، محبتِ دنیا محبتِ مال، محبتِ جاہ، محبتِ عزت و حشم، محبتِ دولت و حکومت، محبتِ احباب و اولاد یہاں تک کہ محبتِ نفس کو محبتِ الٰہی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھنے والے ہیں اور دنیا و مافیہا کو رضائے مولا کے حصول کے لئے قربان کر دیتے ہیں وہی کمالِ ایمان کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝ یعنی تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے خواہ تھوڑا ہو یا بہت بشرطیکہ حسنِ نیت کے ساتھ ہو خدا تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔ وہ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے اور نیت کو بھی۔ جزا تم کو ضرور دے گا۔

مقصودِ بیان مالِ حلال کی محبت جائز ہے۔ اسراف حرام ہے اور کل مال خرچ کر کے حیران اور پراگندہ دل ہو جانا جائز نہیں۔ حرام مال سے خیرات کرنی موجبِ ثواب نہیں۔ جب تک محبتِ الٰہی دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زائد نہ ہو اس وقت تک جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ ایک مسلمان کا نقطۂ نظر صرف محبتِ خدا اور اس کی رضا جوئی ہی ہونا چاہیے۔ جو لوگ غیر اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اس محبت کو محبتِ الٰہی پر ترجیح دیتے ہیں وہ بندۂ نفس ہیں۔ خیرات تھوڑی ہو یا بہت اگر حسنِ نیت کے ساتھ ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ خداوند تعالیٰ نیت کو دیکھتا ہے۔ مقدارِ مال کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وغیرہ

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ

توریت کے نازل ہونے سے پہلے سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں باستثنا اُن چیزوں کے جو یعقوب نے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

خود بنے اوپر حرام کر لی تھیں اسے محمد، کہدو اگر تم سچے ہو توریت کو لاؤ اور اسے پڑھو

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ

پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ پر جھوٹ جوڑیں وہی بلاشبہ ہٹ دھرم ہیں کہہ دو

صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

خدا نے سچ فرمایا سو اب تم دینِ ابراہیمی پر چلو جو ایک کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے

تفسیر

ایک بار یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ محمدؐ! آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں ملتِ ابراہیمی پر ہوں اور پھر آپ اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں۔ حالانکہ ابراہیم اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ نہیں کھاتے تھے۔ اس وقت ان کے رد میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ارشاد ہوتا ہے کہ۔ تم لوگ جن کھانوں کی حرمت کا دعویٰ کرتے ہو وہ تمام کھانے حلال تھے۔ ہاں جو کھانے پینے کی چیزیں یعقوبؑ نے نذر کی وجہ سے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں وہ ان پر بھی حرام ہو گئی تھیں اور یہ حرمت نزولِ توریت سے پہلے ہوئی تھی ابراہیمؑ کے وقت میں نہ تھی تمہارا یہ قول غلط ہے کہ ابراہیمؑ پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا۔ حضرت یعقوبؑ کو عرق النساء کا مرض تھا۔ انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اس بیماری سے شفا عطا فرماوے گا تو میں اونٹ کا گوشت اور دودھ ترک کر دوں گا۔ اس نذر کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوبؑ کو اونٹ کا گوشت اور دودھ تمام کھانے پینے کی چیزوں میں زیادہ مرغوب خاطر تھا۔ گویا حضرت یعقوبؑ کی نذر تھی کہ اگر خدا نے مجھے شفا دے دی تو بطور شکریہ کے میں نفسانی مرغوبات وخواہشات سے دست کش ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ نے ان کو صحت عطا کر دی تو انھوں نے ایفائے نذر کیا اور اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ پھر چونکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) پر اُن کی عود آوردہ حرمت اور مشابہات کی ہو گئی تھی اس لئے بنی اسرائیل پر حرمت بدستور قائم رہی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ ابراہیمؑ کے لئے حرام کر دیا گیا تھا تو اپنی تحریف کردہ توریت ہی لاؤ اور اس کو پڑھو تاکہ صدق اور کذب ظاہر ہو جائے۔ جب حضور اقدس صلعم نے حکمِ الٰہی کے بموجب یہودیوں سے توریت پیش کرنے کو فرمایا تو یہودی بالکل مبہوت اور لاجواب ہو گئے اور توریت نہ لائے۔ گویا اپنے کذب کا خود اعتراف کر لیا۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ چونکہ ثابت ہو گیا کہ اونٹ کے گوشت وغیرہ کی حرمت یعقوبؑ کی طرف سے تھی ابراہیمؑ کے عہد میں نہ تھی۔ اس لئے اب جو لوگ دیدہ ودانستہ خدا تعالیٰ پر بہتان تراشی اور کذب بندی کریں گے اور گوشت شتر کی تحریم کو خدا کی طرف منسوب کریں گے اور دعویٰ کریں گے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے اونٹ کے گوشت کو حرام کر دیا تھا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو یہی ناحق کوش اور حق سے گزر کر باطل کی طرف جانے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو حق کی وضاحت کر چکا۔ جب یہودیوں کا افترائے باطل خود ان کی اعتقادی کتاب سے بھی ظاہر ہو گیا اور بالکل کھلی ہوئی حجت اُن پر تمام ہو گئی جس کو کسی طرح وہ دفع نہ کر سکتے تھے تو اب خدا تعالیٰ اپنے رسولِ اطہر کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ خدا تعالیٰ اپنے ہر قول میں سچا ہے۔ جو خبریں وہ اپنے بندوں کی اطلاع کے لئے دیتا ہے وہ سب سچی ہوتی ہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو اور جس طریقہ پر میں ہوں اس میں داخل ہو جاؤ۔ ابراہیمؑ کے اندر جو اوصاف تھے اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ شوق وعشق، محبت وخلت، مروت وفتوت، سخاوت وشجاعت، حلم، امانت، دیانتداری اور رافت، مہمانوں کی ضیافت وعزت، مصیبت پر صبر، نعمت میں شکر، غیر اللہ سے انقطاع، صرف خدا پر اعتماد، راہِ محبت میں اشک ریزی اور آہ وزاری، صدق واخلاص اور توحید وتجرد وغیرہ تمام امور میں ابراہیمؑ کی پیروی کرو اور ہر طریقِ ابراہیمی سے تجاوز نہ کرو۔ اب اگر تمہارا

دعویٰ ہو کہ ہم تو ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں ہم کو تمہارے اتباع کی اور مسلمان ہونے کی کیا ضرورت ہے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ تم باطل کو مٹش ہو حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور ابراہیمؑ باطل سے روگرداں ہو کر حق کی طرف مائل ہونے والے تھے۔ تم مشرک ہو۔ عزیز کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے۔ لہٰذا تم کو اپنے ان عقائد سے توبہ کر کے ملتِ اسلامیہ میں داخل ہو جانا چاہیئے تاکہ ملتِ ابراہیمی کی پیروی صحیح معنی میں ہو سکے۔

مقصود بیان نذر کا ایفا واجب ہے۔ نذر ماتی جائز ہے دلبشرطیکہ حکم الٰہی میں نذر کو دخیل نہ سمجھے۔ نذر ماننی انبیاء کا طریقہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے بعض احکام بعض سے منسوخ ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت اور تبلیغ احکام میں سچے تھے۔ اسی وجہ سے اس قدر بلند آہنگی اور بیباکی کے ساتھ اپنے قول کی صداقت کے دعویدار تھے۔ مذہب کے احکام میں مناظرہ جائز ہے۔ مگر حسن اسلوب اور احقاقِ حق مدِنظر رکھنا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا جائز نہیں۔ خدا وند تعالیٰ پر بہتان تراشی اور کذب بندی حرام ہے۔ اسلام اور ملتِ ابراہیمی باہم موافق ہیں یہود مشرک تھے۔ اگرچہ شرک خفی میں مبتلا تھے۔ غیر مسلموں کی کتابوں کو مناظرہ کے وقت پیش کر کے اُن سے استدلال کرنا اور انہی کتابوں سے حجت قائم کرنا جائز ہے۔ الزامی جواب دینا بشرطیکہ جھگڑے کا قطع کرنا مقصود ہو جائز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحدِ محض، متوکل علی اللہ اور حق کوش تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو بھی حق پوش نہ ہونا چاہیئے۔ بعض حلال اور مرغوب خاطر چیزوں کا ترک کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اُن سے مجاہدۂ نفسانی اور ریاضتِ رُوح مقصود ہو اور کثافتِ مادی دور کرنی مدِنظر ہو۔ لیکن ان کو حرام سمجھنا کفر ہے۔ وغیرہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ

سب سے پہلے جو مکان لوگوں کے لئے قائم کیا گیا وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا اور سارے جہان کے لئے رہنما ہے اُس میں

اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ

بہت سی کھلی کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی ہے اور جو شخص اسمیں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے

تفسیر یہود کا اہلِ اسلام اور پیشوائے اسلام پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ لوگ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلا قبلہ یعنی بیت المقدس کعبہ سے پہلے بنا ہے اور یہی انبیائے سلف کا قبلہ رہا ہے۔ یہود کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ سب سے پہلے روئے زمین پر جو مکان خدا کی عبادت مخلوق کی رہنمائی اور دنیا میں برکت پھیلانے کے لئے بنایا گیا وہ گھر وہی ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ مکرمہ۔ حضرت آدمؑ نے اس کو بنایا۔ پھر جب سیلاب وغیرہ سے وہ عمارت گر گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے انہی بنیادوں پر اس کو بنا دیا اور بیت المقدس کو حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کیا اور اگر پیدائش عالم کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے تو فرشتوں نے کعبہ کو مسجدِ اقصیٰ سے چالیس سال پہلے بنایا۔ بہرحال یہود کا یہ خیال غلط ہے کہ بیت المقدس کعبہ سے زیادہ قدیم ہے۔

پھر اس قدامت کے علاوہ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ کعبہ میں ہزاروں قسم کی روحانی برکتیں اور دنیا کے لئے ہدایت کا ذخیرہ بھی موجود ہے کروڑہا انسان اسی سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ پھر روحانی برکات کے علاوہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ۔ اس میں ہزاروں کھلی ہوئی حقانیت کی نشانیاں اب تک موجود ہیں جن سے اس کی قدامت اور حقانیت واضح ہوتی ہے۔

مثلاً مَقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ایک مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر بجنسہٖ موجود ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات بھی موجود ہیں۔ ہزاروں برس ہو گئے طوفان بھی آئے آندھیاں بھی چلیں، لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اس کو ہاتھ بھی لگائے۔ لیکن آج تک وہ نشانات بدستور قائم ہیں۔

دوسرے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی اس مکان کو پُر امن اور جائے پناہ کر دینا۔ چنانچہ آج تک کعبہ جائے امن

اور مقام پناہ ہے۔ جو شخص وہاں بصدقِ دل جاتا ہے دنیا و آخرت کی بلاؤں سے نجات پاتا ہے۔ نہ وہاں آدمیوں کو قتل کیا جاتا ہے، نہ جانوروں کی خون ریزی ہوتی ہے، نہ گھاس اور درخت کاٹے جاتے ہیں۔ کسی قاہر و جابر بادشاہ کی یہ مجال آج تک نہ ہوئی کہ وہ کعبہ پر چڑھ کر جاتا اور اس کو گرا دیتا۔ ابرہہ شاہ حبشہ گرانے کے لئے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر گیا تھا تو تباہ ہو گیا۔ تمام فوج ناگہانی عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ بہت سے لوگ چیچک میں مبتلا ہو کر فنا ہو گئے۔ خود بادشاہ بھی نہایت ذلت و تکلیف سے مر گیا۔ اس کے برعکس بیت المقدس چند بار مسمار کر دیا گیا۔ بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس کو ڈھا کر یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ شاہ کیرش والیٔ ایران نے تباہ کیا۔ حاصل یہ کہ بیت المقدس کو نہ کعبہ کی برابر روحانی برکتیں حاصل ہیں، نہ قدامت نہ رہنمائی کی مرکزیت، نہ اور کوئی ثبوت اس کے ابدی عبادت گاہ ہونے کا موجود ہے۔

مقصودِ بیان کعبہ کی عبادت گاہ ہونے کی قدامت کا اظہار، اس امر کی صراحت کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بموجب کعبہ امن گاہِ عالم ہے۔ کعبہ میں حقانیت کے زندہ ثبوت ہیں، انبیاء کے معجزات حق ہیں۔ کوئی مجرم خانہ کعبہ کے اندر نہیں پکڑا جا سکتا۔ وغیرہ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ

لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کعبہ کا حج کریں جن میں وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو اور جو (اس حکم کو) نہ مانے گا

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

تو اللہ سارے جہان سے بے پروا ہے

تفسیر سابق آیات میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ اور برکات و آیات کا مخزن ہے۔ روحانی انوار بھی اس میں موجود ہیں اور جسمانی برکات بھی اور یہ سب سے اول روئے زمین پر یہی عبادت گاہ قائم ہوئی اور یہیں سے ہدایت کے پیاسوں کو تسکین ایمانی حاصل ہوئی۔ لہٰذا اس آیت میں حکم دیا جاتا ہے کہ تمام لوگوں پر عمر میں ایک بار اس خانۂ مقدس کی زیارت فرض ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر شخص پر فرض ہے کہ محض رضا جوئی خالق اور برکاتِ روحانی اور انوارِ قدس حاصل کرنے کے لئے عمر بھر میں ایک مرتبہ ضرور اس سرچشمۂ ایمان سے فیضیاب ہو۔ مگر صرف کعبہ کے پتھروں کو جا کر دیکھنے سے حاصل نہیں بلکہ نورِ بصیرت اور چشمِ حقیقت سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اصل فرض مشاہدۂ جمالِ الٰہی ہے۔ جو شخص اس مقصد کے لئے کر جائے (خواہ اس کے ضمن میں دیگر تجارتی اور علمی اقتصادی فوائد بھی حاصل ہو جائیں) وہ ملتِ ابراہیمی پر ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یہ سابق جملہ کا تکملہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ظالم اور نا انصاف نہیں کہ ہر کس و ناکس کو مجبور کر کے کعبہ کی زیارت کا حکم دے بلکہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو۔ جسمانی تندرستی، اعضاء میں قوت، زادِ راہ کی فراہمی واپسی کی مالی قوت رکھتا ہو، راستہ پُرامن ہو، کوئی حج سے مانع بھی نہ ہو، سواری بھی مل سکتی ہو، عورت کا محرم بھی موجود ہو، بالغ بھی ہو، دیوانہ بھی نہ ہو، اپاہج اندھا اور مجبور بھی نہ ہو، گھر پر بھی واپسی تک کے مصارف موجود ہوں اور متعلقین کی طرف سے بھی اطمینان ہو کہ میری غیبت میں ان کی عزت و حرمت میں کوئی فرق نہ آئے گا اور مصارف کی طرف سے بھی یہ فارغ البال رہیں گے تو ایسی صورت میں کعبہ کریمہ کی زیارت فرض ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ابن کثیر نے بروایت عکرمہؓ بیان کیا ہے کہ جب آیت ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے ہم بھی تو مسلمان ہیں۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر بشرطِ استطاعت حج فرض کیا ہے۔ یہود بولے نہیں حج ہم پر کسی طرح فرض نہیں، ہم اس کو کسی طرح نہیں مان سکتے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو شخص فریضۂ حج کا انکار کرے، اس کی فرضیت کو تسلیم نہ کرے تو نہ کرے خدا تعالیٰ کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں، وہ جن و انس اور فرشتوں کی پرستش سے بے نیاز ہے۔ فریضۂ حج کے انکار اور عدمِ تسلیم سے اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی جو شخص انوار و جمال کا مشاہدہ نہ کرنا چاہے تو اس سے خدا کا کیا نقصان ہو سکتا ہے اسی کو بدبخت کا نقصان ہے۔

مقصود بیان ہر بشر پر باستطاعت ایک بار حج فرض ہے۔ فریضۂ الٰہی کی ادائیگی گو رسمی طور پر فرض ہے مگر مقصود اصلی قربِ الٰہی کا حصول ہے خدا تعالیٰ نا انصاف نہیں۔ استطاعت نہ ہو تو حج فرض نہیں۔ تمام احکام الٰہی اور عبادت بندگان کا فائدہ مخلوق ہی کی طرف راجع ہے۔ خدا کی اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں وہ تمام عالم سے بے نیاز ہے۔ فرائض الٰہی کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کفر پھیلنے سے خدا کا ذاتی نقصان نہیں وغیرہ۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ○

کہہ دو اے　اہلِ کتاب　تم اللہ　کے احکام　کیوں نہیں مانتے　اور اللہ تمہارے اعمال　دیکھ رہا　ہے

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا

کہہ دو اے　اہلِ کتاب　تم کیوں دیدہ دانستہ مومنوں کو　اللہ کے راستہ سے　روکتے ہو　اور　راہِ حق میں

عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○

کجی نکالنے کے　خواستگار ہو　اور اللہ　تمہارے اعمال　سے بے خبر　نہیں　ہے

تفسیر قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ الخ اس آیت کا مضمون سابق آیات کا نتیجہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اہلِ کتاب تم کیوں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کا انکار کرتے ہو۔ کیوں آیات الٰہیہ کو نہیں مانتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو خوب جانتا ہے اور ضرور تمہاری بدکاریوں کی سزا دے گا۔ پھر تعجب ہے کہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونے کے اسباب فراہم کرتے ہو۔ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ پہلی آیت میں اہلِ کتاب کی گمراہی پر تعجب تھا اس آیت میں اُن کے اغوا اور ضلالت انگیزی پر تعجب کیا گیا ہے۔ یعنی اے اہلِ کتاب تم خود تو گمراہ ہو مگر اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ تم کیوں دینِ الٰہی سے لوگوں کو روکتے ہو۔ کیوں مسلمانوں کو بہکاتے ہو اور کیوں اسلام کا ارادہ رکھنے والوں کو ورغلاتے ہو، کیوں رسول اللہ کے وہ اوصاف جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں چھپاتے ہو اور رسولِ برحق کی تکذیب کرتے ہو اور مسلمان ہونے والوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالتے ہو (یعنی کیا تم کو عذابِ الٰہی کا خوف نہیں) تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ تم خود ٹیڑھے راستہ پر چلنا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم خوب واقف ہو کہ سیدھا راستہ اسلام ہے۔ پھر اس کو دانستہ چھوڑ کر گمراہ بنتے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہو۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ دینِ اسلام ہی حق ہے اور اس کے خلاف تمام راستے غلط ہیں۔ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ یعنی خدا تمہارے اعمال سے بے علم نہیں ہے۔ اس کو تمہارے ہر عمل کی خبر ہے۔ وہ خوب واقف ہے کہ تم خود بھی کفر میں مبتلا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو۔ گزشتہ بشارات کو چھپاتے ہو۔ رسول اللہ کے معجزات کا انکار کرتے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی گمراہ کرتے ہو۔ اُن کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک شبہ ڈالتے ہو اور ایمانداروں میں فتنہ و فساد ڈلوانا چاہتے ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری بداعمالیوں کی جزا دے گا۔ صرف اُس نے اپنے حلم کی وجہ سے ایک وقتِ مقررہ تک ڈھیل چھوڑ رکھی ہے۔

مقصود بیان اہلِ کتاب کافر ہیں، مفسد ہیں فتنہ انگیز ہیں، اہلِ اسلام کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق پیدا کرانا چاہتے ہیں۔ علمائے اہلِ کتاب حقانیتِ اسلام اور صداقتِ قرآنی سے واقف تھے اور واقف ہیں۔ آیت میں تبلیغ کا ایک نہایت لطافت انگیز پہلو اختیار کیا گیا۔ مشفقانہ خطاب بھی ہے اور تہدید آمیز عتاب بھی ہے۔ وعدہ خاطر گفتگو بھی ہے اور وعید آخریں زجر بھی ہے۔ آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ مذہب اسلام ہی خدا رسی کا ایک سیدھا راستہ ہے اور باقی تمام کج و پگڈنڈیاں ہیں جو منزلِ مقصود تک ہرگز نہیں پہنچا سکتیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

مسلمانو اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہنا مانو گے تو مومن ہونے کے بعد تم کو یہ پھیر

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ

کر کافر بنا دیں گے اور تمہارے لئے کافر ہونا کس طرح زیبا ہے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کا

رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

رسول تم میں موجود ہے اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہا اسی کو سیدھے راستہ کی ہدایت کی گئی

ع ۱

تفسیر سابق آیات میں اہل کتاب کو نصیحت وہدایت کی گئی تھی اور ضمنی حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنی ان فتنہ پردازیوں اور ضلالت انگیزیوں کو چھوڑ دو مسلمانوں کو گمراہ نہ کرو۔ اب روئے سخن مسلمانوں کی طرف کیا جاتا ہے اور ان کو اہل کتاب کی پچھے دار تقریروں کے جال میں نہ پھنسنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ شیخ سیوطی، علامہ بغوی اور ابن کثیر نے بروایت محمد بن اسحاق بن یسار بیان کیا ہے کہ یہ آیت صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تک قبائل اوس وخزرج کے متعلق نازل ہوئی۔ اوس وخزرج دو خاندان مدینہ کے قدیمی باشندے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں ان میں زبردست عداوت تھی بہت مرتبہ باہم خونریزیاں ہو چکی تھیں۔ خصوصاً جنگِ بعاث تو بڑا خونریز معرکہ ہوا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد یہ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے۔ نہ کینہ باقی رہا تھا نہ دشمنی۔ ایک روز یہ سب لوگ نہایت اتفاق واتحاد کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ادھر سے ایک یہودی عالم شاس بن قیس اپنے ہمراہ ایک اور جوان یہودی عالم کو لئے ہوئے گزرا اور مسلمانوں کے اتفاق کا یہ مظاہرہ دیکھ کر جل گیا۔ کچھ دیر سوچ کر اپنے ہمراہی یہودی کو ان کے پاس بھیجا اور یہ نصیحت کردی کہ تم وہاں جاکر بیٹھو اور ان مسلمانوں کو گزشتہ لڑائیاں یاد دلاؤ اور ان معرکوں میں جو طرفین نے رجز کے اشعار پڑھے تھے وہ بھی گا کر سناؤ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دلوں کی مردہ عداوت زندہ ہو جائے گی اور چونکہ سیدھے سادے لوگ ہیں اس لئے فوراً جوش میں آکر باہم دست بگریباں ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ شدتِ غضب میں کشت وخون تک نوبت پہنچ جائے۔ یہ تلمیذ شیطان فوراً چلا گیا اور اپنے پیرِ مغاں کی ہدایت کے بموجب جاکر واقعاتِ گزشتہ کا تذکرہ کرتا رہا اور جوش انگیز اشعار بھی سنائے۔ چونکہ یہ سب لوگ نومسلم تھے۔ اگرچہ پختہ مومن تھے مگر حمیتِ جاہلیت ان میں اس وقت تک موجود تھی۔ فوراً سب جوش میں آگئے۔ آتشِ غضب کو اشتعال ہوا۔ ہر فریق نے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیں، اپنے ہتھیار طلب کئے اور اعلان کردیا کہ میدانِ حرہ میں کشت وخون ہوگا۔ حضور اقدس کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو حضور فوراً اصحاب کو ہمراہ لئے جا پہنچے، سب کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا۔ خبردار! تم یہ جاہلیت کی پکار کیسے پکار رہے ہو۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ خدا تعالیٰ نے تم کو شرفِ اسلام عطا کیا۔ امورِ جاہلیت کو دفع کیا اور تم میں باہم میل جول محبت پیدا کی۔ پھر یہ کیسا جاہلانہ فعل ہے۔ حضور والا کی یہ تقریر سن کر سب کے سب سخت نادم ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ ہم سے یہ کیا حرکت ہوئی۔ فوراً ہتھیار پھینک دیئے۔ ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور رونے لگے اور سر جھکائے ہوئے حضور کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے اس یہودی فرقہ کا کہنا مانو گے تو یہ ایسی تدبیریں اور ضلالت انگیزیاں کرے گا کہ تم دوبارہ کافر بن جاؤ گے۔ لہٰذا تم کو ان کی بات نہ ماننی چاہیئے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تعجب ہے کہ تم یہ کفر وجہالت کی حرکت کس طرح اختیار کرنے کو تیار ہوتے ہو اور کیونکر آپس کی خونریزی اور تباہی پر آمادہ ہو جاتے ہو وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ حالانکہ قرآن کی آیات کی تم پر تلاوت کی جاتی ہے یعنی چشمۂ ہدایت تمہارے سامنے موجود ہے جس سے تم دم بدم سیراب ہوتے رہتے ہو۔ پھر تم کیسے تلاوت والے ہو کہ غور نہیں کرتے وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ یعنی رسول اللہ کا وجودِ پاک تمہارے لئے عین رحمت ہے پھر کونسی صورت گمراہی کی پیدا ہو سکتی ہے۔ حاصل یہ کہ مشاہدۂ جمال اور حق الیقین کے حصول کے سب ذرائع موجود ہیں۔ رسول اللہ

بھی ہادی موجود ہیں۔ جن کے وجود سراپا جود سے انوارِ قدس کی پرتو افگنی کو تم خود دیکھ رہے ہو اور قرآن بھی جو کہ سرچشمۂ ایمان و آفتابِ ہدایت ہے تمہارے سامنے موجود ہے۔ پھر اس ناطق ہدایت کے باوجود کافرانہ حرکت کرنی کہاں کی عقلمندی ہے۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ جو شخص پختہ ایمان اور صفائی قلب سے رحمتِ الٰہی کا دامن ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے وہ سیدھے راستہ پر لگ جاتا ہے۔ پھر اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تم پر بھی لازم ہے کہ ہدایتِ الٰہی کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ کسی کی اگر مگر میں نہ آؤ۔ کسی کی رخنہ اندازیوں سے متاثر نہ ہو اس طرح سیدھے راستہ پر چلے جاؤ گے۔

مقصودِ بیان

آیت میں اتحاد و اتفاق، میل محبت اور اخوت کی تعلیم دی گئی ہے۔ نفاق اور تفرقہ کی ممانعت کی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی آپس کی خونریزی اور فتنہ و فساد کافرانہ حرکت ہے۔ گویا مسلمان کو سخت ترین ہدایت کی گئی ہے کہ جب تک باہم میل محبت، برادری اور اتفاق قائم نہ رکھو گے، جب تک ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ضرر کو اپنا نقصان نہ سمجھے گا اس وقت تک مسلمانی کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ ضمنی طور پر اس بات کی بھی تلقین کی گئی ہے کہ کافروں سے اس قدر خلط کرنا سخت مضر ہے۔ ان کو رازدار بنانے سے پرہیز کیا جائے خصوصًا یہودی بدترین دشمنِ اسلام ہیں۔ آیات میں مذکورۂ ذیل امور کی طرف لطیف اشارات بھی ہیں۔ قرآن پاک کی تدبر آمیز تلاوت کرنے سے دل میں ایسی صفائی اور ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے کہ شیطانی وسواس خود دور ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح رسولِ پاک کی صحبت میں رہنے اور سرورِ انور کا کلامِ اقدس سننے سے بھی مومنوں کے دلوں میں ایسی تاثیر اور ایسا نور پیدا ہوتا ہے کہ پھر دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اس کو دور نہیں کرسکتی۔ رحمتِ الٰہی کے دامن کو پکڑ لینا اور احکامِ اسلام کی پابندی کرنا ہی عین ہدایت ہے۔ اس کے بعد کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی۔ انسان خودبخود واصل بحق اور مقربِ بارگاہِ الٰہی ہوجاتا ہے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور اسلام کے سوا اور کسی حالت پر نہ مرنا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

اور سب مل کر خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے کہ جب تم

كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي

ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اسی نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی جس کی وجہ سے تم بفضلِ خدا بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

گڑھے کے کنارے پر تھے تو اسی نے تم کو اس سے بچا لیا اللہ تمہارے فائدہ کے لئے اسی طرح اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر قائم رہو

تفسیر

سابق آیات میں باہم کینہ و بغض نہ رکھنے کی ہدایت تھی اور ضمنی طور پر باہمی اتفاق و اتحاد کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ یہاں صاف طور پر میل محبت اخوت و موالات کی تاکید کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ مسلمانو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے یعنی اس کی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو، شکر کرو کفرانِ نعمت نہ کرو۔ اس کو ہر وقت یاد کرو، کسی وقت فراموش نہ کرو۔ اس کی راہ میں جہاد کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ عمل و

انصاف پر قائم رہو۔ یہاں تک کہ اپنے ماں باپ اولاد اور خود اپنی ذات کے لئے بھی نا انصافی نہ کرو۔ عہد الٰہی پر نہایت مضبوطی کے ساتھ جمے رہو۔ شریعت کے قوانین حلت و حرمت کے پابند رہو۔ تقدیر الٰہی پر رضامند رہو، حقِ عبودیت ادا کرو اور حقِ ربوبیت پہچانو۔ یہاں تک کہ خداوند ذوالجلال کے مشاہدۂ انوار میں تمام خلق سے دلچسپی اور وابستگی کو ترک کردو اور اپنی ذات کو ذات الٰہی میں اور اپنی صفات کو صفاتِ الٰہی میں فنا کردو (یہ آیت منسوخ نہیں ہے)۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اور ایسے اسباب مہیا کرو کہ مرنے کے وقت توحید واسلام پر قائم رہو۔ زبان اور عمل کو لغزش نہ ہو۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا اور رحمت و نصرت الٰہی کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ سب مل کر پکڑے رہو۔ باہمی اتفاق و اتحاد رکھو۔ مگر اس اجتماعی طاقت اور تعداد کی کثرت پر نازاں نہ ہو بلکہ رحمت و نصرت کے خدا ہی سے امیدوار رہو۔ اور سب مل کر اسلام پر قائم رہو۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا اور آپس میں تفرقہ و نفاق نہ کرو۔ جب مسلمان ہونے کے بعد ایک مرکز پر جمع ہوگئے ہو تو اب متفرق نہ ہو۔ بس ملت اور محبت سے رہو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ اور خداتعالیٰ کی اس نعمتِ کبریٰ کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ ہر شخص دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور حقوق انسانی غصب کئے جارہے تھے۔ بندوں کی باہم حق تلفیاں ہو رہی تھیں تو خدا نے برتر نے تمہارے دلوں میں باہم ایک دوسرے کی الفت پیدا کی اور سب مسلمان ہو کر خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔ ہر شخص دوسرے کا مددگار ہوگیا۔ عداوت و بغض کی بجائے محبت اور نفاق و شقاق کی بجائے اتحاد و اتفاق پیدا ہوگیا اور یہ سب کچھ خدا کی رحمت سے ہوا۔ ورنہ تمہارا خدا پر کوئی حق نہ تھا۔ نہ تمہارے اعمال اس قابل تھے کہ خداتعالیٰ اپنی عنایت سے تم کو اس حد تک سرفراز فرماتا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم لوگ ہلاکت کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ کفر و عناد اور شرک و خونریزی و برادر کشی کی وجہ سے دوزخ کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ قریب تھا کہ آگ کے غار میں گر جاؤ۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا خداتعالیٰ نے تم کو دوزخ سے بچا لیا۔ اسلام و ایمان سے سرفراز کیا۔ عداوت کی بجائے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کی جنگ و جدال اور قتل و خونریزی کی بجائے ایک کو دوسرے کا بہی خواہ، ہمدرد اور مددگار بنا دیا۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ یعنی جس طرح خداتعالیٰ نے تم پر مذکورہ بالا احسانات کئے اسی طرح خداوند تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور کھول کر ظاہر کرتا ہے۔ اب نصیحت قبول کرنا نہ کرنا تمہارا فعل ہے۔

مقصود بیان

اتفاق و اتحاد خداتعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے اور نفاق و شقاق لعنت ہے۔

آیت میں مواخاۃ مسلمین کی تعلیم اور الفت و اتحاد کی تلقین کی گئی ہے۔ اجتماع و اتحاد کے باوجود کثرتِ تعداد اور فراہمی اسباب پر اعتماد نہ کرنے بلکہ خداتعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ ہر مسلمان پر ایسے اسباب کی فراہمی لازم ہے جن کی وجہ سے بظاہر اسلام و توحید پر مرنے کے وقت استقامت ہو۔ یعنی اوامر و نواہی پر کاربند رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حسب استطاعت اور بقدر امکان ہر شخص کو احکام شرع کی تعمیل کرنی لازم ہے وغیرہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دیتی رہے اور برے کاموں سے

الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ

روکتی رہے اور یہی لوگ مرادوں کو پہنچنے والے ہیں اور تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو کھلی کھلی نشانیاں آچکنے کے بعد بھی

بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ

پھوٹ میں پڑ گئے اور باہم اختلاف کرنے لگے کیونکہ انہی لوگوں کے واسطے عذاب عظیم مخصوص ہے اس دن کو یاد کرو جب کہ کچھ چہرے روشن ہونگے

وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا

اور کچھ چہرے سیاہ　تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا کہ) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے　اب اپنے

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ

اس کفر کی سزا میں　عذاب چکھو　اور جن لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے　وہ اللہ کی رحمت　میں

اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہوں گے　جس میں　وہ ہمیشہ　رہیں گے

تفسیر وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یہ گزشتہ آیت کا تکملہ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم میں ایک گروہ مخصوص طور پر ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہو، قرآن و حدیث کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا ہو اور بدکاری سے روکتا ہو۔ یہ مبلغین داعیانِ اسلام اور واعظانِ توحید کا گروہ ہی یقیناً آخرت میں کامیاب ہونے والا ہے۔ اس آیت کے مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ ان میں ایک گروہ ایسا رہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اسی کا نام فرض کفایہ ہے کہ اتنے آدمی اس حکم شرعی کو جس سے بقدر حاجت کام چل رہا ہو انجام دیں۔ تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کو شریعت کا پورا حکم معلوم ہو اور قرائن سے ظنِ غالب رکھتا ہو کہ نصیحت کرنے میں بجائے کوئی قوی ضرر نہ پہنچے گا تو امر واجبہ کی امر و نہی مستحب ہے اور عام اُمت پر لازم ہے کہ ایک جماعت ایسی تیار کریں جن کو مسائل شرعیہ کا پورا علم ہو اور امر و نواہی کی قدرت حاصل ہو۔ اگر کسی بستی میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ ہوگا تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے۔

الحمد للہ کہ علماء و طلباء کی جماعت سے یہ فرض ہمیشہ ادا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ادا ہو رہا ہے اور یہ گروہ تمام مسلمانوں کو اس فرض سے سبکدوش بنا رہا ہے۔ نیز مشائخ حق کا گروہ بھی بدرجۂ اتم انجام دیتا رہا اور اب بھی انجام دے رہا ہے۔ مگر بدعت پرست ذریات شیاطین پیرے کام سے خارج ہیں۔ ان سے بجائے فائدہ کے اسلام کو ضرر پہنچ رہا ہے۔ انہوں نے ہی اسلام کی روح مسلمانوں کے دلوں سے نکال لی اور صرف بوسیدہ مٹی کر کے چھوڑ دیا۔ خدا اس بدعتی گروہ سے مسلمانوں کو نجات عطا فرمائے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔ اور اُن یہود و نصاریٰ کی طرح نہ بن جاؤ کہ جب ان کے پاس آیاتِ جلیّہ اور احکامِ الٰہی پہنچے اور حلت و حرمت واضح ہو گئی تو کچھ زمانہ کے بعد ان میں پھوٹ پڑ گئی اور مذہبی جھگڑے کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اَلَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا سے بدعتی مراد ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے دین میں جدت طرازی اور دماغ تراشی سے کام لیا اور اپنے دماغی اختراعیات کو احکام اسلام قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے بن گئے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور سوائے ایک فرقہ کے سب جہنم میں جائیں گے اور وہ ناجی فرقہ جماعت مسلمین کا ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، احمد وغیرہ) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ وہ ناجی فرقہ کون ہے؟ فرمایا جو اس راہ پر ہو گا جس پر میں اور میرے صحابہ آج ہیں۔ بہر صورت آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شرک سے پرہیز کر کے سنت نبوی اور طریقۂ صحابہ پر چلتے ہیں اور جماعتِ مسلمین میں تفرقہ نہیں کرتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے جماعت کو بالشت بھر چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ (ابوداؤد)

وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۔ یعنی قیامت کے دن بعض لوگوں کے چہرے نورِ الٰہی اور روشنی اعمال سے روشن ہوں گے اور بعض لوگ خدا کے عذاب اور اپنی بداعمالیوں سے روسیاہ ہوں گے۔

آیت میں بقول ابن جریر وابن کثیر قیامت کا دن ہی مراد ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر امت کے گناہگار اور اہل بدعت فرقہ پر خداوند تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا اور قیامت کے دن عذاب الٰہی اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ روسیاہ ہوں گے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ یہ گزشتہ آیت کے آخری فقرہ کی تفصیل ہے۔ یعنی جن کافروں کے قیامت کے دن منہ سیاہ ہوں گے۔ بداعمالیوں کی سیاہی اُن کے چہروں پر ہوگی اور ایمان کی روشنی سے وہ محروم ہوں گے وہ تو دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تم خدا تعالیٰ سے روز الست میں اقرار کر چکے تھے اور ایمان لے آئے تھے خدا کی وحدانیت کا اقرار کر لیا تھا۔ تعجب ہے کہ تم پھر دنیا میں جا کر کافر ہو گئے اور میثاقِ ازلی کی پرواہ نہ کی۔ یا یہ مطلب کہ جو نورِ بصیرت خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا تھا اس کو چھوڑ کر تم کیوں کفر میں پڑ گئے۔ اب تمہاری یہ سزا ہے کہ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ کہ اپنے کفر کے عوض عذاب برداشت کرو اور اپنے اعمال کا نتیجۂ بد اٹھاؤ۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ باقی وہ ایماندار بندے جن کے چہرے منوّر ہوں گے اور ان کی نیک اعمالیوں کا نور ان کے چہروں پر جگمگاتا ہوگا اور رحمتِ الٰہی کی روشنی سے اُن کے منہ چاند کی طرح ہوں گے فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تو وہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ اپنے کرم و رحمت سے ان کو جنت عطا کرے گا۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ یہ مومن جنت میں ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے نکالا جائے گا اور رحمتِ الٰہی اُن سے کبھی منقطع نہ ہوگی۔

مقصودِ بیان

مسلمانوں میں تبلیغِ اسلام کرنے والوں کا ایک فرقہ ہونا لازم ہے۔ مبلغین کے فرقہ کو احکامِ اسلام کی تبلیغ بغیر کسی خوف و خطر اور بغیر طمع و لالچ کے کرنا چاہیئے۔ مبلغین کو تبلیغ کے لئے ہر قسم کی جائز آزادی دینی حکومتِ اسلامیہ پر فرض ہے۔ مسلمانوں کو عموماً باہمی تفرقہ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خصوصاً مذہبی جھگڑے اور نفاق انگیزیاں تو غرضِ اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔ تفرقہ سے برکت اور اجتماعی قوت زائل ہو جاتی ہے جس قوم میں تفرقہ اور نفاق ہوتا ہے اُس پر خدا تعالیٰ کا عذاب ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی وہ ذلیل و خوار اور محکوم غلام و مفلس ہوتی ہے اور آخرت میں بھی عذابِ الیم میں مبتلا ہوگی۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ عذاب اور دوزخ صرف انسان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ خدا خود کسی کو دوزخ میں بھیجنا نہیں چاہتا مگر سیاہ کاریاں دوزخ میں داخل ہونے کے اسباب ہیں۔ جنت میں داخلہ خدا کی رحمت پر موقوف ہے۔ خدا پر لازم نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہر مومن صالح کو جنت عطا کر دے۔ کیونکہ ایمان و صلاحِ اعمال تو اس کی دی ہوئی نعمتوں کے شکریہ کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔ پھر خواہ مخواہ خدا پر کسی کا کس طرح لازمی حق ہو سکتا ہے۔ وغیرہ۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ وَلِلّٰهِ

یہ اللہ کی آیات ہیں جن کو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو سناتے ہیں اور اللہ دنیا کے لوگوں کی حق تلفی کرنی نہیں چاہتا اور جو

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞

کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے

تفسیر

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ مذکورہ بالا آیات یعنی کافروں کی ذلت و رسوائی اور عذاب میں گرفتاری اور مومنین کی عزت و حرمت اور ثواب سے سرفرازی یہ خدا کے بیان کردہ واقعات ہیں۔ وحی سے ثابت ہیں ضرور ہو کر رہیں گے وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ بغیر جرم کے عذاب دے یا کم قصور پر زیادہ سزا دے اس سے صدورِ ظلم محال ہے۔ اگرچہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمان و زمین کی کل مخلوق کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ سب اُسی کی ملک ہے۔ اسی کی طرف محتاج ہے۔ ہر شے کی پیدائش اور بقائے حیات کا سببِ اول وہی ایک ذات ہے اور وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ آخرت میں بھی سب کا رجوع اُسی کی طرف ہوگا۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب کا سلسلہ اسی کی ذات پر ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی اس سے سرتابی نہیں سکتا۔

نہ اُس کے حکم کو رَد کر سکتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتا۔

مقصودِ بیان قولِ الٰہی میں دروغ محال ہے۔ خدا تعالیٰ سے ظلم کا صدور نا ممکن ہے۔ خدا کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تمام عالم کی ابتدا بھی خدا تعالیٰ ہی سے ہے اور اس سلسلہ کا اختتام بھی اُسی کی ذات پر ہے۔ وغیرہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

جو اُمتیں لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو

وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَ

اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو اُن کے لئے بہتر تھا مگر اُن میں کچھ ہی مومن ہیں اور

أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ

اکثر نافرمان ہیں سوائے خفیف ایذا اور کچھ وہ تمہارا نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور

ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَ

پھر اُن کو مدد بھی نہ ملے گی یہ جہاں بھی پائے جائیں ذلّت ان پر مسلّط کر دی گئی ہاں خدا کے عہد اور

حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ

لوگوں کے عہد میں (آجائیں تو خیر) اور یہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے اور ان کے لئے محتاجی لازم کر دی گئی اس کی وجہ

بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا

یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اور انبیاء کا ناحق خون بہاتے رہے یہ صرف اس لئے کہ

عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

انھوں نے نافرمانیاں کیں اور حدِ مقررہ سے بڑھ گئے

تفسیر كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اس آیت میں اُمّتِ اسلامیہ کا اشرف الامم ہونا ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ عام مسلمانوں کو خصوصًا اہلِ کتب کو اسلام کی طرف میلانِ خاطر ہو۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے اُمّتِ محمدیہ تم اُن تمام اُمّتوں سے افضل و اشرف ہو جو دنیا میں پیدا ہوئی ہیں۔ ہمیشہ سے تم کو تمام اقوام پر برتری و بہتری عطا کی گئی ہے۔ کیونکہ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ تم توحید کے علمبردار ہو۔ خدا کی وحدانیت، رسول اللہ کی رسالت، قرآن کی صداقت اور خدا کے تمام احکام کی حقانیت پر تمہارا ایمان ہے جس سے تمہاری قوتِ نظر یہ صاف ستھری اور روشن ہو جاتی ہے اور فقط ایمان ہی نہیں بلکہ اس کے مطابق عمل بھی ہے۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اُمورِ خیر کے اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہو اور بُری باتوں سے بچنے کی نصیحت کرتے ہو اور یہ اوصاف دیگر اہلِ کتب میں نہیں ہیں۔

کس سے تم کو اس پر فضیلت و شرف حاصل ہے۔ یعنی شرافت و بزرگی کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ جس کے عقائد و اعمال درست ہوں گے جس کی قوت نظریہ و عملیہ کامل ہوگی جو انسانیت کاملہ کے درجہ پر فائز ہوگا وہی افضل و اشرف اور برگزیدہ ہوگا اور چونکہ امت اسلامیہ توحید کی علمبردار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شیفتہ ہے۔ جہاں معصیت کو ہاتھ سے روکنے کی قوت ہوتی ہے وہاں ہاتھ سے روکتی ہے اور جہاں اس کی قدرت نہیں وہاں زبان سے ہی ہدایت کرتی ہے ورنہ قلب سے ہی اس سے نفرت کرتی ہے۔ لہٰذا یہی اشرف الامم، خیر الاقوام اور اقوام میں سب سے زیادہ افضل ہے۔

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ اور اگر اہل کتاب بھی توحید الٰہی پر تمہاری طرح خالص ایمان لے آتے اور خدا کو واحد و رسول کو برحق جانتے تو ان کے لئے بھی بہتر ہوتا۔ مگر یہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ان میں سے صرف بعض اشخاص مومن ہیں مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور اکثر کافر ہیں دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى یعنی خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب میں سے یہودی بہت سرکش اور اسلام کے دشمن ہیں مگر تم کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ہاں زبان سے تم پر طعن و تشنیع کریں گے۔ تمہاری بدگوئیاں کریں گے، دھمکیاں دیں گے۔ مگر اس سے سوائے معمولی اذیت اور رنج کے اور تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ اور اگر لڑنے کے لئے تمہارے مقابلہ پر آئیں گے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے۔ ان کو تاب مقاومت نہ ہوگی۔ یہ مومنوں کی فتح اور یہود کی شکست و مغلوبیت کا دائمی وعدہ ہے ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ پھر ان کو کبھی نصرت و فتح نہیں مل سکتی۔ بلکہ تم کو ہمیشہ ان پر غلبہ اور فتح حاصل رہے گی۔ یہ آیت معجزۂ نبوت ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں نے ایسا ہی پایا۔ اس کے بعد یہودیوں کا کبھی کوئی جھنڈا آج تک بلند نہ ہوا۔ نہ کبھی ان کو غلبہ حاصل ہوا۔ ہمیشہ مسلمانوں کے سامنے مغلوب اور ذلیل رہے اور مسلمان ان پر غالب رہے اور رہیں گے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا ان پر ذلت کی مہر کر دی گئی ہے۔ یہ جہاں کہیں ہوں گے ان پر ذلت کی مار رہے گی۔ کبھی ان کو حکومت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ہاں اگر یہ پناہ الٰہی میں آجائیں اور مسلمان ان کو اپنی پناہ میں لے کر ذمی ہونے کا پروانہ لکھ دیں یا اور لوگ ان کو پناہ دے دیں اور یہ جزیہ ادا کر دیں تو ان کو پناہ مل سکتی ہے اور غلامی کی حکومت بغیر کسی استقلال اور خود مختاری کے نصیب ہو سکتی ہے وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں۔ جو کام کرتے ہیں خدا کی ناراضگی کا کرتے ہیں وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ہمیشہ کے لئے ان پر محتاجی اور دوسروں کی دست نگری کی مہر کر دی گئی ہے۔ ہمیشہ یہ مغلوب و محروم رہیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر یہ ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ انہی کے اعمال کا خمیازہ اور سزا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اس ذلت و غلامی کا سبب یہ ہے کہ ہمیشہ یہ آیات الٰہی کا انکار کرتے رہے ہیں مختلف انبیاء نے معجزات دکھا کر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر انھوں نے دیدہ و دانستہ انکار کیا وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ فقط انکار و کفر ہی نہیں بلکہ ان کی گمراہی اس حد تک پہنچ گئی کہ قصداً اور ناحق جانتے ہوئے انبیاء کو قتل کرتے رہے۔ بہت سے انبیاء کو مختلف زمانوں میں انھوں نے قتل کر دیا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کی سرتابی، نافرمانی اور ظلم و زیادتی کی وجہ سے ان پر ذلت، غلامی، محکومیت، محتاجی اور مغلوبیت کی ہمیشہ کے لئے مہر کر دی۔ اب ان کو کبھی عزت و حکومت حاصل نہیں ہو سکتی۔

مقصود بیان

شرافت و فضیلت کسی کی نسلی میراث نہیں بلکہ جس کے عقائد و اعمال اچھے ہوں گے وہی اشرف و افضل ہے۔ امت اسلامیہ تمام اقوام سے اپنے عقائد و اعمال کی وجہ سے افضل ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کے بعد دوسروں کو بھی ہدایت کرنے کی کوشش کرے۔ اجماع امت قطعی حجت ہے۔ جیسا اسلام کا کبھی گمراہی پر اجتماع نہیں ہو سکتا۔ آیت میں مومنوں کی فتح اور یہودیوں کی شکست کا دائمی اور حتمی وعدہ کیا گیا ہے۔ اس امر کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ نافرمانی اور سرکشی سے ذلت اور غلامی نصیب ہوتی ہے۔ ایک لطیف اشارہ کہ مسلمانوں کو احکام الٰہی کا پابند رہنا چاہئے ہمیشہ دشمنوں پر غالب اور دنیا میں باعزت رہیں گے ورنہ ذلیل و خوار ہو جائیں گے وغیرہ۔

لَيْسُوْا سَوَآءً	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ	يَّتْلُوْنَ	اٰيٰتِ اللّٰهِ	اٰنَآءَ الَّيْلِ	وَهُمْ
مگر یہ سب برابر نہیں ہیں	اہل کتاب میں سے	ایک فرقہ راہ راست پر بھی ہے	پڑھتے ہیں	آیات الٰہی	رات کے اوقات میں	اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

پڑھتا ہے — اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے — نیک کاموں کا حکم دیتا ہے — اور بری باتوں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا

سے روکتا ہے — اور اچھی باتوں کی طرف دوڑ پڑتا ہے — یہی لوگ نیکوں میں سے ہیں — اور وہ کسی قسم کی

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝

نیکی کریں — اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی — اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے

تفسیر لَيْسُوْا سَوَآءً ۔ محمد بن اسحٰق اور عوفی وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعیہ، اسد بن عبید اور اسید بن عبید مذہب یہودیت کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے علاوہ چالیس نجرانی عیسائی اور بیاسی حبشی اور چار رومی بھی مسلمان ہو گئے تو یہودیوں نے طعن شروع کئے کہ ان لوگوں نے نہایت برا کیا اپنے باپ دادوں کا مذہب چھوڑ دیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں اہل اسلام کی مدح اور کفار کی مذمت کی گئی ہے اور بتلا دیا گیا ہے کہ اسلام بہرحال پسندیدہ ہے۔ خواہ کسی کا ہو مسلمان حبشی ہو یا رومی یا نجرانی یا مدنی بہرحال بہتر ہے اور کفر بہر صورت قابل مذمت ہے خواہ باپ دادا کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اور ان کی اولاد نے ان کی دیکھا دیکھی اور ان کی تقلید میں ہی کیوں نہ اختیار کیا ہو۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا اہل کتاب اور باقی دیگر اہل کتاب برابر نہیں ہو سکتے دونوں میں بڑا فرق ہے اہل کتاب میں سے بعض لوگ مومن ہیں اور بعض کافر و مجرم ہیں مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ اہل کتاب میں سے بعض لوگ تو حق پر ثابت و قائم ہیں۔ توریت و انجیل پر ان کا عمل تھا اور پھر مسلمان ہو کر قرآن پر عمل کرنے لگے۔ تمام احکام اسلام کے پابند ہو گئے خصوصاً يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ عشاء اور تہجد وغیرہ کی نمازوں میں رات کو نہایت عاجزی کے ساتھ آیات قرآنی کو پڑھتے ہیں۔ شب بیداری کرتے اور کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یقین رکھتے ہیں کہ خدا واحد ہے اور روز قیامت ضرور ہوگا۔ بعث جسمانی اور عذاب ثواب حساب کتاب بھی ضرور ہوگا۔ دونوں جملوں کی غرض یہ ہے کہ قوت عملیہ اور علمیہ دونوں ان کی درست ہیں۔ نہ عقائد میں غلطی ہے نہ اعمال میں خرابی وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور لوگوں کو نیکی اختیار کرنے کی ہدایت اور بدی سے پرہیز کرنے کی نصیحت کرتے ہیں وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ اور فقط یہی نہیں کہ دوسروں کو نیکی اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہوں اور خود نہ کرتے ہوں یا دوسروں کو برائی اور گناہ سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوں اور خود اس پر عمل نہ کرتے ہوں بلکہ ہر نیکی اور کار خیر کی خود بھی بدل و جان بغیر سستی و کاہلی کے کوشش کرتے ہیں۔ ہادی بھی ہیں اور مہتدی بھی، ناصح بھی اور عامل بھی وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ بس یہی لوگ خدا کے نیک بندوں میں شامل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ جو نیکی یہ کریں گے ضائع نہ جائے گی نہ اس کے ثواب سے یہ محروم نہ رہیں گے۔ بلکہ ہر نیک عمل کی جزا ضرور ملے گی وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ مگر ایمان و تقویٰ شرط ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ کون شخص ایمان و تقویٰ کے ساتھ نیک عمل کرتا ہے۔ ہر نیک عمل کا مدار اور ہر خیر کا سنگ بنیاد ایمان ہے۔ مومن کی ہر نیکی مقبول ہے اور کافر کی کوئی نیکی اور خیر خیرات مقبول نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ ضرور مومن شب بیدار جزا و سزا کا یقین رکھنے والے اور ہر نیک کام میں کوشش کرنے والے ہیں یہ لوگ خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت میں کوئی حیلہ حجت نہیں کرتے۔ دنیا کے فانی تعلقات اور زرق برق پر اپنے دل کو مائل نہیں کرتے اور بعض لوگ کافر منکر جھگڑالو بدکار اور بداعمال ہیں۔ یہ دونوں فرقے برابر نہیں ہیں پہلا فرقہ تو کسی ملک کا باشندہ اور کسی طرح کا نسب رکھنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھنے والا ہو بہرحال نیک ہے۔ نیکوں میں اس کا شمار ہے۔ اور دوسرا فرقہ گو کیسا ہی شریف النسب با وجاہت اور معزز و مکرم ہو مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہے پہلے فرقے کے ہر نیک عمل کی نیک جزا ملے گی اور دوسرے فرقے کے تمام اعمال اور عمر بھر کا کیا کرایا اکارت جائے گا۔

مقصود بیان تمام انسان مساوی حیثیت نہیں رکھتے: کوئی نیک ہے کوئی بد، کوئی صالح کوئی شریر، اعمال کا سنگِ بنیاد ایمان ہے۔ کوئی عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ خود بھی ہدایت کا پابند ہو اور دوسروں کو بھی احکامِ الٰہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے۔ تلاوتِ قرآن اور شب بیداری اور عبادات کو نماز میں نہایت خشوع و خضوع حضوریٔ قلب کے ساتھ کلام پاک پڑھنا اور پھر قرآنی ہدایت کے بموجب لوگوں کو نصیحت کرنی ایک مسلمان کا شعار ہونا چاہیئے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ط

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کو نہ اُن کا مال ہرگز اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ اُن کی اولاد

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

اور یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر گزشتہ آیات میں ایماندار گروہ کا بیان تھا اور اُن کے اعمالِ حسنہ کے ثواب کی صراحت تھی۔ اس آیت میں اہلِ ایمان کے مقابل فریق یعنی اہلِ کفر کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کی نیرنگیٔ بیان کی خصوصیات میں سے ہے کہ نیک اور بد لوگوں کا تذکرہ پہلو بہ پہلو کرتا ہے تاکہ ترغیب و ترہیب اور بشارت و انذار کا فائدہ کامل طور پر حاصل ہو جائے اور لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت اور کفر سے بیزاری پیدا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ط یعنی قیامت کے دن کوئی طاقت عذابِ الٰہی کا کوئی ذرہ کافروں سے دفع نہ کر سکے گی۔ نہ اُس روز اُن کو دنیوی دولتمندی سے کچھ فائدہ ہوگا کہ رشوت دے کر عذابِ الٰہی سے چھوٹ جائیں۔ نہ کثرتِ اولاد سے کچھ نفع ہوگا کہ زبردستی خدائی گرفت سے نجات مل جائے کوئی صورت عذابِ الٰہی سے بچنے کی نہ ہوگی۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ اصل دوزخی یہی لوگ ہیں۔ انہی کے واسطے دوزخ بنائی گئی ہے ہمیشہ ہمیشہ یہ دوزخ میں ہی رہیں گے کبھی اور کسی صورت سے رہائی ممکن نہ ہوگی۔

آیت مذکورہ بر قول مقاتل ابن حیان، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مشرکین قریش مراد ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ مرسائی ہوں یا عیسائی، خانۂ کعبہ کے مجاور ہوں یا کسی شراب خانہ کے پیر مغاں جو لوگ بھی اوصافِ حمیدہ اور عقائدِ صحیحہ سے بے بہرہ ہیں۔ آیت کا حکم سب کو بطریقِ عموم شامل ہے۔

فائدہ چونکہ عموماً انسان کا اعتماد دو چیزوں پر زائد ہوتا ہے۔ مال اور اولاد اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو یا اپنی دولتمندی اور کثرتِ مال کی امداد سے اس سے رہائی پانے کی کوشش کرتا ہے اور رہائی پا جاتا ہے یا کثرتِ اولاد کے زور سے اُس مصیبت کو دفع کرتا ہے۔ لہٰذا آیت میں انہی دونوں چیزوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ اگرچہ قیامت کے دن دنیوی کوئی طاقت اور کوئی امداد کافروں کے واسطے مفید نہ ہوگی۔ نہ زر سے نہ دنیوی عزت و حکومت اور وجاہت و شخصیت سے۔

مقصود بیان کافروں پر عذاب ہمیشہ ہونے کی صراحت، دعوتِ اسلام کی لطیف پیرائے میں تکمیل، عذابِ الٰہی سے ترہیب، اس بات کا عمومی حکم کہ امتیازِ نسل، دنیوی جاہ و حشم، دولت و ثروت، وجاہت و حکومت، عزت و فوقیت قیامت کے دن بے سود ہے کسی پیغمبر کی امت میں برائے نام اپنے آپ کو داخل سمجھنا اور پھر ہدایتِ رسول کے خلاف عمل کرنا کوئی نتیجہ خیز امر نہیں ہے۔ نجات کا دار و مدار صحتِ عقائد و اعمال پر ہے اور اعمالِ صحیحہ کے ثواب کا حصول صحتِ عقائد پر موقوف ہے۔ کافروں کے اعمال قابلِ ثواب نہیں کیونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں جس پر ثواب مرتب ہو۔ وغیرہ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ

یہ لوگ جو کچھ دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی

قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

کو جل کر تباہ کر دے جنھوں نے اپنا نقصان خود اپنے ہاتھوں کیا ہو اور اللہ ان کی حق تلفی نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنا بگاڑ کرتے ہیں۔

تفسیر مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ سابق آیت میں بیان کیا تھا کہ قیامت کے دن کفار کو ان کا مال کچھ نفع نہ دے گا۔ وہ بھی غریبوں یتیموں اور بیکسوں کو اللہ دیتے ہیں۔ رفاہ عام کے لئے مسافر خانے بنواتے ہیں اور کنویں کھدواتے ہیں۔ پھر نفع سے کیوں محروم رہ سکتے ہیں۔ یہ بیچارے کار خیر میں اپنا مال صرف کرتے ہیں۔ اگر ثواب سے محروم رہیں گے تو یہ ان پر سراسر ظلم ہوگا اور حق دار کی حق تلفی ہوگی۔ اس شبہ کو خدا تعالیٰ نے مدلل طور پر بصورت تمثیل دور فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرط ایمان مفقود ہونے کی وجہ سے ان کے یہ تمام مصارف خیر رائیگاں جائیں گے اور ایسے برباد ہو جائیں گے جیسے پالا پڑنے سے ہری بھری کھیتی برباد ہو جاتی ہے اور اس کی استعداد نشو و نما بھی غارت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کفر ساری نیکیوں کو اکارت کر دینے والی بلا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار جو کچھ خرچ کرتے ہیں اور جس نیت سے خرچ کرتے ہیں خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور لشکر کشی کرنے میں یا بتوں کی منتوں میں یا باہمی فخر و مقابلہ میں یا ریاکاری میں یا حصول شہرت و نام آوری میں یا محض غریبوں یتیموں وغیرہ کی امداد میں یا اور کسی کار خیر میں بہر حال اس کی مثال ایسی ہے۔

كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ جیسے وہ ہوا جس کے اندر پالا ہوتا ہے (عکرمہ، سعید، حسن، قتادہ، ربیع، ضحاک وغیرہ) یا جیسے وہ گرم ہوا ہوتی ہے جس کے اندر آگ کی لپٹ ہوتی ہے (عطاء، مجاہد، ابن عباس وغیرہ) اور نافرمان سرکش قوم کی کھیتی کو لگتی ہے تو اس کو تباہ و برباد کر دیتی ہے نشو و نما کی قوت بھی کھیتی میں نہیں چھوڑتی اور ان بدکار کاشتکاروں کو اس ہری بھری کھیتی سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔ اگر چہ زمین کو جوتتے ہیں بیج بوتے ہیں، کھیتی پھوٹ کر سرسبز ہوتی ہے۔ لیکن ان کی بداعمالیاں اس شاداب کھیتی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ان کو نہیں دیتیں اور ان کی بدکاریاں انتہائی سرد یا انتہائی گرم زہریلی ہوا کی شکل میں سرسبز کھیتیوں کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اب اس سے یہ خیال کرنا کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہے غلط ہے کیونکہ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ بلکہ اس وبال کشی کے اسباب ان کے اپنے بداعمال ہیں۔ انہوں نے اپنی کفر شعاریوں سے خود اپنے کو تباہ کیا۔

مقصود بیان انسان کی بداعمالیاں اس کو دین و دنیا میں تباہ کر دیتی ہیں تمام وبال گناہ سے پیدا ہوتا ہے۔ کافروں کا کوئی نیک عمل موجب ثواب نہیں۔ ایمان تمام حسنات کی جڑ ہے۔ خدا کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ خود انسان اپنے برباد و تباہ ہونے کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا

مسلمانو! تم اپنے (بھائیوں) کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ کیونکہ یہ تمہارے تباہ کرنے میں کسی طرح کی کمی نہیں کرتے دل سے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ

چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں پڑ جاؤ ان کی دشمنی انہی کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور ان کے دلوں میں جو دشمنی چھپی ہے وہ بہت بڑھ کر ہے اگر تم

بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰۤاَنْتُمْ اُولَاۤءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ

سمجھ رکھتے ہو تو ہم نے تمہارے لئے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں سنتے بھی ہو تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور

تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

تم تمام کتابوں کو مانتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب باہم اکیلے ہوتے ہیں تو غصے کے مارے تم پر

مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

انگلیاں کاٹتے ہیں (ان سے) کہہ دو تم اپنے غصے میں (جل کر) مر جاؤ اللہ بلاشبہ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے اگر تم کو کوئی بھلائی

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا

پہنچتی ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں لیکن اگر صبر رکھو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا فریب

يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○

ع

تم کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا جو کچھ کر رہے ہیں وہ بلاشبہ اللہ کے بس میں ہے

تفسیر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ۔ بعض سیدھے سادے مسلمان یہود اور منافقین سے ہمسائگی اور رشتہ داری کی وجہ سے میل جول رکھتے تھے اور چونکہ ایام جاہلیت میں اُن سے عہد و پیمان ہو گئے تھے اس لئے ان کو اپنا رازدار سمجھتے تھے۔ اس آیت میں حکم دے دیا گیا کہ مسلمانوں کے علاوہ کافروں کو اپنا رازدار اور دوست دار نہ بناؤ۔ ان پر اعتماد نہ کرو۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! ان کافروں کو خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا منافق یا مشرک اپنا رازدار اور معتمد نہ بناؤ۔ اُن سے باطنی دوستی نہ کرو کسی طریقہ سے موالات نہ کرو۔ نہ امداد کی امید رکھو۔

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا تعالیٰ نے جو نبی مبعوث فرمایا اور جو خلیفہ مقرر کیا اُس کے واسطے دو بطانہ (ایک فرشتہ اور ایک شیطان) مقرر فرما دیئے۔ ایک تو اس کو بھلائی کا امر کرتا ہے اور خیر کا مشورہ دیتا ہے اور دوسرا بدی کا حکم دیتا ہے اور شر کا مشورہ دیتا ہے اور معصوم وہی رہا جس کو اللہ نے گناہ سے بچا لیا (بخاری، نسائی)۔

حضرت عمرؓ بن خطاب سے صحابہ نے عرض کیا۔ امیرالمومنین یہاں ایک غلام حیرہ کا رہنے والا نہایت ہوشیار محرر ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا منشی مقرر فرمالیتے تو بہتر ہوتا۔ فرمایا تو اس صورت میں میں مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسروں کو رازدار بنا لیتا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عیسائی غلام سے فرمایا کہ اگر تو مسلمان ہوتا تو ہم تجھ سے مسلمانوں کے کام میں مدد لیتے۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (۱) یہاں سے کفار کے ساتھ ترک موالات کرنے کی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ (۱) کفار تمہاری مضرت اور ایذارسانی میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ نہ کوتاہی کریں گے۔ تمہاری بربادی میں ہر وقت کوشاں ہیں۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (۲) تم پر مصیبت پڑنے کو دل سے چاہتے ہیں۔ ان کی قلبی خواہش ہے کہ تم مصیبت میں گرفتار ہو اور تکلیفوں میں مبتلا ہو۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (۳) اُن کے منہ سے دشمنی اور عداوت کی بعض باتیں نکل جاتی ہیں اور ان سے وہ الفاظ ظاہر ہو جاتے ہیں جن سے دشمنی اور کینہ پروری کا پتہ چلتا ہے۔

وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ (۴) ان کے دلوں میں جو کینہ اور بغض پوشیدہ ہے وہ اس ظاہری عداوت سے بہت بڑھکر ہے جس کا اظہار بے ساختہ ان کی زبانوں سے ہو جاتا ہے۔

قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ یہ درمیان میں جملۂ معترضہ کے طور پر حکم دے دیا گیا کہ ہم نے ان کی عداوت کے ثبوت اور ان کی دشمنی کے علامات کھول کر بیان کر دیئے۔ اب اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھو اور ان سے موالات نہ کرو۔

ھٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ اور ہوشیاری کے ساتھ سمجھ لو کہ آخر ان سے موالات کرنے کی وجہ کیا ہے۔ کیوں ان سے دوستی کرتے ہو۔

وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ (۵) وہ تم کو نہیں چاہتے اور تم کو اپنا دوست نہیں جانتے۔ پھر ان سے دوستی اور موالات کرنی حماقت ہے۔

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ (۶) اور تمہارا ایمان کل کلام الٰہی پر ہے خواہ توریت ہو یا انجیل، زبور ہو یا قرآن اور ان کا ایمان تمہاری کتاب یعنی قرآن پر نہیں ہے۔ پھر موالات کیسی اور دوستی کے کیا معنی۔

وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ (۷) جب وہ تم سے ملتے ہیں تو نفاق سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور تنہائی میں تم پر غصہ کے مارے انگلیاں چباتے ہیں (دانت پیستے ہیں اور اپنی بوٹیاں خود کاٹتے ہیں) یعنی چونکہ ان کا تم پر کچھ بس نہیں چلتا تو خود ہی جل جل کر رہ جاتے ہیں۔

قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ یعنی وہ لوگ حسد اور جلن کے مارے مرے جاتے ہیں۔ تم بھی ان سے کہدو کہ یونہی مرتے دم تک جلے جاؤ اور حسد کرتے رہو تم ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یعنی لوگ کتنا ہی اپنے حسد کو چھپائیں اور دلوں میں کینہ پوشیدہ رکھیں مگر چھپا نہیں سکتے کیونکہ خدا تعالیٰ اندرونی اسرار کو بھی خوب جانتا ہے۔ دلوں کی باتیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ یہودی اور منافقین مرتے دم تک اپنی کامیابی نہ دیکھ سکے اور یونہی حسد سے جل کر مر گئے۔

اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ (۸) یہ آٹھویں وجہ ہے۔ یعنی اگر تم کو کوئی ادنیٰ کامیابی اور بھلائی پہنچ بھی جاتی ہو تو ان کو ناگوار ہوتا ہے اور رنج پہنچتا ہے۔

وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا (۹) اور اگر تم پر کوئی بھاری مصیبت بھی آپڑتی ہے تب بھی ان کو کوئی صدمہ نہیں ہوتا بلکہ خوشی ہوتی ہے۔

حاصل غرض یہ ہے کہ جب ان کی دشمنی اور کینہ پروری کی یہ حالت ہے تو پھر ایسے دشمنوں سے موالات کرنی ان کو معتمد سمجھنا اور اعلانیہ ذلیل بنانا سراسر حماقت ہے۔ لہٰذا تم کو ان سے ہرگز دوستی اور یارانہ نہ کرنا چاہیئے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ مذکورۂ بالا آیات کے بعد انسان کو فطرتاً خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب اس کینہ پرور طبقہ کی عداوت کی یہ حالت ہے تو پھر اس سے بچاؤ اور ان کی مدافعت کس طرح ممکن ہے۔ اس خیال کے لئے فرمایا کہ اگر تم ان کی اذیت طعن تشنیع اور مضرت رسانی پر صبر کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور خدا کا خوف کر کے ان کی موالات سے باز رہو گے صرف خدا سے ڈرو گے۔ ان کی موالات و دوستی کی طرف پیش دستی نہ کرو گے لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا۔ تو پھر ان کا مکر و نفاق تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم ان کی تمام مکاریوں شر انگیزیوں اور بدباطنیوں کو محیط ہے۔ وہ ان منافقوں کی نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور خود تمہاری نگہداشت کرے گا ہرگز ان کو ان کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دے گا۔

مقصودِ بیان کفار سے موالات کرنے کی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ممانعت۔ اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ حاسد دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا خود دل میں جلتا اور مرتا رہتا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ صبر سے کام لے۔ کفار سے مقابلہ کے وقت سب مسلمان متفق الرائے اور متحد العمل ہو جائیں۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ ضرور مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے۔ وغیرہ

اب آگے کے بیان میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جنگ احد کا واقعہ یاد دلاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ چونکہ مسلمانوں نے اس روز صبر نہ کیا اور ہدایت الٰہی پر عمل نہ کیا تو مسلمانوں پر کس قدر مصیبت آئی اور حضرت حمزہؓ جیسے کیسے جلیل القدر صحابہ شہید ہو گئے۔ حالانکہ بدر کی لڑائی میں باوجود قلت سامان

اور کمی فوج کے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا کیونکہ مسلمان صابر اور ثابت قدم رہے

ہم ذیل میں جنگِ احد کا مختصر واقعہ ذکر کرتے ہیں تاکہ آیت کا مطلب صاف سمجھ میں آسکے ۔

جنگِ اُحد کا واقعہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، زہری، قتادہ اور سدی وغیرہ سے مروی ہے اور ابن کثیر نے بھی بیان کیا ہے کہ جب ۱۷ رمضان ۲ھ کو جنگ بدر میں مشرکین کو فاش شکست اٹھانی پڑی اور بہت سے مارے گئے، مگر وہ تمام مال مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا جو ابوسفیان کے قافلہ کے پاس تھا اور یہ قافلہ صحیح و سالم مکہ پہنچ گیا تو مقتولین بدر کی اولاد اور بقیۃ السیف لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ سب مال مسلمانوں سے لڑنے کے لئے رکھ چھوڑو اور لڑائی شروع کرو۔ حسب مشورہ مشرکوں نے ۳ھ میں تین ہزار فوج جمع کی۔ جس میں دو سو گھوڑے کے سوار بھی تھے اور اعدائے اسلام کا یہ لشکر مدینہ کے قریب کوہ احد کے پاس اُترا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز مدینہ میں پڑھ کر مالک بن عمرو کے جنازہ کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ مدینہ کے اندر ہی خندق کھود کر رہیں یا باہر میدان میں نکل کر قتال کریں؟ ایک گروہ کی جس میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ رائے ہوئی کہ مدینہ کے اندر ہی قیام کیا جائے۔ مشرک ہار جھک مار کر واپس چلے جائیں گے اور اگر مدینہ کے اندر آئیں گے تو ہم تو ان کے مقابلہ پر جا کر لڑیں گے اور ہماری عورتیں اور بچے اوپر بالاخانوں سے اینٹ پتھر ماریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی رائے کی طرف مائل تھے۔ لیکن دوسرے گروہ نے کہا کہ یہ بزدلی ہے ہم تو باہر میدان میں نکل کر لڑیں گے ورنہ کفار کی ہمت بڑھ جائے گی اور وہ خیال کریں گے کہ مسلمان ڈر کے مارے چھپ رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے آس پاس گائیوں کا گلہ ذبح کر دیا گیا ہے اور یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگی) اور یہ بھی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کر لئے ہیں۔ اس سے مراد مدینہ ہے (لہٰذا مناسب یہی ہے کہ باہر نکل کر نہ لڑیں) لیکن موخرالذکر فرقہ نے نہ مانا۔ بالآخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور سامانِ جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر لوگ اپنے مشورے پر نادم ہوئے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف جرأت کر کے رائے دی۔ ندامت کے ساتھ بہت معذرت کرنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر حضور کی رائے باہر نہ نکلنے کی ہے تو بہتر ہے یہیں قیام فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کے واسطے سزاوار نہیں کہ سامانِ جنگ پہن کر پھر بغیر حکم الٰہی کے لوٹے۔ اب جو کچھ خدا چاہے گا وہ ہوگا۔ اس کے بعد بموجب فرمانِ نبوی مسلمانوں نے بھی ایک ہزار فوج جمع کی اور ۱۴ یا ۱۵ شوال ۳ھ کو بروز شنبہ مدینہ سے نکل کر چل دیئے۔ جب مقام شوط میں پہنچے تو عبداللہ بن ابی منافق اپنی تین سو کی جماعت لے کر مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر واپس آگیا۔ اور کہنے لگا فضول لڑائی میں کون اپنی جان دے اگر ڈھب کی لڑائی ہوتی تو ہم لڑتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکلنا اس کی رائے کے خلاف تھا۔ خیر حضور والا سات سو آدمیوں کو لے کر احد کے قریب پہنچ گئے اور مقام عدوہ قریبیہ میں لشکر کی پشت کوہ احد کی جانب کر کے فروکش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی لڑائی شروع نہ کرے۔ پھر پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت زیر قیادت عبداللہ بن جبیرؓ درہ احد پر مامور فرمائی اور سخت تاکید کے ساتھ ہدایت کر دی کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور نہ گھاٹی میں سے ہو کر مشرکین پیچھے سے آپڑیں گے اور مسلمان بیچ میں گھر جائیں گے۔ اس کے بعد مصعب بن عمیر کو پرچم جنگ دے کر صفوفِ جنگ کو آراستہ کیا۔ مشرکین قریش نے بھی صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر کیا اور لواءِ جنگ بنی عبدالدار کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ شروع میں مسلمانوں کو غلبہ رہا اور کفار شکست کھا کر بھاگے۔ مورچہ کے ساروں نے جب مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست دیکھی تو مالِ غنیمت کے لالچ میں اللہ پڑے اور مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند آوازیں دے کر منع کیا مگر ایک نے نہ سُنا۔ اس نافرمانی اور بے صبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزیمت خوردہ کافر مورچہ کو خالی دیکھ کر پیچھے سے آپڑے اور آگے بھاگ جانے والے بھی لوٹ پڑے۔ آگے سے تو لڑائی ہو ہی رہی تھی۔ پیچھے سے کفار نے مسلمانوں کو تیروں پر رکھ لیا۔ اس ناگہانی مصیبت سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور قریب قریب اکثر مسلمان منتشر ہوگئے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ شہید ہوگئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت میں ایک پتھر آکر لگا جس سے دندانِ مبارک ٹوٹ گیا اور سر مبارک میں بھی زخم آیا خود کی کڑی پیشانی مبارک میں گڑ گئی اور ایک گہرے گڑھے میں مرکز وجود عالم گر پڑے۔ کفار نے یورش کی۔ حضرت طلحہؓ کا ہاتھ حضور اقدسؐ کے بچانے میں شل ہو گیا۔ لیکن جب مسلمانوں کو پھر ہوش آیا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر ہم بھاگے ہیں۔ تو لوٹ پڑے اور ایسی بے جگری سے لڑے کہ کفار بھاگ نکلے۔ یہ مختصر واقعہ ہم نے ذکر کر دیا۔ مفصل قصہ دورانِ تفسیر میں ذکر کئے جائیں گے۔ خداتعالیٰ نے فرمایا ہے ۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(اے محمدؐ) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

جب کہ تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی کرنا چاہا تھا مگر خدا ان کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

رکھنا چاہیئے اور بدر کی لڑائی میں اگرچہ تم کمزور تھے مگر اللہ نے تم کو کامیاب کیا لہٰذا تم اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

(اے محمدؐ) جب تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے آسمان سے اتار کر تمہاری مدد

مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ

کرے اللہ ضرور کافی ہے اگر تم ثابت قدم رہو گے اور نافرمانی سے پرہیز رکھو گے اور کافر یکدم تم پر آ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے

بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

الربع

جو نشان دار گھوڑوں پر سوار ہوں گے تمہاری مدد کرے گا اور اللہ نے تمہاری یہ (مدد فرشتوں کے ذریعے) صرف تمہارے خوش کرنے اور تمہارے

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ

دل اطمینان کے لئے کی (ورنہ) فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے مدد بھیجنے سے غرض یہ ہے کہ اللہ کچھ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝

کافروں کو ہلاک کر دے یا اُن کو ذلیل کر دے تاکہ ناکام خوار ہو کر لوٹ جائیں

تفسیر وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ۔ یعنی اے محمدؐ جب آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے صبح کو نکل کر چلے تھے۔ مطلب یہ کہ جب مدینہ سے صبح کے وقت (۱۰ شوال ۳ھ کو شنبہ کے دن جنگ احد کے لئے مسلمانوں کا لشکر ہمراہ لے کر نکلے تھے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (اور احد پر پہنچ کر گھاٹی کے پاس کہ احد کی طرف پشت کر کے) مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کے لئے ان کی جگہوں پر قائم کر رہے تھے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور خدا تمہاری باتوں کو سننے والا اور حالتوں کو جاننے والا ہے یعنی اُس نے تمہارا وہ کلام سنا تھا جو تم تیر اندازوں کی جماعت سے کہہ رہے تھے کہ تم اس گھاٹی سے مت ہٹنا۔ خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب ایسا نہ ہو کہ گھاٹی کو خالی دیکھ کر کفار پیچھے سے آکر مسلمانوں پر حملہ کریں اور خدا کو تمہاری حالت کا بھی علم تھا کہ تم میں دو فرقے تھے ایک کی رائے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے لڑنے کی تھی اور دوسرا فرقہ مدینہ کے اندر ہی رہ کر دشمن کی مدافعت کرنے کی رائے رکھتا تھا اور عبداللہ بن ابی اپنی تین سو کی جماعت لے کر مقام شوط سے واپس آگیا تھا۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا جبکہ تم ہی میں سے دو گروہوں نے بزدلی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا یعنی انصاریوں کے دو گروہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے دلوں میں بھی وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح ہم بھی لڑائی سے روگرداں ہو جائیں اور مدینہ کو واپس چلے جائیں۔ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کی فوج کے دونوں بازو تھے۔ ایک میمنہ پر تھا دوسرا میسرہ پر۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا مگر خدا ان کا مددگار اور ناصر تھا۔ اُسی نے ان کو ثابت قدم رکھا اور بزدلی کو ان کے دلوں سے دور کیا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور ایمانداروں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ یعنی فوج کی قلت اور سامان کی کمی اور ظاہری طاقت کی بے سروسامانی کا لحاظ نہ کرنا چاہیئے۔ فتح و شکست درحقیقت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کمزور جماعت کو بھی طاقتور لشکر پر غالب کر سکتا ہے اور بے سروسامان مومنوں کو باشان و شوکت کافروں پر فتح یاب کر سکتا ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہیئے۔

دیکھو وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ خدا تعالیٰ نے بدر کے موقع پر تمہاری مدد کی تھی اور تم کو کافروں پر کامیاب کیا تھا حالانکہ اُس زمانہ میں وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ تم کمزور اور بے سروسامان تھے۔ یعنی کوئی مادی طاقت تمہارے پاس نہ تھی۔ نہ زیادہ فوج تھی نہ سامانِ جنگ، صرف تین سو تیرہ آدمی تھے وہ بھی پیدل صرف چند گھوڑے اور دو زرہیں تھیں اور کفار ایک ہزار تھے۔ تمام سامانِ حرب سے آراستہ تھے اور تھے بھی لڑنے کے جوٹی کے بہادر۔ مگر خدا کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوئی اور کفار شکست کھا کر بھاگ گئے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ خدا تعالیٰ نے تم کو بدر میں باوجود بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کے اس لئے فتح دی کہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔ لہٰذا اب خدا سے ڈرو اور کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ یعنی امدادِ غیبی کا وہ دن تھا جس دن اے محمدؐ آپ مسلمانوں کو تسلی و اطمینان دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے گا لہٰذا تم اپنی قلت اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور اُن کے اسبابِ حرب پر خیال کر کے ہراساں نہ ہو۔ بَلٰٓى یہ امدادِ غیبی تمہارے لئے کافی ہے (سورۂ انفال میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے۔ کیونکہ جنگِ احد کے شروع میں ایک ہزار فرشتوں کی امداد عطا کی گئی تھی۔ پھر تین ہزار کی پھر پانچ ہزار کی)۔ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا یعنی اگر تم کافروں کے مقابلہ میں جمے رہو گے اور صبر کرو گے اور حکمِ الٰہی کی مخالفت سے ڈرتے رہو گے اس کی نافرمانی نہ کرو گے وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اور کفار دفعۃً تم پر آ پڑیں گے تو خدائے تعالیٰ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری امداد کرے گا جو پلے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہو کر امتیازی علامات کے ساتھ آ کر موجود ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُحد کے دن فرشتے نازل ہوئے۔ اُن کے عمامے سرخ سفید اور زرد تھے اور گھوڑوں کی ایالیں سفید تھیں۔ اکثر تابعین کی روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے جنگِ احد میں قتال نہیں کیا۔ صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے اور کفار پر رعب ڈالنے کے لئے مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ہاں جنگِ بدر میں ضرور قتال میں شریک ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ یعنی فرشتوں کا بھیجنا اس لئے نہیں تھا کہ تم ان پر اعتماد کر بیٹھو۔ بلکہ یہ تو صرف تمہارے اطمینان اور دلجمعی کے لئے خدا نے بھیجے تھے۔ فتح و ظفر اس پر نہ تھی۔ اس سے مقصود تمہاری گھبراہٹ اور بزدلی کو دور کرنا اور تم کو فتح کی خوشخبری دینا تھا ورنہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فتح تو خدا کے قبضہ میں ہے۔ اسی کے حکم سے کامیابی وابستہ ہے۔ اُس کو ان ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں اور نہ فتح ان اسباب پر موقوف ہے۔ فتح و ظفر کی کفیل صرف اُس کی تائید ہے۔ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کیونکہ وہی سب پر غالب ہے۔ اس کی طاقت و قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور وہی اپنے افعال میں حکیم ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ لہٰذا بغیر کثرتِ فوج اور تکمیلِ سامان کے وہی فتح عطا کرتا ہے۔ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا یعنی بدر میں اُس نے تمہاری مدد اس لئے کی تھی کہ کافروں کے سرداروں کو ہلاک کر دے کہ ان میں کے بڑے مارے جائیں۔ اَوْ يَكْبِتَهُمْ یا ان کو ہزیمت و فرار کی ذلت نصیب کرے اور فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ نہایت ناکامی اور ذلت کے ساتھ واپس چلے جائیں۔ بدر کی لڑائی میں ستر سردارانِ قریش مارے گئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے جنگِ احد میں ۱۶ یا ۱۷ کفار مارے گئے اور ستر مسلمان شہید ہوئے۔

مقصودِ بیان فطرتِ انسانی ظاہری اسباب کی طرف میلان رکھتی ہے۔ انسان طبعًا انہی اسباب کو علتِ تامہ اور سببِ اول سمجھتا ہے۔ وجودِ اشیاء اسبابِ خارجہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے اگرچہ مربوط ضرور ہے۔ فتح و شکست تائیدِ غیبی پر موقوف ہے سامان اور آدمیوں کی قلت

کثرت پر موقوف نہیں ہے لیکن تائیدِ غیبی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مسلمان متفق اور متحد ہو جائیں اور جفاکشی، ہمت، استقلال اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیں۔ گویا آیت میں صبر، استقلال، جرأت اور اتحاد کو فتح و ظفر کی علتِ تامہ سمجھنا بھی غلط ہے۔ باوجود ہمت اور جرأت کے تائیدِ الٰہی پر نظر رکھنی لازم ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَلِلَّهِ

(اے محمد) تم کو کچھ اختیار نہیں ہے　چاہے اللہ ان کو توبہ نصیب کرے　چاہے اُن کو سزا دے　کیونکہ وہ　ناحق کوش　ہیں　اور جو کچھ

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

آسمانوں میں اور زمین میں ہے خدا ہی کا ہے　جسے چاہے وہ معاف کر دے　اور جسے چاہے　سزا دے　اور خدا　غفور رحیم ہے۔

تفسیر

جنگِ احد میں جب فرمانِ نبوی کی مخالفت کی وجہ سے مسلمان کافروں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے تو صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع خاص چند رفقاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت طلحہ وغیرہ کے رہ گئے۔ اس وقت حضور گرامی مردانہ دلیری و شجاعت کے ساتھ اپنی سواری سے نیچے اُتر کر کھڑے ہو گئے اور تنہا لڑنے کا قصد فرمایا۔ اسی لڑائی میں عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے حضور والا کے اگلے چار دانت دو اوپر کے اور دو نیچے کے شہید ہو گئے (بعض روایات میں صرف ایک دانت کا شہید ہونا مذکور ہے) اور سر میں بھی چوٹ آئی جس سے خون بہہ کر چہرۂ مبارک پر آیا اور چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس وقت حضورؐ نے بددعا کرنی چاہی اور فرمایا وہ لوگ کیونکر فلاح (و عافیت) پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے سرخ بنا دیا۔ اتنے میں تادیب کے طور پر آپ کو درگزر کی تعلیم دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو انہی کافروں کو بالآخر مسلمان کرنا اور انہی کے ہاتھوں سے اسلام کے بڑے بڑے کام لینا تھا۔ چنانچہ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ کیسے نامور بہادر اور جلیل القدر مسلمان ہو گئے۔ اگر حضورؐ بددعا کر دیتے تو یہ سب اسی وقت فنا ہو جاتے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ اے نبی آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اختیار تو صرف خدا کو ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ خدا چاہے گا تو ان کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دے گا اور یہ سچے مخلص مسلمان ہو جائیں گے اور اگر چاہے گا تو توبہ کی توفیق ان کو نہ دے گا بلکہ ان کو عذاب دے گا۔ مگر یہ عذاب خدا تعالیٰ ظلم کے ساتھ نہ دے گا۔ وہ ظالم نہیں ہے بلکہ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ یہ خود ظالم ہیں باطل کوش ہیں اور ناحق پر ہیں۔ ان کو عذاب دینا اور ان کے کرتوت کی سزا دینی ظلم نہیں ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ آسمان و زمین کی تمام کائنات خدا ہی کی مخلوق و مملوک ہے۔ اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اُسی کی ہدایت و ضلالت اور کفر و اسلام اور عذاب و ثواب کا بھی وہی مالک ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ جس کو چاہے گا دنیا میں توبہ کی توفیق دے کر آخرت میں اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور عذاب سے بچا دے گا اور جس کو عذاب دینا چاہے گا اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق نہ دے گا اور آخرت میں عذاب دے گا۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ اور خدا تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کو معاف فرمانے والا اور توحید پرست لوگوں پر آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔

ہدایتِ خاص

بوجوہ متعددہ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے روز فرمایا تھا کہ قریش کے آدمی اہلِ امانت ہیں۔ چند روز کے بعد راہِ خدا میں یہ لوگ جو جانبازیاں کریں گے اُن کے مقابلہ میں تم کو اپنے اعمال حقیر معلوم ہوں گے اور واقع میں بھی حضرت خالد بن ولید وغیرہ سے ایسا ہی سرزد ہوا۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے آئندہ حالات کی بذریعہ وحی ربانی اطلاع ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے فوراً اُن کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اقدسؐ نے چاہا کہ یہ مجرم اور کافر جو اس قدر شرک و کفر میں انہماک رکھتے ہیں اور کسی طرح سمجھانے بجھانے سے بھی نہیں مانتے بلکہ حق پرستوں کی جانیں لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تو جمالِ الٰہی کے لائق نہیں ہیں۔ ان سے میدانِ کبریائی پاک ہو جانا چاہیے۔ حضورؐ کی یہ خواہش صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ آپ کو جمالِ پاک پر غیرت آئی۔

اور جس کی انتہائی محبت محیط ہو جاتی ہے اُس کو یہ لحاظ بھی نہیں رہتا کہ امرِ الٰہی ایسے لوگوں کے حق میں جو مستور ہیں اور حجاب میں پوشیدہ ہیں اور امتحان کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں، کیونکر جاری ہوا ہے۔ لہٰذا خدائے رحیم نے ایک لطف آمیز خطاب فرمایا کہ آپ کس خیال میں ہیں۔ کیا آپ نے میری سابق عنایت کا مشاہدہ نہیں کیا کہ ان لوگوں کے حق میں میں نے کس کیفیت سے پردوں کے اندر اپنی مشیت کو چھپا رکھا ہے۔ آپ ذرا ازل کی طرف سے غور سے نظر کریں۔ یہ لوگ آپ کے دیکھتے میرے اطاعت شعار بندے بن جائیں گے۔ اگر آپ اس غیرتِ جلالی کو ترک کر کے امرِ مشیت کی طرف نظر کریں گے تو پھر اس بددعا کرنے کا خیال بھی نہ کریں گے اسی کی طرف اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ سے اشارہ کیا کہ خدا کے دستِ قدرت میں ان کا ایمان و کفر ہے آپ کو کیا ان کے امر کا علم نہیں ہے کہ ازل میں ان کے حق میں کیا حکم ہو چکا ہے

مقصودِ بیان رسولِ گرامی کو نہایت لطیف و بلیغ پیرائے میں رحم و کرم کی تعلیم دی گئی ہے اور امرِ ازلی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بددعا کرنے سے ضمناً ممانعت کر دی گئی ہے اور اشارۃً سمجھا دیا گیا ہے کہ ان کو تباہ کرنا مصلحتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس وقت شدید ترین کافر ہیں۔ لیکن عنقریب مخلص ترین بہادر مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام کو انہی سے قوت حاصل ہوگی۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے آپ سے بدتمیزی کی اور اپنے نبی کے محترم خون کی قدر نہ کی لیکن آپ کو درگزر کرنی چاہیئے۔ خدا غفور رحیم ہے آپ کو بھی خلق و کرم سے کام لینا چاہیئے۔ وغیرہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

مسلمانو! سود دگنا چوگنا نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کو فلاح

تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

حاصل ہو اور اس دوزخ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور خدا و رسول کا کہنا مانو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور

وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

زمین کی برابر ہے جو ان پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو فراخی و تنگدستی میں راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ

اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں بنی ثقیف والے بنی نضیر کو ایک مدتِ مقررہ کے اندر ادا کرنے کی شرط پر کچھ سودی روپیہ قرض دیتے تھے اور ادا نہ ہونے پر سود کو اصل رقم میں ملا کر سب پر پھر سود قائم کرتے تھے اور اس طرح کچھ زمانہ میں سود در سود اور بالائے سود ہو کر قرضدار کی تمام جائداد اور مال و اسباب قرض میں خرد برد ہو کر قرض خواہ کی ملک میں آجاتا تھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ سود در سود کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمائی آیاتِ سود کی تمام تحقیق ہم سورۂ بقرہ میں لکھ آئے ہیں وہاں پڑھنا چاہیئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ مسلمانو! اگرچہ تم پر سود لینا دینا مطلقاً حرام ہے مگر خصوصیت کے ساتھ سود در سود اور بالائے

سود سے پرہیز رکھو اور سود خوری چھوڑ کر

وَاتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ اختیار کرو اور ہر بات میں متقی بن جاؤ تاکہ۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تم کو سعادتِ دارین حاصل ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ سود خواری ترک کرنے سے مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مالی نقصان نہ ہوگا بلکہ دنیا میں بھی فلاح و کامیابی حاصل ہوگی اور دین میں بھی سعادت نصیب ہوگی۔ نقصان نہ ہوگا۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ اور اس دوزخ سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ کافروں کے لئے بنائی گئی ہے جس میں کافر ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تہدید ہے کہ ربٰوا وغیرہ ممنوعاتِ الٰہی سے پرہیز کریں۔ حاصل یہ کہ تمام نافرمانیوں کو ترک کرو اور کل محرماتِ شرعیہ سے اجتناب کرو جن میں سے ایک سود کا کاروبار بھی ہے اور پھر وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ خدا اور رسول کے احکام کی پابندی کرو اور اس بات کے امیدوار رہو کہ اس اطاعت شعاری سے خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ بروایت محمد بن اسحٰق اس آیت میں اُن لوگوں پر عتاب ہے جنھوں نے احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ عطاء بن ابی رباح سے مرسلاً مروی ہے کہ صحابہ نے ایک بار خدمتِ مبارک میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا بنی اسرائیل کو خدا کے نزدیک ہم پر فضیلت حاصل تھی کہ جب ان میں سے کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوتا تھا کہ تیرے گناہ کا کفارہ یہ ہے تجھے یہ کرنا چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوال سُن کر کچھ دیر خاموش رہے اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی (اخرجہ عبد بن حمید وغیرہ) گویا آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو بنی اسرائیل پر برتری حاصل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے نیک کاموں کو باعثِ ثواب بھی بنایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نیک کاموں سے گناہوں کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے۔

مغفرت سے مراد ابن عباسؓ کے نزدیک اسلام یا توبہ ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ادائے فرض۔ انسؓ اور سعید بن جبیرؓ کے نزدیک نماز جماعت کی تکبیر اولیٰ بعض کے نزدیک اخلاص اور بعض کے نزدیک جہاد مراد ہے اور ظاہر معنی یہ ہیں کہ مغفرت سے ہر وہ چیز مراد ہے جو موجب مغفرت ہے یعنی اعمال صالحہ خواہ اخلاص ہو یا عبادت ہو یا جہاد ہو یا نماز ہو یا کچھ اور ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز کو حاصل کرنے کی طرف دوڑو جس کی وجہ سے مغفرتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہو جائے۔ اس دوڑنے کا حکم دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جسمانی عالم ایک قید خانہ ہے اور عالم ارواح راحت کا اصلی مرکز ہے تو جس طرح پرندہ قفس سے چھوٹ کر بصد شوق و ذوق باغ میں جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی عوائقِ جسمانی کو توڑ کر عالمِ ارواح اور قربِ الٰہی کی طرف نہایت شوق سے دوڑو اور اس مادی زندگی کو اپنا مقصودِ اصلی نہ بنالو بلکہ اس کو ایک قید خانہ سمجھو۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اور اس جنت کے اسبابِ حصول کی طرف دوڑو جس کا عرض اور پھیلاؤ تمام عالم کی برابر ہے۔ مراد یہ ہے کہ جنت کے عرض کو اگر مثال میں بیان کیا جا سکتا ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عرض میں زمین و آسمان کی وسعت کی برابر ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جنت کی وسعت فی نفسہٖ بھی آسمان و زمین کی برابر ہے بلکہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے (ابن عباسؓ) اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت و دوزخ نہ آسمان پر ہے نہ زمین پر بلکہ خدا ہی علیم ہے کہ کہاں ہے۔ ہاں لطافت و کثافت کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ وہ جنت اُن لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اُن بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو صاحبِ اتقاء ہیں۔ یعنی جنت میں داخلہ کا اصل سبب نہ زر ہے نہ زمین نہ حسب نہ نسب بلکہ تقویٰ اور اعمالِ صالحہ رکھنے والے ہی اس میں جانے اور رہنے کا حق ہے۔ آگے آیات میں اہلِ اتقاء کے اوصاف واقعیہ بیان کئے جاتے ہیں اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی اہلِ اتقاء کی پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ تنگی فراخی، افلاس و مالداری میں راہِ خدا میں اپنا مال علم و حکمت اور جان خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ بھی دیتے ہیں مساکین، فقراء، یتامیٰ اور دیگر اہلِ احتیاج کی کفالت کرتے ہیں علم و حکمت سے بھی لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں احکام شرعا کی تبلیغ کرتے ہیں اور جہاد میں بھی تن من دھن سے شریک ہوتے ہیں وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ یہ اہلِ اتقاء کی دوسری صفت ہے۔ یعنی اہلِ اتقاء وہ لوگ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں باوجود قابو کے بدلہ نہیں لیتے۔ اگرچہ انتقام کی قوت رکھتے ہیں مگر غصہ کو خود ہی دبا لیتے ہیں۔ انتقام حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی میں دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکے۔

(رواہ الامام بخاری والمسلم) ۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ یہ اہلِ تقویٰ کی تیسری صفت ہے یعنی اہلِ اتقاء وہ لوگ ہیں جو اپنے حقوق کا بھی دوسروں سے مطالبہ نہیں کرتے۔ بلکہ درگذر اور چشم پوشی کرتے ہیں۔ اگر ان کی کوئی شخص حق تلفی کرتا ہے تو باوجود مطالبۂ حق کی قوت کے وہ معاف کردیتے ہیں۔ اگر غریبوں مفلسوں پر اُن کا قرض ہوتا ہے تو مطالبہ نہیں کرتے۔ حدیث میں آیا ہے جو تجھ سے میل جول ترک کرے تو اُس سے مل اور جو تیری حق تلفی کرے تو اس کو معاف کردے اور جو تجھ سے بُرائی کرے تو اُس سے بھلائی کر۔ ان ہر سہ اوصاف کے حامل محسن کہلاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ اتقاء وہ لوگ ہیں جو محسن ہیں۔ جن کی قوتِ علمیہ اور عملیہ درست ہے۔ جو اپنی شہوانی اور غضبی قوتوں کو مغلوب رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور خدا تعالیٰ نیکوکاروں کو ثواب عطا فرماتا ہے یعنی جو لوگ ایمان و اسلام کے تمام درجات طے کرکے مرتبۂ احسان پر فائز ہوتے ہیں اُن سے خدا تعالیٰ کی محبت ہوجاتی ہے۔ خدا ان کی محبت ضائع نہیں کرتا۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احسان وعفو کی ضمنی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ جنگِ احد میں کافروں نے جب حضرت حمزہؓ کو شہید کرکے ان کا بند بند جدا کردیا اور صورت بگاڑ دی تو حضور اکرمؐ بہت غمگین ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں قابو پاؤں گا تو ستر کافروں کو مُثلہ کروں گا۔

مقصود بیان سود در سود کی خصوصی ممانعت۔ اس امر کا ضمنی بیان کہ سود خواری ترک کرنے سے مالی نقصان نہیں ہوتا۔ سود خواروں کو سخت وعید اس بات کی صراحت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں پذیری سے مسلمان رحم الٰہی کا مستحق ہوجاتا ہے۔ ضمنی طور پر اس بات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضورؐ کی نافرمانی سے آدمی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ دنیا مسلمان کا قید خانہ ہے۔ یہاں سے علائق مادی کو توڑ کر اصل مرکز راحت یعنی عالم اور واح میں پہنچنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس دنیا کو اصل مقصد قرار دینا اسلام کے خلاف ہے۔ جنت پیدا تو ضرور ہوچکی ہے لیکن نہ آسمان پر ہے نہ زمین پر، نہ اُس کے اوپر نہ اس کے نیچے۔ جنت بہت زیادہ فراخ ہے۔ تمام عالم سے بڑی ہے۔ جنت میں داخلہ زور زر، حسب نسب، وجاہت، قوت، جاہ وحکومت اور طاقتِ شاہی سے نہیں ہوسکتا بلکہ اعمالِ صالحہ اور اتقاء ہی دخولِ جنت کے اسباب ہیں۔ آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اتقاء صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک عملی چیز ہے جو لوگ سخی ہیں، مسلمانوں کے بھی خواہ اور ہمدرد ہیں، حلیم اور بُردبار ہیں اور مطالبۂ حقوق سے درگذر کرنے والے ہیں وہ متقی ہیں۔ اتقاء کا صرف دعویٰ فضول ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

اور اُن لوگوں کے لئے جنت تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے حق میں خرابی کرلیتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ

ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہ معاف کرسکتا ہے اور وہ دانستہ اپنے (بُرے) کاموں پر اصرار نہیں کرتے یہی لوگ

جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

ہیں جن کی جزا اُن کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ گھنے باغات ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

اور ایسے کام کرنے والوں کا کیسا اچھا بدلا ہے

تفسیر پہلی آیات میں بیان تھا کہ اہلِ اتقاء وہ لوگ ہیں جو سخی حلیم اور عفو شعار ہیں۔ یہ تو وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا گناہ سرزد ہی نہ ہوا۔ صرف نیکی ہی اُن کا شعار رہا۔ اب ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلی اور چونکہ جرم سے توبہ کرنے والا مثل غیر مجرم کے ہوتا ہے اس لئے

ان کو بھی متقین میں داخل کرکے اُن کی تفصیلی حالت بیان کی جا رہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً یعنی متقی وہ لوگ بھی ہیں کہ اگر اُن سے زنا وغیرہ کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یا کوئی صغیرہ گناہ اور ناحق بات ہو جاتی ہے جو واقع میں اُن کو نہ کرنی چاہئے تھی۔ پھر اس صدورِ گناہ کے بعد وہ تین باتیں اختیار کرتے ہیں۔ اول تو یہ کہ پہلے وہ خدا کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اُن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُن کو ہوش آتا ہے تو ذَکَرُوا اللّٰہَ خدا کو یاد کرتے ہیں اور عذابِ الٰہی کا خوف اُن پر طاری ہو جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب اُن کو یاد ہوتا ہے اور دل میں خدا کی یاد آتی ہے فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ تو اپنے گناہوں کی خدا سے معافی چاہتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ حضور پُرنور والا نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے۔ پھر اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ کر خدا تعالیٰ سے استغفار کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے (رواہ احمد الترمذی واہل السنن والبزار وابن حبان والدار قطنی) اس کے آگے بطور جملہ معترضہ کے ارشاد ہوتا ہے کہ استغفار خدا ہی سے کرنا چاہیئے کیونکہ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ سوائے خدا کے اور کون شخص گناہ معاف کر سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کامل وضو کرکے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پڑھتا ہے۔ اُس کے واسطے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو (مسلم) وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا یہ تیسری بات کا بیان ہے۔ یعنی وہ لوگ گناہ پر اڑتے نہیں ہیں بلکہ جو کچھ اُن سے ہو گیا ہے اُس پر نادم ہوتے ہیں اور آئندہ گناہ کرنے سے باز رہتے ہیں اور وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ یہ یقین کرکے کہ جو کچھ انھوں نے کیا وہ بُرا کام تھا اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی متقی ہیں۔ ان سے اگرچہ جرم ہو گیا ہے۔ لیکن توبۃ النصوح کرکے یہ بھی غیر مجرم کی طرح ہو جاتے ہیں اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ ان سب لوگوں کے اعمال کی جزا یہ ہے کہ خدا ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ اپنی رحمت میں ان کو چھپا لیتا ہے اور وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ پھر اُن کو جنتیں ملتی ہیں اور خٰلِدِیْنَ فِیْھَا دوامی طور پر ملتی ہیں۔ کبھی ان کو وہاں سے نہ نکالا جائے گا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ اور یہ مغفرت و جنت اطاعت شعار بندوں کے لئے بہترین جزا ہے جو اُن کو بفضلِ الٰہی ضرور ملے گی۔

مقصود بیان توبہ سے گزشتہ صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی متقی بن جاتا ہے۔ خالص توبہ کے چار شرائط ہیں۔ دل سے خدا کی طرف رجوع کرے۔ پچھلے گناہ کی معافی طلب کرے۔ گناہ کی سزا کو یاد کرکے خشوع و خضوع کرے۔ آئندہ کو گناہ کرنے سے باز رہے۔ آیت میں گنہگاروں کو توبہ کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وغیرہ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ

تم سے پہلے بہت واقعات گذر چکے ہیں　تم ملک میں چل پھر کر　دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کار

الْمُکَذِّبِیْنَ ○ ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ وَلَا تَھِنُوْا

کیسا ہوا　یہ لوگوں کے لئے فہمایش ہے　اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے　اور اگر تم مسلمان

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

ہو تو ہمت نہ ہارو اور رنج　نہ کرو　کیونکہ تم ہی غالب رہو گے　اگر تم کو زخم لگے ہیں تو ایسے

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ ؕ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ

ہی اس قوم کو بھی زخم لگے ہیں　اور یہ ایام تو ہم　ادلتے بدلتے ہیں　اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ

کو ایمانداروں (کے ایمان کا) علم ہو جائے اور تم میں سے بعض کو شہید بنا دے اور اللہ بے انصافوں کو دوست نہیں رکھتا　اور　تاکہ

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۞

اللہ تعالیٰ ایمان رکھنے والوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے

تفسیر جنگِ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور پانچ مہاجر اور تقریباً ساٹھ انصاری شہید ہو گئے اور مسلمان اس سے شکستہ دل ہوئے تو آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ نازل ہوئی جس کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ ایسے واقعات تو گزشتہ قوموں میں بھی ہوتے چلے آئے ہیں۔ پہلے بھی جب کافروں کا دینداروں سے مقابلہ ہوا تو شروع میں غلبہ کفار کو ہوا اور مسلمان ان کے ہاتھوں سے ایذاء اٹھاتے رہے۔ پھر آخر میں خدا نے کافروں کی گرفت کی تو ایسی سخت کی کہ ان کو سطحِ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ سنتِ الٰہی ہے کہ کبھی کسی کو غلبہ دیتا ہے کبھی کسی کو، لیکن انجام کار دیندار ہی غالب ہوتے ہیں۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی لہٰذا اگر تمہارا دل چاہے تو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی تھی۔ وہ کس طرح مال و دولت، حکومت و سامان اور سر بفلک عمارتیں چھوڑ کر تباہ ہو گئے اور کس طرح غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو گئے هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ یہ قرآن سب لوگوں کی حالت کھول کر بیان کرتا ہے اور سب کے لئے سببِ عبرت ہے۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ مگر اس سے ہدایت اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے اندر تقویٰ کا مادہ ہے۔ جو مومن ہیں اور شرک سے بچتے ہیں۔ لہٰذا تم کو بھی اس سے نصیحت و ہدایت حاصل کرنی چاہیئے۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اور کافروں کے مقابلہ سے سست نہ بن جاؤ اور نہ گزشتہ شکست کا غم کرو۔ اور نہ ان منافقوں کے مذاق اُڑانے سے رنجیدہ ہو۔ اس لئے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کہ انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور ایسے غالب ہو جاؤ گے کہ گویا کبھی مغلوب ہوئے ہی نہ تھے بشرطیکہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ تم ایمان پر قائم رہو۔ کافروں کی طرف میلان نہ کرو اور نصرتِ الٰہی کا یقین رکھو۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ اور اگر تم یہ خیال کرو کہ جنگِ احد میں مسلمان شہید ہو گئے اور ہم کو شکست ہوئی تو اس پر بھی غور کرو کہ آخر بدر میں کفار کو بھی ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور وہ بھی مارے گئے۔ یہ فتح و ظفر تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ دنیا میں یکساں زمانہ نہیں رہتا۔ کبھی فتح ہے کبھی شکست، کبھی رنج کبھی راحت وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ زمانہ کا اُلٹ پھیر ہے جس کو ہم ہمیشہ کرتے ہیں۔ کبھی دینداروں کو فتح دیتے ہیں کبھی کافروں کو۔ کبھی ایک کو غالب اور دوسرے کو مغلوب کرتے ہیں۔ کبھی اُس کو غالب اور اس کو مغلوب کیا۔ ان آیات میں بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور احد میں شکست کی طرف اشارہ ہے۔ بدر کا واقعہ ہم سورۂ بقرہ میں لکھ آئے ہیں۔ جنگِ احد کی کیفیت یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں آراستہ ہوئیں تو مشرکین کی فوج میں سے ابو عامر پچاس آدمیوں کو ہمراہ لے کر باہر نکلا اور مسلمانوں پر پتھر برسانے لگا۔ جب مسلمانوں نے پتھر مارے تو وہ اُٹھ بھاگا۔ پھر مسلمان تیر اندازوں نے سواران کفار پر تیر مارنے شروع کئے تو وہ بھاگ نکلے۔ طلحہ بن ابی طلحہ نے (جو قریش کا علمبردار تھا) جب اپنے سواروں کو بھاگتا دیکھا تو خود میدان میں نکل کر آیا اور آواز دی هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ مقابلہ کو کون آتا ہے۔ ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کو تلوار سے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے یہ دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ایک دم مشرکوں پر حملہ کیا۔ اُن کے پرے پھٹ گئے۔ پھر کافروں کا علم عثمان بن ابی طلحہ نے لیا اس کو عاصم بن ثابت نے تیر سے دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر اس کے بھائی حارث نے جھنڈا سنبھالا تو اس کو بھی عاصم نے مار ڈالا پھر کلاب بن ابی طلحہ نے علم اٹھالیا۔ اس کو زبیر بن عوام نے قتل کر دیا۔ پھر ارطاۃ بن شرحبیل نے لے لیا تو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مار ڈالا۔ اسی طرح جب کفار کے متواتر علمبردار مارے گئے تو اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ سرپٹ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ پہاڑی مورچہ پر جو تیر انداز مقرر تھے انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور اب یہ مقام چھوڑ دینا کچھ مضر نہیں ہے تو تقریباً چالیس آدمیوں نے مورچہ چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جو اس تیر انداز رسالہ کے کمانڈر تھے ہر چند منع کیا اور رسول اللہ صلعم کا فرمان یاد دلایا۔ مگر کون سنتا تھا۔ مجبوراً حضرت عبد اللہ اور تقریباً نو دس آدمی اور وہیں مورچہ پر رہے اور باقی تو لوٹ میں مشغول ہو ہی گئے تھے۔ جب کفار کی فوج سرپٹ بھاگ نکلی تو کچھ دور تک انہوں نے

منہ توڑ کر نہ دیکھا۔ جب کچھ ہوش درست ہوئے اور خالد بن ولید نے منہ پھیر کر دیکھا تو پہاڑی مورچہ خالی پایا۔ فوراً عکرمہ بن ابی جہل کے دستہ کو بھی اپنے ہمراہ لے کر لوٹ پڑا۔ مسلمان تو مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہی تھے۔ پیچھے سے آکر غنیم کی فوج نے غفلت کی حالت میں ایک دم حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے پرچم اچھل رہی تھی۔ اسی وقت سے پچھواہا ہو گئی اور ساٹھ ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ کیونکہ کچھ تو مسلمان کفار کے ہاتھوں سے شہید ہوئے اور کچھ ایسے گھبرائے کہ اپنی کو اپنی بیگانی فوج میں امتیاز نہ رہا اور آپس میں ہی کشت و خون کرنے لگے۔ جب مسلمانوں کو اس طرح شکست ہوئی تو ایک شیطان نے آواز دی۔ محمد قتل کر دیئے گئے۔ یہ آواز سُننا تھا کہ صحابہ بغیر تحقیقِ حال کے بھاگ نکلے اور حضورِ اقدس کے ہمراہ صرف چودہ مسلمان ثابت قدم رہے اور برابر کافروں کے تیر مارتے رہے۔ کافروں نے گھیر لیا۔ مگر اُن کا کچھ بس نہ چلا۔ بالآخر انھوں نے پتھر برسانے شروع کئے۔ ایک پتھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دندانِ مبارک پر آکر لگا جس سے اوپر نیچے کے چار دانت یا دو دانت شہید ہو گئے اور لب مبارک بھی زخمی ہو گیا۔ کچھ زخم چہرۂ مبارک پر بھی آئے۔ بالآخر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قدرے قدرے پیچھے ہٹتے گئے۔ جب پہاڑی کی جڑ میں پہنچ گئے تو اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ مگر چڑھ نہ سکے۔ حضرت طلحہؓ نے بیٹھ کر اپنے کاندھے پر اُٹھا کر حضورؐ کو اوپر چڑھا دیا۔ مشرکین نے ہرچند ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کی مگر نہ پہنچ سکے۔ ابوسفیان نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر آواز دی۔ کیا محمد ہیں۔ کیا ابوبکر ہیں، کیا عمر ہیں۔ حضورِ اقدسؐ نے جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ یہ سب لوگ مارے گئے۔ اگر کوئی زندہ ہوتا تو ضرور بولتا۔ اُس وقت حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بول اُٹھے۔ او دشمنِ خدا تو جھوٹا ہے ابھی تیرے دُکھ دینے والے یہ لوگ باقی ہیں۔ بالآخر جب صحابہ کو حضورؐ صلعم کی سلامتی کی خبر ملی تو سب آکر جمع ہو گئے اور بعض لوگ تو اسی وقت جان سے ہاتھ دھو کر کفار کی فوج پر جا پڑے تھے جب اُن کے کان میں دشمن کی آواز پہنچی تھی کہ محمد صلعم قتل ہو گئے اور انھوں نے خیال کر لیا تھا کہ اب حضورؐ کے بعد زندگی بیکار ہے۔ انہی واقعات کی طرف آیت میں اشارہ ہے کہ یہ زمانہ کا لوٹ پھیر ہے کبھی یوں ہوتا ہے کبھی یوں۔ اس سے بددل نہ ہونا چاہیئے اور کفار کے مقابلہ سے ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔ دیکھو بدر میں کفار کو شکست ہوئی مگر وہ پھر جمع ہو کر آئے۔ لہٰذا تم کو شکست کے بعد بھی بزدل نہ بننا چاہیئے۔

اب ذیل میں مسلمانوں کی ہزیمت کی غرض و حکمت بیان کی جاتی ہے۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمانوں کی شکست کی چار مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ ظاہری طور پر ایمانداروں کی حالت معلوم ہو جائے اور ہر دو فریق بالکل نمایاں طور پر ایک دوسرے سے ممیز ہو جائیں۔ کیونکہ مصیبت کے وقت ہی اپنا بیگانہ پرکھا جاتا ہے۔ اسی کسوٹی پر کھرے کھوٹے کی جانچ ہوتی ہے وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ دوسرے یہ کہ اکثر مسلمانوں کو شہادت کے درجے دینے مقصود تھے اور کفار کو رفتہ رفتہ عذاب کی طرف بڑھانا غرض تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو ستمگاروں سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ کافروں کو عذاب میں ترقی ہو وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تیسرے یہ کہ اس تکلیف میں مبتلا کرنے سے خدا کو مسلمانوں کا نکھارنا مقصود تھا کیونکہ مصائب و تکالیف سے تصفیۂ قلب ہو جاتا ہے اور آگ میں تپانے سے سونا کھرا نکل آتا ہے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ اور چوتھی غرض یہ تھی کہ کفار طیاش کر دئے جائیں تاکہ غالب آنے سے اُن کی جرأت بڑھ جائے اور پھر مقابلہ کا حوصلہ کریں اور فنا فی النار ہوں۔ یا یہ مطلب کہ جہاں کہیں اہل حق کی خونریزی ہوتی ہے تو اُن کا خون رنگ لاتا ہے۔ غیرتِ حق جوش میں آتی ہے اور کفار کو سطح ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

مقصود بیان قانونِ فطرت ہے کہ کبھی کسی قوم کا غلبہ ہوتا ہے کبھی کسی قوم کا۔ جو لوگ صابر جفاکش اور متحد القوت ہوتے ہیں ان کو غلبہ ہوتا ہے اور جو قوم بزدل اور پراگندہ رائے رکھتی ہے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ آیت میں امور ذیل کی صراحت کی گئی ہے۔ دعوتِ قرآن تمام عالم کے لئے عام ہے مگر اس سے فائدہ اندوز وہی قوم ہوتی ہے جو ازلی سعید ہے۔ انسان کو صفحاتِ تاریخ کا مطالعہ اور واقعاتِ عالم کی سیر کرنی چاہیئے تاکہ عبرت، استقلال، خودداری اور بقائے جمہوری کا جوش پیدا ہو۔ شکست سے بددل اور پست ہمت نہ ہونا چاہیئے بلکہ زخمی ہو کر اور زیادہ جوش سے کام لینا چاہیئے۔ مصائب کے وقت ہی کھرا کھوٹا اور اپنا بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ تکلیف و مصیبت میں پڑنے ہی سے ایمان کا نکھار ہوتا ہے۔ اہل حق کی خونریزی سے غیرتِ حق جوش میں آجاتی ہے۔ وغیرہ

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں (یونہی) جاؤ گے حالانکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں کا اللہ نے ابھی امتیاز نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ

الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ

ثابت قدم رہنے والوں کو جان لے اور تم موت کے آنے سے پہلے ہی اس کی آرزو کیا کرتے تھے اب تم نے اس

رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

رکوع

کو آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا

تفسیر اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے مقابلہ کرنے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے جوش دلایا جاتا ہے اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ شکست کی چار اغراض تو وہی ہیں جو سابق میں ذکر ہیں اُن کے علاوہ ایک غرض اور بھی ہے۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ مسلمانو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ویسے ہی جنت میں داخل ہونے کا استحقاق تم کو ہو جائے گا۔ حالانکہ مخلص مومن اور دروغ منافق دونوں اظہار ایمان واسلام میں برابر ہیں۔ ہر فریق ایمان کا مدعی ہے۔ عام طور پر کھرے کھوٹے اور مخلص غیر مخلص کا ابھی تک امتیاز نہ ہوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ اور خدا تعالیٰ کو ابھی علم ظہوری تفصیلاً حاصل نہ ہوا کہ تم میں سے خالص دل سے اس کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے اور جہاد سے جان چرانے والا کون ہے اور وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ مصائب کے وقت ثابت قدم رہنے والا اور جان مال کو قربان کرنے والا کون ہے اور میدان سے پیچھے ہٹنے والا کون ہے۔ غرض یہ کہ اس شکست میں ایک راز اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ کو نیز خدا کو امتحانِ عام کے بعد معلوم ہو جائے کہ رضائے مولیٰ کے لئے جنگ میں ثابت قدم رہنے والے اور اس کی راہ میں تن من دھن سے کوشش کرنے والے کون کون لوگ ہیں اور مصیبت کے وقت اپنے اسلام پر ثبات و پختگی سے رہنے والے اور ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ رہنے والے کون کون اشخاص ہیں۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ بعض صحابہ کہا کرتے تھے کہ کاش بدر جیسی لڑائی پھر ہو تو ہم بھی کافروں سے لڑ کر دل کی ہوس نکالیں یا تو شہید ہوں اور ثواب پائیں یا زندہ واپس آئیں اور ثوابِ جہاد کے علاوہ مالِ غنیمت ساتھ لائیں اور غازی بھی کہلائیں۔ لیکن جب جنگِ احد ہوئی تو بعض کے سب اسباب کے پاؤں اُکھڑ گئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! جب لڑائی نہ ہوئی تھی اُس وقت تو تم شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش بدر کی لڑائی کی طرح پھر ہو اور ہم کو شہادت کا ثواب حاصل ہو۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ لیکن جب تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ موقع آگیا اور جنگ کا وقت آگیا اور شہادت کا میدان سامنے نظر آنے لگا تو پھر تم کیوں پیچھے ہٹ گئے اور کیوں تم نے راہ فرار اختیار کی۔

مقصود بیان جہاد فرض کفایہ ہے۔ شہادت کی آرزو پوری کرنی جائز ہے۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا اور مصیبت کے وقت ثابت قدم رہنا موجب ثواب ہے۔ آیت میں ضمنی بیان ہے کہ حصولِ ثواب کوشش کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ خدا کی رحمت بغیر ذاتی سعی کے نہیں مل سکتی۔ آیت میں جہاد ثبات صبر اور قربانی کرنے کی تنبیہ آمیز لطیف ترغیب بھی ہے اور امتحان میں پورا اُترنے کی نہایت لطافت کے ساتھ ہدایت ہے۔ وغیرہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور محمدؐ تو صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے اور بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو اب اگر اُن کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا

کیا تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے گا وہ خدا کا کچھ ہرگز نہ بگاڑ سکے گا

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب ثواب دے گا اور بغیر حکم خدا کے تو کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا موت کا ایک وقت

كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

مقرر لکھا ہوا ہے اور جو شخص دنیوی عذاب کا خواستگار ہوگا ہم اس کو دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو شخص ثواب آخرت کا

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

خواستگار ہوگا ہم اس کو اسی میں سے دیں گے اور عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے

تفسیر جب جنگ احد میں مسلمانوں کو کچھ ہزیمت ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تو کسی دشمن نے آواز دی کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ اس پر بعض منافق بولے کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو مارے نہ جاتے۔ بعض کہنے لگے کہ جب نبی نہ رہے تو پھر اپنا مذہب کیوں نہ اختیار کیا جائے بعض ہمت ہار بیٹھے اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض نے کفار سے طلب امن کو جائز قرار دیا اور بعض پختہ ایمان رکھنے والے حضرات کہنے لگے کہ جب رسول اللہ ہی نہ رہے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ جس حق پر حضورؐ نے جان دی اسی پر ہم جان دیں گے اور اگر آپ قتل بھی ہو گئے تو خدا تعالیٰ حی و قیوم ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ لڑتے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فتح نصیب فرما دے یا ہم کو بھی شہید بنا کر حضور اقدسؐ سے ملا دے یہ لوگ اسی کشمکش اور سراسیمگی میں تھے کہ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچانا اور پکار کر کہا کہ مسلمانو! یہ ہیں رسول اللہ زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔ بالآخر سب جمع ہو گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت فرمائی۔ سب نے معذرت کی اور عرض کیا یہ خبر سن کر ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دل ٹوٹ گئے تھے۔ اس وقت آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نازل ہوئی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! محمدؐ تو صرف رسول ہیں معبود نہیں ہیں۔ اُن سے مقصود صرف رسالت ہے۔ اس رسالت کی تکمیل میں اس امر کو کیا دخل ہے کہ وہ مریں گے یا نہ مریں گے۔ احکام الٰہی وہ تم کو پہنچا چکے۔ مقصود رسالت پورا ہو گیا۔ فنا دنیا میں ہر شخص کے لئے ہے۔ اُن سے پہلے بھی رسول آتے اور چلے گئے۔ انبیاء نے فرض تبلیغ ادا کیا اور مر گئے اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ اب اگر وہ مر ہی جائیں یا بفرض محال قتل بھی ہو جائیں تو وہ معبود تو نہیں تھے کہ ان کی عبادت میں فرق آ جائے گا تو کیا انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ اب تمہارے لئے یہ مناسب ہوگا کہ ایڑیوں کے بل اسلام سے پلٹ جاؤ اور معبود حقیقی کی عبادت چھوڑ دو یعنی جب میں نے اپنے نبی کی زبان سے تم کو اپنے معبود اور یگانہ و کارساز ہونے کی خبر دے دی اور اپنے رسول کی رسالت سے تم پر اپنی عبادت واجب کر دی اور شانِ الوہیت دکھا دی اور تم نے اب بلا واسطہ میری الوہیت کو پہچان لیا تو پھر تم کو کیا ہو گیا کہ صرف رسول اللہؐ کا درمیانی پردہ اُٹھ جانے سے تم نے تزلزل کیا اور امتحان کے وقت حقائقِ ایمان و اخلاص میں مضطرب ہو گئے۔ اگر تم میری الوہیت، ربوبیت اور معبودیت کے مشاہدہ پر قائم رہتے تو درمیانی واسطہ کے الگ ہو جانے سے بھی تمہارے مشاہدہ میں کوئی فرق نہ آتا اور برابر میری عبادت کئے جاتے۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا جو شخص ایڑیوں کے بل اسلام سے پلٹ جائے گا وہ خدا کا نقصان ذرہ برابر نہ کرے گا بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے تو اپنے رسول صلعم کے ذریعہ سے اس کو ہدایت کر دی۔ اب ہدایت پر قائم رہنا نہ رہنا اُس کا فعل ہے ہدایت پر قائم رہے گا تو فائدہ اُٹھائیگا اور جو اسلام سے روگردانی کرے گا اپنا ہی نقصان کرے گا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے دین پر قائم رہنے والے خدا کی بندگی اور اطاعت کرنے والے اس کو معبود جاننے والے اور نعمت ایمان و اسلام کا شکریہ ادا کرنے والے ہیں اُن کو خدا تعالیٰ جزا عنقریب عنایت فرمائے گا۔ رسولؐ کی وفات اور عدم وفات کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب حضورؐ کی زندگی ہی میں فرمایا کرتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ نے ہم کو ہدایت کر دی تو واللہ اب ہم اُلٹے پاؤں نہیں پلٹیں گے۔ واللہ اگر حضورؐ

کی وفات ہوگئی یا بالفرض آپ شہید ہوگئے تو ضرور مرتے دم تک اسی راہ پر لڑتے جاؤں گا جس پر رسول اللہ لڑتے (رواہ الطبرانی) حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ شاکرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین پر قائم رہے۔ یعنی صحابہ اور ابوبکر تمام شاکرین کے امیر ہیں۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ہر شخص کی موت خدا کے حکم سے آتی ہے اور موت کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم تاخیر ناممکن ہے۔ اگر وقت آگیا ہے تو فرار سے نجات نہیں مل سکتی۔ اور وقت نہیں آیا ہے تو میدانِ جنگ میں گھس جانے اور جان لڑا دینے سے بھی موت نہیں آسکتی۔ پھر یہ سراسیمگی اور فرار تم نے کیوں اختیار کی۔ اس آیت میں نامردوں کو ہمت و جوش دلایا ہے۔ جنگ پر اُبھارا ہے اور میدانِ حرب میں بڑھ کر داد شجاعت دینے کی ترغیب دلائی ہے اور نہایت مدلل طریقے سے جہاد پر آمادہ کیا ہے۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا جنگِ احد میں چونکہ تیراندازوں کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی اور مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے کافروں کے پیچھے پڑ گئے تھے اور عبداللہ بن جبیرؓ اپنے دس ہمراہیوں کے ساتھ حسبِ ہدایت مورچہ پر قائم رہے تھے اس لئے آیتِ مذکورہ میں تعریضاً اول فرقہ پر عتاب اور موخرالذکر گروہ کی مدح کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اعمال کی صرف دنیا ہی میں جزا چاہتے ہیں اور اُن کی ہمت محض دنیوی ثواب ہی پر مقصور ہے تو ہم اُن کو دنیوی ثواب ہی بقدرِ قسمت عطا کرتے ہیں۔ مالِ غنیمت وغیرہ ان کو مل جاتا ہے اور آخرت میں اُن کا حصہ نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور جو لوگ ثوابِ اُخروی کے طالب ہوتے ہیں اور جنت کی خواستگاری کرتے ہیں ان کو ثوابِ دنیا کے علاوہ ہم آخرت میں بھی جزا دیں گے، جنت عنایت کر دیں گے اور پھر اس ثواب وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ اُخروی کے علاوہ ایک خصوصی انعام اور بھی ہے جو اپنے شکرگزار اور ثابت قدم بندوں کو ہم خود ہی عطا فرمائیں گے یعنی دیدارِ الٰہی۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے میں نے اپنے پرہیزگار بندوں کے لئے وہ نعمت رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا یعنی حواس و عقل سے بالاتر ہے اس سے مراد دیدارِ الٰہی ہے۔

مقصودِ بیان رسول کا فرض تبلیغ احکام ہے۔ ہر رسول پر یہ موتِ جسمانی ضرور وارد ہوگی اور ہوئی۔ رسول نہ خود معبود تھے اور نہ ان کی وفات سے خدا اور بندوں کا تعلق منقطع ہوا ہے۔ اسلام و توحید کو ترک کرنے سے خدا کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ انسان کا خود ہی نقصان ہوتا ہے۔ کوئی اس کو واحد جانے یا نہ جانے اس کے لئے دونوں برابر ہیں۔ انسان کو اپنی ہمت صرف دنیوی دولت و مال، عزت و حکومت، جاہ و حشم پر مقصور نہ کر لینی چاہیئے بلکہ اصل مقصد دینی سعادتِ اُخروی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ کچھ انعامات خدا تعالیٰ کے ایسے بھی ہیں جو مخلص ایمانداروں کو اور ان عارف باللہ ہستیوں کو ملتے ہیں جو مصائب کے وقت ثابت القلب رہتے ہیں اور ان کے قدم راہِ حق سے ڈگمگاتے نہیں ہیں۔ وغیرہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ

اور بہت سے انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والے لڑے اور راہِ خدا میں جو مصائب اُن پر آئے اُن کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا

وجہ سے نہ تو انھوں نے ہمت ہاری نہ سست پڑے نہ دبے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اس

كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

بات کے سوا وہ کوئی اور بات ہی نہ کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہمارے اعمال میں ہم سے ہو جائیں ان کو بھی

أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ

بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں کی قوم پر ہم کو فتح عنایت فرما پس اللہ نے اُن کو دنیوی بدلا بھی دیا اور

حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ع

آخرت کا اچھا بدلا بھی اور اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے

تفسیر وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ یہ گزشتہ آیات کے مضمون کی تاکید ہے اور جنگِ احد میں فرار ہونے والوں کو عتاب آمیز اور مدلل طرز میں جہاد کا جوش دلایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ افتاد صرف تم پر ہی نہیں واقع ہوئی اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے بلکہ بہت سے انبیاء ایسے گزرے ہیں کہ خداپرستوں اور اللہ والوں کی جماعت اُن کے ہمراہ ہوکر کافروں سے لڑی ہے اور زخمی بھی ہوئی ہے، شکست بھی کھائی ہے لیکن کسی نے راہِ فرار اختیار نہ کی اور فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نہ زخمی ہونے یا راہِ خدا میں مصائب اُٹھانے سے پست ہمت اور بزدل ہوئے۔ اور وَمَا ضَعُفُوْا نہ جہاد سے نامرد ہوکر بیٹھ رہے اور وَمَا اسْتَكَانُوْا نہ دشمن کے سامنے انہوں نے ہتھیار رکھ کر سرِ عجز خم کیا، نہ کفار کے سامنے پست پڑے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اور خدا تعالیٰ انہی لوگوں کو اجر جزیل اور ثواب کامل عنایت فرماتا ہے۔ جو جہاد میں ثابت قدم اور مرضی مولا کے طالب رہتے ہیں، جن کے ارادے غیر متزلزل اور ہمتیں پائیدار ہوتی ہیں۔ یہ جملہ درمیان میں صرف مسلمانوں کو اُبھارنے کے لئے بیان کیا گیا۔ اب پھر جملۂ اول کے مفہوم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا۔ یعنی اگرچہ ان کے بڑے بڑے ساتھی راہِ خدا میں شہید ہوگئے خود بھی وہ زخمی ہوئے۔ اپنی جماعت کی شکست اور کفار کا غلبہ بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ مگر ان کی زبان سے ایسے وقت میں بھی یہی الفاظ نکلتے تھے کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا الٰہی ہمارے قصور معاف کردے۔ ہم سے جو گناہ سرزد ہوگئے ہوں اُن کو بخش دے وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا اور جو زیادتیاں ہماری طرف سے ہوگئی ہوں اُن سے درگذر فرما۔ یعنی یہ شکست اور مغلوبیت ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت ہماری بداعمالیاں ہی اُس کی ذمہ دار ہیں تو ہماری غلطیوں کو معاف فرما وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ہم کو کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھ۔ ہماری نیتوں میں تزلزل، ارادوں میں پستی اور جوشِ شجاعت میں کمی نہ پیدا کر۔ بلکہ ہم کو دلیر، ثابت القلب بنا دے اور استقامت عطا فرما دے وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں پر ہم کو ظفریاب کر دے فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا لہٰذا اُن کی استقامت اور ثباتِ ایمان کو دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور فتح و نصرت، عافیت و حکومت اُن کو عطا فرمائی۔ وہ کافروں پر غالب ہوگئے وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ اور فقط دنیوی حکومت و غلبہ ہی نہیں بلکہ ثوابِ آخرت میں بھی استحقاق سے زائد اُن کو عنایت کیا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اجرِ جزیل عطا فرمایا کرتا ہے اور خدا کے نزدیک وہی بندے پسندیدہ ہیں جو اطاعت گذار اور فرمانبردار ہیں۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کے دلوں میں جوشِ شجاعت، جہاد کا ولولہ اور استقامت و صبر کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔ اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو شکست اور مغلوبیت سے پست حوصلہ اور کم ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ یہ قدیم سے سنّتِ الٰہی چلی آئی ہے کہ مومنوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ امتحان کے وقت اور زیادہ استقامت، پائیداری، صبر اور اخلاص و ایمان سے کام لے اور پراگندگی و سراسیمگی کو پاس نہ آنے دے اور یہ یقین رکھے کہ فتح و شکست و مغلوبیت ہماری ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا خدا سے اول اپنے جرائم کی معافی کی دعا کی جائے اور پھر فتح و ظفر کی استدعا کے ساتھ استقامت و جرأت کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ جب یہ تینوں باتیں موجود ہوں گی تو خدا تعالیٰ ضرور ظفریاب فرمائے گا۔ حاصل یہ کہ مسلمان پر لازم ہے کہ شکست و افتاد و مصائب کے وقت سب سے پہلے اپنے گناہوں سے استغفار پڑھے پھر خدا سے نصرت کی دعا اور پھر جرأت و ہمت سے مقابلہ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

مسلمانو! اگر تم کافروں کا کہنا مانوگے تو وہ تم کو ایڑیوں کے بل (اسلام سے) لوٹا دیں گے پھر تم ہو

ہے اور دشمنوں پر اُن کو ظفریاب فرماتا ہے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اللہ نے اپنا وعدہ تم کو سچا کر دکھایا جب کہ اللہ کے حکم سے تم اُن کو خوب قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تمہاری مرغوب چیز اللہ نے

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ

تم کو دکھا دی لیکن تم نے بُزدلا پن کیا اور معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے اور خلاف حکم کیا تم میں سے بعض تو دنیا

يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ

کے طالب تھے اور بعض آخرت کے پھر اللہ نے تمہارے آزمانے کی غرض سے تم کو اُن کی طرف سے پھیر دیا

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور تم کو معاف کر دیا اور ایمان والوں پر اللہ بڑا فضل رکھتا ہے

تفسیر محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب اُحد سے واپس ہو کر مسلمان مدینہ میں آئے تو بعض منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا تعالیٰ نے تو فتح کا وعدہ کیا پھر یہ شکست کیوں ہوئی۔ درحقیقت نہ خدا کوئی چیز ہے۔ نہ اُس نے کوئی وعدہ کیا تھا یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ اس کی تردید میں یہ آیت کمل نازل ہوئی وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ پوری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں تمہاری خاطر خواہ جیت ہوگئی تھی لیکن چونکہ تم نے خود رسول اللہ کے فرمان کی مخالفت کی اور خلاف حکم رسول مورچہ چھوڑ دیا اور مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے۔ رسول اللہ نے ہر چند آوازیں دیں لیکن تم نے ایک نہ سنی اس لئے معاملہ برعکس ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے دشمنوں کے رُخ سے تم کو پھیر دیا۔ وہ گھاٹی کی طرف سے تم پر چڑھ آئے۔ ان کا خوف تم پر چھا گیا اور ہزیمت اُٹھانی پڑی اور باوجودیکہ یہ شکست تمہارے فعل کا نتیجہ تھا مگر اللہ نے اس کو سزا قرار نہ دیا بلکہ اس میں مصلحت تھی کہ تمہاری آزمائش ہو جائے اور منافقوں کا نفاق کھل جائے۔ اب خدا نے تمہارا یہ قصور معاف کر دیا۔ آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو نصرت و فتح کا وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اسی وقت پورا کر دیا جب تم کافروں کو کاٹ رہے تھے اور بحکم الٰہی ان کو تہس نہس کر رہے تھے اور وہ پشت پھیر کر بھاگ گئے تھے اور ان کو شکست ہو گئی تھی۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ لیکن جب تم خود پست ہمت ہو گئے اور اس حکم میں (جو گھاٹی پر قائم رہنے کا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا) آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ کوئی کہنے لگا کہ اب تو ہمارے ساتھی غالب ہو گئے ہیں ہم کو لوٹ میں شریک ہونا چاہیئے اور بعض لوگ کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ کے حکم کی مخالفت نہ کریں گے۔ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ اور تم نے رسول اللہ کے فرمان سے سرتابی کی۔ حالانکہ فتح و نصرت آنکھوں سے تم کو خوب دکھا دی تھی اور مرکز کو چھوڑ کر لوٹ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ صرف چند آدمی مورچہ پر باقی رہ گئے مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا اس وقت تم میں سے بعض لوگ تو دنیا کے طالب تھے جنہوں نے مرکز کو چھوڑ کر مال کو لوٹنا شروع کر دیا تھا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اور بعض لوگ آخرت کے خواہاں تھے۔ انہوں نے رسول اللہ کی نافرمانی نہ کی اور حسب ہدایت مورچہ قائم رہے ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ تو اس وقت تمہاری ان تمام غلطیوں کے بعد خدا تعالیٰ نے کفار کی طرف سے تمہارے منہ پھیر دیئے۔ کیونکہ [illegible] طلب دنیا نہ تھی بلکہ درجاتِ آخرت کی ترقی اور رضائے مولا کی جستجو اصل نقطۂ نظر تھا تم نے نصرتِ الٰہی کی ناشکری کی لہٰذا خدا نے فتح کو [illegible] لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ تم میں سے مخلص اور غیر مخلص کی آزمائش ہو جائے اور منافق و مسلم کی حالت [illegible]

کرے ہی آخرت میں اس کا تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۔ خدا تعالیٰ تمام عالم پر مہربان ہے۔ مومنوں کے گناہ اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔

مقصود بیان خدا کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدہ میں کذب محال ہے۔ نفاق و شقاق اور باہمی تنازع موجب وبال ہے۔ اتفاق سے فتح اور نصرت الٰہی شامل حال ہوتی ہے اور اختلاف سے شکست و ہزیمت، ذلت و مغلوبیت۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے نفاق و نفاق اُن کے ظاہری اسباب ہیں۔ رسول اللہ کے فرمان کی مخالفت سے وبال آتا ہے۔ جہاد بلکہ مسلمان کا ہر فعل لوجہ اللہ ہونا چاہیئے۔ طلب دنیا کو اس میں دخل نہ ہونا چاہیئے۔ اگر طلب دنیا کے لئے جہاد کیا جائے تو کامیابی ہونی دشوار ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے مصیبت و غم مومنوں کی آزمائش کے لئے کام ہے تاکہ مخلص و غیر مخلص کی حالت ظاہر ہو جائے۔ جنگ احد میں مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی یا کفار سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے ان کا گناہ خدا نے معاف کر دیا۔ گناہ کبیرہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بھی مسلمان مسلمان رہتا ہے۔ دنیا میں ہر قسم کی مصیبت اپنی بداعمالی کی وجہ سے آتی ہے۔ مسلمانوں کو شکست خدا کی نافرمانی کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ وغیرہ۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کی طرف مُڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور پچھلی صف میں رسول تم کو پکار رہے تھے اس کے عوض تم کو اللہ نے

غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○

غم پر غم دیا تاکہ فوت شدہ چیز اور آئی ہوئی مصیبت پر تم غم نہ کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ

پھر اس غم کے بعد اللہ نے تمہارے لئے اطمینانی حالت نازل کی یعنی اونگھ (مسلط کر دی) جو تمہارے ایک گروہ پر چھا گئی اور ایک گروہ جس

قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل

کو اپنی جانوں کی پڑی تھی وہ اللہ پر جاہلیت کی طرح ناحق بدگمانیاں کر رہا تھا کہہ رہا تھا کہ ہمارا

لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا

اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں ہے (اے محمدؐ) کہہ دو کہ سب کام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے تھے جن کا

يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ

اظہار تم سے نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے (اے محمدؐ) کہہ دو کہ اگر تم اپنے

فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا

گھروں میں بھی ہوتے تب بھی جن کے مقدر میں مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ خود چل کر اپنے مقتل میں آموجود ہوتے اور (اس اختیار کی وجہ یہ ہے) کہ اللہ اس چیز کی آزمائش کرے

فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ

جو تمہارے سینوں میں ہے اور اُن خیالات کو نکھار دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے دونوں

الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا

جماعتوں کے مقابلہ کے دن تم میں سے جو لوگ پشت پھیر کر بھاگے تھے اُن کو محض اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے لغزش دیدی

كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ع

تھی اور اللہ اُن کو بلاشبہ معاف کر چکا کیونکہ اللہ غفور و حلیم ہے

تفسیر اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ یعنی اپنی اس نافرمانی کو یاد کرو کہ تم سرپٹ بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مُڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو پکار رہے تھے کہ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ خدا کے بندو اِدھر آؤ اِدھر آؤ میں یہاں ہوں مگر کسی نے نہ سُنا۔ اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب کافروں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے پکارنا شروع کیا کہ آگے مت جاؤ میری طرف آؤ مگر لوگ بے تحاشا مال غنیمت کے لالچ میں بھاگے چلے جا رہے تھے مُڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اس سے حضور اقدس کو بہت رنج ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کافروں کی فوج کے قائد تھے درّہ کو خالی پا کر آ پڑے اور مسلمانوں کی پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے اس ناگہانی حملہ سے ایسے سراسیمہ ہوئے کہ آپس کے آدمیوں کو بھی دشمن کا مجمع سمجھنے لگے اور خود ہی کٹ مرے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں حضرت حذیفہ کے والد کو مار ڈالا۔ ہرچند حذیفہ کہتے تھے کہ لوگو یہ میرے باپ ہیں مگر کسی نے نہ سُنا اسی گھبراہٹ میں اکثر انصار شہید ہوئے۔ ابن قمیہ ملعون نے حضور اقدس کے رخسار مبارک کو زخمی کر دیا اور آپ کی طرف بڑھا۔ مصعب بن عمیر نے روکا تو ابن قمیہ نے مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا اور سمجھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا اور یہ خبر جا کر اپنے ساتھیوں کو سنائی۔ فوراً کسی کافر نے آواز دی کہ محمد قتل کر دئیے گئے۔ یہ سنتے ہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاگے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ مُڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔ حضور والا ساتھ یا نو یا دس جانباز دور کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد صحابہ کو حضورؐ کی سلامتی کی اطلاع ملی تو سب جمع ہو گئے۔ حضرت طلحہؓ نے اس روز بڑی جانبازی کی بہت سے زخم کھائے مگر میدان سے کنارہ کش نہ ہوئے۔ آیات قرآنی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ یعنی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ مانا اور سرپٹ کفار کے پیچھے مال غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے اور رسول اللہؐ کو رنج پہنچایا تو اس کے عوض خدا نے بھی تم پر غم ڈال دیا۔ یا یہ مطلب کہ تمہاری سرتابی کی وجہ سے خدا نے تم پر غم بالائے غم ڈالا ایک مال غنیمت فوت ہونے کا غم۔ دوسرا شکست کا رنج۔ مگر چونکہ طلب دنیا بھی بہ نیت دین تھی، اس لئے خدا نے اس ہزیمت کو بھی تمہاری پختہ امادی اور ثبات ایمان کا ذریعہ بنا دیا۔ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ اور اس لئے تم کو اس مصیبت میں مبتلا کیا کہ جو مال غنیمت تم سے فوت ہو گیا اور جو شکست تم کو ہوئی اس پر تم رنجیدہ نہ ہو یعنی تم عادی ہو جاؤ کسی کامیابی کے فوت ہونے یا شکست پڑنے سے غمگین نہ ہو جایا کرو۔ جس طرح کہ اس شکست سے ایسے بدحواس ہوئے کہ اسلام کی مدد و حمایت اور خدا کی فتح و نصرت کو بھی بھول گئے۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور خدا کو تمہارے تمام اعمال کی پوری پوری اطلاع ہے۔ کوئی حرکت تمہاری اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا۔ اس شکست میں جو لوگ شہید ہونے وہ ہو گئے اور جو میدان سے ہٹ گئے وہ ہٹ گئے جو دس بارہ آدمی میدان میں باقی تھے اُن پر اللہ کی طرف سے اونگھ طاری ہو گئی تاکہ کسل و ملال دفع ہو کر چستی اور ہمت پیدا ہو جائے اور یہ صورت ہوئی کہ سب کی ٹھوڑیاں سینے سے لگ گئیں اور تلواریں ہاتھوں سے گرنے لگیں۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں میں اسی اونگھ کی حالت میں خواب کی طرح معتب بن قشیر منافق کا قول سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ جس کا بظاہر مطلب تو یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔ ہمارا کچھ اختیار نہیں ہے۔ سب اختیار اللہ ہی کو ہے۔ مگر واقع میں اس قول کی

منافقوں کا یہ مطلب تھا کہ ہماری رائے پر چلتے تو یہ شکست اُٹھانی نہ پڑتی۔ خدا تعالیٰ نے (۱۶) ویں آیت میں اس تفرقہ کو بیان کرتے ہوئے منافقوں کے اس قول کی تردید فرمادی۔ حاصلِ آیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس غم و اندوہ کے بعد کسل و تھکان دور کرنے کے لئے تم پر ایک اُونگھ مسلط کر دی جو يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ تم میں سے ایک گروہ پر چھا گئی؛ اور جو مومن میدانِ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جمے رہے تھے اُن کی آنکھیں جھپک گئیں۔ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ لیکن جو گروہ منافقوں کا تھا اس کو اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ اس کو یقین نہ تھا کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فتح نصیب کرے گا۔ بلکہ اس کا خیال تھا کہ اب رسول اللہ اور مسلمان کبھی زندہ بچ کر نہیں آسکتے۔ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ یہ لوگ خدا کے متعلق جاہلوں کی طرح بالکل غلط دماغ تراشیاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور شہید ہو جائیں گے بچ کر نہیں آسکتے اور یہ بھی يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ وہ کہتے تھے کہ جس فتح کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور ہمارا اس میں کیا بس ہے۔ سب معاملات تقدیری ہیں۔ تدبیر تقدیر پر غالب نہیں آسکتی۔ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ط یہ درمیان میں جملۂ معترضہ منافقوں کے خیال کی تردید کے لئے لایا گیا۔ یعنی اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں جو کچھ خدا چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی مشیت میں کسی کو دخل نہیں يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ یعنی اگرچہ بظاہر تو وہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر درحقیقت اس سے مراد ان کی اور ہے جو ان کے دلوں کے اندر پوشیدہ ہے۔ ظاہر اور کچھ کہتے ہیں اور باطن میں اُس کے خلاف خباثت پوشیدہ رکھتے ہیں۔ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا بس ہوتا اور ہمارے قول پر عمل کیا جاتا تو پھر یہ شکست کیوں ہوتی اور کیوں اس طرح مارے جاتے۔ ہم مدینے سے نکلتے تو ہرگز قتل نہ ہوتے۔ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ اے نبی! آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اگر تم مکانات کے اندر بھی چھپ کر بیٹھ رہتے لیکن جس شخص کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا وہ ہرگز نہ بچ سکتا۔ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ بلکہ میدانِ کارزار میں نکل کر ضرور مارا جاتا اور گھر میں بیٹھ رہنا سودمند نہ ہوتا۔ فرض یہ کہ قضائے الٰہی تو لامحالہ ہونے والی ہے۔ جن لوگوں کے مارے جانے کے متعلق ازلی حکم ہو چکا تھا۔ اگر تم اُن کو گھر میں لے کر بیٹھ بھی رہتے اور جہاد سے نافرمانی کرتے تب بھی وہ لوگ نکل کر کسی بہانہ سے وہاں پہنچتے جہاں اُن کا مقتل تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ خدا تعالیٰ نے جنگ احد میں یہ شکست و ہزیمت اس واسطے تم پر مسلط کی کہ تمہارے سینوں میں جو نفاق و اخلاص پوشیدہ ہے اس کی آزمائش ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق۔ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ پھر جن لوگوں کے دلوں میں خالص ایمان اور یقین ہے اس کا نکھار ہو جائے اس مصیبت کی کسوٹی سے ان کے ایمان میں اور پختگی پیدا ہو جائے اور عام لوگوں کو ان کے خلوصِ ایمانی کا پتہ لگ جائے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امتحان اس لئے تھا کہ خدا کو پہلے سے مومن و منافق کا امتیاز نہ تھا۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ خدا تعالیٰ کو تو ضرور بہر صورت دلی خیالات اور ارادوں کا علم ہے۔ یہ امتحان صرف عام لوگوں کی واقفیت کے لئے کیا گیا تاکہ لوگوں کو مخلص و غیر مخلص کی تمیز ہو جائے۔ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ جس روز کہ مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں آپس میں بھڑ گئی تھیں اس روز مسلمان پشت پھیر کر میدانِ قتال سے بھاگ گئے تھے۔ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا اُن کو اُنہی کی بعض بداعمالیوں کی شامت کی وجہ سے شیطان نے ڈگمگا دیا تھا اور چونکہ انہوں نے فرمانِ رسولؐ کی مخالفت کی تھی اس لئے شیطان نے اُن کو فرار پر آمادہ کیا۔ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ مگر خیر خدا نے اُن کا قصور معاف کر دیا۔ کیونکہ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ خدا تعالیٰ غفور ہے گناہگاروں کی گرفت فوراً نہیں کرتا ہے۔ بلکہ مُہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرنی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔ کسی مقصود کے فوت ہونے یا مقابلہ میں شکست ہو جانے سے بددل اور پست ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ جو لوگ راہِ خدا میں بے دریغ کوشش کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر حق سے نہیں ہٹتے اُن کی خدا تعالیٰ بہر صورت امداد کرتا ہے۔ خواہ تمام دنیا اُن کو چھوڑ دے مگر اُن کا مولیٰ ان کو نہیں چھوڑتا۔ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔ جس شخص کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خواہ اس سے بچنے کی ہزار تدبیریں کی جائیں مگر کوئی تدبیر مفید نجات نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ کے نیک اور حق کوش بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ جو لوگ خود بداعمالیاں کرتے ہیں ان کو ہی شیطان بھی بہکاتا ہے۔ تمام وبال بداعمالیوں سے آتا ہے۔ خدا کسی گنہگار کی گرفت فوراً نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کو توبہ کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ وغیرہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا

مسلمانو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اسلام کے منکر ہو گئے اور اپنے بھائیوں کے متعلق جب کہ وہ سفر میں نکلتے ہیں

فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ

یا جہاد میں ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (اس کی وجہ یہ ہے) اللہ اس خیال

ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَ

کو اُن کے دلوں میں باعثِ حسرت بنائے اور اللہ ہی جِلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اگر

لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا

تم خدا کی راہ میں مارے بھی جاؤ یا مر جاؤ تب بھی اللہ کی بخشش اور مہربانی اس مال سے بہتر ہے جس کو

يَجْمَعُونَ ۝ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝

وہ جمع کرتے ہیں کیونکہ اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو لامحالہ اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے

تفسیر سابق آیات میں ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں۔ اگر جنگ میں ہم کو اختیار ہوتا تو ہم مدینہ سے نہ نکلتے اور یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ اس کا جواب دے کر اس آیت میں خدا تعالیٰ مومنوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ ایسے سست اعتقاد اور عالمِ اسباب پر دلی توکل کرنے والے نہ بن جاؤ۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو تم ان منافقوں کی طرح بدعقیدہ اور خدا تعالیٰ سے بے اعتمادی کرنے والے نہ بن جاؤ اور اس منکرِ قدرت فرقہ کی طرح انکارِ قدرت نہ کرو۔ جو ایک تو خود ہی بدعقیدہ کافر ہیں۔ وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى دوسرے اپنے اُن برادری والوں سے جو اپنے کاروبار کے لئے کہیں چل پھر کر جاتے ہیں اور کسی ملک میں بحالتِ سفر بتقضائے الٰہی مر جاتے ہیں یا کہیں جہاد پر جاتے ہیں اور وہاں بحکمِ خدا مارے جاتے ہیں۔ لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو ہرگز نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ کیونکہ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ان باتوں سے دل میں محض حسرت و افسوس پیدا ہوتا ہے اور خواہ مخواہ عذابِ روحانی اٹھانا پڑتا ہے۔ تقضائے الٰہی تو کسی طرح سے ٹلے نہیں ٹل سکتی۔ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ خدا تعالیٰ ہر جگہ اسبابِ موت پیدا کر سکتا ہے اور بچا بھی سکتا ہے۔ سفر یا جہاد سے بیٹھ رہنا موت کو نہیں روک سکتا اور نہ جہاد میں شریک ہونے سے خواہ مخواہ زندگی قطع ہو جاتی ہے۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور تمہارے اعمال سے خدا خوب واقف ہے۔ مرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کی سزا یا جزا دے گا۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ اور بالفرض اگر تم راہِ خدا میں مارے گئے یا خوشنودیِ خدا کے لئے اپنی موت سے مر گئے تو اس سے بہتر اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ خدا کی ادنیٰ مغفرت اور قلیل ترین رحمت اس تمام مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو تم جمع کرتے ہو اور اپنے خیال میں اس کو بہتر سمجھتے ہو۔ کیونکہ کل مال و منال یہیں رہ جائے گا اور رحمتِ الٰہی کام آئے گی۔ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ اور اگر تم سفر وغیرہ میں مر گئے یا مارے گئے تو یوں ہی نیست و نابود نہ ہو جاؤ گے۔ بلکہ ایک دوسرے پیکر میں حیاتِ جاودانی پاؤ گے۔ اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے اور یہ شہادت تقربِ الٰہی کے حصول کا سبب یا ترقیِ درجات کا باعث یا مغفرت و بخشش کا موجب ہوگی۔ پھر موت سے بچ کر گھروں میں بیٹھ رہنا اور اہلِ نفاق کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا بالکل حماقت ہے۔ اول تو بغیر حکمِ الٰہی موت آ نہیں سکتی اور اگر مرنے کا وقت ہی آ گیا ہے تو کسی طرح موت ٹل نہیں سکتی لہٰذا یوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سات کو ٹھریوں کے اندر

بند ہو کر مرنے سے یہ بہتر ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرو۔ زندگی ہے تو بچ جاؤ گے موت آئی ہے تو مر جاؤ گے اور درجۂ شہادت پاؤ گے۔

مقصودِ بیان آیت میں امورِ ذیل کی نہایت بلیغ پیرایہ میں تعلیم دی ہے۔ تقدیر و حکم الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ ظاہری اسباب بن آئی موت کو ٹال نہیں سکتے۔ میدانِ کارزار میں نکل کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا تمام دنیا کے عیش و آرام اور مال و منال سے بہتر ہے۔ آیتِ مذکورہ میں خدا سے بد اعتقادی کرنے، تدبیر پر بھروسہ کر لینے، تقدیرِ الٰہی میں شک کرنے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو بقائے حیات کا سبب جاننے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جہاد پر نہایت بلاغت کے ساتھ مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ وغیرہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ (اے محمدؐ) تم ان کو نرم دل ملے اور اگر تم کج خلق اور سنگدل ہوتے تو تمہارے پاس سے وہ منتشر

حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ

ہو جاتے پس تم ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے استغفار کرو اور معاملہ میں ان سے مشورہ لیا کرو اس کے بعد اگر تمہارا پختہ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ

ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اگر خدا تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب

لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

نہیں آ سکتا اور اگر وہی تم کو بے مدد چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد تمہاری کون مدد کر سکتا ہے مسلمانوں پر لازم ہے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں

تفسیر جنگِ احد میں جو لوگ بھاگ گئے تھے یا بھاگنے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اس پر مسلمانوں میں انگشت نمائی ہونے لگی اور مخلص مسلمان اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور مشوروں میں بھی اُن کو شریک نہ کیا جاتا تھا۔ نہ کسی بات میں اُن سے صلاح لی جاتی تھی۔ اس بات سے ان کی دل شکنی ہوتی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لعنت ملامت کچھ نہ کی اور نہ کسی برتاؤ میں فرق کیا۔ چونکہ یہ حرکت اُن سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو گئی تھی واقع میں وہ متردد یا ضعیف الایمان نہ تھے اس لئے خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ اور اپنے رسولؐ کو بھی حکم دیا کہ اُن سے درگزر کریں۔ اُن کے لئے استغفار کریں اور مشورہ میں ان کو شریک کریں تاکہ اُن کی دل شکنی نہ ہو۔ اس سے اصل مقصود صحابہ اور اُمتِ اسلامیہ کو تعلیم دینی ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی طرف سے کشیدہ خاطر ہی نہ تھے۔ نہ اُن پر انگشت نمائی کرتے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل اور رحیم ہیں۔ یعنی باوجودیکہ انہوں نے آپ کی مخالفت کی مگر آپ نے پھر نرمی سے کام لیا۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اور اگر آپ درشت مزاج اور بداخلاق ہوتے، آپ کا دل سخت ہوتا اور آپ اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تو وہ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ لہٰذا آپ خود بھی اُن کے قصور کو معاف کر دیجئے اور وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ خدا سے بھی اُن کے عام گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کیجئے۔ کعب احبار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں رسولِ آخر الزماں کے یہ اوصاف مذکور تھے کہ وہ بداخلاق اور درشت مزاج نہ ہوں گے۔ بازاروں میں بک بک کرتے

نہ پھریں گے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں گے بلکہ معاف کر دیں گے اور درگزر کریں گے۔ چناں چہ حضورؐ کے یہی اخلاق کریمانہ ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور جنگ وغیرہ کے معاملات میں اُن سے مشورہ کر لیا کیجیے تاکہ اُن کی دل شکنی نہ ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں نازل ہوئی اور انہیں دو حضرات سے مشورہ کرنے کا حکم ہوا۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جب مشورے کے بعد کسی کام کا پختہ ارادہ ہو جائے تو ظاہری ساز و سامان اور خارجی اسباب پر اعتماد نہ کرو بلکہ خدا پر بھروسہ کرو اور اسی کے سپرد تمام کام کر دو کیوں کہ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ توکل کرنے والے خدا کو محبوب اور پسند ہیں۔ توکل کرنے والوں کو خدا دنیا میں کامیاب کرتا اور آخرت میں ثواب دیتا ہے۔ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خدا تم کو فتحیاب کرنا چاہے گا تو چاہے ظاہری اسباب کامیابی فراہم نہ ہوں پھر بھی تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور تم کو ہی فتح حاصل ہوگی۔ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ اور اگر تمہاری بدکاریوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے خدا تمہاری مدد نہ کرے گا اور ذلیل کرنا چاہے گا تو پھر کیسا ہی ساز و سامان تمہارے پاس ہو اور حصول مقاصد کے کتنے ہی ذرائع تم فراہم کر لو مگر کسی میں طاقت نہیں کہ تمہاری مدد کر سکے لہٰذا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ مومنوں کو خدا ہی کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہیے۔ دنیوی اسباب کو باعثِ کامیابی نہ سمجھنا چاہیے۔

مقصودِ بیان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور مزاج نرم تھا۔ خوش خلقی لوگوں کو تسخیر کرنے والی ہے۔ بدخلقی سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ ہر امر میں مشورہ کرنا مناسب ہے۔ کسی کام کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے بھروسے پر اس کو شروع کر دینا چاہیے۔ اسباب ظاہری پر توکل اور اعتماد نہ کیا جائے۔ خود رائی اور استبداد ناجائز چیزیں ہیں۔ وغیرہ۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى

اور خیانت کرنی نبی کی شان نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا جس میں اس نے خیانت

كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ

کی ہوگی اس کے بعد ہر شخص نے جو کیا ہے اس کا بدلا پورا پورا دیا جائے گا حق تلفی نہیں کی جائے گی جس شخص نے خدا کی مرضی کے مطابق کام کئے

كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللّٰهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ هُمْ

وہ کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب میں آ گیا اس (موخر الذکر) کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے اللہ کے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

ہاں لوگوں کے درجات مختلف ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے

تفسیر جنگِ بدر میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو ملا اُس میں ایک دھاری دار سرخ چادر گم ہو گئی اس پر کسی بد باطن منافق نے امین خدا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ مطلب یہ ہے کہ خیانت کرنی کسی نبی کی شان نہیں ہے اور محمدؐ تو اشرف الکونین ہیں پھر وہ خیانت کس طرح کر سکتے ہیں کیونکہ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کردہ حق کو لیے ہوئے آئے گا اور پھر ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کسی کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی اور انبیاء کو اس پر حق الیقین ہوتا ہے پھر وہ کس طرح خیانت کر سکتے ہیں۔ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ

كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اس کے علاوہ نبی ہمیشہ رضامندی الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور خیانت کرنے والا ناراضگی حاصل کرکے اپنا ٹھکانا جہنم میں بناتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں، کیا دو ضدیں باہم جمع ہو سکتی ہیں؟ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی بھی نبی خیانت نہیں کر سکتا۔ حاصل ہدایت یہ ہے کہ اگر نبی بعض امور میں تم سے مشورہ نہ کرے اور بعض احکام آسمانی کے مصالح اس خیال سے تم پر ظاہر نہ کرے کہ وہ تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ پیغمبر نے خیانت کرلی۔ کیوں کہ نبی خدا کا امین ہوتا ہے۔ اُس کی شان خیانت نہیں نبی کو حق الیقین ہوتا ہے کہ جو کوئی دنیا میں خیانت کرے گا قیامت کو اس کی خیانت ظاہر کی جائے گی اور پھر ہر شخص کو اُس کے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے تقسیم کے وقت کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا مالِ غنیمت میں کا کوئی حصہ بیت المال میں جمع رکھیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے یا کسی وجہ سے مالِ غنیمت کی تقسیم میں دیر ہو جائے تو تم کو نبی کی طرف خیانت کرنے کا خیال ہرگز نہ چاہیے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اہلِ اصلاح اور انبیاء سعادت روحانی اور کمالِ مراتب کے لحاظ سے مختلف درجات پر فائز ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے مراتب میں اگرچہ تفاوت ہے لیکن خیانت کرنی ان میں سے کسی کے شایانِ شان نہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور خدا سب لوگوں کے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ ہر شخص کو اُس سے ڈرنا چاہیے اور امانت میں خیانت نہ کرنی چاہیے۔ خیانت اگرچہ بندوں سے چھپ جائے مگر خدا سے نہیں چھپ سکتی۔

مقصودِ بیان آیت مذکورہ میں تہذیب الاخلاق، اصلاح معاشرت اور اصول تمدن کے بہت سے زریں خزانے مضمر ہیں۔ مثلاً مسلمان پر لازم ہے کہ کسی پر بدگمانی نہ کرے۔ خصوصاً اپنے سردار کی نسبت بدگمانی کرنے سے قطعاً باز رہے تاکہ قوم و ملت کی شوکت و برکت قائم رہے۔ پیشواؤں اور سرداروں کا ادب ملحوظ رکھا جائے۔ خیانت سے قطعاً پرہیز رکھا جائے نہ مال میں خیانت کی جائے۔ راز داری میں نہ احکام الٰہی میں نہ کسی قسم کی امانت میں نہ حاکم و سردار کی اطاعت میں نہ نوکر آقا کے حقوق میں نہ آقا نوکر کے حقوق میں نہ بیوی شوہر کے مال آبرو اور عصمت میں نہ شوہر بیوی کے واجبی استحقاق میں۔

آیت میں ایک لطیف اشارہ عصمتِ انبیاء کے متعلق بھی ہے اور اس بات کا بھی ضمنی اظہار ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اعمال متشکل ہو کر آئیں گے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

مسلمانوں پر بلاشبہ اللہ نے احسان کیا کہ اُن کے لئے اُنہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اللہ کا کلام اُن کو پڑھ کر سناتا ہے۔

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

اور (شرک سے) ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب و عقل کی باتیں ان کو سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے

تفسیر سابق آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کا جرم سرزد نہیں ہو سکتا کیوں کہ نبی معصوم ہوا کرتے ہیں۔ اب اس آیت میں صحابہ بلکہ عام مومنوں پر اپنے اُس فضل کا اظہار کیا جا رہا ہے جو کہ بعثت رسول کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ دکھایا جا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسول کو اُن کے تزکیۂ اخلاق اور ہدایت و ارشاد کے لئے بھیجا ہے۔ ہر رسول خود خیانت ایسی قبیح حرکات کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ خدا کا یقیناً خصوصیت کے ساتھ صحابہ پر اور عموماً تمام مومنوں پر بڑا احسان و فضل ہے کہ اُس نے ایک عظیم الشان جلیل القدر رسول اُنہیں میں سے پیدا کیا کوئی فرشتہ یا جن نہ بھیجا کہ اختلاف جنس کی وجہ سے وہ اس کی ہدایت سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے۔ پھر کسی اور ملک کے باشندے اور کسی غیر عربی خاندان کے فرد کو بھی نبی بنا کر مبعوث نہ فرمایا کہ اُس کی زبان سمجھنے میں اُن کو دشواری پیش آتی بلکہ اُنہیں کے شہر و ملک کے ایک شخص کو نبی بنایا۔ جس کی ابتدا عمر سے لے کر انتہا جوانی تک کے کل حالات کا اُن کو علم تھا اور وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اس رسول مکرم کا کل حصۂ عمر انسانی سیہ کاریوں سے پاک ہے پھر اس نبی برحق نے معجزات و کرامات بھی اُن کو دکھائے تاکہ اُن کے

دلوں میں تصدیقِ رسالت کی طرف سے کوئی شبہ باقی نہ رہے اور سب سے بڑا معجزہ یہ کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے قرآن پیش کیا جس کی سلاست بلاغت اور جامعیت بالکل کھلا ہوا معجزہ تھی اور پھر فقط قرآن کی تلاوت ہی نہیں کی بلکہ وَیُزَکِّیْهِمْ اُس پیارے رسول نے اُن کو کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف کر کے ایمان و توحید کے پانی سے دھو دیا۔ شہوانی اور غضبی قوتوں کو صاف ستھرا کیا اخلاق کو درست کیا اور پاکیزہ بنایا اور دنیا و دین کی سعادت حاصل کرانے کے لئے وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ قرآن مقدس اور اپنی سنت گرامی کی تعلیم دی جو سراسر حکمت و اخلاق پر مبنی تھی۔ دنیا کا کوئی روشن خیال اور فلسفی حقیقت شناس دماغ رکھنے والا انسان اُس کی سنت پُرحکمت کو مُضر نہیں ثابت کر سکتا اور نہ خلافِ فطرت کہہ سکتا ہے۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اگرچہ تمام عرب والے بلکہ عموماً دنیا والے بعثت رسول سے قبل بالکل کھلی ہوئی گمراہی اور مادی تاریکی میں پڑے ہوئے تھے۔ بے علمی، بے عقلی، بدخلقی، کشت و خون، خانہ بدوشی، وحشت و بربریت، فسق و فجور، بُت پرستی اور خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے، مگر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اصول تمدن سکھائے اصلاح معاشرت تہذیب اخلاق، اخوت ملی، اتحاد قومی اور اتفاق ملی کی تعلیم دی اور غیر اللہ کی پرستش کی نجاست سے اُن کو پاک صاف کر کے مجسمۂ ہدایت و ارشاد اور پیکرِ اخلاص و عقیدت بنا دیا۔ وغیرہ۔

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوازم انسانیت میں دیگر لوگوں کی طرح تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کو بلا واسطہ خدا سے ملا دینے والے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی سُنّت بعینہٖ ہدایت قرآنی کے موافق تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تین امور کے واسطے تھی۔ احکامِ الٰہی کی تبلیغ، تزکیۂ اخلاق، تجلیۂ رُوح۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ خصوصاً عرب کی حالت اخلاق، معاشرت اور تمدن قومی کے اعتبار سے بہت خراب تھی۔

آیت سے ہم کو امور ذیل کا سبق ملتا ہے۔ نشست و برخاست، رفتار و گفتار اور زندگی کے ہر حرکت و سکون میں حضور والا کے احکام و افعال کی پیروی کی جائے۔ ہم پر فرض ہے کہ اپنے اخلاق و اعمال اور عقائد کی اصلاح کے بعد دوسروں کی عاقبت کی کوشش کریں اور رسول اللہ صلعم کی تعلیم دنیا میں پھیلائیں قرآن پاک قوانینِ عمل کی بہترین کتاب ہے اس کے اندر ملّی اور قومی اصلاح کے تمام ضوابط موجود ہیں۔ حضور اقدسؐ کی ہدایت کے بغیر کسی شخص کا تعلق خدا سے نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ

کیا جب تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہو یہ کہاں سے آپڑی حالانکہ اس سے دوچند تم (کافروں کو) پہنچا چکے ہو (اے محمد) کہہ دو کہ یہ

عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

تمہاری ہی آوردہ ہے بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے دن جو مصیبت تم پر آئی

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚ صلے وَقِیْلَ لَهُمْ

وہ بحکم خدا آئی اور (اس کا سبب یہ تھا کہ) اللہ ایمان والوں کا امتیاز کرے اور ان لوگوں کی تعیین کر دے جو منافق تھے (جب) اُن سے کہا گیا

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ

کہ آؤ راہِ خدا میں لڑو یا دشمنوں کو ہٹا ہی دو تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہارا ساتھ دیتے یہ لوگ اس روز

یَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے اپنی زبان سے وہ باتیں کہہ رہے تھے جو اُن کے دلوں میں نہ تھیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا

اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے گھر بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے متعلق کہا تھا کہ اگر انہوں نے ہمارا کہنا مانا ہوتا تو

قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

نہ مارے جاتے (اے محمد) تم کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے اوپر ہی سے موت کو ٹال دو۔

تفسیر ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافق کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتے تھے کہ اگر یہ رسول برحق ہیں تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی اور باوجود نصرت الٰہی کے وعدے کے یہ مصیبت اسلام پر کہاں سے آئی ؟ اس شبہ کا جواب اس کل آیت میں دیا جا رہا ہے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا — حاصل ارشاد یہ ہے کہ : کیا بات ارشاد کی ہے کہ تم تو کافروں کو بدر میں قتل بھی کر چکے اور گرفتار بھی کر کے لے آئے۔ ستر کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کیا اب تم پر اس سے آدھی مصیبت جب آپڑی کہ تمہارے ساٹھ ستر آدمی شہید ہوئے اور گرفتار کوئی نہیں ہوا تو تم کہنے لگے کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آپڑی۔ حالانکہ اس سے دوگنی مصیبت میں تم کافروں کو ڈال چکے ہو۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اے نبی آپ ان کو جواب دے دیجیے کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی نہ کرتے اور پہاڑ کی گھاٹی پر جمے رہتے تو یہ مصیبت نہ آتی۔

آیت کے یہ معنی ربیع بن انس محمد بن اسحاق اور سدی وغیرہ نے بیان کئے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ جب جنگ بدر میں ستر مشرک گرفتار ہو کر آئے تو دشمن نے مالی فدیہ دے کر ان کو رہا کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کا خیال ہوا کہ نہ چھوڑا جائے بلکہ قتل کر دیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ابوبکرؓ کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی طرح نرم ہے اور عمر کا قول نوحؑ کے قول کی طرح سخت ہے " پھر حضرت ابوبکرؓ کے قول کو حضور اقدس نے پسند فرمایا۔ یہ فیصلہ مرضی الٰہی کے خلاف ہوا۔ حضرت جبرئیلؑ عتاب آمیز حکم لے کر آئے حضرت علی رضؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آکر کہا " محمد ! آپ کی قوم نے جو فیصلہ قیدیوں کے حق میں کیا وہ خدا کو پسند نہیں۔ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ان کو دو باتوں سے ایک بات کا اختیار دے دو یا تو یہ قیدیوں کو قتل کر دیں اور اگر فدیہ لے کر چھوڑتے ہیں تو یہ شرط ہے کہ جتنے کافروں کو یہ رہا کریں گے آئندہ اُتنے ہی مسلمان شہید ہوں گے۔ حضور والاؐ نے مسلمانوں کو بلا کر اُن کو حکم الٰہی سنایا۔ مسلمانوں نے جواب دیا یہ ہمارے بھائی بند ہیں۔ اگر ہم فدیہ لے کر آزاد کر دیں گے تو زر فدیہ سے ہم کو تقویت حاصل ہو گی۔ اب اگر ہم میں سے اتنے آدمی شہید ہو جائیں گے تو کیا حرج ہے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ چنانچہ احد کے دن ستر مسلمان شہید ہو گئے (رواہ ابن جریر والنسائی والترمذی) گویا آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ شکست تو تمہاری خود آوردہ ہے تم گرفتاران بدر کو رہا کرتے وقت شرط کر چکے تھے کہ ہم ستر مسلمانوں کی شہادت پر رضامند ہیں، مگر ان بھائی بندوں کو قتل کرنا ہم پسند نہیں لہٰذا اُسی شرط کی بنا پر تم میں سے ستر مسلمان شہید ہو گئے اب بددل اور کم ہمت کیوں بنے جاتے ہو یہ تو تقدیر الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ خدا سب کچھ کر سکتا ہے تم کو مدد بھی دے سکتا تھا اور تمہارے اقرار کے بموجب تم کو ہزیمت بھی دے سکتا ہے، مگر درحقیقت یہ ہزیمت نہیں ہے بلکہ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ جنگ احد کے روز جب کافروں اور مسلمانوں کی جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں اور تم کو مصیبت اُٹھانی پڑی تھی تو یہ مصیبت بحکم الٰہی اور مشیت ایزدی تھی اور اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۔ عام طور پر خالص اہل ایمان اور دوغلے منافقین کی حالت کا انکشاف ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ منافق ہیں اور یہ مخلص مومن ہیں، یہ دوست ہیں اور یہ دشمن ہیں۔ منافقوں کی اُس روز عجب حالت ظاہر ہوئی۔ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جب مسلمانوں نے اُن سے کہا کہ پیچھے کیوں ہٹتے ہو، کیوں مدینے کو لوٹے جاتے ہو آؤ آگے بڑھو، راہ خدا میں جہاد کرو، اور اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اَوِادْفَعُوْا ہمارے ساتھ رہ کر ہی دشمنوں کو دفع کرو تمہارے ساتھ رہنے سے ہماری تعداد کی کثرت معلوم ہو گی اور دشمن خوف کھا کر بھاگ جائے گا اور صرف تمہارے ساتھ رہنے ہی سے دشمن کی مدافعت ہو سکے گی۔ تم لڑو یا نہ لڑو تم کو اختیار ہے۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ کہنے لگے ہم کو لڑائی نہیں آتی۔ اگر ہم کو

اصحاب کی لڑائی معلوم ہوتی تو ہم ضرور تمہارا کہنا مانتے اور تمہارے ساتھ رہتے ۔ یہ درحقیقت مسلمانوں پر طعن ہے کہ تم اصولِ جنگ سے ناواقف ہو تم نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا اور مدینے سے باہر نکل کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے گویا ہم فنونِ حرب سے واقف ہیں ۔ البتہ ہم تمہارے ساتھ شامل رہتے جبکہ مدافعانہ جنگ ہوتی۔

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ اُس روز اُن کی حالت کا انکشاف ہو گیا اس سے قبل اگرچہ بظاہر وہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھے معلوم ہوتے تھے لیکن اس روز ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت کافروں سے اُن کا تعلق قریب ہے ۔ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یہ زبان سے کہتے ہیں مگر جو خواہشیں ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہیں وہ ظاہر کے مخالف ہیں ۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق مدینے کے اندر ہی رہ کر دشمنوں کی مدافعت کی جاتی تب بھی یہ مسلمانوں کا ساتھ نہ دیتے ۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ خدا کو ان کے پوشیدہ نفاق کی بہت زیادہ اطلاع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ وہ بظاہر مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں اور باطن میں کافروں سے قربت رکھتے ہیں ۔

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا یہ منافق عجب ازلی شقی ہیں ایک تو خود جنگ و جہاد سے بزدلی کے ساتھ بیٹھ رہے پھر شہدائے اُحد کے متعلق جو انھیں کے برادری والے تھے کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور مدینے سے باہر نکل کر لڑائی نہ کرتے تو مارے نہ جاتے ۔ گویا یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں ۔ جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اے نبی تم ان سے کہہ دو ۔ اگر تمہارا یہ قول صحیح ہے کہ جہاد نہ کرنے سے زندگی باقی رہتی ہے اور موت نہیں آتی تو اپنی موت ہی کو دفع کرو اور گھر میں چھپ کر موت سے بچ جاؤ ۔

تفسیر سراج میں مذکور ہے کہ جس روز منافقوں نے شہدائے اُحد کے متعلق یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ جہاد میں شریک نہ ہوتے تو نہ مارے جاتے اُسی روز بقضائے الٰہی ستر منافق مر گئے ۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ موت کسی طرح دفع نہیں ہو سکتی ۔ اگر قضا آئی ہے تو جنگ میں شامل ہونا اُس کا بہانہ ہو جاتا ہے ورنہ گھر پر بھی موت اپنے مقررہ وقت پر ضرور آئے گی ۔ پلنگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کے نفاق کی حالت میں کُتّے کی موت مرنا جہاد میں شہادت پانے کے برابر نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا جہاد میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑ کر مر جانا کسی طرح بُرا نہیں ہے ۔

مقصودِ بیان اگر کسی کام میں مسلمان کو سو بار ناکامی ہو جائے پھر بھی ہمت نہ ہارنی چاہیئے ۔ ہمت کا قائم رہنا عقلمندی اور کامیابی کی دلیل ہے ۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے ۔ نامردی اور بدنصیبی کی موت سے جوانمردی اور سعادت کی شہادت اولیٰ ہے ۔ آیت میں منافقوں کی بزدلی ، گمراہی ، ضلالت انگیزی اور نفاق آفرینی کی صراحت ہے اور مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنے اور ان کے قول کو نہ ماننے کا ضمنی اشارہ ہے ۔ مذکورہ بالا آیت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اہلِ حق کی شکست بھی بارادۂ الٰہی ہوتی ہے اور کسی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے ۔ ورنہ باطل میں یہ قدرت نہیں کہ حق پر غالب آ سکے ۔ شکست اور ناکامی انسان کی شامتِ اعمال سے پیدا ہوتی ہے ۔ ورنہ خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہوتا ۔ وغیرہ ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور جو لوگ راہِ خدا میں شہید ہو گئے تم ان کو مُردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اُن کے پروردگار کے پاس اُن

يُرْزَقُونَ ○ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ

کو روزی دی جاتی ہے اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے ان کو دیا ہے اس میں وہ مگن ہیں اور اُن کے پیچھے والے مرگ جو ابھی تک اُن

يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ يَسْتَبْشِرُونَ

میں جا کر شامل نہیں ہوئے اُن کے متعلق بھی اس بات کی ان کو خوشی ہے کہ اُن کو نہ کسی طرح کا خوف ہو گا نہ غم اللہ کے فضل و کرم سے

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۷۱

وہ خوشیاں منا رہے ہیں　اور اللہ ایمان والوں کا　اجر ضائع نہیں کرتا ہے

تفسیر وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احد کے روز جب تمہارے بھائی شہید ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کی پوٹوں میں رکھا وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ پھر سونے کی ان قندیلوں میں جو (جنت میں روشنوں پر) لٹک رہے ہیں لوٹ جاتی ہے، جب ان شہداء کو ہر طرح کا عیش و آرام وہاں ملا تو بولے کاش جو کرم خدا تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا اس سے ہمارے بھائی بند واقف ہو جاتے تاکہ جہاد سے نفرت نہ کرتے اور لڑائی میں سستی اور بزدلی سے کام نہ لیتے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہاری طرف سے ان کو خبر پہنچاتا ہوں" اس وقت خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (رواہ احمد وابن جریر والحاکم وابن حمید والبیہقی وھو صحیح علی شرط الشیخین) ایک اور روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ قتادہ، ربیع اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آیت کا نزول شہدائے احد کے حق میں ہوا ہے اگرچہ آیت کا حکم تمام شہداء کو عام ہے۔

خلاصہ ارشاد یہ ہے کہ راہِ خدا میں جن کو شہادت حاصل ہو جائے وہ مرتے نہیں ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ ان کو حیات جاودانی اور عیش دائمی حاصل ہے۔

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ　وہ حقیقت میں زندہ ہیں۔ قرب الٰہی ان کو حاصل، اور سعادتِ ابدی ان کے شاملِ حال ہو گئی ہے اگرچہ جسمانی اعتبار سے ان کی زندگی باقی نہیں رہی ہے مگر حقیقی زندگی کے تمام آثار ان میں موجود ہیں

يُرْزَقُوْنَ　ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ جنت کی بے شمار نعمتیں جلوۂ الٰہی اور مشاہدۂ انوار ان کو نصیب ہوتا ہے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ　اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے ان کو دے رکھا ہے اور جو عظیم الشان عنایت ان کے شامل حال ہے اس سے وہ بہت خوش ہیں۔ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؕ اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کئے ہیں

(۱) محمد بن اسحاق اور سدی نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ شہداء کو جب خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور انوار قدس کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر طرح اپنے مقصد میں کامیاب اور خوش ہوتے ہیں تو ان اپنے ان احباب و اقرباء کی طرف سے فکر ہوتی ہے جو دنیا میں زندہ ہیں کہ خدا جانے وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر مر کر کہاں جاتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ کاش ان کو ہمارے اس انعام و اکرام کی جو حق تعالیٰ نے ہمارے حال پر فرمایا ہے اطلاع ہو جاتی لہٰذا ان کو وہاں خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے ان کو بھی کچھ خوف و غم نہ ہوگا وہ بھی عنقریب تمہارے پاس آجائیں گے اور اسی نعمت میں ان کو بھی حصہ ملے گا جس میں سے تم کو ملا ہے۔

(۲) سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب شہدائے احد جنت میں داخل ہوئے اور مراتب شہداء پر فائز ہوئے اور تجلیات ربانی سے فیض یاب ہوئے تو ان کی خواہش ہوئی کہ کاش ہمارے وہ بھائی مسلمان جو دنیا میں زندہ ہیں مطلع ہو جائے کہ ہم کو کس قدر اجر جزیل اور نعمت کاملہ خدا نے عطا فرمائی ہے تاکہ وہ بھی ہماری طرح جہاد میں شریک ہو کر اور لڑ کر درجۂ شہادت حاصل کرتے اور یہی نعمتیں ان کو بھی ملتیں جو ہم کو ملی ہیں۔ ان کی اس خواہش کے مطابق خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو شہداء کی حالت کی خبر دی اور پھر خدا نے ان شہداء کو آگاہ کر دیا کہ تمہاری پوری حالت کی خبر تمہارے بھائی بندوں تک پہنچا دی گئی۔ وہ لوگ یہ سن کر خوش ہوئے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۔ یہ پہلے کلام کی تاکید ہے یعنی خدا کی دی ہوئی نعمت اور اس کے مزید فضل سے یہ لوگ نہایت خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے بھی ان کو خوشی ہوتی ہے کہ:۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ خدا تعالیٰ مؤمنوں کے اعمال رائیگاں نہیں فرماتا پورا پورا اجر ان کو عطا فرماتا ہے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے ان شہیدوں کی کوششوں کو بار آور کیا اور اپنی بے شمار نعمتیں ان کو عنایت فرمائیں اور وہ اس خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

مقصودِ بیان جہاد کی ترغیب، اعمالِ حسنہ کے لطیف پیرایہ میں ہدایت، ہر نیک عمل کی مسلمان کو پوری پوری جزا دینے کی صراحت، کافروں کی تمام نیکیاں برباد جانے اور غیر مفید ہونے کی طرف نہی اشارہ، راہِ حق میں تن من دھن قربان کر دینے، اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے

جان و مال سے دریغ نہ کرنے کی درپردہ نصیحت۔ وغیرہ۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

جن لوگوں نے زخم لگنے کے بعد بھی اللہ و رسول کا کہنا مانا اُن میں سے نیکوکار اور پرہیزگاروں

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا

کو بڑے اجر ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا

لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۞ فَانْقَلَبُوْا

سامان جمع کیا ہے تم اُن سے ڈرتے رہنا مگر اس بات سے اُن کا ایمان اور بھی بڑھ گیا اور بول اُٹھے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے جس کا نتیجہ یہ

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

ہوا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بغیر کسی طرح کا دُکھ پہنچے لوٹ آئے اور اللہ کی رضا پر چلے اور اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۞ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بڑے فضل والا ہے یہ (مخبر) محض شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے تم کو ڈراتا ہے مگر تم اُن سے اندیشہ نہ

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞

کرو اور مجھ ہی سے ڈرو اگر سچے مسلمان ہو

تفسیر اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ۔ یہ آیت حمراء الاسد کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہفتے کے دن پچھلے پہر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد سے واپس ہوئے اور قریش مکہ کی طرف لوٹ گئے تو اتوار کی صبح کو اچانک ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ ابو سفیان مقام روحا میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے بڑی غلطی کی چند مسلمان رہ گئے تھے اُن کو یونہی چھوڑ دیا۔ اگر مدینے میں داخل ہو کر ان کا بھی استیصال کر دیتے تو آئے دن کے جھگڑوں سے نجات مل جاتی، لیکن صفوان بن اُمیہ اُس کو اس خیال سے روکتا تھا کہ کہیں معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے اور لڑائی کا پانسہ نہ پلٹ جائے۔ یہ سُن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرادی کہ جو لوگ کل کی لڑائی میں میرے ساتھ تھے وہ پھر تیار ہو جائیں۔ حکمِ گرامی کا سُننا تھا کہ فدائیانِ حق جو زخموں سے چُور اور تھکے ماندے تھے، پھر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت اسیدؓ کے نو زخم تھے، طفیل بن نعمان رضؓ کے تیرہ زخم تھے، عقبہ بن عامر رضؓ کے نو زخم تھے اور خراش بن صمہؓ کے دس زخم تھے اور بعض صحابہ تو اس قدر خستہ حال تھے کہ باہم مسلمان ان کو باری باری سے اپنی پُشت پر لاد کر لے جا رہے تھے۔ مزید برآں نہ کسی کا علاج نہ مرہم پٹی صرف فرمانِ نبوی کی تعمیل تھی۔ جس حال میں تھے اُسی حال میں چل کھڑے ہوئے۔ حضور اقدسؐ کے ہمرکاب اُس روز ستر مسلمان تھے۔ جن میں صدیق اکبر رضؓ فاروق اعظم رضؓ ذوالنورین شیرِ خدا رضؓ طلحہ رضؓ زبیر رضؓ عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف رضؓ عبداللہ بن مسعود رضؓ اور عبیدہ بن جراح رضؓ ممتاز ہستیاں تھیں۔ جب مدینے سے آٹھ کوس کے فاصلے پر موضع حمراء الاسد میں پہنچے تو اونٹ ذبح کر کے کھاتے اور دن بھر لکڑیاں جمع کر کے شب کو آگ جلاتے تھے۔ اتفاق سے اس مقام پر معبد خزاعی سے ملاقات ہوئی۔ یہ اُس وقت تک

مسلمان نہ ہوئے تھے معبد نے یہاں سے روانہ ہو کر ابو سفیان سے ملاقات کی جو مقام روحاء میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے سامان درست کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے معبد سے مسلمانوں سے کیفیت دریافت کی تو انھوں نے مسلمانوں کی تعداد و شوکت پوری طرح ظاہر کر کے کہا کہ مسلمان تمہارے پیچھے کثیر جماعت لا رہے ہیں جو کل موجود نہ تھے وہ بھی آج موجود ہیں۔ یہ سن کر ابو سفیان گھبرایا اور کہا یہ سچ ہے؟ معبد نے قسم کھائی اور جواب دیا خود آنکھوں سے دیکھ لوگے اب گھوڑے نظر آئے جاتے ہیں تم کو خود معلوم ہو جائے گا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی خوف زدہ ہو کر چل کھڑے ہوئے۔ راہ میں قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ ملا جو مدینہ جا رہا تھا اس سے ابوسفیان نے کہا کہ لوگو! میں تمہارے یہ سارے اونٹ بازار عکاظ میں کشمش سے بھر دوں گا تم ایک چال چلو وہ یہ کہ محمدؐ سے مل کر کہنا کہ ابوسفیان نے تمہارے استقبال کے لئے ایک جرار لشکر فراہم کیا ہے۔ چنانچہ یہ قافلہ جب حمراء الاسد میں پہنچا تو قافلہ والوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچائی تو سب نے بالاتفاق نہایت استقلال سے کہا کہ اللہ ہم کو کارساز کافی ہے۔

بعض مفسرین نے آیت اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ کا شانِ نزول بدر صغریٰ کو قرار دیا ہے کہ کفار کہ جنگِ اُحد سے لوٹتے وقت کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال بدر میں لڑائی ہوگی، لیکن پھر کفار کی ہمت نہ ہوئی اور نعیم بن مسعود اشجعی کو کچھ روپے کا لالچ دیا کہ جاکر مسلمانوں کو خوف دلائے تاکہ نہ آنے کا الزام مسلمانوں کے سر رہے، مگر مسلمان نہ ڈرے اور وقت پر بدر میں آپہنچے۔ چونکہ کفار نہ آئے اس لئے جنگ نہ ہوئی۔ بدر کے قریب ایک بازار لگا کرتا تھا مسلمانوں نے وہاں خوب خرید و فروخت کی اور کافی نفع اُٹھایا۔ یہ سنہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔ اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں:۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خداتعالیٰ اُن پاک طینت اور فرمانبردار مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا جنہوں نے باوجود ہزیمت خوردہ اور زخمی ہونے کے بھی خدا اور اس کے رسولؐ کے فرمان سے سرتابی نہ کی اور بہترین اطاعت کو اپنا شعار بنالیا۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ اُن میں سے جو لوگ امر و نواہی کے پابند ہیں نیکیاں کرتے اور ممنوعات سے بچتے ہیں اُن کے لئے قیامت کے دن بہتر ثواب ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ یہی وہ مخلص و وفا شعار لوگ ہیں کہ جب نعیم بن مسعود اشجعی نے ان سے آکر کہا کہ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ کہ والوں نے تمہارے مقابلے کے لئے ایک عظیم الشان جرار لشکر جمع کیا ہے، اس لئے تم کو ان سے ڈرنا چاہیئے اور مقام بدر میں لڑنے کو نہ جانا چاہیئے بلکہ مدینے کو واپس چلا جانا مناسب ہے۔ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا تو اس کلام سے اُن کے ایمان میں اور پختگی پیدا ہوگئی بجائے خوف زدہ ہونے کے اور جرأت بڑھ گئی یعنی کفار کی کثرت کی خبر سُن کر اُن کے دل میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ اور بڑھ گیا۔ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ اور کہنے لگے ہم فوج کی کثرت اور ساز و سامان کی افزونی پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ فوجی طاقت سے ڈرتے ہیں۔ ہمارا بھروسہ خدائے واحد پر ہے۔ وہی ہمارے لئے کافی اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ۔ اس توکل علی اللہ اور خدائی اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ مؤمن صحیح سلامت اور مالی منافع حاصل کر کے بدر سے مدینے کو واپس آئے لَمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ کوئی جسمانی نقصان اُن کو نہیں پہنچا، نہ کوئی زخمی ہوا نہ قتل ہوا اور مالی منافع کے علاوہ وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ خدا اور اس کے رسولؐ کی فرماں پذیری سے خوشنودی حاصل ہوئی اور رحمتِ خداوندی اُن کے شاملِ حال ہوگئی۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ کیونکہ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں پر بالاخر کرم کرتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ۔ درحقیقت نعیم بن مسعود شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو ڈراتا تھا اور اُن کی کثرت و غلبہ کا وہم کر خوف دلاتا تھا مگر فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ۔ تم کو اس سے قطعاً خوف نہ کرنا چاہیئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ محض مجھ سے ڈرنا چاہیئے۔ میری نافرمانی نہ کرنی چاہیئے، ہر وقت میری رضاجوئی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم پکے ایمان دار ہو اور یقین رکھتے ہو کہ فتح و شکست میرے ہی دستِ قدرت میں ہے فوج اعدار کی افزونی اور کمی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

مقصودِ بیان جذبۂ حق پر ہمہ گیریت، اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی ہدایت، احکامِ رسولؐ کی بہر صورت اور بہر حالت تعمیل کی فرضیت، شرکاءِ اُحد اور شرکاءِ بدر صغریٰ کی مدح۔ اس امر کی طرف واضح اشارات کہ فتح و نصرت فوج کی کثرت و فراوانی پر موقوف نہیں ہے بلکہ امدادِ الٰہی سے وابستہ ہے۔ خدا کی مدد کے سامنے سامان تھوڑا ہو یا بہت اور فوج اعدا کم ہو یا زیادہ دونوں برابر ہیں۔ جو شخص خالق کی رضاجوئی کے لئے گھر سے نکلتا ہے کوئی دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بلکہ خداتعالیٰ اس کو ہر صدمہ اور ہر تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر جہاد کی نیت خالص ہو اور جہاد کے ذیل میں تجارتی کاروبار بھی کر لیا جائے

تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ مؤمن کو سوا خدا کے کسی سے نہ ڈرنا چاہیئے اور اعانتِ حق میں کسی کی دشمنی کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ

جو لوگ کفر میں سرگرم رہتے ہیں اُن سے تم کو اندیشہ نہ کرنا چاہیئے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ چاہتا

اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ہے کہ آخرت میں اُن کو (خیر کا) کوئی حصہ نہ دے اور اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ بڑا عذاب ہے۔

تفسیر یہ آیت کفار اہل مکہ اور منافقوں کے حق میں نازل ہوئی بعض مفسرین کا قول ہے کہ ایک قوم مرتد ہو گئی تھی اور کفار کی قوت بڑھ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارتداد سے غم لاحق ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سابق آیات سے مربوط ہے اور انھیں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبیؐ تم کو ان منافقوں اور کافروں کی حالت پر غم نہ کھانا چاہیئے اور نہ اس بات کا کچھ سوچ کرنا چاہیئے کہ یہ کفر کی تیاری اور کوشش کرتے ہیں اور کفر میں بہت زیادہ دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ کیونکہ اِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا یہ خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، دین الٰہی میں کوئی ضعف نہ پیدا کر سکیں گے۔ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ ان کافرانہ ریشہ دوانیوں سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کیوں کہ ان کے غلو فی الکفر کی وجہ سے يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ خدا کی مشیت اور ارادہ میں یہی ہے کہ یہ آخرت میں ہر قسم کی سعادت سے محروم رہیں اور کبھی ان کو نجات نصیب نہ ہو اور چوں کہ انھوں نے ایمان و آخرت کو چھوڑ کر کفر اور دنیا کو اختیار کر رکھا ہے، اس لئے خدا بھی چاہتا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یہ لوگ دوامی عذاب میں رہیں اور ہمیشہ ہمیش دوزخ میں پڑے سزا بھگتتے رہیں اور چوں کہ جو مشیتِ الٰہی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا لہٰذا ان کافروں کا غم کھانا بے سود ہے۔

مقصودِ بیان کفار کی گمراہی پر غم کھانا یا اُن کے کافر ہونے کی وجہ سے مسلمان کو ڈرنا نہ چاہیئے۔ خدا کو کسی کے کافر ہو جانے سے نقصان نہیں پہنچتا ہے نہ کوئی خدا کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ انسان کی انتہائی سرکشی کی وجہ سے خدا بھی چاہتا ہے کہ یہ سعادت سے محروم ہو جائے۔ وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو مول لیا اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بلکہ اُن کے لئے عذاب دردناک مخصوص ہے

تفسیر إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ۔ یعنی جن لوگوں نے نورِ فطرت کو چھوڑ کر تاریکی کو اختیار کیا اور ایمان سے اعراض کر کے کفر کو پسند کر لیا یعنی منافق اور عام مشرک لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا۔ یہ خدا کو ہرگز کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ دین الٰہی کی اشاعت اور توحید الٰہی کی حقانیت میں ان کے کفر و نفاق سے کوئی خرابی نہ پیدا ہوگی بلکہ ان کے کفر کا وبال خود انھیں پر پڑے گا کیوں کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ان کی سرکشیاں اور نفاق انگیزیاں اور کفر شعاریاں عذابِ الیم بن کر خود انھیں کو قیامت کے دن جلائیں گی۔

مقصودِ بیان نورِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے والے دین الٰہی میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتے، نہ توحید الٰہی کی صداقت میں کسی کے کفر سے کوئی کمزوری آسکتی ہے بلکہ خود انسان خسارہ اٹھاتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو اُن کو ڈھیل دے رہے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے ہم تو صرف اس لئے اُن کو ڈھیل

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○ مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ

دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھتے جائیں اور بالآخر اُن کو ذلّت کی سزا ملنی ہے اللہ ہرگز ایسا نہیں کہ پاک ناپاک کی تمیز کئے بغیر مسلمانوں کو

مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

ایسی حالت پر چھوڑ دے جس حالت پر تم ہو اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کر دے

الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ

بلکہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے لہٰذا تم اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ

وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○

اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور پرہیزگاری رکھو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

تفسیر جنگ اُحد کے بعد مشرکین مکہ اپنی فتحیابی اور کامرانی پر نازاں ہو کر نہایت فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہم حق مذہب پر ہیں اور مسلمان بالکل غلط راستے پر ہیں۔ ہم کامیاب اور غالب ہیں اور مسلمان ذلیل و مغلوب ہیں۔ ہمارے پاس دولت و مال ہے، ثروت و جاہ ہے۔ مسلمان مفلوک الحال، خانہ برباد اور مفلس ہیں، ان کے پاس نہ دنیوی ثروت ہے نہ اسباب معاش، نہ عزت و جاہ، نہ گھر نہ در۔ مدینے میں خانہ بدوشی کی حالت میں نہایت ذلّت و فاقہ کشی کی حالت میں نہایت ذلّت و فاقہ کشی سے گزارہ کرتے ہیں۔ اس آیت میں منافقوں اور مشرکوں کے اس قول کا جواب دیتا ہے کہ:-

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ۔ ان کافروں کو یہ گمان ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ ہم نے جو ان کو خود کو ڈھیل دے رکھی ہے یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور یہ موجودہ اسباب دنیوی اور سامان عیش ان کے واسطے مفید ہے کیونکہ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ہم ان کو ڈھیل صرف اس وجہ سے دے رہے ہیں کہ ان کی طغیانیاں، گنہگاریاں اور بدشعاریاں بڑھتی رہیں اور ان کی نافرمانیاں مرتبۂ کمال تک پہنچ جائیں وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ جب اُن کے معاصی انتہا کو پہنچ جائیں گے تو اس وقت ہم ان کی گرفت کریں گے اور قیامت کے دن ان کو بہت ذلّت انگیز عذاب میں گرفتار کریں گے گویا ان کی عمر، دولت کی فراوانی اور دنیوی جاہ و عیش کی ترقی ان کے لئے خدا کی مہربانی نہیں ہے بلکہ قہر ہے، جس قدر ان کو ڈھیل ملتی جائے گی اُتنی ہی غضب الٰہی میں زیادتی ہوتی جائے گی۔

مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ منافقوں کا ایک اعتراض جنگ احد کے بعد یہ بھی تھا کہ یہ نبی برحق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ ان کی حمایت کرنے والوں کو ایسی فاش شکست اٹھانی پڑی۔ اگر نبی سچے ہوتے تو مسلمان کیوں اس قدر مصائب میں مبتلا ہوتا ہے؟ اس آیت میں خداتعالیٰ اس اعتراض کو دفع کرتا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:- اے مدعیان اسلام خدا کو یہ منظور تھا کہ مصائب میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کرے کہ کون کھرا اور پکا مومن ہے اور کون کھوٹا منافق ہے؟ کیونکہ مصیبت ہی ایمان کی جانچ کرنے کی زبردست کسوٹی ہے۔ خداتعالیٰ یہ نہیں کر سکتا کہ کھرے کھوٹے اور اچھے برے کو یوں ہی مخلوط حالت میں چھوڑ دے اور لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ کون مخلص ایماندار ہے اور کون بے ایمان منافق۔ اب ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ آخر خدا کو امتحان کی کیا ضرورت ہے وہ تو عالم الغیب

ہے ہر شخص کی اچھی بُری حالت کو جانتا ہے اور اخلاص و نفاق سے واقف ہے۔ پھر کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر کے جانچتا ہے اور ایسا کیوں نہیں کرتا کہ اپنے غیبی علم کے موافق عام لوگوں کو مطلع کر دے کہ فلاں شخص پختہ مؤمن ہے اور فلاں شخص ریاکار منافق ہے۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ دیتا ہے اور فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ خداوند تعالیٰ کی مقتضائے حکمت کے یہ بات سراسر خلاف ہے کہ تم سب کو اسرارِ غیب پر مطلع کر دے اور ہر شخص کو قبل از وقوع معلوم ہو جائے کہ کون کام کیسا ہوگا (اس سے انتظامِ عالم میں فساد برپا ہو جائے گا) بلکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وہ لوگوں میں سے جس شخص کو مناسب سمجھتا ہے اپنی رسالت کے واسطے مخصوص کر لیتا ہے اور اسی رسول کو بقدرِ مناسب امورِ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور جزوی واقعات سے اُن کو آگاہ کر دیتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزوی علمِ غیب تھا۔ منافقوں کے نفاق سے حضور واقف تھے۔ جنگِ اُحد میں پیش آنے والی شکست کا بھی آپ کو علم تھا، مگر مصلحتِ الٰہی کے بموجب حضورؐ اس کا اظہار نہ فرماتے تھے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ لہٰذا تم کو خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا چاہیئے جو کچھ رسول اللہ فرمائیں اس پر یقین رکھنا چاہیے۔ رسول اللہؐ کے ہر قول کو سچا جاننا چاہیے اور اس کی تعمیل کرنی چاہیئے کیونکہ بعلمِ الٰہی اُس کی مصلحتوں سے واقف ہیں۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارا ایمان لانا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا بیکار جائے گا۔ نہیں! بلکہ اگر تم دل سے خالص ایمان لاؤ گے اور کفر و نفاق سے بچ کر تقویٰ اختیار کرو گے تو تم کو بڑا ثواب ملے گا۔

مقصودِ بیان مسلمانوں پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے وہ ترقیٔ درجات کا باعث ہوتی ہے اور کافروں کی درازیٔ عمر و دولتِ دنیوی کی فراوانی اور عیش و عشرت کی ترقی اُن کے لئے مزید عذاب کا سبب ہے۔ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے، لیکن یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ اگر وہ سب عالم کو امورِ غیب پر مطلع کر دیتا تو عالم میں فساد پیدا ہو جاتا۔ مصائب کے وقت ثباتِ قلب اور استقامت انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو خالص مؤمن ہیں۔ قانونِ عدل جاری کرنے اور اسرارِ غیب کا حامل ہونے کے لئے انبیاء کا وجود ضروری ہے۔ آیت میں استقامت، صبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کی خاص ہدایت ہے اور امورِ غیب پر مطلع ہونے کی جستجو نہ کرنے کے متعلق ضمنی اشارہ ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے کچھ عنایت فرمایا ہے اور وہ اس سے بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل ان کیلئے بہتر ہے نہیں بلکہ

هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

وہ اُن کے حق میں بُرا ہے عنقریب قیامت کے دن اسی چیز کا اُن کو طوق پہنایا جائیگا جس کو خرچ کرنے میں وہ بخل کرتے تھے اور آسمان و زمین کا وارث

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ع

اللہ ہی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں جہاد میں بنفسِ خود شامل ہونے کی ترغیب تھی یہاں راہِ خدا میں مال صرف کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور نہایت لطیف انداز میں برانگیختہ کیا جا رہا ہے کہ رضائے مولا کے حصول کے لئے مال صرف کرنے سے دریغ نہ کرو۔ گویا جان و مال دونوں راہِ خدا میں خرچ کرو اور جان و مال کو محبتِ الٰہی پر قربان کر دو۔

حاصلِ آیت یہ ہے کہ جو لوگ خداداد نعمتوں پر بخل کرتے ہیں باوجود اپنی ضروریات سے زائد ہونے کے اہلِ احتیاج کو نہیں دیتے اور جمع کردہ مال کی محبت کو ہر وقت طوقِ گلو بنائے رکھتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم یہ فعل اچھا کر رہے ہیں۔ یہ جمع شدہ مال ہمارے کام آئے گا اور ہم اس کی وجہ سے

مال دار اور باعزت کہلاتے ہیں۔ یہ فعل اُن کے لئے اچھا نہیں ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ بلکہ کنجوسی اُن کے لئے بہت بُری ہے۔ یہ کہاں کی خوبی ہے کہ خداداد مال کو اس طرح ضرورت مند مخلوقِ خدا سے بچا کر رکھا جائے اور اس کا دیا ہوا مال اُس کی خوشنودی کے لئے نہ صرف کیا جائے۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جس مال کو انھوں نے کنجوسی کر کے جمع کیا ہوگا عنقریب قیامت کے دن اسی مال کا اُن کو طوقِ عذاب پہنایا جائے گا جس طرح دنیا میں انھوں نے محبتِ مال کا طوق گلو بنا لیا تھا، اسی طرح قیامت کے دن یہ کنجوسی طوقِ عذاب کی شکل میں اُن کی گلوگیر ہوگی اور کسی طرح جُدا نہ ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور پھر اُس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک اژدہا زہریلے دار کی شکل میں ہو کر اس کی گردن کا طوق ہوگا، وہ اس کی باچھوں کو کاٹے گا اور چیرے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ (رواہ البخاری)

وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ یہ اصل مقصود کی تائید ہے یعنی اے مسلمانو! آخر تم بخل کیوں کرتے ہو؟ راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے کیا تمہاری گرہ سے کچھ صرف ہوتا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کی تمام کائنات کا مالک تو خدا ہے۔ اُسی نے یہ تمام چیزیں بنائی ہیں۔ وہی سب کچھ دیتا ہے اور اس میں تمہاری یہ مجازی ملک اور ظاہری تصرفات بھی نہ رہیں گے۔ وہی کل چیز کا ظاہری اور باطنی مالک ہوگا۔ پھر بخل کرنے کی کیا وجہ؟ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور خدا کو تمہارے اعمال کی بخوبی اطلاع ہے۔ تمہارا کوئی فعل اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اگر بخل کرو گے تو خدا اس کی سزا دے گا۔ راہِ خدا میں صرف کرو گے تو جزا ملے گی۔

مقصود بیان اس آیت میں بخل کی صریح ممانعت، بخل کے انجامِ بد سے ترہیب اور ہر قسم کی انتہائی کوشش مرضیٔ مولا کے حصول کے لئے کرنے کی خصوصی ہدایت ہے اور واضح طور سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ راہِ خدا میں اپنی جان یا مال یا علم وغیرہ صرف کرنے میں دریغ کرتے ہیں وہ مستحقِ عذاب ہیں۔ قیامت کے دن یہ سب خزانے جو بخل کر کے جمع کئے گئے ہیں، عذاب کی شکل اختیار کر لیں گے۔

آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کو محبتِ مولا میں ہر چیز یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہیئے۔

(ع ۱۹)

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سُن لی جن لوگوں نے کہا تھا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں اُن کے اس قول کو اور

قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ

ناحق انبیاء کی خونریزی کو ہم لکھتے ہیں اور (قیامت کے دن) کہیں گے کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو یہ

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

تمہارے خود کردہ کاموں کی سزا ہے اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تفسیر جب آیت وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو راہِ خدا میں صرف کرنے کا حکم دیا تو حکمتِ یہود بطور مذاق کے کہنے لگے کہ تمہارا پروردگار تو فقیر و محتاج ہے، ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ہم مالدار ہیں۔ یہود کا مقصد اس آیتِ قرآنی کی تکذیب تھی اور وہ بھی بصورتِ مذاق جو کفر در کفر ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ۔

حاصلِ حکم یہ ہے کہ جن یہودیوں نے کہا تھا کہ خدا محتاج فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں۔ خدا اُن کے قول سے واقف ہے۔

محمد بن اسحاق نے بہ روایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے جہاں بہت سے یہودی اور ایک عالم فنحاص کے پاس جمع تھے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا فنحاص خدا سے خوف کر اور محمدؐ پر ایمان لے آ۔ کیونکہ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ برحق رسول ہیں اور تمہاری توریت میں اُن کے اوصاف کا بیان موجود ہے۔ فنحاص بولا خدا کی قسم ہم کو اللہ کی احتیاج نہیں وہ ہمارا محتاج ہے ہم اُس کے سامنے نہیں گڑگڑاتے۔ وہی ہم سے گڑگڑا کر مانگتا ہے۔ ہم اس سے زیادہ تونگر ہیں۔ اگر وہ ہم سے تونگر ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا۔ وہ ہم کو سُود کھانے سے منع کرتا ہے۔ حالانکہ خود ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اُس پر چند گنا سُود دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ تقریر سن کر ابوبکرؓ سخت غضب ناک ہوئے اور زور سے ایک تھپڑ مارا اور فرمایا اُس پاک پروردگار کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر ہمارا تم لوگوں سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ او دشمنِ خدا جس قدر تجھ سے ممکن ہو ہماری تکذیب کر۔ فنحاص وہاں سے اٹھ کر حضور گرامیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ دیکھئے آپ کے یار نے ہم کو کس قدر ذلیل کیا۔ حضورؐ نے صدیق اکبر سے فرمایا کیوں ابوبکر کیا بات ہوئی؟ کس وجہ سے تم نے اس کو مارا؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس دشمنِ خدا نے بہت ہی سخت بات کہی تھی اور بڑی بدتمیزی کی تھی۔ یہ کمبخت کہتا تھا کہ خدا فقیر ہے، ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ہم اُس سے زیادہ تونگر ہیں، ہم کو اُس کی کوئی احتیاج نہیں، وہ ہم کو سُود کھانے سے منع کرتا ہے اور خود ہم سے سُود در سُود پر قرض لیتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں یہ بدتمیزی مجھ سے نہ سُنی گئی اور محض لوجہ اللہ مجھے غصہ آیا جس کو میں ضبط نہ کر سکا اور بے ساختہ میں نے اس کو مار دیا۔ حضورؐ نے یہ سُن کر فنحاص کی طرف توجہ کی۔ فنحاص کمبخت صاف انکار کر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی تصدیق کی اور فنحاص کی تکذیب کے لئے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی اور بطور وعید کے فرمایا سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا یعنی ہم اُن کے قول کو اُن کے نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ ان کی گستاخیاں لکھ لیں تاکہ قیامت کے دن اُن کے اقوال و اعمال کی سزا دی جائے اور گستاخی کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ان کے بزرگ تو یہاں تک گستاخ تھے کہ واعیانِ حق اور انبیاء قوم کو قتل کر دیتے تھے اور یہ بھی چونکہ اپنے آباؤ اجداد کے اس قبیح فعل کو پسند کرتے ہیں لہٰذا یہ بھی انہیں کے حکم میں داخل ہیں۔ ہم ان کی قولی گستاخیاں بھی لکھتے جاتے ہیں وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور وہ فعلی گستاخیاں جو ظالمانہ قتل انبیاء کی شکل میں ان سے سرزد ہوئی ہیں وہ بھی ہم برابر لکھ رہے ہیں۔ وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ اور قیامت کے دن ہم فرشتوں کے ذریعہ سے کہلوائیں گے کہ اپنے اعمال اور گستاخیوں کی پاداش میں آج دوزخ کا عذاب چکھو، مگر یہ اُن کے فعل سے زائد سزا نہ ہوگی بلکہ اُن کا یہ جرم نہایت قبیح اور بڑا ہے، اس لئے ہم نے اُن کے واسطے یہ سزا تجویز کی ہے۔ ورنہ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ خدا اپنے بندوں پر ظلم بالکل نہیں کرتا ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا، کسی کو اس کی بداعمالیوں سے زائد عذاب نہیں دیتا۔

مقصودِ بیان۔ خدا کی شان میں گستاخی حرام اور موجبِ عذاب ہے۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے بلکہ ہر شخص خود اپنے لئے اسبابِ عذاب مہیا کرتا ہے۔ وغیرہ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

یہ لوگ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو حکم دے رکھا ہے کہ کسی رسول پر ایمان نہ لانا تاوقتیکہ وہ تمہارے پاس ایسی قربانی نہ لائے

تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ

جس کو (آسمانی) آگ کھا جاوے (اے محمد) کہدو کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول معجزات اور یہی چیز لے کر آ چکے ہیں جو تم کہہ رہے ہو پس اگر

قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ

تم سچے ہو تو تم نے اُن کو کیوں قتل کر دیا! اس کے بعد بھی اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو پرواہ نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے بہت سے

قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○

پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں جو معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے

تفسیر ایک مرتبہ کعب بن اشرف مالک بن حنیف وہب بن یہودا زید بن تابوت فنحاص بن عازوراء اور حیی بن اخطب یہودی بولے کہ اے محمد! اللہ نے ہم کو توریت میں حکم دیا ہے کہ ہم تاوقتیکہ نبی سے نیاز کا معجزہ نہ دیکھ لیں کہ وہ خدا کے نام کی نذر کرے اور آسمان سے آگ اتر کر اس کو کھالے اُس وقت تک ہم ایمان نہ لاویں گے۔ اگر تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت آیت اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ نازل ہوئی

انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض پیغمبروں کا یہ معجزہ ہوا تھا کہ کوئی چیز جاندار یا بے جان اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دی اور غیب سے آگ نمودار ہوئی اور اس کو جلا گئی۔ یہ قبولیت نیاز کی علامت تھی۔ یہودیوں نے بہانہ ڈھونڈ کر یہ بات نکالی کہ چونکہ ہم کو اے محمد! یہ معجزہ نہیں طلب ہے اللہ ہم کو حکم ہے کہ اس معجزہ کے بغیر ایمان نہ لائیں اس لئے تم پر ایمان نہیں لاتے چونکہ پہلا جز یعنی حق تعالیٰ کا ایسا حکم دینا دعویٰ بلا دلیل تھا۔ بہت سے انبیاء بنی اسرائیل نے بھی یہ معجزہ نہ دکھلایا تھا، اس لئے اس کو چھوڑ کر دوسرے جز کا جواب دیا گیا تھا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے اُن انبیاء کے ساتھ کیا کیا جن کو یہ معجزہ دیا گیا تھا۔ اگر اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تو ممکن تھا تمہارا قول قابل اعتبار ہوتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے انبیاء کے ذریعہ سے توریت وغیرہ میں ہم کو یہ حکم دے دیا ہے کہ جب تک کوئی رسول اپنی نذر نہ پیش کرے اور ایک آگ آسمان سے اتر کر اُس کو نہ کھائے۔ اُس وقت تک تم اس پر ایمان نہ لانا۔ لہٰذا حسب الحکم ہم تم پر اُس وقت تک ایمان نہیں لا سکتے، جب تک تم بھی ہم کو معجزہ نہ دکھادو قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ۔ تو اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ سے قبل بہت سے انبیاء زکریا یحییٰ وغیرہ نے تمہارے سامنے کثیر معجزات پیش کئے اور جس معجزہ کے تم خواستگار ہو یہ معجزہ بھی دکھلایا فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم واقعی سچے ہو اور اس معجزے کے پیش کرنے ہی پر تمہارا ایمان موقوف ہے تو پھر تم نے ان کی کیوں تکذیب کی اور ان کو کیوں قتل کیا؟

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی و تشفی دی جا رہی ہے۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی! اگر ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کے قول پر ایمان نہ لائے تو اس میں آپ کا کچھ قصور نہیں ہے۔ ان کی یہ عادت ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ اس سے قبل بھی بہت سے جلیل القدر رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ جو کھلے کھلے معجزات بھی لے کر آئے تھے اور وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ پر حکمت آسمانی صحیفے بھی لائے تھے اور روشن دلائل رکھنے والی کتابیں یعنی توریت وانجیل و زبور بھی لاتے تھے لہٰذا آپ کو صبر کرنا چاہئیے جس طرح گزشتہ پیغمبروں نے صبر کیا۔

مقصود بیان معاندانہ سرکشی اور جاہلانہ سوال کی ضمنی ممانعت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت صبر اور ثبات کا حکم۔ یہودیوں کے عناد اور طغیان کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ حق و صداقت کے اثبات و اظہار کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے ہزاروں واضح دلائل، ہدایت انگیز صحیفے اور سودمند سعادت خیز کتابیں نازل کر دیں، مگر نازل شدیوں نے ہدایت حاصل نہ کی اور گمراہی کے خار بن چکے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمہارا قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلا دیا جائے گا تو جو شخص دوزخ سے دور

عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○

رکھ کر جنت میں پہنچا دیا گیا اُس کو تو کام بن گیا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ

تمہارے مال اور جانوں میں (کمی کرکے) تمہاری آزمائش ضرور کی جائے گی اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور جو لوگ شرک کرتے

الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًی كَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

ہیں اُن سے ضرور بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے اور اگر صبر کرتے رہو گے اور پرہیزگار بنے رہو گے تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں

تفسیر

پہلی آیت میں بیان تھا کہ اگر یہ کافر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو صبر کیجیے۔ گزشتہ انبیاء کی بھی تکذیب کی گئی تھی اور انہوں نے بھی صبر کیا تھا۔ اب یہاں ترہیب آمیز ترغیب یا بشارت آمیز انداز کے طور پر ہر شخص کے نتیجے کا بیان ہے تاکہ بصیرت رکھنے والے ہدایت و اسلام کی طرف پیش قدمی کریں اور کفر و گمراہی سے جہاں تک ممکن ہو جلد فرار کریں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ ہر شخص کو جسمانی موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہر انسان ضرور مرے گا۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اس کے بعد قیامت کے دن سب کو ان کو اپنے اپنے اعمال کی پوری پوری سزا جزا ملے گی۔ کسی پر عذاب ہوگا، کسی کو ثواب ملے گا۔ مومن اور نیکوکار شخص کو جنت ملے گی اور بدکار بداطوار کو دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ اُس روز فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ جو شخص دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا اس کو کامیابی حاصل ہو گئی جو اصل مدعا تھا وہ مل گیا۔ جنت کے ناز و نعم عیش و عشرت دائمی سعادت اور پھر اُس پر دیدارِ الٰہی کا حصول ہو گیا۔ اب رہا دنیوی زندگی میں عیش و طرب اور راحت و آرام جو چند روزہ ہے۔ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ وہ صرف دھوکہ اور فریب ہے یعنی جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام، مال و دولت، جاہ و حشم اور زن و فرزند ہی کو اصل مدعا سمجھتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں۔ یہ سب چیزیں عالمِ خواب کی طرح چند روز کے بعد خواب و خیال ہو جائیں گی۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہاں کی تکلیف اور مصیبت کی کوئی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ یہ دنیا دارِ امتحان ہے۔ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ تم کو یہاں مالی نقصانات بھی برداشت کرنے ہوں گے۔ ارضی و سماوی حوادث اور مصائب سے تمہارا مال بھی تباہ ہوگا اور جانی تکالیف بھی برداشت کرنی ہوں گی، مگر یہ سب کچھ تمہاری آزمائش کے لیے کیا جائے گا۔ تاکہ غیر اللہ کی محبت یہاں تک کہ جان و مال کی وابستگی بھی تم کو نہ رہے۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًی كَثِیْرًا ؕ اور یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکوں کی طرف سے طعن و تشنیع، پھبتیاں، مذاق، گالیاں اور ناگوار کلمات سننے پڑیں گے۔ اس آیت کا نزول احد سے قبل ہوا۔ خلاصہ نزول وہ ہے جو بخاری نے بیان کی ہے کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے چلے۔ راستے میں عبداللہ بن ابی منافق کے جلسے کی طرف سے گزر ہوا۔ مجلس میں مسلمان، یہودی اور مشرکین سب ہی جمع تھے۔ حضور اقدس نے وہاں ٹھہر کر نصیحت کرنی اور اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ ابن ابی نے کچھ ایسے کلمات کہے جو مسلمانوں کو ناگوار گزرے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اُس کی تردید کی۔ لوٹ پھیر کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکوں، مسلمانوں اور یہودیوں میں گالی گلوچ ہونے لگی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رنگ دیکھ کر سب کو ٹھنڈا کیا اور پھر خاموش اٹھ کر سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور جا کر سعد سے ابن ابی کی شکایت کی۔ سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کی تشریف آوری سے قبل اس علاقہ کے لوگ ابن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے والے تھے لیکن جب حضور والا یہاں تشریف لے آئے تو وہ ناکام رہ گیا۔ اسی بات کی اُس کو جلن ہے۔ حضور درگذر فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے معاف کر دیا۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اب اگر تم لوگ اس اذیت اور تکلیف پر صبر کرو گے اور پرہیزگاری سے کام لو گے تو یہ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ بڑی اولوالعزمی کی بات ہے۔

مقصودِ بیان

موت جسم پر طاری ہوتی ہے اور روح باقی رہنے والی چیز ہے۔ مسلمانوں کو پختہ اور کامل مومن بنانے کے لیے قبل از وقوع اس بات کا بیان کہ تم کو آئندہ جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے ہوں گے۔ کہیں صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ آیت

میں کفار کی طرف سے ایذا اور رسانی پر صبر کرنے اور اللہ پر اعتماد رکھنے کی خاص ہدایت ہے ۔ وغیرہ ۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

اور جب اہل کتاب سے اللہ نے عہد لیا تھا کہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ کرنا

فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝

مگر انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے عوض قلیل قیمت حاصل کر لی تو بہت بری چیز انہوں نے مول لی

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

جو لوگ اپنی حرکات پر خوش ہوتے اور بے کئے کاموں پر تعریف ہونے کو پسند کرتے ہیں تم اُن کو

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ

یہ خیال نہ کرنا کہ عذاب سے بچ رہیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور آسمان و

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ع ۱۹ / ۱۰

زمین کی سلطنت خدا ہی کی ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ .... یہ آیت مَا يَشْتَرُونَ تک یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے آپ کو اہل کتاب اور اطاعت شعار اُمت کہا کرتے تھے اور محمدؐ پر ایمان نہ لاتے تھے اور حضورؐ کے اوصاف اور احکام حقہ چھپاتے تھے ۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو یہودیوں سے خدا تعالیٰ نے عہد و میثاق لیا تھا کہ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ تم اس کتاب کو بہر حال لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور محمدؐ کے جو اوصاف اس کے اندر مندرج ہیں اُن کو ظاہر کرنا ۔ کسی دنیوی مطلب اور مالی فائدے کے لئے بھی وَلَا تَكْتُمُونَهُ اُس کا کوئی حکم نہ چھپانا اور تحریف نہ کرنا لیکن فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ ان یہودیوں نے عہد و میثاق کو پس پشت ڈال دیا اور اس پر عمل نہ کیا بالکل اس کی طرف سے بے پرواہ ہو گئے ....
وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا اور اس کے انکار کے عوض دنیوی حقیر اور ناپائیدار مال کو پسند کر لیا ۔ اپنی سرداری اور ریاست برقرار رکھنے کے لئے اور عوام قوم والوں سے مال حاصل کرنے کے لئے توریت کے اصل احکام کو چھپا دیا ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوشیدہ کر لئے ۔ خلاصہ یہ کہ اصل احکام کو حقیر دولت کے عوض بیچ ڈالا اور امراء و رؤسا نیز عوام کی خوشنودی مزاج کے لئے احکام کو بگاڑ بگاڑ کر بیان کیا کیونکہ اُن کو خوف تھا کہ اگر اصل واقعات بیان کر دیئے جائیں گے جو توریت میں مندرج ہیں تو عام یہودی مسلمان ہو جائیں گے اور پھر اُن کی دنیوی سرداری جاتی رہے گی ۔ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ پس اُن کی یہ خرید و فروخت بہت بُری ہے ۔ نفع کے عوض خسارہ اور فائدہ کے بدلے میں نقصان انہوں نے لیا ہے ۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا ۔ یہ آیت منافقوں کے متعلق اُتری جو جہاد میں جانے سے کتراتے تھے اور نہ جانے پر خوش ہوتے تھے اور جب حضور اقدسؐ جہاد سے واپس تشریف لاتے تھے تو وہ لوگ خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر جہاد میں شریک نہ ہونے کے حیلے بہانے اور طرح طرح کی معذرت کرتے تھے اور نہایت دیدہ دلیری سے عرض کرتے تھے کہ حضور ہماری خواہش تو ہمرکابی میں چلنے کی تھی لیکن کچھ کام لگ گیا اس وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے منافقوں کا اس سے مقصود یہ تھا کہ بن کئے کاموں پر اُن کی تعریف کی جائے اور ان کو مخلص مومن سمجھا جائے ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ فریب اور دھوکہ دے کر

اکڑتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو فریب اور دھوکہ دے لیا یعنی جو منافق اگر جھوٹے حیلے بہانے کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے خوب دھوکہ دیا۔ وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور اگرچہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوتے، مگر بن کئے کاموں پر اپنی تعریف و مدح کو دل سے چاہتے ہیں۔ ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ بغیر کئے لوگ اُن کی تعریف کریں۔ اے نبیؐ تم ایسے لوگوں کو سچا خیال نہ کرو اور یہ نہ سمجھو کہ واقع میں یہ راست گو ہیں۔ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ اور یہ بھی نہ گمان کرو کہ ان کو عذاب سے نجات پانے کا کوئی مقام مل جائے گا کیونکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ان کے لئے بہت تکلیف دہ اور دردرساں عذاب تیار ہے ان کو کبھی رہائی نہیں مل سکتی۔ خصوصیت کے ساتھ وہ عذاب الیم انہیں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ خدا کی مار اور اس کی سزا سے یہ لوگ ہرگز نہ بچیں گے۔ ان کو اس فعل کی سزا ضرور ملے گی۔ خدا کی گرفت سے یہ لوگ باہر نہیں ہو سکتے کیونکہ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کی ایجاد، بقاء اور حکومت کا خدا ہی مالک ہے۔ بارش، رزق اور نباتات کے خزانے اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں) وہ تغیر و محتاج نہیں ہے اور نہ مجبور و لاچار ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان ازلی بدنصیبوں کو دنیا و دین میں عذاب بھی دے سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

کتمانِ حق اور دنیوی لالچ یا خوف کی وجہ سے تغیرِ احکام حرام ہے۔ اصلی احکام شریعت کا اظہار بلا کسی خوف و طمع کے واجب ہے۔ رؤساء اور امراء کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے لئے کتمانِ حق حرام ہے۔ توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے اوصاف و حالات بیان کر دیئے گئے تھے، مگر یہودیوں نے اُن کو دنیوی طمع کی وجہ سے چھپالیا اور توریت کو بدل ڈالا۔ اس سے ثابت ہوا کہ توریت میں تحریف کی گئی ہے اور موجودہ کتاب اصل توریت میں نہیں ہے۔ عموماً کسی کو فریب دینا اور خصوصاً اہلِ حق کو دینی امور میں دھوکہ دینا حرام ہے۔ دین کی آڑ پکڑ کے دنیوی دولت حاصل کرنی ناجائز ہے۔ جو نیکی انسان نے نہ کی ہو اور پھر دنیا والوں کے ذہن میں یہ بات جمانا چاہتا ہو کہ میں نے یہ نیکی کی ہے، سخت گناہ اور نفاق ہے۔

ان آیات میں مسلمانوں کے لئے درسِ عبرت ہے کہ ظاہر و باطن کو ایک رکھنا چاہیئے۔ باطن میں غاصب ڈاکو اور ظاہر میں مقدس پیشوا بننا سخت جرم ہے وغیرہ۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

زمین و آسمان کی پیدائش اور رات دن کے لوٹ پھیر میں اُن عقلمندوں کے لئے (خدا کی عظمت کی) بہتیری نشانیاں ہیں

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں

وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا

(اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے ان کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے تو پاک ہے ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اے ہمارے

اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا

پروردگار تو جس کو دوزخ میں ڈالے تو بلاشبہ تو نے اس کو رسوا کر دیا اور گناہگاروں کا کوئی بھی مددگار نہیں اے ہمارے

اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

پروردگار ہم نے ایک منادی کو ایمان کا اعلان کرتے یعنی یہ کہتے سُنا کہ اپنے رب پر یقین رکھو تو ہم ایمان لے آئے ہمارے رب تو ہمارے گناہ

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى

کردے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کر اے ہمارے رب تونے اپنے پیغمبروں کی معرفت ہم سے

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عطا کر اور قیامت کے دن رُسوا نہ کر بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور

اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

کہہ دیا کہ میں تم سے کسی محنتی کی محنت ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کی جنس سے ہو

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

لہٰذا جن لوگوں نے اپنے دیس چھوڑے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں اُن کو دکھ پہنچایا گیا اور لڑے اور مارے گئے میں اُن کے

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

گناہ ضرور دور کردوں گا اور اُن کو ایسے باغوں میں اُن کو پہنچاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

یہ اللہ کے ہاں سے اُن کو بدلہ ملے گا اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے

تفسیر سابق آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے، آسمان و زمین کی حکومت اُسی کے قبضہ میں ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بے ڈھنگے معجزات محض عناد کے طور پر طلب کئے۔ کہنے لگے اگر کوہ صفا سونے کا ہو جائے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں جو کچھ نشانات قدرت اور عجائب ہیں کہ ایک مادہ سے مختلف اشیاء کثیف و لطیف سیاہ و سپید روشن اور تاریک کس طرح بنائی گئی ہیں۔ آسمانوں پہ کیسے کیسے روشن ستارے اور زمین پر کیسے کروڑ ہا کروڑ قسم کے درخت، جاندار اور بے جان مخلوق پیدا کی گئی ہے اور کس طرح نظم کائنات نہایت مرتب صورت میں قائم ہے۔ ادنیٰ مرتبے سے اعلیٰ کی طرف ترقی اور اعلیٰ درجے سے ادنیٰ درجے کی طرف انحطاط کیا باقاعدہ ہے۔ پھر رات و دن کے بدلنے میں کیسے عظیم الشان نشانات قدرت الٰہی ہیں۔ چاند اور سورج کی باقاعدہ رفتار اور وقت معین پر ان کا طلوع و غروب، دن اور رات کا چھوٹا بڑا ہونا اور مناسب با ضابطہ رفتار کے ساتھ ان کی کمی بیشی یہ سب اختیارات و حالات بتا رہے ہیں کہ کائنات عالم تغیر پذیر اور فانی ہے۔ کسی کو کسی حالت میں بقا اور دوام نہیں۔ ان سب چیزوں کی پیدائش اور رفتار و تغیر میں غور و فکر کرنے سے بجز قدرت الٰہی اور عجز مخلوق کی لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ عظیم الشان نشانیاں عقلمند طبقے کی ہدایت کے لئے موجود ہیں۔ باقی جو لوگ کہ دل نور بصیرت سے خالی رکھنے والے ہیں اور نور بصیرت سے بالکل محروم ہیں۔ اُن کو اس صحیح ہدایت سے کچھ فائدہ نہیں مل سکتا جس

شخص کی عقل جس قدر پاک اور ہوا و ہوس کے غلبہ سے صاف ہوگی اور نورِ ایمان سے منور ہوگی، اُسی قدر اُس کو آسمان و زمین کی پیدائش، اور اختلافِ شب و روز اور دیگر عجائباتِ کائنات میں قدرتِ الٰہی کا کمال نظر آئے گا۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ عقلمند طبقے کے اوصاف کا بیان ہے کہ (بصیرت رکھنے والے) لوگ وہ ہیں جو کائناتِ عالم کے تغیرات اور عجائبِ صنعت پر غور کر کے خدائے قدوس کا وجود واحد برحق مان کر اُس کی یاد زبان، دل اور رُوح سے کرتے ہیں اور ہمہ تن اُسی کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں۔ پھر لفظی طور پر یادِ الٰہی نہیں کرتے بلکہ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ہر وقت کھڑے، بیٹھے، لیٹے اُسی کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ ہر وقت ایک خیال اور ہر آن ایک دھن اُن کو لگی رہتی ہے، جو کام کرتے ہیں اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اُن کی نشست و برخاست رفتار و گفتار، حرکت و سکون، خواب و بیداری، کسب و معاش، نکاح و لذت سب چیز خدا کی رضاجوئی کے لئے وقف ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت سے نماز کی طرف اشارہ ہے یعنی کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر جس طرح ممکن ہوتا ہے نماز پڑھتے ہیں۔ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور و فکر کر کے وجود باری تعالیٰ اور اُس کی قدرتِ کاملہ پر اس سے استدلال کرتے ہیں اور بالآخر اسی تفکر و تدبر کے واسطے سے خدائے قدوس کی عظمت، جبروت، جلال، قدرت، وسعتِ علمی اور حکمت و وحدت کے قائل ہو کر پکار اُٹھتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اے پاک پروردگار تو نے ان چیزوں کو بے کار اور غلطی سے بلا ارادہ و اختیار کے پیدا نہیں کیا۔ ہر چیز میں تیری لاکھوں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں اور عالم میں کسی چیز کا وجود بے کار نہیں ہے۔ سچ ہے۔ شعر

اِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ فَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ عِبْرَةٌ

ہر ورقے دفتریست زمعرفتِ کردگار

سُبْحٰنَكَ الٰہی تو ہر قسم کے نقصان و عیب سے پاک ہے تو باطل آفرین نہیں نہیں، تیری قدرت خالقہ کامل ہے اور تو اپنی ذات و صفات میں یگانہ و لاشریک ہے۔ ہم بقدرِ امکان تیری تنزیہ و تقدیس بیان کرتے ہیں اور منکرِ قدرت نہیں ہیں لہٰذا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ تو ہم کو آتشِ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ یعنی ہم کو اپنی طرف سے نیک اعمال اور اپنی رضاجوئی کی توفیق عطا فرما، کیوں کہ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ الٰہی جس کو تو نے ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کیا یعنی جس کو تو نے ایمان و توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائی اور وہ کافر ہی رہا تو اس پر تیری طرف سے بڑی رسوائی اور خواری پڑی۔ وہ تیری رحمت سے دُور ہوگیا اور ہلاک ہوگیا اور دائمی طور پر سعادت و نجات سے محروم ہوگیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ کیوں کہ قیامت کے دن کافروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا، کوئی عذابِ الٰہی سے نجات نہ دے سکے گا کسی کی مجال نہیں کہ خدا کے سامنے دم مارے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا الٰہی فطری سوز بر فطری ہدایت کے علاوہ ہم نے ایک منادی کو ندائے ایمان دیتے ہوئے بھی سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اُس پاک پروردگار کو ذات و صفات میں یگانہ و لاشریک سمجھو جو تمہارا خالق، رازق، زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ ہر دم تم اس کے محتاج ہو۔ یہ ندا سن کر ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے (منادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا قرآن مجید ہے) مگر ہم سے اُس کے احکام کی پوری تعمیل نہ ہوسکی اور بہت سے گناہ اور خطا کاریاں ہم سے سرزد ہوگئیں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا تو اے ہمارے پروردگار تو ہمارے تمام گناہ معاف کر دے اور اپنی رحمت سے اُن کو چھپا لے۔ وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا اور ہماری سیاہ کاریاں اور بداطواریاں بالکل مٹا دے اور راہِ ایمان پر ہمیشہ کو قائم رکھ یہاں تک کہ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ جب ہم مرنے لگیں تو ہماری روحوں کو قبض کر کے نیکوکار اطاعت شعار بندوں کے زمرہ میں شامل کر دے۔ الٰہی اگرچہ ہم سخت گناہگار ہیں مگر رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اے پروردگار تو ہم کو اپنے وعدہ کے مطابق حیاتِ ابدی اور سعادتِ سرمدی عنایت کر اور ہمارے گناہوں سے قیامت کے دن کافروں کی طرح ذلیل و خوار نہ کر دینا۔ ہم کو تیرے وعدے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، مگر اپنے گناہوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔ تیری طرف سے وعدہ کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ نے قرآن میں مردوں کا بار بار ذکر فرمایا ہے، عورتوں کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب پُرعقل مسلمان خدا کو واحد قادر اور خلاقِ عالم جان کر اُس کی وحدانیت، ربوبیت اور تنزیہ کے قائل ہوگئے اور اپنے گناہوں سے انھوں نے توبہ استغفار کی تو خدا نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور فرما دیا کہ اِنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى میں کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔ تم میں جو کوئی

ہو مرد یا عورت میں کسی کی کوشش اکارت نہیں کرتا ہوں کیونکہ :۔ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ مرتبۂ انسانیت میں تم سب میرے نزدیک برابر ہو۔ سب ایک ہی نسل کے ہو باہم ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہو۔ مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ فرق صرف نیکوکاری اور بدکاری کا ہے۔ جن کے اعمال نیک ہیں اُن کے مراتب اعلیٰ ہیں اور جو بد اعمال ہیں وہ مستحق عذاب ہیں۔ لہٰذا فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا جن لوگوں نے خدا پرستی کی دُھن میں اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ترکِ وطن کیا، غیراللہ کی پرستش چھوڑ دی، ہوا و ہوس اور شیطانی خیالات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ اور اپنے گھروں سے خدا پرستی کے جرم میں نکالے گئے اور اُن کو اُن کے دشمنوں نے جلا وطن کر دیا۔ جیسے صحابہ قریش اور مہاجرین کبار تھے کہ اہلِ مکہ نے اُن کو وحدت پرستی کے جرم میں مکہ سے نکال کر باہر کر دیا۔ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ اعلاء کے راستے میں دین و مذہب اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں اُن کو جسمانی اور روحانی تکلیفیں دی گئیں، اُن کے دشمنوں نے اُن کو صرف اعلانِ توحید کے جرم میں ہر طرح سے ستایا۔ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا اور دینِ الٰہی کی حمایت کے لئے اعداءِ اسلام سے لڑے، مرے، غازی اور شہید ہوئے تو لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ایسے لوگوں کی خطاکاریاں اور غلط کاریاں میں ضرور مٹا دوں گا اور عذاب سے رہائی دے کر وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ضرور بالضرور اُن کو سرسبز جنتوں میں داخل کر دوں گا۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر یہ سب کچھ جو ہم عنایت کریں گے وہ اُن کے اعمال کے استحقاق کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ عوض صرف اپنی رحمت اور فضل سے دیں گے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اور پھر اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ ایک اور اجرِ جزیل اور ثوابِ جمیل عنایت کرے گا یعنی سعادتِ ابدی اور دیدارِ پُر انوار۔

مقصود بیان کائناتِ عالم اور موجوداتِ فطری کے تغیرات پر نظر غائر ڈالنے اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت اور مصنوعات سے وجودِ صانع پر استدلال کرنے کی لطف آمیز تعلیم۔ آیاتِ الٰہی اور حقائقِ اشیاء میں غور کرنے والوں کی مدح۔ دل و جان اور ارکان و زبان سے یادِ الٰہی کرنے کے متعلق لطیف تمثیل پیرایہ میں ارشاد۔ اس امر کی صراحت کہ عقل و نقل اور درایت و روایت دونوں نہایت بلند آہنگی سے خدا تعالیٰ کے واحد اور خلاق حکیم ہونے کی ندا کر رہی ہیں۔ خدا کے وعدہ میں عدم کذب کی صراحت۔ بحیثیت عمل و نسلِ انسانی کی دونوں صنفوں یعنی مرد و عورت کے مساوی ہونے کی وضاحت۔ اعلانِ حق و صداقت اور اعلائے توحید کے لئے مصائب و تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرنے کی مدح۔ اس امر کی تشریح کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ وغیرہ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

کافروں کی شہروں میں آمد و رفت تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے یہ تو تھوڑی سی پونجی ہے اس کے بعد اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ بہت بُری جگہ ہے ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے اُن کے لئے باغات ہوں گے جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝

ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لئے بہتر ہے

تفسیر بعض مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دیکھتے ہیں کہ دشمنانِ خدا اکثر نہایت فراخ حالی فارغ البالی اور عیش و عشرت میں ہیں اور ہم لوگ نہایت تنگ دستی اور افلاس میں مبتلا ہیں۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی :۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ ایک بار حضرت عمر فاروق ؓ نے دیکھا کہ بالاخانہ پر کھجور کی کھری چٹائی پر حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تکیہ سر مبارک کے نیچے رکھا ہے اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ یہ دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ روم کا بادشاہ باوجود عیسائی ہونے کے اور ایران کا بادشاہ باوجود مجوسی ہونے کے تو انتہائی عیش و عشرت میں ہوں اور حضور والا باوجود رسولِ خدا ہونے کے

ایسی حالت میں ہوں، یہ افسوس ناک بات ہے۔ حضور اقدس صلعم یہ کلام سن کر اُٹھ بیٹھے اور نہایت استقلال سے فرمایا اے عمر تم اس خیال میں پڑ گئے کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ اُن کے واسطے دُنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے طالبانِ حق ان کافروں کا بغرض تجارت ملکوں ملکوں کا سفر کرنا اور حصولِ مال و جاہ کے لئے دنیا کے شہروں میں پھرنا اور دولتمند ہونا تم کو اس غلطی میں نہ ڈالے، تم ان کی دولتمندی کو دیکھ کر یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ مسلمان باوجودیکہ خدا کے مقبول بندے ہیں، پھر کیوں مفلس ہیں! خوب سمجھ لو کہ یہ دنیا کی چند روزہ بہار ہے جس کا مرتے ہی نام و نشان مٹ جائے گا اور انجام دوزخ ہے پھر ایسے حقیر متاع کا کیا اعتبار ہے جو چند روز کے بعد فنا ہو جانے والی اور انجام میں دوزخ میں داخل کرنے والی ہے۔ نفع تو دین کا نفع ہے جو مسلمانوں کا حصہ ہے۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ —— ان حیاتِ جاودانی اور سعادتِ ابدی اُن نیکوکار بندوں کا حصہ ہے جو اپنی ہر رفتار و گفتار اور طور طریق میں خدا سے ڈرتے ہیں۔ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ وہ سرسبز اور شاداب باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اُن کے اندر رہیں گے، کبھی وہاں سے نہ نکالے جائیں گے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ چونکہ وہ نیکوکار مومن بندے اس دنیا میں مسافروں کی طرح بسر کرتے ہیں۔ اور مسافر کے لئے منزلِ مقصود میں عیش و آرام کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مذکورۂ بالا نعمتیں بطورِ ضیافت اور طعامِ مہمانی کے اُن کو ملیں گی اور ان کے علاوہ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ جو جو انعامات اور برکات و انوار خدا کے پاس ہیں، وہ نیکوکار پاک باطن آدمیوں کے لئے مخصوص ہیں اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ عمرو بن عاص نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ ابرار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی خدمت گزاری کی اور بیٹے پوتے یعنی اولاد کی نگہداشت حقوق میں حسن سلوک سے کام لیا۔ کیونکہ جس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے، اسی طرح تیری اولاد بھی تجھ پر حق رکھتی ہے۔ (رواہ ابن مردویہ) حسن بصری کا قول ہے کہ ابرار وہ لوگ ہیں جو چیونٹی کو بھی نہیں ستاتے۔ حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے لئے موت بہتر ہے اور ہر کافر کے لئے زندگی خراب اور موت بدتر ہے۔ اگر کسی کو اس قول کی تصدیق مقصود ہو تو آیت وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ پڑھے۔

مقصودِ بیان دنیا اور اسبابِ دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کا اظہار اور اس امر کی طرف اشارہ کہ عزت و اکرام اور فرقِ مراتب دنیوی دولت و جاہ اور ثروت و عزت سے نہیں ہے نہ ان چیزوں کو جاذبِ قلب ہونا چاہیئے۔ بلکہ فضیلت و عزت اسلام اور اعمالِ حسنہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ متاعِ دنیوی فنا پذیر ہے، بے مقدار ہے اور عیشِ جاودانی کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ آیت میں اس بات کو بھی ضمناً ظاہر کر دیا گیا ہے کہ دنیا میں عموماً کافروں اور سرکش بندوں کے لئے عیش و آرام اور رفاہیت ہوتی ہے، مگر خراب سے بڑھ کر نہیں اور مسلمان نیکوکار بندے اکثر دنیا میں مفلس ہوتے ہیں تاکہ مالی کشش اُن کو سعادتِ آخرت کے حصول سے غافل نہ کرے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور بعض اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اُس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس کتاب پر جو اُن پر نازل

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

کی گئی ایمان لاتے ہیں اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں اللہ کے احکام کے عوض تھوڑے دام (دنیوی مال) نہیں لیتے انہی لوگوں کا اجر اُن کے پروردگار کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

پاس ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر:- حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ جب نجاشی شاہ حبش کی وفات کی خبر حضرت جبرئیلؑ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو حضور نے

نجاشی کے جنازے کی غائبانہ نماز پڑھنے کے لئے صحابہ کو میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ نے کہا کہ ہم حبشی کی کیا نماز پڑھیں۔ اس پر نجاشی کے مومن خالص اور سچے مسلمان ہونے کے اظہار کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کے نزدیک حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئے تھے۔ اس آیت کا نزول ہوا۔ عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ نجران کے چالیس عیسائیوں کے متعلق یہ آیت اتری جن میں سے ۳۲ حبشی اور ۸ رومی تھے اور سب کے سب مسلمان ہوگئے تھے۔ بہرحال مورد خاص ہو یا عام آیت کا حکم اُن تمام اہل کتاب کو شامل ہے جو اپنا مذہب چھوڑ کر سچے دل سے مسلمان ہوگئے ہوں خواہ عیسائی ہوں یا یہودی۔ وغیرہ۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ماحصل یہ ہے کہ حبشی، رومی، عربی اور ایرانی ہونے کو اسلام میں کوئی دخل نہیں نہ کہیں کی سکونت سے مراتب قرب میں اضافہ یا انحطاط ہو سکتا ہے۔ بعض اہل کتاب بھی ایسے ہیں جن کا ایمان خدا پر بھی ہے خدا کو واحد خالق، رازق، وحدہٗ لاشریک لہٗ اور ربّ العالمین جانتے ہیں اور قرآن پر بھی اُن کو یقین ہے۔ وہ دل سے اور زبان سے قرآن کو کلام الٰہی گزشتہ شریعتوں کا ناسخ اور واجب الاتباع قوانین ہدایت کا مجموعہ جانتے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور توریت و انجیل کو بھی کلام الٰہی جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن سے قبل ان کے احکام بھی واجب العمل تھے۔ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اور اس ایمان سے ان کا مقصود سوا دینی فلاح کے اور کچھ نہیں ہوتا وہ خدا سے ڈرتے ہیں اور اسی کے سامنے انتہائی عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہیں۔ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور عام اہل کتاب کی طرح اپنی کتابوں میں تحریف نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلعم کے اوصاف اور اپنی کتابوں کے اصلی احکام میں کوئی تبدیل تغیر نہیں کرتے اور دنیوی دولت کے عوض جو نہایت حقیر ہے احکام الٰہی کو فروخت نہیں کرتے۔۔۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے نیک عہد، ایمان دار اور اطاعت گذار بندوں کا خصوصی اجر خدا کے پاس موجود ہے جو ان کو ضرور قیامت کے دن ملے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا ایک تو اس وجہ سے کہ وہ حضور کی رسالت سے قبل اپنے مذہب پر اخلاص کے ساتھ پابند تھے۔ دوسرا اس وجہ سے کہ بعثت نبوی کے بعد حضور اقدس ؐ کے پیرو ہو گئے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ خدا تعالیٰ بلاشبہ تمام مخلوق کا بہت جلد حساب لے لے گا اور ہر ایک کو اُس کے اعمال کی سزا یا جزا عنایت فرمائے گا۔

مقصود بیان سب آدمی ایک سے نہیں ہیں۔ اعدائے اسلام کے گروہ میں بھی بعض نورانی باطن والے خدا کے سعادت مند بندے ہوتے ہیں جو نہایت صاف طینت اور روشن بصیرت رکھتے ہیں۔ اسلام اور مدارج روحانی میں سکونت، قومیت، ظاہری حسن و قبح اور اختلاف رنگ و نسل کو دخل نہیں ہے۔ خدا کے تمام بندے برابر ہیں فرق صرف ایمان و اعمال کا ہے، جو آسمانی قوانین عملاً ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں وہ بہت زیادہ قابل مدح ہیں۔ اس آیت میں نہایت بلیغ پیرایہ میں دعوت اسلام دی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ع

مسلمانو! صبر کرو اور مقابلہ پر مضبوطی رکھو اور جہاد کے لئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کو مراد حاصل ہو

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا یہ مکمل آیت تمام اسلامی ہدایات کا گنجینہ اور کل قرآنی نصائح کا نچوڑ ہے اور بے شمار فوائد کی حامل ہے۔ اسی وجہ سے مختلف مفسرین نے مختلف طور پر ہر لفظ کی تفسیر کی ہے اور صحابہ و تابعین نے ہر جملے کے جدا جدا معنی بیان کئے ہیں۔ ہم ذیل میں جو مختصر تفسیر لکھتے ہیں وہ کل تفسیر معانی کا مختصر مجموعہ ہے۔

انسان کے علمی اور عملی فضائل دو باتوں پر موقوف ہیں (۱) ہر وقت رضاء مولا کا طالب ہو، اُسی سے ڈرتا رہے اور ہر آن ایک دھن میں لگا رہے شرک نہ کرے۔ خدا کے حقوق پا تمامہا نہایت شوق اور جانفشانی اور ترجیح سے ادا کرے (۲) دنیوی امور اور معاملات میں کوئی خرابی قائم اور پیدا نہ ہونے دے۔ مؤخر الذکر کی دو قسمیں ہیں: (۱) خود مشقت اٹھانی، تکلیف برداشت کرنی اور ضبط و استقامت قائم رکھنی (۲) ایثار کرنا، غیروں کو تکلیف نہ دینا، انسانی حقوق ادا کرنا۔ اس میں بھی شق ثانی دو طرح پر ہے: (۱) غیروں کے واجبی حقوق ادا کئے جائیں اور اُن کو ناجائز تکلیف نہ دی جائے۔ (۲) غیروں

کے تمام حقوق خواہ واجب ہوں یا نہ ہوں ادا کئے جائیں اور کسی کو جائز یا ناجائز کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ صلہ رحمی اور کنبہ پروری کی جائے گویا نفاذِ احکام کا حصر چار اقسام میں ہو گیا۔ اس آیت میں ان چاروں اقسام کی نہایت بلیغ انداز میں کامل ہدایت موجود ہے۔

قسم دوم کی طرف تو آیت کے مذکورہ بالا کرشمے میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :- مسلمانو! صبر کرو یعنی دنیا کے تمام مصائب، بیماری، افلاس، قحط، خوف، رنج، دکھ درد، سفر، خانہ بدوشی، فاقہ، حکومت کے جور و استبداد، اولاد کی موت وغیرہ پر صبر کرو۔ (فرائضِ الٰہی کے ادا کرنے میں جو کچھ دشواریاں اور مصیبتیں پیش آئیں، روزہ میں بھوک پیاس کی تکلیف ہو، جہاد میں گرمی سردی، سفر میں تھکان فاقہ دشمن سے مقابلہ اور جان کا خطرہ پیش آئے۔ نداءِ حق، اعلانِ صداقت اور تبلیغِ احکام میں نصیحت و ہدایت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں جو کچھ مصائب اٹھانے پڑیں، جس قدر طعن و تشنیع گالیاں، زبان درازیاں، چیرہ دستیاں اور پھبتیاں برداشت کرنی پڑیں، سب پر صبر کرو۔

نفس کا جوش، شہوت اور ہیجانِ غضب روکنے میں جو دشواریاں اور مشقت پیش آئے اس پر استقامت رکھو۔ جذباتِ نفسانیہ کے بندھن سے بچو۔ ممنوعاتِ الٰہیہ اور محرماتِ شرعیہ سے نفس کو روکے رکھو اور ہر ناجائز خواہش کو دبانے میں جو مشقت برداشت کرنی پڑے اس پر صبر کرو۔

ذات و صفاتِ الٰہی کے پہچاننے اور علومِ حقہ کے حاصل کرنے میں جس قدر غور و فکر، شب بیداری، ترکِ غذا، الم اور مراقبۂ نفس کرنا پڑے سب پر صبر کرو۔

وَصَابِرُوْا یہ قسم سوم کا بیان ہے یعنی مسلمانو! لوگوں کے واجبی اور ضروری حقوق ادا کرو۔ مطلب یہ کہ دشمنوں اور دوستوں کی بداخلاقیاں، ہمسایوں اور غیروں کی ریشہ دوانیاں، خاندان والوں اور شناساؤں کی مکاریاں اور چالاکیاں، یگانہ و بیگانہ کی چیرہ دستیاں صبر کے ساتھ برداشت کرو۔ اپنے نفس کو جوشِ انتقام اور ہیجانِ غضب سے روکو۔

وَرَابِطُوْا یہ قسم چہارم کا بیان ہے یعنی مسلمانو! اپنے دلوں کو باندھے رکھو۔ محبتِ الٰہی میں اپنے دلوں کو باندھو، نفس کو لگاؤ، تمام بدنی اور روحانی قوتوں کو مصروف رکھو یا جہاد کے لئے اپنے گھروں پر گھوڑوں کی پرورش کرو یا غنیم سے اپنی فوج کو محفوظ رکھنے کے لئے رات کو نگرانی میں اپنے کو لگائے رکھو یا نماز و جماعت کے انتظار میں دل کو معلق رکھو یا کارِ خیر کے ساتھ دل کو وابستہ رکھو یا کنبہ پروری اور صلہ رحمی میں ہر وقت اپنے خیالات اور قوتوں کو آمادہ رکھو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یہ قسم اول کا بیان ہے یعنی مسلمانو! شرک نہ کرو، رضاءِ مولا کے طالب رہو، ہر وقت اس سے ڈرتے رہو، اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے رہو، غیر اللہ کی محبت سے کنارہ کش رہو، محبتِ مال، محبتِ احباب، محبتِ اولاد اور محبتِ نفس کو محبتِ الٰہی پر قربان کر دو۔ اس کے حقوق نہایت کوشش، شوق اور رغبتِ خاطر سے ادا کرو اور ماسوی اللہ کے خیال کو ترک کر دو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ یہ چاروں نصائح اگر اپنے واسطے لائحہ عمل بنالو گے اور اس مکمل ہدایت کے بموجب عمل کرو گے تو امید ہے کہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل کر لو گے۔

مقصودِ بیان اس آیت کا اصل مقصود قوتِ فکریہ کی درستگی، عقائد کی اصلاح، تہذیبِ اخلاق، حسنِ معاشرت، ایثار، حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی، تمام خلق کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور دیگر فضائل و خصائل کے حصول کی طرف ترغیب دینا ہے، جس کی ضمنی تفصیل ہم تفسیر ہاسن کے ذیل میں لکھ آئے ہیں۔ آیت میں مساواتِ ملی و مولاتِ باہمی اور مذہبی غمخواری کی تعلیم دی ہے۔ اخوتِ اسلامیہ اور معاونت و اتحاد کی خصوصی ہدایت کی ہے۔ گویا ضمنی اشارہ اس طرف ہے کہ مال و جاہ، عزت و حکومت، حسنِ صورت اور شرافتِ نسب قابلِ فخر چیزیں نہیں ہیں۔ فقیر ہوں یا امیر، با دنیا یا مسکین، سید ہو یا جولاہا، یوسفِ ثانی ہو یا نفرت انگیز صورت رکھنے والا مذہب وقت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ ہر ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ تفرقہ ملی موجبِ وبال ہے۔ آیتِ مذکورہ میں خصوصیت کے ساتھ مصائب کے برداشت کرنے، دوسروں کی طرف سے ایذاء پر صبر کرنے اور اعداءِ اسلام سے مقابلے کے وقت اتفاق و اتحاد کے مظاہرہ کے ساتھ ساتھ استقامت کو قائم رکھنے کی ہدایت ہے اور سب سے آخر میں اسلامی تصوف کا ایک بے بہا گنجینہ ہے یعنی رضاءِ مولا کی جستجو اور خوفِ خدا۔ مطلب یہ کہ مسلمان کے ہر فعل و قول میں حرکت میں مرضیٔ مولا کی جستجو کا جذبہ ضرور پوشیدہ رہنا چاہئے۔ عبادت، ریاضت، فتوحات، عالمِ جہاد و جنگ، تجارت و زراعت، صنعت و حرفت اور تمام شخصی جمہوری ملکی معاملات میں رضاءِ مولا کی دھن ضرور لگی رہنی چاہئے اور ہر حالت خوفِ خدا ضرور دل گیر رہنا چاہئے۔ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی اتقاءِ نفس لازم ہے اللہ

جنگ، جہاد کے مرتبع پر بھی۔ وغیرہ۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو ستتر آیات (۱۷۷) اور چوبیس (۲۴) رکوع ہیں

یہ سورت بروایت ابن عباسؓ عبداللہ بن زبیر وزید بن ثابت مدنی ہے نقاش کا قول ہے کہ مکہ سے مدینے کو ہجرت کرتے وقت نازل ہوئی۔ علقمہ کہتے ہیں اس سورت کا ابتدائی حصہ مکی ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ سوا ایک آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے یہ پوری سورت مدنی ہے۔ صرف یہ آیت فتح مکہ کے دن عثمان بن طلحہ حجبی کے حق میں نازل ہوئی۔

اس سورت میں ۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷ آیات ہیں اور ۳۰۴۵ کلمات ہیں اور ۱۶۰۳۰ حروف ہیں۔ سورۂ نساء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے احکام نکاح و میراث وغیرہ زیادہ مذکور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اسی اور اسی سے اس کی بی بی کو پیدا کیا

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ

اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے وسیلہ سے تم ایک دوسرے سے مانگتے

بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝

ہو اور قطع قرابت سے بھی ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارا نگہبان ہے

تفسیر اہل عرب دور جاہلیت میں جہاں دیگر وحشت و بربریت کا کامل ترین ثبوت پیش کرتے تھے وہاں خصوصیت کے ساتھ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور خوبیٔ معاشرت کے لحاظ سے بہت ہی پیچھے تھے۔ یتیموں کا مال اپنا مال خیال کرتے تھے اور مال طیب سمجھ کر ہضم کر جاتے تھے۔ عورتوں کو جانوروں سے زیادہ بدتر خیال کرتے تھے۔ ایک ایک شخص کے پاس بیسیوں عورتیں ہوتی تھیں۔ نکاح و ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ عورتوں کو مال غنیمت خیال کیا جاتا تھا۔ قرآن پاک کی سابق سورت میں مبدء و معاد، وحدت ذات و صفات اور دیگر عقائد صحیحہ کی تعلیم دی گئی۔ جہاد، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ کے احکام بھی بیان کر دیئے گئے۔ لہٰذا اس سورت میں اصلاح معاشرت وغیرہ کے لئے ان احکام کا بیان کرنا ضروری ہوا جن کا تعلق خصوصی حق العباد سے ہے اور حق العباد میں سب سے اہم اور لازمی حقوق یتیموں اور عورتوں کے تھے کیوں کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اہل عرب ان دونوں زیردست ہستیوں کے حقوق ادا کرنے میں بہت پیچھے تھے، اس لئے اس سورت کی ابتداء ہی میں خاص طور پر یتیموں اور عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی ہدایت ہے اور چونکہ اہل عرب کا اسلامی دور عہد جاہلیت سے بہت زیادہ قریب تھا، ابھی تک ان میں جاہلیت کی خو بو موجود تھی اور قانون اسلامی کی پابندی کے

وہ خوگر تھے اس لیے مساواتِ قومی اور اتحادِ نسلی کا نظریہ پیش کر کے ہر ایک کو خدا سے ڈرنے کی مکرر ہدایت کی گئی تاکہ اول تو خود ہی اس پر غور کریں کہ عورتیں اور یتیم بھی ہماری طرح انسان ہیں انسانیت کے اعتبار سے ہم کو ان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ آدمیت کے لحاظ سے جو حقوق ہمارے ہو سکتے ہیں وہی ان زبردست کمزور ہستیوں کے بھی ہو سکتے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی اگر ضعیف الخلقت مخلوق کی ادائیگی حقوق میں کچھ جبلی پس و پیش ہو تو خدا سے خوف کیا جائے اور اس کی نافرمانی و عذاب کے ڈر سے اس بیچاری کمزور کائنات پر رحم کیا جائے اور اس کی حق تلفی نہ کی جائے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ خطاب کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ بربریت وحشت انسانیت کے خلاف ہے۔ اگر تم کو کامل انسان بننا ہے تو مخلوقِ خدا کی حق تلفی نہ کرو۔ ایک یہ لطیف رمز ہو سکتا ہے کہ تم سب انسانی اعتبار سے برابر ہو کسی کو کسی پر نسلی تفوق و برتری حاصل نہیں پھر کیوں کمزور صنف اور ضعیف افراد انسان کی حق تلفی کرتے ہو اور کیوں اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو۔

ارشاد ہوتا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ اے لوگو! خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرو وہ تمہارا رب ہے، خالق، رازق، زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ اُس کی شانِ ربوبیت اس بات کی موجب ہے کہ اُس کی اطاعت اور فرماں پذیری کرو۔ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ اسی رب نے تم کو ایک شخص واحد سے پیدا کیا۔ تم سب آدم کی ہی اولاد ہو پھر حسب نسب شکل و صورت مال و جاہ اور حکومت و حشمت پر فخر کرنا اور قوت و خاندان پر نازاں ہونا عقل و مروت کے خلاف ہے۔ تمام بنی آدم برادری میں برابر ہیں۔ سب سے رحم دلی اور ہمدردی کرنی چاہیے۔ تم سب کو ایک شخص سے پیدا کرنے کی یہ صورت ہوئی کہ اول وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا خدا نے اسی ایک شخص یعنی آدم سے اُن کی بیوی حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا کو حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ حضرت آدم کے نطفے کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت حوا کو حضرت آدم کی بیوی قرار دیا۔ کعب وہب اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم کے جنت میں جانے سے پہلے ہو چکی تھی۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ حضرت آدم جنت میں سو رہے تھے کہ حضرت حوا کو بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جب حضرت حوا پیدا ہو گئیں تو وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً پھر ان دونوں کے جوڑے سے خدا نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ حضرت آدم کے صلبی بیٹے بیس۲۰ اور صلبی بیٹیاں بیس۲۰ تھیں کل چالیس اولادیں تھیں پھر اس اولاد کی اولاد ہوئی اور اس طرح نسلِ انسانی کی افزائش ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام آدمی ایک ہی نسل ایک ہی باپ، ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔ جب کہ حقوق انسانی برابر ہیں کسی کو کسی پر برتری نہیں لہٰذا کسی کو کسی کی حق تلفی کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جس کے واسطے سے تم باہم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اس کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر بھیک مانگتے ہو اور انتہائی مجبوری اور مایوسی کے وقت اُسی کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر بھیک مانگتے ہو اور انتہائی مجبوری اور مایوسی کے وقت اُسی کا نام لے کر ایک دوسرے سے حقوق طلب کرتے ہو اور تمام باطل معبودوں کا خیال ترک کر دیتے ہو۔ وَالْأَرْحَامَ اور باہمی رشتہ ناتے کو ضائع کرنے سے پرہیز رکھو۔ صلۂ رحمی اور کنبہ پروری کا لحاظ رکھو عزیزوں سے رشتہ داری قطع نہ کرو۔ اقربا کے ساتھ احسان اور حسنِ سلوک کرو۔ وہ محتاج ہوں تو ان کی بقدرِ امکان پرورش کرو اور ہر صورت اُن کی دلجوئی کرتے رہو۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا اور یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ تمہارے تمام حالات اُس کے پیشِ نظر ہیں۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا جزا دے گا اور اعمال کی سزا بھگتنے میں تم سب برابر ہو۔ دنیوی فخر و شیخی وہاں کام نہ آئے گی۔ امیر ہو یا فقیر خوش جمال ہو یا بدصورت قوی ہو یا کمزور سب کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

مقصودِ بیان مساواتِ انسانی اور اتحادِ قومی کا اظہار، تفاخر و تفوق کی ممانعت، کمزوروں پر رحم اور مہربانی کی تعلیم، اعزاء کے حقوق کی نگہداشت اور اقربا کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کرنے کا غیر مصرح حکم، ارتقاءِ نفس اور عقیدۂ توحید کی ہدایت، احکامِ الٰہی پر کاربند رہنے کا ارشاد اور کل انسانوں کو اعمال کی سزا جزا ملنے کی طرف لطیف اشارہ۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور حرام کو حلال کے عوض نہ لو اور اُن کے مالوں کو اپنے مالوں

إِلَىٰٓ أَمْوَٰلِكُمْ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے

تفسیر اس آیت میں یتیموں کے تین حقوق بیان کئے جاتے ہیں پہلا حق یہ ہے کہ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ جس وقت یتیم بالغ اور ہوشیار ہو جائیں تو اُن کا مال تمہاری سرپرستی اور تحویل میں ہو اُن کا مال اُن کو واپس کر دو کسی قسم کی خرد برد یا ادائیگی میں حیل حجت نہ کرو۔ یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ شخص اپنے یتیم بھتیجے کا سرپرست تھا، جب بھتیجا بالغ ہو گیا اور اس نے چاہے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو اس نے دینے سے انکار کیا۔ غرض معاملہ بارگاہ رسالت تک پہنچا تو یہ آیت مال دے دینے کے حکم میں نازل ہوئی اور اس شخص نے جب یہ آیت سنی تو بھتیجے کا مال واپس کر دیا۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ یہ دوسرا حق ہے۔ سعید بن مسیب، زہری، نخعی اور ضحاک و سدی کے نزدیک طیب سے مال حلال اور خبیث سے مال حرام مراد ہے۔ لیکن دیگر مفسرین نے طیب سے کھرا مال اور خبیث سے کھوٹا مال مراد لیا ہے۔ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جب اُن کے پاس یتیم کا مال رکھا ہوتا تھا تو اُن کو خیال ہوتا تھا کہ یہ مال واجب الادا ہے تو اسی قسم کا دوسرا دی اور کھوٹا مال یتیم کے کھرے اور عمدہ مال کی بجائے رکھ دیتے تھے اور اچھا قیمتی مال نکال لیتے تھے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی: مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے اچھے مال واسباب کو اپنے بُرے مال متاع سے نہ بدل لیا کرو۔ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ یہ تیسرا حق ہے یہ بھی عرب کا دستور تھا اور اب بھی بے ایمان بدنیت لوگ ایسا کرتے ہیں کہ یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنا صرف زیادہ ہوتا ہے اور یتیم کا کم، مگر یتیم کے مال کی مقدار زیادہ اور اپنے مال کی مقدار کم لے کر سب کو ملا کر صرف کرتے ہیں۔ اس میں یتیم کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً یتیم کے لئے اُس کے مال میں سے کھانا پکایا اور اس میں کسی قدر اپنا کھانا ملا کر سا جہا کھایا بے چارے یتیم کے لئے پاؤ بھر کافی تھا، مگر اُس کے مال میں سے دو سیر لے لیا اور اپنے گھر کے صرف کے لئے دو سیر کی ضرورت تھی، مگر اپنے مال میں کو صرف پاؤ بھر لے لیا اور کھانے میں سب شریک ہو گئے۔ یہ بھی بد دیانتی ہے، اس کی بھی ممانعت کر دی۔ مطلب یہ ہے کہ یتیموں کا مال بے ایمانی کے ساتھ اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جایا کرو۔ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ان تینوں باتوں میں سے ہر بات بڑے گناہ کی ہے۔ تم کو اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

مقصود بیان یتیموں کے حال پر شفقت اور مہربانی کرنے کی ہدایت، اُن کا مال واپس کرنے کا حکم اور ہر قسم کی بد دیانتی اور بے ایمانی کے مال میں بے ایمانی کرنے کی ممانعت اور اس امر کی ضمنی صراحت کہ یتیم اگرچہ لاوارث ہے اور اس کے مال میں خورد برد اور تغلب تصرف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ وہ قابل رحم اور حسن سلوک کا مستحق ہے کسی طرح اس کی حق تلفی نہ کی جائے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو دو دو تین تین چار چار عورتوں سے حسب پسند نکاح

وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝

کر لو اور اگر تم کو انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو ایک ہی سے نکاح کر و یا (وہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں) جو تمہاری مملوکہ ہوں اس میں توقع ہے کہ تم ایک طرف نہ جھک پڑو

تفسیر امام بخاری نے بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عرب کا دستور تھا کہ جو یتیم لڑکیاں اُن کی نگرانی و سرپرستی میں ہوتی تھیں اُن کے مال و جمال کی وجہ سے خود اُن سے نکاح کر لیتے تھے اور چونکہ لڑکیاں ہر طرح اُن کے قابو میں ہوتی تھیں اس لئے مہر بھی بہت کم مقرر کرتے تھے اور نکاح کے بعد حقوق زوجیت کی بھی نگہداشت نہ کرتے تھے (اپنی سرپرستی کے احسان کی وجہ سے گویا باندیوں کی طرح سمجھتے تھے) اس بات کی ممانعت کے لئے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ۔

حاصل آیت یہ ہے کہ جب تم یتیم لڑکیوں سے شادی کرتے وقت اُن کے حقوق ادا نہ کر سکو اور انصاف نہ کر سکو تو پھر اُن سے نکاح بھی نہ کرو۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ

کا کال نہیں جس سے چاہو جائز طور پہ نکاح کرو۔ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ عرب میں چونکہ دستور تھا کہ جتنی عورتوں سے چاہتے تھے نکاح کرتے چلے جاتے تھے دس، بیس، تیس بہرصورت کوئی حد خاص مقرر نہ تھی اور تمدن انسانی کے لئے یہ بات مقرر تھی، اس لئے اس آیت میں حد مقرر کردی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ تم جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو کرلو۔ خواہ ایک سے کرو، دو سے کرو، تین سے کرو، چار سے کرو، مگر اس سے زائد کسی سے نکاح ایک وقت میں نہ کرو، ہاں لیکن تعدد ازواج کے وقت مساوات اور برابری ہونی چاہیئے۔ نان نفقہ اور شب باشی میں مساوات ہونی لازم ہے، کمی بیشی حرام ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا اگر تم کو خوف کہ ہم سب بیویوں کو نان نفقہ مساویانہ حیثیت سے نہ دے سکیں گے یا شب باشی میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک نہ کرسکیں گے تو پھر بیویاں نہ کرنی چاہئیں۔ یہ عدل کے خلاف ہے بلکہ فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ایک پر اکتفا کرنی چاہیئے۔ چونکہ اہل عرب اور اس زمانے کے اچھے خاصے مولوی اور مشائخ بھی دو بیویوں کے حقوق مساویانہ حیثیت سے ادا نہیں کرتے۔ جس سے دل چاہتا ہے مزے اڑاتے ہیں اور دوسریوں کو قید میں ڈال کر جلاتے ہیں، اس لئے آیت میں اس خرابی اور معاشرت سوز حرکت کی بیخ کنی کرنے کے لئے حکم دے دیا گیا کہ اگر عدل و انصاف نہیں کرسکتے اور سب کو مساویانہ حیثیت سے نہیں رکھ سکتے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔ چند بیویاں نہ کرو یا صرف باندیوں سے حاجت روائی کرلیا کرو جو بلا نکاح حلال ہیں اور ان میں مساوات بھی ضروری نہیں۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا یہ گزشتہ قانون تم کو انصاف و عدل کی طرف قریب کرنے والا ہے اور کسی ایک کی طرف جھک جانے سے روکنے والا ہے لہٰذا اس قانون پر کاربند ہونا ضروری ہے۔

مقصود بیان یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم۔ بشرطِ عدل چار عورتوں تک نکاح کی اجازت، اور عدم عدل کے خوف کے وقت تعدد ازواج کی ممانعت۔ حقوقِ نساء کی نگہداشت کا حکم اور ان کے انسانی واجبات کے ادا کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ

اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دیدیا کرو

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے تھے اور جو مہر ان کا تجویز ہوتا تھا وہ اُن کو نہ دیتے تھے بلکہ شوہروں سے وصول کرکے خود لیتے تھے۔ اس حرکت کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نِحْلَةً سے مراد مہر ہے۔ حضرت عائشہؓ، قتادہ، مقاتل اور ابن جریج کے نزدیک اس سے مراد فریضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے مہر خود نہ لے لیا کرو بلکہ چونکہ یہ مہر اُن کا ہے اس لئے انہی کو دیا کرو۔ اُن کے حق واجب میں تغلب نہ کرلیا کرو۔

مقصود بیان عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کا امر اور اُن کے واجب حقوق میں تغلب کرنے کی ممانعت۔ ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شوہر پر مہر واجب ہے۔ خواہ مہر مقرر کردہ یا مہر مثل۔ وغیرہ

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ○ وَلَا تُؤْتُوا

پھر اگر خوشی دل سے وہ تم کو اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اس کو شوق سے نہایت خوشگواری سے کھاؤ اور کم عقلوں کو

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ

اپنے مال مت دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تمہارے لئے ذریعہ معاش بنایا ہے ہاں اُن میں سے اُن کو کھلاؤ پہناؤ

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور نرمی سے اُن سے گفتگو کرو اور یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا

اور تم اُن میں صلاحیت دیکھو تو اُن کے مال اُن کے حوالہ کردو اور اُن کے مال فضول خرچی کے ساتھ

وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا

اور اس اندیشہ میں جلدی کرکے نہ کھاجاؤ کہ وہ بڑے ہوجائیں گے جو شخص مالدار ہو اس کو (یتیم کے مال سے) الگ ہی رہنا چاہیئے ہاں جو نادار ہو وہ

فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ

واجبی طور سے کھا سکتا ہے اور جب اُن کے حوالے اُن کے مال کردو تو اُس پر گواہ کرلیا کرو

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

اور حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہے

تفسیر مذکورہ بالا آیت میں بیان تھا کہ عورتوں کا مہر اُن کو دے دو خود نہ کھاؤ۔ اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ اگر عورتیں بخوشی اپنے مہر میں سے کچھ معاف کرنا چاہیں تو یہ بھی ناجائز ہے۔ اس خیال کا ازالہ اس آیت میں کردیا گیا کہ:۔
فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔـا مَّرِيْٓـــــًٔا یعنی اگر عورتیں بخوشی خاطر مہر کا کچھ حصہ تم کو بخش دیں تو اُس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ وہ تمہارے لئے پاکیزہ اور محمود العاقبۃ ہے۔ آخرت میں تمہارے واسطے موجب مواخذہ نہ ہوگا۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ یہ خطاب سرپرستوں کو ہے خواہ وہ مجنون اور بیوقوفوں کے سرپرست ہوں یا نابالغ بچوں کے۔ پھر بچے بھی یتیم ہوں یا نہ ہوں۔ یہ معنی ابن کثیر وغیرہ نے بیان کئے ہیں۔ مگر ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب صرف یتیموں کے سرپرستوں کو ہے۔ سفہاء سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ضحاک، ابن عباس، ابن مسعود، حکم بن عتیبہ اور حسن بصری کے نزدیک وہ بیوقوف عورتیں یا نابالغ لڑکیاں اور لڑکے مراد ہیں جو بے ڈھنگے پن سے مال برباد کرڈالتے ہوں۔ سعید بن جبیر کے نزدیک یتیم لڑکے اور لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کے نزدیک عورتیں مراد ہیں۔ ظاہر آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم بچے مراد ہیں۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جو یتیم بچے بے وقوف، نادان اور کم عقل ہوں ان کا وہ مال جو تمہاری تحویل اور نگرانی میں ہے مت دو کیونکہ اَلَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰـمًا اس مال کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے گذر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر ان کو دے دوگے تو وہ اپنی کم عقلی سے برباد کرڈالیں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل مالی منافع سے اُن کو محروم کردو۔ نہیں بلکہ وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْھُمْ اُن یتیموں کا کھانا پینا اور کپڑا اسی مال میں سے دو اور اُن کے نان نفقہ کی نگرانی کرو۔ یعنی جب تک ان کا مال اُن کے سپرد نہ کیا جائے اس وقت تک اصل مال میں سے یا اُس کے تجارتی نفع میں سے کھانا کپڑا دینا چاہیئے۔ اور چونکہ اُن کے قبضہ میں مال نہ دینے سے اُن کو فطرتاً رنج ہوگا اس لئے ان کی تسلی اور دلاسے کے لئے وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ اُن سے شفقت کا برتاؤ کرو اور اُن کو نرمی سے سمجھاؤ کہ یہ مال تمہارا ہی ہے ہم نگران ہیں جب تم ہوشیار ہوجاؤ گے تو تم کو دے دیا جائے گا۔

مگر اس قانون سے تم ناجائز فائدہ اٹھا کر یتیموں کا مال ہضم کر جانے کا خیال نہ کرو بلکہ وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى یتیموں کا دین اور دنیا کے معاملات میں ان کے بالغ ہونے سے قبل امتحان کر لو۔ اُن کو کاروبارِ تجارت میں لگا کر دیکھ لو، یا جو کچھ ان کے آباؤ اجداد کا کاروبار اور پیشہ ہے اس میں لگا دو۔ اگر زمیندار کا لڑکا ہو تو زمینداری کے کام میں لگا کر اُس کی آزمائش کر لو اور کسی پیشہ ور کا لڑکا ہے تو اس پیشہ میں مشغول کر کے دیکھ لو۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ جب وہ مدتِ بلوغ کو پہنچ جائیں۔ مثلاً لڑکا ہو تو اس کو احتلام ہونے لگے اور لڑکی ہو تو حیض شروع ہو جائے فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا اور تم کو اُن میں دنیوی کاروبار کے متعلق کچھ بھی ہوشیاری معلوم ہو۔ فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ تو پھر ان کا مال اُن کے حوالہ کر دو پھر حیل و حجت نہ کرو۔ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا عرب میں عام رواج پڑ گیا تھا کہ یتیموں کے سرپرست اس خوف سے کہ بالغ ہو کر یہ اپنا مال واپس لے لیں گے جلدی جلدی فضول خرچ میں کھا پی کر بیٹھ رہتے تھے اس امر کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اپنی سرپرستی کی حالت میں تم یتیموں کا مال فضول خرچی کے ساتھ یہ خیال کر کے نہ اُڑاؤ کہ آئندہ یہ بڑے ہو کر اپنا مال واپس لے لیں گے اور ہم تمتع اندوزی سے محروم ہو جائیں گے۔ وَمَنۡ كَانَ غَنِيًّا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ یہ مضمون سابق کا تتمہ ہے۔ یعنی اگر یتیم کا سرپرست غنی ہو تو اس کو یتیم کے مال کی نگہداشت اور اس کی کفالت کا معاوضہ نہ لینا چاہیئے اور اگر فقیر ہو تو یتیم کی تربیت و سرپرستی اس کے مال کی نگہداشت اور اس کے تجارتی کاروبار میں مشغول رہنے کا معاوضہ دستور کے موافق اتنا لے لے جتنا کسی غیر کو ان خدمات کے عوض دیا جاتا۔ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِمۡ۔ یہ آیت آیہ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا کا تکملہ ہے۔ یعنی جب یتیم ہوشیار ہو جائیں اور تم اُن کا مال ان کے حوالہ کرو تو گواہوں کے سامنے اُن کے سپرد کرو تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو اور خیانت کا خیال دل میں نہ لاؤ پورا پورا مال اُن کو دے دو کیونکہ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا حساب لینے کو اللہ کافی ہے۔ اگر اُن کو بچہ سمجھ کر اُن کے مال میں خیانت کرو گے تو خدا کے محاسبے سے نہیں بچ سکتے۔

مقصودِ بیان عورتوں سے جبریہ مہر معاف کرانے کی ضمنی ممانعت عفو مہر کی صریح اجازت، مال برباد کرنے والے کم عقل لوگوں کو مالی تصرفات سے روکنے کا حکم، ہوشیار نابالغ بچہ کے تصرفات تجارت کی صحت کی صراحت، یتیموں پر شفقت و مہربانی کرنے کی ہدایت، یتیموں کا مال خورد برد کرنے کی ممانعت، اُن کے مال میں ہر قسم کی خیانت کرنے سے باز داشت، سرپرستوں کو بشرطِ احتیاج یتیموں کے مال میں سے ان کی خدمات کے عوض مناسب معاوضہ لینے کا جواز، قطع حجت کے لئے یتیموں کا کاروباری امتحان لینے کا حکم، یتیموں کا مال واپس کرتے وقت گواہوں کے روبرو واپس کرنے کی ہدایت۔ وغیرہ

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا

اور ماں باپ بھی اور عورتیں ہے بھی حصہ مردوں کا میں سے کے ترکہ والدین اور رشتہ داروں

تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝

ہے مقرر کردہ یہ حصہ یا بہت تھوڑا مال ہو حصہ دار ہیں ترکہ میں اقرباء کے

تفسیر دورِ جاہلیت میں نابالغ لڑکوں اور عورتوں کو میراث میں سے کوئی حصہ نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑ سکے اور چونکہ نابالغ اولاد یا عورتیں کوئی اپنے عزیز یعنی مرنے والے کی طرف سے اس کی زندگی میں اس کا مددگار رہ کر اُس کے دشمن کی طرف سے نہ لڑ سکتے تھے اس لئے اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث میں سے کوئی حصہ بھی ان کو نہ ملتا تھا۔ الغرض جب اسلام نے عالم میں ایک نئی روح پھونکی اور مسلمانوں میں حضرت اوس بن ثابت انصاری یعنی حضرت حسان کے بھائی کا انتقال ہوا تو میت کے دونوں چچا زاد بھائی یعنی سوید اور عرفجہ تمام میراث کا مال لے گئے اور متوفی کی بیوی، دو لڑکیاں اور ایک لڑکا یونہی محروم رہ گئے۔ کسی کو کچھ نہ ملا۔ مجبوراً میت کی بیوی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا شوہر جنگ احد

میں شہید ہو گیا اور دو لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا۔ میراث کا تمام مال سوید اور عرفجہ لے گیا۔ مجھے حصہ بھی نہیں ملا اب فرمایئے کہ میں ان پر کہاں سے خرچ کروں اور کیونکر خلاصی میں ان کا نکاح کروں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کو بلا کر حکم دیا کہ اوس بن ثابت کا ترکہ ابھی یونہی رہنے دو۔ عورتوں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ لیکن ابھی اس کی مقدار معلوم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ پوری آیت میراث نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ والدین اور اقرباء کے ترکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا مقررہ شرعی حصہ ہے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ جس طرح مردوں کو حصہ پہنچتا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی پہنچتا ہے۔

مقصودِ بیان عورتوں اور مردوں کی باعتبار استحقاق ترکہ کے مساوات اور اس امر کی صراحت کہ حقوق قرابت یا اولاد ہونے کے اعتبار سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہیں۔ مال قلیل ہو یا کثیر دونوں فریق اس کے مستحق ہیں۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا

اور اگر بانٹتے وقت (دیگر) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج لوگ آجائیں تو اس میں سے کچھ اُن کو بھی دیدو اور نرمی

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

سے اُن سے کہہ دیا کرو اور یہ خوف کرنا چاہیئے کہ اگر ہم اپنے بعد ناتواں بچے چھوڑ جائیں تو ہم کو اُن پر کتنا

خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

ترس آئے گا اس لئے مناسب ہے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا

اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ع

مال کھاتے ہیں وہ لوگ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے

تفسیر وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ چونکہ وارث اقرباء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ قریبی تعلق رکھنے والے اور دور کا رشتہ رکھنے والے اور وارث قریب کی موجودگی میں بعید وارث محروم الارث ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالِ وراثت کی تقسیم کے وقت دور کا رشتہ رکھنے والے اور یتیم بچے اور نانِ شبینہ کو محتاج فقیر بھی موجود ہوتے ہیں۔ جو لوگ مستحق میراث ہیں وہ تو ترکہ میں سے حصہ لے لیتے ہیں اور یہ بیچارے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے استحبابی حکم دیا جاتا ہے کہ جب تقسیم کے وقت محروم الارث رشتہ دار یا یتیم یا مسکین فقیر آنکلیں تو اگرچہ اُن کو ترکہ میں سے دینا واجب نہیں ہے۔ مگر رحم انسانی کا تقاضا ہے کہ اُن کو بھی کچھ دے دو اور نرم کلامی سے پیش آؤ اور اُن سے کہہ دو کہ بھائی یہ میراث فلاں فلاں اشخاص کا حق ہے۔ بشرطاً اس کے حق میں تمہارا خدا بھلا کرے بس تم اتنا ہی لے لو۔ اس کے آگے خدا ترسی کا حکم دیا جاتا ہے اور رحم و مہربانی کی بلیغ ترین مدلل طرز میں تعلیم دی جاتی ہے تاکہ سخت ترین دل رکھنے والے انسان کا بھی دل پسیج جائے اور وہ بیکس یتیموں پر شفقت کرنے لگے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ حاصل مطلب یہ ہے کہ تم کو اس بات کا خیال کرنا چاہیئے کہ اگر تمہارے پیچھے تمہارے ننھے ننھے بچے بیکس اور بے بس رہ جائیں تو تم کو یہ خیال کر کے کہ ہمارے بعد بیکسی اور لاچاری کی مورتیاں لوگوں کے سامنے نمونہ بنے کر ننھے ننھے

ہاتھ پھیلائیں گی۔ کس قدر ترس آتا ہے لہٰذا ایسے ہی دوسرے یتیم بچوں اور لاوارث کمزور مخلوق پر رحم کھاؤ۔ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ؁
اور خدا سے ترس کھا کر اُن سے نہایت نرمی اور تسلی کا کلام کرو۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ؁ اس آیت میں یتیموں کا مال کھانے اور اُن کے حق میں خیانت سے کرنے پر وعید کی جاتی ہے۔ کیونکہ یتیم کا وارث دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ نہ کنارِ مادر نہ دوشِ پدرانہ اُن کے سروں پر کوئی شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا ہوتا ہے، نہ اُن کے آہ و بکا اور ناداری پر کوئی رحم کھانے والا ہوتا ہے اس لئے اُن کے مال کو کھانا سخت ترین جرم ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونگے اور وہاں یتیموں کا مال کھانے کے عوض آگ کھانی پڑے گی۔

مقصودِ بیان یتیموں بیکسوں کے حال پر رحم کرنے کی تعلیم، دوسروں کو اور دوسروں کے بچوں کو اپنی جان اور اپنے بچوں کی طرح سمجھنے کی ہدایت انسانی فریضہ کے مقتضا کو پورا کرنے اور رحم و مہربانی کی خصوصی تلقین وغیرہ۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے اور اگر دو سے زائد تمام لڑکیاں

اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ

ہی ہوں تو اُن کے لئے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک لڑکی ہے تو اُس کے لئے آدھا ہے اور میت

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ

کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور اس کے

وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ

ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک تہائی ہے پھر اگر میت کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے یہ تقسیم

بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

ترکہ اس وصیت کے اعتبار کے بعد ہوگی جو میت کر جائے اور ادائے قرض کے بعد ہوگی تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تم کو نہیں معلوم کہ ان میں سے

لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ؁ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا

تمہارے لئے زیادہ نفع رساں کون ہے لہٰذا اللہ کی طرف سے میراث مقرر کر دی گئی کیونکہ اللہ دانا اور حکیم ہے اور تمہاری بیبیوں کے لئے

تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

ترکہ میں سے تمہارے لئے نصف ہے بشرطیکہ اُن کی کوئی اولاد نہ ہو اگر ان کی اولاد ہو تو اُس وقت اُن کے ترکہ میں سے تمہارے لئے

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

چہارم ہے یہ تقسیم بھی اس وصیت کے اجراء کے بعد ہوگی جو بیبیاں کر جائیں اور ادائے قرض کے بھی بعد ہوگی اور تمہارے ترکہ میں سے بیبیوں کو

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ

چوتھائی ملے گا بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ اُن کو ملے گا یہ تقسیم اُس

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ

وصیت کے اجراء کے بعد ہوگی جو تم کر جاؤ اور ادائے قرض کے بھی بعد ہوگی اور اگر کوئی مورث مرد یا عورت کلالہ ہو اور اُس کا

وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ

بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زائد ہوں ج

ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ

تو ترکہ کی تہائی میں سب شریک ہیں یہ تقسیم بھی اجراء وصیت موصی اور ادائے قرض کے بعد ہوگی بشرطیکہ اوروں کا نقصان نہ

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

کیا ہو یہ فرمان خدا ہے اور اللہ جاننے والا باحلم ہے یہ اللہ کے قوانین ہیں جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ

کریگا اللہ اُس کو اُن گھنے باغوں میں داخل کرے گا جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی

الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے بڑھ جائے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کریگا

خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ع

جس کے اندر وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کی مار ہوگی

تفسیر يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْۤ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ یہاں سے میت کی میراث میں تمام مستحقوں کے حصوں کا بیان ہے ۔ چونکہ یہ سلسلۂ بیان کسی قدر طویل اور پیچ در پیچ ہے اور بعض اہل میراث کا ذکر بھی نص میں نہیں ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اولاً اُن تمام اہل میراث کے حقوق کا خلاصہ ذکر کر دیں جن کا بیان اس آیت میں ہے یا حدیث میں آیا ہے تاکہ آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ پھر ہر آیت کے جدا

جدا تفسیری معنی بیان کریں گے۔

شرعاً استحقاقِ میراث تین وجہوں سے ہوتا ہے۔ نسبؔ۔ نکاحؔ۔ ولاءؔ۔

قسم اول نسب نسب کی چند اقسام ہیں (۱) میت کے بیٹے اور بیٹیاں یعنی کل باقی رہی ہوں تو اس صورت میں لڑکے کو دُہرا حصہ اور لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔ (۲) کوئی بیٹا نہ ہو بلکہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو کل مال کے تین حصے کرکے دو حصے لڑکیوں کو دیئے جائیں گے اور ایک حصہ دیگر وارثوں کو ملے گا (۳) صرف ایک بیٹی ہو بیٹا نہ ہو تو کل مال کا نصف اس کو ملے گا اور نصف دوسرے وارثوں کو دیا جائے گا۔ (۴) صرف ایک ہی بیٹا ہو اس کو کل ملے گا (۵) صرف چند بیٹے ہوں تو برابر تقسیم کرلیں گے (۶) ماں باپ اور اولاد باقی رہے تو کل مال کے چھ حصے کرکے ایک ماں کو ایک باپ کو اور چار اولاد کو تقسیم کردیئے جائیں گے۔ اس صورت میں اگر ایک ہی بیٹا ہوگا تو چاروں حصے لے لیگا اور اگر چند لڑکے ہوں گے تو برابر بانٹ لیں گے اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں گی تو بیٹے کو دُہرا حصہ اور بیٹی کو اکہرا حصہ ملے گا اور اگر صرف ایک بیٹی ہوگی تو چار حصوں میں سے دو حصے لے لیگی اور بقیہ دو حصے بھی باپ لے لے گا۔ گویا باپ کے تین حصے ہو جائیں گے اور دو بیٹی کے اور ایک ماں کا۔ اور اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہیں تو کل مال کے چھ حصے کرکے ایک ماں اور باپ کو اور دو ثلث یعنی چار حصے بیٹیوں کو دے دیئے جائیں گے (۷) ماں باپ باقی ہوں اور کوئی وارث نہ ہو تو کل مال کے تین حصے کرکے ایک ماں کو اور دو باپ کو ملیں گے (۸) ماں باپ ہوں اولاد نہ ہو اور زوجین میں سے کوئی ہو۔ اس صورت کا بیان آیت میں نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کے نزدیک کل مال کا چوتھائی شوہر کا اور بقیہ مال میں سے ایک تہائی ماں کا اور دو تہائی باپ کو ملیں گی اور اگر شوہر مرا ہے تو بھی چوتھا حصہ بیوی کا اور بقیہ مال میں سے ایک حصہ ماں کا اور دو حصے باپ کے ہوں گے (۹) میت کی اولاد نہ ہو، ماں باپ اور بہن بھائی ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بہن بھائی محروم رہیں گے اور بقیہ ترکہ باپ کو مل جائے گا۔ نانی دادی ماں کے نہ ہونے کی صورت میں مثل ماں کے ہیں اور نانا دادا باپ نہ ہونے کے وقت مثل باپ کے ہیں۔ ہم نسبی وارثوں میں سے بہن بھائی کے حصوں کی تعین آیات کے تفسیری معنی کے ذیل میں کریں گے۔

قسم دوم نکاح اگر خاوند لاولد مرے تو کل مال کا چوتھائی حصہ بیوی کو ملے گا اور اگر کوئی لڑکا لڑکی بھی ہو خواہ اسی بیوی سے یا اور بیوی سے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر بیوی لاولد مرے تو شوہر کو نصف ملے گا اور اگر کوئی اولاد بھی ہو تو چہارم ملے گا۔

قسم سوئم ولاء ولاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا آزاد کردہ غلام ہو اور مر جائے اور اس کے اقارب نہ ہوں تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی یا دو اجنبی شخص باہم معاہدہ کرلیں کہ میں مر جاؤں تو میری میراث تم لے لینا اور تم مر جاؤ گے تو تمہاری میراث میں لے لوں گا اور اس صورت میں کوئی مر جائے اور اس کے اقارب نہ ہوں تو یقیناً میراث اس کے معاہد دوست کو ملے گی اس قسم کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ حدیثوں سے میراث کی یہ قسم ثابت ہوتی ہے۔

اب ہم تفسیری معنی بیان کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ:۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوں تو حسب ہدایت شریعت مرد کو عورت سے دوہرا حصہ ملے گا۔ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ اور اگر لڑکا نہ ہو لڑکیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو کل ترکہ کی دو تہائیاں اُن کو ملیں گی۔ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اور اگر صرف ایک لڑکی باقی ہو لڑکا کوئی نہ ہو تو کل مال کا نصف اس کو ملے گا۔ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ اور اگر میت کے ماں باپ اور اولاد موجود ہو تو کل مال کے چھ حصے کرکے ایک حصہ باپ کو اور ایک حصہ ماں کو اور بقیہ اولاد کو ملے گا۔ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ اور اگر اولاد نہ ہو صرف ماں باپ ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور دو حصے باپ کو ملیں گے۔ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ اور اگر بہن بھائی ماں باپ موجود ہوں اولاد نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا بقیہ باپ کو مل جائے گا اور بہن بھائی محروم الارث ہوں گے۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ لیکن یہ تمام تقسیم میراث میت

کے ثلث مال سے وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد کی جاوے گی۔ جب تک کل قرض ادا نہ کر دیا جائے یا تہائی مال کے اندر جو وصیت ہو اس کو پورا نہ کر دیا جائے کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا۔ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ یہ قانونِ میراث اگرچہ عام رواج کے خلاف ہے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ماں باپ یا اولاد میں سے تم کو زیادہ نفع دینے والا کون ہے۔ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا یہ خدا کا مقرر کردہ فرض ہے۔ اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ خدا خود علیم و حکیم ہے۔ اس کا کوئی فعل اور حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ — اگر بیوی مر جائے اور اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف مال ملے گا۔ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ اور اگر عورت مرے اور اس کی اولاد ہو تو شوہر کو چہارم حصہ ملے گا۔ مگر یہ تمام حصص مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد دیئے جائیں گے۔ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ اور اگر شوہر مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو خواہ ایک ہو یا زیادہ، کل ترکہ میں سے چہارم حصہ ملے گا۔ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ اور اگر متوفی کی اولاد ہو خواہ اس بیوی سے یا کسی دوسری بیوی سے تو بیوی کو کل ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا لیکن مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد۔ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ اور اگر متوفی مرد یا متوفیہ عورت کے اصول و فروع نہ ہوں۔ نہ باپ دادا نانا ماں نانی دادی ہوں نہ اولاد ہو۔ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ اور صرف بہن یا بھائی رہ جائے۔ بہن بھائی عینی ہوں، علاتی ہوں، اخیافی ہوں، کیسے ہی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ تنہا ایک ہی ہو، یعنی ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ اور اگر ایک سے زائد ہوں۔ دو ہوں یا تین یا چار وغیرہ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ تو سب کو صرف ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ یعنی ایک تہائی میں سب برابر شریک ہوں گے۔ یہ تمام تقسیم مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد جاری ہوگی۔ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ اور یہ بھی لازمی شرط ہے کہ کسی کو ضرر نہ دیا جائے۔ اگر ادائے قرض سے قبل وارث مال تقسیم کر لیں گے تو قرض کا ضرر میت کی گردن پر قیامت میں باقی رہے گا اور قرضخواہ کا بھی ضرر ہے اور وصیت کے پورا نہ ہونے سے میت کی روح کو صدمہ ہوتا ہے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ اس کی تعمیل ضروری ہے۔ یہ خدا کی طرف سے نصیحت ہے چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ خدا تعالیٰ سب لوگوں کے احوال کو جانتا ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کون اس قانون پر کاربند ہوتا ہے اور کون عدول کرتا ہے۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ یعنی مذکورہ بالا فرائض اور احکام میراث اور یتیموں کے متعلق ہدایات خدا تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین ہیں۔ یہ اوامر و نواہی منجانب اللہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ان کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ لوگ اس پر عمل پیرا اور کاربند ہوں۔ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ اب جو شخص خدا اور رسول کی فرماں پذیری کرے گا اور ان قائم کردہ قوانین پر کاربند ہوگا اس کو خدا آخرت میں بہترین ثواب عنایت فرمائے گا اور یہ ثواب لازوال ہوگا۔ احکام الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہمیشہ اس سے تمتع پذیر اور بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور سعادتِ ابدی کا حصول ہی بہترین کامیابی ہے۔ عذاب الٰہی سے نجات پا کر اجرِ الٰہی سے فیضیاب ہونا ہی اصل مطلب ہے۔ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ اور جو لوگ سرکش اور نافرمان ہیں۔ خدا و رسول سے سرتابی کرتے ہیں اور احکام شریعت کو نہیں مانتے اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ قوانین سے انحراف کرتے ہیں ان کی سزا جہنم ہے۔ ہمیشہ ان کو جہنم میں رہنا ہوگا کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی اور اس ذلت آمیز عذاب کی تخلیق ہی خصوصیت کے ساتھ ایسے ہی لوگوں کے واسطے کی گئی ہے۔ میراث کی بابت جب مذکورہ بالا مکمل آیت نازل ہوئی تو عیینہ بن حصن نے اللہ کا حکم نہ مانا اور کہنے لگا کہ میں تو میراث اسی کو دوں گا جو گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن سے لڑ سکے۔ میں بدستور عورتوں اور صغر سن لڑکوں کو میراث سے محروم رکھوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقصود بیان یتامیٰ پر شفقت و مہربانی کرنے کی تعلیم، حقوقِ نسوانی کی نگہداشت، میراث میں فرع و اصل اور نسبی و غیر نسبی استحقاق کا اظہار اس قانون میراث کا نسخ جو دورِ جاہلیت میں رائج تھا۔ احکام شریعت کی تعمیل کی دعوت اور فرمان پذیروں سے اجر جزیل کا وعدہ اور نافرمانوں کو وعید و تنبیہ، اس امر کی صراحت کہ اجرائے وصیت ضروری ہے مگر حقوقِ ورثاء اور استحقاق نیابت ہر دو کا لحاظ ضروری ہے۔

کسی کی حق تلفی اور ضرر رسانی جائز نہیں۔ عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا لازم ہے۔ وغیرہ

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً

تمہاری بیبیوں میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کو گواہ

مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

کرلو اگر وہ گواہی دے دیں تو گھروں میں ان کو روک رکھو تاوقتیکہ موت اُن کو تمام نہ کردے

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝

یا اللہ اُن کے لئے کوئی سبیل نہ نکال دے

تفسیر مذکورہ بالا آیات میں حقوقِ نسوانی کی نگہداشت کا نہایت تاکیدی حکم دیا گیا اور میراث میں ان کو مرد کے ساتھ شریک بنایا گیا تھا اس آیت میں زنا کی سزا کا بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح انسانوں کی باہم حق تلفی اور دست برد اصولِ امن کی بیخ کنی کرنے والی اور معاشرت و سوسائٹی کو تباہ کرنے والی ہے۔ اسی طرح ہر صنفِ انسانی کا اپنے حق سے زیادہ کی طلب کرنا اور خداداد قوی کو بیجا طور پر صرف کرنا بنی نوعِ انسانی کی اخلاقی فضیلت اور معاشرتی ارتقاء کے لئے ہلاکت انگیز اور تباہ کن ہے اور ان سب اسبابِ مہلکہ کا اصل مبدا لذّتِ شہوانی کا بیجا حصول ہے جس کے دلدادہ تمام اقوامِ عالم ہیں۔ اسی سے ضعفِ جسمانی، پستئِ اخلاق، کم حوصلگی، حصولِ معارف و فضائل سے محرومی، عزّت و ناموس کی بربادی اور دیگر معاشرت و اخلاق کو تباہ کردینے والی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے مذکورہ آیت میں زنا کا حکم بیان کیا گیا۔

عکرمہ، ابن جبیر، حسن، عطاء، ابوصالح، قتادہ، زید بن اسلم، ضحاک اور جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا لیکن سورہ نور والی آیت میں جب سنگسار کرنے یا دُرّے مارنے کا حکم نازل ہوا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ مسلم و ترمذی نے بروایت حضرت عبادہ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے دوشیزہ اور غیر دوشیزہ اور محصن و غیر محصن کی سزا بیان کرکے فرمایا اس حکم کی تعمیل کرو۔ خدا تعالیٰ نے ان عورتوں کی راہ نکال دی۔ زنا کے احکام کی ترتیبِ نازلہ اس طرح پر ہے کہ:۔

اول زنا کی سزا صرف اتنی تھی کہ زانی مرد و عورت کو بُرا بھلا کہا جائے اور تعزیر کی جائے۔ جیسا کہ آئندہ آیت وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا میں آتا ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد یہ حکم نازل ہوا جو اس آیت میں مذکور ہے مگر مرد کے لئے وہی تعزیری حکم قائم رہا اور عورتوں کے لئے گھروں میں قید رکھنے کا حکم ہوا۔ پھر جب یہ حکم بھی اصلاحِ معاشرت کے لئے ناکافی سمجھا گیا تو سنگسار کرنے یا دُرّے مارنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس طرح اس تباہی سے مسلمانوں کو بچنے کی ہدایت کی ہے۔

حاصل آیت یہ ہے کہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اگر مسلمانوں کی عورتیں زنا کا ارتکاب کریں تو چونکہ اس فعل کی اہمیت اور اس کی سزا غیر معمولی ہے اس لئے ثبوت کے لئے لازم ہے کہ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ چار عادل مسلمانوں کی شہادت طلب کرو تاکہ وہ زنا کی شرعی شہادت ادا کریں۔ عورتوں کی شہادت اس مسئلہ میں غیر مقبول ہے۔ فَاِنْ شَهِدُوْا اب اگر چاروں عادل مسلمان فاحشہ عورتوں کی زنا کی (چشم دید) گواہی دے دیں اور شہادت سے جرمِ زنا ثابت ہوجائے تو بالفعل کوئی سزائے ضرب نہیں بلکہ فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ عورتوں کو گھروں کے اندر قید رکھو کسی سے ملنے جلنے کو نہ چھوڑو اور یہ سلسلۂ قید اس وقت تک قائم رہنا چاہیئے۔ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ یا تو اُن کو موت آجائے اور موت کا فرشتہ آکر ان کو تمام کردے اور انسانی سوسائٹی ان کی نجاست سے پاک صاف ہوجائے۔ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ یا

خدا تعالیٰ ان کے واسطہ کوئی راہ نکال دے اور کوئی جدید حکم نازل کردے۔ خواہ رہائی کا یا ضرب کا یا قتال کا۔

مقصود بیان اصلاحِ معاشرت اور ارتقائے اخلاق کی تعلیم، حفظِ ناموس، حصولِ معارف، نگہداشتِ صحت، استقرارِ امن اور اخلاقِ حسنہ کے لئے زنا سے ممانعت اور زنا کی سزا کا بیان۔ اس امر کی صراحت کہ زنا کا ثبوت بغیر کامل اور معتبر گواہی کے نہیں ہو سکتا اور اس معاملہ میں گواہی کا حق بھی صرف مسلمان مردوں کو ہے۔

ایک ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں کیونکہ مِنْکُمْ میں خطاب صرف صحابہ کو ہے۔ عام مسلمانوں کو نہیں ہے کیونکہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ آیت میں اس بات کی بھی توضیح ہے کہ بدچلن عورتوں کو کسی سے ملنے نہ دیا جائے۔ وغیرہ

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

اور تم میں سے جو دو مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو دونوں کو خوب دکھ پہنچا دو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی حالت کی اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے مگر اللہ پر صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرنی ہے جو نادانستگی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں انہی لوگوں کی خدا توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ [illegible]

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور حکمت والا ہے اُن لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو گناہ کرتے رہتے ہیں بالآخر جب

حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ

کسی کی موت سامنے آجاتی ہے تو کہتا ہے اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں

كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

مرجائیں ایسے ہی لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ آیت مذکورۂ بالا آیت سے پہلے نازل ہوئی گویا یہ آیت بالکل ابتدائی دورِ اسلامی میں اُتری پھر اس کے بعد مذکورۃ الصدر آیت نازل ہوئی اور پھر سب سے آخر میں سورۂ نور والی آیت کا نزول ہوا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت وَالّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ اور یہ آیت دونوں ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ لیکن وَالّٰتِی میں زانیہ عورتوں کی زنا کی سزا کا بیان ہے اور اس آیت میں شادی شدہ اور کنوارے مردوں کی زنا کا حکم ہے اور پھر ان دونوں کے بعد سورۂ نور والی آیت کا نزول ہوا۔ ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اور اسی قول کی بنا پر ہم تفسیری معنی ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ قول اول کی طرف اکثر مفسرین نے میلان کیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان خواہ شادی شدہ ہو یا کنوارا ہو زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو بُرا بھلا اور کلماتِ سرزنش کہو اور جوتیوں سے مارو تاکہ اس کو ایذا پہنچے (ابن عباس و

سعید بن جبیر) فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اب اگر اس تکلیف و ایذا کے بعد محصن اور غیر محصن زانی سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنے چال چلن کی اصلاح کرلیں تو اُن سے تعرض نہ کرو اور گذشتہ ارتکابِ معصیت کی عار نہ دلاؤ اور سخت سُست نہ کہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے اس کو سرفراز فرماتا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ ہر کافر و معاند اور ہر گنہگار کی توبہ ہر وقت اور ہر صورت میں مقبول ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہی لوگوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے جو گناہ کے عذاب سے ناواقفی کی حالت میں گناہ کرتے ہیں پھر علاماتِ موت اور غرغرہ سے قبل سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ خدا قبول فرماتا ہے۔ اس آیت میں قبولیتِ توبہ کی دو شرطیں لگائی ہیں۔ اول تو یہ کہ جہالت اور ناواقفی کی حالت میں گناہ کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ عنقریب یعنی علاماتِ موت کے ظاہر ہونے اور غرغرہ کی حالت پیدا ہونے سے قبل توبہ کرلی ہو۔ ذیل میں ہم دونوں شرطوں کی تحقیق لکھتے ہیں:۔

(۱) مجاہد کہتے ہیں کہ جس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی خواہ قصداً یا غلطی سے تو وہ جاہل ہے جب تک گناہ سے باز نہ آجائے۔ قتادہ بروایت ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ فرماتے تھے کہ بندہ کا ہر گناہ اس کی جہالت ہے۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ صحابہ کا اجماعی قول ہے کہ خدا کی ہر قسم کی نافرمانی کرنی جہالت ہی خواہ قصداً ہو یا بھول چوک سے۔ ابو صالح نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ بداعمالی جہالت ہے۔

(۲) من قریب کا معنی علی بن ابی طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ یہ بیان کیا ہے کہ ملک الموت کے نظر آنے سے قبل توبہ کرلے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ علاماتِ موت کے ظاہر ہونے سے قبل توبہ کرلے۔ قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ صحت کی حالت میں توبہ کرلے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ موت کا گھر اگھنے سے قبل استغفار کرلے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اس کو موت کا گھیر نہ لگے۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ و الترمذی) ابن مردویہ اور ابو داؤد کی روایت میں موت سے ایک ساعت قبل با اخلاص توبہ کا قبول ہونا مذکور ہے۔ تمام آثار و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اگر ایسی حالت میں توبہ کرے کہ اس کو اپنی زندگی کی امید ہو تو توبہ قبول ہوتی ہے اور جب زندگی سے یاس ہوگئی ملک الموت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی روح حلق میں آکر اٹک گئی۔ سانس چوں چوں بولنے لگی تو ایسے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور خدا تعالیٰ خوب واقف ہے کہ کون شخص کس حالت میں توبہ کرتا ہے۔ یاس کی حالت میں یا آس کی حالت میں، علاماتِ موت دیکھ کر یا امیدِ زندگی رکھتے ہوئے اور اس کے تمام افعال حکمت سے بھی خالی نہیں ہیں۔ قبول توبہ کا یہ قانون بھی مصالح سے پُر ہے۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ مذکورہ بالا آیت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کن اشخاص کی توبہ مقبول ہے۔ اس آیت میں ان دونوں فرقوں کا بیان ہے جن کی توبہ غیر مقبول ہے۔ حاصلِ آیت یہ ہے کہ جو لوگ اس قدر بیباک ہیں کہ برابر گناہ کئے جاتے ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہیں مگر کسی وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے (ابن کثیر، سدی) یا تمام عمر حالتِ نفاق میں رہتے ہیں۔ بظاہر مسلمان اور باطن میں منافق ہیں اور کبھی نفاق سے توبہ نہیں کرتے (سعید بن جبیر و ابو العالیہ) بالآخر حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ جب موت کا فرشتہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ نزع کی حالت ہوجاتی ہے۔ عذاب کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس وقت ہم توبہ کرتے ہیں۔ گناہوں کی بالنفاق کی معافی چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی توبہ ایسے اضطراری وقت میں مقبول نہیں۔ الحاصل علاماتِ موت کے ظہور کے بعد نہ ایمان لانا معتبر ہے نہ گناہوں سے توبہ کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے ہی لوگوں کے لئے ہم نے تکلیف دہ اور ایذا رساں عذاب تیار کر رکھا ہے دوزخ میں اُن کو داخل کریں گے۔

مقصودِ بیان مومن گناہگار کی توبہ تمام عمر مقبول ہے۔ ہزار بار توبہ شکنی کرے پھر بھی اگر گناہوں پر نادم ہو کر سچے دل سے اصلاحِ اعمال کرے گا تو خدا تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ اسی طرح تمام عمر کافر کو کفر سے توبہ کرنے کا بھی موقع حاصل ہے، جب چاہے توبہ کرلے۔ اضطراری توبہ مقبول نہیں۔ جب یاس کا وقت ہوجائے، موت کا یقین ہوجائے۔ علاماتِ موت منکشف ہوجائیں تو توبہ بیکار ہے۔ آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ گناہ کرنا اور خدا کی نافرمانی کرنی انسان کی جہالت ہے۔ اگر خدا کے عذاب کی حقیقت واقعیہ منکشف ہوجائے تو کوئی انسان گناہ کرنے کی جرأت نہ کرے۔ گویا خدا کی فرمانبرداری کرنی علم و دانائی کی بات ہے۔ اور اس کے احکام سے سرتابی کرنی نادانی ہے۔ وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

مسلمانو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو اور نہ یہ جائز ہے کہ دی ہوئی

لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ

چیز میں سے کچھ واپس لے لینے کے خیال سے تم اُن کو بند رکھو البتہ اگر وہ کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں تو روکنے کا اختیار ہے

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا

اور عورتوں کے ساتھ خوش معاملگی سے رہو پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو کیا عجب ہے کہ ایک چیز تم کو ناپسند ہو

وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

اور اللہ اس میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دے

تفسیر جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کوئی مرد مر جاتا تو اُس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا اس کا کوئی اور رشتہ دار عزیز اگر متوفی کی بیوی پر چادر ڈال دیتا اور اس کی وجہ سے وہ اس عورت کا سب سے زیادہ حقدار بن جاتا تھا۔ اگر چاہتا تو خود بلا مہر صرف مورث متوفی کے مہر ہی پر اس کو نکاح میں لے آتا اور چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کرا دیتا اور اگر چاہتا تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ اس کو بطور خود کسی غیر سے نکاح کرنے دیتا تھا اسی طرح اس کو تکلیف دیتا تھا اور اگر وہ عورت مر جاتی تو یہی سوتیلا بیٹا یا میت کا عزیز اس عورت کے مال کا وارث بن جاتا تھا۔ ہاں اگر کپڑا ڈالنے سے قبل وہ اپنے میکے میں چلی جاتی تو خود مختار ہوتی تھی۔ یہی طریقہ شروع اسلام میں رہا۔ یہاں تک کہ ابو قیس انصاری کا انتقال ہوا اور متوفی کی بیوی کبشہ بنت قیس انصاریہ اور ایک بیٹا قیس جو دوسری بیوی سے تھا باقی رہا۔ قیس نے کبشہ پر چادر ڈال دی اور نکاح کا وارث ہو گیا۔ کبشہ نے حضور اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مصیبت بیان کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! نہ مجھے خاوند کی میراث ملی نہ میرا پیچھا چھوٹا کہ دوسری جگہ نکاح کر لوں۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ صبر کر کے گھر میں بیٹھو اور حکم کا انتظار کرو۔ اس وقت یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا نازل ہوئی حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! تم زبردستی عورتوں کے جان و مال کے وارث نہ بنو۔ یہ تمہارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ اپنے اقرباء کی بیویوں وغیرہ کے خواہ مخواہ بغیر کسی شرعی استحقاق کے وارث بن بیٹھو اور صرف ایک چادر ڈالنے سے اُن کے مالک بن جاؤ۔ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ عرب میں دستور تھا کہ جب کسی کو اپنی بیوی کی طرف رغبت نہ رہتی اور رقم مہر یا بیوی کا قبضہ ہو چکتا اور کسی طرح دی ہوئی رقم کی واپسی نہ ہو سکتی تو عورت کو تنگ کرتا۔ نہ تو اس کو طلاق ہی دیتا تھا کہ وہ آزاد ہو کر عدت مقررہ کے بعد کسی اور سے نکاح کرے۔ نہ اس کے ساتھ حُسن سلوک اور خلق معاشرت سے پیش آتا اور اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد روک لیا جاتا تھا اور کسی جگہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جاتا تھا تاکہ تنگ ہو کر وہ غریب عورت اس بے رحم شوہر کی دی ہوئی رقم واپس کر دے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کسی متوفی کی بیوی کو اس عورت کا سوتیلا بیٹا روک رکھتا تھا۔ دوسری جگہ نکاح کرنے نہ دیتا تھا تاکہ عورت عاجز آ کر اپنے متوفی شوہر کا دیا ہوا مہر سوتیلے بیٹے کو واپس کر دے۔ ان تمام صورتوں کی ممانعت اس آیت میں کر دی گئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم کو اپنی عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو اور تم اُن کو طلاق دے چکو یا اُن کے شوہر مر جائیں تو اُن کو تکلیف دینے اور دکھ پہنچانے کے لئے بند نہ کر رکھو اور نکاح ثانی سے نہ روکو اور اس وجہ سے ان کی بندش نہ کرو کہ یہ مجبور ہو کر ادا کردہ مہر واپس کر دیں گی۔ ہاں اگر عورتیں تمہاری ناموس دری، اور عزت شکنی کریں اور إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ - چار گواہوں سے اُن کی زناکاری ثابت ہو جائے تو ان کو محبوس کر کے ہر

کی واپسی جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سوائے عصمت کی شکست کے اگر عورتوں کا کوئی اور خانگی یا بیرونی قصور ہو تو مواخذہ اور سزا مہر کے طور پر ان کی بندش کر کے واپسی مہر کا مطالبہ نہ کرو بلکہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ حسنِ سلوک، خوش خلقی، محبت و انصاف اور نگہداشت حقوق کے ساتھ اُن سے پیش آؤ۔ اُن سے بہترین برتاؤ کرو۔ نان نفقہ دینے میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔ نرم کلامی اور دلجوئی کو لازم پکڑو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہیں جو اپنی گھر والی کے ساتھ سلوک کرنے میں بہتر ہو (کما فی الصحیح)۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی بدصورتی یا بدسیرتی کی وجہ سے مرد کو اُس سے نفرت ہو جاتی ہے اور اس نفرتِ قلبی کا نتیجہ خانہ بربادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اگر عورتوں کی بدصورتی یا زشت خوئی کی وجہ سے تم کو ان کی طرف سے نفرت ہو جائے تو تم کو ان ظاہری اسباب کی بنا پر ان کی طرف سے بے رغبت ہونا نہ چاہیئے کیونکہ ہر چیز کا انجام خدا ہی خوب جانتا ہے تم کو نتیجہ اور مصلحت معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ جس چیز سے تم نفرت کرتے ہو اسی میں خدا تعالیٰ تمہارے لئے کوئی سود مند اور فائدہ آمیز نتیجہ پیدا کر دے۔ بدصورت بیوی سے صالح اولاد پیدا ہو جائے یا بدشکل بیوی عصمت و عفت میں دوسری حسین جاذبِ نظر عورتوں سے زائد ہو یا قبیح المنظر اور کریہ الشکل عورت کا حُسنِ انتظام تربیتِ اولاد، کفایت شعاری، گھر کی نگرانی اور اندرونی کمالات ایسے ہوں جو تمہارے لئے سہولتِ معیشت اور راحتِ قلبی کا سامان مہیا کر لیں۔ لہٰذا عورت کی بدصورتی کو اپنی خانہ بربادی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

مقصودِ بیان

زبردستی عورتوں کے جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت۔ عورتوں سے جبریہ نکاح کرنے کی باز داخت۔ قومی رسم و رواج کو حکمِ شریعت کے مقابلہ میں ترک کرنے کی ہدایت۔ دیا ہوا مہر عورتوں کو مجبور کر کے واپس لینے کی نہی۔ مطلقہ عورت یا اُس عورت کو جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو مدت گزر جانے کے بعد بند رکھنے اور نکاح نہ کرنے دینے کی ممانعت۔ عورت کو معلق چھوڑنے اور تنگ کرنے کی ممانعت نفی۔ اگر عورتیں عصمت پاشی اور عفت شکنی کریں تو ایسی حالت میں دیا ہوا مہر جبریہ اور زبردستی وصول کرنے کی اجازت۔ عورت کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور سجاوٹ بناوٹ یا تناسبِ اعضا پر لوبھنا اور اندرونی کمالات پر نظر نہ کرنا اور خیریت انجام کی طرف سے آنکھ بند کر لینا چونکہ خلاف مصلحت و عقل ہے اور تدبر و دانش کی جڑیں کھوکھلی کر دینے والا ہے۔ اسی لئے اس فعل کی ممانعت کر دی گئی۔

ایک ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عورت کی سب سے بڑی فضیلت عفت و عصمت ہے، دیانت و امانت ہے، کفایت شعاری، تربیتِ اولاد اور حُسنِ انتظام خانگی ہے۔ جو عورت پاکدامن، دیندار، کفایت شعار اور حقوقِ زوجیت کی نگہداشت کرنے والی ہے، تربیتِ اولاد کا سلیقہ رکھتی ہے، شوہر کی دلجوئی اور دلداری کر سکتی ہے۔ وہ اس لغو فریب اور جاذب بصر صورت رکھنے والی عورت سے بہتر ہے جو بدسلیقہ، تند خو، تنگ مزاج، بدسیرت، پھوہڑ ہے اور مرد کے واسطے دنیا میں ہی دوزخ کے سامان مہیا کرتی ہے۔ وغیرہ

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

اور اگر تم ایک عورت کی بجائے دوسری عورت کرنا چاہو اور ایک (مطلقہ) کو ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔـا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ

سے کچھ واپس نہ لو کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ سے اس کو لینا چاہتے ہو تم کس طرح

تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

اس کو لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے سے صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے مضبوط عہد (عقدِ نکاح)

غَلِيظًا ○

لے چکی ہیں

تفسیر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض پرائیویٹ اسباب اور ضروری وجہ کی بنا پر انسان پہلی بیوی کو طلاق دینے اور دوسری بیوی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس کا حکم اس آیت میں بیان ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا۔ یعنی اگر تم کسی خارجی وجہ اور ضروری اسباب کی بنا پر مجبور ہو کہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرو تو کر سکتے ہو لیکن چونکہ بیوی کی طرف سے طلاق یا خلع کی کوئی استدعا نہیں ہے اسی لئے تم نے جتنا مہر اس کو دے دیا ہے خواہ وہ ایک خزانہ اور بے حساب ڈھیر ہی کیوں نہ ہو بہر صورت تم کو دیئے ہوئے مہر کا کوئی حصہ واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ آیت اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے معلوم ہوا تھا کہ اگر عورت کی زناکاری چار عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو جائے تو زانیہ عورت مہر سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس حکم کے ماتحت ممکن تھا بلکہ کبھی ہوتا بھی ہے کہ صرف مہر نہ دینے یا دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کے لئے طلاق دینے کے بعد مرد عورت کے چال چلن پر طرح طرح کی بہتان تراشی اور دروغ بافی کرتا ہے اور فریب بکس کر اس کے واجبی حقوق سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت میں اس قبیح فعل کی تنبیہ آمیز ممانعت کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم عورتوں کا حق مہر تغلب ظلم اور بہتان تراشی کر کے ضبط کرنا چاہتے ہو۔ ایسا ہرگز نہ کرو اور مذکورہ بالا اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ بلکہ عدل انصاف اور نگہداشت حقوق کو پیش نظر رکھو۔ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ یہ گزشتہ ممانعت کی تاکید ہے۔ یعنی تم مہر مقررہ کس طرح واپس لیتے ہو حالاں کہ خلوت صحیحہ کر چکے ہو۔ عورتوں نے اپنے نفس کو تمہارے قبضہ میں کر دیا تھا اور اس سے مہر کامل واجب ہو جاتا ہے۔ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا اور نکاح کے وقت تم نے ان سے وفاداری اور ادائے مہر کا پختہ اقرار کیا تھا اور علی رؤس الاشہاد ان سے نکاح کیا تھا پھر کیونکر تم اپنے اقرار سے پھرنے کے مجاز ہو (ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر کے نزدیک میثاق غلیظ سے مراد نکاح ہے اور ربیع بن انس کے نزدیک میثاق سے مراد وہ عہد ہے جس کی صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمائی تھی کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ)۔

مقصود بیان عیش پرستی اور شہوت رانی کے خیال کے بغیر کسی ضروری وجہ کی بنا پر پہلی بیوی کو طلاق دینا اور دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ مہر کی کثرت کی کوئی انتہا نہیں خزانہ کا خزانہ بھی مہر میں دیا جا سکتا ہے۔ دیا ہوا مہر خواہ کتنا ہی ہو واپس لینا جائز ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے طلاق کی استدعا نہ ہو۔ خلوت صحیحہ کے بعد کامل مہر کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔ کسی عورت سے نکاح کرنا گویا اس سے وفاداری، حسن سلوک اور ادائے مہر کا اقرار کرنا ہے۔ اقرار کی پابندی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ آیت میں نہایت بلند آہنگی اور تاکید کے ساتھ حقوق نسوانی کی حمایت اور ان کے ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور صاف طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ اقرار نکاح ایک پختہ پیمان وفا ہے جو ہر طرح کے حسن سلوک، حسن معاشرت اور حسن معاملہ کا مقتضی ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو تم اُن سے نکاح نہ کرو جو گزر چکا وہ گزر چکا یہ بڑی بے حیائی

فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ ع

اور غضب کی بات تھی اور بُرا دستور تھا

تفسیر جب ابو قیس صحابی کا انتقال ہو گیا تو جاہلیت کے دستور کے موافق متوفی کے بیٹے محصن نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہا حالانکہ سوتیلی

ماں نے کہا محصن میں تو تجھے بیٹا سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک شمار ہوتا ہے پھر تجھے اپنی ماں سے اس قسم کی خواہش کرنی زیبا نہیں۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تمام قصہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ صبر کر کے گھر بیٹھو اور انتظار کرو کہ خدا تعالیٰ کیا حکم نازل فرماتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ابو محصن اور محصن کے بجائے ابو قیس ابن اسلت انصاری اور ان کے بیٹے قیس کا نام مذکور ہے (رواہ ابن ابی حاتم)۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت تین صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ قیس بن اسلت، اسود بن خلف، صفوان بن امیہ۔ ان تینوں صاحبان نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنے کی خواستگاری کی تھی۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:-

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا پردادا یا نانا پرنانا وغیرہ نے نکاح کر لیا ہو خواہ خلوت کی ہو یا نہ کی ہو تم ان سے نکاح نہ کرو۔ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ہاں اس حکم کے نازل ہونے سے قبل جو غلطی اس قسم کی تم سے ہو چکی وہ معاف ہے مگر آئندہ کو ایسی حرکت نہ کرنا۔ کیونکہ اس میں تین خرابیاں ہیں۔ عقلی، شرعی، عرفی۔ عقلی خرابی تو یہ ہے کہ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً یہ فعل نہایت بے حیائی اور بد تہذیبی کا ہے اس عورت سے نکاح کرنا جو باپ دادا کی منکوحہ ہونے کے اعتبار سے تمہارے لئے واجب الاحترام ہیں یا تمہارے باپ دادا بغیر نکاح کے ہی اس سے تمتع اندوز ہو چکے ہوں کونسی عقل و دانش جائز رکھتی ہے اور شرعی خرابی یہ ہے کہ وَمَقْتًا یہ فعل خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت قبیح، مکروہ اور مبغوض ہے اور غضب الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میرے ماموں ابو بردہ بن نیار لڑائی کا جھنڈا لئے جا رہے تھے۔ مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے دریافت کیا آپ کہاں جاتے ہیں؟ کہنے لگے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک خبیث آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے [illegible] نکاح کر لیا ہے۔ حضورؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال [illegible] (رواہ ابن ابی شیبہ و احمد والحاکم والبیہقی)۔

[illegible] عرفی خرابی یہ ہے کہ یہ شرفاء اور اہل تہذیب کے نزدیک بُرا طریقہ ہے۔ عزت و ناموس، شرف و غیرت اس سے برباد ہو جاتی ہے بڑے چھوٹے کا فرق مرتبہ موقوف ہو جاتا ہے۔

مقصودِ بیان بے حیائی، بد تہذیبی اور مکروہ و قبیح افعال کی تاکیدی بندش، عزت و ناموس کے برقرار رکھنے اور چھوٹے بڑے کا فرق ملحوظ رکھنے کی ضمنی ہدایت وغیرہ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ

تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں بیٹیاں بہنیں پھوپھیاں خالائیں بھتیجیاں

الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ

بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور رضاعی بہنیں

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي

اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی لڑکیاں جو تمہاری زیر پرورش ہوں بشرطیکہ ان بیبیوں سے تم

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

ہم بستری کر چکے ہو اگر صحبت نہ کر چکے ہو تو (ان لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی ہرج نہیں ہے

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیبیاں اور بہنوں میں نکاح میں جمع کرنا

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ہاں جو پہلے کر چکے وہ کر چکے اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان عورتوں کا بیان کیا ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ ان میں سے سات اہلِ قرابت ہیں اور دو کی حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے اور چار کی حرمت دامادی کے رشتہ کی وجہ سے ہے۔ اول الذکر سات یہ ہیں:۔ مائیں۔ بیٹیاں۔ بہنیں۔ پھوپھیاں۔ خالائیں۔ بھتیجیاں۔ بھانجیاں۔ متوسط الذکر یہ ہیں:۔ رضاعی مائیں۔ رضاعی بہنیں اور موخر الذکر یہ ہیں:۔ خوشدامن۔ مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو پہلے شوہر سے ہوں۔ اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور ایک وقت میں دو بہنوں کا نکاح میں اجتماع۔ یہ کل تیرہ ہوئیں اور چودھویں قسم کی عورتوں کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں کر دیا ہے۔ یعنی باپ کی منکوحہ یا باپ کی مزنیہ۔ ان کے علاوہ دو عورتوں کی حرمت سنت متواترہ سے ثابت ہے۔ ایک تو اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی پھوپھی سے نکاح کرنا۔ دوسرے بیوی کی موجودگی میں اس کی خالہ سے نکاح کرنا۔ یہ کل سولہ قسم کی عورتیں ہوئیں جن سے نکاح حرام ہے اور سترہویں عورت وہ حرام النکاح ہے جو کسی غیر شخص کی بیوی ہو اور اس کا شوہر زندہ ہو۔ اور اس شوہر کے نکاح میں ہو۔ اس نے طلاق نہ دی ہو ان سترہ قسم کی عورتوں میں سے بعض تو دائمی طور پر حرام نہیں کسی خاص وجہ سے حرام ہے۔ اگر وہ وجہ نہ ہو تو ان سے نکاح جائز ہے مثلاً اپنی بیوی کی بہن سے نکاح بیوی کی موجودگی میں حرام ہے اور بیوی کے انتقال کے بعد یا اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ہم تفصیلی معنی بیان کرنے کے بعد ایک گوشوارہ میں تفصیل کے ساتھ تمام اقسام کو بیان کریں گے۔ پہلے معنی کی توضیح کرنا ضروری ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ مسلمانوں تمہارے لئے مذکورہ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً حرام کر دیا گیا ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ (۱) سگی مائیں، سگی دادیاں، نانیاں، سگی پردادیاں، پرنانیاں الیٰ آخرہا۔ وَبَنٰتُكُمْ (۲) بیٹیاں، پوتیاں، پرپوتیاں، نواسیاں، پرنواسیاں الیٰ آخرہا وَاَخَوٰتُكُمْ (۳) بہنیں خواہ ایک ماں باپ سے ہوں یا ایک باپ اور دو ماؤں سے یا ایک ماں اور دو باپوں سے وَعَمّٰتُكُمْ (۴) باپ، دادا، پردادا وغیرہ کی حقیقی یا اخیافی یا علاتی بہنیں وَخٰلٰتُكُمْ (۵) خالائیں یا ماں کی خالائیں یا نانی کی خالائیں یا باپ، دادا، نانا وغیرہ کی خالائیں وغیرہ وَبَنٰتُ الْاَخِ (۶) بھتیجیاں یا بھتیجوں کی بیٹیاں یا ان کی نواسیاں پرنواسیاں وغیرہ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ (۷) بھانجیاں یا بھانجیوں کی بیٹیاں یا ان کی نواسیاں پرنواسیاں وغیرہ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ (۸) وہ عورتیں جنہوں نے دودھ پلایا ہو۔ خواہ کتنا ہی پلایا ہو۔ مگر مدت رضاعت یعنی دو یا ڈھائی برس کی عمر سے پہلے پلایا ہو ڈھائی برس کی عمر کے بعد پلانا حرمتِ نکاح کا باعث نہیں ہے۔ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (۹) دودھ شریک بہنیں چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہی رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ اسی لئے علماء نے دودھ شریک بہنوں کے حکم میں مذکورہ ذیل رضاعی رشتہ دار عورتوں کو بھی داخل کیا ہے۔ جس لڑکی نے اس شخص کی مدخولہ بیوی کا دودھ پیا ہو وہ بھی اس شخص پر حرام۔ رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں، رضاعی بھائی کی بیٹیاں، رضاعی بہن کی بیٹیاں۔ خلاصہ یہ کہ جو عورتیں رشتہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہی رشتہ رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (۱۰) ساس، ساس کی ماں، نانی پرنانی یا دادی پردادی وغیرہ الیٰ آخرہا۔ خواہ بیوی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ بغیر صحبت صرف نکاح کر لینے سے اس کی ماں وغیرہ سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (۱۱) سوتیلی بیٹیاں جو عموماً اس شخص کے زیر پرورش ہوتی ہیں مگر ان کی حرمت میں شرط یہ ہے کہ ان کی ماں یعنی اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہو۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اگر نکاح کرنے کے بعد بغیر صحبت کے طلاق دے دی تو مطلقہ کی وہ بیٹیاں جو پہلے شوہر کے نطفہ سے ہوں اس

طلاق دینے والے پر حرام نہیں ہیں۔ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (١٢) سگے بیٹوں کی بیویاں۔ اگر سگا بیٹا نہ ہو بلکہ منہ بولا بیٹا ہو تو اس کی بیوی سے نکاح درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کیا تھا۔ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (١٣) دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا۔ یعنی بیوی کی موجودگی میں اس پر اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ خواہ یہ دونوں بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی ہوں، یا اخیافی ہوں یا رضاعی ہوں۔ ہاں دو بہنوں کو یکدم خرید سکتا ہے مگر صحبت دونوں سے نہیں کر سکتا۔ قربت صرف ایک سے ہی کرے گا اور جب تک اس کو اپنی ملک سے خارج نہ کردے گا دوسری سے قربت حرام ہے۔

گوشوارۂ محرمات

محرمات	حکم
ماں نانی، پرنانی، دادی، پردادی بہرحال وہ عورتیں جن سے اس کا نسب شروع ہوتا ہے	دائمی حرام ہیں
بیٹیاں پوتیاں، پرپوتیاں، نواسیاں، پرنواسیاں یعنی وہ عورتیں جن کے نسب کی انتہا اس شخص پر آکر ہوتی ہے۔	″
بہن خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔	″
باپ دادا، پردادا وغیرہ تمام اصول کی حقیقی یا علاتی یا اخیافی بہنیں۔	″
خالہ یا ماں نانی، پرنانی وغیرہ کی خالہ یا دادا، پردادا، نانا وغیرہ کی خالہ	″
بھتیجیاں یا ان کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں، پرپوتیاں، پرنواسیاں وغیرہ	″
بھانجیاں یا اُن کی بیٹیاں، پوتیاں، پرپوتیاں، نواسیاں، پرنواسیاں وغیرہ	″
رضاعی ماں، رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ۔ بشرطیکہ ڈھائی برس کی عمر کے اندر دودھ پلایا گیا ہو۔ بہرحال رشتۂ رضاعت حرمتِ نکاح کا سبب ہے	″
منکوحہ کی ماں، نانی، پرنانی، دادی، پردادی وغیرہ تمام اصول۔	″
مدخولہ بیوی کے پہلے شوہر کے نطفہ سے بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہ۔	″
سگے بیٹوں کی بیویاں	″
بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرنا خواہ سالی حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی	دائمی حرام نہیں ہے بلکہ بیوی کے انتقال کے بعد یا اس کو طلاق دینے کے بعد سالی سے نکاح جائز ہو جاتا ہے۔
شوہر دار عورتیں یعنی وہ عورتیں جن کے شوہر موجود ہوں اور انہوں نے طلاق نہ دی ہو خواہ کہیں ہوں اور خواہ یہ عورتیں آزاد ہوں یا باندی، مسلمان ہوں یا کتابی، بہرصورت غیر کی منکوحہ سے جب تک وہ طلاق نہ دے نکاح درست نہیں۔ ہاں اگر جنگ میں کچھ عورتیں گرفتار ہو کر آئیں اور ان کے کافر شوہر وہاں موجود بھی ہوں تو اُن سے نکاح ناجائز نہیں ہے۔	یہ حرمت بھی دائمی نہیں ہے
بیوی کی موجودگی میں اس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح جائز نہیں اور اگر بیوی کو طلاق دیدے، یا وہ مرجائے تو پھر اس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح جائز ہے۔	حرمت دائمی نہیں

بیوی کی موجودگی میں اس کی بھانجی بھتیجی سے نکاح درست نہیں۔ ہاں اگر بیوی کو طلاق دے دے، یا وہ مرجائے تو جائز ہے۔	حرمت دائمی نہیں
اس عورت سے نکاح ناجائز ہے جس سے باپ، دادا، پردادا، نانا، پرنانا وغیرہ اصول نے نکاح کرلیا ہو۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اسی طرح اس عورت سے نکاح درست نہیں جس سے باپ دادا وغیرہ نے بغیر نکاح زنا کرلیا ہو۔	حرمت ابدی ہے

ہدایت خاص

چونکہ محرمات کے متعلق علماء میں اختلاف ہے، اس لئے ہم نے تمام اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف حنفی مسلک کو پیش کیا ہے اور دیگر ائمہ کے مسالک سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانُ

کا

پارہ نمبر ۵

وَالْمُحْصَنٰتُ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی

عطاء الرحمن صدیقی مالک وسیم بکڈپو دیوبند

آزاد پرنٹنگ پریس دیوبند (یو.پی)

پانچواں پارہ

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ

اور خاوند والی عورتیں بھی حرام ہیں ہاں جو باندیاں تمہاری مملوک ہوں یہ تمہارے لئے اللہ کا تحریر کردہ حکم ہے۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ

ان کے علاوہ تمہارے لئے تمام عورتیں حلال ہیں کہ اپنے مال کے عوض ان کی طلب کرو مگر عفت حاصل کرنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے

تفسیر وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اس آیت کا ارتباط ماقبل کی آیت سے ہے۔ یعنی اُن عورتوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے جو شوہر والیاں ہوں۔ اُن کے شوہر زندہ ہوں اور ان کو طلاق نہ دی گئی ہو خواہ یہ عورتیں مسلمان ہوں یا یہودی یا عیسائی ہاں جو عورتیں جہاد میں گرفتار ہو کر آئیں اور اُن کے شوہران کے ساتھ گرفتار ہو کر نہ آئیں اور وہ مسلمانوں کی باندیاں ہو جائیں تو جس کے حصہ میں وہ باندی آجائے اُس کو بغیر نکاح کے صرف ایک حیض کی مدت ختم کرنے کے بعد اس سے قربت حلال ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اوطاس کی گرفتار کردہ عورتوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ ومسلم وعبدالرزاق وابوداؤد) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہادِ خیبر کی قیدی عورتوں کے حق میں نازل ہوئی۔ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ یعنی یہ حکم الٰہی ہے۔ خدا نے تم پر نہایت تاکید کے ساتھ فرض کیا ہے اور پندرہ اقسام کی عورتوں کو تم پر حرام کر دیا ہے۔ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اور مذکورہ اقسام کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ تمہارے لئے جائز ہے کہ ان کے علاوہ اور سے نکاح کرو۔ یہ آیت اگرچہ عام ہے۔ مگر علمائے شریعت کے نزدیک از روئے حدیث دال بعض قسم کی عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ خالہ اور پھوپھی پر اس کی بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنا یا بھانجی بھتیجی پر اس کی خالہ پھوپھی سے نکاح کرنا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ چار عورتیں ہوں تو پانچویں سے نکاح حرام ہے۔ اگر مرد و عورت میں لعان ہو اور لعان کے بعد بحکم حاکم جدا کر دیئے گئے تو پھر اس عورت سے اس مرد کا نکاح قطعاً کبھی جائز نہیں۔ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ یہ کلام سابق کا تتمہ ہے پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ محرمات کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اب اس نکاح کی شرطیں بیان کی جاتی ہیں۔ جو تمدن و معاشرت کی اصلاح کے لئے نہایت ضروری ہیں پہلی شرط تو یہ ہے کہ کچھ مال صرف کر کے عورتوں کو حاصل کرو۔ مہر ادا کرو تاکہ مرد کی خواہش اور بیوی کے اعزاز کا اظہار ہو جائے۔ لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے خفیہ سازش اور در پردہ یارانہ معلوم نہ ہو۔ مرد کو بیوی کے خاندان سے ایک خاص تعلق اور ارتباط پیدا ہو جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ اس نکاح سے مقصود پاکدامنی اور عصمت کوشی ہو شہوت رانی اور قضائے مستی غرض نہ ہو۔ یہ شرط ہر قسم کی عیش پسندی خرید عصمت اور جذباتِ بہیمیت کی بندگی سے روکتی ہے۔ اس میں بالکل واضح کر دیا گیا ہے کہ مرد و عورت کے تعلق محض جذباتِ بہیمیت کا مقتضا پورا کرنا اور فوری جوشِ نفسانی کا بجھانا مقصود نہ ہو بلکہ تمدن و معاشرت کا استحکام و اصلاح اور اخلاق و شرافت کی استقامت اصل غرض ہونی چاہیئے۔ عورت کو پابند بنانا اور خود پاک دامن بننا مدعائے اصلی ہونا لازمی ہے۔

مقصودِ بیان نکاح کے لئے مہر لازم ہے۔ بغیر مہر نکاح نہیں ہوتا۔ نکاح سے مقصود محض دواعی نفسانی کی خواہش پوری کرنی نہ ہونا چاہیئے باہم یارانہ گانٹھنا اور در پردہ خفیہ سازش کر کے تعلقات پیدا کر لینا اور ناموس و عزت کو تباہ کرنا تعلیم اسلامی کے خلاف عصمت کوشی، عفت مآبی اور تحفظ نفس مسلمانوں کا فرض اوّلین ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ

پھر جن عورتوں سے تم نے لطفِ صحبت اٹھایا ہو اُن کو اُن کا مقرر کردہ مہر دے دو اور اگر مہر ٹھہرانے

عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا

کے بعد تم باہم رضامندی سے مہر میں کچھ کمی بیشی کرلو تو کوئی حرج نہیں ہے بلاشبہ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تفسیر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ یعنی نکاح کرنے اور تمتع صنفی حاصل کرنے کے بعد تم عورتوں کا مہر مقررہ ادا کردو۔ کیونکہ درحقیقت مہر قربتِ صنفی کا معاوضہ ہے (حسن، مجاہد، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ) بعض مفسرین اور تابعین نے اس آیت سے جواز متعہ پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عام مفسرین وصحابہ کے نزدیک اس آیت میں تمتع سے نکاح کے بعد انتفاع صنفی اور قربت و وصل مراد ہے۔ ابن کثیر نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں اور اگر متعہ بھی مراد لیا جائے تو اس آیت کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کی روایات صحاح ستہ اور دیگر سنن و مسانید میں موجود ہیں جن سے متعہ کا صریحی نسخ ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی مقدار بجانب قلت تو معین ہے اور بجانب کثرت معین نہیں اور امام شافعیؒ کے مسلک پر قلت وکثرت دونوں زوجین کے اختیار میں ہیں۔ شرعاً مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس درم سے کم مہر نہ ہونا چاہیئے۔ باقی زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں۔ خواہ ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ کتنی ہی رقم ہو سب جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہر کی کمی بھی محدود نہیں۔ ایک درم آدھا درم جو کچھ تراضی زوجین سے طے ہو جائے صحیح ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ یہ خطاب عام ہے۔ تمام مرد وعورتیں اس میں عموماً برابر ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر مہر مقرر کرکے نکاح کرنے کے بعد مرد و عورت باہم رضامندی سے اپنے حق کو معاف کردیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عورت اگر کل مہر معاف کردے یا نصف مہر معاف کردے یا چوتھائی یا کوئی حصہ مرد کو ہبہ کردے یا مرد مقررہ مہر سے زیادہ دیدے تو جائز ہے۔ مگر باہمی رضامندی شرط ہے۔ جبریہ مہر معاف کرانا حرام ہے اور چونکہ زبردستی اور رضامندی کا علم غیروں کو نہیں ہوسکتا اور اس کا تعلق صرف معاشرتِ زوجین سے ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۔ خدا علیم وحکیم ہے۔ تراضی اور جبر سے وہ خوب واقف ہے۔ اگر زبردستی معاف کراؤ گے اور بیوی کی حق تلفی کرو گے تو خدا تعالیٰ سزا دے گا اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لئے کوئی حکم اس کا مصلحت سے خالی نہیں۔ اگر شوہر نادار ہے مفلس ہے۔ زرِ مہر کی ادائیگی اس سے ناممکن ہے تو بیوی کو معاف کردینا چاہیئے۔ معاف کردینا شرعاً جائز اور مبنی برحکمت ہے۔

مقصودِ بیان مہر انتفاع صنفی کا معاوضہ ہے۔ اگر خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو کل مہر واجب نہیں ہوتا۔ عورت اللہ خصوصاً حرہ عورت قابلِ حرمت وعزت ہے۔ اس کے حقوق کی پاسداری اور مہر کی ادائیگی لازم ہے۔ معافی مہر کا قانون مبنی برحکمت ہے۔ اگر معاف کرنا ناجائز ہوتا تو نادار شوہروں کو بڑی دشواریاں برداشت کرنی پڑتیں۔ عورت سے جبریہ مہر معاف کرانا قطعاً ناجائز ہے۔ آیت میں ضمنی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بیوی کے حقوق کو بیدردی سے پامال کرنا اور حقوقِ زوجیت کو ادا نہ کرنا اور حسنِ معاشرت پر کاربند نہ ہونا تعلیم اسلامی کے بالکل خلاف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا

اور تم میں سے جن کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو مملوک مسلمان

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ

باندیوں سے نکاح کر لے اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم ایک دوسرے کی

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ

جنس سے ہو تو ان باندیوں سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کو دیدو بشرطیکہ وہ قیدِ نکاح

غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

میں لائی جائیں بدکار اور خفیہ آشنائی نہ کریں پھر جب وہ قیدِ نکاح میں آچکیں اور اس کے بعد

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ

زنا کا ارتکاب کریں تو اُن پر اس سزا کا نصف حصہ لازم ہے جو آزاد بیبیوں پر ہے یہ (نکاح کرنے کا حکم) تم میں سے اُس شخص کے

خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

کے لئے ہے جس کو زنا میں پڑجانے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر رکھو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر مذکورہ بالا آیت میں آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کا بیان تھا اور چونکہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں اور مہر بھی زائد دینا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کے واسطے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا آسان نہیں اور مجرد رہنا بھی مصلحت کے خلاف ہے خطرے سے خالی نہیں۔ بنا بریں اس آیت میں پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کا حکم دیا جاتا ہے۔

آیت مذکورہ میں طَوْل کے معنی مالداری اور تونگری کے ہیں۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، سعید بن جبیرؓ اور عموماً جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ البتہ قتادہ، نخعی اور بعض دیگر اکابر کے نزدیک صبر مراد ہے۔ ہم قول جمہور کے موافق تفسیری معنی بیان کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

جس شخص کو آزاد ایماندار عفت مآب عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ ہو اس کے واسطے ایک سہل ترکیب یہ ہے کہ کسی باندی سے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو نکاح کر لے۔ اس صورت میں مہر بھی کم ادا کرنا ہوگا اور مصارف میں بھی زیادتی نہ ہوگی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ گزشتہ آیت میں باندی سے نکاح کرنے کی یہ شرط لگائی تھی کہ باندی مسلمان ہو۔ اس آیت میں انسانی مساوات کو ظاہر کرتے ہوئے ایمان کو وجہ ترجیح قرار دیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ انسانی تفوق و امتیاز صرف ایمان و اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ آزاد ہو یا مملوک اس ترجیح ایمانی میں سب شریک ہیں۔ مومن ہونے کے بعد کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں ہے۔ سب آدمی ہیں۔ نسلی امتیاز ایک ہے۔ کل انسان بنی آدم ہیں اور آزاد و مملوک ہونا خارجی بات ہے۔ مملوک ہونے سے انسانیت میں کوئی کمی نہیں پیدا ہو جاتی لہٰذا فَانْكِحُوْهُنَّ تمہارے لئے مناسب ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کر لو لیکن اس کے واسطے تین شرائط ہیں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ باندیوں سے نکاح اُن کے مالکوں کی اجازت سے کیا جائے جب تک ان کی اجازت نہ ہو نکاح نہ کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جو کچھ مہر وغیرہ مقرر ہو دستور کے موافق بحُسنِ معاشرت اُن کو دے دیا جائے اور جو مصارف لازمی ہوں اُن کو پورا کیا جائے۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

باندیوں سے نکاح کرلے اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم ایک دوسرے کی

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ

جنس سے ہو تو ان باندیوں سے اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کو دیدو بشرطیکہ وہ قیدِ نکاح

غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

میں لائی جائیں بدکار اور خفیہ آشنائی نہ کرلیں پھر جب وہ قیدِ نکاح میں آچکیں اور اس کے بعد

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ

زنا کا ارتکاب کریں تو اُن پر اس سزا کا نصف حصہ لازم ہے جو آزاد بیبیوں پر ہے یہ (نکاح کرنے کا حکم) تم میں سے اُس شخص کے

خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ع ۱

کے لئے ہے جس کو زنا میں پڑجانے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر رکھو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

مذکورہ بالا آیت میں آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کا بیان تھا اور چونکہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں اور مہر بھی زائد دینا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کے واسطے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا آسان نہیں اور مجرد رہنا بھی مصلحت کے خلاف ہے خطرے سے خالی نہیں۔ بنا بریں اس آیت میں پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کا حکم دیا جاتا ہے۔

آیت مذکورہ میں طَوْل کے معنی مالداری اور تونگری کے ہیں۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، سعید بن جبیرؓ اور عموماً جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ البتہ قتادہ، نخعی اور بعض دیگر اکابر کے نزدیک صبر مراد ہے۔ ہم قول جمہور کے موافق تفسیری معنی بیان کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:-

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

جس شخص کو آزاد ایماندار عفت مآب عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی استطاعت نہ ہو اس کے واسطے ایک سہل ترکیب یہ ہے کہ کسی باندی سے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو نکاح کرلے۔ اس صورت میں مہر بھی کم ادا کرنا ہوگا اور مصارف میں بھی زیادتی نہ ہوگی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ گزشتہ آیت میں باندی سے نکاح کرنے کی یہ شرط لگائی تھی کہ باندی مسلمان ہو اس آیت میں انسانی مساوات کو ظاہر کرتے ہوئے ایمان کو وجہ ترجیح قرار دیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ انسانی تفوق و امتیاز صرف ایمان و اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ آزاد ہو یا مملوک اس ترجیح ایمانی میں سب شریک ہیں۔ مومن ہونے کے بعد کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں ہے۔ سب آدمی ہیں۔ نسلی امتیاز ہیچ ہے۔ کل انسان بنی آدم ہیں اور آزاد و مملوک ہونا خارجی بات ہے۔ مملوک ہونے سے انسانیت میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوجاتی لہٰذا فَانْكِحُوْھُنَّ تمہارے لئے مناسب ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرلو لیکن اس کے واسطے تین شرائط ہیں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ باندیوں سے نکاح اُن کے مالکوں کی اجازت سے کیا جائے جب تک ان کی اجازت نہ ہو نکاح نہ کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وَّاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جو کچھ مہر وغیرہ مقرر ہو دستور کے موافق بحسن معاشرت اُن کو دے دیا جائے اور جو مصارف لازمی ہوں اُن کو بہم پہنچایا جائے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ لونڈیاں پاکدامن عفت کوش ہوں۔ علی الاعلان عصمت فروشی کرنے والیاں نہ ہوں اور نہ در پردہ خانہ نشین ہو کر آشنائی کرنے والیاں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ شرافت و ناموس اور عزت و عفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُن سے نکاح کیا جائے۔ کوئی ایسی بات جو خلافِ شرافت و عفت ہو نہ کی جائے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ اب نکاح ہو جانے کے بعد (ابن عباس، ابو داؤد، مجاہد، عکرمہ، طاؤس، حسن، قتادہ وغیرہ) یا اسلام و عفت کے بعد (ابن مسعود، ابن عمر، انس، فاروق اعظم، اسود بن یزید، سعید بن جبیر، عطاء خراسانی، ابراہیم نخعی، شعبی، سدی وغیرہ) اگر لونڈیاں زنا کا ارتکاب کریں تو جتنی سزا اور شرعی حد دوشیزہ آزاد عورتوں کے واسطے زنا کی مقرر ہے اُس سے نصف ان باندیوں کو دینا چاہیے۔ آزاد دوشیزہ کو سَو دُرّے لگائے جاتے ہیں تو باندی کو پچاس کوڑے مارے جائیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ باندیوں سے نکاح کرنے کا جواز صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جن کو حرام کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اپنے نفس پر قابو نہ ہو سکے ورنہ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ صبر کرنا اور باندی سے نکاح نہ کرنا ہی افضل ہے (بہت سے فوائد اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ مثلاً حرّہ کی اولاد میں غلامی کی خو بو نہیں ہوتی اور باندی کی اولاد میں بطور توارث کے اپنی ماں کے اخلاق و اوصاف منتقل ہو کر آتے ہیں۔ حرّہ جس طرح اپنی اولاد کو تربیت کر سکتی ہے۔ باندی نہیں کر سکتی۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۠ خدا غفور رحیم ہے۔ اس نے اپنی رحمت سے انتہائی مجبوری کے وقت باندی سے نکاح کرنے کو جائز کر دیا۔ نسلِ انسانی کے تفوق و امتیاز کو توڑ کر معیارِ برتری ایمان و اسلام کو قرار دیا۔

مقصودِ بیان نسلی امتیاز، قومی وجاہت اور خلافِ اسلام رسم و رواج کو نہایت بلند آہنگی سے مخالفت، مساواتِ انسانی کا اظہار، اسلام و اتقاء پر برتری و تفوق کا دارومدار، عفت کوشی اور حفظِ ناموس کی نہایت بلیغ تعلیم حقوقِ زوجیت ادا کرنے کا ضمنی حکم، بغیر مالک کی اجازت کے باندی کا نکاح نہ ہونے کی صراحت، آزاد دوشیزہ سے شادی شدہ باندی کے لیے زنا کی سزا میں تنصیف، حریت و تربیتِ اولاد کی طرف نازک ترین پیرایہ میں ایماء و ترغیب وغیرہ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے کھول کر بیان کرے اور ان لوگوں کے راستہ پر تم کو چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر توجہ فرمائے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ

اور اللہ باخبر و باحکمت ہے اور اللہ تم پر توجہ کرنی چاہتا ہے اور جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے

يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ

ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (راہِ راست سے) بہت دور جا پڑو اللہ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا

عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

ہے اور انسان کمزور ہی پیدا کیا گیا ہے

تفسیر يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ یعنی خدا تعالیٰ نے جو یہ احکام اور قوانین تمہارے لیے بیان کیے ہیں۔ یہ درحقیقت تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہیں خدا چاہتا ہے کہ جو احکام تمہارے واسطے سودمند ہیں۔

اُن کو کمال کر بیان کر دے اور سلفِ صالحین کو جس طرح ہدایت کی تھی اُسی طریقِ ہدایت کی تم کو بھی تعلیم دے اور تم کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ۝ اب اگر اشیاء کی تحلیل تحریم اور اوامر و نواہی میں تم کو شیطانی شکوک واقع ہوں اور احکام کی مصلحت، حکمت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا علیم حکیم ہے۔ ہر چیز کے فوائد اور ہر حکم کے مصالح سے وہ بخوبی واقف ہے۔ اس کا کوئی فعل اور کوئی حکم مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ خواہ اس کی خوبی تمہاری سمجھ میں آئے یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے تم اُس کے فوائد کو نہ سمجھ سکو۔

وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ شہوت پرست مجوسی اپنے خیالاتِ فاسدہ مسلمانوں میں پھیلاتے تھے اور کہتے تھے کہ شریعتِ اسلامی بھی عجیب شریعت ہے خالہ اور پھوپھی کی بیٹیوں سے تو نکاح حلال کر دیا اور بھانجی بھتیجی کو حرام قرار دے دیا حالانکہ اصول کے اعتبار سے سب کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ نہ خالہ پھوپھی سے جائز ہے۔ بہن سے پھر یہ تفریق کیوں ہے (روح المعانی) کمالین میں ہے کہ یہودیوں کے نزدیک بھانجی بھتیجی اور علاتی بہن سے نکاح درست تھا اور بدکار نفس بھانجیوں، بھتیجیوں اور بہنوں کو بھی شہوت رانی کا آلہ بنا لیتے تھے۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس مکمل آیت میں اسلام کا معتدل راستہ صاف ظاہر کر دیا گیا ہے اور دیگر مذاہب کی افراط و تفریط کی تردید کی طرف نہایت واضح اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ اسلام کے راہِ مستقیم کی طرف تو آیت مذکورہ کے بالا ٹکڑے میں اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:۔ خدا چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور تمہارے حال پر توجہ فرمائے۔ یعنی افراط و تفریط کو چھوڑ کر سیدھا راستہ تم بتا دے۔ وَیُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا عَظِیۡمًا اور پرستارانِ شہوت چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے بالکل دور جا پڑو یعنی ماں، بہن، بھانجی، بھتیجی وغیرہ کو شہوت رانی کا ذریعہ بنا لو اور راہِ راست سے بھٹک جاؤ اور بالکل شتر بے مہار بن جاؤ۔ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ اور خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لئے احکام میں سہولت و تخفیف کر دے نہ یہ کہ تم شتر بے مہار بن جاؤ اور نہ یہ کہ احکام میں تنگی اختیار کرو۔ انتہائی تنگ خیال اور تنگ عقیدہ بن جاؤ کیونکہ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا انسان فطرتاً کمزور پیدا ہوا ہے۔ سخت احکام کو برداشت نہیں کر سکتا۔ قوتِ شہوانیہ کو بالکل دبا نہیں سکتا۔ نفس و خیالات کو مٹا نہیں سکتا اور عورتوں سے قطع تعلق پر صبر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے سیدھا اور معتدل راستہ ہونا چاہیئے تاکہ اس پر چل کر مقتضائے فطری کو بغیر زیادتی کمی کے پورا کر سکے۔

مقصودِ بیان قانونِ ہدایت خدا تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے ایک ہی بنایا ہے۔ صرف جزئیات اور دفعات کا فرق ہے۔ اسلام افراط و تفریط کے درمیان راہِ مستقیم کا نام ہے۔ دیگر مذاہب نے کج مج پگڈنڈیاں اختیار کیں اور سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ قوتِ شہوانیہ کو مردہ کر لینا اور تارک الدنیا سادھو بن جانا فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ اسلام شہوت پرستی سے روکتا ہے اور جائز طور پر مقتضائے طبعی پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ وغیرہ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً

مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طور پر مت کھاؤ ہاں اگر تمہاری آپس کی رضامندی سے

عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنۡ

خرید و فروخت ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے اور خودکشی نہ کرو بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے جو شخص

یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡہِ نَارًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ

ناحق طور پر اور زیادتی کر کے ایسا کرے گا ہم عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○

پر سہل ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں حقوقِ نسوانی کی ادائیگی اور معاشرت زوجی کو بطریق احسن انجام دینے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب عام معاشرت اقتصاد اور اخلاق کی اصلاح کا حکم دیا جاتا ہے اور بعض اخلاقی معاشرتی جرائم کی ممانعت کی جاتی ہے۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ یعنی غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، رشوت، دغا بازی اور سود خواری وغیرہ کے ذریعہ سے حصولِ مال کی کوشش نہ کرو۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ہاں اگر باہمی رضامندی سے خرید و فروخت کر کے مال حاصل کرو تو اس کا کھانا مضرت رساں نہیں ہے۔ مگر رضامندی ضروری ہے خواہ قولی ہو یا فعلی یا دلالۃً۔ خلاصہ یہ کہ ناجائز ذرائع سے پرایا مال نہ حاصل کرو۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور باہم خونریزی بھی نہ کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو ناحق قتل بھی نہ کرو کیونکہ تم سب ایک ہی ہو۔ کل بنی آدم بھائی بھائی ہیں۔ خصوصاً اسلام نے تو رشتۂ اخوت اور مضبوط کر دیا ہے تو جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے کو بلاوجہ قتل کرنا بھی حرام ہے۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ پرائی جان مال کا احترام کرو۔ نہ کسی کی بلا قصور جان لینے کی کوشش کرو، نہ کسی کا مال دھوکا فریب سے اور جبر و ظلم سے حاصل کرو۔ کیونکہ تم سب ایک ہو۔ ایک کا مال ویسے ہی دوسرے کی نظر میں محترم ہونا چاہیئے جس طرح اپنا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی جان بھی ایسی ہی پیاری ہونی چاہیئے جیسے اپنی ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے۔ مال جان کا احترام تم پر اس نے واجب کر دیا۔ بنی اسرائیل کی طرح توبہ کے لئے قتلِ نفس کو ضروری کیا جائز بھی قرار نہ دیا۔ تم مظہر اسرارِ رحمانی ہو۔ خدا تعالیٰ کی صفت رحمت تمہارے شاملِ حال ہے۔ لہٰذا تم خود بھی دوسرے کی جان و مال کا احترام کرو۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ○ اب جو شخص کسی کے جان و مال پر چیرہ دستی کرے گا اور ناحق کسی کا مال مارے گا یا جان لے گا تو ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے (وہاں کسی کی دولت جمع کیا ہوا مال ناجائز حاصل کی ہوئی عزت و حکومت اور کوہ شکن طاقت کام نہ آئے گی) کیونکہ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ یہ بات خدا کے واسطے بہت آسان ہے۔ دوزخ میں داخل کرنا اور بداعمالیوں کی سزا دینا اس کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے۔

مقصودِ بیان پرائے مال میں تصرف ناحق قطعاً حرام ہے۔ چوری، ڈاکہ، غبن، خیانت، فریب، دغا، رشوت، غصب اور دیگر اقسام کے تمام ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ تجارت سے منافع حاصل کرنے جائز ہیں۔ تجارت بغیر تراضی طرفین کے نہیں ہوتی۔ کسی کو مجبور کر کے خرید یا فروخت کا اقرار کرنا شرعی تجارت کے لئے ناکافی ہے۔ خرید فروخت کے لئے لفظی ایجاب و قبول ہی ضروری نہیں۔ بلکہ رسمی اور رواجی اشارات جو ایجاب و قبول کا اظہار کرتے ہوں کافی ہیں۔ قتل نفس چیرہ دستی اور ظلم کسی کے ساتھ ناجائز ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قصاص لینا بشرطیکہ عدالتِ شرعی نے فیصلہ کر دیا ہو ناجائز نہیں ہے۔ انسان اسرارِ رحمانی کا مظہر ہے۔ آیت میں نازک ترین ایما اس طرف ہے کہ تمام بنی آدم بھائی بھائی ہیں اور تمام مسلمانوں کا مجموعہ تو مثل ایک جسم کے ہے اور ہر مسلمان مثل عضو کے ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دوسرے کی جان و مال کا احترام اپنی جان و مال کی طرح کرے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

اگر تم ممنوعہ کبیرہ گناہوں سے بچے رہو گے تو چھوٹے گناہ ہم تم سے ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کے

مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ○

مقام میں داخل کریں گے

تفسیر یہ آیت گزشتہ آیت کا تکملہ ہے۔ اس میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور نیک اعمال کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ گویا پہلی آیت میں معاشرتی اخلاقی اور اقتصادی محرمات کی اصلاحی ہدایت تھی اور اس آیت میں ہدایت سے قبل کے گناہوں کی معافی کا اعلان ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ:۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن کی شریعت میں ممانعت کردی گئی ہے نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ تو ہم چھوٹے چھوٹے گناہ ویسے ہی معاف کردیں گے اور اپنی رحمت و مغفرت سے صغیرہ گناہوں کی سزا دیئے بغیر جنت میں داخل کردیں گے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں۔ بعض علماء نے ستر کی تعداد بیان کی ہے۔ مختلف حدیثوں سے مختلف تعداد معلوم ہوتی ہے۔ علمائے اہلِ سنت کا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے کرنے پر شرع میں وعید آئی ہے خواہ اس کی کوئی دنیوی سزا اور حد مقرر کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ مثلاً قتل، زنا، چوری، جھوٹی گواہی، والدین کی نافرمانی وغیرہ۔ درحقیقت ہر گناہ اپنے سے بالاتر گناہ کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور زیریں گناہ کا لحاظ کرتے ہوئے کبیرہ ہے۔ اس لئے کبیرہ اور صغیرہ کا معیارِ تعیین صرف یہ ہو سکتا ہے کہ جس گناہ پر شرعاً وعید ہے وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ۔

مقصودِ بیان کبیرہ گناہوں سے اجتناب رکھنے کے بعد بغیر توبہ کے ہی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (اور توبہ کرنے سے کبیرہ گناہ بھی معاف کردیئے جاتے ہیں)۔ آیت میں توبہ کی ترغیب، ترکِ کبائر کی ہدایت اور مطلق گناہ سے عمومی بازداشت ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

اور تم ایسے امر کی ہوس نہ کرو جس میں اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا خصوصی

اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ

حصہ ہے اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا خصوصی حصہ ہے اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو بلاشبہ

اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۱﴾

اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

تفسیر ایک عورت نے حضور والا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! عورتوں کو میراث میں مردوں سے نصف حصہ ملتا ہے تو کیا نیک اعمال کا بھی ان کو نصف اجر ہی ملے گا؟ اس وقت یہ آیت اتری۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ بالا سوال کیا تھا۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ واقعی خدا نے اپنی مصلحت و حکمت کی بنا پر عورتوں کا حصہ میراث میں مردوں سے نصف رکھا ہے اور اس استحقاقِ میراث میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مگر تم کو باہم ایک دوسرے پر رشک و حسد نہ کرنا چاہیئے (کیونکہ ان بعض احکام میں تفریق تو مصلحت پر مبنی ہے باقی لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ اخروی اجر کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ عورتیں ہوں یا مرد سب کو اپنے اپنے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ ایک دوسرے پر رشک و حسد کرو کیونکہ اس کا کیا نقصان ہے۔ خداداد فضیلت و برتری اس کو حاصل ہے بلکہ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ خدا سے اپنی حاجت کا سوال کرو اور اسی سے فضل کے طالب ہو۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں سدی کا قول مروی ہے کہ چند مردوں نے خواہش کی تھی کہ جس طرح ہمارا حصہ میراث میں عورتوں کے حصے سے دوچند

ہے اسی طرح ہمارا اجر بھی دو چند ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ عورتوں نے یہ بھی تمنا کی تھی کہ ہم کو شہیدوں کا ثواب ملنا چاہیے۔ کیونکہ اگر ہم پر جہاد فرض کیا جاتا تو ہم ضرور راہِ خدا میں لڑتیں ان دونوں تمناؤں سے اس آیت میں منع کر دیا گیا اور فرما دیا گیا کہ ایسی تمنا نہ کرو مرد و عورت کے لئے علیحدہ علیحدہ مخصوص اجر ہے۔ بہر حال آیتِ مذکورہ نے حسد و رشک کی بیخ کنی کر دی۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا گزشتہ حکم کی یہ لطیف ترین توجیہ ہے یعنی باہم ایک دوسرے کی خدا داد فضیلت و برتری دیکھ کر رشک نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز ہر حکم اور ہر مصلحت و حکمت سے خوب واقف ہے۔ ہر صنفِ انسانی کی قابلیت کے موافق اُس نے فضیلت عطا کی ہے اور ہر شخص کی صلاحیت و استعداد کے مطابق وہ سرفراز فرماتا ہے۔ اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ نے ہر صنفِ انسانی کو بعض اوصاف میں دوسری صنف سے امتیاز عطا کیا ہے۔ خدا داد فضل پر رشک و حسد کرنا حرام ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کی قابلیت اور اپنی حکمت و مصلحت کے موافق نعمت سے سرفراز فرمایا ہے۔ عورت و مرد بلکہ ہر شخص کا مخصوص اجر علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہر صنف کا اور ہر فرد کو اُس کے اعمال کا مخصوص اجر پورا ملے گا پھر کشائش و نعمت و عافیت کا سوال خدا ہی سے کیا جائے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ

اور ہر ایک کے لئے ہم نے اُس مال میں وارث مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ کر مر جائیں اور جن سے تمہارے عہد باندھا

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ؏

ہو اُن کو اُن کا حصہ دے دو بلاشبہ اللہ ہر چیز پر مطلع ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے (۱) بعض مفسرین کا قول ہے کہ مہاجرین میں سے اکثر لوگوں کے اقربا کافر تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے لیکن جب ان کے اقربا مسلمان ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ میراث اہلِ قرابت ہی کے لئے ہے اور منہ بولے بھائیوں سے زندگی میں جو کچھ سلوک کیا جائے یا مرتے وقت ان کے واسطے وصیت کر دی جائے۔ بس اس کے سوا ان کو ترکہ میں اور کوئی استحقاق نہیں۔

(۲) بعض روایتوں میں ہے کہ چونکہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا مسلمان نہ ہوا تھا۔ اس لئے صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی میراث سے اس کو محروم رکھوں گا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے تو ان کے وارث بننے اور حصہ ملنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) امام بخاری نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کرا دی اور برادری کا معاہدہ کرا دیا۔ اگر انصاری مرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے مال کا وارث ہوتا اور اہلِ قرابت محروم رہتے۔ لیکن جب اسلام کو قوت ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حکم سابق منسوخ ہو گیا۔ میراث کے مستحق صرف اہلِ قرابت قرار پائے اور منہ بولے بھائی کے لئے صرف وصیت کا حکم باقی رہ گیا۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی آیتِ مذکورہ کے شانِ نزول کے ذیل میں مختلف مفسرین نے بیان کئے ہیں جن کو ہم بخوفِ طوالت ترک کرتے ہیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ کے وارث ہم نے مقرر کر دیئے ہیں۔ وہی مالِ میراث کے مستحق ہیں اور انہیں کا ترکہ میں حصہ متعین ہے۔ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ۔ باقی جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کر دیا ہو اور مواخات قائم کر لی ہو تو اُن کے حق میں وصیت کر جاؤ اور وصیتِ شرعی کے موافق جو اُن کا حصہ ہو وہ دے دو میراث سے ان کا

کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس آیت کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ والدین اور اقرباء کے ترکہ کا وارث ہم نے اقرباء کو مقرر کر دیا۔ مگر منہ بولے بھائیوں کو بھی ان کا مقررہ حصہ دے دو اور میراث میں جو چھٹا حصہ ان کا مقرر ہے۔ وہ فرو سان کو پہنچا دو۔ اس تفسیر کی تقدیر پر آیت میراث اس آیت کی ناسخ ہوگی۔

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل قرابت کو تو خدا نے ترکہ کا مستحق قرار دیا ہی ہے لیکن اگر اہل قرابت نہ ہوں تو منہ بولے بھائیوں کو کل میراث دے دو۔ تینوں معنی صحیح ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا یہ گزشتہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یعنی حکم مذکورہ بالا میں کوئی تصرف و تغیر اپنی طرف سے نہ کرو اور رسم و رواج کو احکام الٰہی میں دخل نہ دو۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ خدا ہر چیز سے بخوبی واقف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے حاضر ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ سزا دے گا۔

مقصود بیان اسلام نے رشتۂ قرابت کے لحاظ کے علاوہ رشتۂ اتحاد و دوستی کے احترام کی بھی خصوصی تعلیم دی ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی دوست کے مال میں سے دوسرے دوست کو کچھ نہ کچھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ اس سے دو مقصود ہیں۔ اول یہ کہ تفریق خاندانی سے اسلامی اتحاد میں تفرقہ نہ ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ فقراء و مساکین کی ہمدردی اور دستگیری بھی ایک حد تک ہو جائے۔ وغیرہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا

مرد عورتوں پر حاکم ہیں کیونکہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے اور اس لئے کہ مرد اپنے مال

مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ

خرچ کرتے ہیں پس نیک بیبیاں تو کہنا مانتی ہیں اور بحفظ خدا پیٹھ پیچھے حفاظت رکھتی ہیں۔

تفسیر حضرت سعد بن ربیع انصاری نے ایک بار اپنی بیوی کے منہ پر کسی ناراضی کی وجہ سے طمانچہ مارا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اظہار واقعہ کرنے کے بعد داد خواہ ہوئیں۔ حضورؐ نے فرمایا عوض ضروری ہے بدلا لینا چاہئے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ خدا نے مردوں کو بالا دست بنا دیا ہے۔ عورتوں کی حفاظت اور سرپرستی انہی سے وابستہ ہے۔ مرد عورتوں کو کجروی سے روک سکتے ہیں اور مصالح و ضروریات کا لحاظ کر کے عورتوں کی اصلاح کے وہی ذمہ دار ہیں۔ وہ راعی ہیں اور عورتیں رعایا ہیں۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اول وجہ تو خداداد ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی ایک صنف کو دوسری صنف پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ مرد کو عورت سے افضل بنایا ہے۔ علم و دانش، معاملہ فہمی، سیاست و انتظام، درستگی اسباب، کسب معاش، کمال عقل اور جسمانی ساخت کی قوت کے لحاظ سے مرد عورت سے بالاتر ہے۔ قوت فکریہ مرد کی روشن ہے۔ انتظام ملکی اور اصلاح دینی میں عموماً مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ محنت و مشقت اور جفاداری کے کام جو مرد انجام دے سکتا ہے عورت ان کی تکمیل سے قاصر ہے۔ عورت فطرۃً نازک اندام ضعیف القویٰ اور نازک اعضاء واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا مرد راعی اور عورت رعیت، مرد محافظ اور عورت محروس قرار پائی۔ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ دوسری وجہ رواجی ہے۔ مرد عورت کے تمام ضروریات حیات کی فراہمی کا ذمہ دار ہے۔ اپنا مال عورت کی دلجوئی اور نگہداشت میں صرف کرتا ہے۔ کمائی کرتا ہے اور عورت کی خاطرداری میں اس کو خرچ کرتا ہے۔ عورت مایۂ ناز اور ایک حسن لطیف اور ملکۂ نزاکت ہے۔ خود کمائی کرنے سے اکثر قاصر ہے۔ مرد کی دست نگر ہے۔ اپنی ضروریات زندگی اور لوازم زندگی کی فراہمی میں مرد کی محتاج ہے۔ لامحالہ مربی تربیت یافتہ سے افضل اور منعم الیہ محتاج سے برتر ہونا چاہئے اور موخر الذکر کو مقدم الذکر کی اطاعت فرماں پذیری اور ضروریات زندگی و مصالح دینی میں ان کا (باستثناء بعض) اطاعت شعار رہنا چاہئے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر صنف اعلیٰ صنف ادنیٰ کو کسی دینی یا دنیوی مصلحت

کی بنا پر بہت معمولی تنبیہ کرے تو صنفِ ضعیف مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے اور احمقانہ معارضہ کی خواستگار بنے ۔ اس کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ نیک بیبیاں حکمِ الٰہی کے موافق اور احکامِ شریعت کا اتباع کرتے ہوئے اپنے شوہروں کی جائز امور میں فرماں پذیری اور اطاعت گزاری کریں (تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ واقع ہو) یہ اس صورت میں جبکہ شوہر سامنے موجود ہوں اور حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ ۔ اگر شوہر سامنے موجود نہ ہوں کہیں کاروبار میں مشغول ہوں یا سفر میں ہوں تو اُن کی غیبت میں ناموس و عزت اور اُن کے مال کی حفاظت و نگہداشت رکھیں ۔ کیونکہ آخر بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ خدا نے بھی تو عورتوں کی نگہداشت کی ہے اور شوہروں کو حکم دیا ہے کہ بیویوں کے حقوق کی پاسداری کریں اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرم کلامی سے پیش آئیں ۔ اپنا دست رنج اور کمایا ہوا مال اُن کی آسائش ، دلجوئی اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی میں صرف کریں اور ہر وقت ان کو خوش رکھیں ۔

مقصودِ بیان مرد عورت سے فطرتاً بھی افضل ہے اور رواجاً بھی ۔ مرد و عورت کے فرائضِ زندگی جدا جدا ہیں ۔ مرد کی ساخت قوی اور عورت کی ساخت کمزور ہے ۔ مرد کی عقل تیز اور ریاستِ ملکی و ملی کا سلیقہ کامل ہے اور عورت مرد کی بہ نسبت ان امور سے قاصر ہے مرد کو عورت کی آسائش ، دلجوئی اور خوشی منظورِ نظر ہونی چاہیئے تو عورت کو مرد کی عزت و ناموس قائم رکھنی اور مال کی نگہداشت کرنی اور امورِ شرعیہ میں اطاعت شعاری کرنی لازم ہے ۔ مرد کا کام کمانا اور عورت کا کام کفایت شعاری اور سلیقہ سے صرف کرنا ہے ۔ مرد عورت کے مصارف کا ذمہ دار ہے ۔ اور عورت انتظامِ خانگی اور مرد کی اندرونی آسائش کی کفیل ہے ۔ آیت مذکورہ میں ان تمام امور کو صراحۃً اور اشارۃً بیان کیا گیا ہے ۔ وغیرہ

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ

اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تم کو اندیشہ ہو اُن کو سمجھا دو اور خواب گاہوں میں ان کو علیحدہ اور اُن کو مارو

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝ وَاِنْ

اس کے بعد اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو پھر الزام کی راہ اُن پر دھرنے کی تلاش نہ کرو بلاشبہ اللہ عالی شان اور عظیم المرتبہ ہے اور اگر

خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

تم کو میاں بیوی کی باہمی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ میں سے بھیجو

اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝

اگر یہ دونوں صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں ملاپ کر دے گا بلاشبہ اللہ واقف کار خبردار ہے

تفسیر سابق آیات میں مردوں کی بالادستی اور فطری و شرعی و رواجی فضیلت و برتری کا اظہار تھا اور عورتوں کو شوہروں کی اطاعت گزاری اور فرماں پذیری کی ہدایت تھی ۔ اس آیت میں سرکش اور نافرمان عورتوں کی اصلاحی تدابیر کا ذکر ہے ۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ :-

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ اگر مرد کو عورت کی سرتابی و نافرمانی کا یقین ہو گردن کشی اور سربلندی کی علامات پیدا ہو گئے ہوں ۔ عورت کو شوہر سے ظاہری نفرت پیدا ہو جائے ۔ (زبان درازی) اور جواب دہی کرنے لگے ، کہنا نہ مانے اور طور طریق سے معلوم ہو جائے کہ اس نے مخالفت اور گردن کشی شروع کر دی ہے تو ایسی عورت کی اصلاح کی تین تدبیریں ہیں ۔ فَعِظُوْهُنَّ اول تو یہ کہ اس کو نصیحت کرو ، خدا کا خوف دلاؤ ۔ نرم کلامی سے سمجھاؤ ۔ نہایت آشتی اور خوش کلامی سے فہمائش کرو تاکہ وہ اپنی بیجا حرکات اور سرکشی چھوڑ دے ۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ اس کے ساتھ شب باشی اور مباشرت چھوڑ دو ۔ قربتِ صنفی سے کنارہ کش ہو جاؤ تاکہ اُس پر تمہاری ناراضگی ظاہر ہو جائے اور وہ اندرونی محبت سے مجبور ہو کر تم کو رضامند کرنے کے لئے

تمہاری مخالفت اور جبر و دستی اور تند خوئی سے باز آجائے۔ اگر اب بھی نہ مانے تو وَاضْرِبُوْهُنَّ بطور تنبیہ کے کسی قدر مارو۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ عورت کو تکلیف دہ صورت سے مارنا ناجائز ہے۔ یعنی کسی قدر طمانچہ وغیرہ مارو کہ بدن پر نشان بھی نہ ہو، زخم بھی نہ آئے، ہڈی پسلی بھی نہ ٹوٹے (ابن عباس و حسن بصری) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بدرجۂ مجبوری عورت کو خفیف طور پر مارنے کی اجازت قرآن میں موجود ہے، مگر نہ مارنا اولیٰ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی امہات المومنین کو زدوکوب نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ عورتوں کی دلجوئی اُن سے نرم کلامی کرنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کی نصیحت فرمائی۔ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۝ مذکورہ بالا تدبیروں سے اگر عورت کی اصلاح ہوجائے اور تمہارا کہنا ماننے لگے اور مخالفت چھوڑ دے تو پھر خواہ مخواہ تم خوردہ گیری اور نکتہ چینی کرکے اس کو پریشان نہ کرو اور بلا وجہ زیادتی کرنے کا راستہ نہ ڈھونڈھو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم عورت کے حاکم مطلق اور حتا بکل ہیں۔ ہم کو ہر طرح جا بیجا گرفت کرنے اور پریشان کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ خدا تعالیٰ سب سے بڑا اور بالادست ہے (تم حاکم مطلق نہیں ہو۔ خدا حاکم مطلق ہے جب وہ تمہاری عیب پوشی کرتا ہے اور نکتہ گیری نہیں کرتا تو تم کو بھی اپنے ماتحت ضعیف مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیئے) اگر مذکورۂ بالا تمام تدابیر اصلاح کے لئے ناکافی ہوں اور خود بخود معاملہ کے سُلجھنے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا اور زوجین کے درمیان نفاق و خلاف کی خلیج بالکل نمایاں ہوجائے اور یقین ہوجائے کہ خود بخود صلح نہیں ہوسکتی۔ شوہر چشم پوشی نہ کرتا ہو نہ طلاق دیتا ہو۔ عورت حقوقِ شوہری کو نہ ادا کرتی ہو اور دونوں طرف سے ناجائز حرکات سرزد ہوتی ہوں اور ہر شخص اپنے کو حق بجانب سمجھتا ہو تو ایسی صورت میں فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا حاکم وقت پر لازم ہے کہ ایک پنچ شوہر کے طرفداروں میں سے اور ایک پنچ عورت کے طرفداروں میں سے مقرر کرے اور یہ دونوں ہر شخص کی تفصیلی حالات معلوم کرکے فیصلہ کریں اور کسی ایک خیال پر جمع ہوجائیں۔ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اب اگر زوجین یا دونوں پنچ اصلاح کی نیت رکھیں گے اور خلوصِ نیت سے معاملہ کو سُلجھانا چاہیں گے تو انجام بخیر ہوگا کام بن جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ اصلاح کی کوئی صورت نکال دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ خدا تعالیٰ علیم اور واقف ہے۔ وہ ہر شخص کی نیت کو جانتا ہے۔ اس لیے پنچوں کا فرض ہے کہ نیک نیتی سے کام کریں۔ کسی کی جنبہ داری نہ کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کریں۔

اگر پنچ امام المسلمین نے زوجین کے طرفداروں میں سے انتخاب کرکے مقرر کئے ہوں تو بالاتفاق پنچوں کو تفریقِ زوجین کا بھی حق ہے اور وہ بغیر شوہر کی رضامندی کے طلاق دلا سکتے ہیں اور اگر حاکم وقت نے پنچوں کو طلاق دلانے کا اختیار نہ دیا ہو تو حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک پنچوں کو طلاق دلانے کا حق ہے اور عطاء خراسانیؒ، حسن بصریؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک تفریق کا استحقاق پنچوں کو نہیں ہے۔

مقصودِ بیان سرکش اور نافرمان عورت کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش اُٹھا نہ رکھنی چاہیئے۔ نسوانی طبائع کی تین قسمیں ہیں کسی کو نرمی سے سمجھانا مفید ہوتا ہے۔ کسی کو شوہر کی چشم نمائی اور روگردانی شاق گزرتی ہے اور وہ محبت منفی سے مجبور ہوکر راہِ راست پر آجاتی ہے۔ کوئی زیادہ بیہودہ اور احمق ہوتی ہے تو اُس کو خفیف تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ عورت کی خوردہ گیری اور عیب چینی ناجائز ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ مرد مطلق العنان حاکم نہیں ہے۔ بلکہ مربی اور راعی ہے اور عورت نہایت معزز اور محترم مخلوق ہے۔ افتراق و طلاق نہایت مکروہ فعل ہے۔ جہاں تک ممکن ہو معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور نظامِ خانگی کو برہم نہ کیا جائے۔ پنچوں کا فیصلہ قابلِ قبول ہے۔ بلکہ اگر حاکم وقت نے مقرر کئے ہوں تو ان کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ حاکم قاضی یا پنچوں کو فریقین معاملہ کے حالات سے بخوبی واقف ہونا چاہیئے اور حتی الامکان اہلِ معاملہ کے ہی قوم کا ہونا چاہیئے۔ وغیرہ۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى

اور اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے اور رشتہ داروں سے

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ

اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اور پاس والے پڑوسیوں سے اور دور والے پڑوسیوں سے اور ہم نشین رفیقوں سے

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ

اور مسافروں سے اور غلام باندیوں سے جو تمہارے مملوک ہوں اچھا سلوک کرو اللہ یقیناً اور شیخی مارنے والوں کو

مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۙ

پسند نہیں کرتا

تفسیر گزشتہ آیات میں صرف معاشرت زوجی اور زندگی خانگی کی اصلاحی تدابیر کا بیان تھا۔ ان آیات میں اصلاح نفس اور ترقی تمدن اور تہذیب اخلاق اور درستگی معاشرت عامہ کے وہ اصول بیان کئے جاتے ہیں جن پر انسان کی علمی و عملی قوتوں کی شائستگی موقوف ہے اور جن کو بجا طور پر نجات انسانی اور امن عالم کا علمبردار کہنا مناسب ہے۔ چونکہ اسلام نام ہے ادائیگی حقوق کا اور انسان کے ساتھ فطرۃً مختلف حقوق وابستہ ہیں۔ حق خدا، حق والدین، حق اقرباء، حق یتیم، حق مسکین، حق ہمسایگان، حق اجنبی، حق رفقاء، حق مہمانان، حق غلام و خادم اور پھر ان سب کے حقوق کے علاوہ جانوروں اور بے زبان حیوانوں کے حقوق بھی ہیں جن کی رعایت و نگہداشت بالا دست انسان کا فرض ہے۔ لہٰذا ان سب فرائض کی سرانجام دہی اور تمام حقوق کی ادائیگی کو مفصلاً بیان کیا جاتا ہے اور جن امور پر نظری و عملی قوتوں کی تکمیل موقوف ہے۔ ان سب کو ایک ایک کر کے ظاہر کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے عقیدہ کی اصلاح اور قوت نظریہ کی تکمیل اور حق الٰہی کی ادائیگی کا بیان ہے اور اس کے بعد دیگر فرائض کی انجام دہی اور قوت عملیہ کی تکمیل کی توضیح ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا خدائے قدوس کو وحدہٗ لاشریک سمجھو۔ اس کی توحید پر ایمان لاؤ۔ کسی چیز کو اس کی ذات اور صفات میں شریک نہ کرو۔ غیر اللہ کی پرستش نہ کرو۔ بت پرستی، پیر پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، عزت پرستی، حکومت پرستی، شہوت پرستی اور نفس پرستی کو قطعاً پرہیز رکھو۔ خلاصہ یہ کہ خدائے واحد قدوس کو منفرد و یگانہ جانو، ہستا اور معبود مطلق سمجھو (ابن کثیر وغیرہ) اور شرک جلی و خفی سے افعال و عقائد اور دماغ کو بالکل پاک رکھو (بیضاوی)

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ کامل حسن سلوک کرو، اُن کی خدمت گزاری کرو۔ اگر ان کو ضرورت ہو تو دنیوی حوائج اور معاشی ضروریات کی سرانجام دہی کی کوشش کرو۔ اُن سے نرم کلامی کرو۔ تند خوئی اور درشت مزاجی سے پیش نہ آؤ اور امر شرعی کے موافق جو کچھ وہ حکم دیں، اُس کی تعمیل کرو۔

وَّبِذِى الْقُرْبٰى اور اقرباء کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ بقدر وسعت اُن کی خبر گیری اور پرورش کرو۔ ان سے قطع تعلق نہ کرو۔ اکڑ پن اور غرور اُن کے ساتھ نہ کرو۔ غریب رشتہ داروں کو ذلیل نہ جانو۔ اگر بیمار ہو جائیں تو اُن کی عیادت کرو۔ خلاصہ یہ کہ حتی الامکان درمے قدمے اُن کی مدد کرو۔

وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں کی بھی پاسداری کرو۔ یتیم بچے جو دوش پدر اور کا بیادا سے محروم ہو گئے ہیں۔ اُن پر پدرانہ شفقت کا سایہ نہ اٹھا، تم ان کی تسلی و تشفی، خبر گیری، پرورش اور تربیت کرو۔ نرمی اور خوش خلقی سے پیش آؤ۔

وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں کی پرورش اور تربیت کرو، اُن پر احسان کرو۔ خاک نشین، ضعیف اور قابل رحم زبردست طبقہ تمہارا دست نگر ہے۔ ان سے جہاں تک ممکن ہو سلوک کرو، غرور نہ جتاؤ، اُن کی دل شکنی نہ کرو۔ لاوارث بیوگان اور خاکسار انسانوں پر رحم کرو اور ہر قسم کی امکانی امداد سے اُن کو محروم نہ رکھو۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے وہ ہمسائے مراد ہیں جو رشتہ دار بھی ہوں اور مجاہد کے قول کے موافق پاس کے رہنے والے پڑوسی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اُن ہمسایوں کی بھی خبر گیری، بیمار پُرسی اور مالی امداد کرو جو رشتہ اور سکونت کے اعتبار سے تمہارے قریبی ہمسائے ہوں اور تمہارے زیر سایہ ہوں۔ وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور دور کے پڑوسیوں سے بھی احسان کرو۔ اہلِ محلّہ سے سلوک کرو۔ شادی غمی میں اُن کی شرکت کرو۔ ضرورت کے وقت اُن کے کام آؤ۔ کسی کی دل آزاری نہ کرو۔ ابن کثیرؒ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو شخص نسب اور سکونت کے اعتبار سے تجھ سے دور ہو اس کا مکان تیرے مکان سے بالکل متصل نہ ہو اُس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو۔ بیضاوی اور محی السنۃ کے قول کے موافق اس سے مراد اجنبی لوگ ہیں۔

جار کا حکم کہاں تک ہے۔ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اوزاعی، حسن بصری اور زہری سے مروی ہے کہ چاروں طرف چالیس گھر تک ہمسائگی کا حکم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جہاں تک اقامت نماز کی آواز پہنچے اُس دائرہ کے اندر رہنے والے سب ہمسائے ہیں۔ بعض لوگ صرف اہلِ محلہ کو ہمسائگی کے حکم میں داخل کرتے ہیں۔ بہرحال حدیث میں ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کی سخت تاکید آئی ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل مجھ کو برابر پڑوسی کے حق کے متعلق نصیحت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ دارمی کی روایت ہے کہ جس قوم میں پڑوسی بھوکا پڑا رہے اور لوگ خود کھانا کھائیں وہاں غضبِ الٰہی کے نازل ہونے کا خوف ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک پڑوسی وہ ہے جس کا ایک حق ہے۔ دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں۔ تیسرا وہ ہے جس کے تین حق ہیں۔ جو ہمسایہ مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو اس کا ایک حق ہے اور جو ہمسایہ مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو اس کے دو حق ہیں۔ ایک ہمسائگی کا اور دوسرا اسلام کا۔ اور جو ہمسایہ مسلمان ہو اور رشتہ دار بھی ہو اس کے تین حق ہیں ہمسائگی کا، اسلام کا اور قرابت کا (رواہ البزار)

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ اور ضحاک سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سفر میں ساتھی ہو یا کسی صنعت، حرفت، تجارت میں شریک ہو یا شاگرد ہو یا مرید ہو۔ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے (ابن حاتم و ابن جریر)۔ ابن جریج اور ابن الزبیر کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ساتھی ہو اور اُس کی اُمیدیں دوسرے رفیق سے وابستہ ہوں۔ زید بن اسلم کی روایت ان سب معانی کو عام ہے۔ یعنی آیت کے حکم میں بیوی، شاگرد، مرید، ہم پیشہ، ساتھی، رفیقِ سفر، رفیقِ تجارت، ہم نشین اور دیگر شناسا دوست داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے رفیقِ حیات، رفیقِ صحبت، رفیقِ معاشرت اور رفیقِ مروّت سے حسنِ سلوک کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے خوش کرنے کی دائرۂ شریعت کے اندر رہ کر کوشش کرو۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ ابن عباسؓ وغیرہ کے نزدیک اس سے مہمان مراد ہے خواہ کوئی ہو۔ اور مجاہد و امام باقر و حسن و ضحاک و مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مسافر مراد ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ راہگیروں سے، مسافروں سے اور مہمانوں سے سلوک کرو۔ جس قدر ہو سکے ان کی امداد سے دریغ نہ کرو۔ اُن کو ذلیل نہ سمجھو۔ اُن سے درشت مزاجی نہ کرو۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص خدا اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے مہمان کی عزت اور خاطر تواضع کرنی چاہیئے۔ مہمان کا حق لازم ایک شبانہ روز ہے اور تین روز ضیافت ہے اور اس کے بعد مہمانی صدقہ ہے۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ یہ فقرہ تمام غلاموں، لونڈیوں، خادموں اور زیر دست جانوروں کو شامل ہے۔ یعنی اپنے باندی، غلاموں اور نوکروں کے ساتھ احسان کرو۔ اُن کے کھانے پینے کی نگرانی رکھو۔ جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ۔ جو لباس خود پہنو اُن کو بھی پہناؤ۔ ناقابلِ برداشت کام سر انجام دینے پر اُن کو مجبور نہ کرو۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ مملوک تمہارے بھائی اور خادم ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو تمہارا زیر دست کر دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے زیر دست اس کا بھائی ہو اس کو چاہیئے کہ جو کھانا خود کھائے اُس میں سے بھائی کو کھلائے اور جو لباس خود پہنے اس میں سے بھائی کو بھی پہنائے۔ اپنے مملوک کو ایسے کام کی انجام دہی پر مجبور نہ کرو جو اُن کی طاقت سے زائد ہو۔ اگر ایسا کام پڑ جائے تو خود بھی ان کے ساتھ مل کر مدد کرو (بخاری و مسلم) بے زبان جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ کافی طور پر اُن کے کھانے پینے کی نگرانی کی جائے۔ ناقابلِ تحمل خدمت یا سواری اُن سے نہ لی جائے۔ گرمی سردی کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ بیدردی سے نہ مارا جائے۔ خواہ مخواہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ تفریحِ طبع کے لئے اُن کو لڑایا نہ جائے۔ وغیرہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۔ آیاتِ مذکورہ کی پوری تعلیم کا یہ خلاصہ ہے۔ ماحصل مطلب یہ ہے کہ غرور نہ کرو۔ اپنے نفس کو دوسروں سے بڑا اور محترم نہ سمجھو۔ جو چیز اپنے واسطے پسند کرتے ہو وہی دوسرے کے واسطے پسند کرو اور جو شے خود ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ شیخی خورے، متکبر اور اترانے والے آدمی کو اچھا نہیں جانتا ہے۔ نتیجہ تعلیم یہ نکلا کہ تمام بنی نوع انسان بلکہ دیگر جانداروں کے حقوق کا خاص طور سے لحاظ رکھو۔

مقصودِ بیان مساواتِ انسانی کا بہترین مظاہرہ، تفریقِ نسلی، وجاہتِ خاندانی، امتیازِ حاکمانہ اور غرورِ دولت و عزت کو نہایت بلیغ اور جامع الفاظ میں بیخ کنی، تہذیبِ اخلاق، اصلاحِ معاشرت، ترقی تمدن اور تکمیلِ انسانیت کی بہت زیادہ واضح تعلیم، امن عالم اور نظامِ عالم کی درستگی کے اسباب فراہم کرنے کی طرف لطیف ترین اشارات۔ عام بنی نوع اور کل ذی حیات مخلوق سے ہمدردی کرنے اور ان پر رحم کھانے کی تلقین، عقائد و اعمال کے صحیح رکھنے کی ہدایت، کل فرائضِ انسانی ادا کرنے اور علمی عملی قوتوں کو افراط تفریط کی کدورت سے پاک صاف رکھ کر اعتدال کی روشنی سے منور کرنے کی ضمنی تبلیغ۔ وغیرہ

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ

جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اللہ نے جو مال اُن کو عنایت کیا ہے

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ

اُس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اپنا مال دکھاوے

اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ

کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتے (اُن کا بھی یہی حکم ہے) اور جس

یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝

کس کا شیطان مصاحب ہو تو وہ بڑا مصاحب ہے

تفسیر یہ آیت سابق آیت کے مضمون کا تکملہ اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کرم بن زید، حیی بن اخطب، رفاعہ بن زید، اسامہ بن حبیب، نافع ابن ابی نافع اور بعض دوسرے یہودی انصار کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ ان کا انصار سے میل جول اور اختلاط تھا اس لئے کہا کرتے تھے کہ بھائیو اپنا مال خرچ کرنے میں عجلت نہ کیا کرو، بے سوچے سمجھے خیرات بھی نہ کرو۔ ورنہ مفلس قلاش ہو جاؤ گے اور فقر و فاقہ تک نوبت پہنچ جائے گی۔ پھر نادار ہونے کے بعد کوئی پیسہ بھی نہ دے گا اور پاس بھی کھڑا نہ ہونے دے گا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی (ابن عباس و مجاہد) محی السنۃ نے معالم میں بھی یہی شان نزول بیان کیا ہے۔ گذشتہ آیات میں معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی اصلاح کی ہدایت تھی۔ تمام بداخلاقیوں اور خرابیوں کی جڑ مال محبت ہے۔ عموماً انسان محبتِ مال کی وجہ سے ہی والدین، اقرباء، اولاد، بیوی، احباب اور اجانب سے بدسلوکی کرتا ہے اور مال ایثار کے بعد اکثر سخاوتِ نفس، انکسارِ مزاج اور تواضع و خوش اخلاقی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ انہی اغراض کو مدنظر رکھ کر یہ آیت بیان کی گئی۔

ماحصل ارشاد یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ سے مراد اور ایسے والے وہ لوگ ہیں جو واجبی حقوقِ مالیہ ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ غریبوں کی ہمدردی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی نہیں کرتے۔ فرض زکوٰۃ ادا نہیں کرتے

(اور اسی وجہ سے اُن کے دلوں میں بے رحمی، قساوت، بدخلقی اور طرح طرح کی گناہگاریاں پیدا ہوتی ہیں) خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو علم و مال اُن کو عطا کر رکھا ہے اُس سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے - ہر طرح مخفی رکھتے ہیں - یہ لوگ نعمتِ الٰہی کا انکار کرنے والے اور کافر النعام ہیں۔ حقوقِ لازمہ ادا کرنے سے روکتے ہیں۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ اور ہم نے کافروں کے لئے رسواکن اور ذلت آفریں عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بھی دوزخی ہیں، کافر ہیں، نعمتِ الٰہی سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا نہیں چاہتے اور نہ خود شکر گزاری کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بد اخلاقی (رواہ الترمذی) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بخل سے بدتر کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ گزشتہ آیت میں بخل و کنجوسی کی ممانعت تھی جو فضیلتِ خلق کا ایک تفریطی پہلو ہے۔ اُس کے خلاف ایک اور نفسانی مرض ہے۔ وہ یہ کہ خواہ مخواہ مال کو تباہ کیا جائے۔ فضول خرچی اور اسراف کر کے ہستی کو برباد کر دیا جائے یا گناہ و کفر کی حمایت میں مال خرچ کیا جائے۔ یہ فضیلتِ خلق کا افراطی پہلو ہے اور چونکہ اسلام اعتدال اور میانہ روی سکھاتا ہے اس لئے اس کی بھی آیتِ مذکورہ میں مذمت کی گئی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ صرف نام آوری، شہرت اور دکھاوٹ کے لئے مال خرچ کرتے ہیں اور ان کا مقصود محض اس سے یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو سخی کہیں۔ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ واقع میں یہ لوگ ایماندار ہوتے نہیں ہیں۔ نہ ان کا ایمان خدا پر ہوتا ہے، نہ روزِ قیامت پر، نہ اُن کو خدا سے ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ روزِ قیامت کے عذاب کا خوف۔ اس لئے سوائے دنیوی شہرت کے خوشنودیٔ خدا ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتی تو یہ لوگ شیطان کے ساتھی اور شیطان ان کا رفیق ہے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا اور جس کا رفیق شیطان ہی ہو جائے تو یقیناً اس سے جس قدر برائیاں سرزد ہوں کم ہیں۔ کیونکہ شیطان بہت برا رفیق ہے۔ شیطان کی رفاقت میں سوائے تباہی اور خباثتِ نفس کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

مقصودِ بیان بخل نہایت مذموم ہے اور بخل کا خوگر ہو جانا اور کنجوسی کو اچھا سمجھنا کفر ہے۔ اسراف بھی تباہ کن فعل ہے اور اس کو بہتر سمجھنا بھی کفر ہے۔ نہ تو بخل کرے نہ اسراف، اعتدال قائم رہنا چاہئے۔

شہرت اور ناموری کے حصول کے لئے مال خرچ کرنا فضول خرچی میں داخل ہے۔ اسلام کا مطمحِ نظر اعتدال ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مالی حقوق ادا کئے جائیں۔ اور محض خدا کی خوشنودی پیشِ نظر رکھی جائے۔

بخیل کافرِ نعمت اور ناشکر بندہ ہے۔ خداداد نعمت سے مخلوق کو فائدہ پہنچانا لازمی ہے۔ وغیرہ

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ

اُن کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور عطیۂ خدا میں سے کچھ خرچ کر دیتے اللہ اُن کو

اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً

خوب جانتا ہے اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر ذرہ برابر نیکی ہوتی ہے تو

يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اُس کو دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔

تفسیر

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ یہ سابق آیت کا تتمہ ہے۔ اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ باوجود اہل عقل ہونے کے جاہل ہیں کہ نفع نقصان میں ان کو امتیاز نہیں۔ مفید کو مضر اور مضرت رساں چیز کو سودمند خیال کرتے ہیں۔ ان کو اپنے منافع اور حقیقی فوائد پر غور کر کے اپنی جہالت اور کور باطنی کو دور کرنا لازم ہے۔ کیونکہ دانشمند وہی شخص ہوتا ہے جو بے ضرر چیز کو قبول کرے اور نقصان دہ چیز سے پرہیز رکھے اور جس ہدایت میں عدم ضرر کے علاوہ فوائد اور منافع موجود ہوں پھر اُس کو قبول کرنے میں کوئی صاحب بصیرت انکار کر سکتا ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لے آتے خدا کے ثواب و عذاب اور روزِ قیامت کے حساب کتاب کو صحیح مان لیتے۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اور خداداد نعمت میں سے کچھ راہِ خدا میں بخلوص نیت صرف کرتے تو اُن کا کیا بگڑ جاتا۔ جب ایمان اور سخاوت میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ ثواب ہی کی اُمید ہے یا کم از کم ثواب اور جزائے خیر کا احتمال ہے تو پھر ملِ سے ناجائز محبت کرنی اور جوہر انسانیت یعنی سخاوت کو ضائع کرنا عقلمند انسان کا کام نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ یہ سابق آیت کا تائیدی ثبوت ہے۔ ممکن تھا کوئی شخص خیال کرتا کہ خدا پر ایمان لانا یا نہ لانا قیامت اور حساب کتاب کو صحیح ماننا یا نہ ماننا اور سخاوت و بخل کرنا ہمارا فعل ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارا یہ فعل لاحاصل اور بے نتیجہ ثابت ہو۔ اس دماغی وسوسہ کا ازالہ مذکورہ آیت میں کر دیا گیا کہ خدا تعالیٰ اُن کے تمام افعال، اعمال، عقائد اور دماغی کیفیات سے بخوبی واقف ہے۔ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ ہر شخص کو اس کے کردار کی سزا جزا دے گا۔ نیک و بد اور خیر و شر کا اختیار کرنا ہر شخص کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا کوئی فعل بیکار نہیں جا سکتا۔ پھر اس کا مزید ثبوت آئندہ آیت میں پیش کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ یعنی کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خدا ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھریگا۔ اگر خوشنودیٔ خدا کے کام کئے جائیں گے اُن کی بھرپور جزا ملے گی۔ اور ناراضی کے کام کئے جائیں گے اُن کی سزا ملے گی ہاں وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا۔ اگر کسی طرح کی بہت ہی چھوٹی نیکی ہوگی تو خدا تعالیٰ اس کے اجر کو بہت زیادہ کر دے گا۔ (یعنی دس گنا سے سو گنا تک) اور پھر مضاعف بالائے مضاعف سے بڑھ کر یہ کہ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا اپنی طرف سے اور محض اپنے فضل سے بہت بڑا ثواب اور عطیہ عنایت فرمائے گا جس کی مقدار اور عظمت کا اندازہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ حاصل کلام یہ کہ جب کسی قسم کی نیکی اور ہر طرح کا کارِ خیر رائیگاں اور لاحاصل نہیں ہو سکتا تو ایسے اہم اور مہتم بالشان کارہائے خیر جن کو ایمان اور خیرات فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا ہے کس طرح بیکار جا سکتے ہیں۔

مقصود بیان

خدا کی ذات صفات اور قیامت کے حساب و کتاب و ثواب و عذاب پر ایمان لانے کی ترغیب۔ سخاوت کرنے کی طرف نہایت بلیغ انداز عبارت میں لوگوں کی طبائع کو مائل کرنا، ایمان و سخا اور ہر نیکی کے مفید ہونے کا ثبوت نہایت لطیف پیرائے میں۔ خداوند تعالیٰ کے ظالم نہ ہونے کی صراحت۔ اس بات پر ایک نازک تنبیہ کہ عقلمند اور بصیرت کوش دماغ رکھنے والے انسان کبھی توحید خدا پرستی اور دیگر خصائلِ حمیدہ سے اعراض نہیں کرتے۔ کیونکہ کوئی نیکی لاحاصل نہیں ہو سکتی۔ وغیرہ

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝

اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہر اُمت میں سے ہم ایک گواہ لائیں گے اور اُن سب پر (اے محمدؐ) تم کو گواہ بنا کر پیش کریں گے

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط وَ

اُس روز کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے آرزو کریں گے کہ کاش زمین اُن کو اپنے اندر سما کر ہموار ہو جائے اور

لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ع

وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے

تفسیر یہ گزشتہ سلسلۂ آیات کی ایک کڑی ہے اور نہایت بلیغ انداز میں وعید کی تنبیہ ہے۔ اول ہم آیت کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ پھر متعلقات آیت کی توضیح کریں گے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ:۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ وہ وقت نہایت حسرت آفریں اور تعجب انگیز ہوگا کہ جب قیامت کے دن ہر پیغمبر اپنی امت کی بداعمالیاں خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرے گا اور اس امت کے حق پوش کفر شعار نفاق انگیز اور بداطوار اشخاص کی زشت کرداریاں آپ خدا تعالیٰ کے سامنے طشت از بام کریں گے اور بالکل کھول کر بیان کردیں گے کہ میں نے پیام الٰہی حرف بحرف پہنچا دیا تھا مگر انھوں نے نہ مانا۔ اصل واقعہ اس طرح ہوگا کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ بدکار کفر شعار اور سرکش انسانوں کو جمع کرکے فرمائے گا کہ تم نے یہ سرتابی انکار توحید اور اعمالِ صالحہ سے اعراض کیوں کیا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم سے یہ تمام کفر و شرک اور بدعنوانیاں ناواقفی سے سرزد ہوئیں۔ ہم کو تیرا حقیقی فرمان اور اصلی قانون معلوم نہ تھا۔ خیر و شر اور حق و باطل میں امتیاز کا کوئی روشن معیار ہمارے پاس موجود نہ تھا۔ اس وقت ان منکرینِ حق کو قائل کرنے کے لئے ہر امت کے پیغمبر کو طلب کیا جائے گا اور پیغمبر علی الاعلان اکرا اظہارِ حقیقت کردے گا اور بیان کردے گا کہ میں نے ان کو پیام الٰہی پہنچا دیا تھا۔ مکمل قانونِ الٰہی کی تبلیغ کردی تھی۔ مگر انھوں نے نہ مانا سرکشی کی۔ اب نادانی اور جہالت کا عذر پیش کرنا دروغ بافی ہے۔ اسی طرح جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئے گی اور اس امت کے کافر مشرک گنہگار اور بداطوار طبقہ کے اعمال کی توبیخ ہوگی اور تمام بدافعالیوں کی باز پرس ہوگی تو یہ لوگ بھی تبلیغ قانون سے انکار کردیں گے۔ اس وقت رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طلب کیا جائے گا اور حضور والا شہادت دیں گے کہ میں نے تمام احکام الٰہی کی تبلیغ کردی تھی۔ پورا قانونِ شریعت ان لوگوں کے سامنے پیش کردیا تھا مگر انھوں نے انکار کیا، سرکشی کی۔ ہر چند ان کو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی تلقین کی مگر سوائے عناد اور انکار کے انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ مجھ سے حضور والا نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور ہی پر تو قرآن نازل ہوا اور پھر میں حضور ہی کو پڑھ کر سناؤں؟ فرمایا ہاں دوسرے سے سننا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حسب الحکم میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی۔ جب آیۃ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا الخ پر پہنچا تو حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا بس۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو رسول پاکؐ کے آنسو جاری تھے (بخاری و مسلم)

اب رہا یہ امر کہ حضور والاؐ اس پوری امت پر کس طرح گواہی دیں گے۔ کیونکہ گواہی تو صرف دیکھی ہوئی چیز پر ہوسکتی ہے۔ کل امتِ محمدیہ حضورؐ کے زمانہ میں حاضر نہ تھی پھر شہادت کے کیا معنی؟ تو اس شبہ کا ازالہ بقول محی السنۃ اس طرح ہوسکتا ہے کہ قرطبی نے سعید بن مسیب تابعی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ روزانہ صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نام بنام تمام امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور اسی علم کے موافق قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ حضورؐ کو علم بالمشاہدہ عطا فرمادے۔ لیکن سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ هٰۤؤُلَآءِ سے خاص لوگ مراد ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر مشرک منافق اور دیگر گنہگار۔ انہی کے متعلق حضور والا قیامت کے دن شہادت دیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ حضور والا نے اس آیت کے سننے کے وقت فرمایا۔ الٰہی جب تک میں ان میں موجود رہا شاہد رہا جب مرگیا تو ان کا نگراں تو ہی رہا۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ یعنی قیامت کے دن جب پیغمبروں کی شہادت ہوجائیگی اور گنہگار نافرمان جھوٹے قرار پائیں گے اور جرم ثابت ہوجائے گا اور عذاب سے رہائی کی کوئی شکل ممکن نہ ہوگی تو وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اور فرمان کی خلاف ورزی کی تھی آرزو کریں گے کہ کاش ہم پر زمین برابر ہوجاتی ہم خاک کے ساتھ خاک ہوجاتے اور ہم سے اعمال و ایمان کی کوئی باز پرس نہ ہوتی۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۔ یعنی کفار و مشرکین (اگرچہ شروع میں ثبوت جرم سے انکار کریں گے اور کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر بالآخر) خدا تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ ان کے اعضاء خود ان کے گناہوں کے شاہد بن جائیں گے اور مجبوراً ان کو اپنے جرائم کا اظہار کرنا پڑے گا۔

مقصود بیان ترہیب وانذار، اثبات جرم کے لئے انبیاء کا قول ثبوت، قیامت کے دن کفار کی حسرت وافسوس کا بیان، اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ حضور اقدس تمام کمالات انبیاء کے جامع تھے۔ جو مراتب شاہا تمام پیغمبروں کو حاصل تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ تاوقتیکہ جو کچھ کہتے ہو اس کو نہ سمجھنے

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

لگو اور نہ بغیر غسل کئے جنابت کی حالت میں سوائے سفر کی حالت کے اور اگر تم بیمار ہو

اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ

یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے یا عورتوں سے تم نے قربت کی ہو اور پانی میسر

تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ

نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں سے مل لو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ اس آیت کے شان نزول میں چند روایات منقول ہیں:۔

(۱) ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مہاجرین وانصار کی دعوت کی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد شراب کا دور ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک شراب کی حرمت نہ ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ کانوں میں اذان کی آواز آئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ یا حضرت علیؓ نے امامت کی۔ دیگر صحابہ مقتدی ہوئے۔ امام نے سورۂ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھی اور ہر جگہ سے حرف لا حذف کر دیا یعنی اس طرح پڑھا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَاَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ الخ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (عبد بن حمید، ابوداؤد، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ترمذی)۔

(۲) صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ یہ آیت حضرت سعد کے حق میں نازل ہوئی۔

(۳) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حرمت شراب سے قبل بعض لوگ نماز میں بحالت مستی شریک ہوتے تھے اس وقت حکم مذکور نازل ہوا (ابوداؤد، ابن ابی حاتم وغیرہ)

حاصل خطاب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تک تم کو علم نہ ہو کہ ہم منہ سے کیا کہہ رہے ہیں اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مطلب یہ کہ نماز اگرچہ ضروری فریضہ ہے۔ مگر نشہ کی حالت میں نماز بھی نہ پڑھو۔ معلوم نہیں منہ سے کیا پڑھ جاؤ۔ غرض یہ کہ شراب بالکل نہ پیو گویا اس سے شراب کی ممانعت کا حکم دینا مقصود

وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۔ یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ چند انصاریوں کے دروازے مسجد کے اندر تھے۔ جب یہ لوگ جنب ہوتے اور نہانے کی ضرورت ہوتی اور پانی پاس موجود نہ ہوتا اور مسجد کے سوا کوئی راستہ اور گذرگاہ نہ ہوتا تو مجبوراً مسجد میں ہو کر گذرتے اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں بحالتِ جنابت نہ جاؤ۔ ہاں صرف روا داری کے طور پر اگر جانے پر مجبور ہو تو کوئی حرج نہیں ہے یعنی اگر کوئی اور راستہ ممکن نہ ہو تو مسجد میں ہو کر گذر سکتے ہو۔ ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رواداری کے ساتھ مسجد میں سے گذر سکتے ہو بیٹھنا جائز نہیں۔ اسی قول کو ابن مسعود، انس، ابو عبیدہ، سعید بن مسیب، ضحاک، عطاء، مجاہد، مسروق، ابراہیم، زید بن اسلم، ابو مالک، عمرو بن دینار، عکرمہ، حسن بصری، یحییٰ، زہری، قتادہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک انصاری اس قدر بیمار تھے کہ اٹھ کر وضو نہ کر سکتے تھے اور کوئی خادم بھی اُن کے پاس نہ تھا کہ وضو کرا سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ اسلع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ سواری کسنے کی خدمت سپرد تھی۔ ایک بار حضور اقدسؐ نے حکم دیا کہ اسلع اٹھو سواری کس دو۔ اسلع نے عرض کیا۔ حضور میں جنب ہو گیا ہوں۔ سرکارِ عالی نے یہ سُن کر سکوت فرمایا۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ مذکورۂ بالا حکم لے کر نازل ہوئے۔ امام بخاری، مسلم اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت عائشہؓ کے ہار کے گم ہو جانے اور اہلِ لشکر کو پانی نہ ملنے کا قصہ بیان کیا ہے۔ بہر حال خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم بیمار ہو اور پانی سے غسل یا وضو کرنے سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو یا مسافر ہو اور غسل و وضو کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے یا پاخانہ پیشاب سے فارغ ہو کر آؤ اور اس وجہ سے وضو جاتا رہے یا عورتوں کے ساتھ قربت کرنے سے غسل کی ضرورت ہو جائے اور تفتیش و جستجو کے بعد بھی پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو جس کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ مٹی پر ایک بار دونوں ہاتھ مار کر چہروں پر مسح کرو۔ پھر دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کرو۔ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اسی لئے اس نے تم پر اپنا فضل کیا اور تیمم کی اجازت دیدی۔

مقصودِ بیان سرمستی کی حالت میں نماز دُرست نہیں۔ بیہوش کر دینے والا نشہ حرام ہے۔ بحالتِ جنابت مسجد کے اندر سے عبور کرنا جائز ہے رُکنا اور توقف کرنا ناجائز ہے۔ اگر بیمار ہو اور مرض کی ترقی یا ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پانی کا استعمال نہ کرنا جائز ہے تیمم کافی ہے۔ مسافر کو پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ حالتِ قیام میں بھی اگر بقدرِ کفایت وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ تیمم کے واسطے پاک مٹی ضروری ہے۔ آیت میں تیمم کی ترکیب بھی بتائی گئی ہے اور لطیف ترین اشارہ اس طرف بھی کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف دینا اور خواہ مخواہ مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ احکامِ اسلام میں اس نے سہولت اور آسانی کر دی ہے تاکہ شریعت کی پابندی میں کسی کو دشواری نہ ہو۔ وغیرہ (تیمم کے اسباب، جواز اور شرائط اور اختلافی مسائل مفصل فقہ میں مذکور ہیں۔ یہاں ان کا ذکر موجبِ طوالت ہے)۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے گروہ گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں

أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ

کہ تم بھی راستہ بہک جاؤ اور خدا تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اللہ ہی حمایتی کافی ہے اور وہی

بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ

مددگار بس کرتا ہے یہودیوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو الفاظ کو ان کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اور اپنی زبانیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي

اور دین میں طعنہ زنی کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم نے سُن تو لیا مگر مانیں گے نہیں اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہتے ہیں[ل] گھما گھما کر

الدِّيْنِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا تو اُن کے حق میں بہتر اور درست ہوتا

وَأَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝

مگر بات یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کو اپنی رحمت سے دور کر چکا ہے اس لئے وہ باستثناء قلیل ایمان نہیں لائیں گے

تفسیر رفاعہ بن زید یہودی ایک بار خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا اور مذہبِ اسلام پر کچھ نکتہ چینی اور خوردہ گیری ناجائز طور پر کی تو آیت مذکورہ مکمل نازل ہوئی۔ حاصل ارشاد یہ ہے:۔

اَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ دیکھو یہودیوں کو جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے علم کا کچھ حصہ عطا کیا گیا ہے کہ ظاہری عبارت سے بحث کرتے رہتے ہیں اور دل میں کوئی اثر نہیں پیدا ہوتا۔ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ۔ یہ لوگ فطری اور ربانی ہدایت کو چھوڑ کر شیطانی اور نفسانی گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اور صرف اپنی گم کردہ راہی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ حق گم کردہ ان کی طرح گمراہ ہو جاؤ اور اسلامی احکام کی صحت و حقانیت میں شک کرنے لگو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ اور خدا تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے (یہ بظاہر دوست بنے ہوئے ہیں اور خیر خواہ نظر آتے ہیں اور باطن میں تمہارے دشمن اور بدخواہ ہیں) اسلامی احکام و عقائد کی طرف سے تم کو بدگمان کرنا چاہتے ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مگر خدا تمہارا محافظ اور مددگار کافی ہے۔ (اُن کی دھوکہ بازی اور فریب دہی تم کو مضرت نہیں پہنچا سکتی۔ تم ان کا کہنا نہ مانو اور حکم شریعت پر پختگی کے ساتھ قائم رہو)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ یہ گذشتہ آیت کا بیان ہے۔ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ اہل کتاب خود بھی گمراہ ہیں اور تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں یہودیوں کی گمراہی کی تفصیل اور وجہ ضلالت بتلانا مقصود ہے۔ اول گمراہی تو یہ کہ بعض یہودی کلام الٰہی میں تغیر تبدل کرتے تھے یعنی وہ الفاظ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید اور دینِ اسلام کا ثبوت نکلتا تھا ان کو بدل کر دوسرے الفاظ ان کی بجائے درج کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جس حکم سے اُن کے مالی اور شخصی مفاد یا ذاتی امتیاز کو تعلق تھا اس کو قائم رکھتے تھے اور جو حکم ان کی ذاتی وجاہت قومی ریاست اور مالی منافع کے خلاف تھا اُس کو بدل ڈالتے تھے اور جان بوجھ کر افترا پردازی اور دروغ بافی کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے اغاثۃ اللہفان میں لکھا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جو توریت یہودیوں کے پاس موجود تھی کیا وہ بدلی ہوئی تھی یا نہیں۔ ایک فرقہ قائل ہے کہ کل یا اکثر تورات تبدیل شدہ اور تحریف کردہ تھی۔ اکثر اہل کلام محدثین اور طبقۂ فقہاء قائل ہیں کہ یہودیوں نے تبدیل صرف تفسیر کلام اور تاویلِ معانی میں کی تھی۔ الفاظ تنزیل بدستور باقی تھے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ بہت خفیف تبدیل ہوئی تھی۔ صرف چند احکام تبدیل کئے گئے تھے۔ مگر اس زمانہ کے اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہودیوں نے توریت میں بہت زیادہ تغیر و تصرف کیا تھا اور جس مسئلہ میں اپنا ذاتی مالی یا قومی فائدہ دیکھا اُس کو مندرج کر دیا۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ دوسری گمراہی اور فتنہ پردازی ان کی یہ ہے کہ زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے آپ کا کلام سُن لیا مگر

[ل] تفسیری بیان میں اس کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔

آپ کا حکم نہیں مانیں گے۔ یہ معنی مجاہد اور ابن زید نے بیان کئے ہیں۔ گویا جان بوجھ کر کفر و عناد کرتے تھے اور دیدہ و دانستہ حق سے روگردانی کرتے تھے۔

بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب نکالا ہے کہ یہودی بظاہر زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سُن لیا ٹھیک ہے اور درپردہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہم اس کو نہیں مانیں گے اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے۔ گویا یہ اُن کی انتہائی نفاق پردازی تھی کہ ظاہر باطن کے خلاف تھا۔ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ یہ یہودیوں کی تیسری ضلالت و فتنہ پردازی کا بیان ہے۔ یہودی ایک لفظ بولتے تھے جس کے دو معنی ہو سکتے تھے اور اُن کے مقصد کے موافق دوسرا اُن کی غرض کے خلاف۔ بظاہر مسلمانوں کے دکھانے کو ایسا لفظ بول کر اپنی تہذیب و شائستگی کا ثبوت دینا چاہتے تھے اور درواقع میں اپنے اندرونی عناد و حسد کی بجھانے کے خواستگار تھے۔ چنانچہ کہتے تھے اِسْمَعْ یعنی سُنئے۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا۔ اس کے بعد کہتے تھے غَيْرَ مُسْمَعٍ اِس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا آپ کو کوئی ناگوار بات نہ سنوائے۔ دوسرے یہ کہ خدا آپ کو بہرا کر دے۔ بظاہر یہ لفظ بطور دُعا کے کہتے تھے اور درپردہ بددعا دیتے تھے۔

وَرَاعِنَا یہ یہودیوں کی چوتھی خیانت کا بیان ہے۔ یعنی حضورؐ والا سے آکر کہتے تھے کہ رَاعِنَا یعنی ذرا ٹھہریئے توقف کیجئے ہم کو سمجھنے کا موقع دیجئے ہمارا لحاظ کیجئے۔ اور درحقیقت اس لفظ سے اُن کی مراد دوسرے معنی سے ہوتی تھی یعنی بے وقوف احمق۔ یہ الفاظ کیوں کہتے تھے صرف لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ اپنی زبانوں کو ایسے الفاظ کی طرف موڑنے کے لئے جو گالی اور بدگوئی سے مشابہ ہیں۔ یعنی یہودیوں کا مقصود اس سے صرف بدزبانی، یاوہ گوئی اور زبان درازی ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ دین اسلام میں نکتہ چینی اور رسولِ اقدسؐ کی رسالت میں خوردہ گیری کو بھی چاہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یہودی اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز نہ آتے تھے اور حضورؐ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے تھے۔ اول سمعنا وعصینا کہتے تھے جس سے اُن کی نفاق انگیزی کا ثبوت ظاہر ہوتا تھا۔ دوسرے اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہتے تھے جس سے اُن کے اندرونی حسد اور باطنی عناد کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ تیسرے رَاعِنَا کہتے تھے جس سے اُن کی دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کا اظہار ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا۔ اگر یہ لوگ سمعنا وعصینا نہ کہتے بلکہ سمعنا واطعنا کہتے یعنی ہم نے آپ کا حکم سُن لیا اور ہم اس کو دل سے مانتے ہیں اور بسروچشم قبول کرتے ہیں۔ وَاسْمَعْ اور صرف لفظ اِسْمَعْ کہتے (یعنی ہمارا قول بھی سُنئے) اور غَيْرَ مُسْمَعٍ نہ کہتے (جس سے ان کی تیرہ باطنی اور حسد کا پتہ چلتا ہے۔ وَانْظُرْنَا اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے۔ کیونکہ انظرنا دو معنی لفظ نہیں ہے۔ انظرنا کے صرف یہ معنی ہیں کہ ہماری طرف نظر فرمایئے۔ ہماری بھی رعایت کیجئے۔ ہم ناسمجھ ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ ہدایت فرمایئے تاکہ ہم سمجھ سکیں۔ (اور راعنا کے معنی اس معنی کے علاوہ بیوقوف کے بھی ہیں جو اُن کی اصلی غرض تھی) خلاصہ یہ کہ اگر وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرتے جن سے ان کی تیرہ دروں، حسد قلبی اور نفاق باطنی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بلکہ دل و جان سے احکام رسالت کی تعمیل کرتے اور ظاہر و باطن شائستگی و تہذیب کو اختیار کرتے۔ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور سیدھی سادی بات ہوتی۔ کجراہی اور گمراہی نہ ہوتی۔ وَلَٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ مگر یہ لوگ ازلی گمراہ ہیں۔ نورِ ہدایت سے فطرتًا محروم ہیں۔ ان کی کفر شعاری اور استمرارِ شرک کی وجہ سے خدا نے بھی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اس لئے فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سوائے چند آدمیوں کے ان میں سے اور کوئی ایمان ہی نہ لائے گا۔ تم کو ان کی ہدایت کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔

مقصود بیان ۔ یہودیوں کی گمراہی، کجروی، ضلالت انگیزی، فتنہ پردازی اور نفاق شعاری کا بیان۔ خلوص ایمان، طاعت و فرماں پذیری، استقامت و شائستگی اختیار کرنے کی ضمنی ہدایت۔ احکام الٰہی میں تغیر و تبدل اور قرآن کے الفاظ و معانی میں تحریف اور غلط تاویل کرنے کی مخفی ممانعت۔ احکام شریعت میں نکتہ چینی اور خوردہ گیری کرنے کی تعریضًا بازداشت۔ اس امر کی صراحت کہ عمومًا کفار اور خصوصًا یہود مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ حق سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح خود نور فطری کھو بیٹھے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے دلوں سے بھی ہدایت ربانی کی روشنی بجھانا چاہتے ہیں مگر ان کی کوشش بے سود ہے۔ مسلمانوں کا خدا حافظ اور حامی ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان غیر مذاہب والوں سے دینی اختلاط نہ کریں اور ان کو اپنا اندرونی دشمن خیال کریں اور ان کی فتنہ پردازیوں کو گہری نظر سے دیکھیں۔ آیت ہم کو ضمنًا یہ بھی بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدتہذیبی کرنی یا حضورؐ کی شان میں گستاخی کا کوئی لفظ کہنا یا توہین کرنی کفر ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی سے ذاتی خصومت نہیں۔ بلکہ انسان کی گناہگاریاں لعنتِ الٰہی کے اسباب بن جاتی ہیں۔ آیت کے آخری ٹکڑے سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ منکرینِ اسلام رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں اور دائمی جہنمی ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن

اے اہل کتاب اُس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس والی کتاب کو سچا بتاتا ہے اس سے پہلے کہ ہم تمہارے

قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ

منہ بگاڑ کر گُدّی جیسا کردیں یا ہم اُن پر ایسی پھٹکار برسائیں جیسی

أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ○

سبت والوں پر برسائی تھی اور اللہ کا امر ہو کر رہا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی کفر شعاریاں، گناہگاریاں اور سرتابیاں بیان کی گئی تھیں اور ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ نفسانی امراض مہلک ہیں اور تمہاری حقیقی زندگی کو تباہ کرنے والے ہیں۔ یہ روحانی بیماریاں موت حقیقی کے اسباب ہیں۔ اُن کے ازالہ کی فکر لازم ہے۔ ان آیات میں اصول علاج کو بیان کیا گیا اور اہل کتاب کے اندرونی امراض کو جڑ سے دور کرنے والی ہے اور جس چیز سے اُن کو روحانی صحت اور ابدی نجات مل سکتی ہے اس کو بہترین واضح طرز میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ۔ اے یہودیو اور عیسائیو تم کو آسمانی کتابیں عطا کی گئیں (تمہارا فرض ہے کہ اُن الہامی کتابوں کے احکام پر ایمان لاؤ اور دل و جان سے ان کی تعمیل میں سرگرم ہو جاؤ۔ تم سے اُن کتابوں کے احکام کا مواخذہ ہوگا اور خلاف ورزی کی گرفت ہوگی تم پر لازم ہے کہ) ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم۔ قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔ یکدم نازل نہیں کیا (اس لئے اُس کے احکام پر کاربند ہونے میں کوئی دشواری نہیں) پھر یہ قرآن کوئی نئی کتاب بھی نہیں ہے۔ اخبار، بشارات، قصص، دعوتِ توحید، عدل بین الناس، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اصولِ دینی کے لحاظ سے توریت و انجیل کی تائید کرتا ہے۔ اصولِ توحید تمہاری کتابوں میں بھی وہی مذکور ہیں جو اس قرآن میں موجود ہیں (رہا فروعی اختلاف تو یہ قابلِ اعتبار نہیں۔ ہر زمانہ کے مصالح جدا ہوتے ہیں۔ فروعی احکام کے اختلافات سے اصولی مغایرت لازم نہیں) اور نہ دینِ الٰہی میں مغایرت ہونی ممکن ہے ورنہ مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَا تمہارے دین دنیا برباد ہو جائیں گے۔ تم کو ذلت و خواری، بداقبالی، غلامی اور اسیری میں مبتلا کر دیں گے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے کہ اے اہل کتاب قرآن پر اس وقت کے آنے سے پیشتر ایمان لے آؤ جبکہ ہم منکرین پر عذاب نازل کریں گے اور ان کے چہروں کو بگاڑ کر بالکل سپاٹ کر دینگے۔ آنکھ، ناک، کان وغیرہ مٹا کر بالکل پشت کی طرح بنا دیں گے۔ قتادہ اور ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد اندھا کر دینا ہے۔

بہر حال مطلب یہ کہ ہم انکار کرنے والے اہل کتاب کی صورتیں بگاڑ دیں گے۔ بجائے عزت و حکومت کے اُن کو ذلت و خواری اور غلامی نصیب ہوگی۔ وطن چھوڑنا پڑے گا۔ اسیری اور شقاوت کی تباہی سے دنیا برباد ہو جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس عذاب میں مبتلا ہونے سے قبل تم قرآن پر ایمان لے آؤ۔ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ یہ دینی تباہی کا بیان ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان لاؤ گے تو دین دنیا برباد ہو جائیں گے۔ دنیا میں تو ذلت، غلامی، جلاوطنی اور اسیری نصیب ہوگی اور آخرت میں رحمتِ الٰہی سے اس طرح محروم ہو جاؤ گے جس طرح وہ یہودی جو اصحاب السبت کہلاتے تھے رحمتِ خدا سے محروم ہو گئے (سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں اور سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کھیلنا یہودیوں کے لئے ممنوع تھا اور یہودیوں نے اس کی مخالفت کی تھی جس کی پاداش میں ان کی شکل بندروں ایسی بن گئی اور ہمیشہ کے لئے رحمتِ الٰہی سے محروم ہو گئے۔ یہ مفصل قصہ اوپر گزر چکا ہے۔

وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا یہ آیت گزشتہ آیت کے مضمون میں زور پیدا کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یعنی منکرین و مخالفین پر عذاب الٰہی نازل ہونا اور ان کی دنیا و دین تباہ ہو جانا یقینی امر ہے۔ کسی قسم کے شک و شبہ کی اس میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ قضائے الٰہی اور فیصلۂ قدر جو کچھ ہوتا ہے

وہ ہوگیا اس کو کوئی روک نہیں سکتا

مقصودِ بیان قرآن الہامی کتاب ہے۔ دنیا میں قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا گیا ہے۔ قرآن کے اصول نئے نہیں ہیں بلکہ اصول و بنیادی مسائل وہی ہیں جو گزشتہ الہامی کتابوں میں مذکور تھے۔ قرآن کے مقصد اور دیگر الہامی کتابوں کے نظریات میں موافقت ہے۔ جو شخص قرآن کی صداقت کا معترف ہو اور قرآن کو کتاب الٰہی مانتا ہو اس پر گزشتہ الہامی کتابوں کی صداقت کا اعتراف کرنا لازم ہے بلکہ قرآن پر ایمان لانا درحقیقت دیگر آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے۔ منکرینِ قرآن اور مخالفینِ اسلام پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے کی طرف لطیف اشارات ہیں اور اس پر ایک مخفی تنبیہ ہے کہ صداقتِ اسلام کا انکار کرنے والے رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اس کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ○

اللہ کا شریک قرار دیا اُس نے بڑی افترا پردازی کی

تفسیر تفسیر معالم میں مذکور ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے والے وحشی بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا۔ خلاصہ قصہ یہ ہے کہ وحشی اور اس کے ساتھی جب اپنے افعال پر نادم ہوئے تو اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن اپنی تسکین کے لئے کہنے لگے کہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ صاف طور پر نازل ہوگئی اور ہم لوگوں نے شرک، قتل، زنا وغیرہ سب کچھ کیا ہے پھر ہم کو اسلام لانے کے بعد نجات کی کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ ورنہ ہم اسلام لانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اُس وقت آیت إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا نازل ہوئی۔ آیت مذکورہ کو سن کر کہنے لگے یہ کس طرح یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ نیک اعمال ہم سے صادر ہوں گے اور آیت میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی قید لگائی ہے۔ اس وقت آیت إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ نازل ہوئی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ شرک جلی ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔ شرک فعلی، قولی اور اعتقادی ناقابلِ عفو ہے۔ خدائے قدوس اس کو بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ ہاں شرک کے علاوہ دیگر گناہ، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے بغیر توبہ کے بھی معاف کردینا اس کے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی شخص مشرک ہو اور بغیر توبہ کے مرجائے تو اُس کی معافی مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خدا چاہے گا تو بغیر عذاب کے اس کو معاف کردے گا یا خفیف عذاب دے کر نجات عطا فرمائے گا یا پورا عذاب دینے کے بعد دوزخ سے نکالے گا۔ سیاق کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب شرک توبہ سے معاف ہوسکتا ہے تو دیگر گناہوں کی معافی توبہ کے بعد بدرجۂ اولیٰ یقینی ہے بلکہ دیگر گناہ تو خدا تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی معاف کرسکتا ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا، یہ سابق آیت کی علت اور اس کا تتمہ ہے یعنی خدا تعالیٰ شرک کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ درحقیقت خدا تعالیٰ خالق ہے۔ تمام عالم کا مالک، مختار، قادر مطلق اور علیم و حکیم ہے۔ تمام عیوب سے پاک اور کل صفاتِ نقصان سے بری ہے یگانہ و یکتا فرد و صمد لم یلد ولم یولد ہے۔ اب اگر کسی امر میں کوئی شخص کسی مخلوق کو اس کا شریک کرے یا کہے یا سمجھے تو وہ بڑا افترا پرداز دروغ باف اور بہتان تراش ہے۔ ایسے شخص کی مغفرت کس طرح ہوسکتی ہے۔

مقصودِ بیان شرک جلی خواہ اعتقادی ہو یا قولی یا فعلی بہرحال ناقابلِ عفو ہے اس کی معافی بغیر توبہ کے ناممکن ہے۔ شرک کے علاوہ دیگر گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف ہوسکتے ہیں۔ اُن کی سزا میں تخفیف بھی ہوسکتی ہے اور اُن کی سزا سے بالکل سبکدوش بھی کیا جاسکتا ہے۔ گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے، زنا ہو یا سرقہ یا قتل یا کوئی گناہ۔ ہاں اگر بغیر توبہ کے مرجائے گا تو گناہوں کی معافی مشیت الٰہی پر موقوف ہے

وہ چاہے معاف کر دے چاہے مواخذہ کرے۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ گنہگار مشرک کذاب مفتری کذاب اور بہتان تراش ہے۔ آیت میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی کو محروم کرنا نہیں چاہتا۔ ہاں انسان کو اپنی شرک وغیرہ اس کو رحمت الٰہی سے محروم کرتی ہیں۔ وغیرہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس کہتے ہیں یہ غلط ہے اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے ان پر تاگے برابر بھی ظلم

فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

نہیں کیا جائے گا دیکھو اللہ پر یہ کیسی جھوٹی تہمت دھرتے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے

تفسیر بالاتفاق تفسیر یہ آیت نصاریٰ اور یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اہل کتاب کس طرح اپنے نفسوں کو پاک بازی کا خیال کرتے تھے اور کیونکر اپنے کو معصوم جانتے تھے اور کس قسم کے تزکیہ کا دعویٰ کرتے تھے۔

شیخ ابن کثیر نے بروایت حسن و قتادہ بیان کیا ہے کہ کافر اہل کتاب کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے اور دوست ہیں۔ جنت میں ہمارے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا۔ مجاہد کی روایت ہے کہ یہودی اپنے لڑکوں کو نماز و دعا میں آگے بڑھاتے اور امام بناتے تھے اور کہتے تھے یہ پاکدامن ہیں معصوم ہیں بے گناہ ہیں۔ عکرمہ ابو مالک اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ جو بچے ہمارے مر جاتے ہیں وہ ہمارے لئے باعث قربت اور سبب شفاعت ہیں اور ہماری پاکدامنی کا ذریعہ ہیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ ضحاک کا قول ہے یہودی کہتے تھے ہم بے گناہ ہیں جس طرح ہمارے لڑکے معصوم ہیں۔ بعض یہودی ایک دوسرے کی مدح کرتے اور کہتے تھے کہ تم بالکل معصوم ہو۔ اس خیال کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

معالم میں بروایت کلبی ذکر کیا گیا ہے کہ چند علمائے یہود اپنے لڑکوں کو لے کر حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوران گفتگو میں کہنے لگے بھلا ان لڑکوں پر کیا گناہ ہو سکتا ہے۔ یہ بالکل معصوم ہیں اور انہی کی طرح ہم بھی پاکدامن ہیں۔ جو گناہ ہم رات میں کرتے ہیں وہ دن کو معاف ہو جاتے ہیں اور جو قصور ہم سے دن میں ہوتے ہیں وہ رات میں معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ نکلا کہ مخاطب قرآنی کو یہودی اور عیسائی ناقابل التفات سمجھتے تھے اور اپنے تقدس کے مدعی تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ ہم فلاں نبی کی اولاد ہیں۔ تقدس ہمارا نسلی حق ہے۔ ہم پر آتش دوزخ حرام ہے۔ ہمارے رات کے گناہ صبح تک خود بخود پاک ہو جاتے ہیں اور جو گناہ ہم دن میں کرتے ہیں وہ شام کو محو کر دیئے جاتے ہیں۔ ان تمام بیہودہ خیالات کے ازالہ کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۔ یہ لوگ کیوں خود بخود اپنی تعریفیں کرتے اور پاکدامن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خود بخود پاکی کا دعویٰ ایسے معصومیت کا دعویٰ بیہودہ ہے نہ یہ ایک دوسرے کو خود پاکیزہ اور مقدس بنا سکتے ہیں۔ نہ ایک کے کہنے سے دوسرا پاکدامن ہو سکتا ہے

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ بلکہ تزکیہ تو صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو خدا تعالیٰ پاکدامنی اور پرہیزگاری کی توفیق عطا فرمائے وہی پاکدامن ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور بسبب مشیت الٰہی وہ پاکدامن ہو جاتا ہے ورنہ ایک کا دوسرے کو پاکدامن کہنا بے سود ہے۔ پاک وہ ہے جس کو خدا پاک کرے اور پاک کہے۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ قیامت کے دن ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ گناہ کی سزا اور نیکی کی جزا پوری پوری دی جائے گی۔ خود بخود اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کیا حاصل۔ گناہوں کی سزا لازمی ہے۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں کہ ان کو باوجود گناہ کرنے کے جنت میں داخل کر دے اور باوجود

شرک انگیزیوں اور کفر شعاریوں کی رحمت سے سرفراز کردے اور دوسری قوموں کو باوجود اطاعت فرمان پذیری اور خلوص ایمانی کے نجات سے دور رکھے [illegible] ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ ذرا دیکھنے کی بات ہے کہ یہ لوگ کس طرح خدا پر افترا پردازی اور بہتان تراشی کرتے ہیں، اپنے کو اولاد خدا کہتے ہیں، مسیح کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں اور محبانِ خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور باوجود ان افترا بندیوں اپنے مقدس ہونے کے مدعی ہیں۔

وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ان کی یہ افترا پردازی اور دروغ بافی کیا ان کی کھلی ہوئی گناہ گاری کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر گناہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک تو خدا پر اتہام لگائیں، گناہ کریں اور پھر گناہ سے انکار کریں اور تقدس کا دعویٰ کریں۔

مقصودِ بیان اپنے آپ کو خود پاک اور پاک دامن کہنے کی حرمت، دوسرے کو گناہوں سے پاک اور معصوم کہنے اور تزکیہ آمیز القاب سے یاد کرنے کی ضمنی ممانعت، خودستائی کرنی یعنی کمال و صفات پر بغیر ذاتی فضائل کے فخر کرنا یا ایک دوسرے کی غیر واقعی مدح کرنی ناجائز ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ تقدس اور پاک دامنی کی توفیق خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے کسی کو نہ کوئی پاک بنا سکتا ہے نہ کہہ سکتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ مورتی اور شیطانوں کو مانتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۟

اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمانداروں سے زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا۟

انہی پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جس پر اللہ پھٹکار برساتا ہے اس کا کوئی مددگار تم کو نہیں ملے گا

تفسیر کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ جنگ اُحد کے بعد ستر سواروں کو لے کر مکہ گئے تاکہ قریش کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں۔ مکہ پہنچ کر کعب ابوسفیان کے گھر ٹھہرا اور باقی یہودی دیگر کفار قریش کے مکانوں میں فروکش ہوئے۔ قریش نے یہودیوں سے کہا تم بھی اہل کتاب ہو اور محمدؐ کے پاس بھی کتاب ہے۔ ممکن ہے کہ تم ہم سے مکر کر رہے ہو، اس لیے جب تک تم ہمارے دونوں بتوں (جبت اور طاغوت) کو سجدہ نہ کرو اس وقت تک ہم تمہارے ساتھ نہ ہوں گے۔ کعب نے فوراً قریش کے مشورے کی تعمیل کی اور بتوں کو سجدہ کرلیا۔ پھر کہنے لگا اے اہل عرب اے گروہ قریش تم تو اپنا اطمینان کر چکے اب ہم کو تمہاری طرف سے وثوق ہونے کی ضرورت ہے۔ جس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس تمہارے کعبہ سے چمٹ کر رب کعبہ کی قسم کھا کر باہم شریک رہنے اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا معاہدہ کریں۔ قریش نے کعب کے قول کی تعمیل کی۔ اثنائے گفتگو میں کفار قریش نے یہودیوں سے پوچھا کہ حق بجانب کون ہے؟ کیا ہم حق پر ہیں یا مسلمان باطل پر یا مسلمان حق پر ہیں اور ہم غلطی پر۔ یہودی فوراً عداوت سے بول اٹھے مسلمانوں سے تم ہی لوگ اچھے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی [illegible] از اسحاق وغیرہ)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن اہل کتاب کو علم اور شریعت کا کچھ خفیف سا حصہ عطا کیا گیا ہے دیکھئے وہ جبت اور طاغوت نامی بتوں کی تصدیق کرتے ہیں بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور جب ابوسفیان اور دیگر کفار قریش اُن سے کہتے ہیں کہ ہم خانہ کعبہ کے متولی اور خدمت گزار ہیں۔ ہم حاجیوں کو پانی پلاتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم قیدیوں کو رہا کرتے ہیں، اور ہر طرح سے اُن کی امداد کرتے ہیں اور محمدؐ نے اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا۔

رشتہ ناطہ سب کچھ کاٹ دیا۔ حرم الٰہی کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ ایسی حالت میں ہم راہ راست پر ہو سکتے ہیں یا مسلمان؟ ہم حق پر ہو سکتے ہیں یا محمدؐ؟ تو اہل کتاب جواب میں کہتے ہیں کہ راہ راست پر در حقیقت تم ہی ہو۔ مسلمان حق کو چھوڑ کر باطل کا اختیار کرنے والے راہ راست ترک کر کے پگڈنڈیوں پر چلنے والے ہیں (یہودیوں نے قریش سے یہ بات کیوں کہی؟ صرف اس وجہ سے کہ قریش کو اپنا ہم خیال بنا کر مدینے پر چڑھا کر لے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آکر اہل عرب بندرہ ہزار سے زائد مدینہ پر چڑھ آئے۔ حضور والا نے مدینے کے آس پاس خندق کھدوا دی)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ ان ملعون یہودیوں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ خدا نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ان کو آخرت میں نجات اور دنیا میں ترقی و حکومت نہیں ہو سکتی۔ ان کو قریش کی مدد پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ:

وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا۔ جس پر خدا کی پھٹکار ہوتی ہے، جو خدا کی نصرت و رحمت سے دور ہوتا ہے اس کا کوئی حامی نہیں ہو سکتا۔ نہ دنیا میں کوئی طاقت اس کی مددگار ہو سکتی ہے نہ آخرت میں انبیاء اولیاء، اس کی سفارش کر سکتے ہیں۔ دنیا میں ذلت، غلامی، محکومی، اسیری اور آخرت میں عذاب سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔

مقصود بیان اہل حق سے عناد، حسد اور کینہ توزی کی ضمنی مخالفت، یہودیوں کی فتنہ پردازیوں، کینہ توزیوں اور دین اسلام پر بے جا یورش کرنے کی تدبیروں کا بیان۔ منکرین حق اور جنبہ داران باطل کے ناکام اور نامراد رہنے کی مخفی تنبیہ۔ اس بات کی صراحت کہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرنے والے، ازراہ حسد و عناد باطل کی پرورش کرنے والے خدا کی پھٹکار میں مبتلا ہیں۔ دنیا اور دین کی کوئی طاقت ان کی مدد نہیں کر سکتی۔

اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًاۙ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ

کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے (اگر ہو جائے تو) یہ تل برابر بھی لوگوں کو نہیں دیں گے یا اس بات سے جلے مرتے ہیں کہ اللہ

عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ

نے اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت مرحمت فرمائی (تو مرجائیں) ہم نے تو خاندان ابراہیم کو کتاب و علم عطا کیا اور ان کو بڑی

مُّلْكًا عَظِیْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا

بھاری سلطنت دی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے تو اس کتاب کو مان لیا اور کسی نے اس سے رخ پھیر لیا اور دہکتی ہوئی دوزخ (ان کے لیے) کافی ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں کی باطنی شقاوت، فتنہ انگیزی اور خباثت وزنی کا بیان تھا اور چونکہ اس تمام فتنہ انگیزی اور کینہ توزی کا اصل مبدأ ملکی طمع اور عزت کا لالچ تھا، اس لیے اس آیت میں اصلی سبب کا بیان کرنا مقصود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا۔ یہودی چاہتے ہیں کہ ان کی عزت گزشتہ واپس مل جائے، جو حکومت و مملکت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے وہ پھر قبضہ میں آ جائے۔ لیکن یہ محض خیالی پلاؤ ہیں ان کو حکومت و مملکت کا کوئی حصہ نہیں مل سکتا کیوں کہ در حقیقت ان میں نظام ملکی اور درستگی سلطنت کی قابلیت ہی نہیں۔ ان میں بخل و کنجوسی کی صفت بد اس قدر جم گئی ہے کہ اگر ان کو حکومت و سلطنت کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے تو لوگوں کو ذرہ برابر کچھ نہ دیں گے۔ پھر انتظام ملکی کس طرح درست رہ سکتا ہے اور کیوں کر ان کو سلطنت و حکومت کا استحقاق ہو سکتا ہے۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس آیت میں یہودیوں کی اندرونی جلن اور فطری حسد کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی روز افزوں شوکت و ترقی اور حکومت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کا اثر دیکھ کر دیکھ کر وہ لوگ جلے جاتے تھے اور کہتے تھے نبوت و سلطنت تو ہمارا حصہ تھا ہم اسرائیلی ہیں، ہمارے اسلاف میں ہی تمام انبیاء اور سلاطین گزرے

ہیں ۔ یہ اسماعیلی نسب کا انسان کیوں نبی ہوگیا اور اس کو یہ روز افزوں طاقت کیوں حاصل ہوگئی ۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ درحقیقت نبوت اور سلطنت وعزت خدا کا فضل ہے ، خدا جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے سرفراز فرماتا ہے ۔ یہ خواہ مخواہ حسد سے جلے جلتے ہیں لہٰذا خداداد نبوت ونصرت پہ حسد کر سکتے ہیں ۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا آخر ہم نے انہیں کے اسلاف میں سے اولاد اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم کو بھی تو شریعت اور سلطنت وحکومت عطا کی تھی پھر اگر سلسلۂ ابراہیمی میں ہم نے دوسرے خاندان اور اسماعیلی نسل کو نبوت قرآن شوکت اسلامی اور عزت وحکومت عطا کی تو جلنے کی کون سی بات ہے ، مگر حقیقت یہ ہے کہ حسد ان کا فطری مرض اور خواہ مخواہ جلنا ان کا کام ہے ۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ یہ گزشتہ آیت کا تکملہ اور ضمیمہ ہے ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ہم نے نسل ابراہیم یعنی اولادِ اسرائیل کو ظاہر شریعت اور اسرار ورموز شریعت اور حکومت وسلطنت عطا کی تھی ، لیکن اپنی مذہبی کتاب پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور خدا پرست ہوگئے اور کچھ لوگوں نے مخالفت وانکار کیا ۔ غرض یہ کہ جب انھوں نے اپنی مذہبی کتاب پر نکتہ چینی کی اور اس مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تو کس طرح ممکن ہے کہ قرآن کی تکذیب اور مخالفت اور اسلام پر نکتہ چینی نہ کریں ۔

وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ایسے بدبختوں کو جلانے کے لئے جہنم کافی ہے ۔ آیات اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ الخ کا مفصل شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر مفسد اور حاسد یہودیوں نے کچھ بیجا اعتراض کئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنے نفس کو متواضع ظاہر کرتے ہیں حالانکہ آپ کی نو بیبیاں ہیں ۔ یہ تو اچھی خاصی سلطنت ہے ۔ اس اعتراض کا سبب چونکہ محض حسد تھا کیونکہ نو بیبیوں کا بہ اجازت خدا وندی نکاح میں ہونا اوّل تو سلطنت نہیں اور ہو بھی تو سلطنت تواضع کے منافی نہیں ، اس لئے کہ تواضع قلب کی اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے آدمی اپنے کمالات کو ہیچ سمجھے اور حق تعالیٰ کی عظمت کو ملحوظ رکھ کر بڑائی اور تکبر کو پاس نہ آنے دے سو ظاہر ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ دل سے اس نعمت کو خداداد عطیہ سمجھ کر اپنے آپ کو محتاج اور ہیچ سمجھے ہوئے ہے تو اس میں کوئی منافات نہیں ۔

آیاتِ مذکورہ میں حسد کا قبح اور نامعقولیت دو وجہوں میں ظاہر کیا گیا ہے ۔ اوّل یہ کہ اگر حسد اس بات پر ہے کہ سلطنت تم سے لے کر حضور رسول پاک کو ملی تب تو خدا نے تم کو ٹھکانے پر ہی رکھا کہ سلطنت تم کو نہ ملی ورنہ تم کسی کو کوڑی نہ دیتے اور اگر حسد اس پر ہے کہ گو سلطنت تم سے نہیں ملی ، مگر پھر بھی رسول گرامیؐ کو کیوں ملی تو اس کا جواب یہ ہے کہ محمدؐ بھی خاندانِ نبوت اور آلِ ابراہیم میں سے ہیں اور خدا نے نبوت وریاست خاندانِ ابراہیم میں رکھی ہیں ۔ لہٰذا سلطنت نہ اجنبی خاندان کو دی گئی نہ نبوت غیر جگہ اتری ۔

مقصودِ بیان خداتعالیٰ سلطنت وحکومت اُسی کو عطا کرتا ہے جس میں انتظامی قابلیت ہوتی ہے ۔ بخیل اور کنجوس کو سلطنت نہیں مل سکتی ۔ یہودی فطرتاً بخیل اور حاسد ہیں مسلمانوں کی شوکت ، ترقی اور حکومت ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی ۔ بخل اور حسد الہامی تعلیم کے منافی ہے ۔ کثرتِ نکاح اور سلطنت وحکومت تواضع کے خلاف نہیں ۔ تواضع اور فروتنی حکومت کے ساتھ ساتھ بھی ہوسکتی ہے ۔ ضمنی طور پر بخل وحسد اور رسولؐ کی ذات گرامی پر نکتہ چینی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے ۔ وغیرہ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ
جن لوگوں نے ہمارے احکام کو نہ مانا عنقریب ہم اُن کو دوزخ میں ڈالیں گے اور جب ان کی کھالیں جل بھن جائیں گی تو اُن کی بجائے
جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہم دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں بلاشبہ اللہ زبردست اور باحکمت ہے اور جو لوگ ایمان لائے

الربع

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اور انھوں نے اچھے کام کئے اُن کو عنقریب ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

رہیں گے وہاں ان کے لئے پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو وسیع سائے میں داخل کریں گے

تفسیر اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۔ پہلی آیت میں اہلِ کتاب کی بدکاریاں اور جعل سازیاں بیان کی گئی تھیں۔ اس آیت میں تمام کفار کے لئے عمومی طور پر عذاب کا حکم صادر کیا گیا خواہ وہ کافر یہودی ہوں یا عیسائی یا پارسی یا ہندو بہرحال ہر منکرِ حق کے لئے وعید شدید ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں ہم سب کو جہنم کی آگ میں جلائیں گے۔ صرف کچھ دنوں کی مہلت ہے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ایک مرتبہ جہنم کی آگ میں داخل ہو کر جل بھن کر مر جائیں گے اور پھر ہمیشہ کے لئے نجات پا جائیں گے۔

کیوں کہ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا یہ تکلیف منقطع نہ ہوگی ہمیشہ آگ میں جلیں گے جس طرح دنیا میں آتشِ حسد و عناد میں یہ نیرنگیاں اختیار کرتے تھے، اسی طرح آخرت میں ان پر ہمیشہ ہمیشہ نئے نئے رنگ کا عذاب ہوتا رہے گا۔ جب آگ سے اُن کی ایک جلد جل جائے گی تو دوسری جلد جلنے کے لئے اور پیدا ہو جائے گی تاکہ ان کمبختوں کو پورا پورا عذاب چکھنا پڑے اور اس قول کو کوئی ناممکن خیال نہ کرے اور نہ حیاتِ اُخروی کو کوئی فانی سمجھے۔ خدا کے قبضۂ اختیار میں سب کچھ ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہر غالب اور زبردست ہے اُس کے قبضے سے کوئی چیز خارج نہیں اور پھر حکیم بھی ہے۔ کافروں کو عذاب دینے اور اُن کی زندگی کو عذاب میں ہمیشہ قائم رکھنے کی اُس کو سب تدابیر معلوم ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ قرآن مجید کی نیرنگیِ بیان اور اسلوبِ ادا کا یہ دستور ہے کہ عذاب کے مقابلے میں ثواب۔ اور کافروں کی سزا کے مقابلے میں مومنوں کی جزا کا اظہار کیا جاتا ہے تاکہ نافرمانوں کو عذاب کا خوف اور وعید پیدا ہو اور سزا سے ڈر کر اطاعت شعاری اور فرماں پذیری کے ثواب کا شوق دامن گیر ہو۔ گزشتہ آیت میں کفار کے عذاب کا اظہار کیا گیا تھا اور کفر و نافرمانی کی سزا سے ڈرایا گیا تھا۔ اس آیت میں مومنوں کی نیکوکاریوں اور اطاعت شعاریوں کا ثواب بیان کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو خدا اور رسول اور قرآن وغیرہ کی تصدیق کر کے نیک اعمال کرتے ہیں۔ اس کو اس کے ثواب میں قسم قسم کی جنتیں ملیں گی اور یہ ثواب فانی بھی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جنت میں ہر قسم کی سرسبزی اور شادابی ہوگی۔ نہریں درختوں کے نیچے بہتی ہوں گی اور:۔

لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔ اس کے لئے عالمِ قدس کی پاک حوریں بھی ہوں گی جو ہر قسم کی جسمانی کثافت اور مادی آلائش سے پاک ہوں گی۔

وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ ان کو سایۂ دراز میں داخل کرے گا یعنی اپنی مہربانی اور عنایت عطا فرمائے گا۔ جس کو کبھی فنا نہیں۔ مشاہدۂ صفاتِ ازلیت اور دیدارِ جلالِ ذات میسر ہوگا۔ ابدی کفایت اور سرمدی رعایت نصیب ہوگی۔ ربیع بن انس سے مروی ہے کہ ظلِ ظلیل سے مراد وہ سایہ ہے جس میں نہ گرمی ہوگی نہ سردی نہ دُکھ نہ تکلیف۔

مقصودِ بیان ترغیب و ترہیب، انذار و تبشیر، خدا تعالیٰ کے قادرِ مطلق اور حکیمِ کامل ہونے کی صراحت۔ اس بات کی وضاحت کہ اہلِ جنت کو تمام نعمتیں میسر ہوں گی اور سب سے بڑھ کر رحمتِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔ جنت کی حوریں تمام مادی کثافتوں اور جسمانی آلائشوں سے پاک ہیں۔ عذاب و ثواب سرمدی امور لازوال ہے۔ مومن جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور کافر دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ وغیرہ

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کو دے دیا کرو اور جب تم لوگوں کا باہمی فیصلہ کرو

أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا

تو انصاف سے کرو اور تم کو بڑی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے بلاشبہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول میں دو روایات ہیں مگر بالاتفاق یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جو دورِ جاہلیت میں کعبہ کے کلید بردار اور مجاور تھے۔ بحالتِ اسلام میں بھی انہیں کے پاس کعبہ کی کنجی رہی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے بھائی شیبہ کو ملی۔

پہلی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ابتداء سے خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ کے پاس تھی۔ جب حضور والا نے مکہ فتح کیا تو ان سے کنجی طلب کی۔ عثمان نے فوراً لاکر حاضر کر دی۔ حضورِ اقدس عثمان کے ہاتھ سے کنجی اٹھانے نہ پائے تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تو میرے سپرد رہی ہے۔ کعبہ کی کلید برداری بھی مجھے تفویض کر دیجئے۔ یہ سن کر عثمان نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضور نے فرمایا عثمان کنجی لاؤ۔ جب حکم عثمان نے پھر کنجی دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پھر وہی پہلے والے الفاظ ادا کئے تو عثمان نے پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ بالآخر حضورِ گرامی نے فرمایا عثمان اگر تو خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے کنجی مجھے دے دے۔ عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ کنجی تو حاضر ہے، لیکن امانت سمجھ کر میرے ہی حوالے کیجئے۔ حضور والا نے کنجی لے کر قفل کھولا۔ کعبے کے اندر تشریف لے گئے اور وہیں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حضور والا نے ضروریاتِ عبادت وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر تشریف لاکر عثمان کو کنجی دے دی۔

دوسری روایت ابن اسحاق کی اس طرح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان بن طلحہ کا ہاتھ مروڑ کر کنجی زبردستی لے لی تھی اور کنجی لے کر مسجد میں چلے گئے۔ جب رسول پاک مسجد میں تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے علاوہ خانہ کعبہ کی دربانی بھی ہمارے سپرد کر دیجئے، لیکن حضور والا نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟ حسب الطلب عثمان حاضر ہوئے اور حضورِ اقدس نے کنجی ان کے سپرد کر دی۔

بہرحال بالاتفاق مفسرین شانِ نزول اگرچہ خاص ہے، لیکن آیت کا حکم عام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: - إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ جن کی امانت ہو ان کو ادا کرو، کسی قسم کی خیانت نہ کرو یعنی تم پر جس کسی کا جو حق لازم ہو اس کو خوشی خاطر بغیر چون و چرا کے ادا کیا کرو۔ خواہ حقوق الٰہی ہوں یا حقوقِ انبیاء و علماء یا حقوقِ والدین و اقرباء یا حقوقِ زوجین و اولاد یا حقوقِ ہمسائیگان یا حقوقِ اہلِ محلہ و اہلِ شہر و اہلِ وطن و برادرانِ مذہب یا خود اپنے نفس کے ہی حقوق ہوں۔ بہرصورت کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ ہر ایک کا حق ادا کرنے میں انصاف سے کام لو خیانت نہ کرو۔

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ۔ اس جملہ کا ربط پہلی آیت سے ہے، لیکن پہلی آیت میں عمومی حکم ہے اور اس میں بقول محمد بن کعب و زید بن اسلم و شہر بن حوشب صرف طبقۂ حکام کو خطاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کے باہمی فیصلے عدل اور انصاف کے ساتھ کیا کرو۔ کسی دباؤ یا لالچ یا شناسائی یا عزیز داری یا سفارش کے اثر سے کسی کی جنبہ داری نہ کیا کرو۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے موافق احکام جاری کرو۔

إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ خدا تعالیٰ تم کو یہ بہترین نصیحت فرماتا ہے کہ خالق و مخلوق کے حقوق واجبہ ادا کرو اور دنیا میں عدل و انصاف سے کام لو اور یاد رکھو صرف ظاہری عدل و انصاف کافی نہیں حقیقی عدالت کی ضرورت ہے، جو ہر قول و فعل میں تمہارے واسطے لازم ہے کیونکہ:۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ خدا تعالیٰ تمہارے ہر قول و فعل سے واقف ہے۔ اس سے کوئی حرکت اور کوئی سکون مخفی نہیں۔

مقصودِ بیان: - اس آیت میں نہایت بلاغت آمیز عبارت میں مذکورہ ذیل امور کی ضمنی تعلیم دی گئی ہے توحید، عبادت شکرگزاری، امر بالمعروف

نہی عن المنکر، اجتناب از ممنوعات، امانت الٰہی کی ادائیگی، پورا تولنا، راز کو افشا نہ کرنا، کسی مانگی ہوئی چیز کو حسبِ وعدہ واپس دے دینا، امانت کو بوقت مطالبہ ادا کر دینا، بیوی کو میاں کے مال اور آبرو کی حفاظت کرنی، حکام اور ذی اختیار لوگوں کا اپنے ماتحتوں کے ساتھ خوش خلقی اور نرمی سے پیش آنا، علماء کو مسائلِ دین میں کمی بیشی نہ کرنی، اور بیجا تعصب سے باز رہنا، صاحبِ خانہ کو بیوی بچوں کے حقوق برابر ادا کرنا ان کی تعلیم و تربیت کی کوشش کرنی، اپنے نفس کو تکلیفاتِ سخت میں مبتلا نہ کرنا، بن باسی اور رہبانیت سے ممانعت، فسق و فجور مطلق العنانی شہوت رانی غضب پرستی اور دیگر حرکاتِ قبیحہ سے اجتناب، بقدرِ ضرورت آرام و آسائش کا حکم، مال و متاع، لباس و خوراک، سواری اور زینت سے دائرۂ شریعت کے اندر رہ کر استفادہ وغیرہ۔ آیت بالا ہم کو بہ زور حکم دیتی ہے کہ کسی دباؤ اور طمع یا دوستی و عزیز داری یا سفارش سے متاثر ہو کر فریقین معاملہ میں سے کسی بیجا طرفداری نہ کریں۔ ایک فریق کی عزت اور دوسرے فریق کی ذلت اپنے کسی قول فعل یا حرکت و سکون سے نہ کریں۔ سماعت مقدمہ کے دوران میں دونوں فریقوں کی طرف توجہ برابر رکھیں۔ رشوت لے کر کسی کی حق تلفی نہ کریں۔ غرض کہ یہ آیات تمام ضروریاتِ دین اور اصلاحاتِ دنیا کی حامل ہیں سمجھنے کے لیے روشن دماغ کی اور عمل کرنے کے لیے مؤمن دل کی ضرورت ہے۔ تاریک دماغ اور کافر دل کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور تم میں جو صاحبانِ حکومت ہوں ان کا حکم مانو پھر

تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم کو اللہ اور روزِ قیامت کا یقین ہو۔

الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ۧ

یہی بہتر ہے اور اسی کا انجام اچھا ہے

تفسیر ابن جریر نے بسند حضرت سدی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضور اقدسؐ نے فوج کا ایک دستہ بقیادت حضرت خالد بن ولید جہاد پر روانہ کیا۔ فوج میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے، جب یہ لوگ منزلِ مقصود کے قریب پہنچے تو آخری رات میں ایک پڑاؤ پر فروکش ہو گئے اور خیال کیا کہ علی الصباح کفار کی بستی پر حملہ کر دیں گے۔ کسی جاسوس نے کفار سے بھی جا کر یہ اطلاع کر دی۔ وہ لوگ صبح ہونے سے قبل ہی بھاگ گئے اور تمام بستی ویران کر گئے صرف ایک شخص وہاں باقی رہ گیا۔ اول اس نے تمام سفر والوں کا سامان اور اسباب جلوا دیا پھر رات کو ہی مسلمانوں کی فوج میں آکر حضرت عمار بن یاسر سے ملا اور کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد عرض کیا ابو الیقظان میری قوم کو جب تمہاری آمد کی خبر معلوم ہوئی تو سب لوگ بھاگ گئے صرف میں باقی رہ گیا اور اس وقت حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اگر میرا یہ ایمان کل کو میرے لئے سود مند ہو سکتا ہو تو مجھے اطمینان دلا دیجئے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھاگ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا ہاں تمہارا ایمان تمہارے لئے مفید ہوگا تم اطمینان رکھو۔ بالآخر جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے سپہ سالار نے کافروں کی بستی پر یورش کی، لیکن وہاں سوا اسی ایک مرد مسلمان کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے اسی کو گرفتار کر لیا۔ حضرت عمار کو جب یہ خبر پہنچی تو خالدؓ کے پاس جا کر کہنے لگے اس شخص کو چھوڑ دو یہ مسلمان ہو گیا ہے اور میری امان میں ہے۔ خالد بولے تم امان دینے والے کون ہو! میں سپہ سالار ہوں۔ الغرض آپس میں کچھ جھگڑا ہوا اور فریقین پھر خود رسول پاکؐ کی خدمت میں پہنچا۔ حضور والاؐ نے عمار کی امان دہی کا حکم برقرار رکھا اور فرمایا پھر کبھی کسی امیر کے خلاف امان نہ دینا۔ حضور والاؐ کے سامنے بھی خالد اور عمار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ خالدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ حضورؐ اس کمینے غلام کو اجازت دیتے ہیں کہ مجھے گالیاں دیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا خالد عمار کو برا نہ کہو، جو عمار کی برائی کرتا ہے خدا اس کی برائی کرتا ہے جو عمار سے بغض رکھتا ہے خدا اس سے بغض رکھتا ہے، جو عمار پر لعنت کرتا ہے

خدا اُس پر لعنت کرتا ہے۔ عمار وہاں سے غصہ ہو کر منہ کر چلے گئے۔ خالد اُن کے پیچھے پیچھے گئے اور بہت عذر معذرت کر کے اُن کو رضا مند کر لیا۔ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بھی بروایت سدی یہی شانِ نزول بیان کیا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :- یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ۔ مسلمانو! خدا کے احکام کی اطاعت کرو، جو چیز قرآن میں حلال ہے اُس کو حلال سمجھو اور جو چیز حرام ہے اُس کو حرام سمجھو۔ یعنی قرآن کو دستور العمل بنالو (لیکن چونکہ قرآن میں تمام اشیاء کا تفصیلی ذکر نہیں ہے صرف اصول و قواعد ہیں اس میں بے تعداد اور لامحدود عجائبات ہیں اور ہر شخص بقدر فہم و استعداد ان عجائب سے فائدہ اندوز ہوتا ہے اور نبیؐ کی حیات پاک قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے نیز قرآن رسول پاکؐ کے ذریعہ سے ہی بندوں تک پہنچایا گیا۔ قرآن کا جو مطلب حضور والاؐ سمجھ سکتے تھے وہ کوئی انسان نہیں سمجھ سکتا تھا) اس لئے وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ رسول اللہؐ کے احکام کی بھی تعمیل کرو۔ جن چیزوں کو رسول پاکؐ نے حرام کر دیا ہے اُن کو حرام جانو اور جن کو حلال کر دیا ہے اُن کو حلال سمجھو۔ ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہا کی روایت میں وارد ہے رسول پاکؐ نے فرمایا بعض پیٹ بھرے پلنگ پر لیٹ کر کہنے لگیں گے کہ ہم کو قرآن کافی ہے جو اس میں حلال ہے وہی حلال ہے اور جو حرام ہے وہی حرام ہے۔ حالانکہ رسول اللہؐ نے بھی اللہ کی طرح بہت سی چیزیں حرام بیان کی ہیں، لیکن چونکہ دنیا میں تمام پیدا ہونے والے جھگڑوں کی تفصیل اور عالم کے کل واقعات کا اظہار اور ہر ہر چیز کا فیصلہ نہ تو قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے نہ حدیث میں امور غیر متناہی کی تشریح ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اصول و قواعد مفصل و مکمل طور پر بیان کر دئیے ہیں، اس لئے فرمایا وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ یعنی تم میں سے جو صاحبان امر ہوں اُن کی بھی اطاعت کرو، اُن کے فیصلوں کی تعمیل کرو سرکشی اور بغاوت نہ کرو۔

اُولِی الْاَمْرِ سے کیا مراد ہے؟ اس میں ائمہ و صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ جابر بن عبداللہ، حسن بصری، عطاء، ابو العالیہ، مجاہد، ابن عباس، امام احمد، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ضحاک وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد علماء مفتی شریعت اور مجتہد فقہ ہیں۔ دیگر محققین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مسلمان حکام اور سلاطین ہیں جو شریعت اسلامیہ کے مطابق احکام کے فیصلے کرتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر خود بھی عمل پیرا ہیں اور دوسروں کو بھی عامل بناتے ہیں۔ امر معروف کا حکم اور امر ممنوع کی ممانعت کرتے ہیں۔ بہرحال حکام و قاضی مراد ہوں یا مفتی و مجتہد حاصل مطلب یہ ہے کہ وہ صاحبانِ امر جو خود بھی عادل ہوں اور شریعت کے موافق حکم دیں تو ان کے احکام کی تعمیل لازم ہے۔ جو احکام قرآن و حدیث میں بصراحت مذکور ہیں وہ تو مذکور ہی ہیں اور جو احکام صراحت کے ساتھ مذکور نہیں اُن میں علماء راسخین اور عادل سلاطین کے قیاسی فیصلے اور فتوے ماننا لازم ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی (متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے مروی ہے حضور پاکؐ نے ارشاد فرمایا اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو سردار بنا دیا جائے جس کا سر خشک سیاہ انگور کی طرح ہو، مگر تم اس کے قول کو سنو اور اُس کے حکم کو مانو۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ اب اگر اسلام کے اصول و فروع میں باہم مسلمانوں میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور سنتِ رسول اللہ کو تلاش کرنا چاہیئے۔ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہؐ جس کے صحیح ہونے کا حکم دیں وہ راہ راست ہے اور باقی غلط۔ اس آیت نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو کسی فیصلہ یا فتوے کی صحت و غلطی کے جانچنے کا معیار قرار دیا اور قول بالرای سے منع فرما دیا، اسی لئے آگے ارشاد ہوتا ہے :- اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی امور نزاعیہ میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا ایمان باللہ اور تصدیق قیامت کی علامت ہے۔ جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُس پر لازم ہے کہ اگر باہم کسی مسئلے میں اختلاف ہو اور صحیح فیصلہ معلوم ہو سکے تو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر جانچ لے۔ خواہ مخواہ بغیر کسی ماخذ کے خود بخود مسائل میں تراش خراش نہ کرے۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا یہ گزشتہ کلام کی علت ہے یعنی اختلافی مسائل میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا اور اُن کے فیصلوں کو راستی اور غلطی کا معیار قرار دینا خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے اور تنازع کرنے سے بہتر ہے اور مآلِ کار کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔

مقصودِ بیان :- کتاب الٰہی تمام دنیا کے اصول و فروع کا ناطق فیصلہ ہے۔ رسول اللہؐ کا فعل قول بلکہ کل حیاتِ طیبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔

صرف قرآن پر ایمان لانا اور رسول اللہ کی احادیث کا انکار کر دینا ایمان کے لئے کافی نہیں۔ مسلمان عادل حکام کی امر معروف میں اطاعت واجب ہے اور ان کی عدم اطاعت سے سزا کا موجب کفر ہے۔ آیت میں بصراحت اختلافی مسائل اور نزاعی امور میں بلا ثبوت قیاسی تلاش خواہش اور دماغی اختراعات کی قطعاً ممانعت کی گئی ہے۔ ایسے وقت قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور بقیہ اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے مسائل کا استنباط لازم۔ آیت مذکورہ ہم کو نہایت بلاغت کے ساتھ اخوت ملی کی تعلیم دے رہی ہے اور رفع نزاع بین المسلمین کی بہترین تدبیر بتا رہی ہے اور یہ بھی ظاہر کر رہی ہے کہ شیرازۂ ملت کو پراگندگی سے بچانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔

لفظ اَطِیعُوا کو مکرر لانے سے یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ صلعم کے قول اور فعل کی اطاعت بہت ضروری ہے۔ پھر اس کی بھی صراحت ہے کہ مسلمان حکام کی اطاعت ضروری ہے۔ غیر مسلم حاکم کی اطاعت لازم نہیں۔ درحقیقت بقول شیخ ابو سعید خراز آیت ہم کو حکم دے رہی ہے کہ حبیب الٰہی کی دلالت و رہبری ظاہر کو شریعت رسول اللہ صلعم کا پابند بنائیں اور تمام امت کی خیر خواہی کریں۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اختلافات اور نفسانی خطرات کو کتاب اللہ پر پیش کرنا چاہیئے اگر صحیح فیصلہ معلوم ہو جائے تو فبہا ورنہ سلف صالحین صحابہ تابعین کما قال اور مشائخ و علماء کے عمل میں دیکھنا چاہیئے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اس کلام پر بھی یقین رکھتے ہیں جو تم پہ نازل ہوا اور اس کلام کو بھی مانتے ہیں جو تم

قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ

سے پہلے نازل کیا گیا　حالانکہ یہ شیطان کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں　باوجودیکہ ان کو حکم دیدیا گیا ہے کہ اس کا کہنا نہ مانیں

وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

شیطان چاہتا ہے کہ ان کو راہ سے بہکا کر دور لے جائے　اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف

إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ

آؤ جو خدا نے نازل فرمایا ہے اور رسول کے پاس آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ منافق تمہارے پاس آنے سے رُکتے ہیں

صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

ہیں　اُس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ان کی حرکات کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ پڑے گی　اور پھر خدا کی

ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ

قسمیں کھاتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے　کہ ہماری غرض صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کی تھی　ان لوگوں

الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي

کے دلوں کی باتیں اللہ خوب جانتا ہے　تم ان کی طرف توجہ نہ کرو اور ان کو نصیحت کرو اور ان سے ایسی بلیغ بات کہو

أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

جو اُن کے دلوں میں اثر کرے۔ ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کا کہا مانا جاوے۔

تفسیر

ان آیات کے شانِ نزول میں تین روایات ہیں۔ پہلی روایت معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ ایک یہودی اور منافق کا آپس میں کچھ جھگڑا ہوا۔ منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس چلو وہ زبردست عالم ہے ہم دونوں میں فیصلہ کر دے گا۔ یہودی بولا نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو۔ بالآخر دونوں رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے کیفیت واقعہ سُن کر یہودی کو ڈگری دے دی، مگر منافق اس فیصلے پر راضی نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آگئے۔ یہودی نے حضرت عمرؓ سے حضورِ والاؐ کے فیصلے کی حالت بیان کر دی۔ فاروقِ اعظمؓ نے منافق سے دریافت کیا کہ کیا واقعی یہی بات ہوئی جو یہودی کہہ رہا ہے؟ منافق نے اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً تلوار سے منافق کو قتل کر دیا۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

دوسری روایت طبرانی نے بسندِ صحیح نقل کی ہے کہ ابو برزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہودیوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ چند مسلمانوں نے بھی بعض معاملات میں فیصلہ کرانے کے لئے اُس کے پاس رجوع کیا تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

تیسری روایت ابن عباسؓ نے بیان کی ہے کہ جلاس بن صامت اور معتب بن قشیر اور رافع بن زید مدعیِ اسلام تھے اور ان کی قوم میں کچھ آدمی پکے مسلمان بھی تھے۔ ایک جھگڑے میں ان مسلمانوں نے ہر سہ اشخاص مذکور کو مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لئے چلیں، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ شانِ نزول کچھ بھی ہو۔ بہرحال آیت کا حکم عام ہے۔ ہر وہ شخص جو کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ سے انحراف کر کے کسی باطل کی طرف رجوع کرتا ہو اُس کی مذمت کا اس آیت میں بیان ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مدینے میں کچھ اہلِ کتاب اور کچھ آدمی قبیلۂ انصار کے ایسے بھی تھے جو بظاہر مدعیِ اسلام تھے، لیکن جب کوئی معاملہ آپڑتا اور کوئی جھگڑا قضیہ پیدا ہو جاتا تو کعب بن اشرف ایسے رشوت خوار یہودیوں کی طرف فیصلہ کرانے کے لئے رجوع کرتے اور اُن کو اپنا پنچ بناتے تھے اور اپنی خباثتِ اندرونی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کرتے تھے اور اگر کوئی سخت اہل مصیبت آپڑتی تھی تو اپنے مطلب کے لئے رسولِ پاکؐ کی خدمت میں دوڑ کر حاضر ہوتے اور گزشتہ غیر حاضری کے عذر کرتے اور قسم کھا کر کہتے کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہم وہاں فیصلہ کرانے گئے تھے ورنہ اور کوئی بات نہ تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہے:- أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کمالِ ایمان کے مدعی ہونے کے ساتھ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان قرآن پر بھی ہے اور تمام گزشتہ کتابوں پر بھی، لیکن جب کوئی جھگڑا قضیہ ہو جاتا ہے تو يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ سرکش شیطانوں کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے جانا چاہتے ہیں (ابن کثیر کے نزدیک طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ ایسے طغیان شعار شیطانوں کا کہنا نہ مانیں اور اُن سے دوستی بھی نہ کریں۔ درحقیقت وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا شیطان چاہتا ہے کہ اُن کو گمراہ کر کے راہِ حق سے بالکل دُور ہٹا دے کہ پھر یہ حقانیت کی طرف کبھی کسی حالت میں رجوع نہ کر سکیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ۔ ان کمبختوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی اُن سے کہتا ہے کہ حکم قرآنی فیصلے کی طرف رجوع کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضورؐ کے فیصلے کے خواستگار ہو تو رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ایسے منافق دو رُخے آپ سے مُنہ موڑ کر دوسروں کی طرف فیصلہ کرانے کے لئے جاتے ہیں۔

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ لیکن اُن کی حالت اس وقت کیسی ہوتی ہے کہ جب ان پر کوئی کڑی مصیبت انہیں کی بداعمالیوں کی وجہ سے آپڑتی ہے اور کوئی رہائی کی صورت نظر نہیں آتی تو مجبور ہو کر اس کے بعد ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا

اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ۝ آپ کے پاس آکر خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہاں جانے سے ہماری مراد صرف بھلائی اور ملاپ تھا ورنہ ہم وہاں نہ جاتے۔
بعض مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منافقوں کی عجیب کیفیت ہے، جب سچا حکم لینے کے لئے آپ کے پاس اُن کو بلایا جاتا ہے تو منہ موڑ کر دوسروں کی طرف چلے جاتے ہیں، لیکن جب اُن کی بداعمالی کی وجہ سے اُن پر سخت مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس منافق کو قتل کر ڈالتے ہیں تو اب مقتول کے وارث بن کر اس کے خون کا دعویٰ کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارے عزیز مقتول نے تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے میں بھی یہی سوچا تھا کہ فریقین معاملہ میں موافقت اور صلح ہو جائے اس کے علاوہ اس کی اور کوئی غرض نہ تھی۔ خداتعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں کے قلبی نفاق اور دروغ بافی کو خدا جانتا ہے۔ یہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں، لیکن آپ کو ان کی سخت گرفت نہ کرنی چاہیئے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بلکہ ان سے درگزر کیجئے اور چشم پوشی سے کام لیجئے وَعِظْهُمْ اور خدا کے خوف سے ان کو ڈرایئے، لیکن یہ نصیحت وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ۝ ایسے بلیغانہ انداز میں ہو کہ اس کی تاثیر سے وہ خود بخود کفر سے باز آجائیں اور نفاق چھوڑ کر خالص مؤمن بن جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں سے چشم پوشی کی اور ایسے رسولانہ اور حکیمانہ انداز بیان میں نصیحت کی کہ بہت سے منافق خود نفاق کو چھوڑ کر پکے خالص مسلمان ہو گئے۔
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ یہ اس شبہ کا ازالہ ہے جو گزشتہ آیت سے پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نصیحت حکیمانہ انداز میں ہو یا اور کسی طرح بہرحال خود مؤثر نہیں بلکہ تاثیر پیدا کرنے والا اور باطل سے نکال کر دلوں کو حق کی طرف مائل کرنے والا خداتعالیٰ ہے۔ خدا نے ہر رسول کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہے، لیکن فرماں پذیر بنانا رسول کا کام نہیں ہے۔ فرماں پذیری اور قبول اطاعت منجانب اللہ ہے، بغیر اذن الٰہی کے کسی رسول کی فرماں پذیری اور اطاعت نہیں ہو سکتی۔

مقصودِ بیان منافقوں کی نفاق انگیزی اور دروغ بافی کا بیان، مصلحت آمیز نفاق و کفر اختیار کرنے کی ضمنی ممانعت، خداتعالیٰ کے عالم القلوب ہونے کی صراحت، چشم پوشی کرنے اور حکیمانہ انداز میں نصیحت کرنے کا حکم، اس امر کی وضاحت کہ نصیحت کی بحکم الٰہی تاثیر ہوتی ہے۔ خدا جس کو نصیحت کرنا چاہتا ہے اس کے دل پر نصیحت کارگر ہوتی ہے۔ اس آیت سے ضمنی طور پر اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ رسول کا کام صرف تبلیغ احکام ہے۔ مؤمن بنانے کا رسول ذمہ دار نہیں اور نہ یہ رسول کا کام ہے۔ آیت میں یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اور فرمان رسول اللہ کے خلاف کوئی فیصلہ مسلمان کے لئے جائز العمل نہیں اور نہ کسی مسلمان کو قرآن و حدیث کے فیصلے کے بعد کسی شخص سے فیصلے کا خواستگار بننا چاہیئے۔ خصوصاً اُن لوگوں کو تو پنچ بنانا جائز ہی نہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف فیصلے کرتے ہوں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

اور اگر بیہودہ حرکات کرنے کے بعد وہ تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کے لئے

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

استغفار کرتے تو اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے

تفسیر یہ آیت سابق آیت سے مربوط ہے۔ پہلی آیت میں منافقوں کی کور باطنی اور کج منشی کا بیان تھا اور ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ دو غلے لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ اگر ایمان و اسلام کی ان کو دعوت دی جاتی ہے تو وہ باوجود دعوئ ایمان کے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔
اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بجائے حق سے انحراف کرنے کے اور جھوٹی معذرت کرنے کے اگر یہ لوگ آپ کی خدمت میں بخلوصِ قلب توبہ کر کے حاضر ہوتے اور خداتعالیٰ سے اپنی بداعمالیوں اور ناحق کوششوں کی معافی مانگتے اور خدا کے مقدس کا رسول بھی اُن کے لئے درخواستِ مغفرت کرتا تو

اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ۝ آپ کے پاس آکر خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہاں جانے سے ہماری مراد صرف بھلائی اور ملاپ تھا ورنہ ہم وہاں نہ جاتے۔ بعض مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ منافقوں کی عجیب کیفیت ہے، جب سچا حکم لینے کے لئے آپ کے پاس ان کو بلایا جاتا ہے تو منہ موڑ کر دوسروں کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن جب اُن کی بد اعمالی کی وجہ سے اُن پر سخت مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس منافق کو قتل کر ڈالتے ہیں تو اب مقتول کے وارث بن کر اس کے خون کا دعویٰ کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہمارے عزیز مقتول نے تو عمر رضی کے پاس جانے میں بھی یہی سوچا تھا کہ فریقین معاملہ میں موافقت اور صلح ہو جائے اس کے علاوہ اس کی اور کوئی غرض نہ تھی۔ خدا تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں کے قلبی نفاق اور دروغ بافی کو خدا جانتا ہے۔ یہ جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں، لیکن آپ کو ان کی سخت گرفت نہ کرنی چاہیئے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ بلکہ ان سے درگزر کیجئے اور چشم پوشی سے کام لیجئے وَعِظْهُمْ اور خدا کے خوف سے ان کو ڈرایئے، لیکن یہ نصیحت وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ ایسے بلیغانہ انداز میں ہو کہ اُس کی تاثیر سے یہ خود بخود کفر سے باز آجائیں اور نفاق چھوڑ کر خالص مؤمن بن جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں سے چشم پوشی کی اور ایسے رسولانہ اور حکیمانہ انداز بیان میں نصیحت کی کہ بہت سے منافق خود نفاق کو چھوڑ کر پکے خالص مسلمان ہو گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یہ اُس شبہ کا ازالہ ہے جو گزشتہ آیت سے پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نصیحت حکیمانہ انداز میں ہو یا اور کسی طرح بہرحال خود مؤثر نہیں بلکہ تاثیر پیدا کرنے والا اور باطل سے نکال کر دلوں کو حق کی طرف مائل کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ خدا نے ہر رسول کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہے لیکن فرماں پذیر بنانا رسول کا کام نہیں ہے۔ فرماں پذیری اور قبول اطاعت منجانب اللہ ہے بغیر اذن الٰہی کے کسی رسول کی فرماں پذیری اور اطاعت نہیں ہو سکتی۔

مقصودِ بیان منافقوں کی نفاق انگیزی اور دروغ بافی کا بیان، مصلحت آمیز نفاق و کفر اختیار کرنے کی ضمنی ممانعت، خدا تعالیٰ کے عالم القلوب ہونے کی صراحت، چشم پوشی کرنے اور حکیمانہ انداز میں نصیحت کرنے کا حکم، اس امر کی وضاحت کہ ہر نصیحت کی بحکم الٰہی تاثیر ہوتی ہے۔ خدا جس کو نصیحت کرنا چاہتا ہے اُس کے دل پر نصیحت کارگر ہوتی ہے۔ اس آیت سے ضمنی طور پر اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ رسول کا کام صرف تبلیغ احکام ہے۔ مؤمن بنانے کا رسول ذمہ دار نہیں اور نہ یہ رسول کا کام ہے۔ آیت میں یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اور فرمان رسول اللہ کے خلاف کوئی فیصلہ مسلمان کے لئے جائز العمل نہیں اور نہ کسی مسلمان کو قرآن و حدیث کے فیصلے کے بعد کسی شخص سے فیصلے کا خواستگار بننا چاہیئے۔ خصوصاً اُن لوگوں کو تو پنچ بنانا جائز ہی نہیں جو کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ص کے خلاف فیصلے کرتے ہوں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

اور اگر بیجا حرکات کرنے کے بعد وہ تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کے لئے

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

استغفار کرتے تو اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے

تفسیر یہ آیت سابق آیت سے مربوط ہے۔ پہلی آیت میں منافقوں کی کور باطنی اور کج منشی کا بیان تھا اور ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ روسیاہ لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ اگر ایمان و اسلام کی ان کو دعوت دی جاتی ہے تو وہ باوجود دعویٰ ایمان کے اُس کی پرواہ نہیں کرتے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بجائے حق سے انحراف کرنے کے اور جھوٹی معذرت کرنے کے اگر یہ لوگ آپ کی خدمت میں بخلوص قلب توبہ کر کے حاضر ہوتے اور خدا تعالیٰ سے اپنی بداعمالیوں اور ناحق کوشیوں کی معافی مانگتے اور خدا کے مقدس کا رسول بھی اُن کے لئے درخواستِ مغفرت کرتا تو

خود خدا تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرماتا اور اُن پر بہت زیادہ مہربانی کرتا۔

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندہ کے درمیان نزولِ رحمتِ الٰہی کا وسیلہ ہیں۔ رسول اللہ کا دعاءِ مغفرت کرنا باعث رحمت ہے۔ آیت ضمنی طور پر اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر گناہگار بندہ کسی نیک صالح شخص سے دعا کرائے تو قابلِ قبولیت ہوتی ہے۔ وغیرہ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ

تمہارے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ اپنے اندرونی جھگڑوں میں تم کو جج نہ بنائیں گے بشرطیکہ تمہارے فیصلہ سے اپنے

أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ

دلوں میں کبیدگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کو بسروچشم قبول کریں اور اگر ہم ان کو حکم دیدیتے کہ خود

اقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ

اپنے آپ کو ہلاک کرڈالو یا اپنی بستیاں چھوڑکر نکل جاؤ تو اس حکم کی تعمیل سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے اور لوگ بھی نہ کرتے لیکن

أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذًا

جس بات کی اُن کو نصیحت کی جاتی ہے اگر وہ ایسا کریں تو اُن کے حق میں بہتر ہو اور مضبوطی کے ساتھ دین میں جاؤ ہوجائے اور اس صورت

لَّآتَيْنَاهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝

میں ہم ان کو اپنی طرف سے بڑا اجر عطا کریں اور اُن کو سیدھے راستہ پر چلائیں۔

تفسیر امام احمد، نسائی اور امام بخاری وغیرہ نے بروایت عروہ بن زبیر بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر کا ایک انصاری سے جھگڑا ہوگیا اور بات صرف اس قدر تھی کہ دونوں کے کھیت پاس پاس تھے۔ حضرت زبیر کا کھیت اُونچے پر تھا اور انصاری کا کھیت نشیب میں۔ پانی حرّہ کی طرف سے آتا تھا اور پہلے حضرت زبیر کے کھیت میں پہنچتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت زبیر پہلے اپنے کھیت کو پانی دینا چاہتے تھے اور انصاری اپنے کھیت کو پہلے سیراب کرنے کا خواستگار تھا۔ یہ مقدمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور والا نے فیصلہ کیا کہ پہلے زبیر کے کھیت کو پانی ملنا چاہئے پھر انصار کے کھیت کو۔ کیوں کہ زبیر کا کھیت بلندی پر تھا اور انصاری کا کھیت نیچی زمین میں تھا اس پر انصاری ناراض ہوگیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ یہ فیصلہ آپ نے اس وجہ سے کیا ہے اور زبیر کی رعایت اس وجہ سے کی ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ حضور کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور آیت مذکورہ نازل ہوئی:

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قصہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ فقط یہ معاملہ سبب نزول نہیں ہوسکتا کیوں کہ قرآن کی رفتار عبارت صاف طور پر بتارہی ہے کہ اس میں منافقوں کی حالت کا بیان مقصود ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے رسول آپ کے رب کی یعنی ہم کو اپنی ذات کی قسم اُن لوگوں کو اپنے ظاہری ایمان اور ادعاء اسلام پر نازاں نہ ہونا چاہئے۔ یہ لوگ اُس وقت تک سچے مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس کے اختلافات اور نزاعی امور میں آپ کو پنچ مقرر نہ کریں گے اور پھر آپ کے

فیصلے کو بخوشی خاطر بغیر کسی کراہیت اور ناراضگی کے قبول نہ کریں گے (ان لوگوں کی حالت نہایت تعجب انگیز ہے ہم ان کو اپنے رسول کی معرفت کوئی سخت اور ناقابلِ برداشت حکم بھی تو نہیں دیتے کہ ان کو سرتابی کرنے کا موقع ہاتھ آئے بلکہ نہایت سہل اور آسان حکم دیتے ہیں پھر کیوں اظہار ناراضگی کرتے ہیں)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ اگر ہم ان کو کوئی سخت حکم دے دیتے اور کہتے کہ خود کشی کر لو یا اپنے شہر و وطن سے نکل جاؤ تو اس پر بہت ہی کم لوگ عمل کرتے۔ اب تو وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا جو نصیحت اُن کو کی جاتی ہے اگر اس پر عمل کر لیتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ان کے واسطے ثباتِ ایمان کا ذریعہ بن جاتا لہذا ان کا ایمان خوب محقق اور پختہ ہو جاتا اور خدا تعالیٰ ان کو اجر عطا فرماتا اور راہِ راست بتا دیتا۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ ثابت بن قیس صحابی اور ایک یہودی کی باہمی مفاخرت پر یہ آیت نازل ہوئی بمفصل قصہ محی السنہ نے معالم میں ذکر کیا ہے کہ جب زبیر بن عوام اور ان کا مخالف انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے فیصلہ کرا کر واپس آ رہے تھے تو راستہ میں حضرت مقداد بن اسود ملے مقداد نے پوچھا کہ رسول اللہ نے کس کو ڈگری دی ہے؟ انصاری نے منہ بنا کر کے کہا اپنے پھوپھی زاد بھائی کو دی۔ اس قصے کے وقت ایک یہودی بھی موجود تھا۔ اس واقعہ کو سن کر کہنے لگا تم لوگ بھی عجیب ہو، جب محمدؐ کو خدا کا رسول جانتے ہو تو پھر باہمی جھگڑوں کے فیصلوں میں کیوں ناحق جنبہ داری کی اُن پر تہمت لگاتے ہو۔ خدا کی قسم ہم نے حضرت موسیٰ کی زندگی میں ایک بار گناہ کیا تھا اور موسیٰؑ نے ہم کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا خودکشیاں کرو۔ یعنی ایک ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہی ہمارے لئے توبہ قبول ہونے کا ذریعہ ہے تو ہم نے موسیٰ کا حکم قبول کیا اور اس قدر قتل عام کیا کہ ایک وقت میں ستر ہزار آدمی قتل کر دئے گئے اور اس قتل عام کی تعمیل میں ہم نے حکم الٰہی سے سرتابی نہ کی۔ اس کی رضامندی پر قائم رہے۔ وہاں حضرت ثابت بن قیس بھی موجود تھے۔ یہودی کا کلام سن کر کہنے لگے خدا خوب واقف ہے کہ میں سچ کہتا ہوں۔ خدا وحدہٗ لاشریک کی قسم اگر رسول اللہؐ مجھ کو خود کشی کا حکم دیں تو میں تعمیلِ حکم میں سردستی نہ کروں گا۔ یہ قصہ درحقیقت گزشتہ قصہ کا تتمہ اور ضمیمہ ہے۔ شانِ نزول دونوں آیات کی ایک ہی ہے۔ ہر دو آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اطاعت شعار اور فرماں بردار بندے ہمیشہ نافرمانوں کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ بھی اپنے زمانے کے انسانوں کے زمانے میں بہت قلیل تعداد رکھتے ہیں۔ موسیٰؑ کے زمانے میں بھی فرماں برداروں کا گروہ نافرمانوں کے مقابلے میں تھوڑا تھا باقی یہودی اور منافق اب خود کشی کے احکام تو کیا اطاعتِ رسول ہی کو بجان و دل مان لیں تو نجات پا جائیں۔ بھلائی پر فخر کرنے سے کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اگر رسول کی فرماں برداری کرتے تو ہم ان کو آخرت میں جنت عطا فرماتے اور دنیا میں اسلام کی ہدایت نصیب کرتے اور علوم معرفت مرحمت فرماتے۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ کی عظمت شان اور حاکم عادل اور قول و فعل کے واجب العمل ہونے کی صراحت۔ اس بات کا اظہار کہ آپس کے ہر قسم کے نزاعیات اور اختلافات میں رسول پاک کا فیصلہ اٹل ہے۔ جب تک رسول پاکؐ کو علاوہ دینی سردار اور پیشوا ہونے کے دنیوی معاملات کا بھی عادل حج قرار نہ دیا جائے اور جب تک حضورؐ کے فیصلے کو بخوشی خاطر بغیر کسی چون وچرا اور ناگواری کے قبول نہ کیا جائے۔ اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ اپنا تن من دھن ہمیشہ اسلام اور اسلامیات اور احکام الٰہی کی تعمیل میں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس امر پر بھی ایک خاص روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کے احکام سہل العمل اور آسان ہیں۔ گزشتہ شریعتوں کی ناقابلِ برداشت نہیں ہیں نہ اسلام میں خودکشی کا حکم ہے نہ شہر بدر ہو جانے کا۔ اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کہ گمراہی انسان کی خود آوردہ حرکت ہے۔ اگر اسلام کے آسان ترین احکام کی تعمیل کی جائے تو خدا تعالیٰ راہِ راست دکھا دیتا ہے اور اسلام کی خوبیاں معلوم ہونے لگتی ہیں اور چشم بصیرت وا ہو جاتی ہے اور علوم معرفت حاصل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور غیب کے پردے بینائی عقل کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان انبیار صدیقین شہدار اور صلحار کے

وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ذٰلِكَ

ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ اچھے رفیق ہیں یہ اللہ

الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۧ ع

کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے

تفسیر ایک بار چند صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مرنے کے بعد ہم خدا جانے کہاں ہوں گے نہ آپ کی زیارت سے جنت میں کس طرح مشرف ہوں گے۔ حضورؐ کے مراتب عالیہ تک بھلا کون پہنچ سکتا ہے۔ ہم جب حضورؐ کی زیارت نہ کر سکیں گے تو چین کیوں کر آئے گا؟ انھیں صحابیوں میں ایک صحابی حضرت ثوبان رضؓ بھی تھے جو رسول پاکؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ثوبان کا چہرہ اسی فکر میں زرد پڑ گیا تھا جب حضورؐ نے ان کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو دریافت حال فرمایا۔ ثوبان نے عرض کیا یا رسول اللہ نہ تو مجھے کوئی مرض ہے نہ تکلیف، مگر آپ کو دیکھے بنا چین نہیں آتا۔ میں حضورؐ سے اپنے مال و اولاد و جان سے زیادہ محبت رکھتا ہوں۔ گھر میں ہوتا ہوں اور حضورؐ کی یاد آجاتی ہے تو صبر نہیں رہتا، جب آکر دیکھ لیتا ہوں تو چین پڑتا ہے اور جب حضورؐ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو سوچتا ہوں میرا اُس وقت کیا حال ہوگا اور مجھ پر حضورؐ کے بعد کیا گزرے گی؟ اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

پہلے گذشتہ آیتوں میں نافرمان منافقوں اور نفاق آمیز مسلمانوں کے حق میں وعید اور ان کو ان خطاکاریوں سے باز رہنے کی نصیحت کی گئی تھی اب اس آیت میں فرماں بردار اور اطاعت شعار بندوں پر جو انعام و فضل ہوگا اُس کا بیان ہے۔ ہم بار بار ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن کا طرز بلیغ یہی ہے کہ پہلے نافرمانی و سرکشی اور کفر و گناہ کے نتیجۂ بد سے ڈراتا ہے اور پھر اس کے مقابلے میں فرماں پذیری اور اطاعت گذاری کا ثمرہ اور ثواب بیان کرتا ہے تاکہ انسانی طبائع کو نافرمانی اور گناہوں سے خوف زدہ ہو کر اعمالِ حسنہ اور صالحات کی طرف رغبت ہو۔

اس آیت یعنی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں بتایا گیا ہے کہ خدا و رسول کے فرماں بردار اُن چار گروہوں میں داخل ہوں گے جو انعامات الٰہی سے سرفراز اور رحمتِ الٰہی سے کامیاب ہیں۔ ان فیض یاب اور ممتاز گروہوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء اُمت۔ کیوں کہ ترقی رُوحانی کے یہی چار مراتب ہیں اور ہر مرتبہ دوسرے سے مختلف اور اعلیٰ یا ادنیٰ ہے۔ انبیاء تو کمال علمی و عملی کی حد سے آگے بڑھ کر دوسروں کی تکمیل و ہدایت کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے مراتب سب سے اعلیٰ ہیں اور عالم قدس میں جو منصب ان کو نصیب ہے وہ دوسروں کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا مرتبہ صدیقوں کا ہے یہ لوگ عرفانِ الٰہی کی انتہائی چوٹی تک پہنچ کر حقائق اشیاء سے خود بھی خبردار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی خبردار کرتے ہیں۔ صدیق درحقیقت نبی کا علمی پرتو ہوتا ہے اور عالم غیب کے برحق ہونے کی عملی گواہی دیتا ہے۔ چوتھا مرتبہ صلحاء کا ہے جو اپنی عمر عبادتِ الٰہی میں اور مال و زینت خوشنودیٔ خدا کے حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ گروہ علمی و عملی اعتبار سے نبی کا پرتو اور مظہر کمال ہوتا ہے لیکن شہداء و صدیقین سے اس کا مرتبہ اور ظہور کمال کم ہوتا ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا و رسول کے فرماں بردار ہیں احکام الٰہی اور سُنتِ نبوی کی پیروی کرتے ہیں وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء اُمت کے گروہ میں داخل ہوں گے۔ ان کی رُوحیں اگرچہ ناقص ہوتی ہیں مگر چوں کہ ان کو کامل اور روشن رُوحوں کا اتباع کرنے سے ان کے ساتھ ایک خصوصی تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے عالم قدس میں بھی انھیں کے ساتھ ہوں گی اور ان کے انوار و تجلیات ان پر بھی بالکل اسی طرح عکس انداز ہوں گے جس طرح دھوپ میں ایک صاف آئینے کی روشنی دوسرے صاف آئینے پر پرتو ریز ہوتی ہے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ یعنی مذکورہ بالا چاروں مراتب والے اگرچہ اُونچے درجات پر فائز ہوں گے، لیکن اُن کی رفاقت اور صحبت اور زیارت اور ہم نشینی سے تمتع اندوز اور بہرہ ور ہونا کیسی خوش نصیبی ہے اہ۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ یہ محض خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو ان درجاتِ عالیہ پر فائز فرمانے گا ورنہ طاعت و عبادت

فرماں پذیری اور قربانی کسی کی اس قابل نہیں ہوسکتی کہ جس کے عوض میں ایسے انعامات سے سرفراز فرمایا جائے۔ رہی ان درجات کی کیفیت اور اس کا صحیح علم وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ اُس کو خدا ہی خوب جانتا ہے اور اسی کا علم اکمل و اتم ہے اُس کی تمام خبروں پر یقین و ایمان رکھنا چاہیئے۔

مقصود بیان اطاعت و فرماں پذیری اور نیکوکاری کی بلیغ عبارت میں ترغیب، اس امر کی صراحت کہ ثوابِ آخرت مغفرت اور تمام اُخروی نعمتیں محض خداداد ہوں گی وہی اپنی رحمت و فضل سے عطا فرمائے گا۔ بندوں کے اعمالِ حسنہ کو اس کے حصول میں وجوبی دخل نہیں ہے۔ آیت میں لطیف اشارات اس طرف بھی ہیں کہ انبیاء کو جو انعامات خدا تعالیٰ نے عطا کئے ہیں۔ ذات و صفات کے علوم مرحمت کئے ہیں۔ درجۂ قرب و مشاہدہ عنایت کیا ہے اور ملک و ملکوت کے خزائن غیب پر اُن کو مطلع کیا ہے یہ سب فضل الٰہی ہے۔

صدیقوں کو جو روشن کرامات عطا فرمائی ہیں اور انوارِ صفات سے اُن کی آنکھوں کو روشن اور دل کو منور کیا۔ یہ بھی فضلِ الٰہی ہے۔ شہداء کو جو اپنے پرتو جمال سے مشرف فرمایا ہے اور محبوبیت کا عملی مظہر قرار دیا ہے۔ یہ بھی فضلِ الٰہی ہے۔ باقی عام صلحاء اُمت کو جو لطائفِ نیکی سے معزز فرمایا اور نیکوکاری پر ان کو استقامت عطا فرمائی۔ یہ بھی اُسی کا فضل ہے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ۝ وَإِنَّ

مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لو پھر دستہ دستہ بن کر یا یکدم سب مل کر نکل کھڑے ہو تم میں سے

مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ

بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے جو دیر لگائیں گے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑی تو کہیں گے کہ خدا نے مجھ پر بڑا فضل کیا

إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ

کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا اور اگر اللہ کی طرف سے تم کو کوئی نعمت مل گئی تو کہنے لگیں گے

كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا گویا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی

تفسیر جب کہیں جہاد پر مسلمان جاتے اور لشکر کی تیاری کر کے شریکِ جہاد ہوتے تو عبداللہ بن ابی اور بعض دیگر منافق اور کمزور ایمان والے مسلمان حیلہ بہانہ کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر نہ جاتے۔ اب اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہو جاتی تو خوش ہو کر کہتے کہ خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا کہ ہم شریکِ جنگ نہ ہوئے ورنہ ہم پر بھی مصیبت پڑتی اور اگر مسلمانوں کا لشکر فتح پا کر کامیاب واپس آتا اور مالِ غنیمت باہم تقسیم کرتا تو تاسف کے طور پر کہتے کہ کاش ہم بھی اُن کے ساتھ ہوتے اور غنیمت میں شریک ہو کر نہال ہو جاتے۔ یہ الفاظ اس پیرایہ میں ادا کرتے جس سے معلوم ہوتا کہ مسلمانوں میں اور اُن میں میل جول اور محبت و مودت کا کوئی علاقہ ہی نہیں ہے اس پہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ نازل ہوئی اور اس پورے قصہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! (اول) اپنے بچاؤ کا سامان (مثلاً ہتھیار وغیرہ) لے لو اور ایسی چیزیں ساتھ رکھو جس کی وجہ سے تم دشمن سے بچ سکو۔

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ۝ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر جہاد کے لئے چلو اور جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ یا سب کے سب مل کر آمادۂ جنگ ہو جاؤ اور میدان میں نکلو۔ بہرحال جیسی ضرورت ہو ویسی ہی صورت اختیار کرو۔ واحدی کے نزدیک حِذْرَ سے مراد ہتھیار ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ثُبَات سے چھوٹے چھوٹے دستے مراد ہیں۔ سب کے سب مل کر جنگ پہ جانے سے مراد یہ ہے کہ سب اکٹھے ہو کر رسولؐ کے ہمرکاب جاؤ، الگ

الگ نہ جاؤ کیونکہ اس سے دشمن کے حوصلے کو قوت پہنچتی ہے اور مسلمانوں کی ضرر رسانی کا ان کو زیادہ موقع ملتا ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی، ضحاک اور عطاء خراسانی نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۔ لیکن مدعیانِ اسلام میں سے بعض لوگ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو قسم کھا کر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ رہیں گے اور شریکِ جنگ نہ ہوں گے اور مجاہدوں کے ہمراہ نہ جائیں گے (ابن حبان) بلکہ خود بیٹھے رہنے کے علاوہ دوسروں کو بھی جہاد سے روکیں گے (ابن جریج و ابن جریر) فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ پھر اگر مسلمانوں پر جنگ میں کچھ افتاد پڑی اور کچھ شہید ہو گئے یا شکست ہو گئی تو قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا وہ اپنی عدم شرکت کو نعمت تصور کرے گا اور کہے گا کہ مجھ پر خدا کا بڑا احسان ہوا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوا ورنہ میں بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوتا۔ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اگر کچھ فضلِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہو گیا اور فتح حاصل ہو گئی اور مالِ غنیمت تم کو مل گیا تو لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۔ ندامت اور پشیمانی سے کہے گا کہ افسوس میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو جو کامیابی اور مالِ غنیمت ان کو حاصل ہوا مجھے بھی حاصل ہوتا اور یہ الفاظ ایسے پیرایہ میں ادا کرے گا کہ مسلمانوں میں اور اس میں کوئی رابطہ تعلق اور دوستی بھی نہیں ہے۔ بالکل اجنبی ہو کر اظہار تاسف کرے گا۔

مقصود بیان جہاد کا حکم اور جہاد کے ضروری سامان ساتھ لے جانے کا امر ضمناً توکل کی ممانعت اور اسباب ظاہری سے بالکل دست بردار ہو جانے سے باز داشت۔ دشمن کے مقابلے پر ایسی صورت سے جانے کی ہدایت جس سے اس پر رعب پڑے اور مسلمانوں کے نقصان کا کم اندیشہ ہو۔ اہلِ نفاق کی حالت کا بیان۔ وغیرہ۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ

لہٰذا جو لوگ دنیوی زندگی کو آخرت کے عوض میں فروخت کرتے اُن کو راہِ خدا میں جہاد کرنا چاہئیے جو شخص راہِ خدا میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا

لڑے گا تو مارا جائے یا غالب ہو ہم اُس کو بڑا ثواب دیں گے اور کیا وجہ کہ

تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ

تم راہِ خدا میں اور اُن کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظلم کر رہے ہیں اور اپنی طرف سے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ

ہمارا کوئی حامی بنا دے اور اپنے پاس سے ہمارے لئے کوئی مددگار مقرر کر دے۔ جو مسلمان ہیں وہ تو اللہ کی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم

أَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ ع

شیطان کے رفیقوں سے لڑو بلاشبہ شیطان کا فریب بودا ہے

تفسیر جب مشرکین مکہ نے حضور اقدسؐ پر اور مسلمانوں پر بے حد ظلم و ستم کرنے شروع کر دیے۔ مسلمانوں نے خرید و فروخت اور بیاہ شادی بند کر دی۔ بلالؓ، صہیبؓ، عیاش بن ربیعہ اور خبابؓ جیسے لوگوں کو گرم ریت پر لٹا کر کوڑے مارے جانے لگے۔ مسکین و ایمان دار عورتوں اور بچوں پر طرح طرح کے ظلم ہونے لگے۔ حضور والاؐ کو شہید کرنے کے روزانہ منصوبے باندھے جانے لگے اور جا بجا مسلمانوں پر مار پیٹ ہونے لگی اور مسلمانوں میں برداشت کی قوت نہیں رہی تو ترکِ وطن اور گھر بار چھوڑ کر مدینے کو چلے جانے کی اجازت ہوگئی۔ حضور گرامیؐ اور جلیل القدر صحابہؓ تو گھر چھوڑ کر گھر بار سے منہ موڑ کر مدینے آگئے، لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے، باندیاں اور خادم ضعیف عورتیں اور بیمار مرد مثلاً ابن عباسؓ، ابن عباس کی والدہ، سلمہ بن ہشام، ولید بن ولید، ابو جندل بن سہیل وغیرہ اور کچھ وہ لوگ جو کافروں کی قید میں رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کے ترکِ وطن کرنے سے مشرکوں کو اور بھی خوف ہوا کہ کہیں یہ لوگ بھی فرار نہ ہو جائیں، اس لئے اُن ستم رسیدہ لوگوں کی قید میں اور بھی سختی کرنے لگے اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے تاکہ وہ تکلیفیں پاکر گھبرا اٹھیں اور اسلام چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں۔ بیچارے مظلوم سوا اس کے کہ خدا سے اپنی رہائی کی دعا کریں اور کیا کر سکتے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا اور خدا کی راہ میں لڑو اور اپنے بے بس مظلوم بھائیوں کو کفار کے ظالم پنجے سے چھڑاؤ چونکہ مظلوم کی دعا ہونی لازمی ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کی رہائی کا سامان غیب سے کر دیا۔ بعض تو ویسے ہی رہا ہو گئے اور جو کچھ بچے تھے وہ آخر فتح مکہ کے دن آزاد ہو گئے اور سب کو امن و عزت مل گئی۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ۔ مسلمانو! تم اُن منافقوں کی طرح دنیوی لالچ کے گرویدہ نہ رہو بلکہ جو لوگ دنیوی زندگی اور فانی لذات فروخت کر کے عیش دائمی اور حقیقی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو محض خوشنودی خدا اشاعتِ دین اور خدا کا بول بالا کرنے کے لئے لڑنا چاہیئے۔ اب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی فتح یا شہادت۔

وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا بہر صورت مجاہد فی سبیل اللہ شہید ہو جائے جو عین مدعا ہے یا دشمن پر غالب آ جائے اور ظفریاب ہو جائے۔ دونوں حالتوں میں ہم اُس کی محنت کا عظیم الشان صلہ عنایت کریں گے۔ فقط دنیوی مال و منال، دولت و حشم، جاہ و جلال ہی جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ نہیں ہے بلکہ اجر جزیل خدا تعالیٰ عطا فرمائے گا، اس لئے کسی صورت میں کامیابی مفقود نہیں ہو سکتی۔ اس سے آگے مسلمانوں کو رقت آمیز اور جوش انگیز کلمات فرما کر جہاد پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آخر:-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے اور کیوں وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اُن کمزور بے بس اور لاچار مردوں عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لئے لڑائی نہیں کرتے جو ہمیشہ کفار کی ایذائیں اُٹھا اُٹھا کر خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں الٰہی أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ ہم کو اس ظالم بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے ناحق کوش اور کفر پسند ہیں۔ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا اور اپنی طرف سے ہمارا ایک سرپرست اور ذمہ دار مقرر فرما دے تاکہ وہ کافروں سے جہاد کر کے ہم کو چھڑا دے۔ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا اور اپنے پاس سے ہمارا ایک مددگار مقرر فرما دے جو ہم کو ان ظالموں سے بچا لے۔ ان مظلوم بے کس مسلمانوں کی دعا خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پہلی دعا کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان فراہم کر دیا اور کچھ لوگوں کو کافروں کے ستم شعار پنجے سے رہائی ہوگئی اور جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ دوسری دعا کے نتیجے میں فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے اور حضور والاؐ نے فتح کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا جنہوں نے ظالم سے مظلوم کا حق دلوایا اور جن ستم گاروں نے غریبوں پر ظلم ڈھا رکھے تھے اُن کو قرار واقعی سزا دی (کما فی تفسیر ابن کثیر) اس صورت میں وَلِيًّا سے مراد عتاب، اور نَصِيرًا سے مراد رسول پاکؐ کی ذات گرامی ہوئی۔ قاضی بیضاوی نے ولی و نصیر دونوں سے رسول اقدسؐ کی ذات ہمایوں مراد لی ہے۔

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ جس مضمون کو سابق آیات میں ضمناً بیان کیا گیا تھا اس آیت میں اُس کی صراحت ہے پہلی آیت

میں محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے اور دنیوی دولت وجاہ پیدا کرنے اور مقتضاء طبیعت کو پورا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جب کافر ناحق پر ہوتے ہوئے باطل کی حمایت اور ہواپرستی کے جذبے کے ماتحت مسلمانوں سے برسرپیکار ہوتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان باوجود حق پرستی مظلومیت اور صداقت دینی اعداء اسلام سے مقابلہ نہ کریں اور فتحیاب نہ ہوں اور اعلان توحید مظلوموں کی دادرسی اور حق کی اعانت میں سستی کریں اور طاغوتی طاقتوں سے خوف زدہ ہوں۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ لہٰذا مسلمانو! طاغوتی طاقت والوں اور شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ وہ اگرچہ بظاہر قوی طاقت اور ظاہری اسباب بہت کچھ رکھ سکتے ہیں لیکن بالآخر تم کو فتح حاصل ہوگی اُن کی مکاریاں اور باطل پرستی کی طاقتیں کچھ کام نہ دیں گی کیونکہ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًاؕ شیطان کی مکاری اور فریب دہی خدا کے نزدیک ہیچ ہے۔ مکر و دروغ حق کے مقابلے میں تار عنکبوت کی طرح ہے۔

مقصود بیان بلیغ ترین طرز عبارت میں جہاد کی ترغیب اور محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے جہاد کا حکم اور نہایت معقول طرز ادا میں جہاد کی اجازت اس امر کی صراحت کہ مسلمانوں کی شکست بھی درحقیقت شکست نہیں بلکہ حیات حقیقی اور عیش سرمدی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ کمزور، بے کس اور لاچار مسلمانوں کی اطاعت کرنی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حق بہت مظلوم کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

آیت میں اس بات کی صاف اور واضح تعلیم ہے کہ اگر کوئی ضعیف مسلمان تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرے مسلمان کو عیش و آرام اُس وقت تک جائز نہیں جب تک اُس کو تکلیف سے رہائی نہ دے دی جائے۔ حق پرستی کی تائید اور باطل پرستی کی مخالفت پر تنبیہ اس امر کی طرف اشارہ کہ ہے صرف مرضی الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

(اے مخاطب) کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو لیکن جب

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ

اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو اُن میں سے ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ

اور بولے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا کیوں تھوڑی سی عمر ہم کو جینے نہ دیا (اے محمد) کہہ دو کہ دنیوی

الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ

فائدہ کم مقدار میں ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا تم جہاں

مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

کہیں ہوگے موت ضرور آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط گنبدوں کے اندر ہو

تفسیر ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب کہ میں کافروں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیں تو عبدالرحمٰن بن عوف مقداد بن اسود سعد بن ابی وقاص اور قدامہ بن مظعون وغیرہ صحابہ نے خدمت مبارکت میں عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو سب ہماری آبرو کرتے تھے اور کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا اور اب مسلمان ہو گئے تو تمام لوگ ہم کو ایذائیں دیتے ہیں اور حقیر سمجھتے ہیں ہم کو مقابلے کی اجازت دیجئے۔ حضور والا نے فرمایا مجھ کو اور تم کو صبر کا حکم ہے۔ تم اپنی اصلاح

کی طرف متوجہ رہو، نمازیں پڑھو اور صدقہ دو اور صبر کرو، لیکن مسلمان مدینے میں آئے تو جہاد کا حکم ہوا۔ اس پر بعض ضعیف الایمان مسلمان گھبرا گئے اور تنگ دل ہوئے تو آئندہ آیت مذکورہ یعنی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ نازل ہوئی۔ اس روایت کی بنا پر آیت کا نزول ضعیف الایمان مسلمانوں کے حق میں ہونا لازم آتا ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ایسے جلیل القدر اور پختہ ارادہ رکھنے والے اصحابی بھی ضعیف الایمان تھے۔ کیونکہ دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اس قسم خوف میں اُن مسلمانوں کے ساتھ نہ تھے جن کو فطری طور پر جہاد سے خوف پیدا ہوا تھا مجاہد وغیرہ کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ منافقوں کے حق میں نازل ہوئی (ابن جریر) گویا درحقیقت اس آیت کا نزول منافقوں کے حق میں ہے جو باعتبار فطرت اور بحیثیت عقیدہ حکم الٰہی کو مکروہ اور ناگوار سمجھتے تھے اور چونکہ کراہت میں بعض اہلِ اسلام بھی شامل تھے، اس لئے وہ بھی سبب نزول میں داخل ہو گئے۔ معالم میں ہے کہ آیت کا نزول اُن چند مسلمانوں کے حق میں ہوا جن کو علم میں رسوخ نہ تھا اُنھوں نے اعتقاد سے نہیں بلکہ بزدلی سے ایسا کیا تھا، لیکن بعد کو توبہ کر لی۔

وجوبِ زکوٰۃ کی تحقیق

زکوٰۃ کب اور کہاں فرض ہوئی۔ یہ ایک سوال ہے جو آیتِ مذکورہ کا مطلب سمجھنے سے خواہ مخواہ پیدا ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو اگر صحیح مان لیا جاوے تو آیت میں زکوٰۃ سے مراد خیرات، صدقہ اور فقیروں کی ہمدردی ہے کیونکہ شروع اسلام میں یہی حکم تھا ضرورت سے زیادہ سب مال فقیروں اور مسکینوں کی ہمدردی میں صرف کر دینے کا حکم تھا اور صدقے کی کوئی خاص مقدار نہ تھی اور مدینے میں پہنچ کر خیرات کی ایک خاص مقدار فرض بیان کی گئی اور شرائط وغیرہ کی تفصیل کی گئی اور اگر آیت کا نزول منافقوں کے حق میں تسلیم کیا جائے تو آیتِ مذکورہ میں زکوٰۃ اپنے اصلی معنی پر ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک رسول پاک مکّہ میں رہے کوئی مسلمان ہونے والا وہاں منافق نہ تھا۔ جو شخص بھی ایمان لاتا وہ اپنی جان پر کھیل کر ایمان لاتا تھا اُس کے تمام عزیز و اقارب دشمن ہو جاتے تھے۔ پھر جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو وہاں پہنچ کر جنگِ بدر کے بعد کچھ منافق پیدا ہو گئے اور وہ بھی مہاجرین میں سے نہ تھے بلکہ مدینہ یا اطراف مدینہ کے وہ لوگ تھے جو شوکتِ اسلامی کو دیکھ کر ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ مکہ میں صرف نماز اور صدقہ کا حکم تھا۔ صدقہ کی کوئی مقدار نہ تھی اور نہ اُس مال کی کوئی خاص مقدار معین تھی جس پر صدقہ واجب تھا بلکہ ضروریات سے زائد تمام دے دینے کا حکم تھا اور نہ مکہ میں جہاد کی اجازت تھی بلکہ صبر و تحمل کا حکم تھا کیونکہ مسلمانوں کی قوت وہاں کمزور تھی، مالی حالت درست نہ تھی۔ مدینہ پہنچ کر زکوٰۃ فرض ہوئی اور جہاد کا حکم بھی ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دیکھو جن لوگوں سے مکّہ میں کہا گیا تھا کہ صبر کرو۔ کفار کی ایذائیں برداشت کرتے رہو اُن سے مقابلہ نہ کرو، اپنی اصلاح کرتے رہو۔ نماز پڑھتے رہو، ایک دوسرے کی ہمدردی اور امداد کرتے رہو تو اُس وقت اُن کا جی یہی چاہتا تھا کہ ہماری تحفظ ناموس اور بلندی ہمت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہم کو لڑنے کی اجازت دی جائے۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ لیکن جب ان کو جہاد کا وجوبی حکم دیا گیا اور اعدائے دین سے لڑائی فرض کر دی گئی تو اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً اُن میں ایک گروہ کافروں سے اتنا خوف کھانے لگا جتنا خدا سے کھانا چاہیئے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جتنا خوف خدا سے ہونا چاہیئے تھا اُس سے بھی اُن کو کافروں سے خوف ہو گیا تو غلط نہ ہوگا اور موت سے گھبرا گیا اور گھبرا کر وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ کہنے لگا کاش ہم پر ابھی جہاد فرض نہ ہوتا تو ہم کچھ مدت اور جیتے پروردگار تو نے کچھ مدت تک جہاد کا حکم ملتوی کیوں نہ کر دیا۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ یہ دنیوی عیش و عشرت ناپائیدار ہے اس کا انجام فنا ہے ادھر آنکھ بند ہوئی اور ادھر کچھ بھی نہیں۔ اس فانی اور زوال پذیر چیز پر دل لگانا اور موت سے ڈرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور پھر اس کے مقابلہ میں وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى آخرت پرہیزگاروں کے لئے نہایت بہتر ہے۔ دار آخرت میں اُن کو عیش دائمی حاصل ہوگا نہ اس میں تکلیف ہے نہ مشقت اور دنیوی لذائذ میں ہزاروں کلفتیں ہیں۔ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اور یہ یقینی امر ہے کہ قیامت کے دن ذرہ برابر کسی کی حق تلفی نہ کی جائے گی کسی کی محنت اور پرہیزگاری رائگاں نہ جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی یقین رکھنے کے قابل ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونا اور موت سے ڈرنا اور دنیوی آسائش و آرام پر بھروسہ کرنا، موت سے نہیں بچا جا سکتا، موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ میدانِ جنگ میں حمایتِ دین اور حفاظتِ اسلام کے لئے کفار سے برسرپیکار ہو یا اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ مضبوط برجوں میں محفوظ طریقہ پر بیٹھے ہو جہاں کہیں ہو موت آنے والی تو ضرور آئے گی۔ اُونچی اُونچی فلک بوس عمارتیں اور مستحکم برج موت کو نہیں روک سکتے، پھر نامردی اور بزدلی کر کے جہاد و موت کو مکروہ سمجھنا عبث ہے۔

مقصودِ بیان:۔ انسان کے تلوّن حال کا بیان، صبر کی تلقین، اصلاح نفس کی تعلیم، مسلمانوں کی ہمدردی کا حکم، صرف خدا سے خوف کرنے کی طرف

ضمنی تنبیہ، لذائذ دنیا کے فانی ہونے کی صراحت، آخرت کے عیش و آرام کے دوام و بقاء کی وضاحت، اس امر کی توضیح کہ موت کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی، دنیا سے بیزاری اور آخرت کی رغبت رکھنے کی تعلیم وغیرہ۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

اور اگر اُن کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ منجانب اللہ ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

یہ تمہارے سبب سے تم کہہ دو کہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اس قوم کو کیا ہو گیا کہ بات بھی

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ

نہیں سمجھ سکتے تم کو اگر کوئی بھلائی پہنچے تو منجانب اللہ ہے اور کوئی برائی پہنچے تو

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

تمہارے نفس کی طرف سے ہے اور ہم نے تم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے

تفسیر منافقوں کا یہ حال تھا کہ اگر جہاد میں کبھی شکست و موت کا وقوع ہوتا تو رسولِ اقدس ﷺ کی بے تدبیری بتلاتے اور جہاد جانے کو مؤثر فی الموت سمجھ کر حضور پر الزام لگاتے اور کہتے کہ ہم آپ کے کہنے سے جہاد میں آئے اور مفت میں موت کا شکار بنے اور اگر باوجود کمی اسباب کے فتح حاصل ہو جاتی اور اُن سے کہا جاتا کہ کیوں اگر جہاد میں جانا مؤثر اور موت کا سبب ہے تو وہ تاثیر اب کہاں گئی تو منافق جواب دیتے یہ بات محض اتفاقی منجانب اللہ ہے اُن کے اس باطل عقیدہ کو شکست کرنے کے لئے آیات کا مکمل نزول ہوا، جن کا مجمل مدعا یہ ہے کہ بھلائی بُرائی اور شکست و فتح سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اُسی کی طرف سے ہے۔ ہاں ادب اور تہذیب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہیئے ورنہ درحقیقت خیر و شر اُسی کی جانب سے ہے۔

آیت وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اگر منافقوں کو کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے مثلاً غلہ اور میوہ کی پیداوار خوب ہوتی ہے۔ جانوروں کی نسل افزائی میں کثرت ہوتی ہے یا لڑائی میں فتح ہو جاتی ہے اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ محض اتفاقی بات ہے جو منجانب اللہ ہو گئی ہے۔ تمہاری برکت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ اور اگر لڑائی میں اُن کو شکست ہوتی ہے یا قحط سالی ہوتی ہے بہرحال کوئی مصیبت آتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا فاعلِ حقیقی اور خالق خدا ہی ہے خواہ خیر ہو یا شر۔ پھر بھلائی برائی میں تفرقہ کرنا اور برائی کو بندہ کی طرف اور خیر کو خدا کی جانب منسوب کرنا حماقت ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے لیکن فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اگر مسبب سے قطع نظر کر کے عالمِ اسباب کا لحاظ کرتے ہو تو نیکی کو جس طرح عمدہ اسباب کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو سختی اور مصیبت اور شکست کا باعث بھی تمہاری بداعمالیاں اور گناہ گاریاں ہیں۔ برائی کو اپنے اعمال کا نتیجہ کیوں نہیں کہتے۔ واقع میں ادب و تہذیب کا مقتضا یہی ہے کہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ بھلائی اور خیر کی نسبت خدا کی طرف کرو اور اس کے فضل و انعام کو اس کا سبب جانو وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور برائی اور شر کو اپنی طرف منسوب کرو اور اس کا سبب اپنے نفس کو جانو۔ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۔ اے رسول ہم نے

تم کو صرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تمہارا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہے نہ کہ برائی بھلائی کو پیدا کرنا نہ تم خالقِ خیر ہو نہ موجدِ شر۔ سب کا فاعل حقیقی خدا ہے اور یہی وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا شہادت دینے کے لئے کافی ہے اُس کی شہادت میں کذب و دروغ کا امکان نہیں۔

مقصودِ بیان جبریہ اور قدریہ فرقوں کے عقائد کی بیخ کنی۔ اس امر کی صراحت کہ انسان نہ خالقِ خیر ہے نہ موجدِ شر۔ خالق اور فاعل حقیقی صرف خدا تعالیٰ ہے البتہ بندہ کاسب اور مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شر اور معصیت کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ رسول کا کام محض تبلیغ احکام ہے۔ ایمان پیدا کرنا اور شر کو دلوں سے نکال دینا کسی نبی کا کام نہیں یہ صرف خدا کا کام ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

جس نے رسول کا حکم مانا اس نے درحقیقت خدا کا حکم مانا اور جس نے رُخ پھیرا تو ہم نے تم کو اُس کا پاسبان بنا کر تو بھیجا ہی نہیں

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۤئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ

اور کہہ تو دیتے ہیں کہ قبول کیا لیکن جب تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت رات کو اسکے خلاف مشورہ کرتی ہے جو کہہ چکی ہوتی ہے

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اور اللہ اُن کے شبینہ مشورہ کو لکھتا جاتا ہے تم اُن سے رُخ پھیر لو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارساز کافی ہے

تفسیر مفسر معالم نے اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے اللہ سے محبت کی۔ اس پر بعض منافق کہنے لگے یہ شخص چاہتا ہے کہ ہم اس کو رب بنالیں جس طرح عیسائیوں نے عیسٰی کو رب بنالیا تھا اُس وقت آیت مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ نازل ہوئی۔ بیضاوی میں ہے کہ بعض منافق کہتے تھے یہ شخص باوجود دیکہ شرک سے منع کرتا ہے پھر بھی ہم کو شرک میں پھنساتا ہے تو اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اس لئے جس نے آپ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے آپ سے محبت کی اُس نے خدا سے محبت کی جس نے آپ کے احکام کی تعمیل کی اُس نے خدا کی فرماں پذیری کی کیونکہ آپ بندوں کے اور خدا کے درمیان واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ جس نے درمیانی واسطے کو سچا جانا اور اس کے احکام کو دل سے مانا اُس نے درحقیقت حکم دینے والے خدا کا مانا۔ وَمَنْ تَوَلّٰى اور جس نے آپ کے حکم سے سرتابی کی اطاعت نہ کی، فرمان قبول نہ کیا، ہدایت نہ مانی تو اس کی سرکشی آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی، آپ کو کچھ فکر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا آپ کو ہم نے تبلیغِ احکام کے لئے بھیجا ہے، بشیر و نذیر بنایا ہے ان کی بداعمالیوں کا ذمہ دار، نگراں اور محافظ بنایا ہے نہ کہ ان کے باطن کی نگہبانی آپ کے ذمہ ہے نہ ان کو خواہ مخواہ راہِ راست پر لے آنا آپ کا کام ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ۔ ان آیات میں منافقوں کی کج روی اور ریاء باطنی کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب منافق رسول اللہ صلعم کے پاس موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے۔ آپ کا حکم بسر و چشم ہم ہمیشہ آپ کے تابع دار ہیں۔ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۤئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ لیکن جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے فرمان یا آپ کے گزشتہ قول کے خلاف منصوبے باندھتا ہے، باتیں بناتا اور چہ میگوئیاں کرتا ہے۔ گویا اس مخالفت غائبانہ سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اندرونی مخالفت اور پوشیدہ نفاق کا پتہ نہ چلے اور ان کی حالت قابلِ اعتماد ہے (ابن کثیر) حالانکہ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ جو کچھ اُن کے مشورے اور منصوبے ہوتے ہیں خدا کو اُن کا علم ہے

اور ان کے نامۂ اعمال میں خدا تعالیٰ اُن کا اندراج فرما لیتا ہے۔ اس حرکت کی اُن کو کافی سزا ملے گی۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ لہٰذا آپ ان سے درگزر کیجیے اُن کے ناموں کا اظہار نہ کیجیے اور دیدہ و دانستہ چشم پوشی کیجیے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور خدا پر بھروسہ و توکل کیجیے، اُسی پر اعتماد کیجیے، اپنے کاروبار اُن پر یا کسی اور پر موقوف نہ سمجھیے اور نہ اُن کے نفاق سے ایذا رسانی اور مضرت انگیزی کا خوف کیجیے۔ نہ اُن کی مدد مفید ہے نہ نفاق نقصان رساں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا خدا ہی کارساز حقیقی ہے۔ تمام کاروبار میں اُسی پر نظر اور بھروسہ رکھنا چاہیئے، وہی مدبر اور مسبب ہے۔

مقصود بیان رسول پاکؐ، خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت مؤمن ہونے کے لئے ضروری ہے۔ رسول پاکؐ کی تعلیم کی خلاف ورزی موجب ہلاک ہے۔ رسول کسی کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں بلکہ صرف مبلغ اور پیام الٰہی پہنچانے والے ہیں۔ آیت میں نہایت بلند آہنگی سے اس امر کی وضاحت و صراحت ہے کہ کسی کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ کیا جائے جو لوگ حقیقی منافق اور پکے بے ایمان ہوں، لیکن بظاہر مدعی اسلام ہوں ان کو زمرۂ اسلام سے ظاہری احکام میں خارج نہ سمجھا جائے۔ ہر کام میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے کسی سے نفع کی اُمید یا مضرت کا خوف نہ کرنا چاہیئے۔ وغیرہ۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے	اگر یہ خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا	تو بلاشک اس میں بہت اختلاف پاتے

تفسیر گزشتہ آیات میں منافقوں کی پوشیدہ مخالفت اور اندرونی نقصان کا بیان تھا جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی صداقت کا یقین نہ تھا اور وہ قرآن کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ جانتے نہ تھے۔ ان آیات میں قرآن کلام الٰہی ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ قرآن کی صداقت اور الہامی ہونے کے بہت سے دلائل اور ثبوت تھے، لیکن چونکہ وہ کند ذہن، جاہل اور نا سمجھ تھے، اس لئے اُن کی ذہنی رسائی اور دماغی توازن اور طاقت فہم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی دلیل بیان کی جاتی ہے جو بالکل عام فہم ہے اور ایک متبحر عالم سے لے کر عام جاہلوں تک سب کے لئے مفید اور قابل فہم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے اور کیوں نہیں سمجھتے کہ اگر یہ الہامی اور منجانب اللہ نہ ہوتا بلکہ کسی جن یا انسان کا بنایا ہوا یا طبع زاد ہوتا تو یہ طرز ہدایت میں یک رنگی معانی میں یگانگت اور سلاست کلام میں یکسانی کیوں ہوتی۔ انسانی کلام میں باہم اختلاف کثیر ہوتا ہے۔ طرز ہدایت میں برابری نہیں ہوسکتی کیوں کہ قیاسی اور تخمینی باتوں میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ قرآن میں جن احکام، عقائد اور عملیات وعلمیات کا بیان ہے اور گزشتہ واقعات کی جو خبریں ہیں اور آئندہ حوادث کے متعلق جو پیشین گوئیاں ہیں اُن میں باہم نہ کوئی اختلاف ہے نہ تباین نہ کذب نہ نسیان نہ نیرنگی۔ ایسا ہرگز نہیں کہ کہیں ایک بات کو کسی طریقہ پر بیان کیا گیا ہو اور پھر کسی واقعہ اور ضرورت کے ظہور پذیر ہونے پر طرز ہدایت کو بدل دیا گیا ہو یا عبارت میں کہیں خامی ہو کہیں پختگی۔ اخبار میں کہیں راستی ہو کہیں دروغ، جب یہ اختلافات نہیں ہیں تو پھر کس طرح یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب الٰہی اور مجموعہ الہامی ہے جس میں کسی رد و بدل اور اختلافات کا امکان ہی نہیں۔

چند نکات بعض اکابر کا قول ہے کہ ظاہر قرآن آفتاب محبت کی بیقراری دل کو دُور کرنے والا ہے اور اگر باطن قرآن پر سے ستر ہزار حجاب دُور کر دیئے جائیں تو تمام جبل کی خاک سیاہ ہوجائے۔

شیخ ابن کثیر کہتے ہیں کہ قرآن کا ہر حرف حقائق الٰہیہ کے سمندروں سے بھرا ہوا ہے۔ جو شخص اُن اسرار سے واقف ہوجاتا ہے وہ اس کی تجلیات میں مدہوش ہوجاتا ہے اور بالمشاہدہ جان لیتا ہے کہ قرآن قدیم ہے نہ اس میں کہیں تناقض ہے نہ تضاد نہ خلل نہ تباین کیوں کہ وصف الٰہی ہے۔ اگر حادث اور ممکن ہوتا اور کسی مخلوق کا اختراع کردہ اور طبع زاد ہوتا تو اس میں ضرور تغیر، تضاد اور اختلاف ہوتا۔ اسی بناء پر بہانگ دہل اعلان کر دیا گیا ہے کہ اے طالبان جمال ازلی تم قرآن پاک کی طرف کیوں نہیں رجوع کرتے تاکہ ہر حرف کے نیچے انوار بہار اور جمال ازلی مشاہدہ کرو اور زبان اسرار سے خطاب حق کے حقائق سنو۔ شیخ ابو عثمان مغربی کا قول ہے کہ خلق میں غور کرنا نظر عبرت ہے اور اپنے نفس کی حالت پر غور کرنا نصیحت ہے اور قرآن میں غور کرنا نظر حقیقت اور کاشفہ ہے۔

مقصودِ بیان قرآن میں غور و تامل کرنے کی ہدایت اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ کوئی گہری نظر رکھنے والا اور غور سے مقاصد قرآن کو سمجھنے والا منکر قرآن نہیں ہوسکتا۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ ایمان عرفان نور اور ہدایت کا سرچشمہ قرآن ہے مگر طالب صادق کیلئے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ

اور جب اُن کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اگر اس کو رسول کی طرف اور

اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ

اپنے صاحبانِ حکومت تک پہنچا دیتے تو اس کی مصلحت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو مصلحت معلوم کر سکتے ہیں اگر اللہ کا فضل و کرم

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

تم پر نہ ہوتا تو سوائے چند کے تم سب شیطانوں کے پیچھے لگ گئے ہوتے

تفسیر ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ آیت اہلِ نفاق اور چند ضعیف الاسلام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ بات یہ ہے کہ منافق لوگ غلط افواہیں اڑاتے ہیں اور بعض ضعیف الاسلام آدمی اُن اسرار کو جو واقع میں صحیح ہوتے تھے، لیکن پوشیدہ رکھنے کے قابل ہوتے تھے قبل از وقت ظاہر کر دیتے تھے اور اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تھا اور خواہ مخواہ کی غلط فہمی پھیلتی تھی مثلاً ایک بار حضور اقدسؐ نے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، جب یہ صاحب مقررہ مقام پر پہنچے تو وہاں کے باشندے استقبال کو آئے انھوں نے سمجھا کہ میرے مارنے کو آئے ہیں اس بے بنیاد خیال کو ذہن میں پختہ جما کر واپس چلے آئے اور مدینے میں آکر کہا کہ فلاں قوم مرتد ہوگئی ہنوز یہ خبر حضور اقدسؐ تک نہ پہنچی تھی کہ شہر میں اس کا شہرہ ہوگیا۔ اسی طرح جب حضور گرامیؐ کہیں جہاد پر لشکر بھیجتے تو مجاہدین اسلام فتح پاتے یا ہزیمت اٹھاتے، مگر رسول پاکؐ کے ذکر کرنے سے پہلے پہلے لوگ اُس خبر کو اُڑا دیتے اور مشہور کر دیتے تھے یہی حال اُس وقت بھی ہوتا تھا جب حضور اقدسؐ وحی سے معلوم کر کے قبل از وقوع کسی نصرت یا فتح کی بشارت دیتے یا ہزیمت اہلِ اسلام کے متعلق پیشین گوئی کرتے تو بعض ضعیف الایمان اس کو مشہور کر دیتے، جس کا نتیجہ بُرا ہوتا تھا کیوں کہ دشمن یا اپنی حفاظت کر کے (لڑتے ہی) نہ تھے یا ہزیمتِ اسلام کی صورت میں جان توڑ کر لڑتے تھے۔ بہرحال غلط افواہیں اڑانا اور واقعی قابلِ اخفاء اسرار کو ظاہر کرتے۔ اس کی ممانعت میں مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب ان منافقوں اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو مسلمانوں کی فتح کی یا خوف وہ ہزیمت کی کوئی خبر ملتی ہے تو اس کو (بلا تحقیق کے) مشہور کر دیتے ہیں۔ (اور کچھ عاقبت بینی اور معاملہ فہمی کا لحاظ نہیں کرتے حالاں کہ اس سے اسلامی مقاصد کو نقصان پہنچتا ہے) اس کی بجائے وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ اور اگر اس خبر کو رسول پاکؐ کو (اوّل) پہنچا دیتے یا اپنے حکام کو اس کی پہلے اطلاع دیتے یعنی اُن سے تحقیق واقعہ کر لیتے اور خود خاموش رہتے گویا اس خبر سے بالکل لاعلم ہیں تو لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ تو تحقیق کرنے والے خود تحقیق کر لیتے اور تفتیش کے بعد صحیح علم ہو جاتا۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ یعنی یہ خدا کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ اس نے قرآن اور رسول بھیج کر تم کو راہِ راست بتادی اور گمراہی سے بچالیا۔ اگر خدا قرآن کو نازل نہ فرماتا اور رسول کو نہ بھیجتا تو سوا اُن چند اشخاص کے جن کے دلوں کے اندر فطری نور تھا اور باعتبار سرشت کے وہ راہِ راست پر ہو سکتے تھے اور سب گمراہ ہو جاتے۔

ابن کثیر نے بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم آیاتِ مذکورہ کی شانِ نزول میں ایک حدیث بیان کی ہے جس سے شانِ نزول کی تخصیص معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ آیت کا حکم عام ہے۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں مجھے اطلاع ملی کہ رسول پاکؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس وحشت ناک خبر کو سُن کر میں اپنے گھر سے چل کر مسجد میں گیا وہاں کچھ دیر توقف کیا۔ کچھ لوگ وہاں یہی باتیں کر رہے تھے۔ میں اجازت لے کر حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا یا رسول اللہ

کیا حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟ فرمایا نہیں۔ میں نے تعجب سے کہا اللہ اکبر اور پھر مسجد کے دروازہ پر آکر بلند آواز سے ندا کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی اُس وقت آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ .... الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے ہی طلاق والی خبر کی تحقیق کی۔ اس شانِ نزول کی بناء پر آیت خاص ہوگی، لیکن حکم عام ہوگا۔

مقصود بیان آیت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور احکام حوادث میں عام لوگوں پر علماء کی تقلید کرنی واجب ہے اور مسائل شرعیہ کا استنباط ضروری ہے۔ اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بلا تحقیق کسی واقعہ کو مشہور کر دینا گناہ ہے اور اس بات کو شائع کر دینے کی اجازت نہیں جس کا ظاہر کر دینا مقاد اسلامی کے خلاف ہو اور مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو بلکہ اگر کہیں ایسی بے بنیاد یا قابلِ اخفاء صحیح خبر معلوم ہو تو اپنے با اختیار لوگوں سے جا کر کہہ دینی چاہیئے اور خود ساکت ہو جانا چاہیئے۔ آیت مذکورہ صاف طور پر ہم کو بتا رہی ہے کہ نورِ فطری رکھنے والے اور ہدایت عقلی پر عمل کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ قرآن و رسالت رحمتِ الٰہی ہے جو انسانی نجات کی حقیقی کفیل ہے۔ وغیرہ۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ

(اے محمدؐ) تم راہِ خدا میں لڑو تم پر سوائے اپنی جان کے کسی کی ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دو کیا عجب ہے کہ اللہ

اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝

کافروں کی لڑائی روک دے اور اللہ کی لڑائی زیادہ سخت اور اس کی سزا بہت شدید ہے

تفسیر جنگِ اُحد کے بعد ابو سفیان کے وعدہ کے مطابق حضور سرور کائناتؐ نے ماہ ذیقعدہ میں مقام بدر صغریٰ بارادہ جہاد تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو نعیم بن مسعود نے مسلمانوں کو کفار کی کثرت سے خوف دلایا اور اعداءِ دین کی قوت کا خوف دلایا جس سے بعض ضعیف الاسلام ٹھٹھک گئے۔ حضور اقدسؐ نے یہ حالت ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر میں تنہا رہ جاؤں گا تب بھی جاؤں گا۔ اس پر آیت فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ (خازن و معالم) بالآخر حضور اقدسؐ صحابہ کو ہمرکاب لے کر حسب وعدہ تاریخ مقررہ پر مقام بدر صغریٰ جا پہنچے، لیکن اہلِ مکہ میں ڈر کے مارے وہاں کوئی نہ آیا۔ بدر صغریٰ میں ایک بازار سالانہ ہوتا تھا اور دُور دُور کے سوداگر آکر لین دین کرتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی وہاں تین روز تک منافع سے خرید و فروخت کی اور پھر امن چین سے مدینہ کو واپس آگئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اے محمدؐ! تم راہِ خدا میں خود جہاد کرو۔ کسی کے ساتھ ہونے نہ ہونے کی پرواہ نہ کرو۔ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ہم کو تم کو صرف تمہاری جان کے متعلق حکم ہے اور تم صرف اپنی ذات پر مکلف ہو۔ اب اگر منافق اور ضعیف الایمان مسلمان تمہارا ساتھ نہ دیں تو فکر نہ کرو۔ ہاں وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ مسلمانوں کو لڑنے پر آمادہ کرو اور رغبت دلاؤ۔ جہاد کے فضائل اور ثواب مسلمانوں کے سامنے بیان کرو تاکہ جہاد میں شریک ہونے کی ان کو رغبت ہو کیونکہ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تمہاری ترغیب دینے سے امید ہے کہ مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ جائیں گی اور مشرکوں کے شر و فساد کو دفع کرنے اور مضبوطی کے ساتھ اُن سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ کافروں کی شوکت، قوت اور لڑائی کی ہمت کو توڑ دے گا اور ان کے حملے کو روک دے گا کیونکہ خدا کو کسی کی قوت و ضعف کی پرواہ نہیں کیونکہ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ اُس کی قوت، قدرت، غلبہ اور تسلط بے انتہا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی سخت ہے جس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا، اس لئے کسی کی جسمانی طاقت اور جنگی قوت کو فتح و شکست میں دخل نہیں (لیکن یہ عالمِ اسباب ہے) تم مسلمانوں کو جہاد کے ثواب کا امیدوار بناؤ اور شریکِ جنگ ہونے کی رغبت دلاؤ۔

مقصود بیان: جہاد کی ترغیب اور اس امر کی صراحت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی حالت بدلنے اور کسی کے دل پر انقلابی کیفیت

پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں اور نہ کسی کو زبردستی راہ راست پر لانے کے مکلف ہیں بلکہ حضورؐ کا کام صرف ترغیب و ترہیب ہے۔ آیت میں مخفی اشارہ اس طرف بھی ہے کہ عالم اسباب میں خدا تعالیٰ بغیر کسی سبب کے کوئی کام نہیں کرتا ہے۔ سبب کا ہونا ضروری ہے۔ باقی واقعی تاثیر ان اسباب کو حاصل نہیں۔ خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے کچھ بھی کر سکتا ہے

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو شخص نیک بات سفارش کرے اُس کو اس میں سے کچھ حصہ ملے گا اور جو شخص بُری بات کی سفارش کرے

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝

اُس میں بھی اس کا کچھ حصہ ہوگا اور اللہ ہر چیز کا بانٹنے والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں نیکی کرنے اور نیکی میں کوشش کرنے کا عمومی حکم ہے جس کا ایک فرد جہاد بھی ہے، لیکن تمام امور کا مدار نیت پر ہے۔ ممکن تھا کہ کوئی منافق صرف دکھاوٹ کے لئے شریک جنگ ہو یا مسلمان نام آوری اور شہرت کے لئے جہاد کرتے، اس لئے باطل جذبے کی بیخ کنی کے لئے عام قاعدہ بیان کیا۔ ارشاد ہے کہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ یعنی جو شخص نیک کام (میں) سفارش کرے گا، سفارش قبول ہو یا نہ ہو اس کو سفارش کرنے کا ثواب ضرور ملے گا اور اس نیکی کے اجر میں ایک حصہ نصیب ہو جائے گا کیوں کہ اس نے نیک کام کی سفارش کی ہے۔ (عام قاعدہ ہے کہ حصول نیکی کا ذریعہ بھی نیک سمجھا جاتا ہے اور حصول بدی کا ذریعہ بد خیال کیا جاتا ہے)

تفسیر معالم میں بروایت ابن عباسؓ بیان کیا گیا ہے کہ نیک سفارش سے اصلاح خلق اور بد سفارش سے چغلی کھا کر لوگوں میں فساد پھیلانا مراد ہے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَنْ يَّشْفَعْ فرمایا ہے یعنی نیک کام کی سفارش کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ یہ شرط نہیں کہ ثواب اس وقت ملے گا جب اُس کی سفارش قبول کی جائے۔ مطلب یہ کہ محض سفارش خیر پر ثواب کا وعدہ ہے چاہے سفارش قبول ہو یا نہ ہو۔ شیخ ابن کثیر نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جو شخص کسی ایسے کام میں سعی کرے جس سے بھلائی حاصل ہو سکتی ہو تو اس کو بھلائی کا ایک حصہ ملے گا اور اگر ایسے کام میں کوشش کرے جس پر برائی مترتب ہوتی ہو تو اس کو اپنی اسی نیت پر عذاب ملے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ کیوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی سزا جزا دے گا۔ کسی کا عمل رائگاں نہ جائے گا۔ مفسر جلال اور صاحب معالم نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ مُقِيْت کے معنی اپنی قدرت سے ثواب و عقاب دینے والا، لیکن عطاء وعوفی وقتادہ ومطر الوراق نے مُقِيْت کے معنی نگہبان اور محافظ لکھے ہیں۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ مقیت بمعنی حاضر و ناظر ہے۔ ابن جبیر سدی اور ابن زید کے قول پر بمعنی قدیر ہے اور ضحاک کی روایت کے بموجب بمعنی رزاق ہے۔ مطلب تمام معانی کے اعتبار سے قریب قریب ہے۔

مقصود بیان نیکی کرنے کی ترغیب، نیکی کی سفارش کرنے پر ثواب کا وعدہ، کار خیر میں کوشش کرنے کا ضمنی امر اور خدا کے قادر مطلق ہونے کی صراحت وغیرہ۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝

اور جب تم کو کوئی سلام کیا جائے تو تم بھی اُس سے بہتر دعا دو یا اُلٹ کر وہی کہدو بلاشبہ اللہ چیز کا حساب لینے والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں حمایتِ اسلام کے لئے اور شر و فساد کو دُور کرنے کے واسطے اعدائے دین سے لڑائی کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں باہم مسلمانوں کو تواضع، اخلاق اور صلح و آشتی کی ترغیب دی جا رہی ہے تاکہ جہاں اسلام پر حملہ کرنے والوں کی یورش کو دفع کرنے سے اسلام میں قوت پیدا ہو وہاں باہمی میل محبت اور خوش خلقی سے تحفظ اسلام ہو سکے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اگر تم کو کوئی مسلمان کسی قسم کی دعا دے تو تم اُس کے جواب میں دو صورتیں اختیار کرو یا تو اس کی دعا سے بہتر دعا دو (اور یہی افضل بھی ہے) یا کم از کم جیسی دعا اُس نے دی ویسی ہی تم بھی اس کو دو۔ مثلاً کسی نے السلام علیکم یا سلام علیکم کہا تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو۔ اس قسم کی باہم خوش خلقی اور میل محبت کا مظاہرہ تمام اہل اسلام پر واجب ہے۔ اس لئے اعدائے دین کے مقابلے میں حمایت اسلام اور باہمی ہمدردی قائم رکھنے کے لئے تواضع اور باہم لازم ہے اور جب تک ان اصول بقاء پر کاربند رہنے کی کوشش نہ کی جائے کوئی قوم زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتی اور یہ خیال نہ کرو کہ چھوٹی چھوٹی باتیں ناقابلِ گرفت اور فضول ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا کیوں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا تفصیلی حساب کرنے والا ہے۔ چھوٹی نیکی ہو یا بڑی، تھوڑی برائی ہو زیادہ ہر عمل کا محاسبہ ضرور ہوگا۔

سلام کرنے کے چند ضروری احکام علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ غیر مسلم اور فاسق اور مبتدعت کے سلام کا جواب واجب نہیں۔ پیشاب کرنے والا، رفع حاجت کرنے والا، غسل خانے میں نہانے والا، کھانا کھانے والا، سلام کا جواب دینے پر مکلف نہیں۔ تفسیر سراج میں ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا حرام ہے، لیکن بعض مشائخ کا قول ہے کہ اس زمانے میں ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ دل سے نیت نہ کرے صرف ہاتھ کا اشارہ کرے اور اگر زبان سے بھی کہے تو ملائکہ کی نیت کرے۔ اگرچہ بظاہر غیر مسلم کو سلام کرنا معلوم ہو، مگر باطن میں نیت اور ہو۔

نماز پڑھنے والے، اذان کہنے والے، خطبہ پڑھنے والے اور حج کی لبیک کہنے والے کو سلام کرنا مسنون نہیں اور نہ اُن پر جواب دینا لازم ہے۔

تفسیر مدارک میں ہے کہ آواز سے قرآن یا حدیث پڑھنے والا یا علمی مذاکرہ کرنے والا سلام کا جواب نہ دے۔ مسنون ہے کہ مرد جب اپنے گھر میں جائے تو بیوی کو سلام کرے اور بیوی شوہر کو سلام کرے اور ہر قرابت دار محرم عورت کو سلام کرنا مسنون ہے۔ سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹا بڑے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔ جو شخص سلام کا جواب نہیں دیتا اُس کی رُوح گندہ ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی اور کا سلام تم کو پہنچائے تو جواب میں تم وعلیک وعلیہ السلام کہو (یعنی تم کو اور اس کو دونوں کو سلام)

تفسیر مدارک میں ہے جو شخص شطرنج یا چوسر یا گنجفہ کھیل رہا ہو یا گا رہا ہو یا کبوتر اڑا رہا ہو یا ایسا فعل کرتا ہو اُس کو سلام نہ کرنا چاہیئے۔

تفسیر سراج میں ہے سلام میں پہل کرنا۔ اگر اکیلا شخص ہو تو سنت عینی ہے اور اگر جماعت ہو تو سنت کفایہ ہے یعنی اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کر دیا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا لیکن ثواب اُسی کو ملے گا جس نے سلام کیا ہے اور اگر سب سلام کریں گے تو سب کو ثواب ملے گا اور جس شخص کو ایک جماعت نے سلام کیا ہو اس کو ایک جواب سب کو دے دینا کافی ہے۔ سلام کا جواب دینا کل جماعت پر واجب ہے، لیکن اگر ایک نے بھی جواب دے دیا تو اوروں کے سر سے یہ وجوب ساقط ہو جائے گا۔

مقصود بیان اخلاق میں محبت اور اتحاد و یگانگی کی تعلیم، اتفاق باہمی اور ہمدردی اسلامی مظاہرے کا حکم۔ اس بات کی ہدایت کہ ہر مسلمان کو دوسرے کے ساتھ اس کی نیکی سے بڑھ چڑھ کر نیکی کرنی چاہیئے ورنہ کم از کم اُس کے احسان کے برابر تو بدلہ دینا ضروری ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ؏ ۸۷

اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا اس میں ذرا شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے

تفسیر:- جب گزشتہ کلام میں اصول بقاء اور طریق اعلاء کلمۃ اللہ کی تعلیم مکمل طور پر دی جا چکی تو اب اس جگہ ایک ایسا قاعدہ بتایا جاتا ہے اور ایسا

ثبوت پیش کیا جاتا ہے جس سے ہر فرد انسانی گزشتہ ہدایت مان لینے کی طرف دل سے مائل ہو جائے۔ مطلب یہ کہ خدائے قدوس معبود برحق ہے اس کا حکم اور فیصلہ مطلق ہے۔ غلطی اور کذب کا اس کے قانون میں احتمال نہیں وہی تمام مخلوق کا الٰہ مطلق ہے احد فرد اور ھو ہیت ہے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ قیامت کے دن تم سب کو زندہ کر کے وہی جمع کرے گا اور قیامت کا ہونا بھی یقینی ہے جس میں قطعاً شک نہیں ہے اور سب کو اس کے اعمال کی سزا جزا دے گا۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۵ اور جب وہی معبود برحق ٹھہرا اور سب کا خالق اور الٰہ مطلق قرار پایا تو اُس سے بڑھ کر اور کون صادق القول ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی ہدایت و ارشاد کو مان لینا اور اس کی تعلیم پر عمل کرنا تمام افرادِ انسانی پر واجب ہے۔

مقصودِ بیان اعلان توحید اور اظہار عدالتِ الٰہی اور حشر و نشر کی صراحت اور خدا تعالیٰ کے صادق القول ہونے کی وضاحت۔ ضمناً اشارہ عدم امکانِ کذب کی طرف بھی ہے۔ ضمناً اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اُسی کی ہدایت واجب العمل ہے وغیرہ۔

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

تم کو کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے اللہ نے اُن کے کرتوت کے سبب اُن کو اوندھا کر دیا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو اللہ نے

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا

گمراہ چھوڑ دیا اس کو راہ پر لے آؤ جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دیتا ہے اُس کے لئے تم کوئی راہ نہیں پا سکتے وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ کافر ہو گئے

كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

تم بھی کافر بن جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ لہٰذا تم اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ راہِ خدا میں ہجرت نہ کریں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا

پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو جہاں پاؤ اُن کو پکڑو قتل کرو اور ان میں سے نہ کسی کو دوست بناؤ

وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

نہ مددگار ہاں جو لوگ اس قوم سے جا ملیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو یا تم سے یا اپنی

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ

قوم سے جنگ کرنے سے تنگ دل ہو کر تمہارے پاس آ جائیں اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر ضرور

عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

کر دیتا پھر وہ تم سے ضرور لڑتے اب اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے سامنے صلح پیش کریں تو پھر خدا تعالیٰ نے تمہارے

اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْہِمْ سَبِیْلًا ۝ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا

نے ان پر کوئی راستہ نہیں رکھا اب تم کچھ اور آدمی ایسے پاؤ گے جو تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی

قَوْمَہُمْ ؕ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَی الْفِتْنَۃِ اُرْکِسُوْا فِیْہَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ

بے خوف جب کبھی فساد کرنے کو انہیں بلایا جاتا ہے تو اوندھے منہ جا پڑتے ہیں پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں اور تمہارے سامنے صلح

السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا اَیْدِیَہُمْ فَخُذُوْہُمْ وَاقْتُلُوْہُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْہُمْ ؕ وَاُولٰٓئِکُمْ

نہ پیش کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو جہاں پاؤ اُن کو پکڑو قتل کرو انہی کے مقابلہ

جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝ ع

میں ہم نے تمہارے لئے برہان واضح پیش کر دیا ہے

تفسیر فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ ۔ یہاں سے آخر تک تمام آیات کی شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں، اگرچہ قرآن پاک کا فہم اور آیات کا مطلب سمجھنا ان قصوں پر موقوف نہیں مگر شانِ نزول سے معنی میں وضاحت ضرور ہو جاتی ہے، اس لئے ذیل میں ہم مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۱) ابن کثیر کہتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد کے واسطے مدینے سے باہر نکلے تو منزلِ مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی کچھ لوگ راہ میں حضور اقدسؐ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے تھے اور ساتھ نہ دیا۔ صحابہ کرامؓ کے ان لوگوں کے متعلق دو فریق ہو گئے اور ہر فریق کی رائے دوسرے کی رائے سے مختلف ہو گئی۔ ایک فریق نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے وہ مرتد ہو گئے۔ دوسرے نے کہا نہیں وہ مسلمان ہیں قابل قتل نہیں۔ اُس پر آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ حضور والاؐ نے فرمایا مدینہ طیبہ ہے یہ کثافت و خبث کو اسی طرح صاف کر دیتا ہے جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے (رواہ احمد عن زید بن ثابت وقد رواہ البخاری ومسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہونے والے تین سو آدمی تھے جن میں سے عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا بلکہ یہی سب کا سردار تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو آدمی باقی رہ گئے تھے (رواہ محمد بن اسحاق فی غزوۂ احد)

(۲) عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں رہتے تھے جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا تھا، لیکن باطن میں مشرکوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اتفاقاً کسی ضرورت سے مکہ سے باہر نکلے اور کہنے لگے کہ اگر دورانِ سفر میں ہمارا محمدؐ کے ساتھیوں سے مقابلہ ہو گیا تو ہم کو ان سے کوئی خوف نہیں ہم مقابلہ کریں گے۔ یہ خبر مسلمانوں کو بھی پہنچ گئی۔ کچھ مسلمان کہنے لگے چلو ان نامرادوں کو چل کر قتل کر دیں وہ مرتد ہیں ہمارے دشمنوں کی ہمارے خلاف امداد کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا دوسرا گروہ بولا واہ سبحان اللہ جن لوگوں نے تمہاری طرح زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا ہے تم ان کو صرف اس بات پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ انھوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنا دلیس نہ چھوڑا (تعجب) ہم ان کے خون اور مال کو کس طرح حلال سمجھ سکتے ہیں۔ اسی قصے کے متعلق آیات مذکورہ کا نزول ہوا (رواہ ابن ابی حاتم وابوسلمہ بن عبدالرحمٰن وعکرمہ والضحاک وغیرہم)

(۳) تفسیر معالم میں محی السنہ نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، لیکن چند روز کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور حضور اقدسؐ سے مالِ تجارت کے لانے کے بہانے سے مکہ کو چل دیے یا مدینے سے بھاگ کر مکے کو چلے گئے اور راستے میں سے ہی ایک تحریر حضورؐ کی خدمت میں بھیج دی کہ ہم اب تک اسی عقیدے پر ہیں جو مدینے سے نکلنے کے وقت ہمارا تھا، مگر مدینے کی آب وہوا ہم کو موافق نہ آئی، اس لئے چلے آئے۔ ان لوگوں کے متعلق صحابہ کے دو فریق ہو گئے ایک فریق نے کہا کہ یہ کافر ہیں، دوسرے نے حسنِ ظن

کی بنا پر دلائل ارتداد میں کچھ تاویل کر کے اُن کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھا۔ اس پر آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں: بہرحال شانِ نزول کچھ بھی ہو آیات کا مطلب صاف ہے اور ظاہر ہے کہ ان آیات کا نزول منافقوں کے حق میں ہوا ہے۔ خواہ وہ ابن ابی کے ساتھی ہوں یا مکہ کے مشرک یا مدینے سے بھاگ کر چلے جانے والے سوداگر۔

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ۔ مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے متعلق تم دو فریق بن بیٹھے اور خواہ مخواہ آپس میں تفرقہ کر لیا۔ حالاں کہ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا انھیں کے کفر و معاصی کی وجہ سے خدا نے ان کو مردود کر دیا اور پھر شرک و ارتداد کی طرف ان کو لوٹا دیا۔ وہ لوگ اسی پھٹکار پر مریں گے تم اُن کو ہدایت نہیں کر سکتے اور نہ ہدایت یافتہ گروہ میں شامل کر سکتے ہو۔ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ۔ کیا جس شخص کی قسمت میں خدا نے گمراہ ہونا لکھ دیا اور اس کے اعمال کی وجہ سے اُس کو گمراہ کر دیا تم اس کو ہدایت یافتہ گروہ میں شمار کرنا چاہتے ہو۔ ایسا ہرگز نہ کرو، اُن کو گمراہ اور منافق ہی سمجھو کیوں کہ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ گمراہی میں چھوڑ رکھتا ہو تم کو اس کے واسطے راہِ ہدایت نہیں مل سکتی اور گمراہی سے وہ نجات نہیں پا سکتا، اس لئے تم کو اُن کے ہدایت یافتہ ہونے کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہیے اور باہمی اختلافات کو دُور کر دینا چاہیے۔ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا۔ وہ لوگ تو کفر میں اس قدر مستحکم ہیں کہ اپنی طرح تم کو بھی کافر دیکھنا چاہتے ہیں اور دل سے خواہش مند ہیں کہ تم بھی اُن کی طرح کافر بن جاؤ۔ فَتَكُونُونَ سَوَاءً اور پھر تم اور وہ سب کفر میں مساوی ہو جاؤ۔ جب اُن کا کفر اس قدر مستحکم اور سخت ہے تو تم اُن کے صرف زبانی اقرارِ اسلام پر نہ جاؤ اور ظاہری اسلام پر اکتفا کر کے فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ اُن سے موالات اور دوستی نہ کرو وہ یقینی منافق ہیں۔ حَتّٰى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ جب تک وہ راہِ خدا میں صحیح ہجرت نہ کریں جس سے اُن کے ایمان قطعی کا ثبوت ہو سکے۔

تفسیر معالم میں محی السنہ نے بروایت عکرمہؓ بیان کیا ہے کہ اس ہجرت سے مراد دوسری قسم کی ہجرت ہے۔ ہجرت درحقیقت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) ترکِ وطن جس طرح کہ ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں نے مکے کی سکونت کو ترک کر دیا تھا (۲) ہجرتِ مجاہدین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب صبر و استقلال کے ساتھ باُمیدِ ثواب جہاد کو جانا اور صرف خوشنودیِ الٰہی کے لئے کافروں سے جنگ کرنا۔ آیت میں بروایتِ عکرمہ یہی ہجرت مراد ہے (۳) تمام ممنوعات کو چھوڑ دینا اور کل ناجائز خواہشاتِ نفسانی سے ہجرت کر لینا۔ بیضاوی کے نزدیک آیت میں اخیری معنی مراد ہیں۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا اب اگر انھوں نے مونھ موڑا اور ہجرتِ مذکورہ سے باز رہے اور اپنے حال پر قائم رہے تو وہ منافق ہیں، اعداءِ اسلام ہیں، مسلمانوں کے دشمن ہیں اور آستین کے سانپ ہیں۔ اگر تم کو ان پر قدرت حاصل ہو جائے اور وہ تمہارے قبضے میں آ جائیں تو فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا اُن میں سے کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، موالات نہ کرو اور نہ یہ خیال کرو کہ اُن میں سے کوئی تمہاری مدد کرے گا اور ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے گا۔ اس حکم سے کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہیں۔ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ۔ جب غزوۂ بدر اور احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ عرب پر غلبہ حاصل ہوا تو سراقہ ابن مالک مدلجی نے خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے سُنا ہے کہ اب آپ کا ارادہ میری قوم پر لشکر کشی کرنے کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہم سے صلح کر لیں۔ حضورِ اقدسؐ نے خالد بن ولیدؓ کو سراقہ کے ساتھ تکمیلِ صلح کے لئے بھیج دیا۔ وہ ان کے پاس گئے اور گفتگو کی۔ غرض صلح نامہ ان شرائط پر مکمل ہو گیا کہ بنی مدلج نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں نہ اپنی قوم سے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اگر قریش مسلمان ہو جائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں۔

اس کے علاوہ ہجرت سے قبل حضور والاؐ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے بھی اسی طرح صلح کی تھی بلکہ یہاں تک حکم دے دیا تھا کہ ہلال جس کو امن دے دے وہ بھی اسی عہد نامے میں داخل ہے۔ ابن عباس رضؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی بکر بن زید سے بھی اسی قسم کا معاہدہ ہو گیا تھا۔ مقاتل کی روایت ہے کہ خزاعہ اور خزیمہ بن عبد مناف سے بھی معاہدۂ امن حضورؐ نے کر لیا تھا۔ بہرحال اسی قسم کے واقعات ظہور پذیر ہونے کے وقت آیتِ مذکورہ کا نزول ہوا۔ حاصلِ ہدایت یہ ہے کہ مذکورہ بالا حکم سے چند قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں اوّل تو وہ لوگ جو ایسی قوم سے معاہدہ رکھتے ہوں جس سے اہلِ اسلام کا معاہدہ ہے کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر یا ضرورت کے وقت ہم تمہاری مدد کریں گے اور تم ہماری اور اس سے کسی اور قوم کا معاہدہ ہو تو اس اخیری قوم سے بھی جنگ نہ کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ جس قوم سے اہلِ اسلام کا معاہدہ ہو یا معاہدے والی قوم سے معاہدہ ہو دونوں حکمِ جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ۔ دوسرے وہ لوگ بھی حکمِ جہاد سے مستثنیٰ ہیں جو بالکل علیحدہ ہوں نہ تمہارے نفع کے خواہاں ہوں نہ ضرر کے جویاں (جس طرح

جنگِ بدر میں حضرت عباسؓ تھے) نہ تم سے دوستی رکھتے ہوں، نہ منافقت اور نہ مقاتلہ بلکہ دونوں باتوں سے تنگ دل ہوں نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے لڑتے ہوں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کرتے ہوں، سب الگ تھلگ ہوں لہٰذا تم کو بھی ان سے نہ لڑنا چاہیئے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ باوجود قدرت ہونے کے انھوں نے تمہارے دشمنوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور تمہارے مقابلے پر نہ آنے کا وعدہ کر لیا کیونکہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ اگر خدا کی مرضی ہوتی تو وہ ان کے دلوں کو قوی کر دیتا اور ان کو تم پر جرأت ہو جاتی اور وہ تم سے لڑائی کرنے لگتے، لیکن خدا نے اپنے فضل سے ایسا نہیں کیا۔ اُن کے دلوں میں بجائے جرأت کے رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ تمہارے مقابلے پر نہ آئے اور یکسوئی اختیار کر لی لہٰذا فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ اگر تم سے وہ کنارہ کش ہو جائیں، یکسوئی اختیار کریں اور جنگ نہ کریں وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تم سے امن و صلح کے خواہاں ہوں یعنی بغیر جزیہ ادا کئے تم سے صلح کے جویاں ہوں تو تم پر بھی لازم ہے کہ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ اُن سے جنگ نہ کرو۔ تمہارے واسطے اُن کو قتل کرنا جائز ہے نہ گرفتار کرنا۔ یہ دونوں گروہ تو وہ تھے جن سے جنگ کرنی جائز نہ تھی۔ آئندہ آیت میں اُس تیسرے گروہ کا حکم بیان کیا جاتا ہے جو نہایت چالاک اور بدمعاش تھا مسلمانوں سے مامون رہنا چاہتا تھا اور اپنی قوم کے سامنے اسلام کا مذاق اڑاتا تھا، ارشاد ہوتا ہے:-

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ۔ کلبی نے بروایت ابوصالح ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ کل آیت قبائل اسد و غطفان کے حق میں نازل ہوئی جو منافقانہ صرف دکھانے کے لئے کلمۂ اسلام زبان سے کہتے تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے۔ جب صحابہ کے سامنے آتے تھے تو کہتے تھے ہم تمہارے دین پر ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تھے اور قوم والے پوچھتے تھے کہ تم کس چیز پر ایمان لائے ہو تو جواب دیتے تھے گبھو پر گوہ پر۔ یعنی اسلام کی توہین کرتے تھے، لیکن ضحاک نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ بنی عبدالدار کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن جریر نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ یہ آیت اُن مکّہ والوں کے حق میں نازل ہوئی جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اظہار کرتے تھے اور پھر قریش کے پاس جا کر بتوں کے سامنے سربسجود ہوتے تھے تاکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ مامون رہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ تم کو کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے جو اپنی انتہائی چالاکی کی وجہ سے بظاہر کلمۂ اسلام زبان پر لا کر تم سے مامون رہنے کے خواستگار ہوں گے۔ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر کافر ہو کر اُن کی حمایت حاصل کرنے کے بھی جویاں ہوں گے۔ اُن کی حالت یہ ہوگی کہ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا۔ جب اُن کو مسلمانوں سے جنگ کرنے اور کفر اختیار کرنے کی طرف لوگ بلائیں گے تو وہ کفر پر ٹوٹ پڑیں گے اور انتہائی شوق و انہماک سے اس میں مبتلا ہو جائیں گے لہٰذا یہ لوگ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ اگر تمہارے مقابلے سے کنارہ کش نہ ہوں اور تم سے جنگ کرنا نہ چھوڑیں اور اپنی قوم کی حمایت کرتے رہیں۔ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ اور تم سے صلح و امن اور آشتی و معاہدہ کے خواستگار نہ ہوں یعنی تم سے کسی قسم کا معاہدۂ صلح نہ کریں۔ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ اور اپنی دراز دستی نہ روکیں اور تمہاری طرف جنگ کے لئے ہاتھ بڑھائیں یعنی تم سے جنگ کرنے سے باز نہ آئیں۔ فَخُذُوْهُمْ تو تم بھی اُن سے لڑو۔ اگر ان کو قتل نہ کر دو تو گرفتار کر لو۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو خواہ حرم کے اندر یا باہر۔ بہرحال اُن کے قتل کے درپے رہو اور یہ حکم قتل ہم نے خواہ مخواہ نہیں دیا ہے اور نہ اس کی بنا ظلم پر ہے بلکہ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ بلکہ ان منافقوں کے قتل و قید پر ہم نے تمہارے لئے ایک روشن ثبوت اور واضح دلیل مقرر کر دی ہے۔ دھوکہ بازی، نفاق اور غدر کی ابتدا انہیں کی طرف سے ہے وہی تم کو ابتداءً ذلیل کرنا، تمہاری بیخ کنی کرنا اور تمہاری جان، مال و دین برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہی بات اُن کے قتل و گرفتاری کے جواز کی واضح دلیل ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے نفاق کی صراحت۔ مسلمانوں کو منافقوں کے کفر میں شک کرنے سے ممانعت۔ دوسروں کے کفر و اسلام کے جھگڑوں میں پڑ کر آپس میں فرقہ بندی کر لینے سے باز داشت۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ خداتعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ جب کفر و معاصی اور سرکشی و طغیان کا زنگ انسان کے دل پر بہت زیادہ چڑھ جاتا ہے اور اس کی صفائی ناممکن ہوتی ہے اور گمراہی کی مہر دل پر لگ جاتی ہے تو خدا بھی ایسے گناہ گار معصیت شعار کافر کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور راہِ راست پر نہیں لاتا۔ ہدایت اور گمراہی خدا کے دستِ قدرت میں ہے۔ کافروں سے دینی موالات جائز نہیں۔ اگر انسان صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرے اور اسلام کے خلاف حمایت کرتا ہو اور اصول اسلامی کی بیخ کنی کرے۔ پس جو تو وہ مسلمان نہیں اُس سے دینی موالات جائز نہیں۔ دو قسم کے کافروں کو قتل یا قید کرنا حرام ہے۔ اوّل تو اہلِ معاہدہ یعنی جن

سے مسلمانوں نے بغیر شرط جزیہ کے امن و جنگ یا صلح و امداد کا معاہدہ کر لیا۔ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو معاہدہ رکھنے والی قوم سے معاہدہ رکھتے ہوں گویا وہ اہلِ اسلام کے ساتھ معاہدہ رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو بالکل الگ تھلگ ہیں نہ کافروں کے طرف دار ہیں نہ مسلمانوں کے جنبہ دار۔ ہاں جو قوم تخریب اسلام کے درپے ہو اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرنی چاہتی ہو اُس کو قتل و قید کرنا واجب ہے۔ ایسی قوم کو نہ کسی مقدس مقام کی حرمت بچا سکتی ہے نہ کوئی قانون ان کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ معاہدات کی پابندی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مسلمانوں کو اپنے معاہدہ کا احترام کرنا چاہیئے اور یہاں تک معاہدہ کی پابندی لازم ہے کہ جو قوم ان کے اہلِ معاہدہ سے معاہدہ رکھتی ہو اُس کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی ممانعت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ

کسی مومن کو شایاں نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے ہاں نادانستہ ہو (تو خیر) اگر کوئی مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک

رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

مسلمان بردہ آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا پہنچا دینا ضروری ہے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو خیر) اگر مقتول اس قوم میں سے ہو جو

عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

تمہاری دشمن ہے مگر وہ خود مسلمان ہے تو ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا لازم ہے اور اگر اس قوم میں سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ

مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ

ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا پہنچا دینا اور ایک مسلمان بردہ کو آزاد کرنا لازم ہے اور اگر کسی کو اس کا مقدور نہ ہو

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

تو پے در پے دو مہینے کے روزے ضروری ہیں یہ حکم خدا کی طرف سے بطور توبہ کے مقرر ہے اور اللہ دانا صاحبِ تدبیر ہے۔

تفسیر حضرت عیاش بن ربیعہ مخزومی قبل ہجرت مشرف باسلام ہوئے اور دشمنوں کے خوف کے مارے اپنے ایمان کو ظاہر نہ کر سکنے کے باعث مدینے کی طرف روانہ ہوئے اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گئے اُن کی ماں اپنے بیٹے کی جُدائی سے بے چین ہو گئیں اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل بن ہشام کو بلا کر کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک میرا لختِ جگر نہ آئے گا اُس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ غرض یہ دونوں حارث بن زید کو ہمراہ لے کر مدینے کی جانب روانہ ہو گئے اور جب عیاش کو پہاڑ پر دیکھا تو بولے عیاش تمہاری ماں تمہارے فراق میں سخت بے چین ہے اور ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم کو کچھ اذیت نہ دیں گے نہ تمہارے دین میں کچھ مزاحمت کریں گے۔ عیاش کو اُن کی باتوں کا اعتبار آ گیا۔ اپنی ماں کی بے چینی اور اُن کے عہد و پیمان کو سُن کر نیچے اتر آئے، لیکن حارث وغیرہ نے پیمان کے خلاف چمڑے کے تسموں سے فوراً باندھ لیا اور ہر ایک نے سو سو دُرّے مارے اور ماں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ ماں بولی عیاش تو جب تک ایمان سے توبہ نہ کرے گا اور محمدؐ کی نبوت کا انکار نہ کرے گا میں تجھے نہ کھولوں گی۔ بالآخر حضرت عیاش کو بندھا بندھایا دھوپ میں ڈال دیا۔ مزید برآں حارث بن زید نے طعنے دینے شروع کیے کہ اس دین کو تو حق بتاتا ہے جس میں اتنی تکلیفیں ہیں اور یہ مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ عیاش کو یہ طعنے سُن کر غصہ آ گیا اور قسم کھائی کہ جہاں کہیں تجھے موقع پر پاؤں گا اچھی طرح سمجھ لوں گا۔

پھر حارث بن زید عیاش کی عدم موجودگی میں مسلمان ہوگئے اور عیاش کو اس کا علم بھی نہ ہوا اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینے کو آگئے ۔ عیاش پہلے ہی ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئے تھے ۔ اتفاق سے ایک پہاڑ پر حضرت عیاش کو حارث بن زید نو مسلم ہوگئے ۔ عیاش نے پہلی عداوت اور قسم پر اُن کو جان کر مار دیا ۔ عیاش گھبرائے ہوئے حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو مسلمان ہونے کی وجہ سے جو تکالیف اور مصائب حارث کی طرف سے پہنچی تھیں وہ حضورؐ پر ظاہر ہیں اور حارث کا اسلام مجھ کو معلوم بھی نہ تھا ۔ میں نے اپنی گزشتہ قسم کی وجہ سے اُن کو قتل کر دیا ۔ میں لاعلمی کی وجہ سے بالکل بے قصور ہوں اور اپنے فعل پر نادم ہوں ۔ اب کیا کروں ؟ اُس وقت آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ .... نازل ہوئی (رواہ ابن جریر وابن المنذر عن السدی وقد رواہ ابن جریر عن عکرمۃ وابن کثیر رواہ عن المجاہد) عکرمہ کی روایت میں حارث بن یزید عامری اور مجاہد کی روایت میں حارث بن یزید عامری مذکور ہے اور فتح مکہ کے دن کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔

عبدالرحمن بن زید اسلم کی روایت ہے کہ یہ آیت ابو درداء کے حق میں نازل ہوئی ۔ ابو درداء نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جس نے بظاہر کلمۂ توحید کا زبان سے اقرار کر لیا تھا اور قتل کرنے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ درحقیقت وہ کافر تھا صرف اپنا بچاؤ کرنے کے لئے اُس نے اسلام کا اقرار کر لیا تھا ۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا پھر تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا یعنی تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ اُس کے دل میں خالص نیت نہ تھی ۔

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ جنگِ اُحد میں حذیفہ بن یمان کے والد ایک بھیڑ میں کافروں کے پھنس گئے اور مسلمانوں نے جب کافروں پر یورش کی تو اُس میں یمان بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے غلط فہمی کی بنا پر شہید ہوگئے اور آخر میں علم آنے کے بعد مسلمانوں کو سخت ملال ہوا ۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی ۔ بہر حال آیت کا شانِ نزول کچھ بھی ہو حکم عام ہے ہر مسلمان کو شامل ہے ۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان کا قتل کرنا بلا وجہ شرعی کے جائز نہیں ۔ ہاں بھول ، چوک اور غلطی سے اگر قتل ہو جائے تو معذوری ہے ۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا ۔ اگر کسی مؤمن نے کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دیا ۔ مثلاً بندوق پر گولی چلائی اور کسی مسلمان آدمی کے لگ گئی یا مسلمان کو ایسی چیز سے مارا جس سے مرنے کا احتمال نہ تھا مگر اتفاق سے وہ مر گیا ۔ مثلاً طمانچہ مارا اور وہ مر گیا یا تیلی ماری اور مر گیا یا کوئی اور صورت ہوگئی تو دو صورتیں اختیار کرنی چاہئیں ۔ ایک تو قتل کا مالی عوض دوسرے گناہِ قتل کا کفارہ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مؤخر الذکر صورت تو یہ ہے کہ ایک مسلمان بردہ آزاد کیا جائے کیوں کہ قتل کرنے سے اس نے ایک آدمی کی جان لی ہے ۔ اب ایک مملوک آزاد کرنے سے گویا ایک آدمی کو زندہ کیا اور اس کی غلامی کو دور کر دیا اور اس سے انسان کی فطری آزادی جوشِ حیات کے ہے حاصل ہوگئی ۔ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ اور اول الذکر صورت یہ ہے کہ خون بہا مقتول کے ورثاء کو دیا جائے تاکہ ان کے زخموں کی کچھ جبیرہ بندی ہو جائے ۔ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۔ ہاں اگر مقتول کے وارث بطور صدقہ کے دیت اور خون بہا معاف کر دیں تو قاتل کے ذمہ سے خون بہا کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے ۔ لیکن مسلمان بردہ آزاد کرنا لازم ہے ۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ اور اگر مقتول اس گروہ کفار میں تھا جن کا مسلمانوں سے معاہدہ ہے مثلاً مسلمانوں نے اُن کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور وہ مسلمانوں کو جزیہ دیتے ہیں تو خون بہا مقتول کے وارثوں کو دیا جائے گا ۔ اگر مقتول مسلمان تھا تو پوری دیت دی جائے گی اور کافر تھا مگر ذمی تھا تو ابن مسعودؓ ابو حنیفہؒ اور ثوری کے نزدیک اس وقت بھی پوری دیت ادا کرنی ہوگی اور امام مالک احمد اور عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک لطیف دیت دینی ہوگی ۔ حسن ، سعید اور شافعی وغیرہ کے نزدیک یہودی اور نصرانی کی مقدار دیت تو مسلمان کی دیت سے ⅓ ہے اور مجوسی وغیرہ کی مقدار دیت مسلمان کی دیت کی دو تہائیاں ہیں ۔ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور علاوہ ادائے خون بہا کے بطور کفارہ کے ایک مسلمان بردہ بھی آزاد کرنا ضروری ہے ۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اب اگر مسلمان بردہ دستیاب نہ ہو خواہ قاتل کے افلاس کی وجہ سے مسلمان بردہ خرید کر لینے کی قوت نہ ہو یا قیمت موجود ہو ، مگر مسلمان غلام باندی نہ ملے تو فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ دو ماہ کے متواتر پے در پے روزے رکھنے لازم ہیں ۔ یہ کفارہ کیوں ضروری ہے ؟ ۔ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قاتل کی توبہ قبول ہو جائے اور قاتل کا گناہ معاف کر دیا جائے ۔ اگر کفارہ دے دیا جائے گا تو اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ گناہ معاف فرما دے گا ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی حالت کو خوب جانتا ہے اور تمام خلق کا انتظام اور تدبیر نہایت حکمت سے کرتا ہے وہ خوب واقف ہے کہ دیت ادا کرنے اور کفارہ دینے میں کیا کیا مصالح ہیں ۔

مقصود بیان :۔ مسلمانوں کو قصداً قتل کرنے کی نہایت بلند آواز سے ممانعت ۔ قتل خطا کی سزا کا بیان ۔ معاہدات اسلام کے احترام اور پابندی

کی وضاحت انسداد غلامی کی جانب لطیف اشارہ ۔ ایک رمز آمیز تنبیہ کہ غلام کو آزاد کرنا گویا اس کو زندہ کرنا ہے ۔ علامت اسلامی کا مظاہرہ اور ذمی کافروں کے حقوق کی نگہداشت کی صراحت ۔ دلی توبہ کے اظہار کے لئے کچھ ظاہری علامات بھی ہونے چاہئیں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ اس نے دل سے توبہ کرلی۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے　تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب ہوگا

وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

اور پھٹکار رہے گی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے

تفسیر محی السنہ نے معالم التنزیل میں بیان کیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول مقیس بن ضبابہ کندی کے حق میں ہوا ۔ واقعہ یہ ہوا کہ مقیس اور اس کا بھائی ہشام دونوں مسلمان ہو کر مدینے میں آگئے لیکن ہشام کو کسی نے قتل کردیا ۔ مقیس نے نعش کی تلاش شروع کردی اور بنی نجار کے محلے میں پڑا پایا۔ حضور والا کی خدمت میں حاضر ہو کر اصل واقعہ عرض کردیا ۔ حضور ؐ نے بنی فہر کے ایک شخص کو مقیس کے ہمراہ کرکے بنی نجار کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اگر تم لوگ ہشام کے قاتل کو جانتے ہو تو اس کو گرفتار کرکے مقیس کے حوالے کردو تاکہ اس سے قصاص لیا جاسکے اور نہ جانتے ہو تو مقیس کو مقتول کا خون بہا چندہ کرکے دے دو ۔ فہری شخص نے حضور والا کا پیغام بنی نجار کو پہنچادیا ۔ انھوں نے جواب دیا ہم قاتل سے واقف نہیں اور نہ ہم کو اس کا علم ہے ، لیکن اللہ و رسول کا حکم ہم کو بسر و چشم منظور ہے ، ہم خود خوں بہا دیتے ہیں ۔ چناں چہ سب لوگوں نے چندہ کرکے سو اونٹ اس کو دے دیے ۔ راستہ میں مقیس کو شیطان نے بہکایا اس نے خیال کیا اگر میں صرف خوں بہا تسلیم کرلوں گا تو ہمیشہ کے لئے میرے نام پر اس کا داغ رہے گا لہٰذا جان کی بجائے جان لینا ضروری ہے ۔ یہ خیال کرکے مقیس نے فہری شخص کو قتل کردیا اور ایک اونٹ پر سوار ہو کر باقی اونٹوں کو ہنکا کر مکہ لے گیا اور مرتد ہو گیا ۔ اس وقت آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا نازل ہوئی ۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے مسلمان ہونے کو تو جانتا ہو اور اس کو مومن جانتے ہوئے قصداً ایسے ہتھیار سے قتل کرے جس سے عموماً آدمی مرجاتا ہے تو اس کی سزا ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے اور فقط یہی نہیں بلکہ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ اس پر خدا کا غضب اور پھٹکار ہوتی ہے ، وہ رحمت الٰہی سے خارج ہوتا ہے اور وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا خدا نے اس کے لئے ایک عظیم الشان عذاب تیار کر رکھا ہے جس کی عظمت کا اندازہ قدرت بشری سے خارج ہے ۔ تمام علماء و مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے نزدیک قتل مومن اگرچہ سخت ترین گناہ ہے ، لیکن قاتل کی مغفرت ہوسکتی ہے ۔ ہاں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک قاتل مومن اگر بغیر توبہ کے بھی مرجائے تب بھی قابل مغفرت ہے ۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے گا تو اس کی مغفرت فرمادے گا اور آیت میں خلود کے معنی دوام بلا انقطاع کے نہیں ہیں بلکہ خلود مدت طویلہ کو کہتے ہیں (بیضاوی) اس لئے خالداً کے لفظ سے قاتل مومن کا دائمی دوزخی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

مقصود بیان قصداً مومن کو قتل کرنا بدترین گناہ ہے ۔ اس کا مرتکب تمام گناہ گاروں سے زیادہ جہنم میں رہے گا اور خدا کے غضب اور لعنت کا مستحق ہے ۔ وغیرہ ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

مسلمانو ! جب راہ خدا میں　تم سفر کیا کرو　تو تحقیق　کرلیا کرو　اور جو شخص تم

لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۡ

سے سلام علیک کرے تم اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ

اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں تم پہلے بھی ایسے ہی تھے لیکن اللہ نے تم پر احسان کیا اس لئے

فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝

تحقیق کر لیا کرو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فوج کا ایک دستہ بماتحتی حضرت غالب بن فضالہ لیثی اہل فدک کی جانب روانہ کیا۔ اہلِ فدک میں سے ایک شخص جن کا نام عامر بن اضبط اشجعی یا مرداس بن نہیک تھا۔ مسلمان تھے اسلامی فوج دیکھ کر سب بھاگ گئے، مگر یہ بوجہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ٹھہرے رہے۔ بعد میں ان کو اندیشہ ہوا کہ مبادا لشکر مسلمانوں کا نہ ہو اور کوئی دشمن ہو۔ اس خیال سے بکریاں ہنکا کر پہاڑ میں جا چھپے، جب فوجی گھوڑے آگئے اور صحابیوں نے آوازِ تکبیر بلند کی تو ان کو صحابہ کے لشکر ہونے کا یقین ہو گیا اور خوش خوشی آوازِ تکبیر بلند کرتا اور کلمہ پڑھتے السلام علیکم کہتے باہر نکل آئے۔ حضرت اسامہ نے یہ خیال کر کے کہ اس نے جان بچانے کے لئے تقیہ سے کلمہ پڑھا اور اسلام کیا ہے تو تلوار سے گردن اُڑا دی اور بکریاں قبضے میں کرلیں۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر) حضور والا یہ خبر پاکر سخت رنجیدہ ہوئے اور بعد میں اُن کے واسطے استغفار کیا اور خون بہا دلایا۔ ابن عباسؓ کی روایت میں قتل کرنے والے کا نام بجائے اسامہ کے مقداد بن اسود ذکر کیا ہے اور ابن عمر کی روایت میں قاتل کا نام محکم بن جثامہ بیان کیا ہے ورانثا اور یہی ہے کہ محکم بن جثامہ نے عداوتِ جاہلی کی وجہ سے عامر کو قتل کیا تھا اور حضور اقدسؐ نے محکم کو بد دعا دی تھی کہ خدا تیری مغفرت نہ کرے۔ چناں چہ سات روز کے اندر محکم کا انتقال ہو گیا اور زمین نے بھی اس کو قبول نہ کیا۔ بالآخر لوگوں نے اس کو پہاڑوں کے پتھروں کے نیچے داب دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا اے مسلمانو! جب تم جہاد (وغیرہ) کے لئے سفر کیا کرو اور دشمن سامنے آئیں تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جانچ پڑتال کر لیا کرو۔ جو شخص تمہارے سامنے کلمۂ شہادت کہتا ہوا آئے یا کوئی اور ایسی علامت ظاہر کرے جو اسلام پر دلالت کرتی ہو۔ مثلاً تم کو سلام کرے تو تم اس کو بے ایمان نہ کہو اور ایسا برتاؤ نہ کرو جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہ اس کو قتل کرو نہ اس کا مال لوٹو اور نہ یہ کہو کہ تو نے اپنی جان و مال کا بچاؤ کرنے کے لئے اظہارِ اسلام کیا ہے۔ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس حرکت سے تمہارا مدعا یہ ہے کہ تم کو دنیوی مال و متاع حاصل ہو جائے اور مقتول کے اسباب پر تم قبضہ کرلو۔ تو یہ خواہش دل سے نکال دو کیوں کہ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ۔ خدا کے پاس تمہارے لئے بہت سے اموالِ غنیمت ہیں جو تم کو حاصل ہوں گے اور تم کو اس طرح قتل کر کے کسی کے مال حاصل کرنے کی آرزو نہ رہے گی۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ اس فقرے کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اسی طرح پہلے تم بھی صرف کلمۂ شہادت کے قائل تھے اور اسی شہادتِ زبانی کی بدولت تمہارا جان و مال محفوظ سمجھا گیا تھا۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے تمہاری حالت بھی اسی چرواہے کی طرح تھی، تم بھی اپنی مشرک قوم کی طرف سے ایمان کو چھپایا کرتے تھے اور نہایت کمزور تھے۔ سعید بن جبیر اور ثوری نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ ابن جریر نے بھی اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے تمہاری حالت بھی یہی تھی کہ مسلمان نہ تھے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ پھر خدا نے تم پر اپنا احسان و فضل کیا، تم کو مومن بنایا، اعلانِ ایمان کی طاقت عطا کی اور توحید پر استقامت فرمائی لہٰذا فَتَبَیَّنُوْا تم کو غور اور جانچ پڑتال کر لینی چاہئے کہیں کوئی مسلمان تمہارے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائے اور خوب سوچ کر جس طرح ابتداء میں تمہارے ساتھ معاملہ کیا گیا

تھا ویسا ہی تم کو دوسرے نومسلموں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ خدا کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے وہ جانتا ہے کہ تم نومسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرو گے ۔ جیسا کرو گے ویسی ہی تم کو جزا ملے گی ۔

مقصود بیان دورِ حاضر کے علماء کے لئے بصیرت خیز ہدایت ۔ دائرۂ اسلامی کی توسیع ، جس شخص سے اسلامیات یا اسلام کے خصوصی علامات کا ظہور ہو تو اُس کے مسلمان ہونے کی صراحت ۔ جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی طرف اشارہ ۔ جہاد میں دنیوی مقاصد کو پیش نظر رکھنے کی ممانعت ؛ اور اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ ہر نومسلم کی ابتدائی حالت کمزور ہوتی ہے ۔ رفتہ رفتہ ایمان میں پختگی پیدا ہوتی جاتی ہے اور استقلال حاصل ہو جاتا ہے ۔ وغیرہ ۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ

وہ غیر معذور مسلمان جو جہاد سے بیٹھ رہنے والے ہیں اُن لوگوں کی برابر نہیں ہو سکتے جو راہِ خدا میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اپنی جان و مال سے جہاد کرتے تھے ہیں جو لوگ جان و مال سے جہاد کرتے ہیں اُن کو بیٹھ رہنے والوں

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

پر اللہ نے مرتبہ میں فضیلت عطا کی ہے لیکن سب سے اللہ نے بھلائی کرنے کا وعدہ کیا ہے البتہ مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اجرِ عظیم میں بڑھا دیا ہے (یعنی) اپنی طرف سے بہت سے مراتب اور مغفرت و رحمت میں فضیلت دی ہے اور اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع

غفور رحیم ہے

تفسیر سابق آیات میں قتل خطا کی دیت اور کفارہ کا بیان تھا اور اس امر کی ہدایت تھی کہ دورانِ جہاد میں خوب تفتیش کر لیا کرو ۔ کہیں کوئی مسلمان تمہارے ہاتھ سے نہ مارا جائے ۔ اس حکم سے صاف باطن لوگوں کو خیال ہو سکتا ہے کہ جہاد میں چونکہ قتل مسلم کا اندیشہ ہے ۔ ممکن ہے کوئی مسلمان کبھی کفار کی بھیڑ میں نادانستہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے ، اس لئے بہتر یہی ہے کہ جہاد میں شرکت ہی نہ کی جائے ۔ گھر بیٹھ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا ہی اولیٰ ہے ۔ اس خیال کو دور کرنے اور مجاہدین کی فضیلت کا اظہار کرنے کے لئے آیاتِ مذکورۂ بالا کا نزول ہوا ۔ ابتداءً آیت میں مسلمانوں کے صرف دو فرقوں کا بیان تھا ۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ دوسرے گھر بیٹھ کر عبادت کرنے والے اور جہاد میں شریک نہ ہونے والے ۔ اول الذکر فرقے کو مؤخر الذکر پر فضیلت عطا کی گئی ۔ اگرچہ مؤخر الذکر گروہ کو بھی گناہگار نہ ظاہر کیا گیا تھا ۔ تاہم چونکہ فضیلت مجاہدوں کو تھی ، اس لئے حضرت ابن ام مکتوم نابینا خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ! میں نابینا ہوں ۔ اگر میری بھی آنکھیں ہوتیں تو جہاد میں شریک ہوتا اور مجاہدین کی فضیلت حاصل کرتا ۔ اس وقت آیتِ مذکورہ میں لفظ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ مزید نازل ہوا ۔ اس لفظ کے نزول کے بعد خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کی تین قسمیں کر دیں : ایک وہ جو مجبور ہیں ، نابینا ہیں ، لنگڑے ہیں یا اپاہج ہیں یا اُن کو کوئی اور شرعی عذر ہے ۔ دوسرے وہ مؤمنین جن کو کوئی عذر نہیں اور جہاد میں شریک

ہونے سے اپنے گھر پر عبادت میں مشغول رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ تیسرے مال و جان سے اشاعتِ دین کوشش کرنیوالے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے اول گروہ کو تو حکمِ جہاد سے خدا تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا اور باقی دونوں گروہوں میں سے اخیری گروہ کو فضیلت عطا فرمائی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ...... یعنی جو لوگ معذور نہیں ہیں نہ اندھے ہیں، نہ لنگڑے ہیں، نہ اپاہج غرض جن کو غیر حاضریٔ جہاد کا کوئی شرعی عذر نہیں ہے اور پھر بھی اپنے گھر بیٹھے رہتے ہیں۔ جہاد میں شریک نہیں ہوتے۔ اُن کو اُن مسلمانوں کی برابر مرتبہ نہیں مل سکتا۔ جنہوں نے خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں لٹا دی ہیں اور مال قربان کر دیا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ بلکہ راہِ خدا میں اور اشاعتِ دین میں جان و مال سے کوشش کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً بلا عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر عظیم الشان فضیلت عطا فرمائی ہے۔ کیونکر نیت دونوں کی صحیح ہے۔ صرف مرتبے کا فرق ہے۔ یہی تفسیر مقاتل سدی اور ابن جریج وغیرہ نے بیان کی ہے (معالم)

عام مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو لوگ بلا عذر جہاد میں شریک نہیں ہوتے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں اُن پر خدا تعالیٰ نے مجاہدوں کو عظیم الشان فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ نیت دونوں فرقوں کی صحیح ہے، مگر مجاہدوں کو فضیلتِ کاملہ حاصل ہے۔ ہاں وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ خدا تعالیٰ نے حسنِ جزاء اور جنت کا ہر گروہ سے وعدہ کر لیا ہے خواہ مجاہد ہوں یا گھر بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرنے والے) وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا لیکن بلا عذر بیٹھ رہنے والوں پر مجاہدوں کو بہت زیادہ برتری عطا فرمائی ہے اور اجرِ عظیم دینے کا اُن سے وعدہ کیا ہے جس کی تفسیر اجمالی یہ ہے کہ دَرَجَاتٍ مِنْهُ اول تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجاہدوں کو بہت سے درجاتِ جنت میں حاصل ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ وَمَغْفِرَةً اُن کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور مغفرتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہوگی وَرَحْمَةً تیسرے یہ کہ رحمتِ الٰہی اُن کو ڈھانک لے گی اور دیدارِ الٰہی کی تجلی اُن کو میسر آئے گی، لیکن بلا عذر بیٹھ رہنے والے (اور عبادت میں مشغول ہونے والے بھی اپنی خلوصِ نیت کی وجہ سے) [illegible] نہیں کیوں کہ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے اور خالص نیت والوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اُن کے گناہ معاف بھی فرما دے گا اور اپنی رحمت سے اُن کو بھی سرفراز کر دے گا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت میں قَاعِدُونَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے اور مُجَاهِدِينَ سے شرکاءِ بدر مراد ہیں۔ ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ ...... حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت ابن ام مکتوم دونوں کے حق میں نازل ہوا کیوں کہ ان دونوں صاحبوں نے حضور اقدسؐ سے عرض کیا تھا کہ ہم معذور ہیں، نابینا ہیں۔ اگر آنکھوں سے معذور نہ ہوتے تو جہاد میں ضرور شرکت کرتے اور کافروں سے لڑتے۔

مقصودِ بیان جہاد کی فرضیت اور فضیلت کی صراحت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جان و مال سے کوشش کرنے کی ترغیب۔ اہلِ عذر سے فرضیتِ جہاد کا سقوط۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ ثوابِ الٰہی کا مدار خلوصِ نیت پر ہے۔ عمل اور ترکِ عمل پر نہیں۔ ہاں عمل سے فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ جہاد کرنے والوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بہت بڑے مراتب ان کو حاصل ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا

فرشتے جن لوگوں کی جانیں ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہوتے ہیں اور فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ تو وہ جواب

مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا

دیتے ہیں کہ ہم ملک میں مغلوب تھے　فرشتے کہتے ہیں　کیا اللہ کی زمین کشادہ　نہ تھی کہ تم　کسی طرف　کو ہجرت

۲۱

فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ

کر جاتے انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے ہاں جو مرد عورتیں اور بچے

الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

واقعی مغلوب ہیں نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ

ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ اُن کو معاف کردے اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے جو شخص اللہ کی راہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا

میں ترکِ وطن کرے گا اس کو زمین میں وافر جگہ اور کشائش ملے گی اور اگر کوئی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾ ع ۱۱

ہجرت کرنے کے لئے نکلا پھر کہیں اُس کو موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمّہ ہو گیا اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ سے مدینے کو ہجرت کی تاکہ آزادی سے خدائے واحد کی پرستش کی جا سکے تو بعض مسلمانوں نے ہجرت نہ کی۔ ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کے تین گروہ تھے۔ ایک تو وہ جن کا مال متاع اور جائیداد وغیرہ مکہ میں تھی۔ اس کو چھوڑ کر نہ جا سکتے۔ دوسرا وہ گروہ جو راستے کے مصائب سے خوف زدہ تھے اور ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں دشمن راستے میں حملہ کر کے مار نہ ڈالیں۔ تیسرا گروہ معذور لوگوں کا تھا۔ کچھ غلام تھے جو کفار کی قید میں تھے کچھ اور کمزور بچے اور عورتیں تھیں جو عدم استطاعت یا کفار کی بندش کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتی تھیں۔ اول الذکر دونوں گروہوں نے صرف طمع یا خوف کی وجہ سے باوجود طاقت و استطاعت کے ہجرت نہ کی تھی اور مکہ میں رہ پڑے تھے۔ حالانکہ ذوالخلیفہ وینی مکہ کے اندر بخوف کفار اچھی طرح ادا نہ کر سکتے تھے جب غزوۂ بدر کا واقعہ ہوا تو کفار نے جمعیت بڑھانے کی غرض سے ان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ ان کا ایمان مخفی تھا۔ کفار کا خوف تھا اس لئے بادل ناخواستہ ان کو جانا پڑا۔ انھیں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ تو مسلمان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور کچھ اہل اسلام کے ہتھیاروں سے مارے گئے۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو ان کو رنج ہوا کہ ہم نے کیوں مسلمانوں کو مارا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (رواہ البخاری عن ابن عباسؓ) ضحاک نے بھی یہی شانِ نزول بیان کیا ہے۔ سمرہ بن جندب نے روایت کی ہے حضور والا نے فرمایا جو شخص کسی مشرک کے ساتھ مجتمع ہوا اور اس کے ساتھ رہا وہ بھی اسی کی طرح ہے (رواہ ابوداؤد) سدی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عباسؓ و عقیل و نوفل جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر آئے اور حضورؐ نے عباسؓ سے فرمایا کہ تم اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ ادا کرو تو عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم نے آپ کے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی ہے اور کیا آپ کی طرح شہادت کا کلمہ نہیں پڑھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم جھگڑے میں کچے گئے ہو پھر حضورؐ نے آیت أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً تلاوت فرمائی (رواہ ابن ابی حاتم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں نے ناحق کوشی کی اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور باوجود استطاعت کے ہجرت نہ کی اور فرائض دینی ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کے باوجود دار الکفر میں پڑے رہے اور اسی حالت میں فرشتوں نے ان کی جان نکال لی اور پھر ان سے دریافت کیا کہ تم کس حال میں

فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ

کرجاتے ۔ انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ۔ ہاں جو مرد عورتیں اور بچے

الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

واقعی مغلوب ہیں نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ

ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ اُن کو معاف کردے اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے جو شخص اللہ کی راہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا

میں ترک وطن کرے گا اس کو زمین میں وافر جگہ اور کشائش ملے گی اور اگر کوئی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾ ع

ہجرت کرنے کے لئے نکلا پھر کہیں اس کو موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ سے مدینے کو ہجرت کی تاکہ آزادی سے خدائے واحد کی پرستش کی جا سکے تو بعض مسلمانوں نے ہجرت نہ کی۔ ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کے تین گروہ تھے۔ ایک تو وہ جن کا مال متاع اور جائیداد وغیرہ مکہ میں تھی۔ اس کو چھوڑ کر نہ جا سکتے۔ دوسرا وہ گروہ جو راستے کے مصائب سے خوف زدہ تھے اور ان کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں دشمن راستے میں حملہ کر کے مار نہ ڈالیں۔ تیسرا گروہ معذور لوگوں کا تھا۔ کچھ غلام تھے جو کفار کی قید میں تھے کچھ اور کمزور بچے اور عورتیں تھیں جو عدم استطاعت یا کفار کی بندش کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتی تھیں۔ اول الذکر دونوں گروہوں نے صرف طمع یا خوف کی وجہ سے باوجود طاقت و استطاعت کے ہجرت نہ کی تھی اور مکہ میں رہ پڑے تھے۔ حالانکہ فرائض دینی مکہ کے اندر بخوف کفار اچھی طرح ادا نہ کر سکتے تھے۔ جب غزوۂ بدر کا واقعہ ہوا تو کفار نے جمعیت بڑھانے کی غرض سے ان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ ان کا ایمان مخفی تھا۔ کفار کا خوف تھا اس لئے بادل ناخواستہ ان کو جانا پڑا۔ انہیں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ تو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور کچھ اہل اسلام کے ہتھوڑوں سے مارے گئے۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو ان کو رنج ہوا کہ ہم نے کیوں مسلمانوں کو مارا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (رواہ البخاری عن ابن عباسؓ) ضحاک نے بھی یہی شان نزول بیان کیا ہے۔ سمرہ بن جندب نے روایت کی ہے حضور والا نے فرمایا جو شخص کسی مشرک کے ساتھ جمع ہو اور اس کے ساتھ رہا وہ بھی اسی کی طرح ہے (رواہ ابوداؤد) سدی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عباسؓ و عقیل و نوفل جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے اور حضورؐ نے عباسؓ سے فرمایا کہ تم اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ ادا کرو تو عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم نے آپ کے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی ہے اور کیا آپ کی طرح شہادت کا کلمہ نہیں پڑھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم جھگڑے میں کچے گئے ہو پھر حضورؐ نے آیت أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً تلاوت فرمائی (رواہ ابن ابی حاتم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں نے ناحق کوشی کی اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور باوجود استطاعت کے ہجرت سے کنی کاٹی اور فرائض دینی ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کے باوجود دارالکفر میں پڑے رہے اور اسی حالت میں فرشتوں نے ان کی جان نکال لی اور پھر ان سے دریافت کیا کہ تم کس حال میں

تھے کیوں کہ تم نے فریضۂ دینی کو ادا نہ کیا اور کیوں ہجرت نہ کی؟ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ تو انھوں نے فرشتوں کو جواب دیا کہ ہم دارالکفر یعنی مکہ میں کمزور حالت میں تھے، اس لئے ہجرت نہ کر سکے اور فرائض کو بھی ادا نہ کر سکے۔ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا۔ فرشتوں نے اُن سے کہا کیا ملک خدا تنگ تھا کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم دارالکفر یعنی مکہ سے ہجرت کر کے وہاں چلے جاتے اور کُھلم کُھلا فرائض ادا کر سکتے اور اپنے اسلام و ایمان کا اظہار کر سکتے۔ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بُرا مرجع مقام ہے۔ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ۔ جو مرد، عورتیں، بچے اور غلام واقعی کمزور اور مجبور تھے جسمانی کمزوری تھی یا بیمار رہتے تھے یا کافروں کے پنجے میں گرفتار تھے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ دارالکفر سے بھاگ جانے کا کوئی سبیل اُن کو معلوم۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ بالکل مجبور تھے اور انتہائی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تو اگرچہ انھوں نے بھی ایک فریضے کو ترک کیا اور ہجرت نہ کی، لیکن اُن کی معذوری کی وجہ سے فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ۔ اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے درگزر فرمائے گا اور ان کو معاف کر دے گا کیوں کہ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور گناہوں کو چھپانے والا ہے اس کی رحمت و قدرت سے بعید نہیں کہ معاف فرما دے۔ یہ بیان تو اُن لوگوں کا ہوگیا جو واقع میں مجبور اور معذور تھے باقی جو لوگ معذور نہ تھے اور انھوں نے ہجرت نہ کی جس کی دو وجوہ تھیں مال طمع جائیداد اور اسباب رہائش کے تحفظ کا خیال دوسرے راستے کا خوف اور منزلِ مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی اثنائے راہ میں ہلاکت کا اندیشہ۔ اول الذکر خیال کا ازالہ ترغیب آمیز عبارت میں ذیل میں کیا جاتا ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ یعنی دنیوی مال و متاع کا لالچ کرنا بے سود ہے۔ کیونکہ جو شخص بخلوص نیت مرضیٔ مولیٰ کے حصول کے لئے ترکِ وطن کرتا ہے اس کو بہت سی نقل گاہیں اور وسعت معاش اور نفقہ فراغ حاصل ہو جاتا ہے۔ ملکِ خدا تنگ نہیں ہے اور خدا اتفاق دینے سے عاجز نہیں ہے۔ مال کے تحفظ کو بہانہ قرار دینا بے جا ہے۔ جو خدا پر بھروسہ کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ترکِ وطن کرتا ہے خدا اس کو زمین بھی دیتا ہے، جائداد بھی معاش میں بھی وسعت عطا کرتا ہے۔ دوسرے قسم کے خیال کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ ۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۠ جب ترکِ ہجرت پر وعید و تہدید والی آیت حضرت جندع بن ضمرہ نے سُنی تو اپنے بال بچوں کو بلا کر کہا کہ میں اگرچہ بہت ضعیف اور مریض ناتواں ہوں تاہم راستہ سے واقف اور حیلے سے آگاہ ہوں۔ اس لئے ان مشرکین کی زمین میں رہنا شام تک بھی پسند نہیں کرتا۔ مبادا مجھ کو موت آجائے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤں مجھ کو ابھی پلنگ پر لٹا کر کندھوں پر رکھ کر مدینہ لے چلو۔ بیٹوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بیمار باپ کو کندھوں پر سوار کر کے مدینے چلے۔ جب مقام تنعیم میں پہنچے تو حضرت جندع کا انتقال ہو گیا۔ حضورؐ والا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ محمد بن اسحاق)۔

واحدی نے بجائے جندع کے جندب بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے بروایت ابن عباسؓ ضمرہ بن جندب لکھا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا نزول ابن العیص خزاعی کے حق میں بیان کیا ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے:۔ جو شخص خوشنودیٔ خدا اور رضائے مولیٰ کے حصول کے لئے ترکِ وطن کرتا ہے اور فرمانِ رسول کی تعمیل میں گھر بار چھوڑتا ہے اور پھر منزلِ مقصود تک پہنچنے سے قبل راستہ میں ہی مر جاتا ہے تو اس کی نیت اور عمل کا ثواب خدا کے ذمہ ہو جاتا ہے۔ منزل پر پہنچنے کو حصولِ ثواب میں دخل نہیں، کیونکہ خدا غفور و رحیم ہے۔ خلوصِ نیت کو دیکھتا ہے اور کوشش پر ثواب دیتا ہے تکمیلِ عمل لازم نہیں۔ لیکن یہ سب ثواب اس کی رحمت اور فضل سے ملتا ہے۔ ورنہ اس پر کسی کا کوئی واجبی حق نہیں ہے۔

آیت کی شانِ نزول اگرچہ خاص ہے مگر باتفاق علماء حکم عام ہے۔ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کو یا تحصیل علمِ دین کے لئے یا کسی اور دینی کام کے لئے بخلوصِ نیت جائے گا اور سفر میں مر جائے گا اُس کو اُس فعل کا ثواب ملے گا۔

مقصودِ بیان ہجرت نہ کرنے والوں کو جو شرعی طور پر معذور نہ تھے اس امر کی طرف ترغیب کہ رضائے مولیٰ کے حصول کی نیت سب سے بڑی چیز ہے۔ دنیوی مال و منال تو خدا ہر جگہ اپنے بندوں کو دے دیتا ہے۔ آیت میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جو شخص

کافروں کے ملک میں ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں فرضِ دینی ادا کرنے میں اخفاء سے کام لینا پڑتا ہو تو وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے بشرطیکہ ہجرت کی قدرت ہو۔ آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نیت کو اور کوشش کو دیکھتا ہے تکمیلِ عمل کو نہیں دیکھتا۔ جو شخص خالص نیت سے عملِ خیر کی کوشش کرنی شروع کرتا ہے خواہ اس عمل کو تکمیل کو پہنچا سکے یا نہ پہنچا سکے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ آخر فقرہ سے اس بات کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر کسی کا کوئی لازمی حق نہیں، نہ خدا پر کوئی چیز واجب ہے۔ بلکہ اس نے وعدہ فرمایا ہے وہ کریم و رحیم ہے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ صرف بندوں کے اطمینان کے لئے اپنے وعدہ کو وجوب سے تعبیر کیا ورنہ واقع میں خدا پر کسی کو ثواب دینا واجب نہیں۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ

اور جب تم ملک میں سفر کرو تو نماز میں قصر کر دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا

اگر تم کو خوف ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے واقعی کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں

تفسیر چونکہ جہاد میں عموماً سفر کیا جاتا تھا اور بغیر سفر کے جہاد نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس آیت میں عام سفر کے بعض وجوبی احکام بیان فرمائے گئے۔ آیت کے شانِ نزول میں بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی نجار کے چند آدمیوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرنے کا اتفاق ہم کو اکثر ہوتا ہے۔ ہم ایسی حالت میں نماز کس طرح ادا کریں؟ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ چونکہ قصر کے متعلق علمائے اسلام میں بہت زیادہ اختلاف ہے کوئی وجوبِ قصر کا قائل ہے کوئی جواز کا، کوئی مقدارِ نماز میں قصر بتاتا ہے کہ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھنی چاہئیں۔ کوئی کیفیتِ نماز کے قصر کا قائل ہے کہ دورانِ سفر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں پڑھی جائیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں کچھ مختصر مباحث قصر کے بیان کر دیئے جائیں۔

قصر نماز کی بحث جمہور صحابہ تابعین اور ائمۂ اسلام کا قول ہے کہ سفر میں فرض نماز کی رکعتوں کی تعداد میں کمی کر دی جائے۔ ظہر و عصر و عشاء سفر میں چار کی بجائے دو پڑھی جائیں اور مغرب و فجر کی نماز بدستور پوری پڑھی جائے۔ مگر جابر بن عبد اللہ اور ایک گروہ علماء کے نزدیک دو رکعتی نماز میں بھی تخفیف کیا جانا ضروری ہے۔ فجر کی نماز دو رکعت کی بجائے ایک رکعت پڑھی جائے۔

عبد اللہ بن عباس اور طاؤس وغیرہ قصر سے قصر کیفیت مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک رکعتوں کی تعداد میں قصر نہیں ہے بلکہ قصر سے مراد یہ ہے کہ لڑائی کے وقت اشارہ سے نماز پڑھ لینا چاہیئے۔ رکوع سجود کی بجائے اشارہ سے کام لیا جائے۔ قرأت میں تخفیف کر دی جائے۔ ان بزرگوں کے نزدیک جہاد میں نماز کے اندر ہتھیار چلانا اور خون آلودہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھنی درست ہے۔

عام صحابہ اور کل ائمۂ اجتہاد کے اقوال پر نماز کا قصر ہر سفر میں ہونا چاہیئے۔ خواہ جہاد کا سفر ہو، دشمن کا خوف یا کچھ بھی نہ ہو۔

رہی آیتِ مذکورہ میں إِنْ خِفْتُمْ کی قید تو وہ واقعی قید ہے احترازی قید نہیں۔ یعنی چونکہ اس زمانہ میں صحابہ کو عموماً جہاد کے لئے ہی سفر کرنا پڑتا تھا اور تجارتی سفر بہت کم ہوتے تھے اس لئے کہہ دیا کہ اگر سفر میں تم کو ایذا رسانی کا خوف ہو تو قصر کر لیا کرو۔ کیونکہ درحقیقت آیت کی تفسیر وہی صحیح ہو سکتی ہے جو سنتِ رسول اللہ اور سنتِ صحابہ سے ثابت ہے اور حضور والا نیز عموماً صحابہ ہر قسم کے سفر میں قصر کیا کرتے تھے۔ یہی قول تمام جمہور سلف و خلف کا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری قاضی شوکانی اور بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ اگر سفر میں خوف نہ ہو تو قصر جائز نہیں لیکن یہ قول عام صحابہ تابعین اور ائمہ کے خلاف ہے۔

اب رہی یہ بات کہ مسافتِ سفر کتنی ہونی چاہیئے تو اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ شوکانی اور داؤد ظاہری کے نزدیک مقدارِ مسافت کی

تعین نہیں۔ عرف میں جس کو سفر کہا جاتا ہے وہی سفر ہے اور اُسی میں قصر جائز ہے خواہ سفر ایک میل کا ہو یا دو میل کا۔ لیکن عام علمائے اسلام اور فقہائے سنت نے ہر سفر کو موجب قصر قرار نہیں دیا بلکہ مقدار مسافت کی تعیین کردی ہے۔ شعبی نخعی سعید بن جبیر اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم از کم مسافت کا طول تین روز کی متوسط پیادہ راہ ہونی ضروری ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک سفر کی قلیل ترین مقدار چار برید ہے یعنی ۴۸ میل اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہونا چاہئے۔ اب قصر صلوٰۃ کی سفر میں صرف اجازت ہے یا وجوب ہے؟ اس کے متعلق بھی دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف جواز قصر ہے جس کا دل چاہے پوری نماز پڑھے جس کا دل چاہے قصر سے پڑھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قصر واجب ہے۔ ہم نے یہاں صرف مختلف مباحث ذکر کئے ہیں۔ دلیل اور ثبوت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ کیونکہ اس کتاب میں ہمارا مقصد صرف تفسیر ہے۔ علماء کے فقہی اختلافات مقصود نہیں ہیں۔

ارشاد ہے کہ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا۔ مسلمانو! جب تم سفر میں ہو اور دشمن کی ایذا رسانی کا تم کو خوف ہو تو قصر نماز کی تم کو اجازت ہے۔ پوری نماز پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے اور یہ اجازت اس وجہ سے ہے کہ کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں یعنی ممکن ہے کہ تم کو دوران نماز میں ایذا پہنچائیں۔ اس لئے نماز کو کوتاہ کرنا جائز ہے۔

مقصود بیان: ۔ فضل الٰہی کا مظاہرہ، احکام الٰہی کی سہولت کا ثبوت، تخفیف نماز کی بحالتِ سفر اجازت بلکہ وجوب وغیرہ۔

ف: ۔ جب سفر کر کے منزلِ مقصود پر پہنچ جائے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے فرض نماز چار کا دو رکعتی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ قصد قیام کرنے کا ہو تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا۔ وہاں اور نیز وطن اصلی میں قصر نہ ہوگا۔

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ

(اے محمد) جب تم مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو اور نماز پڑھاؤ تو اُن میں کی ایک جماعت اپنے ہتھیار لئے ہوئے

وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ

تمہارے ساتھ نماز کو کھڑی ہو اور جب یہ سجدہ کر چکے تو سب کے پیچھے ہٹ جائے اور وہ دوسری

طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ

جماعت آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی ہو وہ آکر تمہارے ساتھ نماز پڑھے مگر اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار لئے رہے

وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم

کیونکہ کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو تو تم پر ایک دم ٹوٹ

مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم

پڑیں لیکن اگر بارش کی وجہ سے تم کو تکلیف ہو یا تم بیمار

مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ

ہو تو ہتھیار اُتار رکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو بلاشبہ اللہ نے کافروں کے لئے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى

ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے   پھر جب   نماز پوری کر چکو   تو کھڑے   بیٹھے   لیٹے   اللہ کی یاد کرتے

جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى

رہو   اور جب   خاطر جمع   ہو جائے   تو باقاعدہ   نماز پڑھو   کیونکہ   نماز   مسلمانوں پر

الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

مقررہ اوقات   میں   فرض ہے

تفسیر وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ۔ یہ صلوٰۃ خوف کا بیان ہے اور دورانِ جنگ میں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ان آیات کا نزول قصر والی آیات سے ایک سال بعد کو ہوا۔ حضور ﷺ ایک جہاد میں تھے اور ظہر کی نماز پڑھا چکے تھے۔ مشرکین کی فوج کے سردار اس وقت خالد بن ولید تھے اور کہہ رہے تھے کہ افسوس آج کیسا زریں موقع ہاتھ سے جاتا رہا اگر نماز کی حالت میں ہم حملہ کر دیتے تو مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیتے۔ دوسرے لوگ جواب دے رہے تھے۔ کیا حرج ہے اب دوسری نماز کا وقت بھی قریب ہے اس وقت دیکھا جائے گا۔ یہ لوگ اسی مشورہ میں تھے کہ صلوٰۃ خوف کا حکم عصر سے پہلے پہلے نازل ہو گیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی! جب آپ مسلمانوں کے لشکر میں کفار کے مقابلہ پر ہوں اور خوف کی حالت ہو تو فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کے دو گروہ بن جائیں۔ ایک گروہ نماز میں آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور ایک دشمن کے مقابلہ پر ہو جس طرح کہ غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ ذات النخل میں مسلمانوں کی فوج کے دو گروہ بنا دیئے گئے تھے اور حسب الحکم ایک دشمن کے سامنے مقابلے پر رہا اور دوسرا حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں مشغول رہا۔ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ یعنی جو گروہ نماز میں شریک ہو وہ اپنے ہتھیار نہ کھولے بلکہ ہتھیار لگائے ہوئے نماز پڑھے۔ ممکن ہے کہ صورتحال دگرگوں ہو جائے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۔ اس فقرہ کا مطلب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جب ایک گروہ رکعت پڑھ چکے تو پیچھے چلا جائے اور دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے۔ دوسرا مطلب یہ کہ جب یہ گروہ نماز پڑھ چکے تو پیچھے چلا جائے۔ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ جس گروہ نے نماز نہیں پڑھی ہے یا جن کو پہلی رکعت میں شریک ہونا نہیں ملا ہے وہ پہلے گروہ کے جانے کے بعد آکر آپ کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن سب پر لازم ہے کہ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ اپنے بچاؤ کی چیزیں مثلاً زرہ، خود، بکتر وغیرہ ساتھ رکھیں۔ جسم سے علیحدہ نہ کریں۔ کیونکہ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۔ کافر دل سے خواہشمند ہیں کہ اگر تم نماز میں ہو اور غافل ہو، ہتھیار اور سامانِ جنگ علیحدہ رکھ دو اور یادِ خدا میں منہمک ہو جاؤ تو تم پر ایکدم ٹوٹ پڑیں اور غافل پاکر تم کو قتل و قید کر لیں اس لئے لازم ہے کہ ہتھیار اور تمام سامانِ جنگ جسم سے علیحدہ نہ کرو اور نماز میں بھی ہوشیار رہو۔ ہاں وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۔ اگر بارش کی وجہ سے تم کو کچھ اذیت ہوتی ہو یا بیمار ہو تو ایسی صورت میں ہتھیار کھول کر پاس رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ دشمن سے بچاؤ رکھنا اور ہوشیار رہنا اور احتیاط رکھنی بہرصورت لازم ہے اس سے غافل نہ ہو خود زرہ بکتر وغیرہ پہنے رہو۔ (بخاری وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی جو مجروح تھے)

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ حاصل مطلب یہ ہے کہ احتیاط و ہوشیاری کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دشمن سے خوف زدہ ہو جاؤ

اور اس سے کمزور پڑ جاؤ۔ کیونکہ بحکم الٰہی فتح تمہاری ہوگی۔ خداتعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ لہٰذا تم کو خدا پر توکل رکھنا اور اس سے نصرت کی امید رکھنا چاہیئے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اس کی یاد ہر حالت میں رکھو۔ کھڑے بیٹھے لیٹے اسی کو یاد کرو۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جب جنگ ہو رہی ہو [illegible] دشمن کا خوف زیادہ ہو اور نماز خوف کا بھی امکان نہ ہو تو پھر جس حالت میں ممکن ہو کر لے۔ بیٹھے لیٹے خدا کی یاد کرو اس کی [illegible] فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ اس آیت کا مطلب دو طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ جب امن ہو جائے [illegible] تو اس نماز کو جو جنگ میں فوت ہو گئی ہے دوبارہ ادا کرو۔ طریقہ مذکورہ صرف خوف کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ امن کی حالت میں تمام فرائض واجبات کے ساتھ نماز ادا کرنی ضروری ہے کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا مسلمانوں پر نماز فرض موقت ہے اس کو فوت کرنا جائز نہیں (یہ معنی امام رازی نے بیان کئے ہیں) یا یہ مطلب کہ نماز کا وقت معین ہے۔ ہر نماز محدود الوقت ہے۔ لہٰذا وقت پر نماز ادا کیا کرو۔ تفسیر مدارک میں یہی مطلب مذکور ہے۔ رہا دو نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا تو یہ عارضی بات ہے اور وقتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز کر دیا گیا ہے۔

صلوٰۃ خوف کے متعلق علماء میں اختلافات ہیں جن کو ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:-

امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد وغیرہ کے نزدیک نماز خوف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی کسی اور کے واسطے جائز نہیں۔ لیکن جمہور سلف و خلف اور تمام صحابہ و تابعین کے نزدیک حکم عام ہے۔ مسلمانوں کا ہر لشکر خوف کے وقت مذکورہ طریقہ پر نماز ادا کر سکتا ہے۔

نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام پورے لشکر کے دو حصے کر دے اور ایک حصہ دشمن کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو جائے اور دوسرے کو امام نماز پڑھائے۔ جب اس گروہ کو ایک رکعت پڑھا چکے تو اس کے آگے کیا کرنا چاہیئے؟ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

مجاہد اور جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اول گروہ صرف ایک رکعت ہی امام کے ساتھ پڑھ کر بیٹھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کے سامنے چلا جائے اور امام اتنی دیر کھڑا رہے۔ پھر دوسرا گروہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہو آ کر صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اس صورت میں امام کی دو رکعتیں اور دونوں گروہ کی صرف ایک ایک رکعت ہوگی۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ امام دو مرتبہ پڑھے۔ پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ گروہ سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آ جائے اس کو بھی امام دو رکعت پڑھا دے۔ اس صورت میں امام کی چار رکعتیں اور مقتدیوں کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

سہل بن حیثمہ اور امام شافعی کا قول ہے کہ امام ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھا دے۔ جب سجدہ کر چکے تو سیدھا کھڑا ہو جائے اور خاموش رہے اور یہ جماعت بغیر امام کے اپنی دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے اور دوسری جماعت آ کر نیت باندھ لے اور آخری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ جب امام تشہد پڑھ لے تو خاموش بیٹھا رہے سلام نہ پھیرے۔ مقتدی کھڑے ہو کر فوت شدہ رکعت پوری کریں اور جب تشہد میں بیٹھیں تو امام سلام پھیرے اور یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اس صورت میں سب کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

عبداللہ بن مسعودؓ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور سلام نہ پھیرے اور جو فریق مقابلہ پر تھا وہ آ کر آخر رکعت میں شریک ہو جائے اور ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے۔ پھر پہلا گروہ آ کر فوت شدہ رکعت کو تمام کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا گروہ آ کر اپنی بقیہ رکعت تمام کرے۔

آیات مذکورہ سے چاروں صورتوں کا استخراج ہو سکتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسہولت اہل جہاد کے لئے مختلف طور پر جہاد کے وقت نماز ادا کی ہے۔

مقصودِ بیان نمازِ خوف کا بیان، دشمنوں سے باحتیاط رہنے کی ہدایت، نماز کی اہمیت، اس بات کی طرف اشارہ کہ مقصدِ اصل ذکرِ خدا ہے اور شرع نے اس کا ایک مخصوص طریقہ بصورتِ نماز مشروع کر دیا ہے۔ انتہائی ضرورت کے وقت یہ طریقہ معاف ہو سکتا ہے۔ مگر مقصدِ اصلی یعنی یادِ الٰہی کا حکم معاف نہیں ہو سکتا۔ آیتِ مذکورہ میں ایک بلاغت آمیز رمز اس طرف بھی ہے کہ باوجود سامانِ جنگ موجود ہونے کے اور باوجود مادی قوت کے بھروسہ صرف ذاتِ الٰہی پر رکھنا چاہیئے۔ ہاں چونکہ یہ عالم اسباب ہے اس لئے ضروری اسباب، آلات اور تدابیر سے بھی قطع نظر نہ کی جائے۔

آیتِ مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ہر نماز کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ وغیرہ

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ

اور لوگوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تم کو دُکھ پہنچتا ہے تو تمہاری طرح ان کو بھی دُکھ پہنچتا ہے

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۟ع

اور تم کو اللہ سے وہ امیدیں بھی ہیں جو اُن کو نہیں ہیں اور اللہ دانا صاحبِ تدبیر ہے

تفسیر جنگِ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے لشکر کی خبرگیری کے لئے کچھ مسلمانوں کو ہدایت کی اور حکم دیا کہ تم جا کر کفار کی خبر لاؤ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اُن کی طرف سے مطمئن ہو کر ہتھیار کھول ڈالیں اور وہ دھوکہ کر کے لوٹ پڑیں اور مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم بہت زخمی اور مجروح ہو گئے ہیں۔ غرض حکمِ نبوی کی تعمیل میں بعض لوگوں نے سستی کی تو یہ آیت مکمل نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ کفارِ مکہ کی تلاش میں سستی نہ کرو اور بزدلی ظاہر نہ کرو۔ کیونکہ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ جس طرح کفار کی ضرب سے تم کو دکھ اور تکلیف ہے۔ اسی طرح تمہاری ضرب سے اُن کو تکلیف اور درد ہے۔ احساسِ تکلیف میں تم دونوں برابر ہو۔ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ پھر تم میں ایک بات زائد بھی ہے جو تمہارے دلوں میں جرأت و ہمت پیدا کرنے والی ہے تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب اور فتح کی امید ہے اور اُن کو خدا سے کوئی امید نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ وہ باوجود احساسِ تکلیف اور ناامیدیِ ثواب کے بزدل نہیں ہیں اور تم باوجود یقینِ ثواب کے محض احساسِ تکلیف سے بزدل بنتے ہو اور اُن کا تعاقب نہیں کرتے لہٰذا تم کو بزدل نہ بننا چاہیئے۔ اگر بزدل بنو گے تو وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا خدا تعالیٰ سے تمہارا راز مخفی نہیں رہ سکتا، کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ ظاہر و باطن، چھوٹی اور بڑی ہر چیز اس کو معلوم ہے اور اس کا ہر فعل حکمت سے لبریز ہے۔ تم کو کفار کے تعاقب کا حکم دینا بھی پُر از مصلحت ہے۔

مقصودِ بیان استدلال آمیز طرز میں مسلمانوں کو تعاقبِ کفار کی ترغیب اس امر کی صراحت کہ کفار کے پیشِ نظر صرف تعصب، عناد اور دنیوی مصالح ہیں۔ خدا تعالیٰ سے ان کو ثواب کی کوئی امید نہیں اور مسلمانوں کو جہاد سے ثواب کی امید اور یقین رکھنا چاہیئے۔ وغیرہ

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ

بیشک محمد! ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا نے تم کو جو سمجھا دیا ہے اس کے موافق لوگوں کے فیصلے کرو

وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

اور دغا بازوں کے طرف دار نہ ہو اور اللہ سے استغفار کرتے رہو اللہ غفور رحیم ہے

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا

اور اُن لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑ جو لوگ اپنے آپ ہی کو دغا دے رہے ہیں اللہ دغا باز گنا ہگاروں کو پسند نہیں

أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ

کرتا وہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے کیونکہ اللہ اس وقت بھی اُن کے ساتھ

يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ

سنو دنیوی زندگی میں تو اُن لوگوں کی طرف سے تم جھگڑ لوگے لیکن قیامت کے دن اللہ سے ان کی طرف

يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

سے کون جھگڑے گا یا کون اُن کا وکیل بنے گا

تفسیر إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ۔ معالم التنزیل میں بروایت ابن مردویہ عن ابن عباسؓ بیان کیا گیا ہے کہ ان آیات کا نزول طعمہ بن ابیرق کے حق میں ہوا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ طعمہ بظاہر مسلمان اور باطن میں منافق تھا۔ ایک روز طعمہ نے ایک زرہ یا کچھ آٹا چرا کر زید نامی یہودی کے پاس امانت رکھ دیا۔ جب مال مسروقہ کی جستجو کی گئی اور یہودی کے پاس سے برآمد ہوا تو یہودی نے صاف کہہ دیا کہ طعمہ نے میرے پاس امانت رکھ دی تھی۔ مگر طعمہ چوری سے صاف انکار کر گیا اور قسم کھا گیا اور یہودی پر چور ہونے کی تہمت لگائی اور طعمہ کی قوم والوں نے بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ طعمہ کی طرف سے یہودی سے جھگڑا کریں ورنہ طعمہ بدنام ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ حضورؐ نے اُن کی درخواست پر ارادہ کیا کہ یہودی کا ہاتھ قطع کر دیا جائے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور طعمہ کی طرفداری کرنے سے ممانعت فرما دی گئی۔
ابن کثیر نے اس شانِ نزول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ترمذی اور ابن جریر نے بروایت محمد بن اسحاق بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے کہ خاندان بنو ابیرق میں تین شخص تھے۔ بشیر و مبشر و بشر۔ بشیر منافق تھا۔ ماہ جمادی الثانی ۳ھ میں اس نے حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا رفاعہ بن زید کے گھر میں نقب لگا کر چوری کی اور دو زرہیں اور کچھ گیہوں کا آٹا چرا کر لے گیا اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ بشیر نے چوری کی ہے۔ اس لئے حضرت قتادہ نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر پورا قصہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے بشیر کو بلا کر دریافت کیا تو وہ انکار کر گیا اور قسم کھا گیا اور لبید بن سہل پر چور ہونے کی تہمت لگائی۔ لبید اپنی قوم میں نہایت شریف اور صاحب وجاہت شخص تھے۔ اُن کی اس تہمت سے بڑی دل شکنی اور توہین ہوئی تھی اس لئے تلوار کھینچ کر بشیر پر آ پڑے اور کہنے لگے یا تو چوری ثابت

کرو ورنہ اسی تلوار سے گردن اُڑا دوں گا۔ بشیر ڈر گیا اور کہنے لگا میں نے تمہارا نام نہیں لیا اور نہ تم چور ہو۔ لبید واپس چلے گئے۔ بشیر کی قوم یعنی بنو ابیرق بھی آئے اور عرض کیا حضورؐ قتادہ اور اس کا چچا رفاعہ ہماری قوم کے آدمی کو چوری لگاتا ہے اور بلا ثبوت و گواہ کے کسی مسلمان پر چوری لگانی ٹھیک نہیں۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ حضورؐ والا ان کی طرفداری کریں۔ حضورؐ والا نے طرفداری تو نہ کی، البتہ جب قتادہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بلا ثبوت کیوں تہمت لگاتے ہو؟ قتادہ نے اپنے چچا رفاعہ سے جا کر کہا کہ حضورؐ ایسا فرما رہے تھے۔ رفاعہ خدا پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے۔ اُس وقت یہ آیات دور کوع تک بشیر کی تکذیب اور لبید کی پاکدامنی کے متعلق نازل ہوئیں۔ جب بشیر کی چوری کھل گئی اور مال برآمد کر کے مالک کو دلوایا گیا تو وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور سلافہ بن سعد کے پاس پناہ گیر ہوا اور حضورؐ والا کی اور حضورؐ کے صحابہ کی ہجو گوئی شروع کی اُس وقت آیات مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا تک کا نزول ہوا (خازن و مواہب الرحمٰن مع حذف البعض) بشیر کی ہجو کے جوابات حضرت حسانؓ نے دیئے اور اس کو خاموش کر دیا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ہم نے قرآن برحق آپ پر صرف اس لئے اُتارا ہے کہ جو احکام خدا تعالیٰ نے تم کو قرآن میں بتائے ہیں اُن کے مطابق لوگوں کا فیصلہ کیا کرو اور جو علم یقینی اللہ نے تم کو عطا کیا ہے اس کے موافق احکام دیا کرو۔ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا اور خیانت کاروں کی طرف سے جواب دہی اور جھگڑا نہ کرو یعنی چوروں کی طرفداری نہ کرو اور بنو ابیرق کی طرف سے جواب دہی نہ کرو (تفسیر سراج و ترمذی و ابن جریر) وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اور تم نے جو طعمہ یا بشیر کی طرف سے جوابدہی کرنے اور اس کی حمایت کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی معافی خدا سے چاہو (صرف ارادہ اگرچہ گناہ نہیں مگر اس قسم کا ارادہ بھی تمہارے مرتبہ کے لائق نہیں)۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ بیشک خدا غفور رحیم ہے تمہارے اس قصد کو معاف فرما دے گا۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اور جو لوگ خیانت کار ہیں گناہوں کی وجہ سے اپنے اُخروی عیش کو برباد کر رہے ہیں اور خود اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ تم اُن کی حمایت نہ کرو اور اُن کی طرف سے جوابدہی نہ کیا کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا خدا تعالیٰ بد طینت خیانت کار اور چور گناہگار کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر تم بھی اس کی حمایت نہ کرو (یہ حکم بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور حقیقت میں تمام اُمتِ اسلامیہ کو خطاب ہے کہ ناحق کوشی نہ کیا کریں اور خیانت کار بدخو او طعمہ کی حمایت نہ کریں)۔ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ یہ قبیلۂ ابیرق والے لوگوں سے شرم کرنے کو چوری وغیرہ کو تو چھپانا چاہتے ہیں مگر اس سے کیا ہو سکتا ہے۔ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ خدا سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ جب وہ ناپسند باتیں راتوں کو بیٹھ کر گھڑتے ہیں تو خدا کے علمِ وسیع سے خارج نہیں ہو سکتے جہاں اُن کے مشورے ہوتے ہیں خدا بھی وہاں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا۔ خدا اُن کے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اُس کے دائرہ علم سے اُن کا کوئی عمل خارج نہیں۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اے قوم ابیرق سنو اور متنبہ ہو جاؤ کہ اب دنیا میں تو تم خیانت کار بدشعار چوروں کی حمایت کرتے ہو اور ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو اور دنیوی سزا سے ان کو بچانا چاہتے ہو مگر فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ اُن کو سزا دے گا تو کون ان کی حمایت کرے گا اور کون خدا سے جھگڑا کرے گا۔ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔ بلکہ کون ان کی سرپرستی اور نمائندگی کرے گا۔

مقصودِ بیان رسولِ پاک صلعم وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ رسولِ پاک کا ہر قول اور ہر حکم وحی تھا اجتہاد ذاتی بھی رسولِ پاک کا ہر علم مثل چشم دید کے یقینی تھا آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے اور کسی شخص کو کسی شخص کے مقدمہ کی وکالت جائز نہیں تاوقتیکہ وکیل کو یقین نہ ہو جائے کہ یہ مؤکل سچا ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس کا مرتبہ بڑا ہو اس کی گرفت بھی سخت ہے۔ رسولِ پاک کا ارادہ اور قصد بھی قابلِ استغفار تھا۔ اگرچہ اعمال کے اعتبار سے حضورؐ پاک دامن اور معصوم تھے

آیات میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ خدا کو ہر وقت حاضر ناظر جانیں اور یقین رکھیں کہ خدا سے کوئی پردہ نہیں۔ لہٰذا شرم سے سرنیچا رکھیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اگر کوئی شخص کوئی بُری بات کر بیٹھے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے معافی کا خواستگار ہو تو وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور جو شخص گناہ کماتا ہے وہ اپنے حق میں کماتا ہے اللہ دانا صاحب تدبیر ہے

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا

اور جو شخص کسی خطا یا گناہ کا مرتکب ہونے کے بعد اُس کو کسی بے قصور کے سر تھوپ دے گا تو بلاشبہ اُس نے بہتان

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ع ۱۳

اور صریح گناہ اپنے سر لیا۔

تفسیر چونکہ طعمہ اور بشیر وغیرہ نے چار بے جا حرکات کی تھیں۔ چوری کی، پھر بے گناہ پر چوری کا الزام لگایا اور اس پر مزید یہ کہ ناحق کرنے لگے، جھگڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور انتہائی بے ایمانی، بے ادبی اور بے خوفی یہ کی کہ رسول اللہ صلعم کو دھوکا دینا چاہا تھا اس لئے خدا نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ ورنہ گناہگار کے واسطے ندامت، پشیمانی اور مغفرت عام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا جس شخص نے کوئی بدکاری کی جس سے دوسرے کو نقصان پہنچایا۔ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ یا اُس نے صرف اپنی جان کا نقصان کیا اور دوسرے کو ضرر نہ پہنچایا۔ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ پھر خالص دل سے توبہ کر کے خدا سے گناہوں کی معافی چاہی يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو وہ خدا کو غفور رحیم پائے گا۔ خدا اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور گناہ معاف کر کے اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے گا۔ بعض مفسرین کے نزدیک سُوْٓء سے گناہ صغیرہ اور ظلم نفس سے گناہ کبیرہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے حلم عفو و کرم اور رحمت و مغفرت سے آگاہ فرمایا کہ جس نے کسی قسم کا کوئی گناہ کیا خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ بہر صورت توبہ کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے اور پھر اس پر مزید انعام یہ ہوتا ہے کہ اپنی رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ ابو درداء کی روایت ہے کہ آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ اس آیت سے منسوخ ہے۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ گزشتہ آیت میں توبہ کی ترغیب اور معافی کا وعدہ تھا۔ اس آیت میں گناہ پر وعید اور نافرمانی پر تہدید ہے۔ نتیجۂ ارشاد یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا وہ اپنے واسطے کرے گا۔ گناہ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ خدا کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ اور خدا تعالیٰ اپنی خلق و صنعت کا علیم و حکیم ہے۔ اس کا کوئی فعل بغیر علم و ارادہ کے نہیں اور کوئی ایجاد و صنعت حکمت سے خالی نہیں۔ یعنی ہر شے کو اسی نے کمال علم اور کمال عمل کے ساتھ ایجاد فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی ایجاد اور تاثیر میں سراسر خوبیاں ہیں اور برائی اُس بندہ کی طرف سے ہے جس نے بدی کو اختیار کیا۔

قرطبی فرماتے ہیں۔ کسب اس فعل کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے واسطے کوئی نفع یا ضرر حاصل کرے تو گویا کاسب خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیدائش خلق میں خدا کی کوئی غرض نہیں۔ نہ اس کا کوئی نفع ہے نہ نقصان۔ اہل انسان کا اپنا فعل بغیر اپنے نفع یا نقصان کے نہیں ہوتا ہے اس لئے وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗـــــَٔةً اَوْ اِثْمًا جو شخص کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرے گا (ابن کثیر) خدا کا یا بندہ کا گناہ کرے گا (بعض مفسرین) ابن جریر کا قول ہے کہ خطیئہ عام ہے اور آثم خاص یعنی خطیئہ اُس گناہ کو کہتے ہیں جو بلا ارادہ ہو یا بالقصد ہو اور آثم صرف اسی گناہ کو کہتے ہیں جو بالارادہ ہو۔ بعض لوگوں نے

یہ بھی کہا ہے۔ خطیئہ گناہ غیر متعدی کو اور اثم گناہ متعدی کو کہتے ہیں۔ یہی معنی بہتر ہیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خود گناہ کر کے ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا کسی بے گناہ کی طرف منسوب کرے گا اس کا دین اور دنیا برباد ہو جائیگا۔ اور فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا بہتان اور صریح گناہ کا مرتکب ہوگا۔ بہتان کی پاداش میں اس کو دنیا میں ندامت اور رسوائی ہوگی اور گناہ کے عوض آخرت میں عذاب ہوگا۔ الغرض گناہ کرنے کے بعد اپنی برأت کے لئے کسی بے گناہ پر اس گناہ کے ارتکاب کی بہتان تراشی سے انسان خود بری نہیں ہو سکتا بلکہ دنیا میں رسوا اور آخرت میں تباہ حال ہوگا۔ گناہ سے برارت کی صورت صرف توبہ و استغفار ہے۔

مقصود بیان توبہ و استغفار سے ہر قسم کا گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ، متعدی ہو یا غیر متعدی، خدا کا ہو یا بندہ کا۔ آیت میں ہر گنا ہگار کو توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور گناہ سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ دنیا میں کوئی شے واقع میں خراب نہیں۔ ہر چیز خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور خدا کا کوئی فعل دانائی اور حکمت سے خالی نہیں۔ ہاں انسان خود اپنے واسطے برائی کرتا ہے۔ گویا ہر شے کا خالق خدا ہے اور بدی کا کاسب بندہ۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَ

اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ تو تم کو بہکانے کا ارادہ کر ہی چکا تھا حالانکہ

مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

وہ اپنے ہی کو گمراہ کرتے ہیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ نے تم پر کتاب اور علم

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ

کی باتیں نازل فرما دی ہیں اور جو باتیں تم کو معلوم نہ تھیں وہ تم کو سکھا دی ہیں تم پر اللہ کا

عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

بڑا فضل ہے

تفسیر وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ اے محمدؐ! آپ پر خدا کی عنایت اور مہربانی ہے کہ اس نے آپ کو گناہوں سے معصوم کر دیا ہے۔ اگر خدا کا فضل و رحمت آپ پر نہ ہوتا لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ تو ان میں سے ایک گروہ تو آپ کو بہکانے اور راہِ حق سے پھیر لے کا پختہ ارادہ کر ہی چکا تھا۔ ابیرق والوں نے آکر بے گناہ کو قصوروار بنانے میں تو کوئی کمی نہیں کی تھی۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ مگر وہ آپ کو نہیں بہکا سکتے۔ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ نہ آپ کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ خدا نے آپ پر قرآن اور احکام حلت و حرمت نازل کئے ہیں۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور جو احکام شرعی اور امور غیبی آپ نہ جانتے تھے اور جن ہدایت کے طریقوں سے آپ ناواقف تھے وہ خدا نے آپ کو سکھا دیئے ہیں۔ پھر وہ آپ کو کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں حالانکہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ خدا کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ اس نے آپ کو طریق ہدایت بتایا۔ احکام حلت و حرمت نازل فرمائے۔ قرآن و حکمت عطا کی۔ وحی بھیجی اور امور غیبی کا علم مرحمت فرمایا۔

مقصود بیان :۔ عہدِ نبوت میں بھی کچھ لوگ نبی کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ نبی کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ خدا اپنے خاص بندوں پر فضل و مہربانی

کرتا اور ہر طرح سے اس کی امداد کرتا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ

اُن کی بہت سی سرگوشیاں بے خیر ہیں ہاں جو شخص خیرات دینے یا نیک کام کرنے یا لوگوں میں میل کرانے کا مشورہ دے

بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

(اس میں بہتری ہے) جو شخص خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔

تفسیر یہ گزشتہ آیات کا تتمہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ یعنی یہ کہ جو لوگ آپس میں چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں ان میں سے اکثر بھلائی سے خالی ہوتی ہیں۔ نہ اُن میں مخلوق کا روحانی فائدہ ہوتا ہے، نہ جسمانی، نہ کسی کو نفع رسانی کا مشورہ نہ دفع ضرر کی ہدایت۔ اس لئے لوگوں کی سرگوشیاں عام طور پر خیر پر مبنی نہیں ہوتیں۔ ہاں جو سرگوشیاں نیک بندوں کی ہیں اور مجالسِ شوریٰ میں خدا کے خاص بندے کارِ خیر کا مشورہ کرتے ہیں، مثلاً دوسروں کی ہمدردی کرتے اور خیرات کرنے کی ہدایت کرتے ہیں یا لوگوں سے حسنِ سلوک اور نیکوکاری کرنے کا حکم دیتے ہیں یا دنیا میں شر و فساد کو مٹانا چاہتے ہیں اور فتنہ کو دور کر کے لوگوں میں اصلاح کرانی چاہتے ہیں ایسی سرگوشیاں اور مجلسیں ضرور بہتری کا اور خیر پر مبنی ہیں۔ لیکن ان تمام کارہائے خیر میں بھی نفسانیت اور خواہشِ مادّی اور مطلب دنیوی کی آمیزش نہ ہونی چاہئے بلکہ ہر نیک کام میں بھی خوشنودیٔ الٰہی کو مدِ نظر رکھنا چاہئے کیونکہ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا جو شخص جسمانی یا روحانی نیکیاں محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے ہم اس کو کچھ مدت کے بعد اس کے اعمال کی عظیم الشان جزا عطا کریں گے اور اس کی نیکیوں کو ضائع نہیں کریں گے۔ مگر خلوصِ نیت اور طلب رضائے مولیٰ شرط ہے۔

مقصودِ بیان مجالسِ شر کے انعقاد کی ممانعت اور ایسے مجالس میں شرکت کرنے سے باز داشت، اور کارِ خیر کی سرانجام دہی کے لئے مجالسِ شوریٰ منعقد کرنے کی اجازت بلکہ ضمنی امر۔ اس امر کی صراحت کہ مسلمانوں کے پیشِ نظر تین مقاصد میں سے ایک مقصد ضرور ہونا چاہئے یا تو لوگوں کی مالی ہمدردی کی جائے اور بقدرِ حاجت ان کو خیرات اور صدقات دے کر امکانی امداد کی جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو اور خیرات صدقات کی قابلیت نہ ہو تو کم از کم حسنِ معاملہ اور نیک سلوک، اور بہی خواہی اور میٹھی باتوں سے ہی لوگوں کی خاطر داری اور دلجوئی کی جائے اور کوشش کی جائے کہ خدا اور خدا کے بندوں کے حقوق تلف نہ ہوں۔ یہ دو مقصد تو تحصیلِ خیر اور حصولِ نفع کے لحاظ سے ہیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ عالم سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی کر دی جائے اگر لوگوں میں نفاق اور پھوٹ ہو تو شرعی طور پر ان میں اصلاح کرا دی جائے۔ آیت مذکورہ کے آخری فقرے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ دنیا میں ہر نیک عمل شہرت، نام آوری یا طلبِ جاہ و عزت اور حصولِ دولت کے لئے نہ کیا جائے بلکہ نفسانی مقصد کو نظر انداز کرتے ہوئے مرضیٔ مولیٰ کی طلب لازم ہے۔ وغیرہ

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

اور جو شخص راہِ ہدایت کھل چکنے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ؏

ہم اس کو اسی راہ پر چلائیں گے جس پر وہ چلے گا اور جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بُری جگہ ہے

تفسیر ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بشیر کی چوری جب کھل گئی اور مال مسروقہ برآمد ہو گیا تو وہ مرتد ہو کر مکہ کو بھاگ گیا اور ان سلافہ بنت سعد بن سہیہ کے گھر ٹھہر گیا اور پھر رسول اللہ صلعم کی اور آپ کے صحابہ کی ہجو گوئی شروع کی جس کا جواب حضرت حسانؓ نے دیا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ جب حضرت حسان کے وہ اشعار جن میں سلافہ کی ہجو تھی سلافہ کو پہنچے تو اس نے بشیر کا سامان اپنے سر پر لادکر شام ابطح میں جا پھینکا اور کہنے لگا کہ تجھے بے کبھی خیر نصیب نہ ہوگی۔ (رواہ الترمذی و ابوالشیخ والحاکم)

آیت کا شانِ نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عمومی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ جو شخص باوجود ظہورِ ہدایت اور نزولِ قرآن اور حقانیتِ اسلام کے رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرے گا اور راہِ اسلام چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا اور خود گمراہی پسند کرے گا تو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم بھی اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جو اس نے اختیار کیا ہے۔ یعنی اسی گمراہی میں ہم اس کو چھوڑ دیں گے جو اپنے واسطے اس نے پسند کی اور بالآخر قیامت کے دن وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو اس کے اعمال کی پاداش ہوگی۔ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا اور دوزخ برا ٹھکانا ہے۔ آیت مذکورہ کا مطلب بعض مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص رسولِ پاکؐ کی مخالفت کرتا ہے باوجودیکہ معجزات کے ذریعہ سے اظہارِ حق ہو چکا ہے اور ہدایت واضح ہو چکی ہے باوجود وہ باطل کی پیروی کرتا ہے اور اسلام چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے تو دنیا میں ہم اس کی مرغوب چیز یعنی گمراہی اس کو دیتے ہیں لیکن آخرت میں جہنم میں ڈال دیں گے (بیضاوی وغیرہ)

مقصودِ بیان رسولِ پاکؐ کی مخالفت اگرچہ ہر حالت میں جرم ہے مگر معجزات دیکھنے اور حقیقتِ حال کھل جانے کے بعد تو یہ بدترین گناہ ہے۔ اگر ظہورِ حق کے بعد انسان خود گمراہی اختیار کرتا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور ڈھیل دینے کے لئے اس گمراہی کی خوبی و زینت اس پر ظاہر کر دیتا ہے جو اس کے زیادتیٔ کفر کا باعث ہو جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ

اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا جو شخص

یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝

اللہ کا شریک قرار دیتا ہے وہ راہِ ہدایت سے دور بھٹک جاتا ہے

تفسیر ایک بڈھے شخص نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میری ساری عمر گناہوں میں برباد ہوئی لیکن میں نے شرک کبھی نہیں کیا اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں خدا جانے میرا کیا حشر ہوگا معلوم نہیں مغفرت ہوتی ہے یا مواخذہ ہوگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (رواہ الثعلبی) مطلب یہ ہے کہ خدا شرک کو تو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا کیونکہ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا اور ذات و صفاتِ الٰہی میں شرک کرنے والا انتہائی گمراہ ہے جو کسی طرح قابلِ مغفرت نہیں۔

آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ پہلے بھی آ گئی ہے مگر وہاں آیت کا اختتام فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا پر تھا اور یہاں آخری فقرہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ہے۔ بات یہ ہے کہ پہلی آیت اُن سرکش اہلِ کتاب کے حق میں نازل ہوئی تھی جو حضورِ والا کی نبوت کی صداقت اور آپ کی شریعت کی جامعیت اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے اور جانتے تھے مگر اس کے باوجود محض عناد اور تعصب سے انکار کرتے تھے اور خدا تعالیٰ پر جھوٹے بہتان باندھتے تھے جو باوجود علم کے انکارِ حق کرنا افترا بندی اور بہتان تراشی ہے اس لئے وہاں آیت کو فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا پر ختم کیا گیا اور یہاں اُن مشرکوں کے

حق میں آیت کا نزول ہوا۔ جو بالکل جاہل تھے۔ علم و کتاب سے کوئی حصہ ان کو حاصل نہ تھا اس لئے ضَلٰلًا بَعِیْدًا پر آیت کو ختم کیا گیا۔

مقصود بیان مشرک بہر صورت نا قابل مغفرت ہے۔ مشرک کے علاوہ ہر گناہ گار خواہ قاتل ہو یا زانی یا اور کچھ قابل بخشش ہے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے مگر مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو بغیر سزا دیئے معاف کر دے۔ چاہے سزا میں تخفیف کر دے چاہے پوری سزا دینے کے بعد جنت میں داخل کرے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۙ لَّعَنَهُ

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر عورتوں ہی کو پکارتے ہیں اور صرف شیطان سرکش ہی کی عبادت کرتے ہیں اُن پر

اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ

خدا کی پھٹکار شیطان تو کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ تعداد ضرور لیا کروں گا اور گمراہ کرتا رہوں گا

وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ

اور اُن کو لالچ دیتا رہوں گا اور ان کو تعلیم دوں گا جس کی وجہ سے وہ چوپایوں کے کان چیرا کریں گے اور اُن کو مشورہ دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی

خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

بنائی ہوئی صورت بگاڑ دیں گے جو شخص خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا تو وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا

مُّبِیْنًا ؕ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۙ اُولٰٓئِكَ

وہ اُن کو وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے حالانکہ شیطان اُن سے جو کچھ وعدے کرتا ہے وہ نرا دھوکہ ہوتے ہیں ان سب کا

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ۙ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ٹھکانا جہنم ہے وہاں سے ان کو بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ملے گی اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ

ہم عنقریب اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا

اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا

وعدہ برحق ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

تفسیر اس آیت کا اور اس کے بعد والی تمام آیات کا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا تک گزشتہ آیات سے ارتباط ہے۔ ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ کافروں کی جہالت اور شیطان کی پیروی کرنے کی مذمت فرماتا ہے اور مومنوں کی عقل نورانی کی تعریف کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مکہ کے رہنے والے

بہت ہی نادان جاہل ہیں۔ پرستش کے لئے خدا کو چھوڑ کر مؤنث ناموں کو پکارتے ہیں۔ یہ تمام نام مؤنث ہیں اور جن لوگوں کے یہ نام انھوں نے رکھ چھوڑے ہیں وہ بھی عورتیں تھیں (معالم) ابی بن کعب، ام المومنین صدیقہ، ابوسلمہ، عروہ، ابومالک اور سدی سے یہی مطلب مروی ہے۔ ابن جریر نے بروایت ضحاک بیان کیا ہے کہ مشرکین جہالت اور نادانی سے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور اُن کی صورتوں کی شکل بنا کر یا ان کی تصویر خیال کر کے پرستش کرتے تھے۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ اناث بمعنی بے جان اور بے روح چیز کو کہتے ہیں۔ مثلاً لکڑی پتھر وغیرہ۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر لکڑی پتھر وغیرہ بے جان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس والحسن البصری) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ ہر بُت کے ساتھ ایک شیطان یا دیوی ہوتی تھی بت پرست اسی شیطان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اسی واسطے ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا درحقیقت یہ لوگ سرکش شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔ لَّعَنَهُ اللّٰهُ جس پر خدا نے اپنی لعنت فرما دی ہے اور اس کو اپنی رحمت سے خارج کر دیا ہے۔ لیکن باوجود ملعون ہونے کے اس نے کچھ آدمیوں کو اپنا ساتھی بنا کر استحقاقِ لعنت میں شریک کر لیا۔ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا جب رحمت سے رد کر کے اس کو جنت سے نکالا گیا تو کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنے واسطے ایک حصہ ضرور علیحدہ کر لوں گا یعنی اُن کو اپنی فرماں پذیری کی دعوت دوں گا۔ جو بدبخت ہیں وہ ضرور میری پیروی کریں گے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نصیب مفروض بہت بڑا حصہ ہے اور ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے آدمی مراد ہیں جو دوزخی ہوں گے صرف ایک جنتی ہوگا۔ وَلَاُضِلَّنَّهُمْ اور اُن کے دلوں میں وسوسے ڈال کر حق بات سے ان کو پھیر دوں گا جو ان وسوسوں میں پڑ جائے گا وہ میرا تابع ہو جائے گا۔ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ اور طرح طرح کی آرزوئیں اور لالچ اُن کو دوں گا۔ مثلاً یہ کہوں گا کہ تم دنیا کے مزے اُڑاؤ۔ خدا جانے آخرت ہو یا نہ ہو اور اگر ہوئی بھی تو ابھی عمر بہت باقی ہے۔ دنیا کے عیش کر لو پھر توبہ کر لینا۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ اور ان کو مشورہ دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ بت پرست بتوں کے نام پر چوپایوں کے کان کاٹ کر سانڈ بنا کر چھوڑا کرتے تھے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ اور میں اُن کو مشورہ دوں گا تو وہ دینِ الٰہی کو بگاڑ دیں گے۔ اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں اُن کو حلال کر لیں گے اور جو چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار دے لیں گے (کذا روی عن ابن عباس وھو قول مجاہد وعکرمہ والنخعی والحسن وقتادہ والحکم والسدی والضحاک والعطاء الخراسانی)

حسن بصریؒ کے ایک قول میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ لعنت کرتا ہے گودنے والے پر، گدوانے والی پر، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں جھریاں بنانے والی اور بنوانے والی پر۔ یہ سب خلقِ الٰہی کو بگاڑنے والیاں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ تغییر خلق سے مراد چوپایوں کا خصی کرنا ہے۔ ابن عمر، انس، سعید بن مسیب، عکرمہ، ابوعیاض، ابوصالح اور ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب بیضاوی کے نزدیک عام معنی مراد لینا بہتر ہے۔ مثلاً غلاموں کو یا جانوروں کو خصی کرنا گودنا گدوانا، مصنوعی بال جوڑنا اور جڑوانا، دانتوں میں جھریاں بنوانا اور بنانا، لواطت کرنا، غیر اللہ کی پرستش کرنا، اپنی جسمانی اور روحانی قوتوں کو ایسے کام میں استعمال کرنا جو نہ باعثِ ثواب ہیں نہ نفس میں روشنی پیدا کرنے والے۔

تمام آیات کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان مَرید میں دو خرابیاں ہیں۔ اول تو خدا کی اس پر لعنت ہے۔ دوسرے وہ آدمیوں کا سخت دشمن ہے اس لئے شیطان کی پیروی کرنی اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرنی جو خود دوسری چیزوں سے اثر پذیر ہیں سخت حماقت ہے۔ اور جو کھلم کھلا دشمن ہو اور دشمنی کا بیڑا اُٹھا چکا ہو اس کی تابعداری کرنی غیر مفید ہی نہیں بلکہ سخت ضرر رساں ہے۔ اسی لئے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا جو شخص شیطان کو اپنا دوست اور مقتدا بنائے گا اس کی پیروی کرے گا اور خدا کو چھوڑ دے گا، خدا اور رسولؐ کے فرمان کو نہ مانے گا اس کو کھلا ہوا نقصان اُٹھانا پڑے گا اور دنیا و دین میں اس کو تباہی نصیب ہوگی۔ کیونکہ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ شیطان اس کو امیدیں تو دلاتا ہے اور اُن سے کامیابی اور فلاح کے وعدے بھی طرح طرح کے کرتا ہے مگر وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا اس کے وعدے محض دھوکہ اور فریب ہیں۔ قیامت کے دن صاف انکار کر جائے گا اور

کہدے گا کہ میرا تم پر کچھ زور نہ تھا تم نے میرا کہنا کیوں مانا۔ لہٰذا شیطان کی پیروی کرنا اور اس کے باطل ملمع آمیز وعدوں پر بھروسہ کرنا بے وقوفی اور گمراہی ہے۔ جو لوگ ایسا کریں گے اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۝ اُن کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے کبھی دوزخ سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ ہاں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا جو لوگ خدا اور رسول کے احکام پر ایمان لے آئے اور حکم شرع کے مطابق نیک اعمال کئے اُن کو راحت بخش جنت میں داخل کیا جائے گا اور جس طرح کافروں کو کبھی دوزخ سے رہائی نصیب نہ ہوگی اسی طرح اہل جنت کو جنت سے کبھی نہ نکالا جائے گا۔ راحت و عیش اور بقائے دوامی نصیب ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ نے جو اپنے نیک بندوں سے یہ وعدہ کیا ہے وہ غلط نہیں ہے کیونکہ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا خدا نے یہ بالکل برحق اور سچا وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کا جھوٹا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝ خدا سے زیادہ اور کون صادق القول ہو سکتا ہے۔

مقصود بیان

خلافِ فطرت تمام افعال گمراہی اور حماقت ہیں آیت میں نہایت مدلل طور پر اتباعِ شیطان کی ممانعت کی گئی ہے اور اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ شیطان آدمیوں کو گمراہ کرنے کا ذمہ لے چکا ہے اس لئے اس کا پیرو جو شخص ہوگا وہ گمراہ ہوگا۔ پھر شیطان خدا کی رحمت سے دور کردیا گیا ہے جو شخص اس کا ساتھ دے گا وہ بھی خدا کی رحمت سے خارج کردیا جائے گا۔ آیات میں لطیف اور بلیغ اشارات اس طرف بھی ہیں کہ احکام اسلامی فطرت انسانی کے مطابق ہیں اور جو قوانین نیچرل نہیں وہ اسلام اور اسلامیات سے خارج ہیں۔ آخر میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ وعدۂ الٰہی میں کذب محال ہے۔ خدا کا قول جھوٹا ہونا ممکن نہیں۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا

نہ تمہاری آرزوؤں سے کام چل سکتا ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے جو شخص بُرا کام کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور اللہ

يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

کے سوا کسی کو نہ اُس کا کوئی حمایتی ملے گا نہ مددگار اور جو مرد یا عورتیں بھی نیک کام کرینگی

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝

بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں تو وہ جنت میں جائیں گے اور تل برابر اُن پر ظلم نہ ہوگا

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

اُس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس نے خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے سر جھکا دیا ہو اور ابراہیم کے مذہب پر چل رہا ہے جو یک اللہ کے

حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

ہو رہے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو خالص دوست بنا لیا تھا جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ ہی

الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝ ع ۱۸/۱۵

کا ہے اور ہر چیز اللہ کے قابو میں ہے

تفسیر یہ آیت وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا تک ایک ہی قصّہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ ابن عباسؓ اور ایک جماعت تابعین نے آیات مذکورہ کی شانِ نزول اس طرح بیان کی ہے کہ ایک بار چند یہودی اور چند عیسائی اور چند مسلمان ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہودی بولے ہمارے نبی سب سے افضل تھے اور ہم انبیاء کی اولاد ہیں۔ اس لئے صرف ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ عیسائی بولے جنت میں تو صرف ہم ہی جائیں گے کیونکہ ہمارے عیسیٰ خدا کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو کر سولی پر چڑھ چکے جس سے ہمارے سب گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اب ہم گناہوں سے پاک ہیں، ہم پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا۔ مسلمان کہنے لگے ہمارے نبی اور پیشوا محمدؐ ہیں جو خاتم الانبیاء اور تمام رسولوں کے آقا ہیں اس لئے ہم ہی جنت میں جائیں گے کیونکہ ہم ان کے ماننے والے ہیں۔ اس باہمی اور فخر کی مخالفت میں یہ آیت نازل ہوئیں (رواہ ابن جریر عن طریق مسروق)۔ بِاَمَانِیِّکُمْ میں خطاب مسلمانوں کو ہے (مسروق، قتادہ، ضحاک) مجاہد کہتے ہیں کہ مشرکوں کو خطاب ہے جو سزا جزاء، عذاب ثواب کسی بات کے قائل نہ تھے اور جو لوگ قائل تھے وہ بتوں کو سفارشی جانتے تھے (مدارک) بیضاوی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے مگر میرے نزدیک مسلمانوں کو خطاب ہے اور اسی مطلب کو پیش نظر رکھ کر تفسیر کی جائے گی۔

ارشاد ربانی ہے کہ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ یعنی جنت میں داخلہ کا ہونا اور عذاب سے نجات پانا مسلمانو نہ تمہارے خیالات اور آرزوؤں کا پابند ہے نہ اہلِ کتاب کی خواہشات اور تمناؤں کے موافق ہے بلکہ نجاتِ اخروی کا دارومدار ایک عام قاعدہ پر ہے جو شخص اس قاعدہ کا پابند ہوگا وہ نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔ جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا وہ سزا پائے گا اور جہنم میں جائے گا۔ عام قانون یہ ہے کہ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا جو شخص بدی کرے گا یعنی شرک و کفر کرے گا وہ ضرور اس کی سزا پائے گا اور خدا کے سوا کوئی قیامت کے دن اُس کو عذاب سے بچانے والا اور مدد کر کے جنت میں پہنچانے والا نہ ملے گا (یہ تفسیری معنی ابن عباس، ضحاک اور سعید بن جبیر کے اقوال کے موافق ہیں۔ کیونکہ ان اصحاب کے نزدیک سُوْٓء سے مراد شرک اور کفر ہے) لیکن عام مفسرین نے سُوْٓء سے مراد عام معنی لئے ہیں۔ خواہ شرک و کفر ہو یا اور کوئی گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدی کرے گا اس کی سزا پائے گا اور وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ۝ جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کریں گے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بہر صورت جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ برابر اُن کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۝ جب اوپر کی آیت نازل ہوئی کہ مسلمانو! فلاح آخرت نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی اُمیدوں پر بلکہ ہر شخص کو بدی کی سزا دی جائے گی اور جو نیکوکار مومن ہوگا اُسی کو نجات ملے گی تو اہل کتاب نے کہا مسلمانو! اب تو ہم تم سب برابر ہوگئے۔ اب تمہارے نبی کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ اس وقت اہل کتاب کے اعتراض کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا تن من دھن مال و منال سب قربان کر دیا اور خالص دل سے رضائے الٰہی کا طلبگار ہوگیا اور خدائے قدوس کی ذات و صفات پر صحیح ایمان لے آیا اور اس کے احکام کو مان لیا اور خدا کو ہر وقت حاضر ناظر تسلیم کر لیا اور بہر عمل احکام میں حق پرست ابراہیم کی اس نے پیروی کی یعنی دینِ محمدی کا پابند ہوگیا تو اس سے بہتر اور کون مذہب والا ہو سکتا ہے۔ یہودی اور عیسائی کھلی حقانیت کے مدعی ہیں۔ نہ اُن کا عقیدہ صحیح نہ اعمال درست، ملتِ ابراہیمی کے پیرو اور عقائد و اعمال کے لحاظ سے حق پر ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف رجوع کر لیا تھا اور ہر قسم کے باطل خوف و طمع کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ اسی وجہ سے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ۝ خدا نے ابراہیم کو اپنا خالص دوست بنا لیا جس کی محبت میں کوئی رخنہ اور خلل نہیں تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ابراہیم کو خدا سے کوئی رشتہ تھا یا ابراہیمؑ خدا کے بیٹے تھے یا خدا کو ابراہیمؑ کی احتیاج تھی کیونکہ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات اور کائنات خدا کی مملوک مخلوق اور عبادت گزار ہے۔ عالم میں ہر جاندار اور بے جان، ذی عقل اور بے عقل چیز خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اُسی کی ملک اور اسی کے تصرف میں ہے۔ وہی سب کا معبود ہے۔ اس لئے ابراہیمؑ بھی نہ خدا کے بیٹے تھے نہ شریک کار، نہ رشتہ دار بلکہ اس کے خالص بندے اور مخصوص عبادت گزار تھے۔ کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا خدا کے علم و قدرت کے دائرہ سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اس کا جلال و عظمت اور حکمت و علم سب چیزوں کو محیط ہے۔

مقصود بیان جنت کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں اور نہ اس جگہ کسی کا کوئی خاص حق محفوظ ہے۔ دکسی کی آرزو اور تمنا سے جنت کا داخلہ ممکن ہے بلکہ جو شخص دونوں عقیدوں پر کاربند ہوگا وہ مستحق ہوگا۔ دخولِ جنت کے لئے ایمان اور عمل صالح ضروری ہے۔ ابراہیم کا دین فطرت کے موافق ہے اسلام اسی کی تشریح ہے۔ آیاتِ مذکورہ میں نہایت بلاغت آمیز اور لطافت آمیز طریق سے حقانیتِ اسلام کی دو دلیلیں بیان کی گئی ہیں:-

(۱) ہر مذہب کی حقانیت اور الہامی ہونے کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔ صحیح عقائد اور نیک اعمال اور یہ دونوں جس طرح اسلام میں ہیں اور کسی مذہب میں موجود نہیں۔

(۲) یہ مسلّم ہے کہ دینِ ابراہیمی حق تھا چنانچہ یہودی اور عیسائی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا جو مذہب دینِ ابراہیمی کے موافق ہوگا وہی حق ہوگا۔ اسلام ملتِ ابراہیمی کے موافق ہے اس لئے حق ہے۔ وغیرہ

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي

اے نبیؐ تم سے وہ عورتوں کے متعلق حکم پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو اُن کے بارے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم تم کو کتاب میں پڑھ کر سنایا جاتا ہے

الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ

وہ ان یتیم عورتوں کے حق میں ہے جن کو تم اُن کا فرض کردہ حق نہیں دیتے اور (جبراً) اُن سے نکاح کرنا

تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ

چاہتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں بھی تم کو حکم دیتا ہے وہ حکم یہ ہے کہ تم یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں انصاف

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝

کے ساتھ قائم رہو تم جو کچھ نیکی کروگے اللہ اس کو خوب جانتا ہے

تفسیر حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو میراث میں حصہ نہ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ فرقہ دشمن سے لڑتا نہیں ہے اور نہ قوم سے مضرتِ اعداء کو دفع کرتا ہے اس لئے میراث میں حصہ لینے کا ان کو کوئی استحقاق نہیں۔ لیکن جب اسلام آیا تو خدا تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کو بھی میراث دینے کا حکم دیا اور آیتِ میراث نازل ہوئی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آیتِ میراث کے نزول کے بعد کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی لڑکی یتیم ہوئی اور کسی مرد کے زیرِ سرپرستی ہوتی اور وہ لڑکی مع اپنے سرپرست کے میت کے مال کی وارث ہوتی۔ اب یہ لڑکی حسین ہوتی تو یہ سرپرست قبیل پر پر اس سے خود نکاح کر لیتا اور اگر بدصورت ہوتی یا اور کوئی وجہ مانع ہوتی تو وہ خود اس سے نکاح کرتا نہ کسی غیر کے ساتھ نکاح ہونے دیتا تاکہ کوئی دوسرا لڑکی کے مال کا مالک نہ بن جائے (بخاری، مسلم) اس لئے قرآن میں اس کی ممانعت آگئی۔ ایک مرتبہ حضرت جابرؓ کی چچازاد بہن یتیم ہوگئی تھیں اور باپ کی میراث میں سے بہت سا مال و اسباب بھی ان کو ملا تھا لیکن حضرت جابرؓ اُن کے بدصورت ہونے کی وجہ سے اُن سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور دوسرے شخص سے بھی نکاح کرانا نہ چاہتے تھے تاکہ مال کے ترکہ میں کوئی اجنبی شخص شریک نہ ہو جائے۔ اُن کو اُمید تھی کہ شاید پہلا حکم منسوخ ہو جائے یا اس میں کچھ ترمیم و اصلاح ہو جائے یا کوئی تخفیف کی صورت نکل آئے۔ یہ اُمید لے کر رسول پاکؐ سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور صاف حکم دے دیا گیا کہ پہلے ہی ہدایت کر دی گئی ہے کہ یتیم عورتوں کی حق تلفی نہ کرو اور ضعیف و بچوں کو بھی میراث میں شریک کرو۔ پھر اب بھی دوبارہ اسی حکم کی تاکید کی جاتی ہے اس میں کوئی ترمیم نہیں چاہئے اور سرپرست الٰہی کے مجرم قرار دئے گئے۔

بعض مفسرین نے سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ عیینہ بن حصن نے ایک بار خدمتِ گرامی میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف میراث دلاتے ہیں اور جاہلیت کے زمانہ میں ہمارا یہ دستور تھا کہ میراث میں اسی شخص کو شریک کیا کرتے تھے جو لڑائی میں شریک ہوتا اور مالِ غنیمت حاصل کرتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے اور آیت یَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ پڑھ کر سنائی۔

مطلب یہ ہے کہ اے نبی آپ سے لوگ عورتوں کے بعض حالات کے متعلق فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ یتیم کے نکاح اور میراث کے بارے میں فیصلہ دریافت کرتے ہیں۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ جن یتیم لڑکیوں کو تم مالِ میراث میں سے اُن کا مفروضہ حصہ نہ دیتے تھے اور کسی دوسرے سے نکاح نہ ہونے دیتے تھے اور نہ خود اُن سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن میں اُن کے متعلق جو حکم سنا دیا ہے وہ اب بھی سناتا ہے کہ تم اُن کی حق تلفی نہ کرو اور عدل و انصاف سے کام کرو۔ جو ہدایت گزشتہ آیات میں تم کو کر دی گئی ہے وہی ہدایت اب بھی خدا تعالیٰ تم کو کرتا ہے کہ اُن کے حقوق کا لحاظ رکھو اور اُن پر ظلم نہ کرو۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ اور بیکس بچوں کے متعلق بھی وہی حکم دیتا ہے جو پہلے سنایا جا چکا ہے اور یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف کو کام میں لاؤ۔ ان کا مہر اور میراثی حصہ بغیر حق تلفی کے پورا پورا اُن کو دو اور اس ادائے حقوق کے علاوہ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا۔ جو کچھ تم اُن کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرو گے خدا کو اس کا علم ہو گا اور بہتر اور اچھا خدا اس کی تم کو جزا دے گا۔

نتیجۂ ارشاد یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں اور بچوں کی میراث اور نکاح وغیرہ کے جو احکام سورۂ نساء وغیرہ میں بیان کر دیئے گئے وہ ناقابلِ ترمیم ہیں اب بھی انہی پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے بلکہ علاوہ حقوق مفروضہ کی ادائیگی کے یتیم بچیوں کی حالت تو اس قابل ہے کہ اُن کے ساتھ ہر قسم کا اچھا برتاؤ اور نیک سلوک کیا جائے۔

مقصودِ بیان رسمِ جاہلیت کا ابطال۔ یتیم بچوں اور بچیوں پر رحم کرنے اور اُن کے صحیح حقوق ادا کرنے کی ہدایت۔ عورتوں کے ساتھ ہر ممکن مراعات اور نیک سلوک کی تعلیم۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے ناخوشی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو کوئی حرج نہیں اگر

يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ

باہمی صلح کر لیں صلح کرنا بہتر ہے مگر لوگوں کی طبیعتیں حرص سے نزدیک کر دی گئی ہیں

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ

اور اگر تم نیکی کرو گے اور پرہیزگار رہو گے تو جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے تم سے کبھی

تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو خواہ کتنا ہی چاہو لہٰذا ایک کی طرف بالکل مائل ہو کر

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

دوسری کو ادھر میں لٹکتا نہ چھوڑ دو اگر صلح کر لو اور پرہیزگاری رکھو تو اللہ غفور رحیم

رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

ہے اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی طرف کشائش دے کر بے نیاز کر دیگا اللہ بڑا ہی وسعت

حَكِيْمًا ۝

والا صاحب تدبیر ہے۔

تفسیر وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ام المومنین حضرت سودہؓ کو طلاق دیدیں۔ حضرت سودہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن میں زوجیتِ نبی کا افتخار حاصل کرنا چاہتی ہوں آپ مجھ کو طلاق نہ دیں، البتہ اپنی باری کا دن میں حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی، بیہقی، طبرانی، ابن منذر، حاکم، ابوداؤد وغیرہم) لیکن حضرت عائشہؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے (اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک عورت سے اس کے شوہر کی اولاد نہ ہوتی اور شوہر دوسرا نکاح کر لیتا اور پہلی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو عورت کہتی کہ میں تجھ کو اپنے حقوق سے سبکدوش کرتی ہوں نہ دل چاہے تو نہ مہر وغیرہ دینا دل چاہے نہ دینا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری)

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ ان روایتوں کے بموجب شانِ نزول میں عموم ہے۔ کوئی خاص واقعہ سببِ نزول نہیں۔ بہر تقدیر حکم ضرور عام ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے لڑائی جھگڑے اور بے رُخی کا خوف ہو اور علامات سے اس کو معلوم ہو جائے کہ شوہر میری طرف مائل نہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا تو زوجین کے واسطے اس بات میں کوئی ہرج نہیں کہ کسی طرح باہم صلح کر لیں۔ عورت اپنے پورے حق یا جزءِ حق سے دست بردار ہو جائے اور شوہر اس کی طرف مائل ہو جائے۔ عورت کا حق عام ہے خواہ نان نفقہ ہو یا مہر واجب یا حقوق صنفی یا باری وغیرہ۔ بہرحال اپنے حقوق معاف کر سکتی ہے اور رضامندی کے ساتھ معاف کرانے میں شوہر پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ اور صلح بات بھی اچھی ہے (بیضاوی) یا مراد یہ کہ صلح جنگ اور بے رُخی سے بہتر ہے۔ خواہ اس میں اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہونا پڑے۔ اگرچہ عام قاعدہ اور سرشتِ انسانی یہ ہے کہ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ انسانی طبائع میں لالچ اور بخل کا خمیر ہے۔ کوئی اپنے حقوق سے دست بردار ہونا اور اپنے مرغوبِ طبع کو ترک کرنا نہیں چاہتا۔ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرنا نہیں چاہتی اور مرد کا دل جب دوسری عورت کی طرف مائل ہو گیا تو پہلی بیوی کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ مگر صلح ہر صورت اچھی بات ہے جنسی معاملات و تعلقات میں حُسنِ سلوک بہتر ہے۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا اگر ایک دوسرے سے حسن سلوک کرو گے، مرد عورت سے اور عورت مرد سے اگر اچھا برتاؤ کرے گی وَتَتَّقُوْا اور ایک دوسرے کی حق تلفی سے پرہیز رکھو گے تو تمہارے لئے موجب ثواب ہوگا۔ کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا خدا تعالیٰ کو تمہارے اعمال و افعال کی پوری پوری اطلاع ہے وہ تمہارے اعمال کی ضرور جزا دے گا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ مردوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اگرچہ حکم خطاب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔ کیونکہ عموماً زیادتی اور جبر مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کی طرف سے زیادتی کا احتمال کم ہے۔ اب آگے خصوصیت کے ساتھ مردوں کو ہدایت کی جاتی ہے اور عورتوں کے متعدد ہونے کی صورت میں چونکہ بعض بیویوں کی حق تلفی کا زیادہ قوی احتمال ہے اس لئے تعدد ازواج کے خصوصی احکام بیان کئے

جانتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ اگرچہ یہ یقینی بات ہے کہ تم محبت میں سب بیویوں میں مساوات اور تعادل قائم نہیں کر سکتے خواہ تم اس مساوات کی دل سے خواہش اور حرص کرو۔ انسان کی طبیعت کا میلان اس کے اختیار سے خارج ہے لیکن فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ باری اور نان نفقہ میں ایک کی طرف بالکل نہ جھک پڑو کہ ہمیشہ شب و روز اسی کے پاس رہو اور اسی کو پورا خرچ دو اور فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ دوسری عورت کو ادھیڑ میں لٹکا کر چھوڑ دو کہ وہ نہ بیاہتہ نہ مطلقہ ہو نہ سہاگن، نہ اُس کے پاس آنا نہ جانا، نہ نان نہ نفقہ اور نہ خرچ دینا (ابن ابی ملیکہ کی روایت کے موافق آیت وَلَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا کا نزول حضرت عائشہؓ کے بارے میں ہوا ہے) وَاِنْ تُصْلِحُوْا تو اگرچہ میلانِ خاطر اور قلبی محبت بے اختیاری چیز ہے مگر معاملات میں مساوات رکھنی ضروری چیز ہے۔ اگر اپنی اصلاح رکھو گے اور معاملات میں عدل قائم کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور عورتوں پر زیادتی کرنے اور اُن کی حق تلفی کرنے سے پرہیز رکھو گے اور نان نفقہ خرچ اور باری وغیرہ میں برابری سے کام لو گے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ تو خدا بھی غفور رحیم ہے وہ قلبی محبت میں عدم مساوات کو معاف فرما دے گا اور تم میں جو میلانِ خاطر کا تفاوت ہے اس کو اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ زوجین کی دو حالتیں اوپر بیان کر دی گئیں ایک تو وہ حالت جب مرد کو عورت سے نفرت ہو۔ دوسری وہ حالت جب بیوی سے اتفاق کرلے اب یہاں تیسری حالت بیان کی جاتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں صلح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو اور دونوں علیحدہ علیحدہ ہو جائیں اور مرد عورت کو طلاق دیدے تو پھر دونوں کا خدا کارساز ہے۔ ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دے گا۔ مرد کو دوسری عورت اور عورت کو دوسرا مرد نصیب کر دے گا اور اپنے فضل سے دونوں کی حالت بہتر کر دے گا۔ کیونکہ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا۔ خدا کا فضل وسیع ہے اور وہ ہر چیز کی مصلحت اور حکمت سے واقف ہے۔ ہر شخص کے لئے ضروری اسباب اپنے فضل و حکمت سے مہیا کر سکتا ہے۔

مقصود بیان میاں بیوی کو باہم صلح کر لینے کی ترغیب۔ اس بات کی صراحت کہ انسان فطرتاً اپنے حق سے زائد لینے کا خواہشمند ہوتا ہے اور بشری خمیر میں لالچ اور بخل مدفون ہے۔ لیکن جو لوگ قانون تعادل و مساوات پر کار بند ہیں وہی منصف مزاج اور مستحق ثواب ہیں۔ آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی قلبی کیفیات اور دماغی تواردِ خیالات اور اندرونی جذبات پر اختیار نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اختیاری افعال و حرکات میں وہ قانونِ عدالت کا پابند رہے گا اور حقوق منفی برابری کے ساتھ ادا کرتا رہے گا تو خدا تعالیٰ غیر اختیاری جذبات کی کمی بیشی کو معاف فرما دے گا۔ آیت میں اس امر کی بھی توضیح ہے کہ عورت کی کسی طرح حق تلفی نہ کی جائے، اس کو ادھیڑ میں لٹکا کر نہ چھوڑ دیا جائے۔ اس کے نان نفقہ اور ضروری مصارف کی خبر گیری رکھی جائے اور معاشرتِ زوجی کے فرائض باحسن اسلوب انجام دیئے جائیں۔ لیکن عورت بھی مرد پر زیادتی کرنے کا ارادہ نہ کرے اور نہ اپنے حق سے زیادہ کی طالب ہو۔ خصوصیت کے ساتھ زوج و زوجہ کو اس بات کی بھی ہدایت ہے کہ کوئی دوسرے کو اپنا محتاج خیال نہ کرے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ میری کفالت کے بغیر دوسرے کا کام نہ چلے گا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کے کام بناتا ہے۔ وغیرہ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

نے کہہ رکھا ہے ہم سے اور تم سے اہل کتاب گزشتہ کا ہے اللہ ہی جو کچھ ہے زمین میں آسمانوں اور

مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

ہے اور زمین میں آسمانوں میں جو کچھ تو مانو گے اگر نہ رہو ڈرتے کہ اللہ سے

وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

خدا ہی میں ہے اور زمین جو کچھ آسمانوں بھرا ہے اور خوبیوں اللہ بے نیاز کا ہے اللہ ہی

الْاَرْضِ ۚ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ

کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو عدم میں لے جائے اور دوسرے لوگوں

بِاٰخَرِیْنَ ۚ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ۝ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا

کو لے آئے اللہ سب کچھ کرسکتا ہے جو شخص دنیوی انعام کا خواستگار ہو

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَکَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ ع

تو اللہ کے پاس دنیا و دین کا انعام موجود ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تفسیر وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ یہ سابق آیت کا تتمہ احساس کی علت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا فضل وسیع اور حکمت بالغہ ہے۔ کیونکہ آسمان و زمین کی تمام کائنات اس کی مملوک مقبوض اور مخلوق ہے۔ کوئی چیز اس کی طاقت و حکمت کے دائرہ سے خارج نہیں۔ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۚ یہاں سے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ شریعت کی ترہیب آمیز ترغیب دینی مقصود ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ہم نے گزشتہ اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی کہہ دیا تھا اور تم کو نصیحت کردی ہے کہ خدا سے ڈرو، اس کی اطاعت اور فرماں پذیری کرو اور یہ بھی نصیحت کردی ہے کہ اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اگر احکامِ الٰہی کا انکار کروگے اور نصیحت نہ مانوگے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا اُس کا کچھ ضرر نہ ہوگا اس لئے کہ خدا مالک الملک ہے۔ تمہارا کفر اس کی بادشاہت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ سب عالم اس کا مخلوق مملوک اور مقبوض ہے۔ مخلوق کے کفر سے خالق کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۝ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام کائناتِ عالم اور مخلوق کی نافرمانی و فرماں پذیری سے بے پرواہ ہے۔ نہ کسی کی اطاعت سے اس کو فائدہ اور نہ کسی کی نافرمانی سے اس کا نقصان۔ وہ بہرحال قابلِ حمد اور لائقِ ستائش ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وہی مالک الملک، خلاقِ عالم اور معبودِ مطلق ہے۔ اُس کا خزانہ لازوال ہے اور طاقت غیر محدود۔ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ۝ وہی آسمان و زمین کا نگہبان، محافظ اور نگراں ہے اور اس کی خلاقی اور ربوبیت کا ثبوت ہی کافی شاہد ہے۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ اے گروہِ کافرین و منافقین تمہاری فرماں پذیری سے خدا کی کوئی خاص غرض وابستہ نہیں ہے بلکہ اس نے محض اپنے رحم و کرم سے تم کو اطاعت و اتقاء کی نصیحت کی ہے ورنہ اگر اس کی مشیت ہوگی تو وہ تم سب کو یکدم فنا کرکے وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا اور تمہاری بجائے ایسے لوگوں کو پیدا کردے گا جو اس کے پرستار اور اطاعت شعار ہوں گے۔ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا اور یہ فعل اس کی طاقت و قدرت سے خارج نہیں ہے وہ ایسا کرسکتا ہے (امام ابن عباسؓ کی روایت کے بموجب اَیُّهَا النَّاسُ سے کافر و منافق مراد لئے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ پہلوں کو خطاب ہے اور آخرین سے مراد علمائے متاخرین اور فقہاء و محدثین اور صوفیائے کرام اور ائمہ امت ہیں جنہوں نے صحابۂ کرام کے بعد اُن کے قدم بقدم چل کر سنتِ محمدیہ کو زندہ کیا اور اعلان کلمۃ اللہ کے لئے جان مال قربان کردیا۔ واللہ اعلم)۔

پھر بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا کی فرماں پذیری اور اطاعت کا ثمرہ صرف دنیا کی بھلائی اور یہ فانی نعمتیں ہی نہیں ہیں بلکہ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ جو شخص دنیوی جزا کا طالب ہے تو خدا کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔ وہ دنیا میں بھی اعمال کی جزا دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ۝ اور وہ ہر شخص کی دعا سنتا اور ہر ایک کی حالت کو دیکھتا بھی ہے۔ تمام احوال سے مطلع و واقف ہے۔ پھر کیوں صرف ثوابِ دنیا کی خواہشوں پر اکتفا کیا جائے اور ثوابِ آخرت کا طلب نہ کیا جائے۔

مقصودِ بیان

خدائے قدوس کی عظمت و کبریائی کا مظاہرہ اس امر کی صراحت کہ قانونِ شریعت صرف لوگوں کی روحانی اور جسمانی حالت کی درستگی کے لئے بنایا ہے۔ خدا کی کوئی خاص غرض اس سے وابستہ نہیں ہے۔ خدا مالک الملک، قادرِ مطلق اور خلاقِ عالم ہے۔ وہ ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں۔

کسی کو یہ غرور نہ کرنا چاہیئے کہ ہم پر ہی خدا کی تقدیس و تسبیح کا دارومدار ہے۔ خدا اپنی پرستار اور اطاعت شعار دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ تمام اعمال میں نیت صحیح رکھنی چاہیئے۔ ثمرۂ دنیوی ہی پیشِ نظر نہ رکھا جائے بلکہ ثوابِ آخرت بھی ملحوظ ہونا چاہیئے۔ قانونِ شریعت پر عمل کرنے کی نہایت مؤثر ترغیب جس کی تین صورتیں قائم کی گئی ہیں۔ (۱) اپنی ذات کا استغناء اور نفع نقصان سے برات (۲) عدول حکمی کا بد ثمرہ (۳) عمل کرنے کا نیک نتیجہ، وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

مسلمانو! انصاف پر قائم رہنے والے اور خوشنودیٔ خدا کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ شہادت تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا

یا والدین کے خلاف یا رشتہ داروں کے خلاف کوئی مال دار ہو یا محتاج اللہ دونوں کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہے اور

تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

خواہشِ نفس کے پیچھے پڑ کر کہیں عدل نہ کھو بیٹھو! اگر تم ہیچ سے بات کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

باخبر ہے

تفسیر

سابق میں کچھ احکامِ شریعت اور ان پر کاربند ہونے کی ہدایت ہے۔ ان آیات میں شریعتِ الٰہیہ کا مغز اور قانونِ الٰہی کے سنگِ بنیاد کا اظہار مقصود ہے۔ عقل و نقل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان کی تمام روحانی اور جسمانی ترقیات کا دارومدار صرف دو باتوں پر ہے (۱) اعتدال و توسط (۲) صداقت و خلوص۔ پہلی بات کو آیتِ مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے اور دوسری بات کو اس کے بعد والے جملہ میں ظاہر کیا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ مسلمانو! عدالت کو نہایت پختگی کے ساتھ قائم رکھو، عقائد میں اعتدال رکھو اور علم کا مرتبہ حاصل کرو۔ اخلاق میں اعتدال رکھو اور شجاعت و عفت کا درجہ حاصل کرو۔ دنیوی معاملات خانہ داری یگانہ و بیگانہ کے ساتھ برتاؤ، کافر و مومن کے ساتھ تعلقات انسان و حیوان کے ساتھ ربط، دینی عبادات، جود و سخا، صبر و رضا اور تمام وجدانیات میں اعتدال ملحوظ رکھو۔ صحتِ جسمانی اور اکل و شرب میں بھی توسط اختیار کرو غرض یہ کہ عدل کو ہر کام میں پختگی کے ساتھ برقرار رکھو۔

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ یہ دوسری بات کا بیان ہے یعنی صداقت و خلوصِ للّٰہیت اور بے غرضی ہر

بات میں لحوظ رکھو۔ تمام دینی اور دنیوی معاملات میں شہادتِ الٰہی ادا کرو۔ اچھے اور اچھا برے کو برا حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہو۔ سچی بات کے ظاہر کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرو۔ خواہ اس میں تمہارا ذاتی نقصان ہو یا تمہارے ماں باپ کا یا عزیزوں اور رشتہ داروں کا۔ مگر تم ادائے شہادت اور اظہارِ صداقت میں کسی کی پرواہ نہ کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ اگر امیر کے خلاف ہم شہادت دیں گے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائے گا اور اس سے فائدہ کی اُمید منقطع ہو کر نقصان یابی کا خطرہ پیدا ہو جائے گا یا اُس کی عزت پر دھبہ آئے گا اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ اگر ہم بےچارے غریب کے خلاف شہادت دیں گے تو اس کی حالت تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ خدا تعالٰے ان دونوں طبقوں کے آدمیوں کی حالت خوب جانتا ہے اور اُن کے مصالح سے تم سے زیادہ واقف ہے اور خود دونوں گروہوں کا ذمہ دار ہے۔ تم کو اظہارِ حق میں چون وچرا نہ کرنا چاہیئے اور اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِہِمَا ادائے شہادت میں خواہشاتِ نفس کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔ نہ کسی کا خوف ادائے شہادت میں مانع ہو نہ لالچ نہ کسی کی عزت نہ افلاس و ناداری، نہ قرابت و رشتہ داری، نہ اپنا ذاتی نفع و نقصان بلکہ حکم الٰہی کی رعایت اور اقامتِ عدل ہر حالت میں ضروری ہے فَلَا تَتَّبِعُوا الۡہَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا اگر تم زبان موڑ کر صداقت سے پھر جاؤ گے اور دبی زبان سے خلافِ واقعہ شہادت دو گے یا شہادت دینے سے پہلو تہی کرو گے اور اظہارِ حق نہ کرو گے تو تم کو تمہارے کرتوت کا بدلہ ملے گا۔ جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے کیونکہ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۝ خدا کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے۔ اسی لئے وہ تمہاری نیکی کا ثواب اور بدی کا عذاب دے گا۔

مقصودِ بیان اصولِ تمدن، قانونِ فطرت اور ضابطۂ الٰہیہ کا بیان۔ تمام مذاہب کی بنیادی چیز کی صراحت۔ اظہارِ صداقت اور رعایتِ اعتدال کی ہر معاملہ میں ہدایت۔ کتمانِ شہادت اور شہادتِ کاذبہ کی وعید آمیز مخالفت۔ وغیرہ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اُس کتاب پر بھی جو اللہ نے اپنے رسول پر تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری

وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ

ہے اور ان کتابوں پر بھی جو وہ اس سے پہلے اُتار چکا ہے جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا اُس کی کتابوں کا اس

رُسُلِہٖ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ۝ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

کے پیغمبروں کا اور روزِ قیامت کا وہ راہِ حق سے دُور بھٹک جائے گا جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے

ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ

اور پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے اور کفر میں بڑھتے گئے تو اللہ اُن کی مغفرت ہرگز نہ کرے گا

وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ۝

اور نہ اُن کو راہ دکھائے گا

تفسیر عبداللہ بن سلام، اسد، اسید، ثعلبہ بن قیس، سلام ابن رخت، اسلم بن لنیف یامین بن یامین مسلمانان اہلِ کتاب نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ پر اور قرآن پاک پر اور حضرت موسیٰ پر اور حضرت عزیر پر اور توریت پر تو ایمان لائے۔ اس کے علاوہ اور کسی کو (یعنی حضرت عیسیٰ اور انجیل کو) نہیں مانتے اس وقت آیت یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ نازل ہوئی کہ تمام نبیوں اور کتابوں اور

فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے کسی کی تفریق نہیں (معالم) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الکتٰب سے خطاب منافقوں کو ہے۔ بعض نے کہا اہلِ کتاب مراد ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کو خطاب ہے۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانو! تم خدا و رسول پر پختہ ایمان رکھو۔ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ اور قرآن اور تمام گزشتہ آسمانی کتابوں پر کامل ایمان و یقین رکھو۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ کیونکہ جس کا ایمان خدا پر یا اُس کے فرشتوں پر یا اُس کی کتابوں میں سے کسی کتاب پر یا رسولوں میں سے کسی رسول پر یا روزِ قیامت پر نہ ہو وہ بہت زیادہ گمراہ ہے اُس کو راہِ ہدایت پر نہیں کہا جا سکتا۔ ایک نبی یا ایک کتاب یا ایک فرشتہ کا انکار سب کے انکار کو مستلزم ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ یہ گزشتہ مضمون کا تکملہ ہے اور تفریقِ ایمانی کے نتیجۂ بد سے ڈرانا مقصود ہے۔ اس آیت کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ آیت میں یہودیوں کا بیان ہے۔ یہودی شروع میں حضرت موسیٰ پر ایمان لائے۔ پھر گوسالہ پرستی کر کے کافر ہو گئے۔ پھر توریت پر ایمان لے آئے۔ پھر عزیز کو خدا کا بیٹا کہنے لگے اور انبیاء کا یکے بعد دیگرے انکار کر کے مغفرتِ الٰہی سے قطعاً محروم ہو گئے۔ یا یہ صورت ہوئی کہ پہلے توریت اور موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ پھر ملک کنعان میں بُت پرستی اور فسق و فجور میں پڑ کر کافر ہو گئے۔ پھر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں توحید پر قائم ہو گئے۔ پھر عزیر کے بعد سے لے کر مسیح تک کفر میں پڑے رہے اور بالآخر رسولِ گرامی کا انکار کر کے اور زیادہ کفر میں پڑ گئے۔

دوسری روایت ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو شروع میں کمزور طور پر ایمان لے آئے پھر بھائی برادروں میں مل کر کافر ہو گئے۔ پھر جہاں شوکتِ اسلامی اور فتوحات کا سلسلہ دیکھا مسلمان ہو گئے اور جب کوئی شکست دیکھی یا مسلمانوں کو کسی مصیبت میں دیکھا تو اسلام سے پھر گئے۔

بہرحال کچھ بھی ہو آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو مذبذب اور ڈھلمل یقین ہیں جو خود ایمان سے محروم ہیں۔ ایمان و کفر (اقرار و انکار) اُن کے نزدیک ہنسی کی چیز ہے۔ کبھی اِدھر ہو جاتے ہیں کبھی اُدھر۔ کبھی مسلمان کبھی کافر۔ خلاصۂ مدعا یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کسی غرض سے کافر ہو گئے پھر کسی مصلحت سے مسلمان ہو گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد کسی فائدہ کے لئے کافروں میں جا ملے اور کفر میں ترقی کرتے گئے۔ خدا تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ کبھی ان کو توبہ کی توفیق مرحمت نہیں فرمائے گا۔ اسی وجہ سے وہ کبھی توبہ ہی نہیں کریں گے اور نہ کبھی خدا تعالیٰ ان کو راہِ حق دکھائیگا اسی لئے کبھی اُن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ یونہی اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے۔ ایمان و اطمینان نورِ ازلی اور روشنیِ قلب میسّر نہ آئے گی۔

مقصودِ بیان اصولِ عقائد کی صراحت۔ ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت۔ اس بات کی وضاحت کہ روزِ قیامت کا انکار کر دینا یا کسی نبی کو نہ ماننا یا کسی کتاب کو تسلیم نہ کرنا یا خدا کے کسی فرشتہ پر ایمان نہ لانا موجبِ کفر ہے۔ ایک کا انکار سب کے انکار کو مستلزم ہے۔ آیت میں اس امر کی بھی توضیح ہے کہ ایمان کو ہنسی مذاق سمجھنے والے اور ایمان کی عظمت ذکر نے والے ازلی شقی ہیں۔ توفیقِ توبہ ان کو حاصل نہیں ہوتی اور نورِ ہدایت کبھی اُن کو میسر نہیں آ سکتا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَاۨ ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

(اِن) منافقوں کو خوشخبری سنا دو کہ اُن کے لئے دردناک سزا ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

وہی تم پر قرآن میں یہ حکم اُتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ

جا رہا ہے قرآن کے ساتھ نہ بیٹھو تاوقتیکہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری بات میں نہ لگ جاویں ورنہ تم بھی اُنھی جیسے ہو گے

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا

بلاشبہ جہنم کے اندر اللہ کافروں کو اور اُن منافقوں کو اکٹھا کرے گا

تفسیر بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یہ آیت گویا گزشتہ آیت کی تفصیل اور اس کا تکملہ ہے۔ مدینہ کے منافق یہودیوں کے پاس جا کر اسلام سے نفرت کا اظہار کرتے تھے اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے تاکہ وہ لوگ جو اُن کی طرف سے بدگمان ہو گئے تھے پھر اُن کو اپنا دوست سمجھنے لگیں اور جس طرح پہلے عزت کرتے تھے ویسی ہی عزت کرنے لگیں۔ اس خیال کے ازالہ کے لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جو دوغلے منافق کافروں اور مشرکوں کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر ان کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی دوستی سے دستبردار ہوتے ہیں۔ وہ درحقیقت کافروں ہی کے ساتھ ہوں گے۔ جو کافروں کا حال ہوگا وہی ان کا حال ہوگا۔ جس طرح کافر قابلِ مغفرت نہیں اسی طرح اُن کے لئے ذکر کی مار موجود ہے۔ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ ۔ کیا کافروں سے دوستی کرنے سے مقصود ان کا یہ ہے کہ اُن کی نظروں میں اور اُن کے پاس پہنچ کر لوگوں کی نظروں میں اُن کو عزت حاصل ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔ جب کافروں کے پاس خود ہی عزت نہیں تو ان کو کہاں سے ملے گی۔ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۔ عزت تو دنیا و دین کی سب خدا کے ہاتھ ہے اور یہ عزت صرف خدا کے دوستوں کے ساتھ مخصوص ہے کافروں کو اور کافروں کے دوستوں کو نہیں مل سکتی۔ کافروں کی یہ ظاہری شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۔ ہجرت سے قبل جب رسولِ پاک مکہ میں تھے تو مشرکینِ مکہ اپنے جلسوں میں قرآن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے تو خدا تعالیٰ نے سورۂ انعام میں حکم دیا تھا کہ جب یہ لوگ آیاتِ قرآنی کا مذاق اُڑا رہے ہوں تو تم اُن کے ساتھ نہ بیٹھو تاوقتیکہ وہ کوئی اور تذکرہ نہ چھیڑ دیں۔ اسی حکم کی یاد دہانی اس آیت میں کی جا رہی ہے۔ کیونکہ مدینہ میں بھی علمائے یہود اور بہت سے منافق اپنی مجالس میں قرآن کی تضحیک کیا کرتے تھے اور منافق بطور خوشامد اُن کے ٹھٹھوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہلے ہی سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کر دیا تھا کہ جب کہیں آیاتِ الٰہی کا کفر و انکار کیا جا رہا ہو اور قرآن کی توہین کر کے اس کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو تم ان کے پاس مت بیٹھو تاوقتیکہ وہ دوسری باتیں نہ شروع کر دیں۔ اگر آیاتِ قرآنی کی تضحیک کے وقت تم ان کے پاس (بغیر مجبوری کے) بیٹھ گئے۔ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ تو تم بھی انہی کے حکم میں داخل ہو جاؤ گے اور گناہ میں ان کی برابر ہو جاؤ گے اور بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۔ خدا تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کر دے گا اور دونوں فرقے جہنم میں داخل ہوں گے۔ بیضاوی کا قول ہے بیٹھنے کے متعلق جو ممانعت ہے وہ اس وقت ہے جب اہلِ مجلس عناد اور دشمنی سے قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہوں اور یہ امید نہ ہو کہ کسی قسم کی فہمائش سے یہ اس ناروا حرکت کو ترک کر دیں گے اور وہاں روکنے کا قابو بھی نہ ہو اور آدمی وہاں پر بیٹھا رہنے پر مجبور اور اپنے بس ہی نہ ہو۔ اگر بے بسی سے اُٹھ نہ سکے تو وہ معذور ہے مگر

دل میں نا خالص ہونا شرط ہے۔

مقصودِ بیان

منافقوں کے دروغ بین کا اظہار، شریعت و اسلام کے خلاف مجالس میں شریک ہونے سے ممانعت۔ آیت میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جو لوگ راہِ توحید پر مستقیم ہوں اُن کو شریعت پر قائم رہنے کی وجہ سے دنیا و دین میں عزت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے اور جب توحید کامل اور ایمان واثق نہ ہو تو یہ استحقاق نہیں ہوتا۔ عزت وہی ہے جو خدا و رسول کے نزدیک عزت ہو۔ دنیوی مال و دولت، جاہ و حشم، سلطنت و حکومت وغیرہ حقیقت میں عزت نہیں۔ گویا بارگاہِ الٰہی سے عزت حاصل کرنے کی طرف مسلمانوں کو ضمنی ترغیب دی گئی ہے اور کفر پرست بندگانِ دنیا کی نظر والی عزت ہونے کو بے وقعت قرار دیا ہے۔

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ

جو تمہاری تاک میں لگے رہتے ہیں اگر تم کو اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے

وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ

اور اگر کافروں کو کچھ حصہ ملتا ہے تو کہتے ہیں کیا ہم نے تم پر زبردستی نہ کی تھی اور کیا مسلمانوں سے تم

الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ

کو نہیں بچایا تھا قیامت کے دن اللہ تمہارا باہم فیصلہ کردے گا اور اللہ مسلمانوں پر کافروں کو

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ع

ہرگز راہ نہ دے گا

تفسیر

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ یہ بھی گزشتہ آیت کا تکملہ اور اسی مضمون کی ایک شاخ ہے۔ اس میں منافقوں کی دوسری حالت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! یہ دو رُخے منافق تمہارے اندرونی دشمن ہیں۔ تم پر حوادثِ زمانہ کے نازل ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ اگر مسلمانوں کو جنگ میں بحکمِ الٰہی فتح حاصل ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوتے ہیں تو قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ منافق کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ کیا دین اور جہاد میں ہم تمہارے شریک نہیں ہیں لہٰذا ہم کو بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دو۔ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ اور اگر کافروں کو کسی قدر فتح حاصل ہو جاتی ہے تو قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ اُدھر جا کر کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم کو تم پر بالکل قابو حاصل نہ تھا اگر ہم چاہتے تو تم کو گرفتار کر لیتے یا قتل کر ڈالتے اور وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ کیا ہم نے مومنوں کے ہاتھوں سے تم کو نہیں بچایا۔ یعنی کیا ہم نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر تمہاری امداد نہیں کی۔ تم کو مسلمانوں کی خبریں دے کر ہیں اور طرح طرح ان کو بہکایا لہٰذا ہم کو بھی مال میں شریک کرو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہم ان تمام باتوں کا قیامت کے دن فیصلہ کریں گے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم کو ان کی حریفانہ دوانیوں سے بددل نہ ہونا چاہیے۔ اور اے منافقو! تم کو اپنی حرکات پر مغرور نہ ہونا چاہیے اور اس بات کا گھمنڈ نہ کرنا چاہیے کہ تم مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھتے ہو اور ان کو ضرر پہنچاتے ہو۔ قیامت کے دن اس کی سزا تم کو ملے گی اور تم اپنی ان حرکات سے مسلمانوں کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکو گے۔ کیونکہ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا خدا تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر کوئی راہِ فتح ہرگز نہ نکالے گا اور کافروں کو کبھی ایسی کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی جس سے مسلمانوں کی بیخ کنی ہو جائے۔

سدی کا قول ہے کہ سَبِیۡلًا سے مراد حجت و دلیل ہے۔ یعنی دلیل و حجت کے لحاظ سے مسلمانوں پر کافروں کو کبھی غلبہ نصیب نہ ہوگا۔ ابن عطیہ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر کوئی کامیابی کی راہ نہ ملے گی (کذا روی عن ابن عباس وکذا رواہ السدی عن ابی مالک) ابن عربی نے یہ مطلب بیان کیا کہ جب تک مومن مومن رہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہیں۔ آپس میں اتحاد قائم رکھیں احکام شریعت اسلامیہ کے موافق عمل کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی فتح نصیب نہ کرے گا۔

مقصود بیان منافقوں کے نفاق کا بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ کبھی کبھی کسی مصلحت شرعی کی بنا پر مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کو بھی کسی قدر کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس امر کی بھی صراحت ہے کہ جب تک مسلمان مسلمان رہیں گے کافروں کو ان پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا اور کبھی ایسا موقع نہیں آسکتا کہ کافر مسلمانوں کی بیخ کنی کر سکیں۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ

واقعی منافق اللہ سے دغا بازی کرتے ہیں مگر وہ بھی اُن کی تدبیر کر رہا ہے جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ

اکساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں دکھاوٹ کرتے ہیں اور اللہ کی یاد بہت کم کرتے ہیں

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ

دونوں کے بیچ ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں نہ ان کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا

اللہ گمراہ چھوڑ دے تم کو اس کے لئے ہدایت کی راہ نہ ملے گی

تفسیر إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ منافقوں کی دو حالتیں اوپر بیان کر دی گئی تھیں۔ یہاں سے تو مزید حالات کا اظہار مطلوب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ منافق صرف زبان سے ظاہر میں اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور نماز روزہ اور دیگر اسلامی احکام کی پابندی امید ثواب کے لئے نہیں کرتے۔ کیونکہ معرفت الٰہی اور ایمان کا ان کے دلوں میں نور موجود نہیں ہے بلکہ صرف ظاہرداری کے لئے اور اسلامی احکام سے فائدہ اٹھانے کے لئے کرتے ہیں۔ گویا اپنے ظاہری عمل سے مسلمانوں کو رسول اللہ کو اور خدا کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں اور سب کو فریب دے کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس فریب کاری اور دغابازی کا وبال انہی پر پڑنے والا ہے اور آخرت میں یہ نفاق اُن کے لئے موجب عذاب ہوگا۔ اس کے علاوہ خدا نے باوجود علام الغیوب ہونے کے ان کی پردہ دری نہ کی اور ان کے راز کو فاش نہ کیا اور وہ اسی دھوکہ میں پڑے ہیں کہ خدا کو ہماری اندرونی حالت کا علم ہی نہیں ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو چونکہ اُن کو نہ ثواب ملنے کی امید ہوتی ہے نہ عذاب کا خوف۔ اس لئے سستی سے ادا کرتے ہیں۔ نہ وقت کی پابندی کرتے ہیں نہ جماعت کی نہ ارکان کی نہ شرائط کی۔ نہ حضور قلب ہوتا ہے نہ خشوع نہ خضوع بلکہ دفع الوقتی کرنے اور اپنا اسلام ظاہری وبال آکار رہنے کے لئے مسلمانوں کا ساتھ دے کر شریک ہو جاتے ہیں۔۔۔

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ان کا مقصود تمام عبادت سے ریاکاری اور دکھاوٹ ہوتی ہے۔ لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھتے ہیں۔ خلوص و محبت اور حضور قلب کا کہیں

نام ونشان نہیں ہوتا۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا نماز میں خدا کی یاد نہیں کرتے۔ اُن کو علم نہیں ہوتا کہ ہم منہ سے کیا کہہ رہے ہیں۔ عمل متصل فرض سے غافل ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تکبیرات کو کہہ لیتے ہیں پھر چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں اور دنیوی خیالات میں غرق اور خدا کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں یہ بھی سنا ہے کہ نماز کم پڑھتے ہیں۔ کہیں مجبور ہو گئے تو پڑھ لی تاکہ لوگ مسلمان سمجھیں اور تنہائی میں ہوئے تو نہیں پڑھتے۔ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ تیسری بات یہ ہے کہ منافق حیرت اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہ کفر کی طرف بالکل مائل نہ اسلام کی طرف۔ نہ تو مومنوں کے ظاہر و باطن میں شریک نہ کافروں کے بلکہ ظاہر میں مومنوں کے ساتھ تھے اور باطن میں کافروں کے ساتھ تھے اور بعض لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ڈانواں ڈول یقین تھے۔ ذرا سی اسلام کی چمک دکھائی دے جاتی تو ادھر متوجہ ہو جاتے اور اگر کوئی مصیبت نظر آتی تو کافروں میں جا ملتے۔ خدا نے اُن کو گمراہی کی حالت میں چھوڑ رکھا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا اور جس کو خدا گمراہی میں چھوڑ رکھتا ہے اور بھٹکتا پھرتا چھوڑ دیتا ہے اُس کو پھر کہاں راہ ہدایت مل سکتی ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس کو راہ راست پر لا سکے۔

مقصودِ بیان نفاق کے خصوصی علامات کا بیان۔ نفاق کسی شخص یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس کے ایمان میں تردد ہو اعتقاد ہر باطل کے خلاف ہو۔ عقائد شرعی پر اس کو وثوق نہ ہو صرف مسلمانوں کی فہرست میں نام لکھانے کے لئے مسلمان ہو۔ بس ایسا ہی شخص منافق ہے۔ خواہ کوئی ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

مسلمانو ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي

کیا تم اپنے اوپر اللہ کا کھلا ہوا الزام لینا چاہتے ہو بلاشبہ منافق دوزخ کے

الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے ہاں جن لوگوں نے توبہ کرلی

وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اپنی حالت درست کرلی اور اللہ (کے دین) کو مضبوط پکڑ لیا اور خوشنودئ خدا کے لئے اپنے دین کو خالص کرلیا تو وہ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے

وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ

اور عنقریب مومنوں کو خدا اجر عظیم دے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان قائم رکھو تو

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ قدردان و دانا ہے

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ جب اوپر کی آیات میں منافقین کے اوصاف بیان کر دیئے تو اب مسلمانوں کو اُن کے اوصاف اختیار کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے۔ کیونکہ اوصافِ نفاق بیان کرنے سے مقصود یہی ہے کہ مسلمان ان باتوں کو اختیار نہ کریں۔

حاصلِ ہدایت یہ ہے کہ مسلمانو تم اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دل دوست نہ بناؤ یعنی تم منافقوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ کافروں سے صحبت اور دوستی رکھو اُن سے اپنے حق میں دل سوزی اور خیر خواہی کے خواستگار بنو۔ نہ پردہ دل سے اُن کے دوست رہو۔ مومنوں کے پوشیدہ امور کو اُن پر ظاہر نہ کرو (اگر کافر کی دست برد سے بچنے کے لئے صرف زبان سے کچھ نازیبا کلمات ادا کر دیئے جائیں تو بصورتِ خوف جائز ہے۔ اجالی) اگر ایسا کرو گے تو خدا کی حجت تم پر قائم ہوگی۔

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا تو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا کھلا ہوا الزام اپنے اوپر لے لو۔ یعنی کیا تم خدا کا صریح الزام اپنے سر لینا چاہتے ہو اور کافروں سے موالات کر کے منافقوں میں داخل ہو کر جہنم میں جانا چاہتے ہو (ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے نزدیک قرآن میں ہر جگہ سلطان کے معنی حجت و الزام ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، ابن جبیر، محمد بن کعب اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے)۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی تم کو کافروں سے موالات کر کے منافق نہ بن جانا چاہیئے کیونکہ منافقین پر عذاب تو کافروں سے بھی سخت ہوگا۔ دوزخ کی تہ میں سب سے نچلے طبقہ میں اُن کو ڈالا جائے گا (دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ جہنم، لظیٰ، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ۔ اسفل نار سے مراد ہاویہ ہے)

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا اور کوئی مددگار عذاب سے رہائی دلانے والا اُن کو کبھی نہ ملے گا۔ یہاں تک منافقوں کی حالت کا اظہار، اُن کے عذاب کا بیان اور مسلمانوں کو کافروں سے موالات نہ کرنے کی ہدایت تھی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ نفاق و شک اور تردد فی الایمان کوئی ایسا جرم نہیں جس کی اصلاح ناممکن ہو یا جس سے توبہ کرنی قابلِ قبول نہ ہو۔ بلکہ اگر منافق اپنے حرکات کو چھوڑ دیں گے تو وہ بھی خالص مومن شمار کئے جائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا یعنی جو لوگ اپنے نفاق سے توبہ کر کے توحید و ایمان پر سچے دل سے قائم ہو گئے اور شک و تردد کو انہوں نے اپنے دل سے بالکل دور کر دیا۔ وَاَصْلَحُوْا اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانی چھوڑ کر امداد کرنی شروع کر دی۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور پہلے جو کفار سے موالات رکھتے تھے کہ اُن کی ایذا رسانی سے بچ جائیں اور ان کی نظروں میں عزت حاصل ہو جائے اس خیال کو چھوڑ کر محض حق تعالیٰ پر وثوق و اعتماد کر لیا۔ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ اور ریاکاری چھوڑ کر اخلاص کو پسند کر لیا اور تمام عبادات و معاملات کا اصل مطمحِ نظر باری تعالیٰ کی رضا جوئی کو بنا لیا۔ غرض عقائد، اعمال، معاملات اور اخلاق سب کی درستی کر لی اور پہلے جن باتوں کو اختیار کئے ہوئے تھے اُن کو ترک کر دیا۔ تردد و شک کی بجائے ایمان، مسلمانوں کی ایذا رسانی کی بجائے اُن کی امداد، کفار کی عزت پر بھروسہ رکھنے کی بجائے ذاتِ الٰہی پر اعتماد اور ریاکاری کو چھوڑ کر خلوصِ طاعت اختیار کر لیا۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ تو ایسے لوگوں کا شمار مومنوں کے ساتھ ہوگا اور وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ خالص مومنوں کو خدا کچھ مدت کے بعد اجرِ عظیم عطا فرمائے گا تو وہی ان کو عطا فرمائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ کیونکہ اس کو تمہاری ذات سے کوئی خصوصی دشمنی تو ہے نہیں۔ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اگر تم حق مانو گے اور خالص ایمان لے آؤ گے تو پھر وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ عذاب دینے سے اس کی غرض یہ نہیں ہے کہ اپنا انتقام لے یا ضرر کو دفع کرے یا نفع کو حاصل کرے اور جب اس کی کوئی خاص غرض تم کو عذاب دینے سے وابستہ نہیں ہے تو پھر اگر تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے اور خالص صحیح ایمان لے آؤ گے تو اپنے اعمالِ بد کے نتیجہ سے بچ جاؤ گے اور خدا تعالیٰ تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ اس لئے کہ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ خدا قدردان بھی ہے۔ ہر ایک کے اعمال اور کوششوں کی قدر کرتا ہے بلکہ چند افزائی کرتا ہے۔ اور علیم بھی ہے۔ ہر شخص کی حالت سے بخوبی واقف ہے لہٰذا خدا کی ناقدردانی یا لاعلمی کی وجہ سے تمہارا کسی عمل کا ثواب رائیگاں نہ جائے گا۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کو کفار کی موالات سے باز رکھنے اس امر کی صراحت کہ جب تک یہ باتیں اختیار نہ کی جائیں کوئی خالص مومن نہیں ہو سکتا (۱) پختہ ایمان (۲) مسلمانوں کی امداد اور خیر خواہی اور ان کو ایذا پہنچانے سے دست برداری (۳) کفار سے نفرت دل سے (۴) ذاتِ الٰہی پر اعتماد (۵) طاعت، عبادت اور تمام معاملات میں صفائی اور خلوص اور نیک نیتی اور سچائی۔

ضروری اعلان

دینِ حق کی اشاعت و تبلیغ کیلئے عظیم الشان پروگرام

اظہارِ تشکر:- ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تفسیر بیان السبحان بحمد اللہ تکمیل کو پہونچی جو کہ ۴۲ جزو پر مشتمل ہے اگر مخلص معاونین حضرات! تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پر یشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے۔ کاغذ کی گرانی بحرانی حد تک پہونچ چکی ہے۔ اور اس پر بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا مجبوراً قدرے ہدیہ میں اضافہ کرنا یعنی فی پارہ -/5 روپیہ امید کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے درگذر فرمائیں گے۔

چند گذارشات

(۱) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان مجلد 230/ روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں پر مشتمل ہے پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 15/- روپیہ ہے علاوہ محصول ڈاک

(۲) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلدہ 210/ روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے لیکن یہ قیمت علاوہ محصول ڈاک ہے یہ چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جزو 5/ روپیہ ہے لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر دیا جاوے گا یعنی فی جزو کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ فی پارہ دیا جائے گا لیکن علاوہ محصول ڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی پی جو جاوے گی وہ 4/0 روپیہ میں بھیجی جاوے گی مع محصول ڈاک کے دو پارہ کی وی، پی 7/0 روپیہ اور تین پاروں کی وی پی 10/0 روپیہ اور چار پاروں کی وی پی 13/0 روپیہ اور پانچ پاروں کی وی، پی 15/0 روپیہ میں بھیجی جائیگی یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصول کے ہے اور اب مجلد کی قیمت یعنی ۱۰ پاروں کی 31/0 روپیہ مع محصول ڈاک کے بھیجی جائے گی مجلد پانچ پاروں کی وی، پی 17/50 کی ہوگی بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس سے انتیس پاروں تک ہر پارے کے دو جزو ہیں اور تیس پارہ کے چار جزو ہیں اس لئے ۲۶ تا ۳۰ تک ۱۳ جزوں کی جلد بنائی جائے گی آخری جلد ہدیہ 77/ روپیہ ہے

﴿ نوٹ ﴾

بحمد اللہ فتاویٰ عالمگیری کے ۲۲ جزو طبع ہو چکے ہیں ان کا ہدیہ بھی حسبِ بالا ہوگا جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے۔ وہ پیش کی جاوے گی۔ فی جزو فتاویٰ عالمگیری کا 5/0 روپیہ کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجران کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ علاوہ محصول ڈاک کے دیا جاوے گا۔ وی پی 4/0 روپیہ مع محصول ڈاک بھیجی جاوے گی دو پاروں کی وی پی 4/50 روپیہ مع محصول ڈاک کے جاوے گی دو پاروں کی وی، پی -/7 تین پاروں کی چار جزوں کی 13/0 اور پانچ جزوں کی وی پی 16/0 روپیہ غیر مجلد کی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۶

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ ابوادی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقاعدہ شائع ہو رہی ہے

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بک ڈپو دیوبند

نے برائے اشاعت معارف القرآن

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یوپی) سے شائع کیا

۶ چھٹا پارہ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ

اللہ بُری بات کے چلّا کر پکار کے کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر ہاں جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ سننے

اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ

والا خوب جاننے والا ہے تم کھُلم کھُلا کوئی بھلائی کرو یا چھپ کر کرو یا کسی بُرائی سے درگزر کرو (بہرحال بہتر ہے)

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

کیونکہ اللہ بھی درگزر کرنے والا اور بڑی طاقت والا ہے

تفسیر شروع اسلام میں حقِ مہمانداری ادا کرنا تاکید کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اگر مسلمان کا کسی قصبہ میں گزر ہوتا تو اس کو اجازت تھی کہ وہاں کے باشندوں سے اپنا حقِ ضیافت بخوشی یا بجبر وصول کرے۔ اگر میزبان مہمان کی ضیافت نہ کرے تو اس کی حق تلفی سمجھی جاتی تھی اور مہمان پر ظلم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک شخص مدینہ میں کسی قوم کے مہمان ہوئے اور کھانا طلب کیا۔ اس قوم نے اس کی مہمانی نہ کی۔ اس پر انھوں نے اس قوم کے لوگوں سے شکایت کرنی شروع کی۔ اس وقت آیت لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ نازل ہوئی۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انتقام لینا اگرچہ جائز ہے مگر درگزر کرنی بہتر ہے۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا خدا تعالیٰ باوجود انتقام کی طاقت کے بہت سے گناہ معاف کرتا اور اکثر خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اس لئے تم کو بھی معاف کر دینا چاہیے۔

مقصودِ بیان کسی کی عیب چینی، غیبت اور بدگوئی کرنے کی ممانعت، گالی گلوچ کرنے اور چیخ چیخ کر بُرا بھلا کہنے سے ضمناً باز داشت، مظلوم کو بقدرِ ظلم ظالم کو بددعا دینے اور اس کی شکایت کرنے اور اس سے انتقام لینے کی اجازت اور بُرا بھلا کہنے والے کو بغیر زیادتی کے جواب دینے کا جواز، حلم، درگزر اور عفو کی مدلل ترغیب۔ بغیر ریاکاری کے ظاہر و باطن نیکی کرنے کا وجوب آمیز جواب وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ

جو لوگ اللہ کا اور اُس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور اللہ میں اور اُس کے پیغمبروں میں فرق

وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ

نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور کفر و ایمان کے درمیان

يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا

ایک نئی راہ نکالنا چاہتے ہیں ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○

کافروں کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر سابق آیت میں مسلمانوں کو چند اخلاقی نصائح کی گئی تھیں۔ اب پھر روئے سخن یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں یعنی خدا کو تو مانتے ہیں اور بعض رسولوں کو نہیں مانتے اور خدا کے اور اس کے پیغمبروں کے درمیان تفرقہ کرنا چاہتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ پیغمبر برحق ہیں مگر ان کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم بعض انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کو سچا نہیں جانتے۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ ہم موسیٰ، داؤد اور سلیمان وغیرہ کو تو مانتے ہیں اور عزیر کے بعد جتنے نبی گزرے ہیں اُن کو نہیں مانتے۔ نہ عیسیٰ کو مانتے ہیں نہ محمدؐ کو اور عیسائی رسولِ پاکؐ کی نبوت کو نہیں مانتے حضرت عیسیٰ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب چاہتے ہیں کہ بیچ میں ایک راستہ جدید نکال لیں جس کے اعتبار سے بعض انبیاء کا مان لینا کافی ہو۔ کل انبیاء کو مان لینے کی ضرورت نہ ہو۔ حالانکہ خدا کی طرف سے ایسا کوئی راستہ نہیں بلکہ تمام انبیاء کو برحق ماننا ضروری ہے۔ جو لوگ تفریق کرنا چاہتے ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں۔ خدا کے کسی رسول کا انکار کرنا درحقیقت خدا کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے ان کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور تمام کافروں کو خدا جہنم میں داخل فرمائے گا اور دُکھ کی مار دے گا۔ لامحالہ ان منکرینِ حق کو بھی جہنم میں داخل کریگا ہاں انکے برخلاف

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ

اور جو لوگ اللہ کا اور اس کے رسول کا یقین رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک سے دوسرے کو جدا نہیں سمجھتے تو ایسے لوگوں کو عنقریب اللہ

يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ع

اُن کا اجر دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر جو لوگ خدا پر اور اس کے رسولوں پر صحیح ایمان رکھتے ہیں اور تمام پیغمبروں کو برحق جانتے ہیں کسی کا انکار نہیں کرتے خدا تعالیٰ اُن کو ان کے عقائد و اعمال کی پوری جزا دے گا اور اگر کچھ اعمال کی ادائیگی میں فروگذاشت ہو گئی ہوگی تو اس کو معاف فرما دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ مگر ایمان صحیح اور تمام انبیاء کو سچا جاننا ضروری ہے۔

مقصودِ بیان کسی ایک نبی کا نہ ماننا گویا خدا کا انکار کرنا ہے۔ ہر ایک نبی کو نہ ماننا کفر ہے۔ ایمانِ صحیح کے بعد اعمالی جرم قابلِ مغفرت ہے۔ وغیرہ۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا

تم سے اہلِ کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب اُن پر تم اتار دو سو موسیٰ سے یہ اس

مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

سے بڑھکر سوال کر چکے ہیں انھوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے جا حرکت پر

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

اُن پر بجلی گر پڑی　پھر کچھ مدت کے بعد　انھوں نے　باوجود نشانیاں　آچکنے کے　بچھڑے کو معبود بنالیا تھا　مگر ہم نے　اس سے بھی

ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيْثَاقِهِمْ

درگزر کی　اور موسیٰ کو　صریح غلبہ　عطا کیا　اور ان سے قول و قرار　لینے کے لئے ہم نے ان کے اوپر پہاڑ اٹھایا

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ

اور ان سے کہا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہو　اور ہم نے　یہ بھی کہا تھا کہ ہفتہ کے دن　زیادتی　نہ کرو

وَّاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

اور پھر اُن سے　پکا وعدہ　بھی　لے لیا

تفسیر يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ سابق آیات میں اہلِ کتاب کی نازیبا حرکات کی مذمت اور اس بات کی صراحت تھی کہ یہ لوگ انبیاء میں تفرقہ کرکے بعض پر ایمان لانے کے مدعی ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہود کی دوسری جہالت اور عناد آمیز سوال کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے محض سرکشی انکارِ حق اور عنادِ قلبی کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا طلبِ حق غرض نہ تھی۔ محمد بن کعب اور سدی اور قتادہ کا قول ہے کہ یہودیوں نے جب دیکھا کہ قرآن ضوابطِ حیات، قوانینِ تمدن قواعدِ فطرت اور اصولِ نجات کے لحاظ سے ایک لاجواب اور بے نظیر کتاب ہے جس کی نظیر پیش کرنی طاقتِ بشری سے خارج ہے تو محض انکارِ حق اور عناد کی وجہ سے رسولِ پاک ؐ سے درخواست کی کہ قرآن تو تھوڑا تھوڑا آپ پر نازل ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ اگر آسمانی کتاب ہوتی تو تھوڑی تھوڑی کیوں نازل ہوتی۔ آپ اگر آسمان سے کوئی ایسی کتاب لکھی لکھائی بنی بنائی نازل کردیں جیسے موسیٰ ؑ پر بصورتِ الواح نازل ہوئی تھی تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ چونکہ یہ سوال صرف عناد کی وجہ سے تھا اور جستجوئے حق غرض نہ تھی اس لئے پورا نہ کیا گیا۔

ابن جریج کہتے ہیں یہودیوں کا سوال یہ تھا کہ آپ ایک لکھی لکھائی کتاب توریت کی طرح کسی خاص شخص پر نازل کرادیجئے جس میں آپ کے قرآن کی تصدیق موجود ہو تاکہ ہم کو قرآن کی صداقت میں تامل نہ رہے۔ چونکہ اس سوال کی بنا محض عداوت اور خصومت پر تھی کہ اہرِ حق، کھلے ہوئے معجزات کلامِ معجز، اور مجموعۂ ہدایت کو تو نہ مانا جس کو ہر ہوشمند کی عقل قابلِ تسلیم سمجھتی ہے بلکہ محض خواہشاتِ نفس کی پیروی میں ایک کھیل تماشے کے خواستگار ہوئے اور وہ قرآن جس کے اندر وحدانیتِ الٰہی، اخلاقِ کریمہ، اصولِ تمدن، قواعدِ انتظامِ عالم اور قوانینِ فطرت بھرے پڑے ہیں، اور اصلاحِ دنیا و آخرت کے تمام ضروری مباحث موجود ہیں اس کو بغیر غور و فکر کئے ہوئے پسِ پشت ڈال کر اپنی کینہ توزی و عناد کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بے جا خواہش کی اور اس احمقانہ مطالبہ سے اُن کی افسوسناک حالت ظاہر ہوگئی اور یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کے اندر کفر، ہوا پرستی، پیروی نفس اور دشمنی عقل کس قدر سمایا ہوا ہے۔ اسی واسطے ان کا سوال رد کر دیا اور صراحت کردی گو کہ یہ لوگ ایسی خواہش بلکہ اس سے بڑھ کر خواہش تو موسیٰ کے وقت میں بھی کرچکے ہیں ان پر مختلف انبیاء کے زمانوں میں ہزاروں انعاماتِ الٰہی ہوئے۔ مگر یہ اپنی سرکشی اور طغیانی حرکت سے باز نہ آئے۔ اب ان سے کیا امید ہوسکتی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ یہودی جو تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی لکھی لکھائی کتاب اُتار لاؤ تو یہ درخواست اُن کے نزدیک کچھ زیادہ گستاخی کی نہیں ہے اُن کی تو عادت میں ہمیشہ سے یہی سرکشی چلی آئی ہے۔ اس سے بیشتر فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ان کے باپ دادا موسیٰ

سے اس سے بھی بڑھ کر گستاخی کی درخواست کر چکے ہیں۔ انھوں نے یہاں تک گستاخی کی تھی کہ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کو کھلم کھلا انہی آنکھوں سے خدا کو دکھلا دو۔ اس گستاخی اور سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ اُن پر بجلی ٹوٹ پڑی مگر یہ خدا کی طرف سے اُن پر ظلم نہ تھا بلکہ بِظُلْمِهِمْ انہی کی نازیبا حرکت اور بے محل خواہش کی وجہ سے ایسا ہوا تھا۔ پھر اس بے جا درخواست اور بے ادبی کے باوجود خدا تعالیٰ نے اُن کو لکھی لکھائی توریت عطا فرمائی لیکن سرکشی کج طبع انسانوں کو معجزہ سے کیا فائدہ۔ ازلی گمراہ معجزات دیکھ کر بھی گمراہ ہی رہتے ہیں۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ انھوں نے موسیٰؑ کے بہت سے معجزات دیکھے۔ مصر سے لے کر توریت کے نازل ہونے تک کثیر معجزات اُن کی نظروں کے سامنے آئے مگر پھر بھی انھوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی اور بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ خیر اس پر بھی فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ہم نے اُن کو معاف کر دیا اور قبولِ توبہ کا طریقہ بتا دیا۔ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اور موسیٰؑ کو ہم نے سلطانِ مبین عطا کیا۔ حکومت، غلبہ، واضح حجت، معجزات اور ایک شانِ مخصوص عطا کی۔ مگر سب بے سود۔ ان کی سرکشی اور طغیانی حرکات دور نہ ہوئیں اور جب انھوں نے اپنے عہدوں کی خلاف ورزی کی اور احکامِ الٰہی پر نہ چلے تو مجبورًا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ہم نے اُن کے سروں پر طور کو اُٹھا دیا اور سایہ افگن کر دیا تاکہ اپنی جانوں کے خوف سے ہی وہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کریں اور پابندیٔ شریعت کا عہد کر لیں (یہ قصہ سورۂ بقر میں گذر چکا ہے اور یہ واقعہ طورِ سینا کا نہیں ہے۔ بلکہ ہلاکِ فرعون کے بعد جب ساحل بحیرۂ قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل طورِ سینا سے بہت دور ساحل ہی پر مقیم ہو گئے تھے وہیں اُن کے سروں پر ایک سرسبز اور شاداب پہاڑ کو سائبان کی طرح معلق کر دیا گیا تھا تاکہ ڈر کر احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا عہد کر لیں۔ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (کچھ زمانہ کے بعد) فتح بیت المقدس (قتادہ) یا فتح ایلیا یا فتح اریحا کے وقت ان کو حکم دیا تھا کہ اس فتح کے شکریہ میں جب شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو نہایت عاجزی کے ساتھ جھکے ہوئے داخل ہونا مگر انھوں نے انتہائی سرکشی سے اس کے بھی خلاف کیا اور حکمِ الٰہی کا مذاق بناتے ہوئے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے چلے۔ ایک حکم ان کو یہ بھی ملا تھا کہ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ کہ سنیچر کے دن کی عظمت کیا کرو اور اس روز کاروبار بند رکھا کرو اور اس پر وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ان سے پختہ اور سخت عہد و پیمان بھی لیا تھا مگر انھوں نے اس معاہدہ کی بھی پروا نہ کی اور پیمان شکنی کرتے ہوئے سبت کی عظمت نہ کی۔

مقصود بیان یہود کی جہالت اور ناشائستہ افعال کی مذمت، اس بات کی صراحت کہ ان کو جستجوئے حق مطلوب نہیں بلکہ محض عناد اور تعنت غرض ہے۔ کج طبعی اور سرتابی ان کا قدیم شیوہ ہے یہ ازلی گمراہ ہیں اور ازلی گمراہ کو ہدایت ناممکن ہے آیات میں مسلمانوں کے لئے ایک درسِ عبرت ہے اور لطیف اشارات اس طرف ہیں کہ حق جوئی اور طالبِ ہدایت قلب کی ضرورت ہے۔ عناد و طغیان، سرکشی اور کج طبعی موجبِ وبال ہے، جس کی آنکھ بینا، کان شنوا اور دل بیدار ہوتا ہے۔ وہ قرآن کے اصولِ تمدن، ضوابطِ زندگی، قوانینِ ترقی اور مسائلِ نجات دیکھ کر مطمئن ہو سکتا ہے اور نہ تمام دنیا کے معجزات و خوارقِ عادات ہدایت کے لئے کافی نہیں۔ آیت میں چند قصوں کی جانب اجمالی اشارات بھی کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کا موسیٰؑ سے دیدارِ الٰہی کی دنیا میں انہی آنکھوں سے درخواست اور اس گستاخی پر اُن پر بجلی کا ٹوٹ پڑنا، یہود کا گوسالہ پرستی کرنا وغیرہ۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

تو صرف ان کی عہد شکنی　اور آیاتِ خدا کے　انکار کرنے　اور انبیاء کو ناحق　قتل کرنے　اور اس

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

کینے کی وجہ سے　کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بہت کم (ایمان لاتے ہیں) (غلاف وغیرہ کچھ نہیں) بات یہ ہے کہ اُن کے کفر کے سبب سے اللہ

اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۝ وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا

نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے اور (ان کا عدم ایمان) اُن کے کفر کرنے اور مریم پر بڑا بہتان لگانے اور اس کہنے کی وجہ سے بھی ہے کہ ہم نے مریم

قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ

کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر ڈالا حالانکہ انھوں نے عیسیٰ کو نہ قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ

شُبِّهَ لَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ

اُن کو اشتباہ ہوگیا جن لوگوں نے عیسیٰ کے متعلق اختلاف کیا وہ بلاشبہ شک میں پڑے ہیں سوائے اٹکل پر چلنے کے اُن کو اس کی کوئی

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۢ ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

واقفی خبر نہیں عیسیٰ کو یقیناً انھوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست

عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۝

اور باحکمت ہے

تفسیر اب یہاں سے یہودیوں کی چند اور نازیبا حرکات اور ہدایت شکن کفر پرستیاں بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان کی بدتہذیبی، بے ادبی، کج منشی اور شقاوتِ ازلی کا اچھی طرح مظاہرہ ہوجائے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ کہ ہم نے اُن پر اپنا قہر نازل کیا کیونکہ انھوں نے (موسیٰ کے سامنے) جو عہد و بیان کئے تھے اور توحید پر قائم رہنے اور احکام شرع پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا تھا اس کو توڑ دیا (گوسالہ پرستی کی) ملک شام میں جاکر بُت پرستی اور زناکاری شروع کردی وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور نزولِ قہر کی یہ وجہ بھی تھی کہ آیاتِ قدرت میں عیسیٰ اور محمدؐ کی صداقتِ نبوت کا بیان تھا۔ اُن کا ان یہودیوں نے انکار کردیا اور معجزاتِ انبیاء کو نہ مانا اور آیاتِ قدرت سے بھی یہ صاف منکر ہوگئے وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ اور نزولِ قہر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ناحق انھوں نے مختلف انبیاء (زکریا، یحییٰ وغیرہما) کو قتل کیا خصوصاً حضرت سلیمانؑ کے بعد تو بہت سے حق پرست رسول یہودیوں کے تیر ستم کا نشانہ بنے۔ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ اور ایک وجہ وبال ان کے لئے یہ بھی ہے کہ یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں جن کے اندر علم و معرفت کے خزانے بھرے پڑے ہیں ہم کو تمہاری ہدایت کی ضرورت نہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہودی کہتے ہیں۔ ہمارے دلوں پر ویسے ہی پردے پڑے ہیں۔ تمہارے قول کی تاثیر ہمارے دلوں پر نہیں ہوسکتی۔ خدا تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے کہ اُن کا یہ خیال غلط ہے۔ نہ اُن کا دل مخزنِ علم ہے نہ دلوں پر غلاف ہے۔ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں پر گمراہی اور شقاوت کی مُہر کردی ہے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت اُن پر تاثیر نہیں کرسکتی اور حق ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا لہٰذا وہ کسی طرح ایمان نہیں لاسکتے ہاں بعض اُن میں سے ایمان لے آتے ہیں جس طرح عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ تھوڑا سا ایمان حاصل ہوسکتا ہے یعنی وہ ایمان حاصل ہوسکتا ہے جس کو وہ مانتے ہیں اور نبوت موسیٰ کی تصدیق کا ایمان رکھتے ہیں۔ وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا۔ ایک وجہ قہرِ الٰہی کے نزول کی یہ بھی ہے کہ انھوں نے خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا انکار کیا۔ عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اُن کے نزدیک محال ثابت ہوا اور وہ اس سے صاف انکار کرگئے بلکہ

(حضرت) مریم پر ایک عظیم الشان افترا بندی کی۔ مریم ایسی پاکدامن عورت اور اُس پر زکریا ایسے بوڑھے پیغمبر کے ساتھ زناکاری کی تہمت ایک عظیم بہتان تھا جو ان پر قہر الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوا۔ ایک وجہ نزولِ لعنتِ الٰہی کی یہ بھی ہے کہ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ عیسیٰ مسیح جس کو بطور معجزہ کے بغیر باپ کے پیدا شدہ خیال کیا جاتا ہے اور باپ کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ ابن مریم کہا جاتا ہے اور جس کا دعویٰ تھا کہ میں رسول اللہ ہوں ہم نے اسی رسول اللہ عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ خیال ان کا غلط ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ حقیقت میں نہ تو انھوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ اُن کو سولی دی بلکہ اُن کو اشتباہ ہو گیا۔ ایک اور شخص کو عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا اور اس کو دھوکہ میں یہودیوں نے قتل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اُٹھا لینا چاہا تو حضرت عیسیٰ مکان کے دریچہ سے نکل کر اپنے یاروں کے پاس ایک کوٹھری میں آئے جہاں بارہ حواری جمع تھے اور وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا اس لئے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تم میں ایک آدمی ایسا ہے جو بارہ مرتبہ کفر کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا تم میں کوئی ہے جو بجائے میرے قتل ہونے کو پسند کرے اور جنت میں میرے ساتھ رہنے کا مشتاق ہو۔ یہ سُن کر ایک نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا میں اس بات کو قبول کرتا ہوں۔ چونکہ وہ کم سن تھا اس لئے حضرت عیسیٰ نے اس کو ناتجربہ کار خیال کر کے بیٹھ جانے کو حکم دیا۔ لیکن دوسری یا تیسری مرتبہ آواز دینے پر بھی جب وہی نوجوان کھڑا ہوا تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے تیری ہی قسمت میں یہ دولت لکھی ہے۔ غرض اس کے بعد عیسیٰ کو تھوڑی دیر کے لئے غنودگی آ گئی اور آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا اور اس نوجوان کا چہرہ بحکم الٰہی حضرت عیسیٰ کے چہرے کے ہم شکل ہو گیا مگر باقی بدن اس کا اصل ہیئت پر رہا۔ اتنے میں یہودیوں کی دوڑ اندر داخل ہوئی اور کمبختوں نے اس نوجوان کو گرفتار کر کے سولی دے دی۔ سولی دینے اور قتل کرنے کے بعد آپس میں خود ہی تفرقہ اور اختلافِ خیال پیدا ہو گیا۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ خدا تعالیٰ نے جب تک چاہا ہم میں رہا پھر خود ہی آسمان پر چڑھ گیا۔ یہ فرقہ یعقوبیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ دوسرے فرقہ کا خیال ہوا کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اس کو خدا تعالیٰ نے اپنے پاس بُلا لیا یہ فرقہ نسطوریہ تھا۔ تیسرا فرقہ مسلمان رہا اس کا خیال تھا کہ عیسیٰؑ خدا کے بندے اور رسول تھے خدا نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا (رواہ محمد بن اسحاق عن ابن عباس وسعید بن منصور والنسائی وابن مردویہ وابن جریر وعبد بن حمید وابن المنذر وغیرہم)۔

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اور جن لوگوں کو عیسیٰ کے مصلوب ہونے میں اختلاف ہے ان کو خود ہی یقین نہیں بلکہ خواہ مخواہ ظنی باتیں کرتے ہیں۔

اکثر اہلِ روایت مفسرین اور اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق اختلاف کرنے والے تین فرقے تھے (۱) نسطوریہ (۲) ملکانیہ (۳) یعقوبیہ اول گروہ کا خیال تھا کہ مسیح کو صلیب جسمانی ہوئی ہے روحانی نہیں ہوئی۔ آرلیس پادری کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ دوسرے فریق کا خیال تھا کہ مسیح کو روحانی صلیب ہوئی تھی جسمانی نہیں ہوئی۔ تیسرے گروہ کی رائے تھی کہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح مسیح کو صلیب دی گئی۔ ایک اور فرقہ تھا جو بالکل صلیب دیئے جانے ہی کا منکر تھا بلکہ کسی اور شخص کو صلیب دی گئی تھی۔ مگر یہ تمام اختلافات صرف ظنی تھے یقینی نہ تھے۔ کسی فرقہ کو اپنی رائے پر کامل یقین نہ تھا اب آگے حضرت عیسیٰ کے متعلق یقینی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کہ یقیناً بلاشک وشبہ یہودیوں نے عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے عیسیٰ کو انسانی دسترس سے بچا لیا اور اوپر کو بحالتِ زندگی اُٹھا لیا۔ اب رہی آسمان کی طرف اُٹھانے کی وجہ اور اس کا امکان تو یہ قدرتِ الٰہی سے بعید نہیں، کیونکہ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا خدا تعالیٰ کی بادشاہت طاقت تمام کائنات پر غالب ہے جیسا چاہے ویسا کر سکتا ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنے افعال میں حکیم ہے۔ اس کی حکمت کو کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

مقصودِ بیان یہود کی کفر شعاریوں کا بیان اور اس بات کی توضیح کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ کسی کو خدا سے بغض ذاتی نہیں۔ خدا تعالیٰ عناد ذاتی سے کسی کو اپنی رحمت سے محروم کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہودیوں نے مختلف اوقات میں نافرمانیاں اور سرکشیاں اور معاصات سے خوف، معاذ اللہ انبیاء کو قتل کیا، خدا کے احکام کا مذاق اُڑایا، شریعت کو ہنسی ٹھٹھا سمجھا، خدا نے بھی ان کی سلطنت چھین لی۔ بخت نصر وغیرہ کی شکل میں اپنا قہر ان پر نازل کیا اور ہمیشہ کے لئے سزاوار لعنت قرار دیا وغیرہ

اس بیان سے مسلمانوں کے واسطے بھی نصیحت اندوزی اور عبرت پذیری کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص شریعتِ الٰہیہ اور قوانینِ قدرت سے سرتابی کرتا ہے اُس کا یہی حشر ہوتا ہے۔

آیات میں چند باتوں کی صراحت اور بھی ہے (۱) عیسیٰ کو نہ یہودیوں نے صلیب دی نہ اور کسی طریقہ سے قتل کیا (۲) عیسیٰؑ مریمؑ کے بیٹے تھے اُن کا کوئی باپ نہ تھا (۳) عیسیٰ رسول اللہ تھے یعنی خدا کے بیٹے نہ تھے (۴) مریم پاکدامن تھیں زنا اور بدکاری سے پاک تھیں (۵) خدا تعالیٰ نے عیسیٰ کو مع روح اور جسم کے اوپر اٹھا لیا اور ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں انسانی رسائی نہیں ہو سکتی (۶) حضرت عیسیٰ کے آسمان پر لے جانے میں کیا مصلحت اور حکمت تھی تو اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے (۷) کیا آسمان پر کسی انسان کو لے جانا ممکن بھی ہے؟ تو خدا قادرِ مطلق ہے۔ تمام کائنات اس کی مسخر اور حکم پذیر ہے ایسا ہونا خلافِ عقل نہیں۔ جس نے اسمان بنایا ہے وہی شق بھی کر سکتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور جتنے اہلِ کتاب ہیں سب کے سب اُن کے انتقال سے پہلے اُن پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن

يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ

عیسیٰ اُن پر گواہ بنیں گے

تفسیر اس آیت کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں۔ پہلا معنی تو یہ ہے کہ تمام اہلِ کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کی رسالت پر ضرور ایمان لائیں گے۔ مسلمان پہلے ہی سے عیسیٰ کو رسول مانتے ہیں۔ رہے عیسائی تو وہ عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں مگر جب روح نکلنے لگے گی اور عذاب کے فرشتے نگاہ کے سامنے آئیں گے تو وہ فوراً عیسیٰ کی رسالت اور خدا کی توحید کے قائل ہو جائیں گے۔ یہ قول شہر بن حوشب، عکرمہ، مجاہد، محمد بن سیرین، ضحاک، جویبر اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ کے مرنے سے قبل ہر کتابی اُن پر ایمان لے آئے گا۔ چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے دوبارہ اُتریں گے اور تمام دنیا میں اسلامی شریعت قائم کریں گے۔ تو گویا آیت سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد جو اہلِ کتاب ہوں گے وہ اُن پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ قول حسن بصری، قتادہ، ابن جبیر، عبد الرحمٰن بن زید وغیرہ کا ہے اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے اور واقع میں بھی یہی مطلب درست ہے، کیونکہ پہلے معنی کی صورت میں کوئی قطعی ثبوت ہونا چاہیئے اور ثبوت میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ مخدوش ہیں۔ علاوہ اس کے عالمِ نزع میں جب فرشتے نظروں کے سامنے آجاتے ہیں تو تمام عالمِ غیب کا پردہ اُٹھ جاتا ہے پھر حضرت عیسیٰ کی کیا تخصیص ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اور عیسیٰ قیامت کے دن تمام اہلِ کتاب پر اُس وقت کی گواہی دیں گے جب آسمان پر جانے کے قبل ان میں موجود تھے۔ چنانچہ یہودیوں پر اس طرح گواہی دیں گے کہ ان خبیثوں نے میری تکذیب کی اور میرے مار ڈالنے کا پختہ ارادہ کیا بلکہ اپنے گمان میں مجھے مردہ سمجھ لیا اور عیسائیوں پر گواہی دیں گے کہ انہوں نے میری تعلیم کے خلاف کیا۔ مجھے خدا کا بیٹا قرار دیا۔ میں ان کے عقیدہ عمل اور قول سے بری ہوں۔ جب تک میں موجود تھا ان کی نگرانی کرتا رہا۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا اس کا مجھے علم نہیں ہے تجھی کو علم ہے۔

مقصودِ بیان:۔ آسمان سے حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے کی طرف وضاحت آمیز اشارہ اور حقانیتِ اسلام کے جانب تلمیح۔

قیامت کے قریب آسمان سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق احادیث

چونکہ آیت مذکورہ میں نزولِ عیسیٰ کے متعلق کچھ واضح اشارات ہیں۔ اور اس زمانہ میں وفات و حیاتِ مسیح کو عقائد میں داخل کر لیا ہے اور نزولِ عیسیٰ کے متعلق باہم مدعیانِ اسلام میں جھگڑا پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن احادیث کو ذیل میں درج کر دیں جن سے قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ کا نازل ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اُترنے کے بعد حضرت عیسیٰ دینِ اسلام کی تبلیغ کریں گے اور دینِ محمدی کا اتباع کریں گے۔ ذیل میں ہم جو احادیث ذکر کر رہے ہیں ان میں سے بیشتر حصہ علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوعاً روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے عنقریب عیسیٰؑ بن مریم تم میں اُترے گا۔ انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا۔ صلیب توڑ دے گا، سوٗر کو قتل کرے گا (یعنی عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرے گا۔ جلالی) جزیہ کو موقوف کرے گا اور اتنا مال بہائے گا کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ آدمی کو دنیا و مافیہا سے بہتر معلوم ہو گا یہ حدیث روایت کرنے کے بعد بطور ثبوت کے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (بخاری و مسلم) اور سجدہ فقط رب العالمین کے واسطے ہو گا (یعنی روئے زمین پر کوئی مشرک نہ ہو گا۔ جلالی) رواہ ابن مردویہ۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم مقام روحار سے حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا ضرور تلبیہ کرے گا (احمد و ابن ابی حاتم)

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے تمہاری خوشی کا اس وقت کیا حال ہو گا جب کہ عیسیٰ بن مریم تم میں اُترے گا اور تمہارا امام (مہدی) اسی میں سے ہو گا (بخاری و مسلم و احمد)

وہ (عیسیٰؑ) تم میں اُترنے والے ہیں جب تم اُن کو دیکھنا تو پہچان لینا۔ ان کا بدن گداز ہو گا، رنگ سرخ مائل بہ سپیدی ہو گا، دو کپڑے پہنے ہوں گے۔ ایسا معلوم ہو گا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے حالانکہ سر پر نمی بھی نہ ہو گی۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اس زمانہ میں سوائے اسلام کے سب مذاہب مٹ جاویں گے۔ زمین پر امانت (عدالت) نازل ہو گی۔ یہاں تک کہ چرتے ہوئے اونٹوں کے ساتھ شیر پھریں گے اور گایوں کے ساتھ چیتے اور بکریوں کے ساتھ بھیڑیئے اور سانپوں کے ساتھ بچے کھیلیں گے جب بھی کچھ ضرر نہ ہو گا۔ وہ چالیس برس زندہ رہ کر مریں گے اور مسلمان ان پر نماز پڑھیں گے (احمد ابو داؤد ابن جریر)

ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قیامت اسی وقت قائم ہو گی جب کہ روم والے مقام اعماق یا دابق میں آکر فروکش ہوں گے۔ اُن سے مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے ایک لشکر نکلے گا جو اس وقت روئے زمین کے تمام آدمیوں سے بہتر ہو گا۔ جب یہ لشکر دشمنوں کے مقابلہ میں صف آرا ہو گا تو روم والے کہیں گے تم ہمارے اور اُن لوگوں کے درمیان سے روک چھوڑ دو جنہوں نے ہمارے آدمی قید کئے ہیں ہم اُن سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے ہرگز نہیں واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بھائیوں سے جنگ کرنے کے لئے تم کو راستہ دے دیں۔ بالآخر لڑائی ہو گی۔ مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر شکست کھا کر بھاگ جائے گا جس کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور ایک تہائی لشکر شہید ہو گا جس کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بلند ہو گا اور آخری تہائی کو فتح حاصل ہو گی۔ یہ لوگ جا کر قسطنطنیہ فتح کریں گے اور جب مالِ غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے اور تلواریں درختوں سے لٹک رہی ہوں گی کہ اتنے میں شیطان آواز دے گا دجال نے تمہارے پیچھے تمہارے گھر بار کو تباہ کر دیا۔ وہ لوگ فوراً قسطنطنیہ سے نکل کر واپس آئیں گے لیکن شیطان کی اس ندا کو غلط پائیں گے اور ملک شام میں پہنچیں گے تو دجال سے مقابلہ ہو گا۔ پھر جب اسی حالت میں نماز کی صفیں درست کی جائیں گی اور اقامت ہو چکے گی تو عیسیٰ بن مریم اُتریں گے اور مسلمان اُن کے امام کے پیچھے ہی نماز پڑھیں گے۔ دجال جب عیسیٰ کو دیکھے گا تو جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے اسی طرح پگھلنے لگے گا۔ اگر عیسیٰ اس کو یوں ہی (بغیر قتل کئے) چھوڑ دیں گے تب بھی وہ پگھل جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ عیسیٰ کے ہاتھ سے اس کو قتل کرائے گا اور اس کے خون سے بھرا ہوا نیزہ عیسیٰؑ لوگوں کو دکھائیں گے (مسلم)

ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے شب معراج میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پھر خدا تعالیٰ دجال کو میرے ہاتھ سے ہلاک کرائے گا اور کافر (یہودی) بھاگتے پھریں گے۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بولیں گے کہ اے مسلمان بندے یہ کافر میرے پیچھے چھپا ہے اس کو قتل کر دے۔ اس کے بعد لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائیں گے اور اس وقت یاجوج ماجوج خروج کریں گے۔ جہاں پہنچیں گے تباہی پھیلادیں گے اور جس پانی پر پہنچیں گے اس کو پی جاویں گے۔ لوگ اس کی شکایت میرے پاس لائیں گے میں بد دعا کروں گا۔ خدا تعالیٰ ان کو ہلاک کردے گا اور زمین ان کی بدبو سے متعفن ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ پانی برسائے گا اور ان کی لاشیں بہا کر سمندر میں لے جائے گا۔ اس کے بعد قیامت اس طرح ہوگی جس طرح پورے دنوں والی حاملہ عورت ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کس وقت رات دن میں اس کے بچہ پیدا ہو جائے۔ اسی طرح معلوم نہ ہوگا کہ قیامت کس وقت آجائے (رواہ احمد وابن ماجہ)

عثمان بن عاص کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر رہ جائیں گے۔ ایک شہر مجمع البحرین پر دوسرا حیرہ میں اور تیسرا ملک شام میں۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار تاجدار ہوں گے، یہودی ہوں گے اور بہت سی عورتیں بھی ہوں گی۔ لوگوں کو سخت بھوک اور پیاس کی تکلیف پہنچے گی۔ اس وقت نماز فجر کے قریب حضرت عیسیٰ آئیں گے اور کہیں گے۔ اس امت کا سردار اسی میں سے ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں ہی کا ایک سردار نماز پڑھائے گا۔ پھر نماز کے بعد عیسیٰ نیزہ لے کر دجال کی طرف بڑھیں گے اور اس کو ہلاک کریں گے۔

ابو امامہ باہلیؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ایک روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا جس میں زیادہ بیان دجال کا تھا۔ حضورؐ نے ہم کو اس روز دجال سے بہت ڈرایا اور فرمایا کہ جب سے خدا تعالیٰ نے بنی آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر (قیامت تک) زمین پر دجال کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ پیدا نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا پیدا نہیں کیا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔ میں تمام انبیاء میں آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو۔ لامحالہ وہ تم میں پیدا ہوگا۔ اگر دجال کا خروج ایسے وقت ہوا کہ میں تمہاری پشت پر موجود ہوا تو میں ہر مسلمان کی طرف سے نبٹ لوں گا اور اگر میرے بعد اس کا خروج ہوا تو ہر شخص کو خود نبٹنا ہوگا اور میری بجائے خدا تعالیٰ ہر مسلمان کا ذمہ دار ہے۔ خوب سمجھ لو کہ دجال سرحد شام و عراق کے درمیان ایک راستہ سے خروج کرے گا اور دائیں بائیں سب کو پامال کر ڈالے گا۔ اے بندگانِ خدا تم اس وقت مضبوطی سے ثابت قدم رہنا۔ میں تم کو دجال کی ایسی پہچان بتائے دیتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں بتائی۔ وہ ظاہر ہونے کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں وہ جھوٹا ہوگا۔ پھر زبان بدل جائے گا اور کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ سو یاد رکھو تم مرنے سے قبل اپنے پروردگار کو دیکھ نہیں سکتے (اور وہ تمہاری نظر کے سامنے ہوگا معلوم ہوا کہ وہ جھوٹا ہوگا) دجال کانا ہوگا اور تمہارا پروردگار یک چشم نہیں ہے۔ اس خبیث کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوگا جس کو ہر پڑھا اور بے پڑھا مومن پڑھ لے گا۔ اس کے فتنہ میں ایک بات یہ بھی ہوگی کہ اس کے ساتھ جنت و دوزخ ہوگی۔ جو شخص اس کی دوزخ میں مبتلا ہو کر خدا سے پناہ مانگے گا اور سورۂ کہف کے شروع کا رکوع پڑھے گا تو وہ دوزخ اس پر ایسی ٹھنڈی ہو جائے گی جیسے ابراہیمؑ کے لئے نمرود کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس کے فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ وہ ایک دیہاتی سے کہے گا کہ میں تیرے مردہ ماں باپ کو جلادوں تو کیا تو مجھ پر ایمان لے آئے گا؟ وہ دیہاتی کہے گا کہ ہاں۔ چنانچہ اس دیہاتی کے ماں باپ اصلی صورت بن کر آئیں گے اور کہیں گے ہاں میرے بیٹے تو اس کی پیروی کر یہ تیرا پروردگار ہے۔ اس کے فتنہ کی ایک یہ صورت ہوگی کہ ایک مومن اس کے قبضہ میں آئے گا وہ اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دے گا۔ پھر کہے گا دیکھو میں اپنے بندہ کو زندہ کر کے اٹھاتا ہوں۔ مگر اس کو گمان پھر بھی یہی ہوگا کہ پروردگار کوئی اور ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ اس مرد مومن کو زندہ کردے گا تو دجال خبیث کہے گا۔ بتا تیرا پروردگار کون ہے؟ وہ کہے گا۔ میرا پروردگار بس اللہ پاک ہے اور تو اے دشمنِ خدا دجال ہے۔ خدا کی قسم مجھے تیرا حال معائنہ کے بعد جیسا آج معلوم ہوا اس سے پہلے ایسا معلوم نہ تھا۔ دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا مگر پھر اس کو دوبارہ اس پر دسترس حاصل نہ ہوگی۔ دجال کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ جب وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا تو فوراً پانی برس جائے گا اور زمین کو روئیدگی کا حکم دے گا تو فوراً سبزہ پیدا ہو جائے گا۔

ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ دجال کا گذر ایک ایسی قوم کی طرف سے ہوگا جو اس کی خدائی کی تکذیب کرتی ہوگی۔ دجال تھوڑی دیر وہاں قیام کرے گا اور وہ قوم تباہ ہو جائے گی۔ پھر دجال کا گذر ایسی قوم کی طرف سے ہوگا جو اس کو مان لے گی اور اس کی خدائی کی تصدیق کرے گی۔ وہاں دجال آسمان سے پانی برسائے گا اور زمین سے سبزہ اگائے گا اور اس گروہ کے چوپائے اس روز موٹے تازے کوکھیں بھرے جنگل سے واپس آئیں گے جن کے تھن دودھ سے لبریز ہوں گے دنیا میں

کوئی جگہ ایسی نہ بچے گی جس کو دجال پامال نہ کرے گا۔ صرف مکہ اور مدینہ دو شہر بچ جائیں گے اس کی دسترس سے خارج ہوں گے۔ یہ وہاں جانے کا ارادہ کرے گا تو وہاں (شہر کے دروازوں پر) ننگی تلواریں لئے فرشتے ملیں گے۔ یہاں تک کہ ایل سرخ ٹیلہ کے پاس پہنچ کر مقیم ہوگا جہاں کنکریلی شور زمین ختم ہوتی ہے۔ اس وقت مدینہ کی زمین میں تین بار زلزلہ آئے گا اور کوئی منافق مرد و عورت شہر کے اندر باقی نہ رہے گا بلکہ جو منافق ہوگا وہ مدینہ سے نکل کر دجال کے پاس چلا جائے گا اور مدینہ ان سے ایسا صاف ہو جائے گا جیسا بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔ اس روز کا نام یوم الخلاص رکھیں گے۔

یہ قصہ سن کر ام شریک بنت ابو العکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس روز عرب کہاں چلے جائیں گے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا عرب اس وقت بہت تھوڑے ہوں گے اور ان میں سے بھی بڑا گروہ بیت المقدس کو چلا جائے گا۔ وہاں ان کا سردار ایک مرد صالح ہوگا اور فجر کی نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا ہوگا کہ اسی وقت عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے۔ امام مذکور عیسیٰ کو دیکھ کر الٹے قدم پیچھے ہٹے گا تاکہ عیسیٰ آگے بڑھ کر امامت کریں، مگر عیسیٰ اس کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے نماز آپ ہی پڑھایئے۔ نماز کی امامت آپ ہی کے لئے مناسب ہے۔ امام مذکور نماز پڑھائے گا۔ سلام پھیرنے کے بعد عیسیٰ فرمائیں گے۔ اب دروازہ کھول دو۔ حسب الحکم اس مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ باہر دجال موجود ہوگا جس کے ساتھ ستر ہزار یہودی تاجدار دو پہلی تلواریں لئے موجود ہوں گے۔ جب دجال کی نظر حضرت عیسیٰؑ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے اور وہ بھاگ جانا چاہے گا۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ فرمائیں گے تیرے جسم ناپاک پر میرا ایک وار مقرر ہوگا تو اس سے بچ نہیں سکتا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ مشرقی دروازہ لُد پر پہنچ کر دجال کو قتل کر ڈالیں گے اور مردود یہودی بھاگ نکلیں گے اور جا بجا چھپتے پھریں گے۔ مگر جس چیز کی آڑ پکڑ کر چھپیں گے خدا اس چیز کو گویا بنا دیگا خواہ وہ لکڑی ہو یا درخت یا پتھر یا جانور یا دیوار مگر وہ آواز دے کر کہے گی اے خدا کے مسلمان بندے یہ یہودی میری آڑ میں چھپا ہے اس کو قتل کر ڈال ہاں صرف ایک درخت غرقد نہ بولے گا اور یہودیوں کو چھپائے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کا دورِ حکومت کل چالیس دن ہوگا۔ اسی حدیث کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا زمین میں نور ہوگا اور حضرت آدمؑ کے زمانہ کی طرح نباتات میں برکت ہوگی کہ ایک خوشۂ انگور سے اور ایک انار سے چند آدمی سیر ہو جائیں گے۔ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ خروجِ دجال سے قبل تین سال بہت سخت ہوں گے۔ لوگوں کو اس مدت میں کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوگی پہلے سال بحکم الٰہی دو تہائی بارش ہوگی اور زمین سے بھی دو تہائی پیداوار ہوگی۔ دوسرے سال ایک تہائی بارش اور ایک تہائی پیداوار ہوگی اور تیسرے سال پانی کا ایک قطرہ نہ برسے گا اور زمین سے ایک دانہ پیدا نہ ہوگا۔ اکثر کھر والے جانور مر جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس زمانہ میں لوگوں کی زندگیاں کیسی ہوں گی؟ فرمایا تہلیل تکبیر اور تحمید سے (ابن ماجہ)

حضرت نواس بن سمعان کی روایت جو صحیح مسلم میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال زمین پر چالیس برس رہے گا۔ اس کا ایک دن ایک سال کی برابر ہوگا اور ایک دن ایک ماہ کی برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کی برابر اور باقی ایام معمولی دنوں کی برابر ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو دن سال بھر کی برابر ہوگا اس میں صرف ایک روز کی نماز کافی ہوگی؟ فرمایا پنج وقتی نماز کے اوقات کا اندازہ کرنا ہوگا یعنی ہر شبانہ روز کی مقدار کا اندازہ کرنا پڑے گا اور ہر شبانہ روز کی مقدار میں پنج وقتی نماز ادا کرنی ہوگی۔

اسی روایت میں ہے کہ ویرانہ مقامات کے خزانے زمین سے نکل کر شہد کی مکھیوں کی طرح دجال کے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے دمشق کے سفید منارہ پر اتریں گے۔ مجمع بن جاریہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دجال کو باب لُد پر قتل کریں گے (رواہ الترمذی واحمد وقال صحیح)

دجال کے متعلق بہت سے اکابر صحابہ سے احادیث مروی ہیں مثلاً عمران بن حصین، ابو برزہ، حذیفہ بن اسید، ابو بردہ، کیسان، عثمان بن عاص، جابر، ابو امامہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، نواس بن سمعان، عمرو بن عوف، حذیفہ بن یمانؓ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عصر کے وقت اتریں گے۔ اس وقت نماز خود پڑھائیں گے۔ پھر صبح کی نماز امام مہدی کو پڑھانے کا حکم دیں گے۔

اب ہم اصل تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

غرض یہودیوں کی شرارتوں کی وجہ سے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکنے کے سبب سے اور [illegible]

عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ

کے سود لینے کی وجہ سے اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کے باعث سے ہم نے وہ ستھری پاک

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لَّٰكِنِ

چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں حرام کر دیں اور ان میں سے کفر پر جمے رہنے والوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے لیکن

الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

ان میں سے جو لوگ علم میں پختہ ہیں اور وہ ایمان دار جن کا ایمان اس کتاب پر بھی ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس

أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ ۚ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ

پر بھی ہے جو تم سے پہلے نازل کی گئی اور خصوصیت کے ساتھ نماز کی پابندی کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ پر اور روزِ قیامت

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾ ع ۲

پر ایمان رکھنے والے ان کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطا کریں گے

تفسیر فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ ۔ سابق آیات میں یہودیوں کی کفر شعاریاں اور سرکشیاں بیان کی گئی تھیں۔ اب اس آیت میں اُن کی سزاؤں سے جو دنیوی سزائیں اُن کو دی گئی تھیں ان میں سے بعض کا بیان کیا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو پاکیزہ چیزیں یہود پر پہلے سے حلال تھیں اور حضرت یعقوبؑ کے وقت سے حلال چلی آتی تھیں ہم نے ان کی بے جا حرکات اور خلق اللہ پر ظلم کرنے کی وجہ سے ان چیزوں کو شرعی طور پر حرام کر دیا۔ جو چیزیں یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھیں اُن کا بیان سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ الخ میں ہو گیا ہے۔

وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۔ دوسری وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ وہ بہت سے بندگانِ خدا کو راہِ حق سے روکتے تھے اور جہاں تک اُن سے ممکن تھا انھوں نے ان کو اغوا کیا۔ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ ۔ تیسری وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ اُن کو باوجودیکہ سود خواری سے توریت میں منع کر دیا گیا تھا مگر وہ باز نہ آئے اور علی الاعلان کھلا سودی کاروبار کرنے لگے۔ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ چوتھی وجہ تحریم طیبات کی یہ تھی کہ ان کے عام خاص آدمی اور علماء دین لوگوں کا مال بے جا طور پر کھانے لگے اور دھڑلے سے رشوت لینے لگے۔ یہ چار سبب تھے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو شرعی طور پر اپنی بعض پاکیزہ نعمتوں سے محروم کر دیا اور یہ تو فقط دنیوی سزا تھی۔ آخرت میں خدا تعالیٰ نے وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ان میں سے منکرینِ حق اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ چونکہ ہر قوم میں بعض لوگ اچھے اور دیندار اور سلیم الطبع اور صحیح ذوق رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ یہودیوں میں بھی بعض ایسے فطری نور رکھنے والے اور جذبۂ حریت کے حامل لوگ موجود تھے۔ اس لئے ان کا بیان آیت ذیل میں کیا جاتا ہے۔

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ یہ آیت بروایت ابن عباسؓ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، زید بن سعید اور اسید ابن عبید وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی جو حلقۂ اسلام میں بخوشی خاطر داخل ہو گئے تھے اور اپنے رسوخ علمی کی وجہ سے قرآن پر ایمان لے آئے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ علم دین میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں، جن کو کمال علمی حاصل ہے اور جن کے سینے معرفت کے نور سے منور ہیں۔ یعنی اہل کتاب میں کے مخصوص علماء اور اسی طرح دوسرے مومنین مہاجر اور انصار یہ سب قرآن پر اور گذشتہ آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں اور فقط یقین ہی نہیں بلکہ اسلامی نماز خصوصیت کے ساتھ پابندی اوقات و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور شرعی زکوٰۃ دیتے ہیں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کے باوجود اور اعمال و عبادات پر پابندی کے ساتھ ساتھ ان کا ایمان مبداء و معاد پر بھی ہے۔ خدا کی ذات و صفات اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کو خدا تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا ان کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔

مقصودِ بیان ہر دنیوی اور اخروی سزا اپنی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہودی بہت سرکش تھے اور خود بھی گمراہ تھے۔ دوسروں کو بھی ہدایت یاب ہونے سے روکتے تھے۔ اہل کتاب میں بعض لوگ نور فطرت رکھنے والے بھی تھے۔ جن کے قلوب روشن ہوتے ہیں وہ دین نبی کا انکار نہیں کر سکتے۔ اسلام کامل کرنے کے لئے قوت عملیہ اور قوت نظریہ کی تکمیل کی ضرورت ہے۔ وغیرہ

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا

ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی جیسے نوح کے پاس اور ان کے بعد دیگر انبیاء کے پاس بھیجی تھی اور ابراہیم

إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ

اسمٰعیل اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ ایوب یونس ہارون سلیمان کے پاس بھیجی تھی۔

وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۚ وَرُسُلًا قَدْ

اور داؤد کو ہم نے زبور دی تھی ہم نے بعض رسول (وہ بھیجے) جن کے

قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ

حالات ہم نے پہلے تم سے بیان کر دیئے اور کتنے رسول ایسے بھی بھیجے جن کے حالات تم سے نہیں بیان کئے اللہ

مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

نے موسیٰ سے بول کر باتیں کیں یہ سب ہم نے خوشی سنانے اور ڈرانے کے لئے بھیجے تھے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کا اللہ پر

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

کوئی الزام نہ رہے اور اللہ زبردست مصلحت بین ہے

تفسیر محمد بن اسحٰق نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ سکین اور عدی بن زید یہودیوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ محمد ہمارے خیال میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی شخص پر کوئی کتاب وحی نازل نہیں کی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور وحی کا یا گیا کہ نبوت کا طرف

موسیٰ میں حصر کر دینا خلافِ عقل ہے جس طرح موسیٰ کے پاس وحی آئی اسی طرح موسیٰ سے قبل نوحؑ سے لے کر تمام انبیاء پر جبرئیل کے ذریعہ سے وحی آتی رہی۔ نوحؑ پر آئی پھران کے بعد اور انبیاء پر آئی۔ ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور اولادِ یعقوب پر آئی۔ ان کے علاوہ عیسیٰ ایوب یونس ہارون سلیمان اور داؤد پر بھی آتی رہی اور خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد کو تو زبور عطا کی گئی۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی نبوت کے تو یہودی بھی قائل تھے اور حضرت داؤد کو زبور ملنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ پھر کس طرح دعویٰ کرنا ممکن ہے کہ موسیٰ کے بعد کسی پر وحی نہیں آئی اور نہ کتاب نازل ہوئی۔ کچھ نبوت کا حصر موسیٰ ہی پر نہیں بلکہ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہی بارہ تیرہ آدمی نبی تھے ان کے علاوہ کوئی نبی نہیں گذرا ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کیونکہ کچھ نبی تو خدا نے وہ بھیجے جن کے واقعات' نام نشان وغیرہ قرآن میں بیان کر دیئے اور کچھ نبی ایسے بھی گذرے ہیں جن کے متعلق کوئی اظہار قرآن میں نہیں ہے۔ لہٰذا نبوت کو موسیٰؑ میں منحصر سمجھ لینا حماقت ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے بصورتِ خاص کلام کیا۔ بس اتنی بات ہے جس سے حصر نبوت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ نبوت کا دارومدار وحی پر ہے۔ جس کے پاس وحی آتی ہو وہی نبی ہے۔ جس طرح موسیٰؑ کے پاس وحی آتی تھی اسی طرح اور انبیاء کے پاس وحی آئی ہے اور اسی طرح اے نبی تمہارے پاس وحی آتی ہے۔ نہ نبوت کسی کی خاندانی میراث ہے، نہ کوئی عجیب و غریب چیز جو انسانوں کے دماغ سے بالاتر ہو اور یہ کہا جائے اور یہ کہا جائے کہ نبی معمولی انسانوں کی طرح خورونوش، رفتار گفتار اور تمام اطوار سے بالا تر ہوتا ہے۔

ہاں بعض انبیاء کی کچھ خصوصی اعزازی چیزیں ہوتی ہیں۔ مثلاً داؤدؑ کو زبور عطا کی گئی اور موسیٰؑ سے خصوصی کلام کیا گیا۔ لیکن اس اعزازی وصف سے دوسروں کی نبوت کا انکار کرنا قطعاً خلافِ عقل ہے۔ معیارِ نبوت وحی ہے۔ اس کے علاوہ انبیاء کا فرض تبلیغ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انبیاء کو فرض رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ خوش خبری دینے اور ڈرانے کے لئے مبعوث فرمایا۔ نیکوں کو نجات کی بشارت اور بدوں کو دینی و دنیوی سزاؤں سے ڈرانے کے لئے بھیجا جو اس فرض کی ادائیگی میں قاصر نہ ہو اور اس کے پاس وحی آتی ہو وہی نبی ہے۔ پھر یہ خیال کس طرح کر لیا گیا کہ موسیٰؑ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ انبیاء کو بھیجنے سے اصل غرض یہ ہے کہ قانونِ الٰہی اُن کے پاس پہنچ جائے۔ بُرے بھلے کے امتیاز کی اُن کو نصیحت کر دی جائے اور لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ رسولوں کے پہنچنے کے بعد کسی کو قیامت کے دن یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ کوئی سمجھانے والا اور قانونِ عدالت بتلانے والا ہمارے پاس نہیں بھیجا گیا تھا۔ ہم نافہم تھے، ہماری روحوں میں اتنی روشنی نہ تھی کہ خود بخود نورِ فطری کے ذریعہ سے اچھے بُرے میں امتیاز نہ کر سکتے اور حقوق مفروضہ ادا کر سکتے۔ تو جب انبیاء کے بھیجنے کی اصل غرض اتمامِ حجت ہے تو یہ تکمیل حجت صرف موسیٰؑ کے بھیجنے سے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ موسیٰؑ سے قبل بھی ہزاروں قومیں گذری ہیں اور بعد کو بھی نسلِ انسانی منقطع نہیں ہوئی تو کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ایک موسیٰؑ کو بھیج کر لوگوں کے عذر کا ازالہ کر دیا جائے اور دوسرے کسی نبی کو نہ بھیجا جائے۔ یہ فعل وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا خدا کی حکمت کے خلاف ہے۔ حالانکہ خدا غالب اور دانا ہے۔ اس کی طاقت اور حکمت اسی کی مقتضی تھی کہ دنیا میں انبیاء کا سلسلہ قائم کر دیا جائے اور کسی کو نادانی کا عذر باقی نہ رہے۔

مقصودِ بیان معیارِ نبوت وحی ہے۔ بعض انبیاء کے کچھ خصوصی امتیازات بھی تھے۔ رسول کوئی غیر معمولی انسان جو لوازمِ انسانی سے بالاتر ہو نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک انسان ہوتا ہے۔ خدا کی وحی اس کے پاس آتی ہے۔ انبیاء کا حصر صرف اُنہی اشخاص میں نہیں ہے جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ بلکہ بہت سے انبیاء کا تذکرہ قرآن میں نہیں کیا گیا ہے۔ رسول کا فرض تبلیغ ہے۔ لوگوں کو ثواب کی جنت دینے اور عذاب سے ڈرانا اور اس طریقے سے نیکی کی طرف مائل کرنا اور بدکاری سے ہٹانا ہر نبی کا کام ہے۔ انسان فطرتاً گناہ سے معصوم نہیں۔ اسی لئے انبیاء کا سلسلہ دنیا میں قائم کیا گیا۔ انسانی تعادل اور نظامِ تمدن قائم رکھنے کے لئے قانونِ بشارت و انذار کا ہونا ضروری ہے جو نبی کے ذریعہ سے دنیا میں بھیجا گیا۔ گویا نظامِ انسانی بغیر نبوت کے درست نہیں رہ سکتا۔ وغیرہ

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ

لیکن اللہ شاہد ہے کہ اس نے جو کچھ تم پر اُتارا اپنے علم کے موافق اُتارا اور فرشتے بھی شاہد ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ

اور اللہ ہی شاہد کافی ہے جن لوگوں نے انکار کیا اور راہِ خدا سے دوسروں کو روکا وہ

ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

بھٹک کر دور جا پڑے جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا ان کو خدا ہرگز نہ بخشے گا

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ

اور نہ ان کو سوائے جہنم کے اور راستہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ایسا کرنا

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

اللہ پر آسان ہے لوگو! رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر تمہارے پاس آئے

رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

ہیں لہٰذا تم ایمان لے آؤ تمہارا بھلا ہوگا اور اگر تم نہ مانو گے تو (سمجھ لو کہ) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور اللہ دانا اور مصلحت بین ہے

تفسیر

یہودیوں کی ایک جماعت رسولؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ یہودیو! تم میرے برحق نبی ہونے کو خوب جانتے ہو میری نبوت کی بشارتیں تمہاری کتاب میں موجود ہیں۔ لیکن عناد سے تم نہیں مانتے۔ یہودی بولے ہماری کتاب میں تمہارے متعلق کوئی بشارت نہیں اور نہ ہم کو تمہارے نبی ہونے کا علم ہے۔ اس کے علاوہ مکہ کے کافروں نے بھی کہا تھا کہ ہم نے اہلِ کتاب سے تمہاری نبوت کا حال دریافت کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو جانتے ہی نہیں اور نہ ان کو اپنی کتاب کے موافق پاتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ محمدؐ! خدا خوب جانتا ہے اور تمہاری نبوت کی شہادت دیتا ہے۔ اس نے جو کچھ تم پر اُتارا ہے تم کو اس کا اہل سمجھ کر اُتارا ہے اور خدا کے فرشتے بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ کافروں کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے۔ ان کو انکار کرنے دو۔ یہ اگر حق بات کو چھپاتے ہیں اور شہادت نہیں دیتے تو نہ دیں خدا شہادت کے لئے کافی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہو سکتی ہے۔ جب حضورؐ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کی شہادت منجانب اللہ اور منجانب الملائکہ ختم ہو چکی تو کور باطن یہودیوں کے فطری خبیث اوصاف کو بیان کر کے ان کی گمراہی اور گمراہ کنی کو بیان کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا — بَعِيْدًا تک۔ جن لوگوں نے خدا کا، خدا کے رسول کا اور قرآن کا انکار کیا اور چشمِ بصیرت سے محروم ہو گئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ گمراہ کن...

کوششیں کیں اور خدا شکوک و شبہات ڈال کر اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکا۔ ایسے لوگ گمراہی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئے۔ ایک تو خود انکار حق کر کے ظلم کیا اور خدا کے منکر ہوئے اور پھر دوسروں کو اقرار حق سے روکا انتہائی درجہ کی گمراہی ہے۔ لہٰذا ایسے گمراہ اور گمراہ کن انسانوں کو اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا سے نیستیں اُمک جو خود بھی کافر ہیں اور دوسروں کی بھی حق تلفی کرتے ہیں اور راہ ہدایت سے روکتے ہیں خدا تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرمائے گا اور سوائے جہنم کے راستے کے کوئی نجات کا راستہ بتائے گا۔ یہ ازلی گمراہ ہیں۔ ان کو راہ حق نہیں مل سکتی ہمیشہ وہی بات ان کو سوجھے گی جس سے سیدھے جہنم کے راستہ پر پڑ جائیں گے اور بالآخر جہنم میں جا کر ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہیں گے اور یہ سب کچھ خدا کے نزدیک آسان ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن ہر وہ ہوشمند انسان جس کی چشم بصیرت وا ہے اور موت کا اس کو یقین ہے ہرگز وہ ایک سیدھے رہبر اور برحق نبی کا اتباع ترک کر کے بندہ نفس نہ بنے گا اور دائمی عذاب میں گرفتار ہونے کو پسند نہ کرے گا اس لئے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ سے عَلِیْمًا حَكِیْمًا تک۔ لوگو! جب خدا نے تمہارے پاس نبی برحق بھیج دیا اور خدا کی طرف سے سچے احکام لے کر رسول تمہارے پاس آگیا تو اس کی تصدیق کرو۔ اس کے قول کو سچ جانو اور اس کے حکم کو مانو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اس کا اس میں کوئی ذاتی نفع نہیں ہے اور اگر تم اس کو اور اس کے لائے ہوئے احکام کو نہ مانو گے تو نہ اس کا اس میں کچھ ہرج ہے نہ خدا کا۔ اپنی عاقبت خراب کرو گے، خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ کیونکہ آسمانی اور زمینی تمام کائنات خدا ہی کی ہے۔ اس کو تمہاری عبادت اور اطاعت کی ضرورت نہیں۔ تمہاری نافرمانی اس کی وسیع سلطنت کو نقصان نہ پہنچا سکے گی بلکہ تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ خدا عالم و حکیم ہے۔ اس نے شریعت اور قرآن میں تمہارے فائدے کے لئے جو خوبیاں رکھی ہیں ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

مقصودِ بیان دینِ الٰہی کی صداقت کی شہادت خدا بھی دیتا ہے اور عالم قدس کی تمام کائنات بھی۔ جاہل انسان کی شہادت و عدم شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہر ذرّہ الٰہی کی تصدیق کائنات عالم کا ذرّہ ذرّہ کرتا ہے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کی نافرمانیاں اور خلاف انگیزیاں ان کو راہ حق پر نہیں آنے دیتیں۔ نیز رسول پاک کے برحق اور شریعت اسلامیہ کے منجانب اللہ ہونے کی صراحت کے ساتھ دعوت ایمان بھی دی گئی ہے اور واضح کیا ہے کہ کسی کے ایمان لانے سے خدا اور رسول کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ انسان کا خود فائدہ ہے۔ خدا کو کسی کی اطاعت سے نفع یا نافرمانی سے ضرر نہیں ہو سکتا۔ تمام کائنات عالم اسی کی مملوک مخلوق اور مسخر فرمان ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ

اے اہل کتاب اپنے دین کے معاملہ میں حد سے آگے نہ بڑھو اور اللہ کی نسبت حق بات ہے بس مسیح

عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ

عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے حکم تھے جو اللہ نے مریم کو عطا کیا تھا اور اللہ ہی کی طرف سے وہ

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ

روح تھے لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کے قائل نہ ہو اس قول سے باز آؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے بس اللہ ہی

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا

اکیلا معبود ہے وہ اولاد سے پاک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب

فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ؏

اُسی کا ہے اور اللہ ہی کام بنانے والا کافی ہے

تفسیر جب گزشتہ آیات میں یہودیوں کو ہدایت اور ترغیب آمیز ترہیب اور انذار آمیز بشارت دی جا چکی تو اب روئے سخن عیسائیوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہ جانتے تھے اور ہر طرح ان کی تکذیب اور توہین کرتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا کہتے ہیں اور یہ دونوں باتیں گمراہی کی تھیں کیونکہ جس طرح کسی بات میں افراط بڑی چیز ہے اسی طرح تفریط بھی قبیح بات ہے اور بہترین راستہ اعتدال کا ہے اس سے پہلے عقیدۂ تفریط کو منع کیا اب افراط کی ممانعت کرکے راہِ متوسط کی تعلیم دی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۔ اے عیسائیو! اپنے دین میں غلو اور تعصب نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھو اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہو یعنی خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو، نہ کسی کو اس کا بیٹا بنا کر دیوی۔ اس کے اوصاف کو ممکنات کے اوصاف پر قیاس نہ کرو۔ اس کو وحدہٗ لاشریک اور تمام عیوب سے پاک جانو۔ تمام عالم کو اس کی مخلوق سمجھو۔ مسیح کو خدا کا بیٹا اور مریم کو اس کی بیوی نہ جانو اور دھوکا نہ کھاؤ۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے اور خدا کے پیغمبر تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نہ تھے۔ یعنی مریم کے بیٹے تھے۔ ان کا کوئی باپ نہ تھا۔ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ خدا کے حکم سے وہ کلمۂ کُن سے پیدا ہوئے تھے۔ خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کو مریم کے پیٹ سے پیدا کر دیا تھا۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ بحکمِ الٰہی جاندار ہو گئے تھے۔ خدا نے اپنے حکم سے اُن کو روح عطا فرمائی تھی۔ اُن کی روح کی تخلیق کسی سبب کی محتاج نہ تھی۔ لہٰذا تم اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا یا زانی نہ کہو۔ حرامی نبی نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے رسول تھے مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس لئے خدا نہیں ہو سکتے اور نہ خدا کے بیٹے ہو سکتے ہیں۔ مریم انسان تھیں۔ خدا تمام عیوبِ مادیت سے پاک ہے پھر کس طرح مریم کا بیٹا خدا کا بیٹا یا خدا ہو سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ خدا کو ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک لہٗ اور تمام عیوب سے پاک سمجھو۔ رسولوں کو رسول جانو۔ کسی کی تکذیب نہ کرو اور رسالت سے آگے بڑھ کر کسی رسول کو خدائی میں شریک نہ جانو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں یا تینوں سے مرکب ہو کر ایک خدا ہوا ہے۔ بہرحال تثلیث کے قائل اور معتقد نہ ہو یہ شرک ہے اور خدا ذات و صفات میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ تم شرک سے باز آؤ اور توحید کے قائل ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ خدا اپنی ذات و صفات میں یگانہ اور لاشریک لہٗ ہے۔ پھر عیسیٰ کس طرح خدا ہو سکتے ہیں۔ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ وہ کسی کا والد بھی نہیں اس سے وہ پاک اور منزہ ہے۔ اس لئے عیسیٰ خدا کے بیٹے بھی نہیں ہو سکتے۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کائناتِ عالم اس کی مخلوق اور مملوک ہے مخلوق و مملوک اپنے خالق و مالک کے ساتھ کس طرح ذات و صفات میں شریک ہو سکتی ہے اور کیونکر اس کے مشابہ ہو سکتی ہے اور کس وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا خدا ہی سب کا کارساز کافی ہے اس کو مددگار کی ضرورت نہیں۔ پوری دلیل کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اولاد کے جھگڑے سے پاک ہے کیونکہ اولاد ہونے سے دو اغراض وابستہ ہوتی ہیں۔ ایک باپ کی ایک اولاد کی۔ باپ کو تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اولاد باپ کے کاروبار کی تکمیل میں مدد کرتی ہے۔ اولاد کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے مال و متاع کی حقدار ہوتی ہے اور خدا کے ہاں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، کیونکہ وہ اکیلا سب کے کام بناتا ہے اس کو مددگار کی ضرورت ہی نہیں، لہٰذا اس کی اولاد ہونا بے سود ہے اور وہ تنہا زمین و آسمان کا مالک بھی ہے۔ اس کی ملکیت کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا اس کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا۔

مقصودِ بیان غلو اور تعصب سے ممانعت، اظہارِ حق کی ہدایت، توحید و تنزیہ باری تعالیٰ کی صراحت، عیسیٰ کے خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کی مدلل تردید، عیسیٰ کے چند خصوصی اور امتیازی اوصاف کا بیان، وغیرہ۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

خدا کا بندہ ہونے سے نہ مسیح ہرگز عار کریں گے اور نہ مقرب فرشتے

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝

اور اللہ کی بندگی سے جو شخص عار اور تکبر کرے گا تو ایسے سب لوگوں کو عنقریب اللہ اپنے پاس سمیٹ کر جمع کریگا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ

پھر جو لوگ مومن اور نیکوکار ہوں گے اُن کو اُن کا پورا پورا ثواب ملے گا بلکہ اپنے فضل سے زیادہ

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

بھی دے گا اور جو لوگ عار و تکبر کرنے والے ہوں گے اُن کو دردناک سزا دے گا

اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا

دے گا اُن کو اپنے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ مددگار لوگو تمہارے

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝

پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل پہنچ چکی اور ہم نے تمہاری طرف جگمگاتا نور نازل کردیا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ

تو جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کو انہوں نے مضبوط پکڑ لیا ان کو عنقریب خدا اپنی رحمت میں

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

داخل کرے گا اور ان کو اپنے پاس آنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گا

تفسیر نجران کے عیسائیوں نے حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ محمد! آپ ہمارے مسیح پر عیب لگاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کیا بات ہے؟ عیسائیوں نے کہا وہ خدا کے ... بیٹے ہیں اور آپ ان کو خدا کا بندہ اور رسول بتاتے ہیں۔ اس سے ان کی کسر شان ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا خدا کا بندہ بننا تو کسی کے لئے بھی عار نہیں۔ کسی کو اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ اسی وقت حضور کی تائید میں یہ آیت لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ نازل ہوئی اور چونکہ بعض لوگ فرشتوں کی بھی پرستش کرتے تھے اور ان کو خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے اس لئے ان کے رد کے واسطے ملائکہ کا بھی تذکرہ کیا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ مسیح ہو یا مقرب فرشتے ہوں کسی کو خدا کا بندہ بننے اور اس کی عبادت کرنے سے ہرگز عار نہیں ہو سکتی ...

کلمہ سے پیدا ہوئے ہیں یعنی لفظ کُنْ سے۔ اگرچہ تمام مخلوقات کی پیدائش اسی لفظ کُنْ سے ہوئی ہے مگر بظاہر اور لوگوں میں کچھ اسباب کا لگاؤ رہا اور تعلق ہوتا ہے اور حضرت مسیحؑ کی پیدائش میں بظاہر اسباب کا لگاؤ نہ تھا اس لئے ان پر کلمہ کا اطلاق زیادہ موزوں ہوا۔ روح اللہ کا اطلاق صرف اعزاز کی وجہ سے ہوا چونکہ حضرت مسیحؑ کی ولادت نطفہ سے نہیں ہوئی تھی اس لئے ان پر اس لفظ کا اطلاق ہوا۔ جیسا کہ کعبۃ اللہ کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

وہ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تم کہہ دو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی آدمی لاولد مرجائے اور اس کی

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا

بہن موجود ہو تو بہن کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور وہ بھی اس بہن کا وارث ہوگا بشرطیکہ بہن لاولد

وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً

(مرے) اور اگر دو بہنیں موجود ہوں تو اُن کے ترکہ کا دو تہائی (مال) ملے گا اور اگر چند بھائی بہن موجود

رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ

ہوں کچھ مرد کچھ عورتیں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ملے گا اللہ کھول کر تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ ع

اللہ سب کو جانتا ہے

تفسیر سورۂ نساء کی ابتدا میں میراث کے کچھ احکام بیان کئے گئے تھے اب اختتام پر بھی کلالہ کی میراث کے متعلق ہی کچھ تفصیل بیان ہے تاکہ ابتدا اور انتہا باہم مربوط ہوجائے۔ بات یہ ہے کہ قرآن پاک نور ہے اور اس کی روشنی سے کچھ لوگ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور کچھ ویسے ہی انکار اور تردد کی تاریکیوں میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ پہلے فرقہ والے اس دنیا کو اپنے نسبی بھائیوں یعنی کافروں اور مشرکوں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں اور جو جنت اور میراث کافروں کے آخرت میں ہونا ممکن تھے اُن کے جاکر وارث ہوجاتے ہیں اور دوسرے فرقہ والے آخرت کے حصول کو ترک کرتے ہیں اور دنیوی مال و منال جو پہلے فرقہ نے چھوڑ دیا ہے اور جس سے وہ فرقہ دست بردار ہوگیا ہے اس پر قابض ہوجاتے ہیں۔ کافروں کی حالت کلالہ میت کے مشابہ ہوتی ہے۔ کلالہ اُس میت کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہیں نہ اولاد۔ اسی طرح کافروں کے عقائد (جو مثل باپ اور ماں کے ہیں) جن پر ان کی حقیقت کا دارومدار ہے صحیح اور زندہ نہیں ہوتے اور نہ اعمالِ صالح (جو مثل نتیجہ اولاد کے ہیں) زندہ ہوتے ہیں تو گویا کافر مثل کلالہ کے ہوگیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

يَسْتَفْتُونَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ۔ اس آیت میں کلالہ کی میراث کے چند احکام بیان کئے ہیں اور بلا قید بیان کئے ہیں لیکن از روئے احادیث مسائل اور احکام بعض قیود کے ساتھ مخصوص ہیں ہم ہر حکم کے ساتھ ساتھ قیود بھی بیان کریں گے۔

(۱) اگر میت کی اولاد (اور ماں باپ) نہ ہوں اور صرف ایک بہن حقیقی یا علاتی ہو تو بہن کو کل ترکہ کا نصف ملے گا۔ اگر میت کا کوئی عصبہ ہو گا تو باقی اس کو مل جائے گا۔ ورنہ لوٹ کر باقی نصف بھی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) اگر کوئی عورت کلالہ مر جائے اور صرف ایک بھائی حقیقی یا علاتی موجود ہو تو کل مال کا وارث ہو گا۔

(۳) اگر کوئی مرد کلالہ مر جائے اور دو حقیقی یا علاتی بہنیں موجود ہوں تو کل ترکہ کا دو تہائی دونوں بہنوں کو ملے گا اور بقیہ تہائی عصبہ نہ ہونے کی صورت میں، انہی بہنوں کو مل جائے گا۔

(۴) اگر کلالہ کے پس ماندگان میں چند بھائی بہن ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔

ہدایت خاص حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی بہن محروم ہیں اور حقیقی بہن کی موجودگی میں کبھی بالکل محروم ہوتے ہیں اور کبھی حصہ کم ہو جاتا ہے۔ اب ایک صورت باقی رہتی ہے کہ کلالہ میت کی دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو ان کا حصہ کیا ہے گا؟۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ دو بہنیں ہوں یا دو سے زیادہ سب ایک ہی حکم میں ہیں۔ بہرحال دو ثلث ملیں گے۔ کیونکہ ان آیات کا سبب نزول حضرت جابرؓ اور ان کی بہنیں تھیں اور ان کی بہنیں دو سے زیادہ تھیں اور حضرت جابرؓ کے نہ کوئی اولاد تھی نہ ماں باپ صرف بہنیں تھیں جو کئی تھیں۔

اب آگے خداوند تعالیٰ ان تمام احکام کو بیان کرنے کی علت بیان فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔ یعنی ہم نے یہ احکام و شرائع اس لئے بیان کئے یا خدا تعالیٰ اپنے احکام اس لئے بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو اور غلطی سے بچ جاؤ، کیونکہ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ خدا تعالیٰ ہر چیز سے اور ہر حکم سے اور ہر مصلحت سے بخوبی واقف ہے۔ احکام میراث کی مصلحت بھی جانتا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان کردہ احکام کو دل سے مانو اور ان کی تعمیل کرو۔

مقصودِ بیان میراث کلالہ کی تفصیل حالت۔ اس بات کی صراحت کہ کلالہ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو (لیکن اجماع سے ثابت ہے کہ کلالہ کے جس طرح اولاد نہیں ہوتی اسی طرح ماں باپ بھی نہیں ہوتے۔ گویا جس کے فروع و اصول نہ ہوں اس کو کلالہ کہتے ہیں۔ آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا ہے اور اس کی مصلحت سے خدا ہی خوب واقف ہے

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

اس سورۃ کا نام سورہ مائدہ اور سورہ منقذہ ہے اور مختلف روایات کے اعتبار سے ۱۲۲ یا ۱۲۳ یا ۱۲۰ آیات ہیں۔ بروایت قرطبی بالاجماع یہ سورت مدنی ہے۔ لیکن محمد بن کعب قرظی کے قول پر اس سورت کا نزول حجۃ الوداع کے سال مکہ اور مدینہ کے درمیان بحالت رفتار ہوا ہے۔ اسماء بنت یزید کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت اسماءؓ کی روایت ہے کہ میں حضور اقدس صلعم کی اونٹنی عضباء کی مہار پکڑے ہوئے تھی کہ یہ سورت پوری نازل ہوئی اور قریب تھا کہ وحی کے بوجھ سے اونٹنی کا بازو ٹوٹ جائے (رواہ احمد بسند صالح) امام عمر کی پیوی سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے (رواہ ابن مردویہ)۔

سورہ مائدہ کی آیات منسوخ ہونے کا بیان عمرو بن شرحبیل کا قول ہے کہ سورہ مائدہ کی آیات کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہوا۔ شعبی نے آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ۔ کو منسوخ قرار دیا ہے اور ابن عباسؓ نے آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ الخ کو بھی منسوخ کہا ہے۔ ضمرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس سے مرفوعاً روایت ہے اور حضرت عائشہ سے غیر مرفوع طور پر

مروی ہے کہ یہ سورت آخر میں نازل ہوئی لہٰذا تم اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔

اس سورت کے احکام

حضرت میسرہ کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں آیت وَالْمُنْخَنِقَةُ سے اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تک اٹھارہ حکم بیان فرمائے جو کسی اور سورت میں بیان نہیں فرمائے۔ بعض لوگوں نے انیسواں حکم بھی زائد کیا ہے جو آیت وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ الخ سے مستنبط ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۟ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا

ایمان والو! عہد پورے کرو سوائے ان چوپایوں کے جن کی حالت آگے سنائی جائیگی سب مویشی

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝

چوپائے تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے مگر احرام کی حالت میں شکار حلال نہ سمجھنا اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے

تفسیر

اہلِ جاہلیت نے اپنی خواہشات نفسانی سے حکم الٰہی کے خلاف اپنے اوپر اکثر چوپائے حرام کر رکھے تھے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۟ مسلمانوں عقود کو پورا کرو۔ عقود سے مراد عہد ہیں خواہ وہ بندے کے اور خدا کے درمیان ہوں یا ایک بندے کے دوسرے بندے کے ساتھ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کر دیا ہے اس کو حرام سمجھو اور جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو حلال جانو۔ جس چیز کا حکم دیا ہے اس کو کرو اور جس چیز کی ممانعت کی ہے اس سے باز رہو۔ تمام حدود قرآنیہ پر کاربند ہو جاؤ۔ غدر، دھوکہ، فریب کاری اور عہد شکنی نہ کرو۔ آپس کے معاہدات کی تکمیل کرو بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ عقود کی یہ تفسیر ابن عباس سے مروی ہے۔ قتادہ کے نزدیک وہ معاہدات مراد ہیں جو دورِ جاہلیت میں مسلمانوں نے قبل اسلام آپس میں کر لیے تھے اور قسمیں کھائی تھیں، لیکن اس میں بھی وہی شرط لگانی ہوگی کہ خلاف شرع نہ ہو۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ آیت اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ میں چھ قسم کے عہد مراد ہیں۔ عہدِ الٰہی، عقد حلف یعنی ایک دوسرے کی امداد وغیرہ کا معاہدہ، عقد شرکت یعنی تجارتی یا جائیدادی شرکت کا معاہدہ، عقد بیع، عقد نکاح، عہدِ قسم۔ غرض یہ کہ جو عہودِ الٰہی قرآن و حدیث میں مذکور ہیں وہ بھی آیت میں مراد ہیں اور جو عہد کہ شرع کے موافق ایک انسان دوسرے سے کر سکتا ہے۔ مثلاً امانت، تجارت، شرکت معاہدات ملکی و مالی وغیرہ وہ بھی مراد ہیں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم ایمان لا چکے اور اس عہدِ ازلی کی تکمیل کر چکے جو فطرتاً ہر انسان سے لیا گیا تھا تو اب حدودِ قرآنیہ پر بھی پابند ہو جاؤ اور خدا کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا بن جاؤ اور باہمی عہد و میثاق کا بھی احترام کرو خواہ وہ ملکی ہو یا مالی، شخصی ہو یا قومی مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے، جاہلیت کے زمانے کا ہو یا اسلام کے دور کا۔ بہر حال جو بات کہو اور جو ذمہ داری لو اس کو پورا کرو اور پھر ذیل کے احکام حلت و حرمت پر بھی کاربند ہو جاؤ۔

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ خدا تعالیٰ نے چوپایوں کا گوشت کھانا بعد ذبح کر دینے کے حلال کر دیا ہے اور چوپایوں کی دیگر چیزوں سے بھی انتفاع جائز کر دیا ہے، لیکن اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ آئندہ آیت (حرمت علیکم المیتۃ الخ) میں جن چیزوں کا گوشت کھانے کی ممانعت اور جن چیزوں سے انتفاع حاصل کرنے کی باز داشت ہے وہ اس حکم جواز سے مستثنیٰ ہیں ان کو حلال کرنے کے بعد بھی نہ کھاؤ۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ

اَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ دوسری شرط یہ بھی ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے کے قابل جانوروں کا گوشت وغیرہ شکار کرنے والے کے لئے ناجائز ہے اور حالت احرام میں کسی شکار کو شکار کرنا درست نہیں البتہ جو چوپائے قابل شکار نہیں اُن کا گوشت کسی وقت اور کسی کے لئے ناجائز نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۔ یعنی احکام کی حلت و حرمت کا خدا کو اختیار ہے جس چیز میں بندوں کی مصلحت اور فائدہ دیکھتا ہے اُس کی اجازت دیتا ہے۔ اُس پر یہ اعتراض عبث ہے کہ وہ جانوروں کے کھانے کی اجازت دے کر اپنے بندوں کو ظلم اور ذبح کرنے کی اجازت کیوں دیتا ہے یا بعض جانوروں کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیتا ہے اور حکم میں تفریق کیوں کرتا ہے کیونکہ مختار مطلق ہے۔

مقصودِ بیان فطری اور ازلی میثاق اور باہمی ملکی، مالی اور اصلاحی معاملات کے ایفاء کا حکم باستثناء بعض تمام چوپایوں کے کھانے کی اجازت حرم کے اندر یا حالت احرام شکار کرنے کی ممانعت اور شکاری کو ایسا شکار کھانے سے باز داشت۔ خدا تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے کی صراحت وغیرہ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ

مسلمانو! اللہ کی نشانیوں کی اور حرمت والے مہینہ کی بے توقیری نہ کرو اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی

وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل و خوشنودی کے طلب میں کعبہ کے ارادہ سے

رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ

جارہے ہیں اور جب تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کرلو۔

تفسیر ایک شخص مسلم بن ہند بکری قافلہ میں کچھ تجارتی غلہ اور کھانے پینے کا سامان لے کر مدینہ آیا۔ سامان فروخت کرلینے کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی، جب مسلمان ہوکر واپس جانے لگا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاجر آیا اور غادر واعد شکن گیا۔ چنانچہ چند روز بعد جب مسلمہ یمامہ کو پہنچا تو مرتد ہوگیا پھر ماہ ذیقعدہ میں کچھ تجارتی سامان لے کر قافلہ کے ساتھ مکہ کو چلا تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے راستہ میں اُس سے تعرض کرنے کا ارادہ کیا اس کی ممانعت میں آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی۔

شعائر سے مراد بقول ابن عباسؓ مناسک حج اور بقول ابن کثیر محارم دین اور بقول مجاہد صفا مروہ ہدی اور بدنہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں ممنوعات دین کو حلال نہ سمجھو یا مناسک حج کو ادا کرو اور جو شخص مناسک حج ادا کرنا چاہتا ہے اس کو نہ روکو۔ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ماہہائے حرام (رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم میں قتال و فساد کو حلال سمجھو یعنی ان مہینوں میں خون ریزی نہ کرو (ابن عباس، مقاتل، عبدالکریم بن مالک جزری) وَ لَا الْهَدْیَ اور نہ بیت الحرام کو قربانی کے جانور بھیجنا ترک کرو (ابن کثیر) یا یہ مطلب کہ اُن جانوروں کو نہ روکو کہ جو قربانی کرنے کے لئے حرم کو لے جائے جارہے ہوں۔ وَ لَا الْقَلَآئِدَ اور نہ قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹہ باندھنے کو ترک کرو۔ (ابن کثیر) یا یہ مطلب کہ جن جانوروں کے گلے میں پٹہ بندھا ہو اُن کو نہ لوٹو اور نہ روکو۔ وَ لَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ۔ اور نہ اُن لوگوں سے تعرض کرو جو بیت اللہ کا ارادہ کرکے گئے ہوں تاکہ تجارت کے ذریعہ سے وہاں رزق پیدا کریں اور حج کرکے اپنے گمان کے مطابق رضائے الٰہی کے طلبگار ہوں (سیوطی بروایت مجاہد و ابو العالیہ)

پوری آیت کا حاصل مطلب یہ نکلا کہ اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ اگر کافر بھی کعبہ میں نذر لائیں تو نہ لوٹو اور نہ ماہہائے حرام میں اُن کو مارو اور نہ کعبہ کے آنے والوں کو ستاؤ اور نہ کافروں کو مسجد حرام میں آنے سے روکو۔ اس آیت کے دو حکم بعد کو منسوخ ہو گئے۔ ایک توحج یا عمرہ کے لیے کافروں کو بیت اللہ میں جانے کی اجازت دوسرے ماہہائے حرام میں قتال کی ممانعت۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا یعنی اوپر کی آیت میں جو حرم کے اندر شکار کرنے کی ممانعت ہے وہ حرم کے اندر احرام کی حالت میں ہے۔ اگر تم لوگ احرام سے نکل آؤ، ورحج عمرہ پورا کر لو تو شکار کر سکتے ہو یعنی جس طرح بغیر احرام شکار کرنا جائز تھا اب بھی جائز ہو گیا۔

مقصودِ بیان — خدا تعالیٰ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی کرنے کی ممانعت، نذر الٰہی سے تعرض نہ کرنے کا حکم خواہ کافر نذر پیش کرے یا مسلم۔ بیت اللہ کے جانے والوں کو نہ روکنے کی ہدایت اور اُن کے مال کو نہ لوٹنے کا حکم۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ حاجی کے لیے مکہ میں تجارت کرنی اور رزق کمانا ممنوع نہیں۔ احرام سے خارج ہونے کے بعد شکار کرنے کی اباحت وغیرہ۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ

اور کسی قوم کی دشمنی اس بنا پر کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس پر زیادتی کرنے لگو

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا

ہاں نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ اور زیادتی میں باہم مددگار نہ بنو اور اللہ سے

الربع

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ڈرتے رہو اللہ کی سزا سخت ہے

تفسیر — ۶ھ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابہ کے عمرہ کرنے کے لیے مکہ کو جانا چاہا جب مقام حدیبیہ پر پہنچے تو وہاں قریش ہوئے مشرکین مکہ نے جنگ کی تیاری کر دی اور کعبہ کا طواف کرنے سے مانع گئے اور علی الاعلان کہہ دیا کہ ہم آپ کو مکہ کے اندر داخل نہ ہونے دیں گے نہ عمرہ کرنے دیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! میں لڑنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر تم اجازت دو گے تو عمرہ کروں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔ بالآخر جب مشرکین بالکل آمادۂ جنگ نظر آئے تو حضورؐ نے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا اور ایک عہدنامہ ہو گیا۔ حضور اقدسؐ صحابہ کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے، مگر صحابہ بھی عرب کے شیر دل بہادر تھے۔ اگرچہ اسلامی تعلیم نے اُن کی حالت بہت کچھ بدل دی تھی اور صلح و امن رافت و چشم پوشی کی تعلیم دی تھی اور کامل طور پر رواداری سکھا دی تھی مگر پھر بھی کفار کی یہ زیادتی اور سرکشی اُن کو سخت ناگوار معلوم ہوئی اور دو سال کے بعد جب مسلمانوں کو قوت اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تو انھوں نے بھی ۸ھ میں کافروں سے انتقام لینا چاہا اور حج کو جانے والے مشرکوں کو روکنے اور لوٹنے کا ارادہ کر لیا اُس وقت آیت لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا نازل ہوئی۔ (زید بن اسلم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مشرکوں نے جو تم پر زیادتی کی تھی اور بلا وجہ عمرہ کرنے سے روک دیا تھا تم اس بات سے دلوں میں بغض اور عداوت رکھ کر اُن پر زیادتی کر کے اور معاہدے کی خلاف ورزی کر کے مجرم نہ بنو۔ انتقام کا خیال چھوڑ دو۔ اُس قوم کے بغض کی وجہ سے جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تم عدالت سے باہر قدم نہ رکھو۔ بُری بات کے عوض میں برائی نہ کرو بلکہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ہر نیکی اور پرہیزگاری کی بات میں ایک دوسرے کی شرکت کرو جس کار خیر کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور جس کار بد سے تم کو منع کیا گیا ہے اس کی بالاتفاق تعمیل کرو۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا

عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور گناہ کے کاموں میں اور حدود الٰہی کے مخالف امور میں باہم مدد نہ کرو نہ کسی کی شرکت کرو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ بِر ہر وہ چیز ہے جس کا تم کو حکم دیا گیا ہو۔ ابن عطیہ کے نزدیک یہ ہر واجب اور مستحب نیکی کو شامل ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اثم سے مراد کفر اور عدوان سے مراد ظلم ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اثم سے مراد گناہ ہے یعنی ہر وہ فعل جو شرعاً ممنوع ہو اور عدوان سے مراد ظلم ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اثم سے مراد گناہ ہے یعنی ہر وہ فعل جو شرعاً ممنوع ہو اور عدوان سے مراد حد شرعی سے تجاوز ہے۔ حضرت وابصہؓ سے مروی حضورؐ نے فرمایا بِر وہ ہے جس پر دل کو اطمینان ہو جائے اور اثم وہ ہے جو دل میں کھٹکتا رہے اور جس سے سینے میں (جواز و عدم جواز کا) تردد رہے۔ اگرچہ لوگ (اس کے جواز کا) فتویٰ دے دیں (رواہ البخاری فی تاریخہ واحمد وعبد بن حمید) نواس بن سمعان کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا بِر خوش خلقی ہے اور اثم وہ ہے جس سے دل میں کھٹکا رہے اور جس پر لوگوں کا مطلع ہونا اچھا نہ معلوم ہو (رواہ البخاری فی الادب واحمد ومسلم ابن ابی طیبۃ والترمذی والبیہقی) حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی شرکت کرو اور بدی وظلم پر کسی کی امداد نہ کرو۔

چونکہ باہم معاونت بغیر آپس کی خیرخواہی کے ممکن نہیں ہے، اس لئے بدلالۃ النص باہم اتفاق رکھنا اور ایک دوسرے کی خیرخواہی بھی کرنی ضروری ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ خدا سے ڈرتے رہو اپنے اور بیگانے کے معاملے میں نفع اور نقصان کی صورت میں جنگ اور صلح میں جلوت وخلوت میں تقویٰ اور خداترسی کو پیش نظر رکھو تاکہ کسی پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ خدا کا عذاب بہت سخت ہے اس کی مخالفت کی سزا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

مقصود بیان ایثار و رواداری صلح وامن رافت اور درگذر کی تعلیم باہم اتفاق واتحاد رکھنے اور ایک دوسرے کی خیرخواہی کرنے کی ہدایت۔ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم امداد کرنے کا حکم۔ خواہ امداد جانی ہو یا مالی۔ یعنی جہاد دستی یا زبانی۔ کفر وظلم گناہ و کسی زیادتی اور خلاف شرع کام میں باہم موالات کرنے کی ممانعت۔ آیت میں لطیف اشارات اس طرف بھی ہیں کہ معاہدے کی خلاف ورزی تعلیم اسلامی کے خلاف ہے۔ خواہ معاہدہ اپنے واسطے مفید ہو یا مضر۔ غیر قوموں کے ساتھ رواداری سے کام لیا جائے۔ مال کے لالچ میں اور انتقام کے جذبے سے مجبور ہو کر کسی کو نیکی سے روکنا اور کسی کے جان و مال کے درپے ہونا شریعت کے حکم کے مخالف ہے۔ مفاد دینی کے ہر کام میں اتفاق باہمی کو پیش نظر رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ نفسانی جذبات خواہ ان میں دین کی ہی آمیزش ہو واجب الترک ہیں۔ وغیرہ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ

حرام ... خون سور کا گوشت اور جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا

الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا

جانور اور چوٹ سے مرا ہوا جانور اور گر کر مرا ہوا جانور اور سینگ لگ کر مرا ہوا جانور اور جس کو درندہ نے کھا لیا ہو باستثناء اس

ذَكَّيْتُمْ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ

جانور کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جانور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور پانسے ڈال کر باہم تقسیم کرنا تمہارے لئے حرام کر دیا گیا یہ سب

فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

گناہ ہے آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

آج میں نے تمہارا مذہب کامل کردیا اور تم پر اپنا احسان پورا کردیا اور تمہارا دین بننے کے لئے اسلام کو پسند

دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

کرلیا ہاں جو شخص بھوک سے مجبور ہوجائے مگر گناہ کی طرف اُس کا میلان نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر پہلی آیت اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ میں کچھ حرام چیزوں کے بیان کی طرف اجمالی اشارہ تھا اور یہ بتادیا گیا تھا کہ سوا اُن چیزوں کے جن کا ذکر آگے آتا ہے اور تمام چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اب اس آیت میں اُن ہی حرام چیزوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ ۫ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

اس آیت میں گیارہ قسم کی حرام چیزوں کا بیان ہے ۔ (۱) مُردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) جس جانور پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو (۵) جو جانور گلا گھونٹنے سے مرجائے (۶) جو جانور لاٹھی یا پتھر وغیرہ مارنے سے مرجائے (۷) جو جانور اونچے سے گر کر یا پانی میں ڈوب کر مرجائے (۸) جو جانور سینگ لگنے سے مرجائے (۹) وہ جانور جس کو کسی درندے نے پھاڑ کر کھایا ہو (۱۰) وہ جانور جس کو بتوں پر چڑھایا گیا ہو (۱۱) تیروں سے (یعنی پانسہ وغیرہ سے) فال لینا۔ ہم تفصیل وار ہر ایک کو ذیل میں ذرا بسط سے بیان کرتے ہیں :۔

(۱) مردار یعنی وہ جانور جو بغیر ذبح کئے مرا ہو اور شرعی طور پر اس کو شکار بھی نہ کیا گیا ہو۔ (ابن کثیر) اس حرمت میں ہر مردار جانور داخل ہے خواہ چرند ہو یا پرند۔ خشکی کا ہو یا دریا کا۔

(۲) خون یعنی بہتا ہوا خون۔ عرب کا دستور تھا کہ خون کو جما کر بھون کر کھاتے تھے۔ آیت میں اس کی بھی ممانعت کردی گئی، لیکن حکم اول سے مردار ٹڈی اور مچھلی اور حکم دوم سے کلیجی اور تلی مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے ۔ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہمارے واسطے دو مردار جانور اور دو خون حلال رکھے گئے ہیں۔ مُردہ جانور تو ٹڈی اور مچھلی ہیں اور خون سے مراد تلی اور کلیجی ہے (رواہ الشافعی واحمد وابن ماجہ والدار قطنی والبیہقی) ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے سمندر اور دریا کا حکم دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا: اُس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردار یا مُردہ مچھلی حلال ہے (رواہ مالک والشافعی واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان وابن خزیمۃ) عکرمہ کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے تلی کا حکم دریافت کیا گیا۔ فرمایا اس کو کھاؤ۔ عرض کیا گیا وہ تو خون ہے فرمایا حرام تو خون جاری ہے (رواہ ابن ابی حاتم)

(۳) سور کا گوشت یعنی کل سور سر سے پاؤں تک نجس اور حرام ہے۔ چربی، ہڈی، خون، گوشت، کھال اور بال سب ایک ہی حکم میں ہیں۔ مردار وغیرہ کی چربی کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ (صحیحین)

(۴) غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا اور ذبح کیا ہوا جانور۔ مفسرین نے بالاتفاق اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا گیا ہو جیسے اس زمانے میں سانڈ چھوٹے پھرتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ اگرچہ اُن کو خدا کا نام لے کر ذبح کرلیا جائے۔

(۵) گلا گھونٹا ہوا جانور خواہ کسی آدمی نے اس کی گردن مروڑ دی ہو یا خود بخود اُس کے گلے میں پھندا پڑ کر دم گھٹ جائے۔

(۶) چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگ لاٹھی وغیرہ سے مار کر کھا لیا کرتے تھے۔ یہاں اس کی ممانعت کر دی گئی یعنی جو جانور بغیر آلۂ دھار دار کے کسی پتھر یا لاٹھی وغیرہ کی ضرب سے مرا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ غلّہ اور گولی کا شکار بغیر ذبح کئے حرام ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر بسم اللہ کہہ کر بندوق چلائی اور گولی سے کوئی جانور مر گیا اور ذبح نہ ہو سکا تو حلال ہے۔ بندوق کا حکم تیر اور شکاری کتے کی طرح ہے جس طرح تیر کو یا شکاری کتے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑنے کے بعد شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح بندوق وغیرہ کی گولی اگر بسم اللہ کہہ کر چھوڑی جائے اور جانور مر جائے تو مردار نہ ہوگا۔

(۷) اوپر سے نیچے گر کر مر جانے والا جانور خواہ پہاڑ سے گر کر مرے (ابن عباس) یا کنویں میں گر کر مر جائے (قتادہ)

(۸) وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو اور ذبح نہ کیا گیا ہو یہ بھی مردار ہے۔

(۹) وہ جانور جس کو کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو اور بغیر ذبح کئے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے۔ ان مؤخر الذکر چاروں قسم کے جانور ذبح کر لئے جائیں تو حلال ہیں۔ لیکن ناخن اور دانت سے اگر حلقوم وغیرہ قطع کر دیا جائے تو وہ ذبیحہ نہ ہوگا۔ کسی دھار دار چیز سے ذبح ہونا چاہیئے۔ خواہ تلوار، چھری، چاقو ہو یا دھار دار پتھر یا دھار دار کھپاچ وغیرہ۔

(۱۰) بتوں پر بھینٹ چڑھائے ہوئے جانور۔ جاہلیت کے زمانے میں عرب کا دستور بھی تھا اور اس زمانے میں بھی ہندوؤں میں رواج ہے کہ بتوں پر یا ان گھڑت پتھروں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ ایسے جانوروں کا گوشت وغیرہ بھی حرام ہے اور یہ فعل بھی قطعاً حرام ہے۔ غرض جن مقامات پر لوگ متبرک سمجھ کر اللہ کے سوا دوسروں کی نذر نیاز چڑھاتے ہیں۔ جیسے دیوی اور دیوتاؤں کے تھان یا طاق یا مٹی کا ڈھیر یا درخت یا قبر وغیرہ۔ ان سب مقامات پر چڑھایا ہوا ذبیحہ حرام ہے۔

(۱۱) فال کے یا جوئے کے تیروں سے تقسیم کرنا۔ عرب کے لوگوں نے پانسوں کی جگہ تیر بنا رکھے تھے اور ان سے طرح طرح جُوا کھیلتے تھے۔ مثلاً دس آدمیوں نے مل کر اونٹ ذبح کیا تو اس کی تقسیم ان تیروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ کسی تیر پر آدھا، کسی پر چوتھائی، کسی پر چھٹا حصہ اور کسی پر ساتواں حصہ وغیرہ لکھا ہوتا تھا اور کوئی تیر خالی ہوتا تھا۔ پھر پانسہ پڑتا تھا نشانی کے تیر والے کو اس کے موافق حصہ ملتا تھا۔ جس کے پاس خالی نشانی کا تیر آ جاتا تھا اُس کا کچھ حصہ نہ ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ تیروں سے فال لیتے تھے۔ کعبہ کے اندر تیروں کا گٹھہ رکھا ہوا تھا۔ کسی تیر پر حکم اور کسی پر ممانعت کے لفظ لکھے ہوتے تھے۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ کعبہ کے دربان کے پاس جاتا۔ کعبہ کا متولی اندر سے تیر نکال کر لاتا اور بغیر دیکھے گٹھے میں سے ایک تیر نکال لیتا اگر حکم والا تیر نکلتا تو وہ شخص اپنے کام پر چلا جاتا اور ممانعت کا تیر نکلتا تو وہ کام نہ کرتا۔ کبھی اس قسم کے تیر آدمی کے پاس خود بھی ہوتے تھے اور مذکورہ طریقے سے فال لی جاتی تھی۔ ان سب باتوں کی ممانعت قرآن میں آ گئی۔

مذکورہ بالا گیارہ احکام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں خدا کی نافرمانی کی ہیں۔ ان سب سے اجتناب لازم ہے۔ ابن کثیر کے نزدیک فسق سے کفر مراد ہے یعنی یہ تمام باتیں کفر کی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے تیروں اور پانسوں کے فال لینے کے لئے استخارہ کا طریقہ بیان فرمایا ہے اور اس کی مفصل دعا ارشاد فرمائی ہے جو بخاری اور ترمذی میں موجود ہے ہم بخوف طوالت یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس سے البتہ اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ استخارہ شرعاً جائز بلکہ مسنون ہے۔

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ۔ جب مذکورۂ بالا تمام نظری اور عملی مباحث کا بیان ہو چکا اور اصلاح عقائد و اعمال کی تفصیل ہو گئی تو ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے کافروں کو تمہاری طرف سے کچھ اُمید لگی ہوئی تھی کہ شاید تم دین اسلام کو چھوڑ کر پھر اُن کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن اب انہوں نے تمہارے دین کی قوت دیکھ لی تو وہ اس دین کے مٹنے سے بالکل مایوس ہو گئے اور ان کو قطعاً تمہارے مرتد ہونے کی اُمید نہیں رہی۔ (ابن عباس) لہٰذا فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ۔ اب تم اُن سے نہ ڈرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ مجھ سے خوف کرو اور میرے احکام کی تعمیل کرو۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کیوں کہ ابتداء میں بوجہ وحرمت کے کچھ احکام بعض مصالح کی وجہ سے بیان نہیں کئے تھے اور شریعت کو مکمل نہیں کیا گیا تھا وہ بات ختم ہوگئی اب میں نے تمہارے دین کی پوری تکمیل کردی۔ آئندہ تمہارے دین میں کسی اصلاحی قانون نے بڑھنے اور ضابطۂ ہدایت کے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اور میں نے اپنے انعام کو تم پر تمام کردیا۔ خداوند تعالیٰ کے انعامات بندوں پر بے شمار ہیں، لیکن ضابطہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انعام کی دو ہی قسمیں ہیں جسمانی اور روحانی۔ چنانچہ ہر ہوش مند دماغ رکھنے والا اور نورِ علم سے روشن قلب رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ مسلمانوں کو دونوں نعمتوں میں کمال حاصل ہوگیا۔ جسمانی اور دنیوی نعمتوں کی تکمیل کا ثبوت تو یہ ظاہر ہے کہ دنیا کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہوگیا اور اب تک چند پرجلال حکومتیں اہلِ اسلام کی دنیا میں قائم ہیں اور روحانی نعمت اسلام سے بڑھ کر اور کون ہوسکتی ہے؟ جس نے زنگ سے آلود دلوں کے زنگ صاف کئے۔ تاریک رُوحوں کو روشن کیا۔ مُردہ دلوں میں زندگی پیدا کی اور ایسے ضوابط و قوانین بنائے جو انسان کی دائمی نجات کے حصول کے لئے مشعلِ راہ بلکہ آفتابِ ہدایت تاب ہیں اور جن کی نظیر موجودہ مذاہب میں نہ پایا جانا تو یک طرف۔ ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ:- وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ میں نے تمہارے واسطے دینِ اسلام کو پسند کر لیا اس کے سوا کوئی دین اور کوئی ملت قابلِ قبول نہیں۔ اس سے سرتابی کرنے والے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا ارتکاب کرتے ہیں لہٰذا تم کو اس کے تمام نظری اور عملی احکام کی پابندی کرنی لازم ہے۔ ہاں اگر مجبور ہوجائے اور احکامِ شریعت پر عمل کرنا اُس کی طاقت سے خارج ہے تو وہ معذور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ جو شخص بھوک کی وجہ سے بےقرار اور مجبور ہوجائے تو اس کے واسطے مکروہ بالا محرمات کا کھا لینا بقدرِ حیات جائز ہے بشرطیکہ گناہ کی طرف جھک نہ پڑے اور بقاء حیات کی ضرورت سے زائد پیٹ بھرنے کے لئے نہ کھائے فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تو خدا غفور رحیم ہے وہ اپنے رحم و کرم سے اس معذوری و مجبوری سے درگزر فرمائے گا۔

آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ - حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ حضورِ والا اُس وقت عضباء نامی اُونٹنی پر سوار خطبہ پڑھ رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت سُنی تو رونے اور سمجھ گئے کہ رسولؐ کی بعثت صرف تکمیلِ دین اور تعلیمِ عبادات کے لئے تھی۔ جب یہ غرض پوری ہوگئی اور ضوابطِ ہدایت کے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اب یقیناً حضور کی پردہ پوشی قریب ہے۔ یہ خیال صدیقِ اکبرؓ کا درست تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی روز اس عالمِ فانی میں رہے۔ اس آیت کا نزول اخیری نہیں ہے کیوں کہ وفات سے نو روز قبل وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ الخ نازل ہوئی۔ البتہ حلت و حرمت کے احکام اور فرائضِ دینی کی تعلیم مذکورہ آیت کے نزول کے بعد ختم ہوگئی۔ اس بنا پر اس کو اخیری آیت کہہ سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان سوائے مچھلی اور ٹڈی کے ہر مُردار حرام ہے۔ سوا رتی اور کلیجی کے ہر خون حرام ہے۔ سور کا بال بال حرام اور نجس ہے۔ غیر اللہ کے نام کسی جانور کو چھوڑنا اور اس کا کھانا حرام ہے۔ گلا گھونٹ کر مرا ہوا جانور، چوٹ کھا کر مرا جانور، کنویں میں، تالاب میں یا دریا میں گر کر مرا ہوا یا کسی بلندی سے گر کر مرا ہوا جانور حرام ہے۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مردہ جانور حرام ہے۔ غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا اور اس کا کھانا حرام ہے۔ قبروں کے چڑھاوے اس حکم میں ہیں۔ پانسوں سے یا کسی اور غیر شرعی طریقہ سے فال لینا ناجائز ہے۔ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کی صراحت اور اس بات کی توضیح کہ اسلام ہی مقبول مذہب ہے اس کے علاوہ ہر مذہب ناقابلِ قبول ہے۔ بحالتِ مجبوری حرام چیز کا کھا لینا بقدرِ سدِّ رمق جائز ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

(اے نبی) تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کیا ہمارے لئے حلال ہے تم کہہ دو کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے دوڑانے کے لئے

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

سدھار رکھا ہو　کہ اُن کو خداداد تعلیم دیتے ہو تو (ان کے شکار میں سے)　اس جانور کو کھا سکتے ہو جن کو وہ تمہارے لئے　پکڑ رکھیں مگر اس پر

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

بسم اللہ کہہ لیا کرو　اور خدا سے ڈرتے رہو　اللہ جلد　حساب لینے　والا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت حضرت سعید بن جبیر کی ہے کہ عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ نے مردار کو حرام کر دیا ہے پھر ہمارے لئے کون سا (شکار) حلال ہے؟ اس پر آیت یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ نازل ہوئی (ابن کثیر) دوسری روایت اکثر راویوں کی ہے کہ ایک بار حضرت جبرئیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مکان کے اندر آنے کی اجازت چاہی لیکن باوجود اجازت مل جانے کے پھر بھی حضرت جبرئیل کے اندر آنے میں تاخیر ہوئی حضورؐ تھوڑی دیر انتظار کر کے خود باہر تشریف لے آئے اور سبب تاخیر دریافت کیا۔ جبرئیل نے کہا یا رسول اللہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہوتا ہے ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوتے۔ تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ گوشہ میں کتے کا ایک بچہ موجود ہے۔ حضورؐ نے اس کو باہر نکلوا دیا اور ابو رافع کو حکم دیا کہ مدینے میں جتنے کتے ہوں سب کو قتل کر دو۔ جب الحکم ابو رافع نے مدینے کے سب کتوں کو مار کر عوالی میں نکال دیا۔ اس پر عاصم بن عدی، سعد بن خیثمہ اور عویمر بن ساعدہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو کتوں سے شکار کرتے ہیں اور ہمارے سدھائے ہوئے شکاری کتے نیل گائے اور ہرن کو بھی شکار کر لیتے ہیں۔ اب حضور نے کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا ہے اور درندہ کے پکڑے ہوئے مُردار جانور کے مردار ہونے کا بھی حکم ہو چکا ہے۔ اس سے ہم کو شبہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کتوں کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے یا حرام؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور سدھائے ہوئے شکاری کتے کے شکار کو حلال قرار دے دیا گیا اور شکاری کتے کے رکھنے کی بھی اجازت ہو گئی۔ اُس وقت حضورؐ نے قتل کلاب کی بھی ممانعت فرما دی۔ درحقیقت اس قسم کے سوالات کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ دورِ جاہلیت میں عرب کے بہت سے باشندے بعض چیزوں کو ستھری اور پاک خیال کرتے تھے، لیکن اپنے رواجی یا مذہبی رسوم کی پابندی کی وجہ سے اُن کو کھانا حرام جانتے تھے۔ اب جب اسلام میں اشیاء کی حلت و حرمت کو ظاہر کیا گیا تو اُن کو بھی شبہ ہوا کہ خدا جانے جن چیزوں کو ہم حرام جانتے ہیں وہ بھی حرام ہیں یا نہیں۔ اسی خیال کے ماتحت حضورؐ سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کھانے کی چیزوں میں سے ہمارے لئے کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ جتنی پاکیزہ چیزیں ہیں اور جن کو عقل سلیم پاکیزہ سمجھتی ہو یا جن کو شریعت نے پاکیزہ کہا ہے وہ سب حلال ہیں۔ مقاتل کا قول ہے طیبٰت سے مراد رزق حلال ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ذبیحہ مراد ہے۔ بہتر وہی تفسیر ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ ابن کثیر نے دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کیا ہے کہ جس چیز کی کراہت تحریمی کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت نہ ہو وہ طیب ہے وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ یعنی کھانے پینے کی نہ صرف یہی پاک چیزیں حلال ہیں بلکہ اُن شکاری جانوروں کے شکار بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم نے سدھایا ہو اور جو علم تم کو خدا نے عطا کیا ہے اسی کے موافق تم نے ان کو بھی سکھا دیا ہو اور وہ سدھ گئے ہوں فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ لہٰذا تم اُن کا شکار کھا سکتے ہو۔ مگر دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ شکار کر کے مالک کے لئے چھوڑ رکھے گویا اُس میں آدمی کی خو آ گئی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لی ہو۔

آیت کی یہ تفسیر ائمہ اربعہ، ابن عباس، حنفیہ، طاؤس، مجاہد، مکحول، امام زین العابدین، یحییٰ بن ابی کثیر، حسن بصری اور جمہور صحابہ و تابعین کے

نزدیک ہے، لیکن ضحاک، سدی اور ابن عمر کہتے ہیں کہ آیت میں مراد صرف کتے کا شکار ہے۔ دیگر جانوروں کا شکار بغیر ذبح کئے درست نہیں۔

قتادہ، نخعی اور ابن راہویہ نے کالے کتے کے شکار کو حلت سے مستثنیٰ کر لیا ہے۔ کالے کتے کا شکار درست نہیں کیوں کہ حسب فرمان نبوی کالا کتا شیطان ہے، لیکن جمہور کے نزدیک کوئی کتا ہو اگر مذکورہ بالا دو شرطیں پائی جائیں تو اس کا شکار حلال ہے۔

ایک بات یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اکثر صحابہ ائمہ اور تابعین کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کرنے کے بعد رُک جاتے شکار کردہ کو رکھے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ اگر شکار میں سے اُس نے کھا لیا تو اس کو مت کھاؤ۔ کیوں کہ خوف ہے اُس نے اپنے لئے پکڑا ہو (بخاری و مسلم) لیکن سلمان فارسی و سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ عبداللہ بن عمر عطا (اور ایک روایت میں) حضرت علی اور ابن عباس اور حسن بصری کا قول ہے کہ کتا شکار میں سے کھائے یا نہ کھائے اُس کا کھانا حلال ہے۔ زہری ربیعہ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ یعنی مذکورہ بالا حدود سے تجاوز نہ کرنا خود اپنی گردن پر مواخذہ اور حساب نہ لو کیوں کہ خداتعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے وہ ہر چیز کا حساب لے گا۔

مقصود بیان جو چیزیں پاکیزہ ہیں اور عقل سلیم ان کو پاکیزہ سمجھتی ہے اور شریعت میں اُن کی حرمت کی صراحت نہیں ہے تو وہ پاک ہیں۔ اُن کا کھانا حلال ہے۔ شکاری کتا پالنا اُس سے شکار کھیلنا اُس کے شکار کو بغیر ذبح کئے کھانا جائز ہے بشرطیکہ بسم اللہ کہہ کر اس کو شکار پر چھوڑا ہو اور اسی نے شکار کیا ہو دوسرا کتا اُس کے ساتھ شکار کرنے میں شریک نہ ہوا ہو اور اس نے شکار کرنے کے بعد رُک رکھا ہو خود اس میں سے نہ کھایا ہو شکاری کتے کی بیع جائز ہے اُس کی قیمت حلال ہے۔ ہر شکاری جانور کا پالنا جائز ہے اور شکاری جانور سے شکار کرانا درست ہے اور اس کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے جو چیزیں رسول پاکؐ نے حرام کر دی ہیں وہ پاکیزہ اور ستھری نہیں ہیں بھیڑیا، شیر تمام درندے باز، شکرا، گدھ، مردار خوار، کوا، خچر، گدھا، سانپ، بچھو اور زمین کے تمام کیڑے مکوڑے رسول خدا نے چونکہ حرام کر دیے اس لئے ناپاک اور حرام ہیں اور طیبات سے خارج ہیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ

اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے اور مسلمان پاکدامن عورتیں اور اُس قوم کی پاکدامن عورتیں

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

جس کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ اُن کا مہر تم اُن کو دے دو اور قصد نکاح

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ

میں لے آؤ نہ کہ محض کو تا بدکاری کرنے والے ہو نہ چوری چھپے آشنا بنانے والے اور جو شخص ایمان کو نہ مانے گا اس کا سب

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

کیا کرایا اکارت ہو جاوے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا

تفسیر

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ یہ جملہ پہلی آیت اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ کی تاکید بھی ہے اور آئندہ کلام کی تمہید بھی ہے یعنی آئندہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی اجازت دی گئی ہے جس سے ممکن ہے کوئی وہم کرنے لگے کہ اہل کتاب کا ہر قسم کا ذبیحہ جائز ہے۔ خواہ وہ کسی طرح ذبح کریں۔ جھٹکے سے یا گردن مروڑ کر یا کسی اور طریقے سے۔ اس وہم کا ازالہ بیان کر دیا گیا کہ ہر قسم کا ذبیحہ اہل کتاب کا جائز نہیں بلکہ صرف طیبات اور طرق پاکیزہ ذبیحے حلال ہیں۔ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۔ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔ طعام سے مراد ذبیحہ اور اہل کتاب سے مراد صرف یہودی اور عیسائی ہیں (ابن عباس مجاہد مکحول ابو امامہ سعید بن جبیر عکرمہ عطاء حسن نخعی سدی سے منقول) کما ابن اور فتح البیان وغیرہ تفسیروں کے مؤلفوں نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک یہودی عورت کا بھیجا ہوا بکری کا گوشت کھایا تھا جس میں زہر ملا ہوا تھا لیکن باتفاق جمہور جو اہل کتاب ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیتے ہوں یا ذبح نہ کرتے ہوں کسی اور طریقے سے مارتے ہوں۔ مثلاً گردن مروڑ کر یا کسی اور صورت سے تو اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر اقوام عالم کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔ ہندو ہوں یا پارسی یا سکھ یا اور کسی مذہب والے۔ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یعنی جس طرح اُن کا ذبیحہ اور کھانا تمہارے لئے حلال ہے اسی طرح تم اپنے ہاتھ کا ذبیحہ بھی اُن کو کھلا سکتے ہو۔ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ اس سے رواداری اور اسلام کی وسیع المشربی کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس طرح طعام کا تبادلہ طرفین سے صحیح ہے اسی طرح عورتوں کے نکاح کا سلسلہ دونوں طرف سے صحیح ہوگا۔ تمہاری عورتوں کا نکاح بھی اہل کتاب سے جائز ہو جائے گا یہ نہیں ہو سکتا بلکہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ مسلمان پاک دامن عورتیں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ تمہاری عورتیں اُن کے لئے حلال نہیں ہیں۔ مسلمان اور کتابی عورت کے حلت کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ تم نے اُن سے نکاح کر لیا ہو خواہ مہر ادا کیا ہو یا نہ ادا کیا ہو، مگر ادا کرنے کی نیت ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ نکاح شرعی ہو کہ تم کھلا جیسے آدمیوں کے سامنے نہایت عفت و عزت اور اظہار پاک دامنی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ علی الاعلان زناکاری نہ ہو نہ متعہ ہو نہ اور کوئی کھلا ہوا ناجائز تعلق ہو۔ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ یہ تیسری شرط ہے یعنی چھپ کر یارانہ بھی نہ گانٹھ لیا ہو۔ خفیہ ناجائز تعلقات قائم نہ کر لئے گئے ہوں۔ مگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو اسلامی اور کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اب اگر کوئی شخص (عورتوں کے لالچ میں آکر یا کسی اور وجہ سے) مرتد ہو جائے گا اور اسلامی احکام و شرائط کی تکذیب کرے گا تو اس کا سب کیا کرایا ملیامیٹ ہو جائے گا اُس کو کچھ ثواب نہ ملے گا اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اسی حالت میں مر گیا تو آخرت میں تباہ حال اور دیوالیہ رہے گا۔

مقصود بیان

اہل کتاب ہوں یا دیگر اہل مذاہب ذبیحہ کے علاوہ اور قسم کا کھانا تو ہر ایک کا جائز ہے مگر اہل کتاب کے ہاتھ کا پاک ذبیحہ بھی جائز ہے۔ آیت میں مذکورۂ ذیل امور کا لطیف مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اسلامی رواداری، وسیع المشربی، دیگر اقوام سے میل جول باہم لین دین کھانا پینا وغیرہ۔ کتابی عورتوں سے جو مشرک نہ ہوں نکاح جائز ہے۔ باہم تعلقات قائم کر کے نکاح کر لینے کی ممانعت ہے۔ یعنی نکاح کے علاوہ نہ علی الاعلان تعلق زنا رکھا جائے نہ خفیہ یارانہ گانٹھا جائے۔ عورت جب تک پاک دامن نہ ہو یا توبہ کر کے پاکدامنی کا عہد نہ کر لے اس سے نکاح جائز نہیں۔ مسلمان عورت کا کسی دوسرے مذہب والے سے نکاح جائز نہیں۔ وغیرہ۔

جب اوپر کی آیات میں حلت و حرمت کے احکام اور کچھ سوشل ضوابط کا بیان ہو چکا تو اب کچھ عبادات اور مبادی عبادت کا بیان ضروری معلوم ہوا۔ اس لئے ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضو، غسل اور تیمم کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ

مسلمانو! جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے چہروں کو اور کہنیوں

إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا

سمیت ہاتھوں کو اور ٹخنوں سمیت پاؤں کو دھوؤ اور سروں پر مسح کرلو اور اگر تم کو جنابت ہو تو

فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ

غسل کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو

أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا

یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو یعنی اپنے

بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ

چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ

پاک صاف رکھنا اور اپنا احسان تم پر پورا کرنا چاہتا ہے شاید تم احسان مانو اور یاد کرو اللہ کا وہ احسان جو تم پر ہوچکا اور اُس کا وہ

الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

قول وقرار جو تم سے وہ لے چکا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا لہٰذا خدا سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر ارشاد ہوتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ مسلمانو جب تم نماز کو کھڑے ہونے کا ارادہ کرو اور وضو نہ ہو تو وضو کرلو جس کی صورت یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ چہروں کو دھوڈالو یعنی جس کو عرف میں چہرہ کہتے ہیں اس کو دھوڈالو اس میں سے کوئی حصہ خشک نہ رہنا چاہیے۔ خواہ ایک مرتبہ دھوؤ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ اور ہاتھوں کو مع کہنیوں کے دھوؤ۔ کہنیوں سے اوپر کی حد مقرر نہیں۔ ہاں کہنیاں دھونی ضروری ہیں۔ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ اور سروں پر مسح کرو۔ عرف عام میں جس کو سر پر مسح کرنا کہہ سکتے ہیں۔ اتنا کرو خواہ پورے سر کا یا آدھے سر کا یا چوتھائی سر کا۔ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ اور مع ٹخنوں کے دونوں پاؤں دھوؤ۔ بس وضو ہوگیا۔ یہی فرائض وضو ہیں۔ وضو کی پوری تفصیل اور فقہی اختلافات اور وجوہ و دلائل کتب فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔ آیت کا جتنا تفسیری مطلب ہوسکتا تھا ہم نے بیان کردیا اور مسلک حنفیہ کا لحاظ رکھا ہے۔ اب آگے غسل کا حکم دیا جاتا ہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا اور اگر جنابت کی حالت ہو اور عام شرعی ناپاکی ہو تو بدن کو خوب پاک کرلو اور پورا غسل کرلو۔ یعنی کلی بھی کرو اور ناک میں پانی بھی ڈالو۔ کوئی حصہ خشک نہ رہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ یا مسافر ہو اور دوران سفر میں ہو أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو اور اُس کا وضو نہ ہو أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو یعنی وہ فعل کیا ہو جس کو عرف میں قربت جنسی کہہ سکتے ہیں۔ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں تلاش کے بعد بھی پانی نہ ملے یا یہ خیال ہو کہ تلاش کے بعد بھی نہ ملے گا اور نماز کا وقت نکل جائے گا تو ہر چہار صورتوں میں تم پر لازم ہے کہ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا پاک مٹی سے تیمم کرلو جس کی صورت یہ ہے کہ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ

اَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ (مٹی پر پہلی ضرب مار کر پورے چہروں کا مسح کرلو اور دوسری ضرب مٹی پر لگا کر ہاتھوں کا کہنیوں سمیت) مسح کرو۔ اس ترکیب سے بدرجۂ مجبوری طہارت شرعی ہو جائے گی اور تیمم کا یہ حکم خدائی عنایت ہے۔ کیونکہ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ ۔ خدا تعالیٰ دین اسلام میں تم پر کسی قسم کی تنگی رکھنا نہیں چاہتا اُس کو وضو و غسل کا حکم دے کر تم کو تنگ کرنا مقصود نہیں ہے۔ وَلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ تم جسمانی اور روحانی کثافتوں سے پاک صاف ہو جاؤ، اسی لئے اُس نے تیمم کی اجازت دے دی تاکہ تم تیمم کرکے نماز ادا کرلو ناغہ نہ کرو اور جسمانی و روحانی کثافتیں دور ہو جائیں۔ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ خدا تعالیٰ کا مقصود یہ بھی ہے کہ بندوں کی روحانی اور جسمانی دینی اور دنیوی اصلاح کے جو قواعد و ضوابط ہو سکتے ہیں اُن کو کامل طور پر بیان کردے اور پوری پوری اصلاحی نعمتوں سے تم کو سرفراز کرے۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ امید ہے اُن ضوابط پر پابندی کرکے فلاح روحانی اور نجاح جسمانی حاصل کرو گے اور خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قواعد پر عمل کرکے اُس کا شکریہ ادا کرو گے کہ اُس نے وہ قواعد تمہارے واسطے مقرر کئے جو تمہاری اصلاح کے لئے ضروری تھے۔ وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ احکام بیان کرنے کے بعد یہ بھی ضروری تھا کہ ایسی بات ظاہر کی جائے جس سے ان احکام پر عمل پیرا ہونے شوق اور تعمیل امر پر ثابت قدمی حاصل ہو۔ یہاں سے اسی بات کا بیان مقصود ہے۔ جو چیز انسان کو کسی کے احکام ماننے کی جانب راغب کرتی ہے اُس کی دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں ایک تو اس حکم دینے والے کی نعمتوں اور عنایتوں کی یاد کیونکہ نعمتوں کی کثرت سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور نعمت کو نعمت نہیں سمجھتا بلکہ معمولی چیز تصور کرنے لگتا ہے اور اگر وہ واقعی نعمت سمجھتا بھی ہے، لیکن اگر اس کو بھول یا اُس کی طرف سے غافل ہو جائے تو اس کی نظر میں وہ نعمت نعمت نہیں رہتی اور وہ نعمت میسر نہ آئے یا ملی ہوئی نعمت جاتی رہے تو اس وقت اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور انسان اس کی قدر کرتا ہے آنکھ نہ ہو تو قدر آتی ہے۔ دوسری بات جو آدمی کو کسی کے احکام کی تعمیل کی طرف راغب کرتی ہے وہ قول و قرار اور عہد و میثاق ہے۔ جب آدمی دوسرے سے قول قرار کرکے بھول جاتا ہے تو پھر اُس کے احکام کی چنداں پرواہ نہیں کرتا، لیکن اگر اس کو اپنا پورا عہد یاد ہو جائے گا اور یاد دہانی کرا دی جائے کہ تم نے یہ قول کیا تھا تو اس کو اپنا عہد یاد آجاتا ہے اور احکام کی تعمیل پر اُس کی طبیعت رغبت کرنے لگتی ہے۔ پہلی قسم کا اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ میرے انعامات کو یاد کرو میں نے تم کو کتنی نعمتیں عطا کیں۔ جسمانی اور روحانی، ظاہری اور باطنی احسانات سے سرفراز کیا۔ لہٰذا میرے احکام کی تعمیل کرو۔ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یہ دوسری قسم کا بیان ہے یعنی اُس عہد کو بھی یاد کرو جو خدا نے تم سے لیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ ہم نے حکم الٰہی سن لیا اور ہم بسر و چشم تعمیل کریں گے۔ اس آیت میں جس میثاق کی یاددہانی کی گئی ہے اُس سے مراد بروایت کلبی و مقاتل و مجاہد وہ عہد ہے جو روز ازل میں خدا تعالیٰ نے بندوں سے لیا تھا گویا اس میں یہود کی مذمت کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے میثاق ازل کو فراموش کر دیا۔ تم فراموش نہ کرو۔ بعض کے نزدیک بیعت رضوان مراد ہے۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے جان و مال کی قربانی کا عہد لیا تھا اور انھوں نے عہد کیا تھا ہم احکام الٰہی کی تعمیل میں تن من دھن قربان کر دیں گے۔ بندہ کے نزدیک میثاق فطری اور معاہدۂ عقل مراد ہے ہماری فطرت اور عقل بتاتی ہے کہ جب خدا نے ہم پر انعام و احسان کیا تو ہم اس کے شکریہ میں اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ متوسط الذکر مطلب پر لفظ سمعنا و اطعنا قرینہ ہے اور یہی بہتر ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ یعنی جو معاہدہ خدا نے تم سے لیا تھا اس کو یاد کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ ظاہری کرو نہ باطنی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قلبی امور سے بھی واقف ہے اُس سے کوئی پوشیدہ چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

مقصود بیان بحالت حدث وضو کرنے کی ہدایت وضو کے فرائض اربعہ کا بیان۔ جنابت کے وقت غسل کامل کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ خدا تعالیٰ پاکی کو پسند کرتا ہے۔ جسمانی پاکی ہو یا روحانی، ظاہری ہو یا باطنی بہر صورت پاکی بہتر ہے۔ اسلامی احکام کی وسعت کا اظہار۔ قوانین اسلام کے مکمل ہونے کی توضیح، مجبوری کی حالت میں تیمم کی اجازت، تیمم کی ترکیب، احکام کی طرف ترہیب آمیز مدلل ترغیب اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ ہر انسان کا فطرتاً اور عقلاً فرض ہے کہ احکام الٰہی کی تعمیل کرے اور قانون فطرت یعنی ضابطۂ الٰہی پر کاربند رہے اور خدا تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کا عملی شکریہ ادا کرے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

مسلمانو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو

شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ

ناانصافی کرنے پر آمادہ نہ کرے انصاف کرو انصاف پرہیزگاری سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○

بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ جب گزشتہ آیات میں میثاق کی یاد دہانی کرا دی گئی اور شکر گزاری کا حکم دیا جا چکا تو اب تکلیف عبادت کا بیان کیا جاتا ہے جس پر ہر انسان فطرتاً، عقلاً اور سماعتاً مکلف ہے۔ اس تکلیف عبادت کی دو قسمیں ہیں، امر الٰہی کی عظمت کا اظہار اور مخلوق خدا پر رحمت و شفقت۔ پہلی قسم کی طرف قَوَّامِينَ لِلَّهِ میں اور دوسری قسم کی طرف شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ میں اشارہ ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! توحید الٰہی کو دنیا میں پھیلانے اور خدا کا بول بالا کرنے اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لئے تمام لوگوں کے واسطے معلم صادق اور مجسمۂ عمل بن جاؤ اور اصلاح عالم کے قولاً اور فعلاً ذمہ دار بن جاؤ اور اپنے پرائے یگانہ و بیگانہ کا لحاظ ترک کر کے دوستوں اور اجنبیوں کے لئے بھی شاہد عدل بن جاؤ۔ خواہ تمہارا نقصان ہو یا فائدہ عدالت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا۔ اگر کوئی قوم تم سے دشمنی کرے تو تم اس کی دشمنی کی وجہ سے انتقام میں عدالت و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر مجرم بن جاؤ اور جا و بیجا بغیر لحاظ انصاف کے اس سے انتقام لینے کو تیار ہو جاؤ بلکہ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ عدل کرو کیونکہ عدل ہی پرہیزگاری سے قریب ترین رکھنے والا ہے۔ عدل حق الٰہی ہے خواہ حکم ہو یا شہادت سب میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ اور خدا سے ڈرنا اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز رکھنا تم پر لازم ہے۔

آیت وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ سے اخیر تک بعض لوگوں کے نزدیک خیبر کے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے حضور والا کو شہید کرنے کی تدبیریں کی تھیں، لیکن جب خیبر مسلمانوں نے فتح کر لیا اور یہودیوں پر تسلط ہو گیا تو فطرتاً انتقامی کارروائی کرنے کا مسلمانوں کو خیال ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور تنبیہ کر دی گئی کہ حقانیت و عدالت سے تجاوز نہ کرو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ آیت قریش کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ قریش نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں، لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش زیر ہو گئے تو مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ ان سے خلاف عدل کوئی برتاؤ نہ کرنا۔ بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو حکم عام ہے۔

مقصود بیان اشاعت توحید، اعلاء کلمۃ اللہ، اعلان صداقت اور تعلیم مکارم اخلاق کا حکم، عدالت و انصاف پر کاربند رہنے کی ہدایت، دشمن دوست اور یگانہ و بیگانہ کے معاملے میں عدل سے تجاوز نہ کرنے کا خصوصی حکم، تمدن عالم کے بقاء کے مخفی راز (عدالت) کی طرف لطیف اشارہ وغیرہ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں اُن سے خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن کے لیئے مغفرت اور اجر عظیم ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہ دوزخی ہیں

تفسیر یہ گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے اور اس میں تعمیل احکام کی رغبت اور نافرمانی سے خوف دلایا گیا ہے یعنی جو شخص اصلاح عقائد و اعمال کرے گا اُس کی عملی فروگذاشتیں خدا تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اس کو حیات ابدی عطا فرمائے گا۔ اپنا دیدار نصیب کرے گا اور جو احکام الٰہی کو نہ مانے گا اور حق و صداقت کی تکذیب کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

مقصودِ بیان۔ اصلاح عقائد و اعمال کی ترغیب اور نافرمانی و کفر سے ترہیب۔ مسلمانوں کو جنت کی بشارت کافروں کو دوزخ کی وعید۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

مسلمانو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دراز دستی کرنی چاہی

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

تھی تو اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تمہاری طرف سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو ایمانداروں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں چند روایات ہیں ہم ذیل میں مختصر طور پر بیان کرتے ہیں: (۱) اس آیت میں صلح حدیبیہ کا حال مذکور ہے۔ سنہ ۶ھ میں جب حضور والا نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور مقام حدیبیہ پر جا کر فروکش ہو گئے اور قریش نے عمرہ نہ کرنے دیا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا تو حضور نے واپسی کا ارادہ کیا، لیکن تقریباً اسی اوباشوں نے کوہ تنعیم کی طرف سے اتر کر مسلمانوں پر چھاپہ مارنا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس قدر مخبوط الحواس کر دیا کہ ایک ایک مسلمان دس بارہ بارہ کافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر لے آیا اور مقید کر کے لا کر بٹھا دیا۔ لیکن حضور اقدس نے رحم کھا کر سب کو چھوڑ دیا۔

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صلوٰۃ خوف والا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کو ہم آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرو بن امیہ ضمری نے قبیلۂ اسلم کے دو آدمیوں کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر ڈالا تھا چونکہ بنو قریظہ کے یہودیوں سے مسلمانوں کا جنگ، صلح اور دیت کی شرکت کے متعلق معاہدہ تھا، اس لیئے حضور اقدس کا جب مقتولین کی دیت دینے کا ارادہ ہوا تو آپ خلفائے اربعہ اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کو ہمراہ لے کر یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے تاکہ یہودی بھی حسب معاہدہ دیت میں شرکت کریں۔ اُن خبیثوں نے خفیہ طور پر آپ کے اوپر پتھر گرا کر قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرئیل نے آپ کو خبردار کر دیا اور آپ فوراً وہاں سے مدینہ لوٹ آئے۔ اس آیت میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت میں اُس قصہ کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ کسی سفر سے واپسی میں حضور والا ایک پڑاؤ

پر اُترے۔ ساتھ کے آدمی ادھر اُدھر درختوں کے سائے میں چلے گئے اور حضور والا بھی ایک درخت سے ہتھیار لٹکا کر تنہا سو گئے۔ ایک اعرابی آیا اور حضور کی تلوار نیام سے کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ حضور بھی بیدار ہو گئے۔ اعرابی بولا محمد! اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ حضور نے فرمایا اللہ۔ یہ سنتے ہی اعرابی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی۔ حضور نے اٹھا کر فرمایا اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اعرابی نے خوشامد کی اور مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ کو شان نزول قرار دینا مناسب نہیں۔ ایسے واقعات اور معجزات بیسوں مرتبہ ہوئے ان میں سے ہر ایک کی طرف آیت میں اشارہ ہو سکتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ یعنی مسلمانو! خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے ان کی دست درازی کو روک دیا لہٰذا تم اس کے احسان کو یاد کرو اور اس سے ڈرتے رہو کسی قوم سے خوف نہ کرو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیئے اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اُسی کے قبضہ میں سب چیز ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے خود کسی کے فعل میں کوئی تاثیر نہیں لہٰذا جو کچھ اس کا ارشاد ہو اس کی بخوشی اطاعت ضروری ہے اور میثاق الٰہی کی پابندی لازم ہے کیونکہ جن لوگوں نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا وہ خوار ہوئے۔ ذیل میں ایسی ہی سرکشوں کا بیان ہے۔ آئندہ آیات کا مطلب سمجھنے سے قبل ایک تاریخی واقعہ جان لینا ضروری ہے تاکہ آیات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

جب موسیٰ اور بنی اسرائیل مصر سے نکل کر سرگرداں اور پریشان پھرتے ہوئے دشت فاران میں پہنچے تو وہاں موسیٰ نے بحکم الٰہی بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے بارہ جاسوس بنا کر کنعان کی سرزمین میں بھیجے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس سرزمین کے فتح ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ جب یہ لوگ مقام حبرون علاقہ شام میں پہنچے تو دیکھا ملک نہایت سرسبز و شاداب ہے اور وہاں کے باشندے نہایت تن آور اور قوی الجثہ ہیں۔ ان سرداروں نے باہم معاہدہ کر لیا کہ بنی اسرائیل سے ان لوگوں کی قد آوری اور قوت کی حالت بیان کرنی مناسب نہیں۔ وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے اور ہرگز اس ملک پر چڑھائی نہ کریں گے۔ صرف حضرت موسیٰؑ سے جا کر کہدیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ سے جا کر کیفیت کہدی اور موسیٰؑ نے بھی اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کر دی اور سب نے عہد کر لیا، لیکن دس آدمیوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بنی اسرائیل کو جبروں والوں کی قوت سے خوب ڈرایا۔ صرف حضرت یوشع اور کالب معاہدہ پر قائم رہے۔ ایک عہد خدا نے اُن سے یہ بھی لیا تھا کہ کنعان کی سرزمین میں جا کر میرے احکام پر عمل کرنا، مگر دو نقیبوں کے علاوہ سب ہی نے اس کی بھی خلاف ورزی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا اور وادی تیہ میں چالیس برس حیران و پریشان پھرتے رہے۔ وہیں سب دشمنوں کی تلواروں سے اور مختلف بیماریوں سے جہنم رسید ہو گئے۔ پھر حضرت یوشعؑ کے دور نبوت میں جب بنی اسرائیل کو ملک کنعان پر فتح حاصل ہوئی تو انھوں نے وہاں بت پرستی اور فسق و فجور شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف بادشاہوں کی جفاؤں کے تختۂ مشق بنتے رہے اور ذلت و رسوائی میں ہمیشہ کے لئے مبتلا ہوئے۔

اب ہم ذیل آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَ

اولاد یعقوب سے اللہ قول و قرار لے چکا ہے اور اُنہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر کئے تھے اور

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم پابندی سے نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اور اُن کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہے تو میں تمہارے گناہ ساقط کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے گھنے باغوں میں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

داخل کروں گا جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی پھر اس کے بعد بھی اگر کسی نے تم میں سے نہ مانا تو وہ بلاشبہ سیدھے

السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

راستے سے بھٹک گیا بالآخر انہی لوگوں کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دل سخت کردیئے کہ وہ الفاظ کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى

اُن کے محل سے بدلنے لگے اور اُس نصیحت کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جو اُن کو کی گئی تھی (اے نبی) باستثناء چند آدمیوں کے تم

خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اُن سب کی کسی نہ کسی خیانت پر ضرور مطلع ہوتے رہو گے مگر ان کو معاف کرو اور درگزر کرو اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تفسیر ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا یعنی ہم نے یہودیوں سے اشاعت دین کی تعمیل، احکام شریعت اور جہاد کا عہد لیا تھا اور انہی میں بارہ آدمیوں کو سردار بنا کر (ملک کنعان کی تبلیغ دین اور خبرگیری کے لئے) بھیجا تھا۔ جن کے نام یہ ہیں :۔ سموع بن زکور، صفت بن حوری، کالب بن یفنہ، اجال بن یوسف، یوشع بن نون، فلطی بن رفو، جدی ایل بن سودی، عمی ایل بن جملی، ستور بن میکائیل، نحبی بن وفسی، جوایل بن ماکی جدی بن موسی۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ اور خدا نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری مدد کروں گا۔ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ مجھے اپنی ذات کی قسم اگر تم لوگ باقاعدہ پابندی سے نماز پڑھو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان رکھو گے، اُن کی تکذیب نہ کرو گے اور اُن کی عزت توقیر اور امداد کرتے رہو گے اُن کی طرف سے دشمنوں کی مدافعت رکھو گے۔ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور خدا کو قرض حسن دو گے۔ یعنی اس کی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کرو گے اور تن من دھن اُس کی راہ میں قربان کرو گے۔ لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ تو میں تمہارے گناہ ساقط کردوں گا اور خطاؤں کو معاف کردوں گا۔ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور آدم وہ عیش فزا جنتوں میں تم کو داخل کردوں گا لیکن فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ جو شخص اس میثاق کے بعد کفر کرے گا اور عہد سے پھر جائے گا وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہ ہوگا۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ مگر چونکہ بنی اسرائیل اور ان کے اکثر نقیبوں نے عہد کو توڑا اور میثاق کی خلاف ورزی کی بت پرستی، فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے اور اہل کنعان کی تن آوری کی خبر تمام قوم میں مشہور کردی۔ لَعَنّٰهُمْ تو اس پاداش میں ہم نے بھی اُن کو اپنی رحمت کے دائرہ سے خارج کر دیا اور ان پر پھٹکار برسائی۔ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا جو ایمان کو مان لینے کیلئے نرم نہیں ہو سکتے۔ اس سنگدلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ تورات کے الفاظ میں رد و بدل کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو بشارات تورات میں مذکور ہیں۔ اور آپ کا جو حلیہ اس میں موجود تھا اُن کو بدل ڈالا اور بعض احکام کو بھی تورات سے نکال دیا۔ مثلاً آیت

رحم کو بدل ڈالا۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ اور تورات میں جو اُن کو نصیحت کی گئی تھی اُس کا بڑا حصہ انھوں نے چھوڑ دیا گویا اس کو بھول گئے یعنی تورات میں محمدؐ کے اتباع کا حکم تھا مگر یہودیوں نے اُس حصہ کو ترک کر دیا حالانکہ وہ نصیحت کا ایک عظیم الشان حصہ تھا۔ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ یعنی کچھ اُن کی بدبختی اس پر آکر ختم نہیں ہو گئی بلکہ ان کی ازلی شقاوت کے آثار اب تک باقی ہیں۔ آپ برابر ان کی خیانت کاریوں پر مطلع ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ مگر بعض لوگ اس حکم سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ وہ شقاوت پسند اور خیانت کار نہیں (مثلاً عبداللہ بن سلام اور وہ مسلمان جو پہلے یہودی تھے) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آپ ان سے حلم پوشی اور درگزر کیجئے ان کو معاف کر دیجئے۔ خدا تعالیٰ احسان اور بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ انھوں نے اگرچہ آپ کے اور مسلمانوں کے ساتھ برائی کی اور برائی کرتے ہیں مگر آپ برائی کے عوض بھلائی کیجئے اور ان سے مواخذہ نہ کیجئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُن یہودیوں کے متعلق حکم تھا جو اہلِ معاہدہ تھے۔ قتادہ کہتے ہیں یہ عام یہودیوں کے متعلق حکم تھا، مگر آیت سیف منسوخ ہو گیا۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ حکم تالیف قلوب کے لئے دیا گیا تھا۔

مقصودِ بیان حقانیت و صداقت کا بالآخر غلبہ ہوتا ہے۔ اہلِ حق اخیر میں غالب ہوتے ہیں۔ خدا اُن کی غیب سے مدد کرتا ہے۔ آیت میں صراحتاً تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو خدا ہی پر توکل کرنا چاہیئے۔ طاغوتی قوتوں سے ہرگز خوف نہ کھانا چاہیئے۔ میثاقِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہیئے ورنہ دنیا میں ذلت و خواری اور آخرت میں جہنم نصیب ہوگا۔ اگر انسان فرائض الٰہی کو ادا کرتا رہے اور قانونِ الٰہی کے موافق اصلاح عقائد و اعمال کرے تو امدادِ الٰہی بھی اس کے شاملِ حال رہتی ہے اور خدا اس کی مدد کرتا ہے جو شخص میثاقِ خداوندی کے خلاف اور عہدِ ازلی سے انحراف کرتا ہے وہ خدا کی لعنت میں گرفتار اور دنیا و دین میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ انسان جب خود اپنے لئے کفر کو پسند کرتا ہے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اتنا زنگ آلود ہو جاتا ہے کہ پھر علم و معرفت کی صفائی کرنے سے اس میں فوراً ایمان نہیں چمک سکتا۔ وغیرہ۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا

جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے اُن سے قول و قرار لیا تھا مگر وہ اُس نصیحت کا ایک بڑا حصہ بھول گئے جو اُن کو کی

بِهٖ ۖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ

گئی تھی لہٰذا ہم نے بھی اُن کے آپس میں قیامت کے دن تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور آخر کار

يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

اُن کی حرکات کی اللہ اُن کو خبر دے گا

تفسیر جب اوپر کی آیت میں ملعون یہودیوں کی سرکشیاں اور عہد شکنیاں اور ان کی سزا کا بیان ہو چکا اور تفصیل سے بیان کر دیا گیا کہ یہودی باوجودیکہ اہلِ کتاب تھے، لیکن میثاقِ الٰہی کو شکست کرنے سے بہت زیادہ ذلیل و خوار رہے۔ تو مدعیان عیسائیت کی حالت بیان کی جاتی ہے کیونکہ یہ بھی اہلِ کتاب تھے اور میثاقِ الٰہی کی مخالفت کر کے وبال میں ماخوذ ہوئے تھے۔ ان دونوں فرقوں کی حالت بیان کرنے سے اہلِ اسلام کو متنبہ کرنا مقصود ہے اور یہ بات دکھانی مقصود ہے کہ اگر تم بھی عہدِ الٰہی کی مخالفت کرو گے اور نصیحت خداوندی کو پس پشت ڈال دو گے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ وہ لوگ جو مدعیانِ عیسائیت تھے۔ اگرچہ واقع میں عیسائی نہ تھے مگر اپنی زبان سے عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا کہ اگر مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے احکام کی تعمیل کرنا اور ستمبر جو فارقلیط (احمد) آئے گا اس کی تصدیق کرنا اور اس کی مدد کرنا فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ انہیں میں جو نصیحت اُن کو کی گئی تھی اس کے بڑے حصہ کو انہوں نے ترک کر دیا۔ جب فارقلیط پیدا ہوا تو اس کی تکذیب کی اور بجائے امداد کرنے کے مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ہم نے ہمیشہ کے لئے ان میں آپس میں مذہبی پھوٹ ڈال دی جس سے ہر فرقہ دوسرے فرقے سے عداوت و کینہ رکھنے لگا۔ یہ تو دنیا میں سزا دی گئی اور آخرت میں وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ، خدا تعالیٰ اُن کے اقوال و حرکات کی ان کو اطلاع دے گا اور ان کے کرتوت ظاہر کرکے سزا دے گا۔

مقصودِ بیان

آیت میں اس امر کا اجمالی بیان ہے کہ عیسائیوں کو حضرت عیسیٰؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور ان سے عہد لے لیا تھا کہ میرے بعد آنے والے نبی کی تصدیق و امداد کرنا۔ اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ جو لوگ تعلیم الٰہی پر کاربند نہیں ہوتے اور قانونِ فطرت پر نہیں چلتے اُن میں خداوند تعالیٰ پھوٹ ڈال دیتا ہے اور وہ مذہبی تفرقوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر یہ تفرقہ اور کفر کی متفرقات قیامت تک بند نہیں ہوتیں۔ ان آیات میں مسلمانوں کے لئے ایک درسِ عبرت ہے کہ میثاقِ الٰہی کو شکست کرنے اور فرمانِ نبوی کی خلاف ورزی کرنے سے مسلمانوں میں پھوٹ، نفاق اور تفرقے پیدا ہو جائیں گے اور شیرازۂ ملت چند ہو کر اخوت اسلامی پارہ پارہ ہو جائے گی۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس پہنچ گیا جو کتاب کی بہت سی وہ باتیں تم سے بیان کرتا ہے جن کو تم چھپایا کرتے تھے

الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ

اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے اللہ کی طرف سے بلاشبہ تمہارے پاس روشنی اور روشن کتاب آ پہنچی جس کے

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

ذریعے سے اللہ اُن لوگوں کو نجات کے راستوں پر لے آتا ہے جو اُس کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں اور اپنے حکم سے اُن کو تاریکیوں سے نکال کر

اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ

نور کی طرف لے آتا ہے اور اُن کو سیدھے راستہ پر چلاتا ہے بلاشک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ

اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ

مسیح ابن مریم اللہ ہے تم کہہ دو کہ اگر مسیح ابن مریم کو اور اُس کی ماں کو اور زمین کے تمام لوگوں کو اللہ

يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

ہلاک کر دینا چاہے تو اُس کے آگے کس کا زور چل سکتا ہے جو کچھ آسمانوں میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان ہے اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تفسیر ایک بار چند یہودی سنگساری کے حکم کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور نے دریافت فرمایا تم سب میں معتبر عالم کون ہے؟ یہودیوں نے باتفاق رائے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا۔ حضور نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر توریت کو نازل فرمایا تھا۔ سچ بتاؤ کیا تمہاری کتاب میں زنا کے جرم کی سزا سنگساری نہیں ہے؟ ابن صوریا نے جواب دیا محمد! اب تم نے قسم دلائی اور قسم بھی سخت دلائی اس لئے واقعی معاملہ ظاہر کرنا پڑا۔ بے شک ہمارے مذہب میں بھی اہل اسلام کی طرح سنگسار ہے، لیکن جب ہم میں زنا کی کثرت ہوئی اور خیال ہوا کہ اگر ہم روزانہ سنگسار کرتے جائیں گے تو ایک دن ہماری جماعت بہت گھٹ جائے گی، اس لئے ہم نے رجم کے حکم کو خود بدل دیا۔ اب اگر کوئی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو ہم اس کے سو کوڑے مارتے اور سر منڈوا کر منہ کالا کر کے شہر میں تشہیر کرتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس شانِ نزول کی بنا پر آیت میں صرف یہودیوں کو خطاب ہوگا لیکن اکثر اہلِ تفسیر کا اتفاق ہے کہ خطاب تمام اہلِ کتاب کو عام ہے۔ یہودی ہوں یا عیسائی سب اس دعوت میں شریک ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:- یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ اے یہود و نصاریٰ تم بہت سی باتیں اپنے مذہب کی چھپایا کرتے تھے۔ محمدؐ کے صفات اخلاق حلیہ نبوت اور رجم کی طرح بعض دیگر احکام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ اب ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا جو تمہاری اکثر تحریفات کی قلعی کھول کر رکھتا ہے اور تمہارے بہت سے مخفی کردہ امور کو ظاہر کرتا ہے۔ ہاں بہت سے وہ احکام جن کی اصلاح کی ضرورت نہیں ان سے درگزر اور چشم پوشی کرتا ہے۔ تم پہلے تاریکی اور گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے تھے۔ امور ہدایت کو چھپایا کرتے تھے اور ذلالت انگیز تحریفات کو پھیلایا کرتے تھے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ اب خدا کی طرف سے تمہاری تاریکِ باطنی دور کر لے کے لئے نورِ مجسم آگیا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ روشن کتاب بھی آگئی جو حق کو باطل سے دینِ فطرت کو دینِ محرف سے جدا کر دینے والی ہے۔ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ اب جو شخص خدا تعالیٰ کی مرضی کا خواستگار ہوگا اور خوشنودیٔ مولیٰ کا راستہ طلب کرے گا خدا تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے اس کو سلامتی اور نجات کے راستے بتا دے گا اور منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا اور کتابِ مبین۔ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ بحکمِ الٰہی اس کو تاریکی و گمراہی سے نکال کر روشنی اور ہدایت کی طرف لے آئے گی۔ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا دے گی اور جو شخص ازلی کور باطن ہوگا اور نورِ فطرت ہی سے محروم ہوگا اس کو اس فرقان مجید کی روشنی اور نورِ مجسم کی ضیا پاشی سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا جس طرح کہ اکثر یہودیوں اور عیسائیوں کی حالت ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ عیسائی تو کہتے ہیں کہ مسیح باوجودیکہ ابن مریم تھا مگر واقع میں وہی خدا ہے (مریم کے پیٹ سے بھی پیدا ہوا اور خدا بھی ہے) یہ بالکل صریح کفر ہے (بھلا ایک مخلوق زادہ کیوں کر عالم کا خالق اور واجب مطلق ہو سکتا ہے اور کس طرح اپنی ماں کو پیدا کر سکتا ہے۔ الوہیت مسیح کا عقیدہ فرقہ یعقوبیہ کا تھا) قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ؕ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ خدا تو قادرِ مطلق ہے اگر وہ مسیح کو مسیح کی ماں کو بلکہ تمام عالم کو ہلاک کر دینا چاہے گا تو کس میں طاقت ہے کہ بچا سکے گا اور جب مسیح اپنے عاجز تھے کہ اپنی جان کی اور اپنی ماں کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے تو خدا کس طرح ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ آسمان و زمین کی تمام کائنات خدا ہی کی پیدا کردہ اور اسی کی مملوک ہے۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے موجود کرتا ہے اور مسیح بغیر حکمِ خدا کسی کو پیدا نہیں کر سکتے تھے بلکہ اپنے نفس کو پیدا کرنے پر بھی قادر نہ تھے تو پھر کس طرح خدا ہو سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خدا میں مارنے، پیدا کرنے اور مارنے کی قوت ہوتی

چاہیے۔ عالم کو فنا بھی کر سکے اور پیدا بھی کر سکے اور چونکہ مسیح میں یہ دونوں وصف نہ تھے، اس لئے خدا نہیں ہو سکتے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ مار بھی سکتا ہے اور پیدا بھی کر سکتا ہے۔ کل کائنات اس کی مملوک اور زیر تصرف ہے لہٰذا وہی خدا ہے۔

مقصود بیان گزشتہ شریعتوں میں جو جو تغیرات اہل کتاب نے کر لئے تھے اُن سب کو رسول پاکؐ نے ظاہر نہیں کیا بلکہ جن کا اظہار اصلاح کے لئے ضروری تھا اُن کو ظاہر کر دیا اور باقی کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ رسول پاکؐ کی ذات گرامی نور مجسم تھی جس نے عالم کی تاریک باطنی کو دُور کر کے اپنی ضیاء پاشی سے سیاہ دلوں کو روشن کر دیا۔ قرآن مجید حق و باطل میں تفریق کرنے والا ہے اس کا فیصلہ ناطق ہے۔ قرآن سے وہی شخص ہدایت یاب ہو سکتا ہے جس کو توفیق ازلی حاصل ہو اور نور فطرت سے محروم نہ ہو اور راہ حق کا جویاں ہو۔ جو خود گمراہی کو پسند کرے اور تاریکی باطن میں سرگرداں اور حیران پھرتا رہے اس کو خدا بھی ہدایت نہیں کرتا اور اسلامی تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ آیت میں الوہیت مسیح اور تثلیث کے عقیدہ کی نہایت مدلل تردید پیش کی گئی ہے اور ایسا مسلمہ نظریہ پیش کیا ہے جس سے کوئی سلیم فطرت رکھنے والا انسان انکار نہیں کر سکتا۔ وغیرہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے چہیتے ہیں کہہ دو کہ پھر وہ تم کو تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیا کرتا ہے

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ

سچی بات یہ ہے کہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے انسان ہو جس کو چاہے گا وہ بخش دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا آسمانوں کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ سب سلطنت اللہ ہی کی ہے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب ہمارا رسول

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا

تمہارے پاس پہنچ چکا جو رسولوں کا سلسلہ قطع ہونے کے بعد تم سے احکام بیان کرتا ہے کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی

مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع

خوشخبری سُنانے والا آیا نہ ڈرانے والا اب تمہارے پاس خوشخبری سُنانے والا اور ڈرانے والا آچکا اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر ایک بار نعمان بن اضی اور بحر بن عمرو اور شاس بن عدی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ سرکار عالیؐ نے ان کو اسلام کی ترغیب دی اور فرمایا اہل کتاب! خدا سے ڈرو اور میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔ وہ بولے محمد! تم ہم کو کس سے ڈراتے ہو ہم تو خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے دوست ہیں ہم کو عذاب ہرگز نہ ہوگا اور نصاریٰ کا بھی یہی خیال تھا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور دونوں فریق کے خیالات کی مدلل تردید کر دی گئی (ابن عباس)

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ہمارا خدا سے قریبی تعلق ہے یا یہ مطلب کہ ہم قرب و مرتبہ اولاد کی طرح ہیں اور خدا ہم پر شفقت فرمانے میں باپ کی طرح ہے پھر ہم کو کس طرح عذاب ہو سکتا ہے کہیں کوئی باپ اپنے بیٹے کو عذاب دیتا ہے یا کوئی دوست اپنے قریبی دوست کی تکلیف گوارا کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ

فرماتا ہے قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ؕ ممدا آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہو تو آخر نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں تم پر اس نے مصائب اور تکالیف کیوں نازل کیں (کیوں تمہاری قدیمی دولت وحشمت خاک میں مل گئی اور وقتاً فوقتاً کیوں تم پر بے شمار مصیبتیں آتی رہیں اور آخرت میں تمہاری ریاکاری اور خطاشعاری کی وجہ سے کیوں تم کو عذاب دے گا کہیں کوئی باپ بھی اپنے چہیتے بیٹے کے ساتھ ایسا کیا کرتا ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں اور خدا ہمارا باپ ہے اور ہمارا اسی سے خصوصی تعلق ہے۔ درحقیقت بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ خدا کے پیدا کئے ہوئے دیگر انسانوں کی طرح تم بھی انسان ہو تم میں کوئی امتیازی خصوصیت نہیں ہے اور جب دیگر آدمیوں کی طرح تم بھی آدمی ہو تو پھر خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہو؟ کہیں آدمی بھی خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ پھر جب تم عام آدمیوں کی طرح ہوئے تو جس طرح عموماً آدمیوں کی مغفرت خدا کی مشیت پر موقوف ہے اسی طرح تمہاری مغفرت اور سزا بھی خدا کے دست مشیت میں ہے۔ جس کو چاہے گا بخش دے گا نہ چاہے گا عذاب دے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم عذاب کی طرف سے مطمئن ہو کر بیٹھ رہو اور خدا سے اپنا خصوصی رشتہ ظاہر کرنے لگو۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ اس کے علاوہ تمام عالم موجودات خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اسی کا مملوک اور اسی کا زیر تصرف ہے اور آخر میں مرنے اور فنا ہونے کے بعد سب کا رجوع اسی کی طرف ہوگا تو کس طرح ممکن ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق فانی اُس کا بیٹا بن جائے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ. جب حضور اقدس ؐ نے تمام اہل کتاب کو دعوت اسلام دی اور انہوں نے نہ مانا۔ خصوصاً یہودیوں نے تو سخت مخالفت شروع کر دی تو معاذ بن جبل اور سعد بن عبادہ ؓ نے یہودیوں سے کہا اے جماعت یہود خدا سے ڈرو۔ تم خوب جانتے ہو کہ محمدؐ خدا کے سچے رسول ہیں۔ ہمارے مسلمان ہونے سے پہلے اور رسول پاکؐ کے مدینے میں تشریف لانے سے قبل تم ہم کو پیدا ہونے والے نبی کی یہی تعریف یہی صفات واخلاق اور یہی حُلیہ بتایا کرتے تھے۔ اب کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ تقریر سُن کر یہودی لاجواب ہو گئے اور اتنی ڈھٹائی سے رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا کہنے لگے "ہم نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا نہ کسی نبی کے پیدا ہونے کا تذکرہ کیا"۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کوئی نبی پیدا ہی نہیں کیا اور نہ کوئی کتاب بھیجی۔ ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰؑ خاتم الانبیاء تھے اور ہماری کتاب توریت خاتم الکتب تھی پھر ہم محمدؐ کی نبوت کس طرح تصدیق کر سکتے ہیں۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب مدت سے تمہارے پاس کوئی نبی نہ آیا تھا۔ ایک مدت دراز کے بعد خدا نے تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا تاکہ تمہارے اندر جو جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اور شریعت الٰہی سے تم نے جو جو تابیاں شروع کر دی ہیں اُن کو کھول کر بیان کرے اور ان کی اصلاح کرے اور رسول کی یہ بعثت صرف اتمام حجت کے طور پر ہے تاکہ قیامت کے دن تم اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ. یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس تو کوئی پیامبر آیا ہی نہ تھا (اور عقل فطری ہماری اس قابل نہ تھی) پھر ہم کو راہِ ہدایت کیسے ملتی۔ لہٰذا اب فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ تمہارے پاس بشیر و نذیر آگیا۔ فرماں بردار بندوں کو وہ نجات و ثواب کی بشارت دینے والا اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرانے والا ہے۔ تم اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو اور بلا تاخیر ایمان لے آؤ۔ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو خدا کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ خدا سب کچھ کر سکتا ہے تمہاری جگہ اور مخلوق ایمان لانے والی پیدا کر دے گا۔

موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار نو سو سال کا فصل تھا مگر یہ زمانہ پیغمبروں کے انقطاع کا نہ تھا بلکہ ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ البتہ حضرت عیسیٰؑ اور حضور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جو ۵۷۱ (بقول علامہ خضری) سال کی مدت تھی۔ یہ انقطاع رسل کا زمانہ تھا۔ اس میں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوا۔ فتنہ و فساد جہالت و گمراہی کا عموم ہو گیا۔ مظاہر قدرت کی پرستش ہونے لگی۔ تمام مذہبوں کی تعلیمی حالت بدل گئی بانیانِ مذاہب کی ہدایت سے خلاف ورزی ہونے لگی۔ کتابوں میں تحریف و ترمیم ہو گئی اور راہِ ہدایت بالکل مٹ گئی تو خدا نے اصلاح عالم اور تنویر ارواح کے لئے حضور اقدس ؐ کو مبعوث فرمایا ایسا موقعہ غنیمت سمجھنا چاہیئے تھا۔ جن لوگوں کی روحیں سعید تھیں انھوں نے تو موقعہ سے فائدہ اٹھا لیا اور بلا پس و پیش کے خالص مسلم ہو گئے اور جو نورِ فطرت سے محروم تھے۔ توفیق ازلی اُن کے شاملِ حال نہ تھی وہ گمراہی میں پڑے رہے۔

مقصود بیان خدا کا کسی سے رشتہ نہیں برادری نہیں بلکہ اعمال سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ نافرمانی اور سرکشی موجب عذاب ہے خدا کسی کو بغیر قصور کے عذاب نہیں دیتا۔ تمام انسان مخلوق ہونے میں برابر ہیں بخشش کا دارومدار خدا کی مشیت پر ہے۔ تمام عالم کی ابتدا بھی خدا ہی سے ہے اور انتہا بھی اسی پر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے اور رسول گرامیؐ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اصلاح خلق اور اتمام حجت کے لئے خدا تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے دن کسی کو عذر کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ رسول کا کام بشارت و انذار ہے۔ فرماں برداروں کو نجات کی خوشخبری اور منکروں کو دوزخ کا خوف دلانا نبی کا فرض ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے عبرت آموز سبق ہے اور اس بات کی روایت کرنی مقصود ہے کہ کوئی شخص اس بات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائے کہ ہم اُمتِ محمدی میں داخل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہماری نجات کے لئے کافی ہے اور ہمارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ کسی شخص کا خدا سے رشتہ نہیں نہ کوئی محبوب خدا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہر شخص عقائد و اعمال پر مکلف ہے۔ وغیرہ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم جو احسان اللہ کا تم پر ہوا اُس کو یاد کرو کہ تم میں اُس نے پیغمبر

اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ

بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور وہ چیز دی جو دنیا جہان میں کسی کو نہیں دی اے میری قوم

ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ

اُس پاک زمین میں چلو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے اور پشت موڑ کر لوٹ نہ پڑو

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ

ورنہ نقصان میں جا پڑو گے قوم والے بولے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ ہیں جب تک وہ وہاں سے

نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ

نکل نہ جائیں ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم ضرور داخل ہوں گے ان ڈرنے والوں میں سے

مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا

دو شخص جن پر خدا نے اپنا فضل کیا تھا بولے کہ دروازہ تک تو چلو جس وقت تم دروازہ

دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۵ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

میں داخل ہو جاؤ گے تو بلاشبہ تم ہی کو غلبہ ہوگا اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ

کہنے لگے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے تم اور تمہارا رب جاؤ

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ

اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں موسیٰ نے کہا میرے پروردگار مجھے صرف اپنا اور اپنے بھائی کا اختیار ہے

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ

تو ہم میں اور اُن نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے اللہ نے فرمایا اچھا تو وہ ملک ان پر چالیس برس تک حرام

سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع

کر دیا گیا (اسی) زمین میں سر مارتے پھریں گے اب تم نافرمان قوم پر کچھ تاسف نہ کرو

تفسیر جب آیات سابقہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل خیالات، غلط عقائد اور بے بنیاد مسلمات کی مدلل تردید ہو چکی اور پھر بھی بنی اسرائیل دعوتِ حق کی طرف راغب نہ ہوئے اور سرکشی و طغیان سے باز نہ آئے تو اب بنی اسرائیل کا ایک طویل قصہ بیان کر کے اس طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ ان کی سرکشی کوئی نئی نہیں ہے بلکہ موسیٰؑ کے وقت سے ان کی بے باکیوں کی یہی حالت چلی آتی ہے۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکل کر بحر قلزم کو عبور کر کے عرب کے شرقی شمالی حصہ میں دشت فاران میں مقیم تھے اور حضرت موسیٰؑ نے بارہ نقیب ملک شام کو دریافت حال کے لئے بھیجے تھے اُن میں سے دس نقیبوں نے قوم عمالقہ کی قوت جسمانی اور قد آوری کے حالات بیان کر کے بنی اسرائیل کو بزدل بنا دیا تھا اور حضرت موسیٰؑ ان کو فلسطین لے جانا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی اُس وقت کی حالت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے جہاد پر آمادہ کرنے اور فلسطین کی طرف لے جانے کے لئے کہا تھا کہ قوم والو! خدا کے حکم کی تعمیل کرو اور پروردگار کی اُس نعمت کو یاد کرو کہ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ خدا نے تم ہی میں سے تمہارے لئے انبیاء بنائے۔ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک برابر انبیاء بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور فقط دینی حکومت ہی خدا نے تمہارے قبضہ میں نہیں کی بلکہ صدہا برس کی غلامی دور کر کے فرعون کے پنجہ سے چھڑا کر وَّجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ تم کو مستقل حکومت عطا کی اور تم کو بادشاہ بنایا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اور وہ نعمتیں تم کو عطا کیں جو دنیا میں کسی کو نہیں دی تھیں۔ بحر قلزم کو تمہارے عبور کے لئے خشک کر دیا اور اس میں تمہارے عبور کے واسطے راستے بنا دئے گئے۔ فرعونیوں کو تمہارے سامنے غرق کیا۔ تمہارے لئے جنگل میں ایک پتھر سے بارہ چشمے نکالے۔ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ لہٰذا اے قوم بنی اسرائیل اُس پاک زمین (ملک شام یا فلسطین) کو چلو جس کی فتح خدا تعالیٰ نے (بزبان یعقوب) تمہارے لئے مقرر کر دی ہے۔ یہ فتح تمہارے لئے ... جو یہاں اس نے اور نعمتیں عطا کیں یہ نعمت بھی ضرور دے گا۔ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ اور منہ پھیر کر ان کے مقابلے سے نہ بھاگو ورنہ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ انجام یہ ہوگا کہ کوشش رائیگاں جائے گی اور ذلت و خواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ لہٰذا ملک فلسطین جانے کا ارادہ ترک کر دو قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ۔ بنی اسرائیل بولے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست قد آور تنومند اور طاقتور لوگ رہتے ہیں ان کا وہاں پر ... ہماری ... ان کے مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں۔ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا۔

ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں گے۔ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ اگر (تمہاری دعا سے) وہ لوگ اُس سرزمین سے چلے جائیں گے تو پھر ہم ضرور آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور وہاں جائیں گے۔ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ۔ بنی اسرائیل کا یہ جواب سن کر دو خدا ترس آدمی (یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا) اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا جن پر خدا نے اپنا انعام کیا تھا علم معرفت اور ایمان کامل اُن کو عطا کیا تھا اور وہ شریعت موسوی کے راز دار تھے بولے کہ ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ملک شام کے باشندوں پر شہر کے دروازے سے گھس پڑو (اور ان کی ظاہری ہیبت ناک صورتوں سے مت ڈرو ان کے پاس دل نہیں ہے) فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ جوں ہی تم دروازے سے داخل ہوگے فوراً اُن پر تمہارا تسلط ہو جائے گا کیوں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ نصرت جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ اگر تم ایمان دار ہو تو اس کی فتح و نصرت کا کامل یقین رکھو اور اسی کی امداد پر بھروسہ رکھو۔ ان لوگوں کی ظاہری قوت و جلال سے مرعوب نہ ہو۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا۔ بنی اسرائیل بولے موسیٰ جب تک وہ لوگ اس شہر میں ہیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے۔ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ اگر جانا ہے تو تم اور تمہارا خدا وہاں جا کر لڑیں۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں آگے ہرگز نہیں بڑھیں گے۔ بنی اسرائیل کی یہ سرکشی اور بدتمیزی دیکھ کر حضرت موسیٰ اور ہارون سجدہ میں گر پڑے اور غضب الٰہی سے ڈرنے لگے۔ یوشع اور کالب نے بھی بہت کچھ سمجھایا مگر ان جاہلوں کے ایک سمجھ میں نہ آئی بلکہ ان دونوں صاحبوں کو پتھروں سے خوب مارا مجبور ہو کر قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ۔ حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا میرے پروردگار مجھے اپنی جان اور اپنے بھائی پر تو قابو ہے میں اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو تعمیل حکم پر مجبور کر سکتا ہوں مگر اور کوئی میرے قبضہ میں نہیں میں کسی کو اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتا۔ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ اس لئے تو ہم کو ان نافرمانوں سے علیحدہ کر دے ہم کو ان کا ساتھی نہ بنا قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً خدا تعالیٰ نے فرمایا تو چالیس برس تک ان کے واسطے وہ ارض پاک حرام کر دی گئی۔ چالیس برس برابر یہ وہاں نہ پہنچ سکیں گے (اور مصر کو بھی واپس نہ جا سکیں گے) يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔ یوں ہی اس سرزمین میں حیران و پریشان پھرتے رہیں گے دن رات چلنے پر بھی پھر اسی مقام پر رہیں گے جہاں سے چلیں گے (اور بیس برس سے) اوپر کی عمر والے یوں ہی سرگرداں پھرتے وبا سے اور دشمنوں کے حملے سے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا چالیس برس تک بنی اسرائیل وادی تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے جن کی عمر بیس سے زائد تھی وہ سب وبا سے اور دشمنوں کے حملوں سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ بھی نہر یردن کے اس پار واصل بحق ہو گئے ان کی بجائے یوشع اور کالب خلیفہ ہوئے تو بنی اسرائیل کو وہاں سے نجات ملی اور ملک شام فتح ہوا۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ہ تم ان نافرمانوں کا غم نہ کھاؤ۔ ان کی تباہی اور ہلاکت کی پرواہ نہ کرو۔ یہ نافرمان ہیں اور نافرمان تباہ ہی کرنے کے لائق ہیں۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل تورات سفر عدد کے ۱۴ باب میں بخوبی کی گئی ہے۔

مقصود بیان نعمت کی یاد موجب اطاعت ہے۔ عموماً نبوت اور سلطنت ہر قوم کے لئے خدا کی نعمت ہے۔ اس سے اصلاح معاش و معاد وابستہ ہے مگر جس قوم میں نبی کی بعثت یا بادشاہ کی پیدائش ہو اس پر خصوصیت کے ساتھ خدا کا احسان ہے ملک شام کی زمین پاک تھی وہاں سے بہت انبیاء پیدا ہوئے تھے۔ راہِ خدا میں جان لڑا دینے سے کامیابی اور نافرمانی و بزدلی سے ناکامی حاصل ہوتی ہے۔ آیت میں لطیف اشارات اس طرف ہیں کہ طاغوتی مادی طاقتیں خدا کی مخفی طاقت کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ جس مؤمن کا خدا پر کامل توکل ہوتا ہے خواہ اس کے پاس مادی طاقت نہ ہو مگر خدا کی طاقت کی امداد سے وہ بہت بڑی بڑی مادی طاقتوں پر غالب آ سکتا ہے۔ بنی اسرائیل بہت سرکش اور طاغی قوم تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی ان سے تنگ تھے اور ان کا بھی ان پر کچھ بس نہ چلتا تھا۔ بنی اسرائیل کی قوم ہمیشہ سے سرتابی کرتی چلی آئی ہے۔ خدا کی شان میں بھی انھوں نے بڑی بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ سرکشی اور نافرمانی کی سزا خدا کی طرف سے بہت سخت ملتی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

(اے محمد) تم اُن کو آدم کے دونوں بیٹوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنادو جبکہ دونوں نے نیاز پیش کی تو ایک کی نیاز قبول کر لی گئی اور

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

دوسرے کی نہ قبول کی گئی وہ بولا میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا پہلے نے کہا اللہ تو نیاز پرہیزگاروں ہی کی قبول کرتا ہے

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ

اگر مار ڈالنے کے لئے تو میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو بڑھا میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھانے کا میں اُس

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العلمین ہے میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا دونوں کا گناہ سمیٹ کر

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ

دوزخی ہو جائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے غرض دوسرے کو اُس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور اُس

فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ

نے بھائی کو مار ڈالا اور خود ہی گھاٹے میں آگیا بالآخر اللہ نے ایک کوا ایسا جو زمین کرید رہا تھا تاکہ قاتل کو وہ طریقہ بتادے

كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

جس سے وہ اپنے بھائی کی لاش چھپا سکے کہنے لگا افسوس میں اس کوے کی طرح ہونے سے بھی گیا گذرا ہوا کہ اپنے

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

بھائی کی لاش کو چھپا دیتا غرض پھر وہ پچھتانے لگا

تفسیر واتل علیہم نبا ابنی ادم الخ. تعلق ہے یہاں سے حضرت آدم کے دو بیٹوں کا قصہ شروع ہوتا ہے اور اس سے غرض دو فوائد ہیں جن کو ہم مقصود بیان کے عنوان سے ذیل میں ذکر کریں گے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سنا دیجئے تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور اعمال کا نتیجہ معلوم ہو جائے) جمہور کے نزدیک دونوں مشہور بیٹے آدم کے ظاہری بیٹے ہی مراد ہیں اگرچہ حسن و ضحاک کی ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے اور چونکہ تمام انسانوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی آدم کے بیٹے کہا گیا، مگر دیگر احادیث اور توریت سفر پیدائش کا چوتھا باب قول جمہور کی واضح تائید کرتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

ابن عباس، ابن مسعود اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضرت آدم کی اولاد کی پیدائش کا یہ دستور تھا کہ ایک بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے اور دوسرے بطن سے بھی اسی طرح ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوا کرتی تھی اور بہ ضرورت وقت خدا کے حکم سے ایک بطن کے لڑکے کا دوسرے بطن کی لڑکی سے نکاح کر دیا جاتا تھا۔ چناں چہ ایک بطن سے ہابیل اور اس کی بہن لبوذا پیدا ہوئی اور دوسرے بطن سے قابیل اور اس کی بہن اقلیمیا ہوئی۔ اقلیمیا لبوذا سے حسین تھی اس لئے قابیل چاہتا تھا کہ دستور شریعت کے خلاف میرا نکاح اس سے ہو جائے اور وہ اپنا استحقاق بھی ظاہر کرتا تھا لیکن حضرت آدم نے حکم شریعت کے موافق ہابیل کا نکاح اقلیمیا سے کر دیا۔ قابیل کو اس پر رشک پیدا ہوا اور دل ہی دل میں ہابیل کا دشمن ہو گیا۔ حضرت آدم نے قابیل کی دلجوئی اور اطمینان کے لئے حکم دیا کہ تم دونوں اپنی اپنی نذریں بارگاہ الٰہی میں پیش کرو جس کی نذر قبول ہو جائے گی وہی اقلیمیا کا جائز مستحق سمجھا جائے گا اور چونکہ اس زمانے میں کوئی تقریب نہ ملتا تھا، اس لئے دستور تھا کہ کھلے میدان میں ہر شخص اپنی نذر رکھ آتا تھا۔ آسمان کی طرف سے آگ آتی اور جس کی نذر قبول ہوتی اُس کو کھا جاتی۔ ہابیل و قابیل دونوں (حضرت آدم علیہ السلام کے فیصلہ پر رضامند ہو گئے۔ ہابیل کے پاس کچھ مویشی تھے اُس میں سے وہ ایک فربہ دُنبہ لایا۔ دونوں نے میدان میں اپنی اپنی نذریں رکھ دیں۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر قبول کر لی گئی۔ قابیل کو اس بات سے اور بھی حسد پیدا ہوا اور موقع کو منتظر رہا جب آدم علیہ السلام حج بیت اللہ کو گئے اور قابیل کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے، اس لئے قابیل کو اور بھی اچھا موقع ہاتھ آیا۔ ہابیل سے کہنے لگا کہ تو اقلیمیا سے دست بردار ہو جا ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہابیل بولا اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں ہرگز تیری طرف دست درازی نہ کروں گا۔ مجھے خدا کا خوف ہے اگر میں تجھے قتل کر دوں گا تو اپنے گناہوں کے علاوہ تیرے خون کا وبال بھی میری گردن پر رہے گا اور اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو ایک تو تیرے ذاتی گناہوں کا بار تیرے اوپر رہے گا دوسرے میرے قتل کا وبال بھی تیری گردن پر رہے گا۔ لہٰذا میں تو ایسا نہیں کر سکتا تجھے اختیار ہے جو چاہے کر۔

بالآخر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ مار نے کو مار ڈالا مگر اب فکر ہو گیا کہ خونِ ناحق کو کس طرح چھپایا جائے گا۔ کاندھے پر لاش اٹھائے دنوں پھرا مگر تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ اتفاق سے (خدا کے بھیجے ہوئے) دو کوّے آئے۔ ایک نے لڑ کر دوسرے کو قتل کر دیا اور پنجوں سے زمین کو کھود کر اس میں مُردہ کو دفن کر دیا۔ قابیل کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی۔ اُس نے بھی زمین کھود کر بھائی کی لاش کو دبا دیا اور خود عدن کی طرف بھاگ گیا۔ بنی آدم میں یہ خون سب سے پہلا خون تھا اسی لئے آئندہ انسانوں میں جو خونِ ناحق ہو گا اُس کے عذاب کا ایک حصہ قابیل کی گردن پر ہو گا۔ کیوں کہ یہی اس گناہ کا موجد اور بانی تھا چوں کہ دنیا میں فتنہ و فساد ظلم و حسد اور ناحق قتل کی ابتدا ہو گئی لامحالہ ایک قانونِ عدل کی ضرورت پڑی، اس لئے قصاص کا حکم سب سے پہلے بنی اسرائیل کو دیا گیا تاکہ زمین پر فساد نہ ہو اور خونِ انسانی بے دریغ نہ بہایا جائے۔ اسی قصہ کو ذیل کی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتا ہے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا یعنی ہابیل و قابیل میں اقلیمیا کے متعلق اختلاف ہوا تو حضرت آدم نے دونوں کے اطمینان خاطر کے لئے بارگاہ الٰہی میں نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا تو دونوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی۔ ہابیل نے ایک موٹا تازہ دُنبہ پیش کیا اور قابیل نے ردی غلّہ کے چند خوشے پیش کئے تھے کہ بروایت ابن عباسؓ اُس زمانے میں کوئی فقیر نہ تھا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ۔ یعنی ہابیل کا نذرانہ قبول کر لیا اور ایک بے دھوئیں کی آگ آسمان کی طرف سے آئی اُس نے دُنبہ کو کھا لیا اور قابیل کے مٹھی کے خوشے ویسے ہی باقی رہ گئے آگ نے ان کو نہیں چھوا۔ قابیل کو اس بات سے اور حسد و عداوت پیدا ہوا لیکن چونکہ قدرت نہ تھی اس لئے حسد کو دل میں چھپا رکھا جب حضرت آدم حج کو گئے اور اس کو اپنا جانشین بنا گئے تو اس کو اچھا موقع ہاتھ آیا۔ (ابن جریر بروایت ابن عباسؓ) اور ہابیل سے قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ کہنے لگا میں تجھے ضرور قتل کروں گا ورنہ اقلیمیا سے دست بردار ہو جا۔ ہابیل نے کہا بھلا تو خدا کی طرف سے ہے۔ ہابیل بولا تیرا نذرانہ قبول ہو گیا اور اس سے تجھ کو عزت حاصل ہو گئی اور میرا یہ قبول نہ ہوا میں تمام قوم میں بدنام ہو گیا میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا۔ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ہابیل کہنے لگا اس میں حسد کی کون سی بات ہے خداتعالیٰ اسی بندہ کا نذرانہ قبول کرتا ہے جو اخلاص نفس کے ساتھ اُس کی

شریعت پر چلتا ہے تو نے دستورِ شریعت کو نہ مانا خدا نے تیرا نذرانہ قبول نہ کیا میرا اس میں کیا قصور ہے اور اس پر بھی لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ اگر مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ۔ میں کبھی ہرگز تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ مجھ سے انتقامی کارروائی کی جرأت ہرگز نہ ہوگی کیوں کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ؀ مجھے پروردگارِ عالم کا خوف ہے خدا نے تو اپنی مخلوق کو پیدا کیا اور رفتہ رفتہ ترقی دے کر حدِ کمال تک پہنچایا اور میں فطرتِ الٰہی کے خلاف اس کو ہلاک کروں یا ہلاک کر دینے کی جرأت کروں مجھ سے یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اگر میں تجھے قتل کروں گا تو اپنے ذاتی گناہوں کے علاوہ تیرے قتل کا وبال بھی میری گردن پر ہوگا اور اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میرے قتل کا وبال اور تیرے ذاتی گناہ سب تیری گردن پر ہوں گے لہٰذا میں یہی صورت کو پسند نہیں کرتا اور اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ یہی چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا وبال لے کر خدا کی طرف جائے اور ہمیشہ کے لئے دوزخی بن جائے۔ یہی بات میرے نزدیک پہلی بات سے بہتر ہے۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ؀ ظالموں کی یہی سزا ہوتی ہے جو ناحق قتل کرتے ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ بالآخر قابیل کو اس کے نفس نے ہابیل کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس کی رائے میں بھائی کو مار ڈالنا ہی معلوم ہوا، اس لئے اس نے ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے بہتری کے دونوں جہان میں خوار ہوا فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ؀ اور ہمیشہ کے لئے ٹوٹے میں رہا۔ کچھ فائدہ نہ اٹھایا دنیا میں بدنام ہوا اور آخرت میں دوزخی بنا۔ مارنے کو تو مار ڈالا لیکن اب حیران ہوا کہ اس کو کیا کرے کیوں کہ روئے زمین پر یہ انسان کی پہلی موت واقع ہوئی تھی۔ حیران سرگرداں بھائی کی لاش کاندھے پر رکھے پھر رہا تھا کہ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ خدا تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جس نے اپنے ساتھ والے کوّے کو قتل کر کے پنجوں اور چونچ سے زمین کھودی اور مردہ کوّے کو اس کے اندر دفن کر دیا اور یہ فعل صرف اس وجہ سے ہوا لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ کہ قابیل کو اپنے بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ قابیل نے کوّے کی یہ حالت دیکھی تو نہایت افسوس اور ندامت سے بولا یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ افسوس میں تو اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوا میں تو یہ سوچ بھی نہ سکا کہ زمین کھود کر فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ۔ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ افسوس! میری عقل و دانش اتنی کمزور نکلی اور میرے حواس پہ ایسا بے وقوفی کا پردہ پڑ گیا۔ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ کہ ایسی بدنامی دور کرنے کی کوئی تدبیر میرے دماغ میں نہ آئی۔ یہ سوچ کر قابیل بہت شرمندہ ہوا۔

مقصودِ بیان

بدنیتی اور بے دلی کی کوئی عبادت مالی یا بدنی مقبول نہیں۔ مؤمن متقی کی ہی طاعت مقبول ہوتی ہے۔ حاسد کی محرومی اپنے قصور کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کو اسبابِ محرومی دور کرنے لازم ہیں۔ ہر شخص کے واسطے ضروری ہے کہ حکمِ الٰہی اور فرمانِ نبوی کے موافق چلے اگر اپنی رائے پر اعتماد کرے گا اور نفس پر بھروسہ رکھے گا اور اپنی دماغی قوتوں کو فرمانِ الٰہی سے بڑھ کر سمجھے گا تو قابیل کی طرح ذلیل و خوار ہوگا۔ گناہ گار کے باطنی حواس اعضا اور اس کی قوتوں پر گناہ کرتے وقت پردے پڑ جاتے ہیں اور وہ معمولی پرند سے بھی زیادہ کور دانش ہو جاتا ہے۔ تفاخر حسد، رشک، ظلم، بدعہدی، بغاوت اور ماں باپ کی نافرمانی کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو قابیل کا ہوا لہٰذا یہ اوصاف قبیحہ واجب الترک ہیں۔ فتنہ و فساد اور خوں ریزی فطرتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ خداوند تعالیٰ رب العالمین ہے مخلوقاتِ عالم کا پیدا کرنے والا اور نظامِ عالم کا برقرار رکھنے والا ہے۔ اُس نے پیدا کیا۔ نفسِ انسانی کو محترم قرار دیا پھر خوں ریزی کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق لکھ دیا تھا کہ جو شخص کسی کو بغیر کسی جان کے عوض اور بغیر زمین میں فساد

فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ

پھیلانے کے قتل کرے گا تو گویا اُس نے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک کو مرنے سے بچا لیا

أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا

اس نے گویا سب آدمیوں کو بچالیا　بیشک ان کے پاس ہمارے رسول صاف صاف حکم لے کر پہنچے تھے　مگر اس پر بھی　ان

مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ○

میں سے　بہتیرے لوگ　ملک میں زیادتی　کرنے والے　ہیں

تفسیر مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ۔ یعنی اسی ناحق خونریزی بند کرنے کے لئے كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے بنی اسرائیل کے واسطے یہ قانون مقرر کردیا کہ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ جو شخص کسی کو ناحق بغیر معاوضہ جان کے قتل کرے یا بلا وجہ بغیر فتنہ فساد مچائے مارے یعنی بلا وجہ خون ریزی کی، باوجودیکہ اُس نے اسلام سے بغاوت نہ کی، زنا نہ کیا، ڈاکہ نہ ڈالا اور زمین کسی قسم کی تباہی نہ پھیلائی اور پھر بھی اُس کو قتل کردیا تو فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کردیا۔ ایک شخص کو بلا وجہ قتل کرنا تمام عالم کے قتل کی برابر ہے۔ جو شخص محض جذبۂ نفسانی کے ماتحت حرمتِ الٰہی کا نقض کرسکتا ہے۔ یعنی جب خوفِ الٰہی اور جذبۂ روحانی اس کا مغلوب ہوگیا اور جذبۂ نفسانی غالب آگیا تو پھر اُس کے نزدیک ایک کو قتل اور ہزار کو قتل کرنا برابر ہے۔ ایک پیسہ کی چوری اور ایک ہزار کی چوری میں چوری ہونے کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ اور جس شخص نے ایک شخص کو بچالیا اور خوفِ خدا کرکے حرمتِ الٰہی کی شکست سے باز رہا اُس نے گویا سب کو بچالیا کیونکہ جب اُس کا جذبۂ نفسانی مغلوب اور عاطفۂ روحانی غالب آگیا تو اب ہر جگہ یہی مغلوبیت اور غالبیت رہے گی خلاصہ یہ کہ ایک شخص کو قتل کرنا سب کے قتل کی برابر اور ایک کو بچانا سب کو بچانے کی برابر ہے۔ ایک نیا گناہ نکالنے سے جس قدر آئندہ لوگ اس گناہ کا ارتکاب کریں گے سب کا وبال بانی پر ہوگا اور ایک اچھی بات ایجاد کرنے سے آئندہ سب آدمیوں کی نیکی کا ثواب بھی اس کو ملے گا اگرچہ آئندہ نیکی کرنے والے عوض شخصی سے محروم نہ ہوں گے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۔ ہمارے پیغمبر بنی اسرائیل کے پاس طرح طرح کے معجزات لے کر پہنچے مگر ان ازلی بدبختوں کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بہت سے آدمی ایسے ہی قتل و غارت، کفر و شرک اور فتنہ و فساد پھیلانے میں منہمک رہے۔ پھر اے محمد! تم کو بھی ان کی نافرمانی اور سرکشی دیکھ کر تنگدل نہ ہونا چاہیے۔ یہ اُن کا قدیمی شیوہ ہے۔

مقصود بیان قانونِ قصاص قتل و خونریزی کے انسداد کے لئے بنایا گیا۔ جذبۂ روحانی اور عاطفۂ روحانی کی غالبیت و مغلوبیت کا اعتبار ہے۔ ہر فعل کا نیت پر دار و مدار ہے۔ ایک دفعہ حرمتِ الٰہی کی شکست ہزار دفعہ کی شکست پر جرأت دلاتی ہے آیت میں ایسے افعال کی ممانعت کی گئی ہے جن سے فتنہ و فساد وغیرہ پھیلتا ہے۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا

جو لوگ　اللہ سے　اور اس کے　رسول سے　لڑتے ہیں　اور ملک میں　فساد کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں

أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا

اُن کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کردیا جائے　یا سولی پر چڑھا دیا جائے　یا ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں　یا دیس سے

مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

نکال دیا جائے یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ بڑا عذاب ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ہاں تمہارے قابو میں آنے سے پہلے جنھوں نے توبہ کرلی تو جان لو کہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر بخاری مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں باختلاف الفاظ ایک جماعت صحابہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ عکل و عرینہ کے کچھ آدمی مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی۔ ہاتھ پاؤں دُبلے ہوگئے اور پیٹ بڑھ گیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہے۔ ہم بیمار ہوگئے کوئی علاج بتائیے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا صدقہ کے اونٹ جو جنگل میں چرنے جاتے ہیں اُن کے ساتھ چلے جاؤ وہیں قیام کرو اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کرو۔ ان لوگوں نے کچھ دنوں یہی علاج کیا اور تندرست ہوگئے۔ تندرست ہونے کے بعد حضرت یسارؓ کو جو رسول اللہؐ کے آزاد کردہ غلام اور اونٹوں کے چرواہے تھے، بیدردی سے قتل کردیا۔ اُن کی آنکھوں میں کیکر کے کانٹے بھونکے اور تمام مال متاع لوٹ کر اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ حضور والاؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بجلی کو بیس سواروں کے دستہ کے ساتھ اُن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ عبداللہ گرفتار کر کے لائے۔ حضورؐ نے اُن کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر ہاتھ پاؤں قطع کرا کے مدینہ کے باہر گرم ریت پر ڈلوا دیا اور وہ اسی طرح پیاس میں تڑپتے تڑپتے ریت میں ایڑیاں رگڑ کر مرگئے۔ انہی کے متعلق یہ مکمل آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ ابو بردہؓ سے حضور اقدسؐ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ نہ مسلمانوں کا ساتھ دینا نہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آنا۔ لیکن ابو بردہؓ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ ایک بار چند آدمی مسلمان ہونے کے لئے مدینہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں ابو بردہؓ نے اُن پر ڈاکہ ڈالا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا حکم عام ہے۔ بقول قرطبی و ابن جریر مسلمان ڈاکو ہو یا کافر، جو شخص راہزنی کرے گا اس پر یہ حکم جاری ہوگا لیکن ائمہ فقہ (مالک، شافعی، ابو حنیفہ وغیرہ) کہتے ہیں کہ آیت میں اُن مسلمانوں کے متعلق حکم ہے جو بادشاہ اسلام سے باغی ہو کر راہزنی اور فساد کرنے لگیں اور ڈاکہ مارنے لگیں۔ عکرمہ اور حسن کے نزدیک آیت کا حکم مشرکوں کے حق میں ہے۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں یعنی شاہ اسلام کے خلاف بغاوت کرتے اور اس کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھاتے ہیں اور مسافروں کو لوٹتے ہیں اور ڈاکے مارتے ہیں (مجاہد، عطا، حسن، نخعی، ابن عباس، سعید بن مسیب) تو ان کی سزا ان چاروں میں سے ایک ہے۔ خواہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دیدی جائے یا جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے (یہ قول ابن عباس، مجاہد، انس، علی بن طلحہ وغیرہ کا ہے) (رواہ ابن جریر) لیکن ابو مجلز، ابن جبیر، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، حسن بصری، قتادہ، سدی، عطا خراسانی اور جمہور ائمہ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا جرائم میں سے کسی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں تو اُن کی سزا جرم کے موافق ہے۔ اگر صرف قتل کیا ہے تو اس کو قتل کیا جائے سولی نہ دی جائے۔ اگر صرف مال لوٹا ہے قتل نہیں کیا ہے تو ایک ہاتھ اور دوسرا پاؤں کاٹا جائے۔ اگر قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُس کو قتل کیا جائے اور پھر تشہیر کرنے کے لئے سولی پر بھی لٹکایا جائے اور اگر صرف راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہے، نہ کسی کو قتل کیا، نہ کسی کا مال لوٹا تو اس کو جلاوطن یا دائم الحبس کیا جائے۔

یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا جرائم کا ارتکاب کرنے والے شہر میں رہ کر ایسا کریں یا جنگل اور صحرا میں رہ کر کریں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

مگر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف اُن باغیوں اور ڈاکوؤں کا ہے جو جنگل اور بن میں رہتے ہیں۔ اگر شہر میں رہتے ہوں تو چونکہ حکومت اُن پر قابو پا سکتی ہے اس لئے وہ چوروں کے حکم میں ہیں اور جو سزا چور کو ملتی ہے وہی اُن کو ملے گی۔ یہی قول امام مالکؒ کا ہے۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ یعنی مذکورۂ بالا سزا ان مجرموں کے لئے دنیا میں باعثِ رسوائی ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ فقہ کا قول ہے کہ ان لوگوں کی جنازہ پر نماز نہ پڑھی جائے)۔ اور آخرت میں تو خصوصیت کے ساتھ اُن کے واسطے عذاب ہوگا۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ۔ ہاں جو لوگ جرائم مذکورہ کے مرتکب ہوئے اور شاہ اسلام کی گرفت میں آنے سے قبل خود بخود توبہ کر لی اور ناشائستہ حرکات کو چھوڑ دیا تو فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ خوب سمجھ لو کہ خدا غفور رحیم ہے اپنا گناہ معاف فرمادے گا لیکن جمہورِ اسلام کے نزدیک توبہ سے حقوقِ عباد ساقط نہیں ہوسکتے۔ اگر اُس نے قتل کیا ہے تو توبہ کے بعد بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا اگر کسی کا مال لوٹا ہے تو مال واپس دینا پڑے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا غفور رحیم ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پر حد جاری نہ کرنا۔ لیکن حضرت علیؓ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت ابوہریرہؓ اور بعض دیگر صحابہ کے واقعات اور فیصلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق بھی توبہ کے بعد معاف ہو جاتے ہیں اور پھر کسی طرح سزا نہیں دی جاسکتی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

مقصودِ بیان حکومتِ اسلامیہ سے بغاوت، قتل غارت، راہزنی اور فتنہ وفساد کی ممانعت۔ ان جرائم کی سخت سزاؤں کا بیان۔ آیاتِ مذکورہ میں لطیف و اشارات اس طرف بھی ہیں کہ اسلام دنیا میں امن آشتی اور صلح قائم کرنے آیا ہے۔ اس کا مقصودِ اصلی اصلاحِ عالم ہے اور ظلم و بیداد کی بیخ کنی ہے۔ فتنہ وفساد اور قتل و غارت کو کبھی اسلام نہیں پسند کرتا اور نہ اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ نہایت بلند آہنگی اور سخت ترین قوانین سے ایسے افعال سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ بصیرت کوش دماغ کے لئے ایک غور کرنے کی بات یہی ہے کہ حقوقِ انسانی کو تلف کرنے والے کے لئے اسلام نے ایسی سخت سزائیں تجویز کی ہیں تاکہ دنیا میں تباہی نہ پھیلے۔ لیکن حقوقِ الٰہی کو ترک کرنے والے کے لئے اس میں سے کوئی سزا جائز نہیں۔ بلکہ صاف ارشاد فرمادیا گیا کہ توبہ کے بعد حقوقِ الٰہی معاف ہوسکتے ہیں۔ خدا اپنے حقوق معاف کر دے گا گویا اسلام کے دو جزو ہیں تمدنِ انسانی کی اصلاح اور حقوقِ الٰہی کی ادائیگی ان دونوں میں مہتم بالشان جزءِ اول ہے۔ اگرچہ آخری جزو بھی ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي

ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں

سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ

جان لڑا دو تاکہ تمہارا بھلا ہو جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس زمین کی تمام چیزیں

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ

ہوں بلکہ اتنی ہی اور بھی ہوں اور وہ سب کو دے کر روزِ قیامت کے عذاب سے چھوٹنا چاہیں تو ہرگز اُن سے

مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا

چیزیں قبول نہ کی جائیں گی اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہاں

هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

سے نہ نکل سکیں گے اُن کے لئے دائمی عذاب ہے

تفسیر سابق آیت میں تمدن بشری کو تباہ کرنے والوں کی مذمت اور فریضۂ الٰہی کو ادا نہ کرنے والوں کی بدسیرتی کا بیان تھا اور مسلمانوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی ضمنی ہدایت تھی۔ اس آیت میں فلاحِ دینوی اور نجاتِ اُخروی کا ایک زریں ضابطہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کو ہر ہوشمند انسان تسلیم کرتا ہے۔ ضابطہ کے دو جزو ہیں۔ ممنوعات کا ترک اور واجبات کی ادائیگی۔ پہلے جزو میں اس [اتَّقُوا اللّٰهَ کے فقرہ میں بلیغانہ طرز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دوسرے جزو کو آئندہ جملہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ مسلمانو خدا سے ڈرو۔ پرہیزگاری اختیار کرو۔ بُری باتوں کو چھوڑ دو۔ جن امور سے خدا نے منع کیا ہے اُن کو نہ کرو۔ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اور خدا تک پہنچنے کے لئے اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ اطاعت و فرمان پذیری کو اپنا شعار بنالو۔ ایسی طاعات کو اختیار کرو جس سے قربِ الٰہی حاصل ہو (ابن عباس، مجاہد، ابووائل) خدا کی بندگی و طاعت کرو اور اعمالِ صالحہ کے پابند ہو جاؤ۔ خدا کی مرضیات کے طالب بنو (ابن کثیر) وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ۔ خصوصاً خالص نیت اور نیک دلی سے محض خدا کا بول بالا کرنے کے لئے جان مال سے کوشش کرو۔ تن من دھن اس کی راہ میں قربان کرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کو دنیوی اور اُخروی بہبودی حاصل ہو۔ دنیا میں عزت، شوکت، سطوت، حکومت اور پر شکوہ جاہ و جلال حاصل ہو اور آخرت میں دوزخ سے نجات جنت کے انعامات اور دیدار رب العزت کا میسر آجائے کیونکہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قیامت کے دن بالفرض اگر کافروں کو رُوئے زمین کی تمام دولت مل جائے اور وہ تمام دولت دے کر عذاب سے بچنے کے خواستگار ہوں تب بھی ان کو عذاب سے نجات نہ ملے گی۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ وہ دل سے خواہشمند ہوں گے کہ دوزخ سے کسی طرح رہائی مل جائے مگر کبھی خلاصی نصیب نہ ہوگی بلکہ خصوصیت کے ساتھ وہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یعنی اہلِ اسلام تو گناہوں کی سزا اُٹھانے یا معاف ہو جانے کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے مگر کافر ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑے رہیں گے۔ ہر چند کہ وہ رہائی کے طالب ہوں گے مگر آرزو میں کامیاب نہ ہوں گے۔

مقصودِ بیان ترکِ ممنوعات کی ہدایت، تعمیلِ اوامر کا حکم، راہِ خدا میں دل و جان سے کوشش کرنے کا امر۔ اس بات کی وضاحت کہ جو مرضی مولیٰ کا طالب ہوتا ہے اور اپنی رفتار گفتار اطوار میں خوشنودیٔ خدا کو پیش نظر رکھتا ہے وہ دنیا میں سُرخرو اور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے اور نافرمان منکرانِ صداقت کو قیامت کے دن کسی طرح کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ بلاغتِ عبارت سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا بلکہ اپنے اعمال کی سزا بھگتنے یا معاف ہو جانے کے بعد اس کو نجات مل جائے گی۔ دوامی جہنم صرف کافروں کا حصہ ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ اُن کے کرتوت کی پاداش میں کاٹ ڈالو اللہ کی طرف سے یہ عبرت ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ زبردست مصلحت بین ہے ہاں جو شخص اپنے قصور کے بعد توبہ کر لے اور حالت درست کر لے تو خدا بھی

يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

اس پر توجہ فرمائے گا بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں کچھ راہزنوں، ڈاکوؤں اور غارتگروں کے احکام تھے اور اسی ذیل میں چند اور باتیں بھی بیان کردی گئی تھیں پہلے بیان کی تکمیل کے لئے چوروں کی سزا بیان کی جارہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا یعنی چور مرد یا عورت اگر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹو۔ چونکہ آیت کے حکم میں کوئی قید مذکور نہیں، اس لئے داؤد ظاہری اور ان کے متبعین حکم کو مطلق رکھتے ہیں۔ ایک پیسہ کی چوری ہو یا ایک کوڑی کی، راستہ میں پڑی ہوئی چیز اٹھائی گئی ہو یا مالک کی حفاظت میں سے چرائی گئی ہو۔ بہر صورت ہاتھ کاٹنا واجب ہے لیکن جمہور سلف وخلف کے نزدیک آیت مطلق نہیں بلکہ اس حکم کے ساتھ چند قیدوں اور شرطوں کی رعایت ضروری ہے۔ جن کو ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ مع اختلاف صحابہ وتابعین بیان کرتے ہیں۔

(۱) مال مسروقہ کی مقدار: جاہلیت کے زمانہ میں بھی قریش کا دستور العمل تھا کہ چور کا ہاتھ کاٹتے تھے۔ ایک شخص نے کعبہ کا خزانہ چرایا تھا اور اس کا ہاتھ قطع کیا گیا تھا۔ اسلام نے بھی اسی قانون کو باقی رکھا، رہی یہ بات کہ کس قدر مال چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاسکتی ہے تو آیت میں اس کا کوئی بیان نہیں۔ اسی بنا پر ابن الزبیر، حسن بصری اور ابن عباس وغیرہ کا خیال ہے کہ نفس چوری سے قطع ید لازم ہے۔ مال مسروقہ کی کوئی مقدار معین نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چور پر خدا کی لعنت (کمبخت) ایک خود چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ کشتی کی ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے (صحیحین) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی قلت وکثرت کی کوئی شرعی مقدار مقرر نہیں۔ تھوڑا مال ہو یا بہت سب کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن اکثر صحابہ، تابعین اور ائمہ فقہ کا اصحاب اس پر اتفاق ہے کہ جس مال کی چوری پر ہاتھ قلم کرنے کی سزا دی جاسکتی ہے اس کی کم از کم مقدار ضرور مقرر ہے۔ اب وہ مقدار کیا ہے؟ اس کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالکؒ اسحاق اور امام احمد کی رائے ہے کہ تین درم یا تین درم کی قیمت کی چیز چرانے پر ہاتھ کاٹنا ضروری ہے اور اس سے کم قیمت کی چیز چرانے پر کوئی دوسری سزا دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ابن عمر کی حدیث ہے کہ حضور والا نے ایک ڈھال چرانے والے کا ہاتھ قطع کرایا تھا اور اس ڈھال کی قیمت تین درم تھی (صحیحین)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قطع دست کی سزا دینے کے لئے ضرور ہے کہ مال مسروقہ کی قیمت کم از کم چوتھائی دینار ہو۔ یہ بھی امام مالک کے قول کی طرح ہے۔ کیونکہ ایک دینار بارہ درم کا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے حضور والا نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ چہارم دینار یا اس سے زائد چوری کرنے پر کاٹا جائے (صحیحین) یہی رائے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی اور ابو ثور وغیرہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ محمد ابو یوسف، زفر، سفیان ثوری وغیرہ کا خیال ہے کہ دس درم سے کم قیمت چیز کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جس ڈھال کی چوری پر رسول پاک نے چور کا ہاتھ کٹوایا تھا اس کی قیمت بروایت ابن عباس وابن عمرو بن عاص دس درہم تھی۔ یہی قول حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؒ اور امام ابوجعفر باقر کا ہے۔

(۲) مال مسروقہ مالک کی حفاظت میں ہو کہیں راستہ گلی میں پڑا گرا نہ ہو۔ اگر ایسا مال چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر راستہ میں پڑا ہوا مال اٹھایا تو اس کو چور نہیں کہا جاسکتا۔ ایسے آدمی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ یہ قول جمہور علماء کا ہے۔

(۳) لوگوں کی نگاہ سے بچا کر اور چھپا کر مال لے جانے اور یہ خوف ہو کہ اگر لوگ دیکھ لیں گے تو پکڑ لیں گے یا میری آبروریزی کریں گے یا میری بدنامی ہوگی

چور کہلائیں گا اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکہ غصب وغیرہ کی سزا قطع ید نہیں بلکہ اس کی سزا کا اوپر بیان ہو چکا۔

(۴) ہاتھ کہاں سے اور کونسا کاٹا جائے گا آیت میں اس کا کچھ بیان نہیں۔ البتہ رسولِ پاک کی سنّت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہونچے سے کاٹ کر داغ دیا جائے تاکہ خون بند ہو جائے۔ اگر پہلی بار چوری کرے تو دایاں ہاتھ اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تیسری بار اگر چوری کرے تو امام ابوحنیفہؒ سفیان ثوری اور زفر وغیرہ کہتے ہیں کہ اب ہاتھ نہ کاٹا جائے گا تو اس کو قید کیا جائے گا یا کوئی اور سزا دی جائے گی۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر چوتھی بار بھی اگر چوری کی تو دایاں ہاتھ بھی قلم کر دیا جائے گا۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا۔ یعنی چور کا ہاتھ کاٹا جانا اس کے کرتوت کی سزا ہے۔ جیسا اس نے کیا اس کی پاداش ملنی ضرور ہے۔ رہا مال مسروقہ کی واپسی یا تاوان کا مسئلہ تو امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر مال مسروقہ موجود ہو تو واپس کیا جائے۔ موجود نہ ہو تو تاوان دیا جائے خواہ تاوان دینے کی قوت ہو یا نہ ہو۔ اگر بالفعل تاوان کی رقم ادا کرنے کی قوت نہ ہوگی تو قرض سمجھی جائے گی۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر مال مسروقہ موجود ہو یا چور کے پاس اتنا سرمایہ ہو کہ تلف شدہ مال مسروقہ کی قیمت ادا کر سکتا ہے تو اصل مال (بشرط موجودگی) یا اصل مال کی قیمت (بصورت تلف مال مسروقہ) دی جائے ورنہ صرف ہاتھ کاٹنا کافی ہے۔ تاوان ٹہلنے کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مال مسروقہ موجود ہو تو واپس کیا جائے اور تلف ہو گیا تو قیمت کا تاوان نہ پڑے گا خواہ سارق دولتمند اور سرمایہ دار ہو یا نہ ہو۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا چور کو خدا کی طرف سے اُس کے اعمال کی پاداش میں دی جائے اس نے حرمت الٰہی کی ہتک کی ہے۔ قانونِ شرعی کی خلاف ورزی کی ہے۔ امنِ فطری میں خلل ڈالا ہے اس لئے خدا کی طرف سے دنیا میں اس کو سزا ملنی چاہیئے۔ اب کسی کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ خدا نے چوری کی ایسی سنگین سزا کیوں مقرر کی۔ کیونکہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ خدائے قدوس غالب اور حکیم ہے۔ اس کا حکم تمام عالم میں نافذ ہے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہے۔ نہ کسی کو وجہ دریافت کرنے کی طاقت ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل اور حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ خدا تمدنِ انسانی کو تباہ کرنے والی چیزوں کی بیخ کنی کرنا اور عالمِ بشری میں امن قائم رکھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے سخت قوانین کی ضرورت ہے تاکہ شریعت الٰہیہ کی فطری غرض پوری ہو سکے۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ مطلب یہ کہ چور کا ہاتھ کاٹنا یہ اُس کی چوری کی سزا اور خدا کی طرف سے عذاب ہے۔ ہاں جو شخص چوری کرنے کے بعد نادم ہو گیا اور سچے دل سے اُس نے توبہ کر لی تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ کیونکہ خدا غفور رحیم ہے لیکن اس سے حقِ بشری ساقط نہ ہوگا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا۔ آخرت کا گناہ ضرور معاف ہو جائے گا۔

مقصودِ بیان حقوقِ انسانی کا تحفظ، تمدنِ انسانی کو تباہ کرنے والی چیزوں کی بیخ کنی۔ دنیا میں جان و مال کو محفوظ رکھنے والے قوانین کا بیان۔ عدل و مساوات کے زرّیں اصول۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس کو

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

چاہے گا بخش دے گا اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر سابق آیت کا تتمہ ہے۔ سابق آیت میں چوری کی سزا بیان کی گئی تھی۔ اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ اگر کوئی شخص توبہ کرے گا تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیں گے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ توبہ قبول کرنا ہمارے اختیار میں ہے کیونکہ کائنات آسمانی اور موجوداتِ ارضی سب ہماری مخلوق مملوک اور زیرِ تصرف ہے۔ ہم کو ہر چیز کی اچھائی برائی کا اختیار ہے۔ ہم جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے اور جس کو چاہیں گے معاف کریں گے۔ کوئی ہمارے کام

میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہم کسی پر ظلم ہی نہیں کرتے۔ نہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ سخت قوانین انسانی حق تلفی کی بندش کے لئے ہم نے بنائے ہیں۔ سب کی حمایت اور امن ہمارے پیش نظر ہے۔ کیونکہ ہم نے ہی سب کو پیدا کیا اور ہم ہی سب کے مالک ہیں۔ پھر ہم کسی کا نقصان کس طرح گوارا کر سکتے ہیں اور کس طرح کوئی ہمارے تصرف سے خارج ہو سکتی ہے یا حکم سے سرتابی کر سکتی ہے۔

مقصود بیان تمام کائنات خدا کی مملوک اور زیر تصرف ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں۔ خدا تعالیٰ تمام عالم کی عافیت چاہتا ہے۔ وغیرہ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا

اے پیغمبر! تم کو ان لوگوں کی حالت مغموم نہ بنائے جو کفر میں دوڑتے ہیں (ان میں سے کچھ تو) ان لوگوں میں سے ہیں جو زبانوں سے تو کہہ دیتے ہیں

بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ

کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں اور (ان میں سے کچھ) ان یہودیوں میں سے ہیں جو جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں

سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ

اور دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں جو تم تک نہیں آئے یہ الفاظ کو اُن کی جگہوں سے بے جگہ کر دیتے ہیں

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ

کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو لے لینا اور یہ نہ ملے تو بچے رہنا اللہ جس کو

ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ

بے دین کرنا چاہتا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں تمہارا اُس پر کچھ بس نہیں چل سکتا یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو

أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ

پاک کرنا اللہ نے نہ چاہا اُن کو دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں تو اُن کے لئے بڑا عذاب

عَظِيمٌ ۝ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ

ہے یہ جھوٹی باتوں کے جاسوس اور حرام خور ہیں

تفسیر مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ کتب حدیث میں بروایت ابن عمرؓ بیان کیا گیا ہے کہ خیبر کے کسی رئیس یہودی نے کسی شریف یہودن سے زنا کیا۔ توریت میں سنگساری کا حکم موجود تھا مگر یہودی رعایت چاہتے تھے۔ دونوں فریق ملزمان کی طرفداری کے خواستگار تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ سنگساری کی سزا دفع ہو جائے۔ ان کو امید تھی کہ شاید رسول اللہ ہماری شرافت و عزت کا لحاظ کر کے کچھ رعایت کریں اس لئے مقدمہ کو مدینہ منتقل کیا اور مدینہ کے یہودیوں کو کہلا بھیجا کہ مقدمہ کا فیصلہ محمدؐ سے کراؤ لیکن اگر وہ سنگساری کا حکم دیں تو نہ ماننا اور اگر ہماری مرضی کے

موافق فیصلہ کریں تو مان لینا۔ مدینہ کے یہودی (بنی قریظہ) دربارِ رسالت میں مقدمہ لانے سے پہلے اس ٹوہ میں پڑے کہ مقدمہ کے فیصلہ کے متعلق حضورِ گرامی کی رائے معلوم کرلیں۔ مگر اُن کو معلوم نہ ہوسکی۔ بالآخر مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا اور سرکارِ گرامیؐ نے توریت کے حوالے سے مرد و عورت دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ یہودی بولے کہ توریت میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ آخر توریت منگوائی گئی اور ابن صوریا نے پڑھنی شروع کی۔ آیتِ رجم پر پہنچا تو اس پر ہاتھ رکھ کر اس آیت کو چھوڑ کر آگے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام بھی موجود تھے۔ انہوں نے چوری پکڑلی۔ حضورؐ والا نے ابن صوریا سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی توریت میں رجم کا حکم موجود ہے یا نہیں؟ قسم سے مجبور ہوکر اُس نے عرض کیا بیشک حکم تو سنگسار کرنے کا موجود ہے لیکن جب زنا کی کثرت ہوگئی تو ہم نے شریفوں اور دولتمندوں کی رعایت کرنی شروع کردی اور بجائے سنگسار کرنے کے سو کوڑے مار کر منہ کالا کرکے شہر میں پھرانے لگے ——

الحاصل دونوں زناکاروں کو مسجد کے سامنے سنگسار کردیا گیا۔ ہم نے روایت کا خلاصہ لکھا ہے ورنہ پورا قصہ تو بہت طویل ہے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص کو کسی یہودی نے قتل کردیا تھا۔ قاتل کے وارثوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرافعہ کرنا چاہا لیکن جن آدمیوں کو بھیجا تھا اُن سے کہہ دیا کہ اگر دیت کا حکم دیں تو مان لینا اور قصاص کا حکم دیں تو نہ ماننا۔ اس پر یہ آیات آخر رکوع تک نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا۔ اس آیت کے مطلب میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ سے منافق اور مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سے یہودی مراد ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اور سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ یہ دونوں وصف منافقوں کے ہیں۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا۔ یہ دونوں وصف یہودیوں کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ منافق اور یہودی دونوں آپ کے مخالف ہیں۔ منافق بظاہر اقرارِ ایمان کرتے ہیں مگر دل سے کافر ہیں۔ یہ جھوٹی باتیں بہت جلد قبول کرتے ہیں۔ اسلام کی مذمت میں اگر ان سے کوئی بے اصل بات بھی کہہ دے اس کو خوب سنتے ہیں اور مان لیتے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ جو لوگ آپ تک نہیں پہنچے اُن کو دور ہی سے یہ لوگ بہکاتے ہیں اور اسلام کی مذمت اُن کے سامنے کرتے ہیں۔ رہے یہودی تو وہ توریت کے الفاظ میں تغیر کرتے ہیں اور معانی کی بھی بے جا اور غلط تاویل کرتے ہیں۔ اصلی معنی بیان نہیں کرتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے مقاصد کے موافق عبارت کے معنی ظاہر کرتے ہیں۔ ان دونوں مخالف فریقوں سے آپ کو کچھ رنج و غم نہ کرنا چاہیئے۔ یہ مخالفت اُن کا شیوہ ہے۔ آپ کے حزن و ملال سے ان کی مخالفت دور نہیں ہوسکتی۔ لیکن اکثر اہلِ تفسیر کے نزدیک مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ سے تو منافق ہی مراد ہیں۔ لیکن سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اور سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ منافقوں کے اوصاف نہیں بلکہ یہودیوں کے چار اوصاف ہیں۔ اوّل سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ دوسرا سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ۔ تیسرا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ اور چوتھا يَقُوْلُوْنَ الخ۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر بہتر ہے۔

اس صورت میں حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافق اور یہودی کفر میں ہم پٹ گرے پڑتے ہیں اور انکارِ صداقت کی طرف دل و جان سے دوڑے جاتے ہیں۔ منافق تو زبان سے دعوئ اسلام کا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں ہیں اور یہودیوں میں چار بری خصلتیں ہیں اول تو یہ اپنے عالموں کی جھوٹی باتیں بہت غور سے سنتے ہیں اور اُن کو دل سے مانتے ہیں۔ دوسرے جو خیبر والے یہودی آپ کے پاس نہیں آئے اُن کو اطلاع کرنے کے لئے مدینہ کے یہودی آپ کے پاس آکر آپ کے خیالات کی ٹوہ لگا لیتے ہیں اور جاسوسی کرتے ہیں۔ تیسرے توریت کے الفاظ و معانی کو انھوں نے بگاڑ رکھا ہے۔ بہت سے الفاظ بدل ڈالے اور بہت سے الفاظ کے غلط معنی بیان کئے۔ چوتھے خیبر کے یہودی اپنے فرستادہ یہودیوں سے کہتے ہیں کہ رسول پاک کے پاس جاؤ ان سے فیصلہ لے لو اگر تمہارے مطلب کے موافق وہ فیصلہ کردے اور رجم کا حکم نہ دے تو مان لینا ورنہ نہ ماننا

نے رسول! آپ کو ان کی اس حالت کا کچھ رنج و فکر نہ کرنا چاہیئے۔ یہ ان کا قدیمی شیوہ ہے۔ آپ کے فکر کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ کیونکہ جس شخص کو خدا تعالیٰ بے دینی اور گمراہی میں چھوڑنا چاہے اس کو آپ ہدایت نہیں کر سکتے۔ آپ میں ایسی قوت نہیں کہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے اس کو بچا سکیں اور کفر سے نکال سکیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ۔ ان لوگوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کفر کی نجاست سے پاک کرنا نہیں چاہتا اور جب ان کو خدا ہدایت کرنا نہیں چاہتا تو پھر آپ کیسے ہدایت کر سکتے ہیں۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ ان کو دنیا میں بھی خصوصیت کے ساتھ رسوائی حاصل ہوگی اور آخرت میں تو عظیم الشان عذاب ان کے لئے موجود ہی ہے۔ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ۔ یہ لوگ اپنے عالموں کی جھوٹی باتیں خوب دل لگا کر سنتے ہیں اور حرام مال کھاتے ہیں۔ حرام مال سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہ سود کھاتے ہیں جو ان کی شریعت میں بھی حرام ہے یا رشوت مراد ہے۔ یعنی یہ لوگ رشوت خوار ہیں۔ رشوتیں لے کر احکام میں تحریف کرتے ہیں اور اس تحریف کے عوض حرام مال کھاتے ہیں۔

مقصود بیان ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گمراہ ازلی کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ یہودیوں میں چار بدترین اوصاف تھے اپنے علماء کی جھوٹی باتوں کو سچ جانتے تھے۔ مسلمانوں کے برخلاف جاسوسی کرتے تھے۔ توریت میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے۔ الفاظ بھی اکثر انہوں نے بدل ڈالے تھے اور معانی کی غلط تاویل تو بہت زیادہ کرتے تھے۔ رسول اللہ کے پاس جستجوئے حق کے لئے نہ آتے تھے بلکہ صرف نفسانی خواہشات اور شیطانی جذبات کے ماتحت اپنی مطلب برآری کے لئے آتے تھے۔ ہر قسم کی جھوٹی باتیں سننی اور حرام مال کھانا ناجائز ہے۔ وغیرہ۔

فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن

اگر تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا فیصلہ کر دینا یا اُن سے پہلو تہی کرنا اگر تم ان سے اعراض بھی کرو گے تو یہ تمہارا

يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

کچھ بگاڑ سکیں گے اور اگر فیصلہ کرو تو انصاف سے کرنا اللہ انصاف

يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

تفسیر فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ یہ آیت بھی سابق آیات کا تکملہ اور اُن کے ساتھ مربوط ہے۔ گزشتہ آیت میں بیان تھا کہ یہ لوگ دوڑے ہوئے آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے مقدمہ بھیجتے ہیں مگر طلب حق مقصود نہیں ہوتی بلکہ اپنی مطلب برآری مد نظر ہوتی ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے فیصلہ کرانے کے لئے آئیں تو آپ کو اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو فیصلہ کر دیں نہ چاہیں نہ کریں۔ علماء سلف کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے امیر المسلمین پر واجب ہے کہ جب غیر مسلم اپنا فیصلہ کرانا چاہیں تو شریعت اسلامیہ کے موافق فیصلہ کرے۔ خواہ ذمی ہوں یا نہ ہوں۔ حسن بصری، مجاہد، عکرمہ اور ابن عباس کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہ اور شافعی کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ابراہیم نخعی، شعبی، زہری، سعید بن جبیر، قتادہ اور علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ رسول پاک کو کفار کا باہمی فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار تھا۔ ابن جوزی کی بھی یہی رائے ہے۔

وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۚ اوپر کی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس آیت میں دونوں شقوں کے متعلق اطمینان آمیز بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کا فیصلہ نہ کریں گے تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۞ اور اگر آپ ان کا فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف یعنی شریعت (اسلامیہ) کے موافق فیصلہ کریں۔ ان کی نفسانی خواہشات اور اُن کے علماء کی تحریفات کی رعایت نہ کریں۔ کیونکہ خدا کے نزدیک منصف اور عدالت سے حکم کرنے والے ہی پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا آپ عدالتِ الٰہی کے موافق ان کا فیصلہ کریں۔

مقصودِ بیان امام المسلمین پر واجب ہے کہ غیر مسلموں کے اندرونی مقدمات کے فیصلے بھی شریعت اسلامیہ کے موافق کرے۔ کسی کی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کا لحاظ نہ کرے۔

آیت سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان حاکم کسی غیر قوم کے فیصلہ جات ان کی مذہبی کتابوں کے موافق نہ کرے اور قوانین اسلام کے خلاف دیگر قوانین پر بھی عملدرآمد نہ کرے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ

وہ تم سے کس طرح فیصلہ کراتے ہیں اُن کے پاس تو خود تورات موجود ہے جس کے اندر اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد بھی

مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۞

یہ پھرے جاتے ہیں یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں

ع ۱۰

تفسیر اس آیت میں یہودیوں کی بے ایمانی اور کور باطنی کو بیان کیا گیا ہے اور یہود کی مذبذب حالت پر اظہارِ تعجب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ یعنی اے نبی تعجب ہے کہ ... ان یہودیوں کے پاس (ان کے دعوے کے موافق) تورات موجود ہے اور اس میں حکمِ الٰہی یعنی رجم کی سزا بھی موجود ہے مگر پھر بھی یہ آپ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور جب آپ فیصلہ کر دیتے ہیں ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ تو اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۞ کہ ان کا ایمان نہ تو اپنی مذہبی کتاب پر ہے اور نہ آپ کے احکام پر۔ اگر اپنی مذہبی کتاب پر ایمان ہوتا تو آسان حکم کی تلاش میں آپ سے فیصلہ کرانے کیوں آتے۔

مقصودِ بیان تحریفِ تورات کی تصریح ۔ اس امر کی وضاحت کہ یہود احکام تورمیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ وغیرہ

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ

ہم نے ہی تورمیت نازل کی تھی جس کے اندر ہدایت اور نور تھا اُس کے مطابق فرماں بردار انبیاء اور

أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ

اللہ والے اور علماء یہودیوں کو حکم دیتے تھے کیونکہ انہی کو کتاب اللہ کا محافظ

كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا

ٹھہرایا گیا تھا اور وہی اس کی خبرگیری پر مقرر تھے تو (مسلمانو) تم لوگوں سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو اور میری

تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

آیات کے عوض ناچیز مول مت لو جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق فیصلہ نہ کریں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

وہی کافر ہیں

تفسیر اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ درحقیقت تورات کو ہم نے ہی نازل کیا تھا اور وہ ہماری ہی کتاب تھی جس کے اندر عقائد کی اصلاح اور اعمال کے درست کرنے کے احکام تھے۔ توحید و تنزیہ اور نبوت و قیامت کا بیان تھا۔ احکام و قوانین اور ہدایت کے ضوابط تھے۔ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ تمام انبیاء مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت دانیالؑ، حضرت لحیاؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ بھی چونکہ خدا کے فرمانبردار بندے تھے۔ اس لئے یہودیوں کو اسی توریت پر چلنے کا حکم دیتے چلے آئے اور سب کو احکام توریت پر کاربند رہنے کی ہدایت کرتے رہے۔ پھر جب بخت نصر کے زمانہ میں توریت برباد ہوگئی اور ظالم انسانوں نے احکام الٰہی کو درہم برہم کردیا تو بنی اسرائیل کے مشائخ و علماء نے کوشش کرکے بقدر امکان توریت کے احکام اور ٹکڑے جمع کئے۔ قوانین کو منضبط کیا۔ وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور پھر اس مجموعہ پر عملدرآمد شروع کردیا۔ کیونکہ یہی کتاب اللہ کے محافظ استاد اور جامع تھے۔ انھوں نے ہی پراگندہ احکام کو ایک جگہ کیا تھا اور یہی تورات کے ماننے والے تھے۔ لیکن بعد کو یہودیوں نے احکام میں تحریف شروع کردی۔ کتاب اللہ پر عمل چھوڑ دیا۔ ہوا و ہوس کے بندے بن گئے۔ حکم الٰہی کے خلاف فیصلے کرنے لگے۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ اول تو حکام کا خوف، دوسرے مال کا لالچ۔ حکام کے خوف سے انھوں نے احکام میں تبدیلی کی۔ حاکم طبقہ اگر جرم کرتا تو اس کے لئے سزا میں تخفیف مقرر کی اور عوام کے واسطے بدستور وہی قانون رہا۔ دوسرے رشوت اور مالی لالچ کی وجہ سے لوگوں کو غلط احکام بتائے اس لئے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اے یہودیو فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ۔ تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ ان حاکموں کا خوف نہ کرو۔ ان کے واسطے بھی وہی احکام جاری کرو۔ احکام میں تفریق نہ کرو اور میرے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور مالی لالچ میں بھی نہ پڑو۔ میرے احکام کو چھپا کر حقیر، بے مقدار دنیوی منافع کو حاصل کرنے کے خواستگار نہ بنو۔ اصل احکام کو چھپانے کے عوض تم کو کتنا ہی مال مل جائے مگر وہ ہیچ ہے اور خوب یاد رکھو کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے (اور دل سے اُن کے منکر ہوتے ہیں) وہ کافر ہیں۔ لہٰذا تم کو احکام الٰہی کے موافق فیصلہ کرنا چاہیئے۔ حضرت براء بن عازبؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابن عباسؓ، ابو مجلزؒ، ابو رجاءؒ، عطاردیؒ، عکرمہؒ، عبیداللہ بن عبداللہ کا قول ہے کہ اس آیت کا حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اور انہی کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ حسن بصریؒ، سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اگرچہ اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی لیکن اُمت اسلامیہ کو بھی اس کا حکم شامل ہے (رواہ ابن جریر) ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جس نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے انکار کیا وہ کافر ہے اور جس نے اقرار کیا مگر اس کے موافق حکم نہ کیا تو ظالم فاسق ہے (رواہ ابن جریر) یہی مطلب صحیح ہے۔

مقصود بیان

مساواتِ انسانی کا مظاہرہ ۔ احکامِ شریعت میں عدمِ تفریق کا حکم ۔ تحریف تورات کی تردید ۔ اس امر کی وضاحت کہ جملہ انبیاء توریت کے موافق فیصلہ کیا کرتے تھے ۔ اس بات کا اظہار کہ یہودیوں کے علماء و مشائخ نے منتشر اور برباد شدہ توریت کے احکام جمع کئے تھے اور اس کو حفظ بھی کیا تھا ۔ موجودہ توریت اصلی توریت نہیں ہے ۔ یہودی ہوا و ہوس اور نفسانی جذبات کے پرستار تھے ۔ نہ ان کا اپنی مذہبی کتاب پر پختہ ایمان تھا ، نہ اسلامی احکام پر ۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ احکامِ قرآنی پر پختہ یقین رکھیں اور اس کے احکام واجب العمل سمجھیں ۔ قرآن کے مقرر کردہ احکام کا انکار کرنے والا کافر ہے ۔ اگرچہ قرآن کے خلاف فیصلہ کرنا بھی سخت جرم ہے ۔
حکمِ شریعت کے اظہار سے کسی باجبروت حاکم کا خوف مانع نہ ہونا چاہیئے ۔ اور نہ دنیوی عزت و جاہ اور دولت و مال و حشمت کا حصول امرِ حق کے اظہار سے مانع ہونا چاہیئے ۔ وغیرہ ۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

ہم نے توریت میں یہودیوں پر یہ بھی لازم کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ

بدلے ناک اور کان کے بدلے کان دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر ہے ہاں جو

تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ

شخص بدلہ کو معاف کر دے گا تو اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی

هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

ظالم ہیں

تفسیر

اوپر کی آیات کی شانِ نزول میں بیان کیا گیا تھا کہ زنا کی سزا میں یہودیوں نے حکمِ توریت کی مخالفت کرتے ہوئے امیر و غریب کی تفریق کر دی تھی ۔ امیر کو سنگسار کرنے کی بجائے کالا منہ کر کے سو کوڑے مار کر تشہیر کیا کرتے تھے ۔ اس آیت میں یہودیوں کی دوسری سرتابی کا بیان ہے ۔
واقعہ یہ تھا کہ مدینہ کے خاندان قریظہ والے یہودیوں میں سے اگر کوئی عمداً نضیری یہودی کو قتل کر دیتا تو اس کا قصاص لیا جاتا تھا اور اگر نضیری قرظی کو قتل کر دیتا تو قصاص نہ لیا جاتا تھا بلکہ خون بہا دیا جاتا تھا ۔ اسی طرح اگر قتلِ عمد نہ ہوتا تو نضیری مقتول کی دیت قرظی سے دوگنی ہوتی تھی ۔ یہ تفریق اور امتیاز حکمِ توریت کے صریح خلاف تھا ۔ اس کے تردید کا ثبوت میں حکمِ توریت کو بیان کیا جاتا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔
وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے توریت میں حکم دیا تھا کہ قتلِ عمد کے عوض میں قصاص ضروری ہے ۔ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ ، ناک کے عوض ناک ، کان کے عوض کان اور دانت کے عوض دانت ، اور باقی اعضائے جسم کے زخموں کے عوض اسی طرح کے زخم لازم ہیں ۔ ہاں ، فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۔ اگر صاحبِ حق معاف کر دے تو عوض ساقط ہو جائے گا ۔ لیکن توریت کے اس حکم کے باوجود یہودیوں نے حکم میں تفریق کی ۔ شریف و رذیل اور امیر و فقیر کے درمیان امتیاز کیا اور توریت کے حکم کو پس پشت ڈال دیا ۔
حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ یہ حکم اگرچہ بنی اسرائیل کے لئے تھا مگر امت کے لئے بھی باقی ہے ۔ علمائے اصول فقہ اس آیت سے استنباط کر کے کہتے ہیں کہ پہلے

انبیاء کی شریعتوں سے جس قدر احکام غیر منسوخ ہیں وہ بدستور احکامِ اسلامیہ کے واسطے بھی واجب التعمیل ہیں۔ چنانچہ اس آیت کا حکم بھی باقی ہے مگر زخم کے بدلے زخم دینے کا حکم اُس وقت جائز نہیں جبکہ زخم دینے سے موت کا اندیشہ ہو یا اس زخم کا طول و عرض عمق معلوم نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں مجرم سے مالی تاوان لیا جاوے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ پہلے کافرون فرمایا اور یہاں ظالمون ہے۔ وجہ فرق ظاہر ہے کہ زانی کی سزا کی تفریق کو یہودیوں نے ضابطۂ دینی قرار دے لیا تھا اس لئے وہ کافر ہو گئے اور قتل کی سزا میں امتیاز و تفریق کو دینی مسئلہ قرار نہ دیا تھا اور نہ تمام قوم یہود اس کو ضابطۂ دینی جانتی تھی بلکہ صرف نضیری اور قرظی یہودیوں نے اس قانون کے اجراء میں تفرقہ اور امتیاز قائم کر رکھا تھا اور یہ صرف خاندانی وجاہت اور مالی فوقیت کی وجہ سے مخصوص خاندانوں میں تھا۔ علماء کا مذہبی قول نہ تھا اس لئے یہاں ان کو ظالم قرار دیا۔

مقصود بیان انسانی مساوات کا اظہار، امتیاز خاندانی وجاہت، قومی اور فوقیت مالی کا انسداد اس امر کی صراحت کہ اگر صاحب حق معاف کر دے تو ہر قسم کی سزا خواہ وہ مالی تاوان ہو یا بدنی تکلیف یا جانی نقصان ساقط ہو جاتی ہے۔ خلاف شرع حکم دینے والا ظالم ہے۔ وغیرہ

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور بعد کو ہم نے انہی کے قدم بقدم عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے والی توریت کو سچا بتاتے تھے

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور ہم نے اُن کو انجیل دی جس کے اندر ہدایت اور روشنی تھی اور جو اپنے سے پہلے والی توریت کی تصدیق کرتی تھی

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت تھی اہل انجیل کو اس حکم کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں جو اللہ نے انجیل میں نازل

فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی نافرمان ہیں

تفسیر جب یہودیوں نے توریت میں تحریف شروع کر دی اور احکام توریت کو بدل ڈالا اور حضرت موسیٰ کی تعلیم بگاڑ دی گئی تو اُن کی اصلاح کے لئے اور توریت کی اصلی تصدیق کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو انجیل دے کر مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ یعنی ہم نے گزشتہ انبیاء کے نقش قدم پر بغیر انقطاع نبوت کے عیسیٰ بن مریم کو نبی بنا کر بھیجا۔ عیسیٰ نے سابق تورات کی تصدیق اور تائید کی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ

یعنی حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا کی جس میں چار اوصاف تھے۔ عملی احکام کی اصلاح۔ عقائد کی درستگی۔ مطابق اصلی توریت کی تصدیق یعنی توریت کے اکثر احکام کی برقراری اور بعض احکام کا نسخ۔ آئندہ لوگوں کے واسطے وعظ و نصیحت جو ازلی سعید ہیں۔ خدا سے ڈرتے اور خواہشات نفسانی سے کنارہ کش۔

رہنا چاہتے ہیں جن کی قسمت میں سعادت لکھی ہے۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ۔ جب حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا کر دی تو ان کو حکم دے دیا کہ تمہاری اُمت پر لازم ہے کہ انجیل میں جو احکام نازل کئے گئے ہیں اُن کے مطابق فیصلے کریں اور توریت کے فیصلے منسوخ سمجھیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ جو لوگ انجیل کے احکام کے موافق عملدرآمد نہیں کریں گے اور خدا کے نازل کردہ قوانین کے بموجب فیصلے نہیں دیں گے وہ سرکش اور نافرمان ہوں گے۔

مقصودِ بیان حضرت عیسیٰ سے قبل مسلسل انبیاء آتے رہے۔ کوئی زمانہ انقطاعِ نبوت کا نہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ نے توریت کی تصدیق اور تائید کی مگر اُن کو انجیل مستقل کتاب عطا کی گئی۔ انجیل توریت کی ناسخ تھی۔ یعنی توریت کے بعض احکام انجیل سے منسوخ ہوگئے۔ انجیل میں فقط وعظ ونصیحت کی باتیں ہی نہ تھیں بلکہ عملی احکام اور عقائد کی اصلاح کے لئے قوانین بھی تھے۔ انجیل مستقل دستور العمل اور علیحدہ شریعت کی حامل تھی۔ نزولِ انجیل کے بعد انجیل کے قوانین پر عمل کرنا واجب تھا۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب تک سابق کتاب بغیر ردّ و بدل کے اصلی حالت پر رہتی ہے خدا تعالیٰ نئی کتاب نہیں بھیجتا اور جدید شریعت کو نازل نہیں فرماتا ہے۔ جب اہلِ کتاب میں تحریف اور ردّ و بدل ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ نئی کتاب اور نئی شریعت جاری فرماتا ہے۔ چنانچہ جب تک توریت اصلی حالت میں باقی رہی خواہ لوگوں نے عمل کیا یا نہ کیا مگر قانونِ ہدایت اصلی شکل میں رہا اس وقت تک خدا نے کوئی نئی کتاب نہیں بھیجی اور نہ کوئی جدید شریعت جاری کی۔ جب توریت میں ردّ و بدل ہوگیا اور لوگوں نے الفاظ و معانی کو بگاڑ دیا تو خدا تعالیٰ نے انجیل بھیج کر ایک نئی تجدیدی شریعت قائم کی۔ پھر جب اہلِ انجیل نے انجیل میں بھی ردّ و بدل اور تحریف شروع کر دی اُس کے احکام کو اپنے مطلب کے موافق بنالیا تو خدا تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا جس کا بیان ذیل میں آتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

اور تم پر بھی ہم نے برحق کتاب نازل کی جو اگلی کتابوں کو سچا بتاتی ہے اور ان

مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا

کی محافظ ہے لہٰذا تم اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق اُن کے فیصلے کرو اور اس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا

جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اُن کی خواہشوں پر نہ چلو تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور خاص طریقہ مقرر کر دیا ہے اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ

تو تم سب کو ایک اُمت کر دیتا مگر اپنے دیئے ہوئے حکم میں تم کو آزمانا چاہتا ہے لہٰذا تم نیکیوں کی طرف لپکو

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا

تفسیر وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ یعنی خدا نے پہلے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے توریت نازل فرمائی۔ پھر توریت میں ردّ وبدل ہونے کے بعد انجیل عیسیٰ اور جب انجیل میں بھی تحریف اور افراط وتفریط ہوگئی تو قرآن پاک حضورؐ پر نازل فرمایا۔

بِالۡحَـقِّ۔ اس قرآن کا نزول حقانیت اور صداقت کے ساتھ ہوا۔ یعنی قرآن حقانیت اور صداقت کا حامل ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ قرآن پاک کے دو اوصاف میں پہلا وصف تو یہ ہے کہ یہ (انجیل کی طرح) پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اُن کو خدا کی نازل کردہ کتابیں کہتا ہے اور سب کو سچا بتاتا ہے۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ۔

وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ جو اصول وضوابط پہلی کتابوں میں مذکور تھے وہ قرآن میں بھی ہیں۔ اس لئے قرآن اُن کا محافظ ونگراں ہے۔ عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، محمد بن کعب، عطیہ، حسن، قتادہ، عطا اور سدی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قرآن گزشتہ کتابوں کا امین ہے یعنی جو احکام پہلی کتابوں کی طرف منسوب کئے جائیں اور وہ قرآن کے مطابق ہوں۔ یعنی قرآن نے ان احکام کے من اللہ ہونے کی تائید کی ہو تو حق ہیں۔ اگرچہ منسوخ ہوگئے ہوں اور اگر صراحت قرآنی کے خلاف ہوں تو باطل ہیں (ابن جریر) ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا کہ قرآن پہلی کتابوں پر حاکم ہے۔ (عوفی)

فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ۔ بہرحال چونکہ قرآن گزشتہ کتابوں کا مؤید محافظ امین اور حاکم ہے اس لئے خدا نے قرآن میں جو حکم نازل فرمایا اور تم کو تعلیم دیا۔ اس کے مطابق سب لوگوں کے فیصلے کرو۔

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ۔ اور احکام حق سے انحراف کرکے لوگوں کی خواہشات ونفسانیات کی پیروی مت کرو۔ اُن کی رضامندی اور ناراضی کا لحاظ نہ کرو۔ جو حکم قرآن میں موجود ہے اُس پر فیصلہ کرو۔

لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا۔ ہم نے ہر قوم کے لئے مصالح زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دستور العمل اور راستہ مقرر کردیا تھا۔ لیکن اصل مقصود کے اعتبار سے راستہ ایک ہی ہے۔ توحید الٰہی کا اعلان تمام کتابوں کا اصل منشا ہے۔

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَـعَلَـكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ لیکن اگر خدا چاہتا تو سب کے لئے ایک ہی دستور العمل رہنے دیتا اور سب کو ایک اُمت بنا دیتا اور سب کو جزئیات کے لحاظ سے بھی ایک ہی شریعت عطا کرتا مگر اس نے اوامر ونواہی حلال حرام اور جزئیات کا اختلاف صرف اس لئے کردیا کہ۔

وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ۔ لوگوں کو فرمانبرداری اور نافرمانی کی کھلم کھلا آزمائش ہوجائے۔ فرماں پذیر بندوں کا سرکش شیطانوں سے امتیاز ہوجائے اور میدان عمل میں سب کو دوڑنے کا موقع مل جائے اور ہر ایک بڑھنے کی کوشش کرنے میں مجبور ومعذور نہ ہو۔

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ۔ لہٰذا اے امت محمدیہ کے شہسوارو تم اس میں آگے بڑھو۔ اطاعت کی طرف رغبت کرو اور کسی کار خیر کے حصول میں سستی نہ کرو۔ اپنی شریعت کے اوامر ونواہی پر کاربند رہو۔ دوسروں کے بہکانے میں نہ آؤ کیونکہ۔

اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا۔ تم سب کو بالآخر خدا کے پاس جانا ہے۔ وہیں سے تمہاری ابتدا ہوئی اُسی پر انتہا ہوگی۔

فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ۔ وہی تمہارے دعووں کی حقانیت وبطلان کو ظاہر کرے گا اور بتائے گا کہ کس کے عقائد واعمال صحیح تھے اور کون جزا کا مستحق ہے اور کس کو عذاب میں مبتلا ہونا ضروری ہے۔ یعنی قیامت کے دن سب کے اعمال وعقائد کی جزا وسزا کھلے گی جس سے ہر شخص کو واضح ہوجائے گا کہ کون حق پر تھا۔

مقصود بیان قرآن حقانیت وصداقت کا حامل ہے۔ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ گزشتہ کتابوں کے اصول وضوابط کو قرآن نے منسوخ نہیں کیا بلکہ احکام حلت وحرمت اور فروعی جزئیات کو منسوخ کیا۔ قرآن گزشتہ شرائع کا امین محافظ اور نگراں ہے۔ غیر مذہب والوں کے باہمی مقدمات بھی بحکم قرآنی کے مطابق فیصلہ کرنے چاہئیں۔ ہر زمانہ میں مصلحت زمانہ کا لحاظ کرکے الگ الگ شریعت اور کتاب بھیجی گئی تھی۔ مقصود تمام شریعتوں کا ایک ہی تھا احکام حلت وحرمت وغیرہ میں شریعتوں کا اختلاف

صرف جذبات اطاعت وعصیان کی آزمائش کے لئے ہے۔
آیت میں ہر نیکی اور اوامر کی طرف دوڑنے اور منہیات سے باز رہنے کا حکم ہے۔ وغیرہ

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
اور (اے نبی) اللہ کے نازل کردہ حکم کے موافق تم ان کے باہمی فیصلے کرتے رہو ان کی خواہشات پر نہ چلو اور ان سے بچتے رہو تاکہ کہیں

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ
اُس حکم سے تم کو نہ بہکا دیں جو اللہ نے تم پر اُتارا ہے پھر اگر وہ یہ کہنا نہ مانیں تو جان لو کہ اُن کے کسی قصور کی

اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝
پاداش میں خدا اُن پر کوئی مصیبت ڈالنی چاہتا ہے بلاشبہ بہت لوگ نافرمان ہیں

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ع
کیا یہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہوگا

تفسیر پہلی آیت میں بھی حکم قرآنی پر چلنے اور قرآن کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت تھی۔ یہاں بھی اسی مضمون کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اغراض میں فرق ہے۔ پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ خدا نے قرآن نازل فرمادیا تاکہ تم کو اس کے بموجب فیصلہ کرنے کا حق ہوجائے اور لوگوں کی گھڑی ہوئی بات کی حاجت نہ ہو۔ یہاں احکام قرآن پر مضبوط رہنے کی ہدایت ہے۔ آیت کی شان نزول یہ ہے کہ کعب بن اسید، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے باہم مشورہ کیا کہ چلو محمدؐ کو دین سے بہکا دیں اور حکم قرآنی کے خلاف کسی معاملہ میں فیصلہ کرادیں۔ چنانچہ یہ شیطانی مشورہ کرکے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ محمدؐ! تم جانتے ہو ہم یہودیوں میں سردار شمار کئے جاتے ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہوگئے تو سارے یہودی مسلمان ہوجائیں گے۔ اس لئے ہم کہنے آئے ہیں کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہونے آپ تک آئے گا آپ ہمارے مطابق حکم دیں۔ حضور اقدسؐ نے یہ سُن کر فرمایا کوئی ایمان لائے یا نہ لائے مجھ سے اس کی ہرگز توقع نہ رکھو۔ اگر میرے پاس کوئی مقدمہ آیا تو میں یقیناً حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ خواہ کسی کا نقصان ہو یا نفع۔ اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ آپ ان لوگوں کی خواہشات پر نہ جائیے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق فیصلہ کیجئے۔ ان کی نفسانی معروضات کا لحاظ کیجئے۔ یہ شیطان ہیں۔ آپ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ آپ کو بہکا کر حق سے پھیر دینا ان کا مقصود ہے۔

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۔ لہٰذا آپ ان سے احتیاط رکھیں کہیں آپ کو بعض احکام الٰہی سے یہ نہ بہکا دیں کیونکہ انہوں نے اغوا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اگر یہ آپ کے فیصلہ کو مان لیں تو خیر۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر نہ مانیں اور آپ کے نہمائش کی اُن پر تاثیر نہ ہو تو فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ سمجھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ ہی ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی ان کی فطرت میں ہی شقاوت ہے۔ یہ پیدائشی کج فہم اور بدبخت ہیں۔ نور سعادت سے محروم ہیں۔ معصیت اور نافرمانی کے خوگر ہیں۔ ان کی معصیت کوشی نے رحمت خدا سے ان کو محروم کردیا ہے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ نا فرمان ہیں۔ دائرۂ توحید و اطاعت سے خارج رہنا چاہتے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۔ کیا یہ نافرمان طبقہ جاہلیت کے احکام کا خواستگار ہے۔ یعنی نظریت پر یقین رکھنے کے دعوے کے ساتھ ساتھ جاہلانہ حکم چاہتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ حالانکہ جو لوگ ایمان دار ہیں۔ علم و معرفت سے جن کو کافی بہرہ حاصل ہے ان لوگوں کے نزدیک حکمِ الٰہی سے بڑھ کر اور کونسا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ پھر یہ لوگ باوجودیکہ توریت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں۔ لیکن حکمِ الٰہی سے کیوں سرکشی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا خدا پر اور اس کے احکام پر خواہ وہ احکام توریت میں ہوں یا قرآن میں ایمان ہی نہیں ہے۔

مقصود بیان احکامِ الٰہی پر کاربند رہنے کی ہدایت، کسی کی جنبہ داری کرنے کی ممانعت، کفار کی سازشوں کی طرف سے محتاط رہنے کا حکم۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دنیا کے اندر انسان کو عقل سے کام لینا چاہیئے۔ اچھے بُرے اور دوست دشمن کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ اسباب دنیوی کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ دور اندیشی اور معاملہ فہمی کو لازم سمجھنا چاہیئے۔

آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کی گمراہی اور کور باطنی اس کے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے اور دنیا میں جو مصائب انسان پر آتے ہیں وہ اسی کی ناشائستہ حرکات کا خمیازہ ہوتے ہیں۔

نہایت بلاغت کے ساتھ اس بات کو بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عقلمند اور معرفت کوش طبقہ جس کا ایمان خدائے قدوس پر ہے اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ نظامِ عالم کی درستگی اور دنیائے عدالت و امن قائم رکھنے کے لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین ناکافی ہیں۔ خدا کے بھیجے ہوئے احکام کے بغیر دنیا میں عدالت قائم نہیں ہوسکتی ۔ وغیرہ ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ہیں تم میں سے جو شخص اُن کو دوست بنائے گا وہ انہی میں ہوگا اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

وقف لازم

تفسیر اس مکمل آیت کی شانِ نزول میں دو روایات ہیں:- (۱) عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذر کے حق میں نازل ہوئی۔ ابولبابہ خالص مسلمان تھے۔ لیکن بمقتضائے بشریت ان سے ایک ناشائستہ حرکت سرزد ہوگئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابولبابہ کو رسول پاک نے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ تم لوگ بلاشرط اپنے قلعوں سے نکل آؤ اور ہمارے فیصلہ کو تسلیم کرلو۔ جاہلیت کے زمانہ میں ابولبابہ کی ان یہودیوں سے دوستی تھی۔ جب یہودیوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم تمہارے رسولؐ کے کہنے سے نکل آئے اور بغیر شرط کے اُن کے حکم کو مان لیا تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ابولبابہ نے جواب میں اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مراد یہ تھی کہ ذبح کئے جاؤگے۔ (ابن جریر)

(۲) محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے رسول پاکؐ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف کسی کو مدد نہ دیں گے اور نہ خود مسلمانوں سے لڑیں گے۔ لیکن چند روز کے بعد ہی غزوۂ خندق کے موقع پر سب سے پہلے انہوں نے عہد شکنی کی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں خوب جنگ آزمائی کی۔ لیکن بالآخر ذلیل و خوار ہوکر اپنے قلعوں میں پناہ گیر ہوگئے اور انجام کار قلعوں سے اس شرط پر باہر نکلے کہ ہمارے حق میں جو کچھ فلاں شخص اسعد حکم دے گا ہم اس پر راضی ہیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب یہ کیفیت دیکھی تو یہودیوں کے بچانے میں انتہائی

[illegible] مدد کی اور کہنے لگا کہ میں گردش زمانہ سے ڈرتا ہوں معلوم نہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھے [illegible]
[illegible] صاف بیزاری ظاہر کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے موالات کرتا ہوں مجھے ان کی موالات کی ضرورت نہیں [illegible]
اشارہ ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں [illegible]
[illegible] کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ یہ خیال نہ کرو کہ اگر ہم اس وقت ان سے موالات کریں گے تو یہی آئندہ [illegible]
آئیں گے کیونکہ

بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یہ خود باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ سب اغراض [illegible]
میں سب ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ تم میں سے جو شخص ان سے [illegible] دوستی کرے گا [illegible]
بھی انہی میں شمار کیا جائے گا۔ وہ بھی کافر سمجھا جائے گا یعنی جو شخص اسلام کے مقابلہ میں غیر مسلم کی حمایت کرے گا وہ بھی غیر مسلم ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ خدا تعالیٰ ناحق کوش اور ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا ہے۔ جو لوگ خود اپنی گمراہی کے خواہشمند
طالب ہیں۔ خدا ان کو راہ راست نہیں دکھاتا ہے۔ اگر تم خود اپنے نفس پر ظلم کرو گے تو خدا بھی تم کو گمراہی میں چھوڑ دے گا۔

مقصود بیان اخوت اسلامی اور اتحاد ملی کی پر زور ہدایت اور بصورت نافرمانی سخت ترین وعید۔ اس امر کی صراحت کہ غیر مسلم [illegible] اتحاد فی الکفر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے حامی اور شریک کار ہیں۔ ان سے دوستی کی امید رکھنی فضول ہے۔ غیر مسلم کا حامی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ وغیرہ

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ

کیا تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو خوف ہے کہ

تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

ہم پر کوئی مصیبت نہ آ پڑے سو کوئی دن جاتا ہے کہ اللہ (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیجے گا تو

فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

اس وقت یہ اپنے ان خیالات پر پشیمان ہوں گے جن کو اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اور مسلمان کہیں گے

اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ

کیا انہوں نے ہی بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

ان کا سارا کیا کرایا اکارت ہو گیا اور نقصان میں رہ گئے

تفسیر فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۔ یعنی اے رسول! دیکھو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے جن کا ایمان پختہ نہیں ہے نہ زندہ ہیں نہ مردہ بظاہر نمازوں میں داخل ہیں اور باطن میں مُردوں کے ساتھ شامل ہیں وہ ان غیر مسلموں کی دوستی کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ اور نہایت شوق و رغبت سے اُن کی موالات کے خواہشمند ہیں اور کہتے ہیں ممکن ہے پانسہ اُلٹ جائے۔ ہم کو زمانہ کی گردش پر بھروسہ نہیں خوف ہے کہیں معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے۔ یہ ممکن ہے کہ اگر ہم اُن سے موالات نہ کریں گے تو قحط کے وقت یہ ہم کو کھانے کو نہ دیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ کیونکہ پختہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح نصیب کرے گا اور اپنے رسول کی مدد فرمائے گا۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ یا کوئی اور امر اپنی طرف سے پیدا کرے گا جس سے مسلمانوں کو کامیابی اور یہود و نصاریٰ کو شکست ہو کر انتہائی ذلت سے جزیہ دینا پڑے گا۔ تمام شان و شوکت ان کی خاک میں مل جائے گی۔

فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ اس وقت یہ پچھتائیں گے اور دلوں میں جو خیالات قائم کرتے تھے اُن پر اُن کو ندامت ہوگی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ اور جب حقیقتِ حال اور ان منافقوں کی غداری کھل جائے گی تو مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے پختہ قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ بلاشک و شبہ ہیں اور مسلمانوں کے طرفدار ہیں۔ ہمارے خلوص ایمان میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس وقت حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ان منافقوں کا سب کیا کرایا برباد جائے گا۔ جو اعمال انھوں نے ریاکاری اور دکھاوٹ کے لئے کئے تھے سب بے سود جائیں گے اور ظاہری ایمان مفید نہ ہوگا۔ سب حقیقتِ حال کھل جائے گی۔

فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ دنیا دین میں تباہی حاصل ہوگی۔ دنیا میں رسوا اور قیامت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے اور تمام منصوبے ملیامیٹ ہو جائیں گے۔

مقصود بیان غیر مسلموں سے موالات کے نتیجہ میں کمی صراحت، مسلمانوں کی فتح کی بشارت، منافقوں کی حوصلہ شکنی، مسلمانوں کو ان سے ترک موالات کرنے کی ترغیب اور منافقوں کی ترہیب۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ

ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائیگا تو پھر جائے [illegible] کے بعد اللہ ایسی چیز پیدا کر دے گا جو اللہ سے محبت

يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ

کرتی ہوگی اور اللہ اس سے محبت کریگا وہ مسلمانوں کے حق میں نرم دل اور کافروں پر سخت ہوگی راہ خدا میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

اپنی جانیں لڑا دے گی اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرے گی یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا

يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

کرے اللہ بڑا وسیع الفضل باخبر ہے

تفسیر

پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ سے سوالات کرنے کی ممانعت اور اس بات کی صراحت تھی کہ جو شخص کفار سے اندرونی یارانہ کرے گا وہ بھی کافر شمار کیا جائے گا۔ اس آیت میں مرتدوں کے کچھ حالات اور آئندہ مسلمانوں کے متعلق کچھ پیشین گوئیاں بیان کی جاتی ہیں۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ مرتدوں کے گیارہ گروہ ہو گئے تھے۔ تین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زندہ حیات میں ہی پیدا ہو گئے اور سات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئے اور ایک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔

(۱) اسود عنسی ایک ساحر تھا۔ اطراف یمن پر اس نے قبضہ کر کے حضور ﷺ کے کارندوں کو نکال دیا تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو گورنر بنا کر بھیجا اور بالآخر فیروز دیلمی نے اسود کو قتل کر دیا۔

(۲) ملک یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور بنو حنیفہ کو اسلام سے پھیر کر اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔

(۳) طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو اسد کو گمراہ کر کے مسلمانوں سے جنگ کی۔ انجام کار شکست کھا کر بھاگ کر ملک شام کو چلا گیا۔ لیکن اخیر میں توبہ کر کے سچا مسلمان ہو گیا۔

یہ تینوں گروہ حضور ﷺ کے زمانہ ہی میں مرتد ہو گئے تھے۔

ذیل کے سات گروہ صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے اور امیر المومنین نے ان پر لشکر کشی کی اور زیر کیا:-

(۱) فزارہ (۲) غطفان (۳) بنو سلیم (۴) بنو یربوع (۵) بنو بکر بن وائل (۶) بنو کندہ (۷) بنو تمیم۔ یہ قوم سجاح بن المنذر کے پیرو ہو گئی تھی۔ سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آخر میں مسیلمہ کذاب سے نکاح کر کے دو نبوتوں کو ایک جگہ جمع کر لیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبلہ بن ایہم غسانی کی قوم مرتد ہو گئی تھی اور جبلہ مرتد ہو کر روم چلا گیا تھا۔

ارشاد باری ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ مسلمانو! تم اپنے ایمان پر نازاں نہ ہو اور یہ خیال نہ کرو کہ اسلام کا ہمارے اوپر ہی مدار ہے۔ کیونکہ اگر لوگ مرتد ہو جائیں گے تو اسلام کا کوئی حرج نہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ عنقریب ایسی دوسری قوم پیدا کر دے گا جس سے خدا کو محبت ہو گی اور خدا سے اس کو محبت ہو گی۔ خدا اُن کو محبوب ہو گا اور خدا کو وہ محبوب ہوں گے۔ ذیل کے چار خصوصی اوصاف ان میں امتیازی طور پر ہوں گے:۔

(۱) أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ مسلمانوں کے حق میں وہ نرم دل ہوں گے۔ اہل ایمان سے مہربانی اور شفقتِ خاطر سے پیش آئیں گے۔ یہ نرم دلی کمزوریٔ خاطر کی وجہ سے نہ ہو گی بلکہ اُن کے جذبۂ محبت اور داعیۂ اخوت کے ماتحت ہو گی۔ ورنہ!

(۲) أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ منکرانِ دین کے حق میں تو وہ بہت سخت ہوں گے۔ بڑے سے بڑے کافر کی حمایت دین کے مقابلہ میں پرواہ نہ کریں گے۔

(۳) يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ راہ خدا میں دل و جان سے جہاد کریں گے مرضیٔ مولا کے حصول کے لئے جانیں لڑا دیں گے۔

(۴) وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ امر حق کے اظہار اور توحید الٰہی کے اعلان میں کسی کی ملامت اور بُرا بھلا کہنے کا خوف نہ کریں گے مطلب یہ کہ خوش خلق، رحیم، شفیق، بہادر، حامیٔ دین، متحد القوت، مجاہد فی سبیل اللہ اور بالکل بے لاگ ہوں گے۔ دینِ الٰہی کے پھیلانے میں مستغرق ہوں گے۔ اعلانِ توحید میں اپنا تن من دھن قربان کرنے والے ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ اس قوم محبوب سے کون سی قوم مراد ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے ہم ذیل میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں:۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ اس شخص کی قوم ہو گی (رواہ الحاکم وابن ابی حاتم وابن جریر وہو فی الصحاح ایضاً) ابن کثیر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اہل قادسیہ مراد ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ شہر سبا کی ایک قوم مراد ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ کندہ کی قوم مراد ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وہ سرداران قریش مراد ہیں جو خالص مسلمان ہو گئے تھے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کا بیان ہے اور انہی کے متعلق آیت کا نزول ہوا ہے۔ لہٰذا صدیق اکبرؓ اور صحابہ و تابعین کا جرار لشکر ہی مراد ہے۔ انھوں نے مرتدوں کو قتل کیا تھا اور ارتداد کی جڑ جزیرۂ عرب سے بیخ کنی کی تھی اور حکم آیت میں ہر وہ قوم بلا تخصیص کے داخل ہیں جس میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہوں یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ یہ اخوت اسلامیہ اعدائے دین سے مقابلہ اعلانِ توحید اور اظہار حق میں بیباکی خدا داد نعمت ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کسی کا استحقاق نہیں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ خدا کا فضل وسیع ہے۔ وہی ہر ایک کی اہلیت قابلیت مصلحت اور حکمت سے واقف ہے۔ جہاں اور جس میں اہلیت ہوتی ہے اُسی کو اپنے فضل سے سرفراز فرماتا ہے ورنہ اس پر نہ کوئی چیز بالذات واجب ہے، نہ کسی کے اعمال اس کے موجب ہیں۔

مقصود بیان آئندہ ارتداد اور استیصالِ ارتداد کی پیشین گوئی مسلمانوں کو رحم، اخوت، اتحاد کی تعلیم، کفار کے مقابلہ میں جان و مال سے کوشش کرنے اور اتفاق تی قائم رکھنے کی ہدایت، اظہار حق میں کسی ملامت گر کے برا بھلا کہنے کی پرواہ نہ کرنے کا حکم، گویا ترقی اسلام اور اشاعت ایمان کے اصولِ اربعہ کی تصریح۔ اس بات کی صراحت کہ کسی کا خدا پر حق نہیں۔ خدا تعالیٰ صاحب ارادہ مالک مختار اور صاحبِ فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ کسی کے اعمال اس فضل اور استحقاقِ فضل کے موجب نہیں۔ وغیرہ

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
بس تمہارے دوست اللہ اُس کا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو پابندی سے باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
دیتے اور ہمیشہ خشوع خضوع کرتے رہتے ہیں جو شخص اللہ سے اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے دوستی کریگا
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ع
تو سمجھ لے کہ اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا

تفسیر ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبدالرزاق، ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابوالشیخ نے ایک روایت اس آیت کے شانِ نزول میں نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ رکوع میں پہنچے تو ایک سائل آیا اور اس نے جماعت سے سوال کرنا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے رکوع کی حالت ہی میں انگشتری اتار کر اس کو دے دی۔ اس روایت کے درمیانی راوی ضعیف ہیں۔ اس لئے سیوطی اور ابن کثیر نے اس شانِ نزول کی تضعیف کی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا تھا۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت اور مسلمانوں کی جماعت میں رہنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انجام کار خدا کے خالص بندوں کو ہی غلبہ ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:- اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ مسلمانو! تمہارا دوست حامی اور سرپرست مددگار خدا ہے اُس کا رسول ہے اور وہ خالص مومن بندے ہی ہیں جو نماز کو نہایت خشوع خضوع اور پابندی ارکان و شرائط سے ٹھیک اوقات میں ادا کرتے ہیں اور عمل سے زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان کی نماز رکوع سے خالی نہیں ہوتی جس طرح یہودی بغیر رکوع کے نماز پڑھتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں الگ اکیلا پڑھنے کو پسند نہیں کرتے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - اور جو شخص خدا رسول اور مسلمانوں کی حمایت و رفاقت کو پسند کرتا ہے اور اُن کا ساتھی بنتا ہے وہ خدا کے گروہ میں داخل ہوتا ہے اور:-

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ انجام کار خدا کا گروہ ہی غالب رہتا ہے۔ لہٰذا خدا رسول اور مسلمانوں کے رفیقوں ہی کو انجام میں فتح نصرت اور غلبہ ہوگا اور خدا کے خالص بندے ہی کامیاب ہوں گے۔ اخیر میں حق ہی غالب رہے گا۔

مقصودِ بیان خالص مسلمانوں کی حمایت خدا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی رفاقت و ہمدردی کا بھی وہی مستحق ہے جو سچے دل سے ان کا دوست ہو۔

آیت میں مسلمانوں سے موالات کرنے اور اتحاد ملی کو برقرار رکھنے کی نہایت بلاغت آمیز عبارت میں ہدایت کی گئی ہے اور صراحت کر دی گئی ہے کہ انجام کار حق کو ہی غلبہ ہوگا اگرچہ درمیان میں کبھی مسلمانوں کا پلڑا کمزور اور کبھی کفار کو شکست ہو جائے۔

ایک وضاحت اس بات کی بھی ہے کہ جو لوگ کفار سے موالات نہ کریں اور اسلام کی حمایت میں سرگرم عمل رہیں وہی حزب اللہ کہلانے کے مستحق ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ

مسلمانو! گذشتہ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور دل لگی

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

بنا رکھا ہے تم اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور مسلمان ہو تو

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ

اللہ سے ڈرو اور جب تم نماز کی ندا دیتے ہو تو یہ اُس کو ہنسی اور دل لگی بنا لیتے ہیں اس کی وجہ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل عقل نہیں رکھتے

تفسیر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز پڑھنا شروع کرتے تو یہودی کہتے یہ کھڑے ہوئے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب مسلمانوں کو رکوع اور سجدہ میں دیکھتے تو ہنستے اور مذاق اُڑاتے تھے۔ اسی طرح مدینہ میں ایک عیسائی رہتا تھا جب اشہد ان محمد ارسول اللہ کی آواز سنتا تو کہتا یہ جھوٹا جل جائے۔ ایک رات اتفاق سے یہ عیسائی اور اس کے سب گھر والے سو رہے تھے۔ ایک خادم آگ لے کر گیا۔ راستہ میں ایک چنگاری گر پڑی جس کی وجہ سے وہ اور اُس کے گھر والے اور گھر بار سب جل کر خاکستر ہو گیا۔ اسی طرح رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہو گئے تھے اور باطن میں منافق تھے۔ مسلمان ان سے میل جول رکھتے تھے ان تینوں فریق سے اختلاط کی ممانعت اس آیت میں کر دی گئی کہ:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ - اے دیندارو! اُن اہل کتاب کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ جنہوں نے دین اسلام کو ہنسی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے اور کافروں سے بھی موالات

ذکرو اور:۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اگر تم سچے مومن ہو تو راہِ توحید و اسلام پر چلو۔ ان کافروں سے موالات چھوڑ دو دیکھو۔
وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۔ تم جب نماز کی اذان دیتے ہو اور نماز کو کھڑے ہوتے ہو تو یہ نماز پر ہنستے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ جانوروں کی طرح بے عقل ہیں، نورِ انسانیت سے محروم ہیں عقل کی روشنی ان میں موجود نہیں۔ یعنی اذان سے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ مناجاتِ الٰہی کے مقام میں حاضر ہوں یہ ندائے حق ہوتی ہے اسی شخص کے کان میں پہنچتی ہے جو سعیدِ ازلی ہیں اور ندائے ازلی کو قبول کر چکا ہے اور جو حقیقتِ حال سے غافل ہے وہ اس کو لہو و لعب کے کانوں سے سنتا ہے۔

مقصودِ بیان کسی دینی بات کو ٹھٹھا سمجھنا اور اس کا مذاق اُڑانا کفر ہے۔ احکامِ شریعت پر طعن کرنے والا احمق جاہل اور بے عقل ہے اس میں اور جانوروں میں سوائے ظاہری شکل کے اور کوئی فرق نہیں۔ جس شخص کو دین کی عقل نہیں وہ حیوان ہے۔ آیت میں مسلمانوں کو ایسے بے عقل کافروں سے موالات کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ وغیرہ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

(اے محمدؐ) کہہ دو اے اہلِ کتاب تم ہم میں بجز اس کے کیا عیب پاتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی

وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

اور اُن کتابوں پر جو پہلے اُتر چکی ہیں ایمان رکھتے ہیں اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں کہہ دو کیا میں تم کو ان فرضی عیب داروں سے

ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ

اللہ کے نزدیک بُری سزا والے بتاؤں وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب نازل کیا اور ان میں سے بعض

الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰۤئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ

کو بندر اور سؤر بنا دیا اور وہ شیطان کو پوجنے لگے یہی لوگ درجے میں بدترین اور سیدھی

عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں

تفسیر ابو یاسر ابن اخطب، نافع بن ابی نافع، غازی بن عمر اور کچھ دوسرے یہودی ایک بار خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ محمدؐ! تمہارا ایمان کن چیزوں پر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ پر، تمام نبیوں پر یعنی ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر۔ جب حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کا نام لیا تو یہودی بولے ہم عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور جو شخص عیسیٰ کو مانے ہم اس کو بھی نہیں مانتے۔ ہماری رائے میں تمہارے دین سے بدتر کوئی دین نہیں۔ اس وقت یہ آیت:۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ آپ کہہ دیجئے یہودیو! تم کو ہم سے صرف اس وجہ سے بیر ہے کہ ہمارا ایمان خدا پر بھی ہے اور اپنی کتاب پر بھی اور گزشتہ آسمانی کتابوں پر بھی اور تم میں سے اکثر آدمی اطاعتِ الٰہی سے خارج ہیں۔ یہ بیر کی کونسی وجہ ہوسکتی ہے اور اس سے انکار حقیقت کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ بیر رکھنے کی بات اور عیب و برائی کے قابل تو ہو۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وہ لوگ ہیں جو خدا کے لعنت وغضب میں گرفتار ہیں۔ خدا تعالیٰ نے وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ جن میں سے بعض کو (داؤد کے زمانہ میں طاعون میں مبتلا کرکے) بندروں اور سوؤروں کی شکل پر کردیا تھا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ اور بدترین انسان تو وہ ہیں جنھوں نے شیطان کی پرستش اور پیروی کی۔

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ایسا سرکش اور جاہل فرقہ درجہ کے لحاظ سے بدترین اور راہ راست سے سب سے زیادہ منحرف ہے نہ کہ وہ ایماندار گروہ جس کا ایمان خدا پر رسول پر، قرآن پر، تمام انبیاء پر اور کل آسمانی کتابوں پر ہے۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ اسلام سے بدتر کوئی دین نہیں، حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

مقصود بیان یہودی بہت زیادہ گمراہ تھے اور ان کے دل اندھے ہوگئے تھے۔ حق بات سے انکار کرنا ان کے نزدیک قابل مدح تھا یہودیوں نے اللہ کو چھوڑ کر دیوتاؤں اور شیطانوں کی پرستش شروع کردی تھی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو (طاعون کے مرض میں مبتلا کرکے) بندروں اور سوروں کی مشابہ ان کی شکلیں کردی تھیں۔

آیت میں اس امر کی طرف بھی واضح اشارہ ہے کہ معیار ہدایت و گمراہی، توحید و اطاعتِ الٰہی ہے۔ جو مومن توحید و اطاعت الٰہی سے منحرف ہے وہ گمراہ ہے ۔ وغیرہ

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ

جب تمہارے پاس آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ کفر ہی کو لے کر آئے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ

أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے تھے تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا

ظلم اور حرام خواری میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں جو حرکات وہ کررہے ہیں وہ بُری ہیں اللہ والے

يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ

اور علماء ان کو ان کے گناہ کے الفاظ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

وہ بُرے افعال کررہے ہیں

تفسیر یہودیوں کی کور باطنی اور ناحق کوشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ فسق و فجور ان کے نزدیک کوئی قابل وزن چیز نہ رہی تھی۔ اسی لئے جب وہ اغراض دنیا کے حصول کے لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو زبان سے مدعی اسلام بنتے تھے اور واپس جاتے تو ویسے ہی دامن جھاڑ کر کورے چلے جاتے تھے۔ اسی مطلب کا بیان ان آیات میں ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی جب مسلمانوں کے جلسوں میں آتے ہیں تو دل میں کفر کو چھپا کر زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ کفر کو لے کر آتے ہیں اور ویسے ہی کفر لئے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور دل کی حالت کو چھپائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ جس نفاق وکفر کو وہ چھپانا چاہتے ہیں۔ خدا سے وہ پوشیدہ نہیں ہیں۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ تعجب ہے کہ ان میں سے بہت سے آدمی بدگوئی، کذب اور ناحق کوشی و حرام خواری کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ خوب رشوتیں کھاتے، پرایا مال غبن کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اُن کے یہ کرتوت بہت بُرے ہیں۔

جب عام یہودیوں کی حالت بیان ہو چکی تو اب سردارانِ قوم اور مذہبی لیڈروں کے بیان حال کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ اُن کے مشائخ اور علماء کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ عام لوگوں کو دروغ بافی اور حرام خواری سے کیوں نہیں منع کرتے اور کیوں قوم کو ان تباہ کاریوں سے نہیں روکتے۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ ان کی یہ حرکات بدترین ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہودی قوم کے عوام و خواص کی اخلاقی اور دینی حالت بالکل تباہ ہے۔ عوام کی زبانیں پیٹ اور اعضاء سب ہی گنہگار ہیں۔ زبان سے جھوٹ بولتے ہیں پیٹ میں حرام مال کھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں سے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ رہے خواص تو وہ بھی مالی لالچ میں گرفتار ہیں۔ رشوتیں کھاتے ہیں اور عوام کو ان حرکاتِ شنیعہ سے محض اپنے شخصی فوائد کی وجہ سے نہیں روکتے اور جس قوم کے عوام و خواص کی یہ حالت ہو وہ دین دنیا میں کس طرح کامیاب اور بافلاح ہو سکتی ہے۔

مقصودِ بیان یہودیوں کے نفاق اور بدباطنی کا بیان اور اس امر کی صراحت کہ ان کی روحیں مُردہ ہو چکی ہیں۔ عوام و خواص سبھی گناہ کے عادی اور فسق و فجور کے خوگر ہو گئے ہیں۔ گناہ ان کی نظر میں گناہ نہیں رہا۔ لطیف تنبیہ اس بات پر بھی ہے کہ جب تک زبان پیٹ اور دیگر اعضاء کو گناہ سے نہ روکا جائے فلاح و سعادت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک بلیغ اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ مشائخ و علماء پر لازم ہے کہ عوام کو حق تعالیٰ کی نافرمانی اور دینی و اخلاقی تباہی سے روکیں اور جہاں تک ممکن ہو قولی اور عملی کوششیں لوگوں کی اصلاح و نصیحت کے واسطے صرف کریں۔ ورنہ اُن کا شمار بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ شرعی امور میں چشم پوشی کرنی حرام ہے۔ وغیرہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ

یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے انہی کے ہاتھ جکڑ جائیں اور اس قول کی وجہ سے اُن پر پھٹکار اُس کے

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا

دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے تم پر جو قرآن تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے

أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ

اُس سے ان میں کے بہت سے آدمیوں کی شرارت و کفر میں اور اضافہ ہوگا اور ہم نے روز قیامت تک ان کے آپس میں دشمنی اور کینہ

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي

ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ ملک میں

الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○

فساد پھیلانے کو دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو توریت میں نہایت تاکید سے حکم دیا تھا کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو اُن پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا۔ لیکن جب حضور والا مبعوث ہوئے تو علمائے یہود کو خوف ہوا کہ کہیں ہمارے مرید اور معتقد مسلمان نہ ہو جائیں اور ہماری پیری جاتی رہے اور آمدنی ختم ہو جائے۔ یہ خیال کر کے انھوں نے رسول پاک کے اوصاف اور حلیہ کو بدل ڈالا اور مریدوں کو مسلمان ہونے سے بہکایا۔ خدا تعالیٰ نے اس فعل کی پاداش میں ان کو مفلس اور تنگ حال کر دیا۔ جس بات کا اُن کو خوف تھا وہی پیش آئی۔ آمدنی کم ہوگئی اور معاش کی طرف سے پریشان ہوگئے یہ حالت دیکھ کر مردود زبان درازی کرنے لگے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نحاس یہودی نے جو خاندان بنی قینقاع کا سردار تھا نہایت گستاخی اور بیباکی سے کہا کہ اب خدا کا ہاتھ بند ہوگیا ہے۔ اس قول پر سارے یہودی بھی خوش ہوئے۔ اس وقت یہ آیت "وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ" نازل ہوئی۔ عکرمہ کی روایت میں اس قول کا قائل شاس بن قیس تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں خدا کا ہاتھ جکڑ گیا ہے وہ کنجوس ہوگیا ہے۔ مخلوق کو رزق دینا نہیں چاہتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ ۔ درحقیقت اُن کے ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ نیک کاموں کی طرف سے اُن کے ہاتھ رُکے ہوئے ہیں۔ ہر کار خیر سے وہ اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔

وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۔ اور اس کفریہ کلام کی وجہ سے یہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی سے خارج ہوگئے۔ قیامت تک اُن پر پھٹکار برستی رہیگی۔ خدا کے متعلق ان کا خیال غلط ہے۔

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ خدا کے تو دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ وہ فیاض اور بخشش کرنے والا ہے۔

سلہ خدا جسم و جسمانیات اور تمام عوارض مادّی سے پاک ہے۔ اس میں صفات خلق میں سے کوئی صفت نہیں۔ اس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پانوؤں نہ چہرہ نہ قلب، نہ بدن نہ اس کو مکان کی ضرورت نہ وہ زمانہ کا محتاج نہ زمانہ اُس کو محیط ہے اُس میں حرکت نہ سکون نہ تغیرات نفسانیہ نہ عوارض بدنیہ قرآن پاک یا حدیث میں جہاں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے خدا کے جسم یا جسمانی ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے اُن کے مجازی معنی مراد ہیں۔ مثلاً آیت میں یَدٌ سے مراد جود و فیض ہے خدا کے ہاتھ کشادہ ہیں یعنی اس کا فیض جاری ہے۔ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ خدا کے واسطے مخلوق جیسے ہاتھ پاؤں نہیں۔ نہ اُس کے اندر یہ عوارض جسمانیہ ممکنہ ہیں بلکہ صفات الٰہی تصور اور اُن کی ماہیت انسان کے وہم و قیاس اور قوائے مدرکہ سے بالاتر ہے۔ اس کے ہاتھ ہیں لیکن مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں۔ اس کے پانوؤں ہیں اس کا چہرہ ہے۔ لیکن ممکنات جیسا نہیں۔ وہ دیکھتا ہے بغیر مخلوق کی آنکھوں کے، وہ سنتا ہے بغیر کانوں کے لیکن جمہور محققین کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق خدا تعالیٰ پر بطور مجاز عقلی کے نہیں ہے بلکہ مجاز لغوی کے طور پر ہے ہاتھ سے مراد قدرت (باقی بر صفحہ آئندہ)

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۔ اس کا فیض جاری ہے جس طرح چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ یہود اس قدر گمراہ اور فطرتاً شقی ہیں۔ ہدایت مجسم سے ان کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آفتاب رہبری یعنی قرآن سے بجائے ہدایت کے ان کی سرکشی اور کفر بڑھتا جاتا ہے۔ شریر اور بدنہاد دل کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جس قدر ان کو نصیحت کی جائے وہ اسی قدر ضد میں آکر اور کفر بکنے لگتے ہیں۔ کیونکہ فطری صلاحیت ہی اُن کے اندر نہیں ہوتی۔ اپنے نفسانی جذبات اور شخصی خواہشات کے بندے ہوتے ہیں۔ جو کوئی ان کو نفسانی جذبات اور ہوا و ہوس سے روکے اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ان میں حق جوئی کا مادہ نہیں رہا اور یہ سب بندگانِ نفس اور پرستارانِ ہوا و ہوس ہو گئے۔ اس لئے ہم نے بھی :-

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ اُن کے آپس میں قیامت تک کے لئے مذہبی پھوٹ اور کینہ و عداوت ڈال دی اور فقط یہی نہیں بلکہ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں انہوں نے لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہی خدا نے اُسے بجھا دیا اور ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اُن کے آپس میں پھوٹ پڑی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کو شکست ہوئی۔

بیضاوی میں ہے کہ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ یہودی جب کسی سے لڑے ہمیشہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ انہوں نے حکم توریت سے خلاف ورزی کی۔ خدا نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ جب انہوں نے دوبارہ فساد کیا تو قسطوس رومی نے ان کو برباد کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔ تیسری بار فساد کیا تو شاہ کیرش اور ایرانی قوم نے ان کو تباہ کیا۔ اب چوتھی بار فساد کیا تو اہلِ اسلام کے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہوئے۔

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ انہوں نے زمین پر تباہی اور فساد برپا کرنے کی کوشش کی اور کرتے ہیں خدا نے ان کو تباہ کیا اور کرے گا۔ کیونکہ خدا کو فسادی آدمی پسند نہیں۔

مقصودِ بیان ۔ یہودیوں کی گستاخیوں اور بیباکیوں کا بیان اور اس امر کی صراحت کہ محرومانِ ازلی کو بارشِ رحمت اور چشمۂ ہدایت سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان کو جتنی ہدایت کی جائے اتنی ہی ان کی گمراہی بڑھتی ہے۔

اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ خدا سے سرکشی کرنے والے کو کبھی عافیت نصیب نہیں ہو سکتی ہمیشہ ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ امن و آشتی اور صلح کو پسند فرماتا ہے تاکہ نظامِ عالم برہم نہ ہو۔ جو لوگ تباہ کاری پھیلانا چاہتے ہیں وہ مردودِ بارگاہ ہیں۔

آیات میں اہلِ اسلام کو ایک عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے کہ خدا کی نافرمانی اور عصیاں شعاری کا نتیجہ آپس کی عداوت، پھوٹ اور مذہبی فرقہ بندی کی [illegible] ہوتا ہے اور اس تفرقہ اور پراگندگی سے ذلت و رسوائی لازم ہے۔ خدا مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے اور ان کو عقل و فہم دے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ

اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگار بنتے تو ضرور ہم اُن کے گناہ دور کر دیتے اور ضرور ہم ان کو داخل کرتے نعمتوں کے باغوں میں

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

ان کو داخل کر دیتے اور اگر وہ توریت و انجیل پر اور اُن کتابوں پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے اُن پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۵) ۔ ۔ ۔ بانعمت یا تائید یا جود و فیض ہے۔ سمع و بصر سے ادراک مشاہدہ کا مل باالحقیقت اور علم مکمل ہے۔ اسی طرح تمام متشابہ الفاظ کا اطلاق خدا پر مجازاً ہے۔ عقائد کی کتابوں میں اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ

نازل ہوئیں اپنے اعمال کرتا تم رکھتے تو بلاشبہ اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے خوب کھاتے ان میں سے کچھ لوگ

مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۠ ع

اعتدال پر بھی ہیں مگر اکثر کے اعمال برے ہیں

تفسیر وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔ یعنی ان کی یہ تباہ حالی اور رحمت الٰہی سے محرومی صرف اس وجہ سے ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور حضور کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مان لیتے اور کفر سے بچتے تو خدا تعالیٰ اُن کی گذشتہ سیاہ کاریاں اور موجودہ سرتابیاں معاف فرما دیتا اور بجائے دوزخ میں داخل کرنے اور عذاب دینے کے جنات نعیم میں داخل فرماتا۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اسلام کا مذاق اڑایا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دین میں ذلیل ہوئے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ یعنی اگر یہودی اور عیسائی توریت و انجیل کی تعلیم پر صحیح عمل کرتے۔ جو جو مواعظ و نصائح ان کتابوں میں ہیں ان کو مان لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور احوال جو توریت و انجیل میں مذکور تھے ان میں تحریف نہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے تو ان کو یہ منحوس حالت کیوں پڑتی۔ روزی کی تنگی ان پر کیوں ہوتی۔ خدا نہایت کشادگی اور فراخی سے ان کو رزق عطا فرماتا اور زمین آسمان سے اُن پر برکت کی بارش ہوتی لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۔ البتہ بعض آدمی ان میں سے میانہ رفتار رکھنے والے بھی ہیں اہل سبقت کا درجہ اگرچہ ان کو حاصل نہیں ہوتا ہم متوسط درجہ پر ضرور فائز ہیں۔ مگر زیادہ گروہ تو بدکار ہے۔

مقصود بیان ایمان لانے سے گذشتہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری فراخی روزی کی کشائش کا سبب ہے۔ نافرمانی سے تنگ حالی اور افلاس پیدا ہوتا ہے۔ نافرمان کو دنیا میں تباہی اور آخرت میں روسیاہی حاصل ہوتی ہے۔ وغیرہ

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

اے نبی! جو حکم تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کا پیغام

رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

نہ پہنچایا اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اس میں شک نہیں کہ کافر قوم کو اللہ ہدایت نہیں کرتا

تفسیر جب گذشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کی برائیاں بیان کر دی گئیں تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کامل کا تاکیدی حکم دیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ جو احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے تم پر نازل ہوں اُن کو کامل طور پر لوگوں کو پہنچا دو۔ کسی کی رو رعایت نہ کرو۔ کسی حکم کا کوئی حصہ کسی مصلحت سے بھی بچا نہ رکھو۔

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ اگر ایسا نہ کروگے۔ کسی حکم کا کوئی حصہ لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کروگے اور کافروں کو کسی خوف یا مصلحت کی وجہ سے کافر نہ کہوگے تو فرضِ تبلیغ سے عہدہ برآ نہ ہوگے۔ تبلیغ وحی کا بار تمہارے ذمہ رہے گا۔ کیونکہ ایک حکم کی تبلیغ نہ کرنی کل کی تبلیغ نہ کرنے کی طرح ہے۔ جب آیت یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ نازل ہوئی تو حضورؐ والا نے باقتضائے بشریت اس بھاری بوجھ کے پورے طور پر اُٹھا نہ سکنے کا خیال کرکے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں تنہا ہوں چاروں طرف دشمن بھرے ہوئے ہیں۔ میں کس طرح اس فرض کو ادا کروں۔ اس وقت یہ فقرہ نازل ہوا۔ ور بتلا دیا گیا کہ جو کچھ بھی ہو یہ تم کو کرنا ہوگا۔ رہا دشمنوں کا خوف تو اس کا خطرہ تمہارے دل میں نہ آنا چاہیے اور دشمنوں کی طرف سے اطمینان رکھنا چاہیے۔

وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ کیونکہ کافروں سے خدا تمہاری حفاظت کرتا رہے گا۔ کبھی یہ تم کو قتل نہ کرسکیں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے مطمئن نہ تھے۔ خصوصاً یہودی ہر وقت مارِ آستین بنے ہوئے تھے۔ اس لئے شب کے وقت مکان پر پہرہ لگا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ مکان بہت معمولی قسم کے ہوتے تھے۔ دشمن سے حفاظت کا ان میں کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عباسؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر صحابہ باری باری سے پہرہ دیتے تھے اور حضورؐ والا اندر استراحت فرماتے تھے۔ جنگِ احد کے بعد ایک شب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضورؐ نے قبہ سے سر مبارک نکال کر فرمایا اے لوگو! اپنے گھر چلے جاؤ میرا محافظ اللہ ہے۔ اس روز سے حضور نے پہرہ چوکی موقوف کردیا۔

اب غور کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ مدینہ کے اندر سینکڑوں دشمنِ جانی موجود تھے اور پورا ملک عرب مقابلہ کے لئے تیار تھا۔ ہر وقت مسلمانوں کی بیخ کنی کی فکر میں تھے اور ان ظالموں کو روکنے والا کوئی حاکم یا بادشاہ بھی نہ تھا کہ جس کی امداد کے بھروسہ پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آزادی کے ساتھ رہ سکتے۔ لیکن باایں ہمہ حضورؐ کی ذاتِ والا صفات کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ محض ذاتِ الٰہی پر توکل کرکے آپ نے شخصی تحفظ بھی موقوف کردیا۔ یہ کل واقعات حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ برحق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر منکرانِ حقیقت کی آنکھوں پر جہالت فطرت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کو صداقتِ رسول دکھائی نہ دیتی تھی اور وہ ہدایتِ الٰہی سے محروم رہے۔ کیونکہ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ خدا تعالیٰ منکرانِ حقیقت کو ہدایت نہیں فرماتا ہے۔ جو کور بصیرت ہیں اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے راہِ حقیقت دیکھنے کی توفیق عطا نہیں ہوتی ہے۔

مقصودِ بیان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کل احکامِ الٰہی کی تبلیغ کردی۔ عالمِ اسباب کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگرچہ عقلِ انسانی کا یہی مقتضا ہے کہ انسان اپنی امکانی حفاظت کرے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تکلیف دور کردی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ کا ایک حکم بھی چھپا کر رکھنا اور بندوں تک نہ پہنچانا شانِ رسالت کے منافی ہے۔ پیدائشی کور بصیرت اور بدباطن لوگ توفیقِ سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ وغیرہ

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَ

کہہ دو اے اہلِ کتاب تم کسی دین پر نہیں ہو تاوقتیکہ توریت اور انجیل اور

مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

اُس کتاب پر اپنے اعمال کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہیں (اے محمدؐ) جو قرآن تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس سے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ ہوگا پس تم اس کافر قوم پر افسوس نہ کرنا بیشک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور عیسائی ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

رکھتے ہوں اور نیک عمل کریں تو ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ (گزشتہ زندگی پر) غمگین ہوں گے

تفسیر ایک مرتبہ رافع بن ابو رافع، سلام بن مشکم، اور مالک بن صیف، یہودیوں نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا تم اپنے آپ کو ملّتِ ابراہیمی پر بتاتے ہو اور ہماری کتاب پر ایمان لانے کو ضروری کہتے ہو۔ پھر ہم کو کافر کیوں کہتے ہو؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اپنی کتاب بدل دی اور اللہ کے احکام چھپالئے۔ یہودی بولے نہیں ہم تو حق وصداقت پر ہیں اور اپنے دین پر قائم ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:-
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب! جب تک تم کامل طور پر توریت، انجیل اور تمام گزشتہ صحائف وکتب پر ایمان نہ لاؤ گے اور جب تک ان سب کو خدائی کتابیں نہ جانو گے اور جب تک ان تمام نوشتوں پر نہ چلو گے سعادت وہدایت کا منہ نہ دیکھو گے اور قرآن چونکہ تمام گزشتہ اصلی کتابوں کا ترمیم کردہ خلاصہ ہے اس لئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر راہِ ہدایت ملنی ناممکن ہے۔ مگر اس سے وہی اشخاص فائدہ اٹھاسکتے ہیں جن کے دلوں کے اندر نورِ فطرت چمک رہا ہے اور جو سچے دل سے طلبگارِ حق ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد ان اہلِ کتاب میں بہت کم ہے۔ ان میں اکثر اہلِ عناد اور سرکشی پسند ہیں۔ قرآن سے ایسے لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اور زیادتی ہوگی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ لہٰذا آپ کو ان کافروں کی گمراہی اور سرکشی کا کچھ افسوس نہ کرنا چاہیئے۔

چونکہ دنیا کے تمام الہامی مذاہب کا دعویٰ رکھنے والے مدعی ہیں کہ ہماری ہی نجات ہوگی۔ دوسرے مذاہب والے جہنم میں جائیں گے۔ یہودی مدعی تھے کہ ہم حق پر ہیں عیسائی باطل پر ہیں۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ حقانیت ہماری میراث ہے۔ یہودی گمراہ ہیں اور واقعہ در حقیقت یہ تھا کہ محمدؐ کے عہدِ نبوت میں نہ یہودی حق پر تھے نہ عیسائی نہ دوسرے مذاہب والے جب تک اسلام کے حلقہ بگوش نہ ہوں نجات کا دعویٰ کرنا لغو تھا۔ اس مقصد کو نہایت بلاغت آمیز طرزِ عبارت میں ثابت کیا جاتا ہے اور لطیف ترین پیرایۂ بیان میں ہر مدعی حقانیت کے دعوے کو رد کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یعنی مسلمان ہو یا یہودی یا صابی (امتِ نوح یا مجوسی یا موحد محض) یا عیسائی کوئی بھی نجات کے دعوی پر حق پر نہیں ہے (جب تک اس کی قوتِ نظریہ وعملیہ کی تکمیل نہ ہو جائے۔ جب تک مبداء ومعاد پر اس کا ایمان کامل صحیح نہ ہو اور جب تک اس کے اعمال صالح نہ ہوں۔ اگر ان فرقوں میں سے کسی کے عقائد صحیح اور اعمال صالح ہوں گے تو اس کی نجات ضرور ہوگی۔ نہ عذابِ اخروی کا خوف ہوگا۔ نہ دنیوی نعمتوں کے چھوٹ جانے کا غم اور چونکہ ایمان وعقائد کی صحت اور اعمال کی اصلاح اس دور میں بغیر شریعتِ محمدیؐ کے ممکن نہیں اس لئے شریعتِ محمدی پر ایمان نہ رکھتے ہوئے حقانیت ونجات کا دعویٰ غلط ہے۔

مقصودِ بیان توریت، انجیل اور دیگر کتبِ الہامیہ پر ایمان لانا درحقیقت شریعتِ اسلامیہ کا اقرار کرنا اور نبوتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہے۔ قرآن سے فیض اُٹھانے والے اہلِ کتاب میں سے بہت کم لوگ تھے جس شخص کی قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ صاف ستھری اور روشن ہے وہی نجات یافتہ ہے خواہ کسی مذہب کا شروع میں پیرو ہو۔ عقائد و اعمال کی صحت کا مدار شریعتِ اسلامیہ پر ہے۔ لہٰذا نجات کا مدار بھی توحیدِ الٰہی اور اقرارِ رسالت پر ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ

ہم نے اولادِ اسرائیل سے عہد لیا تھا اور اُن کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے تھے (لیکن) جب کوئی پیغمبر اُن

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا

کے پاس اُن کی طبعی خواہشات کے خلاف احکام لے کر گیا تو انھوں نے کتنوں ہی کو جھٹلایا اور کتنوں ہی کو قتل کرنے لگے اور خیال کیا

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ

کہ کوئی سزا نہ ہوگی نتیجہ یہ ہوا کہ اندھے بہرے بن گئے مگر پھر بھی خدا نے ان پر توجہ فرمائی لیکن ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے

مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝

بن گئے اور اللہ اُن کے کرتوت کو دیکھ رہا تھا

تفسیر یہ آیات بطور اتمامِ حجت کے ہیں اور ان سے مقصود یہودیوں کی قدیمی سرکشی کا اظہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا، اور وقتاً فوقتاً ان کی ہدایت کے لئے ہم نے رسول بھی بھیجے۔ چنانچہ ایک ہزار سے زائد رسول صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے لیکن ان اشقیائے ازلی کا دستور تھا کہ:۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ۔ جب کوئی رسول ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا اور ان کی رغبت نفس کی اس رسول نے مخالفت کی تو۔

فَرِیْقًا كَذَّبُوْا۔ بعض انبیاء کو تو انھوں نے مانا ہی نہیں، تکذیب اور مخالفت کرنے لگے یعنی فقط مخالفت و تکذیب ہی پر بس کیا۔

وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ۔ اور بعض انبیاء کو قتل کرنے لگے۔ زکریاؑ کو قتل کر دیا، یحییٰؑ کو قتل کر دیا، حضرت عیسیٰؑ کو بزعم خود قتل کر دیا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ اور چونکہ وہ اولاد اسحٰق و ابراہیم میں سے تھے اس لئے نسلی شرافت کو تمام گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہوئے انھوں نے خیال کیا کہ ہمارے واسطے کوئی سزا اور خرابی نہ ہوگی۔ مگر ان کا یہ خیال غلط تھا۔ بات درحقیقت یہ تھی کہ:۔

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا۔ ان کی بصیرت نابینا اور گوشِ عقل بہرے ہو چکے تھے، نہ اُن کو راہِ حق دکھائی دیتی تھی نہ آوازِ صداقت سنائی دیتی تھی۔

ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ لیکن پھر خدا نے اُن پر رحم کیا اور وقتاً فوقتاً ان کو ہدایت کی۔ بخت نصر شاہ بابل کے مسلط ہونے کے بعد یہودیوں نے توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور آخیر میں ان کی ہدایت کے لئے نبی آخر الزماں کو مبعوث فرمایا اور ان کی گزشتہ بداعمالیوں کا لحاظ نہ کیا۔ لیکن پھر بھی ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ان میں سے بہت سے آدمی اندھے بہرے ہو گئے۔ نہ راہِ حق عقل کی آنکھوں سے دیکھی نہ کلامِ حق دل کے

کانوں سے سُنا تو اب یہ ان کی حرمان نصیبی ہے خدا کے رحم و فضل کا کچھ قصور نہیں ہے۔

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ٥ خدا تعالیٰ اُن کے کرتوت سے خوب واقف ہے۔

مقصودِ بیان یہودیوں کی قدیمی سرکشی کا بیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین۔ یہودیوں کا نسلی شرافت کے بھروسہ پر گناہوں سے بے خوف ہونے کا اظہار۔ اس بات کی صراحت کہ بنی اسرائیل انبیاء کو قتل کرتے تھے اور بہت سے انبیاء کو انھوں نے قتل کیا تھا۔ شرافتِ خاندانی اور عزت نسبی پر غرہ نہ کرنے کی ضمنی ہدایت۔ وغیرہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ

جن لوگوں کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم اللہ ہے وہ یقیناً کافر ہوگئے مسیح نے تو کہا تھا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی پرستش کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی کیونکہ جو شخص اللہ کا شریک قرار دے گا اللہ نے

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

اُس کے لئے جنت حرام کردی ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ

جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ یقیناً کافر ہوگئے کیونکہ معبود تو سوائے اللہ کے کوئی

وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

نہیں اور اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئیں گے تو اِن میں سے کافر رہنے والوں کو دردناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

عذاب پہنچے گا یہ لوگ کیوں اللہ سے توبہ استغفار نہیں کرتے حالانکہ اللہ غفور رحیم

رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

ہے مسیح ابن مریم تو محض ایک پیغمبر تھے جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گذر چکے

الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

ہیں ان کی ماں صدیقہ تھیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم کس طرح ان سے

وقف لازم

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ وہ اُلٹے کدھر جارہے ہیں کہہ دو کیا تم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہو

مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

جس کو نہ تمہارے ضرر کا اختیار ہے نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے

تفسیر اوپر کی آیتوں میں مجموعی طور پر بیان کردیا گیا تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت و انجیل پر عمل ترک کردیا اور ان کتابوں کو بگاڑ دیا۔ اب اس کی تفصیل کی جاتی ہے اور ہر فرقہ کے باطل عقیدہ کی مدلل تردید کی جاتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ مطلب یہ ہے کہ عیسائی یعنی کلیسائے عرب والے کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا تھا یعنی تھا تو بظاہر انسان مگر اس کے اندر خدا کا حلول ہوگیا تھا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہوگئے۔ کیونکہ مسیح جب انسان تھا اور ایک عورت کا بیٹا تھا تو پھر کس طرح خدا ہوسکتا ہے۔ خدا تو قدیم لم یزل ولایزال ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا نہ اس سے کوئی پیدا، نہ وہ کسی کا محتاج اور عیسیٰ اپنی پیدائش میں ماں کے محتاج۔ یہ مضحکہ خیز عقیدہ سراسر کفر ہے۔ اس کے علاوہ مسیح کا یہ دعویٰ بھی نہ تھا۔

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ مسیح نے تو خود کہا تھا کہ بنی اسرائیل میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اس کی پرستش کرو۔ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا، نہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تم کو اللہ نے پیدا کیا، وہی تمہارا رب ہے۔ بلکہ میں بھی اپنی ہستی میں مستقل نہیں ہوں۔ وجود اور بقائے وجود میں اُسی کا محتاج ہوں۔ لہٰذا قابلِ پرستش بھی وہی اللہ ہے۔ میں معبود نہیں ہوسکتا اور معبود کیسا معبود کے ساتھ شریک بھی نہیں ہوسکتا۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ اب جو شخص خدا کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرے گا وہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہے۔ خدا نے اُس پر جنت کو حرام کردیا ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ کبھی دوزخ سے اُس کو نجات نہیں ملے گی۔ کیونکہ وہ ظالم اور ناحق کوش ہے۔ اصولِ فطرت کی مخالفت کررہا ہے اور ایسی بے جا بات کہہ رہا ہے جس سے بڑھ کر ناحق بات کوئی اور ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا اس کی نجات ناممکن ہے۔ کوئی اس کا مددگار اور ساتھی نہ ہوگا۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اور ناحق کوشوں کا کوئی ناصر اور مددگار نہیں ہوسکتا (یہی عقیدہ آج کل کے فرقہ پروٹسٹنٹ اور اور رومن کیتھولک والوں کا ہے) اس کی تفصیل اور ثبوت کے لئے دیکھو انجیل مرقس باب ۱۲ درس ۲۹۔

خلاصہ یہ کہ مسیح کی تعلیم خود یہی تھی کہ میں اور تم سب خدا کے بندے ہیں۔ وہ ہمارا سب کا پروردگار ہے۔ لہٰذا تم سب اُسی کی عبادت کرو اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مسیح کا یہ قول یا تو جھوٹ ہے یا سچ دونوں صورتوں میں مسیح کو خدا کہنا حماقت ہے۔ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ پولوس اور اُس کے شاگردوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح میں خدا نے حلول نہ کیا تھا بلکہ جوہر الوہیت کے تین جزو ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس (یعنی جبرئیل یا مریم) باپ گویا اس مجموعہ کا تیسرا جزو ہے۔ اس مجموعہ کا نام خدا ہے۔ یہ عقیدہ بھی چونکہ کفریہ اور مشرکانہ تھا اس لئے خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں خدا تین اقانیم میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ وہ مجموعہ جس کا وجود اور بقائے وجود اجزاء کے وجود پر موقوف ہے خدا بن جائے، کہیں محتاج بھی ہوسکتا ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ گذشتہ آیات میں بھی عیسائیوں کے عقائد کی نقل کے ضمن میں اگرچہ تردیدی دلائل کا ضمناً ذکر کیا گیا تھا لیکن اس آیت میں خصوصی طور پر عیسائیوں کے عقائد کی ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود برحق محض ایک ذاتِ واحد قدوس جامع صفاتِ کمالیہ

ہے جو اپنی صفات میں بھی یگانہ اور مشابہتِ خلق سے پاک ہے۔ وہ معبود مطلق لاشریک لہٗ ہے۔ پھر مسیح کس طرح خدا یا خدا کا جزو ہو سکتا ہے اس لئے عیسائیوں کا عقیدہ بالکل غلط ہے۔

وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اگر یہ لوگ شرک سے باز نہ آئے اور خدائے قدوس کو واحد لم یلد ولم یولد نہ مانا تو عذابِ الیم میں مبتلا ہوں گے۔

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ یعنی جب خدائے واحد خالقِ عالم رب کائنات اور معبودِ مطلق ہے تو پھر شرک و تثلیث سے توبہ کرکے خدا کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اور اپنے ناشائستہ اقوال اور عقائد کی معافی اسی سے کیوں نہیں چاہتے وہ غفور رحیم ہے۔ صدق دل سے توبہ کی جائے تو معاف کر دیتا ہے۔ اس کی رحمت مخلوق کے شاملِ حال رہتی ہے۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ ابطالِ الوہیتِ مسیح اور تثلیث کے ابطال کی دوسری دلیل ہے اور ایک دلیل کو دو نوعیتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ اول تو یہ کہ مسیح ابن مریم تھے اور کسی عورت کا بیٹا نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدا کا جزو۔ دوسرے یہ کہ مسیح محض رسول تھے۔ دیگر پیغمبروں سے مغائر ان میں کوئی الوہیت کی شان نہ تھی اور پیغمبر کا خدا یا ابنِ خدا ہونا محال ہے۔ جب پیغمبر خود ہی خدا یا خدا کا بیٹا ہے تو پیغمبری کس کی طرف سے کرتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ تیسری دلیل یہ ہے کہ مسیح سے پہلے اور بہت سے پیغمبر گذر گئے۔ صرف بنی اسرائیل ہی میں ہزاروں رسول ہوئے۔ پھر اُن کو خدا کیوں نہیں کہا جاتا۔ جب اُن کو خدا نہیں کہا جاتا تو مسیح کو کیوں اوتار سمجھا جاتا ہے۔ کیوں مسیح کے اندر خدا کے حلول کرنے کا عقیدہ صحیح خیال کیا جاتا ہے اور کیوں ان کو خدا کا بیٹا اور شریک فی الالوہیت سمجھا جاتا ہے۔

وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ یہ چوتھی دلیل ہے۔ یعنی مسیح مریم کے بیٹے تھے اُن کی ماں صدیقہ تھیں اور دونوں کھانا کھاتے تھے۔ بھوک، پیاس اور دیگر لوازمِ بشریت سے پاک نہ تھے۔ پھر مسیح خدا کا بیٹا اور مریم خدا کی بیوی کس طرح ہو سکتی ہیں اور کس خدائی کے دو حصے ان دونوں کے حصہ میں آسکتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ دلائلِ مذکورہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو ہم کیسی کھلی کھلی دلیلیں بیان کرتے ہیں کس حکمت سے ان پرستارانِ کفر و منکرانِ عقل کے باطل اوہام کا ازالہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝ لیکن ان لوگوں کو دیکھو کہ وہ صداقت کو چھوڑ کر کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ واضح حقیقت کو چھوڑ کر جہالت کی تاریکیوں میں گھوم رہے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ یہ بھی الوہیتِ غیر اللہ کے ابطال کی دلیل ہے مگر نوعیتِ استدلال میں فرق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے جتنی چیزیں ہیں کوئی خیر و شر کی مالک نہیں۔ کسی کو نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں۔ معمولی پتھر والے سے لے کر بڑے سے بڑے نبی اور مقدس فرشتوں تک کوئی قادرِ مطلق نہیں اور خدا تعالیٰ واقف ہے، ہر ایک کی بات کو سنتا ہے اور ہر شخص کی حالت کو جانتا ہے۔ پھر خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنی کس قدر تعجب انگیز ہے کس اُمید پر ذوق کی پرستش اور عبادت کی جا سکتی ہے۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں حلول نہیں کر سکتا۔ کوئی مخلوق ذات یا صفات میں خالق کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔ کوئی مخلوق وجود اور بقائے وجود میں مستقل نہیں بلکہ محتاج ہے۔ کوئی محتاج معبود نہیں ہو سکتا۔ والد و مولود ہونا مخلوق کے احوال ہیں۔ کوئی مولود خدا نہیں ہو سکتا۔ مشرک کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ جزئیت اور ترکیب سے خدا پاک ہے۔ وصفِ نبوت و رسالت شانِ الوہیت کے منافی ہے۔ رسالت احتیاج کی مقتضی ہے اور الوہیت استغنا کو چاہتی ہے۔ جس شخص میں لوازمِ بشریت اور خواصِ انسانی موجود ہوں وہ خدا نہیں ہو سکتا بلکہ اسی کی مناسبت سے جو نفع نقصان اور خیر و شر کا مالک ہے۔ ماسوا اللہ کے کوئی مخلوق نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اس لئے اللہ کے سوا کوئی معبود بننے کا سزاوار نہیں۔ وغیرہ

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ

اے اہل کتاب تم ناحق اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہش کی پیروی نہ کرو

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۧ ع ۱۱ / ۱۴

جو خود پہلے بھی گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ بھی کر گئے اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے

تفسیر جب یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال و عقائد کا پُرزور اور مدلل ابطال کردیا تو اب رُوئے سخن اصل مدعا کی طرف کیا جاتا ہے اور امر حق کی تبلیغ کی جارہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ - یہودیو اور عیسائیو! تم ناحق اور برخلاف صداقت اپنے اپنے مذہبی خیالات میں زیادتی نہ کرو اور افراط و تفریط سے کام نہ لو عیسیٰؑ کو ان کے رتبہ سے گھٹاؤ، نہ بڑھا کر خدائی کے درجہ تک پہنچاؤ اور اپنی موجودہ مذہبی کتابوں پر اعتماد نہ کرو بخواہ مخواہ ان کی تحریفات کو سچا نہ جانو۔ یہ تمہارے اسلاف کے خود تراشیدہ اقوال ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ تم ان بندگانِ نفس کی پیروی نہ کرو۔ وہ خود بھی گمراہ تھے اور بہتوں کو انھوں نے اپنے تراشیدہ اقوال اور اختراعی خیالات اور باطل تحریفات سے گمراہ بھی کردیا لہٰذا تم اُن کے نفسانی جذبات کے پیرو نہ ہو اور ان کی تحریفات کو سچا نہ جانو۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوگئے تھے اُن پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت

مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ

کی گئی یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے اور جو بُرے کام انھوں نے کئے

مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

اُن سے باز نہ آتے تھے بلاشبہ وہ بُری حرکتیں کرتے تھے

تفسیر یہودیوں کو ہفتہ کے دن شکار کھیلنے سے منع کردیا گیا تھا لیکن انھوں نے انتہائی حیلہ تراشی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حکمِ الٰہی کے خلاف شکار کھیلنے لگے تو حضرت داؤدؑ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ الٰہی ان پر تیری پھٹکار ہو۔ حضرت داؤدؑ کی بددعا سے (یہ لوگ طاعون میں مبتلا ہوئے اور) ان کی شکلیں سوروں کی طرح لیوتری ہوگئیں اور یونہی خارش کے ساتھ چیخ چیخ کر مر گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے جب آسمان سے خوان اُترنا شروع ہوا اور لوگوں نے حکمِ الٰہی کے خلاف اس میں سے پس انداز کرنا شروع کیا اور بعض لوگوں نے کفر کیا تو حضرت عیسیٰؑ نے ان لوگوں کے واسطے بددعا کی۔ ان کی صورتیں بھی مسخ کردی گئیں۔ انھی واقعات کو ان آیات میں اہل کتاب کو اسلاف کی اتباع سے روکنے کے لئے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے اسلاف کی تراشیدہ تحریروں کو سچا نہ جانو اور اُن کے راستہ پر نہ چلو۔ وہ بد نگاہ نفس تھے۔ داؤد اور عیسیٰ نے بھی اُن کے لئے بد دعا کی تھی اور ان پیغمبروں کی بددعاؤں سے اُن پر پھٹکار پڑی تھی تو جب انھوں نے داؤد اور عیسیٰ کا کفر کیا جو دین یہودیت عیسائیت کے مرکز تھے تو پھر تم اُن کو اپنا پیشوا کیوں بناتے ہو۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۔ اُن پر لعنت پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے خدا کی نافرمانی کی تھی اور اعتدال کی حد سے آگے گزر کر افراط و تفریط میں پڑ گئے تھے۔ احکام الٰہی کو اپنی دماغی تراش خراش سے ٹالنا چاہتے تھے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔ اُن لوگوں کی حالت یہ تھی کہ امور قبیحہ سے لوگوں کو نہیں روکتے تھے اور باہم کوئی کسی کو امر ممنوع کے ارتکاب سے منع نہیں کرتا تھا۔ یہ افعال اُن کے بہت برے تھے۔ اس لئے تم ان کی پیروی کر کے گمراہ نہ بنو۔

مقصود بیان

افراط و تفریط اور تجاوز عن الحق کی ممانعت اسلاف بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا بیان۔ کورانہ تقلید سے باز داشت۔ افعال ناشائستہ اور حرکات بد سے لوگوں کو روکنے کی ضمنی ہدایت۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ

تم ان میں سے بہتیروں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں انھوں نے اپنے لئے برا سامان

اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ

بھیجا کہ اللہ اُن پر ناراض ہوا اور عذاب ہی میں ہمیشہ رہیں گے

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ

اور اگر وہ خدا رسول اور اُس کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے جو رسول پر نازل کی گئی ہے تو کافروں کو دوست

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ

بناتے لیکن ان میں سے بہتیرے نافرمان ہیں

تفسیر یہ آیات اُن کور باطن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئیں جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ سے ساز باز اور دوستی کر رکھی تھی ارشاد ہوتا ہے کہ :-

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۔ مطلب یہ ہے کہ اکثر منافق یہودی خدا اور رسول کے دشمن ہیں مسلمانوں کے خلاف مکہ کے کافروں اور بت پرستوں سے دوستی کرتے ہیں۔ اُن کی ایسی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا یا نازل ہوگا حالانکہ۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ

اگر خدا رسول اور قرآن پر اُن کا سچا ایمان ہوتا اور یہ بد باطن نہ ہوتے تو مسلمانوں کے خلاف کافروں سے امداد و اعانت طلب نہ کرتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بے دین ہیں۔ ان کا نہ اپنی کتاب پر ایمان ہے نہ قرآن پر نہ موسیٰ پر نہ محمد رسول اللہ پر۔

مقصود بیان یہودیوں کے نفاق و بدباطنی کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کی دوستی خلوص ایمان کے منافی ہے اور نفاق کی علامت ہے۔ اس بات کی توضیح کہ انسان کی اپنی بداعمالیوں سے ہی غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ ایک یہ امر بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ بے دین اور ملحد اور دنیا پرست ہیں، ان کا ایمان خدا پر ہے نہ رسول پر، نہ آسمانی کتابوں پر، وہی بدباطن کفار سے اندرونی یارانہ گانٹھتے ہیں۔ وغیرہ

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تم یہودیوں اور مشرکوں کو

اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

پاؤ گے اور مسلمانوں کی دوستی میں سب سے قریب ترین تم اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ

نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا

ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے عالم اور درویش ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ لوگ

يَسْتَكْبِرُوْنَ

تکبر نہیں کرتے

تفسیر نصاریٰ میں بہت زیادہ عالم زاہد، تارک الدنیا اور نرم دل لوگ ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنی مذہبی تعلیم کے موافق دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ مال کی محبت ان کو نہ تھی۔ کسی کو ایذا پہنچانی ان کے مذہب میں جائز نہ تھی۔ ان کے برخلاف یہودی بہت زیادہ حریص لالچی اور دنیا طلب تھے۔ سود کھاتے تھے۔ غیر مذہب والوں کو خصوصاً اہل اسلام اور نصاریٰ کو ایذائیں دیتے تھے اور اس ایذا رسانی کو مذہبی ثواب جانتے تھے۔ ان کے دل نہایت سخت پڑ گئے تھے۔ اُن کو ایمان کی باتوں سے عداوت تھی اور رشوت خواری کا مرض ہر بڑے چھوٹے میں پھیل گیا تھا۔ دوسری طرف اہل شرک بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے۔ ہجرت سے قبل مکہ کے اندر کے تیرہ سال کے واقعات اور کافروں کے ظالمانہ سلوک کے بیان سے سیر و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ عمار بن یاسر، خباب، بلال اور خود حضور والا کی ذات گرامی صفات پر ان اشقیائے ازلی نے کیا کیا آفتیں برپا نہ کیں اور کونسی تکلیف تھی کہ اُٹھا نہ رکھی۔

انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے آیات مذکورہ میں یہودیوں کی مذمت اور ان کی عداوت کی صراحت ہے اور اہل شرک کو بھی مسلمانوں کا شدید ترین دشمن کہا گیا ہے۔ ہاں عیسائیوں کے زہد، ترک دنیا، قناعت اور نرم دلی کی تعریف کی گئی ہے۔ اگرچہ عیسائی بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ شرک میں مبتلا تھے کھلم کھلا شرک کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آیت میں تمام گروہ نصاریٰ یا مدعیان عیسائیت کی مدح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی اپنی مذہبی تعلیم کے خلاف بڑی بڑی خونریزیاں اور سفاکیاں کرتے رہے اور کرتے تھے۔ انھوں نے بھی مسلمانوں کی عداوت اور کینہ توزی میں کوئی کمی اُٹھا نہ رکھی، بلکہ آیت میں خاص خاص نصاریٰ کی حالت بیان کی گئی ہے اور انہی کو نرم دل، تارک الدنیا، زاہد اور قانع کہا گیا ہے

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اور ان کو برداشت کرنا مسلمانوں کی طاقت سے باہر ہو گیا تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ نجاشی نیک دل اور منصف حاکم ہے تم اس کی

عملداری میں چلے جاؤ۔

حسب الحکم گیارہ مرد اور چار عورتیں یا دو عورتیں جن میں حضورؐ والا کی صاحبزادی حضرت رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوامؓ وغیرہ داخل تھے مکہ سے حبش کو ہجرت کر گئے۔ اور دوسری ٹولی میں حضرت جعفر طیارؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کو ہمراہ لے کر چلے گئے۔ یہاں تک کہ حبش میں ۸۲ مہاجر جمع ہو گئے۔ مکہ کے کافروں نے وہاں بھی ان غریبوں کو چین لینے نہ دیا اور قریش کے خاص خاص آدمیوں نے جن میں ابو المعیسر اور عمرو بن عاص بھی داخل تھے نجاشی سے جا کر تحفے تحائف دے کر مسلمانوں کی بیخ کنی کرانے کا ارادہ کیا اور شاہ حبش سے جا کر کہا کہ آپ کے ملک میں چند غلام آ گئے ہیں ان کو آپ ہمارے حوالے کر دیں۔ یہ لوگ مسیحؑ کو بندہ کہتے ہیں اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ نجاشی نے جو خود عیسائی تھا مسلمانوں کو بلایا اور حبش میں اُن کے چلے آنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت جعفرؓ نے سب مسلمانوں کے نمائندے بن کر نہایت بیباکی سے آپ نے مذہب اسلام کی حقانیت اور رسالتِ محمدیہ کی صداقت ظاہر کی اور کہا کہ ہمارے پیغمبر پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے۔ شاہ نجاشی نے قرآن کا کچھ حصہ سُننے کی درخواست کی۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ جس میں مسیحؑ کے متعلق مفصل عقائد کا اظہار تھا سُنایا۔ اس پر نجاشی اور ان کے درباری رونے لگے اور حضرت نجاشی مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ تم باطمینان رہو اور تبلیغ کرتے رہو۔ تم کو کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ قریش کے ہدایا و تحائف واپس کر دیئے اور یہ لوگ اپنا سا مُنہ لے کر واپس آ گئے۔

بعض اہلِ روایت کا خیال ہے کہ حضرت جعفرؓ کی واپسی کے وقت نجاشی نے اپنے تیس مصاحبوں کو کچھ تحائف دے کر رسول پاکؐ کی خدمت میں بھیجا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو سورۂ یٰسین پڑھ کر سُنائی تھی تو وہ رونے لگے تھے اور کہا تھا کہ قرآن کو انجیل سے بہت زیادہ مشابہت ہے۔ بہر حال آیت میں حضرت نجاشی اور اُن کے ساتھیوں کی نرم دلی، موالات، مودّت، ترکِ دنیا اور زہد کی حالت بیان کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دُشمن تم کو یہودی اور مشرک نظر آئیں گے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور مسلمانوں کے قریبی دوست وہ لوگ نظر آئیں گے جو عیسائی ہونے کے مدعی ہیں کیونکہ عیسائیوں میں بہت سے علماء زہاد اور مشائخ ہوتے ہیں۔ ان میں فروتنی، مسکینی، انکسارِ مزاج اور عاجزی کا مادہ ہوتا ہے۔ یہ غرور نہیں کرتے۔ ان میں سنگدلی نہیں ہوتی۔

(اس آیت کا تتمہ انشاء اللہ ساتویں پارہ میں آئے گا)

مقصودِ بیان

تمام اہلِ شرک اور یہودیوں کو مسلمانوں سے سخت ترین اور دلی بغض ہے اور سب سے کم عداوت نصاریٰ کو ہے۔ عیسائیوں میں تارک الدنیا راہب اور زاہد علماء کی کثرت تھی۔ قناعت اور نرم دلی کا مادہ ان میں بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ تھا، وغیرہ۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بَيَانُ السُّبْحَانْ

کا

پارہ نمبر ۷

وَاِذَا سَمِعُوْا

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں سنہ ١٣٥٦ھ سے باقساط ہر ماہ شائع ہو رہی ہے

ناظرین مولوی کے اصرار پر

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بک ڈپو دیوبند

نے برائے اشاعت معارف القرآن

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یو۔پی) سے شائع کیا

ساتواں پارہ

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ

اور جب اُس قرآن کو سُنتے ہیں جو رسولؐ پر اُترا ہے تو تم اُن کی آنکھوں سے آنسو اُمنڈتے ہوئے

الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

دیکھوگے کیونکہ انھوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا

اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اُس حق بات پر ایمان تو نہ لائیں جو ہمارے پاس آگئی ہے اور توقع یہ رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیکوں کی جماعت

مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

میں شامل کردے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قول کے عوض میں اللہ نے اُن کو گھنے باغات عطا کئے جن کے اندر

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی نیکوں کی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ ع

اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہی دوزخی ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں نجاشی اور اُن کے ساتھیوں کی مدح کی گئی تھی۔ یہ آیات آخر تک اُنہی کے بیان احوال کا تتمہ اور حق پرستوں کی مدح کا تکملہ ہیں ارشاد ہے کہ:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ یہ رقیق القلب حق طلب عیسائی سورۂ یٰسٓ یا سورۂ مریم یا قرآن کا کوئی حصہ جب حضرت جعفر کی زبان سے یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے یا اور کسی کے مُنہ سے سنتے ہیں تو دیکھو معرفت حق اور جوشِ قلب سے اُن کے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور جوشِ گریہ ان سے ضبط نہیں ہوسکتا۔ یہ از بے اختیار يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وہ کہنے لگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو اُن لوگوں کی فہرست میں شامل کردے جنھوں نے تیری وحدانیت تیرے رسول کی رسالت اور تیرے قرآن کی صداقت کی شہادت دی۔ عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ شاہدین سے مراد امت محمدیہ یعنی صحابۂ کرام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم کو اُن صحابہ کے ساتھ اقرار توحید و رسالت میں شامل کردے جو تیرے انبیاء کی طرف سے قیامت کے دن گواہی دیں گے (رواہ الحاکم)

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ٥ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کھلی ہوئی صداقت و حقانیت موجود ہے تو ہم کیوں خدا تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور رسول اللہ صلعم کی نبوت اور قرآن کی سچائی پر ایمان نہ لائیں اور کیوں نیکوکار حق پرست فرقہ کے ساتھ شامل ہونے کے خواستگار نہیں۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ ان کے خلوص ایمان کی جب یہ حالت ہو گئی اور معرفت الٰہی اُن کے نزدیک مثل مشاہدہ کے ہو گئی تو خدا تعالیٰ نے اُن کو راحت بخش سبز و شاداب جنتیں ان کے اقرار و ایمان کے عوض عنایت فرمادیں۔ کیونکہ نیکوکار کامل الایمان راسخ العقیدہ لوگوں کا یہی ثواب ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ٥ اب رہے وہ لوگ جو آیات الٰہی کے منکر اور حقانیت سے سرتابی کرنے والے ہیں تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

مقصود بیان مومنوں کو بشارت، کافروں کو وعید، ایمان و تصدیق کی ترغیب، کفر و انکار سے ترہیب، رقت قلب گریہ شوق اور نالۂ ندامت کی مدح اور اس امر کی نہایت لطف آمیز اجمالی وضاحت کہ خدا کے خاص بندے قرآن کو شوق کے کانوں سے سنتے ہیں، قرآن سن کر اُن کی عقلوں میں انبساط اور روحوں میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ وہ قرآنِ پاک کے شواہد و آیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ خطاب الٰہی کی حلاوت سے لطف حاصل کرتے ہیں، اُن کے اسرار باطنہ انوار صفات کو ملاحظہ کرنے سے اُن کو ذاتِ الٰہی کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے اور علم معرفت حاصل ہونے کے بعد شانِ الوہیت کو پہچان کر وحدتِ الٰہی سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اس دیدار الوہیت سے جب اُن کی روحیں پُر تو انداز ہوتی ہیں قرآن کے اجسام پر بھی اثر نمودار ہو جاتا ہے وہ مضطرب و بیتاب ہو کر آنکھوں سے شوق کے آنسو بہاتے ہیں اور ذکر و یاد کی مجلسوں اور صحبتوں میں اُن کے دل عشق و محبتِ الٰہی کی آگ سے جل جاتے ہیں اور بے قرار ہو کر دیوانہ وار وہ صفِ عشاق میں داخل ہونے کے خواستگار اور والہانہ عشق و محبت کے ناپیدا کنار دریا میں غوطے کھانے کے طلبگار ہو جاتے ہیں۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

مسلمانو! جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے اللہ نے حلال کر دی ہیں اُن کو حرام نہ کرلو اور حد سے نہ بڑھو اللہ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور خدا داد رزق میں سے حلال پاک کھاؤ اور اس اللہ سے

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ٥

ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو

تفسیر ان کل آیات کی شان نزول کے متعلق چند مختلف روایات ہیں:۔ (۱) سدی اور مجاہد کی روایت جو ابن جریر وغیرہ نے بیان کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابۂ کرامؓ نے قیامت کے احوال اور عذاب دوزخ کی کیفیت سنی اور ترک دنیا وغیرہ کی مدح بھی اُن کے گوش زد ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، ابوذرؓ، سلمان فارسیؓ، سالم، معقل بن مقرنؓ، مقداد بن اسودؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور عثمان بن مظعونؓ ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق اس بات پر قسم کھائی کہ بقیہ عمر راہبوں کی طرح گزاریں گے۔ دن بھر (جائز ایام میں) روزہ رکھیں گے اور رات بھر نماز پڑھیں گے۔ گوشت اور چکنائی نہ کھائیں گے۔ بستر پر نہ سوئیں گے۔ عورتوں سے بالکل علیحدہ رہیں گے۔ کمبل اور ٹاٹ لپیٹے پھریں گے۔ خدا تعالیٰ

نے اس رہبانیت کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل فرمائی اور چونکہ یہ لوگ عہد کرنے کے وقت قسم کھا چکے تھے۔ اس لئے فرصت کے بعد ان کو فکر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم قسم کی تلافی کیا کریں! اس وقت کفارۂ قسم کے بارے میں آیت آئندہ نازل ہوئی۔

(۲) صحیحین میں روایت ہے کہ چند صحابہ نے ام المومنین صدیقہ کبریٰؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ عبادت کی حالت دریافت کی۔ ام المومنینؓ نے حضورؐ کی عبادتِ شاقہ کا اظہار کر دیا۔ کیفیت سن کر کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں رسولِ پاکؐ۔ حضورؐ کی تمام فروگزاشتوں کو تو خدا نے بخش دیا ہے اور ہم گنہگار ہیں۔ اس کے بعد سب لوگوں نے الگ الگ ایک ایک بات کا عہد کر لیا۔ کسی نے کہا میں رات بھر نماز پڑھوں گا۔ کسی نے کہا ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ کسی نے اپنی بیوی سے قربت نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع پہنچی اور آپ نے ان کو اس عہد سے منع فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے صنفی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (رواہ ابن جریر والترمذی وحسنہ)

حاصلِ کلام بہر صورت یہ ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ مسلمانو! جو پاک اور پاکیزہ نعمتیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں ان کو تم اپنے واسطے حرام نہ بنا لو اور حلال کو حرام سمجھ کر حکمِ الٰہی سے تجاوز نہ کرو۔ خدا تعالیٰ حق سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ جو اس کے احکام حلت و حرمت پر یقین نہیں رکھتے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام جانتے ہیں وہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ خدا کو ایسے لوگ پسند نہیں بلکہ:۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا خدا تعالیٰ نے جو تم کو پاک اور حلال روزی عطا فرمائی ہے اس کے کھانے کو ناجائز نہ سمجھو، بلکہ (بلعد جہاد نفس کے) اس کو کھاؤ۔

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ اور جس خدا (قادر و عادل) پر تمہارا ایمان ہے اس سے ڈرتے رہو۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو۔ اس کے ممنوعات سے پرہیز رکھو اور غیر ممنوع کو ممنوع نہ سمجھو۔ کسی غیر ممنوع چیز کو (انتہائے زہد میں آکر) ممنوع قرار دینا بھی زیادتی ہے۔ تحریم حلال کی درحقیقت تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ حلال چیز کو اعتقاداً حرام سمجھے یہ کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے عہد کرے اور کہہ دے کہ یہ چیز میرے اوپر حرام ہے لیکن اس کی حرمت کا اعتقاد نہ ہو۔ ایسے عہد کو توڑنا لازم ہے۔ اگر قسم کھالی ہو تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ثواب کی نیت سے کسی حلال چیز کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دے۔ یہ بدعت اور رہبانیت ہے اس کا ترک واجب ہے۔

مقصودِ بیان

احکامِ الٰہی میں تبدیل و ترمیم کرنے کی ممانعت۔ اشیاء میں حلت و حرمت کا حکم دینے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ کسی مجتہد، امام یا پیر فقیر کو اس میں دخل نہیں۔

شریعت راہِ اعتدال کا نام ہے۔ افراط و تفریط کج راہی کی دو صورتیں ہیں۔ احکامِ شریعت میں جس طرح کمی ممنوع ہے اسی طرح زیادتی بھی ناجائز ہے۔ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی۔ حلال رزق پاک ہے اور حرام ناپاک۔ وغیرہ

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ

اللہ تمہاری لایعنی قسموں پر گرفت نہیں کرتا بلکہ ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جو تم نے بالقصد کھائی ہیں

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ

ایسی قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو وہ متوسط کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا

كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ

اُن کو کپڑا بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا لیکن اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنے لازم ہیں یہ تمہاری

كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کی نگہداشت کرو یوں ہی اللہ اپنے احکام تم سے کھول کر

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

بیان کرتا ہے تاکہ تم احسان مانو

تفسیر اوپر والی آیت کے شانِ نزول میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ جب خدا کی حلال کردہ نعمتوں کو ترک کرنے اور اس بات کو باعث ثواب جاننے کی ممانعت ہوگئی اور طیبات کے کھانے کا حکم دے دیا گیا تو جو لوگ ترکِ لذائذ کی قسم کھا چکے تھے اُن کو سوچ ہوا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے دریافت کیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے اور قسم کی تلافی کس صورت سے ممکن ہے؟۔ اُس پر یہ آیت آخر تک نازل ہوئی۔

قسم کی تین قسمیں ہیں:۔(۱) لغو (۲) منعقدہ (۳) غموس۔ ان کی پوری تفصیل اور کفارہ کی بحث۔ اگر کھانا دیا جائے تو کیسا، کپڑا دیا جائے تو کس قسم کا اور کتنا، غلام آزاد کیا جائے تو مسلمان یا کافر، روزے رکھے جائیں تو متواتر یا متفرق، یہ تمام مباحث ہم سورۂ بقر میں لکھ آئے ہیں۔ لیکن یہاں کسی قدر اجمالی مطلب اور علماء کے مختصر اختلاف درج کرنے ضروری ہیں۔

یمین لغو کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو شخص حلال چیز پر قسم کھائے وہ قسم لغو ہے (سعید بن جبیر) دو شخص خرید فروخت میں لغو قسم کھائیں ایک کہے واللہ میں نہیں بیچوں گا۔ دوسرا کہے واللہ میں نہیں خریدوں گا (مجاہد) لغو قسم بلا قصد قسم کو کہتے ہیں۔ یعنی کوئی قسم کو تکیہ کلام بنالے تو اس کو یمین لغو کہتے ہیں (ابراہیم نخعی) اپنے غالب گمان کے موافق قسم کھانا یمین لغو ہے (امام ابوحنیفہؒ و امام احمد)

یمین منعقدہ کے یہ معنی ہیں کہ جس بات پر قسم کھائی ہو اس کو پورا کرنے کا پختہ عزم ہو اور غموس دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔

اول قسم کا کفارہ مشروع نہیں اور نہ گناہ ہے مگر مکروہ ہے۔ دوسری قسم کا کفارہ ضرور ہے۔ تیسری قسم کا مرتکب سخت گنہگار ہے۔ کوئی کفارہ مشروع نہیں۔ یہ گناہ توبہ و استغفار ہی سے معاف ہو سکتا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ خدا تعالیٰ یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ ہاں تم جن باتوں پر پختہ اور مصمم عزم کے ساتھ قسمیں کھا چکے ہو اُس کے حنث و نقض کی صورت میں مواخذہ کرے گا۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ اُس کا اُتار اور اُس کے گناہ سے معافی تین صورتوں میں سے ایک صورت سے ہو سکتی ہے یا تو اوسط قسم کا کھانا دس مسکینوں کو کھلاؤ یا دس مسکینوں کو لباس دیدو یا ایک بردہ آزاد کردو اور ان تینوں صورتوں میں سے اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو تین دن روزے رکھنے لازم ہیں۔

آیت میں دس مسکینوں کو کپڑا دینے کا حکم ہے لیکن کپڑا کیسا اور کس قدر ہونا چاہیئے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک جس کو عرف میں لباس کہتے ہیں بس اتنا کپڑا دینا کافی ہے۔ مثلاً کرتہ پائجامہ ٹوپی۔ ابوحنیفہؒ کہتے ہیں جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جائے اتنا کپڑا ضروری ہے۔ مالک و احمد کا قول ہے کہ نماز کے لائق کپڑا دیا جائے۔ ابراہیم نخعیؒ کے قول پر ایک لمبا کپڑا ہونا چاہیئے جس سے بدن چھپ جائے۔ مثلاً چادر، دُلائی، اور لحنی وغیرہ کھانے کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کو مفصل ہم سورۂ بقر میں لکھ آئے ہیں، وہاں دیکھ لیا جائے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ کہ اس صورت سے تمہاری قسم کا گناہ معاف ہو جائے گا اور قسم توڑنے کا عذاب نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم نے کسی کار خیر کو اختیار کرنے کی یا کارِ بد سے باز رہنے کی قسم کھائی ہو تو :-

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ اپنی قسم پر قائم رہو اُس کی خلاف ورزی نہ کرو اور كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ جو قوانین ہم نے بنا دیئے ہیں اُن پر کاربند ہو۔ یہ قوانین تمہارے واسطے ایک نعمت ہیں جن پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔

مقصودِ بیان اگر کسی گزشتہ واقعہ پر اپنے غالب گمان سے قسم کھالی اور واقعہ خلاف ہوا تو قسم کھانے والا شرعاً ماخوذ نہیں۔ قسم کو تکیہ کلام بنانا اگرچہ ناجائز ہے اور اس کا ترک ضروری ہے۔ مگر شرعاً یہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ یمینِ منعقدہ کی خلاف ورزی جُرم ہے اور اس کا کفارہ دینا ضروری ہے۔ اگر کسی کار خیر کرنے یا بُرے کام کے نہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو قسم پر قائم رہنا لازم ہے۔ قوانینِ شریعت پر عمل کرنا اور اُن پر قائم رہنا ضروری ہے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

مسلمانو! شراب جوا بُت اور پانسے محض گندی چیز اور

عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ

شیطانی کام ہیں تم ان سے بچو تاکہ تمہارا بھلا ہو شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ

يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ

شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور

اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

نماز سے روک دے تو اب بھی تم کیا باز آؤ گے (یا نہیں) اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم مانو

وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور احتیاط رکھو اُس پر بھی اگر تم رُخ پھیر لوگے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمّہ تو محض کھول کر بیان کر دینا ہے

تفسیر تحریم شراب کا حکم اس آیت سے قبل بھی دو مرتبہ نازل ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الخ میں اور دوسری بار آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى میں۔ لیکن چونکہ شراب کا ترک کر دینا عرب پر بہت ہی شاق تھا۔ شراب بچہ بچہ کی غذا کا جزوِ لازم تھا۔ بغیر شراب کے اُن کی زندگی دشوار تھی۔ اس لئے یہ تمام تحریم تدریجاً اور غیر واضح طور پر کی گئی اور جب لوگ کسی قدر ترکِ شراب کے خوگر ہو گئے اور شراب کی حلّت و حرمت میں باہم کچھ اختلاف ہوا تو اس آیت میں صاف طور پر ممانعت کر دی گئی۔

شانِ نزول مفسرین نے اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک نے چند صحابہ کی جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے، دعوت کی اور چونکہ اس وقت تک شراب کی حرمت وضاحت کے ساتھ نہیں کی گئی تھی اس لئے کھانے کے بعد شراب کا دَور چلا۔ حالتِ خمار میں حضرت سعد نے ایک شعر پڑھا جس میں انصار کی مذمت تھی۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت سعد پر حملہ کیا جس سے اُن کا سر زخمی ہو گیا اور مجلس میں گڑبڑ مچ گئی۔ اس فتنہ کی

خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پہنچی۔ اس وقت مجلسِ مبارک میں فاروق اعظم رضؓ بھی حاضر تھے۔ کیفیت سن کر حضرت عمرؓ نے دعا کی۔ الٰہی شراب کے بارے میں کوئی فیصل حکم نازل فرما دے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا ہونے لگی۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی مرضی کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی اور شراب کو ہمیشہ کے لئے قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ہر قسم کا نشہ آور شربت (اور وہ چیزیں جن سے دماغ کے حواس میں سستی اور اختلال پیدا ہو جاتا ہے) اور ہر قسم کا جوا اور وہ پتھر یا مورتیاں جن پر لوگ نذر نیاز اور بھینٹ چڑھاتے ہیں اور فال لینے کے پانسے یہ سب گندی چیزیں ہیں اور ان کا اختیار کرنا شیطانی فعل ہے۔ لہٰذا تم ان میں سے کوئی فعل نہ کرو۔ سب سے پرہیز رکھو تاکہ تم کو دینی اور دنیوی فلاح حاصل ہو۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ مذکورہ بالا چاروں چیزیں گندی ہیں اور ان کو اختیار کرنا شیطانی فعل ہے۔ ان سے پرہیز رکھنا تمہارے لئے دنیا و دین میں باعثِ فلاح ہے۔ اس آیت میں شراب اور جوئے کے خصوصی نقصانات کو بیان کیا گیا ہے۔ نقصان دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ دنیوی اور دینی۔ اول الذکر کا بیان اسی آیت میں ہے اور موخرالذکر کا بیان آئندہ آیت میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شراب اور جوئے سے معاشرِ انسانی میں تباہی اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ آپس میں کینہ اور عداوت نا اتفاقی اور اختلاف نمودار ہو جاتا ہے۔ شراب کے نشہ میں سرمست ہو کر انسان کا دماغ معطل ہو جاتا ہے۔ قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر خواہ مخواہ آپس میں فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے اور جوا کھیلنے کے وقت بھی انسان اپنی تباہی اور دوسرے کی حق تلفی سے غافل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً یادِ الٰہی اور نماز کا تو اس کو ہوش ہی نہیں رہتا۔ تو پھر ان مفاسد اور خرابیوں کو دیکھتے ہوئے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ایسی قبیح چیزوں سے پرہیز رکھنا کیا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا تم کو ان چیزوں سے ضرور بچنا چاہیئے۔ شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہونا تو درکنار تم کو ایسی بری چیزوں کے پاس تک نہ جانا چاہیئے۔

ان آیات میں شراب خواری اور قمار بازی کی بندش نہایت پُرزور اور بلیغ ترین عبارت میں بہت تاکید کے ساتھ کی گئی ہے۔ (۱) شراب خواری اور جوئے بازی کو بت پرستی کی مثل قرار دیا ہے (۲) ان چیزوں کو گندہ اور ناپاک فرمایا (۳) ان کو شیطانی حرکت قرار دیا جس سے سوائے شر کے کوئی خیر وابستہ نہیں اور نہ کسی اچھے نتیجہ کے برآمد ہونے کی امید ہے۔ (۴) ان چیزوں کو دین و دنیا کے برباد ہونے کا ذریعہ، فرائضِ الٰہی کی ادائیگی سے باز رہنے کا سبب اور دلوں میں کینہ و عداوت کی تخم ریزی کا وسیلہ قرار دیا۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا۔ یہ گزشتہ آیت کا تتمہ اور ایک عام ہدایت کا قانون ہے۔ مطلب یہ کہ تمام امور کی حلت و حرمت میں خدا و رسول کے فرمان کے مطابق عمل کرو اور ہر قسم کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ اگر ایسا نہ کرو گے اور خدا اور رسول کے احکام کو نہ مانو گے تو نہ ہمارا کچھ نقصان ہو گا نہ رسول کا۔ رسول کا کام صرف علی الاعلان واضح طور پر احکامِ الٰہی کی تبلیغ ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اطاعت و نافرمانی سے تمہارا ہی نفع نقصان وابستہ ہے۔ خدا کی کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔ نہ رسول کا کوئی مطلب۔ نہ تمہاری نافرمانی سے رسول کو کچھ ضرر ہو گا۔

مقصودِ بیان شراب خواری، قمار بازی، بت پرستی اور فال گیری کی پُرزور ممانعت۔ شراب نوشی اور جوئے بازی کے دنیوی اور دینی مفاسد کا اجمالی بیان۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ شریعتِ اسلامیہ کا مطمحِ نظر دنیا اور دین کی سعادت کا حصول ہے۔ جو چیز دنیا کی عافیت، بہبودِ انسانی، امن اور تعلقِ بشری کو تباہ کرنے والی ہے اُس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے۔ اسی طرح جو چیز تزکیۂ روح اور صفائے قلب سے روکنے والی اور تعلق خداوندی کو منقطع کرنے والی ہے اس کو ترک کرنے کی بھی اسلام نے نہایت تاکید کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ اسلام میں احکامِ الٰہی کو ماننا جس قدر ضروری ہے اتنا ہی فرمانِ رسول کو قبول کرنا بھی لازم ہے۔ کیونکہ فرمانِ رسول بعینہٖ فرمانِ خدا ہے۔ احکامِ شریعت کی خلاف ورزی کرنے اور خدا و رسول کا فرمان نہ ماننے سے صرف انسان ہی کا نقصان ہے۔ نہ خدا کا ضرر ہے نہ رسول کا۔ رسول کے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔ کسی کو مجبور کر کے منوانا رسول کا کام

نہیں ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے اُن پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں جس کو وہ کھا چکے بشرطیکہ انھوں نے پرہیزگاری

وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

کی اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لے آئے پھر پرہیزگاری کی اور نیکی کی اور اللہ نیکی کرنیوالوں

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ع ۱۲

کو پسند فرماتا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں لیکن سب کا اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت ہوگئی اور اس کے دینی اور دنیوی مفاسد بیان کر دیئے گئے تو بعض منافقوں اور یہودیوں نے مسلمانوں پر طعنہ زنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس سے قبل جتنے تمہارے ساتھی کسی جنگ میں یا اپنی موت سے مر چکے سب ہی جہنمی ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں بھی اس سے شبہ پیدا ہوا اور بعض لوگ آپس میں کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے شراب پینے کو شیطانی حرکت قرار دیا ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمان غزوۂ احد اور دیگر جہادوں میں شہید ہوگئے اور اُن کے پیٹ میں شراب موجود تھی خدا جانے ان کا کیا حال ہو۔ بعض حضرات نے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق دریافت کیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی اور صاف صراحت فرما دی گئی کہ اس سے قبل جن لوگوں نے شراب پی یا مالِ قمار رکھا یا تو اُن سے کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ تحریم سے قبل انھوں نے اگر ایسا کیا تو کچھ عناد اور مخالفت کی وجہ سے نہیں کیا۔ واقع میں وہ مومن اور نیکوکار تھے۔ لیکن اس کی ایک عظیم ترین شرط ہے وہ یہ کہ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا کہ اس سے قبل احکامِ شریعت کی خلاف ورزی سے بچتے رہے ہوں اور ایمان لے آئے ہوں اور شریعت الٰہیہ کے موافق وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انھوں نے نیک اعمال کئے ہوں۔

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا پھر جوئے اور شراب کی حرمت نازل ہونے پر جوا کھیلنے اور شراب پینے سے فوراً رک گئے ہوں اور دونوں کی حرمت پر ایمان لائے ہوں۔

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کیا ہو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کی ہو تو ایسے لوگوں پر کچھ مواخذہ نہیں۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ خلوص کے ساتھ ایمان لانے والوں اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ پہلے تقویٰ سے مراد وہ تقویٰ ہے جو انسان کے اپنے ذاتی حقوق سے متعلق ہے۔ دوسرے تقویٰ سے مراد وہ تقویٰ ہے جو حقوقِ جہاد سے متعلق ہے اور تیسرے تقویٰ سے حقوقِ الٰہی کی ادائیگی مراد ہے۔ مطلب یہ کہ جس نے ایمان کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے حقوق دیگر انسانوں اور خدا کے حقوق محض خدا ترسی کی بنا پر ادا کئے ہوں، وہ مواخذہ سے بےخوف ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ پہلے تقویٰ سے مراد حرام سے اجتناب کرنا ہے اور دوسرے سے مراد شبہات سے بچنا ہے اور تیسرے سے مراد یہ ہے کہ تزکیۂ نفس کے لئے عارضی طور پر بعض مباحات کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ تینوں فقرات میں یہ تین مطالب مرکوز ہیں:-

(۱) اسلام کے احکام ماننا اور تقویٰ و امکانی ایمان لانا (۲) اسلام کے احکام ماننا اور تصدیق کامل رکھنا (۳) اسلام کے احکام ماننا اور روح

کو روشن رکھنا تاکہ ریاضت و عبادات میں مشاہدہ کا لطف حاصل ہو۔ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں کہ پہلے اتقاء سے کفر و شرک کو چھوڑ دینا اور دوسرے اتقاء سے کبائر کو ترک کر دینا اور تیسرے اتقاء سے صغائر سے اجتناب رکھنا مراد ہے۔

مقصودِ بیان گناہ و ثواب کا مدار عقل پر نہیں بلکہ حکم الٰہی کے بموجب ہے۔ حقوقِ نفس، حقوقِ عباد اور حقوقِ الٰہی کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ ہر مسلمان کے واسطے ضروری ہے کہ مجاہدہ سے مشاہدہ کی طرف اور غیب سے حضور کی طرف انتقال کرنے کی کوشش کرے۔ پہلے ممنوعات کو ترک کرے اور امر کو بجا لائے۔ احکامِ الٰہی کی نہایت خلوص کے ساتھ فرماں پذیری کرے اور آخر میں مجاہدہ و ریاضت سے معائنہ اور مشاہدہ کی طرف ترقی کرے۔ عبادت اس طرح کرے کہ گویا خدا نظروں کے سامنے ہے۔ اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ بندہ خدا کے سامنے ہے وہ اس کی تمام اطاعت، عبادت، ایمان اور خلوص کو دیکھ رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

مسلمانو! خدا تمہاری ضرور آزمائش کرے گا اس شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

تاکہ اللہ کو تفصیلی علم ہو جائے کہ کون بن دیکھے اُس سے ڈرتا ہے پھر اس کے بعد بھی جس نے زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ

مسلمانو! حالتِ احرام میں شکار کو نہ مارو تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً مارے گا

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو اس پر مارے ہوئے شکار کی برابر کوئی چوپایہ عوض میں دینا لازم ہے اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف شخص کریں گے

هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

اور یہ جانور بطور نیاز کے کعبہ تک پہنچایا جائے یا چند محتاجوں کو کھانا کھلانا بطور کفارہ کے لازم یا اُس کی برابر روزے رکھنے لازم ہیں

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ

تاکہ اپنے کئے کی سزا چکھے جو گذر چکا اس کو تو اللہ نے معاف کر دیا لیکن جو شخص دوبارہ کرے گا اللہ اس سے

مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○

بدلا لے گا اور اللہ زبردست بدلا لینے والا ہے

تفسیر مقاتل کی روایت ہے کہ جب سنہ ۶ ہجری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان مکہ سے باہر بمقام حدیبیہ احرام باندھے ہوئے پڑے تھے تو بہت سے وحشی چرند پرند یعنی شکار کے جانور مسلمانوں کی چھاؤنی میں گھس گھس آتے تھے اور اُن کے سامان خورد و نوش اسباب پر آگئے

کو نقصان پہنچاتے تھے۔ چونکہ مسلمان عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے اس لئے اُن سے تعرض نہ کرتے تھے اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ اس وقت یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ نازل ہوئی کہ یہ خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش ہے۔ اس میں ثابت قدم رہنا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ، مسلمانو! شکار کے جن جانوروں پر تمہارے ہاتھ یا ہتھیار پہنچ سکتے ہیں تم اُن کو ہاتھ سے پکڑ سکتے یا ہاتھ سے شکار کر سکتے ہو اُن کو گرفت کرنے یا شکار کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ خدا تعالیٰ ذرا سے شکار کے معاملہ میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۔ تاکہ صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ بغیر دیکھے خدا سے کون ڈرتا ہے اور کون نہیں ڈرتا اور کون اس کے احکام کی عظمت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ تم اس آزمائش پر ثابت قدم رہو۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ حکم حرمت اور تصریح آزمائش کے بعد بھی اگر کوئی دراز دستی کرے گا اور حد شرع سے آگے بڑھے گا تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا اور دین و دنیا کی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اب آگے حالتِ احرام میں شکار کرنے کی حرمت مفصل بیان کی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ مسلمانو! جب تم عمرہ یا حج کے احرام میں ہو تو کسی قسم کے وحشی جانور کو خواہ چرندہ ہو یا پرندہ یا درندہ شکار نہ کرو۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں اس حکم سے پانچ چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے، سانپ، بچھو، چیل، کوا، چوہا، کٹکھنا کتا۔ ان کے علاوہ خشکی کے ہر وحشی جانور کو قتل کرنا بحالتِ احرام حرام ہے۔ خواہ وہ کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ چرندہ ہو یا درندہ یا پرندہ۔

وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا ۔ یعنی اگر کوئی شخص قصداً حرم کے اندر بحالتِ احرام خشکی کے کسی جانور کو قتل کر ڈالے تو اس پر کفارہ لازم ہے جس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو جو جانور شکار کیا ہے اُسی کی مثل کوئی چوپایہ ذبح کر کے فقراء کو تقسیم کر دے۔ مگر اس میں دو باتیں ضروری ہیں۔ اول بات تو یہ کہ دو عادل باشرع مسلمان تجویز کر دیں کہ یہ قربانی کا جانور اس مقتول جانور کی مثل ہے مثلاً ہرن کے عوض بکری، کبوتر کے عوض مرغی وغیرہ۔ دوسری بات یہ کہ اس قربانی کے جانور کو ہدی بنا کر کعبہ کو بھیجا جائے تاکہ حرم کے اندر اس کو ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دیا جائے (۲) اگر قربانی کا جانور نہ بھیجے تو اس کی قیمت کا غلہ خرید کر مساکین کو تقسیم کر دے (۳) اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مسکین کو کھانا کھلانے کے عوض ایک روزہ رکھے مثلاً ہرن کو شکار کیا اور ایک ہرن کی قیمت پانچ روپے قرار پائی اور پانچ کا غلہ ایک من ۵ سیر ہوتا ہے اور فی کس ڈیڑھ سیر کے حساب سے تیس مسکینوں کو تقسیم کرنا لازم ہے۔ لہٰذا غلہ نہ دینے کی صورت میں تیس روزے رکھنے ضروری ہیں اور یہ کفارہ کیوں ضروری ہے؟

تاکہ اپنے کئے کا مزہ اُس کو چکھنا پڑے۔ ہاں اس حرمت سے قبل جس نے حرم کے اندر بحالتِ احرام شکار کیا اس کو خدا نے معاف فرما دیا اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ نہ اس کا کفارہ دینا لازم ہے۔ البتہ اس حرمت کے حکم کے بعد:۔

جو شخص دوبارہ ایسی حرکت کرے گا اُس سے خدا انتقام لے گا اور اس کو ضرور سزا دے گا۔ خدا تعالیٰ انتقام لینے پر قادر ہے اور اُس کے جرائم زیادہ واجب الانتقام ہیں۔ دوبارہ اس قسم کا جرم کرنا کفارہ دینے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

عامہ جمہور سلف و خلف کا قول ہے کہ آیت میں قتل عمد کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ عادت اور محاورہ کے مطابق لگا دی گئی ہے ورنہ قتل عمداً ہو یا خطاءً بہر صورت کفارہ واجب ہوگا۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ بلا قصد شکار کرنے پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے۔

عامہ علماء کا قول یہ بھی ہے کہ قتل ایک بار کرے یا دو بار یا تین بار یا سو بار بہر حال کفارہ ہر مرتبہ واجب ہوگا خواہ قتل عمد ہو یا بلا عمد۔ لیکن علی بن ابی طلحہ اور عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اگر شکار بلا قصد ہے تو ہر بار کفارہ دینا پڑے گا خواہ سو بار ہو۔ اور اگر قصداً شکار کیا ہے تو پہلی مرتبہ کا قصور کفارہ سے معاف ہو جائے گا اور دوسری مرتبہ کا قصور کفارہ سے بھی معاف نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ اس کو ضرور سزا دے گا۔ یہی قول ابن جریج، مجاہد، سعید

بن جبیر، حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا ہے۔ اور ظاہر آیت سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

اگر شکار خود نہیں کیا بلکہ دوسرے شخص کو بتا دیا اور اس نے شکار کیا تو اول شخص پر بھی تاوان پڑے گا اور اس کو بھی اس شکار کا کھانا حرام ہوگا۔ اسی طرح

اگر شکار کو زخمی کر دیا قتل نہیں کیا تو داؤد ظاہری کے نزدیک کوئی تاوان نہیں دینا ہوگا۔ جمہور علماء کے نزدیک اتنا تاوان دینا ہوگا جس قدر اس جانور کو زخمی کرنے سے اس کی قیمت میں کمی ہو گئی ہو۔

جانور کی قیمت کا اندازہ بقول شعبی بازار کے لحاظ سے ہوگا اور جمہور کے نزدیک مقام قتل میں جو قیمت ہو اور دو مسلمان اس مقام کا لحاظ کر کے جو قیمت تجویز کریں وہی قیمت دینی ہوگی۔

اگر محرم نے خود شکار نہیں کیا نہ شکار کرنے میں مدد دی نہ شکار بتایا بلکہ اس کی مدد اور رہنمائی کے بغیر دوسرے شخص نے شکار کیا تو علی، ابن عباس، ابن عمر، سعید بن جبیر اور اسحاق کے قول میں پہلے کے لئے یہ شکار حرام ہے۔ شافعی رح کہتے ہیں کہ اگر محرم نے نہ خود مارا نہ شکار کی رہنمائی کی نہ مدد کی بلکہ کسی اور شخص نے مارا اور وہ شخص محرم نہیں ہے تو اول کے لئے یہ شکار حلال ہے بشرطیکہ اس کے لئے یہ شکار نہ کیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ اگرچہ محرم کے لئے شکار کیا گیا مگر محرم کی شرکت سے نہ ہوا ہو تو وہ شکار محرم کے لئے حلال ہے۔ ہر قول کے دلائل مفصل فقہ میں موجود ہیں اور ہر ایک کا استنباط حدیث پر ہے۔

مقصود بیان خدا کی آزمائش کے بہت سے طریقے ہیں۔ لالچ اور خوف دونوں طرح سے آزمائش ہوتی ہے اور ذرا سی بات بھی امتحان الہٰی کی ایک خاص نوعیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ بڑے بڑے مصائب ڈال کر خواہ مخواہ کسی کو تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ قلبی خلوص کا اندازہ کرنا چاہتا ہے اور خلوص کا اندازہ معمولی بات سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ اندازہ خدا کے علم میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا ہے بلکہ ہر شخص کی حالت کھلم کھلا اور صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور پھر اس کو اپنی نیت کے اخفاء اور اپنے فعل کی تاویل کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ ممانعت اور تحریم سے قبل کا کوئی گناہ قابل مواخذہ نہیں جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ اشیاء میں تحریم و تحلیل عقل کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور نہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے بلکہ ہر چیز کی بھلائی برائی اور حلت و حرمت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ آیت میں حرم الہٰی اور حرمت الہٰی کی عظمت کا بہترین طریقہ سے اظہار کیا گیا ہے۔ دو باشرع مسلمانوں کے قول کو مستند اور قابل اعتبار ظاہر کیا گیا ہے۔ حکم الہٰی کی خلاف ورزی سے قلب انسانی پر گناہ کا جو سیاہ دھبہ پیدا ہوتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے صرف دو صورتیں بتائی گئی ہیں جن میں سے اول دوسری سے افضل ہے اور جب تک اول کے کرنے کی طاقت ہو دوسری کو کرنا ناجائز ہے۔ یعنی بنی نوع انسان کی مالی اعانت اور ہمدردی اور بدرجہ مجبوری نفسانی ریاضت اور قوت شہوانیہ و غضبیہ کے جوش کو توڑنے کی تدبیر و غور۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ

تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے اور یہ تمہارے اور دوسرے مسافروں کے فائدہ کے لئے ہے اور جب تک احرام کی حالت میں ہو

مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

خشکی کا شکار تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کیا جائے گا

تفسیر اس آیت کا مطلب جاننے سے قبل دریائی اور خشکی کے شکار کے معنی بھی لینا ضروری ہیں۔ سید علی نے بیان کیا ہے کہ جو پانی کے علاوہ اور جگہ زندہ نہ رہیں وہ آبی جانور ہیں جیسے مچھلی اور اس کے علاوہ بری جانور ہیں مگر بقول ابن کثیر بہتر تعریف یہ ہے کہ آبی جانور وہ ہے جو پانی میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پانی میں ہی رہتا ہے اور جو جانور خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے یا کبھی خشکی میں اور کبھی پانی میں رہتا ہے وہ غیر آبی ہے۔

رہی یہ بات کہ صید بحر اور طعام بحر میں کیا فرق ہے؟ تو فاروقِ اعظمؓ، صدیقِ اکبرؓ، زید بن ثابتؓ، ابوایوب انصاریؓ، عکرمہؒ، ابوسلمہؒ، نخعیؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ معزز صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ طعام البحر سے وہ مرا ہوا جانور مراد ہے جو دریا سے باہر آ پڑتا ہے۔ سعید بن جبیر، سدی اور سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ صید البحر سے تازہ مچھلی اور طعام البحر سے نمک آلود خشک مچھلی مراد ہے۔

لیکن سب سے بہتر وہ تفسیر ہے جو صاحبِ کشاف نے بیان کی ہے کہ صید البحر عام ہے خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو جیسے سیپ، اگر مچھ اور مچھلی اور طعام البحر خصوصیت کے ساتھ وہ جانور ہیں جن کو شکار کر کے کھایا جاتا ہے۔ یعنی صرف مچھلی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۝ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۝ دریا کی کل پیداوار سے نفع حاصل کرنا تمہارے لئے حلال ہے اور اُن میں سے جو جانور کھانے کے قابل ہیں اُن کا کھانا بھی حلال ہے یعنی مچھلی کو کھانا جائز ہے اور موتی، سیپ اور دوسری پیداوار کی تجارت اور اس سے منافع حاصل کرنے جائز ہیں اور یہ حلت تمہارے فائدہ کے لئے بھی ہے۔ جب تم دورانِ سفر میں نہ ہو اور عام مسافروں کے فائدہ کے لئے بھی ہے۔ ہاں غیر آبی شکار کرنا بحالتِ احرام جائز نہیں۔ تم احکامِ الٰہی کے پابند ہو کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ کیونکہ انجام کار سب کا موت ہے اور ہر ایک کو خدا کے سامنے جانا ہوگا اور اعمال کا محاسبہ ہوگا اس سے ڈرتے رہو۔

مقصودِ بیان آبی جانور کا شکار عموماً جائز ہے اور ہر آبی جانور کی تجارت وغیرہ سے نفع حاصل کرنا مباح ہے البتہ کھانا صرف مچھلی کو جائز ہے خواہ مچھلی مردہ دریا سے باہر آئی ہو یا زندہ نکالی گئی ہو۔ دریائی چیزوں سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

اللہ نے کعبہ کو جو با عزت گھر ہے اور حرمت والے مہینے کو اور قربانی کے جانور کو اور نشان کے جانوروں کو

وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

لوگوں کے امن کا سبب بنایا ہے تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر اُس چیز سے واقف ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے جانے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

غفور و رحیم ہے پیغمبر کے ذمہ صرف پیام پہنچا دینا ہے اور اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا

تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ

ہے (اے نبی) کہہ دو کہ پاک و ناپاک برابر نہیں ہیں اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہارے لئے تعجب انگیز ہو

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ع

لہٰذا عقلمندوں خدا سے ڈرو تاکہ تمہارا بھلا ہو

تفسیر سابق آیات میں حرم احرام اور شکار حرم کے مسائل تھے۔ اس آیت میں کعبہ کی قربانی کے جانوروں کے اور ماہ حج کے کچھ مباحث بیان ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ خدا تعالیٰ نے کعبہ کو بیت حرام اور باعزت گھر بنایا ہے۔ اس میں قتل و خونریزی فتنہ و فساد اور فسق و فجور قطعاً حرام ہے۔ لوگوں پر اُس کا احترام لازم ہے اور پھر اس باحرمت مکان کے سبب لوگوں کے دین و دنیا کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ خدا نے اس کو امور خلق کی درستگی کا سبب بنایا ہے۔ دین کے کام تو اس طرح درست ہوتے ہیں کہ لوگ چاروں طرف سے یہاں حج کو آتے ہیں اور خلوص نیت کے ساتھ ان کو ثواب عظیم حاصل ہوتا ہے اور گزشتہ سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دینی فوائد اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ جو شخص حرم کے اندر چلا جاتا ہے وہ ہر قسم کے خطرہ سے بیخوف ہو جاتا ہے اُس پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔ ہر قسم کے پھل وہاں چاروں طرف سے پہنچتے ہیں۔ ہر قسم کے میوے کی وہاں تجارت ہوتی ہے اور باوجودیکہ کھجور اور پانی کو ساتھ ملا کر کھانا از روئے طب مورث جذام ہے لیکن وہاں کے باشندوں کی غذا ہی یہ ہے اور بحکم الٰہی بجائے نقصان کے اُن کے قیام حیات کا سبب ہے۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور خدا تعالیٰ نے ماہ رجب محرم اور ذی قعدہ و ذی الحجہ کو بھی لوگوں کے لئے قیام حیات کا سبب بنا دیا۔ ان چاروں مہینوں میں قتل و خونریزی اور لڑائی جھگڑے سے منع فرما دیا اور ہر شخص کو دشمن سے مامون اور بیخوف کر دیا۔

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ قربانی اور نذر و نیاز کے جانوروں کو بھی آدمیوں کے لئے باعث قیام قرار دیا جس کے پاس قربانی کا جانور ہو یا نیاز کا جانور کوئی کعبہ کو لے جا رہا ہو اُس سے تعرض نہ کرنے کا حکم دے دیا اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ یہ سب کچھ کیوں کیا؟ صرف اس لئے تاکہ:-

لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ۔ تم کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کو تمام کائنات سماوی موجودات ارضی کا پورا پورا علم اور ہر شے سے کامل وقفیت ہے۔ اس نے تمہارے نفع حاصل کرنے اور نقصان دفع کرنے کے لئے پہلے سے ہی ایسے قوانین بنا دیئے جو اُس کے کمال علم پر دلالت کرتے ہیں۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ اور اس کے ساتھ تم کو یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ صرف علیم و خبیر اور خالق کائنات ہی نہیں بلکہ اس میں صفت غضب بھی بدرجۂ کمال موجود ہے۔ نافرمانوں کے لئے اُس کا عذاب بہت سخت ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کرنے والے اور صدق نیت سے ایمان لانے والے ہیں اُن کے لئے اُس کا دائرۂ رحمت بھی بہت وسیع ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ خلوص دل سے توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا تم کو اس کی نافرمانی سے بچنا لازم ہے اور کفر و معاصی سے خالص قلب کے ساتھ توبہ کر کے اُس کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ ورنہ خوب سمجھ رکھو کہ ہمارے رسول کا کام تو صرف تبلیغ احکام کرنا ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ رسول کا نہ کوئی تمہاری ذات و حالات سے ضرر وابستہ ہے نہ نفع۔ تمہارا خود ہی اطاعت و نافرمانی میں فائدہ نقصان ہے اور پھر:-

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ۔ خدا کو تمہارے ظاہر و باطن سے وقفیت بھی ہے تمہارا کوئی عمل اُس سے مخفی نہیں لہٰذا اُس کے بتائے ہوئے احکام پر پابندی سے عمل کرو کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس میں واقعی بہتری اور پاکی ہوتی ہے اور جس چیز کی وہ مخالفت فرماتا ہے اس میں خرابی اور خباثت ہوتی ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ:-

قُلْ لَّا يَسْتَوِی الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ پاک و ناپاک اور اچھا برا برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک

چیز کی کثرت ہر کس و ناکس کے لئے تعجب انگیز اور خیرہ کن ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔ تم کو خدا سے ڈرنا چاہیئے اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے کیونکہ تم عقلمند ہو اور عقلمند کبھی مضرت انگیز چیز اور نقصان رساں فعل کو اختیار نہیں کرتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اس سے تم کو دین دنیا میں فلاح و بہبودی حاصل ہوگی۔

مقصودِ بیان کعبہ میں اور ماہ ہائے حرام میں قتل، خونریزی، فتنہ فساد لڑائی دنگا ممنوع ہے۔ کعبہ کا احترام ہر شخص پر لازم ہے۔ کعبہ کو جانے والا قربانی یا نذر و نیاز کا جانور ناقابلِ تعرض ہے۔ جو شخص کعبہ کو نذر لے جارہا ہو اس سے بھی تعرض نہ کیا جائے۔ آیت میں بہترین لطافت و بلاغت کے ساتھ ترہیب و ترغیب دلا کر دعوتِ اسلام دی گئی ہے اور اتقاءِ نفس پر آمادہ کیا گیا ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے قوانین کو اصلاحی قوانین ثابت کر کے نبوتِ رسول اللہ پر پُرزور استدلال کیا گیا ہے اور اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ دنیا میں پاک کم اور ناپاک زیادہ، کافر زیادہ اور مسلمان کم، خدا ترس انسان کم اور بے باک زیادہ، گنہگار زیادہ اور متقی کم ہیں لیکن یہ کمی بیشی سے بہتر ہے اس کمی ہی سے بہبودیٔ دارین وابستہ ہے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر تم سے ظاہر کردی جائیں تو تم کو بری لگیں اور اگر نزولِ قرآن

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

کے زمانہ میں تم اُن کو دریافت کرو گے تو لامحالہ ظاہر کردی جائیں گی اللہ نے گزشتہ سوالات معاف کیے اور اللہ بڑا بخشنے والا بُردبار ہے

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝

تم سے پہلے بھی لوگ ایسی باتیں پوچھ چکے ہیں لیکن بعد کو اُن کے منکر ہوگئے

تفسیر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ اس کمل آیت کی شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں بخاری کی روایت علیحدہ ہے مسلم کی علیحدہ۔ ترمذی کی الگ تو احمد اور نسائی کی جدا۔ لیکن تمام روایات کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ بعض لوگ خواہ مخواہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مفید سوالات کرتے تھے جن سے کوئی بہبودی وابستہ نہ ہوتی تھی۔ کبھی اُن باتوں کو استفسار کرتے تھے جن کا اظہار مصلحت عباد کے خلاف تھا اور اگر اُن کو ظاہر کردیا جاتا تو لوگ خواہ مخواہ ناقابلِ برداشت تکلیف میں پڑ جاتے۔ اس قسم کے تمام سوالات کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی وجہ سے مختلف حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھ کو چھوڑے رکھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے بہت سوال کرتے تھے اور پھر اُن کی تعلیم کی مخالفت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں اُن کو ضائع مت کرو اور جو حدود مقرر کردیئے ہیں اُن سے تجاوز مت کرو۔ جن چیزوں کو حرام کردیا تم اُن کی حرمت کی خلاف ورزی نہ کرو اور جن چیزوں سے صرف اپنی رحمت کی وجہ سے نہ کہ بھول کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے تم اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیزوں کے متعلق (فضول) سوال نہ کیا کرو کہ اگر تم کو اس کے جوابات دیئے جائیں اور حقیقت کا انکشاف کیا جائے تو تم کو برا لگے (اور ان پر عمل کرنا تمہارے لئے دشوار ہو جائے) کیونکہ:

وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ۔ اگر نزولِ قرآن کے زمانہ میں تم سوالات کرو گے تو لامحالہ تم پر اُن کا اظہار کردیا جائے گا۔ اور پھر تم کو اُن [illegible] کا اظہار ناگوار ہوگا اور اُن پر عمل کرنے میں دشواری ہوگی۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا [illegible] جب معاملات نے ان چیزوں کا اظہار نہیں کیا ہے تو تم

بھی اُن کو دریافت نہ کرو (اور خواہ مخواہ دشواری میں نہ پڑو)۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ اور جو کچھ تم اس سے قبل غیر مفید سوالات کر چکے ہو اُن کو خدا معاف کرنے والا ہے کیونکہ وہ غفور حلیم ہے۔ جلدی مواخذہ نہیں فرماتا ہے۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ دیکھو تم سے پہلے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے انبیاء سے اسی قسم کے سوالات کئے اور جب ان کو جواب دیا گیا (اور اُن کی منشاء کے خلاف اشیاء کی حرمت وحلت ہوئی) تو اس کے مطابق انہوں نے عمل نہ کیا اور احکام الٰہی کی کچھ وقعت نہ کی۔

مقصود بیان خواہ مخواہ غیر مفید بے جا سوالات کرنے اور شریعت کو مذاق کی چیز بنانے کی ممانعت۔ آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ جن چیزوں کا اظہار خدا مناسب سمجھتا ہے کر دیتا ہے اور جس چیز کا وہ اظہار نہیں کرتا اس کا اظہار کرنا غیر مفید بلکہ مضر ہوتا ہے۔ وغیرہ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ نے جائز نہیں کیا　نہ بحیرہ کو　نہ سائبہ کو　نہ وصیلہ کو　نہ حام کو　کافر تو

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اللہ پر　جھوٹی بہتان بندی　کرتے　ہیں　اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں　سمجھتے　جب اُن سے کہا جاتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

کہ اُس کتاب کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے　اور رسول کی طرف آؤ　تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

بھلا اگر اُن کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (تب بھی یہ اُنہی کے طریقہ پر رہیں گے)

تفسیر پہلی آیت میں فضول اور زائد از ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت کی تھی۔ اس آیت میں از خود اشیاء کی حلت حرمت قائم کر لینے اور حکم الٰہی کے خلاف بدعتیں ایجاد کر لینے کی ممانعت کی جاتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ یعنی بحیرہ[1] اور سائبہ اور وصیلہ اور حامی کی عزت حرمت

[1] بحیرہ اُس کی پہلی اونٹنی کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا اور اس علامت کے لئے اس کے کان چیر کر دیتے تھے۔ سائبہ سانڈ کو کہتے تھے جس کو دیوتاؤں یا دیویوں یا بتوں کے نام کا کر کے چھوڑ دیتے تھے اور کوئی خدمت اس سے نہیں لیتے تھے۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا سب سے پہلا حمل اور اُس کے بعد کا دوسرا حمل مادہ ہوتا تھا یعنی پہلوٹھی کے دو بچے اوپر تلے مادہ ہوتے تھے۔ ایسی اونٹنی کو متبرک سمجھ کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور حامی اُس نر اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے متواتر دس بچے پیدا ہو جاتے تھے۔ ایسے اونٹ کو بھی کام کاج سے سبکدوش کر کے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ جاہلی رسوم اور اسی قسم کے اور بہت سے بے اصل مراسم عمرو بن لحی خزاعی نے اسلام سے تقریباً تین سو سال قبل کر دیں ایجاد کئے تھے اور ان کو مذہب کا جزو قرار دے کر دین ابراہیمی میں ترمیم کی تھی اور اصل دین کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی شخص نے سب سے پہلے ملک شام سے بت لا کر رکھے تھے۔

اصنام کو خدمت سے سبکدوش کر دینا خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔ یہ رسوم بے اصل ہیں۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ بلکہ ان رسوم کو مذہبی امور قرار دینا کافروں کی افترا بندی اور بہتان ہے۔ معاذ اللہ شریعت میں ان رسوم کو جاری کیا اور نہ ان کے جواز کا حکم دیا۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ لیکن اکثر لوگ واقف نہیں کہ یہ رسوم محض افترا بندی ہیں۔ واقع میں شریعت الٰہیہ میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ کافروں نے ان کو ایجاد کر رکھا ہے۔ مگر احمق جاہل کورانہ تقلید کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ کتاب الٰہی کے فیصلہ کی طرف آؤ اور اس کے حکم کو مانو دیکھو جو چیز تم نے حرام سمجھ رکھی ہے وہ حلال ہے۔ اس کی حرمت بے اصل ہے۔

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔ تو وہ جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو جن رسوم پر اپنے اسلاف کو پایا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہیں ہم کو تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ اگرچہ اس کے اسلاف جاہل اور گمراہ ہوں تب بھی اُن کی تقلید کو وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

مقصود بیان رسوم اہلِ شرک کو ماننے اور ان کو اختیار کرنے کی ممانعت اور پھر مشرکانہ رسوم کو شریعت اسلامیہ کا جزو خیال کرنے کی پُر زور مخالفت اور اس امر کی وضاحت کہ یہ کفار کی بہتان تراشی ہے۔ ایسی افترا بندی کرنے والے کافر ہیں۔ کورانہ تقلید سے باز داشت اور انتہائی بلاغت آمیز عبارت میں اس بات پر تنبیہ کہ آدمی کو اچھے برے پر خود غور کرنا چاہیئے۔ محض آباؤ اجداد کی رسوم کی پیروی اور بغیر سوچے سمجھے اُن کی رفتارِ زندگی اور راہِ عمل کو حق سمجھ لینا گمراہی ہے۔ وغیرہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

مسلمانو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہِ راست پر ہو گے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کوئی بھی

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

تم سب کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے وہی تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کیا کیا کرتے تھے

تفسیر یہ آیت پہلی آیت کے مضمون سے مربوط ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ مسلمانو! تم اپنے بچاؤ کے طریقے اختیار کرو اور اپنے نفوس کی درستگی و اصلاح پر قائم رہو۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ اگر تم راہِ راست پر ہو گے تو گمراہ لوگوں کی گمراہی سے تم کو ضرر نہ ہو گا اور کوئی کافر تم کو دینی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ تم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو جیسا کوئی کرے گا ویسا بھرے گا۔ تم کافروں کو اُن کی حالت پر چھوڑ دو۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ قیامت کے دن تم سب کو خدا کے پاس تو ضرور جانا ہے۔ اُس وقت خدا تعالیٰ بتائے گا کہ کس کے اعمال اچھے تھے اور کس کے برے اور کون مستحق ثواب ہے اور کون مستوجب عذاب۔ لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر قسم کا وعظ و پند اسلام میں بےسود چیز ہے۔ ہر شخص ہر اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ دوسرے کے اعمال سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہیئے خواہ تمام عالم میں گمراہی پھیل رہی ہو مگر اس کو اپنے گوشۂ عبادت سے باہر قدم نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ ہم ذیل میں چند حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے آیت کے مطلب کی وضاحت ہوتی ہے۔

ابو ثعلبہ خشنی کہتے ہیں۔ میں نے حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔ فرمایا ایک دوسرے کو اچھی باتوں کا حکم دو۔ بری باتوں سے منع کرو اور جب تم دیکھو کہ لوگ کنجوسی کے فرمانبردار اور خواہش نفس کے پیرو ہوگئے ہیں اور دنیا کے دلدادہ بن گئے ہیں اور ہر خود رائے شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہے تو صرف اپنے نفس کی حفاظت اور بازداشت کرو (رواہ الحاکم وابو الشیخ وابن مردویہ والبیہقی وابن جریر وابن ابی حاتم والبغوی والطبرانی وابن ماجہ وغیرہم)۔

ابو عامر اشعری کہتے ہیں کہ ایک نابینا نے چند روز تک خدمت گرامی میں حاضر ہونا ترک کر دیا۔ چند روز کے بعد وہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا نابینا نے یہی آیت پڑھ دی۔ حضورؐ نے فرمایا ہائیں تمہارا یہ کیا خیال ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کافروں میں سے جو گمراہ ہو وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ بشرطیکہ تم راہ راست پر رہو (احمد۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ ابن مردویہ وغیرہم)

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دوران تقریر میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! تم یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الخ تلاوت کرتے ہو اور اس کے معنی غلط سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں۔ حالانکہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ناجائز امور دیکھ کر منع نہیں کرے گا اور اس کو نہیں مٹائے گا تو عنقریب خدا تعالیٰ سب کو عذاب عام میں مبتلا کر دے گا۔ تم یا تو نیکی کی ہدایت اور بدی سے بازداشت کرو ورنہ خدا کی قسم تم سب پر عام عذاب آجائے گا (دار قطنی۔ ابن حبان۔ احمد۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن مخلد ابن ماجہ۔ النسائی۔ ابو داؤد۔ ترمذی وغیرہ)۔

ابن مسعود، ابن عمر، ابو سعید خدری اور ابی بن کعب وغیرہ صحابیوں کی رائے ہے کہ اس آیت کا یہ زمانہ نہیں ہے۔ عنقریب ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اگر کسی کو تم نیکی کی ہدایت کرو گے تو وہ قبول نہیں کرے گا۔ اس وقت تم پر لازم ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح پیش نظر رکھو۔

درحقیقت آیت میں مسلمانوں کو بصیغۂ جمع خطاب کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم سب اپنے نفسوں کی حفاظت کرو۔ اس میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ تمام مسلمان مثل ایک نفس کے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو سمجھانا اور راہ پر رہنے کی ہدایت کرنا اور اس کی اصلاح کرنا اپنی ذات کی اصلاح کی طرح ہے تو گویا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو نصیحت کرنا بھی اپنے نفس کی اصلاح ہے۔ اب آیت کا مطلب واضح ہوگیا اور کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ رہا کہ امر معروف اور نہی منکر سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔

مقصودِ بیان اتحاد ملی اور اتفاق قومی کو برقرار رکھنے کی لطیف ترین عبارت میں ہدایت۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ تمام مسلمانوں کا مجموعہ مثل ایک ذات کے ہے اور تمام مسلمان اُسی ذات کے مختلف اعضاء ہیں۔ ہر عضو کی اصلاح گویا دوسرے عضو کی اصلاح ہے۔ کیونکہ ایک عضو کے خراب ہونے کے بعد دوسرے عضو کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے بھائی کی بہی خواہی کرنی ضروری ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

مسلمانو! تم میں سے جب کسی کی موت کا وقت آموجود ہو تو وصیت کرتے وقت تم میں سے دو معتبر

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ

شخصوں کی گواہی ہونی چاہیئے یا اگر تم ملک میں سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

تو غیر آدمیوں میں سے دو شخص ہوں جن کو نماز کے بعد تم ٹھہرا لو بشرطیکہ تم کو شک ہو اور وہ دونوں اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں

إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا

کہ ہم کسی قیمت پر قسم نہیں بیچتے اگرچہ وہ ہمارا قرابتدار ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے اگر ایسا کریں

إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ○ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا

تو ہم بے شک گناہگار ہیں اس کے بعد اگر اطلاع ملے کہ ان دونوں نے گناہ سے حق دبا لیا تو ان کی بجائے اور دو آدمی ان میں سے

مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِن

جن کی حق تلفی ہوئی کھڑے ہوں اور یہ دونوں (میت کے) زیادہ قرابت دار ہوں اور اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے

شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ○ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يَأْتُوا

زیادہ معتبر ہے اور ہم نے حق سے تجاوز نہیں کیا ورنہ ہم بلاشبہ ظالم ہیں اس طریقہ سے لگتا ہے کہ وہ ویسی

بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَن تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

گواہی دیں گے جیسی چاہیئے یا اس بات سے اُن کو خوف ہوگا کہ ہماری قسموں کے اوروں کی قسمیں رد کردی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○

اور سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ سے آخر رکوع تک ان آیات کا شانِ نزول بہت طویل ہے ہم روایات کا خلاصہ کر کے مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

قبیلہ بنی سہم کا ایک آزاد کردہ غلام جس کا نام بُدیل بن ابی مریم تھا کچھ مال تجارت لے کر ملکِ شام کو تجارت کرنے گیا اُس کے پاس ایک چاندی کا کٹورا بھی تھا جس میں سونے کا کام کیا ہوا تھا اور وہ بادشاہِ شام کے پاس اس کو لے جانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ دو عیسائی سوداگر تمیم داری اور عدی بن بدا بھی تھے جو ملکِ شام کو تجارت کرنے جا رہے تھے اور مدینہ کے باشندے تھے۔ دوران سفر میں بدیل بیمار ہو گیا اور اس کا آخری وقت آ پہنچا۔ لیکن چونکہ وہاں کوئی مسلمان موجود نہ تھا اس لئے بدیل نے اپنا تمام مال جس میں چاندی کا کٹورا بھی تھا اُنہی عیسائیوں کے سپرد کر دیا اور وصیت کر دی کہ وطن پہنچ کر میرے وارثوں کو دے دینا وہ قانونِ اسلامی کے موافق اس کو تقسیم کر لیں گے اور مال کی فہرست چھپا کر مال میں رکھ دی۔ اس کے بعد بُدیل کا انتقال ہو گیا۔ عیسائیوں نے بدیل کا مال مدینہ پہنچ کر اُس کے وارثوں کے حوالہ کیا لیکن کٹورا چرا کر ایک ہزار درہم کو فروخت کر دیا اور مشتری سے قیمت بھی وصول کر لی۔ وارثوں نے ان نصرانیوں پر کٹورے کا دعویٰ کیا اور بارگاہِ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اُس وقت یہ آیات إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ تک نازل ہوئیں۔ بدیل کے وارث چونکہ مدعی تھے کہ ان دونوں نصرانیوں نے خیانت کی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدمِ خیانت پر تمیم اور عدی کو قسم دلائی اور دونوں نے قسم کھالی کہ ہم کو کٹورہ کا حال معلوم نہیں۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ وہ کٹورا ایک سنار کے پاس برآمد ہوا۔ سنار سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تمیم داری نے ایک ہزار درہم کو بیچا ہے اور قیمت بھی میں دے چکا ہوں۔ اسی عرصہ میں تمیم داری مسلمان ہو گیا اور ... کی قیمت میں سے جو پانچسو درہم اس کے حصہ

میں آئے تھے۔ وہ بدیل کے وارثوں کے پاس لاکر حاضر کر دیئے۔ لیکن مدعی نے اقرار نہ کیا۔ اگرچہ تمیم نے تمام قصہ ظاہر کر دیا اور بدیل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست بھی نکل آئی۔ مگر مدعی منکر ہی رہا اس لئے دوبارہ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا اور آیت فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓی الخ نازل ہوئی۔ بدیل کے قرابتداروں میں عمرو بن عاص اور مطلب بن ابی رفاعہ قریب ترین تعلقدار تھے۔ اس لئے نماز عصر کے بعد حسب فرمانِ نبوی یہی دونوں صاحب کھڑے ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہماری قسم عدی کی قسم سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ ہمارے علم میں میت نے ان کے ہاتھ کوئی کٹورا نہیں بیچا اس پر مدعی سے پانچسو درہم لے گئے اور معاملہ طے ہو گیا لیکن ہر قسم کا چونکہ واقع میں کوئی چشم دید گواہ نہ تھا اس لئے ہاتھ نہ کاٹا گیا۔ یہ قصہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، امام احمد، ابراہیم نخعی، شعبی وغیرہ جلیل القدر محدثین نے مختلف صحابیوں کی روایات کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لیکن کسی قصہ کا کوئی حصہ ہے اور کسی نے کوئی حصہ بیان کیا ہے۔ ہم نے سب کو ایک جا جمع کر کے مختصر طور پر لکھ دیا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جب تم سفر میں ہو اور موت کا وقت قریب آجائے۔ علاماتِ موت ظاہر ہو جائیں اور تم اپنے مال کے متعلق کچھ وصیت کرنی چاہو تو اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو وصیت کر دو اور ان کو گواہ بنالو اور اپنے نہ ملیں تو غیروں میں سے دو گواہ بنالو۔ اب اگر کچھ جھگڑا پیدا نہ ہو اور وصی حسبِ وصیت مال اسباب وارثوں کو دے دیں اور وارث اس کو قبول کر لیں اور کچھ جھگڑا نزاع نہ کریں تو خیر ورنہ اگر وارثوں کو ان وصیوں پر کچھ خیانت کا شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں سے نمازِ عصر یا نمازِ ظہر یا کسی اور نماز کے بعد کھڑا کر کے قسم لی جائے اور یہ دونوں وصی اظہار کریں کہ خدا کی قسم ہماری کوئی دنیوی غرض وابستہ نہیں ہم جھوٹ نہیں بولتے اگرچہ کوئی رشتہ داری کیوں نہ ہو۔ پھر اگر اس قسم کے بعد کوئی خیانت برآمد نہ ہو تو خیر ورنہ میت کے قریب ترین تعلق داروں میں سے دو آدمی جن کو وصیوں نے جائز مستحق تسلیم کر لیا ہو کھڑے ہو کر قسم کھائیں کہ ہم سچ کہتے ہیں۔ خلافِ حق کوئی بات نہیں کہہ رہے ہیں ان وصیوں کی شہادت اور قسم سے ہماری شہادت اور قسم زیادہ قابلِ اعتبار ہے ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں۔ (اگر اس طرح کی قسم یہ قرابتدار کھالیں گے اور مالِ خیانت بھی برآمد ہو گا تو بقدرِ دعویٰ ان کو وصیوں سے مال دلوایا جائے گا)۔

فائدہ:۔ جمہور فقہاء ائمہ ابن عباس، شریح، حسن بصری، ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابن جریج اور ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ آیت میں اپنے اور بیگانے سے مراد قرابتدار اور غیر قرابتدار ہے۔ لیکن عام اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ اپنے سے مراد اہلِ اسلام اور غیر سے مراد غیر مسلم ہیں یہی سیاقِ آیت سے بھی واضح طور پر مطلب نکلتا ہے۔ فقہاء کے قول پر کافر کی شہادت مسلمان پر جائز ہو گی بشرطیکہ خیانت ظاہر نہ ہو۔

اس آیت کے منسوخ ہونے کے متعلق علماء میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کافر کی شہادت مسلمان پر جائز ہے اور گواہ کو قسم دینی بھی جائز ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ آیت منسوخ نہیں۔ عام فقہاء کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اور آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے۔

مقصودِ بیان بصورتِ خاص مجبوری کے وقت دو غیر مسلموں کو گواہ بنا لینا اور ان غیر مسلموں کا اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لئے مسلمانوں کے دعوے کے خلاف اظہار کرنا جائز ہے۔ اگرچہ گواہ پر قسم لازم نہیں لیکن ایسی صورتِ خاص میں قسم کھانی ضرور ہے تاکہ کلام میں پختگی اور مضبوطی پیدا ہو جائے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

جس روز اللہ پیغمبروں کو جمع کر کے فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا وہ کہیں گے ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی غیب

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى

کی باتیں خوب جانتا ہے جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم میرا احسان جو تیرے اور تیری ماں پر تھا اس کو

وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ

یاد کرو جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی تو جب گہوارہ میں تھا اس وقت بھی اور میانہ عمر میں بھی یکساں، کلام کرتا تھا اور

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

جب میں نے تجھے کتاب و حکمت اور توریت اور انجیل تعلیم فرمائی اور جب تو میرے حکم سے پرندہ کی سی صورت مٹی کی

الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ

کردیتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کردیتا تھا اور جب تو بنی اسرائیل کے پاس معجزات لے کر گیا تو میں نے بنی اسرائیل کو

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْ

تیری جانب سے باز رکھا تو ان میں سے کافر کہنے لگے کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے اور جب

حَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا اور مجھ پہ اور میرے رسول پہ ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم

مُسْلِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

فرمانبردار ہیں جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تمہارا رب آسمان سے

اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

بھرا ہوا خوان ہم پہ اُتار سکتا ہے؟ تو عیسیٰ نے کہا اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْ

وہ بولے ہم اس میں سے کھانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہم کو معلوم ہوجائے کہ تم نے سچ کہا اور ہم

نَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا

الربع

اس پر گواہ ہو جائیں عیسیٰ بن مریم نے دعا کی اے اللہ اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا

ایک خوان ہم کو ملا جو ہمارے اگلے پچھلوں کے لئے خوشی کا دن قرار پائے اور تیری قدرت کی ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

عطا کر تو بہترین رزق دینے والا ہے اللہ نے فرمایا میں اُس کو تم پر نازل تو ضرور کرونگا لیکن اس کے بعد اگر تم میں سے کوئی کفر

فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کریگا تو میں اُس کو ایسی سزا دوں گا کہ سارے جہان میں کسی کو ایسی سزا نہ دوں گا

ع ۵

تفسیر يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ۔ اس آیت سے اوپر خدا ترسی اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ نافرمانوں کو خدا راہ راست نہیں دکھاتا ہے۔ جو ازلی گمراہ ہیں اُن کو ہدایت نہیں کرتا ہے اس آیت میں یہ بتانا چاہتا ہے کہ قیامت کے دن بھی ان کا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ جب انبیاء سے بھی اُن کے متعلق باز پرس ہوگی تو وہ بھی انتہائی ادب اور گھبراہٹ میں ان کا ساتھ دینے اور ان کے متعلق مفصل جواب دینے سے مجبور ہوں گے ساتھ دینا اور شفاعت کرنا تو درکنار۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اُس دن کو یاد کرو جبکہ خدا تعالیٰ پیغمبروں کو جمع کرکے اُن کی اقوام کو سرزنش اور ملامت کرنے کے طور پر دریافت فرمائے گا کہ میں نے تم کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا تھا بتاؤ تمہاری امتوں نے تم کو کیا جواب دیا؟ تمہاری نبوت کو قبول کیا یا نہیں؟ اور خلوص دل سے ایمان لائے یا نہیں؟

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا۔ تو انبیاء گھبراہٹ اور ہیبت الٰہی سے ڈر کر عرض کریں گے۔ اے پروردگار ہم کو کچھ معلوم نہیں (مجاہد، حسن بصری، سدی، ابن جریر، ابن ابی حاتم) ہم کو تو صرف ظاہری علم تھا اور وہ بھی اپنے جینے تک حقیقت حال سے ہم بالکل ناواقف ہیں (ابن جریر)

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اور تو دانا بینا ہے۔ تیرا علم محیط ہے۔ باطن اور حقیقت سے تو بخوبی واقف ہے۔ اخلاص قلبی اور نفاق باطنی کا تجھ کو علم ہے۔ ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ تیرے علم کے سامنے ہمارا علم ہیچ ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ۔ ان کل آیات میں رکوع کے آخر تک اُن نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو عطا فرمائی تھیں۔ نیز عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث و حلول کی مدلل تردید ہے اور یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ اگر عیسیٰ خدا ہوتے تو پھر اُن گران نعمتوں کے حصول کے لئے خدا کی کیا ضرورت تھی اور کیوں مجبور بندوں کی طرح قیامت کے دن ان سے باز پرس کی جائے گی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ذرا غور کی نظر سے ان واقعات کو دیکھو اور عبرت کے دماغ سے اس بات کو سوچو جبکہ خدا تعالیٰ نے عیسیٰ سے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو اور تمہاری والدہ کو جو میں نے اپنی نعمتیں عطا کیں اور اپنا فضل تم دونوں کے شامل حال کیا اس کو یاد کرو اور شکر الٰہی ادا کرو۔

(۱) اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ میں نے روح القدس یعنی جبرئیلؑ کے ذریعہ سے تیری مدد کی تھی۔ روح القدس تیرے ساتھ رہتا تھا اور علوم و معارف کی تجھ کو تعلیم دیتا تھا اور اس کی امداد سے تیری بچپن اور جوانی کی دونوں حالتیں برابر ہوگئی تھیں۔ تو بچپن اور جوانی میں یکساں کلام کرتا تھا۔ اگرچہ سن اور عمر کے تطورات اور تاثرات تجھ پر ہوتے تھے کہ بچپن کے درجہ سے ترقی کرکے کہولت کے درجہ کو پہنچا تھا مگر روح القدس کی امداد تیرے ساتھ ہر حالت میں یکساں تھی۔

(۲) وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ دوسرا انعام یہ کہ میں نے تجھے اسرار و رموز کتاب، حکمت انبیاء اور توریت و انجیل کے معلومات عطا کئے تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد تحریر اور حکمت سے مراد فہم روشن ہے۔ یعنی میں نے تجھے لکھنا سکھایا تھا اور فہم روشن عطا کیا

تھا اور توریت وانجیل کی تعلیم دی تھی۔

(۳) وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ۔ تیسرا انعام یہ کہ میرے حکم سے تو مٹی کی صورت پرندہ کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا تھا۔

(۴) وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ۔ چوتھا انعام یہ ہے کہ میرے حکم اللہ میرے ارادہ و تاثیر قدرت کے ظہور سے تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا تھا۔

(۵) وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ (۵) پانچواں انعام یہ ہے کہ میرے ارادہ اور میری تاثیر قدرت کے ظہور سے تو مُردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالتا تھا (حضرت عیسٰی نے سام بن نوح کو اور دو مُردوں کو اور ایک عورت کو اور ایک بچہ کو زندہ کر دیا تھا۔ انجیل لوقا باب ۸) یعنی یہ تمام افعال تجھ سے سرزد ہوتے تھے۔ مگر تیرے فعل کی ان پر تاثیر نہ تھی۔ ارادہ اور تاثیر قدرت ہمارا فعل تھا تو صرف مظہر قدرت تھا اور خدا نے تجھے یہ عزت عطا فرمائی تھی۔ نہ بیٹا تھا نہ خدا نہ خدا نے تیرے اندر حلول کیا تھا۔

(۶) وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ چھٹا انعام یہ ہے کہ جب تو نے بنی اسرائیل کے سامنے معجزات ظاہر کئے تو کافر کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور پھر انھوں نے تجھے ضرر پہنچانے کی کوشش کی مگر میں نے ان کو روک دیا اور تیری حفاظت کی (تجھے آسمان پر اٹھا لیا)۔

(۷) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۔ ساتواں انعام یہ ہے کہ میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھے واحد جانو میری توحید و تنزیہ کا اعتقاد رکھو اور میرے رسول پر بھی ایمان لاؤ۔ اس کی نبوت کی تصدیق کرو تو حواری کہنے لگے کہ ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے تو گواہ رہو کہ ہم نے ان سب باتوں کو مان لیا اور فرمانبرداری کا عہد کر لیا۔

(۸) اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ سے اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ تک۔ یہ آٹھواں انعام ہے اور اس وقت کا تذکرہ ہے جب حضرت عیسٰی اور قوم بنی اسرائیل دریائے طبراس کے پاس تھے اور کھانے کو کوئی چیز موجود نہ تھی تو بنی اسرائیل نے نزولِ مائدہ کی درخواست کی تھی۔ حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے دعا ضرور کی تھی۔ لیکن نزول مائدہ کو چونکہ خدا کی طرف سے سخت وعید کے ساتھ مشروط کیا گیا تھا اس لئے دوبارہ حضرت عیسٰی نے درخواست نہ کی اور نہ حواریوں نے خواہش کی۔ اس لئے مائدہ نازل نہ ہوا۔ لیکن جمہور امت اور مشاہیر علماء کا بالاتفاق قول ہے کہ مائدہ ضرور نازل ہوا اور شرائط معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر بنی اسرائیل عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوئے اور سؤروں اور بندروں کی شکلوں میں مسخ کر دیئے گئے۔ ابن کثیر اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ خوان پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں اور دسترخوان سرخ رنگ کا تھا۔ فرشتے آسمان سے اس کو لے کر آئے تھے اور سب لوگ اس کو کھا کر سیر ہو گئے تھے۔ (ابن عباسؓ کا یہی قول ہے)۔

عمار بن یاسر کے قول کے موافق جنت کے میوے بھی دسترخوان پر تھے (ابن جریر) عمار بن یاسر کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ آسمان سے مائدہ اترا اس پر روٹیاں اور گوشت تھا اور بنی اسرائیل کو حکم دے دیا گیا تھا کہ آج سیر ہو کر کھا لو کل کے واسطے جمع کر کے نہ رکھو مگر بنی اسرائیل نے خیانت کی اور چرا کر دوسرے روز کے واسطے رکھ چھوڑا اس پر نزولِ مائدہ موقوف ہو گیا اور خلاف ورزی کرنے والوں کی شکل سور اور بندروں کی طرح بنا دی گئی (ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوان صرف ایک دن ہی نازل نہیں ہوا بلکہ بہت دنوں تک اترتا رہا۔ الغرض بنی اسرائیل کی نافرمانی سے اس کی بندش ہو گئی۔ اب ہم آیات کا خلاصہ ذیل میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر فقرہ کا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ یعنی جب حواریوں نے عیسٰی سے کہا تھا کہ کیا تمہارا رب (ہمارے حالات کو دیکھتے ہوئے) اتنا کر سکتا ہے (اور تمہاری دعا سے یہ ہو سکتا ہے) کہ آسمان سے ہمارے لئے ایک خوان تیار بھیج دے۔

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ عیسٰی نے جواب دیا لوگو! اگر تم ایمان والے اور خالص مسلمان ہو تو خدا سے ڈرو۔

اس فقرہ کا مطلب چار طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ سچائی کے لئے اتنی نشانیاں نہ مانگو کہ ایمان بالغیب نہ رہے اور مشاہدہ ہو جائے۔ بلکہ اگر تمہارا خالص ایمان بالغیب ہے تو اسی کو قائم رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو (سیوطی) دوسرا مطلب یہ کہ بنی اسرائیل فقیر محتاج تھے انھوں نے اس لئے اس قسم کا سوال کیا تھا کہ کھانا بے محنت مل جائے اور اطمینان سے عبادت کر سکیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان کی درخواست قبول کر لی لیکن اتنا کہہ دیا کہ بہتر یہی ہے کہ تم اس کی طلب کرو شاید اس کا حصول فتنہ و عذاب کا سبب بن جائے اس لئے تم رزق حلال کی طلب میں محنت کرو اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو (بعض تابعین) تیسرا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان کامل ہے تو تقویٰ رکھو۔ متقی کو غیب سے رزق ملتا ہے۔ چوتھا مطلب ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ کیا تم سے یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے واسطے تیس روزے رکھو پھر جو مانگو گے وہ ملے گا۔ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا۔ لیکن روزے ختم ہونے کے بعد کہنے لگے اے معلم خیر ہم نے یہ کام کر دیا اگر ہم کسی بندے کے واسطے ایسا کرتے تو فراغت پر وہ ہم کو خوب کھانا کھلاتا۔ اس کے مائدہ کی درخواست کی تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا خدا سے ڈرو اگر اس پر تمہارا ایمان کامل ہے تو ایسے گستاخی کے کلمات نہ کہو۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کے جواب میں کہا کہ ہمارا مقصد گستاخی نہیں ہے بلکہ اس میں چار فوائد ہیں۔ اول تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں ہم کو رزق حاصل ہو۔ دوسری غرض یہ ہے کہ :-

وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے اور ایمان و یقین میں بہت اضافہ ہو جائے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ :-

ہم کو آپ کی نبوت کا (کامل) یقین ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ آپ سچے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ :-

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ہم کو قدرت الٰہی کا مشاہدہ ہو جائے۔ علم استدلالی مشاہدہ سے بدل جائے اور جو لوگ غیر حاضر ہیں ہم اُن کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔ جب حضرت عیسیٰ نے یہ مقاصد ان کے سنے تو :-

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے ہمارے معبود اے ہمارے خدا ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما جو ہمارے زمانہ والوں اور آئندہ آنے والوں کے لئے عید بن جائے اور باعث سرور ہو جائے وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور تیری قدرت کاملہ پر نشانی ہو جائے اور اس سے مقصود ہمارا صرف رزق حاصل کرنا ہے شان مقدس میں گستاخی مد نظر نہیں۔ تو خیر الرازقین ہے۔ ہم کو غیب سے رزق عطا فرما۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا میں خوان تو ضرور نازل کروں گا۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر مائدہ نازل ہونے کے بعد تم میں سے کسی نے ناشکری کی۔

فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تو میں اس پر ایسا سخت عذاب نازل کروں گا کہ آئندہ دنیا میں کسی کو ایسے عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جن اسرائیلیوں نے ناشکری اور کفر کیا اور ایسی نعمت بار دہ ملنے پر بھی اطاعت نہ کی اُن کی شکل بندروں اور سوروں کی طرح ہو گئی ہے۔ یہیں سے علمائے اسلام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت اسلامیہ پر اس قسم کا عذاب کبھی نہیں آئے گا اور یہی مضمون صحیح حدیثوں میں بھی آیا ہے

مقصود بیان

قیامت کے دن نافرمان کافروں کا کوئی ساتھی نہ ہو گا یہاں تک کہ انبیاء بھی ان کا ساتھ دینے اعلان کے متعلق جواب دینے میں ہیبت و خوف خداوندی سے مجبور ہوں گے۔ چہ جائیکہ شفاعت کر سکیں۔ اُن نعمتوں کا ذکر جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کو عطا فرمائی تھیں۔ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث و حلول کی مدلل تردید اور اس بات کا اظہار کہ اگر عیسیٰ خدا ہوتے تو پھر اُن کو ان نعمتوں کے حصول کے لئے خدا کی کیا ضرورت تھی اور کیوں مجبور بندوں کی طرح قیامت کے دن اُن سے باز پرس کی جائے گی۔ مومن کے لئے تقویٰ ضروری ہے۔ بدلالۃ النص اس بات کی طرف اشارہ کہ امت اسلامیہ کو مسخ صورت کا عذاب نہ دیا جائے گا۔ نزول مائدہ کا بیان وغیرہ۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

اور جب اللہ فرمائے گا　اے عیسیٰ ابن مریم　کیا تم نے　لوگوں سے کہا تھا　کہ اللہ کے سوا مجھے　اور میری ماں کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ

معبود مانو　عیسیٰ جواب دیں گے　تو پاک ہے　مجھ سے کیوں ہو سکتا تھا　کہ ناحق　بات کہتا　اگر

كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ

میں نے ایسا کہا ہوگا　تو تیرے علم میں ہوگا　میرے جی کی بات تو جانتا ہے　اور تیرے راز میں　نہیں جانتا　بلاشبہ

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ

غیب کی باتوں سے تو بخوبی واقف ہے　میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس اللہ کی پرستش کرو جو میرا بھی رب ہے

وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ

اور تمہارا بھی رب ہے　جب تک میں ان میں رہا　ان کا　نگراں رہا　پھر جب　تو نے مجھے بلا لیا تو　تو ہی　ان کا

الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ

نگہبان تھا　تو ہر چیز سے　خبردار ہے　اگر تو ان کو سزا دے　تو وہ تیرے بندے ہیں

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ

اور اگر　معاف کر دے　تو تو　زبردست　باحکمت ہے　اللہ فرمائے گا　یہ وہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ

کام دے گا　ان کے لئے جنتیں ہیں　جن کے اندر　نہریں بہتی ہیں　جن میں　وہ ہمیشہ　رہیں گے　اللہ ان

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

سے راضی　اور اللہ سے　وہ خوش　یہی بڑی　کامیابی　ہے

تفسیر سابق آیات میں اُن احسانات اور نعمات کا ذکر تھا جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو عطا کی تھیں ان سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ عیسیٰ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ معمولی بندے اور عظیم القدر نبی تھے۔ خدا نے ان کو اپنا مظہر قدرت بنایا تھا۔ ان آیات میں اس سوال الاجواب کو بیان کیا گیا ہے جو خدا تعالیٰ اور عیسیٰ ابن مریم کے درمیان قیامت کے روز ہوں گے یہ سوال جواب بھی اسی امر کو ثابت کرتے ہیں جو پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ

بندے تھے اور پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر تھے اور خدا کے مطیع فرمان تھے اور انھوں نے اپنی زندگی میں اعلان توحید و تنزیہ کیا تھا۔

سدی کا قول ہے کہ یہ سوال و جواب خدا اور عیسیٰ کے درمیان دنیا ہی میں ہو چکا ہے اور اس وقت ہوا ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے آسمان پر اُٹھالیا تھا۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے لیکن جمہور مفسرین اور ائمہ امت کے نزدیک پہلا قول ہی حق ہے اور اسی کی تائید مختلف صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:- وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قیامت کے دن خدا تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے فرمائے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو خدا کہنا اور قبیل خدا اللہ کو جاننا؟

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ط حضرت عیسیٰ جب یہ عتاب آمیز جواب سنیں گے تو حسب روایت ابو وراق تھرتھرا اُٹھیں گے اور ہر بُن مو سے خون کے فوارے جاری ہو جائیں گے اور نہایت عاجزی سے عرض کریں گے۔ الٰہی تو تمام عیوب سے پاک ہے تو وحدہ لاشریک ہے تیری ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ الٰہی میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا جس کا مجھے استحقاق نہ تھا۔ مجھ میں ہرگز ایسی قوت نہ تھی کہ ایسی نامناسب بات کہتا۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ط اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھ کو ضرور معلوم ہوتی تو میرا مولا اور سب ہے تجھ سے میرا قول پوشیدہ رہتا کیونکہ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط میری مخفی حالت کو بھی تو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے میں اس سے واقف نہیں مطلب یہ کہ میرا علم تیرا عطیہ ہے اور تیرے علم کے معلومات غیر متناہی ہیں۔ تیری شان پاک ہے اور میں بندۂ خاک ہوں۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ تو تمام مخفی امور سے واقف ہے۔ تجھے غیب کا بھی علم ہے (ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ عیسیٰ کو یہ دلیل اپنی طرف سے القا کرے گا حالانکہ خدا خوب واقف ہے کہ عیسیٰ اس بہتان سے بری ہیں اور صرف نصاریٰ کی یہ افترا بندی ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ میں نے تو اُن سے صرف وہی کہا تھا جس کے کہنے کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ اسی خدائے واحد کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ یعنی میں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ خدا تعالیٰ میرا بھی معبود اور رب ہے تمہارا بھی معبود اور رب ہے۔ میں بھی اس کا بندہ ہوں تم بھی اس کے بندے ہو۔ میں اور تم عبودیت میں برابر ہیں۔ میرے اور تمہارے بندہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ اور میں جب تک اُن میں رہا اُن کی نگہبانی کرتا رہا اور شرک سے اُن کو بچاتا رہا۔ وعظ نصیحت کرتا رہا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۔ جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور اُن سے معدوم کر دیا تو پھر میں اُن کا نگہبان نہ رہا بلکہ تو ہی اُن کے اعمال کا نگراں رہا۔ مجھے اپنے بعد کا کوئی علم نہیں۔

وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ تجھے ہر چیز کی اطلاع ہے تو ہر شے کا دانا ہے۔ جو بات میں نے اُن سے کہی تھی وہ بھی تجھے معلوم ہے اور جو افترا بندیاں انھوں نے کیں اُن کا بھی تجھے علم ہے اور جتنے واقعات عالم میں ہوتے ہیں سب سے تو واقف ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ اگر تو اِن میں سے مشرکوں کو عذاب دے گا تو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ تیرے بندے ہیں تو ہی ان کا مالک ہے۔ جو چاہے تصرف کرے کوئی اعتراض نہیں۔ تیرا فعل بجا اور درست ہے۔

وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ اور اگر تو اِن میں سے موحدوں کے قصور معاف کرے گا اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائے تو عزیز الحکیم ہے۔ تیری قوت غالب اور حکمت محیط ہے۔ نہ تیری معافی کو کوئی رد کر سکتا ہے۔ نہ حکمت پر کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ قیامت کا دن ہے۔ سچائی کرنے والوں کی صداقت کام آئے گی۔ جو لوگ دنیا میں سچ بولتے تھے توحید کے قائل تھے اور شرک سے پاک تھے اُن کو اُن کی سچائی آج سودمند ہوگی (ابن عباس) اُن کے لئے دائمی طور پر جسمانی اور روحانی جنتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ خدا اُن سے اور وہ خدا سے خوش یعنی اُن کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔ دنیا میں جو اعمال نیک انھوں

نے کہ رکھتے ان سے خدا راضی ہوگا اور اُن کا ثواب مرحمت فرمائے گا جس سے وہ بھی خوش ہوجائیں گے۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اور خدا کی رضامندی ہی بڑی کامیابی ہے۔

مقصودِ بیان

عرب کے عیسائیوں کے عقائد کی پُر زور نہایت لطافت و بلاغت کے ساتھ تردید۔ قیامت کے دن بڑے سے بڑے پیغمبر کے عجز اور بیچارگی کا اظہار۔ ہیبتِ الٰہی کا مظاہرہ۔ اس بات کی صراحت کہ علومِ غیبیہ سے کوئی واقف نہیں۔ ہاں جتنے حصہ پر اس نے مطلع کردیا بس مخلوق کو اتنا ہی علم۔ اس امر کی بھی تصریح ہے کہ کوئی نبی خلافِ حکمِ الٰہی لوگوں کو تبلیغ نہیں کرسکتا۔ ہر بار نبی معصوم ہے۔ فرائضِ دینی کے ادا کرنے میں ان سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ ہر نبی کا فرض ہے کہ جب تک اس عالمِ ناسوتی میں رہے۔ اپنی اُمت کا نگراں رہے اور اُس کو شرک سے بچنے کی ہدایت کرتا رہے۔ قیامت کے دن صرف وحدت پرست طبقہ کو ہی سعادت حاصل ہوگی۔ مومنین مولا کا حصول ہی دارین کی بڑی کامیابی ہے۔ قیامت کے دن موحدوں کو رحمتِ جاودانی حاصل ہوگی۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع ١٦

آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے ان کی سلطنت اللہ ہی کی ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے

تفسیر

یہ آیت اس سورت کا تتمہ ہے۔ اس سورت میں چند خصوصی مباحث کا بیان تھا۔ بندوں کو میثاقِ الٰہی کی تکمیل کی ہدایت۔ بیانِ احکام اہلِ کتاب کے باطل عقائد کا ابطال۔ خصوصاً مسلمان نصاریٰ کی بیخ کنی۔ آخر میں قیامِ حشر کا بیان۔ موحدوں کی صداقت کا سودمند ہونا اور نیکوکاروں کو سعادتِ ابدی حاصل ہونا گویا شروع میں ہدایت کی گئی تھی کہ میثاقِ الٰہی کی پابندی کرو اور آخر میں اس کا نتیجہ بیان کردیا کہ میثاق کی پابندی سے سعادتِ ابدی حاصل ہوگی۔ جب یہ تمام امور مکمل طور پر بیان کردیئے گئے تو اب ذاتِ پاک کی عظمت و کبریائی کا اظہار اور قدرت و جلال کا بیان کیا جاتا ہے اور اسی پر کلام کو ختم کیا جاتا ہے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ کائنات و موجودات سب خدا کی مخلوق مملوک اور اُس کی مطیعِ فرمان ہے۔ وہ ہر طرح اس میں تصرف کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔ تمام عالم اس کے دائرہ قدرت کے اندر ہے اس لئے افرادِ انسانی کو بھی اس کے احکام سے سرتابی کسی طرح جائز نہیں۔

مقصودِ بیان

عظمت و کبریائی کا مظاہرہ۔ وسعتِ قدرت کا بیان۔ عجزِ مخلوق کی طرف ایماء۔ انسانوں کو فرماں پذیر بننے کی لطیف ہدایت۔ وغیرہ۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ خَمْسٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

یہ سورت مکی ہے۔ رات کو یکبارگی پوری مکہ میں نازل ہوئی۔ صرف چند آیات اس میں مدنی ہیں۔ تین آیات وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ اور تین آیات قُلْ تَعَالَوْا الخ اس سورت کی کل آیات ١٦٥ یا ١٦٦ ہیں۔ ٢٠ رکوع ہیں۔ ٣١٠٠ کلمات اور ١٢٩٣٥ حروف ہیں۔

اس سورت کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ تھے (ابن مسعودؓ) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کہی اور فرمایا اس سورت کے ساتھ اتنی کثرت سے فرشتے ہیں جنھوں نے افق کو ڈھانپ لیا ہے (جابر) قرطبی کا قول ہے کہ مشرکوں کو قائل کرنے اور منکرانِ حشر و نشر کے سامنے وقوعِ قیامت کا استدلال پیش کرنے میں یہ سورت اصل ہے۔ اسی سورت پر متکلمین نے اصول دین

کو قائم کیا ہے اور اسی سے اکثر عقائد اسلامیہ کا بیع دلائل کے استخراج کیا ہے۔ اس سورت میں مندرجہ ذیل امور کو بیان کیا گیا ہے:۔
وجود و صفات باری تعالیٰ۔ وسعت قدرت اور تصرفِ الٰہی کی ہمہ گیری۔ حشر و نشر کا ثبوت۔ آثار قدرت کا اظہار۔ علمِ الٰہی کی کیفیت بیان
مباحث کے علاوہ اور بہت سے اصولی مسائل بھی بیان کئے گئے جن کو ہم تفسیری معانی ظاہر کرنے کے وقت آئندہ لکھیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ

ہر طرح کی ستائش اسی اللہ کو زیبا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

پھر بھی کافر اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر سمجھتے ہیں

تفسیر اس آیت میں اکثر غیر مسلم فرقوں کے عقائد کا رد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ مطلب یہ ہے کہ واقعی حمد اُسی خدائے برتر و توانا کے لائق ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو نیست سے ہست کیا اور مختلف قسم کی تاریکیاں بنائیں۔ رات کی تاریکی، ابر کی تاریکی، کفر و شرک اور گناہوں کی تاریکی، کثافت، مادی اور نفسانی قوتوں کی تاریکی۔ اُسی نے عالم میں ایک نور پیدا کیا جس سے تمام عالم روشن ہے۔ اسی نور کے جلوے اور پر تو تمام دنیا کی روشنیوں میں نظر آ رہے ہیں۔ سورج کی روشنی ہو یا آگ کی۔ ایمان و عقل کی روشنی ہو یا ہدایتِ الٰہی کی سب اُسی کے مظاہر ہیں۔ واقع میں وہ ایک ہی نور ہے لیکن:۔

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ پھر بھی جو سرکشی کر رہا ہے اور تاریک و دون اور توحیدِ الٰہی کے منکر ہیں۔ ایسے خالق و پروردگار کے ساتھ جو ان کا بھی خالق ہے مخلوق کو الوہیت اور صفاتِ الوہیت میں برابر اور ہم پلہ جانتے ہیں اور مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان حکمائے یونان کے اس عقیدہ کا رد کہ واجب الوجود نے صرف عقلِ اول کو پیدا کیا اور یہ تمام آسمان و زمین کا وجود عقول کے دستِ ایجاد سے بنا۔ مجوسیوں اور دیگر بے دینوں کے اس عقیدہ کا ابطال کہ نور و خیر کا خالق یزداں ہے اور ظلمت و شر کا خالق اہرمن ہے۔ اس آن گمراہ فرقوں کے خیالات کی بھی بیخ کنی ہو گئی جو صرف خیر کا خالق خدا کو جانتے ہیں اور بدی کا خالق بندہ کو خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ صاف کہہ دیا کہ ظلمت ہو یا نور، مادی مخلوق ہو یا مجرد سب کا خالق خدا ہے۔ نیکی بدی خیر و شر سب اُسی نے بنائی۔ آیت میں فرقۂ ثنویہ کا بھی رد ہے جو نور و ظلمت کو قدیم الوجود جانتے ہیں۔

آیتِ مذکورہ میں لطیف تنبیہ اس بات پر ہے کہ خلاقِ عالم اور موجدِ نور و ظلمت ہی ہمیشہ حمد و شکر کے قابل ہو سکتا ہے۔ کوئی مخلوق اس قابل بھی نہیں کہ اس کی حمد کی جائے چہ جائیکہ اس کی عبادت کی جائے۔ گویا ان آیتوں میں وجودِ الٰہی کو اور اس کے صفاتِ قاہرہ کو اور ہمہ گیر تصرف و قدرت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ منکرانِ وجود اور کافرانِ صفات کو ہدایت حاصل ہو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر موت کا ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک میعادِ خاص اس کے نزدیک معین ہے اس پر

اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الۡاَرۡضِ‌ؕ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ

بھی تم شک کرتے ہو　آسمانوں میں　اور　زمین میں　وہی اللہ　ہے　تمہاری کھلی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ۝

اور تمہارے اعمال کو بھی　جانتا　ہے

تفسیر ان آیات میں آثارِ قدرت بیان کر کے انسانِ فانی کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنا چاہتا ہے اور تنبیہ کرنی چاہتا ہے کہ تماشائے قدرت دیکھو اور شرک و کفر سے پرہیز کرو۔

ارشاد ہوتا ہے کہ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا‌ؕ اُسی قادرِ مطلق نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس شان و صورت کا انسان گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کے واسطے ایک مدتِ حیات مقرر کر دی۔

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ اور اس کے علم میں ایک معین وقت تمہارے حشر کا ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ گویا وہ ابتدا تھی اور یہ انتہا ہوگی تو باوجود اس قدرتِ الٰہی کے دیکھنے اور تطوراتِ خلق کو مطالعہ کرنے کے

ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝ تم اس کی شانِ الوہیت میں شک کرتے ہو یعنی باوجودیکہ اسی معبودِ مطلق اور قادرِ برحق نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ ایک مقررہ وقت کے لئے حیات عطا فرمائی اور آخر میں اپنے پاس بلائے گا۔ تم اس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں ہو سکتے مگر پھر بھی خواہ مخواہ اس کی وحدانیت الوہیت اور صفاتِ الوہیت میں شک کرتے ہو۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الۡاَرۡضِ۔ اسی پاک پروردگار کا حکم کائنات میں جاری ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین میں مستحقِ عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور پرستش کا استحقاق نہیں رکھتا۔

يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ۝ اسی کا علم تمام عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ تمہارے ظاہر باطن کو اور تمہارے ہر نیک و بد عمل کو جانتا ہے۔ حاصل یہ کہ تمہاری ذات اور تمہارا ہر عمل اس کے احاطۂ قدرت و علم سے خارج نہیں پھر کیوں اس کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتے ہو اور صفاتِ الوہیت میں بتوں کو اور خیالی معبودوں کو اس کا شریک جانتے ہو۔

مقصودِ بیان خدا ہی نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کرنے والا ہے۔ تطوراتِ عالم اور نیرنگیِ کائنات اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خدا نے ہر شخص کی مدتِ حیات مقرر کر دی ہے اور ہر ایک کے مرنے کا وقت بھی معین کر دیا ہے۔ موت اور قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ خدا کا جلوہ تمام میں ہے۔ اس کا علم ہر جزئی کلی مادی اور مجرد کو محیط ہے۔ حاصل یہ کہ عالم قدیم نہیں۔ عالم کا خالق سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ مبدی بھی وہی ہے اور معید بھی وہی ہے۔

آیات میں بصیرت کوش دماغ رکھنے والے کے لئے توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی اور خدا تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ کی عدمِ عینیت اور عدمِ غیریت کے دلائل موجود ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ‏ ۝ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا

اُن کے پاس تمہارے پروردگار کی قدرت کی نشانیوں میں سے جو نشانی آتی ہے　وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں　چنانچہ حق جب اُن کے پاس

بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَٰٓؤُا مَا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

پہنچا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تو اب آگے چل کر ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کی یہ ہنسی اڑاتے تھے

تفسیر وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ ءَايَةٍ مِّنْ ءَايَٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم میں عموم ہے۔ ہر سرکش معاند اور کور بصیرت فطری جاہل کو شامل ہے بمطلب یہ کہ اہل مکہ کے پاس قرآن کی جو آیات اور قدرت الٰہی کے جو کچھ کو نشانات آتے ہیں اُن پر وہ غور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار کی معرفت و وحدانیت کو نہیں سمجھتے اور فقط یہی نہیں :-

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ بلکہ جب قرآن اُن کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی اور اپنی فطری جہالت اور عناد و سرکشی کا مظاہرہ کیا اور قرآن کا مذاق اُڑایا کبھی سحر، کبھی شاعری کبھی کاہن کا قول اس کو کہا۔

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَٰٓؤُا مَا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ لیکن کچھ آگے بڑھ کر تھوڑی مدت کے بعد ہی اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کی وہ ہنسی اُڑاتے ہیں اور اس تمسخر وعناد کا انجام اُن کی نظر کے سامنے آجائے گا۔ اس آیت میں عذاب آخرت سے تہدید تو موجود ہی ہے مگر چونکہ کوئی خاص قید اور تخصیص نہیں ہے اس لئے مفسرین نے اس کو آئندہ واقعات کے واسطے پیشین گوئی بھی قرار دیا ہے۔ گویا مکہ کے بڑے بڑے کافر سرداروں کا جنگ بدر میں مارا جانا۔ قریش کا ہمت شکن مصائب اور قحط میں مبتلا ہونا اور نہایت ذلت کے ساتھ مکہ کی فتح کے بعد اہل اسلام کا مسخر ہونا اور بالآخر چار و ناچار قرآن کی صداقت کو ماننا سب کچھ اس آیت میں موجود ہے۔

مقصود بیان قرآن کی ہر آیت اور کائنات عالم کا ہر ذرہ اپنے اندر ایک نصیحت آموز سبق اور درس عبرت رکھتا ہے۔ آیت میں قدرت آیات قدرت اور آیات قرآنی پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انکار حق اور تکذیب صداقت سے انسان پر دنیوی وبال آتا ہے۔ وغیرہ

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی امتوں کو برباد کر دیا ہم نے ملک میں ان کو اتنا جماؤ دیا تھا کہ تم کو اتنا جماؤ

لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَٰرَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ

نہیں دیا اور ان پر موسلا دھار مینہ برسایا تھا اور اُن کے نیچے بہتی نہریں پیدا کی تھیں

فَأَهْلَكْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا ءَاخَرِينَ ۝

مگر اُن کے گناہوں کے سبب ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور اُن کے بعد دوسری امت پیدا کر دی

تفسیر اوپر کی آیت میں قرآن اور نشانہائے قدرت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہاں دعوت اسلام کی دوسری نوعیت اختیار کی گئی ہے اور گزشتہ باجبروت نافرمان اقوام کی ہلاکت کو باعث عبرت ظاہر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مدعا کو نو بنو عبارتوں میں ثابت کرنا اور نیرنگی بیان سے ظاہر کرنا اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے اور فریضۂ تبلیغ کو بہترین اسلوب سے ادا کرتا ہے اور یہی قرآن کا ایک خصوصی امتیاز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ ـ یعنی عند کے تابی یہ بات ہے کہ خدانے گزشتہ زمانہ میں کیسے پرشکوہ ذی جلال اور باجبروت قومیں پیدا کیں اللہ دولت وحشمت سے اُن کو سرفراز کیا۔ قوت و حکومت، فراخ حالی اور عیش و راحت ان کو عطا کیا اور دنیوی شوکت و اقبال کے اتنے اسباب ان کو عطا کئے جو تم کو نہیں دیئے۔

فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ـ لیکن جب انھوں نے انکار صداقت کیا اور حق سے سرتابی کی تو خدانے ان کی خطاکاریوں کی وجہ سے ہی اُن کو تباہ کر کے

وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۰ دوسری قوموں کو اُن کی بجائے پیدا کر دیا۔ تو یہ امر یقینی ہے کہ جس قادرِ مطلق ذوالجلال خدانے گزشتہ پرشکوہ قوموں کو نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیا۔ وہ تم کو بھی عناد و سرتابی کی پاداش میں تباہ کر سکتا ہے مگر یہ محض اس کی عنایت ہے کہ اس نے تم کو عیش و راحت عطا کی اور تباہ نہیں کیا۔

مقصودِ بیان دعوتِ اسلام کی نیرنگی کا مظاہرہ۔ ترہیب و انذار گزشتہ اقوام کا عبرت انگیز انجام دکھا کر حق کی طرف مائل ہونے کی لطیف پیرایہ میں ہدایت وغیرہ۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اگر ہم تم پر کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب اُتار دیں اور یہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی کافر کہیں گے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۰ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ط وَلَوْ أَنزَلْنَا

کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے یہ کہتے ہیں کہ نبی پر کوئی فرشتہ (کھلم کھلا) کیوں نہ اُتارا گیا اگر ہم فرشتہ

مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۰ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اُتار دیتے تو قصہ ہی تمام ہو جاتا پھر اُن کو کچھ بھی مہلت نہ دی جاتی اور اگر رسول کو فرشتہ بناتے تب بھی اس کو انسان کی صورت میں

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۰

بناتے اور اُن پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ اب کر رہے ہیں

تفسیر مکہ کے کافروں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں دو قسم کے شبہات خصوصیت کے ساتھ اور بھی ہو رہے تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ وحی فوقتاً وحی آتا کیسا۔ یکبارگی لکھی لکھائی کتاب کیوں نہ نازل ہوئی جس کو تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ دوسرا شبہ یہ کہ فرشتہ مخفی طور پر کیوں آتا ہے۔ ہماری نظروں کے سامنے کیوں نہیں آتا کہ ہم کو یقین ہو جائے چنانچہ تفسیر سراج میں ہے کہ نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ اور نوفل بن خویلد نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم آپ کی نبوت کو اسی وقت مانیں گے جب آپ خدا کے پاس سے ایک لکھی لکھائی مکمل کتاب لے کر آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کریں اور آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیں۔ ورنہ ہم آپ کی کسی طرح تصدیق نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے جاہلانہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انسان محسوس پرست واقع ہوا ہے۔ جو چیز نظر کے سامنے نہ ہو اس کو پست فطرت انسان کی قوت واہمہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ مذکورہ آیت میں پہلے سوال کا مدلل جواب دیا ہے کہ ۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اگر لکھا لکھایا مکمل قرآن آتا اور سب لوگ اس کو دیکھتے تو بدرجۂ اولیٰ اس کو کھلا ہوا جادو کہنے لگتے اور نظر بندی پر محمول کرتے۔ پھر بھی کور دانش اور نابینا عقل والے تصدیق نہ کرتے۔ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ:-

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ یعنی کفار کہتے ہیں کہ آپ کے پاس کھلم کھلا فرشتہ کیوں نہیں آتا۔ حالانکہ اگر خدا فرشتہ کو نازل فرماتا تو پھر کام ہی تمام ہو جاتا۔ ایمان بالغیب رہتا اور مشاہدہ کا جو انکار کرتا وہ دنیا میں ہی فوراً برباد و ہلاک کر دیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر فرشتہ آتا بھی تو ان کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۔ کیونکہ اصلی شکل کو یہ دیکھ نہیں سکتے اور نہ غرض تبلیغ پوری ہوتی لامحالہ کسی انسانی شکل پر ہوکر اور آدمیوں کے لباس میں ظاہر ہوتا اور اس صورت میں اُن کے شبہ کا ازالہ کس طرح ہوتا۔ یہ یقین کیسے ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے آدمی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب اس قرآن کو سحر کہا جاتا ہے تو اگر لکھا لکھایا قرآن نازل ہوتا تو اس کو ضرور یہ لوگ جادو کہتے اور اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں بھیجا جاتا تو لوگ اس کو کیسے دیکھ سکتے۔ اس سے غرض رسالت کیسے ادا ہوتا اور محسوس شکل میں بھیجنے سے ان کو یقین کس طرح آتا۔ پھر مشاہدہ کے بعد تو سب کام ہی تمام ہو جاتا اور قطعاً مہلت نہ دی جاتی۔ جب غیب نہ رہا تو اعمال کرنے کا زمانہ ختم ہوگیا۔ پھر ہر عمل بے سود ہوگیا۔

مقصودِ بیان فرشتہ کو اصلی شکل میں سوائے انبیاء کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اصلاح انسانی کے لئے نوعِ انسانی کے افراد کو بھیجنا ہی ضروری تھا تاکہ تعلیم قولی اور ہدایت فعلی کی تکمیل ہو سکے۔ تطوراتِ انسانی اور حوادثِ بشری کی ہر شاخ میں رسول پیکرِ عمل بن کر لوگوں کو عملی ہدایت کر سکے۔ پیدائش اور موت، نشست و برخاست، بیداری و خواب، رفتار و گفتار، حرکت و سکون، دولت و افلاس، محکومی اور حکومت، غرض تمام احوالِ انسانی میں کامل روشنی انسانوں کی نظروں کے سامنے ہو سکے۔ فرشتے اس نیرنگیٔ حیات سے پاک ہیں پھر کس طرح فرضِ رسالت کی تکمیل فرشتے سے ہو سکتی ہے۔

آیت میں لطیف ترین طرزِ ادا میں اس بات کو بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ جو لوگ کور باطن معاند اور فطری جاہل ہیں وہ حقانیت و صداقت کو محسوس کرنے والی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی کج راہی اختیار کرتے ہیں اور اپنے مشاہدہ کو مسحور ہو جانے پر محمول کرتے ہیں۔ وغیرہ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا بالآخر اسی عذاب نے مذاق اُڑانے والوں کو گھیر لیا جس کا وہ

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

مذاق اُڑایا کرتے تھے

تفسیر اس آیت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے استہزاء پر صبر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانے والوں کو عذاب بینزا کی تہدید اور دھمکی دی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے ساتھ یہ لوگ مذاق کرتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں تو آپ کو بد دل نہ ہونا چاہیئے۔ ان کے مذاق پر صبر کرنا چاہیئے۔ آپ حق پر ہیں۔ انجام کار آپ کو ہی کامیابی حاصل ہوگی۔ دیکھو پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اُڑایا گیا۔ موسیٰ اور عیسیٰ کو جادوگر کہا گیا لیکن انہوں نے صبر کیا اور انجام کار استہزاء کا وبال اُنہی مذاق اُڑانے والوں پر پڑا۔

مقصودِ بیان:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استہزاءِ کفار پر صبر کرنے کی تلقین۔ اس بات کی صراحت کہ کفر و استہزاء کا خمیازہ ناگزیر ہے

لوگوں کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ نظر عبرت کرنے کی ہدایت۔ زبردست اور پرجلال قوموں کی تباہی کو اپنے لئے درس بصیرت بنانے کا حکم۔ وغیرہ

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ قُلْ

(اے محمدؐ) کہہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا (اے محمدؐ!) پوچھو

لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ

کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ پھر (خود ہی) کہہ دو کہ اللہ کا ہے اس نے خود رحم کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

قیامت کے دن وہ ضرور تم کو جمع کرے گا۔ جس کے وقوع میں کچھ شک نہیں جو لوگ خود اپنا نقصان کر رہے ہیں وہ ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

نہیں لائیں گے جو کچھ رات اور دن میں رہتا ہے اللہ ہی کا ہے وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اب اتمام حجت کے طور پر ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو سفر کرو تم کو خود نظر آجائے گا کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود کی نافرمانی کا کیا حشر ہوا۔ نینوا، بابل، صمورا اور صمیدا کیسے شہر تھے۔ ان کے باشندے کیسے باسطوت اور پرشکوہ تھے۔ کیا کیا عیش و آرام ان کو حاصل تھے۔ پھر بت پرستی اور تکذیب انبیاء سے ان کو کس طرح برباد کر دیا گیا کہ اُن کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہا اور اُن کی فلک بوس عمارتوں کا کوئی نشان سوائے چند ٹیلوں کے سطح زمین پر نہ بچا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ اوپر کی آیات میں بتایا گیا تھا کہ نافرمانی اور سرتابی سے عذاب الٰہی اور تباہی آتی ہے جس طرح کہ گزشتہ اقوام اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے باوجود شوکت مند ہونے کے فنا ہو گئیں۔ اب اس کے مفصل دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ کہ آسمان زمین اور کائناتِ عالم کا مالک کون ہے۔ ان کی ہستی اور بقائے ہستی کس کے اختیار میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ) آپ کافروں سے یہ بات دریافت کیجئے (اگر مشرک جہالت یا حماقت یا ہٹ دھرمی سے کوئی جواب نہ دیں تو) آپ کہہ دیجئے کہ ان سب کا مالک مختار خدا ہے۔ اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور سب کی بقاء وجود اسی کے اختیار میں ہے۔ اسی کا حکم کل موجودات میں جاری ہے۔ کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ (لامحالہ اس کی نافرمانی موجب تباہی ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو بطور فضل و احسان کے مقرر کر لیا ہے۔ اس لئے اس نے رسول بھیجے، کتابیں نازل کیں اور ہر طرح گمراہوں کو راہ پر آجانے کا موقع دیا۔ پھر اس اتمام حجت اور رحمت عامہ کے باوجود اگر کوئی اس کی نافرمانی کرے اور گمراہی پر بہر صورت بضد ہے تو کیوں خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ قیامت کے دن تم سب کو خدا تعالیٰ ضرور اکٹھا کرے گا اور حساب کتاب سزا جزا کی کارروائی جاری ہو گی تو جو ذات معدوم محض کو موجود کر سکتی ہے اس کی نافرمانی کا نتیجہ لازمی بربادی اور ہلاکت ہو گی۔ کیونکہ جب قیامت کے دن وہ مجرم کو سزا دے سکتا ہے تو دنیا میں بھی سرکشوں کو تباہ کر سکتا ہے۔ رہا قیامت کا ثبوت تو اس

کے وجود میں سلیم طبیعت اور ہوشیار دماغ رکھنے والوں کو شک نہیں ہو سکتا البتہ جو لوگ زیاں کار ہیں اور جن کی تقدیر ہی میں نقصان لکھا ہے وہ اس کا یقین نہیں رکھتے

جو تھی دلیل یہ ہے کہ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ اسی کے دست قدرت میں زمانہ اور زمانیات کا نظام ہے وہ مالک مختار ہے (سیوطی) عالم میں جو چیز ہے خواہ متحرک ہو یا ساکن سب اسی کی ہے (مدارک) شبانہ روز کے دور کے اندر جو چیزیں رہتی ہیں اُن سب کا مالک وہی ہے (سدی وابن عطیہ) جن چیزوں پر آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے سب اسی کے قبضہ و اختیار میں ہیں (ابن جریر) آسمان و زمین میں ہر جاندار اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (ابن کثیر) خلاصہ یہ کہ وہی خلاق علی الاطلاق معبود برحق اور قادر و متصرف ہے۔ وہی ہر شخص کے قول کو سنتا اور ہر شخص کی حالت کو جانتا ہے اس لئے اس کی نافرمانی ضرور موجب وبال ہے۔

مقصود بیان کافروں، مشرکوں، مجوسیوں اور فلاسفۂ یونان کی مدلل تردید۔ قیامت کے برحق ہونے کی صراحت، حشر و نشر جسمانی کی وضاحت، خدا کی وسعتِ علمی اور احاطۂ قدرت اور قوتِ خلاقی کی تصریح۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

کہدو کیا میں اس اللہ کے سوا کوئی اور دوست بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہی سب کو کھلاتا ہے اس کو کوئی نہیں کھلاتا

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

کہدو مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ سب سے اوّل فرمانبردار بنوں اور مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہوں

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ مَنْ يُصْرَفْ

کہدو کہ اپنے رب کی نافرمانی کرنے سے مجھے روزِ عظیم کے عذاب کا خوف ہے اس روز جس شخص سے

عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝

عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے

تفسیر کفارِ قریش نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ محمد! معلوم ہوتا ہے کہ تم افلاس کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کرنے لگے اور اس تدبیر سے مال جمع کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اس دعوے سے باز آجاؤ اور ہم کو اپنے پُرانے دین سے نہ روکو تو ہم قبائل ورؤسا سے چندہ جمع کر کے اتنا مال جمع کر کے تم کو دے دیں گے کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ کفار کی اس بکواس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی تم ان لوگوں سے کہہ دو کیا میں مال کا طمع کر کے خدا کو چھوڑ دوں اُس کے حکم کے خلاف ورزی کروں اور اس کے علاوہ کسی اور کو معبود بنالوں۔ حالانکہ اُسی نے زمین آسمان کو ایجاد کیا۔ تمام عالم کو نیست سے ہست کیا اور:

وَهُوَ يُطْعِمُ ہر سب کی پرورش بھی وہی کرتا ہے۔ سب کو وہی رزق دیتا ہے۔ گویا کُل کائنات اپنی ایجاد اور بقائے وجود میں اُسی کی محتاج ہے اور وَلَا يُطْعَمُ وہ کسی کا محتاج نہیں، کوئی اس کا رب نہیں۔ پھر کس طرح میں کسی کو اس کے علاوہ معبود بنا سکتا ہوں اور کس طرح مالی طمع میں پڑ کر اس کو چھوڑ سکتا ہوں۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اے رسول! آپ ان سے کہہ دیجئے: خدا کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ اس زمانہ کے انسانوں میں سب سے پہلے میں ہی موحد فرمانبردار اور مطیع حکم ہو جاؤں اور مشرکوں کے ساتھ شامل ہی نہ ہوں۔ شرک کرنا تو درکنار، پھر کس طرح میں حکم الٰہی کے خلاف کر سکتا ہوں کیونکہ:۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اگر میں اس کی نافرمانی (بالفرض) کرنے کو گوارا کروں تو مجھے بڑے قیامت کے عذاب کا خوف ہے۔ چونکہ مجھ کو اس کا علم ہے اس لئے اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ قیامت کے دن جو شخص عذاب سے بچ جائے تو بس رحم الٰہی اس کے شامل حال ہو گیا۔ اب اس کو کوئی خوف [illegible] یہی [illegible] کھلی ہوئی کامیابی ہو اور عذاب سے نجات نافرمانی کی صورت میں کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

مقصودِ بیان

توحید والوہیت کا ثبوت اور مصنوعات سے صانع پر استدلال، خدا کی خلاقی، ربوبیت، عدم احتیاج، ایجاد عالم، مخلوق میں تصرفِ کامل اور سب لوگوں کا قیامت کے دن اس کے سامنے جانا، یہ سب اس کی الوہیت کے دلائل ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ

اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو سوا اس کے کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچائے تو وہ

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

سب کچھ کر سکتا ہے اپنے بندوں پر اسی کا زور چلتا ہے اور وہ مصلحت بین باخبر ہے

تفسیر

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ سے قَدِيْرٌ تک یہ بھی گزشتہ مقصود کا تکملہ ہے۔ مطلب کا خلاصہ یہ کہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہی دور کرے تو دور کر دے اور خداداد نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہی دینے والا ہے۔ وہی سب کچھ کر سکتا ہے۔ نفع نقصان، تکلیف و راحت، تنگی و فراخی، بیماری اور صحت سب کچھ اسی کے دستِ قدرت میں ہے نہ کسی معبود باطل کے قبضہ میں۔ پھر کیوں خدا کو چھوڑ کر غیر خدا کی پرستش کی جائے اور نفع نقصان کے خیالی معبودوں سے درخواست کی جائے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ الٰہی تیرے عطیہ کو کوئی روک نہیں سکتا اور کسی دولتمند کو اس کی دولت تیرے مقابلہ میں مفید نہیں ہو سکتی۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک روز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا ارشاد فرمایا لڑکے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں یاد رکھنا:۔

اگر کچھ مانگے تو خدا ہی سے مانگ، مدد چاہے تو خدا ہی سے اعانت کی خواستگاری کر۔ یاد رکھ اگر تمام عالم جمع ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہے تو کچھ نہیں پہنچا سکتا مگر صرف اسی قدر جتنا خدا نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر کل آدمی مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اسی قدر جتنا خدا نے تیری قسمت میں مقدر کر دیا ہے قلم اٹھا لئے گئے اور نامہائے تقدیر خشک ہو گئے۔ (رواہ الترمذی)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ یہ بھی الوہیت کی دلیل ہے۔ الوہیت کے واسطے تین اصل لازم ہیں۔ قدرت کاملہ، کمال علمی اور حکمت تامہ۔ تینوں کو اس آیت میں بیان کر دیا گیا۔

ماحصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہی تمام عالم پر غالب ہے، اس کی قسمت سے کوئی چیز باہر نہیں اور نہ اس کے تصرف قہر سے کوئی سرتابی کر سکتا ہے

پھر اس کی حکمت بھی کاملہ ہے۔ نظامِ کائنات کے مصالح سے وہی بخوبی واقف ہے۔ اس کے علاوہ وہ خبیر بھی ہے۔ اس کا علم محیط ہے۔ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ لہٰذا وہی مستحقِ الوہیت ہے۔ وغیرہ

مقصودِ بیان صفاتِ الوہیت کا بیان۔ توحیدِ صفاتی کا اظہار۔ نفع نقصان اور تکلیف و راحت وغیرہ کا اسی کے دستِ قدرت میں ہونا قدرتِ کاملہ علم تام اور حکمتِ وسیعہ کا مالک ہونا۔ یہ سب باتیں الوہیتِ صفاتی کے ثبوت ہیں۔ آیت میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب نفع نقصان خدا ہی کے اختیار میں ہے تو پھر غیر اللہ سے مدد چاہنی فقط شرک ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ

تم کہدو کہ اللہ سے بڑھ کر کون چیز شاہد ہے کہہ دو اللہ میرے تمہارے درمیان شاہد ہے اور میرے پاس یہ قرآن

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تم کو اور اس شخص کو جس تک یہ قرآن پہنچ جائے اس کے ذریعہ سے ڈراؤں کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کی موجودگی

اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

میں دوسرے معبود بھی ہیں کہہ دو میں گواہی نہیں دیتا تم کہہ دو کہ اللہ تو وہی ایک معبود ہے اور میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جو لوگ اپنا نقصان کر رہے

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

ہیں وہی نہیں مانتے

تفسیر اوپر کی آیات میں توحید اور الوہیتِ صفاتی کو بیان کیا گیا تھا۔ یہاں سے آخر رکوع تک الوہیتِ ذاتی صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوت کو بیان ہے۔

کفارِ قریش نے ایک مرتبہ خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ محمد! کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی رسول نہیں ملا۔ ہمارے خیال میں تو کوئی تمہاری تصدیق نہیں کرے گا۔ ہم نے تو اہلِ کتاب سے بھی پوچھ لیا کہ تمہاری کتابوں میں محمدؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کی کوئی خبر موجود ہے یا نہیں؟۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ہماری کتابوں میں محمدؐ کا کہیں ذکر نہیں ہے اگر ہو تو بتائیے۔ اس کے علاوہ حام بن زید بن کعب وغیرہ نے بھی کہا تھا کہ محمد! تمہارے علم میں کیا بجز خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا واقع میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تو یہی پیغام دے کر بھیجا گیا ہے اور میں اسی کی تبلیغ کرتا ہوں۔ اس قصہ کے بعد یہ متعدد آیات آخر رکوع تک نازل ہوئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً اے نبی! تم ان جاہلوں سے کہہ دو کہ سب سے بڑھ کر شہادت کس کی ہو سکتی ہے۔ خدا سے بڑا شاہد کون ہو سکتا ہے یعنی خدا سے بڑھ کر شاہد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ۔ اور خدا میرے تمہارے درمیان جھگڑے کے متعلق گواہ ہے وہ میری نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط اور یہ قرآن اس نے میرے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے تاکہ میں حاضر و غائب کو اس قرآن کا حکم پہنچا کر شرک و کفر سے منع کروں اور خدا کے عذاب سے خوف دلاؤں۔ شیخ سیوطی کا قول ہے کہ لِاُنْذِرَكُمْ میں خطاب اہل مکہ کو ہے اور مَنْۢ بَلَغَ سے اہل عجم ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد حضور والا نے شاہ فارس، شاہ روم اور شاہ حبش وغیرہ کو دعوت اسلام دی تھی۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کی بعثت صرف عرب کے واسطے ہی مخصوص نہ تھی اور نہ اہل زمانہ پر ہی منحصر تھی بلکہ تمام عالم اور ہر زمانہ کے لئے یکساں تھی اور ہے اور اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ابن نجار، خطیب ابو نعیم، عبدالرزاق، بخاری اور ترمذی وغیرہ کی روایت کردہ حدیثوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی تو اب اس عظیم الشان شہادت کے بعد بھی تم اس بات کے قائل رہو گے کہ اللہ کے ساتھ اور باطل معبود بھی شریکِ الوہیت ہیں۔

قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اے نبی! اگر کفار اس پر بھی نہ مانیں اور شرک سے باز نہ آئیں تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں اور تمہاری شرک انگیزی اور بداعتقادی سے میں بیزار ہوں۔ نہ میں مشرک ہوں نہ مشرکوں کا ساتھی۔ مشرکوں کے ہر عقیدہ اور عمل سے پاک اور بری ہوں اور صرف خدائے واحد کو قابلِ پرستش سمجھتا ہوں۔ اب رہی اہل کتاب کی شہادت اور ان کی تصدیق یا تکذیب تو اس کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ علماء اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات اور حلیہ کو اس طرح یقین کے ساتھ جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ ہاں

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو خود ذلیل و خوار کر رکھا ہے اور شقاوتِ ازلی نے اُن کا خمیر بنا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین نہیں رکھتے۔ حاصل یہ کہ توریت، انجیل اور زبور وغیرہ کتبِ سماویہ بالکل اُن کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ شقاوتِ ازلی کے باعث ایمان نہیں لاتے۔

مقصود بیان شہادتِ الٰہی سب سے بڑی شہادت ہے اس لئے جھوٹی بات پر خدا کو گواہ نہ کیا جائے۔ رسول پاک کی تبلیغ شرق و غرب اور جنوب و شمال کے تمام انسانوں کے لئے عام تھی اور ہر زمانہ کے لئے عام ہے۔ اسلام تبلیغی مذہب ہے۔ اہل شرک کے حقیقی میں اپنے آپ کو شامل کرنا بھی حرام ہے گزشتہ کتبِ سماویہ میں رسولِ پاکؐ کا نام، حلیہ اور اوصاف تفصیل کے ساتھ موجود تھے۔ وغیرہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ

اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر دروغ بندی کرے یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے بلاشبہ ظالموں کا

الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ

بھلا نہ ہوگا اور جس روز ہم اُن سب کو جمع کر کے مشرکوں سے کہیں گے کہ اب وہ تمہارے

شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا

شرکاء کہاں ہیں جن کے شریک ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر اُن کے پاس اس کے سوا کوئی عذر نہ ہوگا کہ کہیں گے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

قسم ہے اُس اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہ تھے　دیکھو انھوں نے اپنے خلاف　کیسا جھوٹ　بولا　اور پہلے جو افترا بندیاں

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

کرتے تھے　وہ غائب　ہو گئیں

تفسیر وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یعنی دنیا میں بدترین ظالم دو ہی قسم کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص جو خدا پر بہتان باندھے۔ طبع زاد احکام یا رسمی باتوں کو خدا کا فرمان قرار دے۔ دوسرے وہ شخص جو احکام الٰہی کو جھوٹا کہے اور حق و صداقت کا انکار کرے تو چونکہ مالی لالچ میں پڑ کر یا کسی اور وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غلط احکام خدا کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ اس لئے وہ تو ظالم قرار پا نہیں سکتے۔ ہاں مشرکین و کفار آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور احکام خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں اس لئے وہی ظالم ہیں اور ظالم کو کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی خواہ وہ دولتمند ہو یا جتھہ والا یا دنیوی اعتبار سے معزز ہو انجام کار اس کو ناکامی اور ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور آخرت میں تو کسی قسم کی فلاح اس کو میسر ہو ہی نہیں سکتی۔ دیکھو:۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۔ قیامت کے دن جب خدا تعالیٰ سب کو جمع کر کے شرک پرستوں سے فرمائے گا آج وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم اپنے خیال میں خدا کے ساتھ شریک جانتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۔ اس وقت ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا اور نہ کوئی اور شرارت سوجھے گی مجبور ہو کر کہیں گے اس خدا کی قسم جس نے ہم کو پیدا کیا اور جو ہمارا رب ہے۔ ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ (وہ اپنے بچاؤ کے لئے) بولیں گے اس وقت وہ تمام شرارتیں اور شرک پرستیاں اُن کے دماغوں سے کافور ہو جائیں گی اور وہ تمام باتیں بھول جائیں گے جو پہلے بنایا کرتے تھے۔ شدتِ عذاب کی ہیبت اور دہشت و حیرت سے اُن کو کوئی جواب ہی نہ بن پڑے گا اور جب عذاب کا یقین ہو جائے گا تو مجبور ہو کر اپنی نجات کی تدبیر کریں گے اور شرک سے انکار کر دیں گے۔

مقصودِ بیان کوئی نبی خدا پر بہتان تراشی نہیں کر سکتا۔ آیت سے یہ بات نہیں نکلتی کہ ہر نبی کا ذب خواہ مخواہ دنیا میں غارت ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو اخروی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی اور اُس کے مذہب کو بقا نہیں ہو سکتا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ

ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں　مگر ہم نے　سمجھنے سے　اُن کے دلوں پر　پردے ڈال دیئے　ہیں　اور کانوں

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

میں گرانی پیدا کر دی ہے　اگر　ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں　جب بھی ان پر یقین نہ لائیں گے　یہاں تک کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جھگڑتے ہوئے

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ

آتے ہیں کافر کہتے ہیں کہ بس یہ تو اگلوں کی کہانیاں ہیں وہ اس سے دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں

وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں غرض نادانی میں اپنے آپ کو ہی ہلاک کر رہے ہیں

تفسیر حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک بار ابوسفیان، عتبہ، شیبہ، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث اور بعض دیگر لیڈرانِ کفر کہیں جمع ہو کر جا رہے تھے اثنائے رفتار میں اس مقام پر سے گزرے جہاں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کی آواز بھی اُن کے کانوں میں پہنچ گئی فوراً کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سننے رہے۔ بعد کو کسی نے نضر بن حارث سے پوچھا۔ کیوں جی کچھ سمجھ میں آتا ہے محمد کیا پڑھ رہے ہیں؟ نضر عرب کا مشہور داستان گو تھا منہ بگاڑ کر کہنے لگا۔ لب تو ہلتے نظر آ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کچھ بول رہے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں اور ہو گا بھی کیا پچھلوں کی کہانیاں ہوں گی جو میں تمہیں سُنایا کرتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (مدارک و روح المعانی)

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ بعض مشرکین آپ کی طرف کان لگا کر قرآن سنتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے اور اُن کے دل نہیں پسیجتے کیونکہ وہ ازلی شقی ہیں۔

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ ہم نے اُن کے دلوں پر گمراہی کے پردے ڈال دیئے ہیں اور اُن کے دل کے کانوں میں شقاوت کی ڈاٹیں ٹھکی ہوئی ہیں اس لئے نہ وہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں۔

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ اب اگر وہ تمام آیاتِ قدرت کو دیکھ بھی لیں اور کل معجزات ان کی نظر کے سامنے آ جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ وہ ضلالت و کج راہی کو اختیار کر چکے۔ دیکھو۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ جس وقت آپ کے پاس آتے ہیں تو جھگڑا کرتے ہیں جستجوئے حق اُن کی غرض نہیں ہوتی۔ قرآن سنتے ہیں تو بجائے ایمان لانے کے کہتے ہیں کہ یہ تو پچھلوں کے قصّے کہانیاں ہیں۔ ہم ان کو سُن کر کیا کریں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ کم بخت خود بھی ہدایت سے دور رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں مگر اس میں ان کا ہی نقصان ہے۔ اگرچہ اُن کو اس کا شعور نہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن دس چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں کو تو رسول پاک کو ایذا دینے سے روکتے تھے مگر خود بھی ایمان نہ لاتے تھے۔ اس صورت میں آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ لوگوں کو تو روکتے ہیں کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ نہ پہنچائے لیکن خود ایمان نہیں لاتے۔ یہ قول قاسم بن مخیمرہ، حبیب بن ابی ثابت اور عطاء بن دینار وغیرہم کا ہے (ابن کثیر) لیکن ہم نے جو تفسیری معنی بیان کئے ہیں وہی اکثر اہلِ تفسیر کی رائے ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

مقصود بیان نبوتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کفار کی ہٹ دھرمی کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ جس شخص کے دل پر گمراہی کے پردے پڑ جائیں، گوشِ ہوش میں ضلالت کا ثقل پیدا ہو جائے اور آنکھیں نورِ حق سے بے بہرہ ہو جائیں اس کو کوئی معجزہ کوئی دلیل اور کوئی نصیحت راہِ حق پر نہیں لا سکتی۔ ایسا شخص اگر حق کی طرف کچھ مائل بھی ہوتا ہے تو صرف جھگڑا خصومت کرنے کے لئے نہ کہ طلبِ حق کے

جذبہ کے تحت ۔ وغیرہ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ

کاش تم ان کی وہ حالت دیکھو کہ آگ کے روبرو اُن کو کھڑا کیا جائیگا اور کہیں گے اے کاش ہم واپس بھیجدیئے جائیں اور احکام الٰہی کی تکذیب نہ کریں اور ایمان

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا

والوں میں سے بن جائیں بات یہ ہے کہ وہ چیز اُن پر کھل جاوے گی جس کو پہلے سے چھپایا کرتے تھے اگر اُن کو واپس بھی

لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

کر دیا جائے تب بھی دوبارہ وہی ممنوعہ حرکتیں کریں گے بلاشبہ وہ جھوٹے ہوں گے اُن کا قول ہے کہ بس یہی ہماری دنیوی زندگی ہے

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ○ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا

اور ہم زندہ نہیں کئے جاویں گے کاش تم ان کی وہ حالت دیکھو کہ جب اُن کو اُن کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائیگا اور رب فرمائے گا کیا یہ سچ

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ ع

نہیں ہے یہ کہیں گے ہاں سچ قسم ہے اپنے رب کی اللہ فرمائے گا تو پہلے تم جو کفر کرتے تھے اس کی پاداش میں عذاب چکھو

تفسیر اِن آیات میں عذابِ الٰہی کی ہیبت، جہنم کے ہولناک منظر اور کفار کی حسرتناک حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ دیکھو وہ منظر بھی کیسا ہیبتناک ہوگا جب کفار دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے انتہائی مایوسی سے کہتے ہوں گے۔ کاش ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جاتا اور ہم وہاں دوبارہ جاکر آیاتِ الٰہی کی تکذیب نہ کرتے اور اعمال کی جزا کا کامل یقین رکھتے۔ توحید، نبوت اور معاد کی تصدیق کرتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے درحقیقت جو باتیں انھوں نے دل میں چھپا رکھی تھیں اور شروع میں کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے، وہ باتیں ان کی اس تمنا سے ظاہر ہو جائیں گی اور مجبور ہو کر اقرار کریں گے کہ اگر ہم اب کی مرتبہ دنیا میں گئے تو آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور ذات و صفاتِ الٰہی میں شرک نہ کریں گے۔ گویا وہ اقراری مجرم ہو جائیں گے کہ پہلی مرتبہ ہم شرک کرتے تھے اور آیاتِ الٰہی کی ہم نے تکذیب کی ورنہ واقع میں اُن کی یہ آرزو غلط اور قول و قرار سراسر جھوٹا ہوگا۔ اگر اُن کو بالفرض دنیا میں دوبارہ جانے اور عمل کرنے کی اجازت بھی دے دی جائے تو وہ پھر ممنوعات کا ارتکاب کرنے والے ہوں گے۔ اُن کے دلوں سے نورِ ہدایت بالکل محو ہو گیا۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر جب دوزخ کے کنارے پہنچیں گے تو حکم ہوگا ٹھہر جاؤ، وہ ٹھہر جائیں گے اُن کو توقع پڑ جائے گی کہ شاید ہم کو پھر دنیا میں بھیج دیا جائے۔ اگر ہم کو اب کے دنیا میں بھیجدیا گیا تو اس مرتبہ ہم یقیناً کفر نہ کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم دنیا میں بھیجنے کے لئے اُن کو دوزخ کے کنارے نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ اس غرض سے اُن کی زبان سے اقرار کرالیں گے کہ بیشک ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ وہ پہلے منکر تھے اور کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں ہیں۔ ان کو دنیا میں بھیجنا تو محض فضول ہوگا جب پہلی زندگی میں ہزاروں معجزات دیکھ کر ایمان نہ لائے تو دوسری مرتبہ ایسے بدباطن بے ایمانوں سے ایمان لانے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اُن کے تمام دعوے اور قول و قرار جھوٹے ہوں گے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ان کا تو ابھی یہ خیال ہے کہ جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے۔ حشر و نشر کچھ بھی نہیں۔ کیسا عذاب کہاں کا ثواب۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ

لیکن اُن کی مایوسی کا وہ منظر دیکھنے کے قابل ہوگا جب سب کو خدا تعالیٰ کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جائے گا اور خدا تعالیٰ اُن سے دریافت فرمائے گا۔ اب بھی قیامت ہونے کا یقین آیا۔ کیا یہ حشر نشر واقعی نہیں ہے۔ کیا خدا کے سامنے جانا اب بھی جھوٹ ہے؟ اس وقت وہ جواب دیں گے نہیں پروردگار کی قسم حشر نشر غلط نہیں ہے ہم کو صداقت کا یقین آگیا ضرور اعمال کی پاداش کا دن ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا تو بس جاؤ اپنے کفر کا مزہ چکھو دوزخ میں چلے جاؤ۔

مقصودِ بیان تبلیغ حق کا تنوع اور نیرنگی، دوزخ کے ہیبت ناک منظر، حشر و نشر کی ہولناک تصویر اور کفار کی مایوسانہ حسرت ناک حالت دکھا کر لوگوں کے دلوں میں اس بات کو جما دیا کہ حشر نشر، عذاب ثواب اور اعمال کی پاداش ضرور ہوگی۔ خدا کے سامنے ضرور جانا ہوگا اس لئے قرآن کی تصدیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا، شرع کے احکام پر چلنا لازمی ہے۔ وغیرہ

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا

جن لوگوں نے اللہ سے ملنے کو جھوٹ جانا۔ وہ نقصان میں پڑے یہاں تک کہ جب اچانک اُن پر قیامت آ پہنچے گی تو وہ کہیں گے

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا

ہائے افسوس ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اس روز وہ اپنا بار اپنی پیٹھوں پر لادے ہوں گے سُن لو

سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

بُرا بوجھ لادے ہوں گے دنیوی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے اور انجام والا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں

تفسیر پہلی آیات میں دوزخ کا ہولناک منظر دکھا کر کفار کے اس حسرت و افسوس کا ذکر کیا تھا جو خدا کے سامنے جا کر اُن کو پیدا ہوگی۔ ان آیات میں کفار کے اس حسرت و یاس کا تذکرہ ہے جو مرنے کے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر ان کو پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو لوگ ملاقاتِ الٰہی کے منکر ہیں خدا سے ملنے کا اور اس کے سامنے جانے کا ان کو عقیدہ نہیں ہے۔ جب اچانک اُن پر مقررہ گھڑی آجاتی ہے موت کے علامات ظاہر ہو جاتے ہیں، عذاب کے فرشتے سامنے دکھائی دینے لگتے ہیں اور جانکنی کی حالت شروع ہو جاتی ہے تو وہ نہایت یاس سے کہتے ہیں ہائے ہم نے دنیا میں تقصیریں کیں، قصور کئے، آخرت کا توشہ کچھ نہ لیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن کی پشتوں پر گناہوں کا اور کفر شعاریوں کا بوجھ سوار ہوتا ہے اور ان کو یہ بدترین بار اپنے اوپر لادنا پڑتا ہے۔ اس بوجھ کو اٹھائے چل بستے ہیں اور یہ چند روزہ زندگی یونہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ دنیوی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے۔ کوئی قابلِ اعتبار اور پائیدار چیز نہیں، مگر کافر لوگ بچوں کی طرح اسی کھیل کود میں مشغول ہو کر نتیجہ کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں اور آخرت کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ:

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ و متقیوں کے لئے دارِ آخرت ہی بہتر ہے وہاں کی نعمتیں لازوال ہیں مگر اہلِ کفر کے لئے وہ بدترین عاقبت۔ پھر کیوں اس کھیل کود میں مشغول ہو کر دارِ آخرت سے غافل بن کر گناہوں کا بار اپنی پشت پر لاد کر عذابِ الٰہی کے مستحق بنتے ہو۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ کیا تم کو اتنی بھی عقل نہیں کیا تم اپنے برے بھلے کو نہیں سمجھتے۔ کیا اتنا بھی شعور نہیں کہ چند روزہ عیش و آرام سے لازوال لذت و راحت بہتر ہے۔ دنیا زوال پذیر ہے اور آخرت باقی رہنے والی چیز ہے۔

مقصود بیان دنیا کی بے ثباتی اور بقائے آخرت کی تصویر۔ اس امر کی صراحت کہ مرنے کے وقت جانکنی کی حالت میں کافروں کو اپنی گزشتہ بداعمالیوں پر افسوس ہوتا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

اے محمدؐ ہم جانتے ہیں کہ تم کو ان کی باتیں رنج دیتی ہیں تو وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں مگر انہوں نے جھٹلائے جانے

كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰىٓ اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ

اور ایذا پانے پر صبر کیا یہانتک کہ ان کو ہماری مدد پہنچ گئی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں تم کو پیغمبروں کے

مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ

کچھ احوال پہنچ چکے ہیں اب اگر ان کی روگردانی تم پر گراں گزرتی ہے تو اگر تم سے ہو سکے

اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ

کہ زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر کے یا آسمان پر کوئی سیڑھی لگا کے ان کے سامنے کوئی معجزہ لے آؤ (تو لے آؤ) اگر اللہ

اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ

چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لہٰذا تم نادانوں میں سے نہ ہو ماننے تو وہی ہیں

الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

جو سنتے ہیں مردوں کو تو اللہ جلا کر اٹھائے گا پھر اسی کے پاس سب لوٹا کر لیجائے جائینگے

تفسیر ایک بار ابوجہل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا محمدؐ! ہم نے تم سے کبھی کوئی بات غلط نہیں سُنی اس لئے تم کو ہم جھوٹا نہیں کہتے اور نہ کاذب سمجھتے ہیں بلکہ جو دین اور کتاب تم لائے ہو اُس کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اُس وقت یہ آیت قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ الخ مکمل نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کو معلوم ہے کہ تم کو ان کافروں کے قول سے رنج پیدا ہوتا ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ یہ لوگ تم کو جھوٹا نہیں سمجھتے بلکہ ظالم آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کو (عناداً) جھوٹلا کہتے ہیں۔

ابویزید مدنی سے مروی ہے کہ ایک روز ابوجہل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور مصافحہ کیا۔ جب واپس گیا تو کسی کافر نے پوچھا تم نے آج اس بے دین سے کیوں مصافحہ کیا؟ ابوجہل بولا واللہ میں جانتا ہوں کہ وہ نبی ہے۔ مگر ہم لوگ عبد مناف والوں کے کیسے تابع ہوسکتے ہیں۔
(ابن ابی حاتم)

زہری کی روایت ہے کہ ایک شب ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق الگ الگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن سننے کو حاضر ہوئے۔ کوئی دوسرے کے حال سے خبردار نہ تھا۔ سب چپکے چپکے الگ الگ گوشہ میں بیٹھ گئے صبح ہوئی تو جدا جدا چل دیئے مگر راستہ میں سب کی ملاقات ہوگئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب پوچھا۔ جو اصل واقعہ تھا سب نے کہہ دیا لیکن آخر میں سب نے معاہدہ کرلیا کہ پھر کبھی نہیں آئیں گے، کیونکہ اگر عرب کے جاہلوں کو ہمارے جانے کی اطلاع ہوگی تو وہ بدرجہ اولیٰ اسلام کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ لیکن جب دوسری رات ہوئی تو ہر ایک دوسرے کو لاعلم اور پابندِ معاہدہ سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن سننے پہنچ گیا اور واپسی میں پھر وہی واقعہ پیش آیا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آنے کا سب نے معاہدہ کیا۔ تیسری شب کو بھی یہی صورت پیش آئی اُس روز سب نے پختہ عہد و پیمان کئے کہ اب کبھی نہ آئیں گے۔ جب چوتھے دن کی صبح ہوئی تو ابن شریق لاٹھی لے کر اُٹھا اور ابوسفیان سے جاکر کہا ابو حنظلہ! محمدؐ سے جو کلام تم نے سُنا ہے اُس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان بولا بھائی میں نے جو کلام سُنا اُس میں سے کچھ تو میں سمجھ گیا اور کچھ باتوں کی حقیقت و مراد میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ابن شریق بولا واللہ میری بھی یہی کیفیت ہے۔ پھر ابن شریق یہاں سے اُٹھ کر ابوجہل کے پاس گیا اور دریافت کیا، ابوالحکم تم محمدؐ کے کلام کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟ ابوجہل بولا بات درحقیقت یہ ہے کہ عبد مناف والوں سے ہمارا مقابلہ رہا ہے وہ مسافروں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ہم بھی کھلاتے تھے۔ وہ لوگوں کے بار اپنے اوپر اُٹھاتے تھے ہم بھی اُٹھاتے تھے۔ ان باتوں میں تو ہم سب برابر رہے۔ لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور ہم کو نبی کہاں سے مل سکتا ہے مگر میں تو خدا کی قسم اُس کو تو نہیں مانوں گا اور اُس کی تصدیق نہیں کروں گا۔ ابن جریر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ جب جنگِ بدر کا دن ہوا تو ابن شریق نے بنی زہرہ سے کہا کہ محمدؐ تمہارا بھانجا ہے۔ تم پر حق ہے کہ اُس کی طرف سے مصائب کو دفع کرو۔ لہٰذا تم ابھی اس سے نہ لڑو۔ اب اگر وہ نبی ہے تو تم نبی سے لڑنے سے بچ جاؤ گے ورنہ بھانجے کے ساتھ تو کم از کم تمہاری طرف سے بُرائی نہ ہوگی۔ اتنی دیر ٹھہر جاؤ کہ میں ابوالحکم کے پاس ہو آؤں یہ کہہ کر ابن شریق ابوجہل کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ اس وقت یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ مجھے تم بتادو کہ محمدؐ جھوٹا ہے یا سچا؟۔ ابوجہل بولا اے بیوقوف! محمدؐ سچا آدمی ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ جب قصی کی اولاد کو تمام فضیلتیں حاصل ہوگئیں کعبہ کی دربانی اُن کو مل گئی۔ حاجیوں کو شربت اور پانی پلانے کا شرف اُن کو حاصل ہوگیا۔ جنگ کے واسطے جھنڈا اُن کے سوا اور کوئی نہیں باندھ سکتا تو اب صرف نبوت رہ گئی اگر یہ بھی ان کو مل گئی تو دیگر عرب والوں کے واسطے کیا بات باقی رہ جائے گی۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابوجہل وغیرہ سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نہیں جانتے تھے مگر محض عناد اور خاندانی مقابلہ کی وجہ سے قرآن و رسالت کا انکار کرتے تھے اسی مطلب کو آیت بالا میں بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ یعنی اگر یہ کافر تمہاری تکذیب کرتے اور ایذائیں دیتے ہیں تو صبر کرو کیونکہ تم سے پہلے بھی سب سے

پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے۔ کافروں نے ان کی بھی تکذیب کی ہے۔

فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا۔ لیکن انھوں نے کفار کی تکذیب اور ایذا پر صبر کیا۔

حَتّٰٓی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا۔ بالآخر ہماری مدد اُن کے شامل ہوگئی اور ان کو غلبہ حاصل ہوگیا انجام کار تم کو بھی غلبہ حاصل ہوجائے گا۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ اور ہمارے حکم اور تقدیر کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ یعنی خاص بندوں کو تحمل مصائب کے بعد ہماری طرف سے مزید مدد پہنچتی ہے اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ قانون قدرت اور ضابطہ تقدیر ہے۔ اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝ دیکھو تمہارے پاس کچھ پیغمبروں کے حالات کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ اُن کے تحمل مصائب کی کیفیت کفار کی ایذا رسانی اور انجام کار اُن کو مظفر و منصور ہونا تمہارے علم میں ہے۔ لہٰذا تم بھی صبر کرو۔ خدا تم کو بھی معاف کرے گا۔ ان کی تکذیب اور ایذا رسانی سے رنجیدہ نہ ہو۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ کفار مکہ کا دستور تھا کہ صرف مذاق بنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بے سروپا باتیں کیا کرتے اور بغیر طلب حق کے معجزات کے طالب ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حارث بن عامر بن نوفل نے چند کفار قریش کے ساتھ حاضر ہو کر کسی خاص معجزے کے ظاہر ہونے کی خواہش کی۔ یا تو یہ کہا کہ مکہ کی زمین پہلے سے وسیع ہوجائے یا کوہ صفا سونے کا ہوجائے یا اس کی طرح کوئی اور درخواست کی اور چونکہ عادت الٰہی جاری ہے کہ کسی معاند کی خواہش پر جب تک اُس کو جستجوئے حق مدنظر نہ ہو خدا تعالیٰ معجزات ظاہر نہیں فرمایا کرتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کی خواہش کے موافق کوئی معجزہ اپنے رسولؐ کے ہاتھ پر ظاہر نہ فرمایا اور کافروں کی وہ جماعت مسلمان نہ ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے مسلمان ہونے کی کمال رغبت تھی اور حضورؐ والا کو اُن بے دینوں کے ہدایت یاب ہونے کا بہت زیادہ شغف تھا۔ جب وہ مسلمان نہ ہوئے تو آپ کو انتہائے حزن ہوا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر، رازی)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم کو معلوم ہے قریش کا مسلمان نہ ہونا تم کو ناگوار گذرا ہے اور اس سے تم کو رنج پہنچا ہے۔ تمہاری خواہش تھی کہ کوئی معجزہ ظاہر ہوجائے تاکہ ان بے دینوں کو ہدایت ہوجائے مگر یہ خدا کی عادت اور مرضی کے خلاف تھا۔ اب اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے تو زمین پھاڑ کر سرنگ لگا کر تحت الثریٰ سے یا سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ کر اوپر سے کوئی معجزہ ان کے واسطے لادو اور ان کو ہدایت یاب کردو۔ تم کو نہیں معلوم کہ ان میں سے بعض کا کافر رہنا ازل میں مقدر ہوچکا ہے۔ یہ ہرگز ہزاروں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاسکتے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى۔ اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت کردیتا لیکن خدا کی مرضی نہیں ہے اور اس کی حکمت و مصلحت سے وہی واقف ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اب تم ان کی گمراہی پر غم نہ کھاؤ اور سب کے مومن ہوجانے کی حرص نہ کرو۔ ازلی گمراہوں کے ہدایت یاب ہونے کی خواہش کرنا نادانی ہے تم نادان نہ بنو۔ ہدایت ان ہی لوگوں کو ہوسکتی ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ جو کہ گوش ہوش وا ہیں اور جو دل کے کانوں سے کلام ہدایت سن کر اس کو قبول کرتے ہیں۔ یہ ازلی اشقیا مردہ دل ہیں یہ پیغام ہدایت سن ہی نہیں سکتے پھر قبول کس طرح کرسکتے ہیں۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ان زندہ مردوں کو تو خدا ہی حشر کے دن اُٹھا کر اپنے پاس بلائے گا اور جب اس کے پاس جائیں گے تو حقیقت کھلے گی کہ تم ان کا غم کیوں کھاتے ہو۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ محمدؐ! تم ان کافروں سے ایمان کی توقع نہ رکھو۔ کیونکہ جن کو خدا تعالیٰ نے گوش ہوش دئے ہیں وہی تمہاری ہدایت کو سن کر قبول کرسکتے ہیں اور جن کے دلوں میں خدا نے سننے والے کان ہی نہیں پیدا کئے وہ سنتے بھی نہیں ہیں۔ پھر کس طرح مان سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ یہ کافر مردہ دل ہیں اس لئے ان کی مثال مُردے کی سی ہے۔ جب قیامت کے دن ان کو زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا تب ان کو یقین ہوگا۔ اب تو یہ

میں تو اگر تمام جہان کے معجزے بھی تم لاکر موجود کردو گے تب بھی یہ ازلی بدنصیب ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

مقصودِ بیان قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے جھوٹا نہیں جانتے تھے صرف عناد سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ اعلانِ دین اور اشاعت میں جو مصائب پیش آئیں اُن کو برداشت کرنے کی آیات میں خصوصی تلقین کی گئی ہے اور اس امر کی صراحت ہے کہ بالآخر اہلِ حق کو غلبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ امدادِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہوتی ہے آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت پر بہت رحیم و شفیق تھے اور دل سے خواہش مند تھے کہ کسی طرح بے دین خارِ ہلاکت سے نکل آئیں۔ دنیا میں بعض کو ہدایت یاب کرنا اور بعض کو گمراہ چھوڑ دینا مصلحتِ لازمی کے ماتحت ہے۔ ازلی بدنصیبوں کے ہدایت یاب نہ ہونے پر افسوس کرنا نادانی ہے۔ کافر مُردہ دل ہوتا ہے اور دل کی موت حقیقی موت ہے۔ آیت میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک لطیف استدلال بھی ہے کہ باوجودیکہ حضور والا کو کسی شخص کی اندرونی حالت کا علم نہ تھا اور ظاہر حالت اسی کی مقتضی تھی کہ اہل قریب والے نورِ ہدایت سے ضرور بہرہ اندوز ہوں لیکن صاف طور پر پیشین گوئی کردی گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ابوجہل وغیرہ ازلی اشقیاء باوجود قریبی رشتہ دار ہونے کے ایمان نہ لائے۔ وغیرہ

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ

کافر کہتے ہیں کہ اُس پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا تم کہہ دو کہ اللہ معجزہ اُتار سکتا

اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ

ہے مگر ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں زمین میں جو جاندار ہیں

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ

اور جو پرندے اپنے پروں سے اُڑتے ہیں وہ سب تمہاری طرح گروہ ہیں ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی

مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

نہیں کی ہے پھر سب کو اُن کے رب کے پاس اکٹھا کیا جائے گا

تفسیر یہ بھی سابق مضمون کا تکملہ ہے۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہمارے کہنے کے موافق خدا کی طرف سے معجزہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا اور کیوں ایسی کوئی نشانی نہیں ظاہر کی گئی جو صدقِ نبوت پر محسوس طور پر دلالت کرے اور پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اے نبی آپ ان سے کہہ دیں کہ خدا ہر طرح کی نشانیاں اور ہر قسم کے معجزات ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر تم کو نازل نہ کرنے کی حکمت کا علم نہیں ہے۔ تم اللہ کی مصلحت نہیں سمجھتے اور فرمائشی معجزہ کے انجام سے بے خبر ہو۔ تم کو نہیں معلوم کہ اس طرح کے محسوس معجزہ کے ظاہر کرنے سے ایمان بالغیب کی تکلیف جاتی رہتی ہے۔ محسوس نشانیاں دیکھنے کے بعد اگر کوئی انکار کرتا ہے اور پیغمبر کی تصدیق نہیں کرتا تو دنیا میں ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے اور بجائے ہدایت یاب ہونے کے دنیا تباہ ہو جاتی ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر طرح کی نشانیاں ظاہر کر سکتا ہے مگر روشن دماغ اور بیدار حواس کی ضرورت ہے۔ ایک کھلی ہوئی نشانی تو یہ ہے کہ ۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۔ دنیا میں تمام چلنے پھرنے والے اور ہوا میں اُڑنے والے پرندے سب تمہاری طرح ہیں۔ سب میں اپنے ہم نوع افراد سے میل ملاپ ہے۔ کھانا پینا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، پیدا ہونا اور مرنا، حاکم و محکوم ہونا، انتظام و گروہ بندی سب انسانوں ایسی ہے۔ اگر انہی کی حالت پر غور کرو گے تو ایمان لانے کے لئے کم نہیں مزید آیات الٰہی کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ،

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے قرآن میں کسی چیز کا ضروری بیان نہیں چھوڑا ہے (لیکن دل میں نورِ علم اور حواس میں زیرکی اور دماغ میں روشنی معرفت کی ضرورت ہے تاکہ آیاتِ الٰہی سمجھ میں آسکیں۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ پھر اس تمام جاندار مخلوق کو خدا اپنے پاس بلائے گا اور انجام کار سب کو اُس کے پاس جانا ہوگا۔ آدمی ہوں یا جانور، درندے ہوں یا پرندے چرندے، یا دریا میں رہنے والے جاندار سب مرنے کے بعد خدا کے سامنے جائیں گے۔ وہ ہر ایک سے دوسرے کا حق دلوائے گا۔

علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ قیامت کے دن چوپائے مویشی اور تمام مخلوق اُٹھائی جائے گی۔ خدا تعالیٰ اُن کے درمیان انصاف کرے گا۔ یہاں تک سینگوں والے جانور سے بے سینگوں والے کو بدلا دلوائے گا۔ پھر فرمائے گا تم سب خاک ہو جاؤ۔ غرض یہ کہ نبوت کی صداقت، خدا کی قدرت اور قیامت کی حقانیت پر یہ دلیل کچھ کم نہیں کہ چرند پرند درند۔ ہوائی اور دریائی جانوروں کو تمہاری طرح خدا نے گروہ در گروہ پیدا کیا ہے اور یہ سب باوجود غیر مکلف ہونے کے مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور میدانِ حشر میں جمع ہو کر محض اظہارِ عدل کے لئے اور ایک دوسرے کا عوض دلوانے کے لئے ان سے بازپرس کی جائے گی۔ پھر انسان مکلف ہو کر کس طرح بچ سکتا ہے۔

مقصودِ بیان معجزہ فرمائشی نازل نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز توحیدِ الٰہی اور صدقِ نبوت اور حقانیت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ ہر قسم کی محسوس اور غیر محسوس نشانی ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر بعض مصالح کے ماتحت ظاہر نہیں کرتا ہے۔ تمام جاندار انسانوں کی طرح محکوم اور گروہ در گروہ ہیں۔ جانوروں کا بھی قیامت کے دن حشر ہوگا۔ قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ مگر سمجھنے کے لئے بیدار دماغ کی ضرورت ہے۔ وغیرہ۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے ہیں اور تاریکیوں میں ہیں جس کو خدا چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ

اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر ڈال دیتا ہے کہہ دو کہ بھلا دیکھو اگر تم پر اللہ کا عذاب

اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

آپڑے یا قیامت آجائے تو کیا اللہ کے سوا اوروں کو پکارو گے اگر تم سچے ہو

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ

نہیں بلکہ اسی کو پکارو گے اور جس کو شریک ٹھہراتے تھے اس کو بھول جاؤ گے وہی اگر چاہے گا تو اس آفت کو دور کر دے گا جس کے لئے تم

مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۴۰ ع

اُس کو بھلا دو گے

تفسیر وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ لیکن آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرنے والے اور حقائقِ عالم کا انکار کرنے والے بہرے ہیں۔ اُن کے کانوں میں حق کے سننے کی صلاحیت نہیں گونگے ہیں۔ آیاتِ الٰہی کا اقرار اور خدا کی وحدانیت و ربوبیت کی شہادت دینے کی ان کی زبانوں میں قوت ہی نہیں ہے۔ وہ سرشتی کفر کی گمراہیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی روحیں تاریک اور دل سیاہ ہیں اور دماغوں میں تحیر ہے کہ باوجود اس قدر کھلے ہوئے آثارِ قدرت و عظمت کے اُن کو کچھ نہیں سوجھتا۔

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اور یہ محض خدا کی مشیت ہے۔ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ وہ قادر و مختار ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اِن آیات میں آخر رکوع تک الوہیت ذاتی و صفاتی کے چند دلائل ثبوت فطری طور پر پیش کئے جاتے ہیں اور سابق آیات میں جو فرمایا تھا کہ ہم قادرِ مطلق ہیں ہر قسم کی نشانیاں ظاہر کر سکتے ہیں مگر ان کا نزول کسی ہر معجزہ اور نشانی بے سود ہوگی۔ اس قول کے ثبوت کے لئے چند فطری نشانیاں بیان کر کے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ جب ایسی کھلی ہوئی نشانیاں ان کے واسطے مفید نہ ہوئیں تو آئندہ کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اگر دنیا میں ہی بالفرض اعمال کی پاداش میں خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے اور عذابِ الٰہی کا یقین ہو جائے تو اب بتاؤ کہ امداد و اعانت کے لئے تم کس سے بے اختیار فریاد کرو گے اور کس کو مصیبت کے دور کرنے کے لئے پکارو گے۔ اس وقت سب باطل معبودوں اور خیالی دیوتاؤں کو چھوڑ کر لامحالہ بلا اختیار خدا ہی سے امداد کی درخواست کرو گے اور مصیبت کا دور کرنا اسی کی مشیت پر موقوف ہوگا اگر وہ چاہے گا تو دور کرے گا نہ چاہے گا نہ دور کرے گا۔ رہے اور خیالی معبود تو ان کو یک قلم بھول جائیں گے اس وقت خیال نہ ہوگا کہ ان سے دعا کریں تو جب مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرنا لازم ہے پھر کیا وجہ کہ چین و امن اور عیش و آرام کے وقت اُس کو چھوڑ کر دوسرے غیر مفید اور مجبورِ محض خدا فرضی خداؤں کی پرستش کرتے ہو۔ حالانکہ فطرتًا اس بات کے قائل ہو کہ مصیبت کے وقت کوئی کام نہیں آسکتا اور کسی میں عذابِ الٰہی کو دور کرنے کی قدرت نہیں۔

مقصودِ بیان جو فطرتًا نورِ ازلی سے محروم ہیں جن کی روحیں اندھیرے میں ہیں اور جن کے دل سیاہ ہیں اُن کو ہدایت کا آفتابِ عالمتاب بھی نظر نہیں آتا۔ آیت میں خدا تعالیٰ کے قادرِ برحق اور مختارِ مطلق ہونے کی صراحت ہے اور اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ ہدایت و گمراہی سب خدا کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ وہ جدھر چاہتا ہے بندہ کا دل پھیر دیتا ہے۔ توحیدِ الٰہی اور خلاقِ عالم کی زبردست کی فطری دلیل۔ وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ اعمال کی پاداش میں عذابِ الٰہی آبھی سکتا ہے یا یہ سب فرضی باتیں ہیں تو اس کے ثبوت کے لئے دیکھو:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

ہم نے　تم سے پہلی　اُمتوں کے پاس رسول بھیجے　پھر سختی　اور تکلیف　میں اُن کو　پکڑا　کہ شاید وہ

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ

گڑگڑائیں　تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب اُن پر ہمارا عذاب آیا　بات یہ تھی کہ ان کے

قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا

دل سخت پڑ گئے تھے اور شیطان نے اُن کے وہ اعمال آراستہ کر دکھائے تھے جو وہ کرتے تھے　لیکن جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے

بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ

جو اُن کو کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے دروازے اُن پر کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُن چیزوں پر اِترا گئے جو اُن کو دی گئی تھیں　تو اچانک

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۗ

ہم نے اُن کی گرفت کر لی تب تو وہ نااُمید ہو کر رہ گئے　پھر　ظالموں کی جڑ　کاٹ دی　گئی

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اور ہر تعریف اسی اللہ کو سزاوار ہے جو دنیا جہان کا پروردگار ہے

تفسیر وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ ہم نے پہلے زمانوں میں بھی مختلف اقوام کی اصلاح کے لئے انبیاء بھیجے تھے اور اُن قوموں نے جب اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی تو:۔

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○ ہم نے قحط سالی، گرانی اور نقصانِ جان و مال اور دیگر امراض میں مبتلا کر کے اُن کی گرفت کی تاکہ وہ اب بھی خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کریں گڑگڑائیں، اس کی طرف رجوع کریں، انبیاء کی تصدیق کریں، اُن کی نصیحت پر چلیں۔ سرکشی اور طغیان چھوڑ کر اعمال کی اصلاح کر لیں۔ مگر انہوں نے ہماری آزمائش سے فائدہ نہ اٹھایا اور اعمال کی اصلاح نہ کی تو آخر:۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا۔ کیوں چھوٹی مصیبت میں مبتلا ہونے کے وقت انہوں نے خدا کے سامنے عاجزی نہ کی۔ اپنی بدکاریوں سے توبہ نہ کی اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ چھوڑی۔ درحقیقت بات یہ تھی۔

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ اُن کے دل سخت پڑ گئے تھے۔ کوئی عبرت و نصیحت ان کے لئے مؤثر نہ تھی۔ عذابِ الٰہی کے آثار دیکھنے کے بعد اُن سنگدلوں کی سنگدلی میں ایمان کی نرمی نہ پیدا ہوتی تھی اور:۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ شیطان نے اُن بداعمالوں کی بداعمالیوں کو ان کی نظر میں ایسی ملمع کاری سے پیش کیا تھا کہ ان کو حقیقت کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنی خوش تدبیری اور بدانتظامی کو ہر اچھے بُرے کام کے واسطے مؤثر حقیقی سمجھے ہوئے تھے۔ قحط سالی، افلاس و فقر، فقر و فاقہ اور نقصانِ جان و مال کو اسباب دنیوی سے حقیقی طور پر وابستہ جاننے لگے تھے۔ اُن کو قطعًا اس بات کا خیال بھی نہ پیدا ہوتا تھا کہ ان مصائب کا اصلی سبب بدتدبیری اور سوءِ انتظام نہیں بلکہ خدا کی نافرمانی ہے۔ وہی عالمِ اسباب میں مؤثر حقیقی ہے۔ اسباب کو جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے بالآخر جب۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ انہوں نے مصائب میں مبتلا ہو کر بھی اعمال کی اصلاح نہ کی اور خدا کی طرف رجوع نہ کیا اور انبیاء کی ہدایتوں

ٹھکرا دیا اور تمام وعظ و نصیحت کو طاقِ نسیان پر ڈال دیا تو ہم نے دوسرے طریقہ سے اُن کی آزمائش شروع کی:۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴿ط﴾ ہم نے اُن کے لئے ہر خیر و فلاح کے دروازے کھول دیئے۔ صحت، دولت، حکومت اور طاقت عطا کی۔ اولاد و مال، جاہ و حشم، نوکر چاکر آرام و آسائش سب کچھ اُن کو دیا۔

حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا جب وہ عیش و آرام میں پڑ کر غافل اور مست ہو گئے۔ حکومت، دولت جسمانی طاقت، اولاد کی کثرت اور رسائی عقل کے نشہ میں چور ہو کر اترانے لگے تو اس وقت ہم نے اُن کی رسّی کھینچی۔

أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ اچانک اُن کی گرفت کر لی۔ تمام عیش و آرام اُن کا خاک میں مل گیا۔ دولت حکومت کا نشہ اُتر گیا۔ جسمانی صحت و طاقت اور سب جاہ و حشم کافور ہو گیا اور اُس وقت اُن کو ہر بھلائی سے ناامیدی ہو گئی۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ انجام کار ان ظالموں کی بالکل جڑ کاٹ دی گئی۔ کوئی ان کا پانی دینا اور نام لیوا نہ رہا۔ عالم ہستی میں ان کی عزت کی نمود، دولت کا نشان، حکومت کے آثار بلکہ اُن کی ذات کا وجود بھی نہ رہا۔ اہلِ حق اور خدا کے نیک بندے اُن کے جانشین ہوئے۔ انبیاء کو فتح اور غلبہ حاصل ہوا۔ اور ظالموں کی بجائے منصفوں کو قائم کر دیا گیا۔ ہم رب العالمین ہیں۔ تمام اوصاف کمالیہ کے مالک ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لہٰذا ہم ہر ستائش وحمد کا استحقاق رکھتے ہیں نہ یہ کہ فرضی خدا اور باطل دیوتا جنھیں قدرت ہو نہ طاقت نہ تربیت عالم کی قوت۔ نہ کسی وصف و کمال کے مالک ہیں۔ نہ کسی کے خالق و رازق۔

مقصودِ بیان اس بات کی صراحت کہ مصائب و آلام، فقر و افلاس مرض و نقصان سب خدا کی آزمائش ہے۔ اسی طرح حکومت، طاقت، عزت، اولاد کی کثرت، مال کی فراوانی اور عیش و آرام بھی خدا کی طرف سے امتحان ہے۔ جس شخص نے مصیبت و راحت میں ہدایت یاب نہ ہو کر مصیبت کو بدتدبیری اور راحت کو خوش انتظامی پر محمول کیا وہ غافل ہے۔ عذابِ الٰہی میں اُس کا گرفتار ہونا یقینی ہے۔ حقیقۃً انجام کار اہلِ حق اور دیرینہ ستایانِ صداقت کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ معبود ہونے کا وہی حق ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کا مالک، رب العالمین اور قادرِ مطلق ہو۔ مخلوق کا دُکھ درد دور کر سکے۔ جو قادر و مختار نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ ظالم اور سرکش انسان کو جتنی فراخ دستی اور فارغ البالی میسر ہوگی اتنی ہی اس کے واسطے زیادہ موجبِ وبال ہوگی۔ وغیرہ

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ

کہہ دو کہ دیکھو　اگر اللہ　تمہاری　سماعت و بصارت　چھین لے　اور تمہارے دلوں پر مہر

قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

لگا دے　تو اُس کے سوا کون معبود ہے جو تم کو　یہ چیزیں　دے سکتا ہے　دیکھو ہم کس طرح　دلائل بیان

الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ۝

کرتے ہیں　پھر بھی　وہ اُن سے منہ پھیرے رہتے ہیں

تفسیر یہ بھی توحید و الوہیت کی فطری دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو اپنے ہوش و حواس کی درستگی اور عقل کی رسائی پر ناز کرتے ہو اگر خدا تعالیٰ تمہارے یہ سب ہوش و حواس اور عقل زائل کر دے، کانوں سے قوت سماعت اور آنکھوں سے بینائی اور دلوں سے

نورِ علم اور قابلیتِ فہم دور کردے تو کیا اور کوئی ایسا خدا ہے جو یہ چیزیں خدا سے چھین کر تم کو دے دیگا تو جب اس نے یہ تمام اسباب اور اسباب کی قوتیں اور ان کے نتائج عطا کئے اس کے سوا نہ کوئی دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کی جائے اور دنیا کی کامیابی و عدم کامیابی کو اپنے فہم و دانش کا نتیجہ سمجھا جائے اور اس قادرِ مطلق کی طرف سے بالکل آنکھوں پر پردے ڈال لئے جائیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ ہم کس طرح اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی وحدانیت، ربوبیت اور الوہیت کی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر وہ لوگ برابر اعراض کئے چلے جاتے ہیں تو آئندہ فرمائشی معجزات دیکھ کر کس طرح ایمان لاسکتے ہیں۔ ان سے ایمان لانے کی امید رکھنی بیکار ہے۔

مقصودِ بیان مسبب الاسباب خداوند تعالیٰ ہے۔ اسباب میں اسباب بننے کی طاقت اور تاثیر کی قوت خدا نے پیدا کی ہے۔ وہ ان اسباب کی قوتِ تاثیر اور طاقتِ فعالی بھی دور کرسکتا ہے۔ دانشمند کی ہدایت کے لئے یہ کلمات فطری کافی ہیں۔ وغیرہ

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا

کہہ دو کہ دیکھو اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری کی حالت میں یا کھلم کھلا آجائے تو کیا ظالموں کے

الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

علاوہ کوئی اور ہلاک کیا جائے گا اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ خوشخبری سُنائیں اور ڈرائیں

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پس جنھوں نے ایمان لیا اور حالت درست کرلی تو اُن کو نہ کچھ ڈر ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

آیتوں کو جھٹلایا تو اُن کی نافرمانی کرنے کی پاداش میں اُن پر عذاب کی مصیبت آئے گی

تفسیر یہ بھی مضمون سابق کا تتمہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر اچانک یا کھلم کھلا عذاب الٰہی آجائے اور دن رات میں کسی وقت آسمان یا زمین کی طرف سے کوئی مصیبت پیدا ہوجائے تو اس سے ہلاکت اور حقیقی تباہی اور وبالِ دارین انہی پر پڑے گا جو ناحق کوش خطاکار اور سرکش ہیں خدا کے نیک بندے یا تو اس تکلیف سے بچ جائیں گے یا وہ مصیبت اُن کے لئے باعثِ ثواب اور موجبِ اجر ہوگی۔ غرض یہ کہ سرکش انسان کو عذاب الٰہی کو بے خوف نہ رہنا چاہیئے۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا ہی میں اعمال کی پاداش میں اس کو تباہ کردیا جائے بلکہ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ اب رہا فرضِ رسالت اور انبیاء کا کام تو وہ کسی کو ہدایت یاب کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ نہ اُن کا یہ فرض ہے بلکہ۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔ اُن کو تو ہم صرف نجات کی بشارت اور عذاب کا خوف دلانے کے لئے بھیجتے ہیں کوئی ایمان لائے یا نہ لائے وہ سبکدوش ہیں۔

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ جو ایمان لے آئے گا رسول کی ہدایت پر چلے گا۔ اس کو قیامت کے دن نہ عذاب کا نہ گزشتہ زندگی کے برباد جانے کا غم۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ؕ اور جو لوگ حقانیت و صداقت سے انکار کرنے والے ہیں ہدایت رسول پر نہیں چلتے اُن کو ان کی نافرمانیوں کی سزا ملے گی۔ عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔ بہرحال تبلیغ احکام کے بعد خیار کا تعلق ہر شخص بھلائی برائی کا خود ذمہ دار ہے۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

مقصودِ بیان رسولِ پاک کو تسلی و تشفی، ایمان و اصلاحِ اعمال کی ترغیب، کفر و معاصی سے ترہیب، اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ضمنی حکم، وغیرہ۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ

کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ

اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى

میں فرشتہ ہوں میں اُسی پر چلتا ہوں جو وحی کے ذریعہ مجھ کو حکم ہوتا ہے کہہ دو کیا نابینا اور بینا

وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۠

برابر ہیں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے

تفسیر ماوردی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مشرکین قریش نے ہٹ کرنی شروع کی اور صرف مکابرہ کے طور پر ایسی آیات کی خواستگاری کی جو اُن کے واسطے بالکل بے سود تھیں اور نہ کوئی اسلامی فائدہ اُن سے وابستہ تھا۔ مثلاً کسی نے کہا آپ مکہ کی زمین وسیع کر دیجئے کوہ صفا سونے کا کر دیجئے۔ بعض نے کہا کہ ہم کو اتنی اتنی دولت دیجئے۔ ان تمام بیہودہ اقوال کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ۔ اے نبی آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں یہ دعویٰ تو کر نہیں رہا ہوں کہ میرے پاس خزائن الٰہی موجود ہیں اور جو کچھ تم طلب کرو گے میں دے دوں گا۔

وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔ اور نہ میرا غیب دانی کا دعویٰ ہے۔ میں نہیں کہتا کہ جو کچھ میرے مشاہدہ سے غائب ہے اور مجھے اس کے متعلق وحی بھی نہیں ہوتی ہے میں اس کو جانتا ہوں۔

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۔ اور نہ میں فرشتہ ہونے کا مدعی ہوں اور فرشتوں کی طرح عالم کی خدمت پر مامور ہوں کہ آسمانوں پر چڑھتا اترتا ہوں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۔ میں تو اسی بات کا پابند ہوں جو وحی کے ذریعے مجھ پر نازل کی گئی ہے۔ یعنی نہ میں روئے زمین کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہوں نہ غیب داں ہوں نہ فرشتہ ہوں بلکہ ایک انسان ہوں۔ خدا نے مجھے رسالت سے سرفراز فرمایا ہے میرا قول وحی پر مبنی ہو طبعزاد نہیں ہے۔ تم کو عقل کی روشنی سے کام لینا چاہئیے کیونکہ:۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ۔ نابینا اور آنکھوں والا کور باطن اور روشن عقل رکھنے والا برابر نہیں ہو سکتا

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۔ تم اتنی سی بات پر بھی غور نہیں کرتے اور یہ کھلا ہوا فرق بھی نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہو تو پھر کیوں نابینا اور کور باطن بنتے ہو۔

مقصودِ بیان ان آیات میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت ہے۔ رسول اللہؐ کا خزانۂ قدرت کے مالک نہ تھے، فرشتہ نہ تھے، غیب داں نہ تھے۔ یعنی جو چیزیں حضورؐ کے مشاہدہ سے غائب تھیں اور وحی سے بھی آپ کو معلوم نہ ہوئی تھیں اُن کا آپ کو علم نہ تھا۔ آپ وحی الٰہی کے پابند تھے۔ [illegible] آیات میں کتنا کھلا [illegible]

دعوتِ اسلام دی گئی ہے ۔ اخوتِ اسلامیہ اور مساوات کی بھی ضمنی ہدایت کی گئی ہے ۔ حشر اجسام کی بھی وضاحت کی گئی ہے ۔ رسولؐ کو غیب داں بننے کی کارخانۂ قدرت کا مالک ہونے کی اور محسوسات میں مخفی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں وغیرہ ۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اس قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈراؤ جن کو پروردگار کے سامنے جمع ہونے کا خوف ہے کہ خدا کے سوا اُن کا کوئی حمایتی

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

ہوگا نہ سفارشی کیا عجب ہے کہ وہ پرہیزگار بن جائیں

تفسیر اے نبی تم یہ قرآن سُنا کر کافروں کو ڈراؤ اُن کو قیامت کے دن اُٹھ کر خدا کے پاس جانے سے ڈر لگتا ہے ۔ ان کا نہ وہاں کوئی دوست ہوگا نہ سفارشی ۔ تم ان کو عذابِ الٰہی سے خوف دلاؤ ۔ شاید یہ شرک چھوڑ کر مومن بن جائیں ۔

سیوطی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت نومسلموں کے حق میں نازل ہوئی تھی ۔ کیونکہ دورِ اسلامی کی ابتدائی حالت میں بعض نومسلم باوجود مومن ہونے کے اخلاقِ جاہلیت کے خوگر تھے اور ابتدا میں ان کی کافی اصلاح نہ ہوئی تھی ۔ غریب مسلمانوں سے اپنے نفوس کو برتر جانتے تھے ۔ اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حشر سے تو ڈرتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی ساتھی ہوگا ۔ نہ بغیر حکمِ الٰہی کوئی سفارش کر سکے گا ۔ لہٰذا آپ اُن کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیے ۔ مساوات کا حکم دیجئے ۔ غرور و تکبر سے منع کیجئے ۔ امید ہے کہ یہ لوگ مان لیں گے اور ان گناہوں کو چھوڑ دیں گے ۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک آیت کا حکم عام ہے ۔ نومسلموں کو بھی شامل کیا ہے اور کافروں کو بھی جو مذبذب حالت میں تھے ۔

مقصودِ بیان :۔ اس بات کی لطیف صراحت کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور بغیر حکمِ الٰہی کوئی سفارش نہ کر سکے گا ۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

جو لوگ صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں اور اُسی کی خوشنودی چاہتے ہیں اُن کو علٰحدہ مت کرو

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

نہ اُن کی جواب دہی تمہارے ذمہ ہے نہ تمہاری جواب دہی کچھ اُن کے ذمہ

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اگر تم اُن کو دور کر دو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے

تفسیر عطاء کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خلفائے اربعہ ، بلال ، سالم ، ابو عبیدہ ، مصعب بن عمیر ، جعفر ، ابن مظعون ، عمار بن یاسر ، ارقم بن ارقم اور ابو سلمہ کے حق میں نازل ہوئی ۔ حضرت سلمان اور خباب کا قول ہے کہ یہ ہمارے لئے نازل ہوئی ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت بلال ، عمار بن یاسر ، سالم بن مسعود ، صہیب اور دا قدر وغیرہ فقرائے مکہ کو کفار نے ذلیل سمجھ کر رسول پاکؐ سے درخواست کی تھی کہ اگر آپ ان ذلیل لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں ، قرآن سنیں ، ممکن ہے آپ کی باتیں سُن کر ہم ایمان لے آئیں ۔

صاحب معالم التنزیل کی روایت کے بموجب اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری بھی ان کافروں کی جماعت میں داخل تھے حضورﷺ نے اس درخواست کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اللہ کے مسلمان بندوں کو اپنے پاس آنے سے نہ روک سکتا ہوں نہ منع کر سکتا ہوں۔ یہ جواب سن کر مغرور کافر کہنے لگے کہ اچھا ایک دن اُن کے لئے مقرر کر دیجئے اور ایک دن ہمارے لئے۔ ہم کو اُن کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اُن کی اس درخواست کو مان لینے کی طرف حضورﷺ کی طبیعت میں میلان پیدا ہوا اور حضرت علیؓ کو بُلوا کر ایک گوشہ میں جا بیٹھے اور فوراً یہ آیت نازل ہوئی حضورﷺ نے کاغذ کو پھینک دیا اور فقرائے صحابہ کو جا کر گلے لگا لیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان آیات کا نزول کسی خاص واقعہ کے متعلق نہیں ہوا ہے۔ اس قسم کے واقعات متعدد پیدا ہوتے تھے۔ کیونکہ مغرور کافروں کی سرشت میں امتیاز و برتری کے جذبہ نے گھر کر لیا تھا وہ اپنے کو مافوق الانسانیت ہستیاں سمجھتے تھے ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ۔ جو لوگ صبح و شام خدا کی یاد کرتے ہیں اس سے دعا کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں (سیوطی) یا جو لوگ صبح شام نماز فریضہ ادا کرتے ہیں (ابن عباس، حسن، قتادہ) یا جو لوگ فجر اور عصر کی نماز پڑھتے ہیں (مجاہد)۔

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ اور محض خوشنودی خدا کے طالب ہیں۔ آپ ان کو اپنے پاس سے نہ نکالئے۔ آپ کا وہ کیا بگاڑتے ہیں۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ نہ آپ اُن کے ذمہ دار ہیں نہ وہ آپ کے پھر آپ اُن کو کیوں نکال کر انصاف کا خون کرنا چاہتے ہیں اور مساواتِ اسلامیہ کے خلاف کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان امتیازِ نسبی تفوق مالی اور وجاہتِ عرضی کا استیصال، مساواتِ اسلامیہ کی ہدایت۔ اس بات کی صراحت کرنا فرمان دولتمندوں اور سرکش مالداروں سے فرمانبردار مفلس اور نیکوکار غریب مسلمان خدا کے نزدیک بہتر ہیں۔ فقیر و امیر میں صرف مالی تفاوت کی وجہ سے فرق مراتب قائم کرنا اور اعزاز میں امتیاز کرنا نا انصافی ہے۔ پیغمبر کے ذمہ کسی کی جواب دہی نہیں ہے وغیرہ

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ

اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمایا تاکہ وہ یہ کہنے لگیں کہ ہماری جماعت میں سے اللہ نے انہی پر اپنا فضل کیا

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝

کیا اللہ شکرگزار بندوں کو نہیں جانتا

تفسیر کافر مغرور قریش طعن دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کیا محمدؐ! تم نے اپنی قوم میں سے انہی لوگوں کو پسند کیا ہے۔ کیا ہم میں سے خدا نے انہی کو اپنے احسان کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ کیا ایسے ہی نادار ذلیل احسانِ خدا کے مستحق ہیں؟ خدا تعالیٰ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتا ہے کہ:-

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۔ درحقیقت خدا کی آزمائش ہے خدا نے دولتمندوں کو غریبوں کے ذریعہ سے آزمایا ہے کہ وہ ان کو ذلیل سمجھ کر تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اللہ کے فضل کے لائق ہیں اور ہم سب میں سے یہی اس کام کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی دولت محض بے وقعت چیز ہے اور دولت ایمان نہایت معظم ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ اور اسی کو ملتی ہے جو اس کی قدر کرے اور اس کا احسان مانے اور شکر ادا کرے خواہ غریب ہو یا امیر، نادار ہو یا دولتمند، غلام ہو یا خود مختار حاکم سب کا اس امر میں برابر استحقاق ہے۔

مقصودِ بیان دولت، افلاس، محکومی اور حکومت سب کچھ اسلام میں بے وقعت چیز ہے۔ یہ چیزیں امتیاز و برتری کے اسباب نہیں بن سکتیں۔ اسلام اور اسلامیات میں مفلس اور دولتمند، حاکم و محکوم، غلام و آقا اور بادشاہ و فقیر کے حقوق مساوی ہیں۔ جو احکامِ الٰہی کا زیادہ پابند ہے۔ وہی معزز اور قابلِ وقعت ہے خواہ کوئی ہو۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دو تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کرنا

الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ

لازم کرلیا ہے کہ جو کوئی نادانستہ کوئی بُرا کام کرنے کے بعد توبہ کرے گا اور حالت درست کرلے گا تو

فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ

اللہ غفور رحیم ہے اسی طرح ہم تفصیل وار آیات بیان کرتے ہیں (اس سے غرض یہ بھی ہے کہ) مجرموں کا راستہ

الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ع

واضح ہو جائے

تفسیر ابن جریر نے بروایت عکرمہؓ بیان کیا ہے کہ بلال، عمار، سالم، صبیح، ابن مسعود، مقداد، مسعود، عمرو بن عبد عمرو، ذوالشمالین اور زید بن ابی یزید وغیرہ مسلمانوں کے متعلق بڑے بڑے کفار مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی، حارث بن نوفل، قرظہ بن عمرو اور بعض دیگر ائمہ کفر نے ابوطالب سے کہا کہ اگر تمہارا بھتیجا اپنے پاس سے ان ذلیل کمینوں کو دور کردے جن میں سے بعض ہمارے آزاد کردہ غلام ہیں تو ممکن ہے ہمارے دلوں میں وقعت ہو اور شاید ہم اس کی تصدیق و اتباع کریں۔

ابوطالب نے حضور والا سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اس وقت حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے کہ کاش آپ ایسا کریں۔ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت آیت وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ سے بِالشّٰكِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ آیت سنی تو خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا عذر قبول فرمایئے۔ مجھ سے نادانی میں پہلا قول سرزد ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا۔ اے نبی اگر تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو آیات الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کو سچا جانتے ہیں، تمہاری نبوت اور روز قیامت کے قائل ہیں تو۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اول عزت افزائی کے طور پر ان کو سلام علیک کرو اور پھر کہہ دو کہ خدا تم پر رحیم ہے۔ اس نے تمہارے واسطے اپنی ذات والاصفات پر رحمت کو لازم کرلیا۔ اس نے اپنی مہربانی سے فرما دیا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص سے کوئی قصور نادانی سے سرزد ہو جائے گا اور پھر وہ سچے دل سے توبہ کرے گا تو میں اس کو معاف کردوں گا اور اپنی رحمت عامہ میں داخل کرلوں گا۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ خدا تعالیٰ اپنی آیات اور فطری دلائل اور شرعی احکام اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں اور مجرموں کا راستہ صاف طور پر معلوم ہو جائے۔

مقصود بیان مسلمان کی خالص توبہ مقبول ہے۔ توبۃ النصوح سے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ گناہ نادانی کا کام ہے۔ روشنئ عقل گناہ کی اجازت نہیں دیتی۔ خدا کی رحمت عام ہے۔ خدا رحم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہر مسلمان کو پہلے سلام علیک کرنی چاہیئے اور مسلمان کو دعائے رحمت دینی چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بلند تھا۔ قرآن کے اندر توحید، تنزیہ، رسالت و قیامت کے بے شمار دلائل مفصل موجود ہیں۔ آیات فطرت سے بھی ان باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ قرآن پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ احکام الٰہی کی خلاف ورزی جرم ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ

کہہ دو کہ مجھ کو اُن کی پرستش کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو کہہ دو میں تمہاری خواہشات

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ

پر نہیں چلوں گا ورنہ گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ طبقہ میں نہ ہوں گا کہہ دو میں اپنے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اس کی تکذیب کی ہے وہ عذاب میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو بجز اللہ کے کسی کا حکم نہیں

یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ○ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

وہ حق بات بیان کرتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کہہ دو کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو

لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ

تو میرا تمہارا قصہ طے ہو گیا ہوتا اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اُسی کے پاس غیب کی

الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا

کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو کچھ تری اور خشکی میں ہے وہ اُس سے واقف ہے نہ کوئی پتہ گرتا ہے جس کا اس کو علم

یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا

نہ ہو نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہے اور نہ کوئی تر و خشک چیز ہے جو

فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○

روشن کتاب میں نہ ہو

تفسیر پہلی آیت میں بتایا تھا کہ آیات کی تفصیل سے مجرموں کا طریق کار معلوم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں ان کے رد و عمل کی وضاحت کی

جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اے نبی ان مشرکوں سے کہہ دو کہ مجھے خدا کے سوا اُن باطل معبودوں کی پرستش کی ممانعت کردی گئی ہے جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ میں تمہارے من گھڑت دیوتاؤں اور طبعزاد معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا اور نہ تمہاری خواہشات پر چل سکتا ہوں۔ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ اگر میں ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں، کیونکہ گمراہوں کی پیروی کرنی بھی گمراہی ہے اور ہدایت یافتہ گروہ سے خارج ہو جاؤں گا۔ ہدایت یافتہ لوگ غیر اللہ کی پرستش نہیں کرتے اور شرک سے بیزار رہتے ہیں۔

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي توحید و تنزیہ پر میرے پاس خدا کی قائم کردہ کھلی ہوئی دلیل موجود ہے اور مجھے اُس پر یقین ہے۔ میں کامل بصیرت رکھتا ہوں۔ تمہاری ان باطل پرستیوں سے میرے یقین میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا اور نہ ان ضلالت انگیزیوں سے میری فطری بصیرت میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مگر تم اس کو سچا نہیں جانتے۔ خدا کی توحید کو نہیں مانتے۔ عذاب و ثواب اور بعثتِ جسمانی کا انکار کرتے ہو۔ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ میں مرتبہ پیغامبر ہوں۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہوں خود عذاب دینے والا نہیں ہوں۔ نہ مجھے اس کا اختیار ہے۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ کیونکہ فیصلہ اور حکم تو صرف خدا کے قبضہ میں ہے۔ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝ وہ ہی حق فیصلہ کرتا ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے خواہ ہدایت و بیان کے ذریعہ سے ہو یا عذاب نازل کرکے کافروں کو ہلاک کرنے کے ذریعہ سے۔ فیصلہ وہی کرتا ہے۔ کسی کو کسی امر میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بہتر حق و باطل صداقت و کذب اور نور و تاریکی میں جدائی اور فیصلہ کرنے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔

قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ۔ اگر میرے قبضہ میں عذابِ الٰہی ہوتا اور مجھے اس عذاب کے نازل کرنے کا اختیار ہوتا جس کے تم فوری خواستگار ہو تو اب تک میرے تمہارے جھگڑے کا فیصلہ ہو بھی چکا ہوتا۔ میں تمہاری درخواست پر عذاب نازل کربھی دیتا اور اس جھگڑے کو ختم کرکے آرام سے ہو جاتا۔ مگر عذاب الٰہی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝ اب رہی یہ بات کہ خدا باوجود درخواست مشرکین کے عذاب کیوں نہیں نازل کرتا اور کب نازل کرے گا تو اس بات سے وہی بخوبی واقف ہے۔ اسی کو علم ہے کہ کب عذاب دینا اُن کو مناسب ہے اور کس وقت ان پر عذاب آئے گا۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں اور خزانے ہیں۔ سدی کے نزدیک خزانے اور دیگر مفسرین کے نزدیک کنجیاں مراد ہیں۔ غرض یہ کہ وہی ان غیر محسوس و غیر معقول امور کا مالک ہے جو پردۂ غیب میں ہیں۔ خواہ اُن کے وجود پر دلائل انسانی دماغ میں آسکتے ہوں یا نہ آسکتے ہوں۔ بہر حال وہی ان کا مالک اور عالم ہے۔ اُسی کے پاس اُن مخفی خزانوں کے کھولنے کی کنجیاں ہیں۔ اس کے سوا قطعی طور پر کوئی ان سے واقف نہیں۔ (اگرچہ گمان و تخمین سے لوگوں کو کسی قدر علم ہو جاتا ہے) بخاری میں بروایت عبداللہ بن عمر مروی ہے کہ پانچ چیزوں سے سوائے خدا کے کوئی قطعی طور پر واقف نہیں۔ قیامت کی تعیین، بارش کی نزول، جانوروں کے پیٹ کے اندر نر و مادہ ہونا۔ آئندہ روز کے واقعات و اعمال۔ مقامِ موت۔ مدعا یہ کہ ان پانچ چیزوں کا قطعی اور یقینی علم تو سوائے خدا کے اور کسی کو ہو نہیں سکتا اور ان کے علاوہ اور بہت سے غیب کے خزانوں کا مالک اور عالم بھی خدا ہی ہے جو انسانی دماغوں میں نہیں آسکتے اور نہ فکر بشری کی وہاں تک رسائی ہوسکتی ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ وہی کائنات بری و بحری سے واقف ہے۔ چھوٹی مخلوق ہو یا بڑی، زمین میں ہو یا آسمان میں یا فضا میں، تری میں یا خشکی میں سب کا علم اُسی کو ہے۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا۔ جو پتی درخت سے گرتی ہے اُس کی حرکت و جنبش کی کماحقہ کیفیت سے وہ واقف ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ اور جو دانہ زمین کے اندر پردۂ تاریکی میں چھپا ہوا ہے اُس کو بھی وہ بخوبی جانتا ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ کوئی تر و خشک، اچھی بری محسوس معقول زندہ مردہ آسمانی زمینی بحری و بری چیز ایسی نہیں جس کی کماحقہ کیفیت، چگونگی، مقدار، ہیئت، صورت اور کل احوال کا اندراج لوح محفوظ (یعنی علم الٰہی) میں نہ ہو۔ غرض آسمانی اور زمینی کائنات بحری اور بری موجودات، زیر زمین کی مخلوقات اور فضا کے مکنونات سے خدا تعالیٰ جزوی کلی طور پر واقف ہے۔ یہاں تک کہ تاریک و سیاہ پتھر کی انتہائی چوٹیوں پر تاریک رات میں چیونٹیوں کی چال اور حرکت کیفیت حیات رفتار حسن اور انتظام ہر ایک سب اس کے پیش نظر ہے۔ سبحان اللہ العلی العظیم۔

مقصودِ بیان توحید پر قائم رہنے کا حکم اس امر کی صراحت کہ مومنِ کامل کو بصیرتِ کاملہ اور وثوق و یقین اس حد تک ہوتا ہے کہ گویا شئ مشاہدہ اور محسوس کے ہو جاتا ہے اور یہ سب خدا کا فیضان ہے۔ فیصلہ اور حکمِ عذاب و ثواب تصرفِ حقیقی اور طاقتِ تنفیذ خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔ بڑے سے بڑے نبی تصرفِ حقیقی کا مالک نہیں۔ کوئی کسی کو تباہ نہیں کر سکتا۔ غیب کی کنجیاں خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہزاروں غیر محسوس اور غیر معقول اشیاء ایسی ہیں کہ وہاں تک فکرِ انسانی کی رسائی نہیں اور خدا ہی اُن سے واقف ہے۔ کوئی انسان یا جن یا فرشتہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا کیونکہ جس چیز کا اُن کو علم عطا کیا گیا ہے وہ غیب نہیں ہے اور جو غیب ہے اُس کا اُن کو علم نہیں دیا گیا۔ رسول پاکؐ بھی عالم الغیب نہ تھے۔ خدا کے علم اجمالی میں ہر ذرہ کی، ہر پتی کی، ہر قطرہ کی، ہر دانہ کی اور کائناتِ عالم کی ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کی تفصیل موجود ہے اور یہ علم اس کا ازلی ابدی الا سرمدی ہے۔ وغیرہ

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰٓى

وہی رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو وہ جانتا ہے پھر تم کو دن میں اُٹھاتا ہے تاکہ میعاد مقررہ

اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾

پوری ہو جائے پھر اُسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر وہی تم کو تمہارے کئے ہوئے اعمال بتا دے گا

تفسیر گزشتہ آیات میں علاماتِ قدرت اور وسعتِ تصرفات دکھا کر توحید و تنزیہ کی طرف انسانی دماغوں کو متوجہ کیا تھا۔ ان آیات میں ایک سلم اور ناقابلِ انکار مثال دے کر بعثتِ جسمانی کو ثابت کیا جا رہا ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ تم جو راتوں کو عموماً سوتے ہو تو خدا ہی درحقیقت تم کو مردہ کرتا ہے۔ یعنی یہ نیند نہیں بلکہ موت ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ خدا ہی نیند میں تمہارے حواسِ ظاہری اور بعض حواسِ باطنی معطل کر دیتا ہے۔ روحِ تمیزی کو بدن سے خارج کر کے جسم کو روحِ ممیز سے خالی کر دیتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور عموماً دن میں جو تم کمائی کرتے ہو تجارت زراعت صنعت حرفت یا کسی اور ذریعہ سے جو کچھ کماتے ہو اُس سے بھی خدا خوب واقف ہے۔ تمہاری بیداری اور خواب، دن اور رات، حیات و ممات کی کوئی حالت اُس سے مخفی نہیں۔ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ جب نیند کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو تم کو اُٹھا دیتا ہے: روحِ تمیز واپس کر دیتا ہے اور پھر از سرِ نو حواس کو تیز کر دیتا ہے اور یہ شب و روز کا دورہ اور تمیز و تعطیل کا چکر صرف اس لئے ہے کہ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى زندگی اور عمر کی جو مقررہ مدت ہے وہ پوری ہو جائے اور صبح و شام کے دور سے عمر تمام ہو جائے۔ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ پھر جب روحِ حیات کے نکلنے کا وقت آئے گا تو سب کو خدا کے پاس ضرور جانا ہو گا اور اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر حضورِ الٰہی میں پہنچنا ہو گا۔ جب سب لوگ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وہی ہر ایک کو اس کے اعمال و افعال بتا دے گا اور اعمال کے بموجب سزا دے گا۔

ابن عباسؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک فرشتہ ہے۔ جب انسان سوتا ہے تو فرشتہ اس کی روح (یعنی روحِ تمیز) لے لیتا ہے۔ اب اگر خدا نے اس کی روح (حیات) قبض کرنے کا حکم دے دیا تو موت آ جاتی ہے ورنہ فرشتہ روح (تمیز) کو واپس کر دیتا ہے۔ آیت يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ کا یہی مطلب ہے (رواہ ابوالشیخ و ابن مردویہ)

غرض یہ کہ جب خدا روزانہ ہر شخص کی روحِ ممیزہ قبض کر لیتا ہے اور پھر حیات کا دورہ کرنے کے لئے واپس کر دیتا ہے اور بالآخر مدتِ زندگانی ختم ہو جانے کے بعد روحِ حیات قبض کر لیتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ جو خدا ہزاروں لاکھوں مرتبہ روح قبض کر چکا ہو اور ہزاروں لاکھوں مرتبہ روح دے چکا ہو وہ قیامت کے دن مخلوق کے حشر نشر اور عذاب و ثواب پر قادر ہو۔ جب بارہا وہ حواس کو معطل کر کے لوازمِ حیاتِ انسانی ہستی سے زائل کر چکا اور پھر دے چکا تو کیا وجہ

روحِ حیات کو قبض کرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی نہ دے سکے۔

مقصودِ بیان روحِ حیات کا روحِ تمیز پر قیاس، حشر نشر کا مدلل ثبوت، بعثتِ جسمانی کی پُرزور صراحت، اس بات کی وضاحت کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ

وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ

آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے پھر سب کو اُن کے مالکِ حقیقی کے پاس لَوٹا کر لے

الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝

جایا جائے گا سُن رکھو بس اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے زیادہ جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر ان آیات میں دوسری نوعیت سے قدرتِ الٰہی کی وسعت اور حشر و نشر کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ خدا ہی اپنے بندوں کے تمام امور میں متصرف ہے۔ زندگی اور موت ایجاد بقا عذاب و ثواب سب اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ تمام مخلوق اُسی کے حکم میں مسخر ہے۔ وہی سب پر غالب اور محیط ہے۔ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً۔ حفظہ سے مراد سدی کے نزدیک وہ فرشتے ہیں جو انسانی اعمال کے نگراں ہیں۔ صبح کو آنے والے مغرب تک رہتے ہیں اور مغرب کو آنے والے صبح تک رہتے ہیں۔ دن کے الگ ہیں اور رات کے الگ۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ تمہاری زندگی کی حالت تمہارے اعمال کی نگہداشت اور حساب کتاب کی غرض سے اپنے فرشتے بھیج دیتا ہے۔ جو ہر عمل اور ہر قول کو لکھتے ہیں اور انسان کی ہر حرکت و سکون اور نیند و بیداری کی کیفیت برابر جمع کرتے جاتے ہیں۔ دیگر مفسرین کے قول پر حفظہ سے مراد وہ فرشتے ہیں کہ جن کا ذکر آیت لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ الخ میں کیا گیا ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ زمین کے چوتھے طبقہ کے اوپر جنات ہیں کہ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو اُن کے ہوتے ہوئے کوئی روشنی دکھائی نہ دے لیکن زمین کے ہر گوشہ پر اللہ تعالیٰ کی مہروں میں سے ایک مہر لگی ہوتی ہے اور ہر مہر کے ساتھ ایک فرشتہ ہے الخ (رواہ ابن ابی حاتم ویفہم من تفسیر الحافظ) اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ کچھ فرشتے محافظ بھیجتا ہے جو انسانی بدن کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور مدتِ حیات میں اس کو تمام بلیات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ لیکن جب مرنے کا مقررہ وقت آجاتا ہے اور مدتِ زندگی ختم ہونے لگتی ہے تو عزرائیل اور ان کے مددگار فرشتے جو خدا کے فرستادہ ہوتے ہیں پہنچ کر لوگوں کی روحیں قبض کر لیتے ہیں (ابن عباسؓ) وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ اور یہ فرشتے اپنے فرض کی ادائگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ قبل از وقت کسی کو نہیں مارتے۔ بعض کی رائے ہے کہ فرشتے حفاظتِ اعمال میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی لکھتے وقت کسی کی نیکی یا بدی میں کمی نہیں کرتے۔ ابن کثیر کا قول ہے کہ متوفی کی روح کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کرتے بلکہ حفاظت سے جہاں مشیتِ الٰہی ہوتی ہے وہیں پہنچا دیتے ہیں۔ بہتر اور جامع تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی۔ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ پھر ہر ایک کو خدا کے پاس لے جایا جاتا ہے یا قیامت کے دن لے جایا جائے گا جو واقعی سب کا مالک اور حقیقی عادل ہے أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝ وہی ہر ایک کی نیکی بدی اور عذاب ثواب کا فیصلہ کرے گا۔ اُسی کا حکم دنیا میں نافذ ہے اور وہی سب کے اعمال کا جائزہ لے گا۔ کل آیات کا حاصل یہ نکلا کہ خدا ہی نے سب کو پیدا کیا رفتہ رفتہ ارذل عمر تک پہنچا دیا۔ انحطاط کرتے کرتے انجام کار موت بھیج دی روح کو قبض کر لیا اور پھر سب کو اپنے پاس بلائے گا۔

اور ہر ایک کے اعمال کا فیصلہ کرے گا اور کل باتوں کا ذرا سی دیر میں جائزہ لے گا۔

مقصود بیان وسعتِ قدرت اور احاطۂ تصرف کا اظہار، ایجاد و ابقاء سے ازالہ اور اعادہ پر استدلال، تصرف و تربیت کی ہمہ گیری دکھا کر حشر و نشر، حساب و کتاب اور عذاب و ثواب کا اثبات وغیرہ۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ

کہہ دو کہ خشکی و تری کے اندھیروں میں سے تم کو کون نجات دیتا ہے کہ تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو کہ) اگر

اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا

اس نے ہمیں بچا لیا تو ہم ضرور شکرگزار بن جائیں گے کہہ دو کہ اللہ تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ

بچاتا ہے پھر تم شرک کرنے لگتے ہو کہہ دو وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ

اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تم کو گروہ گروہ کر کے بھڑا دے اور ایک کو ایک

بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

کی لڑائی کا مزہ چکھا دے دیکھو ہم کس طرح پھیر پھیر کر آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھ جائیں

تفسیر مولفِ تفسیر سراج کا قول ہے کہ ظلمات بر و بحر سے شدائد و مصائب مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ظلمات سے حقیقی اور اصلی معانی مراد لیے جائیں تب بھی معانی ٹھیک رہیں گے بلکہ بہتر ہو جائیں گے۔ کیونکہ عرب والے جنگلوں میں اور سمندر میں تجارت کے لیے سفر کیا کرتے تھے۔ سمندر کے اندر جو تاریکیاں ہوتی ہیں وہ تو ظاہر ہی ہیں۔ ابر کی تاریکی رات کی تاریکی اور اُن کثیف بے پایاں بخارات کی تاریکی جو فضائے سمندر پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں اور عرب کے جنگلوں کی تاریکیوں سے وہی لوگ واقف ہیں جنہوں نے افریقہ کے یا عرب کے لق و دق بیابانوں میں تاریک راتوں میں اندھیری گھٹاؤں میں سفر کیا ہے۔ گھٹاٹوپ ابر، رات کا سفر، لق و دق جنگل، سیاہ سیاہ کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ، یہ سب مل کر عجیب قسم کی تاریکی پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی حالت کو قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ:۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ جب تم دریائی اور خشکی کے سفر میں شدائد نفسانی اور تاریکیوں کے ہولناک مناظر سے ڈر کر معبودِ حقیقی کی طرف رجوع کرتے ہو اور اُس وقت تمام دیویاں دیوتا اور ہو ہو کا رنگ ڈھنگ چھوڑ کر منہ پھیر کر اسی کارسازِ حقیقی سے دعا کرتے ہو۔ تضرع کرتے ہو اور پُر خلوص دل سے اسی کو پکارتے ہو اور عاجزی کے ساتھ استدعا کرتے ہو۔ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ اگر خدا نے ہماری مشکل کشائی کر دی اور یہ شدائد دور کر دیئے اور ہم کو صحیح سالم بچا لیا تو ہم اس کے شکرگزار بندوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور ہمیشہ شکر ادا کریں گے۔ تو بتاؤ کہ ایسے آڑے وقت میں کون تمہارے کام آتا ہے کون تم کو مصائب سے بچاتا ہے اور کون تمہاری فریاد رسی کرتا ہے۔ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ خدا ہی تم کو ان شدائد

سے بچاتا ہے بلکہ ہر مصیبت کو وہی دور کرتا ہے اس کے سوا کوئی اور طاقت تمہاری امداد نہیں کر سکتی مگر نجات پانے اور بچ جانے کے بعد ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ تم تمام اقرار توحید عظمت اور کبریائی اور امداد و اعانت سب کچھ بھول کر اس نجات کو اسباب دنیوی کی طرف منسوب کرتے ہو۔ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو اور دیویوں دیوتاؤں پر نذر نیاز چڑھاتے ہو اور تو یہ اقرار و عدے سب کچھ فراموش کر دیتے ہو۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا کی گرفت سے باہر کس طرح ہو سکتے ہو۔ شدائد سفر سے بچنے کے بعد بھی خدا کے قبضہ سے خارج نہیں ہو سکتے۔ وہ واحد یکتا تم کو ہر طریقہ سے فنا کر سکتا ہے۔ آسمان سے عذاب نازل کر کے بھی تباہ کر سکتا ہے۔ پتھر برسا سکتا ہے۔ ژالہ باری کر کے برباد کر سکتا ہے زمین کے اندر سے بھی اسباب ہلاکت پیدا کر سکتا ہے۔ زمین میں زلزلہ پیدا کر کے کوئی مہیب آواز پیدا کر کے زمین کے اندر سے تیز و تند بخارات نکال کے، زمین میں خسف پیدا کر کے اور ہزاروں طریقوں سے ہلاک کر سکتا ہے (مجاہد سعید بن جبیر، ابو مالک، سدی، ابن زید، ابن جریر، سیوطی وغیرہ) پھر اگر ان اسباب میں سے کوئی سبب اس نے نہ پیدا کیا تو ہلاکت کے لئے ایک معمولی سبب یہی نمودار کر سکتا ہے کہ تمہارے آپس میں تفرقہ، گروہ بندی اور نفاق پیدا کر دے جس کی وجہ سے تم آپس میں ہی ایک دوسرے کو تکلیفیں دے کر فنا کر ڈالو۔ بخاری میں بروایت جابر بن عبد اللہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آیت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوئی تو رسول پاک نے دعا کی اعوذ بوجہك پھر اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ کا لفظ نازل ہوا تب بھی حضورؐ نے یہی فرمایا لیکن جب اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا الخ نازل ہوئی تو فرمایا یہ نرم اور آسان ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ والا اگر اس سے بھی پناہ مانگتے تو اللہ تعالیٰ پناہ دے دیتا۔ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ حضورؐ کی دو دعائیں قبول ہوئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ یہ استدعا بھی منظور ہو گئی کہ اُمتِ محمدیہ پر کسی غیر کا عمومی تسلط نہ ہو گا یہ بھی دعا قبول ہوئی کہ عمومی قحط سے مسلمان ہلاک نہ ہوں گے مگر مسلمانوں میں نفاق و خلاف پیدا نہ ہونے کی دعا مقبول نہ ہوئی۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ۝ اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہم طرح طرح سے لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ ان کو سمجھ آجائے اور وہ ہماری قوت کی ہمہ گیری تصرف کی بے انتہائی اور تفرید ذات و توحید صفات کے قائل ہو جائیں۔

مقصود بیان مصنوع سے صانع پر استدلال، اس بات کی وضاحت کہ ہر شخص فطرۃً وحدت پرست واقع ہوا ہے۔ ایک کارساز حقیقی واحد لاشریک کا اقرار ہر شخص کے ضمیر میں مخمر ہے مگر جاہل بے شعور ظاہری مصائب کو دور کرنے کی تو خدا سے التجا کرتے ہیں۔ گویا کہ وہی اصلی فطرت کی آواز نکالتے ہیں لیکن مصیبت کے دور ہو جانے کے بعد آواز فطرت کو دبا دیتے ہیں اور مسبب کو چھوڑ کر اسباب کو تمام نتائج کی علت تامہ قرار دیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ مصائب کا حصر فقط انہی پیش آئے ہوئے مصائب میں نہیں ہے۔ اوپر نیچے سے بے انتہا آفات کا نزول ہو سکتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپس کا نفاق و شقاق کچھ کم عذاب نہیں کیونکہ یہی سینکڑوں آفات و مصائب کا پیش خیمہ ہو پھر خدا سے استغنا اور غیروں کو شریک ٹھہرانا کس قدر حماقت ہے۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ

تمہاری قوم نے قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ برحق ہے کہہ دو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے

وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

اور عنقریب تم کو علم ہو جائے گا اور جب تم دیکھو کہ ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کرو

حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

تاوقتیکہ وہ کسی دوسری باتیں میں نہ لگ جاویں اور اگر شیطان تم کو فراموش کراوے تو یاد ہونے کے

بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ

بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور جو لوگ پرہیز کرتے ہیں اُن کے ذمہ ان کا حساب

مِّنۡ شَىۡءٍ وَّلٰـكِنۡ ذِكۡرٰى لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝

نہیں ہے صرف نصیحت کرنا ہے شاید یہ بھی بچ جائیں

تفسیر

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَـقُّ ؕ مگر اے محمدؐ! تمہاری قوم اس حق و صداقت کا انکار کرتی ہے اور قرآن کو جھوٹا کہتی ہے اور واقع ہونے والے عذاب کی منکر ہو کر پوچھتی ہے کہ کب آئے گا۔ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝ اے محمدؐ! تم ان سے کہہ دو کہ میں ذمہ دار اور داروغہ بن کر تو آیا نہیں ہوں، نہ عذاب کے واقع کرنے کی خدمت پر معین ہوں۔ خدا ہی کو خبر ہے کہ کب واقع ہوگا۔ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہر خبر کے واقع ہونے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے اور وہ خدا کے علم میں ہے۔ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ‌ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ باقی جس وقت اس کا ظہور ہوگا تو سب دیکھ کر پہچان لیں گے۔ اور یہ سب کچھ دور نہیں ہے۔ وَاِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ؕ اس آیت میں اگرچہ خطاب رسول پاکؐ کو ہے مگر ہر فرد مسلمان کو حکم عام ہے (سیوطی) مطلب یہ ہے کہ اگر کافر بے دین فاسق آیات قرآنی کے معانی میں گڑبڑ کرنے کے لئے غور و خوض کر رہے ہوں اور معنی میں بے جا تاویلیں کرتے ہوں اور جاہلوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے غلط معانی بیان کر رہے ہوں تو اس وقت تک اُن کے جلسوں میں شریک نہ ہو۔ ان کی صحبتوں میں نہ بیٹھو۔ ان سے بالکل الگ رہو جب تک وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں

وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ اور اگر شیطان کے بہلاوے سے بھول کر ایسا اتفاق ہو جائے تو یاد ہو جانے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ بیٹھے نہ رہو۔ یہ ناحق کوش ہیں۔ ناجائز طور پر اسلام کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اُن کے جلسوں میں شریک ہونا اور اسلام پر طعنہ زنی ہونے دیکھنا اور پھر وہیں بیٹھا رہنا بالکل ناروا ہے۔ وَمَا عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّلٰـكِنۡ ذِكۡرٰى لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝ اوپر کی آیات میں جب کفار کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی تو مسلمان کہنے لگے کہ اگر ہمیشہ ایسا ہوتا رہے کہ جب کافر قرآن کا مذاق اُڑانا شروع کریں اور غور و خوض شروع کریں اور ہم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوں تو پھر ہم مسجد میں کس طرح بیٹھ سکتے ہیں اور کعبہ کا طواف کس طرح کر سکتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (سیوطی)۔

درحقیقت بات یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں کو کافروں کے جلسوں میں شریک ہونے اور اُن کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی تو اب وعظ و نصیحت کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو فکر ہوئی کہ اگر ہم ان کے جلسوں میں شریک نہ ہوئے تو تبلیغ احکام اور وعظ کس طرح کریں گے اور ممانعت نہ کرنے پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا اس سوال کے حل کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ جو کوئی جیسا کرے گا اس کا حساب اس کے ذمہ ہوگا اُن کی بداعمالیوں کا محاسبہ تم سے نہ ہوگا۔ تمہارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔ اُن کو وعظ کرو، بدکاری اور شرک سے منع کرو ممکن ہے کفر و شرک چھوڑ دیں۔ حاصل یہ کہ اُن کے جلسوں میں شریک ہونا اگرچہ ناجائز ہے مگر اسی وقت جبکہ وہ قرآن کا مذاق اُڑا رہے ہوں۔ اسلام کی توہین کر رہے ہوں اگر تبلیغ اسلام دعوتِ ایمان اور پند و نصائح کے واسطے شریک ہونا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اُن کی بداعمالیوں کا نتیجہ اُن کو اُٹھانا ہوگا۔ تم سے اس کا کیا واسطہ تمہارا فرض نصیحت کرنا ہے۔

مقصدِ بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کسی کو تباہ کر ڈالنا یا نافرمانوں پر عذاب نازل کرنا نہ تھا اور نہ حضورؐ کو نزولِ عذاب کا مقررہ وقت معلوم تھا۔ نہ قیامت کا قطعی علم تھا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو تباہ کرنے کے ذمہ دار تھے شریعت کی توہین کرنے والوں اور قرآن کا مذاق اُڑانے والوں کی صحبت سے بچنے کی ہدایت۔

آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھول چوک معاف ہے۔ قابلِ گرفت وہ گناہ ہے جو جان کر بالارادہ کیا جائے۔ کا فرمان اور مقصود اس کے

ساتھ بیٹھنا اور اُن کو نصیحت نہ کرنی حرام ہے۔ تبلیغ فرض ہے۔ وغیرہ

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ

اور جن لوگوں نے اپنے مذہب کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگانی نے ان کو فریب دے رکھا ہے انکو چھوڑ دو اور قرآن کے

أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

ذریعہ سے نصیحت کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوت کے عوض گرفتار نہ ہو جائے اور سوائے اللہ کے اُس کا نہ کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی

وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا

اور اگر ہر طرح کا معاوضہ بھی دے تب بھی نہ لیا جائے ایسے لوگ اپنے کئے کے وبال میں گرفتار ہوں گے

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ع

اُن کے پینے کی چیز کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے

تفسیر یہاں سے انتہاء آیات تک کفار سے بے اعتنائی کرنے اور اُن کی طرف التفات نہ کرنے کا دل حکم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:- وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا - اے نبی! تم ان کافروں کو چھوڑ دو۔ ان کے دنیوی ساز و سامان شان و شوکت اور دین کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو جنھوں نے قرآن و حدیث کو مذاق بنا رکھا ہے۔ قرآن پر غور و خوض صرف مذاق اُڑانے کے لئے کرتے ہیں۔ طلب حق مقصود نہیں ہوتی۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا یہ دنیوی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں اور اسی فانی زندگی سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بس اسی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ حشر نشر سزا جزا اور حساب کتاب کے قائل نہیں۔ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ - تمہارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔ حکم قرآنی کے مطابق نصیحت کرو تاکہ کوئی اپنے اعمال کی پاداش میں اخروی ہلاکت کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائے (مجاہد، عکرمہ، حضرت سدی) اور قیامت کے دن رسوا نہ ہو (ابن عباس بروایت والبی) اور گناہوں کی سزا میں ماخوذ نہ ہو (ابن زید) یا مرہون نہ ہو (قتادہ) کیونکہ قیامت کے دن لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ - کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا کہ خدا کے عذاب سے زبردستی بچا سکے اور نہ کوئی ایسے کافروں کی سفارش کرنے والا ہوگا۔ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اور اگر کوئی انتہائی تاوان یا بدلہ یا فدیہ دے کر چھوٹنا چاہے گا اور بجائے جسمانی سزا کے جرمانہ ادا کرنے کا بالفرض خواست گار ہوگا تو یہ بات بھی قبول نہ کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی بلکہ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا جو لوگ اپنے اعمال کی پاداش میں ماخوذ ہوں گے اور اپنے کرتوت کے ہاتھوں تباہی میں پڑیں گے۔ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ اُن کے لئے خصوصیت کے ساتھ کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا اور سخت عذاب رہنے کو ہوگا اور یہ تمام سزا ظلم کے ساتھ نہ ہوگی۔ خواہ مخواہ اُن کو عذاب نہ دے گا بلکہ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ یہ انہی کی کفر شعاری اور شرک پرستی اس عذاب کی کفیل ہے۔ خدا ظالم نہیں کہ بغیر کفر کئے کسی کو اس قدر عذاب دے۔

مقصود بیان عبادت کو شہوت پرستی کا ذریعہ اور مذہب کو تفریحی مشغلہ کرلینے کی ممانعت، اہل اسلام کے پیش نظر مفادِ آخرت ہونا چاہیے۔ صرف دنیوی عیش پر ہمت کو مقصور کر لینا ممنوع ہے۔ کافروں کی شان و شوکت، دولت و مال اور جاہ و حشم سے مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ اور نہ اُن کے طعن و تشنیع سے مجروح ہو کر جذبات کو مشتعل کرنا چاہیے خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی سزا دے گا۔ مانع میں بد اعمالی ہی عذاب کی کفیل ہے۔ وغیرہ

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہہ دو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان اور کیا جب اللہ ہم کو راہ راست دکھا چکا تو ہم

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ

ایڑیوں کے بل لوٹ جائیں جیسے کسی شخص کو شیطان نے بے راہ کر دیا ہو ملک میں وہ سرگرداں (پھر رہا) ہو اس کے

لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا ؕ

ساتھی اس کو پکار رہے ہوں کہ ہمارے پاس راہ پر آجا

تفسیر مفسر سدی کہتے ہیں کہ جب مشرکوں نے مسلمانوں کو مرتد ہونے کی دعوت دی اور بسلسلہ اغوا کے کہا کہ تم ہمارے دین کی پیروی کرو اور محمد کے دین کو چھوڑ دو تو یہ آیت کمل نازل ہوئی۔ گزشتہ سلسلہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بے دین لوگ مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں پر آوازیں کستے ہیں۔ ان آیات میں غیر مسلموں کے مذہب کی مدلل تردید کی جاتی ہے کہ۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ قابل اطاعت اور لائق عبادت وہ معبود ہو سکتا ہے جو پرستش کرنے والے کو مضرت یا فائدہ پہنچا سکے۔ جس معبود میں نقصان رسانی اور فائدہ بخشی کی طاقت نہ ہو وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔ چونکہ کافروں کے معبودوں میں ان دونوں میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں۔ نہ وہ اپنے پرستاروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پھر کس طرح قابل پرستش خیال کئے جا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان کافروں سے کہدو کہ جو چیز ہم کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتی جس سے نہ ہم کو خوف ضرر ہے، نہ امید نفع تو پھر کس طرح ہم اس کی پرستش کر سکتے ہیں اور کیوں ہدایت یاب ہونے کے بعد کفر کی طرف الٹے پاؤں ایڑیوں کے بل لوٹ سکتے ہیں۔ اگر ہم ہدایت یاب ہونے کے بعد گمراہی اختیار کریں گے اور مقدس اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ بن جائیں گے تو تباہ ہو جائیں گے کیونکہ اسلام لانے کے بعد شیطانی اغوا سے مرتد ہو جانے والوں کی مثال ایسی ہے۔

كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ص لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا ؕ جیسے کوئی شخص عقل و دانش رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود اس کو آسیب کا خلل ہو جائے اور کوئی جن اس کو جنگل بیابان میں راستہ بھلا دے اور وہ حیران پریشان گھبرایا ہوا چکر لگاتا پھرے اور اس کے ساتھی اس کو پکار رہے ہوں کہ ادھر آجا یہ سیدھا راستہ ہے۔ سو اگر اس نے اس وقت بھی عقل سے کام لیا اور ساتھیوں کی آواز پر چل دیا تو جان بچ جائے گی ورنہ یونہی بھٹکتا پھرے گا اور بالآخر کسی کھائی خندق میں گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونے والوں کی مثال ہے۔ اگر شیطان کی پیروی انہوں نے اختیار نہ کی اور سیدھے راستہ پر قائم رہے تو نجات آخرت ہو جائے گی ورنہ حیران پریشان [illegible] پھر کے اور آخرت میں دوزخ کے غار میں گر کر حیات حقیقیہ سے محروم ہو جائیں گے۔

مقصود بیان مستحق عبادت وہی ذات ہو سکتی ہے جس میں نفع رسانی اور فائدہ بخشی کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نفع نقصان پہنچانے کی حقیقی قوت نہیں۔ اس لئے کوئی مستحق عبادت نہیں۔ راہ اسلام سبیل فطرت اور طریق نجات ہے۔ اس کے علاوہ تمام پگڈنڈیاں آدمی کو منزل مقصود تک پہنچانے سے قاصر ہیں بلکہ انسان کی گمراہی و گمراہی کا ذریعہ ہیں جن پر چلنے کا انجام ہلاکت تباہی اور حیات [illegible] سے محرومی ہے۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ وَأَنْ أَقِيمُوا

تم کہہ دو کہ اللہ ہی کی ہدایت درحقیقت ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ پروردگار عالم کے فرمانبردار رہیں اور یہ (بھی فرمایا گیا ہے) کہ نماز ٹھیک

الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوهُ ۚ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

ٹھیک پڑھو اور اس سے ڈرو اسی کے پاس تم کو جمع کیا جائے گا اسی نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت سے

وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ

پیدا کیا اور جس دن وہ کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا تو ہو جاتی ہے اس کی بات سچی ہے جس دن صور پھونکا جائے گا

يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اسی کی حکومت ہوگی وہ کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے وہی صاحب تدبیر باخبر ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں غیر مذاہب کی مدلل تردید تھی۔ اس آیت میں اصل مقصود کا اثبات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمام دیگر مذاہب کا بطلان ثابت ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ تمام غیر مذاہب کا انجام حیرانی پریشانی تباہی اور بربادی ہے تو ظاہر ہوگیا کہ راہ فطرت اور طریقۂ نجات صرف اسلام ہے۔ موجب ہدایت صرف وہی قانون ہوسکتا ہے جو خدا کا بنایا ہوا اور جاری کیا ہوا ہو عقل و دانش اور نقل و روایت کے موافق ہو۔ انسانوں کا بنایا ہوا طبعزاد قانون سبب فلاح اور موجب نجات نہیں ہوسکتا اور چونکہ تمام دیگر مذاہب راہ فطرت ظاہر نہیں کرتے اور عقل و دانش کے خلاف ہیں اس لئے سوائے اسلام کے کوئی مذہب حصول سعادت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ دراصل قانون ہدایت میں دو باتیں ہونی ضروری ہیں۔ اعتقاد کی درستگی اور اعمال کی بہتری اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ ہم کو خدا کی طرف سے حکم ہوگیا ہے کہ اسی پروردگار اور خلاق عالم کے سامنے سر عبودیت خم کریں جو تمام عالم کا موجد اور باقی رکھنے والا ہے۔ اس کی توحید کو مانیں اور اس کے کل احکام پر ایمان لاکر عمل کریں خصوصاً نماز کو تو پابندی اوقات و شرائط کے ساتھ نہایت خشوع و خضوع سے ادا کریں اور ہر قول و فعل حرکت و سکون، خواب و بیداری، رفتار و گفتار اور نشست و برخاست میں اس کے احکام پر چلیں اور ممنوعات سے اجتناب رکھیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہی مبداء و معاد اور اول و آخر کا مالک ہے۔ اسی کے پاس سب کو وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ قیامت کے دن جانا اور حساب کتاب کے بعد جزا سزا بھگتنی ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مفید طریقہ پر پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں کوئی نقص نہیں چھوڑا۔ پھر جب یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا تو دوبارہ وہ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ خود جب اُن کو نیستی سے ہستی میں آنے کا حکم دے گا تو فوراً بلا تامل اور بغیر توقف کے تمام عالم پھر پیدا ہو جائے گا۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ لامحالہ اس کا حکم پورا ہوگا۔ کسی کو انحراف و سرتابی کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ جس چیز کو وہ دوبارہ پیدا ہو جانے کا حکم دے گا وہ پیدا ہو جائے گی اور فقط پیدا ہی نہیں ہو جائے گی بلکہ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ کل عالم کا واحد مختار ہوگا۔ اسی کی بادشاہت آنکھوں سے نظر آئے گی۔ دنیا میں جو لوگ ملکیت اور ملوکیت کے دعویدار اور حکومت کے نشان بردار تھے اُن میں سے کوئی دعویٰ نہ کر سکے گا۔ امر اور نفاذ امر کا مالک وہی اللہ ہوگا۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ باطن و ظاہر کا اسی کو علم ہے۔ اس کے افعال مصالح سے لبریز ہیں۔ تمام عالم کی کیفیت، کیت، چگونگی اور حالت و صورت و ہیئت کی اس کو خبر ہے۔ غرض یہ کہ پیدائش بقائے حیات اور معاد کا وہی مالک مختار اور واحد لاشریک لہ ہے۔ اس لئے ہم کو اس کی اطاعت کرنے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے کا امر دیا گیا ہے۔

مقصودِ بیان

توحید ذاتی و صفاتی کا بیان۔ خدا تعالیٰ کی خلاقیت اور مبدا و معاد کی ملکیت کا اظہار۔ اس بات کی صراحت کہ دینِ الٰہی وہی ہو سکتا ہے جو مطابقِ فطرت ہو۔ قانونِ فطرت کی مخالفت کرنے والا کوئی مذہب دینِ الٰہی نہیں بن سکتا ورنہ واجب العمل اور قابلِ پذیرائی ہو سکتا ہے۔ وغیرہ۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو میں تم کو اور تمہاری قوم کو صریح

فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

گمراہی میں دیکھتا ہوں اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے۔

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا

تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں چنانچہ جب رات چھا گئی تو انہوں نے کوئی ستارہ دیکھا بولے یہ میرا رب

رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ

ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانے والوں سے دوستی نہیں کرتا پھر جب چاند کو چمکتا دیکھا تو بولے یہ میرا

هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

رب ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اگر میرا رب مجھے سیدھا راستہ نہ بتائے گا تو میں ضرور گمراہ

الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا

ہو جاؤں گا غرض جب آفتاب کو جھلکتا دیکھا تو بولے یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے لیکن جب

أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي

وہ بھی چھپ گیا تو بولے اے میری قوم میں تمہاری شرک انگیزیوں سے بیزار ہوں میں نے اپنا رخ اسی کی طرف یکسو ہو کر پھیر لیا

فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کے والد کے نام میں اہل تاریخ کا بہت بسیط اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کے قول کے موافق آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نہ تھا بلکہ تارح تھا آزر بت کا نام تھا۔ مجاہد اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے غیر معمولی تفصیل و تحقیق کے بعد بیان کیا ہے کہ ممکن ہو حضرت ابراہیمؑ کے والد کے دو نام ہوں۔ آزر اور تارح یا آزر نام ہو اور تارح لقب۔ ابن کثیر نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر

میں کہا ہے کہ ابراہیمؑ آزر کے بیٹے تھے، جن کا نام توریت میں تارح ہے۔ مؤلف تفسیر سراج کہتے ہیں کہ یہی بہتر ہے۔ میرے نزدیک ابن جریر کا آخری فقرہ قابلِ ترجیح ہے۔ چونکہ اکثر اہلِ عرب اور یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کے اتباع کے دعویدار تھے اور ہر فرقہ آپ کو ہادی اور مقتدا جانتا تھا اور عرب مستعربہ کا تعلق اور ابتدا تو حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم ہی سے ہوئی تھی جو حجاز نجد تہامہ وغیرہ میں آباد تھے۔ اس لئے اِن آیات میں بُت پرستوں، ستارہ پرستوں، وجاہت پرستوں اور ملوکیت پرستوں کے خیالات، عقائد اور جذبات مذہبی پر ایک مدلل کاری ضرب لگا کر اعلانِ توحید کیا جاتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے ملفوظات پیش کر کے فطرتِ انسانی کی مخالفت کرنے والوں کے تراشیدہ اقوال کا رد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بابل اور نینوا (کوفہ مع قرب و جوار) کا حاکم نمرود بن کنعان تھا۔ یہ نمرود ضحاک تازی شاہِ ایران کا باجگزار یا کم از کم تابعدار ضرور تھا اور بڑا سرکش جابر اور متکبر حکمران تھا۔ بابل والے سائنس اور صنعتوں میں بہت ہوشیار اور ماہر تھے۔ چونکہ حکومت کے لحاظ سے ایران کے تابع تھے اس لئے عموماً ستارہ پرست تھے۔ عناصرِ اربعہ، ملائکہ، افلاک، کواکب اور علویات کی تاثیرِ حقیقی کے قائل تھے۔ بعض لوگ یزدان و اہرمن کی خلاقی کا بھی عقیدہ رکھتے تھے۔ چاندی سونا اور دیگر معدنیات کے مجسمے ستاروں اور خیالی دیوتاؤں کی شکل کے انھوں نے بنا رکھے تھے اور عموماً سب لوگ اسی بُت پرستی میں سرگرم تھے۔ ایسے ملک اور ایسی فضا میں خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیدا کیا۔ چونکہ نجومیوں نے نمرود کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ عنقریب ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اہلِ بابل کی موجودہ حکومت کو تباہ کر ڈالے گا۔ اس لئے نمرود نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکمِ عام دے دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی سفاکی کے سال پیدا ہوئے۔ والدین نے بادشاہ کے خوف سے کسی غار یا تہ خانہ میں چھپا دیا اور چونکہ ہر نبی فطرتاً معصوم اور شرک سے پاک ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ بھی سرشت کے لحاظ سے شرک سے بیزار تھے۔ والدین اسی مخفی مقام پر آیا جایا کرتے تھے۔ ایامِ طفلی تو اخفا کی حالت میں گزر گئے۔ جب بچپن کی تمام بہاریں ختم کر چکے اور رشد و بلوغ کا زمانہ آیا اور باپ نے اپنے آبائی دین کی ترغیب دی تو یہ مکالمہ ہوا جو آیات میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ حاصل مطلب یہ ہے کہ اُس گفتگو اور واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ تم اور تمہاری قوم کھلی ہوئی گمراہی میں غرق ہو (خدائے قادر کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے ہو)۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ عموماً اہلِ تفسیر نے اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیمؑ کی نظر میں اُس کے والدین اور قوم کی بُت پرستی حقیر اور بے وقعت کر دکھائی تھی اسی طرح آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات اور حقائق ہم نے اُن کے دل پر منکشف کر دیئے تھے۔ اُن کو معائنہ اور مشاہدہ سے علویات اور سفلیات کی واقعی حقیقت فنا، حدوث اور امکان معلوم ہوگیا تھا تاکہ وہ موجوداتِ عالم کے تغیر اور حدوث سے وحدہٗ لاشریک کے وجود پر استدلال اور اس کی وحدانیت کا یقین کرسکیں اور اُن کو یقین ہو جائے کہ خدائے قدوس واحد لاشریک ہے۔ وہی مستحقِ معبودیت والوہیت ہے۔ تمام مخلوق محتاج فانی اور تغیر پذیر ہے۔ کوئی خدا کے سوا معبود نہیں۔ بعض مفسرین نے آیتِ مذکورہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیمؑ پر یہ ظاہر کر دیا کہ بُت کسی طرح بھی عبادت کے لائق نہیں اور ابراہیمؑ اسی بنا پر اپنے خیال میں معبودِ حق پاکر۔ تو باپ اور قوم کے طریقے پر چلے اور نہ اُن کے بہکائے بہکے۔ اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو اپنی بڑی مخلوقات کو چاند سورج اور ستارے وغیرہ بچشمِ معرفت دکھا کر اُن کو عارفِ کامل یقین والا بندہ بنانے کے لئے یہ بات بھی اُن پر کھول دی کہ بُت پرستی اور ستارہ پرستی یعنی ادنیٰ مخلوق کی پرستش اور اعلیٰ مخلوق کی عبادت ایک ہی حکم میں ہیں۔ خداتعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے قابل نہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی تغیر فنا حادث اور امکان سے پاک نہیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ یہ گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب رات کی تاریکی چھاگئی اور خوب اندھیرا ہوگیا اور ستارے نکل گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے اس ستارے کو دیکھ کر جس کی اُن کے والدین اور قوم والے پرستش کیا کرتے تھے کہا کہ تمہارے خیال میں میرا رب اور معبود یہ ستارہ ہے۔ یہی لائق عبادت ہے۔ لیکن اس کی روشنی اور چمک دمک

تھوڑی دیر کی ہے۔ یہ روشنی اس کی ذاتی نہیں۔ یہ مخلوق فانی ہے۔ چنانچہ ذرا دیر کے بعد جب وہ تارا ڈوب گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا دیکھا ستارہ غروب ہو گیا اور میں غروب ہو جانے والی چیزوں کو معبود بنانا پسند نہیں کرتا۔ تغیر و انتقال تو حادث کی شان ہے اور کوئی حادث قابل الوہیت نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب اس روشن دلیل نے اُس گمراہ قوم کے سیاہ دلوں میں تاثیر ہدایت نہ پیدا کی اور وہ جاہل انسان علویات کے ارباب المنوع بلکہ خلاق عالم ہونے کے عقیدے سے نہ پھرے تو حضرت ابراہیمؑ نے اسی دلیل کو پُر زور بنانے اور شاندار کرنے کے لئے فرمایا کہ اچھا دیکھو یہ چاند طلوع ہو گیا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ۝ اور تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے اور یہی پرستش کے لائق ہے لیکن یہ بھی تغیر پذیر ہے۔ اس میں بھی معبود ہونے کی قابلیت نہیں۔ تم گمراہ ہو جو اُس کو مستحق الوہیت اور رب سمجھتے ہو۔ دیکھو یہ غائب ہو گیا اور غائب ہو جانے والا بھی کہیں معبود ہو سکتا ہے۔ مگر تم کو تو خدا تعالیٰ نے ہی گمراہی میں چھوڑ رکھا۔ اگر خدا مجھے بھی ہدایت پر ثابت اور قائم نہ رکھے تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ جب یہ قطعی استدلال بھی اُس دشمنِ فطرت قوم کے حق میں کچھ سود مند نہ ہوا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اور آفتاب عالمتاب نکلا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں تمہارے عقیدہ میں یہ سب سے بڑا خدا ہو سکتا ہے بلکہ ہے اگر یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ یہ تو غائب ہو جانے والی چیز ہے۔ اس کو الوہیت و معبودیت کا کیا استحقاق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب آفتاب بھی ڈوب گیا تو فرمایا قوم والو! میں پرستشِ غیر اللہ سے بیزار ہوں۔ تمہارے تمام معبود غلط ہیں۔ خدا تعالیٰ فنا حدوث امکان نیرنگی احوال اور تجدید و اطوار سے پاک ہے۔ اسی نے آسمان و زمین اور اُن کی کل کائنات کو نیست سے ہست کیا۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ میں سیدھے راستہ کی طرف مائل ہو چکا ہوں۔ میں نے اپنی عبادت و پرستش کا مرکز اسی خدائے یگانہ بے ہمتا کو قرار دے لیا ہے۔ جو خلاقِ عالم اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ میں کسی طرح شرک کرنے والوں کے گروہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔

مقصودِ بیان

باپ دادا کی تقلید گمراہی میں کرنی حرام اور خلافِ عقل ہے۔ انبیاء فطرتاً معصوم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ وحدانیتِ الٰہی میں متحیر نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے عقیدہ کا اظہار کرنا چاہتے تھے موجوداتِ عالم میں غور و فکر کرنا مصنوعات میں صانع کا جمال قدرت دیکھنا اور نظامِ کائنات کو عقل کی روشنی میں دیکھ کر معرفت وحدانیت تک پہنچنا جائز ہے بلکہ یہ نیچرل اور فطری استدلال ہے جو ہر دانشمند کے لئے ضروری ہے۔ کائناتِ عالم میں سے کوئی چھوٹی مخلوق ہو، سفلی یا علوی، ارضی یا سماوی کوئی بھی لائقِ الوہیت و پرستش نہیں۔ معبود کو حدوث نیرنگی احوال اور تغیر و فنا سے پاک ہونا چاہیئے۔ خدائے قدوس ہی خلاقِ عالم اور کل موجودات کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ خدا کو واحد و معبودِ مطلق جاننا ہی دینِ مستقیم اور شاہراہِ ہدایت ہے۔ وغیرہ

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

اُن سے ان کی قوم جھگڑا کرنے لگی ابراہیمؑ بولے کیا اللہ کے بارے میں تم مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہ مجھے راہ دکھا چکا میں اس چیز سے نہیں ڈرتا جس کو تم

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَیْفَ

(خدائی میں) شریک بناتے ہو ہاں اگر میرا رب ہی چاہے (تو وہ ممکن ہے پہنچتا ہی) میرا رب اپنے علم میں ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے جن کو تم نے شریک

اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ

قرار دیا ہے اُن سے میں کس طرح ڈروں حالانکہ تم کو اس بات کا خوف نہیں کہ تم ایسی چیز کو خدا کا شریک بناتے ہو جس کی کوئی دلیل اللہ نے تم پر نہیں

سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ

اُتاری اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں فریق میں سے کون زیادہ حقدار ہے جو لوگ ایمان

اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

لائے اور اپنے ایمان کو شرک میں آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ

یہ ہماری دلیل تھی جو ابراہیم کو اُن کی قوم کے خلاف ہم نے عطا کی تھی ہم جس کے چاہتے ہیں مراتب بلند کرتے ہیں تمہارا رب

رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

بلاشبہ حکمت والا خبردار ہے

تفسیر بالآخر جب حضرت ابراہیمؑ کے روشن دلائل سُن کر قوم والے لاجواب ہوئے اور کچھ نہ بن پڑی تو وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ خواہ مخواہ جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر تم ہمارے معبودوں کو بُرا کہوگے اور ان کی الوہیت کا انکار کروگے تو ہمارے دیوتا تم کو نقصان پہنچائیں گے۔ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم خدا کی وحدانیت الوہیت اور خلاقیت کے متعلق مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اور مجھے گمراہ کرنا چاہتے ہو حالانکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا۔ اُس نے میری ہدایت کے نیچرل اسباب پیدا کر دیئے۔ میری عقل کو روشن کر دیا۔ یہ کونسی جھگڑے کی بات ہے۔ واضح حقیقت اور بدیہی بات میں جھگڑا کرنے کی گنجائش کس طرح ممکن ہے۔ رہا ان بتوں اور دیوتاؤں کی ضرر رسانی کا خوف جن کو تم شرکائے الوہیت جانتے ہو تو وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ اُن سے مجھے کوئی خوف نہیں یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اُن کو ضرر رسانی کی طاقت ہی نہیں۔ ہاں اگر خدا ہی کو میرا ضرر مقصود ہوگا تو لامحالہ ہو کر رہے گا۔ ان باطل دیوتاؤں کی قدرت کو ضرر رسانی میں کوئی دخل نہیں۔

وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ میرے پروردگار کے علم میں سب کچھ سما سکتا ہے۔ اُس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اگر اُس کی مصلحت میری ضرر یابی کی مقتضی ہے تو مجھے چون و چرا کا حق نہیں۔ مگر میں ان دھمکیوں سے کسی طرح مرعوب نہیں ہو سکتا۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اور خوف کرنے کی آخر وجہ بھی کیا ہے جب تم بلا دلیل ناحق اور بے جا طور پر خدا کے ساتھ باطل اور فانی ہستیوں کو شریک کرنے کے باوجود کچھ خوف نہیں کرتے تو پھر مجھے اِن باطل شرکائے الوہیت سے کیوں ڈرنا چاہیئے حالانکہ خدا قادرِ مطلق ہے اور یہ خیالی دیوتا نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ میں قادرِ مطلق مختارِ کل خلاق علی الاطلاق کا پرستار ہوں اور تم مجبور محض بے اختیار

اور بے طاقت باطل دیوتاؤں اور بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ہم دونوں فریقوں میں سے امن و نجات کا کون زیادہ مستحق ہے اہل توحید حق پر ہیں یا بطالت شعار مشرک؟ اگر تم کو دانش و عقل سے کچھ حصّہ ملا ہے اور علم سے بہرہ یاب ہونے کے مدعی ہو تو بتاؤ اور خود فیصلہ کرو اگر نہیں بتا سکتے اور عقل و دانش سے کورے ہو تو سنو میں بتلائے دیتا ہوں کہ ا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ۔ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک جانا۔ اُس کی الوہیت و ربوبیت و خلاقیت پر ایمان لائے۔ تمام صفات نقصان نیز حدوث امکان اور تغیر و حدود سے اس کو پاک سمجھا اور اس ایمان و صداقت میں شرک و کفر کو آمیختہ نہ کیا یہی راہِ راست پر ہیں اور امن و نجات انہی کے لئے مخصوص ہے

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۔ اس آیت میں اپنی شانِ کے مثالی اور قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ کرنا مقصود ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ابراہیمؑ کو قوم والوں کے مقابلہ میں یہ دلیل ہم نے بتائی تھی۔ ہمارا فضل و انعام ابراہیم کے شاملِ حال تھا۔ ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔ فطری روشنی پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔ کسی کے کسب اور عقل کو اس میں دخل نہیں ہم حکیم علیم ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے فضل و انعام سے سرفراز کرتے ہیں اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں اپنی رحمت کی بارش کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان اہلِ حق کے صداقت انگیز اور صداقت آمیز کلام کے سامنے باطل پرستوں کو سوائے بغلیں جھانکنے اور خواہ مخواہ جھگڑا کرنے کے اور کچھ بن نہیں پڑتا۔ پروردگار عالم کی ربوبیت و الوہیت اور خلاقیت نہایت بدیہی چیز ہے۔ جس میں کسی طرح گفتگو کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہدایت کرنے والا درحقیقت خدا ہی ہے وہی اسباب ہدایت پیدا کرتا ہے اور حقانیت کو سمجھنے کی وہی عقل میں روشنی پیدا کرتا ہے۔ کوئی مخلوق ادنیٰ ہو یا اعلیٰ کسی کو ضرر پہنچا سکتی ہے نہ نفع۔ خالص ایمان و معرفت رکھنے والے ہی بفضلِ الٰہی مستحق نجات و امن ہیں۔ اگر انسان حقانیت توحید تنزیہ اور صداقت پر قائم رہے تو کوئی طاقت اُس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بغیر مشیت الٰہی کوئی مخلوق خواہ بے حس بے بس پتھر ہوں یا روشن ستارے یا نورِ مجرد فرشتے یا مقرب اولیاء یا برگزیدہ انبیاء کسی کو ضرر یا نفع نہیں پہنچا سکتے۔ نفع نقصان سب خدا کے دستِ قدرت میں ہے۔ وغیرہ۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب بخشے ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی اور ابراہیم کی نسل میں سے

دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي

داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون کو ہدایت دی نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسا ہی

الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

صلہ دیتے ہیں اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کو بھی ہدایت دی یہ سب نیک تھے

وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ

اور اسمٰعیل و الیسع و یونس و لوط کو بھی ہدایت دی اور ہر ایک کو جہان کے لوگوں پر ہم نے فضیلت دی اور اُن کے

اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

بعض اسلاف واولاد اور بھائیوں کو ہدایت دی اور اُن کو انتخاب کیا اور سیدھے راستہ پر چلایا

تفسیر شیخ ابن کثیر نے یہاں ایک مفصل قصہ ذکر کیا ہے اور خود کلام مجید میں بھی مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی رضا جوئی کے لئے رشتہ کا سلسلہ توڑا۔ اعزاء اقارب سے مُنھ موڑا اور تمام یار دوستوں کو چھوڑا تو خدا تعالیٰ نے بھی دین دنیا کی بزرگی اُن کو عطا فرمائی اور پیرانہ سالی میں عقیم بڑھیا سارہ کے بطن سے خوبصورت شاندار نیکوکار بیٹا اسحاق عطا فرمایا اور جب والدین نے بارگاہِ الٰہی میں اُن کے انعام کا شکریہ ادا کیا تو خدا تعالیٰ نے ایک پوتا صالح یعنی یعقوب عنایت فرمایا اور حضرت اسحٰقؑ و یعقوب کو نبی بھی بنایا اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اسی بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا۔ ہم نے ابراہیم کو نیکوکاری اور فرمابرداری کا یہ بدلا دیا کہ اُن کو ایک بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب عطا کیا اور پھر ان میں سے ہر ایک کو ہدایت بھی دی جو شانِ نبوت کے لائق تھی (گویا وہ بشارت پوری کی کہ میں تیری ذریت میں نبوت اور حکومت قائم رکھوں گا) اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ سے قبل حضرت نوحؑ کو بھی اسی انعام سے سرفراز فرمایا تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ابراہیمؑ سے پہلے ہم نے نوح کو بھی ہدایت نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس بات کے کہنے سے یہ مراد ہے کہ چونکہ نوحؑ نے بھی ہماری راہ میں مصائب برداشت کئے تھے اس لئے ہم نے اُس کو بھی نعمتِ ہدایت عطا کی تھی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کو فقط ذکورہ نعمت ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ:۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ ابراہیم کی نسل میں چودہ انبیاء عظیم الشان پیدا کئے۔ داؤد، لوط، سلیمان، اسمٰعیل، ایوب، یوسف، موسٰی، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسٰی، الیاس، یونس، الیسع۔ یہ تمام انبیاء درجۂ صلاح پر فائز تھے۔ اپنے زمانہ کے لوگوں کے لوگوں سے افضل اشرف اور صاحب مرتبہ تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے صرف اسی انعام پر اقتصار نہیں کیا بلکہ:۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ ان کی اصل نسل اور بھائی بندوں میں سے بعض کو ہدایتِ خاصہ عطا کی۔ نبوت سے سرفراز فرمایا اور اُن کے زمانہ کے تمام انسانوں میں سے اُن کو منتخب کرکے اپنی نعمت مرحمت فرمائی۔ چونکہ اس آیت میں انبیاء کا تذکرہ آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء کے نام نسب اور مختصر احوال ذیل میں ذکر کردیں جس کے علاوہ تحقیقِ مبحث کے آیت کے معنی کی بھی ضروری وضاحت ہوتی ہے۔

ابراہیمؑ بن آزر یا بن تارح یا ابن تارخ۔ مسیح سے دو ہزار سال پیشتر عراق میں بمقام بابل پیدا ہوئے۔ وطن چھوڑ کر کنعان پہنچے۔ پھر نابلس ہوتے ہوئے یروشلم میں کچھ دنوں فروکش ہوئے۔ بلادِ شام مصر اور عرب میں بھی سیاحت کی۔ ملک شام میں پردہ پوش ہوئے۔

اسحٰقؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت سارہ کے بطن سے تھے۔ ملک شام میں ہی پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

اسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے۔ آپکی والدہ بیوی نہ تھیں بلکہ باندی تھیں۔ بعض مورخین کہتے ہیں بادشاہ مصر نے حضرت سارہ کو خدمت کے لئے حضرت ہاجرہ کو بخش دیا تھا اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ کو ہبہ کردیا۔

لوطؑ بن ہاران بن آزر۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ ان کی نبوت حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کے ماتحت تھی۔ کنعان کو جاتے وقت حضرت لوطؑ خلیل اللہ کے ہمراہ تھے۔

یعقوبؑ بن اسحاق بن ابراہیم کنعان میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔

ایوبؑ بن اموص بن رازح بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم۔ بعض لوگ آپ کو خلیل اللہ کی نسل سے نہیں کہتے مگر ہم نے جو نسب تحقیق کے ساتھ تحریر کیا ہے وہی صحیح ہے۔

یوسفؑ بن یعقوب لڑکپن میں غلام بنا کر فروخت کئے گئے۔ رفتہ رفتہ بتقدیر الٰہی وزیر مصر اور پھر بادشاہ مصر ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو مصر بلا لیا۔ حضرت یعقوب بھی مصر چلے گئے۔ اس کے بعد چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں رہے۔

موسیٰؑ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب۔ حضرت ہارون آپ کے بھائی تھے۔ دونوں ایک ہی زمانہ میں نبی تھے کوئی کہتا ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے ایک سال بڑے تھے کوئی کہتا ہے کہ تین سال چھوٹے تھے۔

داؤدؑ بن ایشا اور آپ کے بیٹے سلیمانؑ پیغمبر بھی تھے اور ملک شام وغیرہ کے بادشاہ بھی۔ حضرت موسیٰ سے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے۔ **زکریاؑ** دو گذرے ہیں اور دونوں نبی بھی تھے۔ ایک حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو برس قبل جو حضرت یرمیاہ، عزیر اور حجی کے معاصر تھے۔ دوسرے زکریا بن ادون بن برکیا یہ حضرت یحییٰ کے والد تھے۔

عیسیٰؑ بن مریم بنت عمران آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے آپ کا نسب ماں سے چلتا ہے۔ اسرائیلی تھے۔ بڑے بڑے معجزات آپ سے سرزد ہوئے۔

الیاسؑ کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن مسعود کے نزدیک الیاس و ادریس دونوں نام ایک ہی شخص کے تھے۔ لیکن چونکہ آیت میں الیاسؑ کو حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں کہا گیا ہے اس لئے ادریس یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ ادریس تو حضرت نوحؑ کے اجداد میں سے تھے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ الیاس بن سنا بن فنحاص بن عیزار بن ہارون برادر موسیٰ مراد ہیں۔ یعنی یہ الیاس حضرت اسحاقؑ کی نسل سے تھے۔ شاہ اخزیاہ کے وقت میں مسیح سے تقریباً ۸۹۶ برس پہلے نبی ہوئے۔ قوم نے تنگ کیا تو آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ضحاک کا قول ہے کہ الیاسؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے تھے۔ قتیبی کہتے ہیں کہ یوشع بن نون کے پوتوں میں سے تھے۔

یسعؑ بن اخطوب بن العجوز حضرت الیاسؑ کے شاگرد تھے۔ بعض اہل تاریخ کا قول ہے کہ یہی خضرؑ ہیں۔

یونسؑ بن متی ان کو یوناہ بھی کہا جاتا ہے۔ مسیح سے آٹھ سو برس پیشتر گذرے ہیں۔

مقصود بیان

جو شخص راہ مولا میں تکلیف اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اس کو اجر کامل عطا فرماتا ہے اور دین میں بھی اعزاز دیتا ہے۔ قدرت الٰہی اسباب کی محتاج نہیں۔ کبھی بانجھ عقیم ماں باپ کو بھی ان کی نیکیوں کے صلہ میں اولاد مرحمت فرما دیتا ہے۔ ہر نبی اپنے زمانہ کے انسانوں سے افضل و اشرف ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ ہزاروں انبیاء آپ کی نسل سے پیدا ہوئے۔ خدا کسی نیکوکار کی نیکی ضائع نہیں فرماتا۔ بھتیجہ بھی شرعاً بعض امور میں بیٹے کا حکم رکھتا ہے اور بھتیجے کو چچا کی ذریت سے شمار کیا جا سکتا ہے جیسے حضرت لوطؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت شمار کیا گیا۔ نسب میں ماں کو بھی دخل ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر ماں سے ہی نسب چلتا ہے۔ جیسے مسیح بن مریم، حسین بن فاطمہ۔ خدا تعالیٰ ہی ہادی ہے۔ نبوت کسبی چیز نہیں بلکہ وہبی ہے۔ آیت میں نیکوکاری کی ترغیب جزائے صالحات کا وعدہ اور مذکورہ انبیاء کی معصومیت کی صراحت ہے۔ وغیرہ

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ

یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے چلاتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

ذ ہو کر بربا ضرور کارت ہو جاتا یہ وہی لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝

پھر اب بھی اگر یہ لوگ اِن باتوں کو نہ مانیں تو ہم نے اِن باتوں پر ایمان لانے کو، ایک ایسی قوم مقرر کردی ہے جو انکار کرنے والی نہیں ہے۔

تفسیر یہ مذکورہ بالا آیت کا ضمیمہ ہے یعنی شرک سے بچنا، باطل کو چھوڑنا، سنتِ الٰہی کی راہ پر گامزن ہونا اور نعمتِ نبوت سے سرفراز ہونا۔ یہ سب کچھ بہ ہدایتِ الٰہی تھا۔ خدا جس کو چاہتا ہے اپنی نعمت سے امتیازی پایہ عنایت فرماتا ہے۔ ہدایتِ نبوت اُس کا خاص انعام ہے جو صرف اُس کی مشیت اور فضل سے گروہِ انبیاء کو عطا کیا گیا اور انبیاء کے علاوہ جو لوگ حق کی پیروی کریں اور راہِ توحید پر قائم رہیں ان کو بھی خدا تعالیٰ اپنی رحمت و نعمت سے اپنی مشیت کے تحت سربلند فرماتا ہے۔ ہاں شرک سے بچنا باطل سے منہ موڑنا اور غیر اللہ کی پرستش کا سلسلہ توڑنا ضروری ہے۔ کسی نبی نے شرک پسند نہیں کیا۔ اسی لئے درجۂ ہدایت پر فائز ہوئے۔ ورنہ اگر بالفرض وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وہ خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو ذات و صفات میں شریک کرتے تو اُن کا کل کیا کرایا برباد ہو جاتا اور شرک کرنے کے بعد کوئی عمل سود مند نہ ہوتا مگر وہ پاک بندے تھے شرک کی نجاست سے صاف اور پاک تھے۔ اسی لئے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ خدا تعالیٰ نے اُن کو خصوصیت کے ساتھ تین نعمتیں عطا فرمائیں۔ اُن کو کتاب عطا کی۔ یعنی اُن کے پاس وحی بھیجی تاکہ یہ حکمِ الٰہی کے موافق موجودہ کتاب پر عمل کریں اور دوسروں کو ہدایت کریں اور اُن کی سیاست دینی قائم ہو۔ دوسرے اُن کو حکمت و دانش، معاملہ فہمی، زیرکی اور نورِ عقل سے سرفراز کیا اور حکومت کرنے کا سلیقہ عنایت فرمایا۔ تیسرے اُن کو نبی بنایا اور روحانی نعمت بھی اُن کے شاملِ حال کی۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝

تحقیق: بِهَا کی ضمیر ابن کثیر اور دیگر محققین کے نزدیک لفظ نُبُوَّةَ کی طرف راجع ہے۔ لیکن بعض مفسرین کتاب، حکم اور نبوۃ تینوں کی طرف اس ضمیر کو راجع کرتے ہیں۔ اور هٰٓؤُلَآءِ سے مراد ابن عباس، سعید بن مسیب، ضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ کے نزدیک اہلِ مکہ ہیں۔ لیکن دیگر محققین نے عموماً کفار کو مراد لیا ہے۔ خواہ کسی زمانہ کے ہوں اور کہیں کے ہوں۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت صرف مہاجرین و انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر یہ قریش اور مکہ کے رہنے والے ان نعمتوں کے منکر ہیں کتابِ الٰہی کو نہیں مانتے۔ نبوت کا انکار کرتے ہیں اور فطرت کے نور کی تکذیب کرتے ہیں تو اے نبی تم کچھ اس کا رنج نہ کرو۔ کیونکہ اسلام تو بہرحال پھیل کر رہے گا۔ ہم نے ازل سے ہی مہاجرین و انصار کا گروہ اس پر ایمان لانے کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔

بعض اہلِ تحقیق کے نزدیک آیت کا مورد عام ہے صحابہ کی تخصیص نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا بھر کے کفار خواہ اس زمانہ کے ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے خدا کی نعمتوں کو نہ مانیں تو کچھ پروا نہ کیجئے۔ کیونکہ ہم نے ان نعمتوں پر ایمان لانے کے لئے اہلِ ایمان کو بھی تیار کر رکھا ہے۔ وہ کسی نعمتِ الٰہی کا قطعاً انکار نہ کریں گے۔ پہلا مطلب ابن عباس کا بیان کردہ ہے اور دوسرا مطلب زید بن اسلم نے بیان کیا ہے۔

مقصودِ بیان ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ کوئی انسان ہدایت کرنے میں مختار نہیں۔ شرک اتنی بڑی چیز ہے کہ اگر انبیاء سے بھی سرزد ہو جاتا تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا۔ مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ شرک تمام اعمالِ حسنہ کو برباد کر دیتا ہے۔ انبیاء کو دینی سیاست (کتاب)، ہمہ جانی گہرائی اور دنیوی سیاست (حکومت)، دینی اور روحانی سیاست (نبوت) بھی دی۔ بعض انبیاء جس طرح صاحبِ کتاب و نبوت تھے اسی طرح حکمران بھی تھے۔ کفرِ اسلام ازل ہی مقدر ہو چکا ہے۔ آیت فَقَدْ وَكَّلْنَا میں اسلام کی کامیابی اہلِ ایمان کی کثرت اور دینِ الٰہی کے پھیلنے کی بشارت و پیشین گوئی بھی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ

یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ دکھائی تھی تو (اسے محمدؐ) تم بھی اُنہی کے طریقہ پر چلو کہہ دو کہ میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۠ ع

یہ تو صرف دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت ہے

تفسیر ابن عباسؓ کے نزدیک اقتدہ امر سے ہدایت میں اقتداء مراد ہے (بخاری اور نسائی میں بھی روایت ہے) مطلب یہ ہے کہ جو ہدایت کے طریقے دیگر انبیاء نے اختیار کئے وہی آپ بھی اختیار کریں۔ بعض کے نزدیک اصولِ شریعت اور صبر و تحمل میں اقتداء کرنی مراد ہے یعنی آپ بھی اُنہی اصولِ شریعت پر چلئے جن پر دیگر انبیاء چلے اور تبلیغ دین میں اسی صبر و تحمل سے کام لیجئے جیسا انھوں نے لیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک صرف توحید میں اقتداء مقصود ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جزئیات غیر منسوخہ میں بھی پیروی مراد ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ بہرحال حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء نے صبر و تحمل سے کام کیا۔ توحید کا اعلان کیا۔ اصولِ دین قائم کئے آپ بھی ایسا کیجئے اور اہلِ مکہ سے کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن کے عوض جو داعیِ حق کا داعی ہے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا کام تو نصیحت کرنا ہے اور یہ قرآن جن و انس کے لئے نصیحت ہے۔

نکتہ خاص اہلِ علم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ محمد رسول اللہؐ تمام انبیاء سے افضل تھے۔ کیونکہ ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی خاص صنعت میں کمال خاص حاصل تھا اور اُس صنعت کی وجہ سے اُس پیغمبر کو جزئی فضیلت اور خصوصی امتیاز تھا اور جب رسولِ پاکؐ کو تمام انبیاء کی اقتداء کا حکم ہے یعنی اُن تبلیغی اور ہدایت آفریں قوتوں کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے جو ایک ایک دو دو مختلف پیغمبروں کو عطا کئے گئے تھے تو تمام فضائلِ جزئیہ کا حضورؐ کی ذاتِ بابرکات میں مورد ہونا ضروری ہوا اور آپ اُن تمام اوصافِ کمالیہ کے جامع قرار پائے اور مجموعہ کی فضیلت ہر ہر جزو پر ظاہر ہے۔

مقصود بیان انبیاء فطرتاً ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ اُن کی ہدایت وہبی اور خداداد ہوتی ہے۔ سوائے خدا کے اُن کا کوئی ہادی نہیں ہوتا۔ تمام شرائع اسلام کے ساتھ اصول ہدایت میں متحد ہوتے ہیں۔ اسلاف کے ساتھ اگر اصول میں اتحاد ہو تو اس کو بھی اقتداء کہا جاتا ہے تبلیغ دین اور وعظ و پند کا کوئی اجر دنیوی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طلب کرنا ناجائز تھا۔ آپ دینی تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب فرماتے تھے۔ اگرچہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اشارۃً یہ بات بھی نکل سکتی ہے کہ تعلیم قرآن کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ وغیرہ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ

انھوں نے اللہ کا اندازہ جیسا چاہیئے تھا نہ کیا کہنے لگے کہ اللہ نے تو کسی بشر پر کچھ نہیں اُتارا تم کہو

مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

وہ کتاب کس نے اُتاری تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی جس کو تم نے ورق

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ

ورق کر رکھا ہے (کچھ تو) ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ مخفی رکھتے ہو اور تم کو وہ کچھ سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے

اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

باپ دادا کہہ دو اللہ نے اُتاری تھی پھر اُن کو چھوڑ دو کہ اپنی بحث میں کھیلا کریں

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول میں علمائے روایت کا بہت اختلاف ہے۔ ہم مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ بات فنحاص یہودی نے کہی تھی۔ اُسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ مالک بن صیف کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ شخص بڑا توندیلا موٹا تازہ اور بھاری بھر کم تھا۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواہ مخواہ کی حجتیں کرنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا مالک تجھے اُسی خدا کی قسم ہے جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی تھی۔ سچ بتا تو نے توریت میں یہ بھی پڑھا ہے کہ اللہ موٹے اور فربہ عالم کو دوست نہیں رکھتا؟ یہ سُن کر وہ غصہ ہو پڑا اور بولا خدا نے کوئی کتاب کسی نبی پر نہیں اُتاری۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (رواہ البغوی) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت عموماً یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ایک مرتبہ یہود نے کہا تھا اے محمدؐ! خدا نے آپ پر کتاب اُتاری ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ بولے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اُتاری۔ بہرحال ان تمام روایات کی بنا پر یہ آیت مدنی ہوگی اگرچہ باقی سورت مکی ہے کیونکہ یہودی مدینہ میں تھے۔ تحصیلِ علم کے لئے ہجرت سے قبل مکہ میں نہیں آئے تھے۔

ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے جس کی مجاہد اور عبد بن کثیر نے بھی تائید کی ہے کہ اس آیت کا نزول قریش کے حق میں ہوا۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہی قول قابلِ ترجیح ہے۔ کیونکہ یہ سورت و آیت مکی ہے۔ یہودی آسمان سے کتاب نازل ہونے کے منکر نہ تھے۔ بہرصورت مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی عظمت کا پورا اندازہ نہیں کیا۔ ان کو نہیں معلوم کہ اللہ کس قدر عظیم الشان ہے۔ کتاب نازل کرنا کونسی بڑی بات ہے۔ نہ انھوں نے خدا کی صفات کو صحیح طور پر سمجھا۔ ان کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب کوئی صحیفہ اور کوئی حکم نازل نہیں فرمایا۔ یہ سراسر ان کا بے دلیل دعویٰ ہے۔ اُن سے ذرا پوچھو کہ اگر خدا نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں فرمایا تو پھر تورات کو موسیٰ پر کس نے اُتارا تھا اور تورات بھی وہ چیز جو بالکل نورِ مجسم اور عین ہدایت تھی مشکلات کے حل ہونے اور گمراہی کی تاریکی دور کرنے میں اس کے احکام سے مدد لی جاتی تھی اور عام لوگوں کو اس کے ذریعہ سے سیدھا راستہ بتایا جاتا تھا لیکن اے اہلِ کتاب تم اس کے اجزاء منتشر کر رکھتے ہو۔ اُس کے اوراق کو متفرق کرتے ہو۔ اپنے مطلب کا کچھ حصہ ظاہر کرتے ہو اور اکثر حصہ جو تمہارے مطلب کے خلاف ہے اُس کو چھپاتے ہو۔ اب تم کو اس قرآن کی تعلیم دی گئی تو کونسی بعید بات ہے۔ قرآن نے تم کو وہ باتیں بتائیں جو تم کو کیا تمہارے باپ دادوں کو بھی توریت سے معلوم نہ ہوئی تھیں (کیونکہ تم نے تورات کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تھے اور حقانیت کو چھپا لیا تھا) یعنی رسول اللہؐ کی بعثت و شریعت کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں جو توریت میں موجود تھیں مگر تم اور تمہارے اسلاف ان کو نہ سمجھ سکتے تھے اب بعثتِ رسول کے بعد تم پر اُن کا اظہار کر دیا گیا۔ غرض یہ نورانی تورات کس نے نازل کی تھی۔ تم کا جواب ہو تو سُن لو یہ خدا نے نازل کی تھی۔

ہدایاتِ خاص ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاکؐ کے زمانہ میں یہودیوں نے تورات کو منتشر اجزاء میں اسی غرض سے تقسیم کر رکھا تھا کہ اپنی خواہش کے مطابق اوراق کو ظاہر کرتے تھے اور جو خلافِ منشاء حکم ہوتا تھا یا جس میں رسول اللہؐ کی بعثت کی اطلاع اور اسلام کی حقانیت و صداقت کی خبر ہوتی اس کو چھپا لیتے تھے (رواہ الدارمی)

بہرحال یہودیوں کے پاس اُس زمانہ میں تورات ضرور تھی لیکن پانچوں حصے تھے یا کوئی حصہ کم تھا یعنی تھا بعض نہ تھا یا عہد عتیق کی دیگر کتابیں تھیں جن کو مجازاً تورات کہا گیا اور جو تورات اُن کے پاس اس زمانہ میں موجود تھی وہ بالکل اصلی تھی یا مجموعۂ غلط و صحیح تھا اس کا کچھ علم نہیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ

یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اُتاری ہے برکت والی ہے اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں اور اس لئے (نازل کی ہے) کہ تم

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ

مکہ والوں کو اور مکہ کے اس پاس والوں کو ڈراؤ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور وہی

بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○

اپنی نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں کے شبہ کو الزامی دلیل کے ساتھ رد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر آسمانی کتاب کا انسان پر نازل ہونا محال یا خلاف ہوتا تو موسیٰ پر توریت کیسے نازل ہوتی۔ معلوم ہوا کہ آسمانی کتاب انسان پر نازل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ توریت کو موسیٰ پر نازل کیا گیا۔ توریت نے مشعلِ ہدایت کا کام دیا۔ مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا۔ گمراہی اور تاریکی سے نکال کر روشنی سے منور کیا۔ لیکن یہودیوں نے توریت کو پارہ پارہ کر لیا کتابِ الٰہی کو اپنی اغراض کا آلہ بنا لیا۔ جو حکم اپنی مصالح کے موافق سمجھا اُس کو ظاہر کیا اور جس کو خلاف غرض سمجھا اُس کو چھپا ڈالا۔ غرض یہ کہ نورِ آسمانی کو غرض کی اندھیری میں چھپا دیا۔ مشعلِ ہدایت کو بجھا دیا اور ہوس پرستی کو مذہبی لباس پہنا دیا تو ایسے وقت میں لامحالہ پھر ایک آسمانی کتاب کی ضرورت پڑی جس میں تین اوصاف ہونا ضروری تھے۔

(۱) وہ کتاب بابرکت اور کثیر الفوائد ہو۔ انسانی اخلاق اور ملکی صفات پیدا کرنے کی باعث ہو۔

(۲) اپنے سے پہلے کی کتابوں کے مضامین توحید اصول ہدایت قوانین شریعت کی تصدیق کرے اور بحیثیت کل ان سے سر مو فرق نہ کرے۔

(۳) اہلِ عالم کو نصیحت کرنے، راہِ راست پہلانے اور سرتابی کرنے والوں کو عذاب سے ڈرانے کا کفیل ہو۔ چنانچہ:۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ اب یہ قرآن مبارک تمہارے سامنے موجود ہے۔ دنیا کو فائدہ پہنچانے والا عالم میں اعلیٰ کرنے والا صفاتِ حسنہ پیدا کرنے والا، اخلاق کو مہذب بنانے والا اور تہذیبی معارف پھیلانے والا ہے۔ اپنے سے پیشتر کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ یعنی ان کتابوں کے توحیدی مضامین ضرورت رسالت وقوعِ قیامت وجوبِ عذاب و ثواب اور دیگر اصول شرائع کا قائل ہے۔ ان تمام مضامین میں کتبِ سابقہ کی تائید کرتا ہے۔ پھر مکہ اور اطرافِ مکہ یعنی کل عالم کے لئے ہدایت بھی ہے۔ حکمِ الٰہی سے سرتابی کرنے والوں کو عذابِ خدا سے ڈراتا بھی ہے۔ لہٰذا اب کیوں اس کی صداقت میں شک کرتے ہو۔ اور کیوں اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یعنی جب آسمانی کتاب کی ضرورت ثابت ہو گئی اور قرآن میں آسمانی کتاب کے تمام لوازم موجود ہیں تو پھر اُس سے سرتابی کیوں کرتے ہو۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ درحقیقت اہلِ کتاب کا ایمان روزِ قیامت پر نہیں رہا۔ عملی طور پر قیامت کے منکر ہو گئے۔ اُن کو عذاب ثواب کا یقین نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اگر قیامت کا ان کو یقین ہوتا اور عذاب ثواب کو لازمی سمجھتے تو لامحالہ قرآن پر ایمان لاتے کیونکہ قرآن پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر چلنے ہی سے نجاتِ آخرت حاصل ہونے والی ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ قرآن کو بطور عقیدہ ضرور مانتے ہیں اور اپنے اعمال کی بھی اصلاح کرتے ہیں جن کی جڑ بنیاد ہے وہ نماز کو پابندی کے ساتھ جملہ شرائط ادا کرتے ہیں۔

ہدایت خاص:۔ نماز کی تخصیص کی صاحب مدارک نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ دین کا ستون اور اصل اعمال ہے جس نے اس کی پابندی کی، ظاہر ہے کہ وہ سب کی پابندی رکھے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ:۔ اس آیت سے بعض کور دانش شبہ کرنے لگتے ہیں کہ حضورؐ کی بعثت مکہ اور اطراف مکہ کے رہنے والوں یا زائد سے زائد حجاز و عرب کے لئے مخصوص تھی۔ اسلام کی عمومی تبلیغ کا حکم نہ تھا۔ ان کا یہ شبہ غلط ہے کیونکہ:۔

(۱) بہت سی دیگر آیات میں نبوت عمومی کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ رسول پاکؐ کی بعثت عمومی تھی۔

(۲) ام القریٰ یعنی مکہ کے گرداگرد سے مراد کل عالم ہے۔ کیونکہ جب مکہ کل عمرانی دنیا کے لئے ماں قرار پایا اور یہی زمین کا وسطی حصہ ہے اور یہیں سے بقول قتادہ زمین واطراف وجوانب میں پھیلایا گیا تو انتہائی بلاغت کے ساتھ فرما دیا کہ اصل مرکز کے رہنے والے ہوں یا اِدھر اُدھر کے سب کے لئے تم نذیر ہو۔ غرض یہ کہ کل عالم کے لئے حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔

مقصود بیان

ذات وصفات الٰہی کا صحیح واقعی پورا اندازہ ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی تھی۔ تورات کے اندر اہل معرفت کے لئے نور اور گمراہی کو دور کرنے کے لئے روشنی تھی۔ بنی اسرائیل کے لئے اس میں ہدایت کا ذخیرہ تھا۔ بنی اسرائیل نے تورات کو پارہ پارہ کر لیا۔ اُس کے احکام متفرق کر لئے۔ تورات کا وہ زیادہ حصہ جو اُن کی اغراض کے لئے مفید نہ تھا پوشیدہ کر لیا اور کچھ حصہ جو اُن کے مطلب کا تھا برقرار رکھا۔ رسول پاکؐ کے زمانہ میں تورات موجود تھی۔ یہودی تو بہت بد دیانت قوم تھی۔ اپنی مذہبی کتاب میں انھوں نے ترمیم و تغیر کر لی تھی۔ آسمانی کتاب میں تین اوصاف ہونے ضروری ہیں:۔

(۱) کثیر الفوائد ہو، انسانی منافع خواہ معاشرتی ہوں یا اخلاقی یا سیاسی یا روحانی یا دینی سب کے قوانین اس میں ہوں۔

(۲) کتب سابقہ کی اصولی تائید کرتی ہو۔ مضامین توحید حشر نشر عذاب ثواب و رسالت وغیرہ میں سر مو فرق نہ کرتی ہو۔

(۳) تبلیغی ہو اس میں تفاوت احکام نہ ہو۔ قرآن میں یہ تینوں اوصاف موجود ہیں۔ جو لوگ اہل ایمان ہیں اور اعمال کی بھی انھوں نے نگہداشت کی ہے وہ مستوجب ستائش ہیں۔ وغیرہ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر دروغ بندی کرے یا کہے کہ میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اُس کے پاس

شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظّٰلِمُونَ

کوئی وحی نہیں آئی اور جو قائل ہو کہ جس طرح اللہ نے نازل کیا میں بھی اُتاروں گا کاش تم دیکھو کہ جس وقت ظالم موت کی سختیوں

فِي غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ ۚ أَخْرِجُوٓا أَنْفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ

میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں (اور حکم ہوتا ہے کہ) اپنی جانیں نکالو آج تم کو

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

ذلت کی عذاب کی سزا ملے گی کیونکہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں بکتے تھے اور اُس کی آیتوں سے

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

سرکشی کرتے تھے بیشک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آگئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا

وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس کو پس پشت چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ

بھی نہیں دیکھتے جن کو تم شریک خیال کیا کرتے تھے تمہارا علاقہ منقطع ہو گیا اور جن کا

عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ع

تم دعویٰ کیا کرتے تھے وہ گئے گزرے ہوئے

تفسیر ان آیات کی شان ہائے نزول میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ وَمَنْ اَظْلَمُ سے كَذِبًا تک آیت مالک بن صیف کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے آگے اِلَيْهِ شَيْءٌ تک مسیلمہ کذاب کے متعلق نازل ہوئی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ عکرمہ اور قتادہ کی بھی روایت ہے۔ ابن جریر ابن کثیر اور صاحب معالم نے اسی کو نقل کیا ہے۔ پھر اس سے آگے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ تک عبداللہ بن سعد بن سرح کے بارے میں نازل ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن سعد مسلمان ہو کر کاتب وحی مقرر ہوا تھا۔ جب آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الخ کا نزول ہوا تو حضورؐ نے ابن سعد کو طلب فرما کر آیت لکھوانی شروع کی اور ایک ایک حرف بتانا شروع کیا۔ جب حضورؐ کی زبان سے خَلْقًا اٰخَرَ کا لفظ نکلا اور عبداللہ نے اس کو لکھ لیا تو حضور کے ارشاد کے قبل عبداللہ کی زبان سے اس کے بعد اتفاقی طور پر فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ نکل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں یہ بھی اُترا ہے لکھو۔ اس پر عبداللہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر محمدؐ پر وحی اُترتی ہے تو مجھ پر بھی وحی اُترتی ہے اور اگر محمدؐ پر وحی نازل نہیں ہوتی بلکہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں تو اب میں بھی ایسا قرآن بنا سکتا ہوں۔ یہ ارتداد کے کلمے کہہ اور مرتد ہو کر مدینہ سے نکل کر مکہ کو چلا گیا اور قریش سے مل گیا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا۔ مگر یہ شانِ نزول قابل شک ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ کا قصہ مدینہ میں واقع ہوا تھا۔ ہاں اخبار عن الغیب ہو سکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی جو قرآن کے معارضہ کا دعویٰ کرتا ہے اور کلام ربانی کے مقابلہ میں واہیات خرافات تک بندی کیا کرتا تھا۔ مثلاً نالائق اریت ذزوا کے مقابلہ میں اس نے وَالطّٰحِنٰتِ طَحْنًا فَالْعٰجِنٰتِ عَجْنًا فَالْخٰبِزٰتِ خَبْزًا جیسا بیہودہ کلام بنایا تھا۔ اولیٰ یہ ہے کہ سب کچھ ہی قرار دیا جائے مگر مراد ہر وہ شخص ہے جو عبداللہ بن سعد یا نضر بن حارث کا ہم خیال ہو۔

آیت وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا بھی نضر بن حارث مذکور کے متعلق نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ لات و عزّیٰ میری سفارش کریں گے۔

تفسیر اور مطلب ملائکہ سے ابن عباسؓ کے نزدیک موت کا فرشتہ مع اعوان و انصار کے مراد ہے۔ ہاتھ پھیلانے سے مراد عذاب کے لئے دست درازی کرنا (ابن کثیر) یا عذاب پر ہاتھ بڑھانا (ضحاک و ابو صالح) ہے۔ تنہا خدا کے ہاں جانے سے مراد یہ ہے کہ سب لوگ خدا کے ہاں جائیں گے تو مال و اولاد کچھ بھی ساتھ نہ لے جائیں گے تنہا جائیں گے اور كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

سے مراد یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم کو ننگے پاؤں برہنہ جسم غیر مختون پیدا کیا ایسے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ صحیح حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے۔ یا دونوں آیات کا ایک ہی مطلب ہے۔ حاصل مدعا یہ ہے کہ اس سے زیادہ ناحق شناس ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جس نے خدا پر بہتان تراشی اور دروغ بندی کی۔ خدا نے نبوت عطا نہ فرمائی اور اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا یا دعویٰ کیا کہ میرے پاس وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس وحی نہیں آتی یا وحی کے مقابلہ کا دعویٰ کیا۔ بہرحال جھوٹا نبی بننے والے اور نبوت کا مقابلہ کرنے والے سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں۔ ان کی وہ حالت قابل دید ہے جبکہ یہ شدائد نزع میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے ان کی خبیث روحوں کی طرف دست عذاب بڑھاتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ آج عالم آخرت کے شدائد دیکھ کر کیوں پیچھے ہٹتے ہو اور کیوں تمہاری روحیں بدن کے اندر چھپتی پھرتی ہیں۔ اپنی خبیث روح کو نکال کر لاؤ۔ پہلے تو اللہ پر بہتان تراشی کرتے اور غرور میں مست پھرتے تھے آج تم کو تمہارے کرتوت کی سزا ملے گی۔

مقصود بیان الہام دینی یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا اور کلام الٰہی کے مقابلہ میں خود تراشیدہ کلام بنانے والا سب سے زیادہ ناحق شناس اور ظالم ہے۔ ظالم سخت ترین شدائد نزع میں ماخوذ ہوتا ہے۔ ظالموں کی روحوں کو موت کے فرشتے زبردستی کھینچتے ہیں۔ احکام خداوندی سے سرکشی کرنی حرام ہے۔ مال و دولت، جاہ و شوکت اور لذائذ جسمانیہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گا۔ قیامت کے دن بالکل اس طرح حشر ہوگا جس طرح اس دنیا میں آدمی پیدا ہوتا ہے یعنی برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون۔ دنیوی اسباب محبت، رشتہ داریاں قیامت کے دن سب کے سب منقطع ہو جائیں گی۔ دوست دوست کے اور رشتہ دار رشتہ دار کے کام نہ آئے گا۔ وغیرہ۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ

بلاشبہ اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بیجان کو جاندار سے پیدا کرنے والا

الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ○ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا

ہے۔ یہی تمہارا خدا ہے پھر کہاں تم اُلٹے چلے جا رہے ہو وہی صبح کو نکالنے والا ہے اسی نے رات کو آرام کی چیز

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَهُوَ الَّذِي

اور سورج اور چاند کو حساب سے بنایا۔ یہی اللہ غالب و دانا کا اندازہ ہے وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ

تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ جنگل و دریا کی تاریکیوں میں ان کے ذریعہ سے تم کو راستہ ملے ہم نے جاننے والے لوگوں کے لئے

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

نشانیاں مفصل بیان کر دی ہیں اسی نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا پھر (کہیں) تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ ہے

وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ

اور کہیں سونپنے کی جگہ ہم نے سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں مفصل بیان کر دیں اور وہی اوپر سے پانی

مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ

برساتا ہے پھر ہم اُس سے ہر قسم کے نباتات پیدا کرتے ہیں اور اُس سے سبزہ اُگاتے ہیں جس سے ہم

مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًاۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ

گتھے ہوئے دانے پیدا کرتے ہیں اور کھجور کے گپھے میں سے خوشے نکالتے ہیں جو جھکے پڑتے ہیں اور (ہم نے پیدا کئے) انگوروں کے

اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ

باغ اور زیتون اور انار باہم ملے جلتے اور جدا جدا جب درخت میں پھل آئے تو اُس کے پھل کو

اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور پکنے کو دیکھو اس میں ایماندار قوم کے لئے بہتری نشانیاں ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوت کے پُر زور دلائل بیان کرکے اسلام کے دو بنیادی اصول ثابت کئے تھے۔ اب یہاں سے عمومی قدرتِ تخلیقِ عالم کی نیرنگی اور موجودات کا تنوع دکھا کر معاد کا ثبوت فرماتا ہے اور اسی سلسلۂ بیان میں توحیدِ ربوبیت والوہیت کا ثبوت بھی بدرجۂ اکمل ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں کائنات کے تینوں اقسام بیان فرما کر اپنی قدرت کی نیرنگی دکھائی ہے۔

(۱) عالمِ سفلی اور طبیعتِ جسمانیہ کی پیداوار مثلاً دانہ تخم درخت سبزہ پھل پھول وغیرہ۔

(۲) اجرامِ علوی اور آسمانی کائنات سے تعلق رکھنے والی چیزوں مثلاً ستارے چاند سورج وغیرہ۔

(۳) فضائی اور دریائی پیداوار مثلاً ابر سے پانی برسانا

پھر ان تینوں کے علاوہ ایک چوتھی چیز بھی بیان کرکے اپنی قدرتِ باہرہ کا ثبوت دیا ہے۔ یعنی ایک نوع کے لاکھوں افراد پھر ان کا مرنا پیدا ہونا وغیرہ۔ ان سب کی مکمل تشریح ہم ذیل میں کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى کہ خدا تعالیٰ دانہ اور گٹھلی چیر کر سبزہ اُگاتا ہے۔ اس سے اُس کی کمالِ قدرت پر روشنی پڑتی ہے۔ تخم سے سبزہ اُگتا ہے۔ سبزہ پھیل کر تن آور درخت بن جاتا ہے۔ پھل پھول مختلف رنگ مختلف شکل اور مختلف ساخت و بُو کے اس میں آتے ہیں۔ ایک شاخ میں مختلف بالیاں، ہر بال میں ہزاروں دانے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ہر ایک کی تاثیر، مزہ، ساخت اور ہیئت جدا جدا ہے۔ یہ سب اُسی کی کاریگری اور صناعی ہے۔ جب وہ اتنا بڑا قادر ہے تو ربوبیت والوہیت میں یقیناً یکتا ہے اور انسان کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

پھر یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ وہ زندہ کو مردہ سے اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے بیج سے نباتات، نطفہ سے حیوان و انسان، حیوان و انسان سے انڈا اور نطفہ بناتا ہے۔ یہ سلسلۂ نوع کا اجراء اُسی کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ تو اب ایسے قادرِ مطلق سے منہ موڑنا اور کفر کرنا کس طرح زیبا ہے۔

پھر فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وہ رات میں سے صبح کو پھاڑ کر نکالتا ہے چہرۂ شب سے صبح کاذب کا پردہ ہٹاتا ہے۔ تاریکی کے اندر سے روشنی پیدا کرتا ہے۔ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا اسی نے رات کو آرام کا سبب بنایا۔ ہر چرند و پرند کو اس میں آرام حاصل ہوتا ہے (قتادہ) وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًاؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ اور چاند سورج کی رفتار کو حساب سے ایک خاص اندازہ پر رکھا تاکہ ایام و ماہ و سال اور موسم سب

منضبط اور اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں۔ یا یہ مطلب کہ شمس و قمر کو حساب کا معیار بنایا تاکہ اس کے ذریعہ سے نہ لوگ ایام و شہور و سنین قائم کریں۔
(ابن عباس)، ان میں سے ہر ایک مقدر بقانون مقنن ہے۔ اُس سے انحراف و اضطراب نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کے واسطے منزلیں ہیں کہ جاڑے گرمی میں
اُسی پر چلتے ہیں اور اسی پر رات دن کی کمی زیادتی ہے۔
پھر وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اُسی
نے ستاروں کو مسافروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا تاکہ تاریکی شب میں بھولے بھٹکے مسافر ثوابت ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کا رُخ معلوم کر سکیں۔ آجکل بھی
جنگلوں کے اندر خشکی کا سفر اور عموماً بحری سفر قطب نما کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ستارے ہی بڑے بڑے عقلمندوں کی رہنمائی کرتے رہیں۔
پھر اسی نے ایک انسان سے یہ لاکھوں کروڑوں انسان پیدا کئے۔ یہ تمام اسی انسانِ اول کا سلسلہ ہے۔ پھر ان انسانوں میں سے کوئی رحمِ مادر
میں ہے کوئی پشتِ پدر میں۔ کوئی پیدا ہو گیا کوئی پیدا ہونے والا ہے۔ کوئی زندہ ہے کوئی مر کر قبر میں پہنچ گیا۔ مستقر اور مستودع کی تفسیر میں علماء
کا اختلاف ہے۔ عبدالرزاق نے قتادہ سے اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور
مستودع سے مراد پشتِ پدر ہے۔ مجاہد، سلمی، قیس بن ابی حازم، ابراہیم نخعی، ضحاک، سدی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ابن
مسعود کی ایک روایت آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر دنیا اور مستودع آخرت ہے۔ مگر طبرانی میں ابن مسعود کی جو روایت مندرج ہے اُس
سے ثابت ہوتا ہے کہ مستقر رحم مادر اور مستودع قبر ہے۔ قرطبی نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اور اکثر علماء نے اسی کو پسند کیا ہے۔
بہر حال مطلب صاف ہے کہ خدا نے انسان کے لئے رحم کو قرارگاہ اور پشت کو جائے امانت یا اس کے برعکس بنایا۔ یا دنیا کو قرارگاہ اور آخرت
کو جائے تعویض قرار دیا۔ مگر جو خدا اس قدر زبردست قدرت والا ہے کیا وہ مردہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا ہے۔
پھر وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا
مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ
مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وہی ابر سے پانی برساتا ہے اور
اس سے ہر چیز کی روئیدگی بالیدگی سرسبزی اور حیات قائم رکھتا ہے۔ پانی سے مختلف قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں تہ بہ تہ بالیاں اور زمین پر
لٹکے ہوئے پھلوں کے گچھے انگوروں وغیرہ کے باغات پیدا ہوتے ہیں۔ شروع میں کیا حالت ہوتی ہے۔ پھر پھل پر مختلف دور گزرتے ہیں تو کیا کیفیت
ہوتی ہے اور بالآخر جب پک جاتا ہے تو کیا مخصوص شکل ہیئت کمیت کیفیت رنگت اور لذت ہوتی ہے۔ یہ تمام براہین قدرت ہیں، دلائل حکمت
ہیں، آثارِ صنعت ہیں اور علامات و شواہد ہیں۔ اس کی بے مثل کاریگری احاطۂ علمی اور تسخیر خلاقی کی پھر کیونکر وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا اور کس
طرح اُس کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

معاد کا ثبوت پُر زور دلائل سے، خدا تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کا اظہار، ربوبیت و الوہیت کا اثبات، براہینِ انفسیہ
سے مصنوعات سے صانع پر استدلال۔ بار بار ان مصنوعات پر غور کرنے اور دانش و فقاہت حاصل کرنے کی ترغیب،
اس بات کی طرف لطیف ایماء کہ توحیدِ الٰہی اور معادِ جسمانی کا عقیدہ محض من گھڑت یا ظنی یا وہمی بات ہی نہیں بلکہ اس کے ثابت کرنے کے لئے عالم کا
ذرہ ذرہ شاہد ہے۔ ہر دانشمند کی عقل اس کے لئے اپنے اندر یقینی برہان رکھتی ہے۔ اس بات کی صراحت کہ تخم سے ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس امر کی
طرف لطیف اشارہ کہ کل کائنات میں اپنے اپنے مرتبہ کے لائق مختلف نوعیت کی حیات موجود ہے۔ رات کی تاریکی جانداروں کے لئے باعثِ تسکین
ہے۔ چاند و سورج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ موسموں کا انضباط اور اوقات کی تعیین ہو جاتی ہے۔ ستاروں کے فوائد میں سے ایک فائدہ
رہنمائی بھی ہے۔ انسان مر کر بالکل فنا نہیں ہو جاتا بلکہ سپرد خاک کر دیا جاتا ہے اور وہ خاک میں شامل ہو جاتا ہے مگر بطور امانت کے۔ جب خدا تعالیٰ
چاہے گا اس امانت کو واپس کر دے گا۔ پانی پر ہی دنیا کی سرسبزی اور زندگی کا مدار ہے۔ کل آیات میں اس امر کی طرف نہایت نازک ایماء بھی ہے کہ کائنات
کا کل سلسلہ متحرک ہے۔ کسی کو ایک حالت پر قرار نہیں ہمیشہ تغیر و تبدل اور عروج و انحطاط ہوتا ہے اور یہی اُن کے حدوث و فنا کی ظاہر دلیل

ہے۔ وغیرہ

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اُنھوں نے جنّات کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ اللہ ہی نے جنات کو پیدا کیا اور انھوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جانے بوجھے گھڑ رکھی ہیں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۠ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى

حالانکہ وہ پاک ہے اور اُن کی بکواس سے برتر ہے آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے اس کے

يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ

اولاد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بی بی نہیں اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ سب کو

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہر چیز کا خالق ہے اُسی

فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○

کی تم عبادت کرو وہ ہر چیز کا کارساز ہے

تفسیر وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ سے بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ تک کفار کا رد ہے۔ کفار دو قسم کے تھے۔ ایک تو محض مشرک تھے یعنی مخلوق کو ربوبیت الوہیت میں کھلم کھلا شریک سمجھتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے اور شیطانوں کا کہنا مانتے تھے۔ دوسری قسم وہ تھی جو بعض مخلوق کو خدائی کا حصہ دار کہتے تھے۔ عزیر اور عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتی تھی۔ ان آیات میں ان دونوں کا رد ہے۔ اول کا رد تو صرف اسی سے ہو گیا کہ خدا نے ان سب کو پیدا کیا۔ پھر مخلوق خالق کے ساتھ خدائی میں شریک کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق مجبور، خدا مختار، مخلوق مقدور، خدا قادر، دونوں میں تناسب و برابری کیا۔

اور دوسرے عقیدہ کا رد چار صورت سے فرمایا:۔

(۱) خدا نے تمام بڑے بڑے اجسام اپنی قدرتِ کاملہ سے ایجاد فرمائے اور یہ سب اس کی مخلوق ہیں اور مدتِ دراز سے یونہی چلے آئے ہیں اور جب یہ خدا کی اولاد نہیں تو اور کسی کا اولاد ہونا کیونکر ممکن ہے۔

(۲) عموماً بیٹا بیٹی ہونے سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ ایک جنس کے نر و مادہ سے پیدا ہو۔ حالانکہ خدا مجانست سے پاک ہے۔ اس کی کوئی بیوی نہیں۔

(۳) فرزند اپنے باپ کا کفو ہوتا ہے اور دنیا کی ہر چیز خدا کی مخلوق ہے اور مخلوق خالق کی کفو نہیں ہو سکتی۔ نیز خدا ہر چیز کا عالم ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں۔

(۴) خالق کو مخلوق کی احتیاج نہیں ہوتی اور باپ کو بیٹے کی احتیاج ہوتی ہے۔ لہٰذا مخلوق خالق کی اولاد نہیں ہو سکتی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ یہ کلام سابق کا نتیجہ ہے۔ حاصل مدعا یہ ہے کہ یہی قادرِ مطلق معبودِ کل جامع صفات تمہارا رب ہے۔ واقع میں اس کی معبودیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ خواہ لوگ کتنے ہی معبود باطل

بنالیں مگر وہ واقع میں اپنی خدائی اور الوہیت میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ لہٰذا اس کی پرستش لازم و واجب ہے۔ کیونکہ وہی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا اور وجود میں لا کر اس کا تحفظ کرنے والا اور اُس کی بقا کے ذرائع کو پیدا کرنے والا ہے۔ گویا موجد بھی وہی ہے اور مبقی بھی وہی ہے۔ لہٰذا وہی معبود واحد ہے۔

مقصود بیان خدا کا شریک نہ کوئی جن ہے نہ انس۔ اُس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی۔ اُس کے اندر کوئی صفت نقصان نہیں۔ اشتراک اور احتیاج الی الولد کمزوری و نقصان کی دلیل ہے۔ اگرچہ قدرتِ کاملہ بغیر ماں کے بھی اولاد کو پیدا کر سکتی ہے۔ مگر سلسلۂ تخلیق انسانی اسی طرح چلی آتی ہے کہ کوئی انسان بغیر ماں کے پیدا نہیں ہوتا۔ خدا ہی موجود کرنے والا اور موجود کرنے کے بعد بقا و تحفظ کے تمام ذرائع بہم پہنچانے والا ہے۔ وغیرہ

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں بلکہ وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے وہ باریک بین باخبر ہے

تفسیر انسان فطرۃً محسوس پرست واقع ہوا ہے۔ جو چیز محسوس نہیں ہوتی اس کے وجود کا قائل مشکل سے ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کوئی ایسی ہیئت و شکل نہیں جو آنکھوں سے دکھائی دے ایسی آواز نہیں جو کانوں سے سُنائی دے۔ ایسی کیفیت نہیں جو ناک سے سُونگھی جاسکے۔ ایسا جسم نہیں جس کو مَس کیا جاسکے۔ اس لئے جہلاء کو ایسی ہستی کے تسلیم کرنے اور اُس کے قادر و خالق ہونے میں عموماً تردد و شک ہوتا تھا۔ اس تردد کی بیخ کنی ان آیات میں فرمادی کہ اُس کو اگرچہ اس عالم حسی کی آنکھ جو محسوسات کے لئے مخصوص ہے دیکھ نہیں سکتی اور کوئی نظر اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ مگر وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور انتہائی دقت نظر سے دیکھتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت کیفیت کمیت وغیرہ سے بخوبی واقف ہے۔

مبحث رُویت کی توضیح ہم چاہتے ہیں کہ دیدارِ باری تعالیٰ کے امکان و عدم امکان کی تفصیل ذرا وضاحت کے ساتھ کردیں کیونکہ اسلام کے بڑے بڑے گروہوں میں اس کے متعلق ایک عظیم اختلاف بپا ہے۔

شیعہ، خارجی اور معتزلہ وغیرہ قائل ہیں کہ اللہ کا دیکھنا محال ہے۔ نہ دنیا میں کسی نے اس کو دیکھا۔ نہ آخرت میں کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اپنے اِس قول کے ثبوت میں یہ حضرات اِسی آیت کو پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی واقعہ معراج کے متعلق اُس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس کو حضرت مسروق نے روایت کیا ہے کہ اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں جس نے زعم کیا کہ محمدؐ نے رب کو دیکھ لیا اُس نے جھوٹ بولا کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے لا تدرکہ الابصار الخ۔

جماعت اہلِ سنت بالاتفاق دیدارِ الٰہی کی قائل ہے۔ تمام صحابہ و تابعین سلف صالحین اور ائمہ و علماء کا یہی عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کے ثبوت میں مختلف آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول اللہ علماء نے پیش کی ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں آیا ہے۔ وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الیٰ ربھا ناظرۃ۔ رسولِ پاکؐ نے بھی فرمایا ہے کہ تم قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو۔ وغیرہ الخ

رہا اس آیت کا جواب جو معتزلہ نے اپنے عقیدہ کے ثبوت میں پیش کی ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں:۔

(۱) لا تدرکہ جملہ نافیہ ہے اور نفی و محال میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ آفتاب پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تو اس نفی سے محال ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ معمولی نگاہ اپنی کمزوری کی وجہ سے آفتاب کی شعاعوں کی تاب نہ لاسکتی ہو اور اس وجہ سے اس پر نہ ٹھہر سکتی ہو۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی نگاہ ایسی قوی ہو جو آفتاب پر جم سکے۔ بالکل یہی صورت باری تعالیٰ کی رویت میں ہے کہ دنیا میں نگاہیں اپنی کمزوری و مادیت کی وجہ سے اُس کو نہیں دیکھتی ہیں لیکن قیامت میں اس کو دیکھ سکیں گی۔

(۲) لا تدرکہ میں ادراک کی نفی ہے رویت کی نفی نہیں ہے۔ رویت و ادراک میں بڑا فرق ہے۔ ادراک اس رویت کو کہتے ہیں جس میں مرئی کا

احاطہ ہو اور رویت مطلقاً دیکھنے کو کہتے ہیں خواہ بطریق احاطہ کے ہو یا نہ ہو۔ نیز ادراک کے معنی ہیں۔ کسی چیز کی کنہ اور حقیقت سے واقف ہونے اور اُس کو چاروں طرف سے گھیر لینے کے اور رویت دیکھنے کو کہتے ہیں۔ پس دیکھنا بغیر احاطہ وادراک کے ممکن ہے۔ لہٰذا باوجود ثبوت رویت کے نفی ادراک ممکن ہے۔ مثلاً باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم مومنوں کو ہے۔ لیکن اس کے باوجود آیت وَلَا یُحِیطُونَ بِهٖ عِلْمًا میں احاطۂ علمی کی ممانعت ہے۔ چنانچہ سعید بن مسیب نے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ابصار اُس کا احاطہ نہیں کرتے ہیں۔ عطار کہتے ہیں کہ ابصار اُس کو احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کسی کی بینائی خدا تعالیٰ کو احاطہ نہیں کرسکتی۔ عکرمہ کے سامنے جب یہ آیت پیش کی گئی تو فرمایا کیا تم آسمان کو نہیں دیکھتے؟ سائل نے ایجاب میں جواب دیا۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا تو کیا پورے آسمان کو اپنی نگاہ سے گھیر لیتے ہو۔ یعنی عدم احاطہ عدم رویت کو مستلزم نہیں ہے۔

(۳) لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ میں الابصار سے مراد بالاتفاق جمیع ابصار ہے۔ یعنی تمام آنکھیں اللہ کو نہیں دیکھتی ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آیت میں ادراک سے رویت ہی مراد ہے لیکن تمام ابصار کی نفی رویت سے ہر بصر کی نفی رویت لازم نہیں آتی۔ مثلاً تمام انسان عالم نہیں ہیں۔ یہ جملہ سچا ہے۔ اور اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ کوئی انسان عالم نہ ہو۔ ممکن ہے بعض انسان عالم ہوں۔ یہی صورت آیت میں بھی ہے کہ تمام آنکھیں اللہ کو نہیں دیکھیں گی بلکہ بعض دیکھیں گی یعنی صرف مومن دیکھیں گے کفار نہیں دیکھیں گے۔

(۴) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ حضرت عکرمہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ارے یہ تو وہ نور ہے جو اُس کا نور ہے جب اپنے نور سے تجلّی فرمادے تو کسی چیز کی ہستی نہ رہے (رواہ ابن مردویہ والحاکم وصحہ) یعنی نفی ادراک سے نور ذات وعظمت وجلال کی نفی مراد ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ والی حدیث کا معاملہ تو اس سے ام المومنین کی مراد یہ ہے کہ دنیا میں دیدار الٰہی نہیں ہوسکتا۔ آخرت میں نفی رویت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ام المومنینؓ دیدار آخرت کی تو خود قائل تھیں۔

مقصود بیان خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کی نفی کی صراحت، اس بات کی طرف اشارہ کہ کفار قیامت کے دن دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے۔ خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کے عدم کی وضاحت، اس بات کی تصریح کہ نورِ نگاہ اگرچہ مادیات میں سب سے زیادہ لطیف ہے لیکن نور الٰہی کی لطافت سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے اُس کے نور کی لطافت اس سے بہت زیادہ اور اقویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نورِ بصر کا احاطہ کرلیتا ہے اور اس کو بصر احاطہ نہیں کرسکتا۔

ضروری وضاحت لطیف کے معنی علماء نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں۔ قاسم کہتے ہیں خدا تعالیٰ لطیف ہے یعنی کسی کو اُس نے نہیں چھوڑا کہ اُس کے نام کی ماہیت پر واقف ہوسکے۔ پھر اس کے وصف کی واقفیت کہاں ممکن ہے۔
جنید کہتے ہیں لطیف وہ ہے جس نے تیرے قلب کو منور کیا اور تیرے جسم کو غذا سے پرورش کیا۔ مصیبت میں تیری خبرگیری کی اور آگ میں تیری حفاظت کی اور بالآخر جنت میں تجھے داخل فرمائے گا۔ حضرت جنید کا یہ قول سیاق آیت کے موافق ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی دلیلیں آچکیں سو جس نے دیکھ لیا تو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا تو اس کا وبال اسی پر ہے

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں اسی طرح ہم پھیر پھیر کر آیتیں بیان کرتے رہیں تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ (اے محمد) تم نے

وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ

(اگلی کتابوں کی) پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم جاننے والے لوگوں کیلئے قرآن کو واضح کردیں تم اُس پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس وحی آئی ہے اس کے

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ط

سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

ہم نے تم کو اُن کا نگہبان نہیں بنایا ہے تم اُن کے ذمہ دار نہیں ہو

تفسیر جب خدا تعالیٰ اپنی ذات صفات توحید، معاد نبوت اور صداقت قرآن کی توضیح فرما چکا اور مشرکین کی شرک انگیزی کی کافی تردید ہو چکی تو اب بطور نتیجہ و اتمام حجت کے فرماتا ہے کہ:۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ اب تمہارے پاس سمجھ و دانش کی باتیں اور تمام حج و براہین آچکے ان پر غور کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ جو کوئی اہلِ بصیرت ہو کر روشنی میں اس پر ایمان لائے گا تو اُس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا۔ اُسی کو دوامی نجات اور فوز ابدی حاصل ہوگی اور جو کفر و شرک کی اندھیری میں پڑا رہے گا نورِ عقل سے کام نہ لے گا بصیرت کی روشنی کو نابینا کرلے گا اور بصائر کی طرف سے چشم پوشی کرے گا تو اس کا وبال اسی کو بھگتنا ہوگا۔ خدا کا نہ پہلی صورت میں نفع ہے نہ دوسری صورت میں نقصان اور نہ رسول تمہاری ان دونوں باتوں کے ذمہ دار ہیں۔ یعنی رسول کا کام تو فقط تبلیغ احکام ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ تبلیغ کی کامیابی یا عدم کامیابی اور لوگوں کے ماننے نہ ماننے کی بازپرس رسول سے نہ ہوگی۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝ قرآن پاک کے تدریجاً نازل ہونے پر عموماً کفار کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ آخر یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوتا ہے۔ کیوں ایک دم توراۃ کی طرح آسمان سے نازل نہ ہوا اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرماتا ہے کہ اس طرح ہیر پھیر کرنے میں چند فوائد ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کے لئے آسانی ہو جائے اور منکرین پر اتمامِ حجت ہو جائے کہ بار بار سمجھایا جاتا ہے پھر بھی نہیں سمجھتے۔ نیز اہلِ علم کو بصیرت ہو کر باوجود بار بار بیان کرنے کے پھر بھی تفاوت نہیں پاتے۔

ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ نے دَرَسْتَ کی بجائے دَارَسْتَ پڑھا ہے مگر ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ بات یہ تھی کہ جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امی ہونے کے صحیح صحیح غیب کی خبریں بیان فرماتے تھے اور حضورؐ کی صداقت نبوت اور حقانیتِ قرآن میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تو مشرکوں نے یہ وہم کرنا شروع کیا کہ آپ خفیہ خفیہ اہلِ کتاب سے پڑھتے اور سیکھ لیتے ہیں۔ اس شبہ کا رد فرماتا ہے۔ تصرف آیات سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ کفار کے کفر میں زیادتی اور مومنوں کے ایمان میں پختگی پیدا ہو۔ ہم تو مختلف پیرایۂ بیان میں یونہی اپنی آیات بیان کئے جائیں گے۔ تاکہ کفار اور ازلی گمراہ یونہی کہتے رہیں کہ تم نے اہلِ کتاب سے یہ سیکھ کر بیان کیا ہے اور حاملِ علم میں اُن کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو (کذا قال الضحاک والسدی وابن زید وغیر واحد)

حسن بصری نے دَرَسَتْ پڑھا ہے یعنی پرانا ہو گیا، مٹ گیا، فرسودہ ہو گیا۔ مطلب یہ تھا کہ اب یہ احکام تو فرسودہ ہو گئے۔ پرانے ہو گئے۔ اب ان کو کون پوچھتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لامذہب زندیق آج کل بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام عبادت کے طریقے، قوانین معاشرت

اصول تمدن سب پرانے زمانہ کی باتیں ہیں۔ نئی روشنی میں ان کا کیا کام۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اوپر کی آیات میں بتایا تھا کہ یہ سمجھ و دانش کی باتیں ہیں۔ ان سے کفار کی ضلالت اور مومنوں کی ہدایت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب فرماتا ہے کہ اے نبی تم ان کافروں، بیہودگیوں اور دریدہ دہنیوں کی پرواہ نہ کرو۔ تم وحی الٰہی پر عمل کرو۔ جو امر الٰہی ہے وہی حق و صحیح ہے باقی سب باطل ہے۔ ان کی خرافات کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ ان کے اصرارِ کفر پر کچھ رنج کرو۔ خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ یہی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ اگر اس کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک نہ کرتے سب ایمان لے آتے۔ تم اُن کے اعمال کے نگہبان نہیں ہو کہ اُن کے جرموں کی تم سے باز پرس ہو۔

مقصود بیان قرآن پاک کے کل احکام عقائد موافق عقل اور عین دانش ہیں۔ کوئی چیز خلافِ عقل نہیں۔ اب سمجھ میں آنا نہ آنا انسان کے اپنے دماغ کا کام ہے۔ سلیم عقل رکھنے والوں کو قوانین اسلام روشن نظر آتے ہیں اور کور دانش ان کو خلافِ عقل سمجھتے ہیں۔ قرآن واقع میں چشمۂ نور ہے۔ کسی کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے کسی کو نقصان۔ جو اہلِ علم و فہم ہیں اُن کو فائدہ پہنچتا ہے اور جو گمراہ و تاریک دماغ ہیں اُن کے کفر میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ وحی الٰہی کا اتباع اور اُس کے مطابق عمل کرنا بلا چون و چرا کے واجب ہے۔

اہلِ شرک کی بیہودگیوں سے کنارہ کشی لازم ہے۔ رسولِ پاکؐ کا کام صرف تبلیغ احکام تھا۔ کفار کی سرکشی و انکار کی باز پرس حضورؐ سے نہ ہوگی۔ بندوں کا مومن و کافر ہونا خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ خدا تعالیٰ جیسی قابلیت دیکھتا ہے ویسا ہی کر دیتا ہے۔ کافروں کا کفر بھی مشیتِ الٰہی کے موافق ہے اگرچہ رضائے الٰہی کے خلاف ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ

(مسلمانو) یہ کافر اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہیں تم اُن کو بُرا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی براہِ عداوت ناسمجھی سے اللہ کو بُرا

عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ

کہیں گے اسی طرح ہم نے ہر فریق کی نظر میں اُس کے اعمال آراستہ کر دکھلائے ہیں پھر اُن سب کو اپنے رب کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

وہ اُن کے اعمال (کا نتیجہ) اُن کو بتا دے گا

تفسیر علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا محمد! تم ہمارے معبودوں کو بُرا کہنے سے باز رہو ورنہ ہم بھی تمہارے معبود کی ہجو کریں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس سے منع فرما دیا۔ قتادہ کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا واقع ہوا تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت سدی سردارانِ قریش کا ابوطالب کے پاس جانا اور درخواست کرنا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کرو ہمارے معبودوں کے حق میں بدزبانی نہ کرے ورنہ ہم اُس کے معبود کے حق میں بدزبانی کریں گے۔" بیان کیا ہے ممکن ہے شانِ نزول دونوں واقعات ہوں۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم بتوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ اصنام کو گالی دینا اور ان کی توہین کرنی اگرچہ امر مباح ہے۔ لیکن چونکہ یہ امر مباح جنابِ باری کی شان میں گستاخی کرنے کا سبب ہو جائے گا اسی لئے یہ امر مباح بھی حرام ہو گیا لہٰذا تم ان کے معبودوں کو سخت سُست نہ کہو کیونکہ یہ اپنی

دشمنی کے سبب تمہارے معبود کو بُرا کہیں گے اور چونکہ نادان و نا سمجھ ہیں اُن کو اس کا امتیاز ہی نہیں کہ کون قابلِ مدح ہے اور کون سزاوارِ مذمت۔ یہ اپنے عقائد و اعمال کو بہترین و مستحسن جانتے ہیں اور انہی پر کیا موقوف ہے ہر قوم اپنے افعال و اعمال کو اچھا ہی جانتی ہے خواہ واقع میں وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ وہ قوم ان کو اچھا سمجھ کر ہی کرتی ہے۔ رہی واقعی کیفیت تو خدا تعالیٰ قیامت کے دن خود ظاہر فرمائے گا۔ اُس روز اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

مقصودِ بیان کسی قوم کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت۔ امرِ مباح سے اگر امرِ حرام کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ مباح بھی مباح نہیں رہتا۔ ہر قوم اپنے اطوار کردار اور گفتار کو صحیح سمجھتی ہے۔ آیت میں لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ اور اچھے بُرے کا واقعی فرق حکمِ الٰہی پر موقوف ہے۔ عقل کافی نہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ

اور اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی معجزہ آیا تو وہ ضرور اُس پر ایمان لے آئیں گے

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا

تم کہہ دو کہ معجزات اللہ ہی کے پاس ہیں تم (مسلمانوں) کو کیا خبر کہ جب وہ معجزات آجائیں گے تب بھی

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ہم اُن کے دل اور آنکھیں پلٹ دیں گے جیسا کہ پہلی بار وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ع ۱۳

(اسی طرح پھر بھی نہ لائیں گے) ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے رہنے دیں گے

تفسیر قریش نے ایک مرتبہ حضورؐ سے عرض کیا کہ محمدؐ! تم کہتے ہو کہ موسیٰ کے پاس عصا کا معجزہ تھا۔ اُن کا عصا دشمن کے مقابلہ میں سانپ بن جاتا اور اندھیرے میں چراغ کا کام دیتا تھا اور عیسیٰ اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کرتے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور صالحؑ کو معجزہ کے طور پر اونٹنی دی گئی تھی جو جیتی جاگتی دودھ دیتی ایک سخت پتھر سے اُن کی دعا کے سبب نکل کھڑی ہوئی تھی۔

غرض گزشتہ انبیاء بہتیرے معجزات لائے تھے تم بھی تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ حضورؐ نے فرمایا اگر کوئی معجزہ مجھ سے صادر ہو گیا تو ایمان بھی لاؤ گے؟ سب نے قسم کھائی اور عہد کیا کہ ضرور ایمان لائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا بتاؤ کیا معجزہ چاہتے ہو؟ قریش نے کہا کوہ صفا سونے کا ہو جائے۔ حضورؐ دست بدعا ہوئے تب جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ہم تمہاری دعا سے معجزہ تو ضرور ظاہر کر دیں گے لیکن اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد بھی کافر ایمان نہ لائے تو ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔ حضورؐ والا کی ذاتِ بابرکات چونکہ عالم کے لئے رحمت تھی اس لئے آپ نے اپنی نالائق قوم کے ہلاک ہونے کو پسند نہ کیا اور خاموش ہو کر دوسری صورت اختیار کر لی۔ اس وقت یہ آیت اتری (رواہ ابن جریر عن محمد بن کعب مرسلاً۔ قال ابن کثیر ولہ شواہد)

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر بڑے مضبوط طریقے سے کہا کہ ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ تم اُن سے کہہ دو کہ معجزات تو سب اللہ کے

پاس موجود ہیں، وہ قادر ہے جب چاہے ظاہر کردے مگر ازلی گمراہوں کو اس سے کیا فائدہ۔ وہ ظہورِ معجزات کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے جس طرح اس سے پہلے معجزات دیکھ کر یہ ایمان نہ لائے اور وہ پردہ حائل ہو گیا جو تقدیرِ الٰہی سے ان کے خبیث نفوس میں شیطان نے ڈال دیا تھا اور اس کی وجہ سے نورِ حق کا ظہور اُن کے قلوب پر نہ ہو سکا تھا اسی طرح اگر دیگر معجزات بھی ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی وہی پردہ حائل رہے گا۔ اُن کی آنکھیں حق بات کو نہ دیکھ سکیں گی اور دلوں میں نورِ صداقت پیدا نہ ہوگا۔ ان کے دل اور آنکھیں رحمت کی طرف سے برگشتہ رہیں گی۔ (ابن عباس و عکرمہ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم)

مقصودِ بیان ازلی گمراہوں کو آفتاب کی طرح روشن حق بھی مفید نہیں ہوتا۔ جن کا نورِ قلب مردہ ہو گیا ہو اُن کے دلوں اور آنکھوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ پھر کسی قسم کی ہدایت سے اُن کو نفع نہیں پہنچتا۔ اظہارِ معجزہ استدعائے نبی پر موقوف نہیں بلکہ مصلحتِ خداوندی پر موقوف ہے۔ فرمائشی معجزہ اگر مصلحت کے خلاف ہو تو ظاہر نہیں ہوتا۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۸

وَلَوْ اَنَّنَا

فاضل اجل مفسر قرآن حضرت العلامہ مولانا سید عبد الدائم جلالی

مکتبہ دار الفرقان

دفتر ماہنامہ "آستانہ" پوسٹ بکس ۱۲۰۶

۱۵۶۵ سوئی والان۔ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲

ہدیہ ———— ۶ روپے ۵۰ پیسے

آٹھواں پارہ

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اگر ہم ان پر فرشتوں کو اتار دیتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہر چیز کو

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ

ان کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی بغیر مشیت خدا کے یہ ہرگز ایمان نہ لاتے بات یہ ہے کہ

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝

اکثر ان میں سے جہالت کرتے ہیں

تفسیر کفار نے رسول پاکؐ سے مختلف قسم کے معجزات صرف عناد و کٹ حجتی کے طور پر طلب کرتے تھے۔ کبھی تو کہتے تھے کہ ہمارے پاس فرشتے اتر کر کیوں نہیں آتے اور کیوں تمہاری نبوت کی تصدیق خود آکر نہیں کرتے۔ کبھی کہتے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا جو صدہا سال سے مر چکے ہیں وہ زندہ ہو کر آئیں اور گواہی دیں کہ یہ شخص رسول اللہ کا ہے یا قیامت ضرور ہوگی اور حشر نشر ہوگا۔ اسی قسم کے خرافات کہتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ان آیات میں اس تمام لغویات کا استیصال فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ:-

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا اگر ان کے پاس فرشتے بھی اتر کر آجائیں اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگیں اور ان کے سامنے تمام مری ہوئی چیزیں بھی زندہ ہو کر اکٹھی ہو جائیں یعنی بڑا سا بڑا معجزہ بھی ان کو دکھا دیا جائے: مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہاں مشیت خدا ہو ان کے مومن ہونے کی ہو تو خیر مگر ان میں سے اکثر اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے ان کو اس کا بالکل یقین نہیں۔

ضروری تحقیق قُبُلًا قبیل کی جمع ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان کے پاس تمام گزشتہ امتیں جوق در جوق آجائیں اور رسول کی سچائی کی گواہی دیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے (مجاہد) ابن عباس قتادہ اور عبدالرحمٰن کے نزدیک قبلاً کے معنی ہیں مقابلہ اور معائنہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر ان کے سامنے کل چیزیں زندہ ہو کر آجائیں اور تصدیق رسالت کریں تب بھی نہ مانیں گے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ممکن ہے قُبُل قبیل کی جمع ہو اور قبیل کے معنی ہیں مقابلہ و معائنہ۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم ہر چیز کو محشور کر دیں اور وہ ذمہ داری کرے کہ انبیاء نے مابعد الموت کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ سب برحق ہیں تب بھی نہ مانیں گے بیضاوی اور زمخشری وغیرہ نے یہی تفسیر کی ہے۔

مقصود بیان ناحق پرست گمراہوں کے لئے کوئی طریق ہدایت مفید نہیں۔ ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے ہدایت حاصل کرنے کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اپنی قدرت، دانش اور علم پر زعم کرنا فضول [illegible] کی خواہش کے مطابق ہر معجزہ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ وغیرہ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ

اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں کو اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کو ملمع دار باتیں

اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

فریب دینے کو سکھاتا رہتا ہے اگر تمہارا رب چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے سو ان کو چھوڑ دیجئے

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

اور ان کی افتراء پردازی اور تاکہ ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُس (شرارت) کی طرف مائل ہوں

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○

اور اُس کو وہ پسند کرتے رہیں اور جو بدکاریاں کر رہے ہیں کئے جائیں

تفسیر ان آیات میں رسولِ پاک کو تسکین و تسلی دی گئی ہے اور عام مسلمانوں کو شیاطین الانس و جن کے فریب و اغواء سے بچنے کی تنبیہ فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا الخ

اے نبی تمہاری ہی طرح ہر نبی کے واسطے کچھ انسان اور کچھ جنات دشمن رہے ہیں۔ آپس میں یہ شیاطین ایک دوسرے کو بہکاتے اور ملمع کاری کی چکنی چپڑی باتیں کہہ کے اغواء کرتے رہیں۔ لہٰذا تم ان کی اس ملمع کاری کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ ان سے اور ان کی افتراء پردازی سے تعلق نہ رکھو۔ ان کے اغواء کا اور کچھ اثر تو ہو نہیں سکتا صرف یہ اثر ضرور ہوگا کہ جو بے ایمان ہیں اُن کے دل ان کی طرف مائل ہوں گے اور ان کی ملمع کاری کو ایسے ہی لوگ پسند بھی کریں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

تحقیق قتادہ کا قول ہے انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں اور جنات میں سے بھی۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے شیاطین انس و جن سے پناہ مانگی؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! کیا آدمیوں میں بھی شیاطین ہیں؟ فرمایا ہاں بلکہ شیطان آدمی اصل شیطانوں سے زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں (رواہ عبدالرزاق والامام احمد وابن مردویہ وابن جریر وابن ابی حاتم من طرق منقطعا وموصولا کما اوردہ الحافظ وذکران المجموع یفیدانہ حدیث صحیح) تفسیر مدارک میں ہے مالک بن دینار نے فرمایا کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہوں تو شیطان بھاگ جاتا ہے لیکن شیطان آدمی بہت سخت ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے آکر مجھے بہکاتے ہیں۔

مقصودِ بیان ہمیشہ سے حق کا دشمن باطل رہا ہے۔ داعیانِ حق کی مخالفت ہمیشہ باطل پرستوں نے کی ہے۔ آدمی بھی آدمی نما شیطان ہوتا ہے۔ بُری باتیں ملمع کاری کے ساتھ کہنا اور اس طرح بہکانا شیطان کا کام ہے۔ باطل اور دھوکہ و فریب کی طرف بے ایمانوں ہی کے دل مائل ہوتے ہیں۔ وغیرہ

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ ط

(کہہ دو) کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں منصف بنانا چاہوں حالانکہ اسی نے یہ واضح کتاب تمہاری طرف نازل کی

وَالَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل کی گئی ہے لہٰذا

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ ط

آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا (اے محمد) سچائی اور انصاف میں تمہارے پروردگار کی بات پوری ہے

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں وہی سننے والا اور جاننے والا ہے

تفسیر جب مشرکین قرآن کے دلائل کے مقابلہ میں لاجواب ہو گئے اور اپنے معبودوں کی معبودیت کا کسی طرح اثبات نہ کر سکے تو مجبوراً بول اٹھے کہ اچھا کوئی ثالث مقرر کر لیجئے۔ وہی جو کچھ فیصلہ کرے گا وہ ہم کو منظور ہوگا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ اے رسول تم ان سے کہہ دو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو حکم مقرر کروں۔ حالانکہ خدا ہی نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور کتاب بھی معمولی نہیں بلکہ وہ کتاب جس کے اندر اچھے برے نیک بد سعادت شقاوت اور نجات و مواخذہ کے تمام احوال کھول کھول کر بیان کر دیئے اس کتاب کی حقانیت اول تو اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں تمام عقائد حقہ اعمال صالحہ اور احکام صحیحہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ نجات و عذاب کے اصول انتہائی سچائی کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں گزشتہ واقعات کی تفصیل اور آئندہ پیدا ہونے والے امور کا اظہار نہایت صحیح طور پر کر دیا گیا۔ اگر خود دانشمند ہو تو سمجھ لو اور نا سمجھ ہو تو دیکھ لو پھر اگر خود اتنی بصیرت نہیں رکھتے ہو اور کسی کی شہادت کی ضرورت ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو (یعنی ان کی کتابیں اگرچہ مجموعہ صحیح و غلط ہو گئی ہیں اور صدہا تحریفات اُن کے اندر کر دی گئی ہیں لیکن اب تک اُن کے اندر قرآن کے برحق ہونے کے صدہا نشانات موجود ہیں۔ لہٰذا اُن کی کتابوں کی شہادت کا اعتبار کرو۔

الَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ اے نبی! تم کسی طرح شک میں نہ پڑنا۔ اس کا مطلب دو طرح بیان کیا گیا ہے اول تو یہ کہ خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن روئے سخن امت کی طرف ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گزشتہ کلام میں خدا تعالیٰ نے اہل کتاب کی شہادت کے ذریعہ قائل کرنے کی کافروں کو دعوت دی تھی اور رسول پاک کے پیش نظر اسرائیلی کتابیں نہ تھیں اس لئے فطرت انسانی کے اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات دل میں پیدا ہونی ممکن تھی کہ خدا جانے اہل کتاب کیا شہادت دیں گے اور ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہرگز اس میں شک نہ کرنا کہ اہل کتاب قرآن کو کلام الٰہی جانتے ہیں۔ یعنی اہل کتاب کا یہ خیال یقینی ہے تم اس میں شک نہ کرنا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ کلمۂ رب سے کیا مراد ہے؟۔ اس میں اختلاف ہے (۱) شرع کے احکام اور وعدہ وعید مراد ہے (۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔ (رواہ البخاری وابن مردویہ

میں ..... مراد ہا (۲۰) میں سے مراد قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک باعتبار سچائی کے اور بلحاظ عدل کامل ہے جس طرح دیگر آسمانی کتابوں میں لوگوں نے تحریف کر لی ایسے قرآن پاک کی تحریف و تغیر پر کوئی قادر نہ ہوگا بلکہ یہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اول صورت میں لا مبدل لکلماتہ کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ و وعید اور احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ کتاب الٰہی کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ حصہ جس میں گذشتہ لوگوں کے واقعات، آئندہ کے حالات جنت و دوزخ اور حساب کتاب کی تشریح اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی توضیح ہوتی ہے۔ اس حصہ کا کمال درجہ یہ ہے کہ کل اطلاعات ماضیہ اور واقعات آئندہ کی پیشین گوئیاں سچی ہوں اور عقائد ذاتی و صفاتی مستحکم ہوں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں احکام رسالتی دینی، سیاسی، قانونی، اصلاحی اور تمدنی ہوتے ہیں۔ اس حصہ کا کمال درجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ، کمی بیشی سے پاک اور معتدل درمیانی طریقہ پر ہو۔ قرآن دونوں حصوں کے اعتبار سے کامل ہے۔ لہذا بلحاظ سچائی بھی درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے اور بلحاظ عدل بھی۔

مقصود بیان

خدا تعالیٰ کے وعدہ وعید میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ احکام شرع میں زمانہ کی گردش سے کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید ہمیشہ کے لئے تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن کے کل اخبارات و پیشین گوئیاں سچی ہیں۔ قرآن کے کل قوانین و ضوابط معتدل ہیں جن میں ترتیب اور خلاف عقل نہیں ہیں۔ اس کی تعلیم خواہ عبادت کی ہو یا معاملات کی یا عقائد کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ لا مبدل لکلماتہ سے بقول بعض یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ناقابل تبدیل ہے۔ نہ تقدیراً جنتی دوزخی ہو سکتا ہے نہ دوزخی جنتی ہو سکتا ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا

اگر تم دنیا کے اکثر لوگوں کے کہنے پر چلو گے تو وہ تم کو راہ خدا سے بے راہ کر دیں گے وہ تو صرف خیال پر چلتے

الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ

ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں تمہارا رب اُن کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکتا ہے

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ

اور ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے سو اگر تم اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہو تو جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہو

مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ

اُس کو کھاؤ اور کیا وجہ کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُس کو نہ کھاؤ حالانکہ اُس نے وہ

لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ

چیزیں مفصل بیان کر دیں جن کو تم پر حرام کر دیا ہے بشرطیکہ تم (ان حرام چیزوں کے کھانے پر) مجبور نہ ہو اور بیشک اکثر بلا تحقیق اپنی

بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ○

خواہشوں کے موافق بہکاتے رہتے ہیں تمہارا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے

تفسیر

تحقیق :- مَنْ فِي الْأَرْضِ مراد کفار ہیں اور ارض سے مراد یا مطلق زمین ہے یا صرف مکہ۔ دونوں صورتیں جائز ہیں کیونکہ کفار بہ نسبت اہلِ ایمان کے کل زمین پر بھی زیادہ ہیں اور مکہ میں بھی اُس زمانہ میں زیادہ تھے۔ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ سے وہ محرمات مراد ہیں جن کی تفصیل سورۂ مائدہ میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ میں وارد ہوئی ہے لیکن اس پر ایک قوی اشکال امام رازی نے تفسیر کبیر میں وارد کیا ہے کہ یہ سورۂ انعام مکی ہے اور مائدہ مدنی ہے اور مکی سورتیں یقیناً نزول میں مدنی سورتوں سے مقدم ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ مکی آیت میں مدنی آیت کا حوالہ دیا جائے۔ مقدم النزول میں مؤخر النزول کا حوالہ خلافِ عقل ہے۔ اس اعتراض کے بعد امام نے فرمایا کہ فَصَّلَ لَكُمْ میں جس آیت کی طرف حوالہ ہے وہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ نہیں بلکہ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا الخ ہے لیکن دیگر مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حوالہ علمِ الٰہی کی ترتیب کے لحاظ سے ہے یعنی مدنی سورت اگرچہ مکی سورت سے نزول میں مؤخر ہے لیکن علمِ الٰہی میں یہ بات موجود تھی کہ ترتیبِ قرآنی میں سورۂ انعام پر سورۂ مائدہ مقدم ہوگی۔ لہٰذا سورۂ انعام میں کسی ایسی آیت کا حوالہ دینا جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہوگی، ترتیبِ قرآنی کے موافق ہے۔

شانِ نزول

کفارِ مکہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ مسلمانو! تم کیسے ناسمجھ ہو کہ خدا کے معبود ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے جانور (یعنی ذبیحہ) کو کھا لیتے ہو مگر خدا کا مارا ہوا یعنی مُردار نہیں کھاتے۔ حالانکہ اللہ کا مارا ہوا بہ نسبت لوگوں کے مارے ہوئے جانور کے بدرجۂ اولیٰ کھانا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ آخر تک نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اگر تم کفار کا کہنا مانو گے تو یہ تم کو راہِ حق سے بہکا دیں گے یعنی ایسی وہمی باتیں شیطان کے ساختہ بتائیں گے جن کے ماننے سے غضبِ الٰہی نازل ہوتا ہے اور آدمی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ یہ لوگ محض اپنے وہم و گمان پر چلتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں۔ تحقیقی بات کو نہیں مانتے۔ حقیقۃ الامر ان کو معلوم نہیں۔ جو بات تحقیقی ہے اس کو یہ وہمی جانتے ہیں اور جو خلافِ حق ہے اس کو تحقیقی جانتے ہیں۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ حالانکہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ کون گم کردہ راہ ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔ کس کا قول تحقیقی ہے اور کس کا محض وہمی قیاسی۔ لہٰذا تم اُن کے شبہات کی پرواہ نہ کرو بلکہ احکامِ الٰہی پر اگر تمہارا واقعی ایمان ہے تو فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ اُن چیزوں کو کھاؤ جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا ہو اُس کو کھاؤ اور جو مُردار ہو اُس کو نہ کھاؤ۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔ آخر شبہ کی گنجائش ہی کیا ہے جب خدا تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے کہ فلاں فلاں چیزوں کو بغیر کسی خاص اضطراری حالت کے نہ کھاؤ تو اب اُن کے علاوہ اور چیزوں کو نہ کھانے کا کیا سبب۔ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ۝ یہ کفارِ عرب تو اپنی نفسانیت اور ہوس پرستی اور جہالت سے اُلٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور حدِ اعتدال سے ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ خدا خوب واقف ہے کہ کون کون لوگ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔

مقصودِ بیان

گروہِ حق تعداد میں ہمیشہ کم ہوتا ہے۔ عموماً انسان گمراہی پسند واقع ہوئے ہیں۔ اکثر لوگوں کو تحقیقی و وہمی باتوں میں امتیاز نہیں ہوتا۔ عموماً لوگ اپنے من گھڑت خیالات پر چلتے ہیں۔ تحقیقی حکم دریافت کرنے کے لئے نص کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی حکمِ قرآنی اپنی رائے کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اُس کو ماننا چاہیئے اور اپنی رائے کو نفس کا دھوکا سمجھنا چاہیئے۔ احکامِ الٰہی پر ایمان رکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر عمل کیا جائے۔ حلال کو حرام سمجھنا کفر و ضلال ہے۔ وغیرہ

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا

(مسلمانو)	ظاہری اور باطنی	گناہ چھوڑ دو	جو لوگ	گناہ کرتے ہیں	وہ عنقریب	اپنے کیے	کی

كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ

سزا پائیں گے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تم اس کو نہ کھاؤ یہ گناہ ہے۔

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے کج بحثی کریں اگر تم اُن کا کہا مانو گے تو

إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ ع

یقیناً تم مشرک ہو

تفسیر گزشتہ آیات میں راہ حق پر چلنے کی ہدایت اور محرمات سے بچنے کا حکم تھا۔ یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر عام حکم دیتا ہے جو تمام قوانین کی بنیاد ہے۔

تحقیق ضروری ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ کا لفظی ترجمہ تو کھلا ڈھکا گناہ ہے لیکن اس سے کیا مراد ہے؟ اہل علم کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں۔ اس سے مراد علانیہ اور در پردہ زنا مراد ہے۔ یہ سدی کا قول ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ باپ کی منکوحہ اور بیٹے کی زوجہ سے نکاح مت کرو۔ قتادہ کا قول ہے کہ ظاہر الاثم سے مراد قلیل گناہ اور باطن الاثم سے مراد کثیر گناہ ہے۔ لیکن اہل تحقیق کے نزدیک کسی خاص گناہ کی تخصیص نہیں ہر قسم کے گناہ کی اس آیت میں مخالفت ہے۔ ظاہری گناہ تو وہ ہیں جو اعضائے ظاہری سے ظاہر میں محسوس ہوں مثلاً علانیہ زنا، قمار بازی، قزاقی، شراب خواری، دروغ بافی، مکار خواری اور باطنی گناہ وہ ہیں جو اعضائے باطنی سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً بدنیتی، حسد، کینہ، رعونت، خود نمائی، مسلمانوں کو ضرر رسانی کی تدبیریں سوچنا، مختلف شکوک و شبہات دل میں لانا وغیرہ یا وہ گناہ جن کا تعلق اگرچہ ظاہری اعضاء سے ہو مگر ان کو چھپا کر کیا جائے مثلاً گوشۂ چشم سے غیر محرم کو دیکھنا، چھپ کر زنا کرنا اور مخلوق سے پوشیدہ ہو کر کوئی گناہ کرنا۔ رہی یہ بات کہ گناہ کیا چیز ہے؟ تو اس کے متعلق نواس بن سمعان کی روایت کردہ حدیث کافی ہے۔ نواس کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اثم کیا چیز ہے؟ فرمایا اثم وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس بات کو پسند نہ کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں (رواہ ابن ابی حاتم وغیرہ بسند صحیح)

حاصل مطلب یہ ہے کہ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ہر قسم کے ظاہری باطنی گناہ کو چھوڑ دو۔ یعنی ذبیحہ کو حرام سمجھنا اور حلال کو حرام جاننا بھی گناہ ہے لہٰذا اس کو بھی ترک کر دو۔ کیونکہ ہر گناہ کی سزا ضرور دی جائے گی۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ اوپر کی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ تم کفار کی شک اندازی سے شک میں نہ پڑ جانا اُن کے بہکانے سے بہک نہ جانا ذبیحہ کو حرام نہ سمجھ لینا۔ اب اس کے مخالف پہلو کے متعلق ہدایت کی جاتی ہے کہ یہ شیطان ہیں ان کے دوست شیطان اُن کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا تم ان کا کہنا نہ ماننا اور ان کے حکم کو صحیح نہ سمجھنا ورنہ تم بھی مشرک فی الحکم ہو جاؤ گے۔ غرض یہ کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ۔

تحقیقِ مسائل علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم کچھ ذبیحہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ ہر کھانے پینے پر بھی بسم اللہ پڑھنی ضرور ہے ورنہ وہ چیز حرام ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک اور چیزوں پر بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے نہ کہ فرض کیونکہ آیت میں مِمَّا سے جانور مراد ہیں مگر جانور بھی حلال جن کو کتاب و سنت نے حرام نہ کہا ہو اور یہ بسم اللہ کہنا بھی ذبیحہ کو اُس وقت دُرست کرتا ہے جبکہ مومن یا اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو۔

اہلِ کتاب کے نزدیک اس آیت سے تمام وہ ذبائح حرام ہیں جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ خواہ جھٹکا ہو یا گردن مروڑا ہوا یا بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا یا خود مرا ہوا ہو یا بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا گیا ہو لیکن مسلم و کتابی نے ذبح نہ کیا ہو بلکہ مسلم و کتابی کے علاوہ کسی مشرک مجوسی یا ملحد نے ذبح کیا ہو۔ بہرحال یہ تمام جانور حرام ہیں۔

اگر مسلمان سے بوقتِ ذبح بسم اللہ کہنا ترک ہو جائے خواہ عمداً خواہ سہواً تو اس کے متعلق علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ یہ ابن عمرؓ، نافع، شعبی اور ابن سیرین کا قول ہے اور ایک روایت سے مالک و احمد حنبل کا بھی یہی قول ہے اور داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر سہواً بسم اللہ کہنا ترک ہو گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری، عبدالرحمٰن اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ اس گروہ کا قول ہے کہ سہواً ترک درحقیقت ترک نہیں بھول چوک مسلمان کے لئے معاف ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلمان عمداً بسم اللہ کہنی ترک کر دے تو بھی دُرست ہے کیونکہ آیت میں ذبح غیر اللہ کی حرمت مذکور ہے۔

مقصودِ بیان وحی کرنے والا شیطان بھی ہوتا ہے۔ آدمیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو شیطانوں کی طبیعت پر پیدا ہوئے ہیں۔ کسی حرام چیز کو حلال یا حلال کو حرام جاننا کفر ہے۔ شرک دو قسم کا ہوتا ہے شرک فی العقیدہ اور شرک فی العمل۔ شریعت میں دونوں ممنوع ہیں۔ شیطانوں اور نافرمانوں کا کہنا ماننا اور اُن کے قول پر چلنا شرک فی الحکم ہے۔ وغیرہ

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ

بھلا ایسا شخص جو بے جان تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا پھر اُس کو روشنی دی جس کو وہ لوگوں میں لئے پھرتا ہے اُس شخص کی

كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا

طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے اُن سے نہیں نکل سکتا اسی طرح کافروں کی نظر میں اُن کے (بد) اعمال

كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِى كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا۟

بھلے کر دکھائے گئے ہیں اور اسی طرح ہر بستی میں ہم نے گنہگاروں کے سردار پیدا کئے تاکہ اُس بستی میں وہ

فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

فساد کریں حالانکہ جس قدر وہ مکاریاں کرتے ہیں اپنے ہی حق میں کرتے ہیں مگر اُس کو سمجھتے نہیں

تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ زید بن اسلم کے قول کے مطابق حضرت عمر بن خطاب اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر اور ابوجہل مراد ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ حضور اقدس کی شانِ والاشان اور ابوجہل ملعون کے حق میں نازل ہوئی۔ شیخ ابن کثیر نے آخری فیصلہ کے طور پر فرمایا کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس آیت کا نزول دو معین شخصوں کے حق میں ہوا یعنی کہ جس کو نور حطا کیا گیا وہ عمر بن الخطاب یا عمار بن یاسر ہیں اور جو تاریکیوں میں پڑا رہا اور نکل نہ سکا

وہ ابوجہل ہے۔ مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے اس میں ہر کافر و مومن داخل ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے مساوی نہیں۔ انتہیٰ ملخصاً مفسر موصوف نے ابن کثیر کے فیصلہ کو ہی پسند کیا ہے۔

تحقیق مُردہ سے مُراد مردہ دل اور حیات سے مراد زندہ دل یعنی ہدایت اور نور سے مُراد نورِ ایمان یا قرآن اور ظلمات سے مُراد شرک و کفر کی تاریکیاں بداعمالیوں کی اندھیریاں اور عقائد بد کی ظلمتیں ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ حاصل مطلب یہ ہے کہ دو شخص ہیں ایک تو وہ جو پہلے مُردہ تھا پھر اس کو زندہ کیا گیا اور اس کو ایک منور چراغ دیا گیا تاکہ چراغ لے کر جدھر چاہے چلا جائے۔ چراغ کی روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرے۔ نہ گڑھے میں کہیں گرے نہ خندق میں۔ دوسرا وہ شخص ہے جو گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں پھنسا ہوا ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو۔ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو۔ اور اندھیری سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ اول الذکر شخص روشنی میں سیدھا راستہ تلاش کرے گا۔ ہر کھائی خندق سے محفوظ رہے گا اور آہستہ آہستہ روشنی میں منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا اور مؤخر الذکر آدمی منزل پر نہ پہنچ سکے گا کہیں گڑھے میں خندق میں گر جائے گا۔ کسی چیز سے ٹکرا جائے گا اور بالآخر ہلاک ہو جائے گا۔ یہی حالت مومن و کافر کی ہے۔ مومن شروع میں مادی کثافتوں اور طبعی کدورتوں میں پھنسا ہوتا ہے جو اس کی موت روحانی کا باعث ہیں لیکن خدا تعالیٰ اس کی اس موت کو زائل کر کے اس کے دل کو زندہ کرتا ہے۔ پھر اس کو نورِ ایمان و قرآن عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ وہ حق و باطل اور خطا و صواب میں امتیاز کرتا ہے۔ قرآن و ایمان کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کی راہ طے کرتا اور بالآخر نجاتِ ابدی کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور کافر ہر طرح کی تاریکیوں میں پھنسا رہتا ہے۔ اس کا دل مُردہ ہوتا ہے۔ حواس مُردہ، دماغ مُردہ، تمام قویٰ مُردہ، یہاں تک کہ روح مُردہ ہوتی ہے۔ عقائدِ بد اور اعمالِ شنیعہ کی تاریکیاں اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنی زندگی کی راہ چلتا ہے مگر اندھا دُھند اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے جس کا نتیجہ دوامی موت اور عذاب سرمدی ہے۔

اس کے بعد کافروں کے تاریکیوں میں پھنسنے اور اندھیریوں سے باہر نہ نکل سکنے کی وجہ ظاہر فرماتا ہے کہ درحقیقت کافروں کو اپنے اعمال و افعال مستحسن اور نظر فریب معلوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے کفر و شناعت و ضلالت کو کس طرح چھوڑیں۔ یعنی ان کی روحانیت میں تضاد و تقدس نے خباثت کی طرف طبعی میلان رکھا ہے۔ جس طرح نجاست کے کیڑے کو نجاست کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے کہ وہ پاک چیزیں چھوڑ کر اسی کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح کافروں کی نظر میں ان کی بداعمالیاں خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ پھر کس طرح تاریکیوں میں سے نکل سکتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ یعنی جس طرح مکہ کے سردار ابوجہل، ولید بن مغیرہ وغیرہ مجرموں کے سرگروہ ہیں اور لوگوں کو مکر و فریب سے گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی اور ہر گاؤں میں جہاں کہیں نبی بھیجے وہاں کے بدکاروں اور مکاروں کو سرداری اور دنیوی عزت عطا کی تاکہ جہاں تک ان سے ہو سکے مکر و فریب سے گمراہی پھیلائیں اور آخر میں نتیجۂ فریب انہی کو برداشت کرنا ہو اور وہی مستوجب ہلاکت اور مستحق بربادی قرار پائے مگر ان کو اس کا احساس ہی نہ تھا۔ وہ تو اپنے آپ کو کامیاب حکمران بامراد سردار اور خوشحال رئیس سمجھتے رہے۔

مقصودِ بیان مسلمان زندہ ہے اور کافر مُردہ۔ مسلمان کے پاس مشعلِ ہدایت اور نورِ ایمان ہے اور کافر اندھیرے میں پڑا ہوا ہے۔ کافروں کے بے ایمان رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنی بداعمالیاں اور بداعتقادیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص گناہ کرے مگر اس کو اچھا نہ سمجھے تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن جو شخص گناہ کو گناہ نہ سمجھے بلکہ اس کو بہتر سمجھنے لگے یعنی اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا جاننے لگے اس کی فلاح کی امید ہی نہیں ہو سکتی۔ تباہ کاروں اور بداطوار اشخاص کو دولتمند مرفہ الحال اور امیر کبیر کرنا خدا تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ و ظلم کرنے کے باوجود خوب پھلتا پھولتا جائے اور روز بروز اس کو دنیوی ترقی حاصل ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ اس کو کلی طور پر تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وغیرہ۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ

جب اُن کے سامنے کوئی معجزہ آتا ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے تاوقتیکہ ہم کو ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی ہے

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ

اللہ خوب واقف ہے کہ اس کی پیغمبری کا موقع کہاں ہے عنقریب ان مجرموں کو ان کی فساد انگیزی کی پاداش میں ذلت اور

اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝

سخت عذاب پہنچے گا۔

تفسیر جب مذہب اسلام کو روز بروز ترقی ہوتی گئی تو ابوجہل نے کہا کہ بنی عبد مناف ہمارے ساتھ ہر شرف و عزت میں مساوی ہیں لیکن جب انھوں نے ہم سے بڑھنا چاہا تو کہہ بیٹھے کہ ہم میں نبی ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ عبد مناف کی اولاد میں محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا بخدا ہم خوش نہ ہوں گے جب تک کہ اس کی طرح ہم پر بھی وحی نازل نہ ہو۔ اس گستاخی کے اظہار میں جو تکذیب وعناد و تکبر سب کی جامع ہے یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے یہ قول ولید بن مغیرہ کا بیان کیا ہے۔ اس سے کافروں کا مقصود یہ تھا کہ ہم متبوع ہوں گے تابع نہ ہوں گے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ حاصل یہ ہے کہ جس طرح پیغمبران خدا کے پاس وحی آتی ہے جب تک ایسی وحی ہمارے پاس نہ آئے گی ہم نہ مانیں گے اور ہرگز یقین نہ کریں گے۔ یہ قول کفار کا تھا۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ نبوت کا معیار دنیوی وجاہت اور مال و دولت نہیں نہ اس کا حسب نسب و شہرت پر ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے انتخاب پر ہے خدا تعالیٰ جو مناسب محل جانتا ہے اور جس کے اندر فضائل نفسانیہ دیکھتا ہے اور ازل میں جن کو نفوسِ قدسیہ عطا کئے گئے ہیں انہی کو نبوت سے سرفراز کرتا ہے۔ کسی کی خواہش کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس مضمون کی تائید میں ہم ذیل میں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ پہلی حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری امام احمد نے۔

واثلہ بن اسقع کہتے ہیں۔ رسول پاکؐ نے فرمایا۔ اللہ پاک نے اولادِ ابراہیم میں سے اسمٰعیل کو برگزیدہ کیا اور اولادِ اسمٰعیل میں سے بنو کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ پس علم ازلی میں محمدؐ کے دل کو سب سے بہتر پاکر اسکو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس کے بعد پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ پس حضورؐ کے اصحاب کے دلوں کو سب سے بہتر دیکھکر اپنے رسول کا مددگار بنایا جو اللہ کے دین کے واسطے جہاد کرتے ہیں۔ پس جس بات کو مسلمانوں نے بہتر دیکھا وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور جس کو مسلمانوں نے برا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بری ہے۔

غرض حاصل آیت یہ ہے کہ رسالت فضل الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ اس کے بعد گستاخی کرنے والوں کو تہدید فرماتا ہے اور ان کے کرتوت کے پاداش کی سخت دھمکی دیتا ہے

مقصود بیان ہے نبوت کسبی نہیں وہبی ہے۔ نبوت کسی استحقاق سے نہیں ملتی بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے سرفراز فرما(تا) ہے نبوت کے لئے جن فضائل و خصائل کی ضرورت ہے اُن کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ حسد، تکبر، عناد بدترین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے آدمی عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

جس کو اللہ ہدایت کرنی چاہتا ہے اُس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

اُس کے سینہ کو بہت ہی تنگ کر دیتا ہے (اسلام لانا اُسے) معلوم ہوتا ہے کہ گویا آسمان پر چڑھتا ہے اللہ اسی طرح بے ایمانوں پر

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ

عذاب ڈالتا ہے (اے محمد) یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ

غور کرنے والے لوگوں کے لئے احکام صاف صاف بیان کر دیئے ہیں اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس ان کے اعمال کے صلہ میں

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

سلامتی کا گھر ہے وہی اُن کا کارساز ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں بتایا تھا کہ کفار اپنی تاریکیوں سے نہیں نکل سکتے اور مومن نورِ ایمان اور ضیاءِ قرآن میں چل کر اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ اب اس کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ یہ تمام باتیں مشیتِ الٰہی پر موقوف ہیں۔ خدا تعالےٰ جس کی آنکھوں سے چاہتا ہے حجابات اُٹھا دیتا ہے اور اس کو اسلام کی خوبیاں نظر آنے لگتی ہیں اس لئے وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور جس کو گمراہی پہ پڑا رکھنا چاہتا ہے اُس کو اسلام کے قوانین ناقابلِ عمل اور ممتنع الحصول معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کفر کی اندھیروں میں پھنسا رہتا ہے۔

توضیح اسلام کے لئے سینہ کشادہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے دل میں نور ڈال دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کا مطلب دریافت کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ نور سینہ میں ڈالا جاتا ہے پس اسلام کے لئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی کچھ نشانیاں بھی ہیں؟ فرمایا ایسے گھر (یعنی آخرت) کی طرف جھک جانا جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور دار الغرور (یعنی دنیا) سے پہلو تہی کرنا اور موت آنے سے قبل اس کی تیاری رکھنا (رواہ ابن المبارک و عبد الرزاق

والفریابی وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ والبیہقی) ضَيِّقًا حَرَجًا کا یہ معنی ہے کہ اس کا سینہ قبول اسلام سے تنگ کرتا ہے (مجاہد وسدی) یا بھلائی کا اس میں گزر نہیں ہوتا (عطاء)

آسمان پر صعود کرنے کا یہ معنی ہے کہ ایمان اس کے لئے ایسا سخت ہوتا ہے جیسا آسمان کو چڑھنا۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں۔ کافر کے دل کی تنگی کی انتہا کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو خارج از قدرت چیز کی مزاولت کرتا ہو۔ بعض کا قول ہے کہ اس سے بُعدِ مسافت مُراد ہے یعنی اسلام سے اتنی دُور بھاگتا ہے گویا آسمان پر چڑھتا ہے۔ میرے نزدیک صحیح اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو ہدایت کرنی چاہتا ہے۔ اس کا دل اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ اسلام کی خوبیاں اس کے دل میں جم جاتی ہیں اور وہ ذراسی تحریک پر مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے دل کو تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اسلام کی خوبیاں سننے سے گھبراتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھنا چاہے اور ناکام ہونے کے سبب دل تنگ ہوتا ہے اور گھبراتا ہے۔ اسی طرح کافر کو خیالاتِ خبیثہ اور شیطانی وسوسے اور وبال وزر کی طرح اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے اور قوانینِ اسلام اس کو ناقابلِ برداشت مصیبت معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ بے ایمانوں پر خدا ایسی پھٹکار برساتا ہے۔ یعنی سب اسی کی مشیت کے موافق ہوتا ہے۔ خدا کافروں کو مردود کرنا چاہتا ہے تو دل بھی ان کا ویسا ہی کر دیتا ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک رجس سے مراد شیطان ہے۔ یعنی بے ایمانوں پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ مجاہد کے نزدیک رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں بھلائی نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید نے رجس کے معنی عذاب بیان کئے ہیں۔ زجاج کا قول ہے کہ رجس دنیا میں لعنت ہے اور آخرت میں عذاب۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ یعنی اسلام سیدھی سڑک ہے۔ نہ اس میں مختلف پگڈنڈیاں ہیں نہ کج راہیں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ یہ سڑک سیدھی دارالسلام (سلامتی کا گھر یعنی جنت) تک پہنچتی ہے مگر اس پر چلنا ہر ایک کا کام نہیں سمجھنے والے ہی اس پر چلتے ہیں اور چل کر دوامی نجات کے گھر تک پہنچتے ہیں اور لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وہ گھر صرف اللہ کے پاس ہے وہاں وہی ان کا کارساز ہوگا اور یہ دارالسلام اُن کو خواہ مخواہ نہ مل جائے گا بلکہ اُن کے اعمالِ صالحہ اور کوشش کی جزا ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دارالسلام کے معنی دارالسلامتہ ہیں اور مراد اس سے جنت ہے۔ کیونکہ وہاں ہر ناخوشگوار چیز سے سلامتی ہوگی۔ قتادہ کا قول ہے کہ دارالسلام جنت ہے یعنی جنت کا نام ہے۔ سدی اور حسن بصری کہتے ہیں کہ سلام اللہ کا نام ہے اور جنت اس کا دار ہے۔ یعنی اس نے جنت کو اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ جابر بن زید نے دارالسلام کے معنی دارالتحیۃ بیان کئے ہیں۔ بہرحال مُراد جنت ہے۔

مقصودِ بیان ہدایت وضلالت سب کچھ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسے ہی اُس کے اسباب کر دیتا ہے۔ ہدایت دینی چاہتا ہے تو دل کو کشادہ اور نورانی کر دیتا ہے۔ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو دل کو تنگ و تاریک کر دیتا ہے۔ اسلام سیدھا راستہ ہے۔ اس کے قوانین معتدل ہیں۔ ہر قسم کی کمی بیشی سے پاک ہیں۔ آثارِ قدرت قوانینِ فطرت اور آیاتِ الٰہیہ سے ہر شخص کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ صرف دانشمندوں اور سمجھداروں کو پہنچتا ہے۔ اسلام کے قوانین عقل کے مطابق ہیں۔ اس کا کوئی جزئیہ دانش کے خلاف نہیں۔ اعمالِ صالحہ اور کوشش ضائع نہ جائے گی بلکہ اُس کے صلہ میں اللہ کے فضل سے جنت ملے گی۔ اس میں ایک بلیغ اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اعمال سے معطل نہ ہو اور ہر قسم کی نیکی کی کوشش کرے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ

جس روز کہ اِن سب کو اللہ جمع کرے گا (اور فرمائے گا) اے گروہِ جنات تم نے آدمیوں میں بڑا حصہ لیا

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا

اور آدمیوں میں سے جو اُن کے دوست تھے وہ کہیں گے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا اور ہم اس میعاد تک پہنچ

الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ

گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو گے مگر ہاں جو اللہ چاہے تمہارا

رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا

رب یقیناً حکمت والا اور دانا ہے اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا سرپرست اُن کے کرتوت کی پاداش

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ع

میں بنا دیا کرتے ہیں

تفسیر دنیا میں انس و جن دو قسم کی مخلوق ہے۔ جن دو قسم کے ہوتے ہیں نیک و بد۔ بد جنات کو شیاطین کہا جاتا ہے۔ شیاطین اللہ کے کھلے دشمن ہیں اور انسان آزمائش میں گرفتار ہے۔ اللہ پاک پیغمبر کو بھیجتا اور اُن کو اپنی طرف بلاتا ہے اور شیطان وسوسے ڈالتے اور بدی کی طرف کھینچتے ہیں۔ انسان اپنی ناسمجھی سے شیطان کے کہنے میں آکر اللہ پاک کی نافرمانی کرتا ہے۔ شیطانوں کی تعظیم و تکریم کرتا اُن کی نذر بھینٹ چڑھاتا اور ہر طرح سے اُن کی پرستش کرتا ہے اور شیطان ہر وقت ایسے آدمیوں کی مدد کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ دونوں گروہوں کو اپنے سامنے حاضر کرے گا اور شیاطین سے فرمائے گا۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ کہ تم نے بہت سے آدمیوں سے فائدہ اٹھایا۔ اُن سے اپنی تعظیم تکریم کرائی۔

شیطانوں کا جواب اس جگہ مذکور نہیں۔ لیکن دوسری جگہ مذکور ہے کہ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے اُن پر زبردستی نہیں کی تھی۔ اس جگہ صرف صرف انسانوں کا جواب فرمایا۔ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا آدمی جواب دیں گے کہ واقع میں ہم اور شیطان آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔ شیطانوں نے ہم پر حکمرانی کی اور ہم نے ان کے ذریعہ سے خوب مزے اُڑائے اور خواہشات کو دل بھر کر پورا کیا۔ یہاں تک کہ قیامت کا یہ وقت موعود آگیا۔ غرض کیا آدمی اور کیا شیطان کسی سے جواب نہ بن پڑیگا۔ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ اور خدا تعالیٰ سب کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیگا اور فرمائے گا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔ یعنی اب یہاں سے تمہاری رہائی ناممکن ہے۔

تفسیری تحقیق معشر الجن سے مراد شیاطین اور کافر جنات ہیں۔ اِسْتَكْثَرْتُمْ کا مطلب ابن عباسؓ مجاہد، قتادہ اور حسن بصری نے یہ بیان کیا ہے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر لیا تھا۔ بعض نے استمتاع کثیر مراد لیا ہے یعنی اے گروہ جن تم نے آدمیوں سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ وہ آدمی جو شیطانوں کے دوست ہیں کہیں گے کہ پروردگار ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب میں سے اگر کسی کا اتفاق رات کو جنگل میں ٹھہرنے کا ہو جاتا تو وہ کہتا اعوذ بکبیر هٰذا الوادی یعنی میں اس جنگل کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی شریر جن مجھ کو نہ ستانے پائے۔ یہ تو انسان کا نفع جنات سے ہوا اور جنات کا فائدہ انسانوں سے یہ ہوا کہ آدمی اُن سے مدد مانگتے اور اُن کی تعظیم کرتے اور جنات آدمیوں کے ان افعال سے خوش

ہوتے اور اپنے کو جن و انس کا سردار سمجھنے لگتے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جنوں کو حکم دینا اور انسان کا اس پر عمل کرنا یہی استمتاع ہے۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کا مطلب مختلف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس استثناء سے عموماً سمجھ ہوتا ہے کہ خلود کا زوال کو یعنی کسی وقت دوزخ سے نجات مل جائے گی اور آن پر عذاب بھی دوامی نہ ہوگا۔ اس شبہ کا ازالہ علماء نے چند صورتوں سے کیا ہے:۔

(۱) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ استثناء ایسے لوگوں کی طرف راجع ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔ اس تقدیر پر مَا شَآءَ بمعنی مَنْ شَآءَ کے ہوگا یعنی جس کو چاہے گا خدا دوزخ میں ہمیشہ نہ رکھے گا۔ کرخی کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوائے اُن اوقات کے جن میں جہنم سے نکال کر حمیم میں داخل کیا جائے گا یعنی چوں کہ حمیم دوزخ سے علیحدہ مقام عذاب ہے اس لئے بعض اوقات اُن کو عذاب جہنم سے نکال کر عذاب حمیم کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

(۳) صاحب بیضاوی نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ مگر حمیم کے بجائے زمہریر کا عذاب بیان کیا ہے۔ یعنی آگ کے عذاب سے منتقل کر کے اُن کو بعض اوقات عذاب زمہریر (سرد عذاب) کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۴) تفتازانی نے حاشیہ کشاف میں بیان کیا ہے کہ اِس استثناء سے اس امر کی تاکید ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ یعنی خلود کا وقت کبھی منتہی نہ ہوگا مگر اس وقت کہ اللہ چاہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مشیتِ الٰہی کبھی اُن کے خروج کی نہ ہوگی۔ لہٰذا خلود مؤکد ہوگیا۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ یہ ایک کلیہ قاعدہ بطور جملہ معترضہ کے بیان فرمایا۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ ہی یہ ہے کہ ظالموں اور ناحق شناسوں کو اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا دوست کر دیتے ہیں اور کفار باہم ایک دوسرے کے متولی ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے ہم ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں یعنی ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر غالب کر دیتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے دوزخ کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ دوزخ میں بعض ظالم بعض کے پیچھے ہوں گے۔

مقصود بیان خبیث خبیث کا دوست ہوتا ہے۔ خواہ جن ہو یا آدمی۔ اجل خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کبھی رہائی نہ ہوگی۔ انسان کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے بدکار ظالم حاکم ہوتا ہے۔ وغیرہ

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں پہنچے جو میرے احکام تم سے بیان کرتے تھے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ

اور تم کو اسی دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے ہم اپنے اوپر مقر ہیں اُن کو دنیوی

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○

زندگانی نے دھوکہ میں رکھا تھا اور آپ ہی اپنے اوپر انہوں نے گواہی دے دی کہ ہم بے شک کافر ہیں

تفسیر یہ اوپر کی آیات کا تکملہ اور کفار کے عذر بارد کی تردید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔ قیامت کے دن جب کفار عذر پیش کریں گے کہ خدا تعالیٰ ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم میں سے ایک دوسرے نے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور بہکایا تو خدا تعالیٰ فرمائے گا یہ عذر تمہارا غلط ہے۔ اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تمہارے ہی مجموعی گروہ میں سے خدا کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو نصیحت کرتے اور دعوت خیر دیتے تھے اور اُس نصیحت سے

فائدہ اٹھانا تمہارے لئے سہل ہی تھا۔ کیونکہ وہ تم ہی میں سے تھے اور خدا کے احکام تمہارے سامنے کھول کھول کر تفصیل وار بیان کرتے تھے کسی طرح کا ابہام و اغلاق بیان احکام میں نہ کرتے تھے اور آج کے دن کے عذاب سے تم کو ڈراتے تھے۔ پھر تم نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ٥ کفار جواب دیں گے واقعی بات یہی ہے۔ اس میں ہمارا ہی قصور ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اپنی دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے اور قیامت کے دن انھوں نے اپنے کافر ہونے کا اقرار کر لیا۔ یعنی دنیوی زندگانی میں ایسے لذات و شہوات میں غرق رہے کہ انجام کا خیال بھی نہ کیا اور جب نتیجہ بد سامنے آیا تو اس وقت اپنے کفر کا اقرار کیا۔

توضیح ضروری چونکہ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اس آیت میں وارد ہوا ہے اور مِنْكُمْ کا خطاب جن وانس دونوں کو ہے۔ اس لئے ضحاک کہتے ہیں کہ جنات میں سے بھی رسول ہوتے ہیں۔ مجاہد، ابن جریج، ابن کثیر و دیگر صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں سے ہوئے ہیں جنات میں سے نہیں ہوئے۔ رہی یہ آیت تو اس میں مِنْكُمْ سے مِنْ مَجْمُوْعِكُمْ مراد ہے یعنی جن وانس کی مجموعی جماعت میں سے رسول ہوئے ہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات میں سے بھی ہوئے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شہر کی رہنے والی مسلم جماعتیں بہت مخلص ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس شہر کی ہر جماعت بہت مخلص ہو۔ اسی طرح یہاں پر بھی جن وانس کے ہر ہر گروہ کو خطاب جدا جدا نہیں بلکہ دونوں قوموں کے مجموعوں کو ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول تو فقط اولادِ آدم میں ہوئے ہیں اور جنات میں فقط نذیر گزرے ہیں۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صرف انسانوں میں ہوئے ہیں لیکن کچھ جنات اِن پیغمبروں کے نائب ہوئے جنھوں نے اپنی قوم کو جاکر ہدایت کی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

یہاں اس آیت پر بعض لوگوں نے شبہ کیا ہے کہ کفار کس طرح قیامت کے دن اپنے کافر ہونے کی شہادت دیں گے۔ حالانکہ دوسری آیت میں اُن کا جھوٹ بولنا مذکور ہے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ٥ یعنی قیامت کے دن کفار جھوٹی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ قیامت کے روز مختلف احوال و واقعات ہوں گے۔ بعض اوقات میں انکار کریں گے اور بعض حالتوں میں اقرار۔

مقصودِ بیان انبیاء صرف احکام الٰہی پہنچانے اور عذاب سے ڈرانے کے لئے آئے۔ قیامت کے دن کفار اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔ آیت میں مسلمانوں کو عبرت اندوزی کی لطیف ترین نصیحت ہے اور کفار کو نہایت واضح طور پر تنبیہ ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ دو ورنہ قیامت کے پشیمان ہونے سے کچھ کام نہ چلے گا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ٥ وَلِكُلٍّ

(پیغمبر بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارا رب ظلم سے بستیوں کو برباد نہیں کرتا ایسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے (احکامِ خداسے) بےخبر ہوں سب

دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ٥

کے لئے اُن کے اعمال کے لحاظ سے درجات ہیں اور تمہارا رب ان کے اعمال سے بےخبر نہیں ہے

تفسیر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ارسال انبیاء کی علت بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ٥ تمام لوگ عقل و دانش میں برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص نہ خطا کو خطا اور صواب کو صواب

نہیں سمجھتا۔ اس لئے ناسمجھ لوگ خلاف عقل حرکات اور نازیبا برے اعمال کرتے ہیں۔ مگر وہ نیک و بد سے غافل ہوتے ہیں۔ وہ اچھے برے اور رحیم غلط میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ خواہ مخواہ آبادیاں کو تباہ کردے۔ اگرچہ وہاں کے باشندے اچھے برے کو نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ پہلے اچھے کو اچھا اور برے کو برا بتا دیتا ہے۔ پھر بھی اگر لوگ نہیں مانتے تو عذاب نازل فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تبلیغ احکام اور اظہار حق کے لئے انبیاء یا انبیاء کے نائب ہر بستی میں بھیجے تاکہ وہ توحید و اصلاح اعمال کی ہدایت کریں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۔ یعنی انبیاء کو مبعوث کرنے اور احکام نازل فرمانے کے بعد لوگ جیسا عمل کریں گے ویسی ہی ان کو جزا ملے گی۔ ہر شخص کا درجہ اُس کے اعمال کے موافق ہوگا اور کل دنیا کے اعمال خدا کو بخوبی معلوم ہیں۔ لہٰذا وہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

مقصود بیان ہر بستی میں نبی یا نائب نبی ضرور ہوا ہے۔ دنیا کی کوئی آبادی اس سے خالی نہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ بغیر اتمام حجت اور تکمیل برہان کے عذاب نازل نہیں فرماتا۔ قیامت کے دن لوگوں کے درجات مختلف ہوں گے۔ نہ سب نیک ایک سے ہوں گے۔ نہ تمام بد ایک ہی طرح کا عذاب پائیں گے۔ خدا تعالیٰ عالم الکل ہے۔ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ آیت چونکہ مطلق ہے اس لئے ملائکہ اور جن و انس سب کو شامل ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا عوض ملے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرشتے سب کے سب جنتی ہیں۔ شیاطین سب کے سب دوزخی۔ باقی جن و انس میں سے کچھ دوزخی کچھ جنتی۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

اور تمہارا رب بالکل غنی　رحمت والا ہے　اگر وہ چاہے تو تم سب کو اُٹھا لے　اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین

مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ

بنا دے　جس طرح　تم کو دوسروں کی نسل سے پیدا کیا ہے　تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

آنے والی ہے تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے

تفسیر اوپر کی آیت سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید پیغمبروں کو بھیجنے اور خلق کی اطاعت کرنے سے خدا کا کچھ ذاتی نفع ہے۔ اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ خدا کو نہ کسی کی اطاعت سے نفع ہے نہ سرکشی سے نقصان نہ پیغمبروں کو بھیجنے کی کچھ ذاتی ضرورت۔ وہ ان تمام چیزوں سے غنی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ رحیم کریم ہے۔ بندوں پر رحمت کرتا ہے۔ اس لئے بندوں کے فائدہ کے لئے اس نے انبیاء بھیجے۔ کسی کو اس کا غرور نہ ہونا چاہیئے کہ خدا ہماری عبادت کا محتاج ہے۔ ہم نہ ہوں گے تو اس کی اطاعت کون کرے گا کیونکہ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ خدا کمزور نہیں۔ اس نے جس طرح گزشتہ اقوام کو فنا کیا اور اُن کی نسل سے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔ اسی طرح وہ ان لوگوں کو ہلاک کرکے دوسری نسل کو اُن کی بجائے لا سکتا ہے۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اور مرنے سے نہیں بلکہ ایسا دن ضرور آئے گا کہ تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور فنا ہو کر پھر پیدا ہوگی۔ کوئی اس کو اس فعل سے روک نہیں سکتا۔ ابن کثیر کے نزدیک يُذْهِبْكُمْ سے خطاب اہل مکہ کو ہے۔

مقصودِ بیان خدا کا کوئی فعل معلل بالغرض نہیں۔ انبیاء کو بھیجنے اور لوگوں کی اطاعت گزاری میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں۔ انبیاء کو بھیجنا اور ان کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت کرانا خدا کی رحمت ہے۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ

(اے نبی) کہہ دو کہ لوگو تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ دارِ آخرت

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

کس کو ملتا ہے بلا شبہ ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا

تفسیر اوپر کی آیت میں وقوعِ قیامت کی نص قطعی تھی اور چونکہ وقوعِ قیامت کے مشرکین منکر تھے اس لئے بمزید وثوق نہایت تہدید کے ساتھ فرمایا کہ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ۔ اے نبی ان سے کہدو کہ اگر تم قیامت کو سچا نہیں جانتے تو اپنے امکان بھر پوری طاقت کے ساتھ اپنی حالت کے موافق (جو کچھ چاہو) کئے جاؤ یعنی اپنی حالتِ کفر اور مخالفتِ حق پر جمے رہو۔ میں بھی اپنی حالت پر نہایت وثوق کے ساتھ قائم ہوں۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ عنقریب نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ خود کھل جائے گا کہ نیک انجام کس کا ہوگا۔ جو لوگ ناحق شناس بے جا حرکتیں کرنے والے ہوتے ہیں ان کا انجام یقیناً اچھا نہ ہوگا۔ یعنی جس نے شرک و کفر کیا وہ سعید نہ ہوگا۔ اس میں کفار پر تعریض ہے کہ اگر تم اسی حالت پر قائم رہے تو ہرگز فلاح نہ پاؤگے۔ تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا بلکہ اہلِ توحید کا انجام دین و دنیا میں نیک ہوگا (ابن عباسؓ)۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے یہ وعدہ اپنے حبیب کے ساتھ پورا کر دیا۔ مکہ اور تمام جزیرۂ عرب کی فتح عنایت فرمائی اور مشرکین اور معاندین کو زیر کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بڑی بڑی سلطنتیں اقتدارِ اسلام میں دیدیں۔ پھر اس کے علاوہ قیامت کے دن کافروں اور منکروں کا انجام بُرا ہوگا اور حُسنِ عاقبت اہلِ ایمان و اسلام کو نصیب ہوگا۔

مقصودِ بیان تہدید آمیز حکم، کفار کے انجامِ بد کی پیشین گوئی۔ اس امر کی صراحت کہ ظالم ناحق شناس کو نہ دنیوی فلاح حاصل ہوتی ہے نہ دینی۔ رحمتِ الٰہی عامل کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ وغیرہ

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

انھوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ قرار دے رکھا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں یہ اللہ کا ہے

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ

اور یہ ہمارے ان معبودوں کا ہے جو اللہ کے شریک ہیں پس جو کچھ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ

لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے یہ کیسا بُرا انصاف کرتے ہیں

تفسیر ان آیات میں کفارِ عرب کی چند شرک آمیز حماقتوں کا بیان ہے اور پُر زور تردید بھی کی ہے۔ اس آیت کی شانِ نزول علماء نے مختلف بیان کی ہے لیکن مفہوم مشترک سب میں ایک ہی ہے۔

(۱) عرب کا دستور تھا کہ کھیتی باڑی میں سے جو نیاز کرتے تو خط کھینچ کر اس کے دو حصے کر دیتے تھے۔ ایک حصہ تو اللہ کا دوسرا بتوں کا۔ اگر اللہ کے حصہ کی کھیتی زیادہ شاداب و سرسبز ہوتی تو اس کو بدل کر بتوں کے نام کی کر دیتے تھے۔ اسی طرح جانوروں میں بھی کچھ حصہ اللہ کا رکھتے تھے اور باقی بتوں کا۔ پھر اگر اللہ کے نام کا جانور موٹا تازہ ہوتا اور بتوں کے جانوروں میں رَل مِل جاتا تو اس کو علیحدہ نہ کرتے تھے۔ لیکن بتوں کی طرف کی کوئی چیز کو اللہ کی طرف نہ بدلتے تھے۔ اگر کوئی شخص اُن سے اس کا سبب پوچھتا تو کہتے کہ اللہ حاجتمند نہیں ہے اور ہمارے یہ دیوتا حاجتمند ہیں۔ ان کی حماقت ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) کفارِ عرب کچھ غلہ اور چوپائے بتوں کے لئے معین کر لیتے اور کچھ خدا کے لئے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ جو حصہ بتوں کے نام کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اُن مصارف میں نہیں صرف ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمائے ہیں۔ مثلاً محتاجوں مسکینوں کو صدقہ دینا، مسافروں مہمانوں کو کھلانا، اہلِ قرابت وغیرہ سے سلوک کرنا اور جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ بتوں کو پہنچ سکتا ہے۔ یعنی بتوں کی اصلاح اور بُت خانہ کے خدمتگاروں کے صرف میں آسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ اُن کا اعتقاد تھا کہ جو چیز بتوں کے نام کی ہے اُس کو تو بدستور اُسی جگہ پر قائم رکھنا چاہیئے اور جو چیز اللہ کے نام کی ہو اس کے تصرف میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

(۳) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ کفارِ عرب کا دستور تھا کہ جو چیز اللہ کے نام کی قرار دیتے خواہ وہ ذبیحہ ہوتا یا غلہ وغیرہ اُس کو کبھی نہیں کھاتے جب تک کہ اس کے ساتھ کسی بُت کا نام شریک نہ کر لیتے اور جو چیز اُن کے باطل معبودوں کے نام کی ہوتی اُس پر اللہ کا نام ذکر ہی نہ کرتے تھے اور یہ تقسیم اُن کی بہت ہی بُری تھی۔

(۴) غلہ وغیرہ کی الگ الگ ڈھیریاں لگاتے۔ کوئی ڈھیری اللہ کے نام کی اور کوئی بتوں اور شیطانوں کے نام کی ہوتی تھی۔ اگر اللہ کے نام کی ڈھیری میں سے کچھ بتوں کی ڈھیری میں گر جاتا تو نہ نکالتے اور کہتے اللہ ہی نے اس میں مزید حصہ شامل کر دیا ہے اور اگر بتوں کی ڈھیری میں سے اللہ کے نام کی ڈھیری میں کچھ گر جاتا تو فوراً نکال لیتے اور کہتے یہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہی شانِ نزول اور مطلب آیات کے زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ صحیح سب ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا کھیتی غلہ جانور وغیرہ پیدا تو سب کو کیا اللہ نے اور ان احمقوں نے حصہ مقرر کر دیا اُس میں بُتوں کا یہ عجیب حماقت ہے۔ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ۔ پھر بتوں کے حصے میں سے اگر کچھ خدا کے حصہ کی طرف گر جائے تو کہتے ہیں۔ یہ خدا کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر خدا کے حصہ میں سے بتوں کے حصہ میں کچھ پہنچ جائے تو کہتے ہیں یہ ہمارے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ یہ عجیب حماقت آمیز تقسیم ہے اور عجیب جاہلانہ فیصلہ ہے۔

تحقیق ضروری الہری اور مرزوقی کہتے ہیں کہ زعم کا استعمال اکثر ایسے امر میں ہوتا ہے جو مشکوک ہو محقق نہ ہو۔ ابن القوطیہ کا قول ہے زعم ایسی چیز میں استعمال ہوتا ہے جس کا حال معلوم نہ ہو کہ حق ہے یا باطل۔ خطابی کہتے ہیں کہ اگر غیر ممکن بات کا دعویٰ ہو اور وہ چیز لائق گفتگو نہ ہو تو ایسے وقت میں لفظ زعم کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ہدایت خاص جو لوگ حضرت امام جعفر صادقؓ یا شیخ سدو کے کونڈے کرتے ہیں یا غیر اللہ کی نذر نیاز کرتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر قربانی کرتے یا قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اُن کو اس آیت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

مقصود بیان شرک فی العمل کی قطعی ممانعت۔ اس امر کی صراحت کہ غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز اس کو نہیں پہنچتی۔ یہ صرف گمان ہی گمان ہے۔ خدا ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ہر نیاز نذر اُسی کے نام کی ہونی چاہیئے۔ وغیرہ

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ

ایسے ہی بہتیرے مشرکوں کو اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے (خود ساختہ) شرکاء نے مستحسن کر رکھا ہے تاکہ ان کو تباہ کردیں

وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ

اور ان پر اُن کے دین کو مشتبہ کردیں اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے تم ان کو چھوڑ دو یہ جانیں اور ان کی افترا پردازی

تفسیر یہ مشرکوں کی دوسری حماقت کا اظہار ہے۔ زمانۂ اسلام سے قبل عرب کے بیرحم جاہل اپنی لڑکیوں کو قتل کردیتے تھے۔ اس قتل کی بناء دو خیالات پر تھی۔ اول تو یہ کہ لڑکی کمائی اور لڑائی اور قتل حفاظت کر نہیں سکتی پھر اس کو کھانے کو کس طرح دیا جاسکتا ہے اور کہاں سے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ زندہ رہے گی تو اس کی شادی کرنی پڑے گی اور دوسرے مرد کے تصرف میں آئے گی اور اس سے ہماری ذلت ہوگی۔ بالکل یہی جذبہ اور یہی رواج ہندوستان کے چھتریوں میں تھا بلکہ عرب کے مشرک اس سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے اور اگر کوئی لڑکی ماں کے چھپانے کی وجہ سے شروع میں بچ جاتی اور آٹھ دس برس کی ہوجاتی اور پھر باپ کو معلوم ہوجاتا کہ یہ زندہ ہے تو وہ کسی بہانہ سے اس کو جنگل لے جاتا اور گڑھا کھود کر اس کو اس میں دبا دیتا۔ وہ ہر چند روتی اور رحم کی درخواست کرتی مگر اس ظالم بے رحم کو رحم نہ آتا اس رواج کی مذمت اس آیت میں کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ —

شیطانوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کو ہلاک کردیں۔ یعنی اُن کی آخرت تباہ کردیں اور ان کے دین کو گڈ مڈ کردیں یعنی حق و باطل کا امتیاز اُن کی نظر سے دور کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیطانوں نے اُن کو قتلِ اولاد پر آمادہ کیا اور اس فعل کو ان کی نظر میں مستحسن کرکے دکھایا اور فقط قتلِ اولاد کو ہی قابلِ اتحسان نہیں قرار دیا بلکہ اس سے پہلے بھی اُن کے عقائد و اعمال کو بگاڑ دیا۔ غرض یہ کہ یہ لوگ پہلے دینِ ابراہیمی اور طریق اسمٰعیل پر تھے۔ جب زمانہ زیادہ گزرا تو شیطان نے اُن کا اعتقاد بگاڑ دیا۔ پھر اعمالِ صالحہ کے برعکس گناہ کی باتیں ان کی نظر میں رچائیں اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اولاد کو قتل کرنے لگے۔ اور اس فعل کو قابلِ استحسان جاننے لگے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ لیکن اگر خدا چاہتا تو یہ ایسا نہ کرسکتے۔

مقصودِ بیان کفار کی حالتِ سفیہ اور افعالِ ذمیمہ کا بیان۔ شیطان کے اغوا کی تصریح۔ اس امر کی نص کہ باطل کو حق اور غلط کو صحیح کر دکھانا شیطان کا کام ہے۔ کل چیزیں باطل ہوں یا حق خدا کی مشیت سے ہوتی ہیں۔ کفار کی بہتان تراشی اور افترا بندی سے اعراض کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ وغیرہ

وَقَالُوا هٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ

کہتے ہیں یہ چوپائے اور کھیتی چھوتی ہے اس کو سوائے اُن کے جس کو چاہیں اور کوئی نہیں کھاسکتا

وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً

اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پشت پر سواری حرام کردی گئی ہے اور کچھ چوپائے (کے ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب باتیں افترا

عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

پر افترا کر کے کرتے ہیں عنقریب اللہ ان کو اُن کی بہتان تراشی کی سزا دے گا

تفسیر کفارِ عرب کی یہ تیسری حماقت آگیں گمراہی کا اظہار ہے۔ کفار اپنے زعمِ باطل اور گمانِ غلط سے کچھ چوپائے اور کچھ کھیتیاں ایسی مقرر کر رکھتے ہیں جن کا کھانا عورتوں کے لئے ناجائز اور مردوں کے لئے جائز سمجھتے تھے اور مردوں میں سے بھی صرف بتخانوں کے مجاوروں کے لئے اُن کا کھانا جائز ہوتا تھا۔ اسی حماقت کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ کے نزدیک حِجر کے معنی ہیں حرام۔ مَنْ نَّشَآءُ سے مراد ابن کثیر اور بیضاوی کے نزدیک مندروں کے مجاور اور بتوں کے خدمتگار ہیں۔ مطلب صاف ہے۔ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ چوتھی حماقت کا بیان ہے۔ عرب کے کافر بتوں کے ناموں پر کچھ سانڈ آزاد چھوڑ دیتے تھے جن پر سوار ہونا اور لادنا بار کرنا ممنوع تھا۔ وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ یہ پانچویں حماقت کا اظہار ہے۔ کفارِ عرب بعض جانور مخصوص کر لیتے تھے جن پر کسی موقع پر اللہ کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ نہ دودھ دوہتے وقت، نہ سواری یا بار برداری کے وقت، نہ ذبح کے وقت۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جو کچھ چوپائے ایسے مخصوص کر لئے جاتے تھے جن کو ذبح کرنے کے وقت بتوں کے نام لئے جاتے اللہ کا نام نہ لیا جاتا اور اس حکم کو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی حماقت کو آیت میں بیان کیا ہے کہ یہ بالکل افترا ہے۔ خدا نے ایسا حکم نہیں دیا۔ خدا ان کی افترا پردازی کی کچھ مہلت کے بعد ضرور سزا دے گا۔

مقصودِ بیان کفر و شرک کی بیخ کنی کی تعلیم، کوئی چیز ایسی مخصوص کر لینا جس کو مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا عورتیں کھائیں اور مرد نہ کھائیں بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً بیوی کا کونڈا ناجائز ہے جس کو صرف عورتیں کھاتی ہیں مرد نہیں کھاتے یا بڑے پیر کی گیارھویں جس کا کھانا بھنگیوں، چماروں وغیرہ کے لئے ناجائز ہوتا ہے۔ سانڈ چھوڑنا حرام ہے۔ سوار ہونے یا ذبح کرنے یا دودھ دوہنے کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ

کہتے ہیں ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

اور اگر وہ مردہ ہو تو سب اُس میں شریک ہیں عنقریب اللہ اُن کو اُن کی تقریروں کی سزا دے گا وہ بلاشبہ حکمت

عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا

والا اور دانا ہے تباہ ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بے سمجھے بوجھے بے وقوفی سے قتل کر دیا اور جو روزی اللہ

مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

نے اُن کو دی تھی اُس کو حرام ٹھہرا لیا یہ سب کچھ اللہ پر افترا بندی کر کے کیا بلاشبہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راستہ پر نہ آئے

ع ۱۲ ۱۱ ۳

تفسیر صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے کہ عرب کے جاہل کچھ حاملہ چوپایوں کو مخصوص کر لیتے تھے اور صرف مردوں کے لئے حلال کہتے تھے۔ مقصد کہ اُن پر سے کہا ہے کہ ان کا حرام عورتوں پر اور اگر وہ مردہ ہوتا تو سب کے لئے حلال کہتے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ اس صورت میں مافی البطون سے صرف پیٹ کا بچہ مراد ہوگا۔ لیکن ابن کثیر نے ابن عباس اور شعبی وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما فی البطون سے صرف بچہ ہی مراد نہیں ہے بلکہ جن جانوروں کو اہل عرب حرام سمجھتے تھے اُن کے دودھ کا بھی حکم سمجھتے تھے۔ بحیرہ کا دودھ مرد کھاتے تھے عورتیں نہ کھاتی تھیں۔ اس تقدیر پر ما فی البطون سے مراد پیٹ کا بچہ اور دودھ دونوں ہیں۔ لیکن سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب روح المعانی کی تفسیر صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے (بشرطیکہ وہ زندہ نکلے) تو وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے۔ عورتوں کے واسطے اس کا کھانا حرام ہے۔ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ اور اگر وہ مردہ ہو تو مردوں عورتوں سب کے لئے حلال ہے۔ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ عنقریب اللہ اس دروغ بندی کی اور بیجا تحلیل و تحریم کی اُن کو سزا دے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۔ قبائل ربیعہ و مضر اور نیز بعض دیگر قبائل بیٹیوں کو صغر سنی میں ہی زندہ قبروں میں دفن کر دیتے تھے۔ اس خوف سے کہ عرب میں قتل و قتال بہت ہے کہیں قید نہ ہو جائیں۔ نیز ان کی شادی کرنی پڑے گی اور غیر مرد کے تصرف میں جائیں گی اور یہ ذلت کا سبب ہوگا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے افلاس کا بھی خیال ہوتا تھا کہ ان کو کھلایا پلایا کہاں سے جائے گا۔ ان کی تردید میں یہ آیت اُتری۔ آیت کا مطلب ترجمہ سے صاف ظاہر ہے۔

مقصود بیان حلال کو حرام جاننا یا حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ بہتان تراشی اور خدا پر افترا بندی سخت جرم ہے۔ قتل اولاد اور تحریم حلال سخت جرم ہے۔ اس سے آدمی قطعی گمراہ ہو جاتا ہے۔ بے سمجھے بوجھے محض نادانی سے کوئی کام کرنا موجب ضلالت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اسی نے باغ پیدا کئے کچھ تو (بیل دار ہیں جو) ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے (اسی نے پیدا کئے) کھجور کے درخت

مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِن

اور کھیتیاں جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار کچھ تو ہمشکل ہوتے ہیں اور کچھ ہمشکل نہیں ہوتے (اور حکم دے دیا کہ) جب پھل

ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا

آئیں تو کھاؤ اور کاٹنے کے دن اس کی زکوٰۃ ادا کرو اور بے جا خرچ نہ کرو اللہ بے جا

يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر اللہ کی آیات میں مشرکوں کی حماقتیں اور گمراہیاں اور زبردست دلائل کے ساتھ بیان فرمائی تھیں اور اُن کے تمام اوہام و خیالات کی تردید

کردی تھی۔ اب یہاں سے کافروں کے باطل معبودوں کی معبودیت کی برائی تردید فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ خدا تعالیٰ نے باغات ایجاد فرمائے جن میں ہر قسم کا سبزہ اور درخت اگائے۔ کہیں ٹٹیوں پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ کہیں تنہ اور ڈنڈی پر درخت اور پودے قائم ہوتے ہیں۔ وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُكُلُهٗ ؕ خدا نے کھجور کے درخت اور مختلف قسم کی کھیتیاں بھی پیدا کیں جن میں سے ہر ایک کی لذت جدا جدا ہے۔ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اور زیتون اور انار بھی پیدا کئے جن کی صورتیں تو باہم ملتی جلتی ہیں اور مزے جدا جدا کوئی کڑوا کوئی میٹھا اور کوئی کھٹا۔ كُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۙ‏ اور حکم عام دے دیا کہ جب پھل آئیں تو تم خود بھی کھاؤ اور مساکین کو بھی واجبی حق ادا کرو۔

ضروری تحقیق

معروشات و غیر معروشات کے معنی ابن کثیر نے یہ بیان کئے ہیں کہ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں معروشات ہیں اور تنہ یا ڈنڈی یا کھڑے ہونے والے درخت اور پودے غیر معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ جو بیلیں ٹہنیوں کھمبوں اور ٹٹیوں پر چڑھی ہوں وہ معروشات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد انگور کی بیلیں ہیں۔ کچھ بیلیں تو ٹٹیوں پر چڑھی ہوتی ہیں اور کچھ زمین پر پھیلی ہوئی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں معروشات وہ درخت ہیں جو لوگوں نے لگائے ہوں اور غیر معروشات جنگل کے خود رَو درخت۔ پھل کھانے کا حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ بطور اباحت کے ہے یعنی پھلوں کا کھانا مباح ہے دل چاہے تو کھاؤ۔

توضیح مبحث

کھیتی یا پھلوں کے کٹنے کے دن اُن میں سے وجوبی حق مساکین کو دینے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں:۔

(۱) ابن عباس، عطاء، ابن عمر، مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہم کا قول ہے کہ حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ یعنی دسواں یا چالیسواں حصہ دینا ہے۔ اس کو بقدرِ امکان کٹنے کے روز ادا کرے ورنہ بعد میں دیدے۔ آیت زکوٰۃ اگرچہ مدینہ میں پہنچ کر دوسرے سال نازل ہوئی لیکن کوئی تعجب نہیں کہ کھیتی اور پھلوں کا عشر دینا مکہ میں واجب ہوگیا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت سے زمین کے ہر قسم کی پیداوار اور ہر مقدار پیداوار میں خواہ کتنی ہو عشر واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک پانچ وسق سے کم مقدار میں عشر واجب نہیں ہے۔

(۲) علی بن حسین، عطاء، مجاہد اور حماد وغیرہ کا قول ہے کہ علاوہ عشر و نصف عشر کے کھیتی کے کٹنے کے دن اُن غرباء و مساکین کو جو کھیت و باغ میں آجاتے ہیں کچھ نہ کچھ دے دینا ضروری ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ دینا چاہیئے کیونکہ عشر و زکوٰۃ کا طریقہ ہی لوگوں نے بند رکھا ہے۔

(۳) انس بن مالک، محمد بن حنیفہ، حسن بصری، نخعی، طاؤس، ابوالشعثاء، جابر ابن زید، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور سعید ابن مسیب کا قول ہے کہ یہ حکم مدینہ میں تھا۔ جب مدینہ میں عشر یا نصف عشر مقرر ہوا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۙ‏ کھیتی کٹنے کے دن صحابہ کرام کچھ غلہ مسکینوں کو دیا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے اس میں حد سے تجاوز شروع کردیا اور بہت زیادہ دینے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریج کہتے ہیں یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ابن حزم کا باغ توڑا اور فرمایا آج میرے پاس جو کوئی آئے گا میں اُس کو دوں گا۔ چنانچہ صبح سے شام تک مسکینوں کو دیتے رہے یہاں تک کہ بال بچوں کے لئے ایک چھوارا بھی نہ بچا۔ اُس وقت عدم اسراف کا حکم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خیر خیرات میں اذن شرعی سے تجاوز مت کرو۔ آخر اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ ادائے فرائض اور حقوق شرعیہ سے جو کچھ بچے اس کا صدقہ کرنا البتہ محمود ہے اسراف نہیں۔

تحقیق

لاتسرفوا کے معنی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ابن جریج نے بروایت عطاء بیان کیا ہے کہ ہر چیز میں اسراف مت کرو۔ ایاس ابن معاویہ کہتے ہیں کہ جس چیز میں حکم الٰہی سے تجاوز کرو وہ اسراف ہے۔ سدی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال کو اس طرح مت دو کہ محتاج ہو کر بیٹھ رہو۔ سعید ابن مسیب اور محمد ابن کعب کا قول ہے کہ صدقہ دینے سے ہاتھ مت روکو لیکن اس صدقہ دینے میں پروردگار کی نافرمانی مت کرو۔ مقاتل کہتے ہیں کہ کھیتی اور چوپایوں میں بتوں اور شیطانوں کا حق مان کر اُن کو شریک نہ کرو۔ زہری کہتے ہیں اللہ کی

نافرمانی کے طور پر خرچ نہ کرو۔ ابن جریج نے عطاء کی روایت کو پسند کیا ہے۔ لیکن شانِ نزول کے مناسب سدی کی تفسیر ہے۔

مقصودِ بیان انعاماتِ الٰہی کا ذکر، نیرنگیٔ قدرت کا اظہار، پھل کھانے کی عام اجازت، باغوں کے پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کے دن کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دے دینے کا حکم، کارِ خیر میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت، حقوق الناس کو بلا حسب مراتب ادا کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اسی نے بعض چوپائے بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (پستہ قد) پیدا کئے اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور شیطان

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ

کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے اللہ نے آٹھ قسم کے جانور (نر و مادہ ملا کر) پیدا کئے بھیڑ میں

الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

سے دو اور بکری میں سے دو اب (اے محمد) پوچھو کہ اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ

کیا ہے یا دونوں کی مادہ کو یا اس بچہ کو جو ان مادینوں کے پیٹ میں لپٹا ہوتا ہے اگر تم سچے ہو تو مجھے

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ

دلیل سے بتاؤ اور دو (نر و مادہ) اونٹ کے پیدا کئے اور دو (نر و مادہ) گائے کے (اے محمد) پوچھو کہ

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

اللہ نے دونوں نروں کو حرام کیا یا دونوں مادینوں کو یا اس بچہ کو جو مادینوں کے پیٹ میں ہوتا ہے

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

جب تم کو اللہ نے اس کا حکم دیا تھا تو کیا اس وقت تم موجود تھے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۠ ع

لئے بلا تحقیق اللہ پر دروغ بندی کرے اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے باغات اور ان کے اندر طرح طرح کے درخت اور مختلف پھل پیدا کئے اور سرسبز کھیتیاں پیدا کیں اور عام اجازت کھانے کی دی۔ اس آیت میں دوسرے انعام کا ذکر فرماتا ہے۔ مشرکین عرب کے نزدیک اونٹ

گائے بھیڑ بکری یہی چار قسم کے چوپائے حلال کرنے اور نیاز چڑھانے کے کام آتے تھے اور واقع میں بھی چوپایہ یہی عموماً یہی کثیر الاستعمال ہیں۔ انہی کا گوشت عموماً کھایا جاتا ہے۔ مشرکین انہی میں ناجائز رسوم کو دخل دیتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان آیات میں انہی چار چیزوں کی صراحت فرمادی۔

تحقیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ حمولہ وہ بڑے اونٹ جن پر بوجھ لادا جاتا ہے اور فرش چھوٹے اونٹ (رواہ الحکم کذا قال ابن عباس و مجاہد۔ لیکن علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ حمولہ تو اونٹ گھوڑے خچر اور گدھے ہیں بلکہ وہ تمام جانور جن پر بوجھ لادا جاتا ہے اور فرش سے مراد بھیڑیں اور بکریاں ہیں۔ ربیع بن انس، حسن بصری، ضحاک قتادہ وغیرہم کا قول ہے کہ حمولہ اونٹ و گائے ہیں اور فرش بکریاں۔ زجاج کہتے ہیں اہل لغت کا اجماع ہے کہ فرش چھوٹے اونٹوں کو کہتے ہیں۔ ابن جریر نے علی بن ابی طلحہ والی روایت کو پسند کیا ہے۔

ان چوپایوں کے کھانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ بطور اباحت کے ہے۔

شیطان کے قدموں کی پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو شیطانی اغوا ءمیں آکر بعض چوپایوں کو حلال اور بعض کو حرام سمجھتے ہو اس کو چھوڑ دو یہ شیطان کا بہکاوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے حلال کر دیا ہے اس کو کھاؤ اور شیطان سے ہوشیار رہو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہارے باپ کو جنت سے نکالا، تم پر پاکیزہ گوشت کو حرام کیا جس کو تم نہیں کھاتے اور خون کو جمع کرکے اور اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھاتے ہو ایسا نہ کرو۔

نَبِّئُوْنِیْ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ تحلیل و تحریم تم کس قاعدہ سے کرتے ہو۔ اگر نر ہونے کی وجہ سے تحریم کرتے ہو تو ہر نر حرام ہوا پھر بعض کی تخصیص کیوں کرتے ہو اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو ہر مادہ حرام ہونی چاہیئے تخصیص بعض کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اشتمالِ رحم یعنی پیٹ کا بچہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو نر و مادہ دونوں حرام ہونے چاہئیں کیونکہ دونوں رحم کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس تحریم و تحلیل کو قیاسی نہ مانو اور کہو کہ یہ تو اللہ کے حکم سے کی گئی ہے عقل و قیاس کو اس میں دخل نہیں اور چون و چرا کی گنجائش بالکل نہیں تو اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ ثبوت دو ہی قسم کا ہو سکتا ہے یا حرمت و حلت کا علم رسول کی معرفت ہوا ہوگا تو اس کے تم قائل نہیں یا حق تعالیٰ نے بلا واسطہ تم کو اس کا علم دیا ہوگا تو بتاؤ ایسا کب ہوا اور جب یقیناً ایسا نہ ہوا تو پھر کیوں اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہو۔

مقصود بیان انعام خداوندی کا اظہار، اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ چوپایوں کے کھانے کی اجازت، شیطان کے طریقوں پر چلنے کی ممانعت، اس طرف لطیف اشارہ کہ رسوم جاہلیت گمراہ کن ہیں۔ نہ ان کے واسطے کوئی عقلی دلیل نہ شرعی برہان دعویٰ کو دلیل کے ساتھ پیش کرنے کا حکم۔ آیت میں ایک دقیق دلیل ہے اس بات پر کہ شرعی قواعد اصول پر مبنی ہیں۔ متفرق باتیں خلاف قیاس و خارج از ضابطہ نہیں ہیں۔ ہر تحریم و تحلیل میں شرعی حکم ہی معتبر ہے۔ اس سے قیاس و اجتہاد کی حرمت مستنبط نہیں ہوتی۔ کیونکہ قیاس مجتہد باصل شرعی ہوتا ہے۔ خدا کا حکم نازل ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ بلا واسطہ حکم الٰہی کا نزول ناممکن ہے۔ خود تراشیدہ کوئی حکم پیش کرنا اور اللہ کی طرف اس کو منسوب کرنا بدترین ظلم ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر شرعی مسئلہ لاعلمی کی حالت میں اپنی رائے سے بتا کر خدا کی طرف منسوب کرے تو یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

(اے نبی) کہہ دو کہ میرے پاس جو وحی آئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے سوا اس کے کسی چیز کے کھانے کی حرمت مجھے نہیں ملتی کہ مردار ہو

أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

یا خون	رواں ہو	یا سؤر کا گوشت ہو	کیونکہ یہ ناپاک ہے	یا وہ گناہ کا ذبیحہ ہو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو

تفسیر یہ کلام سابق کا تکملہ اور تحریم و تحلیل کے متعلق عقیدۂ مشرکین کا رد ہے۔ اس آیت کے معانی مختلف طور پر بیان کئے گئے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہم وہ شبہ بیان کر دیں جو بعض کوتاہ بیں حضرات اس آیت سے کیا کرتے ہیں اور پھر اس کا ازالہ کر کے صحیح مطلب بیان کر دیں۔

شبہ اس آیت میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ مُردار، جاری خون، سؤر کا گوشت، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور چونکہ اس آیت میں ان چیزوں کی حرمت لفظ اِنَّمَا سے بیان کی گئی ہے جو لفظ حصر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی چار چیزیں شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں اور نہ ان میں سے کوئی چیز حلال ہے۔ پھر وہ تمام محرمات جو اہل فقہ بیان کرتے ہیں کس طرح حرام کی جا سکتی ہیں۔ نیز مُردہ مچھلی اور ٹڈی کیوں حلال کہی جاتی ہے حالانکہ میتہ ہے اور ہر میتہ حرام ہے۔

ازالہ یاد رکھنا چاہیے کہ آیت میں چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں:۔
(۱) مشرکین کی از خود تحلیل و تحریم کا رد (۲) علیٰ طاعم کی قید (۳) اُوْحِیَ اِلَیَّ کا صیغہ یعنی ماضی کا صیغہ بولنا (۴) آیت کا مکی ہونا (۵) فَاِنَّهٗ رِجْسٌ سے تین اشیاء کی حرمت کی علت کا بیان کرنا اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق کہنا۔

اب چند سطور پر اس شبہ کا ازالہ کرتے ہیں:۔

(۱) مشرکین نے کچھ چیزیں از خود حلال و حرام بنا رکھی تھیں جن کی تردید اوپر کی آیت میں مدلّل کر دی گئی۔ اس آیت میں اس تردید کا تکملہ مقصود ہے۔ یعنی رسول کو حکم ہوتا ہے کہ مشرکین نے جو بحیرہ سائبہ وغیرہ کو از خود حلال و حرام بنا رکھا ہے تم ان سے کہہ دو کہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے تمہارا اختراعی فیصلہ کافی نہیں ہے۔ وحی الٰہی میں تو تمہارے ان محرمات میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ہاں یہ چار چیزیں حرام ضرور ہیں پھر تم نے کیوں وحی الٰہی کے خلاف ان خود تراشیدہ محرمات کو حرام قرار دے لیا۔ حاصل یہ کہ مشرکین کے عقائد اور ان کے حرام کردہ جانوروں کی تحریم کی تردید ہے نہ کہ کل محرمات کا بیان ہے۔

(۲) آیت میں علیٰ طاعمٍ یطعمہٗ کا لفظ موجود ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ میں اہل عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے ان میں سے حرام جانوروں کا بیان مقصود ہے نہ کہ کل دنیا کی چیزوں کی حرمت حلت کا فیصلہ۔ اہل عرب اس وقت جو جانور اور چیزیں کھایا کرتے تھے وہاں مُردار، خون، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ بھی کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی تحریم کر دی اور باقی وہ اشیاء جن کو وہ کھایا کرتے تھے بدستور حلال باقی رہنے دیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی اور کل چیزیں حلال ہیں۔ ہاں اس زمانہ میں عرب جن جانوروں کو کھانے کے عادی تھے ان میں سے اس وقت صرف یہ چار چیزیں حرام کر دی گئیں اور شراب وغیرہ کو حلال چھوڑ دیا گیا اور پھر کچھ زمانہ کے بعد اس کو بھی حرام کر دیا گیا۔

(۳) لفظ اُوْحِیَ ماضی کا صیغہ ہے اور آیت مکی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مکے کے اندر نزول آیت کے وقت صرف انہی چاروں چیزوں کی حرمت ہوئی۔ باقی اشیاء بدستور حلال چھوڑ دی گئی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ بصلحت اور چیزوں کی بھی حرمت ہو گئی۔ گویا لفظ اِنَّمَا سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے وہ صرف اس وقت تک کی وحی کے لحاظ سے ہے نہ کہ آئندہ کے لئے۔ بلکہ اس صورت میں دیگر آیات تفصیلیہ سے یہ آیت منسوخ بھی ہو جائیگی۔

(۴) آیت میں مُردار، خون جاری اور سؤر کے گوشت کی تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو فسق یعنی گناہ کا جانور قرار دیا۔ چونکہ دنیا کی کل چیزیں بیان نہیں کی جا سکتی ہیں لہٰذا قرآن پاک نے چند چیزوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک

عام وقت بیان فرمادی ہے جس سے استفادہ اس طرف ہوگیا کہ ان کی حرمت یہ علت ہے۔ اب جہاں یہ علت ہوگی وہاں حرمت کا حکم بھی ہوگا۔
لہٰذا مُردار میں مذکورہ ذیل جانور داخل ہیں باہم لڑکر یا گلا گھٹ کر مرا ہوا جانور، پہاڑ سے یا بلندی سے گرا ہوا جانور، دریا، کنویں یا تالاب میں ڈوب کر
مرا ہوا جانور، درندوں کا پھاڑا ہوا جانور، لٹھ سے مارا ہوا جانور، گولی سے مرا ہوا جانور یا کسی اور قسم کا مُردار بہرحال سب ناپاک ہیں اس لئے حرام
ہیں۔ سور کا گوشت ناپاک ہے اس لئے حرام ہے۔ سور کی ہڈی، بال، کھال وغیرہ ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ تمام وہ درندے جن کی کچلیاں ہوتی
ہیں ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ خون جاری ناپاک ہے اس لئے حرام ہے۔ شراب وغیرہ نشہ کی چیزیں ناپاک ہیں اس لئے حرام ہیں۔ ہر قسم
کے سانپ بچھو، بکرے وغیرہ جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں چونکہ گناہ کے جانور ہیں اس لئے حرام ہیں۔
تلی اور کلیجی جاری خون نہیں اس لئے حرام نہیں۔ مردہ مچھلی، ٹڈی اور جھینگا وغیرہ چونکہ از روئے حدیث ناپاک نہیں۔ اس لئے حکم حرمت
اُن کو شامل نہیں وغیرہ۔
بہترین حاصل جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں محرّماً سے قابل اکل حیوانات کا عموم مراد ہے تو اس کے بعد جو تحریم جانوروں کی کتاب و سنت
سے ہوئی وہ بھی اس میں داخل ہے اور اگر محرّماً سے مراد کل مطعومات محرّمہ ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا نہ ہوں تو وہ چیزیں جو بعد کو کتاب و
سنت سے حرام قرار دی گئیں اس حکم میں شامل سمجھی جائیں گی۔

مقصود بیان اُن چیزوں کا بیان جو ابتدائے اسلام میں حرام کردی گئی تھیں۔ حرمت کی دلیل کی طرف نہایت بلیغ اشارہ۔ کفار کے
مسلمات کی مدلل تردید۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ اشیاء کی تحلیل و تحریم انسانی دماغ کا کام نہیں۔ کسی
کے خود اپنے فیصلے سے کوئی چیز حلال ہوجاتی ہے نہ حرام بلکہ تحلیل و تحریم اشیاء کے لئے وحی ربانی اور فیصلۂ الٰہی کی ضرورت ہے۔ آیت میں
ایک تلمیح اس طرف بھی ہے کہ احکام الٰہی بغیر علت و مصلحت و فوائد کے نہیں ہوتے اور نہ کوئی حکم شرعی خلاف عقل و قیاس اور فارغ المصلحت ہے
بلکہ ہر حکم کی ایک عقلی برہان اور تہہ نشیں مصلحت ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

(اں جو کوئی مجبور ہو نکر نافرمانی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے تجاوز کرنیوالا (اس کے لئے یہ بھی جائز ہے) تو ہمارا رب غفور رحیم ہے۔

تفسیر اس آیت میں حکم اول سے استثناء اور سہولت کا اظہار ہے۔ اوپر کی آیات میں چار قسم کی چیزوں کو کھانا حرام فرمایا گیا تھا کیونکہ وہ ناپاک
اور خبیث تھیں۔ اب ضرورت و شدت بھوک کے وقت اُن کے کھانے کا جواز بیان فرمایا۔
اضطرار سے مراد شدت بھوک سے بیتاب ہے بشرطیکہ حرام کے علاوہ کوئی اور حلال چیز کھانے کو نہ ملے، اور جان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو
غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جیسے دوسرے مضطر و لاچار پر زیادتی نہ کرے اور نہ سد رمق سے زائد کھائے کیونکہ جو شے
بضرورت حلال ہوتی ہے وہ مقدار ضرورت پر ہی قاصر رہتی ہے۔
غَفُورٌ رَّحِيمٌ اس طرف اشارہ ہے کہ حرام کھانا تو ہر صورت ناجائز ہے لیکن شرط مذکورہ کے مطابق کوئی اس کا ارتکاب کرے تو خدا تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ کوئی حکم مالایطاق نہیں دیتا اور نہ ناقابل برداشت حکم کی تعمیل پر مجبور کرتا ہے۔

مقصود بیان بوقت ضرورت اکل حرام کی اجازت۔ حق سے تجاوز کرنے اور اعتدال سے بڑھنے کی ممانعت۔ اس بات کی طرف
اشارہ کہ پروردگار تو درحقیقت خدا ہی ہے۔ رزق کو اس نے بقائے حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔ لہٰذا حلال رزق پر
اکتفا رکھنا چاہیئے لیکن چونکہ خدا اپنی مخلوق پر مہربان ہے اس لئے اگر شدت ضرورت کے وقت اس حکم کے خلاف کرنا پڑے گا تو وہ معاف
کردے گا۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے بکری کی چربیاں بھی

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ

سوائے اُس چربی کے جو پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈیوں سے ملی ہوئی تمام حرام کر دی تھیں

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○

یہ اُن کی شرارت پر ہم نے اُن کو سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں

تفسیر گزشتہ آیات میں عام مشرکوں کی تحلیل و تحریم کا بیان اور اُس کا رد ذکر کیا گیا ہے۔ مشرکوں کی تحلیل و تحریم کسی قاعدہ و ضابطہ کے تحت نہ تھی بلکہ طبع زاد اور خود اختراعی تھی۔ یہاں یہودیوں کی حرمتِ مخصوصہ کا خصوصی ذکر ہے کیونکہ یہودیوں کے لئے جن چیزوں کو حرام کیا گیا وہ خدا کی طرف سے کیا گیا تھا اور ایک ضابطہ کے تحت کیا گیا تھا اور اُن کے ظلم و بغاوت کی سزا میں یہ تحریم نازل کی تھی۔

ابن عباسؓ کے نزدیک ناخن والے جانور سے وہ جانور مُراد ہے جس کے کھُر چِرے ہوئے نہ ہوتے ہیں اور پنجہ کشادہ ہوتا ہے خواہ وہ مواشی میں سے ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ وغیرہ یا پرندوں میں سے ہو۔

چربی سے مُراد وہ چربی ہے جو اوجھ پر لپٹی ہوتی ہے۔ یہ چربی یہودیوں پر حرام کر دی گئی تھی۔ البتہ وہ چربی جو پُشت سے لگی ہوئی ہو (اسی اور ابن جریج اور ابو صالح کے نزدیک دُنبے کی چکتی اس میں داخل ہے) یا وہ چربی جو آنتوں پر لپٹی ہو خواہ وہ آنتیں مینگنی والیاں ہوں یا نہ ہوں اور وہ چربی جو ہڈی سے وابستہ ہو یہ سب یہودیوں کے لئے جائز تھی۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں کی ظلم و سرکشی کی وجہ سے ہم نے کھُر چِرے جانور کا کھانا یا اس کو فروخت کرنا اور اُس کی قیمت کھانا حرام کر دیا تھا۔ البتہ مخصوص قسم کی چربی حلال تھی جس کا ذکر آیت میں موجود تھا۔

وَإِنَّا لَصَادِقُونَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے مذکورہ بیان اور ہر وعدہ وعید میں سچے ہیں۔ بعض مفسرین نے صٰدقون کے معنی عادلون بیان کئے ہیں۔ یعنی ہم نے جو اُن کو سزا دی ہے اس سزا دینے میں عادل ہیں۔ ابن جریر نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ اے محمد! ہم نے جو تم کو خبر دی کہ یہودیوں کی مخالفت و نافرمانی کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں اُن پر حرام کر دی تھیں۔ یہی صحیح ہے یہ قول غلط ہے کہ یعقوب نے خود اپنے اوپر کچھ چیزیں حرام کر لی تھیں۔

فقہی مسئلہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی فروخت کر کے اُس کی قیمت کھانا یا کسی اور طرح اُس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے کیونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے۔ اُن پر چربی حرام کر دی گئی تھی مگر انھوں نے پگھلا کر اس کو فروخت کیا۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس نے مُردار کی چربی کا روغن کشتیوں پر کرنے اور اُس کو چراغوں میں جلانے کی بھی ممانعت کر دی تھی۔

مقصودِ بیان یہودی بڑی سرکش قوم تھی۔ خدا تعالیٰ احکام اور اصولِ معاشرت و معیشت میں تنگی خواہ مخواہ نہیں فرماتا ہے بلکہ اقوام کی سرکشی اور مخالفت اس کا باعث ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ اور وعید سچا ہے۔ اُس کے کسی قول میں دروغ محال ہے۔ وغیرہ۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ

اس پر بھی اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو تم کہدو کہ تمہارا رب بڑا وسیع رحمت والا ہے اس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں

الْمُجْرِمِينَ ۝ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا

ٹالا جاسکتا اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا

نہ ہم کسی چیز کو حرام کہتے اسی طرح اُن سے پہلے لوگ بھی تکذیب کرتے رہے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

کہدو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمارے سامنے لاؤ بس تم (اپنے) خیال پر چلتے ہو اور نری

أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اٹکلیں دوڑاتے ہو کہدو کہ اللہ ہی کی دلیل پوری ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا

تفسیر فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۝ مطلب یہ ہے کہ اگر یہودی شریعت محمدیہ کو نہ مانیں اور رسول اللہ کی رسالت کی تکذیب کریں تو اے محمدؐ تم اُن سے کہہ دو کہ خدا تعالیٰ کی یہ وسیع رحمت ہے کہ تم کو اس تکذیب کی فوری سزا نہ دی بلکہ مُہلت دی کہ سوچ سمجھ کر غور کر کے ایمان لاسکو اور اگر اس مہربانی سے بھی فائدہ نہ اٹھاؤ تو سمجھ لو کہ۔

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝ جس وقت عذاب الٰہی آئے گا تو پھر مجرموں کی رہائی ناممکن ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ۔ عموماً بد باطن کوتاہ فہم منکرین خدا جب دلیل سے عاجز آجاتے ہیں تو تقدیر کا مسئلہ اور مشیتِ الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے اور اس کی مرضی کے مطابق نہ ہوتے تو وہ ہم کو کرنے نہ دیتا ہم کو ایسے کام کرنے سے روک دیتا غرض ایسے لوگ مشیت اور مرضی میں فرق نہیں سمجھتے کفارِ مکہ بھی دلائل سے عاجز آکر ایسا ہی کہتے تھے۔ اس آیت میں بطور پیشین گوئی پہلے ہی بتا دیا گیا کہ "کفار ایسے پوچ عذر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ وہ ہم کو روک دیتا۔ ہمارا شرک کرنا ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کو ہمارے یہ افعال پسند ہیں۔ نیز اگر اُس کی منشاء نہ ہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے" اس بیوقوفی آمیز قول کا رد خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ جو کچھ اللہ کی مرضی تھی وہ تو اللہ کے پیغمبروں کے ذریعہ سے ظاہر کر چکا تھا اور لوگوں کو کامل اختیار دے دیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بُری راہ چلیں۔ البتہ یہ بتا دیا کہ نیک راہ چلنے والوں کا نتیجہ اچھا اور بُری راہ اختیار کرنے والوں کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ اب جبکہ پیغمبر اللہ کی مرضی پر چلنے کی ترغیب دینے کے لئے دنیا میں آئے تو بُروں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بُری راہ اختیار کی تو وہ مجرم ٹھہرے اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہوئی۔ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ رہا مشیتِ الٰہی کا سوال وہ بالکل دوسری چیز ہے۔ مشیت کے واسطے مرضی لازم نہیں۔ تمام کام مشیت

کے موافق ہوتے ہیں لیکن مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب راہ راست پر آجاتے لیکن اُس نے چاہا کہ لوگ اپنی مشیت اور ارادہ سے راہ راست اختیار کریں۔ پھر جنھوں نے قصداً ہدایت اختیار کی اور رسولوں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بہکے اور اپنے باطل خیالات پر چلے اُن پر عذاب آنا چاہیئے تھا۔

نکتۂ خاص هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی مشیت کی معرفت حاصل ہو اور اُس کی مرضی کا بھی صحیح علم ہو اور پھر تمام امور کو مشیت کے سپرد کیا جائے اور کسی چیز کو خدا کی مشیت سے خارج نہ سمجھا جائے تو کوئی جرم نہیں بلکہ عین حق ہے مگر صرف اٹکل و تخمین سے بغیر یقینی علم کے اور عاد مشیت و مرضی میں فرق نہ کرتے ہوئے شرک و معاصی کو بھی داخل مشیت میں داخل کرنا باطل ہے

مقصود بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت میں تسلی دی گئی ہے کہ ان تکذیب کرنے والوں کا فوری عذاب میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ تکذیب کی سزا اُن کو نہیں ملے گی بلکہ محض اس لئے ہے کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے اور ان کو ایمان واسلام کا موقع دینا چاہتا ہے ورنہ عذاب تو اُن پر ضرور آئے گا۔ خدا تعالیٰ باوجود مخلوق کی نافرمانی کے اپنی نعمت بند نہیں کرتا بلکہ حلم فرماتا ہے لیکن اس پر بھی اگر لوگ سرکشی جاری رکھتے ہیں تو بالآخر عذاب میں ماخوذ ہونا لازم ہے اور اس وقت پھر رہائی ناممکن ہے۔

آیت سَيَقُولُ الَّذِينَ الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مشیت اور مرضی جدا جدا چیزیں ہیں۔ کفار دائرۂ مشیت میں ہر چیز کو داخل کرکے جو یہ نتیجہ نکالنا چاہتے تھے کہ تمام معاصی و شرک بھی مرضی الٰہی کے مطابق ہے یہ نتیجہ غلط ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ خدا کے حکم کی پابندی کرے اور اس کی مشیت سے نہ لپٹے۔ کیونکہ مشیت الٰہی بندے کے علم سے خارج اور اس کے فہم سے بالاتر ہے۔

آیت میں ایک پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ شریعت حقہ کے مقابل میں اعتراضی دلائل پیش کرنا صرف اٹکل و تخمین پر مبنی ہوتا ہے۔ براہین کاملہ اور حجت تامہ خدا تعالیٰ پیش کر چکا۔

اللہ نے دنیا میں اپنے احکام و شرائع اور قوانین صرف تکمیل حجت اور کفار کے عذر کو دفع کرنے کے لئے نازل فرمائے۔ کوئی چیز خدا کی مشیت سے خارج نہیں۔ مگر اس سے ہر چیز کو خدا کی پسند کے موافق قرار دینا اور یہ کہنا کہ خدا ہی نے ہم سے نیک و بد کام کرائے غلط ہے۔ وغیرہ

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَإِنْ شَهِدُوا

کہہ دو کہ اپنے گواہ لاؤ جو گواہی دیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کردی ہیں پھر اگر وہ گواہی دے بھی

فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا

دیں تو تم اُن کے ساتھ گواہی نہ دینا اور نہ اُن لوگوں کی خواہش پر چلنا جنھوں نے ہمارے احکام کی تکذیب کی ہے اور آخرت کا

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ ع

یقین نہیں رکھتے اور (مخلوق کو) اپنے رب کی برابر قرار دیتے ہیں

تفسیر کسی حکم کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے صرف دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ عقلی اور نقلی۔ عقلی وجہ تو اوپر ذکر کردی گئی ہے اور اس کا مدعی ہو گیا۔ یعنی کفار نے عقلی دلیل تو یہ پیش کی تھی کہ سب کچھ خدا کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ہم کو ان افعال سے روک دیتا اور چونکہ اُس نے نہ روکا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے افعال اور ہماری خود ساختہ تحلیل و تحریم اُس کو پسند ہے اور اس کے حکم سے ہے۔ اس کا رد

اس طرح کر دیا کہ مرضی و مشیت میں فرق ہے۔ ہر مشیت کی چیز کو مرضی کے مطابق سمجھنا غلطی ہے۔ یہاں وجہ نقلی کو اور اس کے رد کو بیان فرماتا ہے۔ وجہ نقلی یہ ہو سکتی ہے کہ بعض اہل علم انبیاء سے روایت کرتے ہوئے قائل ہوں کہ اللہ نے اس چیز کو حرام اور اس چیز کو حلال کیا ہے۔ لہٰذا ہم اس قسم کے موافق تحلیل و تحریم کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۔ اگر تمہارے پاس کوئی نقلی ثبوت ہو تو لاؤ اپنے علماء کو جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے لیکن شہادت اہل ایمان کی ہونی چاہیئے۔ جو منکران دین ہیں ان کی شہادت ناقابل اعتبار ہے اسی لئے اس کے بعد رسول پاکؐ کو اور رسول کے واسطہ سے تمام اُمت کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۔ اگر یہ لوگ اس کی شہادت بھی دیں تو ان کی شہادت نہ مانو کیونکہ یہ خواہش کے بندے اور نفس پرست ہیں۔ حقانیت و خلوص ان کے اندر نہیں۔ ان کا ایمان نہ خدا پر ہے نہ روز آخرت کی سزا جزا پر نہ احکام الٰہی کو یہ ماننے والے ہیں۔ ان کے نزدیک تو خدا اور دوسرے اشخاص برابر ہیں۔ جس طرح یہ خدا کو تحلیل و تحریم کا مالک سمجھتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی ارباب حرمت و حلت جانتے ہیں۔

مقصود بیان کسی عمل یا اعتقاد کے ثبوت کے لئے عقلی اور شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔ بغیر کسی دلیل کے کوئی اعتقاد یا عمل باطل ہے۔ تحلیل و تحریم صرف خدا کا کام ہے۔ کوئی انسان نہ محلل ہو سکتا ہے نہ محرم۔ وغیرہ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

(اے نبی) کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ چیزیں یہ ہیں کہ اللہ کا کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا

سے بھلائی کرو اور افلاس کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی اور

تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ

بیحیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور جس جان کو (قتل کرنا) اللہ نے حرام کر دیا

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ

ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو ان باتوں کا اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس

الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

بھی نہ جاؤ مگر ایسی طور پر جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا

پوری کرو ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ قرابت دار

قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو اسی کا اس نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو

تفسیر گزشتہ آیات میں کفار کے خودساختہ محرمات کی تردید اور ان کے عقیدہ کے خلاف دلائل قائم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ تم تحریم و تحلیل کے مالک نہیں ہو لہٰذا تم کو اپنی طرف سے اشیاء کو حرام حلال کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اب ان آیات میں فلاح دین و دنیا کے جو اصل الاصول ہیں اُن کو بیان فرماتا ہے اور بتانا چاہتا ہے کہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ درحقیقت قابل اجتناب اور واجب الترک تو یہ چیزیں ہیں۔ اچھا برا نتیجہ تو ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ نو امور ہیں۔

(۱) اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ یعنی قولی فعلی اور اعتقادی شرک سے پرہیز رکھو۔ کسی طرح کا ذاتی اور صفاتی شرک نہ کرو۔ عبادت و معاملات میں ہر قسم کے شرک جلی و خفی سے اجتناب کرو یعنی ہر نقل و حرکت، خواب و بیداری اور نشست و برخاست میں اللہ ہی کو مؤثر حقیقی اور مقصود اصلی سمجھو۔

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ ماں باپ سے پوری بھلائی کرو۔ ہر قسم کا اچھا سلوک اُن کے ساتھ کرو یعنی ماں باپ کے ساتھ برا سلوک نہ کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہر طرح کی نیکی کرنی واجب ہے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون؟ فرمایا والدین سے بھلائی کرنا۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ موجودہ افلاس یا خوف افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تم کو بھی ہمیشہ روزی دیتے ہیں اور دینگے اور اُن کو بھی۔ اُن کو کھلانے پلانے اور ان کے شادی بیاہ کرنے کے خوف سے قتل کر دینا حرام ہے۔ آیت میں اولاد سے مراد لڑکیاں ہیں۔ کیونکہ عرب کے بعض قبائل میں دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی تو اپنی ناداری کو دیکھ کر جیسے اس کو قتل کر دیتے۔ پھر یہ بھی اندیشہ ہوتا کہ یہ پرائے گھر کی ہیں ان کو دوسرے مردوں کے تصرف میں جانا ہے اور اس سے ہماری قومی وقعت میں کمی آئے گی۔ اس قسم کے دیگر خطرات بھی ہوتے تھے۔ بہرحال لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا جرم کونسا ہے؟ فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ رزق میں تیرے ساتھ شریک ہو جائیگی۔

(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کسی طرح کی بے حیائی کی بات نہ کرو۔ نہ چھپ کر نہ کھلم کھلا۔ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ اسی بنا پر اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے فرمایا تم لوگ سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو، قسم ہے اللہ کی میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اسی وجہ سے اُس نے خفیہ و ظاہر فواحش کو حرام کر دیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ خفیہ زنا کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ و علانیہ زنا کو حرام کر دیا۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو۔ جس کو قتل کرنا خدا نے حرام کر دیا ہے اُس کا خون نہ بہاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ شرعاً جس کو قتل کرنا جائز ہے اُس کے قتل میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی اس کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ مسلمان کا قتل سوائے تین اسباب کے اور کسی صورت سے جائز نہیں۔ یا تو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو [illegible] حاصل کرے یا دین کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ کو جب لوگ شہید کرنے لگے تو آپ نے فرمایا قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا نہ کیا اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا۔ اور نہ دین کو بدلنا چاہا۔ پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

(۶) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۔ یتیم کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ کرو جو اس کے لئے نقصان دہ ہو بلکہ اس طرح تصرف کرو جو مفید اور مصلح ہو اور یہ سلسلۂ اصلاح و افادہ یتیم کے بالغ ہونے تک جاری رکھو۔ جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کردو۔

(۷) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ یعنی ناپ تول کے صحیح رکھنے کی نیت رکھو اور بقدرِ امکان کمی بیشی نہ کرو اور اگر باوجود نیت درست رکھنے کے ناپ تول میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

(۸) وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ بات سچی اور انصاف کی کہو۔ خواہ تمہارے قرابت داروں کا ہی اس میں نقصان ہو۔ کسی کی رُو رعایت نہ کرو۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۔ قول و قسم اور وعدوں کو پورا کرو اور عہد الٰہی کو وفا کرو۔ خلاصہ یہ کہ احکام مندرجہ بالا کی تکمیل و تعمیل کرو۔
ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ انہی کی خدا نے تم کو نصیحت کی ہے اور یہی قواعد واجب العمل ہیں۔

مقصودِ بیان شرک کی ممانعت۔ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ اس بات کی طرف ایماء کہ رازق خدا تعالیٰ ہے۔ اسی کے ہاتھ میں کل عالم کا رزق ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فلاں شخص کا رزق ہمارے ہاتھ میں ہے ہم نہ دیں گے تو وہ بھوکا مر جائے گا۔ ہر قسم کی بے حیائی کی ممانعت۔ خونِ ناحق کی حرمت۔ یتیم کے مال کو خُرد بُرد کرنے کی بندش۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ جہاں تک ممکن ہو یتیم کی بہبودی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بات کی جانب ایماء کہ جوان ہونے کے بعد یتیم کا مال (بشرطِ عقل و فہم) اس کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم۔ اس بات کی صراحت کہ آدمی مکلف بقدرِ طاقت ہے جو بات طاقت سے خارج اور امکان سے باہر ہے اس کے کرنے پر آدمی شرعاً مجبور بھی نہیں۔ بلا رو رعایت سچی بات کہنے کا امر۔ ایفائے وعدہ اور عبادات و معاملات میں تکمیلِ فرض کا حکم۔ وغیرہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

اور یہ بھی (ارشاد) کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ راستے تم کو اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

راستہ سے جدا کر دیں گے اسی کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو

تفسیر وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا الخ ۔ یعنی ان نو امور پر کاربند ہونا اور ہدایت مذکورہ پر عمل کرنا اللہ تک پہنچانے والا اور زندگی کو پاکباز بنانے والا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا اس پر چلو اور سب ان امور پر متفق رہو۔ اِدھر اُدھر پگڈنڈیوں پر مارے مارے نہ پھرو۔ کسی کو حلال اور کسی کو حرام اپنی طرف سے نہ کرو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ ہر ایک کا راستہ جدا اور شاہراہِ عمل علیحدہ ہوگی اور راہِ خدا سے سب بھٹک جاؤ گے اور سیدھے سادے دین سے بہک جاؤ گے۔ علی بن طلحہؓ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں نیز اسی طرح دیگر آیات میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم دیا اور ان کو اختلاف و پھوٹ سے منع کیا اور آگاہ کر دیا کہ تم سے اگلے لوگوں کی تباہی کا سبب ہی یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے دین میں جھگڑے اور بحثیں نکال کھڑی کی تھیں۔ مجاہد اور دیگر سلف صالحین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ کذا ذکرہ الحافظ ابن کثیر۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ پراگندہ راہوں میں کوئی تخصیص نہیں خواہ وہ یہودیت کی راہ ہو یا عیسائیت کی یا دیگر مذاہب کی یا اسلام کے دیگر مبتدع فرقوں کی۔

قتادہ نے فرمایا کہ لوگو آگاہ رہو کہ سبیلِ الٰہی تو ایک مستقیم راہ ہے جو جنت تک پہنچاتی ہے اور یہی راہِ جماعت ہے اور ہوشیار رہو کہ ابلیس

لے متفرق راہیں نکال لی ہیں اور وہ سب گمراہی کی راہیں ہیں، اُن کی انتہا دوزخ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ تو راہِ الٰہی ہے جو راستہ مستقیم ہے پھر اس خط کے داہنی بائیں بہت سی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ بہت سی ٹیڑھی راہیں ہیں جن میں سے کوئی راہ ایسی نہیں جس پر کوئی شیطان نہ بیٹھا ہو۔ وہ شیطان اسی کج راہ کی طرف بلاتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (رواہ النسائی و احمد والحاکم والبزار وابن المنذر وابن مردویہ وغیرہم)

مقصودِ بیان امور مذکورہ آیات بالا پر عمل کرنے کی بلیغ پیرائے میں تاکید۔ دینِ اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کے بطلان کی صراحت راہِ اسلام کے سیدھا ہونے کی نص۔ اتحاد و اتفاق کی تعلیم اور نفاق و اختلاف کی ممانعت۔ مختلف پراگندہ اور ٹیڑھے راستوں سے بچنے کی ہدایت۔ راہِ جماعت کہ جو کہ راہِ مستقیم ہے اور منزلِ مقصود تک پہنچا دینے والی ہے اختیار کرنے کا حکم۔ وغیرہ

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی جو نیکی کرنے والوں کے لیے تکمیلِ نعمت تھی اور ہر ضروری چیز کی تفصیل تھی

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین کرلیں

تفسیر یعنی احکامِ مذکورہ کی تعمیل صرف اُمتِ محمدیہ پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ ہم ہمیشہ انبیاء کی معرفت اچھے بُرے اور نیک و بد احکام کی صراحت کرتے رہے ہیں اور نہ یہ قرآن کوئی نئی کتابِ الٰہی ہے بلکہ اس سے پہلے بھی مختلف انبیاء پر ہدایتِ خلق کے لیے آسمانی کتابیں آتی رہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ کو ہم نے ایک کتاب دی تھی جو نیکوں اور نیکوکاروں کے لئے تاتمام و ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اس میں سب موجود تھیں۔ اور معاشرت و اخلاق کے تمام ضروری احکام و قواعد اس میں مذکور تھے اور لوگوں کی نجاتِ آخرت و سہولتِ دنیوی کے لئے ہدایت و رحمت تھی۔ تاکہ لوگوں کو اُس کتاب کی تعلیم و قواعدِ ہدایت دیکھ کر اللہ کے پاس جانے کا یقین ہوجائے۔

حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ تھے اور توریت نیکوں یعنی مومنوں کے لیے نعمتِ کاملہ تھی۔ اس لئے آیت میں تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ فرمایا۔ گویا اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ سے مومنین مراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ نیکوں نے اطاعتِ الٰہی اور عبادت میں فرماں پذیری کی تھی۔ اُس کے صلہ میں خداتعالیٰ نے اُن کو توریت عطا فرمائی ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ خداتعالیٰ نے جو کچھ اُن کو عطا فرمایا یعنی جو شریعت اُن کو عطا کی تھی اُس پر عمل کرنے میں انھوں نے درجۂ احسان کو ملحوظ رکھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مطلب اس طرح ہے جس نے مرتبۂ احسان کے موافق فرماں برداری کی آخرت میں اُس کے واسطے اللہ نے پورا اجر عطا کیا۔ ابن جریر نے الذی کو مصدریہ قرار دیا ہے گویا علی الذی احسن کے معنی علی احسانہ کے ہیں۔

مقصودِ بیان بحسن اسلوب قرآن کی حقانیت و صداقت کی نمائش اس امر کی صراحت کہ توریت ناقص نہ تھی بلکہ دینی ضروریات اور معاشرتی قوانین اور دیگر معاملات اس میں تفصیل وار مکمل طور پر موجود تھے۔ اس امر کی ضمنی وضاحت کہ توریت نعمت اور رحمت ضرور تھی مگر انہی لوگوں کے لئے رحمت تھی جو نیکوکار اور اطاعت شعار تھے۔ جو ازلی شقی اور نافرمان تھے ان کو توریت سے کچھ فائدہ حاصل ہونا ناممکن تھا۔ وغیرہ۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ

اور یہ بھی ایک برکت والی کتاب ہے ہم نے اس کو اتارا ہے تم اس پر چلو اور (نافرمانی سے) بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تاکہ تم نہ کہو)

تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

کہنے لگو کہ بس کتاب تو ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم اُن کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ۝ لا اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ

بالکل بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ضرور اُن سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے سو تمہارے

جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

رب کی طرف سے تم پر دلیل اور ہدایت و رحمت آپہنچی تو اب اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

کی تکذیب کی اور اُن سے کترایا جو لوگ ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں ہم اُن کے کترانے کی پاداش میں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

اُن کو بُری مار کی سزا دیں گے

تفسیر طائفتین یعنی دو گروہوں سے مُراد یہودی اور عیسائی ہیں جن پر توریت وانجیل نازل ہوئی تھی۔ رہی زبور تو وہ درحقیقت چند نصائح و واعظ کا مجموعہ تھی۔ کوئی جدید مجموعۂ قوانین نہ تھی بلکہ اُنہی احکام و شرائع کی مؤید تھی جو توریت میں مذکور تھے۔ ابن عباس، سدی اور مجاہد قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اہل عرب کا عموماً یہود و نصاریٰ سے اختلاط اور میل جول تھا۔ بہت سے یہودی اور عیسائی جزیرۂ عرب میں آباد تھے لیکن انجیل و توریت کی اصلی زبان عربی نہ تھی اس لئے عام عرب اس کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عیسائیت اور یہودیت کچھ تبلیغی مذہب بھی نہ تھے کہ تمام دنیا کے لوگوں پر اُن کا ماننا اور اُن پر عمل کرنا واجب ہوتا۔ لہٰذا اگر قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو ممکن تھا اہل عرب بطور عذر کہہ سکتے کہ اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔ چونکہ کتب متقدمہ ہم سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں اور ہم اُن کتابوں کی زبان سے ناواقف تھے اور وہ تبلیغی عمومی مذاہب تھے کہ ہم پر اُن کی زبان کا پڑھنا اور سیکھنا واجب تھا۔ اس لئے ہم کو احکام الٰہی کا کیا علم ہوسکتا تھا۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ اگر بنی اسرائیل کی طرح ہماری ہدایت کے لئے کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوجاتے۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ دیکھو یہ بابرکت اور پُر رحمت کتاب ہم نے نازل کردی۔ لہٰذا اُس کے احکام و قوانین پر چلو اور کفر و معاصی سے پرہیز کرو۔ اس میں تمام ضوابط و احکام کا بیان موجود ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۔ پس اس سے رُوگردانی کرنی اور دوسروں کو روکنا اور اس کو سچا نہ ماننا سخت ترین عذاب کا موجب ہے۔

مقصودِ بیان اتمام حجت، تبلیغ کی تکمیل۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ کتب سابقہ کے احکام عمومی نہ تھے۔ اس امر کی طرف ایماء کہ اہل زبور کا کوئی مستقل گروہ نہ تھا بلکہ وہ بھی یہودیت کی ایک شاخ تھی۔

اس امر کی صراحت کہ اسلام درحقیقت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اوامر کی تعمیل اور ممنوعات سے اجتناب یعنی احکام و قوانین پر چلنا اور کفر و معاصی سے پرہیز رکھنا۔

اس بات کی وضاحت کہ قرآن پاک میں تمام ضروری قوانین و احکام کا بیان ہے اور انسانوں کے لئے یہ ہدایت کاملہ ہے اور یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ نہ ہمارا کوئی استحقاق تھا نہ خدا پر واجب تھا۔ وغیرہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ

کیا یہ اسی کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آموجود ہوں یا تمہارا رب آجائے یا تمہارے رب کی کوئی نشانی

رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ

آجائے جس روز تمہارے رب کی کوئی نشانی آجائے گی تو کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا سود مند نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

نہ لایا تھا یا ایمان کی حالت میں اُس نے کوئی نیکی نہ کی تھی کہہ دو کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں

تفسیر آیت کا مطلب بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بتا دیں کہ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے کیا مراد ہے۔ اکثر اہل تحقیق کا قول ہے کہ بعض آیات سے مراد مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک بپا نہ ہوگی جب تک مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع نہ ہوگا پھر جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو روئے زمین کے لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ جو شخص اس نشانی سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا اس کو اس وقت ایمان لانا سود مند نہ ہوگا۔ (رواہ البخاری و بقیۃ الجماعۃ)

بخاری کی دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ پھر حضورؐ نے یہ آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا الخ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے مغرب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے توبہ کی اُس کی توبہ قبول ہوگی (رواہ ابن جریر ولیس فی الکتب الستۃ واسنادہ جید) حضرت حذیفہ بن السید غفاریؓ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یکایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ مبارک سے چہرۂ مبارک باہر نکال کر فرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور دخان اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا خروج اور عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور دجال کا ظہور اور تین اطراف میں زمین کا دھنسنا۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرۂ عرب میں اور عدن کے غار سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر چلائے گی۔ لوگ جہاں رات گزاریں گے وہ وہاں رات کو ساتھ رہے گی اور جہاں دوپہر کو ٹھہریں گے وہ وہاں دوپہر کو ساتھ رہے گی (رواہ احمد والمسلم واہل السنن الاربعہ)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وہ نشانی مغرب سے آفتاب کا طلوع ہے۔ ساریہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہجرت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو گناہوں سے ہجرت یعنی ترک گناہ۔ دوسرے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کرنی ہر چیز کو چھوڑ کر۔ اور یہ ہجرت منقطع نہ ہوگی۔ جب تک کہ توبہ قبول ہوگی اور توبہ اُس وقت تک برابر قبول ہوگی کہ آفتاب اپنے ڈوبنے کی جگہ سے طلوع کرے پھر جب آفتاب مغرب سے برآمد ہوگا تو ہر دل پر مہر ہو جائے گی۔ اُس عقیدہ کے موافق جو اُس کے اندر ہوگا۔ اور لوگوں کو اُن کے اعمال بس کریں گے یعنی طلوع آفتاب از مغرب کے بعد نہ کوئی نیا ایمان قبول ہوگا نہ کوئی نیا عمل۔ قال الحافظ ابن کثیر رواہ احمد باسناد حسن ولم یخرجہ احد من اصحاب الستۃ۔ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس نشانی پر اعمال ختم ہوں گے وہ مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ کمالین میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک بعض آیات سے مراد عام ہے۔ خواہ دخان ہو یا دجال یا دابۃ الارض کیونکہ ابن جریر نے باسناد جید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین باتیں ہیں جب وہ ظاہر ہوں گی تو ایسے کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا اور نہ کسی کو اُس کی بھلائی مفید ہوگی جس نے ایمان کے ساتھ اس سے پہلے نیکی نہ کی ہوگی اور وہ نشانیاں طلوع آفتاب از مغرب خروج دجال اور ظہور دابۃ الارض ہے۔ وقد رواہ احمد ومسلم والترمذی وابن مردویہ۔

بہر حال روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض آیات سے مراد وہی آیات ہیں جو قرب قیامت میں نمودار ہوں گی۔ اگرچہ قوی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف طلوع آفتاب از مغرب ہی مراد ہے۔

اب ہم آیت کا مفصل مطلب اور سلسلۂ ارتباط ظاہر کرتے ہیں۔ جب آیات مذکورۂ بالا میں توحید کے مضامین قرآن کی حقانیت کے اثبات ہر قسم کے شکوک کا ازالہ آخرت کی جزا سزا کا نقشہ اور تمام ترغیبی و ترہیبی صورتوں سے اتمام حجت کر دیا گیا اور پھر بھی کافر ان سنگدل ایمان و اسلام کی طرف مائل نہ ہوئے تو اب ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۔ ان لوگوں کو اب اور کسی بات کا تو انتظار معلوم نہیں ہوتا۔ کیا اب اس انتظار میں ہیں کہ نزع کی حالت ہو جان نکل رہی ہو۔ موت کے فرشتے سامنے آجائیں۔ علامات موت ظاہر ہو جائیں اس وقت یہ ایمان لائیں یا خدا تعالیٰ خود قیامت کے دن ان کے سامنے آجائے اور خلائق کا فیصلہ کرے۔ تفسیر ابن مسعود قتادہ مقاتل۔ اس وقت یہ ایمان لائیں یا کم از کم مقدمات قیامت آجائیں۔ عمومی موت کے آثار و مبادی رونما ہو جائیں اس وقت یہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ جب موت عمومی کے آثار عموماً اور مقدمات قیامت ظاہر ہو جائیں گے تو جو لوگ پہلے سے ایمان نہ لائے اُن کو فوری ایمان لانا مفید نہ ہوگا اور جن لوگوں نے ایمان و اسلام کے ساتھ پہلے سے نیک عمل نہ کئے تھے اُن کو اُس وقت نیک عمل کرنا سود مند نہ ہوگا لہٰذا اے نبی تم اُن کو اسی انتظار میں رہنے دو۔ اُن سے کہہ دو کہ تم یوں ہی (ہاتھ پر ہاتھ رکھے) تکتے رہو ہم بھی منتظر ہیں (مگر عمل بھی کرتے ہیں)

مقصود بیان بہترین طریقۂ تبلیغ، ایمان یاس کے غیر مفید ہونے کی صراحت۔ کفار کی حماقت و بیوقوفی کی تصویر کشی۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد نیک عمل کرنا چاہیے ورنہ معلوم نہیں کب موت آجاتے اور توبہ مفید نہ ہو۔ وغیرہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے بنالئے اور گروہ گروہ بن گئے تمہیں اُن سے کچھ کام نہیں اُن کا معاملہ

اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

تو بس اللہ کے حوالے ہے وہی ان کو بتادے گا جیسا کچھ وہ کرتے تھے

تفسیر مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن عباس وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن ابو ہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی امت کے گمراہ فرقوں کے بارے میں ہے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ آیت تو درحقیقت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق ہی نازل ہوئی۔ لیکن اس امت کے اہل بدعت و ضلالت اور فرقہ پرست بھی اس میں شامل ہیں۔ گویا اس آیت میں تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ اور ایک جماعت ہونی چاہئے۔ باہم تفرقہ اور پھوٹ نہ ہونی چاہئے۔ دین کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا چاہئے اور نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن سے کوئی تعلق ہوگا وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج سمجھے جائیں گے۔

معاویہ سے مروی ہے کہ حضور والا نے ایک روز کھڑے ہوکر تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقے ہوگئے اور یہ امت عنقریب تہتر فرقے ہو جائے گی۔ جن میں سے بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ فرقہ جماعت ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی)

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے بہتر فرقے ہوگئے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے۔ لوگوں نے عرض کیا حضورؐ وہ (نجات پانے والا) کونسا فرقہ ہے؟ ارشاد فرمایا جو اُس طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(رواہ الترمذی واخرجہ الحاکم وصحح)

عرباض بن ساریہ سے مروی ہے۔ ایک روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر ہم کو ایسی پاکیزہ نصیحت فرمائی... کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو رخصتی نصیحت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا حضورؐ ہم کو کچھ وصیت فرمائیں۔ ارشاد فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور حاکم کی فرمانبرداری کرتے رہو خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہو کیونکہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس اُس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر کاربند رہنا اور دانتوں سے اُس کو خوب مضبوط پکڑے رہو اور بدعتوں سے بچتے رہو (دین میں نکالی ہوئی) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ہذا الحدیث فی المصابیح) غرض جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈالی اور فرقہ فرقہ ہوگئے اُن سے اپنے رسول کو بری فرمایا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ جن لوگوں نے دین میں پھوٹ ڈال کر ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور فرقے فرقے بن گئے اُن کا تم سے کوئی تعلق نہیں تم اُن سے تعرض نہ کرو خدا پر چھوڑ دو۔ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۰ ان کا رجوع خدا کی طرف ہے۔ وہی اُن کے اعمال کا اظہار کرے گا اور اُن کی پاداش دے گا۔

مقصودِ بیان فرقہ پرستی کی مخالفت اور فرقہ پرستوں کو وعید، اس امر کی صاف وضاحت کہ دین میں پھوٹ ڈالنے والے اہلِ بدعت و ضلالت کا ملتِ اسلامیہ اور رسولِ اقدسؐ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ وہ مدعیٔ اسلام ہوں مگر اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہوں اور شیرازۂ اسلام کو بکھیر رہے ہوں اور وحدتِ اسلامیہ کو تباہ کر رہے ہوں تو وہ خبیث ترین کافر ہیں۔ وغیرہ

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی

جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُس کو نیکی سے دس گنا (اجر) ملے گا اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا اُس کو بس بدی کی

اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

برابر ہی سزا ملے گی اُن پر ظلم نہ ہوگا

تفسیر بن مسعودؓ کے نزدیک حَسَنَۃ سے مراد کلمۂ لا الٰہ الا اللہ اور سیئۃ سے مراد شرک ہے۔ اول الذکر کے قائل ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ بھی ہیں لیکن دیگر مفسرین کا خیال ہے کہ کلمۂ طیبہ افضل الحسنات ضرور ہے لیکن آیت میں ہر نیکی مراد ہے۔ اسی طرح سیئۃ سے مراد عام گناہ ہے۔ خواہ شرک ہو یا کوئی چھوٹا گناہ۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ تمہارا پروردگار رحیم ہے۔ جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اس کو نہ کیا اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو دس گنا سے سات سو تک نیکیاں اس کی لکھی جاتی ہیں۔ اور جس نے کسی بدی کا ارادہ کیا مگر اس کو نہ کیا تو اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے لیکن اگر اس کو کر گزرا تو ایک بدی لکھی جاتی ہے یا اللہ اس کو محو کر دیتا ہے (رواہ البخاری ومسلم والنسائی) ابن کثیر کا قول ہے کہ گناہ کا ترک کرنے والا تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) وہ جس نے گناہ کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا اللہ اس کے واسطے نیکی عطا فرماتا ہے۔

(۲) وہ جس نے بھول کر گناہ کرنا چھوڑ دیا۔ ایسے آدمی کو نہ عذاب ہے نہ ثواب۔

(۳) وہ جس نے بدی کرنے کی اپنی طاقت کے موافق کوشش کی اسباب گناہ فراہم کئے لیکن مجبوری سے نہ کر سکا اس شخص پر ایک گناہ کا عذاب ہوگا۔

خریم بن فاتک ازدی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں اور اعمال چھ طرح کے۔ چار طرح کے آدمی تو یہ ہیں۔

(۱) اول وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں وسعت ہے (۲) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں وسعت اور آخرت میں تنگی ہے۔ (۳) وہ شخص جس کے لئے دنیا میں تنگی اور آخرت میں وسعت ہے (۴) وہ شخص جس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں تنگی ہے۔ اور اعمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو مسلمان مومن مرا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور اگر کافر مرا تو دوزخ واجب ہو گئی اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن کر نہ سکا اور اللہ کو معلوم ہے کہ نیکی کا خیال اس کے دل میں جم گیا تھا۔ اور وہ نیکی کرنے کا حریص تھا۔ اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جس نے برائی کا ارادہ کیا (لیکن کی نہیں) اس کی برائی نہیں لکھی جائے گی اور جس نے برائی کر لی اس کی ایک برائی ہی لکھی جائے گی اور جس نے ایک نیکی کر لی اس کے واسطے دس گنا یعنی بہت زیادہ لکھی جائے گی اور جس نے راہ خدا میں کچھ خرچ کیا تو سات سو گنا اجر لکھا جائے گا (رواہ احمد وقد رواہ النسائی والترمذی بالبعض)

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جس نے نیکی کی اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا اور جس نے بدی کی اس کو اس کے گناہ کے موافق سزا ملے گی زیادہ نہ ملے گی۔ حق تلفی کسی کی نہ ہوگی نہ نیک کی نہ بد کی۔

مقصود بیان رحمتِ عامہ کی وضاحت، عدلِ الٰہی کی صراحت، خدا کے ظالم نہ ہونے کی نص، اس بات کی طرف ایماء کہ اللہ کی خلاقی اور ربوبیت کا تعلق تمام سرکش و فرماں پذیر خلائق سے مساوی ہے۔ فرق ہے لوگوں کے اعمال کا۔ خدا کو کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہے لیکن اعمال کے تفاوت کی وجہ سے لوگوں کی سزا جزا مختلف ہوگی۔ وغیرہ

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ بلاشبہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھی راہ دکھا دی یعنی دین صحیح بتا دیا جو ابراہیم کا طریقہ ہے جو

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ

ایک ہی کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے کہہ دو کہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا

وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ

اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ درحقیقت دین ایک ہی تھا لیکن اہل کتاب نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہر ایک ایک نیا فرقہ بنا کر بیٹھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین توحید پر کوئی قائم نہیں رہا۔ لہٰذا رسول کا ان میں سے کسی سے تعلق نہیں۔ اب یہاں بیان کرتا ہے کہ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ رسول کا ان سے کچھ تعلق نہیں بلکہ تعلق دین ابراہیمی سے ہے۔ ابراہیم شرک سے پاک اور ہر طرح کی دینی تفریق اور پرستش غیر اللہ سے بیزار تھے۔ وہ تمام جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر یکسو ہو گئے تھے۔ اے رسول! تم ان سے (کافروں سے) کہہ دو کہ خدا نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا۔ وہ دین راست جو ابراہیم کا تھا۔ میں نے غیر اللہ کو چھوڑ دیا۔ ہر جھوٹے معبود سے منہ موڑ لیا۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهٗ ۖ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ میری نماز اور ہر قربانی زندگی اور موت اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہی مجھے حکم ملا ہے اور اس زمانہ کے علمبرداران توحید میں سے سب سے پہلا فرماں پذیر و مسلم میں ہی ہوں۔

نُسُك کے معنی ہم نے قربانی بیان کئے ہیں۔ سعید بن جبیر، ضحاک، سدی اور مجاہد کا یہی قول ہے اور ممکن ہے کہ نُسُك کے معنی عبادت کے لئے جائیں۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ ابراہیم مشرک نہ تھے۔ دنیا کو چھوڑ کر، غیر اللہ کے رشتہ کو توڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے ان کا دین درست اور راستہ سیدھا تھا۔ اس بات کی وضاحت کہ اسلام درحقیقت دین ابراہیمی ہے۔ مسلمان کا مقصد اصلی یہی ہونا چاہیئے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کل عبادات معاملات یہاں تک کہ اپنی زندگی و موت بھی خدا ہی کے لئے مخصوص کر دے

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

کہہ دو کیا غیر اللہ کو میں رب بنانا چاہوں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور جو شخص بُرا عمل کرے گا اس کا وبال

إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم

اسی پر ہوگا کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے

بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

تو ان چیزوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

تفسیر اوپر کی آیات میں کس خوبی سے مضامین توحید بیان کئے گئے تھے اور آخری فیصلہ بھی صادر کر دیا گیا تھا کہ یہ تفریق دینی ٹھیک نہیں۔ نہ یہودی حق پر ہیں نہ عیسائی نہ دوسرے مشرک بلکہ دینِ حق دینِ توحید ہے جو خاص مذہب ابراہیمی تھا۔ اب الوہیت باری اور صداقت رسول کی دلیلیں بیان کرتا ہے۔ چونکہ تمام مشرک اور کل عیسائی یہودی وغیرہ باوجود پرستش غیر اللہ کے اس بات کے قائل ضرور تھے کہ کل چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا پروردگار کارساز ہے اس لئے انہی کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ۚ جب یہ سب چیزیں اسی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا موجد مربی اور قاضی الحاجات ہے تو پھر اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کیسے کیا جا سکتا ہے۔ مخلوق و خالق، مربوب و رب، قاضی و مقتضی کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد صداقتِ رسول کی دلیل پیش کرتا ہے اور کفار کے شبہ کو ازالہ فرماتا ہے کہ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا۔ ذرا اس پر بھی غور کرو کہ تم کو دعوتِ اسلام دینے میں رسول کا ذاتی فائدہ کیا ہے۔ نہ تمہارے انکار سے اس کو نقصان پہنچتا ہے نہ اقرار سے فائدہ۔ کیونکہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى جو کوئی برائی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔ اس کا وبال اسی کو بھگتنا ہوگا۔ کوئی شخص (قیامت کے دن) کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ معلوم ہوا کہ دعوتِ اسلام محض تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ مانو گے فائدہ اٹھاؤ گے۔ نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے۔ اس کے بعد کافروں کو صداقتِ رسول کا مزید اطمینان دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ آخرکار تم کو خدا کے پاس جانا ہے۔ یہاں جو دل چاہے کہے جاؤ اور جس قدر تفریق دینی کر سکتے ہو کرو۔ قیامت کے دن ان اختلافات کا خدا خود فیصلہ کر دے گا اور بتا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ رسول کا جھوٹ سچ تم کو وہاں معلوم ہو جائے گا۔

آیت وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا سے اُن مشرک جاہلوں کا ضمنی رد ہو گیا جو ایک شخص کے مواخذہ میں اس کے عزیز و اقارب کو ماخوذ کرتے تھے۔ نیز اس سے نصاریٰ کے عقیدہ کا بھی رد ہو گیا کہ عیسائی امت آزاد ہے جو کچھ دل چاہے کرے مسیحؑ نے ان سب کے گناہ اٹھا لئے ہیں۔

مسئلہ:۔ آج کل عام جاہل مسلمانوں نے بلکہ بعض لکھے پڑھے مسلمانوں نے بھی یہ طریقہ نکال لیا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جاتا ہے تو کسی شخص کو روپیہ دو روپیہ من دو من غلہ یا کوئی چیز مردے کے وارث دے دیتے ہیں اور جنازہ اٹھنے سے قبل وہ شخص لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہے کہ اس مردہ پر جو کچھ فرائض واجبات تھے اور اس نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی کی تھی ان سب کو میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔ یہ رواج بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ یہ دونوں آیات نیز دیگر قرآنی نصوص اس کا صاف انکار کر رہی ہیں۔ البتہ دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کے لئے غریبوں کو کھلانا اور بات ہے۔ لیکن اس سے مردے کے گناہ کسی دوسرے پر نہیں پڑ جاتے بلکہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرما دے گا۔

آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سے ولید بن وغیرہ کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جو عام لوگوں کو مخاطب کر کے وہ کہا کرتا تھا کہ اے برادرانِ قریش اور اے باشندگانِ عرب میری پیروی کرو اور میرا کہنا مانو۔ اگر تمہیں گناہ کا اندیشہ ہے تو اطمینان رکھو تم سب کے گناہ میں اپنی گردن پر رکھ لوں گا۔

مقصودِ بیان معبودیت باری اور دعوتِ رسولؐ کی حقانیت کی احسن پیرائے میں وضاحت۔ کفار اہل کتاب اور مشرکوں کے عقیدہ کذا کا رد۔ اس امر کی صراحت کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ جو کرے گا پائے گا۔ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا کسی کا گناہ کسی پر نہیں پڑ سکتا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ صرف گمراہ ہونے کا انسان کو خمیازہ برداشت کرنا ہوگا۔ گمراہ کرنے کی کوئی سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ ایسا سمجھنا حدیث رسول کے قطعی خلاف ہے۔ حضورؐ نے فرما دیا ہے کہ جو کوئی برا کام ایجاد کرتا ہے تو جب تک وہ برا طریقہ دنیا میں رائج رہے گا اور لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے سب کے گناہ کی برابر وبال اصل موجد پر ہوگا۔ لیکن وہ کرنے والے بھی اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ مرتکب گناہ کی سزا موجدِ گناہ پر اس طرح پڑ جائے کہ مرتکب آزاد ہو جائے۔ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ وغیرہ۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

اُسی نے تم کو زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں ایک کے دوسرے پر درجات بلند کئے تاکہ اپنی دی

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

ہوئی چیز میں تمہاری آزمائش کرے تمہارا رب بیشک جلد سزا دینے والا ہے اور وہ واقعی غفور رحیم ہے

تفسیر مکہ کے دولتمند مشرک نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم اپنے معبودوں کی بدولت اس قدر مرفہ الحال ہیں۔ یہ معبود خدا کی طرف سے کارساز ہیں جس طرح دنیا میں بادشاہ کا عملہ کارساز ہوتا ہے۔ بغیر اُن کے بادشاہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے اُن کو چھوڑ دیا اس لئے افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہی نے تم کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے۔ یعنی ایک مرتا ہے۔ دوسرا اُس کی جگہ قائم ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا خلیفہ تم کو زمین پر بنایا اور مال و اولاد عزت و آبرو اور علم و جہل کے اعتبار سے ایک کو دوسرے سے مختلف کیا۔ کسی کو مفلس کسی کو جاہل کسی کو عالم کسی کو صاحب اولاد اور کسی کو بے اولاد کیا لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس کے خزانہ میں کچھ کمی ہے۔ یا نعوذ باللہ وہ بخیل ہے یا لوگوں کی حالت سے ناواقف ہے۔ بلکہ اس تفاوت سے مقصد یہ ہے کہ کھلم کھلا تمہاری آزمائش ہو جائے کہ کون نعمتوں کا شکر اور مصیبتوں پر صبر کرتا ہے اور کون ناشکرو بے صبر بنتا ہے۔ کون عاصی ہے کون مطیع۔ اب جو شخص اس کی نافرمانی اور کفران نعمت کرے گا اور اللہ اُس کو عذاب دینا چاہے گا تو دم کے دم میں خراب دیدے گا۔ کوئی چیز عذاب دینے سے مانع نہیں ہو سکتی۔ اور جو اُس کی اطاعت و فرماں پذیری کرے گا۔ نعمت کا شکر اور تکلیف پر صبر کرے گا اُس کو اللہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ہری بھری اور رسیلی میٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ کرنے والا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو۔ پس تم دنیا سے بچے رہنا اور (خصوصیت کے ساتھ) عورتوں کے فتنہ میں بھی نہ پڑنا کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے شروع ہوا (رواہ مسلم)

مقصود بیان نعمت میں شکر اور مصیبت پر صبر کرنے کا ضمنی حکم۔ دنیوی ترقی کے اسباب کو موجب صداقت و حقانیت سمجھنے کی ممانعت۔ خَلَائِفَ الْأَرْضِ کی مکمل توضیح بہت طویل ہے۔ ہر قسم کی دینی و دنیوی جانشینی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

سُورَةُ الْأَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ آيَاتٍ وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

یہ سورت مکی ہے لیکن آٹھ آیات (وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ سے آخر رکوع تک) بہت سے اہل تفسیر کے نزدیک مکی نہیں ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر سے بھی مروی ہے۔ حسن بصری مجاہد عکرمہ عطاء اور جابر بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ اس سورت کے کلمات ۳۳۲۵ ہیں اور حروف ۱۴۳۱۰ ہیں۔ اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

المص ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ

المص یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تم (کافروں کو) ڈراؤ اور مسلمانوں کو نصیحت کرو پس لا

بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا

تمہارے سینہ میں اس کی وجہ سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہیئے (لوگو) جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو اور اللہ

تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝ وَکَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ

کے سوا اور رفیقوں کا اتباع نہ کرو تم بہت ہی کم غور کرتے ہو اور کتنی ہی بستیاں

اَهْلَکْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا کَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ

ہم نے ہلاک کر دیں پس اُن پر ہمارا عذاب راتوں رات یا ایسے وقت پہنچا کہ دوپہر کو پڑے سوتے تھے جب اُن پر ہمارا عذاب پہنچ گیا تو

جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝

اُن کی پکار بس یہ ہوئی کہ کہنے لگے بے شک ہم ہی ظالم تھے

تفسیر المص۔ قرآن پاک میں جتنے حروف مقطعات ہیں ان کے تاویلی معانی اور واقعی حقائق تو کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ تفسیری معنی علماء نے کچھ بیان کئے ہیں اور جتنے معانی بیان کئے ہیں وہ سب غیر قطعی ہیں۔ مثلاً ابن عباسؓ نے فرمایا المص کے معنی ہیں اَنَا اللّٰهُ اَفْصِلُ یعنی میں ہوں اللہ خوب فیصلہ کرنے والا (رواہ ابن ابی حاتم) بعض کا قول ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔ سدی سے مروی ہے کہ المص کے معنی میں مصور۔ محمد بن کعب نے اس کی تفسیر کی ہے اللہ الرحمٰن الصمد۔ ضحاک نے اَنَا اللّٰهُ الصَّادِقُ کہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے معانی بیان کئے گئے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کردی کہ تاویلی معنی سے کوئی واقف نہیں۔ اسی لئے اکثر محققین تمام مقطعات کی تفسیر میں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہی اپنی مراد بخوبی جانتا ہے۔

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اس سورت میں مبداء و معاد کی تشریح: دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے اجر و ثم کی مکمل عکسی تصویر کھینچی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان عالی مرتبہ کتاب ہے۔ اے محمد! آپ پر یہ خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ آپ کو اس سے دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی اس بات سے آپ دل تنگ نہ ہوں کہ اگر آپ نے لوگوں کو یہ پیام پہنچایا تو لوگ آپ کو جھٹلائیں گے اور ایذا دیں گے کیونکہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

یا دل تنگ نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی حقانیت و صداقت میں آپ کو شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ مجاہد و قتادہ وغیرہ سے یہی مروی ہے چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کی صداقت و حقانیت میں شک ہونے کا تو احتمال بھی نہ تھا اس لئے اس تقدیر پر روئے سخن امت محمدیہ کی طرف ہوگا۔ بہر حال حاصل مطلب یہ ہے کہ آپ دل تنگ نہ ہوں کسی کی تصدیق و تکذیب کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کا کام صرف یہ ہے کہ جو سرکش و عصیاں شعار ہیں اُن کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور جو اہل ایمان ہیں اُن کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝ اوپر کی آیت میں

رسول پاک کو تبلیغ و انذار اور وعظ و نصیحت کرنے کا حکم اور دل تنگ نہ ہونے کا امر تھا۔ اب امت کو خطاب کرتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ لوگو تمہارا کام یہ ہے کہ جو احکامِ الٰہی قرآن و سنت کی شکل میں تم کو دیئے گئے ہیں اُن پر چلو۔ اپنے بنائے ہوئے رفیقوں اور جھوٹے معبودوں کی پیروی نہ کرو۔ اس بات کو ذرا سوچنے کی ضرورت ہے کہ رسول کی پیروی کرنی بہتر ہے یا جھوٹے رفیقوں کی لیکن بہت ہی کم تم سمجھ کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے سرتابی کی اور رسول کے حکم پر نہ چلے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اگر اس بات میں کچھ شک ہو تو دیکھ لو کہ :-

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ٥ کتنی بستیاں گزر چکی ہیں جنہوں نے اللہ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی بالآخر اس سرتابی کی وجہ سے اللہ نے اُن کو برباد کیا۔ اُن کے خاص آرام کے وقت جب کہ وہ کمال سے خوابِ غفلت میں سرشار تھے یعنی رات کو اور دوپہر کو عذابِ الٰہی اُن پر آیا۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ٥ اس وقت وہ پچھتائے، پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ ہاں واقعی ہم باطل پر تھے زیادتی کرتے تھے کہ خدا کے پیغمبروں کے حکم پر نہ چلتے تھے اور اپنے فرضی دیوتاؤں کو مانتے تھے لیکن اس وقت پشیمانی بے سود ہے۔

مقصودِ بیان اہلِ علم کی آزمائش۔ عظمتِ قرآن کی طرف ایماء۔ رسول پاکؐ کی تسلی۔ فریضۂ نبی کی صراحت کہ آپ کا کام صرف ڈرانا اور وعظ و نصیحت کرنا ہے۔ پیرویٔ قرآن و حدیث کا عمومی حکم۔ غیر اللہ کے اتباع کی مخالفت۔ وغیرہ

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ

پھر ہم اُن لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے ضرور باز پرس کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے اور اپنے علم کے موافق ضرور اُن

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ

سے اصل حال بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے اُس روز اعمال کی تول برحق ہے جن کے (نیکیوں کے) پلے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

بھاری ہوں گے وہی بامراد ہوں گے اور جن کے پلے ہلکے ہوں گے وہ جو کہ

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

ہمارے احکام کی ناحق شناسی کرتے تھے اس لئے اپنے نفسوں کا نقصان کر بیٹھے

تفسیر اوپر کی آیت میں نبی کا فرض تبلیغ اور امت کا فرض تعمیل حکم قرار دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ جو لوگ فرمانِ الٰہی کو قبول نہیں کرتے اور نبی کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ اب آخرت کی حالت اور حالت کی دو رنگی ظاہر فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ قیامت کے دن ہم انبیاء سے اُن کے فریضہ کے متعلق سوال کریں گے کہ کیا تم نے ہمارا پیام پہنچا دیا تھا اور اُمتوں سے بھی دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے پاس یہ انبیاء گئے تھے اور اُنھوں نے تم کو ہمارا پیام پہنچایا تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم یہ سوالات طلبِ علم کے لئے کریں گے۔ کیونکہ طلبِ علم کے لئے سوال تو وہ شخص کرتا ہے جو موقع پر موجود نہ ہو،

اس کے سامنے واقعہ نہ گزرا ہو۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝ ہم ہر چیز کا علم حضوری رکھتے ہیں ہم سے کچھ غائب نہیں۔ اس لئے ہم جواب حاصل کرنے کے بعد (مشرکین کی تردید میں) خود ہی کل احوال واخبار بیان کر دیں گے۔ اس آیت میں سوال وجواب سے مراد بازپرس ہے یعنی قیامت کے دن لوگوں سے اُن کے ایمان واعمال کی بازپرس ہوگی۔ رہی آیت وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝ تو اس سے احترام وعزت کے سوال کی نفی مراد ہے یا سوال سے مراد سوالِ ایمان ہے اور نفی سوال سے مراد سوالِ اعمال کی نفی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ یعنی جب سوال تبلیغ وایمان ہو چکے گا تو نیکی وبدی کا موازنہ کیا جائے گا جن کی نیکیاں وزنی ہوں گی بس وہی کامیاب ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝ اور جن کی برائیاں وزنی ہوں گی وہ نقصان اٹھائیں گے۔ مگر یہ نقصان اپنے ہی کرتوت کے عوض ہوگا۔ وہ چونکہ دنیا میں آیاتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کے مقتضا کے مطابق عمل نہ کرتے تھے اور فرمانِ انبیاء کی حق تلفی اور اس کی خلاف ورزی کرتے تھے اس لئے بالآخر تباہ حال ہو گئے۔

نکات

(۱) موازین میزان کی جمع ہے۔ چونکہ ہر بندہ کے اعمال کو تولنے کی میزان علیحدہ ہوگی اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ صاحب بیضاوی کے نزدیک موازین موزون کی جمع ہے چونکہ وزن متعدد اور موزون مختلف ہوں گے اس لئے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ان دونوں تفسیروں پر میزان واقعی ایک عینی چیز ہوگی جس پر نیکی وبدی کا وزن ہوگا۔ احادیث صحیحہ سے بھی بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تولے جائیں گے یا نامۂ اعمال یا اعمال کرنے والے؟ تو اس کے متعلق اہلِ تفسیر وحدیث کا اختلاف ہے۔ جو لوگ اعمال کے جوہری ہونے کے قائل ہیں یا اس بات کے قائل ہیں کہ اعمال اگرچہ عرض ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن بقدرتِ الٰہی اعراض کا بالاستقلال وجود ہو اُن کے نزدیک اعمال کا ہی وزن کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عبد البر اور قرطبی وغیرہ کا خیال ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے کیونکہ حدیث بطاقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجمع کے سامنے میری اُمّت میں سے ایک شخص کو پکارا جائے گا پھر اس کے ۹۹ اعمال نامے کھولے جائیں گے جن میں سے ہر ایک کی درازی بقدر حدِ نظر ہوگی۔ پھر اللہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ کیا تجھے اس میں سے کسی چیز سے انکار ہے یا لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ وہ شخص جواب دے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اللہ فرمائے گا تجھے کچھ عذر ہے یا تیری کوئی نیکی ہے؟ وہ شخص خوفزدہ ہو کر کہے گا۔ نہیں پروردگار کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ نہیں تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ آج تیری حق تلفی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا کاغذ جس میں أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ لکھا ہوگا نکالا جائے گا۔ وہ شخص عرض کرے گا پروردگار! یہ کاغذ کا ٹکڑا ان طوماروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہے۔ فرمان ہوگا اے شخص آج تجھ پر ظلم نہ ہوگا۔ پھر وہ کاغذ ایک پلّہ میں اور کل اعمالنامے دوسرے پلّہ میں رکھے جائیں گے۔ اعمالناموں کا پلّہ اٹھا دیا جائے گا اور اس کا پلّہ نیچے جھک جائے گا (رواہ البیہقی وابن مردویہ وابن ماجہ واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ ورواہ احمد باسناد حسن ورواہ الحاکم وصححہ والترمذی وقال حسن صحیح) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ عمل کرنے والے کو تولا جائے گا۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورِ والا نے فرمایا۔ قیامت کے دن بعض فربہ اندام قوی ہیکل آدمی آئیں گے۔ مگر اللہ کے نزدیک اُن کا وزن مچھر کے پر کی برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا الآیۃ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مناقب میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم لوگ عبد اللہ کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر تعجب کرتے ہو قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس کی دونوں پنڈلیاں میزان میں کوہ اُحد سے زیادہ گراں ہوں گی بہرحال اعمال یا نامۂ اعمال یا اصحاب اعمال کا وزن ہونا اُس تقدیر پر ہوگا جبکہ میزان کو ایک عینی خارجی چیز تسلیم کر لیا جائے۔

لیکن بعض حضرات وزن کے معنی صرف موازنہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیکی وبدی کا موازنہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وزن

وغیرہ میں بمعنی حصل وتفعلہ ہے۔ یعنی خاص توازن وتعادل کے ساتھ نیکی وبدی کا مقابلہ۔ مجاہد کی بھی یہی روایت ہے اور زجاج نے اس محاورے کی تائید کی ہے۔

(۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے یا کفار کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ وزن اعمال کی خصوصیت صرف مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ کفار کے اعمال کا وزن نہ ہوگا بلکہ ان کے اعمال یونہی بیکارہ جائیں گے۔ ظاہر آیات سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

لیکن قرطبی وغیرہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے مگر اس وقت جبکہ کسی مخصوص کافر کے عذاب میں تخفیف مقصود ہوگی۔ جیساکہ ابوطالب کے متعلق حدیث وارد ہے۔

مقصود بیان اس بات کی صراحت کہ قیامت کے دن سوال سے کوئی نہ بچے گا۔ پیغمبر نہ امت، نہ کافر نہ مسلم۔ البتہ سوال کی نوعیت میں اختلاف ہوگا۔ انبیاء سے تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا اور امت سے ایمان واعمال کے متعلق۔ اس شبہ کا ازالہ کہ شاید سوال طلب علم کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کی نص۔ وزن اعمال کے حق ہونے کی تصریح۔
اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیاب صرف وہی لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں زائد ہوں گی۔ یعنی مکمل کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ ان کے علاوہ جو لوگ ہوں گے ان کا حصہ ناقص ہوگا۔ اس بات کی جانب ایماء کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان کی بداعمالیاں اس کو تباہ کریں گی۔ وغیرہ

ع

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ ۖ

ہم نے تم کو بنایا پھر تمہاری شکل بنائی پھر ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السّٰجِدِينَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا

تو سب نے بجز ابلیس کے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا اللہ نے فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیا

تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ

تو تیرے سجدہ کرنے میں کون چیز مانع ہوئی بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی

مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا

سے بنایا اللہ نے فرمایا اچھا یہاں سے اتر جا تجھے یہاں غرور کرنے کا حق نہیں ہے

فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِينَ ۝

نکل جا تو ذلیلوں میں سے ہے

تفسیر اس سے پہلے لوگوں کو انبیاء کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور مخالفت میں عذاب دنیوی سے ڈرایا تھا اور عذاب آخرت سے خوف دلایا تھا۔ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ خوف و لعار و احسانات سے مسخر و مطیع ہوتا ہے اس لئے خوف مضرت دلانے کے بعد بنی آدم کو وہ احسانات یاد دلاتا ہے جو اُن کے جدامجد آدمؑ پر کئے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ تخویف میں عالم آخرت کا اور احسان یاد دلانے میں اُس کی ابتدا کا بیان کر دیا جو آسمانی کتاب کا ایک ضروری کام ہے اور اُس کو علم مبدا و معاد کہتے ہیں (حقانی) چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ○ ہم نے (سب سے اول تو تم پر یہ احسان کیا کہ) زمین پر تم کو رہنے کو جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے اسباب معاش اور زندگی بسر کرنے کے ذرائع پیدا کئے گویا دو نعمتیں عطا کیں۔ ایک نعمت مسکن دوسری نعمت معاش۔ مگر تم بہت کم اس کا شکریہ ادا کرتے ہو۔ حالانکہ جس پر مزید احسان ہو اس کو زیادہ شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور زیادہ مطیع ہونا چاہیئے اور منعم کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کی اطاعت میں صرف کرنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ پھر تیسرا احسان تم پر یہ کیا کہ تمہارے باپ آدم کی اول تخلیق کی یعنی اُن کو مٹی سے بنایا پھر اُن کی صورت شکل قائم کر دی۔ (خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کے یہ معنی صاحب بیضاوی نے بیان کئے ہیں۔ یعنی خطاب بنی آدم کو ہے اور مُراد وہ احسان ہے جو حضرت آدمؑ پر کیا گیا تھا۔ ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو باپ کی پشت سے خلق کیا اور ماں کے پیٹ میں تمہاری شکل بنائی۔ اس تقدیر پر ثُمَّ مطلق عطف کے واسطے ہوگا)۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ اس کے بعد چوتھا احسان یہ کیا کہ تمہاری عزت افزائی کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدۂ تحیت کرو۔ چنانچہ سب فرشتے اعزاز آدم کے لئے جُھک گئے البتہ ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ حاصل یہ کہ خدا نے تمہارا مادۂ خلقت پیدا کیا۔ خوبصورت شکل عطا کی رہنے کو جگہ دی اور زندگی بسر کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں اور پہننے کو لباس عطا کیا۔ عزت اتنی کی کہ فرشتوں سے سجدہ کرایا اور جس نے تم سے حسد کیا اور تمہاری عزت نہ کی اُس کو مردود بارگاہ کر دیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ یعنی شیطان نے جب سجدہ نہ کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے جب تجھے حکم دے دیا تھا تو کونسی وجہ کہ تو نے تعمیل نہ کی اور سجدہ نہ کیا؟ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ شیطان نے اپنی بزرگی و برتری کی وجہ قیاسی پیش کی اور امر الٰہی کے مقابلہ میں اپنی اختراعی دلیل کو ترجیح دی اور وجہ فضیلت صرف مادۂ عنصری کو خیال کیا۔ یہ نہ سمجھا کہ بلا واسطہ تخلیق اور نفخ روح وغیرہ انسان کو جو فضائل حاصل ہیں وہ مجھے کہاں مل سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر و رعونت سے کام لیا۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو تکبر کر کے ملکوت اعلیٰ میں نہیں رہ سکتا لہٰذا تو یہاں سے اُتر جا اور نکل جا بلا شبہ تو ذلیل و ذلیل ہے۔

مقصود بیان احسان ہائے الٰہی کا تذکرہ۔ زمین میں انسان کے رہنے کی صراحت، اسباب زندگانی اور وجوہ معیشت کی فراہمی کی ضمنی تعلیم زندگی اور بقائے زندگی کے اسباب کی شکرگزاری کی درپردہ ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ انسانی تخلیق و تصویر بہت عظیم الشان ہے۔ اللہ نے خود اُس کو بنایا ہے۔ اس امر کی نص کہ انسان مسجود ملائکہ ہے۔ افضل کی تعظیم ادنیٰ پر لازم ہے۔ ابلیس کا آگ سے اور انسان کا مٹی سے پیدا ہونا بھی آیت سے منصوص ہے۔ اس طرف بھی یقینی اشارہ ہے کہ نص موجود ہوتے ہوئے قیاس کرنا مردود ہے۔ صاحب بیضاوی نے کہا آیت میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ مطلق امر وجوب اور فی الفور تعمیل دونوں کا مقتضی ہے۔ کون و فساد واقع ہوتا رہتا ہے۔ شیاطین اجسام مخلوق موجود ہیں۔ فضیلت فقط باعتبار مادہ کے نہیں ہوتی بلکہ معنوی فضائل اور اندرونی فضائل کی وجہ سے بھی ہوتی ہے بلکہ درحقیقت فضیلت کا معیار یہی حقیقی فضائل و خصائل ہیں۔ وغیرہ

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ قَالَ

بولا مجھے اُس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے اللہ نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی بولا چونکہ

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ

تو نے مجھے گمراہ کردیا اس لئے اب میں اُن کی تاک میں تیرے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھوں گا پھر اُن کے

مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا

آگے اور پیچھے اور دائیں بائیں سے پہنچوں گا اور تو

تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ○ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ

اکثر بنی آدم کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا مردود اور راندۂ درگاہ ہوکر جو اُن

تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ○

میں سے تیرا پیرو ہوگا تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

تفسیر قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ شیطان چونکہ اللہ کی بردباری و حلم سے اور نیز رحمت عامہ سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے باوجود گنہگار و مردود ہونے کے مہلت کا سوال کرنے لگا کہ بارِ الٰہا مجھے صور کے دوسرے نفخہ تک یعنی اُس وقت تک جبکہ سب لوگ دوبارہ جلا کر اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے اور زندہ رکھ۔ چونکہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کسی کو موت نہیں۔ اس لئے دعا میں بھی شیطان نے چالاکی برتی تاکہ دعا کے قبول ہونے سے نفخۂ ثانیہ تک زندگی حاصل ہوجائے اور اس کے بعد فنا نہیں تو گویا ہمیشہ کے لئے موت سے بچ گیا لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ بوجہ حکمت و مصلحت و نیز اولادِ آدم کی آزمائش اور خیر و شر کے امتیاز واقعی کے لئے شیطان کی دعا تو قبول فرمائی مگر وقت معلوم تک یعنی صور کے پہلی مرتبہ پھونکنے کے وقت تک۔ نفخۂ اولیٰ پر جس طرح سب مرجائیں گے یہ بھی مرجائے گا۔ جب شیطان کو مہلت مل گئی اگرچہ وقت معین تک تھی تو پھر اپنی سرکشی پر آیا اور بولا:۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ○ میں تو گمراہ ہو ہی چکا ہوں۔ اب آدم کی اولاد کا بھی پیچھا نہ چھوڑوں گا ان کو بھی راہ راست سے بھٹکا دوں گا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر ان کو بہکاؤں گا۔ جہت فوق سے شیطان نے اپنا آنا اس لئے نہ بیان کیا کہ بندے کے اور رحمتِ الٰہی کے درمیان حائل ہونا اس کی قدرت سے خارج تھا (ابن عباس و مجاہد)

آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے کا مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے ایک روایت میں تو یہ فرمایا کہ سامنے سے مراد ہے دنیا اور پیچھے سے مراد ہے آخرت اور دائیں سے مراد ہیں نیکیاں اور بائیں سے مراد ہیں برائیاں۔ دوسری روایت میں ہے کہ سامنے سے مراد یہ ہے کہ:۔

امر آخرت میں اُن کے دلوں میں شک ڈالوں گا اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ اُن کو دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ امر(؟)

میں اُن کو مشکوک کردوں گا اور بائیں سے یہ مراد ہے کہ اُن کو گناہوں کی لذت چکھاؤں گا۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ابن جریر کا خیال ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں سب بھلائی کی راہوں سے اُن کو روکوں گا اور بُرائی کی راہوں میں زینت وخوبی دکھاؤں گا۔ شقیق بلخی کا قول ہے کہ روزانہ شیطان میرے لئے چار راہیں روکنے بیٹھتا ہے۔ ایک تو میرے سامنے آتا اور کہتا ہے کہ تو کچھ خوف مت کر اللہ غفور رحیم ہے تو میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں۔ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۱۲۔ دوسرے میرے پیچھے سے آتا ہے اور خوف دلاتا ہے کہ تیری اولاد تیرے بعد فقروفاقہ سے ہلاک ہوگی، پھر تو دنیا کی طرف توجہ کر۔ اُس وقت میں یہ آیت پڑھ دیتا ہوں۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ۱۲۔ تیسرے میرے دائیں طرف سے میری تعریف وتوصیف کرتا آتا ہے تو میں پڑھ دیتا ہوں وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ چوتھے میرے بائیں سے شہوتوں اور خواہشات کی راہ دکھاتا ہے تو میں کہتا ہوں وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ۔ حاصل یہ کہ شیطان ہر شخص کے مناسب مختلف طریقوں سے فریب دیتا ہے۔ اس کے بعد شیطان کہنے لگا کہ پروردگار اس آدم کو تو نے مجھ پر فوقیت تو عطا کی لیکن اس کی اولاد کا زیادہ حصہ تیری نعمت کا شکر ادا نہ کرے گا۔ شیطان نے یہ بات صرف انانیت اور غرور اور اپنے گمان ووہم سے کہی تھی اور اتفاق سے اس کا گمان واقع کے مطابق ہوگیا، ورنہ شیطان کو آئندہ کے متعلق کچھ واقفیت نہ تھی۔ جب شیطان اپنی انانیت کے تمام مظاہرات ختم کر چکا اور کل داؤں چل چکا تو قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو ملعون وذلیل ہے۔ یہاں سے نکل جا تو اور وہ تیرے پیروکار اور مطیع فرمان جو آئندہ پیدا ہوں گے۔ سب دوزخ میں بھر دیے جائیں گے۔ کوئی میرے عذاب سے نہ بچے گا۔

مقصودِ بیان لفظاً اولیٰ تک شیطان کے نہ مرنے کی صراحت، گناہگار کی بعض دعاؤں کے قبول ہونے پر نص۔ اس امر کی طرف ایماء کہ گناہگار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اس بات کی ضمنی تعلیم کہ شیطان تمام بنی آدم کا دشمن ازلی ہے۔ اُس کے دامِ فریب میں نہ آنا اور اُس کی پیروی سے بچنا، ہر شخص کا فرض ہے۔ شیطان کو مہلت دینے سے مقصود اولادِ آدم کی آزمائش ہے کہ کون شیطان کی پیروی کرتا ہے اور کون خدا کی بندگی۔ اس امر کی طرف ایماء کہ شیطان اللہ کی رحمت کو بندہ سے نہیں روک سکتا۔ اپنی طاقت کے موافق بہکانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ رحمتِ الٰہی جو بندہ کے اوپر چھائی ہوئی ہے اس کو روکنا اس کی قدرت سے خارج ہے۔ آیت میں اکثر آدمیوں کے ناشکرے ہونے کی وضاحت بھی ہے۔ وغیرہ

وَیٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا

اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ فَوَسْوَسَ لَهُمَا

اس درخت کے پاس کبھی نہ جانا ورنہ گناہگار ہو جاؤ گے پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا

الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

تاکہ جو شرمگاہیں اُن کی اس وقت تک چھپی ہوئی تھیں اُن کو ظاہر کر دے بولا تمہارے پروردگار

نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

نے اس درخت سے صرف اس وجہ سے تم کو منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے

الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور ان سے قسم کھائی کہ میں ضرور تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں غرض فریب سے ان دونوں کو اپنی طرف

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

کھینچا پس جب دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے ڈھانکنے لگے

وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ

اور ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم سے

لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے شیطان کو ملکوتِ اعلیٰ سے نکال دیا تو آدم کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور وہاں جو چاہو کھاؤ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لیکن اس ممنوع درخت کا پھل نہ کھانا اس کے پاس تک نہ جانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ حکمِ الٰہی سے آگے بڑھ جاؤ گے (ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلقت حوا دخول جنت سے قبل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کا یہی قول ہے لیکن بعض علماء کا قول ہے کہ دخول جنت کے بعد حوا پیدا ہوئیں۔ تو اس صورت میں صحت خطاب کی یہ تاویل ہوگی کہ حوا کا موجود ہونا علمِ الٰہی میں ثابت تھا)

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ لیکن شیطان نے آدم و حوا کو بہکایا اور اس وسوسہ سے اس کا مقصود یہ تھا کہ آدم و حوا کو جو لباسِ نور سے مستور کر دیا گیا ہے اس کو دور کر دے۔

شیطان نے آدم و حوا کو کس طرح بہکایا؟ کوئی کہتا ہے سانپ کے پیٹ کے اندر گھس گیا اور سانپ اس کو جنت میں لے گیا۔ کسی کا قول ہے کہ جنت کے باہر سے پکار کر اس نے بہکایا۔ کوئی قائل ہے کہ شیطان کا داخلہ جنت کے اندر بروجہ اعزاز ممنوع تھا مطلق داخلہ ممنوع نہ تھا۔ اس لئے ویسے ہی چلا گیا۔ شیخ ابن کثیر نے ان سب خرافات کو رد کر دیا اور فرمایا ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں۔ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں بلکہ صحیح وہ قول ہے جو حسن بصری نے فرمایا کہ شیطان زمین سے آسمان تک وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ اللہ نے اس کو یہ قدرت عطا کی ہے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا تم یقین رکھو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اللہ نے تم کو اس درخت کے کھانے سے محض اس وجہ سے منع کیا کہ کہیں تم جنت میں ہمیشہ نہ رہنے لگو اور فرشتوں کی طرح کھانے پینے کی خواہش سے الگ نہ بن جاؤ۔ اس درخت کے کھا لینے سے حیات دوام اور غیر فانی ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا تم اس کو ضرور کھاؤ جنت میں ہمیشہ رہو گے اور دوامی زندگی پاؤ گے۔ غرض یہ کہ شیطان نے فریب دے کر آدم و حوا کو ان کے مرتبہ سے گرا دیا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اور جونہی دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھ لیا تو فوراً لباسِ نور اُن کے بدن سے دور ہوگیا۔ اور وہی جسمِ مستور نمایاں ہوگیا۔ مجبوراً بدنِ مستور چھپانے کے لئے دونوں نے یہ تدبیر کی کہ جنت کے درخت کے پتے اپنے بدن پر لپیٹنا شروع کئے۔ پروردگار نے فرمایا۔ کیوں میں نے تم دونوں کو اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کردیا تھا اور نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے اس کی بات نہ ماننا۔

مقصودِ بیان آدم اور اولادِ آدم کی آزمائش، نوعِ انسانی پر صدورِ امر و نہی کی ابتداء، انسان و شیطان کی قدیمی ازلی دشمنی کا اظہار، شیطان کی قوتِ اغواء اور طاقتِ وسوسہ کا تذکرہ۔ اس امر پر تنبیہ کہ شیطانی آدمی کیسی ہی محکم قسمیں کھائے لیکن اس کی قسمیں ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں اور بلا طلب قسم کھانے والا اکثر جھوٹا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ انسان اپنے قدیمی دشمن کی پیروی اس کی فریب کاری کی وجہ سے کرتا ہے اور شیطان انسان کی نظر میں جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ خدا سے سرکشی مردودِ درگاہ ہونے کا سبب ہے۔ جس طرح شیطان مردودِ بارگاہ ہوگیا۔ اس بات پر مجمل تنبیہ کہ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔ بلکہ انسان اپنے کئے کی خود سزا برداشت کرتا ہے۔ وغیرہ

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

دونوں بولے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

میں سے ہوجائیں گے اللہ نے فرمایا تم سب (آسمان سے) اُترو تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا تمہارے لئے ایک وقت تک زمین

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ

میں رہنا اور فائدہ حاصل کرنا مقرر ہے اُسی میں تم جیو گے اُسی میں مرو گے

وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ع

اور اُسی سے برآمد کئے جاؤ گے

تفسیر جب حضرت آدم و حوا شیطانی فریب میں آکر معتوبِ بارگاہ ہوگئے تو چونکہ فطرتِ سعید پائی تھی اور خدا تعالیٰ کی مصلحت و حکمت بھی اسی کی مقتضی تھی کہ نسلِ انسانی کی آزمائش کی جائے۔ اس لئے دونوں نے عبودیت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اعترافِ گناہ کیا اور قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ عرض کیا بارالٰہا ہم خطاوار ہیں ہم نے خود اپنی حالت خراب کی ہم اب تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا قصور معاف کردے۔ ورنہ ہم تباہ ہوجائیں گے۔ خدا تعالیٰ کا بحرِ مواخذہ جوش زن تھا۔ حکم ہوا:۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ اب تم اس محلِ عزت و کرامت میں نہیں رہ سکتے۔ تم (تینوں) یہاں سے زمین پر چلے جاؤ وہی تمہاری قرارگاہ ہے زندگی بھر وہاں رہو گے اور اپنی زندگی سے وقتِ موت تک تمتع اندوز ہوگے۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ؁ اور پھر وہیں مرو گے انہی میں دفن ہو گے اور حشر کے وقت اُسی سے تم کو نکالا جائے گا

مقصودِ بیان اس بات کی طرف ایماء کہ قصور معمولی آدمی سے سرزد ہو یا کسی نبی سے دونوں قابل مواخذہ ہیں بلکہ جن کے رُتبے بیں اُن کو سوا مشکل ہے ؁ اس امر کی جانب تلمیح کہ جو ہماری بارگاہ کی طرف لوٹتا ہے ہم اُس کو نوازتے ہیں۔ اعتراف جرم موجب ترحم و مغفرت ہے۔ انسان کے زمین پر رہنے بسنے اور جینے مرنے کی صراحت۔ انسان و شیطان کی باہمی دشمنی پر نص اس امر کی جانب لطیف اشارہ کہ انسان سے قصداً جرم سرزد ہوا ہو یا بھول کر یا اجتہادی غلطی ہو۔ بہر صورت اقرارِ جرم کرنا لازمی ہے۔ شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ انبیاء کے قصوروں کو کرامات و مراتب پر پہنچاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت آدمؑ کے قصور کا یہ انجام ہوا کہ مقامِ اجتباء و اصطفاء پر پہنچے اور اولیاء کے قصور سے کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور عوام کے گناہ اُن کو ذلت و خواری میں ڈالتے ہیں۔ واسطی کا قول ہے کہ آدمؑ کو مقامِ ہیبت سے عالمِ محنت میں اُتار دیا اور اہلِ عداوت کے درمیان پھنسایا اور بعد وصل کے رنجِ فرقت چکھایا کیونکہ مقامِ عشق میں رنج و فراق اور ذوق و وصال کے ساتھ ساتھ ہیں۔ عیشِ وصل حبیب کے ساتھ صاف بلا کدورت تھے۔ نہ وہاں جفائے فراق تھی نہ بلائے امتحان۔ پھر فرقت کے ہاتھوں امتحان میں پھنسایا۔ بر ادمانِ عزیز تمہارے والدین جنت وصال میں یہ طمع کرتے تھے کہ دوامِ بقا حاصل ہو لیکن غیرتِ کبریائی نے وہاں سے نکال دیا۔ مگر یہ بھی رحمت ہے کہ دوامِ بقا بعد فنا کا راستہ بتا دیا۔

بعض کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ رتبہ فضیلت و کرامت سے نہیں گرے۔ اگرچہ جنت سے نکل آئے۔ آیت فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کی اطاعت زندہ اور فنا فی اللہ سے مرو اور بقا باللہ سے وہاں سے نکلو گے یا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر معرفت حاصل ہو گئی تو زندہ رہو گے اور جہالت رہی تو مُردہ رہو گے اور جو تقدیر و مشیت سابقہ جاری ہو چکی ہے اور جو احکام سعادت و شقاوت کے ہو چکے ہیں انھیں کے موافق وہاں سے نکلو گے۔ وغیرہ

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ

اے اولادِ آدمؑ ہم نے تمہارے لئے پوشاک اُتاری ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتی ہے اور زینت کا سبب بھی ہے مگر تقویٰ کا لباس

ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ ذَٰلِكَ مِنۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُونَ ؁

سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی (قدرت کی) نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں

تفسیر حضرت آدم و حوا کا ابتدائی و انتہائی قصہ چونکہ اولادِ آدم کی نصیحت کے لئے شروع فرمایا تھا۔ اس لئے اب اصل مقصود کی طرف رجوع فرماتا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے اولادِ آدم دشمن نے تم سے جنت کے کپڑے اُتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں لباس کی تدبیر سکھائی اور لباس پیدا کیا جو تمہاری جسمانی بے پردگی کو کسی قدر چھپاتا ہے اور پھر مزید تجمل و زینت کے لئے تمہیں سامان عطا کیا۔ بخاری نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ریش بمعنی مال ہے۔ مجاہد، سدی، ضحاک اور ابن زبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن عوفی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ریش سے لباس و معیشت و نعمت ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب لباس پہنتے تھے تو فرماتے الحمد للہ الذی رزقنی من الریاش ما اتجمل بہ فی الناس واواری بہ عورتی (رواہ احمد) لیکن یہ سب ظاہری سروسامان ہے۔ درحقیقت لباس تقویٰ باطن کے عیب چھپاتا ہے اس لئے پرہیزگار بنو۔ یہی لباس تمہارے لئے سب سے افضل ہے۔

اختلاف و تحقیق

لباس تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ عکرمہ نے ذکر کیا ہے وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے دن متقیوں کو دیا جائے گا (رواہ ابن ابی حاتم) زید بن علی، سدی، قتادہ اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد ایمان ہے۔ عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس سے مراد اخلاق حسنہ ہیں۔ عروہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ خوف الٰہی مع محبت مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کے قول کے مطابق اللہ سے ڈر کر اپنی شرمگاہ چھپانا مراد ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی تفسیر نیک خصلت سے کی ہے۔ بہرحال یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔

نکتۂ خاص

اہل تصوف نے لباس التقویٰ کی بہترین وضاحت کی ہے جس کو باختصار ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر گروہ کا ایک مخصوص لباس ہے۔ عارفوں کا لباس معرفت، محبین کا لباس محبت، مشتاقوں کا لباس شوق، موحدین کا لباس توحید، انبیاء کا لباس نبوت اور مرسلین کا لباس رسالت ہے اور ہر ایک کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ باطنی لباس تو محض اللہ کی نظر زینت کے لئے ہے اور ظاہری زینت شریعت کے لئے ہے۔ پس اس زینت سے جو لوگ حقیقت میں آراستہ ہیں اُن کو انوار قرب حاصل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مخلوق کی نظر میں مزین اور پر جلال ہو جاتے ہیں۔

واسطی نے فرمایا کہ سورہ درحقیقت جہالت ہے اور بہترین زینت یہ ہے کہ بندہ لباس تقویٰ سے آراستہ ہے۔ یہ لباس ایسی زرہ ہے کہ اس کو کسی مکر کرنے والے کا حسد نہیں پھاڑ سکتا کیونکہ وہ اصل میں دل کا لباس ہے اور ظاہری پرہیزگاری اس کی علامت ہے کہ ہر بات میں اللہ کا ادب رکھتا ہو۔ یعنی اس کے سوا کچھ نظر نہ آتا ہو۔ پس تم غور کر لو کہ تم نے کونسا لباس پہنا ہے۔ لباس صدق یا قمیص فسق۔

نصرآبادی کا قول ہے کہ لباس تقویٰ لباس حقانی ہے اور جو لباس سورت کو چھپاتا ہے وہ لباس کرامت ہے اور لباسِ تقویٰ ہی لباس ایمان ہے۔ بعض صوفیا کا قول ہے کہ لباس ہدایت تو عوام کے لئے ہے اور لباسِ تقویٰ خواص کے لئے اور لباس ہیبت عارفوں کے لئے اور لباس زینت دنیا والوں کے لئے اور لباس انوار و مشاہدہ اولیاء کے لئے اور لباس حضوری انبیاء کے لئے۔

مقصودِ بیان

برہنگی عیب ہے جس کے دُور کرنے کو خدا تعالیٰ نے لباس عطا کیا۔ لباس کے دو فوائد ہیں۔ برہنگی دور کرتا ہے۔ آدمی کو زینت دیتا ہے۔ آیت میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ شیطان نے جس طرح حضرت آدم و حوا کو لباسِ نفس سے معرا اور برہنہ کیا تھا۔ اسی طرح وہ ہر آدمی کا لباسِ تقویٰ اُتروانے کے درپے ہے۔ حالانکہ لباس درحقیقت تقویٰ ہی ہے۔ یہی انسان کے اندرونی عیوب کو دور کرتا ہے اور محاسن معنوی پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان کی انسانیت برہنہ ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور شرف ذاتی سے آراستہ ہوتی ہے۔ آیت میں اس طرف بھی ایماء ہے کہ اگر آدمی دنیا بھر کے بہترین کپڑے اوڑھے اور باطن میں اخلاق مذمومہ اور ناپاک اعمال رکھتا ہو تو وہ ننگوں سے بدتر ہے اور اگر باطنی لباس تقویٰ سے آراستہ ہو تو پھٹے پرانے کپڑے بھی زینت کاملہ ہیں۔ اور درحقیقت یہ آیات الٰہی میں سے ہے کہ کور باطن بد ایمان بد اعتقاد لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

اے اولاد آدم　کہیں شیطان　تم کو دھوکہ نہ دے　جس طرح (دھوکہ دے کر)　تمہارے ماں باپ　کو جنت سے　نکال دیا

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ

اور اُن کے لباس　اُن سے　اُتار لئے　تاکہ اُن کی شرمگاہیں برہنہ کر دے　بیشک شیطان اور اُس کا کنبہ تم کو اس طرح سے دیکھتا ہے

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا

کرتے اُن کو نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو بے ایمانوں کا دوست

يُؤْمِنُوْنَ ○

بنا دیا ہے

تفسیر شیطانوں کے اجسام بہت ہی شبک اور خفیف ہیں اور پھر اُن میں (بر قول معتزلہ) کوئی رنگ بھی نہیں ہے۔ اس لئے نظر نہیں آتے ہاں وہ خود آدمیوں کو دیکھتے ہیں۔ ابن الجوزی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے شیطانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے کہ وہ آدمیوں کے اندر اُن کے خون کی طرح رواں ہیں۔ لوگوں کے دل اس کے مسکن ہیں۔ ہاں جن لوگوں کو اللہ نے محفوظ کر دیا اُن کے سینے شیطانوں کی قیام گاہ نہیں ہیں۔ پس شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔

ایک خاص بحث معتزلہ کے نزدیک اسی آیت کی بنا پر شیطان کا دکھائی دینا ناممکن ہے حالانکہ یہ استدلال غلط ہے۔ آیت میں رویت شیطان کا ناممکن ہونا نہیں بیان کیا گیا۔ غیر مرئی ہونے سے رویت کا استحالہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اللہ جن کی آنکھوں میں قوت عطا کر دے وہ دیکھ لیں۔ مثلاً کوئی شخص آنکھ بند کر لے تو یہ یقینی بات ہے کہ وہ کسی کو نہ دیکھے گا اور اس کو کوئی شخص دکھائی نہ دے گا لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر وہ آنکھ کھول لے تو سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر آیت تو صاف بتا رہی ہے کہ جس راہ سے شیطان آدمیوں کو دیکھتے ہیں اُس راہ سے آدمی شیطانوں کو نہیں دیکھتے۔ ہر قسم کی رویت کی نفی تو نہیں ہے۔ اسی بنا پر قاضی زکریا نے فرمایا ہے کہ شیطان کا نظر آنا اور نہ آنا صرف اللہ کی عطا کردہ قوت پر مبنی ہے۔ جب خدا چاہتا ہے تو بعض لوگوں کو شیطان اپنی اصلی صورت پر نظر آ جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اولاد آدم شیطان نے اپنی فتنہ پردازی سے تمہارے ماں باپ کو برہنہ کرا کے جنت سے نکلوایا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُس کی فتنہ پردازیوں میں آ جاؤ اور اُس کی پیروی کرنے لگو۔ اس پر غرہ نہ کرنے لگنا کہ شیطان ہمارے پاس آ ہی نہیں سکتا تو پھر کیونکر ہم کو وہ غلا سکتا ہے بات یہ ہے کہ اُس کے لئے آنے کی اور تم کو دیکھنے کی وہ راہیں کھلی ہوئی ہیں جو تمہارے لئے کھلی ہوئی نہیں ہیں۔ شیطان اپنی ذریات (ابن عباس) یا قبائل سمیت تم کو دیکھتا ہے اور تم اس کو نہیں دیکھتے۔ لہٰذا اُس سے ہر وقت ہوشیار رہو اور اُس کے وسوسہ میں نہ پڑو۔ در حقیقت شیطان بے ایمانوں کے ہمزاد ہیں۔ دونوں کی طبیعتوں میں اتحاد ہے۔ اگرچہ صورت اور نوع علیحدہ علیحدہ ہے۔

مقصود بیان شیطان کی پیروی سے بازداشت، شیطان کی فتنہ انگیزیوں کی بوضاحت اطلاع۔ شیطان کے نہ دکھائی دینے کی نص۔ شیطان اور شیطان کا گروہ آدمیوں کو دیکھتا ہے اس کی صراحت۔ شیطان نما انسانوں اور شیطانوں کے مشترک الوصف ہونے کا اظہار اور اس امر کی تنصیص کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس طرف لطیف اشارہ کہ بے ایمان آدمی اور شیطان ایمان داروں کے دشمن اور بے ایمانوں کے دوست ہوتے ہیں۔ وغیرہ

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ

جب وہ کوئی کھلا ہوا بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے (اے نبی) کہہ دو

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

کہ اللہ بدکاری کا حکم نہیں دیتا ہے کیا تم اللہ پر (افترا کرکے) ایسی بات کہتے ہو جس سے تم خود ناواقف ہو

تفسیر زمانۂ جاہلیت میں مشرکوں کی عورتیں صرف شرمگاہ پر ایک لنگوٹ باندھ کر برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتی تھیں اور عموماً اہلِ جاہلیت ایامِ حج میں پیٹ بھر کر کھانا چھوڑ دیتے اور سدِ رمق سے زیادہ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور بعض لوگ بکری کے دودھ اور گوشت اور گھی کو حرام کر لیتے تھے اور قریش کے علاوہ دوسرے خاندانوں کے مرد بھی برہنہ طواف کرتے ان رسمات کو ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ جب اُن سے اس کی وجہ پوچھی جاتی تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ بڑوں سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر اس میں کوئی خرابی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے۔ ان واہیات رسوم وخیالات کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ فاحشۃ وہ گناہ جس کی برائی انتہا درجہ کی ہو۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد یہاں برہنہ طواف کرنا ہے۔ ابن عباس اور سدی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عطاء کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ابن کثیر نے کہا کہ ہر گناہِ عظیم اور بے حیائی کے کام کو یہ لفظ شامل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا جب یہ بے ایمان مشرک کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں اور اُن کو روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کی اقتدا کی ہے۔ ہمارے اسلاف بھی ایسا ہی کرتے تھے اور وہ بہرحال ہم سے اچھے تھے۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ یعنی ہمارے باپ دادا حکمِ خدا کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اس کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا وہی فعل اُسی حکم کے ساتھ ہم تک پہنچا اور ہم اس پر کاربند ہوئے۔ خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ذرا ان سے یہ تو پوچھو کہ بھلا اللہ بھی کہیں بے حیائی کے کام کا حکم دیتا ہے یعنی اللہ کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ محاسنِ اخلاق اور مکارمِ اخلاق کا حکم فرماتا ہے۔ وہ فحش باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا بے جانے بوجھے تم خدا پر دروغ بندی کرتے ہو۔ خواہ مخواہ بغیر واقفیت کے خدا پر افترا تراشی کرتے ہو۔ ایک حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے کہ جو کوئی عمداً مجھ پر دروغ بندی کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

مسئلہ:۔ اعتقادات میں تو تقلید قطعاً ممنوع ہے۔ البتہ افعال میں تقلید اُس وقت تک جائز ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شرعی دلیل اُس فعل کے خلاف موجود ہو تو اُس وقت تقلید کرنی حرام ہے۔ (بیضاوی وابن کثیر)

مقصود بیان اسلاف کی پیروی اور کورانہ تقلید حرام ہے۔ بشرطیکہ حکمِ الٰہی کے خلاف ہو۔ اس امر کی صراحت کہ اللہ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ محاسنِ افعال اور اچھی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔ بغیر واقفیت ویقین کے کسی بات کا خدا کی طرف منسوب کرنا ممنوع ہے۔ وغیرہ

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ تف وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ

کہہ دو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ (حکم دیا ہے) کہ ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو اور خلوص عبادت

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۵ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ○ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا

کے ساتھ اُس کو پکارو جس طرح اُس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے دوسری بار بھی پیدا ہوگے ایک فریق کو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق

حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ

پر گمراہی ثابت ہوگئی بیشک انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا رکھا ہے

اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں

تفسیر كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ مجاہد، حسن بصری، قتادہ اور ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک تو یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بعد موت کے تم کو زندہ کرے گا۔ جس طرح اس نے ابتداءً بغیر وجود سابق کے تم کو پیدا کیا اسی طرح قیامت کے دن پھر دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ عبدالرحمٰن ابن زید نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جس حالت جسمانی پر خدا نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اسی حالت پر تم کو آخرت میں بھی پیدا کرے گا۔ اس قول کو ابن جریر نے پسند کیا ہے اور اسی کی مؤید ہے۔ وہ حدیث جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران تقریر میں ایک روز فرمایا۔ لوگو تم کو خدا کے پاس اٹھا کرلے جایا جائے گا۔ برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ (رواہ البخاری ومسلم) سدی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہارے ایک گروہ کو ہدایت یافتہ اور دوسرے کو گمراہ پیدا کیا ہے کہ ان دونوں حالتوں سے ایک حالت پر اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی تم کو اعادہ فرمائے گا یعنی جو دنیا میں ہدایت پر پیدا ہوا تھا وہ قیامت کے دن بھی مہتدی ہوگا اور جو دنیا میں گمراہ تھا وہ آخرت میں بھی گمراہ ہوگا۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ اللہ نے اولادِ آدم کی سرشت میں ایمان و کفر رکھا۔ بعض پیدائشی مومن ہیں بعض پیدائشی کافر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ اس قول کی تائید ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی اہل جنت کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے۔ پس وہ دوزخیوں کا کام کرگزرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔ اور بعض آدمی دوزخیوں کے کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے (پھر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہر آدمی اُسی حالت پر مبعوث ہوگا جس پر وہ مرا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں اعتدال کا حکم دیا ہے یعنی افراط و تفریط سے منع کیا ہے اور منجملہ اس کے لباس بھی ہے۔ لہٰذا نہ تو اس قدر کپڑوں کا بوجھ لادنا چاہیئے کہ اٹھ بھی نہ سکے اور خواہ مخواہ روپیہ برباد ہو اور نہ اتنی خست کرے اور ایسا زاہد خشک ہو جائے کہ برہنہ طواف کرے اور جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ویسے ہی عبادت بھی کرے یہ دونوں فعل ممنوع ہیں اور اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ عبادت میں دو باتوں کا لحاظ رکھو۔ ایک تو ہر عبادت کے ظاہری احکام و شرائط پر استقامت کرو۔ ظاہری ارکان و اجزاء و شرائط میں کوئی خرابی نہ آنے پائے۔ دوسرے عبادت کے وقت قلبی خلوص و خشوع رکھو۔ دل لگا کر اس کی بندگی کرو اور یاد رکھو کہ قیامت برحق ہے۔ خدا کے سامنے ضرور جانا ہوگا۔ وہ اعادۂ تخلیق پر قادر ہے۔ جس طرح اس نے دنیا میں دو گروہ پیدا کئے نیک و بد اسی طرح آخرت میں بھی دونوں گروہ مخلوق ہوں گے۔ کچھ لوگ گمراہ ہوں گے اور کچھ ہدایت یافتہ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے گمراہ فرقہ کو ظلماً گمراہ کر دیا اور اس میں (نعوذ باللہ) خدا کا قصور ہے بلکہ ان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے نافرمانوں اور شیطانوں سے دنیا میں دوستی کی تھی۔ اعمال و افعال و عقائد و

خیالات اور صورت و سیرت میں اُن سے متفرد تھے اور اللہ کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا۔ اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرتے تھے شیطان کے کہنے پر چلتے تھے ، اُسی کے بندہ فرمان تھے اور پھر طرّہ یہ کہ باوجود گمراہ ہونے کے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے تھے جہل مرکب میں مبتلا تھے۔

مقصودِ بیان ہر کام میں افراط و تفریط کی ضمنی مخالفت ، اعتدال کا حکم ، ہر عبادت کے ظاہری ارکان اور باطنی شرائط کو ملحوظ رکھنے کا امر و تنبیہ ، اعادہ خلقت کی مساوات کی صراحت ، ضلالت و ہدایت کے ازلی ہونے کی نفی ، اس بات کی وضاحت کہ گمراہی انسان کے افعال سے پیدا ہوتی ہے ۔ انسان کا اپنا عمل اس کا سبب ہے ۔ نافرمانوں سے دوستی کرنے کی ضمنی مخالفت ، جہل مرکب کی مذمت وغیرہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے اولادِ آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ پیؤ مگر بے جا خرچ مت کرو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ

بلاشبہ اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اے نبی) کہہ دو کہ کس شخص نے اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں حرام کیں (اے نبی) کہہ دو یہ دنیوی زندگانی میں مسلمانوں کے لئے ہیں اور قیامت

خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی اسی طرح ہم جاننے والوں کے لئے بتفصیل احکام بیان کرتے ہیں

تفسیر ان آیات کا مورد اور شانِ نزول اگرچہ خاص ہے جس طرح ہم نے اوپر بیان کر دیا لیکن حکم عام ہے ۔ زینت سے ابن عباسؓ کے نزدیک لباس مراد ہے اور مسجد سے عام مسجد خواہ کوئی مسجد ہو ۔ ہکذا قال مجاہد و عطا و ابراہیم النخعی و سعید بن جبیر و قتادہ والسدی والضحاک والزہری وغیرہ واحد من ائمۃ السلف۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ جتنے حصّہ بدن کا ڈھانکنا واجب ہے اُس کو ہر نماز و عبادت اور طواف کے وقت ضرور ڈھانک لیا کرو برہنہ عبادت نہ کیا کرو اور اگر زینت سے مراد عمدہ کپڑے ہوں تو امر وجوب کے لئے نہ ہوگا بلکہ استحباب کے لئے ہوگا ۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ عبادت و طواف کے وقت عمدہ کپڑے (بقدر استطاعت پہنا کرو) وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ اور جو حلال چیز) چاہو کھاؤ پیؤ مگر حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو تیرا جی چاہے وہ کھا اور جو تیرا جی چاہے وہ پہن ۔ جب تک کہ اسراف کرنا اور اترانا دونوں بدخصلتیں تجھ سے دور رہیں ۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے کھانا اور پینا حلال کر دیا ہے جب تک کہ اسراف اور اترانا نہ ہو ۔ اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۔ ابن عباسؓ نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ کھانے پینے میں اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا لیکن ٹھیک تفسیر وہ ہے جو ابن جریر نے بیان کی ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو حرام و حلال کی حد سے تجاوز کرتے ہیں ۔ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر لیتے ہیں ۔

اس سے آگے فرماتا ہے :۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اے نبی ان سے دریافت تو کرو کہ جب

خدا تعالیٰ نے مطاعم و ملابس پیدا کئے اور اپنے بندوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا تو اب اُس کے علاوہ کس کو استحقاق ہو سکتا ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی پاک حلال چیزوں کو حرام کر سکے۔ پیدا کرنے اور دینے والا خدا۔ پھر اُس کے علاوہ دوسرا حرام کرنے والا کون۔ دنیا میں اگرچہ کافر و مومن سب اس سے بہرہ اندوز ہونے میں شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔

مقصودِ بیان مطاعم و ملابس اور تمام انواع تجملات میں اصل اباحت ہے۔ ہر چیز حلال ہے جب تک کوئی دلیل شرعی اس کی حرمت کی موجود نہ ہو۔ اچھا کھانا اور اچھا پہننا ممنوع یا مکروہ نہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا محض خدا کا کام ہے کسی انسان کو اس میں دخل نہیں۔ حد اعتدال سے تجاوز کرنا ممنوع ہے۔ آیت سے بالالتزام آجکل کے علماء کو تنبیہ مترشح ہوتی ہے جنھوں نے کھانے پینے کی چیزوں میں اور دیگر احکام میں تحلیل و تحریم کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ جس چیز کو دل چاہتا ہے حرام کر دیتے ہیں اور جس کو دل چاہتا ہے حلال کر دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی شرعی نص نہیں ہوتی۔

آیت میں اُن صوفیوں کو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہیئے جو نفس کشی اس بات میں جانتے ہیں کہ اچھا کھانا نہ کھائیں۔ اچھا لباس نہ پہنیں اور تمام لذائذ کو ترک کر کے زاہد خشک بن جائیں اور دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں اور سب سے قطع تعلق کر لیں۔ وغیرہ

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ

کہہ دو کہ میرے رب نے صرف کھلی اور چھپی فحش باتوں کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى

اور اللہ کے ساتھ ایسی چیز شریک کرنے کو جس کی اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری اور اس بات کی کہ اللہ پر تم نادانستہ

اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

افترا بندی کرو حرام کر دیا ہے

تفسیر کفار کا جو عقیدہ تھا کہ برہنہ طواف کرنا، خفیہ زنا کرنا وغیرہ مباح ہیں اور اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کی تردید عقلی اور طبعی طور پر اوپر کی آیت میں کر دی۔ اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو امور اللہ نے حرام کئے ہیں وہ در حقیقت وہ نہیں جو کفار نے اپنے عقیدہ میں جاری کئے ہیں بلکہ ممنوعات تو یہ ہیں: خفیہ و علانیہ فواحش، اثم، ناحق زیادتی، شرک باللہ، بغیر علم کے اللہ پر دروغ بندی کرنا۔ ان الفاظ کی تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ الفواحش سے مراد ہیں بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ مثلاً زنا، محرمات کو دیکھنا، گالی گلوچ کرنا اور فحش بکنا۔ اثم سے مراد ہیں دیگر کبیرہ گناہ یعنی وہ عملی کبیرہ جن کو عرف میں بے حیائی کے کام نہیں کہا جاتا بلکہ اخلاقی جرم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً شراب پینا، جوا کھیلنا، بغض، حسد، کینہ، دشمنی، جھوٹ وغیرہ۔ بغی بغیر الحق میں ہر قسم کا ظلم، زیادتی اور حق تلفی داخل ہے۔ خواہ کسی کی آبرو پر حملہ ہو یا مال پر یا جان پر۔ اس کے بعد شرک باللہ افترا علی اللہ میں ہر قسم کا شرک اور دروغ بندی داخل ہے۔ عقیدہ کی خرابی دو ہی قسم کی ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ خدائی اوصاف کا مالک دوسرے کو سمجھا جائے اور اللہ کی ربوبیت یا الوہیت میں دوسرے کو شریک سمجھا جائے۔ یا یہ کہ عقیدہ توحید ہی کا ہو اللہ کے سوا کسی کو خدائی اوصاف کا مالک نہ سمجھا جائے مگر اپنے مطلب کے لئے اُن اوامر و نواہی کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے جن کی کوئی اصل نہیں۔ پہلی شق کی طرف اَنْ تُشْرِكُوا الخ سے اور دوسری شق کی طرف اَنْ تَقُولُوا سے اشارہ کیا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ گناہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کا اثر نسب پر پہنچتا ہے۔ وہ زنا ہے جس کو الفواحش میں تعبیر کیا۔ دوم وہ

جن کا اثر عقل پر پہنچتا ہے۔ وہ شراب ہے جس کو الاثم سے تعبیر کیا۔ سوم وہ جن کا اثر عزت پر پڑتا ہے۔ چہارم وہ جن کا اثر مال و جان پر پہنچتا ہے اُن کی طرف البغی بغیر الحق میں اشارہ کیا ہے۔ پنجم وہ جن کا اثر دین و روح اور دین پر پڑتا ہے۔ ان کو ان تشرکوا الخ میں بیان کیا۔

اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ فواحش دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فواحش تو وہ ہیں جو آدمی کو ظاہر عبادت سے روک دیتے ہیں اور باطنی فواحش وہ ہیں جو دل کے اندر وساوس پیدا کر کے مشاہدۂ حق سے روک دیتے ہیں۔ الاثم کے اندر اللہ کے نیک بندوں کا واضح انکار داخل ہے۔ بغی میں نیک بندوں سے اندرونی حسد کرنا داخل ہے۔ پھر ان تشرکوا الخ میں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علو و کبریائی میں اس حالت پر ہے کہ اس کی الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور جو لوگ علوم لدنی کے مدعی ہیں اُن کے منہ میں خاک جھونکنے کو وان تقولوا الخ فرمایا۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ اگر تم طاعت ایسی کرو جس سے مقصود اللہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو یہ فواحش میں داخل ہے۔

مقصودِ بیان کفار کے رسوم و عقائد کی مدلل تردید، ہر قسم کی بے حیائی، ضرر رسانی، شرک، افتراء، دروغ بندی وغیرہ کی ممانعت ما لا تعلمون سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو خود نہیں معلوم کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں نہ تمہارے پاس اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ ہے۔ صرف قیاس و تخمین ہے اللہ کی طرف کسی حکم کو منسوب کرنا قطعاً حرام ہے۔ اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا اور بغیر تحقیق کے یہ کہنا کہ قرآن میں اس طرح آیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے بالکل ناجائز ہے۔ وغیرہ

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے، جب اُن کا وقت آ پہنچتا ہے تو پھر ایک ساعت نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ○

نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

تفسیر یہ اہلِ مکہ کو خصوصاً اور تمام اہلِ کفر و معاصی کو عموماً تہدید ہے۔ اَجَل کے معنی ہیں وقت معین۔ اس سے مراد یا تو نزولِ عذاب کا وقت معین ہے یا زندگی کے اختتام کا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ وقتِ معین کی تخصیص نہ کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گروہ اور ہر قوم کے اقبال و ادبار، ترقی و انحطاط اور عذاب و موت کا ایک وقت معین ہے۔ وقت خاص سے پہلے نہ عذاب آسکتا ہے نہ موت۔ لیکن جب وہ وقتِ خاص آجاتا ہے تو پھر تقدیم تاخیر اور اس سے آگے پیچھے ہونا ناممکن ہے۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ :- مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ تیسری آیت میں بھی یہی مضمون ہے :- إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ۔ ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون کی ہے :- وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا الخ۔ حاصلِ مدعا ان تمام آیات کا ایک ہی ہے کہ وقتِ معین ٹل نہیں سکتا۔

آیت مذکورہ کا اصل مدعا یہ ہے کہ حرام افعال کا ارتکاب کرنے والوں کو اگر جلد سزا نہیں ملتی تو اس سے کسی کو ان افعال کی تحریم میں شبہ نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ ہر قوم کی سزا کے لئے بمقتضائے حکمت خدا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو مہلت نہیں ملتی اور وقت سے پہلے ہلاک بھی نہیں ہوتے۔ پس قبل از وقت سزا نہ ہونا اس کی علامت نہیں کہ ان کو سزا ہی نہ ہوگی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اطاعتِ خدا اور رسول پر جا رہنا چاہیئے اور اسی عہد پر قائم رہنا چاہیئے جو عالم ارواح میں کر چکے ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اسی عہد کو یاد دلایا جاتا ہے۔

تحقیق مبحث عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اہلِ تحقیق کا اختلاف ہے۔ آیات مذکورۂ بالا نیز احادیث صحیحہ کی بنا پر جمہور کا قول یہ ہے کہ کسی سبب سے ہو عمر میں کمی بیشی ہو نہیں سکتی۔ حسن بصری فرماتے تھے کہ لوگ بڑے احمق ہیں جو کہتے ہیں کہ اے میرے پروردگار اس کی عمر میں درازی دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے :- فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ الخ لیکن جمہور کے قول کے خلاف

چند آیات و احادیث کا مفہوم معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں محو و اثبات بحکم الٰہی ہوتا ہے لہٰذا عمر میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمر میں درازی اور کمی اس حکم کے مطابق جو لوح محفوظ میں درج ہے ہو سکتی ہے۔

(۳) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آدمی کے واسطے دو اجل ہیں ان میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے آدمی کے واسطے مقرر کر دیتا ہے۔ زائد عمر کا حکم دیتا ہے یا ناقص کا۔

(۴) صحیحین میں وارد ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ کنبہ پروری عمر میں زیادتی کر دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے جو شخص اپنی عمر و اجل کی درازی اور وسعتِ رزق چاہتا ہو تو اللہ سے ڈرے اور کنبہ پروری کرے۔ ایک روایت میں ہے کنبہ پروری، خوش خلقی اور ہمسایہ سے اچھا سلوک کرنا بستیوں کو آباد اور عمروں کو فراواں کر دیتا ہے۔ جمہور کی طرف سے ان شبہات کے جوابات حسب ذیل ترتیب وار دیئے گئے ہیں:۔

(۱) محو و اثبات کے یہ معنی ہیں کہ جو فرائض و شرائع خدا چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو قوانین و احکام چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اُن کو منسوخ نہیں فرماتا اور یہ تمام ناسخ و منسوخ اُس کے پاس اُم الکتاب میں موجود ہیں۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ حافظین کی کتابوں میں جو امور حسنات و سیئات کے علاوہ ہیں اُن میں سے جس کو خدا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ یعنی فرشتے تو نیکی اور بدی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی آدمی کرتا ہے سب کچھ لکھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نیکی اور بدی کو تو برقرار رکھتا ہے اور اس کے علاوہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ محو و اثبات بمعنی معافی و عدم معافی کے ہیں یعنی اللہ جو چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے اور جو چاہتا ہے نہیں معاف فرماتا۔

یہ بھی جواب ممکن ہے کہ محو سے مراد ہے ہلاک کرنا اور اثبات سے مراد ہے باقی رکھنا یعنی اللہ جس فرد جس قوم اور جس شے کو چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہلاک نہیں کرتا۔

(۲) آیت وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ الخ میں معمر سے طویل العمر اور ناقص سے قصیر العمر مراد ہے یا مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ سے مراد آئندہ اور لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ سے عمر گزشتہ مراد ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض لوگوں کی عمر دائرۂ مُبْرَم تک پہنچتی ہے اور بعض کی عمر اس سے کم رہتی ہے۔

(۳) بیشک دو اجل مقرر ہیں۔ ایک اجل مُبْرَم جو ناقابل زوال ہے۔ دوسری معلق جو قابلِ زوال ہے۔ جب اجل مبرم آ جاتی ہے تو پھر تقدیم تاخیر ناممکن ہے۔ اگرچہ اس اجل کے آنے سے قبل تعلیق تھی اور دعا یا کسی نفل خیر یا صلۂ رحمی سے اس معلق کی تاخیر ہو سکتی تھی۔ اسی سے احادیث مذکورہ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا۔

مقصود بیان کافروں کو وعید۔ مسلمانوں کو اطاعتِ خدا اور رسول پر قائم رہنے کی ضمنی خفیہ ہدایت۔ عذاب سے ترہیب۔ اس امر کی صراحت کہ اچھائی برائی، نیکی بدی، موت زیست، سزا جزا غرض یہ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ وغیرہ

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ

اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تمہاری جنس کے پیغمبر آئیں اور تم سے میرے احکام بیان کریں تو جو لوگ

اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پرہیزگاری کریں گے اور نیک کام کریں گے اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

کریں گے اور اُن سے سرکشی کریں گے وہی دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تفسیر گزشتہ آیت میں عالمِ آخرت کی ابتدائی کڑی یعنی موت کی حالت کو بیان کیا تھا۔ اب عالمِ آخرت کے ثواب و عقاب کا سبب بتاتا ہے اور درپردہ مسلمانوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ تم کو اُسی عہد پر قائم رہنا چاہیے جو ازل میں کر چکے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ہم نے بروزِ ازل کہہ دیا تھا کہ اے اولادِ آدم ہمارے پیام رساں اور قانونِ ہدایت پہنچانے والے تمہارے پاس پہنچیں اور تم کو میرے احکام سنائیں تو تم اُن کی ہدایت پر چلنا اور اُن کی نصیحت قبول کرنا۔ اُن کے اقوال سے سرتابی نہ کرنا اور نہ اُن کی تکذیب کرنا۔ کیونکہ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ تم میں سے جو لوگ شرک سے بچے رہیں گے اور اعمال کو درست کرلیں گے اُن کو قیامت کے دن نہ آئندہ کا خوف ہوگا نہ گزشتہ کا غم۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ اور جو لوگ ہمارے احکام نہ مانیں گے، ایمان نہ لائیں گے اور سرتابی کریں گے وہ دوامی دوزخی ہوں گے۔ پھر کبھی رہائی نہ ملے گی۔

مقصودِ بیان وعدۂ ازل اور نصیحتِ فطری کی یاددہانی، ایمان و تقویٰ و عملِ صالح کی درپردہ ترغیب، کفر و معاصی و سرکشی سے ممانعت و ترہیب۔ اس امر پر دلالت کرنا کہ پیغمبروں کو ہدایتِ خلق کے لئے بھیجنا خدا تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ جائز کی حد تک ہے۔ یہ خدا کی عنایت ہے کہ اُس نے پیغمبروں کو بھیجا۔ اس نکتہ کی طرف لفظ اِن سے اشارہ کیا کیونکہ اِن شک کے لئے کلامِ عربی میں مستعمل ہوتا ہے اور شک کے دونوں رُخ مساوی ہوتے ہیں۔ اصحٰب النّار کا لفظ کفار کے دوامی عذاب پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

کیونکہ اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر دروغ بندی کرے یا اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے یہی لوگ ہیں جن کو اُن کا

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا

حصہ لوحِ محفوظ کا لکھا ہوا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے اُن کی روحیں قبض کرنے اُن کے پاس پہنچیں گے تو اُن سے کہیں گے

كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى

اب وہ چیزیں کہاں ہیں جن کو اللہ کے سوا تم پکارا کرتے تھے وہ جواب دیں گے وہ ہم سے گئے گزرے ہوئے اور اپنے اوپر آپ

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○

گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے

تفسیر فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ یعنی جو لوگ کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں خواہ قول سے یا اعتقاد سے یا عیوب و نقائص کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ فواحش پر عمل کرنے کا حکم ہم کو خدا نے دیا ہے اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ غرض یہ کہ کسی قسم کی دروغ بندی خدا پر کرتے ہیں۔ خواہ قولی یا عملی یا اعتقادی یا قرآن پاک کو نہیں مانتے اور اس کلام الٰہی نہیں جانتے اُن کو حسب تحریر تقدیر کے موافق ہر برائی بھلائی پہنچے گی (یہ تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے کی ہے مگر محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ رزق و اجل جو کچھ اُن کے لئے مقرر ہو چکا ہے جب اُن کو دنیا میں مل چکتا ہے) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بالآخر ملائکۂ موت اُن کی روح قبض کرنے پہنچتے ہیں اور نزع کا عالم ہوتا ہے تو فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں۔ اب اپنے جھوٹے معبودوں کو بلاؤ جن کی پرستش اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔ اب وہ کہاں ہیں۔

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ۝ وہ جواب دیتے ہیں وہ تو ہم کو چھوڑ کر رفو چکر ہو گئے یعنی اب ہم کو اُن سے مدد و نفع کی اُمید نہیں اور بالآخر یہ لوگ خود اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔

مقصودِ بیان دروغ بندی اور افترا پردازی کی قباحت کا اظہار، کفار کی عبرتناک حالت اور اُن کی بے چارگی و بے بسی کا بیان۔ اس امر پر تنبیہ کہ قیامت کے دن معبودانِ باطل اپنے پجاریوں سے الگ ہو جائیں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا وغیرہ

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ

(حکم ہوگا) جنات و انسانوں کے اُن گروہوں میں شامل ہو کر جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں جہنم میں داخل ہو جاؤ

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ

جب ایک گروہ داخل ہوگا تو وہ اپنے جیسے دوسرے گروہ پر لعنت کریگا یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں پہنچ جائیں گے تو پچھلی

اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ

جماعت پہلی جماعت کو کہے گی ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا ان کو تو دوگنا عذاب دے اللہ فرمائے گا

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا

ہر ایک کو دوگنا عذاب (ہو رہا) ہے مگر تم جانتے نہیں ہو اور پہلی جماعت پچھلی جماعت کو کہے گی کہ اب

كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ ع ۴

تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اپنے کرتوت کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر یہ روزِ آخرت کی حالت کا بیان ہے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ یا دوزخ کا فرشتہ یا کوئی خدا کی طرف سے منادی کہے گا۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ تم اُنہی اُمتوں کے ساتھ مل کر آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکی تھیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیطان اور شیطان نما انسان تمہارے پیشوا اور رہبر تھے۔ تم اُن کے طریقے پر چلے تھے۔ لہٰذا عذاب

میں تم بھی انہی کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ جب آخرکار سب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۔ لیکن جب کوئی نیا گروہ دوزخ میں جائے گا تو وہ پہلے داخل شدہ گروہوں کو لعنت ملامت کرے گا کیونکہ انہوں نے اس کی اقتدا کی تھی۔

حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ یہاں تک کہ جب سب اگلے پچھلے کافر دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو تابع گروہ متبوع گروہ کے متعلق کہے گا۔ پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے۔ انہوں نے ہم کو گمراہ کیا۔ نہ یہ رسم بد قائم کرتے نہ ہم اس پر چل کر تباہ ہوتے۔

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ خدا تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر گروہ کو دوگنا عذاب ہے۔ مگر تم دوسرے فریق کے عذاب کو نہیں جانتے اس لئے ایسا کہتے ہو۔ یعنی ایک حساب سے پہلی امت کا گناہ بڑا ہے کہ انہوں نے ایک نمونہ بد قائم کیا اور پچھلوں کے لئے بری راہ نکالی اور ایک حساب سے پچھلوں کا گناہ زیادہ ہے اور زیادہ قابلِ گرفت ہے کہ انہوں نے پہلوں کا حال سن کر اور ان کی حالت دیکھ کر بھی عبرت نہ پکڑی۔

وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ خدا تعالیٰ کا یہ حکم آخری متبوع گروہ سن کر تو کہے گا کہ اب تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں گمراہی اور استحقاقِ عذاب میں۔ ہم تم دونوں برابر ہیں لہٰذا تم بھی اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

مقصودِ بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ کورانہ تقلید اور کسی کی جاہلانہ پیروی ممنوع ہے۔ مقلد اپنی جہالت کا عذر کر کے بھی نہیں بچ سکتے۔ قیامت کے دن جس طرح انسانوں کو عذاب ہوگا اسی طرح جنات کو بھی جو کافر ہیں عذاب ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

بے شبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان سے سرکشی کی اُن کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے

وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی

اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے تاوقتیکہ سوئی کے ناکے میں اونٹ نہ چلا جائے اسی طرح ہم گنہ گاروں

الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ

کو سزا دیتے ہیں اُن کے لئے دوزخ سے بچھونا ہے اور اوپر اُن کے بالاپوشش ہیں اور ظالموں کو

نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ہم تو طاقت سے زیادہ کسی کو

اِلَّا وُسْعَهَاۤ ؗ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

تکلیف نہیں دیتے تو وہی لوگ جنتی ہیں جنت میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر چونکہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا زیادہ ظہور ہے۔ اجرام علویہ میں قدرت الٰہی کا پرتو بہت زیادہ نمایاں ہے۔ آفتاب ماہتاب اور دیگر ستارے اور تمام نورانی اجسام آسمان پر ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ و ارواح مطہرہ کے لئے آسمان کو مسکن قرار دیا اور پاک روحیں بدن سے خارج ہونے کے بعد اسی فضائے نورانی کی طرف جاتی ہیں اور جو خبیث روحیں اور تاریک نفوس ہیں وہ بدن سے نکلنے کے بعد بھی اس مادی تاریک زمین کی طرف پھینک دیئے جاتے ہیں جو اُن کے لئے طبعی مناسبت رکھتی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:- إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ۔ جن لوگوں نے قرآن کو نہ مانا اور اس پر ایمان نہ لائے اور سرتابی کی جب وہ مرجاتے ہیں تو اُن کی رُوحوں کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے (سدی، ضحاک وغیرہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ مگر مجاہد و سعید ابن جبیر نے یہ تفسیر کی ہے کہ کافروں کے اچھے کام بھی آسمانوں تک نہیں لے جائے جاتے)

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے جس طرح اونٹ کا داخلہ سوئی کے ناکہ میں ناممکن ہے اسی طرح اُن کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔

لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ یہ سزا انہیں ظلماً نہیں دی جائے گی بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ خود بے جا حرکات کی تھیں۔ اُن کی بے جا حرکات کی یہ سزا ہوگی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

البتہ نیکوکار مومنوں کو دائمی جنت حاصل ہوگی لیکن نیکوکاری سے یہ مُراد نہیں کہ ہر شخص انتہائی نیک ہو کیونکہ ہر شخص کی طاقت سے یہ خارج ہے کہ انتہائی نیک ہی جائے۔ بہت سے مجبور و معذور غیر مستطیع آدمی ہیں جو بعض قسم کی نیکیاں کرنے سے قاصر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بقدر طاقت و وسعت نیکی اختیار کرے تو اُس کو کامل و کافی جزا ملے گی۔

مقصودِ بیان ترہیب و ترغیب اور وعظ و ارشاد کی انتہائی بلیغ الفاظ میں تصویر کشی۔ اس امر کی صراحت کہ کفار کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ اس بات کی وضاحت کہ ارواح خبیثہ کو مرنے کے بعد صعود و قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ اس بات کی نفس کہ عمل ایمان کا جزو نہیں بلکہ ایمان علیحدہ چیز ہے اور عمل علیحدہ شے ہے۔

آیت میں اس امر کی وضاحت بھی کردی گئی کہ کافروں کو جو کچھ سزا ملے گی وہ ظلم پر مبنی نہ ہوگی بلکہ اُن کے لئے پاداش ہوگی۔

اس بات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا کہ خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔ وسعت سے زائد کوئی شخص تعمیل حکم پر مجبور نہیں۔ جتنی جس کی وسعت و طاقت ہو اتنی نیکی کرنی لازم ہے۔ وغیرہ

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا

اور ان کے دلوں میں باہم جو کدورت (دنیا میں) تھی ہم اُس کو دُور کردیں گے　اُن کے (مکانوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا

اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس (بہشت کی) راہ بتائی　اگر ہم کو　اللہ راہ　نہ بتاتا　تو ہم　راہ نہ

اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

پاتے　ہمارے رب　کے پیغمبر　سچی بات　لے کر　آئے تھے　اُس وقت　اُن کو　ندا دی جائے گی　کہ تم　اپنے اعمال

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

کے صلہ میں اس جنت کے مالک بنا دیئے گئے

تفسیر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مومن دوزخ سے نجات پا جائیں گے تو جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے۔ پس جو حق حقوق دنیا میں اُن کے ایک دوسرے کے ذمہ تھے اُن کا عوض لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب پاک صاف ہو جائیں گے تو اُن کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ پس قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہر شخص جنت میں اپنے مسکن کو اس سے زیادہ پہچانے گا جتنا کہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا تھا (رواہ البخاری)

قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر ان ہی لوگوں میں سے ہوں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَزَعْنَا الخ (رواہ ابن جریر)

حسن بصری کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ ہم اہل بدر کے حق میں ہی نازل ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ۔ دنیا میں اہل ایمان کے درمیان جو کچھ رنجش تکرار اور حسد و بغض ہو گیا ہوگا۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ہم ان کی باہمی صفائی کرادیں گے اور پھر جنت میں اُن کو داخل کریں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۚ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وہ خدا کا شکر اور حمد کریں گے کہ محض یہ توفیقِ الٰہی تھی کہ ہم کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر اس کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کو راہِ راست نہ مل سکتی۔ پیغمبروں نے ہم سے جو کچھ فرمایا تھا اور جو احکام ہم تک پہنچائے تھے وہ سب سچے تھے۔ اس کے بعد جنت میں پہنچ جائیں گے تو:۔

وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ ندا ہوگی کہ یہ جنت جو تم کو عطا کی گئی ہے تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے اعمال کے سبب تم کو رحمتِ الٰہی ملی اور رحمتِ الٰہی کی وجہ سے جنت نصیب ہوئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اعمالِ صالحہ دخولِ جنت کے موجب ہیں۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل نہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور بھی؟ فرمایا میں بھی مگر اُس وقت جبکہ خدا تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و رحمت سے ڈھانک لے۔ حاصل یہ کہ دخولِ جنت رحمتِ الٰہی کے سبب ہوگا اور رحمت کے حصول کا سبب اعمالِ صالحہ ہیں۔

مقصودِ بیان دنیا میں ایک مسلمان کے دل میں عارضی طور پر دوسرے کی طرف سے کدورت ہو تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ جنت میں داخلہ اُس وقت ہوگا۔ جب آپس کی کدورتیں بالکل صاف ہو جائیں گی اور غالباً یہی مطلب ہے اُس حدیث کا کہ جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے حسد ہوگا وہ جنت میں داخل ہونے سے قبل خواہ آخرت میں ہو یا دنیا میں صفائی قلب لازم ہے

آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ توفیق ہدایت بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جنت اعمال کا صلہ ہے۔ یعنی حصول جنت کا ذریعہ اعمال ہیں۔ وغیرہ

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا

اور دوزخیوں کو اہل جنت پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جس چیز کا ہم سے وعدہ کیا تھا اُس کو تو ہم نے واقعی

حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

ایسا کیا تم نے بھی اُس چیز کو واقعی پایا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ کہیں گے ہاں پس پکارا ایک منادی والا اُن کے درمیان

بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ

کہ اُن ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو جو راہ خدا سے روکتے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ

ہیں اور اُس میں کجی نکالنی چاہتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں

تفسیر ولید بن مغیرہ، عاص ابن وائل اور ابوجہل وغیرہ سرداران کفار کہا کرتے تھے کہ بلال، عمار اور صہیب جیسے غریب فقیر تو جنت میں جائیں اور ہم شریف امیر دوزخ میں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ پاک نے ان دونوں فریق کا حال اس آیت میں بیان فرمادیا۔ اس تقدیر پر آیت کا مورد ایک خاص قصہ قرار پائے گا لیکن حکم بہرحال عام ہوگا۔ البتہ اصحاب النار سے مراد کفار ہیں کیونکہ کفار کے علاوہ گنہگار مومن دوامی دوزخی نہیں۔ پھر اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ سے کل اہلِ جنت و اہلِ دوزخ مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا یعنی دوزخیوں کو قائل کرنے کے لئے اہلِ جنت پکار کر اُن سے کہیں گے یعنی دنیا میں جو مومنین کا مذاق اڑایا کرتے تھے اُن سے پکار کر کہیں گے کہ ہم سے جس کامیابی نجات و ثواب کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے اُس کو برحق پایا۔ ہم کو وعدے کے مطابق سب کچھ مل گیا تو کیا جس عذاب عقاب سے خدا نے تم کو دنیا میں ڈرایا تھا تم نے بھی اُس کو برحق پایا اور وعید کے مطابق عذاب میں مبتلا ہوئے؟

قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۘ ناچار دوزخی بولیں گے ہاں وعید خدا برحق ثابت ہوگئی۔ جیسے وعید کے مطابق عذاب پالیا اُس وقت اسرافیل یا کوئی اور فرشتہ دونوں فریق کے درمیان ندا کرے گا کہ کافروں پر اللہ کی پھٹکار کیونکہ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی روکتے تھے اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔ راہِ مستقیم پر نہ چلتے تھے اور آخرت کے منکر تھے۔ جزا سزا بلکہ روزِ قیامت ہی کا انکار کرتے تھے۔ ان پر خدا کی لعنت ہے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کافروں پر لعنت کرے گا اور خود ہی کافروں کے مخصوص اوصاف بیان کرے گا... جو درحقیقت اُن کے ملعون ہونے کے اسباب ہوں گے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ جنت نام عالم قدس کا ہے جو بالکل نفاست فیہ ہے اور دوزخ نام ایک عالم تیرگی کا ہے جو دارالعذاب ہے اور ان دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کوئی دنیا کے چھوٹے چھوٹے دو مکان تو ہوں گے نہیں کہ ایک کے رہنے والے دوسرے کے رہنے والوں کو پکار سکیں۔ پھر کس طرح اہلِ جنت اہلِ دوزخ کو پکاریں گے؟

اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ دوزخ و جنت کی واقعی حقیقت ہمارے دماغ ہی نہیں سمجھ سکتے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی جنت جس میں کروڑہا کروڑ مخلوق خلقت آدم سے لے کر قیامت تک کی تمام آبادی اور دوزخ اتنی بڑی، دوزخ کے ہزاروں لاکھوں برس کے کل کفار اور

کی ہیں کہ مسلمان تمام کے تمام اس میں سما سکیں کہاں ہوگی یا کہاں ہے۔ پھر جنت کے لذائذ اور دوزخ کے انواع عذاب کی تفصیلی حالت بھی انسانی تجربہ اور مشاہدہ اور ادراک سے خارج ہے۔ اسی طرح اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ان جس طرح لذائذ جنت کی تصویر کشی کے لئے اور دوزخ کے انواع عذاب سے ڈرانے کے لئے قرآن پاک میں ترغیبی و ترہیبی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور الفاظ کا جامہ پہنا کر ہمارے سمجھانے کے لئے بطور تمثیل و تشبیہ کھانے کے لئے انگور، سیب، انار، گوشت وغیرہ، پینے کے لئے بہترین شراب و شربت، دودھ و شہد وغیرہ کا مرکب، رہنے کے لئے سونے چاندی کے مکان، موتیوں کے دروازے، مشک و عنبر کی سڑکیں، خدمت کے لئے حور و غلمان اور حکومت و تصرف کے لئے ادنیٰ مسلمان کے لئے اتنی بڑی سلطنت جو دنیا سے بھی بڑی ہوگی بیان فرمائی۔ اور دوزخ کی حالت کی تصویر کشی کے لئے بطور تمثیل و تشبیہ انتہائی المناک کیفیات سوزش آتش، سانپ بچھو کا کاٹنا، کانٹوں میں کھینچا جانا، پیپ لہو کی خوراک دینا، گرم پانی کا پلایا جانا وغیرہ ظاہر فرمائی گئیں۔ لیکن حقیقت کا خدا کو علم ہے کہ یہ تمام چیزیں کیسی ہوں گی۔ کیا کیفیات ہوں گی۔ کیا حالت ہوگی۔ مقصد صرف یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے لوگ ڈر کر نافرمانی چھوڑ کر اور جنت کے طالب ہو کر نیکی کی طرف مائل ہوں۔

بس بالکل یہی حالت اور کیفیت منادئ اہل جنت کی ہوگی۔ مقصد اصل امر بتانا یہ ہے کہ جنتی دوزخیوں کو قائل کریں گے۔ ان کی حسرتوں میں اضافہ کریں گے اور فیصلہ کی وجہ بھی ظاہر کر دیں گے۔ باقی ندا کیسی ہوگی۔ اس آواز، لہجہ اور طرز ادا کے ساتھ ہوگی یا کسی اور طریقہ سے قریب سے پکاریں گے یا دور سے اور دوزخی ان کی آواز کس طرح سنیں گے۔ دوزخ کے شور کے باوجود جنتیوں کی آواز ان کے کانوں میں پہنچ جائے گی اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ جواب بھی دے سکیں گے اور وہ آواز اہل جنت تک پہنچ جائے گی۔ یہ تمام واقعات و کیفیات انسانی ادراک کی حد سے خارج ہیں۔ صرف ہمارے سمجھانے، نیکی کی طرف مائل کرنے اور بدی سے باز رکھنے کے لئے الفاظ کے ذریعہ سے کیفیات کی تصویر کشی انتہائی اعجاز کے ساتھ کی گئی ہے۔ ورنہ کہاں عالم آخرت کے کیفیات اور کہاں ہمارا ناقص انسانی کوتاہ نظر و دماغ۔

مقصود بیان کافروں کی حسرت و مایوسی اور اہل جنت کی خوشی و مسرت کی تصویر کشی، کفار کے ملعون ہونے کی علت کا اظہار، اس بات کی طرف اشارہ کہ آخرت کا انکار راہ مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھے راستہ پر چلنا اور راہ خدا سے لوگوں کو روکنا منع ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی لعنت میں ماخوذ ہونے کا ذریعہ ہیں۔ وغیرہ۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ

اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہوگا اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو اُن کے چہروں سے پہچان لیں گے

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ

اور اہل جنت کو آواز دیں گے کہ تم پر سلام ہو اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے کہ آرزو

يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا

رکھتے ہوں گے پھر ان کی آنکھیں جب پھیری جائیں گی دوزخ والوں کی طرف تو کہیں گے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ع

پروردگار ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کرنا

تفسیر اہلِ جنت و دوزخ کی حالت اوپر کی آیت میں بیان کر دی۔ اب دوزخ و جنت کے درجہ کی حالت کا بیان فرماتا ہے۔
وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ جنت و دوزخ کے درمیان ایک درجہ ہوگا جو دونوں کا حدِ فاصل ہوگا۔ نہ اُس میں دوزخ کی تکلیف نہ جنت کی راحت۔ یہ درجہ وہ ہوگا جہاں سے دونوں طرف یعنی اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی شناخت ہو سکے گی۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ اس درجہ کا نام اعراف ہے۔ اس درجہ میں کچھ لوگ موجود ہوں گے جو دوزخیوں کی روسیاہی اور جنتیوں کی شادابی چہرہ دیکھ کر ہر فریق کو پہچان لیں گے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ سے آیت کے مطلب میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوں گے جو ملائکہ یا انبیاء یا شہداء ہوں گے اور وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے گواہ تھے۔ جو ہر اہلِ خیر ایماندار متقی اور اہلِ شر مشرک کافر فاسق کو پہچانتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اعراف یعنی بلند مقامات پر بٹھا کر ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کا انجام کار جنت و دوزخ دکھائے گا۔ حسن مجاہد اور ابو مجلز وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن جمہور کے خلاف ہے۔
اس کا حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کچھ لوگ عدالتِ آسمانی میں ہر ایک اہلِ خیر و شر کے لئے سچی سچی شہادت دینے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ گواہ ہوں گے جو بلند کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ جب تمام کا فیصلہ ہو چکے گا تب وہ جنت میں جائیں گے۔ فریقین کے فیصلہ کے قبل جنت میں نہ جائیں گے۔ مگر اس بات کی ان کو طمع یعنی یقین ہوگا کہ بعد میں جنت میں داخل ہوں گے۔ جب یہ اہلِ جنت کو دیکھیں گے تو بطور مبارکباد کہیں گے تم پر خدا کی رحمت و سلامتی ہو اور جب دوزخیوں کی طرف ان کی نظر پڑے گی تو خدا کی پناہ مانگیں گے کہ الٰہی تو اس ظالم گروہ سے ہم کو دور رکھیو۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکی و بدی مساوی ہوگی نہ جنت کے قابل ہوں گے نہ دوزخ کے جیسے مسلمانوں میں فساق یا اطفال مشرکین یا بغیر اجازت والدین جہاد میں جا کر شریک ہونے والے تو خدا تعالیٰ اُن کو جنت و دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ یعنی دوزخ سے اونچی جگہ پر رکھے گا۔ یہاں سے یہ فریقین کا حال دیکھیں گے۔ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ الٰہی ان میں ہمیں داخل نہ کیجیو۔ اور اہلِ جنت کو دیکھ کر آرزو کریں گے اور بالآخر اللہ ان کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں جگہ دے گا۔
یہ قول ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر سلف کا ہے اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔ مختلف احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔
ابن مردویہ نے بروایت جابر بن عبد اللہ بیان کیا کہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اُس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی اعراف والے ہوں گے الخ

عبد الرحمٰن مزنی کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے باپ کی معصیت کی اور راہِ خدا میں شہید ہوئے۔ پس باپ کی نافرمانی سے تو جنت میں داخل نہ ہو سکے اور راہِ خدا میں شہید ہونا ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے مانع ہوا (رواہ سعید بن منصور و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن جریر والبیہقی والطبرانی و ابو الشیخ و عبد بن حمید وقد رواہ ابن ماجۃ مرفوعاً من حدیث ابی سعید الخدری و ابن عباسؓ۔

حذیفہ سے روایت ہے اہلِ اعراف ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں پس برائیوں نے تو جنت میں داخل ہونے سے روکا۔ اور نیکیاں دوزخ سے آڑے آئیں پس دیوار (یعنی اعراف) پر ٹھیرائے گئے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کے متعلق فیصلہ کرے۔ (رواہ ابن جریر)
عمرو بن جریر سے روایت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندوں میں سب سے آخر میں جن کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا وہ اہلِ اعراف ہیں۔ جب خدا تعالیٰ لوگوں کے فیصلہ سے فارغ ہوگا تو فرمائے گا تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری نیکیوں نے تم کو دوزخ سے نکالا اور

تم جنت میں بھی داخل نہ ہو سکے۔ اب تم میری طرف سے آزاد کردہ ہو۔ پس تم جہاں چاہو جنت میں کھاتے پھرو۔

مقصود بیان اس بات کی صراحت کہ اہل اعراف دونوں فریقوں کی حالت کا مشاہدہ کریں گے۔ دخول جنت کے متمنی ہوں گے اور دوزخ سے پناہ مانگیں گے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى

اور اعراف والے کچھ آدمیوں کو اُن کے چہروں سے پہچان کر آواز دے کر کہیں گے (آج) تمہارا جتھا نہ تمہارے کام

عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ

آیا اور نہ تمہاری سرکشی کیا یہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسم کھاتے تھے

لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

کہ اللہ ان کو اپنی رحمت نہ عطا کرے گا (دیکھو اُن سے کہہ دیا گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم کو کچھ خوف ہوگا نہ تم غمگین ہو گے

تفسیر اُدْخُلُوا الخ یا تو اہل اعراف کا مقولہ ہے۔ یہی قول جمہور کا ہے۔ یا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اہل اعراف کو ان الفاظ میں خطاب ہوگا۔ یہ بعض مفسرین کا قول ہے۔

جمہور کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ اعراف جن لوگوں کو دنیا میں پہچانتے تھے جب اُن کو دوزخ میں دیکھیں گے تو علامات اور چہرہ کی حالت دیکھ کر شناخت کر لیں گے اور با آواز بلند بطور سرزنش و ملامت ہر ایک کا نام مع ولدیت لے کر (ہکذا قال قلبی) کہیں گے کہ اے فلاں بن فلاں آج وہ مال و دولت جس کے لئے تم دین کو برباد کرتے تھے اور وہ تمہارا جتھا جمیعت اعوان و مددگار نوکر چاکر اور لاؤ لشکر جس پر تم گھمنڈ کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آیا۔ عذابِ خداوندی سے تم کو بالکل نہ بچا سکا۔ پھر جنت کی طرف نظر اُٹھا کر اُس میں اُن کمزور غریب مسلمانوں کو دیکھیں گے جن کو کافر ذلیل حقیر سمجھتے تھے اور اُن مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے اُن دوزخی کافروں کو سرزنش کرتے ہوئے کہیں گے۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ آخرت میں اللہ کی رحمت اُن کے شاملِ حال نہ ہوگی۔ لو دیکھو لو انہی حقیر مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اب نہ گذشتہ کا تم کو افسوس ہوگا نہ آئندہ کا غم۔

ثانی تقدیر پر آیات کا آخری ٹکڑا یعنی اُدْخُلُوا الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب دوزخ میں دوزخی اور جنت میں جنتی جا چکیں گے اور اعراف والے دوزخیوں اور جنتیوں کے حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد اہل جہنم کو سرزنش اور اہلِ جنت کو مبارکباد دے چکیں گے تو اُس وقت اہل اعراف سے کہا جائے گا کہ اب تم بھی جنت میں چلے جاؤ۔ اب تم کو بھی دیگر اہلِ بہشت کی طرح افسوس و غم نہ ہوگا۔

مقصود بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ قیامت کے دن مال و دولت جمعیت و شوکت اولاد و اعوان کچھ کام نہ آئے گا۔ ان پر غرور کرنا بے جا ہے۔

اس امر کی طرف ایماء کہ جو مسلمان دنیا میں افلاس، ضعفِ اعضاء اور پستی نسب کی وجہ سے کمزور نظر آتے ہیں اور لوگ اُن کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور نگاہ میں نہیں لاتے قیامت کے دن وہی سربلند اور معزز ہوں گے۔ وغیرہ

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

اور دوزخی — جنتیوں کو — پکار کر — کہیں گے — کچھ پانی — یا وہ رزق جو اللہ نے تم کو کھانے کو دیا ہے

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

طرف ہی — ڈال دو — وہ کہیں گے — اللہ نے — یہ کھانا پانی — ان کافروں پر حرام کر دیا ہے — جنہوں نے — اپنے دین کو

دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا

کھیل کود — بنا رکھا تھا — اور دنیوی — زندگانی نے ان کو فریب دے رکھا تھا (اور اللہ فرمائے گا) آج ہم ان کو ایسا ہی بھلا دیں

نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

جیسے وہ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے — اور ہماری — آیتوں کا — انکار کرتے تھے

تفسیر شروع میں بیان کیا گیا تھا کہ اہل جنت اہل نار کو پکار کر کہیں گے کہ کیا تم کو وعید الٰہی برحق ثابت ہو گئی؟ اس کے بعد بیان کیا گیا تھا کہ اہل اعراف دوزخیوں کو سرزنش و ملامت کریں گے۔ اب ایک شق رہ گئی تھی یعنی دوزخیوں کا خطاب اہل جنت سے، اس کو اس آیت میں بیان کر کے دوزخیوں کی ذلت و رسوائی کی جو حالت ہوگی اس کو ظاہر فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ دوزخی جنتیوں کو پکار کر کہیں اور عاجزی کے ساتھ بھیک مانگیں گے کہ کچھ پانی یا وہ کھانا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو۔

اِفاضہ کے معنی ہیں بہانا۔ یہاں مراد ہے دینا۔ اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ سے بروایت سدی کھانا مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر نے تفسیر کی مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دوزخی آدمی تپش دوزخ سے جل بھن کر اپنے جنتی بھائی یا باپ یا کسی اور رشتہ دار یا دوست سے پکار کر کہے گا کہ ذرا سا پانی ہماری طرف بھی بہا دو۔

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ اہل جنت جواب دیں گے۔ ہم تو کچھ نہیں دے سکتے۔ اللہ نے کافروں کو کھانا پانی دینے سے منع فرما دیا ہے۔ یعنی جنت کے آب و طعام سے کافروں کو محروم کر دیا ہے۔ (ابو صالح سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصدقہ پانی ہے۔ پھر اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا) کیونکہ دنیا میں یہ لوگ خبیث تھے۔ دنیوی زندگانی پر ریجھے ہوئے تھے۔ فانی راحت و آرام اور عیش و آسائش نے ان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور آخرت کا سر و سامان کرنے سے غافل بنا رکھا تھا اور انہوں نے اپنے دین کو کھیل کود کر رکھا تھا۔ جس چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیے تھا اس میں مشغول ہوتے اور جو بات سے تمتع اللہ کی مناسب نہ تھی اس سے مسرت اندوز ہوتے تھے (کذا فی السراج)

یا دین کو لہو و لعب بنانے کا یہ مطلب ہے کہ جو پیغمبر یا نیک آدمی ان کو اپنے دین کی طرف بلاتے اس کا یہ مذاق اڑاتے اور اس کو حقیر و ذلیل سمجھ کر کہتے کہ کیا یہی لوگ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

یا دین کو لہو و لعب قرار دینے سے کافروں کے عقائد باطلہ اور رسوم جاہلانہ کی طرف اشارہ ہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ چونکہ فراموشی اور نسیان سے خدا تعالیٰ پاک ہے

اس لئے آیت کا تفسیری مطلب مفسرین نے مختلف طور پر بیان کیا ہے اور ہر ایک نے الگ توجیہ کی ہے۔ عوفی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ اللہ نے گویا بھلائی سے اُن کو فراموش کر دیا اور تکلیف و عذاب سے فراموش نہیں کیا۔

علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نسیان کے معنی ترک لکھے ہیں۔ مجاہد کے نزدیک نسیان کے معنی ہیں آگ میں چھوڑ دینے کے۔ سدی کے قول کے بموجب رحمت سے الگ رکھنا مراد ہے۔ یعنی خدا اُن کو قیامت کے دن اپنی رحمت سے جُدا اور متروک رکھے گا جس طرح انہوں نے قیامت کے لئے کارِ خیر کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بعض لوگوں سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھے عزت نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے زیر فرمان نہیں کر دیئے تھے؟ کیا میں نے تجھے سیر ہو کر کھانے پینے کے لئے نہیں چھوڑ دیا تھا؟ بندہ عرض کرے گا پروردگار! بے شک یہ سب باتیں تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے مجھ سے ملنے کا یقین تھا؟ بندہ عرض کرے گا نہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ لہٰذا آج ہم بھی تجھے فراموش کریں گے۔ جیسے تو ہم کو بھولا تھا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ جس طرح انہوں نے قیامت کو وہ لوگ بھول گئے تھے۔ کوئی عمل خیر نہ کرتے تھے اور قیامت کے لئے انہوں نے کوئی تیاری نہ کی تھی اور ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی قیامت کے دن بھوکا پیاسا دوزخ میں چھوڑ دیں گے اور جس طرح بھولنے والا بھولے ہوئے کی مدد نہیں کرتا۔ اسی طرح ہم بھی ان کی کوئی دستگیری نہیں کریں گے اور نہ ان کی فریاد سنیں گے۔

مقصود بیان

دوزخ بہ نسبت جنت کے پست ہے۔ کافر جنت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ جنت کی ہر نعمت سے کافر محروم ہیں۔ آیت میں دنیوی زندگی پر ریجھنے کی ممانعت ضمنی ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دین نام لہو و لعب کا نہیں۔ جن لوگوں کے دین کی بنیاد لہو و لعب اور سیر و تفریح پر ہے اُن کا دین اللہ کا قائم کردہ دین نہیں بلکہ فریب نفس ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر قیامت کے لئے سر و سامان ترک کرنے والوں کو تہدید اور آخرت کی تیاری کی ترغیب۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لاچکے جس کو ہم نے اپنے علم سے تفصیل وار بیان کر دیا وہ کتاب ایمانداروں کے لئے ہے ہدایت و رحمت ہے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کیا یہ لوگ بس قیامت کی حقیقت ظاہر ہونے کے منتظر ہیں جس روز قیامت کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی تو جو لوگ پہلے سے اس کو بھولے ہوئے تھے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا

وہ کہیں گے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات لائے تھے پس اب کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ

یا ہم کو واپس کر دیا جائے تاکہ جو عمل ہم کرتے تھے اس کے خلاف کریں بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان خود کیا اور

ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

جو افتراء بندی یہ کیا کرتے تھے وہ اُن سے گم گزری اسی

ع ۶ ۱۳

تفسیر

کتٰب سے مراد یا تو عام کتاب ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے احکام نازل فرمائے ہیں خواہ بصورت صحیفہ یا بشکل کتاب۔ یا یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی اگرچہ مراد عام لوگ ہیں اور کتاب سے مراد خاص قرآن ہے۔ یہی شق ابن کثیر نے اختیار کی۔

جب خدا تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے احوال، اہل اعراف کے مقامات و کلمات بیان فرما چکا جس کو سن کر عذاب کا خوف اور ثواب کی طمع سعید دل رکھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوئی اور وہ حصول نجات کے طریقوں کے متجسس اور اُس طرز زندگی کے جویاں ہوئے جن پر چل کر فلاح اخروی اُن کو حاصل ہو جائے تو اب فلاح اُخروی کے حصول کا راستہ بتاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ہم نے تبلیغ ایمان و دعوت عمل دینے کے لئے قرآن نازل کر دیا اور قرآن میں تمام عقائد، احکام، وعظ و نصیحت وعدہ و وعید وغیرہ کھول کر بیان کر دیئے۔ حق و باطل کی واضح تمیز کر دی اور یہ سب کچھ ہم نے اپنے علم و دانست کے مطابق کیا۔ کسی کو اس کی صداقت میں شک ہو تو ہو۔ یا کوئی اس کو ہمارا فعل اضطراری سمجھے تو سمجھے ہم نے اس کو دانستہ اپنے علم کے بموجب نازل کیا۔ جو ضوابط و احکام، قوانین و قواعد، اخبار و واقعات، بشارت و انذار، امثال و قصص ہمارے علم میں صادق اور صحیح اور مناسب تھے اُن کو کھول کر بیان کر دیا۔ نہ یہ ہمارا اضطراری فعل ہے، نہ قابل شک۔ حقیقت بلکہ جن کے دلوں میں نور فطرت ہے اور جو طبیعت ایمانیہ رکھتے ہیں اُن کے لئے یہ قرآن عین ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ لہٰذا اہل مکہ اور دیگر کل منکرین کو اس پر ایمان لانا اور اس کو سچ جاننا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ط لیکن یہ کفار اس طرح نہ مانیں گے۔ قرآن کے وعدہ و وعید کو سچ نہ جانیں گے۔ یہ تو وعدہ وعید کے آخری نتیجہ کے واقع ہو جانے کے منتظر ہیں کہ جب قیامت ہو جائے اور قرآن کے اندر جو وعدے اور وعید بیان کئے گئے ہیں وہ واقع ہو جائیں اور غیب سے شہود کا درجہ حاصل ہو جائے تو ایمان لائیں۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اس کتاب کی تاویل برابر آتی رہے گی یہاں تک کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں۔ بس اس دن تاویل پوری ہو جائے گی۔

يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ حالانکہ جس روز اس کے وعدہ اور وعید کی تکمیل اور نتیجہ اخروی ظاہر ہو جائے گا تو کوئی پشیمانی سود مند نہ ہوگی۔ جن لوگوں نے پہلے سے اُس کو نہ مانا تھا اس پر عمل نہ کیا تھا اور طاق نسیان پر رکھ دیا تھا اس وقت وہ قائل ہوں گے کہ اللہ کے پیغمبروں نے جو کچھ احکام ہدایت و اخبار قیامت بیان کئے تھے وہ سب برحق تھے۔ بڑی غلطی ہوئی کہ ہم نے ان کو نہ مانا اور نہ اُن پر عمل کیا۔ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کو نجات و رہائی کی فکر ہوگی اور تو کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ بس یہ تمنا کریں گے کہ کاش آج ہماری کوئی سفارش ہی کر دیتا کہ اس عذاب سے رہائی تو مل جاتی یا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاتا کہ وہاں پہنچ کر اب کی مرتبہ ہم اول مرتبہ کے خلاف عمل کر لیتے۔

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لیکن اُس روز یہ تمنا فضول ہوگی۔ اپنے ہاتھوں وہ نقصان کر چکے اور خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ جو کچھ دنیا میں وہ اللہ پہ افترا بندی کرتے تھے۔ اللہ کی الوہیت و ربوبیت میں جن کو شریک کرتے تھے اور جن باتوں کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے وہ سب کچھ کھو یا گیا ہوگا اور کسی طرح اصلاح حالت ممکن نہ ہوگی۔

مقصود بیان قرآن پاک میں تمام ضروری احکام و عقائد بیان کر دیئے گئے ہیں۔ خدا عالم ہے اور اپنے علم کے مطابق اس نے مخلوق کی ہدایت کا سامان مہیا کیا ہے۔

کلام الٰہی نہ خدا کا اضطراری فعل ہے۔ نہ خدا نے نادانی و جہالت کی حالت میں اس کو نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزئیات سے بلا واسطہ واقف

جن لوگوں کے دلوں میں نورِ فطرت اور جذبۂ ایمانی ہے اُن کے لئے قرآنِ پاک سراسر ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔
مشاہدۂ عذاب کے بعد کسی کا ایمان لانا مستقبول نہیں۔ نہ قابلِ اعتبار ہے۔ دنیا میں دوبارہ آنا غیر ممکن ہے۔ کافروں کا کوئی سفارشی اور شفیع نہ ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ

(لوگو) تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز کے (دور) میں پیدا کیا پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ

وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہ رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے (گویا) رات دن کے پیچھے جلدی جلدی آتی ہے اور سورج

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

چاند ستارے سب اسی نے بنائے سب اسی کے مطیع حکم ہیں آگاہ رہو (عالم) خلق وامر سب اسی کا ہے اللہ رب العلمین

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

بزرگ ہے

تفسیر اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پہلے ہم اس آیت کا خلاصہ مطلب بیان کرتے ہیں۔ پھر اس پر جو شبہات ہیں اُن کو نقل کر کے اُن کا ازالہ بھی کریں گے۔

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین یعنی کل عالم کو چھ دن کی مقدار اوقات میں پیدا کیا۔ پھر خلق عالم کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔

عام طور پر دن کہتے ہیں طلوع و غروب کے درمیانی وقت کو۔ یہ یوم دنیا کہلاتا ہے۔ دوسرا یوم آخرت ہے جس کی مقدار ہزار برس یا پچاس ہزار برس قرآن میں بتائی گئی ہے۔

ضحاک نے جو روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ایام آخرت کی مقدار مراد ہے۔ امام احمد حنبل اور بعض دوسرے اشخاص کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک ایام دنیا مراد ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔

ایام دنیا مراد لینے کے بعد بھی اختلاف ہے کہ وہ کون سے ایام ہیں جن میں تخلیق عالم کی گئی۔

بعض کا خیال ہے کہ اتوار سے لے کر جمعہ تک تمام عالم پیدا ہوا۔ جمعہ کے روز سب خلقت کا اجتماع ہوا اور اسی روز آدم کی تخلیق ہوئی۔ ساتواں روز یعنی سنیچر اس میں کوئی چیز نہیں پیدا کی گئی۔ غالباً یہی قول عبد اللہ بن سلام، کعب احبار اور مجاہد و ضحاک کا ہے۔ شیخ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ابتدائے خلقت شنبہ کے دن سے ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے زمین کو سنیچر کے روز پیدا کیا اور پہاڑ اتوار کے روز قائم کئے اور درخت پیر کے روز اور تمام مکروہات منگل کے دن اور نور بدھ کے دن اور تمام جانور مویشی جمعرات کے دن اور آدمؑ کو جمعہ کے آخر دن میں پیدا کیا۔

لیکن اس حدیث میں علمائے حدیث نے کلام کیا ہے۔ اگرچہ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے لیکن بخاری وغیرہ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے

اس آیت کے مفہوم پر چند شبہات کئے جاتے ہیں۔

(۱) دن اور رات کی تعیین سورج کے طلوع و غروب سے ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے قبل نہ سورج تھا نہ اس کا طلوع نہ غروب پھر ان اور دن کی تقسیم سنیچر، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ اور ان ایام میں تخلیق عالم کرنے کے کیا معنی؟ (یہ اعتراض سلیمان جمل وغیرہ کا ہے)

(۲) اللہ قادر مختار ہے۔ اس کا فعل کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے۔ اِدھر اس کی مشیت ہوئی اُدھر وہ چیز موجود ہوگئی۔ پھر چھ ساعات یا پانچ دن کی مدت تخلیق عالم کی قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس تخلیق تدریجی کی کیا حقیقت ہے؟

(۳) اللہ جسم اور کوائف جسم اور خواصِ جسم سب سے پاک ہے۔ نہ وہاں حرکت ہے نہ سکون، نہ راحت نہ تکلیف۔ پھر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھے، ٹھہرے، استقرار کرے، جم جائے، یہ تمام الفاظ اس کی شان کے منافی ہیں۔

(۴) کلام عربی میں ثُمَّ کا لفظ ترتیب فعل کے لئے مستعمل ہے۔ اس وقت لازم آتا ہے کہ عرش پر متمکن و مستقر ہونے سے پہلے اللہ کہیں کھڑا یا بیٹھا یا لیٹا تھا لیکن وہ کونسی جگہ تھی جہاں خدا کا قیام و قعود وغیرہ تھا؟

اسی قسم کے دیگر شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ترتیب وار ہر شبہ کا جواب دیتے ہیں:۔

(۱) یہ واقعہ ہے کہ پیدائشِ عالم سے قبل کوئی دن نہ تھا۔ نہ سورج، چاند اور ستارے تھے۔ نہ آسمان، زمین، پانی اور ہوا موجود تھی۔ نہ آیت کا یہ مفہوم ہے کہ خدا نے چھ دن کی مدت میں عالم کو پیدا کیا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر تخلیقِ عالم سے قبل تقدیر اوقات ہوسکتی تو تخلیقِ عالم کا وقت اتنا ہوتا جتنا چھ روز کا ہوتا ہے یعنی اس مقدار اور دوران میں اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا۔ چھ روز یا چھ روز کا زمانہ نہیں ہے۔

(۲) فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ سے یہ مراد نہیں کہ عالم کو چھ دن کی پوری مقدار میں پیدا کیا بلکہ یہ ایک محاورہ کا لفظ ہے جس طرح اُردو زبان میں بولا جاتا ہے کہ زید نے فلاں کام اتوار، پیر، منگل کے دن کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تین دن برابر زید کام کرتا رہا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان تین دن کے مختلف اوقات میں یہ کام کیا۔ اسی طرح فی ستۃ ایام کا یہاں مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات یا دفعات میں عالم کے مختلف حصص اور مختلف انواع کو پیدا کیا۔ کسی دفعہ زمین کو کسی مرتبہ آسمان کو کسی مرتبہ کسی کو۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ کا فعل کسی حالتِ منتظرہ کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی قدرت اوقات و زمانہ کی محتاج ہے بلکہ جونہی اس کی مشیت ہوئی فوراً ہر چیز موجود ہوگئی۔ تو اس کی حکمت یہ ہے کہ مخلوق غور کرے کہ اللہ نے باوجود قادر مختار ہونے کے مخلوق کو تدریجاً پیدا کیا۔ لہٰذا لوگوں کو بھی کل کام تدریجاً کرنا چاہیئے۔ نیز اُن جاہل فلاسفہ کے خیال کا بھی رد ہوگیا جو قائل ہیں کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ سے دفعتاً خود بخود بغیر ارادہ و تدریج کے صادر ہوگئی۔

(۳، ۴) مؤخر الذکر دونوں شبہات اور اسی قسم کے دیگر اعتراضات سے فرقہ کرامیہ وغیرہ کے اُن ضعیف معتقدات کی بیخ و بُن اُکھڑ جاتی ہے، جو قائل ہیں کہ اس قسم کے الفاظ کا اطلاق باری تعالیٰ پر حقیقی ہے۔ اس فرقہ کے اعتقاد کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو از روئے آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی اللہ کے لئے جسم، خواصِ جسم، حلول فی العالم اور بہت سے دیگر مادی احوال تسلیم کرنے پڑیں گے۔

بات در حقیقت یہ ہے کہ آیت کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں۔ صاف معنی یہ ہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر تمام کائنات کی تدبیر و تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ یعنی تختِ عزت و جلال پر متمکن ہوا۔ (امام رازی)

ابوعبیدہ نے استواء کے معنی ارتفاع و علو کے بیان کئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تخلیقِ عالم کے بعد اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کی ملکیت و حکومت اپنے قبضہ میں رکھی۔

نیز استواء کے معنی استیلاء کے بھی آتے ہیں۔ جبکہ استواء کے بعد لفظ علیٰ استعمال کیا گیا ہو (جس طرح یہاں استعمال کیا گیا ہے) گویا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستولی اور غالب ہوگیا۔ اس کے علاوہ دیگر مجازی معانی بھی بیان کئے گئے ہیں جن کو ہم بخوفِ طوالت ترک کرتے ہیں۔

یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝

اوپر اس سے بیان کیا تھا کہ تخلیقِ عالم کے بعد اللہ تعالیٰ کائنات کے انتظام و تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ اب اسی کی وضاحت فرماتا ہے کہ وہ رات کو دن سے

بدلتا ہے۔ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات دوڑتی چلی آتی ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ ہر ایک ایک خاص حرکت پر مامور ہے جس سے وہ سرتابی نہیں کرسکتا۔ اسی میں تمام عالم کا انتظام سربستہ ہے۔ ہر چیز ہر حالت میں اللہ کی قدرت و ارادہ کے تابع ہے۔ خود کچھ تاثیر پیدا کرسکتی ہے نہ قبول کرسکتی ہے۔

رہا خدا کا خالق و آمر ہونا جس کو آیات کے آخری فقرہ میں بیان کیا ہے تو اس کی تحقیق و توضیح یہ ہے کہ عالم وجود کی دو قسمیں ہیں ایک جسمانیات و مرئیات خواہ علویات ہوں یا سفلیات، افلاک و کواکب ہوں یا عناصر یا عناصر کے مرکبات۔ بہر حال یہ سب عالم خلق کہلاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو جسمانی و مرئی نہیں بلکہ روحانی ہے جیسے ملائکہ ارواح نفوس اور ان سب کا انتظام و تصرف۔ اس کو عالم تصرف کہتے ہیں۔

چونکہ اس سے اوپر شب و روز اور چاند سورج وغیرہ کا پیدا کرنا بیان کیا تھا لیکن چند لفظوں میں کل کائنات کا تفصیلی حصر کرنا غیر ممکن تھا اس لئے فرما دیا کہ اللہ ہی عالم خلق و عالم امر کا مالک و متصرف ہے۔ اسی کے قبضہ میں کل اختیارات و انتظامات ہیں۔

مقصود بیان

انسانوں کو تدریجی کام کرنے کی ترغیب۔ صاحب بیضاوی نے اس آیت کی حقیقی فقاہت ان لفظوں میں بیان کی ہے کافروں نے جو اپنی جہالت سے عالم کی مختلف چیزوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اُن کی تردید کردی اور ظاہر کردیا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اُس کے سوا کوئی معبود ہے۔ وہی خالق و آمر ہے۔ اُسی نے آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمانوں کی پُر قدرت چیزیں اُسی کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اجسام سفلی کو بھی رنگ برنگ اُسی نے بنایا۔ پھر ان اجرام و اجسام کی جملہ تدابیر اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کسی کو ذرہ برابر اُس کے حکم سے تجاوز کرنے کا اختیار نہیں۔ اس خلق و امر میں وہی قادر و مختار ہے۔ نہ مجبور ہے نہ مضطر۔ تبارک اللہ رب العالمین۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۚ وَلَا

(لوگو) اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا زمین

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ

میں امن و عافیت کے بعد تباہی نہ پھیلاؤ اور بیم و اُمید کے ساتھ اللہ سے دعا کرو بلاشبہ

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

نیکی کرنے والوں سے اللہ کی مہربانی قریب ہے

تفسیر

اوپر کی آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ عالم امر و عالم خلق کا مالک اور متصرف ہے۔ تمام اجرام سماویہ و اجسام ارضیہ اسی نے بنائے۔ وہ پاک پروردگار رب العالمین ہے۔ اس بیان کے بعد بتانا چاہتا ہے کہ جب وہ رب العالمین اور خلاق مطلق ہے تو کل کائنات اُس کے سامنے ہیچ اور ذلیل ہے اور وہی سب کا کارساز ہے۔ لہٰذا

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ اُسی کے سامنے گڑگڑا کر نہایت عاجزی اور لجاجت کے ساتھ پوشیدہ طور پر بغیر ریا اور دکھاوٹ کے دست سوال دراز کرو۔ اُس سے دُعا کرو۔ لیکن حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ کیونکہ اعتدال سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔ دعا میں تضرع کرو، دعا خفیہ کرو، دعا میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

تفسیر سراج میں ہے کہ آیت میں دعا سے مراد سوال ہے اور یہ عبادت کی ایک قسم ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں تضرع و استکانت کا حکم دیا

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا پکارنا مکروہ تحریمی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سِر سے مراد خفیہ دل میں دعا کرنا ہے۔ صحیحین میں بروایت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ تم کسی گراں گوش اور غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ پاک پروردگار کو پکارتے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ خفیہ دعا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر یقین کر کے اپنے دل میں چپکے چپکے بغیر جہر کے دلی خشوع کے ساتھ دعا کرو۔

حسن بصری فرماتے تھے پہلے زمانہ میں بعض لوگ پورے قرآن کے حافظ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس بات کا پتہ بھی نہ ہوتا تھا بعض لوگ بڑے فقیہ ہوتے تھے اور لوگوں کو اس کا علم بھی نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ اپنے گھروں میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے اور ان کے گھر رہنے والے مہمانوں کو اس کا شعور بھی نہ ہوتا۔ لیکن اب ایسے لوگ ہیں کہ روئے زمین پر کوئی کام چھپا کر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ پوشیدہ وعلانیہ دعا میں ستر گنا فرق ہے۔ پہلے مسلمان لوگ نہایت زاری سے دعا کرتے تھے مگر ان کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ

اب رہی تیسری شق یعنی دعا میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا تو اس کے معنی صاحب بیضاوی نے اس طرح بیان کئے ہیں کہ دعا کرنے والے کے مرتبہ کے جو چیز لائق نہیں اس کو نہ مانگے۔ مثلاً نبی ہو جانا، آسمان پر چڑھ جانا وغیرہ۔ شیخ ابو مجاز نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ آیت میں مراد یہ ہے کہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ دعا مانگی کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور اس کی نعمتیں اور استبرق مانگتا ہوں اور تجھ سے دوزخ اور اس کے طوق اور زنجیروں سے پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت سعدؓ نے یہ دعا سن کر فرمایا۔ بیٹے تونے اللہ سے بہت بھلائی مانگی اور بہت برائی سے پناہ چاہی۔ مگر میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ عنقریب ایسی قوم ہوگی جو دعا کرنے میں حد سے تجاوز کرے گی۔ تجھے فقط اس قدر کہنا کافی ہے کہ پروردگار! میں تجھ سے جنت اور ہر اُس قول وعمل کو چاہتا ہوں جو جنت سے قریب کردے اور تجھ سے دوزخ اور ہر اُس قول وعمل سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ سے قریب کردے (رواہ احمد وابوداؤد) عبداللہ بن مغفل کے بیٹے کا بھی اسی قسم کا واقعہ احمد وابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ دوسری آیت میں دو حکم دیتا ہے۔ اول یہ کہ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا زمین میں فساد نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اللہ سے بیم ورجا کی حالت میں دعا کرو۔

پہلی شق کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج دیئے، احکام وقوانین نازل کر دیئے، زمین کی اصلاح ہوگئی تو اب اپنے شرک اور گناہوں سے تباہی نہ پھیلاؤ۔

دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور رحمت کی امید رکھو۔ بعض نے خوف مرہوب اور طمع مرغوب اس سے مراد لی ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ خوف عدل وطمع فضل مقصود ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمی پر زندگی بھر خوف غالب رہنا چاہیئے۔ پھر جب موت کا وقت آجائے تو امید غالب ہونا چاہیئے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کو ایسی حالت میں رہنا چاہیئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے اچھی امید ہو۔

اس کے بعد آیت کے آخری ٹکڑے میں فرمایا:۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فقط دعا کرنا یا عذاب الٰہی سے ڈرنا یا جنت کی طمع رکھنا بغیر عمل کے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے بلکہ دعا اور بیم ورجا کے ساتھ نیکوکاری بھی ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت اگرچہ کل عالم کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے لیکن اس کا قرب نیک بندوں سے ہے ہو سکتا ہے کہ بدوں کو بھی خدا بخش دے مگر نیکوں کو رحمتِ الٰہی ضرور ڈھانک لے گی۔

مقصودِ بیان دعا کرنے کا وجوبی حکم۔ دعا میں زاری عاجزی وخشوع کرنے کا امر اور پوشیدہ دعا کرنے کی صراحت۔ دکھلاوٹ اور ریا کاری کی

عبادت و دعا میں مماثلت کی طرف ضمنی اشارہ - اپنے مرتبہ سے زائد اور استعداد سے بڑھکر چیز مانگنے کی ممانعت - لمبی چوڑی تفصیل دعا کرنے سے باز داشت - زمین پر تباہی پھیلانے اور ترک دعاصی کرنے پر تنبیہ - اپنی عبادت پر فریفتہ ہوکر جنت حاصل ہوجانے کا یقین کرنے یا رحمت الٰہی سے مایوس ہوجانے کی ممانعت کی طرف ایماء - دعا میں بیم و رجاء رکھنے کا حکم - صرف دعا یا تخیل یا اعتقاد پر اکتفا نہ کرنے کی صراحت - نیکوکاری کی ترغیب - اس امر کی صراحت کہ نیک لوگوں اور متقیوں کو رحمت الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے - وغیرہ -

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ

وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری دینے کے لئے ہوائیں کو بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ

بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو کسی مردہ شہر کی طرف ہم اُن کو ہانک دیتے ہیں اور اس سے پانی برساتے ہیں پھر ہر طرح کے پھل اُس سے

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے شاید تم سمجھ کو

تفسیر گزشتہ آیات میں تفصیل وار بیان کیا تھا کہ خدا قادر مطلق موجد، خالق اور مدبر و حاکم ہے - کل کائنات اُس کے حکم کے تابع ہے لہٰذا خلق کو اسی کی طرف رجوع کرنا اور اسی سے دعا مانگنا چاہیئے - اُسی سے خوف اور اُسی سے طمع رکھنی چاہیئے - لیکن اجابت دعا کا وسیلہ نیکوکاری کو قرار دینا چاہیئے کیونکہ رحمت خدا نیکوکاروں کے دوش بدوش ہوتی ہے - اب یہاں سے اپنی قدرت، حکمت، تخلیق اور تدبیر کی ایک واضح مثال دیتا ہے اور مثال دے کر حشر اجساد کو ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کی دعائیں اور بیم و رجا کے حالات صرف دنیوی خواہشات میں محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ امور اُخروی ہر وقت اُن کے پیش نظر رہے -

ارشاد ہوتا ہے :- وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ حاصل یہ ہے کہ خداتعالیٰ عناصر عالم میں انقلاب کرتا رہتا ہے - ایک عنصر کو بگاڑتا دوسرے کو بناتا ہے اور اس کون و فساد سے غرض کوئی مصلحت عباد ہوتی ہے - مثلاً اگر کوئی ملک یا بستی یا زمین خشک بے آب و گیاہ ہو، سبزہ کی نمود نہ ہو، زمین کی زندگی فنا ہوچکی ہو، شادابی و رونق جو زمین کی زندگی کے علامات و آثار ہیں معدوم ہوچکے ہوں تو خداتعالیٰ بارش ہونے سے قبل اُس سمت کو سرد ہوائیں بھیجتا ہے، جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں بارش ہونے والی ہے - یہ ہوائیں بخارات کو اُٹھا کر لاتی ہیں جو گہرے بادلوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے - پھر اس ابر کو خشک مُردہ زمین کی طرف بھیجتا ہے اور وہاں پہنچا کر بارش کی شکل میں اُس کو برساتا ہے جس کی وجہ سے ہر قسم کے پھل پھول غلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین از سر نو زندہ ہوجاتی ہے - گویا ہوا کو ابر کی صورت میں ظاہر کرنا پھر ابر کو پانی کی شکل میں برسانا اور پھر اس سے زمین کو زندہ کرنا اور حاصلات ارضی کو پیدا کرنا یہ سب کرشمۂ صنعت اور مظاہرۂ قدرت ہے - تو جو خداتعالیٰ محسوسات میں روزانہ اس قسم کے تصرفات و انقلابات کرتا رہتا ہے یقیناً مُردوں کو بھی زندہ کردے گا -

نکات خداتعالیٰ نے انسان کے حشر جسمانی کے لئے جو تمثیل دی اُس میں تین امور کی طرف اشارہ کیا - انقلاب عناصر، حیات جدید، انقلاب کی خاص مصلحت - یہی تینوں امور انسان کے حشر کے اندر بھی پائے جاتے ہیں - جزا و سزا اور حیات ابدی خواہ راحت کی ہو یا تکلیف کی، بہر حال حیات جدیدہ کا مقصود ہے - ترکیب جدید انحلال اجزا کے بعد ہونا ظاہری ہے - رہا انقلاب عناصر

تو یہ بھی ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی خاک اُڑ کر ہوا میں مل جائے یا سمندر میں اس کے ذرات مل جائیں یا کوئی جانور اس کو کھا جائے اور انسانی گوشت پوست کسی دوسرے بدن کا جزو بن جائے بہر طور تجدید حیات ہوگی خواہ کیسے ہی انقلابات آجائیں اور کتنے ہی تغیرات و تبدلات طاری ہوجائیں۔

مقصودِ بیان حشر اجساد کو مدلل ثابت کرنا۔ انقلابات عالم اور تغیر کائنات کو انسان کے لئے آئینہ عبرت اور درس موعظت قرار دینا۔ اس بات کی صراحت کہ حوادث و واقعات عالم میں غور کرنا چاہیے اور محسوس سے مغیب پر استدلال کرنا چاہیے۔

اس بات پر نص کہ زندگی نام ہے درحقیقت شادابی، رونق اور ترقی کا۔ جس چیز میں حسن باطنی نہیں وہ مُردہ ہے بے جان ہے۔

آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سلسلۂ کائنات وجود اسباب سے مربوط ہے۔ ہر چیز کا ایک خاص سبب ہے اور ہر چیز کے وجود کی ایک خاص مصلحت ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

اور پاکیزہ بستی کی سرسبزی اُس کے پروردگار کے حکم سے ہوتی ہے اور جو بُرا شہر ہے اُس کی پیداوار ناقص ہی

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

ہوتی ہے یونہی ہم طرح طرح سے شکر گزار لوگوں کے لئے قدرت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں

ع ۱۴

تفسیر مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ آدم کی تمثیل اس آیت میں بیان کی ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ تیز فہم اور کم فہم کی مثال ہے۔ علی بن طلحہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کی حالت کی یہ مثال دی ہے۔ سراج و معالم میں ابن عباسؓ کی روایت پر اجماع مفسرین قرار دیا ہے۔ بہر حال مطلب تینوں کا ایک ہی ہے۔

حاصلِ تمثیل یہ ہے کہ آسمان سے پانی برستا ہے۔ پانی کی خاصیت، کیفیت، نوعیت، طہارت، صفائی وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن فرق صرف قابل کا ہوتا ہے۔ جو زمین عمدہ، نرم، پاکیزہ اور سنگریزہ ہے اس پر جب پانی برستا ہے تو شاداب سبزہ، پھول پھل، اور بہترین ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو زمین شور ریتلی اور پتھریلی ہے اس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کچھ پیدا بھی ہوا تو بیکار، ناقص، بے سود، ناقابلِ انتفاع۔ یہی حالت کافر و مسلم کی ہے۔ دلائلِ قدرت سب کے لئے یکساں ہیں۔ تبلیغ رسل سب کے لئے برابر ہے۔ احکام شرع سب کے لئے مساوی ہیں۔ قرآن کے آیات و مواعظ سے فائدہ حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ لیکن فرق ہے تو صرف طہارتِ باطن اور خبث اندرونی کا۔ پاکیزہ قلوب رکھنے والے نورِ ایمان کے حامل فیضانِ الٰہی اور بارشِ رحمت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایمان و طاعت، عبادت و قربانی پذیرہ خوش خلقی اور نیک سیرت کے حامل بن جاتے ہیں۔ لیکن خبیث روح رکھنے والے تیرہ باطن، سنگدل، کج دماغ، کافر قرآنی موعظت اور شرعی فیضان سے محروم رہتے ہیں۔ نہ ان کو ایمان کی طرف رغبت ہوتی ہے، نہ اطاعت و عبادت سے مسرت، نہ ان کے اعمال و افعال درست ہوتے ہیں نہ اخلاق و اطوار۔ ع

زمینِ شور سنبل بر نیارد

اگر بزار مشقت سے کافر دنیا میں کوئی نیک کام کرتا ہے کچھ صدقہ و خیرات دیتا بھی ہے تو بغرض شہرت اور غیر مفید نام و نمود کے لئے کرتا ہے نتیجہ بہر حال ناقص رہتا ہے۔

مقصودِ بیان فیضانِ الٰہی اور موعظتِ قرآن کے عموم کی صراحت، اختلافِ قابل کی نص۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ خدا تعالیٰ اپنا فیضان کسی سے نہیں روکتا۔ رہا فیضیاب ہونا یا نہ ہونا تو یہ انسان کے پاکیزہ دماغ یا زنگ آلودہ دل پر موقوف ہے۔ اسی

کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ جو علم و ہدایت دے کر خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے سبزہ اگانے والا پانی اپنے وقت پر کسی زمین پر برستا ہے۔ زمین کا جو ٹکڑا پاکیزہ ہوتا ہے وہ پانی کو قبول کر لیتا ہے اور اس میں تروتازہ گھاس اور نباتات کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں جو ٹکڑا نشیبی ہوتا ہے اس میں پانی جمع رہتا ہے جس سے آدمی فائدہ اٹھاتے ہیں پیتے ہیں پلاتے ہیں، سینچتے ہیں، زراعت کرتے ہیں لیکن جو ٹکڑا چٹیل میدان، کنکریلا پتھریلا ہوتا ہے اس میں نہ پانی جمع ہوتا ہے اور نہ سبزہ اگتا ہے۔ پس یہی مثال ہے دو طرح کے لوگوں کی۔ ایک وہ ہے جس نے دین میں فقاہت حاصل کی اور میرے لائے ہوئے قوانین سے نفع اٹھایا خود سیکھا دوسروں کو سکھایا۔ دوسرا وہ ہے جس نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ نہ نفع اٹھایا اور نہ میری لائی ہوئی ہدایت کو قبول کیا (بخاری و مسلم مع تقدیم بعض الفاظ و تاخیر بعض)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ہم نے نوح کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا نوح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ

نہیں ہے مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا تمہارے متعلق اندیشہ ہے نوحؑ کی قوم کے سرداروں

قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ

نے کہا ہم یقیناً تم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہے ہیں نوحؑ نے کہا اے میری قوم میں بالکل نہیں بہکا ہوں

وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ

بلکہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیرخواہی

لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا کہ تم ہی میں سے ایک شخص

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞

کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے تم کو نصیحت پہنچی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم پرہیزگار ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیر

اوپر کی آیات میں اشارہ کیا گیا تھا کہ اصل پاکیزہ ہو تو فرع میں نمو ہوتا ہے۔ شاخیں خوب سرسبز ہوتی ہیں۔ اگر دل میں نیکی کی صلاحیت ہو تو ظاہر و باطن سب صالح ہو جاتا ہے اور جب دل کی حالت خراب ہو تو تمام اعضاء بدکار، فاسق ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کا دل چونکہ پاک ہوتا ہے، روح پاک ہوتی ہے، زبان پاک ہوتی ہے، تمام اعضاء جوارح پاک ہوتے ہیں اس کی روح بھی پاک ہوتی تعلیم و اصلاح اس کو مفید ہوتی ہے اور کافر کا دل چونکہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کی روح خبیث، زبان خبیث اور اعضاء جوارح خبیث ہوتے ہیں۔ ہر چند تعلیم و اصلاح و پند کی جائے کچھ مفید نہیں ہوتا اور بیہودہ وہم و بے بنیاد شک میں پڑا رہتا ہے۔ نیک راہ نیک بات نیک تعلیم اور نیک نصیحت سب

کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ جو لوگ بد باطن اور خبیث الارواح تھے اور جن کے دل گندے تھے ان کو نصائح و عبر دلائل و براہین اور کسی قسم کی خیر خواہی نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ آب رحمت سے بجائے فائدہ کے ان کو نقصان ہوا۔ مزید گندگی پھیلی قوم نوحؑ قوم ہود اور قوم صالحؑ وغیرہ کے تذکرے دیکھ لو کہ ان کو کوئی پند و موعظت کارگر نہ ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ یعنی جب نوحؑ کی قوم سرکش و طاغی ہو گئی اور اس کی سرتابی حد سے گزر گئی تو خدا تعالیٰ نے نوحؑ کو اُس کی ہدایت و اصلاح کے لئے بھیجا حسب الحکم حضرت نوحؑ نے ان کو نصیحت کی۔ توحید، الوہیت اور ربوبیت کی طرف مائل کیا اور قیامت کے عذاب سے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ مگر سرکش قوم کے سرکش سردار بولے نوح تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیوں راہ راست سے بھٹکتے ہو۔ ہمارے نزدیک تو تم بالکل کھلے طور پر گمراہ ہو اور اپنی گمراہی میں ہم کو بھی آلودہ کرنا چاہتے ہو۔ کیسی قیامت اور کیسا عذاب۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حضرت نوحؑ نے فرمایا لوگو! چونکہ تم میری قوم والے ہو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں کسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں۔ نہ ظاہری طور پر گمراہ ہوں نہ باطنی گمراہی کا کوئی شائبہ ہے بلکہ تم لوگوں پر یہ خدا کی رحمت ہے کہ اُس نے اپنا پیام ہدایت اور احکام صلاح پہنچانے کے لئے مجھے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اللہ رب العلمین ہے ظاہری ایجاد و تربیت بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور باطنی اصلاح و ترقی کا بھی وہی مالک ہے۔ تمہاری اصلاح مقصود ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ میں تم کو اس کے احکام پہنچائے دیتا ہوں اور نہ فقط تبلیغ احکام کرتا ہوں بلکہ تمہارا خیر خواہ بھی ہوں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے ان احکام کو مان لو کیونکہ جو باتیں مجھے معلوم ہیں تم اُن سے ناواقف ہو۔ احکام الٰہی کو ماننا موجب نجات اور اُن سے سرتابی موجب ہلاکت ہے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ احکام میرے پاس کس طرح آئے اور ان کو نہ ماننے سے کیا نتیجہ بد ظاہر ہوگا۔ غرض یہ کہ حضرت نوحؑ نے اُن کے شکوک کا ازالہ کیا۔ انتہائی شفقت و مہربانی سے کفار کو اپنی حقانیت و صداقت سمجھائی۔ خدا کا رحیم ہونا اپنا خیر خواہ ہونا اور قوم کا ناواقف ہونا بیان کیا مگر قوم ملعون نہ ماننے والی تھی نہ مانی تو بالآخر حضرت نوحؑ نے اُن کو پھر سمجھایا اور فرمایا:۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لوگو! کیا تم کو اس بات کا کچھ تعجب ہے کہ اللہ کی طرف سے پیام موعظت تم ہی لوگوں میں سے ایک شخص پر نازل ہوا کسی غیر نوع غیر جنس یا غیر قوم کے کسی فرد پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اس کا تعجب تم کو ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ تمہاری ہی قوم کے ایک فرد کے پاس پیام رحمت آنے کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنی یگانگت کی وجہ سے تم کو نصیحت کرے اور بصورت سرکشی عذاب الٰہی سے ڈرائے اور تم شرک و معاصی سے بچ جاؤ اور تم پر رحمت الٰہی ہو اور نجات ابدی نصیب ہو جائے۔ یہ کام کسی غیر پیامبر کے ہونے سے اتنی سہولت سے نہ ہو سکتا تھا جتنا اپنے ہم قوم پیامبر کے ہونے سے۔ یہ مقام تعجب نہیں، بلکہ موقع شکر ہے۔

تحقیق کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول اہل ارض کے لئے حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ سے پہلے بھی پیغمبر خدا آ چکے تھے۔ مثلاً ادریسؑ شیثؑ وغیرہ۔ کیونکہ بروایت محمد ابن اسحاق، حضرت نوحؑ، حضرت آدمؑ کی نویں نسل میں تھے۔ نوح بن الملک بن متلو شلخ بن اخنوخ بن مہلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدمؑ۔ بعض لوگ دسویں پشت میں قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یہ ظاہر ہے کہ گمراہی حضرت نوحؑ سے پہلے بہت کچھ پھیل چکی تھی جس کی ابتدائی شکل عبد اللہ ابن عباسؓ اور دیگر علمائے تفسیر نے یہ بیان کی ہے کہ جو نیک متقی علماء و صلحاء و اولیاء مر جاتے تھے۔ عام لوگ ان کی قبروں کے پاس مسجدیں بنا لیتے تھے اور مسجدوں کی دیواروں پر ان کی تصویریں کھود لیتے تھے تاکہ تصویروں کو دیکھ کر اُن کے حالات اور عبادات کو سوچ سکیں اور انہی کی طرح نیکیاں کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس

خیال میں بھی ترمیم ہوتی گئی یہاں تک کہ تصویروں کی بجائے مورتیاں بنا کر نصب کرنی شروع کر دی گئیں اور ان مورتیوں کی تعظیم تکریم ہونے لگی اور بالآخر اُن کو پوجنے لگے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ قوم نوحؑ غالباً آرمینیا اور ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔

تنبیہ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوحؑ کو نبوت ملی تھی۔ بعض کے نزدیک پچاس سال کی عمر میں۔ اول روایت زیادہ قوی ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

بالآخر اُن لوگوں نے نوحؑ کی تکذیب کی تو ہم نے نوحؑ کو اور اُن کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا۔ اور جنہوں نے ہمارے احکام کو نہ مانا تھا ان کو

بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

ڈبو دیا واقعی وہ اندھی قوم تھی

تفسیر حاصل یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کا سمجھانا بے سود گیا۔ جو لوگ کور باطن اور خبیث القلب تھے انہوں نے حضرت نوحؑ کو سچا نہ جانا۔ ان کی نصیحت نہ مانی۔ خدا کی رحمت کو ٹھکرا دیا اور عذابِ الٰہی سے بے خوف ہو گئے۔ چونکہ وہ کور باطن تھے چشمِ دل اُن کی اندھی تھی اس لئے عذابِ الٰہی نے سب کو تباہ کر دیا لیکن جو لوگ بینا دل رکھتے تھے اور پاک روح کے مالک تھے اللہ نے اُن کو بچا لیا۔

مقصودِ بیان اس بات کی طرف محکم اشارہ کہ جن کا دل قبولِ حق کی صلاحیت رکھتا ہے وہی آپ رحمت سے اپنی شرح اور زبان اور اعضاء کو پاک کرتے ہیں اور جو جبر باطن ہیں اُن کو کسی جلیل القدر نبی کی نصیحت اور ترغیب و ترہیب بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

(۲) اس بات کی صراحت کہ حضرت نوحؑ نے سب سے پہلے پرستش غیر اللہ کو حرام قرار دیا۔ اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ تمام گناہوں میں شرک ذات و صفات سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۳) اللہ رب العالمین ہے۔ تربیتِ جسمانی و اصلاحِ روحانی دونوں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔

(۴) نبی کو علم اتنا ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے دیگر لوگوں کو نہیں ہوتا لیکن یہ علم صلاح و فسادِ عباد کے متعلق ہوتا ہے جس کا تعلق وحیٔ الٰہی سے ہوتا ہے۔ کسی علوم میں نبی کی برتری ضروری نہیں۔

(۵) آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلا انسان کو جو بات قبولِ حق سے روکتی ہے وہ اپنے مساوی درجہ رکھنے والے کی غیر معمولی فوقیت کا ظہور ہے۔ انسان جس کو اپنا ہم رتبہ یا اپنے سے حقیر سمجھتا ہے اس کی برتری کا قائل مشکل سے ہوتا ہے۔

(۶) خدا تعالیٰ دنیا میں بھی اہلِ ایمان کا مددگار ہوتا ہے اور جب گنہگار بندہ کی سرکشی حد سے گزر جاتی ہے تو دنیا میں بھی اُس پر عذاب آ جاتا ہے۔

(۷) اس قصہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی ایک مستحکم دلیل ہے کہ آپ نے بغیر پڑھے لکھے سیکھے سکھائے ایسے صحیح حالات بیان فرمائے جن کو دنیا کے کل اہلِ تاریخ بھی آج تک صحیح مانتے ہیں۔

(۸) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو ایذائے کفار پر تسکین و صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے اور کفار کو انذار و ترہیب کی گئی ہے۔ وغیرہ

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ

اور عاد کے پاس اُن کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا ہود نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي

کیا تم ڈرتے نہیں ہود کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم یقیناً تم کو بیوقوفی میں

سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ

میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں اور بلاشبہ تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں ہود نے کہا اے قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں ہے

وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ

بلکہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا

نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ

امانتدار خیرخواہ ہوں کیا تم نے اس بات سے تعجب کیا کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کی معرفت تمہارے رب کی طرف سے

مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ

نصیحت آگئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے یاد کرو جب اللہ نے نوح کی قوم کے بعد تم کو جانشین بنایا

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اور بدن کا پھیلاؤ تم کو زیادہ دیا پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ

قوم والوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں اور جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے اُن کو چھوڑ دیں

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم

تو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب کا) تم وعدہ کرتے ہو وہ ہم پر لے آؤ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف سے

مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ

عذاب و غضب واقع ہو گیا کیا تم (فرضی معبودوں کے) ان ناموں میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو جو تم نے

وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ

اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کی کوئی سند اللہ نے نہیں اتاری پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا

منتظر ہوں چنانچہ ہم نے ہود کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ان لوگوں کی

دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۵

جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور بے ایمان تھے

تفسیر قوم نوحؑ کے بعد قوم ہود یعنی عاد کا قصہ بیان فرماتا ہے۔ چونکہ قوم نوح کسی مشہور نام سے تاریخ میں مذکور نہیں۔ اس لئے اُس کا کوئی خاص نام ذکر نہیں کیا اور قوم ہود کا نام عاد مشہور ہے اس لئے نام لے کر ذکر کرنا مناسب تھا۔ یہ لوگ طوفانِ نوح کے بعد عرب کے جنوبی حصہ میں جو اب یمن کہلاتا ہے آباد تھے۔ عاد کے نام سے دو قومیں موسوم ہیں:۔ عادِ اول اور عادِ ثانی۔ عادِ ثانی عادِ اول کی بقیہ نسل کا نام ہے۔ دونوں کے درمیان سو سال کا فرق ہے۔ جس طرح عادِ اول اور قوم نوح کے درمیان آٹھ سو سال کا فصل ہے۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ قومِ عاد سام بن نوح کی اولاد میں سے تھی لیکن اس کے بعد اختلاف ہے کہ سام سے تحت ان کا نسب کیا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ قومِ عاد، عاد ابن عوص بن ارم بن شالخ بن ارفخشد بن سام کی اولاد تھی۔ مفسر سراج وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ عاد بن عوص بن ارم بن سام کی نسل تھی۔ تفسیر حافظ میں بر قول ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ عاد بن ارم بن عوص بن سام کی نسل تھی۔

رہے عادِ ثانی تو یہ عملیق بن آدم بن سام بن نوحؑ کی اولاد میں سے تھے اور مکہ میں سکونت رکھتے تھے۔ انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا اور معاویہ کی ماں قوم عاد میں سے تھی۔ اسی لئے اُس کی نسل کو عادِ ثانی کہتے ہیں۔ غرض عادِ اول کا مسکن یمن میں بمقام احقاف تھا۔ احقاف ایک ریگستان کا نام ہے جس کو رمل عالج بھی کہتے ہیں۔ ان کی تعداد چیونٹیوں کی طرح بے انتہا تھی عمان سے لے کر حضرموت تک پھیلے ہوئے تھے۔

محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ عاد کی سکونت اصلی اگرچہ عمان سے لے کر حضرموت تک تھی مگر ان ممالک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اور شدت و توانائی سے تمام قوموں کو زیر کر دیا تھا۔ حضرت ہود بھی عاد ہی کی نسل میں سے تھے اور ہم قوم ہونے کے لحاظ سے ان کے برادر تھے۔ آپ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد کے بیٹے تھے۔ قوم میں وجیہ اور معزز تھے۔ قوم عاد کے آدمیوں کی قوت اور درازی قامت اس زمانہ کی اقوام میں بے نظیر تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ عاد کی آدمی پتھر کے کواڑ اکیلا اٹھا لیتا تھا اگر اس وقت کے پانچ سو آدمی لگیں تو نہ اٹھا سکیں۔

مفسر بلال محلی کا قول ہے کہ قوم عاد کا سب سے زیادہ لمبا آدمی چار سو ہاتھ تک تھا۔ ابو حمزہ ثانی نے ستر ہاتھ کا بیان کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں اسّی ہاتھ کا ذکر ہے۔ مقاتل اور قتادہ کے نزدیک سب سے لمبا قد بارہ ہاتھ کا تھا۔ قول آخر زیادہ قرین عقل ہے۔ لیکن قرآن میں کہیں ناپ کا ذکر نہیں صرف کھجور کے تنوں سے اُن کی لاشوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہرحال اتنا متیقن ہے کہ ان کے قد بہت لمبے اور قوت و شہ زوری بے مثل تھی۔ جب اُن کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط خدا تعالیٰ نے حضرت ہود کو اُن کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط حضرت ہود نے سب سے پہلے اُن کو توحید الٰہی کی نصیحت کی اور شرک سے منع کیا۔ اور فرمایا لوگو! تم میرے ہم قوم ہو مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے شرک چھوڑ دو غیر اللہ سے منہ موڑ لو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ کیا تم کو شرک و معاصی کی پاداش کا خوف نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ قوم والے بولے تم تو بے وقوف ہو۔ حماقت و بے عقلی تمہارے دماغ میں جم گئی ہے۔ ہمارے خیال میں تم قطعاً جھوٹے ہو۔ رسالت کا دعویٰ کرنے ہو اور حماقت کی طرف ہم کو بلاتا

چاہتے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

حضرت ہود نے اُن کو اپنی خیر خواہی نبوت اور صداقت کا انتہائی زور کے ساتھ یقین دلانا چاہا اور فرمایا بھائیو! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ تمہارے رب کی طرف سے اس کے احکام پہنچانے والا ہوں اور تمہارا خیر خواہ اور خدا کی طرف سے امین بھی ہوں۔ اللہ کے احسانات تم کو یاد دلاتے کر:۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

دیکھو خدا نے قوم نوح کے بعد تم کو روئے زمین پر بادشاہ و حکمراں کیا۔ جسمانی طاقت و توانائی اور بدن کے طول و عرض میں تم کو سب پر فوقیت عطا کی لہٰذا تم کو اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کر کے اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس سے تم کو ہی فائدہ پہنچے گا۔ دنیوی و اُخروی فلاح حاصل ہوگی۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

متکبر و مغرور کافر نہ ماننے والے تھے نہ مانے۔ بولے کیا تمہارے کہنے سے ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اگر تم سچے ہو کر توحید کو نہ ماننے سے عذاب نازل ہوگا تو عذاب ہم کو دے آؤ۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ حضرت ہود نے فرمایا اچھا تو عذاب آگیا۔ مجھے اس کا علم ہوگیا ہے تم عجب بے وقوف لوگ ہو۔ اختراعی نام بتوں کے قائم کر کے اللہ کے ساتھ ان کو شریک کرتے ہو اور اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کے معبود ہونے کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔

(قوم عاد نے بتوں کے چند نام مقرر کر رکھے تھے۔ کسی کا نام صدی یا صمدا تھا کسی کا صیمود۔ کسی کا ہبا اور کسی کا ہرد)

لیکن جب تم باز نہیں آتے تو عذاب کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں۔ غرض عذاب الٰہی آیا اور رحمت الٰہی نے ہود کو اور اُن کے ساتھی مسلمانوں کو بچا لیا اور ایمان نہ لانے والوں کی جڑ کٹ گئی۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں جب قوم عاد نے کسی طرح نہ مانا تو تین سال سخت قحط پڑا۔ بارش کے نام ابر کا ٹکڑا بھی دکھائی نہ دیا۔ مگر ایمان تب بھی نہ لائے۔ عرب کا دستور تھا کہ جب اُن پر کوئی سخت مصیبت پڑتی تو کچھ لوگوں کو دعا کرنے کے لئے مکہ بھیجتے۔ چنانچہ قوم عاد نے مکہ کو بھیجنے کے لئے ایک وفد منتخب کیا جس میں چار آدمی تھے۔ قیل بن عنز۔ نعیم بن ہزال۔ عقیل بن مند۔ مرثد بن سعد۔

وفد کا سردار قیل تھا۔ یہ وفد مکہ پہنچ کر عمالقہ کے سردار معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرا۔ معاویہ نے خوب خاطر تواضع کی۔ گوشت کھلائے شرابیں پلوائیں۔ گانے والی عورتوں کو یہ اشعار یاد کرائے اور کہہ دیا کہ جب مجلس گرم ہو یہ اشعار خوش الحانی کے ساتھ گانا:۔

الا یا قیل انت قم، فہلل لعل اللہ یسقینا غماما

اے قیل اُٹھ کر عاجزی سے دُعا کر تاکہ ہم کو اللہ باران رحمت سے سیراب کرے

فیسقی ارض عاد ان عادا قد امسوا لا یبینون الکلاما

اور زمین عاد شاداب ہو جائے کیونکہ قوم عاد کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ زبان سے بات بھی نہیں نکلتی

من العطش الشدید فلیس نرجو بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما

بوجہ شدت پیاس کے۔ اس کی وجہ سے نہ بوڑھے کی امید نہ بچے کی

وقد کانت نساؤہم بخیر فقد امست نساؤہم غیاما

اُن کی عورتیں پہلے خوش حال تھیں۔ مگر اب اُن کی حالت خراب ہو گئی

وان الفواحش تأتیھم جھارًا ولا تخشی لعادی سھامًا

کھلم کھلا قوم والوں پر جنگل جا کر چڑھ آتے ہیں اور کسی عادی کے تیروں سے نہیں ڈرتے

وانتم ھھنا فیما اشتھیتم نھارکم ولیلکم التماما

اور تم یہاں تمام شب و روز اپنی خواہشات میں پڑے ہوئے ہو

فقبح وفدکم من وفد قوم ولا لقوا التحیۃ والسلاما

جس قوم کے تم وفد ہو اُس نے تم سے تحیت و عافیت پکڑ لی

گانے والی نے حسب الحکم یہ اشعار گائے۔ اس وقت لوگوں کو بہت احساس غفلت ہوا۔ مگر مرثد بن سعد چونکہ دربردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے کہنے لگا واللہ تم لوگوں کی دعا سے پانی نہ برسے جب تک تم اپنے نبی کا کہنا نہ مانو گے۔ لہٰذا تم توبہ کرو۔ لوگوں نے مرثد کو اپنے ساتھ سے علیحدہ کر دیا اور حرم کے اندر چلے گئے اور خود جا کر پانی کی دعا کی۔ اُس وقت تین ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ سرخ، سپید، سیاہ۔ آواز آئی ایک کو انتخاب کر لو۔ قیل نے سیاہ کو انتخاب کیا۔ سیاہ ٹکڑا قوم عاد کی بستیوں کی طرف چلا اور آواز آئی کوئی نہ بچے گا سب کو برباد کر دے گا سوائے بنو لوذیہ کے۔ بنو لوذیہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو مکہ میں رہتی تھی۔ اسی کو عاد ثانی کہا جاتا ہے۔

غرض ابر سیاہ جب وادی مغیث سے برآمد ہوا تو لوگوں نے للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا اور بولے۔ ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اس سے بارش ضرور ہوگی۔ حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے ایک خطیرہ کے اندر بیٹھ گئے اور ابر میں ایک آندھی اٹھی جو آٹھ دن سات راتیں برابر چلتی رہی اور قوم عاد تباہ ہو گئی۔ اونٹ مع سوار کے ہوا پر اڑتے اور زمین پر ٹپک کر گرتے تھے۔ جو لوگ مکانوں کے اندر گھس گئے اُن پر مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور مع دیوار اور دروں کے ہوا پر اڑنے لگے۔ غرض اس عظیم الشان طوفان سے کوئی کا فرزندہ نہ بچ سکا۔ صرف حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے بچ گئے۔ جب سب قوم تباہ ہو گئی تو اتفاق سے کسی شتر سوار نے جا کر وفد والوں کو اس کی اطلاع دی۔ اہل وفد یہ جانکاہ حادثہ سن کر بولے ہودؑ کہاں ہے؟ شتر سوار بولا ہود مع ساتھیوں کے زندہ و سالم سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں۔ قیل نے سن کر کہا اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا جب کہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی۔ مرثد نے اس وقت یہ شعر پڑھے:۔

عصت عاد رسولھم فامسوا عطاشا ما تبلھم السماء

وسیر وفدھم شھرا لیسقوا فاردفھم مع العطش العناء

بکفرھم بربھم جھارًا علی آثارھم عاد الغفار

اس کے بعد مرثد حضرت ہودؑ کے پاس چلا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ہود مکہ میں آ کر رہنے لگے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں وہیں وفات پائی اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضؓ نے ایک حضرمی شخص سے فرمایا تھا۔ تو نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جو درخت پیلو کے سامنے فلاں مقام پر ہے جس کے اندر سا در سرخی مائل ٹیلے موجود ہیں اور فلاں فلاں جانب بیریوں کے درخت ہیں۔ حضرمی نے عرض کیا جی ہاں امیر المومنین خدا کی قسم آپ تو ایسا ٹھیک ٹھیک اس کو چشمدید بیان فرما رہے ہیں جیسے کسی نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا میں نے دیکھا نہیں بلکہ اس کا قصہ مجھ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اُس کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا اس میں ہودؑ کی قبر ہے۔ (ابن جریر)

مقصود بیان توحید کی تعلیم دین الٰہی کا جزو اول ہے۔ مگر دو باطن اور تیرہ دروں اشخاص کو ہدایت ضلالت اور نور اندھیرا نظر آتا ہے۔ اپنی دانش و سمجھ کے مقابلہ میں وہ برحق ہادیوں کو احمق اور بے وقوف سمجھا کرتے ہیں۔ کوئی نبی احمق نہیں ہوتا اور نہ جھوٹا ہو سکتا ہے۔ بوقت ضرورت آدمی اپنے اچھے اوصاف کو ظاہر کر سکتا ہے۔ شرعاً یہ فعل ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اظہار محاسن بطور تفاخر و تکبر ممنوع ہے۔ قوم نوح کے بعد ملوک و سلاطین قوم عاد میں سے ہوئے۔ قوم عاد کی قوت جسمانی اور بدنوں کی وسعت غیر معمولی تھی۔ احمق اپنے قدیمی رواج اور

وان الوحش تاتیھم جھارًا ولا تخشی لعادی سھاما

کہ تم کمزور قوم والوں پر جنگلی جاکر حملہ کرتے ہیں اور کسی عادی کے تیروں سے نہیں ڈرتے

وانتم ھھنا فیما اشتھیتم نھارکم ولیلکم التماما

اور تم یہاں تمام شب و روز اپنی خواہشات میں پڑے ہوئے ہو

فقبح وفدکم من وفد قوم ولا لقوا التحیۃ والسلاما

جس قوم کے تم وفد ہو اُس نے تم سے تحیت و عافیت کچھ ۔

گانے والی نے حسب الحکم یہ اشعار گائے۔ اس وقت لوگوں کو بہت احساسِ غفلت ہوا۔ گر مرثد بن سعد چونکہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے کہنے لگا واللہ تم لوگوں کی دعا سے پانی نہ برسے جب تک تم اپنے نبی کا کہنا نہ مانو گے۔ لہٰذا تم توبہ کرو۔ لوگوں نے مرثد کو اپنے ساتھ سے علیحدہ کر دیا اور حرم کے اندر چلے گئے اور خود جاکر پانی کی دعا کی۔ اُس وقت تین ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ سرخ، سفید، سیاہ۔ آواز آئی ایک کو انتخاب کرو۔ قیل نے سیاہ کو انتخاب کیا۔ سیاہ ٹکڑا قوم عاد کی بستیوں کی طرف چلا اور آواز آئی کوئی نہ بچے گا سب کو برباد کر دے گا سوائے بنو لوذیہ کے۔ بنو لوذیہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو مکہ میں رہتی تھی۔ اسی کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔

غرض ابرِ سیاہ جب وادی مغیث سے برآمد ہوا تو لوگوں نے للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا اور بولے۔ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا اس سے بارش ضرور ہوگی۔ حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے ایک حظیرہ کے اندر بیٹھ گئے اور ابر میں ایک آندھی اٹھی جو آٹھ دن سات راتیں برابر چلتی رہی اور قوم عاد تباہ ہو گئی۔ اونٹ مع سوار کے ہوا پر اڑتے اور زمین پر ٹپک کر گرتے تھے۔ جو لوگ مکانوں کے اندر گھس گئے اُن پر مکانوں کی چھتیں گر گئیں اور مع دیوار اور دروں کے ہوا پر اُڑنے لگے۔ غرض اس عظیم الشان طوفان سے کوئی کا فرزندہ نہ بچ سکا۔ صرف حضرت ہودؑ مع جماعت مومنین کے بچ گئے۔ جب سب قوم تباہ ہو گئی تو اتفاق سے کسی شتر سوار نے جاکر وفد والوں کو اس کی اطلاع دی۔ اہلِ وفد یہ جانکاہ حادثہ سُن کر بولے ہودؑ کہاں ہے؟ شتر سوار بولا ہود مع ساتھیوں کے زندہ و سالم سمندر کے کنارے پر رہتے ہیں۔ قیل نے سن کر کہا اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا جب کہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی۔ مرثد نے اس وقت یہ شعر پڑھے:۔

عصت عاد رسولھم فامسوا	عطاشا ماتبلھم السماء
وسیر وفدھم شھرا لیستقوا	فاردفھم مع العطش العناء
بکفرھم بربھم جھارًا	علی اٰثارھم عاد الغفار

اس کے بعد مرثد حضرت ہودؑ کے پاس چلا گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ہود مکہ میں آکر رہنے لگے تھے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں وہیں وفات پائی اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضؓ نے ایک حضرمی شخص سے فرمایا تھا۔ تو نے وہ سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جو درخت پیلو کے سامنے فلاں مقام پر ہے جس کے اندر سا اور سرخی مائل ٹیلے موجود ہیں اور فلاں فلاں جانب بیریوں کے درخت ہیں۔ حضرمی نے عرض کیا جی ہاں امیر المومنین خدا کی قسم آپ تو ایسا ٹھیک ٹھیک اس کو چشمدید بیان فرما رہے ہیں جیسے کسی نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا میں نے دیکھا نہیں بلکہ اس کا قصہ مجھ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اُس کا قصہ کیا ہے؟ فرمایا اس میں ہودؑ کی قبر ہے۔ (ابن جریر)

مقصودِ بیان

توحید کی تعلیم دینِ الٰہی کا جزوِ اول ہے۔ کور باطن اور تیرہ دروں اشخاص کو ہدایت ضلالت اور نور اندھیرا نظر آتا ہے۔ اپنی دانش و سمجھ کے مقابلہ میں وہ برحق ہادیوں کو احمق اور بے وقوف سمجھا کرتے ہیں۔ کوئی نبی احمق نہیں ہوتا اور نہ جھوٹا ہو سکتا ہے۔ بوقتِ ضرورت آدمی اپنے اچھے اوصاف کو ظاہر کر سکتا ہے۔ شرعاً یہ امر ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اظہارِ محاسن بطور تفاخر و تکبر ممنوع ہے۔ قوم نوح کے بعد ملوک و سلاطین قوم عاد میں سے ہوئے۔ قوم عاد کی قوتِ جسمانی اور بدنوں کی وسعت غیر معمولی تھی۔ انھی اپنے قدیمی رواج اور

طریقۂ اسلاف کو کسی طرح نہیں چھوڑتا خواہ اُس کے سامنے سلطنتِ تقدیر کے مقابلہ میں کتنا ہی حق نمایاں ہو جائے۔ قومِ عاد کی نسل قطع ہو گئی صرف اُن کے قصور کی پاداش میں اور آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور حکمِ نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے۔ اس پورے قصہ میں مومنوں کو بشارتِ نجات اور کافروں کو انذارِ عذاب مضمر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی مستحکم دلیل ہے۔ دقیو

قصہ صالح

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ

اور ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا　صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود

غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا

نہیں　بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی　یہ خداداد اونٹنی تمہارے لئے نشانِ قدرت ہے　اُس کو

تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اللہ کی زمین میں کھاتا رہنے دو　کوئی دُکھ نہ پہنچاؤ　ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ

اور یاد کرو　کہ جب عاد کے بعد اللہ نے تم کو جانشین بنایا　اور زمین میں تم کو ٹھکانے دیئے

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا

کہ نرم زمینوں میں تم محلات بناتے تھے　اور پہاڑیوں کو تراش کر گھر بناتے ہو　پس اللہ کی

آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

نعمتوں کو یاد کرو　اور ملک میں تباہی پھیلاتے نہ پھرو　ہود کی قوم کے ان لوگوں نے

اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ

جو بڑے بن گئے تھے　اُن کمزور لوگوں سے کہا　جو ایمان لے آئے تھے

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ

کیا تم کو یقین ہے　کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے　انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس حکم کا یقین رکھتے

مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۝

ہیں جو صالح کو دیکر بھیجا گیا ہے　سرکش لوگ　کہنے لگے　جس پر تم ایمان لائے ہو　ہم یقیناً اُس کے منکر ہیں

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا

غرض انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالح اگر تو واقعی پیغمبر ہے

إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

تو جس چیز کا ہم سے وعدہ کرتا ہے وہ ہم پر لے آ بالآخر زلزلہ نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں زانو کے بل اوندھے

جَاثِمِينَ ۝ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَ

گرے رہ گئے ہود صالح اُن سے رُوگردانی کی اور کہا اے قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور

نَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝

تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے

تفسیر وَإِلَىٰ ثَمُودَ سے جَاثِمِينَ تک۔ قوم عاد کے بعد قوم صالح یعنی ثمود کا قصہ بیان فرماتا ہے۔ یہ قوم اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عاد بن ارم کے نام سے موسوم تھی۔ (فتح البیان)

صاحب معالم وسراج اور بیضاوی وغیرہ نے ثمود کے باپ کا نام عابر بن ارم ذکر کیا ہے۔

ثمود در حقیقت جدلیس بن عابر کا بھائی تھا جس طرح جدلیس کی نسل جدلیس کے نام سے مشہور ہوئی اسی طرح ثمود کی اولاد ثمود کے نام سے موسوم ہوگئی۔ یہ لوگ عرب کے شمالی شرقی جانب بلادِ حجر یعنی وادی قریٰ میں رہتے تھے۔ وادی قریٰ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ ان لوگوں نے پہاڑ کھود کر عجیب وغریب مکانات بنائے تھے اور اسی طرح دامن کوہ میں نشیبی نرم زمینوں میں بھی طرح طرح کے عالیشان محل تیار کئے تھے۔ موسم سرما میں ان محلوں میں رہتے تھے اور موسم گرما میں پہاڑی مکانوں میں۔ مالدار بھی یہ بہت تھے۔ مگر کم بخت بُت پرست اور رہزن تھے۔ علانیہ بدکاریاں کرتے اور کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لئے اللہ نے حضرت صالح بن عبید بن حاذر بن ثمود کو مبعوث فرمایا۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ حضرت صالحؑ نے اُن کو توحید وعبادتِ الٰہی کی تعلیم دینی شروع کی اور اونٹنی کا معجزہ دکھا کر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے خدا کی پیدا کی ہوئی ایک نشانی ہے اس کو کسی قسم کا دُکھ نہ دینا ورنہ عذاب سے تباہ کر دیئے جاؤ گے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ اس نے قوم عاد کی تباہی و بربادی کے بعد تم کو پیدا کیا اور وہاں کا جانشین بنا دیا اور اپنی زمین میں تم کو اس طرح بسایا کہ تم نرم اور ہموار زمینوں میں تو جاڑوں میں رہنے کے لئے اونچے اونچے محل بناتے ہو اور گرمیوں میں سکونت کرنے کے لئے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان تعمیر کرتے ہو۔ لہٰذا تم کو زیبا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ایسی ایسی نعمتوں کو یاد کرو اور ہر نعمت ان کا شکریہ ادا کرتا ہے نہ کہ اُس کی زمین میں فساد کرتے ہوئے پھرو۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ

مِنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ یہ سن کر اُس کی قوم کے سرکش، مالدار سردار اُن میں جو غریب ایماندار لوگ تھے اُن سے پوچھنے لگے کہ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح واقع میں اپنے رب کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں بےشک ہمارا تو اس حکم پر بھی ایمان ہے جو اُسے دے کر ہمارے پاس بھیجا گیا ہے کہ وہ بھی خدا ہی کا حکم ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ اس پر وہ سرکش کہنے لگے کہ تم جس چیز کا یقین کرتے ہو ہم تو اس کی سچائی کے منکر ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ مگر کافروں نے نہ مانا۔ اپنے ہادی و مصلح کے ساتھ بجائے فرماں پذیری اور اطاعت کے تمسخر و بدسلوکی کے پیش آئے۔ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اُس کو قتل کر ڈالا اور بالآخر عذاب الٰہی نے اُن کو آگھیرا اور سب تباہ و برباد ہوگئے۔

یہ آیات کا خلاصہ مطلب ہے۔ تفصیل وار قرآن میں مذکور نہیں۔ ہم مختلف تفسیروں سے جن کا ماخذ مختلف احادیث ہیں کسی قدر تفصیل بیان کرتے ہیں:۔

بیضاوی اور ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کے بعد قوم ثمود کا دور آیا۔ اُن کی عمریں بہت دراز ہوتی تھیں اور چونکہ ہر شخص کے مرنے سے قبل اس کا مکان بوسیدہ و منہدم ہو جاتا تھا اس لئے پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے اور بہت فراخی سے بسر کرتے تھے۔ آخر سرکشی کی اور شرک و معاصی سے زمین پہ تباہی پھیلائی۔ اللہ نے حضرت صالحؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ صالح نے اُن کو توحید کی دعوت دی اور بصورت سرتابی عذاب سے ڈرایا۔ قوم والوں نے معجزہ مانگا اور کہا ہماری عیدگاہ کو چلو۔ ہم اپنے معبودوں کو پکاریں تم اپنے اللہ کو پکارو جس کی دعا قبول ہو اُس کا قول مانا جائے۔ سب مل کر عیدگاہ کو گئے۔ کافروں نے ہر چند اپنے معبودوں کو پکارا کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت صالح کی موجودگی میں شیطان کا وجود نہ تھا۔ آخر سردار قوم جندع بن عمرو نے حضرت صالحؑ سے یہ بات کی کہ کاشبہ نامی پہاڑی سے ایک فربہ اندام قوی ہیکل حاملہ اونٹنی اگر تمہاری دعا سے برآمد ہوگی تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالحؑ نے اُن سے مضبوط عہد لیا اور نماز پڑھ کر باری تعالیٰ سے دعا کی۔ پہاڑی میں ایسی حرکت ہوئی جیسی حاملہ جانور کی ہوتی ہے اور پھر پتھر شق ہو کر حسب مطلوب اونٹنی برآمد ہوئی۔ جندع بن عمرو یہ کیفیت دیکھ کر مع ساتھیوں کے مسلمان ہوگیا اور دیگر اشخاص بھی ایمان پہ آمادہ ہوگئے لیکن دواب بن عمرو اور بتخانہ کے مالک خباب اور رباب بن صمعر کاہن نے سب کو روکا۔ کچھ دنوں کے بعد اُس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا اور اونٹنی مع بچہ کے لوگوں کی نظروں کے سامنے رہی۔ گھاس اور درختوں کی پتیاں چرتی اور ایک دن بیچ کنوئیں پہ آیا کرتی اور سب پانی پی جایا کرتی۔ اونٹنی کے اندر یہ عجیب خاصیت تھی کہ اِدھر پانی پیا اُدھر دودھ سے تھن بھر گئے اور اتنا دودھ ہوتا کہ سب لوگوں کے برتن بھر جاتے۔ گرمی کے زمانہ میں یہ اونٹنی وادی کے باہر پشت کی جانب رہتی اور قوم کے جانور وادی کے اندر رہتے اور سردی کے زمانہ میں اونٹنی وادی کے اندر رہتی اور جانور باہر رہتے۔ وجہ یہ تھی کہ جانور اس سے ڈر کر بھاگتے تھے۔ حضرت صالحؑ نے لوگوں کو خوب سمجھا دیا تھا کہ اُس اونٹنی سے کچھ تعرض نہ کرنا۔ مگر سرکش کافروں نے نہ مانا اور اُس کو قتل کر دیا۔

شیخ ابن جریر وغیرہ علمائے تفسیر نے اسباب قتل میں سے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ ایک عورت عنیزہ بنت غنم بن مجلز تھی۔ یہ دواب بن عمرو کی بیوی تھی۔ حضرت صالحؑ سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس کی چند حسین لڑکیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک اور عورت صدوق یا صدوقہ بنت محیا بن مہر تھی۔ یہ ضیم بن ہراوہ کی بیوی تھی۔ ضیم نے اپنے مال سے مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی اس پر اس کو ناگواری ہوئی اور اس نے اپنے خوہر سے طلاق لے کر ایک بدمعاش مصدع بن مہرج نامی سے نکاح کر لیا۔ ان دونوں عورتوں کے پاس مویشی بکثرت تھے اور اونٹنی سے ان کے مویشیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اُس نے قدار بن سالف کو بھی ابھارا اور ان دونوں بدمعاشوں نے سات آدمی اور ساتھ لئے۔ مصدع اور قدار کمین گاہ میں بیٹھ رہے۔ اونٹنی جب گھاٹ سے پانی پی کر واپس آئی تو مصدع نے اُس کے تیر مارا اور قدار نے تلوار ماری کہ وہ گر گئی۔ پھر سب نے مل کر اُس کو ذبح کر ڈالا اور بچہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

عبدالرزاق نے بروایت حسن بصری بیان کیا ہے کہ بچہ نے پہاڑ پہ چڑھ کر تین آوازیں دیں اور کہا پروردگار! میری ماں کیا ہوئی؟ کافر اُس کے

پیچھے دوڑے مگر پہاڑ شق ہوا اور بچہ اس میں سماگیا۔ حضرت صالحؑ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو آپ نے آکر مردہ اونٹنی کو دیکھا اور روئے۔
بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت صالحؑ نے کافروں سے کہا اب تین روز کی مہلت ہے۔ تین روز تک اپنے گھروں میں رہو کل تمہارے چہرے زرد، پرسوں سرخ اور چوتھے روز سیاہ ہوجائیں گے۔ اس کے بعد پانچویں روز عذاب آئے گا۔ دوسرے روز علامت عذاب ظاہر ہوئی تو لوگوں کو فکر پیدا ہوئی اور حضرت صالحؑ سے دفعیہ کی صورت دریافت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اس کے بچے کو تلاش کرو۔ شاید عذاب دفع ہوجائے۔ بچے کو ڈھونڈا گیا مگر نہ ملا۔

بیضاوی کا قول ہے کہ علامات عذاب دیکھ کر کچھ لوگوں نے حضرت صالحؑ کو شہید کر ڈالنا چاہا مگر آپ ارضِ فلسطین کی طرف چلے گئے۔
ابن کثیر نے بروایت ابن جریر بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے دھوکہ سے رات کو اونٹنی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اُن پر یوم عذاب سے پہلے ہی آسمان سے پتھر برسے اور وہ برباد ہوگئے۔
غرض روز مقررہ کے آنے سے پہلے ہی لوگوں کو عذاب کا یقین ہوچکا تھا۔ سب لوگ کفن پہنے مرنے کے لئے تیار تھے اور عجب کہرام بپا تھا۔ یوم موعود کا آفتاب طلوع ہوا۔ فوراً زمین میں زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ سنائی دی جس سے سب مرکر رہ گئے۔ کفار میں سے کوئی نہ بچا۔ الیتا ابورغال نامی ایک جوان جو اس زمانہ میں کہ کو گیا ہوا تھا بچ رہا مگر جب وہ سرزمین حرم سے واپس آیا تو اُس پر بھی آسمان سے ایک پتھر گرا اور وہ بھی مرگیا۔
یہاں ایک بات غور طلب ہے اور وہ یہ کہ اس جگہ قوم ثمود کا بصورتِ زلزال ذکر فرمایا ہے۔ لیکن دوسری آیتوں میں صیحہ یعنی ہیبت ناک چیخ سے ہلاک ہونا مذکور ہے۔ سورۂ ہود میں یہ ہی لفظ آیا ہے۔ پھر سورہ الحاقہ میں عذاب طاغیہ کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر قرآن پاک میں اختلاف بیان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل قوم پر شدید زلزلہ آیا تھا جس میں ہولناک آواز بھی تھی۔ اس لئے یہاں زلزلہ سے غارت کرنا اور دیگر مقامات پر چیخ سے ہلاک کرنا مذکور ہوا۔ رہا لفظ طَاغِيَه تو یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ زلزلہ اور صیحہ دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور دونوں مراد بھی ہیں۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا کہ جب لوگ ہلاک ہوگئے تو حضرت صالحؑ نے مُردوں سے خطاب کرکے الفاظ مذکورہ فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے سنتے ہیں جس طرح جنگ بدر کے مقتولین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرکے فرمایا تھا اور نام بنام ارشاد کیا تھا کہ مجھ سے جو میرے پروردگار نے وعدہ فرمایا تھا وہ تو میں نے پالیا کیا تم نے وہ وعدہ برحق پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا؟
بیضاوی نے بھی حضرت صالحؑ کا کلام مذکور ہلاکت قوم کے بعد قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ شاید وہ لوگ حضرت صالحؑ کا کلام سنتے ہوں۔ یا صرف اظہار تحسّر و تاسّف کے طور پر آپ نے فرمایا ہو کہ افسوس تم نے یہ نوبت پہنچائی اور میرا کہنا نہ مانا۔ اس صورت میں حقیقی بات سنانا مقصود نہیں بلکہ صرف افسوس کرنا مقصود ہے۔
قتادہ کا قول ہے کہ حضرت صالحؑ نے یہ بات قوم والوں سے اس وقت کہی تھی جبکہ انہوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا تھا۔ گویا ہلاکت سے قبل فرمایا تھا۔ اس صورت میں سماع موتٰی سے آیت کا کچھ تعلق نہیں۔
حضرت صالحؑ پر بقول بعض مفسرین چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے اور ان لوگوں کو لے کر آپ فلسطین یا حضرموت تشریف لے گئے تھے۔
قوم ثمود کی بستیاں اب بھی اُجاڑ پڑی ہیں۔ جب ۹ھ ہجری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی فوج لے کر غزوۂ تبوک کے لئے حدود شام کی طرف تشریف لے گئے تھے تو وادیٔ حجر میں قوم ثمود کی ویران بستیوں کے پاس فروکش ہوئے تھے۔ لوگوں نے انھیں کنوؤں سے پانی بھر کر آٹا گوندھا۔ ہانڈیاں چڑھائیں اور دیگر ضروریات میں صرف کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر ہانڈیاں الٹوائیں۔ گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا اور وہاں سے کوچ کرکے اس کنوئیں کے پاس اقامت گزیں ہوئے جس کا پانی حضرت صالحؑ کی اونٹنی پیا کرتی تھی اور لوگوں کو منع فرمایا کہ جن قوم پر عذاب نازل ہوچکا ہے اس کے پاس نہ جاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو بھی ویسا ہی عذاب نہ پہنچے۔ (رواہ امام احمد)

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر میں تھے تو ارشاد فرمایا۔ بغیر گریہ کے اُن لوگوں کے وہاں نہ جاؤ جن پر عذاب ہو چکا ہے۔ اندیشہ ہے کہ تم کو بھی وہی عذاب نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا۔ (اصل الحدیث مخرج فی الصحیحین)

ابو کبشہؓ کی روایت ہے کہ جب غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں فروکش ہوئے تو لوگوں نے جلدی جلدی اہل حجر کی طرف جانا شروع کیا۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع پہنچی تو منادی کرادی اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ سب لوگ جمع ہوگئے۔ حضورؐ اس وقت ایک بکری کو پکڑے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کیا جاتے ہو تم ایسی قوم کے ہاں جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا میں تم کو اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتاتا ہوں۔ تمہیں میں سے ایک شخص تم کو ان باتوں سے آگاہ کر رہا ہے جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں اور جو تمہارے بعد ہوں گی۔ پس استقامت رکھو اور راستی اختیار کرو۔ اللہ کو تمہارے عذاب کی کچھ پرواہ نہیں۔ عنقریب ایک ایسی قوم ہوگی جو عذاب کو بالکل دفع نہ کر سکے گی۔ (رواہ احمد ولم یخرجہ احد من الستۃ)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا۔ لوگو! معجزات مت مانگو۔ قوم صالحؑ نے معجزہ مانگا تھا تو اونٹنی اس ٹیلے کی راہ سے پانی پینے آتی تھی اور اس دوسرے ٹیلے سے نکل جاتی تھی۔ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور ناقہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ناقہ ایک روز پانی پیتی تھی اور ایک روز وہ ناقہ کا دودھ پیتے تھے۔ مگر انھوں نے ناقہ کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ پس اُن کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے جو کوئی شخص اس قوم کا تھا سب کو نیست نابود کر دیا سوائے ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون تھا! فرمایا ابو رغال لیکن جب وہ حرم سے باہر ہوا تو اس پر بھی وہی عذاب پہنچ گیا جو اس کی قوم پر پہنچا تھا۔ (رواہ احمد باسناد علی شرط المسلم)

مقصود بیان

(۱) ناقۂ صالحؑ ایک عظیم الشان معجزہ اور قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی تھی جو نہایت واضح تھا۔

(۲) پیغمبروں سے معجزات یعنی وہ امور جو عادتِ انسانی اور عقل بشری کے خلاف معلوم ہوتے ہیں سرزد ہو سکتے ہیں۔

(۳) کسی فرد حیوان کے پیدا ہونے کے لئے نوعی مبدار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جنس کے اختلاف کے باوجود بھی بقدرتِ خدا حیوان ہو سکتا ہے۔

(۴) قوم عاد کے بعد زمین کی حکومت قوم ثمود کے ہاتھ آئی تھی۔

(۵) ایسے کام کرنا جس سے زمین پر فتنہ فساد اور تباہی و بربادی پھیلے قطعاً حرام ہے۔

(۶) کمزور اور ضعیف لوگ سب سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور بڑے آدمی غرور و تکبر سے عموماً تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

(۷) پیغمبر کی بددعا ضائع نہیں جاتی۔

(۸) انبیاء کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وغیرہ

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ ایسی بیحیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہان میں سے کسی نے

الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ

نہیں کی تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس خواہش نفسانی سے جاتے ہو واقعی

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو اور ان کی قوم کو سوائے اس کے کوئی جواب نہ بن پڑا کہ ان کو اپنی بستی

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ○ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا

سے نکال دو (یہ) لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں (تو) ہم نے بچا لیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو

امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ○ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ

ہاں اس کی بیوی پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی اور ان پر پتھروں کا مینہ برسایا (پس) دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ○

مجرموں کا انجام کیسا ہوا

تفسیر یہ چوتھا قصہ حضرت لوطؑ کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھانجے یا بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیمؑ جب ملک بابل سے ہجرت کر کے چلے تھے تو حضرت لوطؑ بھی ہمراہ تھے۔ حضرت لوطؑ کے والد حاران آپ کو بچہ چھوڑ کر مر گئے تھے۔ چند روز حران میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آپ کا بھی قیام ہوا۔ پھر حران سے کوچ کر کے ملک کنعان میں سکم یعنی طرابلس تک آئے اور اور بیت ایل کے پاس اپنا ڈیرا قائم کیا۔ پھر جب یہاں قحط پڑا تو یہ سب مصر کو چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس مویشی اور نقد مال بہت کچھ جمع ہو گیا تو پھر ملک کنعان کو واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کو دریائے اردن کی ترائی کے ملک کی طرف وہاں کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا کیونکہ اس وقت حضرت لوطؑ خدا کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے اتباع میں نبی بنا دیئے گئے تھے۔ آپ نے اردن میں پہنچ کر شہر سدوم علاقہ حمص میں قیام کیا۔ وہاں کے لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے۔ لڑکوں سے بدفعلی کا ان میں رواج تھا۔ راستوں پر اور عام مجلسوں میں ناپاک اور گھنونے کام بے باکانہ کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ نے ان کو وعظ و پند کیا۔ ان کے فعلِ بد کی بھی مذمت کی اور اس فعل کی ایجاد پر بھی ان کو ملامت کی اور حق سے تجاوز کرنے کی بری عادت پر بھی ان کو تنبیہ کی۔ مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر نہ مانے۔ اہل سدوم کے ساتھ عمورہ صنبیان اور ادمہ کے لوگ بھی ایسے ہی بدکار تھے یہ تمام بستیاں سدوم کے آس پاس تھیں اور وہاں کے بعض پہاڑوں میں گندھک کی کان تھی۔ جب حضرت لوطؑ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور بجائے توبہ کے ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو تین فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس امرد لڑکوں کی شکل میں دوپہر کے وقت، جبکہ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی مہمانی کے لئے کچھ روٹیاں اور بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے اور خیال کیا شاید یہ دشمن ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں مخالف اپنے مخالف کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے ہم خدا کے فرشتے ہیں۔ سدوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا وہاں تو لوطؑ بھی ہے اور نیک لوگ بھی ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔ لوطؑ کی حفاظت کر لی جائے گی اور اگر وہاں پانچ آدمی بھی نیک ہوئے تو ہم غارت نہ کریں گے۔ پھر فرشتے وہاں سے چل دیئے اور شام کے وقت شہر سدوم کے پھاٹک پر حضرت لوطؑ کو ملے۔ آئے اور کہنے لگے آج رات ہم آپ کے مہمان رہیں گے۔ یہ خبر پا کر شہر کے تمام بوڑھے اور جوان حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھ آئے۔ حضرت لوطؑ سے مہمانوں کی رسوائی نہ دیکھی گئی۔ قوم والوں کی منت کرنے لگے اور بولے اگر تمہیں میری بیٹیاں درکار ہیں تو یہ موجود ہیں ان سے نکاح کر لو۔ مگر میرے مہمانوں کو بے عزت نہ کرو۔ وہ ملعون کب ماننے والے تھے۔ کواڑ توڑنے لگے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو جب بدحواس اور زیادہ پریشان دیکھا تو اندر کھینچ لیا اور کہہ دیا کہ آپ فکر نہ کریں ہم فرشتے ہیں۔ علی الصباح اس شہر کو غارت کریں گے۔ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات ہی میں اس شہر سے نکل جائیں۔ پھر فرشتوں نے پر جھاڑے جس سے وہ فاسقین اندھے ہو گئے اور لگے

سرگرداں پھر رہے۔ حضرت لوطؑ اپنے گھر والوں کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ مگر آپ کی بیوی کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور منہ پھیر کر اپنی قوم کی تباہی کا معائنہ کرنے لگی سو وہ نمک کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہم کو فرشتوں نے شہر کو الٹ دیا اور پھر گندھک اور آگ برسائی جس کا دھواں حضرت ابراہیمؑ نے دور سے مشاہدہ کیا۔ چونکہ یہ بستیاں الٹ گئی تھیں اس لئے ان کو مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

تفسیری وضاحت

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کی شناعت عمل ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ واقعی ہوا بھی ایسا ہی۔ قوم لوطؑ سے پہلے کوئی شخص اس عمل سے واقف بھی نہ تھا۔ امرد پرستی تو بجائے خود رہی کسی کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا تھا۔ پھر حضرت لوطؑ نے نہ یہ کہ صرف اس فعل کے ارتکاب پر ملامت کی بلکہ اس کی ایجاد پر بھی تشنیع کی اور وجہ قباحت بھی ظاہر کر دی کہ یہ بے محل صَرف اور حدِ اعتدال سے تجاوز ہے۔ یعنی قوت شہوانیہ کی تخلیق کا مقصد تو بقائے نوع اور والد و ولد و نسل ہے اور تم امرد پرستی کرتے ہو جس سے اصل مقصد قطعاً حاصل نہیں ہوتا۔ گویا تم اصل مقصد سے غافل ہو گئے اور غرض تخلیق سے آگے بڑھ کر شہوت پرست بن گئے۔ قوم والوں کو جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو جاہلانہ جوکرہم پر اتر آئے اور بطور استہزاء کے کہنے لگے کہ ان کا ہمارے ساتھ گزارا نہ ہو گا یہ پاک لوگ ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اس لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کو حضرت لوطؑ کی پاکیزگی اور اپنی گندگی کا اعتراف تھا بلکہ اُن کا مقصود صرف مذاق کرنا تھا۔

فقہی مسئلہ

شریعت اسلامیہ میں لواطت قطعاً حرام ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے اور پھر اوپر سے پتھر برسا کر قتل کر دیا جائے جس طرح کہ قوم لوطؑ کو سزا دی گئی۔ بعض آثار صحابہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوطؑ کا عمل کرتے پاؤ تو کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ الترمذی واحمد)

امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے کہ لوطی مانند زانی کے ہے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو درّے لگائے جائیں اور شادی شدہ ہے تو پتھروں سے مار ڈالا جائے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ بہر حال پتھروں سے مار ڈالا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

رہا عورتوں سے لواطت کا حکم تو یہ بھی باجماع علماء حرام ہے۔ مگر اس کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں۔ واللہ اعلم

مقصود بیان

قوم لوط نے دنیا میں سب سے پہلے لواطت کا ارتکاب کیا۔ حدِ اعتدال سے تجاوز ہر کام میں ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ جبلی قوتوں کے صَرف میں بھی اعتدال سے ہٹنا ناجائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لواطت اور جلق وغیرہ بھی حرام قطعی ہے۔ دونوں اسراف میں داخل ہیں۔ جاہل جب لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ اہل حق کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ اہل حق کو ہمیشہ خدا تعالیٰ نجات دیتا ہے وہ دنیوی عذاب میں بھی ماخوذ نہیں ہوتے۔ اللہ کی نافرمانی بہر حال تباہی انگیز ہے۔ زوجۂ نبی ہونا بھی اس سے نہیں بچا سکتا۔ مجرموں کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ ایک خاص وقت تک ڈھیل ہوتی ہے۔ جب اتمام حجت اور تکمیل نصیحت ہو چکتی ہے تو پھر سخت ترین گرفت کر لی جاتی ہے۔

آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی مت کرو ورنہ دنیا میں تباہ ہو جاؤ گے۔ وغیرہ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ

اور اہل مدین کے پاس ہم نے اُن کے بھائی۔ شعیبؑ کو بھیجا شعیبؑ نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ

معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی لہٰذا تم ناپ تول

وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا

پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی (خرید کردہ) اشیاء کم نہ دیا کرو اور ملک میں

فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

امن و عافیت کے بعد فساد نہ مچاؤ اگر تم ایماندار ہو تو یہ تمہارے لئے

مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ

بہتر ہے اور ہر راہ (بارادۂ رہزنی) نہ بیٹھا کرو (کیا) تم ڈراتے دھمکاتے ہو اور راہ خدا سے

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا

روکتے ہو اُن کو جو ایمان لائے ہیں اور اُس میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہو اور یاد کرو

اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کہ جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو کثیر کر دیا اور دیکھ لو تباہی پھیلانے والوں کا انجام

الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ

کیسا ہوا اگر تم میں کا کوئی گروہ اُس حکم پر ایمان لے آئے جو

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ

مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کوئی گروہ اُس کو نہ مانے تو تم ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارا

اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝

خود فیصلہ کر دے گا وہ بہترین حاکم ہے

تفسیر یہ پانچواں قصہ حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا بیان فرمایا ہے۔ قوم شعیب قوم لوط کے بعد ہوئی ہے۔
مدین حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو عرب کے شمالی مغربی حصہ میں ان بیابانوں میں ایک جگہ رہنے لگے تھے جہاں بعد میں حضرت موسیٰؑ قلزم کو عبور کر کے کوہ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے بس کن مدین کا نام بعد میں مدین

ہو گیا بلکہ مدین کی نسل سے جو قوم بنی اس کا نام بھی مدین ہو گیا۔
اسی قوم میں سے ایک شخص حضرت شعیب بھی تھے۔ شعیب صیفون بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ محمد ابن اسحاق کے نزدیک شعیب کے والد کے نام میکائیل بن یشجر بن مدین تھا۔ یہ وہی شعیب ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس اُن کے پاس رہے اور اُن کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا اور مصر جاتے وقت کوہ طور کے قریب نبوت پائی۔ حضرت شعیب کی یہودی محاورہ میں (تیسرو) بتقدیم ایسا ثم الثار ثم الارثم الواد کہتے ہیں۔ مدین ہی کے پاس ایک اور گاؤں تھا جس میں بہت گنجان درخت اور گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اس کا نام ایکہ تھا۔ قرآن میں جو اصحاب الایکہ اور قرب وجوار کے مقاموں میں مدین کی نسل کے کچھ لوگ آباد تھے۔ مدین اگرچہ اکیلے یہاں آکر رہے تھے۔ لیکن خدا نے ان کی نسل میں تھوڑی ہی مدت میں اتنی برکت دی کہ پوری قوم بن گئی اور پورے علاقہ کو گھیر لیا۔ جب تک ارشاد انبیاء کی تاثیر اُن کے قلوب پر رہی اس وقت تک یہ لوگ سیدھے راستہ پر رہے۔ لیکن جب تاثیر ہدایت جاتی رہی تو گمراہ ہو گئے۔ بت پرستی کرنے لگے اور قسم قسم کی برائیاں ان میں پیدا ہو گئیں۔

(۱) ناپ تول میں عموماً کمی کرتے یعنی کسی کو ناپ کر تول کر کوئی چیز دیتے تو کم دیتے۔ جگی لیتے۔
(۲) معاملات میں دغا بازی کرتے۔
(۳) شرک، گناہ، فحش بکواس، ظلم و تعدی اور بیہودگی و سرکشی سے زمین پر فتنہ و فساد مچا رکھا تھا۔
(۴) سر راہ بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے اور دھمکاتے، رہزنی کرتے اور طرح طرح سے تکلیفیں دیتے تھے۔
(۵) لوگوں کو حضرت شعیبؑ کے پاس آنے سے بھی روکتے اور بہکاتے تھے اور کہتے تھے یہ دغا باز مکار فریبی ہے اس کے پاس نہ جاؤ اور بالکل اس کا کہنا نہ مانو۔
(۶) حضرت شعیبؑ کی تعلیم میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے۔ آپ کی شریعت میں عیب نکالتے اور آپ کی ذات کو متہم کرتے تھے۔

جب ان کی سرتابی اور گناہگاری حد سے گزر گئی تو وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ خدا تعالیٰ نے حضرت شعیب کو نبوت دے کر اصلاح و ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ نے سب سے پہلے انتہائی نرم الفاظ میں توحید الوہیت و ربوبیت کی دعوت دی اور فرمایا:-
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ لوگو! خدا کی طرف سے اتمام حجت اور تکمیل ہدایت کے لئے برہان واضح یعنی پیغامبر اور اس کی شریعت آچکی۔ تم اپنی بدکاریاں چھوڑ دو۔ اس کے بعد نمبروار بدکاریوں سے ان کو منع کیا۔

اول نمبر کی طرف فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ سے اشارہ کیا۔
دوسرے نمبر کی طرف وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ سے
تیسرے نمبر کی طرف وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا سے
چوتھے نمبر کی طرف وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ سے
پانچویں نمبر کی طرف وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے
چھٹے نمبر کی طرف تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا سے

غرض جو گناہ کی بڑی بڑی باتیں ان کے اندر تھیں اُن سے روکا۔ پھر ان کی ترغیب و ترہیب کا نیا طرز اختیار کیا۔ ترغیب ایمان کے لئے احسانات الٰہی یاد دلائے اور گناہوں کی سزا سے ڈرانے کے لئے گزشتہ مفسدوں کے تباہی انگیز انجام پر غور کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا۔ لوگو! وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ یاد کرو کہ تمہارا مورث اعلیٰ مدین تنہا تھا کوئی دوسرا اپنے ساتھ لے کر نہ آیا تھا۔ پھر تمہاری تعداد بھی گو شروع میں تعداد تھوڑی تھی۔ پھر کچھ ہی مدت کے بعد خدا نے تم کو بہت کر دیا۔ خدا کے اس احسان کا شکر یہ واجب ہے۔

اس کے بھیجے ہوئے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ اگر اس کے خلاف کرو گے تو گزشتہ مفسدوں کے انجام پر غور کرو کس طرح ان کو نیست نابود اور تباہ کر دیا گیا۔ تمہارا بھی یہی نتیجہ ہوگا۔

ترغیب و ترہیب کا فائدہ یہی ہو سکتا تھا کہ جو کند باطن ازلی شقی اور فطرت خبیثہ کے حامل تھے ان پر کسی قسم کی تاثیر ممکن نہ تھی اور جو سلیم فطرت رکھتے تھے جن کے دلوں میں نور ایمان ودیعت تھا وہ راہ راست پر آجاتے اور اس طرح دو فریق بن جاتے نیک اور بد اور مقصود یہ تھا کہ کل کو ہدایت ہو اور بدکار نیک بن جائیں اس لئے حضرت شعیبؑ نے تقریر کو بدلتے ہوئے فرمایا کہ:۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اگر تمہارے دو فریق بن گئے ایک مومن دوسرا کافر، ایک نیک دوسرا بد اور اس طرح میری حقانیت و صداقت کا آخری فیصلہ نہ ہو سکا تو عذاب یقینی آئے گا۔ ذرا ٹھہرے رہو خدا خود حق و باطل اور صدق و کذب کا فیصلہ کر دے گا۔

حضرت شعیب خطیب الانبیاء تھے۔ طرز تقریر آپ کا مدلل اور مؤثر ہوتا تھا، حضور اقدسؐ نے بھی خطیب الانبیاء فرمایا ہے۔ چنانچہ کافروں کو نصیحت کرنے میں بھی آپ کا طرز تقریر اپنے اندر گوناگوں محاسن رکھتا تھا پہلے آپ نے اُن کے عیوب شمار کرائے۔ نرم لہجہ اختیار کیا۔ عیوب سے روکا۔ پھر احسانات الٰہی یاد دلائے۔ پھر گزشتہ نافرمانوں کے انجام بد پر متنبہ کرنے کی ہدایت کی اور آخر میں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

مقصود بیان ناپ تول کی کمی کرنی، زمین پر فتنہ فساد برپا کرنا اور اسباب تباہی کی اشاعت کرنی، راہ خدا سے لوگوں کو روکنا۔ انبیاء پر افتراء پردازی کرنی، شریعت انبیاء کی بیہودہ نکتہ چینی کرنی ممنوع ہے۔ احسانِ الٰہی کو یاد کرنا اور دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت پکڑنا لازم ہے۔ حق و باطل کا فیصلہ آخری خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وغیرہ

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بَیَانُ السُّبحَانْ

کا

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَاُ

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلّامہ مولانا سید عبدالدائم جلالی

پبلشر

نے برائے اشاعت معارف و رموزِ قرآن و تبلیغ دینِ متین

محمدی پریس دیوبند میں چھپواکر شائع کیا

ضروری اعلان

دین حق کی تبلیغ واشاعت کے لئے عظیم الشان پروگرام

اظہار تشکر

ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ تفسیر بیان السبحان بحمد اللہ تکمیل کو پہونچی جو کہ ۴۲ جزو پر مشتمل ہے اگر مخلص معاونین حضرات اپنا تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پریشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے۔ کاغذ کی گرانی، بحرانی حد تک بڑھ چکی ہے اور اس پر دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا مجبوراً قدرے ہدیہ میں اضافہ کرنا پڑا —— امید ہے کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں درگذر فرمائیں گے۔

چند گذارشات

(۱) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان کا مجلد -/230 جو کہ ۴۲ جزوں پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ -/115 روپیہ ہے علاوہ محصول ڈاک (۲) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلد -/210 روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے۔ لیکن یہ قیمت علاوہ محصول ڈاک کے ہے چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جزء -/5 روپیہ ہے لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ دیا جائیگا یعنی فی جزء کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ فی پارہ دیا جائے گا۔ لیکن علاوہ محصول ڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی، پی جو جاوے گی -/4 میں بھیجی جاوے گی۔ مع محصول ڈاک کے دو پاروں کی وی پی -/7 روپیہ اور تین پاروں کی وی -/10 روپیہ اور چار پاروں کی وی پی -/13 روپیہ اور پانچ پاروں کی وی، پی 15/50 روپیہ میں بھیجی جائے گی۔ یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصول ڈاک کے ہے۔ اور اب مجلد کی قیمت یعنی.... پاروں کی وی، پی -/31 مع محصول ڈاک کے بھیجی جائے گی۔ مجلد پانچ پاروں کی 16/50 کی ہوگی۔ بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس سے انتیس پاروں تک ہر پارے کے دو جزو ہیں اور تیس پارہ کے چار جزو ہیں۔ اس لئے ۲۶ تا ۳۰ تک ۱۴ جزوں کی جلد بنائی جائے گی۔ آخر کی جلد ہدیہ -/37 روپئے ہے۔

نوٹ

بحمد اللہ فتاوی عالمگیری کے ۲۵ جزو طبع ہو چکے ہیں۔ ان کا ہدیہ بھی حسب بالا ہوگا۔ جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے۔ وہ پیش کی جائیں گے۔ فی جزو فتاوی عالمگیری ر کا -/5 روپیہ کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجروں کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کرہ 2/50 روپیہ علاوہ محصول ڈاک کے دیا جائے گا۔ وی پی -/4 روپیہ مع محصول ڈاک کے جاویگی دو پاروں کی وی پی -/7 روپیہ تین -/10 روپیہ چار جزو کی -/13 روپیہ اور پانچ جزو کی -/15 روپیہ غیر مجلد کی قیمت اور مجلد دس پاروں کی -/31 روپیہ مع محصول ڈاک کے بھیجی جاوے گی۔

نواںؔ پارہ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

شعیبؑ کی قوم کے سرکش لوگوں نے کہا شعیب! ہم تم کو اور تمہارے ساتھی مسلمانوں کو ضرور اپنی آبادی

مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا

سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ شعیبؑ نے کہا اگر ہم (تمہارے مذہب سے بیزار ہوں تب بھی لوٹ آئیں) جب اللہ

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ

نے تمہارے مذہب سے ہم کو نجات دیدی اس کے بعد بھی اگر تمہارے مذہب میں ہم لوٹ جائیں گے تو اللہ پر دروغ بندی کریں گے اب پروردگار کی مشیت کے بغیر

اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى

ہو نہیں سکتا کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے اللہ ہی پر

اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

ہم بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے رب ہمارا اور ہماری قوم کا سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

تفسیر حضرت شعیب پر جو لوگ ایمان لائے تھے اُن میں زیادہ حصہ غریبوں کا تھا، اس لئے ایک روز وہاں کے سرداروں نے حضرت شعیب کے وعظ و پند سے تنگ آکر متفق ہو کر حضرت سے کہا کہ "یا تو آپ اپنے متبعین سمیت پھر ہمارے مذہب طریقے کو اختیار کریں ورنہ ہمارے شہر سے نکل جائیں" گویا وعظ و نصیحت کے صلہ میں انھوں نے حضرت شعیب کو جلاوطن کرنا چاہا یا تبدیل مذہب پر مجبور کیا یہ کافروں کی انتہائی گمراہی اور کور باطنی تھی کہ بجائے وعظ و نصیحت سے اثر قبول کرنے اور اعمال کو درست کرنے کے اُلٹے ناصح کو تبدیل مذہب یا جلاء وطن پر مجبور کرنے لگے۔ حضرت شعیب نے فرمایا "ہم کو اس مذہب سے قطعی نفرت ہو چکی۔ اب کیا باوجود اس قدر نفرت کے ہم پھر تمہارے مذہب کو اختیار کرلیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ خدا پر دیدہ و دانستہ افترا ہو گا۔ باطل کو باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرنا اور حق سے واقف ہو جانے کے بعد ترک کرنا خدا پر دروغ بافی ہے، کیوں کہ آدمی کسی عقیدہ کو اسی وقت اختیار کرتا ہے جب خدا کی طرف سے اس کی حقانیت سمجھ لیتا ہے اور جب باطل کو باطل جاننے کے باوجود اختیار کیا۔ تو گویا اُس کو خدا کی طرف سے سمجھا اور یہ صریح افتراء و کذب ہے۔ ہاں اگر تقدیر میں یوں ہی لکھا ہو اور بفرض محال خدا ہی کی یہ مشیت ہو تو اُس کا کچھ کہنا نہیں، جو خدا کی مرضی ہو گی وہی ہوگا، گر وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، اُمید ہے کہ وہ ہم کو ملتِ کافرہ میں داخل نہ فرمائے گا" اس کے بعد حضرت شعیب نے اللہ سے دُعا کی کہ "بارِ الٰہا ہم میں اور ہماری قوم میں حقانیت و بطلان کا فیصلہ کردے۔ یہ بھی عذاب کے خواستگار رہے۔"

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شعیب کبھی ملت کافرہ میں داخل ہی نہ تھے، کبھی آپ سے کفر سرزد ہوا ہی نہ تھا اور نہ اُن کی طرح بدکاریاں آپ سے سرزد ہوئی تھیں کیوں کہ انبیاء بعقائد اہلسنت کفر وعصیاں سے ہمیشہ سے معصوم ہوتے ہیں نہ قبل از نبوت وہ کفر ومعاصی کا ارتکاب کرتے ہیں نہ بعد از نبوت۔ پھر کس طرح کافروں نے حضرت شعیب کے متعلق یہ الفاظ کہے کہ "آپ ہمارے مذہب میں لوٹ آئیں ورنہ شہر بدر کردیں گے"۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافروں نے مومنوں کی جماعت کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے چوں کہ اہل ایمان بھی پہلے کافر تھے اور انھیں کے مذہب پر تھے اس لیے ان کو یہ الفاظ کہنے کی جرأت ہوئی۔ رہا حضرت شعیب سے خطاب تو یہ تغلیباً ہے چوں کہ جماعت اہل ایمان میں حضرت شعیب بھی داخل تھے اور اہل ایمان عموماً پہلے کافر رہ چکے تھے، اس لیے صرف حضرت شعیب باقی رہتے تھے اُن کو دیگر مومنوں کے حکم میں داخل کرلیا گیا۔

مقصود بیان انبیاء کو کفر ومعاصی سے فطرتاً نفرت ہوتی ہے۔ قوم شعیب کی عقل پر بڑے بڑے جہالت کے پردے پڑے تھے کہ خود نصیحت نہ قبول کی بلکہ ہدایت یافتہ طبقے کو بھی گمراہ کرنا چاہا اور ناصح سے درخواست کی تم بھی ہم میں مل جاؤ۔ حضرت شعیب نے فرمایا تھا کہ خدا نے ہم کو تمہارے مذہب سے نجات دی۔ یہ قول اپنی جماعت کی طرف سے تھا ورنہ شعیب تو اُن کے مذہب میں کبھی داخل ہی نہ تھے۔ کفر بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے کافر بنادے وغیرہ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا

شعیبؑ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب کے کہنے پر چلوگے تو یقیناً نقصان

لَّخَاسِرُونَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝

اُٹھانے والے ہوگے بالآخر ان کو زلزلہ نے پکڑلیا اور وہ اپنے گھروں میں زانوؤں کے بل اوندھے گرے رہ گئے

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی معلوم ہوتا کہ وہ اُن گھروں میں (کبھی) رہے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی

كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝

وہی نقصان اُٹھانے والے رہے

تفسیر غرض یہ کہ کافروں نے نہ خود حضرت شعیب کی نصیحت مانی نہ دوسروں کو ماننے دی۔ خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب گھروں کے اندر مرے رہ گئے۔ قرآن میں قوم شعیب کے عذاب کی مختلف صورتیں بتائی گئی ہیں۔ سورۂ شعراء میں یوم الظلۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں رجفۃ کا لفظ ذکر کیا۔ ایک اور جگہ صیحۃ کا لفظ بولا۔ بظاہر اختلاف بیان معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیوں کہ تینوں طرح کا عذاب اُن پر مسلط کیا گیا تھا۔ ایک ابر اٹھا تھا جس میں آگ لپٹ التہاب [illegible] تھا پھر آسمان سے سخت آواز اور زمین میں سخت زلزلہ آیا۔ جس سے گھٹ کر سب کی جان نکل گئی۔ تفسیر سراج میں ابن عباسؓ کی روایت مذکور ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے اُن پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا تھا۔ جس کی گرمی اور حبس دم سے تنگ آکر وہ

لوگ تہ خانوں میں گھسے لیکن وہاں باہر سے بھی زیادہ گرمی تھی تو تنگ آکر جنگل کو نکل گئے۔ وہاں ایک ابر آیا جس میں سے ابتداءً ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے۔ سب لوگ اُس کے نیچے جمع ہو گئے یہاں تک کہ بچے اور عورتیں بھی آکر اکٹھی ہو گئیں، جب سب جمع ہو گئے تو ابر میں سے شعلے نکلنے شروع ہوئے اور زمین میں سخت زلزلہ آیا اور زلزلے میں گرج پیدا ہوئی جس سے سب مل کر خاک ہو گئے، مگر یہ روایت اوّل تو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی دوسرے نص قرآنی کے بھی خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں مر کر رہ گئے اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں جا کر مرے۔ صحیح تاویل یہ ہے کہ جب اُس قوم کے دن پورے ہو گئے تو بحکم خدا قریب کے پہاڑوں سے ایک دُھواں اُٹھا اور زمین میں جو بخارات گھُٹ گئے اُن سے زلزلہ بپا ہوا اور زمین میں زلزلے کی گرج بھی ہوئی۔ اُوپر سے دھوئیں کا ابر آتشبار، نیچے سے زلزلے کی گرج۔ ان سب ہولناک مصائب نے مل کر اُن کا کام تمام کر دیا اور بستیاں ایسی اُجڑ گئیں کہ گویا اُن میں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ اس آتشیں بادل کو ایک شخص عمرو بن جلہم نے دُور سے دیکھا تھا۔ مندرجہ ذیل شعروں میں عمرو بن جلہم نے اسی واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

یا قوم ان شعیبًا مرسل فذروا	عنکم شمیرا و عمران بن شداد
انی اری غیمة یا قوم قد طلعت	تدعو بصوب علی حنانة الوادی
فانه لن یری فیها ضحاء غد	الا الرقیم یمشی بین انجاد

شمیر اور عمران قوم شعیب کی عبادت گاہوں کے دو پجاری تھے اور رقیم کتے کا نام تھا۔ یہ پجاری لوگوں کو حضرت شعیب کی نصیحت ماننے سے روکتے تھے۔ اس زمانے کا بادشاہ کلمن نامی تھا۔ ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت اُنہیں کے بادشاہوں کے نام تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

اس کے بعد شعیبؑ نے اُن کی طرف سے رُخ پھیر کر کہا اے قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

پس اب کس طرح کافر قوم پر افسوس کروں

تفسیر جب سب قوم تباہ ہو گئی تو حضرت شعیب اُدھر سے گذرے اور مُنہ موڑ کر فرمایا۔ افسوس! قوم والو میں نے تم کو پیام الہٰی پہنچا دیا، تبلیغ حکم اور خالص نصیحت کرنے میں کوئی بات میں نے اُٹھا نہیں رکھی، مگر تم نے مجھے سچا نہ جانا اور میرا حکم نہ مانا اب میں کیوں تمہارا غم کروں، تم خود کافر تھے کفر کی سزا اُٹھائی۔

مقصود بیان قوم شعیب سخت گمراہ تھی۔ گمراہی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مُفید کو مضر اور مضر کو مُفید جاننے لگی تھی۔ نبی کی تکذیب کا انجام تباہی ہے۔ ظالموں کی تباہی پر کچھ رنج و اندوہ نہ کرنا چاہیئے۔ سیاق آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والوں کے لیے وعید نکلتی ہے کہ اگر وہ کبھی رسولِ برحق کو نہ مانیں گے تو بالآخر تباہ ہوں گے ضمنی طور پر مسلمانوں کو تسلی بھی ہے کہ تم کفار کی ایذا رسانی پر صبر کرو۔ انجام تمہارا ہی اچھا ہوگا۔ قوم شعیب علیہ السلام کو دیکھو کہ کیسی کیسی تکلیفیں مسلمانوں کو دیتی تھی۔ جلاوطن کرنے کی دھمکی دیتی تھی، خالص مومنوں کو کفر کی دعوت دیتی تھی، لیکن انجام کار تباہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوئی اور حقانیت مسلمانوں کے ہاتھ رہی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے جس بستی میں جو کوئی نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

(اب بھی) عاجزی کریں پھر ہم نے بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ بڑھ (چڑھ) گئے اور کہنے لگے

قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

کہ ہمارے باپ دادا کو بھی تکلیف و آرام پہنچ چکا ہے بالآخر ہم نے اچانک اُن کی بے خبری کی حالت میں اُن کو دھر پکڑا

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

کھول دیتے مگر انھوں نے تکذیب کی تو ان کے کرتوت کی پاداش میں ہم نے اُن کو دھر پکڑا

تفسیر کفار مکہ قحط کی بلا میں گرفتار ہوئے تو کہنے لگے کہ "یہ قحط اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم گناہ گار ہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمارے باپ دادا کے وقت اور اُن سے بھی پہلے ایسے اتفاقات ہوتے رہے ہیں۔ یہ تو انقلاب زمانہ ہے، کبھی فراخی خوشی صحت اور کبھی تنگدستی رنج مرض ہوتا رہتا ہے۔ سو ہم اپنا دین نہ چھوڑیں گے۔" ان کا حال ظاہر کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ شان نزول کے علاوہ کفار عرب کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ منکرین انبیاء پر عذاب الٰہی شاید انھیں دو چار مواضع میں واقع ہوا ہے۔ دوسری جگہ کہیں ایسی بات نہیں ہوئی۔ جب ہر ملک پر ہر جگہ عذاب نازل نہیں ہوا تو اب کیا ضرور ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں ہی پر نازل ہو جائے۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ..... يَشْعُرُوْنَ تک ان مذکورہ بستیوں پر ہی فقط عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ یہ عام ضابطہ قدرت ہے کہ جہاں کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا گیا وہاں کے باشندوں کو اولاً تکلیف و مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ قحط، وبا، بے امنی، حکام کا ظلم، افلاس وغیرہ مصائب اُن پر نازل کئے گئے تاکہ تکلیف کا احساس کر کے وہ خدا کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے تائب ہوں، لیکن جب مبتلائے مصائب ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی سرکشی نہ چھوڑی تو پھر مصیبت کی بجائے راحت، تنگدستی کی بجائے فراخی، قحط کی بجائے ارزانی، بیماری کی بجائے تندرستی اور بے امنی کی بجائے امن عطا کی گئی تاکہ پہلی مصیبت کو یاد کر کے وہ موجودہ راحت کا شکریہ ادا کریں اور منعم کے انعام کا احسان مانیں اور خدا کی طرف رجوع کریں، لیکن اس پر بھی اگر وہ اپنی چیرہ دستیوں سے باز نہیں آئے اور کہنے لگے کہ یہ راحت و تکلیف کچھ انبیاء کی فرمانبرداری اور نافرمانی پر موقوف نہیں بلکہ یہ زمانے کا دستور ہے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے کبھی ارزانی ہوتی ہے، کبھی کال، کبھی مرض، کبھی تندرستی، کبھی راحت کبھی تکلیف۔ ہمارے اسلاف کو بھی یہ واقعات پیش آتے رہے ہیں، جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور اصلاح حالت کا امکان بھی نہیں رہتا تو پھر یکایک خدا تعالیٰ سخت گرفت کرتا ہے اور بے خبری کی حالت میں اُن کو غارت کر دیتا ہے۔ یہ ضابطہ قدرت ہے۔ کچھ نوح،

لوط، شعیب وغیرہم کی قوموں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ لہٰذا کفارِ مکہ کو بھی مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔

اس زمانے کے نیم تعلیم یافتہ بے دین بھی ایسا خیال رکھتے ہیں اور کامیابی و ناکامی کو اپنی کوششوں کا نتیجہ قطعی سمجھتے ہوئے قدرتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اپنے قول کے ثبوت میں اُن ممالک کی حالت کو پیش کرتے ہیں جہاں باوجود ہر قسم کی بدکاری و بداخلاقی کے طرح طرح کا عیش و عشرت، رفاہیت و آسائش، دولت و نعمت حکومت و تسلط میسّر ہے۔ نہ وہاں کوئی خدا کو ماننے والا ہے نہ رسول کو۔ نہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے والا ہے۔ نہ انبیاء کی لائی ہوئی ہدایت پر عمل کرنے والا۔ بلکہ قوانین الٰہی کا عمومی مذاق اُڑانے والے اور احکامِ انبیاءؑ کی توہین کرنے والے عام طور پر پائے جاتے ہیں، مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ (بقول مولانا عبدالحق حقانی) جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا بھی ہے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ معطل اور عاجز بھی نہیں ہو گیا ہے بلکہ تمام عالم کی چیزیں اُسی کی طرف مستند ہیں تو پھر کس طرح کوئی کوتاہ نظر آدمی یہ خیال کر سکتا ہے کہ تصرفاتِ عالم کے حقیقی اسباب یہی اسبابِ ظاہرہ ہیں اور ان اسباب کا کوئی مسبب نہیں ہے بلکہ ایک سلسلہ یوں ہی جاری ہے نہ ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت مضمر ہے نہ دانش و بصیرت۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس عالم کا ضرور کوئی صانع اور کارکن ہے، جو بندوں کے افعال ناشائستہ سے ناخوش اور شائستہ سے خوش ہوتا ہے۔ حق و باطل اور اچھائی بُرائی ضرور عالم میں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ ایسی صورت میں انبیاءؑ کو ہدایت کے لئے بھیجنا کون تعجب کی بات ہے۔ انبیاءؑ کے نافرمانوں پر عذاب کا نازل کرنا یقینی امر ہے۔ نزولِ عذاب عموماً معمولی عادی اسباب کے تحت ہوتا ہے جیسے زلزلہ، سیلاب یا آندھی یا بجلی کی کڑک یا زمین کا دھنس جانا یا زمین پھٹ کر لوگوں کا اس میں غرق ہو جانا یا پہاڑوں سے آتشیں مادہ کا رواں ہو کر بہنا اور اس سے شہروں یا ملکوں کا غارت ہونا یا قحط شدید ہونا یا کالرا، پلیگ اور دیگر وبائی بخاروں کا پھیل کر بستیوں کو تباہ کر دینا یا کسی سفاک قوم کا مسلط ہو کر کسی شہر کو بمباری اور زہریلی گیسوں سے ہلاک کر دینا۔ کیا اخبار پڑھنے والے نہیں دیکھتے کہ جاپان میں زلزلے سے کتنی تباہ کاریاں ہوتی ہیں۔ یورپ میں طوفان باد و باراں کس قدر آتا ہے۔ مغربی ممالک میں وبائی بخارات کس قدر پھیلتے ہیں۔ اٹلی نے کس طرح حبش کو برباد کر دیا۔ میڈرڈ پر دشمن کے رہنے والوں نے ایک ایک گھنٹے میں بارہ بارہ سو کی تعداد میں بم برسائے۔ یہ سب عذابِ الٰہی کی مختلف شکلیں نہیں تو اور کیا ہے؟ جن کی آنکھوں پر اور بصیرت پر غبارِ عظیم ہے وہ صرف ترقی کو دیکھتے ہیں۔ پھیلے ہوئے وبال اور عمومی تباہی کو نہیں دیکھتے نہیں غور کرتے کہ بڑی بڑی مہذب لامہذب سلطنتوں میں انبیاءؑ کی تعلیم پر نہ چلنے کی وجہ سے کس قدر بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں پونڈ ماہوار آمدنی کے باوجود نہ عافیت کی زندگی میسّر ہے نہ سکونِ خاطر۔ اضطراب و بے چینی کی ایک لہر ہے جس نے ہر کہ و مہ کو پریشان و پراگندۂ خاطر کر رکھا ہے۔ جابجا ہسپتال کھلے ہوئے ہیں، لیکن متعدی امراض کی اس قدر کثرت ہے کہ الامان۔ جمہوری بھوت ہر شخص کے سر پر سوار ہے اور ہر آدمی کی زندگی برائے نام آزاد اور باطن میں محض کرائے کی زندگی ہو کر رہ گئی ہے۔ درحقیقت ہر تباہی خواہ کسی ملک کی ہو نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں ہوتی ہے خواہ ظاہری اسباب کے تحت ہو یا باطنی اسباب کے ذریعے ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کی گرفت جلد ہو جاتی ہے اور کسی کی دیر میں ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی مصلحت و حکمت ہے، کبھی وہ جلد پکڑ لیتا ہے اور کبھی ڈھیل دیتا رہتا ہے اور جب سرکشی حد سے گذر جاتی ہے تو پھر یک دم وہ پکڑ لیتا ہے، کوئی نہ کوئی بلا دفعتاً آ جاتی ہے اور افراد و اقوام کی تباہی کا موجب ہوتی ہے اور اچھے اچھے مبصروں کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ بربادی کس طرح اور کیوں ہوئی؟ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اسی طرح اشارہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ کائنات کا ہر واقعہ ہر چیز اور ہر فرد دو سبب کا مرہون ہے۔ ایک فاعلی دوسرا مادی۔ فاعلی اسباب تو عالمِ بالا کی تاثیرات ہیں جو زمین پر پہنچتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی ماہتاب کی رطوبت و خشکی علیٰ ہذا ہر ستارہ کی ایک خاص تاثیر ہے اور مادی اسباب زمین کے یہی عناصر ہیں، جب اسبابِ فاعلی کی تاثیریں اُن پر پڑتی ہیں اور یہ حسبِ استعداد اُن کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات، جمادات، حیوانات

سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب اسباب کی تاثیرات عناصر میں یا کسی قوم یا شخص کے فائدے کے لیے ہوتی ہیں یا نقصان کے لیے۔ مثلاً سمندر سے بخارات اُٹھے ان کا ابر بنا، ابر سے پانی برسا، زمین نے اُس کو قبول کیا، آفتاب کی گرمی پڑی اُس سے گھاس، پھول، سبزہ، غلہ پیدا ہوئے چاند نے خنکی پہنچائی، پھولوں میں رونق، پھلوں میں شیرینی اور شادابی آئی پھر آفتاب کی گرمی سے پھل اور غلہ پکا۔ اب اگر یہ تمام کام وقت پر ہوئے اور موسم کے موافق ہوتے چلے گئے تو افراد و اقوام مالا مال ہو گئیں اور اگر بارش نہ ہوئی اور ہوئی تو وقت پر نہ ہوئی یا ضرورت سے کم و بیش ہوئی تو پیداوار پر اُس کا اثر پڑا اور بجائے فائدے کے نقصان پہنچا، زہریلے امراض پیدا ہو گئے، حاصلات کی قلت ہو گئی، جانیں بھی تلف ہونے لگیں اور جو زندہ بچے وہ بھوکوں مرنے لگے۔ پہلی صورت کو برکت سے تعبیر فرمایا ہے اور ثانی صورت بے برکتی کی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں پر اُن کے گناہوں کی نحوست بشکل عذاب نازل ہوئی۔ اگر وہ انبیاء کو سچا جانتے الوہیت و ربوبیت میں کسی کو اللہ کا شریک نہ قرار دیتے، تمام اسباب و عالم اسباب کو اللہ کے ہاتھ میں سمجھتے، ہر قسم کے گناہوں و عصیان سے بچے رہتے تو ہم اُن پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ راحت و سکون میسر آتا، وقت پر پانی برستا، زمین کی پیداوار بکثرت ہوتی اور عمدہ ہوتی نہ بیماری پھیلتی نہ طوفان آتا، مگر انھوں نے پیام حق کو نہ مانا، انبیاء کو جھوٹا جانا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کی گرفت کی، عذاب میں گرفتار کیا اور ان ہی کی بداعمالیاں اس کی موجب ہوئیں۔

مقصود بیان

اللہ کی آزمائش کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مصائب میں مبتلا کرنے سے بھی مقصود آزمائش ہوتی ہے اور راحت و رفاہیت کا مدعا بھی یہی ہے۔ کوتہ نظر لوگ دکھ سکھ اور راحت و تکلیف کو اسباب کا انقلاب اور معمولی تغیر خیال کرتے ہیں، لیکن جن کی عقلیں روشن ہیں وہ معاملے کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور تمام حوادث کو مسبب الاسباب کے تصرفات خیال کرتے ہیں۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر راحت و تکلیف کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھنی چاہیے اور ہر وقت خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ان تغیرات کو دستور قدیم نہ سمجھ لینا چاہیے۔ آیت میں اس بات کی طرف بھی ایماء ہے کہ انسان کے گناہوں کا وبال ہی ہے کہ مختلف تباہی انگیز حوادث آتے رہتے ہیں۔ لہٰذا جو امور موجب بربادی ہیں اُن سے پرہیز لازم ہے۔ زہر اگر منہ میں رکھ لیا ہے تو نگلنے سے اُگلنا بہتر ہے۔ ممکن ہے جان بچ جائے، لیکن اگر نگل لیا تو پھر بچاؤ ناممکن ہے وغیرہ۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ أَوَأَمِنَ

کیا بستیوں والے اس بات سے بیخوف ہیں کہ رات کو اُن کے سوتے میں ہمارا عذاب اُن پر پہنچ جائے یا بستیوں والے

أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ

اس بات سے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب دن چڑھے جب کہ وہ کھیلتے ہوں اُن پر آجائے کیا وہ اللہ کی تدبیر سے

اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ع

بیخوف ہو گئے تو اللہ کی تدبیر سے صرف نقصان اُٹھانے والے لوگ ہی بے خوف ہوتے ہیں

تفسیر

اوپر کی آیت کا حاصل یہ تھا کہ پرہیزگار اہل ایمان پر اللہ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔ جو لوگ سرکشی و عصیاں شعار ہیں وہ غفلت کی نیند سے رات کو سرشار ہوتے ہیں یا دن میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کے نشہ سے بدمست ہوتے ہیں اور عذاب الٰہی آجاتا ہے اُن کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ کہاں

سے آیا اور اُن کے گناہوں کی سزا کس طرح اُن کو ملی۔ اللہ کی تدبیر بہت ہی دقیق ہے۔ تمام ظاہری اسباب یوں ہی رکھے رہ جاتے ہیں اور موافق امور سے ناموافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا خدا کے داؤں سے کسی نڈر اور غافل نہ ہونا چاہیے جس نے بے باکی اختیار کی وہی تباہ ہوا۔ جس طرح گذشتہ قومیں بادۂ غفلت سے سرمست تھیں اور یکایک راتوں رات اُن پر عذاب آگیا یا اچھے خاصے دن میں شاہد عشرت سے ہمکنار تھے اور عقوبت الٰہی نے اُن کو آگھیرا۔

مقصودِ بیان گذشتہ اقوام کی بدبستی اور اس کی سزا کا بیان اُمتِ محمدیہ کے کافروں کو تنبیہ اور تخویف کہ تم بھی اگر یوں ہی بادۂ نخوت و سرکشی سے سرشار ہو گے تو تم کو بھی یوں ہی تباہ کر دیا جائے گا۔

اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کے عذاب کے راستے انسانی نظر سے بہت مخفی ہیں، اس لیے کسی کو مطمئن و بے باک نہ ہونا چاہیے بلکہ انتقامِ خداوندی سے ڈرتے ہوئے ہر وقت توبہ کرنا چاہیئے وغیرہ۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ

کیا جو لوگ کسی زمین کے مالک وہاں کے رہنے والوں کے بعد ہوتے ہیں اُن کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم

أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

چاہیں تو ان کو بھی اُن کے گناہوں پر پکڑ لیں (اصل یہ ہے کہ) ہم اُن کے دلوں پر مُہر لگا دیتے ہیں اس لئے وہ سنتے ہی نہیں

تفسیر یہاں تک اہلِ کفر منکرین کے قصص اور ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیات کا بیان تھا اور پھر یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ فقط مذکورہ اقوام پر ہی منحصر نہیں بلکہ یہ ضابطۂ قدرت ہے کہ جہاں کہیں انبیاء آئے وہاں کے لوگوں کی آزمائش ہوئی، دُکھ سُکھ کی مختلف حالتیں پیدا ہوئیں اور آخر میں منکرین کو برباد کر دیا گیا۔ اب یہاں کل واقعاتِ مذکورہ کا اصل مقصد اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تباہ شدہ بستیوں میں ہلاک ہو جانے والی کافر قوموں کے بعد جو لوگ رہتے بستے ہیں اُن کو تو اپنے گذشتہ اسلاف کے حالات سُن کر اور اپنی بستیاں دیکھ کر ضرور عبرت پکڑنی چاہیئے اور پچھلے واقعات یاد کر کے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے کہ یہ وہی بستیاں ہیں جن کے باشندے کفر و معاصی کی سزا میں بیخ و بن سے نابود ہو چکے۔ اب ہم کو خدا نے اُن کا جانشین بنایا ہے اُن کی زمینیں اور مکانات ہمارے قبضے میں دے دیئے ہیں۔ اگر ہم کفر کریں گے تو انھیں کی طرح برباد ہو جائیں گے۔ اس کے بعد فرماتا ہے :- ان کافروں کے دلوں پر ان کی سنگ دلی کے سبب اللہ نے مہر کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سُنی ان سُنی برابر کر دیتے ہیں گو بظاہر سُنتے ہیں مگر سننے کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔

مقصودِ بیان سرکشوں کو ترہیب و تنبیہ۔ گذشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب اس امر کی طرف ضمنی صراحت کہ ہم نے سرکشوں کو تباہ کر کے موجودہ بستیوں کو موجودہ انسانوں سے آباد کیا اور اُن کی زمینیں ان کے قبضہ میں دے دیں۔ اس بات کی طرف معنی خیز اشارہ کہ ہماری نظر میں معنی خیز اشارہ کہ ہماری نظر میں گذشتہ اور موجودہ سب برابر ہیں۔ نہ اُن سے ذاتی عداوت نہ ان سے ذاتی خصوصیت۔ انھوں نے جیسا کیا ویسا بھرا یہ جیسا کریں گے ویسا پائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ گذشتہ اقوام کا جو فعل ناپسند تھا وہی فعل ان کا قابلِ استحسان ہو جائے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ

یہ بستیاں ہیں جن کی خبریں (اے محمد) ہم تم سے بیان کر رہے ہیں اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزات لے کر پہنچے

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

مگر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے پھر اس پر وہ ایمان لانے والے نہ تھے اسی طرح کافروں کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتا

الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝

ہے ہم نے ان میں سے اکثر کا نباہ نہیں پایا بلکہ اکثر کو نافرمان ہی پایا

تفسیر جب کفارِ مکہ اور منکرین عرب کا کفر و انکار بڑھتا گیا اور حضور اقدس کی خاطر عاطر کو ملال پہنچا تو تسلی کے لئے یہ آیت اُتری کہ ہمیشہ ہر نبی کے ساتھ کافر ایسا ہی کرتے رہے ہیں کچھ تمہاری خصوصیت نہیں ہے۔ موسیٰ کا قصہ دیکھو کہ فرعون نے کیا جواب دیا اور کیسا برتاؤ کیا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ عاد و ثمود اور قوم لوط و شعیبؑ کی بستیاں اور اجڑے ہوئے کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ سفر تجارت میں آتے جاتے تمہارے سامنے پڑتے ہیں۔ انھیں کے یہ واقعات ہیں اللہ کے پاس ہمارے رسول معجزات اور قوانین ہدایت لے کر گئے، مگر انھوں نے نہ مانا رسول نے خوب سمجھایا، معجزات دکھائے مگر انھوں نے جس بات کا انکار کر دیا تھا اُس کا انکار ہی کرتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر گمراہی کی مہر کر دی تھی یعنی اُن کی جہالت ناقابلِ اصلاح ہو چکی تھی۔ زنگ اس قدر چڑھ گیا تھا کہ اصل جوہر کھو گیا تھا۔ ازلی عہد کو انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔ فطری معاہدے کو بھول چکے تھے۔ اُن میں سے اکثر بدکار تھے۔ ہدایت سے خارج تھے۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ کو تسلی اور کفار کے انکار سے دل شکن نہ ہونے کی ضمنی ہدایت۔ اس امر کی طرف ایماء کہ جس کی روح فرسودہ ہو گئی۔ معمولی پردہ و غطاء سے آگے بڑھ کر عقل پر کامل جہالت و گمراہی چھا گئی ہو اور نورِ بصیرت ضلالت کے زنگ سے فرسودہ ہو گیا ہو اور دل پر مہر لگ گئی ہو اُس کا راہِ راست پر آنا اور انبیاء و رُسُل کی تعلیم سے فیضیاب ہونا ناممکن ہے۔ سب سے پہلے انسان کو نورِ فطرت سے دل کو روشن کرنا اور عہدِ سرشتی کا پابند ہونا چاہیئے۔ جو عہدِ ازل کے پابند ہیں اُن کو تعلیمِ الٰہی مفید ہوتی ہے اور جن کا نورِ جبلت فسردہ ہو چکا وہ دائرۂ ہدایت سے ہمیشہ خارج ہوتے ہیں۔ وغیرہ۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ کو (اپنی قدرت کی) نشانیاں دے کر فرعون کے اور اس کی قوم کے پاس بھیجا مگر انھوں نے نشانہائے قدرت کی

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

حق تلفی کی پس دیکھ لو مفسدوں کا انجام کیا ہوا

تفسیر یہ چھٹا قصہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا ہے۔ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ رسول اللہؐ کی تسکینِ خاطر کے لئے اور کافروں کو عبرت دلانے کے لئے پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ دیکھو موسیٰ کو جب حکم تبلیغ ہوا اور معجزات دے کر فرعون اور اُس کی

قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا گیا تو انھوں نے بجائے ماننے کے صحیح معجزات کو جادو کہہ دیا تکذیب کی اور انتہائی بے ادبی کی پھر نتیجہ کیا ہوا؟ وہی جو مفسدوں کا ہوتا ہے۔ تباہی، بربادی، خسرانِ مآلی اور خرابی۔ لہٰذا آپ کو بھی ان کی ہٹ اور انکار سے شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے نتیجہ کے منتظر رہیئے۔ کامیابی بالآخر اہلِ ایمان ہی کو ہوگی۔ اس جگہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصّہ تفصیل سے ذکر کیا ہے اور چونکہ اس قصہ میں مصر، حکامِ مصر اور بنی اسرائیل کا تذکرہ آیا ہے، اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر آیات سے پہلے فرعون، موسیٰ، مصر بنی اسرائیل وغیرہ کی تاریخ اجمال کے ساتھ لکھ دی جائے تاکہ واقعات منظم طور پر سمجھ میں آسکیں۔ تاریخی تحقیق کے بعد ہم بنی اسرائیل اور فرعون کے قصہ پر بھی کسی قدر روشنی ڈالتے جائیں گے۔

(۱) حضرت شعیبؑ کا دورِ نبوت ختم ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نبی بنا کر بھیجا۔ لفظ موسیٰؑ کی وجہ تسمیہ میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قبطی زبان میں مُو کے معنی پانی اور سا کے معنی درخت ہیں۔ چوں کہ حضرت موسیٰؑ پانی اور درختوں کے درمیان ڈال دیئے گئے یا پالئے گئے تھے اس واسطے موسیٰ نام ہوا۔ آپ حضرت ہارون کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ دونوں صاحبزادے عمران اسرائیلی کے تھے۔ حضرت موسیٰ کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی۔ آپ کے اور حضرت یوسف کے درمیان چار سو برس کا فصل تھا اور حضرت موسیٰ سے حضرت ابراہیم سات سو برس پہلے گذرے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی والدہ اور فرعون کی بیوی آسیہ حقیقی بہنیں تھیں۔ فرعون کے کوئی اولاد نہ تھی اور جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اُس سال بنی اسرائیل کے نرینہ بچّوں کا بازارِ قتل بہ حکم فرعون گرم تھا۔ بنی اسرائیل کا کوئی نوزائیدہ نرینہ بچّہ زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ جس طرح آئندہ تفصیل سے آئے گا، اس لیئے فرعون کے خوف سے حضرت موسیٰ کی والدہ نے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر نیل میں ڈال دیا تھا۔ نیل کی ایک شاخ شاہی محل میں ہو کر نکلتی تھی۔ صندوق بہتا ہوا شاہی قصر کے اندر آگیا۔ فرعون کی بیوی نے جو درحقیقت موسیٰ کی خالہ تھیں، صندوق پانی سے نکلوایا اس میں ایک بچّہ ملا۔ شدہ شدہ فرعون کو خبر ملی۔ اُس کی تو کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اس لیئے اپنی بیوی کی رائے کے اتفاق سے موسیٰ کو بیٹا اور ولی عہدِ سلطنت بنا لیا گیا اور موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے حضرت موسیٰ کی والدہ کو مقرر کیا گیا۔ ممکن ہے حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے آسیہ کے مشورے سے یہ تدبیر کی ہو۔

(۲) فرعون کو بعض لوگ عربی لفظ کہتے ہیں، اور تفرعن سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر فرعون بمعنی متکبر ہوگا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ لفظ اصل میں فرُدُہ تھا۔ قدیم مصری زبان میں فردہ کے معنی تھے شاہنشاہِ اعظم۔ اہلِ عرب نے اس کو معرب کر کے فرعون بنا لیا۔ مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون فارسی تھا۔

بہرحال فرعون کسی مخصوص بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ شاہانِ مصر کا لقب تھا۔ ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے۔ (ابن جریر)

فراعنہ مصر درحقیقت مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے۔ حکامِ مصر کے پانچ دور گزرے۔ پانچویں دور میں آکر حکومتِ مصر مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اول دورِ فراعنہ کی حکومت کا زمانہ بہت طویل ہے۔ اکثر مورخین نے ۱۶۲۲ برس ان کا عہدِ حکومت بتایا ہے۔ ان کا آخری بادشاہ مسمی توس تھا جس کو کمبیس (کے خسرو) شاہِ ایران نے حضرت عیسیٰؑ سے ۵۲۰ برس پہلے قتل کر کے اُس کے تمام خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور حکومتِ مصر پر ایرانیوں کا تسلط ہو گیا۔ انہی فراعنہ میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کا فرعون بھی تھا جس کا نام بر قول مورخینِ اسلام ولید بن مصعب بن ریان یا ابوالعباس بن ولید بن مصعب تھا اور یونانی تاریخوں میں اَمنوم قیس دوم کہا گیا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۴۹۲ برس پہلے تھا اور بحرِ احمر یعنی قلزم میں اپنی فوج سمیت غرق ہوا۔ اس کے بعد مصر میں خاندانِ فراعنہ میں دوسرا بادشاہ ہوا اور قبطیوں کی ہی سلطنت قائم رہی۔ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو پھر لوٹ کر نہ آئے اور نہ بنی اسرائیل کی سلطنت مصر میں ہوئی۔ دوسرا دور ایرانیوں کی حکومت سے لے کر سکندرِ اعظم تک ۱۹۴ برس قائم رہا۔ تیسرا دور بطلیموسیوں کا ہے جن کی ابتدا سکندرِ اعظم سے ہوئی اور انتہا سنہ ۳۰ قبل المسیح پر ہوئی۔ چوتھا دور رومیوں کا ہے جو ۳۰ قبل مسیح سے لے کر ۶۳۹ء تک رہا۔ اس کے بعد یعنی ۲۰ھ میں حکومتِ مصر اہلِ اسلام کے ہاتھ آئی اور ۱۹۱۸ء تک ترکوں کا تسلط مصر پر رہا۔ پھر برطانیہ کا تسلط ہو گیا اور حکومت منتدابیہ قائم ہو گئی۔ لیکن اس سال اللہ پاک کی مدد اور مصریوں کی قربانیوں کی وجہ سے مصر کی حکومت

پھر آزاد ہوگئی اور شاہ فاروق مستقل بادشاہ تسلیم کر لئے گئے۔ انتداب ختم ہوگیا اور خارجی و داخلی آزادی مصریوں کو نصیب ہوگئی۔

(۳) فرعون کے زمانے کا شہر مصر یہ نہیں ہے جس کو آج کل قاہرہ (مصر) کہا جاتا ہے بلکہ دریائے نیل کے پورب اور پچھم میں ایک شہر تھا۔ جس کو ہامون تو یا نوامون نے اپنے دیوتا کے نام پر آباد کیا تھا چونکہ اس ملک میں مصر بن حام بن نوح کی نسل آباد تھی اس لئے اس ملک کو ہی مصر کہہ دیا۔ اس شہر کے سو پھاٹک اور دو ہزار مستحکم قلعے تھے۔ اس کے غربی حصہ میں برج اور بادشاہی محلوں کے نشان اور بڑے پتھروں کے لمبے ستون جن کا طول ۲۰ گز اور قطر ۳ گز ہے اور ایک صحن میں بادشاہ کی ایک سنگ مرمر کی مورتی جس کی بلندی ۲۲ گز اور وزن ۸۴۳۹ من ہے ٹوٹے پھوٹے پڑے نظر آتے ہیں۔ ستائیس میل کے دور میں اس کے خرابات مسافروں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر کا مشرقی حصہ بھی بہت بڑا ہے جس میں سینکڑوں بُت خانے دکھائی دیتے ہیں۔ فرعون کے محل کے نشان اور ٹوٹے پھوٹے برج اب تک موجود ہیں۔ اسی ایک حصہ کا نام عمیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا تھا اور ممفیس بھی اسی کو یا اُس کے کسی حصہ کو کہتے تھے اس کو اہل اسلام منف کہتے ہیں۔ یہ شہر اول بخت نصر کے ہاتھوں برباد ہوا پھر کمبیش یا کرش یا کیخسرو نے تباہ کیا۔ پھر جب ۲۰ھ میں عمرو بن عاص نے ہرقل کے قبضہ سے چھینا تو اس کی بربادی اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے نیل کے شرقی جانب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام فسطاط رکھا۔ خلفائے بنی عباس کے عہد میں بھی فسطاط مصر کا تخت گاہ تھا۔ چنانچہ جب کافور اخشیدی جو مصر کا حکمراں تھا مرگیا تو قیروان (اندلس) سے ابوتمیم معز باللہ اسماعیلیوں کے خلیفہ چہارم نے اپنے سپہ سالار قائد جوہر کو مصر پر روانہ کیا۔ اُس نے آکر یہ ملک خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکال لیا اور فسطاط کو غارت کر دیا۔ پھر چند روز کے بعد معز باللہ اسکندریہ کے راستہ سے ۳۶۲ھ میں آکر مصر میں داخل ہوا تو فسطاط کے پاس اس نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ پھر جب سلاطین اسماعیلیہ کی حکومت زائل ہوئی اور سلطان صلاح الدین کا قبضہ ہوا تو اس نے فسطاط اور قاہرہ کے اردگرد آٹھ میل کے دور میں پختہ شہر پناہ بنوادی۔ یہی قاہرہ اب مصر کا دار السلطنت ہے البتہ شہر پناہ برباد ہوگئی ہے۔

(۴) بنی اسرائیل ملک مصر کے قدیمی باشندے نہ تھے۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کے عہد میں حضرت یعقوبؑ مع تمام خاندان اور اہل و عیال کے کنعان سے ملک مصر میں آرہے تو یہاں آپ کی نسل میں بہت برکت ہوئی اور تھوڑے ہی زمانہ میں اسرائیلیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور اُس عہد کے مغرور و سفاک بادشاہ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ بادا یہ پردیسی لوگ ہمارے ملک پر قابض ہو جائیں۔ اس لئے ان کو تباہ و ذلیل کرنے کی اُس نے ہر ممکن تدبیر کی۔ سخت سے سخت کاموں پر ان کو مامور کرتا اور ذرا سے قصور پر سخت سزائیں دیتا تھا۔ اس کے علاوہ نجومیوں نے بھی اُس سے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا اقبال مند لڑکا پیدا ہوگا جس سے تیری سلطنت جاتی رہے گی تو اس کو اور بھی اپنی سلطنت کی بقا کی فکر دن رات رہتی تھی۔ اسی بنا پر اس نے ایک عام حکم دے دیا تھا کہ جس اسرائیلی کے ہاں لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے۔ اس سے مقصود بنی اسرائیل کی تذلیل بھی تھی کہ جب لڑکیاں بکثرت ہوں گی اور اسرائیلی لڑکا کوئی موجود نہ ہوگا تو لامحالہ وہ لڑکیاں قبطیوں کے تصرف میں آئیں گی۔ چنانچہ دائیاں اس خدمت پر مامور تھیں۔ بالآخر خدا نے عمران کے گھر میں حضرت موسیٰ کو پیدا کیا۔ اُن کی والدہ نے ان کو دائیوں سے چھپانے کے لئے ایک تنور میں ڈال دیا۔ تنور خالی تھا اس لئے ایک روز تو حفاظت ہوگئی۔ دوسرے روز مناسب جانا کہ کسی صندوق میں محفوظ طور پر بند کر کے توکل بخدا دریائے نیل میں ڈال دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ وہ صندوق بہتا بہتا دریا سے نکل کر اس شاخ میں آگیا جو فرعون کے محلوں میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ فرعون کی بیٹی نے دیکھا تو اٹھا لیا اور اپنی ماں کے پاس لائی۔ ماں نے فرعون سے اجازت لے کر حضرت موسیٰؑ کو فرزندی میں لے لیا اور پرورش کرنا شروع کر دیا اور دودھ پلانے پر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو مقرر کیا گیا کیونکہ موسیٰؑ نے کسی اور دائی کا دودھ ہی نہ پیا۔ رفتہ رفتہ موسیٰ جوان ہوگئے اور فرعون کے بیٹے کہلاتے تھے۔ ان کو اقتدارات وہی تھے جو شاہزادوں کو ہوتے ہیں۔ وہی عیش و عشرت اور ناز و نعم تھا۔ بنی اسرائیل پر جو ظلم ہوتے تھے ان کا بہت سا حصہ حضرت موسیٰ کی سفارش سے موقوف ہوگیا۔ مگر قبطیوں کو اب بھی موسیٰؑ کے نسب میں کوئی شبہ نہ ہوا اور حضرت موسیٰ جو بنی اسرائیل کی رعایت کرتے تھے اس کی وجہ قبطی یہ سمجھے تھے کہ چونکہ موسیٰؑ نے اسرائیلی عورت کا دودھ پیا ہے یہ دودھ کا اثر ہے۔ بہرحال موسیٰ پر کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔ بہرحال موسیٰؑ

پر کسی کو کوئی شبہ نہ تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کی عدل پروری سے ظالم قبطی تنگ آگئے تھے اور موسیٰ کو مشتبہ نظر سے نہیں بلکہ کینہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن ایک بار آپ منف میں گئے اور وہاں ایک قبطی کو اسرائیلی سے لڑتے دیکھا تو اس کے ایک مکا مارا اور وہ مر گیا۔ اس وقت قبطیوں کو معلوم ہوا کہ موسیٰؑ اسرائیل میں اللہ ہی شخص ہیں جو قبطی سلطنت کی تخریب کا باعث ہوں گے۔ فرعون کو اس سے پہلے ہی کچھ آثار و علامات سے شبہ ہو گیا تھا اور وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے فعل قتل سرزد ہو گیا لیکن آپ نے قصداً قتل نہ کیا تھا تاہم پھر بھی پشیمان ہوئے اور افسوس کیا اور فرعون کے ڈر سے جان بچا کر مدین چلے گئے اور حضرت شعیب کی صاحبزادی صفورا سے نکاح کیا۔ بارہ سال وہیں رہے۔ بارہ سال کے بعد لوٹے تو کوہ طور کے حوالی میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور مصر جانے اور فرعون کو سمجھانے کا حکم ہوا۔ حسب الحکم موسیٰؑ مصر آئے اور بمشکل بارگاہِ فرعونی تک رسائی ہوئی۔ اس کے آگے کا قصہ خود آیات میں آتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں (میرے لئے) یہی شایاں ہے کہ اللہ پر

اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ

سوائے سچ کے اور کچھ نہ کہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلا معجزہ لے کر آیا ہوں لہٰذا تم

مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ

میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو فرعون نے کہا اگر تم کوئی معجزہ لائے ہو اور سچے ہو تو

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اس کو پیش کرو

تفسیر حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ بڑی مشکل سے فرعون کے دربار میں پہنچے۔ ہارون بھی ساتھ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اے فرعون خوب سمجھ لے میں اس کا فرستادہ ہوں جو تمام عالم کا موجد و مربی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کا نام لے کر خطاب نہیں کیا بلکہ شاہی لقب سے خطاب کیا۔ کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ فرعون بڑا مغرور و متکبر بادشاہ ہے۔ اگر نام لے کر گفتگو کی گئی تو فوراً مشتعل ہو جائے گا اور نصیحت سے فائدہ حاصل ہونے کی کوئی امید نہ رہے گی پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خدا تعالیٰ نے ہی نرم الفاظ میں گفتگو کرنے کی ہدایت کر دی تھی اور فرمایا تھا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ اس کے بعد فرعون کی خدائی پر ایک کاری ضرب اس طرح لگائی کہ اللہ کو رب العالمین موجد کل اور مربی خلائق کہا اور اپنے کو اس کا فرستادہ ظاہر کیا۔ اس ضرب کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا یعنی فرعون نے اپنے دعویٰ خدائی سے ہٹنا گوارہ نہ کیا اور دونوں باتوں کا انکار کر دیا نہ خدا تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا اقرار کیا، نہ موسیٰ کی رسالت کی تصدیق کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا خدا پر بہتان بندی اور دروغ تراشی میرا شیوہ نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے اور جس سے میرے دعویٰ کی وضاحت ہوتی ہے۔ لہٰذا میری مقصد میں بنی اسرائیل کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیدے تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطن ملک شام کو لے جاؤں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ فرعون کو بنی اسرائیل کی طرف سے جو خطرہ ہے وہ جاتا رہے اور یہ بات واضح ہو جائے

کہ میں بنی اسرائیل کو صرف پنجۂ ظلم سے رہا کرانے آیا ہوں تیرے ملک اور حکومت کو چھیننا نہیں چاہتا۔
فرعون نے نبوت اور معجزہ کا لفظ سُنا تو اس کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس جرأت کے ساتھ جو یہ شخص کلام کر رہا ہے اور ثبوت پیش کرنے کا مدعی ہے۔ دیکھنا تو چاہیئے وہ کیا ثبوت ہے۔ چنانچہ کہنے لگا اچھا اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو لا ثبوت پیش کر تیرے پاس کونسا ایسا ثبوت ہے جو بجو دکن ہے اور کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚۖ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ فوراً ایک نمایاں اژدہا بن گئی اور موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ (بغل سے) نکالا تو وہ

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۟ ع

دیکھنے والوں کے لئے نورانی ہو گیا

تفسیر حضرت موسیٰ نے دو معجزے دکھلائے۔ اوّل تو اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ زمین پر گرتے کے ساتھ ہی وہ لہراتے ہوئے سانپ کی طرح بن گئی۔ اور حاضرین کی طرف سے بڑھی۔ فرعونیوں نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ڈر کے مارے بھاگنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو پکڑ لیا۔ تو وہ بدستور لاٹھی ہو گئی۔

دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی بغل میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور باہر نکالا تو ہتھیلی پر چھالے کی طرح ایک چیز برآمد ہوئی جس کی چمک بجلی کی چمک سے تیز تھی۔ کوئی اس کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ جب حاضرین نے بند کرنے کی درخواست کی تو آپ نے مُٹھی بند کر لی اور روشنی موقوف ہو گئی۔ یہ دونوں معجزے آپ کو وادی قدس میں عطا کئے گئے تھے۔

ثعبان بڑے سانپ یعنی اژدہے کو کہتے ہیں اور مبین سے مراد یہ ہے کہ اُس کے سانپ ہونے میں کوئی شک کسی کو نہ تھا اور ایک آیت میں اس کو جَانّ کہا گیا ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں لیکن اس سے اختلافِ مفہوم نہیں پیدا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ جسم میں تو وہ یقیناً اژدھا تھا مگر اژدھا زمین پر پڑا رہتا ہے حرکت نہیں کر سکتا۔ عصائے موسیٰ ایسا اژدھا نہ تھا کہ حرکت نہ کر سکے بلکہ پھرتی اور حرکت کی تیزی میں چھوٹے سانپ کی طرح تھا۔ عصائے موسیٰؑ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ قتادہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصا حضرت آدمؑ کا تھا۔ جو کسی فرشتہ نے آدمی کی شکل میں ہو کر حضرت موسیٰؑ کو اُس وقت دے دیا تھا جب آپ مدین جا رہے تھے۔ یہ عصا رات کو شمع کی طرح روشن ہو جاتا تھا اور دن میں معمولی لاٹھیوں کا کام دیتا تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ عصائے موسیٰؑ کا سر دو شاخہ تھا۔ بعض کج فہم کہتے ہیں کہ ثعبان سے واقعی اژدہا مراد نہیں اور نہ ید بیضا کوئی محسوس مرئی چیز تھی بلکہ اژدہے سے مُراد دلیل و حجت ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے دلائل و براہین قوی و قاہر تھے۔ مخالفوں کے اقوال اور اُن کی کل دلیلیں براہین موسیٰ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں اور کافروں کے تمام براہین براہینِ موسیٰ سے مغلوب تھے اس لئے حجتِ موسیٰ کو اژدہا کہا گیا جس طرح اژدہا اپنے سامنے کی ہر چیز کو نگل جاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی دلیل ہر پیش آنے والی دلیل پر غالب تھی اور چونکہ آپ کی دلیل روشن تھی اس کی حقانیت و صداقت آفتاب کی طرح روشن تھی جس کے مقابلہ کی کسی میں تاب نہ تھی اس لئے اُس کو بیضا کہا گیا۔ لیکن یہ کوتاہ بینی اور دور اندیشی ہے۔ تاویل ضرور دل نشین معلوم ہوتی ہے۔ مگر نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبوی اس کے خلاف موجود ہیں جن کی تضعیف یا تغلیط یا تاویل نہیں کی جا سکتی۔ اخبارِ متواترہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ لاٹھی واقعی سانپ بن گئی تھی اور ید بیضا کا واقعی معجزہ تھا۔ صرف تشبیہ یا تمثیل مقصود نہیں ہے۔ جب انبیاء سے صدورِ معجزات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور معجزہ کہتے ہی ہیں ایسے فعل کو جو عام طاقتِ انسانی سے خارج ہو تو پھر نوعیتِ معجزہ کو

شبہ کی نظر سے دیکھنا اور اس میں چون وچرا کرنا عقل کے خلاف ہے۔

مقصودِ بیان انبیاء سے صدورِ معجزات حق ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تبلیغ اگرچہ بالذات بنی اسرائیل کے لئے تھی مگر بالتبع فرعون اور قوم فرعون کے لئے بھی تھی۔ معجزات کا انکار کرنا کفر ہے۔ شرک، کفر اور ظلم سے جب روئے زمین پر تباہی پھیلنے لگتی ہے تو فساد پھیلانے والوں کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کو اگر نصیحت کی جائے تو اس کی ہستی وشان کا لحاظ کرتے ہوئے تہذیب سے کی جائے۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون سے کی۔ جھوٹ بولنا انبیاء کا شیوہ نہیں۔ کوئی نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ انبیاء کو تبلیغ رسالت سے مقصود دنیوی حکومت اور سلطنت نہیں ہوتی بلکہ توحیدِ الٰہی کو، عدل کو قائم کرنا اور مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے رہا کرانا مقصود ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کا مقصود صرف یہ تھا کہ اللہ کی وحدانیت والوہیت تسلیم کرادیں، شرک کو مٹادیں اور بنی اسرائیل کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑا کر شام کو لے جائیں۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ

فرعون کی　قوم کے　سردار بولے　یہ بڑا　جاننے والا　جادوگر ہے　تم کو تمہارے　ملک سے نکال

مِنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي

دینا چاہتا ہے　اب اس کے حق میں تم کیا رائے دیتے ہو؟ (حاضرین فرعون سے) بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور

الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ۝

شہروں میں سپاہی بھیج دیجئے　تاکہ تمام　جاننے والے جادوگروں کو تمہارے پاس لے آویں

تفسیر ہر زمانہ میں جس فن کا زیادہ زور ہوا اللہ نے اسی قسم کا معجزہ دے کر اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا اطرافِ ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود تھے۔ جادو سیکھنا کمال سمجھا جاتا تھا۔ جادوگروں کی عزت کی جاتی تھی، اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو ظاہر نظروں سے دیکھنے کے بعد جادو سے بہت کچھ مشابہ نظر آتے تھے۔ اگرچہ معجزات کی حقیقت سحر سے بالکل جدا تھی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ کمالِ طبی سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ ہمارے آقا کے زمانہ میں فصاحت بلاغت اور شعر وشاعری کا بڑا زور تھا۔ قبائل کی حکومت شاعروں کے قبضہ میں تھی، اس لئے حضورؐ کو قرآن دیا گیا جس کی بلاغت وفصاحت کے مقابلے میں کل عرب وعجم کی قوتِ بیان گونگی ہوگئی۔

غرض جب فرعون اور اس کے درباریوں کو ہوش آیا اور خوف وہراس دور ہوا تو لگے باہم مشورہ کرنے۔ فرعون بولا یہ تو بڑا جادوگر ہے تمہاری حکومت چھین کر تم کو ملک بدر کرنا چاہتا ہے۔ اسٹاف شاہی نے اس کی تصدیق کی اور کہا بیشک یہی بات ہے۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو کچھ دنوں ٹال دیجئے اور تمام حلقے میں کچھ نقیب، چوبدار، ہرکارے روانہ کر دیجئے تاکہ کھرے کھرے دانا ہوشیار جادوگروں کو وہ اکٹھا کر کے لائیں اور اس طرح موسیٰؑ سے مقابلہ ہو سکے۔

چنانچہ چند آدمیوں کو انتخاب کر کے شہر فرما کو روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر جادو سیکھیں۔ ان لوگوں نے جا کر سحر کی تعلیم حاصل کی اور ایک میعاد مقرر کی گئی۔ اس میعاد میں وہ لوگ ماہر جادوگر ہو گئے اور پھر اپنے ملک کے تمام جادوگروں کو بلوایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ سے مقابلہ کا دن مقرر کیا گیا اور میدانِ اسکندریہ میں مقابلہ کرنا ٹھہرا۔ سب لوگ میدان اسکندریہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون بھی پہنچ گئے۔ جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ قرآن یا حدیث میں بظاہر اس کی کوئی صراحت نہیں کی گئی۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کل جادوگر ستر تھے۔ مقاتل نے بہتّر کہا ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ تمام جادوگروں کے اُستاد دو جادوگر تھے جو نینوا کے رہنے والے تھے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ سب کا سردار شمعون تھا۔ ابن جریج نے اس کا نام یوحنا ظاہر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جادوگر آگئے۔

وَجَاۤءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ۝ قَالَ

جادوگر فرعون کے پاس آگئے اور بولے کیا اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا کچھ معاوضہ ہوگا؟ فرعون

نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۝ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ

نے کہا ہاں ضرور تم میرے مقرب ہوجاؤ گے جادوگر بولے موسیٰ یا تم ڈالو یا ہم ڈالتے

نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ۝ قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ

ہیں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی

وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَاۤءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ۝ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اَنۡ اَلۡقِ

اور اُن کو ڈرایا اور بڑا جادو کیا اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی

عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ۝ فَوَقَعَ الۡحَـقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوۡا

ڈال دو (موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی) تو وہ فوراً اُس سوانگ کو نگلنے لگی جو وہ لوگ بنا رہے تھے پس حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے

يَعۡمَلُوۡنَ ۝ فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ ۝

مٹ گیا اور اُس جگہ جادوگر مغلوب ہوکر ذلت کے ساتھ لوٹے

تفسیر اور فرعون سے کہنے لگے جناب عالی ہم مقابلہ تو کرتے ہیں لیکن اگر ہم جیت گئے تو کچھ صلہ بھی ملے گا یا ہم یوں ہی آپ کی طرف سے لڑیں۔ فرعون کو اپنی مجبوری کا احساس تھا۔ بولا بے شک تم کو مقرب خاص بنا لیا جائے گا۔ شاہی قرب تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ چونکہ فرداً فرداً ہر ایک کے لئے نوعیتِ انعام کی تفریق مشکل تھی اس لئے مجمل کہہ دیا کہ تم کو قربِ شاہی حاصل ہوجائے گا جس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً تم کو کار برآری اور فائدہ اندوزی کے مواقع میسر آتے رہیں گے۔ جب اِدھر سے اطمینان ہوگیا تو جادوگروں نے رُوئے سخن حضرت موسیٰ کی طرف کیا۔ بیباکی و دلیری کو ظاہر کرنے کے لئے اور غلبہ کا یقین کرتے ہوئے بولے۔ موسیٰ دو شقوں میں سے ایک شق اختیار کرلو، یا تو تم اپنا جادو (پہلے کرو یا ہم پہلے پیش کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انتہائی جواں مردی سے اُن کے سحر کو حقیر و کمزور ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تم ہی پیش کرو۔ چنانچہ انھوں نے اپنا جادو پیش کیا اور عظیم الشان کیا۔ لوگوں کی نظر بندی کردی جس سے لوگ خوف زدہ ہوگئے۔ عظیم الشان کیا تھا کونسا کھیل کرشما ایسا تھا جس کے ادراک سے لوگوں کی نظریں عاجز تھیں۔ اس کا بیان ایک اور آیت میں ہے جس کی نوعیت و کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور وہ لوگوں کی نظر میں سانپ محسوس ہونے لگیں اور وہ سانپ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے

ہم اس کی تفصیل کے لئے ابن عباسؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ ابو سعید نے بروایت عکرمہ از ابن عباس بیان کیا کہ ساحروں نے موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں زمین پر پھینک دیں۔ وہ رسیاں اور لکڑیاں اُن کے سحر کے زور سے اژدھوں کی طرح رینگنے لگیں۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت میں ہے کہ تمام جادوگر جب صف بستہ کھڑے ہوگئے تو موسیٰؑ مع اپنے بھائی ہارونؑ کے۔ مجمع میں آکر ایک طرف کو اپنی لاٹھی ٹیک کر کھڑے ہوگئے فرعون اور اس کے وزراء امراء کی مجلس ایک بلند مقام پر الگ تھی۔ ساحروں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا۔ پہلے تم پھینکو گے یا ہم پھینکیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تم ہی پھینکو۔ ساحروں نے سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور حاضرین کی نظر بندی کردی۔ پھر ہر ساحر نے اپنے اپنے ہاتھوں کی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور بڑے بڑے اژدہے نظر آنے لگے۔ تمام جنگل بھر گیا اور تلے اوپر سانپ رینگتے معلوم ہونے لگے۔

سحر عظیم کا یہی مطلب ہے، یعنی لوگوں کی نظر میں وہ جادو بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ واقع میں اس کی کچھ ہستی نہ تھی (سراج) یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ رسیوں اور لاٹھیوں کے اندر جادوگروں نے پارہ بھر دیا تھا۔ جب آفتاب کی حرارت ان کو لگی تو پارہ میں اضطراب پیدا ہوا اور رسیاں باہم لپٹنے لگیں اور سانپ کی طرح حرکت کرنے لگیں۔ مگر یہ قول بعید از عقل ہے۔ لاکھوں انسان جن کے بڑے بڑے صحیح دماغ اور فہیم آدمی موجود تھے، اتنے بے وقوف نہ تھے کہ رسی اور سانپ میں فرق نہ کر سکیں۔ فقط اضطرابی حرکت سے کسی رسی کو سانپ سمجھ لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ خیال درحقیقت معتزلہ کا ہے جو واقعیتِ سحر کے منکر ہیں۔ غرض جادوگر جب اپنا جادو کر چکے اور لوگ مرعوب ہوگئے اور موسیٰؑ کو بھی کسی قدر جھجک حسب اقتضائے بشری ضرور ہوئی تو اللہ نے وحی بھیجی اور بحکم وحی حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی۔ لاٹھی سانپ بن گئی اور جو بے حقیقت جادو ساحروں نے کیا تھا اس کو نگلنے لگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا اژدہا سب کو نگلنے لگا۔ اُس وقت ساحر سمجھے کہ یہ جادو نہیں آسمانی امر ہے پس حق نمایاں ہوگیا۔ جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا۔ معجزہ اور سحر کا امتیاز ہوگیا اور بالآخر جادوگروں کو ذلیل شکست ہوئی اور وہ اپنا منہ لے کر واپس لوٹے۔

مقصود بیان بڑے لوگ چھوٹوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ قوم فرعون کے سرداروں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہہ کے عام لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔ جب کوئی امر فوق الفطر انسان کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کو جادو پر محمول کرتا ہے۔ کور بصیرت انسان انبیاء کے پیام اصلاح کا مقصود، طمع دنیوی کو قرار دیتے ہیں۔ فرعون خود مقابلہ نہ کر سکتا تھا ایک ذلیل بندہ تھا۔ ورنہ جادوگروں کی مدد کا محتاج نہ ہوتا۔ جادوگر اعیان و حقائق کی تبدیلی نہیں کر سکتے صرف نظر بندی کر دیتے ہیں اور کیفیات کو واقعی بدل دیتے ہیں اور معجزہ سے واقعی طور پر ایک چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ شروع میں جادوگروں کو اپنے جادو پر بڑا اعتماد تھا۔ مگر موسیٰ ان سے زیادہ جری تھے۔ اسی لئے آپ نے جادوگروں کو سب سے پہلے جادو کرنے کی اجازت دی۔ جادو واقعی چیز ہے۔ مگر معجزہ سے مقابلہ کرنے کے وقت شکست کھاتا ہے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ

اور سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے کہنے لگے ہم رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے ایمان

هٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ

لے آئے فرعون بولا تم میری اجازت سے پہلے ہی اُس پر ایمان لائے بیشک یہ ایک بڑا مکر

مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

تم نے شہر میں بنایا تھا تاکہ اہل شہر کو وہاں سے نکال دو پس عنقریب (اس کا خمیازہ) تم کو معلوم ہو جائے گا

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ○

میں تمہارے ہاتھ پیر جانب خلاف سے کاٹ کر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا

قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ○ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا

جادوگروں نے کہا ہم تو اپنے پروردگار کے پاس ہی جانے والے ہیں اور تو ہم سے صرف اس وجہ سے عداوت رکھتا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جبکہ وہ

جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ○

ہمارے پاس آگئیں ایمان لے آئے اے ہمارے رب ہم پر صبر کی بارش کر اور ہم کو حالتِ اسلام میں موت نصیب کر

تفسیر

غرض جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ لیا اور اُن کو یقین ہوگیا کہ یہ سحر نہیں بلکہ کسی غیبی قوتِ قدسیہ کا کرشمہ ہے تو حق سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بے اختیار ہوکر سجدہ میں گر پڑے۔ گویا اضطراری شکل میں کسی نے سجدہ میں گرا دیا۔ اخفش نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جادوگروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ لیا تھا۔ قاسم بن بزہ کا قول ہے کہ جنت دوزخ اور عذاب و ثواب دونوں کو انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ بہرحال جادوگر بولے کہ اب ہم خدا پر ایمان لے آئے جو کل عالم کا موجد و مربی ہے یعنی جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ مفسر سراج کہتا ہے کہ جب جادوگروں نے کہا کہ ہم رب العالمین کو حق جانتے ہیں تو فرعون نے کہا کیا اس سے مراد میری ذات ہے۔ جادوگروں نے کہا نہیں بلکہ جو موسیٰ کا پروردگار ہے۔ فرعون بولا۔ میں نے ہی تو موسیٰ کو پالا ہے۔ جادوگروں نے جب فرعون کی یہ کج فہمی دیکھی تو بولے ہمارا ایمان اُس پر ہے جو رب العالمین ہے۔ یہی موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کا رب ہے۔ اس پر فرعون لاجواب ہوگیا اور جہالت سے کہنے لگا میری اجازت کے بغیر تم لوگ ایمان لے آئے۔ درحقیقت تم نے مل کر اور مشورہ کرکے مکر گانٹھا ہے تاکہ یہاں کے باشندوں کو نکال کر خود قابض ہو جاؤ۔ فرعون نے یہ بات صرف دھوکا دینے کو کہی تھی کہ کہیں اس کے متبعین پھر نہ جائیں۔ ورنہ وہ خوب جانتا تھا کہ ان جادوگروں سے حضرت موسیٰ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن سدی نے ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات سب سے بڑے جادوگر سے ہوئی تھی۔ بہرحال کچھ بھی ہو باہم مشورہ کا شبہ کرنا فرعون کی کوتاہ فہمی تھی۔ جب کوئی تدبیر نہ بن پڑی اور دلیل سے عاجز آگیا تو لگا استبداد و ظلم سے ڈرانے۔ کہنے لگا اب عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ میں تم کو کیسی سخت سزا دیتا ہوں۔ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر صلیب پر لٹکواؤں گا۔ (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں جس نے کاٹا اور سب سے پہلے سولی دینے کی سزا جس نے دی وہ فرعون ہے۔ ہماری شریعت میں یہ سزا صرف راہزنوں کی مقرر ہے) ساحروں نے جواب دیا۔ کچھ بھی ہو ہم تو اپنے رب ہی کی طرف رجوع کر چکے تیرا جو جی چاہے کر۔ فی الحقیقت تیرے اس جذبۂ انتقام کی اور کوئی وجہ نہیں۔ نہ جرم مشورہ کا شبہ صحیح ہے۔ بس بات اتنی ہے کہ ہم اپنے رب کے نشانہائے قدرت کو ماننے لگے۔ تیرے دل میں اس وجہ سے بیر پڑ گیا۔ خدا سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہی ہم کو صبر عطا کرے اور حالتِ موت پر ایمان نصیب کرے۔

مقصودِ بیان

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ بڑے بڑے جابر معاند کافر کے دل کو آن کی آن میں اللہ حق کی طرف پھیر دیتا ہے۔ جن لوگوں کی قسمت میں ازلی ہدایت و سعادت ہے اُن کی ابتدائی زندگی کو نتیجہ کا پیش خیمہ سمجھ لینا غلطی ہے بلکہ اعتبار انجام کا ہے وہ لوگ بالآخر حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اگر باطل پرست ہے تو دلیل سے لاجواب ہوکر باطل پر اُتر آتا ہے اور آخر میں بجائے دلائل و استدلال کے طاقت سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ جن کے دلوں میں حقانیت و صداقت واضح ہو چکی ہے اُن کو کوئی مادی قوت حق سے نہیں پھیر سکتی۔

جب تک اللہ کسی کام کا ارادہ بندے کے دل کے اندر نہ پیدا کرے بندہ اس کام کو کر نہیں سکتا۔ اسی لئے ساحروں نے اللہ سے توفیق صبر کی دعا کی۔ ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہیں اسی وجہ سے جادوگروں نے ایمان لا چکنے کے بعد دعا کی کہ پروردگار ہم کو حالتِ اسلام پر موت نصیب کر۔ معاند کفار کے سامنے اظہار حق کرنا ضروری ہے اگرچہ یقین ہو کہ یہ لوگ کسی طرح نہیں مانیں گے کیونکہ اس سے فرض تبلیغ ادا ہو جاتا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچ جانے کی اُمید ہوتی ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تم موسیٰؑ کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ ملک میں فساد مچائیں

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو علیحدہ کر دیں فرعون نے کہا عنقریب ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اُن کی لڑکیوں کو چھوڑ دیں گے

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝

اور بیشک ان پر ہمارا قابو ہے

تفسیر آیت کی تفسیر سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ فرعون جب خود الوہیت کا مدعی تھا تو اس کے معبود اور کون سے تھے؟ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اقرب الی الحق یہ بات ہے کہ فرعون دہریہ تھا۔ صانع قدیم کے وجود سے منکر تھا اور اس عالم سفلی کا مدبر ستاروں کو قرار دیتا تھا اور انہیں کی شکل کے بت بنوائے تھے جن کی پرستش کرتا تھا اور زمین پر اپنے کو مخدوم و مطاع سمجھتا تھا (وقد ذکرہ الخطیب فی السراج) سدی کا قول ہے کہ فرعون باوجودیکہ الوہیت کا مدعی تھا لیکن قوم کے واسطے اس نے کچھ بت بنوا دیئے تھے جن کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے بلکہ گائے کی خود بھی پرستش کرتا تھا اور دوسرے لوگوں سے بھی کراتا تھا۔ تفسیر سراج میں بھی فرعون کی گاؤ پرستی کی صراحت کی ہے۔ زجاج کہتے ہیں کہ فرعون کے معبود بایں معنی نہ تھے کہ وہ خود ان کی عبادت کرتا تھا بلکہ بات یہ تھی کہ اس نے قوم کے لئے کچھ معبود مقرر کر دیئے تھے۔ گویا وہ بت فرعون کے بنائے ہوئے معبود تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب فرعون نے مقابلہ میں شکست کھائی اور اپنی شکست کی تاویل بھی کر دی تو اس کی قوم کے سرداروں نے آخر چارۂ کار دریافت کیا اور کہنے لگے اب موسیٰؑ اور اس کی قوم کو کیا آپ یونہی چھوڑ رکھیں گے کہ ملک مصر میں تباہی پھیلاتے پھریں۔ آپ کو اور آپ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہمارے دین و مذہب کو برباد کر ڈالیں۔ فرعون بھلا کیا جواب دیتا۔ موسیٰ پر اُس کا دسترس ممکن نہ تھا۔ مجبور ہو کر بولا ہم ان لوگوں کو تکلیفیں دیں گے ہمارے پاس طاقت ہے یہ کمزور ہیں۔ ہم یوں ہی ان کو ذلیل کرتے رہیں گے۔ نرینہ بچوں کو قتل کریں گے اور عورتوں کو چھوڑتے رہیں گے۔ چناں چہ بنی اسرائیل پر اس کے بعد بھی یہ عذاب جاری رہا۔ ان غریبوں نے ظالم کے پنجہ سے رہائی نہ پائی۔

مقصودِ بیان ہر کوتاہ اندیش آدمی کو اپنی دنیوی طاقت پر غرہ ہوتا ہے۔ حقیقت بینی کی طرف سے وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ فرعون اپنے کو خلاق عالم نہ کہتا تھا۔ بلکہ زمین پر سب سے بڑا معبود اپنے کو سمجھتا تھا۔ اپنے سوا اُس نے اور بھی معبود بنوا رکھے تھے مگر خلاق عالم کا وہ قائل نہ تھا۔

سرداران قوم کو اپنی تباہی کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ پر فرعون کو کوئی دسترس نہ تھا۔ اسی وجہ سے سرداروں کے جواب میں اس نے

موسیٰؑ کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔ وغیرہ

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اللہ ہی کی ہے اپنے بندوں

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ

میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہے بنی اسرائیل نے کہا آپ کے آنے سے پہلے

اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

ہم کو دکھ دیا گیا اور آپ کے آنے کے بعد بھی (دیا جا رہا ہے) موسیٰؑ نے کہا کہ امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو تباہ کر دے گا

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ع

اور تم کو ملک میں ان کی بجائے کر دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

ع ۵

تفسیر

حضرت موسیٰؑ نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل قتل و بند کی سخت مصیبت میں ہیں تو صبر کرنے اور اللہ سے مدد طلب کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا حکومت و تسلط خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے خدا بادشاہت اور حکومت دیتا ہے۔ لیکن انجام کار انہی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے اور ممنوعات سے بچتے رہتے ہیں۔ یعنی موجودہ مصائب دیکھ کر تم کو تنگ دل اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ آخر کار حکومت و غلبہ تم کو ہی حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ تم متقی رہو۔ کافروں کا یہ عارضی تسلط ہے۔ بنی اسرائیل نے عرض کیا۔ حضرت آپ کی تشریف آوری سے قبل ہم کو طرح طرح ایذائیں دی جاتی تھیں اور آپ کے ظہور کے بعد بھی اُن مصائب کا سلسلہ منقطع نہ ہوا ہم اب کیا کریں؟۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اللہ سے اُمید رکھو یعنی میری ذات کو دفع مصائب کا کارساز نہ سمجھو یہ نہ خیال کرو کہ تمہاری تکلیف میرے آنے کی وجہ سے دور ہو جائے گی بلکہ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ امید ہے کہ وہ عنقریب تمہارے دشمنوں کو تباہ کر کے اُن کا جانشین تم کو بنا دے گا لیکن اگر وہ تم کو حکومت عطا کر دے تو اس پر مغرور نہ ہونا کیونکہ کیونکہ وہ ایک آزمائش ہوگی۔ اللہ کو تمہارے اعمال کی جانچ مقصود ہوگی۔

حاصل یہ کہ پہلے حضرت موسیٰؑ نے در پردہ کنایہ میں فتح و کامیابی کا اُمیدوار کیا اور جب بنی اسرائیل کو اس سے تسلی نہ ہوئی تو پھر نصرت و غلبہ کی صراحت کر دی لیکن ادب کو ملحوظ رکھا اور پھر سطوتِ الٰہی سے قوم کو دھمکا بھی دیا۔

مقصودِ بیان

اس امر کی صراحت کہ اگرچہ عارضی غلبہ باطل کو ہو جاتا ہے لیکن انجام کار اہل تقویٰ ہی غالب آتے ہیں۔ حکومت و تسلط سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی رحمت سے کسی کو مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ مصائب میں صبر رکھنا اور اللہ سے دعائے نصرت کرنا چاہیئے۔ اللہ بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ کبھی تکلیف دے کر کبھی آرام پہنچا کر اور اس راحت و تکلیف سے مقصود اصلاحِ اعمال ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں مسلمان مظلوم اور کافر قوی تھے، اس لئے در پردہ مسلمانوں کو ان آیات میں فتح کی بشارت بھی دے دی گئی اور حضورِ اقدس کو تسکین دے دی گئی۔ وغیرہ

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

ہم نے خشک سالیوں سے اور کمی پیداوار سے فرعون والوں کی گرفت کی تاکہ وہ متنبہ

يَذَّكَّرُونَ ○ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ

ہوں مگر جب اُن کو بھلائی پہنچی تو کہنے لگے یہ ہمارا حق ہے اور اگر کوئی مصیبت

سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ

آئی تو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست بتانے لگے آگاہ رہو اُن کی نحوست اللہ کے ہاں (لکھی جاتی تھی)

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

مگر اُن میں اکثر ناواقف تھے

تفسیر یعنی جب فرعون کی قوم والے باطل پرستی اور اہلِ ایمان بندوں کو ایذا دینے سے کسی طرح باز نہ آئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ و آزمائش کرنے کے لئے اُن کو تکالیف میں مبتلا کیا۔ ان کی کھیتیاں خشک ہوگئیں۔ زراعت اور سبزی تباہ ہوگئی۔ درختوں کے پھلوں میں کمی ہوگئی بروایت ابن عباسؓ دریائے نیل خشک ہوگیا۔ عام خشک سالی ہوگئی اور اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ نصیحت پذیر ہوکر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں انسان کا دل نرم پڑجاتا ہے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کرکے خیر و برکت کا طالب ہوجاتا ہے۔ لیکن اِن مصائب و تکالیف سے بھی اُن کے کفر و معصیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ غباوت، جہالت اور سخت دلی زیادہ ہوگئی۔ شدت سے سرکشی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جب کبھی کوئی بھلائی کی چیز اُن کو ملتی۔ وسعتِ رزق، کثرتِ مال، زیادتی اولاد وغیرہ ہوتی تو کہتے ہم اس کے مستحق ہیں۔ ہمارے استحقاق کی وجہ سے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔ ہم اسی لائق ہیں۔ یہ ہماری قابلیت کا پھل ہے اور اگر کبھی کوئی بُرائی اور دُکھ آجاتا تو کہتے یہ موسیٰ کی نحوست ہے۔ اُسی کے کرتوت کا وبال ہمارے اوپر پڑا ہے۔ حالانکہ جو کچھ دُکھ اُن کو پہنچا تھا وہ اللہ کی طرف سے آتا تھا اور ان کی بداعمالیوں کا خمیازہ ہوتا تھا۔ مگر ان میں اکثر لوگ اس بات سے ناواقف تھے۔

تمام علمائے سنّت کا اتفاق ہے کہ تاثیرِ حقیقی سوائے اللہ کے کسی کا کام نہیں۔ بداعتقاد عوام جو کسی چیز کو منحوس جانتے ہیں یہ اُن کی جہالت ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس کی صراحت کی ہے کہ کل کائنات اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○

اور بولے تم ہم پر جادو کرنے کے لئے کوئی نشانی بھی لاؤ ہم تمہارا یقین کرنے والے نہیں ہیں

تفسیر یعنی فرعون کی قوم والے مصائب و آفات کو دیکھ کر بولے۔ موسیٰ تم اپنی حقانیت و صداقت کی کوئی بھی نشانی پیش کرو اور کسی طرح کا جادو کرو ہرگز ہم تم کو سچا نہ کہیں گے اور تصدیق نہ کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰؑ سے مذکورہ الفاظ کہے اور آیاتِ الٰہی کو جادو بتایا تو چونکہ غصہ ناک آدمی تھے اس لئے بددعا فرمائی اور خدا تعالیٰ نے آپ کی بددعا قبول فرماکر مندرجہ ذیل

متواتر عذاب نازل کرے۔

مقصود بیان بندوں کی ہدایت و آزمائش کے لئے خدا تعالیٰ دُکھ سکھ اور تکلیف و راحت میں مبتلا کرتا ہے۔ جو لوگ کور بصیرت اور کج دانش ہیں۔ وہ ترقی جاہ و مال کو اپنی کوشش و قابلیت کا نتیجہ جانتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کارسازی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور مصیبت و دکھ کو اپنی حق تلفی خیال کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ دنیا کی ہر تکلیف بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فرعون کی قوم والے آیاتِ بینات کو سحر سمجھتے تھے اس لئے حضرت موسیٰ پر ایمان نہ لاتے تھے۔ حضرت موسیٰ سے واقعی مادی معجزات کا ظہور ہوا تھا۔ آیات میں کافروں اور فاسقوں کو تنبیہ ہے کہ تمہاری یہ دنیوی عیش و راحت آزمائش الٰہی ہے۔ اس پر پھولنا نہ چاہیئے بلکہ خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

غرض ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون (عذاب کی) یہ الگ الگ

مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ

نشانیاں بھیجیں مگر انھوں نے سرکشی کی اور وہ تھے ہی مجرم لوگ ۔ جب اُن پر عذاب آتا تھا تو

الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ

کہتے تھے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اُس چیز کے وسیلہ سے جو اس نے تمہیں وحی کی ہے دعا کرو اگر اس عذاب کو

عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا

تم ہم سے دفع کر دوگے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن ایک

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا

وقت خاص تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے ہم اُن سے عذاب دور کر دیتے تھے تو وہ یکدم عہد توڑنے لگتے تھے بالآخر ہم نے

مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

اُن سے انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی تھی اور اُن کی طرف سے غافل تھے

تفسیر حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے چالیس برس تک اس بات پر مقابلہ رہا کہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے باہر جانے دے مگر فرعون نہ مانا۔ آخرکار پریشان ہو کر آپ نے بددعا کی۔ آپ کی بددعا سے قبطیوں پر مختلف بلائیں آئیں۔ دریائے نیل چڑھ گیا۔ بہتیرے گھر، باغ، کھیت تلف ہو گئے۔ ٹڈی کل سبزی کھا گئی۔ بدن اور کپڑوں میں جوئیں پڑ گئیں۔ خرمنوں کو گھن نے کھا لیا۔ ہر چیز میں مینڈک پھیل گئے۔ پانی اور کھانا خون بن گیا۔ ان مصائب میں سے ہر مصیبت ایک ایک ہفتہ رہی اور حضرت موسیٰؑ نزولِ بلا سے پہلے ہر مرتبہ فرعون سے کہہ آتے تھے کہ اللہ تم پر بلا بھیجے گا۔ چنانچہ وہی بلا آ جاتی۔ قبطی مجبور و مضطر ہو کر حضرت موسیٰ کی خوشامد کرنے لگتے کہ اگر یہ بلا ہم سے دور ہو جائے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آئیں گے۔ اور بے روک ٹوک تمہارے ساتھ تمہاری قوم کو کر دیں گے۔ حضرت موسیٰؑ اُن کے اصرار پر یہ خیال کر لیتے کہ شاید اب کی مرتبہ یہ لوگ وعدہ پورا کریں گے

اور دعا کرتے وہ بلا دفع ہو جاتی مگر وہ سشیطان پھر انکار کر جاتے۔ آخر کار وبا پڑی اور آدھی رات کو ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا۔ وہ لوگ اپنے مُردوں کے غم میں لگے۔ حضرت موسیٰؑ اتنا وقت غنیمت سمجھ کر بنی اسرائیل کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ صبح کو فرعون مع فوج پیچھے چل دیا اور موسیٰ اپنے ہمراہیوں سمیت صحیح وسالم نیل سے گزر چکے تھے۔ فرعون نے اپنی فوج سمیت جب نیل میں گھوڑے ڈالے تو خدا تعالیٰ نے سب کو غرق کر دیا۔

تحقیق ابن عباس کی اکثر روایات میں ہے کہ طوفان پانی کا تھا۔ بے انتہا بارش ہوئی تھی جس سے تمام چیزیں ڈوب گئی تھیں اور کھیتیاں اور پھل تباہ ہو گئے تھے۔ ضحاک کا قول بھی یہی ہے۔ صاحب بیضاوی کہتے ہیں کہ ان پر آٹھ روز تک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا رہا اور پانی کی اتنی کثرت ہوئی کہ گھروں کے اندر بھر گیا لیکن بنی اسرائیل کے گھر اگرچہ قبطیوں کے گھروں کے متصل تھے مگر ان میں پانی نہ گھسا۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ طوفان سے مراد موت کی کثرت ہے۔ یہی عطاء کا قول ہے۔ ابن جریر نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے مرفوعاً بیان فرمایا کہ طوفان سے مراد موت ہے۔ رو قدرواہ ابن مردویہ۔ لیکن شیخ ابن کثیر نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ موت اور پانی دونوں کی کثرت تھی۔

غرض حضرت موسیٰؑ کی دعا سے طوفان کی بلا دفع ہوئی۔ کھیتیاں خوب سرسبز اور شاداب ہوئیں۔ خوب غلہ پیدا ہوا۔ درخت بار آور ہوئے قبطیوں نے پھر بھی وعدہ پورا نہ کیا اور کھیتیوں کی سرسبزی پر اعتماد کر بیٹھے تو ٹڈی دل پیدا ہوا جس نے تمام کھیتیاں اور پھل کھا لئے۔ حضرت موسیٰؑ سے پھر دعا کی درخواست کی اور آپ کی دعا سے بلا دفع ہوئی۔

قبطیوں نے بقیہ غلہ اور پھل کاٹ کر جمع کر لئے اور بولے اب ہم فارغ ہیں۔ اب ہمارا کوئی کیا کر سکتا ہے تو قمل کا عذاب آیا۔ قمل کے معنی ابن کثیر کے نزدیک گھن کے ہیں۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مجاہد و عکرمہ کا قول ہے چھوٹی ٹڈیاں یا ٹڈیوں کے چھوٹے بچے مراد ہیں۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ قمل چھوٹے چھوٹے سیاہ کیڑے ہوتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید نے قمل کی تفسیر پسو سے کی ہے۔ عام مفسرین نے قمل کے معنی جوں بیان کئے ہیں۔

بہر حال قمل کا عذاب نازل ہوا اور اس کے بعد ضفادع یعنی چھوٹے یا مینڈک اس کثرت سے پیدا ہوئے کہ تمام قبطیوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں بھر گئے۔ بات کرنی دشوار ہو گئی۔ پھر آخر میں خون کا عذاب نازل ہوا۔ قبطیوں کے لئے ہر چیز خون ہو گئی۔ کنوئیں، نہریں، تالاب، غرض ہر قسم کا پانی اگر قبطی کے ہاتھ میں پہنچتا تو خون ہو جاتا اور اسرائیل کے لئے پانی بدستور رہتا۔ بالآخر جب قبطیوں کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی حد سے گزر گئی تو خدا نے سب کو غرق کر دیا۔

مقصود بیان نافرمانی کا نتیجہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیوی تباہی کی شکل میں بھی برآمد ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رسی بہت ڈھیلی ہے۔ ایک حد تک خدا تعالیٰ آزمائش کر کے اور مختلف جسمانی و مالی تکالیف پہنچا کے ہدایت کرنی چاہتا ہے لیکن جب بندہ انتہا سے زیادہ سرکشی کرنے لگتا ہے اور راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہیں رہتی تو پھر خدا پکڑتا ہے اور ایسا سخت پکڑتا ہے کہ پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے۔ انبیاء سے کھلے کھلے مادی معجزات کا صدور حق ہے۔ انقلاب حقائق محال نہیں۔ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ عہد شکنی موجب ہلاکت ہے۔ وغیرہ۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

اور ان لوگوں کو جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس زمین کے شرقی غربی حصوں کا مالک بنا دیا جس

الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ

میں ہم نے برکت نازل کی تھی اور بنی اسرائیل پر ان کے صبر رکھنے کی وجہ سے تمہارے رب کا اچھا وعدہ

الربع بِمَا صَبَرُوْاؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

پورا ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم والے جو کچھ بناتے اور جن عمارتوں کو اونچا کیا کرتے تھے سب کو ہم نے برباد کر دیا

تفسیر الارض سے مراد سرزمین شام ہے اور مشارق و مغارب سے مراد اس کے تمام اطراف۔ برکت دینے سے یہ مطلب ہے کہ وہاں کا پانی خوشگوار اور بکثرت تھا۔ درخت میوہ دار اور سرسبز تھے۔ ملک شاداب اور سیر حاصل تھا۔ زمین نرم اور فضا موافق تھی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے مصائب پر صبر، اوامر خداوندی پر استقامت رکھی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے اسی قوم کو جس کو ذلیل و ضعیف سمجھا جاتا تھا ملک شام کی حکومت عطا کی اور فرعون کی بستیوں کو تباہ، آبادیوں کو ویران، اونچے اونچے مکانوں کو برباد، شاداب درختوں اور بیلوں کو فنا کر دیا۔ اور بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کو پورا کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل سے کیا وعدہ کیا تھا اس کا بیان بقول مجاہد و ابن جریر آیت وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ میں کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت مراد ہے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ بہرحال وعدہ حریت و حکومت کیا گیا تھا اور وہ مصر سے نکالنے کے بعد پورا کیا گیا

مقصودِ بیان جو قوم مصائب پر صبر، تکالیف کا تحمل اور احکام الٰہی پر استقامت رکھتی ہے وہ خواہ کتنی ہی کمزور و ذلیل سمجھی جاتی ہو مگر خدا تعالیٰ اس کو قوی کرتا اور دنیا ہی میں اجر عطا فرماتا ہے۔ جو لوگ مغرور، ظالم اور سرکش ہوتے ہیں وہ خواہ کتنے ہی قوی ہوں لیکن خدا تعالیٰ ان کو تباہ کر دیتا ہے۔ اُن کی بستیاں اُجڑ جاتی ہیں۔ آیت میں تخفی ایما مسلمانوں کو بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم اہلِ مکہ کی ایذاؤں پر صبر کرو گے اور احکامِ الٰہی پر استقامت رکھو گے اور ایمان و اسلام پر مستقل رہو گے تو خدا تعالیٰ بالآخر تمہارے دشمنوں کو شکست دے گا اور ہلاک و برباد کر دے گا اور تم کو فتح دے گا اور کامیابی نصیب فرمائے گا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے گئے تو وہ ایسی قوم پر پہنچے جو اپنے بُتوں کے رہنے میں لگے ہوئے تھے

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○

بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود مقرر کر دو جیسے اُن کے معبود ہیں موسیٰ نے کہا تم واقعی جہالت شعار ہو

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ قَالَ اَغَيْرَ

یہ لوگ جس کام میں ہیں وہ تباہ کر دیا جائے گا اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ ہٹ جائے گا (پھر) موسیٰ نے کہا کیا اللہ

اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

سوا تمہارا کوئی اور معبود بنا دوں حالانکہ اُس نے سارے جہان پر تم کو فضیلت دی (یاد کرو کہ) جب فرعون والوں سے ہم نے

اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ

تم کو نجات دی جو کہ بڑی تکلیف کا مزہ تم کو چکھاتے تھے تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو جیتا

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۠

چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی

تفسیر جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر عمسیس سے نکلے اور مشرقی جانب بحر قلزم کو پار کر کے عرب کے ریگستانی اور کوہستانی حصہ میں پہنچے اور قادسیہ وغیرہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہاں کے لخمی یا کنعانی قبائل کو انھوں نے بُت پرستی کرتے دیکھا۔ چونکہ مصر میں زیر حکومت فرعون سینکڑوں برس سے بُت پرستی کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس لئے لوگوں کو صنم پرستی کرتے دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آیا اور بولے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے دیوتا اور معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایسے ہی دیوتا اور معبود بنا دو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم لوگ بھی عجیب جاہلِ مطلق ہو۔ اللہ کے جلال و عظمت سے ناواقف ہو۔ نادانو! اتنا نہیں سمجھتے کہ معبود بھی کوئی بنانے کی چیز ہے کہ میں بنا دوں۔ ان لوگوں نے جو معبود بنا رکھے ہیں اور جو کچھ یہ پوجا پاٹ کرتے ہیں سب ہیچ ہے۔ اس کا انجام ہلاکت و تباہی ہے۔ ان کے اعمال رائیگاں جانے والے ہیں تو پھر میں معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو تمہارا معبود بنا دوں یہ کیسے ممکن ہے۔ ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ تم کو اللہ نے اس زمانہ کے تمام انسانوں پر برتری عطا کی۔ تم کو راہِ حق دکھائی، فرعون کے پنجہ سے رہا کیا، وہ جو طرح طرح کی ایذائیں تم کو دیا کرتے تھے ان سے تم کو بچا کر یہ نعمت عطا کی اور یہ تمام رنج و راحت اور دکھ سکھ تمہاری آزمائش کے لئے صادر کیا اور تم ایسے جاہل ہو کہ اس کی عبادت سے منھ موڑ کر بتوں کی پرستش کے خواستگار ہو یہ کس قدر نادانی ہے

مقصودِ بیان اس بات پر تنبیہ کہ بنی اسرائیل کو خدا تعالیٰ نے بلا استحقاق قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ مگر اُنھوں نے شکریہ کی بجائے نہایت بیہودہ بات زبان سے نکالی۔

اس امر کی صراحت کہ بنی اسرائیل باعتبار مذہب اپنے زمانہ کے تمام دیگر انسانوں سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اس بات پر ضمنی اشارہ کہ فرعون کی قوم والے ہی فقط بُت پرستی میں مبتلا نہ تھے بلکہ اس زمانہ میں دوسری قومیں بھی اس کی شیدا تھیں۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی ہدایت اور نجات کے لئے تھی۔ کل دنیا کے لئے نہ تھی۔ نہ آپ کی دعوت و تبلیغ عمومی تھی۔ بنی اسرائیل بہت جاہل قوم تھی۔ محسوس پرستی ان کی سرشت میں جم چکی تھی۔ ذرا اسی تحریک پر اصلی سرشت نمودار ہو جاتی تھی۔

آیات میں در پردہ مسلمانوں کو تلقین ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے تم کو نعمتِ ایمان سے سرفراز کیا، فضیلتِ اسلام عطا کی، مستقل حکومتیں اور عزت و حریت مرحمت فرمائی تو اب غیر اللہ کی پرستش کا خیال دل میں لانا خدا کی نافرمانی کرنی، اپنے نبی کے قول پر نہ چلنا، زندہ اور مُردہ کو معبود بنانا انتہائی جہالت و کفرانِ نعمت ہے۔ تم پر جو دکھ سکھ کے مختلف حوادث آتے ہیں یہ سب امتحانِ الٰہی ہے۔ وغیرہ

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور (مزید) دس راتیں بڑھا کر اس کی تکمیل کر دی پس اُن کے رب کی مقرر کردہ میعاد

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ

چالیس شب پوری ہو گئی موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں میری نیابت کرو اور اصلاح کرو

وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِيلَ الۡمُفۡسِدِينَ ۝

اور مفسدوں کے راستہ پر نہ چلو

تفسیر جمعہ کے روز بتاریخ دس محرم حضرت موسیٰؑ دریا سے پار ہوئے اور قادسیہ کے میدان میں پہنچ کر وہاں سے وادی طور کے پاس پہنچے۔ یہاں پہنچ کر خدا تعالیٰ سے احکام شریعت ملنے کی درخواست کی جو بنی اسرائیل کے لئے دستور العمل ہوں۔ اللہ پاک کا حکم ہوا کہ پہاڑ پر آ کر تیس رات خلوت کرو، خدا کی طرف دھیان لگا دو، رات کو عبادت میں مشغول رہو اور دن کو روزہ رکھو اور دن کو روزہ رکھو۔ اگر یہ شرط پوری کرو گے تو احکام شریعت ملیں گے اور عزت خطاب سے سرفراز کئے جاؤ گے۔ مجاہد مسروق ابن جریج وغیرہم کا قول ہے کہ یہ واقعہ شروع ذیقعدہ کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنا کر وصیت کی کہ میرے پیچھے قوم کا انتظام درست رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظمی و فساد کی رائے دینے والوں کا کہنا ہرگز نہ ماننا۔ اس کے بعد خود پہاڑ پر جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دن کو روزہ رکھتے اور شب و روز مجاہدہ میں لگے رہتے۔ جب تیس دن پورے ہو گئے تو آپ نے منہ کی بدبو رفع کرنے کو مسواک کر لی جس کے سبب منہ کی بدبو یعنی خلوئے معدہ کی خاص علامت اور روزہ کا اثر جاتا رہا۔ اس کوتاہی کی تلافی کے لئے مزید دس روز کی عبادت کا حکم ہوا اور اس طرح پورا چلہ ہو گیا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنۡظُرۡ إِلَيۡكَ ؕ

جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہا پروردگار! مجھے (جلوۂ خاص) دکھا میں تیری طرف دیکھ لوں

قَالَ لَنۡ تَرٰىنِي وَلٰكِنِ انۡظُرۡ إِلَى الۡجَبَلِ فَإِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ

اللہ نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے

تَرٰىنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ

پس جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب

أَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ إِلَيۡكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِينَ ۝

ہوش آیا تو عرض کیا تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں

تفسیر مقررہ چلہ پورا ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو اُس وقت غائبانہ خطاب کی حدود سے آگے بڑھ کر حضرت موسیٰ کو دیدار الٰہی کا شوق ہوا اور اپنی مادّی آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کے خواستگار ہوئے۔ چونکہ یہ آنکھیں مادّی اور جسمانی ہیں۔ بے پردہ ان آنکھوں سے جلوۂ الٰہی کا نظر آنا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ لطیف شعاعیں بغیر جسمانی آڑ کے نہیں دکھ سکتیں اس لئے حکم ہوا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو جو تاثر و انفعال میں تم سے کم درجہ رکھتا ہے اور جسمانیت میں تم سے زیادہ قوی ہے۔ میں پہاڑ پر اپنا پرتو ڈالتا ہوں۔ اگر اس نے میرے پرتو کا تحمل کر لیا اور اپنی جگہ قائم رہا تو ممکن ہے تم بھی مجھے دیکھ سکو اور جب وہ تحمل جلوہ نہ کر سکا تو پھر تم تو قرب و تاثر میں اس سے کہیں زائد ہو تم کس طرح تحمل کر سکتے ہو۔ چنانچہ جب جلوۂ الٰہی پہاڑ پر پڑا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے

ہوگیا اور موسیٰ اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اپنے گزشتہ سوال سے توبہ کی اور عرض کیا پروردگار تو اس نظر سے نہیں دکھائی دے سکتا میں تجھے اس بات سے پاک جانتا ہوں اور اپنی گزشتہ نادانی سے توبہ کرتا ہوں اور بنی اسرائیل میں سب سے پہلے میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ابن عباس و مجاہد نے أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ کی یہی تفسیر کی ہے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے مراد یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ابن کثیر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔ ہمارے نزدیک زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ معائنہ کے بعد اس صورت سے ایمان لانا سب سے پہلے میرا ہی واقع ہوا ہے۔ اگرچہ دیگر انبیاء بھی بالعقل رویت کی نفی پر ایمان رکھتے ہوں مگر صورتِ مذکورہ سے معائنہ کرنے کے بعد ایمان لانا چونکہ حضرت موسیٰؑ کے مخصوص تھا اس لئے آپ نے انا اول المومنین کہا۔

یہاں دو مسئلے تحقیق طلب ہیں (۱) خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے جو کلام کیا تھا اس کی کیا حقیقت و کیفیت تھی؟ (۲) کیا دیدارِ الٰہی ان آنکھوں سے ممکن ہے یا محال ہے؟

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے بلا واسطہ کلام کیا جیسے فرشتوں سے کلام کرتا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ بولتا ہوا کلام ایک درخت میں پیدا کر دیا جس سے موسیٰؑ نے سن لیا۔ جس طرح لکھا ہوا کلام لوحِ محفوظ میں پیدا کر دیا۔ عام معتزلہ کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کا کوئی علاوہ ذاتِ الٰہی کے ہو تو کلام کا سننا ممکن ہے۔ خطیب و رازی نے معتزلہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل خلافِ نص ہے۔ کتاب و سنت اور اجماعِ سلف سب کے مخالف ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی درخت یا مادی غیر مادی جسم أَنَا اللہ کہہ کے لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي کا دعویٰ کر سکے۔

بعض حنابلہ اور حشویہ کا قول ہے کہ کلامِ الٰہی قدیم ہے اور حروف و اصوات منقطعہ سے مرکب ہے۔ رازی نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا کہ یہ قول بھی ناقابلِ التفات ہے۔ رازی کا مطلب یہ ہے کہ اگر حروف و اصوات کے یہی معنی ہیں جو عام لوگ عرف میں سمجھتے ہیں تو یہ قول ناقابلِ التفات ہے۔ کیونکہ کلامِ قدیم کس طرح اصوات منقطعہ اور حروف حادثہ اپنے اندر رکھ سکتا ہے ورنہ حادث و قدیم میں کیا فرق ہوگا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی کیفیت سے آگاہی نہیں تو حروف و اصوات کی تفصیل بے فائدہ ہے اور اگر حروف و اصوات کو قدیم کہا جائے منقطعہ حادثہ نہ کہا جائے اور ذاتِ باری کے ساتھ قائم سمجھا جائے تو یہ قول بھی سراسر لغو ہے۔ کیونکہ متبادر حروف و اصوات کا قیام ذاتِ الٰہی سے ناممکن ہے اور حروف و اصوات کے کوئی معنی مجہول الکیفیت گھڑ لئے جائیں تو اتنی تفصیل ہی بیکار ہے۔

مفسر مدارک نے بیان کیا ہے کہ شیخ ابو منصور ماتریدی نے تاویلات میں ظاہر کیا ہے کہ موسیٰؑ نے ایک آواز سنی جو کلامِ الٰہی پر دلالت کرتی تھی اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس تقدیر پر موسیٰؑ نے کلامِ الٰہی بلا واسطہ نہ سنا حالانکہ تکلیم بلا واسطہ کلام کرنے کو کہتے ہیں۔ آخر میں امام رازی نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ اکثر علمائے متکلمین اور سنت کا قول ہے کہ کلامِ الٰہی ایک صفت ہے جو موجودہ حروف و اصوات کے مغایر ہے۔ موسیٰؑ نے یہ صفتِ حقیقیہ ازلیہ سنی اور اس کو ادراک کیا، بایں طور کہ اللہ نے اپنے کلام پر سے حجاب اٹھا دیا۔ اس کا مآل یہ ہے کہ کلامِ الٰہی ایک صفتِ قدیم ہے۔ ذاتِ الٰہی سے قائم ہے۔ اسی صفتِ حقیقیہ کا سماع ہوا لیکن کس طرح ہوا؟ اس کی کیا کیفیت تھی؟ اس کا کچھ علم نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا سماع بغیر صوت اور بلا واسطہ حروف ہوا تھا جس کو خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ ہی سن سکے تھے۔ یہی قول حق ہے۔ شاہ صاحب کا بھی یہی مسلک ہے۔ گویا کلامِ الٰہی کا سماع روحانی تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے باشراقِ نوری اس کو سنا تھا۔ یہ اشراق حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ کسی دوسرے کو یہ نعمت آپ سے پہلے نہیں ملی۔

(۲) کیا دیدارِ الٰہی ممکن ہے؟ اس کے متعلق علمائے اسلام میں بڑا اختلاف ہے۔ سوائے اہلِ سنت کے تمام فرقے دیدارِ الٰہی کو ممتنع قرار دیتے ہیں۔ ہم پہلے جواز کے دلائل بیان کرتے ہیں پھر اصحابِ امتناع کے اعتراضات بیان کر کے ان کی تردید کریں گے۔

(۱) اگر دیدارِ الٰہی محال ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کی طلب نہ کرتے کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی محال چیز کی خواستگاری نہیں کرتا۔ اگر دیدارِ الٰہی کو مطلقاً

محال مان لیا جائے تو بدیہی معرفت سے حضرت موسیٰؑ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ کو باوجود جلیل القدر نبی ہونے کے اتنی معرفت بھی نہ تھی کہ وہ ایسا بے جا اور محال سوال کر بیٹھے۔

(۲) اگر دیدار الٰہی ممکن نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استقرار جبل پر اس کو موقوف نہ کرتا اور استقرار جبل تو ممکن تھا اگرچہ واقع نہ ہوا۔ لہٰذا حضرت موسیٰ کو دیدار الٰہی حاصل ہونا بھی ممکن تھا۔ اگرچہ واقع نہ ہوا۔ کیونکہ جو حکم کسی ممکن شرط پر معلق کیا جاتا ہے وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کے متعلق محال چیز کا اعتقاد کرنا کفر ہے۔ اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰؑ کیوں اس کا اعتقاد کرتے اور کیوں ناممکن سوال کرتے (ہٰکذا قال النسفی والبغوی) رہی یہ بات کہ ممکن تھا تو حاصل کیوں نہ ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کا صرف اجتہادی مغالطہ تھا۔ رویت باری کے امکان سے آپ نے سمجھ لیا کہ شاید دنیا میں بھی دیدار حاصل ہو جائے اور سوال کر بیٹھے حالانکہ دنیا میں دیدار نہ ہو سکتا تھا لہٰذا جواب مل گیا لن ترانی۔ لالکائی نے سنہ میں ابن عمر و ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کو نہ دیکھو گے یہاں تک کہ مر جاؤ۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث سے بطریق تواتر ثابت ہے۔ نیز مختلف آیات کلام پاک (مثلاً وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور جو چیز محال ہوتی ہے وہ ہمیشہ محال ہوتی ہے۔ کبھی وقوع پذیر کیا ممکن بھی نہیں ہو سکتی۔ معتزلہ وغیرہ چونکہ استحالۂ رویت کے قائل ہیں اس لئے انھوں نے چند اعتراضات کئے ہیں:۔

نمبر ۱۔ آیت لَنْ تَرٰىنِيْ نفی پر دلالت کر رہی ہے۔ اگر دیدار الٰہی ممکن ہوتا تو اس قدر تاکید کے ساتھ نفی نہ کی جاتی۔ یہ اعتراض زمخشری کا ہے بیضاوی نے جواب دیا کہ نفی آمیز جواب سے استحالۂ رویت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تو کبھی نہ دیکھے گا۔ نسفی نے کہا استحالہ کیسا یہ تو خود ثبوت رویت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لن اُرٰی یعنی "میں نہیں دیکھا جاتا ہوں" نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم مجھے نہیں دیکھو گے۔ اگر دیدار محال ہوتا تو فرماتا میں مرئی نہیں ہوں پھر اللہ نے موسیٰ کو مایوس بھی نہ کیا بلکہ معلق کر دیا اور اس سوال پر کچھ عتاب بھی کیا۔ اگر تکمیل سوال محال ہوتی تو عتاب فرماتا۔

معالم میں بیان کیا ہے کہ لن ترانی کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں چشم فانی سے کوئی مجھے نہ دیکھے گا۔

نمبر ۲۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ لن ترانی میں لن نفی تابیدی کے لئے ہے یعنی تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا۔ اگر رویت ممکن ہوتی تو نفی ابدی نہ کی جاتی۔ امام ماتریدی کہتے ہیں کہ لن کے معنی نفی ابدی قرار دینا سخت جھوٹ ہے۔ اہل لغت میں سے کسی نے ایسا نہیں لکھا۔ نہ اس کے متعلق کوئی نقل صحیح ہے بلکہ کتاب الٰہی شاہد ہے کہ لن نفی ابدی کے لئے نہیں ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ یہودیوں کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا یعنی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ لیکن یہودیوں کے اُخروی حال کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب سے تنگ آکر کہیں گے يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر کسی خاص قرینہ کے لن کا استعمال نفی تابیدی کے لئے نہیں ہوتا۔

کشاف میں زمخشری نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ جانتے تھے کہ دیدار باری محال ہے مگر چونکہ اُن کی قوم نے کہا تھا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ہم کو خدا کا دیدار کُھلم کُھلا کرا دو۔ اس لئے حضرت موسیٰ نے درخواست دیدار اپنے لئے کی تاکہ منفی جواب سے قوم والے چُپ ہو جائیں اور اپنی درخواست سے باز آجائیں۔

بیضاوی نے اس تاویل کی تردید میں کہا کہ زمخشری کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ اگر رویت محال تھی تو واجب تھا کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو سرزنش کرتے اور ان سے کہتے تم بڑے جاہل ہو ایسی ناممکن درخواست کرتے ہو جس طرح کہ بنی اسرائیل نے بُت پرستی کی خواہش کی اور حضرت موسیٰؑ سے بُت مانگا تو آپ نے ان کو جاہل کہا۔ نسفی کہتے ہیں کہ جو چیز جناب باری کی شان میں محال ہے اس کی تاکید و تائید بھی کفر ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ نے اپنے سوال سے اس کی تائید کی۔ معلوم ہوا کہ رویت محال نہ تھی۔

معتزلہ میں سے کعبی اور اصم کو جب کوئی تاویل نہ سوجھی تو رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ کو انھوں نے زبان مروڑنا شروع کیا۔ کہنے لگے اس سوال

کا مطلب یہ ہے کہ رب ارنی ایۃ منک اعلمک بھا بالضرورۃ کانی انظر الیک یعنی اے رب تو مجھے اپنی طرف سے ایسی علامت دکھا دے جس سے میں محسوس طور پر جان جاؤں اور ایسا جان جاؤں کہ گویا تیری طرف دیکھ رہا ہوں لیکن یہ تاویل خلاف ظاہر ہے۔ خواہ مخواہ کی خود ساختہ تحریف و ترمیم ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ اولوالعزم انبیاء میں سے تھے۔ کیا اُن کو وجود باری کا یقین نہ تھا۔ پھر ایسی عبارت میں درخواست کرنا جو محال آمیز ہے اور حرمت کا شبہ پیدا کرتی ہے کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

نمبر ۳۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو دیکھے گا تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا اور اس کی کوئی جہت بھی ماننی پڑے گی اور جسم بھی تجویز کرنا ہوگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ جسمانیت جہت اور مکان سے پاک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نقل کے مقابلہ میں اختراعِ وہمی کام نہیں دے سکتا۔ جب آیات و احادیث سے صراحتہً رویتِ الٰہی کا ثبوت ہے تو پھر ان رکیک اعتراضات سے کیا بنتا ہے۔ اس کے علاوہ عقلاً بھی دیدارِ الٰہی محال نہیں۔ کیونکہ دنیا میں انسان کی نگاہ و خاص محسوسات کے دیکھنے سے تجاوز نہیں کرتی مگر جنت جو عالم قدس ہے وہاں یہ حال نہ ہوگا۔ وہاں کی ہر نعمت یہاں کی نعمتوں کے خواص و کیفیات سے پاک ہے۔ وہاں پہنچ کر مادی اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہاں آنکھیں بھی ویسی ہی ملیں گی جس طرح روح کی آنکھیں اپنی نوری رویت میں جہت و سمت کی محتاج نہیں ہیں۔ اسی طرح جنت والوں کی آنکھیں اپنی لطافت کی وجہ سے نہ جسمانیت کی مقتضی ہیں۔ نہ جہت و سمت اور مکان کی۔

یہاں تک تو رویت کے متعلق اختلاف علماء اور اس کی تحقیق تھی۔ اب رہی پہاڑ پر پروردگار کی جلوہ ریزی کی کیفیت تو اس کے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں۔ امام احمد نے بروایت انسؓ روایت کی کہ حضور اقدسؐ نے اپنی چھنگلی کا اوپر کا ذرا سا کنارا بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس قدر نور سے تجلی فرمائی (وقد رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والحاکم وقال علی شرط مسلم۔ ورواہ الطبرانی ایضاً۔ وقد روی الحاکم لہ شاھداً عن ابن عباس۔ علامہ نسفی نے شیخ ماتریدی کا قول نقل کیا ہے کہ جبل پر تجلی کرنے کے وہی معنی ہیں جو شیخ اشعری نے بیان کئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ میں رویت و علم کی قوت پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے رب کی جلوہ ریزی کو دیکھا اور تاب نہ لا کر مرکوک ہو گیا۔ تفسیر معالم میں سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار پردوں میں سے درم کی برابر نور ظاہر فرمایا تھا جس کی وجہ سے پہاڑ کو مرکوک یعنی خاک کی برابر کر دیا۔

مقصودِ بیان

قربِ الٰہی اور مناجاتِ خصوصی کے لئے تربیت روح تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی ضرورت ہے اور کثافتِ مادی کا دور کرنا لازم ہے۔ لہٰذا خیالات کی یکسوئی اور علمائے روحانی کے لئے کچھ مدت گوشہ نشین ہو کر مراقبہ ریاضت اور عبادت نہایت ضروری ہے۔ چلہ کشی کا جواز یہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک نبی کا فریضہ دوسرا نبی عارضی طور پر ادا کر سکتا ہے۔ جس طرح موسیٰؑ کے جانشین ہارون نے کی۔ لیکن اس سے نبوت کی شرکت لازم نہیں آتی بلکہ اصلاح خلق، انتظام امت اور فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لئے یہ خلافت ہوتی ہے۔ نبی اگرچہ معصوم ہوتا ہے اُس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا لیکن بھول چوک سے کوئی بری نہیں اور شیطان انسان دوستی و اصلاح کے پیرائے میں انبیاء سے دشمنی کر سکتے ہیں۔ اسی لئے موسیٰؑ نے ہارون سے فرما دیا کہ مفسدوں کا کہنا نہ ماننا، ان کا مشورہ نہ قبول کرنا مراد و مطلب خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے حصول کا ایک خاص وقت اور خاص طریقہ ہے۔ خلافِ وقت اور خلافِ طریقہ حصولِ مدعا ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ کو مشرف بہ کلام کرنے اور شریعت دینے کے لئے وقت کا مقرر کرنا اسی رمز کو بتا رہا ہے۔ کلامِ الٰہی بلا واسطۂ حروف و آواز اپنی اصلی کیفیت کے ساتھ سنا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے سننے کے لئے قوتِ مادیہ کو کمزور کر کے جسمانی کانوں کو بہرا بنا کے روحانی کانوں کو کھولنا لازم ہے۔ دیدارِ الٰہی ممکن ہے۔ مگر دنیا میں یہ مادی آنکھیں جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔ انبیاء کو بعض اوقات ذاتِ الٰہی سے اس قدر قرب ہو جاتا ہے کہ تمام وسائط اٹھ جاتے ہیں اور درمیان میں فرشتوں کی پیامبری کی بھی ضرورت نہیں رہتی قربِ الٰہی میں پہنچ کر عظیم القدر انبیاء بھی اپنی ہستی اور مقتدائے ہستی کو بھول جاتے ہیں۔

مخاطبت کی لذت سے سرشار ہو کر انسان مشاہدہ کی درخواست کرنے لگتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے کیا۔ مقام عشق میں پہنچ کر آدمی

رسوم ادب سے نکل کر میدانِ جرأت میں قدم رکھنے لگتا ہے۔
قربِ الٰہی اور مناجاتِ ربانی کے حصول کے لئے عبادت اور خیالات کی یکسوئی لازم ہے۔ وغیرہ

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ
اللہ نے فرمایا موسیٰؑ میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز عطا کیا پس جو کچھ میں نے تم کو

مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ
دیا اس کو لے لو اور شکر گزار رہو اور ہم نے تختیوں پر موسیٰ کو ہر قسم کی

شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ
نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (اور حکم دیا کہ) اس کو مضبوطی سے لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
اس کے اچھے احکام پر عمل کریں عنقریب تم کو بدکاروں کا گھر دکھا دوں گا

تفسیر اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰؑ کی درخواست مشاہدہ کا جواب نفی معلّق کی صورت میں دے دیا گیا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ تم اپنے مرتبہ کی حد سے آگے قدم نہ رکھو۔ مناجات و خطاب سے گزر کر معائنہ و مشاہدہ کی طلب نہ کرو۔ بس اسی کو غنیمت سمجھو کہ اس زمانہ کے تمام انسانوں پر ہم نے تم کو برتری عطا کی اپنے احکام پہنچانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا اور تم سے کلام کیا۔ تم پر لازم ہے کہ اس کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تختیوں پر لکھ کر موسیٰؑ کو تمام ضروری احکام اور ہر قسم کے ضروری احکام اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مصالح تفصیل وار عطا کئے اور حکم دے دیا کہ ان پر خود بھی مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان الواح میں جو واقعی بہترین و مفید احکام و نصائح درج ہیں اُن پر عمل کریں اور اب میں تم کو نافرمانوں کی بستی دکھاؤں گا۔

تفصیل مبحث بظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کو تمام لوگوں پر برتری حاصل تھی کیونکہ لفظ ناس میں کوئی تخصیص نہیں۔ ابن کثیر نے اس کا جواب دیا کہ الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے اشارہ اسی زمانہ کے آدمیوں کی طرف ہے۔ یعنی موسیٰؑ کو اس زمانہ کے آدمیوں پر دو طرح کی فضیلت حاصل ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے انواع رسالت یعنی صحیح عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ کے تمام احکام دیکر تبلیغ پر مامور فرمایا۔ دوسرے نعمتِ کلام سے سرفراز کیا۔

الواح کی تعداد کتنی تھی؟ ان پر کیا لکھا ہوا تھا؟ اور وہ کس چیز کے بنے ہوئے تھے؟ یہ تمام امور مختلف فیہ ہیں۔ اہل کتاب کے نزدیک دو تختے تھے۔ موجودہ توریت کے سفر خروج باب ۳۲ درس ۱۵ میں لکھا ہے کہ موسیٰؑ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے۔ دونوں طرف اِدھر اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے ساختہ تھے اور جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ پھر اسی باب میں کچھ آگے لکھا ہے کہ جب موسیٰ نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا اور اُن کے شور و غل کی آواز سنی تو اُن لوحوں کو پھینک دیا اور پہاڑ کے نیچے آ کر توڑ ڈالا۔ پھر باب ۳۴ میں لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کے مطابق دو لوحیں پتھر کی تراش اور میں ان لوحوں پر وہ باتیں جو پہلی لوحوں پر تھیں جنھیں تو نے توڑ ڈالا لکھوں گا۔ صبح کو تیار ہو جا اور سویرے کوہ سینا پر چڑھ اور میرے آگے

وہاں سے دو گھڑی پہ حاضر ہو۔ اس تمام تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل کتاب کے نزدیک حضرت موسیٰؑ کو جو پہلے دو تختے عطا ہوئے تھے ان پر احکام لکھے تھے یعنی وہ دس احکام تھے جس کے متعلق علمائے اہل کتاب کا خیال ہے کہ ان الواح کی تعداد سات یا نو تھی اور وہ یاقوت سرخ یا زبرجد وغیرہ کے بنے ہوئے تھے۔ جب موسیٰؑ نے ان کو توڑ ڈالا تو پھر بحکم الٰہی پتھر کے تختے بنائے۔

علمائے اسلام کا خیال ہے کہ الواح سے مراد تورات ہے۔ جو چالیس دن کے چلّے کے بعد حضرت موسیٰ کو کوہ سینا پر تورات ملی تھی اور اس میں فنون پر بہت ضروری مسائل درج تھے۔ بنی اسرائیل کے لئے جن احکام کی تفصیل کی ضرورت تھی اور جو نصیحت اُن کے لئے مفید تھی وہ سب اس میں موجود تھی۔ قرآن پاک کی آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ نیز سفر استثناء کے باب ۲۷ آیت ۸ میں مذکور ہے کہ بر آن سنگہا تمامی کلمات این توریت بخط روشن بنویس۔ اور کتاب یشوع کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کے حکم کے موافق ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پہ توریت کو لکھ دیا۔

قوت کے ساتھ لینے کے معنی بقول ابن عباسؓ یہ ہیں کہ جو کچھ اس میں حلال کیا گیا ہے اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ حرام کیا گیا ہے اُس کو حرام جانو اور اُس پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرو۔

يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کے لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تورات میں کچھ احکام غیر احسن اور قبیح بھی تھے۔ اس کا جواب زمخشری نے کشاف میں دیا ہے جس کو بیضاوی اور امام رازی نے بھی پسند کیا ہے کہ جو احکام تکلیفیہ بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے ان میں بعض حسن تھے اور بعض احسن۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ہر شخص اُسی بات پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی آمادہ کرے جو بھلائی میں زیادہ اور ثواب میں بیش ہو مگر اس فقیر کے نزدیک یہ جواب کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ تورات میں جو احکام حسن کا درجہ رکھتے ہیں وہ ارشاد ربانی کے خلاف وہ ممنوع قرار پائیں اور درجۂ جواز سے بھی ساقط ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ورنہ حسن احکام کے نزول کا فائدہ کچھ نہ ہوگا بلکہ صحیح مطلب تحقیق لغوی کے مطابق بالکل صاف ہے۔ أَحْسَنِهَا میں اضافت ہے اور اضافت جس طرح بتقدیر لام و من ہوتی ہے اسی طرح بتقدیر فی بھی ہوتی ہے۔ یہاں اضافت بتقدیر فی ہے۔ احسن ضرور افعل التفضیل ہے لیکن تفضیل البعض یا تفضیل الکل مراد نہیں ہے بلکہ تفضیل نفسی مراد ہے یعنی واقع میں بغیر لحاظ امر آخر کے ان احکام میں بہت زیادہ حسن ہے۔ اب مطلب ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اُن احکام پر عمل کریں جو واقعی طور پر بہترین ہیں اور تورات میں درج ہیں۔ واللہ اعلم۔

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد عطیہ عوفی کے نزدیک ملک مصر ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل لوٹ کر مصر نہیں گئے۔ حسن و عطا کے نزدیک اس سے مراد جہنم ہے۔ سدی کے نزدیک دیار جبابرہ و عمالقہ مراد ہیں۔ قتادہ نے خاص کر ملک شام مراد لیا ہے۔ یہ واقعات اور قرینہ کے مطابق ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ کوئی مخصوص مکان مراد نہیں بلکہ درحقیقت یہ تہدید و وعید ہے۔ جس طرح زید اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ میں تجھے دو روز میں دکھاؤں گا کہ مخالفت کر کے کیسی خانہ بربادی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی دھمکی کے کلمات ہیں۔ مجاہد و حسن بصری اسی معنی کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر زیادہ موزوں ہے۔

مقصود بیان

خواہش مشاہدہ سے باز رہ کر مناجات پر قناعت کرنے کی تلقین۔ رسالت و مکالمہ کے عظیم القدر ہونے کی صراحت۔ اس امر کی صراحت کہ نبی اپنے زمانہ کے لوگوں سے برتر ہوتا ہے۔ اس امر کی طرف ایما کہ رسالت و نبوت عطیۂ الٰہی ہے، کسبی نہیں ہے اس لئے اس کا شکریہ واجب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو تختوں پر لکھی ہوئی تورات ایک دم ملی تھی، رفتہ رفتہ احکام نازل نہ ہوتے تھے۔ تورات میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق تمام ضروری احکام درج تھے۔ حضرت موسیٰ بھی توریت پر کاربند رہنے پر مامور تھے۔ نبی پر دو فرض ہوتے ہیں۔ اول خود نہایت پختگی کے ساتھ تعمیل حکم الٰہی کرنا دوسرے دوسروں کو تبلیغ کرنا۔ احکام الٰہی سب کے سب بہترین ہوتے ہیں۔ وغیرہ

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ

اور اپنی آیتوں سے عنقریب ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق ملک میں سرکشی کرتے ہیں اگر یہ لوگ تمام

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

نشانیاں دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تب بھی اس کو راہِ عمل

سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

نہ بنائیں اور اگر کجی کا راستہ دیکھیں تو اس کو راہِ عمل بنائیں اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھا اور اُن سے غافل رہے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھوٹ

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

سمجھا اُن کے اعمال اکارت گئے جیسا وہ کرتے تھے ویسی ہی اُن کو سزا دی جائے گی

تفسیر اوپر کی آیات میں حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا کہ توریت پر مضبوطی سے قائم رہو اور بنی اسرائیل کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دو۔ ان آیات کا حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت ہمارے اختیار میں ہے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ بصیرت عطا کرتے ہیں۔ وہ آیاتِ قدرت میں غور و تامل کرتا ہے۔ ان سے صانعِ قادر پر استدلال کرتا ہے۔ نبی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جس کو چاہتے ہیں گمراہ چھوڑ دیتے ہیں۔ آثارِ قدرت پر غور نہیں کرتا۔ احکامِ منزلہ کو نہیں مانتا۔ انبیاء کی تعلیم پر نہیں چلتا۔ اس کی طبیعت کج ہوتی ہے۔ قدرت کی ہر نشانی اس کے لئے بے سود ہوتی ہے۔ اس کو کسی طرح یقین نہیں آتا۔ راہِ راست پر نہیں چلتا۔ ہاں گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ خدا بھی ایسے شخص کی نظر پھیر دیتا ہے۔ آیاتِ منزلہ اور آثارِ قدرت میں غور کرنے کا اس کو موقع ہی نہیں رہتا۔ مگر اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس پر کوئی ظلم نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کے کئے کی سزا ہوتی ہے وہ خود تکذیبِ آیات کرتا ہے اور آثارِ قدرت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ خدا بھی اس کی نظر پھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعلیم پر نہ چلنے والے آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کرنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ انھوں نے کچھ نیکیاں کی ہوں گی تو ان کی جزا ان کو ملے گی ایسی بے ضابطہ اور خلافِ قاعدہ بھلائیاں بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ ترک و انکار کے ساتھ تمام اعمالِ خیر رائیگاں جاتے ہیں اور ان کا رائیگاں جانا خود ان ہی کے کرتوت کی پاداش میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ کافر منکر کی کوئی نیکی قبول نہیں کرتا۔

مختصر تشریح آیات سے مراد عام آیات ہیں۔ خواہ وہ آیات ہوں جو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہیں یا وہ نشانہائے قدرت ہوں جو عالم میں بصیرت اندوز نظر رکھنے والے کے لئے خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔

تکبرِ ناحق کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو تکبر کا استحقاق نہیں ہوتا ان کے اندر کوئی بڑائی نہیں ہوتی۔ پھر بھی ناحق طور پر وہ اپنے کو بڑا جانتے اور آیاتِ الٰہی سے انکار و سرکشی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اندر دو خرابیاں ہیں ایک تو تکبر کرتے ہیں جو ہر حال ناجائز ہے خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہو۔ دوسرے یہ کہ اُن کے پاس حقانیت بھی نہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس پر وہ تکبر کر سکیں۔ باطل پر تکبر کرتے ہیں۔

مقصود بیان آیاتِ الٰہی پر غور کرنا اور اُن سے بصیرت و عبرت حاصل کرنا واجب ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ ظالم نہیں بلکہ ہر شخص جس طرح اپنی قوت کو متوجہ کرتا ہے خدا بھی ویسا ہی کر دیتا ہے۔ بعض اشخاص کو دنیا میں بھی ان کے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جو شخص گمراہی و سرکشی میں گھستا چلا جائے اور خدا تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اس کے میلانِ طبعی اور گزشتہ کرتوت کی سزا ہے۔

کافر و مشرک کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ فقط توحید و اقرارِ رسالت اور عملِ خیر نجات کے لئے کافی نہیں جب تک قیامت اور اس کی سزا جزا پر ایمان نہ ہو۔ وغیرہ

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ

اور موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰ (کے جانے کے) بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا یعنی ایک مجسمہ بنا لیا جس کی گائے جیسی آواز تھی کیا انہوں

يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ وہ اُن سے بات کرتا ہے نہ اُن کی رہنمائی کرتا ہے اس کو انہوں نے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا

اور جب وہ پچھتائے اور دیکھا کہ واقعی وہ گمراہ ہوگئے تو کہنے لگے اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ کرے گا

رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور ہم کو نہ بخشے گا تو ہم ضرور زیاں کار ہو جائیں گے

تفسیر جب حضرت موسیٰؑ توراۃ لینے گئے اور ایک مہینہ کی میعاد مقرر کر کے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنا کے طور پر چلے گئے اور وہاں دس روز کی تاخیر ہوگئی تو بنی اسرائیل آخری دہائی میں بدگمانی کرنے لگے۔ راستہ میں ویسے ہی بُت پرست قوموں کی طرف سے گزر ہوا تھا جن کو دیکھ کر ان کا بھی بُت پرستی کے لئے دل للچایا تھا مگر حضرت موسیٰ کے ڈانٹنے سے چُپ ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ مصر میں قبطیوں کو گئو پوجا کرتے دیکھا تھا اور طبعاً اس کے خوگر ہو گئے تھے۔ اب حضرت موسیٰؑ کی طویل غیبت کی وجہ سے اُن کی جہالت کو آزادی مل گئی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری سُنار تھا اور بڑا عیار تھا۔ بنی اسرائیل کے پاس قبطیوں سے مانگ کر لائے ہوئے سونے کے زیور تو موجود ہی تھے۔ اُس نے فوراً لوگوں سے زیور لے کر ایک بچھڑا ڈھالا اور اس کے پیٹ کے اندر وہ خاک ڈال دی جو حضرت جبرئیلؑ کے قدم کے نیچے سے اس نے حاصل کی تھی۔ حضرت جبرئیل ایک روز سوار کی صورت میں حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے۔ سامری کو کسی ڈھب سے اطلاع ہو گئی۔ جب جبرئیل واپس جانے لگے تو اس نے دیکھا کہ جہاں گھوڑے کا قدم پڑتا ہے وہ جگہ سبز ہو جاتی ہے۔ اُس نے سمجھ لیا کہ یہ خاک حیات بخش ہے۔ بس فوراً تھوڑی سی خاک لے کر رکھ لی اور وہی خاک بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی۔ بچھڑا اچھا خاصہ زندہ گئو سالہ معلوم ہونے لگا اور بے ڈھب چیخیں مارنے لگا۔ بنی اسرائیل نے یہ عجیب واقعہ دیکھا تو چونکہ محسوس پرستی کے خوگر تھے فوراً بلا تامل اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ یہ نہ سوچا کہ جو بچھڑا نہ تو باتیں کر سکتا ہے، نہ ہماری کسی طرح رہنمائی کرنے کی اس میں طاقت ہے پھر اس کی پرستش کیوں کریں۔ مگر چونکہ صحیح تصور اور صحیح عمل کی ان میں طبعی اور ذاتی خو بو نہ تھی، عقل و نظر سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ شانِ الوہیت کسی عاجز مخلوق میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے اس لئے بلا گنتی لگے سجدے کرنے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد جب

حقیقتِ واقعہ کا ان کو علم ہوا اور اپنی گمراہی ثابت ہوگئی تو بہت پشیمان ہوئے اور بڑی توبہ استغفار کی۔

تفصیل اجزاء

جسداً کے بعد لہٗ خوار کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ فقط بچھڑے کی مورت ہی نہ رہی تھی بلکہ اچھا خاصا جیتا جاگتا گوسالہ بن گیا تھا اور وہ بچھڑا بعض کے نزدیک صرف ایک مرتبہ بولا تھا۔ لیکن بعض مفسرین کا قول ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد متعدد آوازیں نکالتا تھا لیکن بنی اسرائیل اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے تھے اور جب وہ چپ ہوجاتا تھا تو سجدہ سے سر اٹھاتے تھے وہب کا قول ہے کہ اس کی فقط آواز نکلتی کوئی حرکت نہ کرتا تھا۔ لیکن سدی اس کے متحرک ہونے کے بھی قائل ہیں۔

بچھڑا سونے کا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی ترکیب سے سامری نے اس کو کھوکھلا بنایا تھا کہ اس کے اندر ہوا بھر جاتی تھی اور کسی قدر دباؤ کے ساتھ منہ سے نکلتی تھی جس کی وجہ سے سامری کے بہکانے سے بے وقوف لوگوں نے یقین کرلیا کہ یہ صرف ہمارا ہی خدا نہیں بلکہ موسیٰ کا بھی معبود ہے لیکن اکثر مفسرین کا قول وہی ہے کہ اس بچھڑے کی آواز حضرت جبرئیل کے قدم کے نیچے کی خاک کی وجہ سے تھی جس کا خود قرآن میں ذکر موجود ہے۔ پہلا گروہ کہتا ہے کہ قرآن نے صرف سامری کا عذر نقل کیا ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ صحیح بھی ہو۔ غالب تر یہ بات ہے کہ سامری نے اپنی کارستانی چھپانے کے لئے حضرت موسیٰؑ سے یہ جھوٹا عذر کردیا ہو۔

گوسالہ پرستی کتنے لوگوں نے کی تھی؟ تو اس کے متعلق حسن بصری کا خیال ہے بلکہ روایت ہے۔ حضرت ہارون کی سب قوم نے پوجا کی تھی۔ کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰؑ نے توبہ و استغفار کرتے وقت صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی کی ذات کو مخصوص فرمایا۔ مگر علماء کا قول ہے کہ کچھ لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ کیونکہ قوم بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اہلِ ارشاد و ہدایت بھی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ الآیۃ۔ اور ایسے ہدایت یافتہ ہادیان سے گوسالہ پرستی کا ارتکاب بعید ہے۔

مقصود بیان

بنی اسرائیل کی طبعی اور عادی محسوس پرستی کے شوق کا اظہار، ان کی سرکشی اور سخت دلی کی صراحت، ان کی بیوقوفی اور جہالت کی نص۔ ان لوگوں کو تنبیہ جو شانِ الوہیت کسی مخلوق میں تصور کرتے اور عقل و نظر سے پاس اندھے بن جاتے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معبود کا خود مختار ہادی و قادر ہونا ضروری ہے۔ اس امر کی تصریح کہ بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا بعد کو علم ہوگیا تھا اور ان کو اپنے کئے کا پچھتاوا بھی ہوا تھا۔ وغیرہ

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

موسیٰؑ جب اپنی قوم کے پاس غم و غصہ میں بھرے ہوئے لوٹ کر آئے تو بولے میرے بعد تم لوگوں نے بہت بری

مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ

نیابت کی کیا تم اپنے پروردگار کے حکم پر جلدی کر بیٹھے موسیٰ نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال

یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ

پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے ہارون نے کہا میرے ماں جائے قوم نے مجھے ناتواں سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ

اب آپ دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور ظالم قوم کے ساتھ مجھے شامل نہ کریں موسیٰؑ نے

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

کہا پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں لے لے تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

آخر طور پر حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی قوم کی حالت کی اطلاع ملی تو آپ غضبناک ہو کر وہاں سے لوٹے اور آکر قوم کا حال دگرگوں پایا تو بولے میرے کوہِ طور پر جانے کے بعد تم یہ کیا بُری حرکت کر بیٹھے؟ کیا میری نیابت و جانشینی کا یہی اقتضا تھا؟ میں تو صرف چالیس دن کے لئے تورات لینے گیا ہوا تھا۔ اس مدت کے اختتام کا بھی انتظار نہ کیا۔ ایسی عجلت کی کہ حکم پروردگار کا انتظار کئے بغیر جھٹ پٹ گوسالہ بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ اتنا بھی توقف نہ کیا کہ میں خدا کے احکام لینے گیا ہوں آ تو جاؤں اور خدا کے حکم تم تک پہنچ تو جائیں۔ یہ کہہ کر غصہ اور رنج کے مارے توریت کی وہ تختیاں جو طور سے لائے تھے جلدی سے ایک طرف کو رکھ کر اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر علی الاعلان کھینچنے لگے کہ تم نے بچھڑا بناتے وقت کیوں نہ روکا۔ حضرت ہارون نے انتہائی لجاجت سے عذر پیش کیا اور بنی اسرائیل کی سرکشی ظاہر کی جس کے بعد حضرت موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا اور آپ نے اپنے اور اپنے بھائی کی طرف سے بارگاہِ الٰہی میں دعا و استغفار و اظہارِ براءت کیا۔

تحقیق مبحث

یہ فعل حضرت ہارون کی شرکت سے نہ ہوا تھا بلکہ محض سامری نے ایسا کیا تھا۔ قرآن کی صراحت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا توریت کی وہ صراحت غلط ہے جس میں حضرت ہارون کو اس حرکت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کی شان اس قسم کی لغویت سے بہت بلند ہے۔

(۲) اَلْقَى الْاَلْوَاحَ کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے توریت کی تختیاں پھینک دی تھیں اور وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں یہاں تک کہ اُن کے چھ سات ٹکڑے ہو گئے اور صرف مواعظ کا حصہ باقی رہ گیا۔ باقی غیبی اطلاعات کا جتنا حصہ تھا وہ سب مٹ گیا۔ بعض لوگ ابن عباسؓ سے اس قسم کی ایک روایت کرتے ہیں لیکن اس کی تردید خود قرآن کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انھوں نے تختیوں کو لے لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الواح بجا لہا باقی تھیں۔ پھر کلام الٰہی کی تختیوں کو بدتہذیبی سے پھینک دینا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ اس لئے امام رازی نے تفسیر کبیر کہا کہ قرآن مجید میں تختیوں کو پھینک دینے اور اُن کے ٹوٹ جانے کا کہیں تذکرہ نہیں۔ البتہ لفظ القاء مذکور ہے لیکن القاء کے معنی پھینک دینے کے لینا لازم نہیں بلکہ غضب کی حالت میں ایک طرف کو رکھ دینے کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳) یہاں پر حضرت ہارون کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنا مذکور ہے لیکن دوسری آیت میں داڑھی کو پکڑ کر کھینچنا بیان کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے سر کے بالوں کو اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑ کر کھینچا ہو۔ اس تصریح کے بعد کوئی اختلافِ بیان نہیں رہتا۔

مقصودِ بیان

کوئی نبی معصیتِ الٰہی پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ آیت بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلہ میں بھائی برادر اور بڑے چھوٹے کی محبت کوئی چیز نہیں۔ سب سے ترکِ تعلقات اور سب کو انتہائی سرزنش کرنا لازم ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کی سخت گرفت کی اور کچھ پروا نہ کی کہ یہ میرا بھائی ہے۔ آیات بتا رہی ہیں کہ موسیٰؑ کے مقابلہ میں ہارون کا اثر قوم میں کم تھا۔ حضرت ہارون نے بقدرِ امکان گوسالہ پرستی سے روکا لیکن جب قوم والے مار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تو آپ نے یکسوئی اختیار کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک کو تا حدِ امکان روکنا چاہیئے۔ جب جان کا اندیشہ یقینی ہو جائے اس وقت اگر یکسوئی اختیار کر لی جائے تو قابلِ مواخذہ نہیں۔ شماتتِ اعداء بری بلا ہے۔ انبیاء بھی اس سے بچنے کی استدعا کرتے تھے۔ ظلم کا ابتدائی درجہ اگرچہ معمولی گناہ ہے مگر انتہائی درجہ شرک و کفر ہے اسی لئے کافروں کو بھی ظالم کہا گیا۔ بنی اسرائیل بڑی سرکش قوم تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي

بیشک جو لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا تھا ان پر اُن کے رب کا غضب اور دنیوی زندگانی میں ذلت

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝ وَالَّذِينَ عَمِلُوا

پہنچے گی اور افتراپردازوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے برے

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا

کام کئے پھر اُن کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد ضرور اُن کو

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ بعض علماء اس آیت کے ظاہری الفاظ کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور بعض مجازی معنی لیتے ہیں۔ اول گروہ کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے واقعی گوسالہ پرستی کی ان کی سزا مقرر ہو چکی ہے۔ دو قسم کی سزا ان کو برداشت کرنی ہوگی۔ ایک تو اللہ کی طرف سے ان پر غضب ٹوٹے گا یعنی ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ دوسرے ذلت اٹھانی ہوگی اور یہ ذلت صرف انہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ قانونِ قدرت بھی ہے کہ خلافِ قدرت عمل کرنے والوں اور خدا پر بہتان باندھنے والوں کو یونہی ذلت نصیب ہوتی ہے۔ ہاں جو لوگ گناہوں سے تائب ہو کر صدقِ دل سے ایمان لے آئیں گے تو خدا ان کو معاف کر دے گا۔

دوسرے گروہ کا قول ہے کہ ان آیات سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور اپنے اسلاف پر فخر کیا کرتے تھے اور اسلاف کے اس قبیح فعل کو بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے۔ چونکہ وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کو مورد طعن اور مرتکب جرم قرار دینے پر راضی نہ تھے اس لئے ان کو گوسالہ پرست کہا گیا۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ اس زمانہ میں جو یہودی شرک و نافرمانی پر اڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ہیں ان کو عنقریب آخرت میں غضب الٰہی پہنچے گا۔ سخت سزائیں ماخوذ ہوں گے اور دنیا میں بھی ان کو ذلت نصیب ہوگی۔ قتل ہوں گے۔ جلاوطن کئے جائیں گے، جزیہ دیں گے۔ حکومت جاتی رہے گی۔

ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر مذکور ہے۔ لیکن اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے مدینہ کو اس وقت تک ہجرت نہ ہوئی تھی۔ پھر یہودیوں کا رسول اللہ ﷺ سے سرکشی کرنا اور مخالفت پر اڑے رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا جواب اس طور پر دیا گیا ہے کہ ان آیات میں غیب کی خبر اور آنے والے واقعات کی اطلاع دی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اگر ابن عباسؓ کی موخر الذکر تفسیر کی روایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تب تو کسی دوسری موخر الذکر تفسیر کا جواز ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ صحابی سے بہتر کلام پاک کی تفسیر کون کر سکتا ہے اور اگر روایت ثابت نہ ہو تو صاف معنی یہ ہیں کہ کلام کو حقیقت پر محمول کیا جائے۔ چونکہ آیات میں گوسالہ پرستوں پر دو قسم کے عذاب کا نزول بیان کیا ہے۔ ایک تو غضب الٰہی میں مبتلا ہونا، دوسرے دنیوی ذلت میں ماخوذ ہونا۔ تو واضح مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی، بچھڑے کو واقعی طور پر پوجا اُن کو آخرت میں عذاب الٰہی پکڑے گا اور دنیا میں طرح طرح کی ذلتیں اُن کو نصیب ہوں گی۔ کبھی کیخسرو اُن کی نسل کو عام طور پر یروشلم میں قتل کرے گا۔ کبھی بخت نصر کے ہاتھوں ان کی تباہی ہوگی۔ وہ خود جنگلوں میں مارے مارے پھریں گے

اور ذلت و مسکنت سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا۔ ہاں ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کرلی جو اُن کے لئے مقرر ہو چکا ہے تو وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کی نسل کو ذلت نہ اٹھانی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کر دے گا۔

تحقیق مبحث

(۱) کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ۰ کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ قدرت صرف گوسالہ پرستوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ کوئی مفتری ہو، غیر اللہ کی پرستش کرتا ہو، ظالم ناحق شناس ہو، اُس کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔ اس میں عرب کے مشرکوں کو بھی تہدید ہے، جو سانڈ چھوڑا کرتے، تیروں سے فال لیا کرتے، مُردار کو کھایا کرتے ننگے بدن طوافِ کعبہ کرتے اور بُت پرستی میں بھی انہماک رکھتے تھے۔

اس وعید میں اسلام کے بدعتی بھی شامل ہیں جو اسلام کے عقائد و عبادات اور اعمال و رسوم میں اپنی طرف سے اختراع کرتے اور ان کو احکامِ اسلامی جانتے ہیں مالک بن انس رض فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی کے سر پر ذلت سوار ہوگی۔ اگرچہ اس کو شعور نہ ہو۔ کیونکہ دین میں بدعت پیدا کرنے والا افتراء پرداز ہے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ واللہ یہ حکم قیامت تک ہر مبتدع و مفتری کے لئے ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہر بدعت والا ذلیل ہوتا ہے۔

(۲) تَابُوْا کے بعد لفظ اٰمَنُوْا ذکر کیا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ حکم صرف اہلِ ایمان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کافر ہو یا مُسلم جو بھی توبہ کرنے کے بعد ایمان لائے گا خدا تعالیٰ اُس کو معاف فرما دے گا۔ حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ اسلام لانے سے تمام گزشتہ گناہ مِٹ جاتے ہیں اور آدمی ایسا صاف ہو جاتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا مومن اگر گناہ سے توبہ کرے تو آئندہ اس کا ایمان یہ ہے کہ تقویٰ اور صلاح پر قائم رہے اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرے اور کافر کے توبہ کے بعد ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے، عقائدِ اسلامیہ کا یقین رکھے اور اعمالِ اسلامیہ پر کاربند ہو جائے۔

مقصودِ بیان

اس امر کی صراحت کہ یہودیوں میں سے مخصوص طبقہ دنیوی ذلت میں گرفتار ہوگا۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ تمام اہلِ ہویٰ اور مفتری دنیا میں تباہ اور ذلیل اور آخرت میں رسوا و خستہ ہوں گے۔ ہر قسم کے گناہ و شرک کے بعد درِ توبہ کھلے رہنے کا اعلان۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی و خلاف ورزی سے ترہیب اور اسلام و تقویٰ کی ترغیب وغیرہ۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى

جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا تو اُنھوں نے تختیاں اُٹھالیں اُن کے مضامین میں اُن لوگوں کے

وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ۝

لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی

تفسیر

اس کا اتصال گزشتہ قصّہ سے ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لعنت ملامت، بھائی کو سرزنش اور توبہ و استغفار کر چکے اور غصّہ ساکن ہوگیا تو آپ نے تختیاں اُٹھائیں۔ اُن میں احکامِ شریعت اور ہدایت و موعظت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں جن پر چل کر اہلِ سعادت و تقویٰ نجات حاصل کر سکتے تھے اور رحمتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہو سکتی تھی۔ گویا اُن الواح میں ایسی باتیں درج تھیں جو گمراہی سے نکال کر ہدایت اور عذاب سے بچا کر رحمت کی طرف لانے والی تھیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں قتادہ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کو صاحبِ معالم نے بھی بیان کیا ہے۔ ہم بھی اس کو بطور اختصار بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

قتادہ کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ نے الواح کو پڑھا تو ان میں بہت سی باتیں اُن کو ملیں۔ عرض کیا پروردگار! میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک بہترین اُمت ہوگی جو بھلائی کا حکم دے گی اور بُرائی سے روکے گی تو وہ اُمت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمت سب سے بعد کو آئے گی۔ مگر سب سے سابق ہوگی تو وہ امت میری بنا دے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح

میں پاتاہوں کہ ایک امت ہوگی جس کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہوں گی یعنی ان کو حفظ ہوں گی اور وہ پڑھا کریں گے۔ تو وہ میری اُمّت بنا دے۔ حکم ہوا وہ اُمّتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا کریں، الواح میں پاتاہوں کہ ایک امت ہوگی جن کا ایمان اپنی کتاب پر نیز گزشتہ کتابوں پر ہوگا جو گمراہوں سے جہاد کریں گے۔ اور دجّال کو قتل کریں گے تو اس کو میری امت بنادے۔ حکم ہوا وہ اُمّتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقات خود کھائے گی اور اس کا ثواب پائے گی تو اس کو میری امت بنادے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمّت ہوگی جو اگر نیکی کرنے کا ارادہ کرے گی تو اس کو ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور اگر کرے گی تو دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ تک اس کا ثواب ملے گا تو اس کو میری امت بنادے۔ ارشاد ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ عرض کیا میں الواح میں پاتا ہوں کہ ایک اُمت ہوگی جو (قیامت کے دن) شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت مقبول بھی ہوگی تو اس کو میری امت کردے۔ حکم ہوا وہ امتِ احمدیہ ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے الواح کو ہاتھ میں لے کر عرض کیا کہ پروردگار! مجھ کو احمدؐ کی امت کردے۔

اس روایت میں اگرچہ ضعف ہو لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جن امور کا اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور جو خصوصیات امتِ احمدیہ کے بیان کئے گئے ہیں ان کا تذکرہ توریت میں ضرور تھا اور تمام علامات بیان کی گئی تھیں۔ مزید ثبوت کے لئے دیکھو، دین اللہ مؤلفہ ڈاکٹر توفیق مصری۔ مطبوعہ مصر۔

مقصودِ بیان اہلِ ایمان کو ترغیب و بشارت، اس بات کی طرف ایما کہ غصّہ انسان کو مختل الحواس کر دیتا ہے اور وہ غضب کی حالت میں اصل مقصود کی طرف سے تھوڑی دیر کے لئے جائز و ناجائز چشم پوشی کر لیتا ہے اور جب غصّہ فرو ہوجاتا ہے تو پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس امر کی صراحت کہ توریت میں ہدایت و رحمت دونوں چیزیں تھیں۔ گمراہی سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے اور عذاب سے محفوظ رہنے کے قوانین بھی۔ اس بات کی ضمنی وضاحت کہ احکامِ الٰہی، قوانینِ شریعت اور قواعدِ ہدایت و رحمت سے حقیقی فائدہ اُنہی لوگوں کو ہوتا ہے جو اہلِ تقویٰ اور صاحبِ ورع ہوتے ہیں۔ جن کے خمیر میں خدا ترسی اور پرہیزگاری گوندھی ہوئی ہوتی ہے۔ جن کی سرشت میں ہدایت کا مادہ اور تمام مصالحہ تیار رہتا ہے۔ صرف دیاسلائی گھسنے اور برقی بٹن دبانے کی دیر ہوتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور موسیٰؑ نے ہمارے مقرر کردہ وقت کے لئے اپنی قوم کے ستر آدمی چُن لئے اور جب اُن کو زلزلے نے پکڑ لیا

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

تو موسیٰ نے کہا اگر تو چاہتا تو پہلے ہی مجھے اور اُن کو ہلاک کر دیتا کیا اس حرکت پر جو ہم میں سے

السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ

نادان کر بیٹھے ہیں تو ہم کو ہلاک کئے دیتا ہے یہ سب تیرا ہی امتحان ہے تو اس میں جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝

ہدایت کرے تو ہی ہمارا کارساز ہے ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۭ

اور اس دنیا اور آخرت میں ہمارے لئے بھلائی مقرر کردے ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ

اللہ نے فرمایا اپنے عذاب میں میں جسے چاہتا ہوں ڈالتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ

تو وہ رحمت میں اُن لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہمارے احکام

بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پر ایمان رکھتے ہیں

تفسیر مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس میقات سے مراد وہی پہلا چلہ ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کو توریت دی گئی یا دوسرا میقات مراد ہے؟ قول اول کو زمخشری نے اختیار کیا ہے۔ موجودہ توریت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سفر خروج کے باب ۱۹ میں ہے کہ موسیٰ پہاڑ کے اوپر بلائے گئے۔ وہاں سے نیچے اُتر کر بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا کہ تم نہا دھو کر پاک صاف ہو لو۔ تیسرے روز تم پر خدا تعالیٰ جلال ظاہر کرے گا۔ چنانچہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور وہاں اُن پر خدا تعالیٰ کی تجلّی ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو اور ہارونؑ اور ندب بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کے ساتھ اوپر چڑھ تب موسیٰؑ ان لوگوں کو لے اوپر گئے اور موسیٰ پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھک لیا اور کڑک شروع ہوئی اور خدا کا جلال کوہ سینا پر آیا اور موسیٰ و ہارون چالیس رات دن وہاں رہے اور وہاں موسیٰ کو تورات دی گئی۔ زمخشری کا قول ہے کہ اسی موقع کی بابت خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاخْتَارَ مُوْسٰى الخ۔

لیکن معالم میں بروایت سدی بیان کیا گیا ہے کہ یہ دوسرا میقات ہے جو گوسالہ پرستی سے عذر کرنے کے واسطے مقرر ہوا تھا اور اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مرد چھانٹ کر اپنے ساتھ لاؤ جو اپنی قوم کی طرف سے گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔ لیکن یہ ستر آدمی وہ ہوں جنھوں نے گوسالہ پرستی نہ کی ہو۔

ابوالشیخ نے ابن عباسؓ کا قول بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ گوسالہ پرستی کے وقت یہ لوگ اپنی قوم سے الگ نہ ہوئے تھے بلکہ اُن کے ساتھ مجتمع تھے اور قوم کو گوسالہ پوجنے سے منع بھی نہ کیا تھا۔ مجاہد اور ابن جریج سے بھی یہی مروی ہے۔

بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے ہر فرقہ میں سے چھ آدمیوں کا انتخاب کیا اس حساب سے کل بہتر ہوگئے اور دو کا اضافہ ہوگیا۔ تب آپ نے دو کو کم کرنا چاہا لیکن جس کو کم کرنا چاہتے تھے وہ جھگڑا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا جو شخص ساتھ نہ جائے گا اس کو بھی وہی ثواب ملے گا جو ساتھ جانے والے کو ملے گا۔ یہ سن کر یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا رہ گئے اور باقی لوگ چلے گئے۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے اُن ستر اشخاص کا انتخاب کیا جو اوروں سے بہتر تھے اور ان کو حکم دیا کہ پاک صاف ہو کر پاکیزہ کپڑے پہن کر روزے رکھو اور چل کر پروردگار سے توبہ کرو اور اپنی قوم کے واسطے مغفرت کے خواستگار رہو۔ غرض سب لوگوں کو لے کر میقاتِ موعود پر روانہ ہوئے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ ہمارے واسطے بھی آپ اجازت حاصل کر لیجئے تاکہ ہم بھی پروردگار کا کلام سن

تب حضرت موسیٰ نے فرمایا اچھا جانے دو گوارا نہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت وہ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اُن پر ستون کی شکل میں ابر آگیا اور اس نے تمام پہاڑ کو ڈھک لیا۔ حضرت موسیٰ اس ابر میں داخل ہو گئے جس وقت آپ خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے تو پیشانی مبارک سے ایسا نور چمکتا تھا کوئی شخص اُس طرف نظر اُٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ موسیٰ کے بعد وہ لوگ ابر کے قریب پہنچے اور جونہی اُس کے اندر داخل ہوئے فوراً سجدہ میں گر پڑے اور سُنا کہ خدا تعالیٰ موسیٰ کو امر و نہی فرماتا ہے۔ جب موسیٰ کی حالت مناجات جاتی رہی اور ابر کھل گیا تو حضرت موسیٰ آئے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کو کیا معلوم کہ کون بول رہا تھا۔ جب تک ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہرگز نہ مانیں گے۔

حاصلِ ارشاد بطریقِ تحقیق یہ ہے کہ جب گوسالہ پرستی کا قصہ طے ہو گیا تو موسیٰؑ نے اطمینان کے ساتھ توریت کے احکام سُنائے۔ بنی اسرائیل نے شبہ کیا کہ ہم کو کس طرح یقین آئے کہ یہ کتاب تم کو خدا نے دی ہے؟ اس پر حکم ہوا کہ موسیٰ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے ساتھ لے کر طور پر پہنچے اور حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تب ساتھ والوں نے شبہ نکالا کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا ہی کلام فرما رہا ہے۔ کیا خبر کہ کون بول رہا ہے۔ جب تک کھلم کھلا حق تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں اس وقت تک یقین نہ آئے گا۔ اس گستاخی کی سزا میں نیچے سے زلزلہ شروع ہوا کہ پہاڑ کانپنے لگا اور اوپر سے کڑک نے آ لیا اور یہ ستر ہلاک ہو کر وہیں رہ گئے۔ موسیٰؑ نے جو یہ حال دیکھا تو گھبرائے کہ بنی اسرائیل شکی مزاج اور بدگمان تو ہیں ہی یوں کہیں گے کہ اس حیلے سے موسیٰؑ نے ستر سرداروں کو خدا جانے کہاں لے جا کر ہلاک کر دیا اس لئے دعا کی کہ پروردگار یہ تو مجھے یقین ہے کہ اس قصے سے ان گستاخوں کو سزا دینی مقصود ہے ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اگر ہلاک کرنا مقصود ہوتا تو اس سے پہلے ہی مجھے اور ان سب کو فرعون کے ہاتھوں سے یا بوقتِ عبورِ سمندر کی موجوں سے ہلاک کر دیتا۔ اس قصہ کی ضرورت ہی کیا تھی کہ لوگ زلزلہ سے اس طرح ہلاک ہوں اور میں قوم میں بدنام ہو کر بنی اسرائیل کے ہاتھوں ذلت اُٹھاؤں۔ پس جب پہلے سے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اب بھی ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہاں اس قصہ سے امتحان مقصود ہے کہ کون شکایت و ناشکری کر کے گمراہ ہوتا ہے اور کون حق تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا معتقد ہو کر ہدایت پر قائم رہتا ہے اور میں چونکہ معتقد ہوں اس لئے مجھے اطمینان ہے اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی حرکت و گستاخی بھی معاف فرما دی جائے، کیونکہ تو ہی ہم سب کا کارساز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ میرا عذاب اختیاری ہے۔ میں جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں دے سکتا ہوں یعنی مجرم اور غیر مجرم دونوں کو عذاب دے سکتا ہوں۔ کوئی مجھ سے پوچھنے والا اور مجھے مجبور کرنے والا یا روکنے والا نہیں جو میں چاہوں کروں۔ لیکن میری رحمت عام ہے۔ دنیا میں ہر چیز کو محیط ہے یہی وجہ ہے کہ میں غیر مجرموں کو عذاب نہیں دیتا اور مجرموں میں بھی جس کو چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں۔ لیکن میری خصوصی رحمت کا ایک مقررہ قاعدہ ہے۔ جو لوگ اس قاعدہ کے پابند ہیں وہ میری خصوصی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اہلِ تقویٰ ہیں رضائے مولیٰ کے لئے تمام منہیات سے کنارہ کش رہتے ہیں اور محرمات و مشتبہات کو چھوڑ دیتے ہیں اور حقوقِ مالی ادا کرتے ہیں۔ مال کا مقررہ حصہ غریبوں کو دیتے ہیں اور ہماری کل آیاتِ احکام پر دل سے یقین رکھتے ہیں ان پر میری خصوصی نعمت ہوتی ہے۔ اگرچہ عمومی نعمت ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تحقیق مباحث

(۱) رجفہ کی تحقیق میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد وہی صاعقہ ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جن ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑا تھا وہ اور تھے اور جو کڑک سے مرے تھے وہ اور تھے۔ اول گروہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے قوم کو گوسالہ پرستی سے منع نہیں کیا اور اُن کے ساتھ سے الگ بھی نہ ہوئے۔ اگرچہ خود پرستش گوسالہ نہ کی اور ثانی گروہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے کھلم کھلا خدا کو دیکھنے کی خواستگاری کی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ قتادہ و مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ رجفہ (لرزہ) اور صاعقہ (کڑک) دونوں قسم کے عذاب انہی لوگوں پر نازل ہوئے تھے جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ طور پر گئے تھے اور خدا کو کھلم کھلا دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

(۲) اللہ کی وسعتِ رحمت کے یہ معنی ہیں کہ کوئی چیز رحمتِ الٰہی سے بے بہرہ نہیں۔ معدوم کو خدا نے موجود کیا۔ رزق، نعمت، صحت، طاقت، جسمانی ترقیں، ادراک کی طاقتیں، مال اولاد سب کچھ خدا نے دیا۔ ہر وقت نگرانی کے لئے غیبی مخلوق کو مامور کیا۔ اس میں کافر، مسلم، نیک، بد کسی کی تخصیص نہیں۔ انسانوں کے علاوہ اور مخلوق کو بھی پیدا کر کے اس نے رفتہ رفتہ کمالِ نوعی کی حد پر پہنچا دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں جو

صحیحین میں موجود ہے مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری رحمت سابق ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ میری رحمت غالب ہے۔

(۳) تقویٰ کرنا اور زکوٰۃ دینا اور آیات پر ایمان لانا ان تینوں امور کی صراحت اس لئے کی کہ یہی تین چیزیں تمام شرائع الٰہیہ کا لب لباب ہے۔ کیونکہ آئینہ کی جب تک صفائی نہ ہو اُس پر تقلعی نہیں ہو سکتی۔ ترک سے مراد یہ ہے کہ جن امور کی شریعت میں ممانعت کر دی گئی ہے اُن سے اجتناب رکھا جائے۔ خواہ اُن امور کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے۔ حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ حاصل یہ کہ نہ عقائد فاسد ہوں نہ اعمال ردیہ، نہ کسی سے دشمنی، بغض، حسد، کینہ رکھا جائے۔ نہ چوری، غیبت، زنا، شراب خواری، قمار بازی وغیرہ منہیات کا ارتکاب کیا جائے۔ جب یہ امور سرانجام کو پہنچ جائیں اور محرمات کی کدورت سے آئینہ روح صاف ہو جائے تو پھر تعمیل اوامر کی تقلعی اُن پر چڑھانی چاہیئے۔ جانی اور مالی زکوٰۃ دی جائے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بدرجہ اکمل کی جائے۔ لیکن اعمال کی درستگی کے ساتھ عقائد کی صحت بھی لازم ہے۔ تمام آیات الٰہیہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ غرض مدعا یہ ہے کہ دنیوی عمومی رحمت اگرچہ سب کے شامل حال ہے لیکن آخروی خصوصی رحمت صرف نیکوکار مومنوں کو نصیب ہوگی۔ ایک جماعت صحابہ سے جن میں سلمان فارسیؓ بھی ہیں مروی ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں۔ ایک رحمت دنیا میں ہے کہ اسی سے مخلوقات باہم ایک دوسرے پر ترحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر عطوفت و مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتوں کو اللہ نے قیامت تک مؤخر فرما دیا ہے (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں وہ سب اور یہ دنیوی حصہ ملایا جائے گا یعنی رحمت کاملہ ہو جائے گی۔

مقصود بیان:- بنی اسرائیل کی گستاخی و سرکشی کا بیان۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا

یعنی وہ لوگ جو اُس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس توریت و

عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ

انجیل میں لکھا پاتے ہیں جو اُن کو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں

عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ

سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ

عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَ

و بندشیں ان کی دور کرتا ہے جو پہلے سے اُن پر تھی پس جو لوگ اس پر ایمان لائے (ع)

عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اس کی رفاقت کی اور مدد کی اور اُس نور کے پیچھے ہو لئے جو اُس رسول کے ساتھ اتارا گیا تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں

تفسیر: اوپر کی آیت جب یہودیوں نے سنی تو کہنے لگے ہم بھی اللہ کی آیات یعنی تورات پر یقین رکھتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں لہٰذا ہم بھی اللہ کی وسیع رحمت میں شامل ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رحمت کاملہ کا مدار صرف امت محمدیہ کو قرار دیا گیا۔ یہ شان نزول اور مطلب

اُس تقدیر پر صحیح ہوگا جبکہ ان آیات کو مدنی مانا جائے۔ کیونکہ یہودی مدینہ ہی میں تھے۔ اور اگر ان آیات کو مدنی نہ کہا جائے کیونکہ پوری سورت کی ہے کوئی وجہ نہیں کہ یہ آیات مدنی ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ نے جس رحمتِ خاصہ کا سوال کیا تھا اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ جس خصوصی رحمت کے تم خواستگار ہو وہ تمہارے عہد میں تو اس شخص کو ملے گی جو بنی امیہ پر ایمان لائے گا اور ان کا اتباع کرے گا۔ ورنہ اس کا تقویٰ اور زکوٰۃ سودمند نہ ہوگا۔

بنی اُمیہ کی خدا تعالیٰ نے ان آیات میں نوؔ صفات بیان فرمائیں:۔

(۱) رسول ہوگا۔

(۲) نبی ہوگا۔ یعنی اس کا تعلق فقط خلق سے ہی نہ ہوگا بلکہ خالق سے بھی خاص طور پر ہوگا۔ احکامِ خداوندی وہ ضرور مخلوق تک پہنچائے گا۔ اور صاحبِ کتاب بھی ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ خالق کی طرف بھی کامل ہوگی۔ وہ ان رموز و حقائق اور واقعات و اخبار سے واقف و خبردار ہوگا جس سے دوسرے ناواقف ہوں گے۔

(۳) وہ اُمّی ہوگا۔ مفسرین نے اُمّی ہونے کے چند معانی تحریر کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ امی اُمت یعنی بے پڑھی لکھی قوم میں مبعوث ہوگا۔ (کذا قال الزجاج) یا یہ کہ وہ پیدائشی حالت پر ہوگا۔ یعنی جس طرح پیدائش کے بعد انسان تمام گناہوں سے پاک اور ہر قسم کے شرک و معاصی سے صاف ہوتا ہے تو اسی طرح وہ معصومِ مطلق ہوگا یا یہ کہ وہ مقصودِ کل ہوگا۔ کیونکہ اُمّ کے معنی قصد کے ہیں۔ یا یہ کہ وہ اُمّ القریٰ یعنی مکہ کا رہنے والا ہوگا۔ یا یہ کہ وہ خود اُمّی یعنی بے پڑھا لکھا ہوگا۔ کسی کے سامنے اُس نے زانوئے ادب نہ طے کیا ہوگا۔ کوئی اس کا اُستاد نہ ہوگا اور باوجود اس کے علوم اوّلین و آخرین کا جامع ہوگا۔ اس آخری معنی کو اکثر مفسرین نے ترجیح دی ہے اور اس کو اعجاز کی وجہ اتم قرار دیا ہے۔ کیونکہ بے پڑھے لکھے آدمی کا ایسی عظیم الشان کتاب پیش کرنا جس کے الفاظ معانی، طریقِ ادا، حلاوتِ بیان، طرزِ ہدایت، قوانین کی جامعیت اور قواعد و اصول کی برتری کی مثال تاریخِ انسانی نہیں پیش کر سکتی اعجازِ اکمل نہیں تو اور کیا ہے۔

(۴) بنی اسرائیل تورات و انجیل میں اس کا نام و نسب، حلیہ و صفات حالات وغیرہ لکھے پائیں گے۔ تورات و انجیل میں ان کے متعلق پیشین گوئیاں موجود ہوں گی اور جابجا ان کا تذکرہ ہوگا۔

(۵) وہ اچھی باتیں سکھائے گا۔

(۶) بُری باتوں سے منع کرے گا۔

(۷) لوگوں کے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال کرے گا۔

(۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کرے گا۔

(۹) وہ بنی اسرائیل پر سے ان سخت احکام کے بارِ گراں کو اُتار پھینکے گا اور اُن ثقیل طوقوں کو دور کر دے گا جو موسوی شریعت کی وجہ سے اُن کی گردن میں پڑے ہوں گے۔ یعنی کتبِ سابقہ کے اُن احکام کو منسوخ کر دے گا جو مصالحِ زمانہ کے مناسب نہ ہوں گے اور جن کو لوگ اُٹھا نہ سکتے ہوں گے۔

یہ جو صفات رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا تعالیٰ نے ذکر فرمائیں ہم ہر ایک کی ذرا واضح تحقیق کرنی چاہتے ہیں:۔

نمبر ۱ و ۲۔ لفظِ رسول اور نبی کے معنی میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک نبی عام اور رسول خاص ہے۔ یعنی ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں اور ہر رسول کا نبی ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ رسول وہی ہوتا ہے جس پر کتاب جدید نازل ہوئی ہو اور نبی کے واسطے جدید شریعت و کتاب کا حامل ہونا ضروری نہیں۔ اس بنا پر صرف چار انبیاء رسول قرار پاتے ہیں۔ یا زائد سے زائد اُن انبیاء کو بھی رسول کہا جا سکتا ہے جن کے پاس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ یعنی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و دانیالؑ وغیرہ۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو رسول نہیں کہا جا سکتا۔ اس تقدیر پر رسول کے بعد نبی کا تذکرہ صرف توضیح اور اظہارِ واقعہ کے طور پر ہوگا احترازی قید نہ ہوگی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگرچہ رسول اور نبی کا مصداق ایک

ہی ہے یعنی رسول ہو یا نبی دونوں کی توجہ خالق و خلق دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن فرق صرف اس قدر ہے کہ رسول میں خلق کی توجہ کا غلبہ ہوتا ہے اور نبی میں خالق کی طرف توجہ غالب ہوتی ہے یا اس کے بالعکس ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر قید احترازی بھی بن سکتی ہے اور واقعی بھی۔

لیکن ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ رسول کے لفظ میں رسالت و پیامبری پر دلالت واضح ہے اور نبی کے لفظ میں نبوت واقفیت اور خبرداری پر دلالت ہے۔ یعنی رسول کا ترجمہ ہے پیامبر کیونکہ رسالت کے معنی ہیں پیامبری اور نبی (بروزن فعیل بمعنی مفعول) کے معنی ہیں خبردار واقف۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عظیم پیغمبر پیام الٰہی اور احکام خداوندی کو مخلوق تک پہنچائے گا۔ اصلاحی قوانین اور نجات کے طریقے بتلائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ خود بھی حقیقت پیام اور رازہائے سربستہ سے واقف ہوگا۔ اس کو واقعات گزشتہ اور سوانح آئندہ کا علم ہوگا۔ وہ عالم قدس کے مخفی اسرار سے خبردار ہوگا۔ کلام الٰہی کے وہ مخفی نکات جن کو اور لوگ نہیں جان سکتے وہ بدرجۂ اتم جانتا ہوگا۔ لیکن اس پیامبری اور واقفیتِ کاملہ کے باوجود اس نے کسی سے لکھا پڑھا نہ ہوگا تاکہ کوئی نہ کہہ سکے کہ کسی سے سُن کر یا سیکھ کر یہ شخص ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ عالم غیب سے براہ راست کوئی اطلاع اس کے پاس نہیں آتی۔

۳۔ اُمّی کی تحقیق ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بہتر معنی سب سے آخری ہیں۔ رسول پاکؐ واقعی اُمّی تھے۔ یعنی آپ نے کسی سے نہ کچھ پڑھا نہ لکھا۔ بعض احادیث کی بنا پر لوگوں نے حضورؐ کے اُمّی ہونے پر شبہ کیا ہے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مشرکین نے اصرار کیا تو معاہدہ کا کاغذ حضورؐ والا نے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے لے کر خود دست مبارک سے "رسول اللہ" کا لفظ مٹایا (اور کسی سے نہیں پوچھا کہ رسول اللہ کا لفظ کس جگہ لکھا ہے اور کونسا ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اوّل تو ایسے ضعیف قرائن سے ثبوت مدعا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ بخاری وغیرہ کو حدیث کی مکمل کیفیت نہ پہنچی ہو اور انہوں نے مٹانے کا تذکرہ کر دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے لفظ رسول اللہ دریافت بھی کیا یا نہیں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں صرف مٹانے کی صراحت ہے۔ کس چیز سے مٹایا اور کیسے مٹایا، کس انگلی سے مٹایا، کس ہاتھ میں کاغذ پکڑا، کاغذ کیسا تھا اور روشنائی کیسی تھی اس کی تفصیل نہیں تو جس طرح یہ تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں اسی طرح لفظ رسول اللہ کی شناخت کا سبب بھی پردۂ سکوت میں ہے۔ جس طرح اس حدیث سے اثبات پر دلیل نہیں ہو سکتی اسی طرح نفی پر بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اُمّی کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ یہ معنی نہیں کہ لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فطری طور پر طبیعتِ سلیم رکھتا ہے۔ علوم سے واقف ہو اور وہ علوم اس کے کسبی نہ ہوں بلکہ وہبی ہوں جس طرح انبیاء کے ہوا کرتے ہیں تو پھر کیا طریقۂ قرأت و کتابت وہبی نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں تھا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے اور کورے جاہل تھے۔ جاہل اور اُمّی کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ بہت سے شاعر، فلاسفر اُمّی ہوتے ہیں لیکن جاہل نہیں ہوتے تو کیا عظیم الشان نبی کا درجہ شاعر و فلاسفر سے بھی گیا گزرا ہے کہ خواہ مخواہ حضورؐ کو (خاکم بدہن) جاہل ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے تو حضورؐ کے اعجاز کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ کسی اُستاد سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا اور بغیر کسب و ریاضت کے محض عطیۂ الٰہی کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔

۴۔ اس بحث کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے اس بات کی کہ حضور اقدسؐ کے حالات، صفات، حُلیہ اور عظمتِ نبوت گزشتہ کتابوں میں مذکور تھی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو علمائے یہود اس آیت کی تکذیب کرتے اور محض افترا جانتے۔ دارمی وغیرہ علمائے حدیث نے بروایاتِ متعددہ ثابت کیا ہے کہ حضور والاؐ کے تمام اوصاف اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہود مدینہ پشتہا پشت سے اپنی کتاب کی صراحت اور آباؤ اجداد کی وصیت پر چلے آتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں جس کے یہ اوصاف ہیں اسی مدینہ میں ظہور پذیر ہوگا اور اس کے علامات قریب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے قبائل بھی رہتے تھے اور یہودیوں کی اُن سے دشمنی تھی۔ یہودی اُن کو دھمکاتے تھے اور کہتے تھے ہم پیغمبر آخر الزماں کے زیرِ حمایت تم کو عنقریب خاک میں ملا دیں گے۔ قبائل اوس و خزرج کو ان باتوں سے تعجب ہوتا تھا۔ لیکن افسوس کہ حضور اقدسؐ جب تشریف لائے تو یہودی دنیوی لالچ و ریاست میں پڑ کر رسالت سے منکر ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے اسی قصہ کی صراحت فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ لیکن قبائل اوس و خزرج سعید ازلی تھے۔ وہ مسلمان ہوکر دنیا میں انصار رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ پہلی صدی میں بڑے بڑے علمائے یہود اپنی کتابوں کے انہی تذکروں اور صراحتوں کے زیر اثر مسلمان ہوگئے تھے اور انھوں نے دنیوی ریاستوں کو ترک کر دیا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن سلام، ابن سعید، بنیامین، مخریق اور بعض دیگر علماء نے مسلمان ہوکر صاف شہادت دی کہ حضورؐ کی بشارات توریت میں موجود ہیں۔ بڑے بڑے تارک الدنیا راہب بھی پہلی صدی میں اسلام کے ادنیٰ خادم بن گئے۔ مثلاً بحیرا راہب، جرجیس، نسطورا، جارود اور حبش کے وہ فقرائے نصاریٰ جو نجاشی شاہ حبش کے مسلمان ہونے سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے پھر نجاشی کی معیت میں کتنے فقراء و علمائے نصرانیت مسلمان ہوگئے۔ ان کا اندازہ تاریخ پڑھنے والوں کو اچھی طرح ہے۔ روم کا سب سے بڑا پادری ضغاطر جب مسلمان ہوگیا تو رومیوں نے دشمنی سے اس کو شہید کر دیا۔ مقوقس بادشاہ مصر نے حضورؐ کی رسالت کا اقرار کر کے ماریہ قبطیہ کو بطور ہدیہ ارسالِ خدمت کیا۔ لیکن بعض بدقسمت انسان ایسے بھی تھے جنھوں نے اقرارِ رسالت و تصدیق کے باوجود محض طمع دنیوی کی وجہ سے دائرۂ کفر سے قدم باہر نہ نکالا۔ مثلاً شاہِ روم، ہرکلیس، ابن صوریا، حیی بن اخطب، ابویاسر وغیرہ دینِ حق کی صداقت سے متاثر ہوکر اپنے دوستوں کو تو مسلمان ہونے کا مشورہ دیتے تھے مگر اپنی ریاست و حکومت کے لالچ کے سبب خود مسلمان نہ ہوتے تھے انہی کے متعلق قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی تھی :-

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ جب مباہلہ کا قصہ نجران کے عیسائیوں کے سامنے آیا تو ان کے سب سے بڑے سردار عاقب نے لاٹ پادری کی موجودگی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ اے اہلِ نجران قسم ہے کہ تم اس نبی کی نبوت پہچان چکے ہو اور اس نے مسیح کے معاملہ میں تم سے دوٹوک بات کہہ دی۔ واللہ اگر تم اس سے مباہلہ کروگے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ واللہ میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑ کے ہٹ جانے کی دعا کریں تو اللہ پہاڑ کو ہٹا دے گا۔ آخر نجران کے اس وفد نے مباہلہ کرنا پسند نہ کیا اور جزیہ دینا قبول کیا۔

امام احمد کی حدیث ابوصخر العقیلی میں موجود ہے کہ حضورؐ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جو توریت کھولے بیٹھا تھا۔ آپ نے اس سے قسم دے کر دریافت کیا کہ کیا تو اس کتاب میں میری صفات اور میری پیدائش و ہجرت کا تذکرہ پاتا ہے؟ یہودی نے سر سے انکار میں اشارہ کیا تو اس کا بیٹا باپ کی اس دروغ بافی پر تھرا گیا اور بولا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے توریت نازل فرمائی۔ ہم ضرور آپ کے صفات و مقام، پیدائش و ہجرت کو اس کتاب میں پاتے ہیں۔ پھر وہ کلمۂ توحید و اقرارِ رسالت پڑھنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ یہ حدیث قوی اور جید ہے۔ صحیحین میں بروایت انسؓ اس کا شاہد موجود ہے۔

حاکم نے اپنی سند سے ابو [illegible] مہ باہلی کی روایت ہشام بن عاص اموی کی حدیث بیان کی ہے۔ ہشام کہتے ہیں کہ خلافت صدیقی میں میں اور ایک دوسرا مسلمان ہرقل کے پاس بطور پیامبر بھیجے گئے تاکہ اس کو دعوتِ اسلام دیں۔ ہم غوطہ دمشق میں پہنچ کر جبلہ بن ایہم غسانی (ملک شام) کے ہاں ٹھہرے۔ جبلہ نے قاصد کو ہمارے پاس بھیجا اور مطلب دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا ہم کو بادشاہِ روم کے پاس بھیجا گیا ہے ہم انہی سے باتیں کر سکتے ہیں قاصد سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قاصد نے جاکر ہمارا جواب کہہ دیا۔ جبلہ نے ہم کو دربار میں طلب کیا۔ ہم اس کے دربار میں پہنچے وہ اس وقت سیاہ ریشمی لباس پہنے تھا۔ میں نے پہنچ کر دعوتِ اسلام دی اور سیاہ لباس کی وجہ دریافت کی۔ جبلہ نے کہا میں نے یہ سیاہ لباس قسم کھا کر پہنا ہے اور اس لئے پہنا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو حدودِ شام سے نہ نکال دوں گا ہرگز نہ اتاروں گا۔ ہم نے کہا ذرا ٹھہرے رہو واللہ ہم اس ملک کو اور بادشاہِ روم کی تخت گاہ کو ان شاء اللہ لے لیں گے۔ ہم کو ہمارے نبی محمدؐ نے اس کی اطلاع دے دی ہے۔ کہنے لگا تم وہ لوگ نہیں ہو، وہ تو روزہ دار شب بیدار ہوں گے اور تم روزے نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنے روزہ کی کیفیت بیان کی تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا گئی اور بولا اٹھو تم بادشاہ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ اپنا آدمی ہمارے ساتھ کر کے ہم کو روانہ کر دیا۔ جب ہم تخت گاہِ روم کے قریب پہنچے تو جبلہ کے آدمی نے کہا تم اپنے اونٹوں پر شاہی شہر میں نہیں جا سکتے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم تم کو سواری کے لیے خچر فراہم کر دیں۔ ہم نے کہا بخدا ہم تو اپنے جانوروں کو چھوڑ کر

اور جانوروں پر سوار نہ ہوں گے۔ غرض ہمارے رہبر نے شاہی دربار میں اطلاع کرائی اور اجازت ملنے پر ہم اونٹوں پر سوار شہر میں داخل ہوئے ایک بلند برج کے پاس پہنچ کر اونٹ باندھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے کھڑے ہو کر غلغلۂ تکبیر بلند کیا۔ اللہ جانتا ہے کہ ہماری تکبیر کی آواز سے شاہی کوشک خوشۂ انگور کی طرح ہل گیا۔ بادشاہ نے آدمی بھیجا اور کہا یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم ہمارے سامنے اس بلند آہنگی سے اپنے دین کا مظاہرہ کرو۔ غرض عند الطلب ہم داخلِ دربار ہوئے۔ ایک پرتکلف فرش بچھا ہوا تھا۔ سر دارانِ ملک جمع تھے۔ دربار کی ہر چیز اور حاضرین کے کل لباس سرخ تھے ہم کو دیکھ کر بادشاہ نے ہنس کر کہا کیا برائی ہوتی اگر آپس کے آداب کا میرے ساتھ برتاؤ کرتے (یعنی سلام کرتے) ہم نے مترجم سے کہا ہمارے آپس کا سلام بادشاہ کے لئے سزاوار نہیں اور بادشاہی سلام کا بجالانا ہمارے لئے حلال نہیں۔ بادشاہ نے کہا تمہارا آپس کا کیا سلام ہے؟ ہم نے کہا۔ السلام علیک۔ بولا تم اپنے بادشاہ کو کن الفاظ میں سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا یہی۔ بولا وہ کیا کہتا ہے؟ ہم نے کہا یہی۔ بولا تمہارا سب سے بڑا کلام کیا ہے؟ ہم نے کہا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ جب ہم نے یہ کہا تو اللہ عالم ہے کہ وہ کوشک پھر تھرایا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اور بولا تمہارے اس کلمہ سے یہ کوشک لرز گیا۔ کیا جب تم اپنے گھروں میں یہ الفاظ کہتے ہو تو تمہارے گھروں میں لرزہ آجاتا ہے؟ ہم نے کہا اس سے پہلے اور کبھی تو ہم نے ایسا کہیں نہیں دیکھا۔ بولا میں امید کرتا ہوں کہ ہر بار جب تم یہ الفاظ کہو گے تو جو چیز تم سے اونچی ہوگی تھرا جائے گی میں اپنی آدھی سلطنت سے نکل گیا۔ ہم نے کہا۔ یہ کس طرح؟ بولا ہو سکتا ہے بلکہ غالباً یہ بات ہے کہ یہ امر نبوت نہیں بلکہ کسی قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ پھر بولا تم کیا چاہتے ہو؟ ہم نے اپنا مقصد کہا۔ کہنے لگا تمہارے روزے اور نماز کی کیا کیفیت ہے؟ ہم نے تفصیل بیان کی۔ اس کے بعد اس نے ایک عمدہ مکان میں ہم کو مہمان رکھا۔ ہم تین روز وہاں رہے۔ ایک رات حسب الطلب ہم دربار میں پہنچے۔ بادشاہ نے ایک مربع خانہ دار منقش الماری منگائی۔ الماری کے ایک خانہ کا قفل اور کھڑکی کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس کی تہ کھول کر ایک سرخ رنگ کی تصویر نکالی۔ تصویر مرد کی تھی جس کی آنکھیں بڑی، گردن دراز اور کولھے بھاری تھے۔ دو خوبصورت گیسو تھے مگر داڑھی نہ تھی۔ کہنے لگا تم نے اس کو پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا یہ آدم کی تصویر ہے۔ پھر دوسرا خانہ کھول کر سیاہ ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک سفید تصویر نکالی جس کے بال گھونگھریالے آنکھیں سرخ، بڑا سر، وجیہہ اور خوبصورت داڑھی تھی۔ ہم سے کہا تم نے پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت نوحؑ کی تصویر ہے۔ پھر اور خانہ کھول کر حسب معمول ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گورا، آنکھیں خوبصورت، پیشانی سفید اور کشیدہ، چہرہ کتابی اور داڑھی سفید تھی۔ چہرے سے مسکراہٹ ٹپک رہی تھی۔ ہم سے پوچھا تم نے پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید چمک دار اور ملاحت آمیز تھا۔ واللہ وہ رسول اللہؐ کی تصویر تھی۔ بولا اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے

پھر ہم رونے لگے۔ اللہ عالم ہے کہ وہ تھوڑی دیر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بیٹھ کر بولا واللہ یہ وہی ہے؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہے۔ کچھ دیر وہ اس کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا یہ خانہ سب سے آخر میں تھا لیکن میں نے عجلت کر کے پہلے نکال لیا تاکہ تمہاری آزمائش کر سکوں پھر حسب معمول ایک سیاہ فام تصویر نکالی جس کے بال پیچیدہ اور خوب گھونگھریالے تھے۔ آنکھیں گڑھے کے اندر نظر تیز، دانت ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہوا، ہونٹ موٹے اور مزاج کی ترشی عیاں تھی۔ چہرے سے آثارِ غضب ہویدا تھے۔ بولا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا بولا یہ موسیٰؑ ہیں۔ اسی تصویر کے برابر ایک اور تصویر تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس تصویر میں سر گول، پیشانی چوڑی اور آنکھیں پتلی کوئے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ بولا تم نے اس کو پہچانا؟ ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا۔ یہ ہارون بن عمران ہیں۔ پھر ایک اور خانہ کھول کر حسب معمول سفید ریشم میں ملفوف ایک تصویر نکالی جس کا رنگ گندمی، چہرہ بھاری اور شان سے علاماتِ غضب نمودار تھے۔ ہم سے دریافت کیا جانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا۔ بولا یہ لوطؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی جس کا رنگ سفید سرخی مائل، بینی کشیدہ، گال پتلے اور چہرہ خوبصورت تھا۔ بولا اس کو پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا۔ کہنے لگا یہ اسحاقؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سفید ریشم میں ملفوف ایک اور تصویر نکالی جو پہلی تصویر کے ہم شکل تھی صرف لب پر ایک تل تھا ہم سے دریافت کرنے اور انکار پانے کے بعد بولا یہ یعقوبؑ ہیں۔

پھر ایک خانہ کھول کر سیاہ ریشم میں لپٹی ہوئی ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید سرخی مائل خوبصورت کشیدہ بینی، موزوں قد، چہرہ پُر نور اور صورت سے خشوع ٹپک رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تمہارے نبی کے دادا اسمٰعیل ہیں۔ پھر ایک خانہ سے سفید حریر میں ملفوف ایک تصویر نکالی جو آدمؑ کی تصویر سے مشابہ تھی اور چہرہ آفتاب کی طرح روشن تھا۔ بولا یہ یوسفؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ میں سے سرخ رنگ کی ایک تصویر نکالی جس کی پنڈلیاں اور آنکھیں ابھری ہوئی، پیٹ بھاری، بدن گداز تھا۔ تلوار لٹک رہی تھی۔ بولا یہ داؤدؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی جس کے سُرین بھاری، ٹانگیں لمبی تھیں۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ بولا یہ سلیمانؑ ہیں۔ پھر ایک خانہ سے ایک تصویر نکالی جس کا رنگ سفید، داڑھی گھنی اور سیاہ، آنکھیں خوبصورت اور چہرہ حسین تھا۔ بولا یہ عیسیٰؑ بن مریم ہیں۔

چونکہ ہم نے رسولؐ اللہ کی تصویر دیکھی تھی اس لئے یقین کر لیا کہ تمام تصویریں واقعی انبیاء کی ہیں۔ ہم نے دریافت کیا یہ تصویریں آپ کو کس طرح ملیں؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ حضرت آدمؑ نے پروردگار سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو میری اولاد میں سے انبیا کی صورتیں دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور انبیاء کی صورتیں نازل فرمائیں جو آدمؑ کے پاس رہیں اور ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں بالآخر غربی سمت سے ذوالقرنین کو کہیں دستیاب ہوئیں اور ذوالقرنین سے دانیالؑ کے پاس آئیں اور پھر دانیالؑ کے پاس سے منتقل ہوتی ہوئی ہم کو ملیں اس کے بعد کہنے لگا خوب سمجھ لو کہ میں خوش ہوں کہ اپنی سلطنت چھوڑ کر تمہارے ایک ذلیل حاکم کی غلامی اختیار کروں۔ پھر ہم کو اچھی طرح انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

ہم نے واپس آکر صدیق اکبرؓ سے پورا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بے چارے کے ساتھ اگر خدا تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا تو وہ کر گزرتا۔ اس کے بعد فرمایا۔ ہم کو رسول اللہ نے خبر دی ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پاس رسول اللہ کے حالات و صفات پاتے ہیں۔ (قال الحافظ ابن کثیر ہکذا اوردہ الحافظ الکبیر ابوبکر البیہقی فی دلائل النبوۃ اجازۃً عن الحاکم واسنادہ لاباس بہ)

عطاء بن یسار کہتے ہیں۔ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا رسولؐ اللہ کے صفات کا بیان جو توریت میں ہے اس سے مجھے آگاہ فرمائیے۔ فرمایا قرآن کی طرح توریت میں بھی رسولؐ اللہ کے صفات بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں مذکور ہے۔ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہداً و مبشراً و نذیراً و حرزاً للامیین انت عبدی و رسولی اسمک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولن یقبضہ اللہ حتّٰی یقیم بہ الملۃ العرجاء بان یقولوا لا الٰہ الا اللہ ویفتح قلوباً غلفاً و اٰذاناً صمّاً و اعیناً عمیاً۔ اس کے بعد میں کعب احبار کے پاس گیا اور اُن سے سوال کیا۔ انھوں نے بھی یہی دیا۔ ایک حرف کا فرق نہ تھا صرف اتنا فرق تھا کہ انھوں نے اپنی زبان میں قلوباً غلوفیاً و آذاناً صمومیاً کہا تھا (رواہ ابن جریر) بخاری نے اسی حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں۔ لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح الخ۔

طبرانی نے جبیر بن مطعم صحابی کی روایت بیان کی ہے۔ جبیرؓ کہتے ہیں میں ملک شام کو بغرض تجارت گیا تھا۔ وہاں اہل کتاب میں سے ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا۔ تم میں کوئی آدمی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تم اس کی صورت پہچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا۔ وہاں تصویریں تھیں مگر رسولؐ اللہ کی تصویر نہ تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر ایک اور گھر میں لے گیا۔ میں نے وہاں حضورؐ کی تصویر دیکھی مگر تصویر میں ایک شخص حضورؐ کی ایڑیاں پکڑے تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگا۔ ہر نبی کے بعد ایک اور نبی ہوتا چلا آیا ہے مگر اس نبی کے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا بلکہ یہ شخص جانشین ہوگا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی صورت تھی۔

ابو داؤد نے بروایت اقرع مؤذن بیان کیا ہے اقرعؓ کہتے ہیں مجھے فاروقِ اعظمؓ نے حکم دیا۔ عیسائی پادری کو بلاؤ۔ میں نے بلایا۔ آپ نے پادری سے فرمایا۔ تمہاری کتابوں میں کہیں میرا ذکر ہے؟ بولا ہاں۔ فرمایا کس طرح؟ بولا لفظ قرن موجود ہے۔ فرمایا قرن کے کیا معنی ہیں؟ بولا سردار سخت و درشت۔ فرمایا میرے بعد والا کیسا ہوگا؟ بولا صالح جانشین ہے لیکن وہ اپنے اقربا کو ترجیح دے گا۔ فرمایا اللہ عثمانؓ پر رحم کرے۔ تین مرتبہ یہ لفظ کہا۔ پھر پوچھا اس کے بعد والے کی کیا حالت لکھی ہے؟ بولا لوہے کا زنگ پاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کی کھوپڑی پر ہاتھ مار کر فرمایا او گندے او گندے (کیا کہہ رہا ہے) کہنے لگا امیر المومنین!

میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ صالح ہوگا لیکن ایسے وقت خلیفہ کیا جائے گا جس وقت تلوار نیام سے باہر ہوگی اور خون بہتا ہوگا۔

ہم نے یہ آخری حدیث اس لئے نقل کی کہ معلوم ہو جائے کہ گزشتہ کتب میں نہ فقط رسول اللہ کے حالات و صفات کا بیان تھا بلکہ خلفاء کے تفصیلی حالات کا بھی ان میں تذکرہ تھا۔ اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو ہم حضرت دانیال، حبقوق اور اشعیاء وغیرہ کی پیشین گوئیاں بابت خلفاء نقل کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ نفقط پرانی داستانیں اور تاریخ اسلام کے فرسودہ قصے ہی نہیں ہیں بلکہ حقائق و واقعات ہیں جن میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی تصدیق اٹھارویں اور انیسویں صدی کی عیسائی تصریحات سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔

پادری سیل نے ۱۸۵۰ء میں قرآن کا جو ترجمہ شائع کیا ہے اس کے مقدمہ صفحہ ۶۷ پر مندرجہ ذیل الفاظ موجود ہیں :۔

"اے پیارے عیسائیو! یہ وہ نبی آخر الزماں ہے جس کی بابت یسوع مسیح نے اپنے مصلوب ہونے کے سلسلہ میں کہا تھا:۔

اے برنباہ! یقین جان کہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اللہ اس کی سزا دیتا ہے۔ اس کی مشیت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں، اس لئے اس نے اپنی مہربانی سے اس بات کو بہتر جانا کہ دنیا ہی میں یہوداکو میری صورت پر صلیب دی جانے سے میری تضحیک و رسوائی ہو جائے اور ہر شخص یہ خیال کرنے لگے کہ مجھے صلیب پر چڑھایا گیا۔ مگر یہ ساری بات محمد رسول اللہ کے آنے تک رہے گی۔ جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایک کو اس غلطی سے آگاہ کرے گا اور لوگوں کے دلوں سے یہ دھوکا اٹھادے گا۔

پادری سیل اسی ترجمہ کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں: بس اے پیارے بھائیو! جس کی نبوت کی خبر اس صراحت سے درج ہو پھر اس سے منکر ہونا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے یا نہیں۔

برنباہ کی انجیل بہت پرانی کتاب ہے۔ رسول اللہ کی بعثت سے سینکڑوں برس پہلے کی کتابوں میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

پادری اوسکان ارمنی نے ۱۶۶۶ء میں صحیفہ اشعیاکو ارمن زبان میں ترجمہ کرکے ۱۷۳۳ء میں مطبع استنبول پر ترنی میں چھپواکر شائع کیا۔ اس میں کتاب اشعیا باب ۴۲ میں یہ فقرہ موجود ہے :۔

خداوند کے واسطے نئی تسبیح پڑھو۔ اس کی سلطنت کی نشانی اس کی پشت پر ہے اور اس کا نام احمد ہے۔ یہ صریح دلیل ہے اور اہل اسلام میں ابتدا سے یہ بشارت مشہور و معروف ہے۔ رسول پاک کی نشانی مہر نبوت حضور کی پشت کے اوپر بھی اور حضور کے نام احمد، امجد، مجید وغیرہ، احمد و مجید کے معنی ہی سے ماخوذ ہیں مگر عربی ترجمہ کرنے والے نے عجب تحریف کی ہے کہ عبارت مذکور کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ سبحوا اللہ تسبیحا جدیدا علامۃ فوق ظہرہ کاش اگر یتحمدہ کی بجائے محمد کا ترجمہ لکھ دیتا تب بھی کسی قدر کم تحریف ہوتی۔ بیچارہ فوق ظہرہ کی بجائے کیا کرتا۔ کیونکہ اس کا تو کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضور کی پشت پر مہر نبوت تھی۔ غریب نے مہر نبوت کا انکار کرنے کے لئے ایک حیلہ تراشا۔ یعنی فوق ظہرہ کی بجائے صرف لفظ فوق ترجمہ میں ذکر کیا اور خاموش ہوگیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کی خیانت کا پردہ فاش کر دیا اور ارمنی ترجمہ کرنے والے نے لفظ بلفظ صحیح ترجمہ کر دیا۔

یونانیوں نے اس نام پاک کا ترجمہ فارقلیطا کے لفظ سے کیا ہے۔ فارقلیطا کے معنی محمد یا احمد ہیں۔ جان ڈیون پورٹ نے کھلم کھلا اپنی کتاب میں صراحت کردی ہے۔ کہتا ہے :۔

مجھے اس میں شک نہیں کہ اس نبی آخر الزماں سے مراد جس کے آنے کی خبر اس کے بھائیوں میں سے موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی تھی اور انجیل یوحنا میں فارقلیط کے نام سے مسیح نے دی تھی۔ یہی محمد ہیں۔ مسٹر گاڈ فری ہیگنس کی کتاب اردو ترجمہ یعنی کتاب حمایت الاسلام کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ فارقلیط کا مصداق ذاتِ محمدی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

جس شخص کو موجودہ بائبل سے صفات و حالاتِ محمدی کے ثبوت کی ضرورت ہو وہ ڈاکٹر توفیق مصری کی کتاب دین اللہ کا مطالعہ کرے جس میں نہایت بسیط طور پر ڈاکٹر موصوف نے مختلف اسرائیلی انبیاء کی پیشین گوئیاں اور ملفوظات درج کئے ہیں اور ذاتِ محمدی کو آئینہ کی طرح واضح کرکے دکھایا ہے۔ ہم بخوفِ طوالت ان کو درج نہیں کرتے۔

نمبر ۵، ۶، ۷، ۸۔ اچھی باتوں کے کرنے کی تعلیم، بری باتوں کے کرنے کی ممانعت، پاکیزہ چیزوں کی حلت کا حکم اور ناپاک چیزوں کی تحریم۔ یہ چار

چیزیں ہیں جن کی تعلیم حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ پاکؐ کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین دیتے چلے آئے ہیں اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کو رذائل کرنے اور کفر و معاصی کی گھٹا ٹوپ اندھیری دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر ایک کی تعلیم ایک خاص زمانے اور خاص قوم کے لئے مخصوص تھی۔ اس کے زمانہ میں اس کی تعلیم عمدہ مفید اور مبنی بر مصلحت تھی۔ مگر عمومی انسانی عقول کے موافق نہ تھی۔ ایسا ہرگز نہ تھا کہ جو کسی نبی کے زمانہ میں شرعی حکم دیا گیا وہ قیامت تک کے لئے ضابطۂ کلیہ قرار پایا ہو اور ہر زمانہ کے عقلاء اگر سلیم ذہن کے ساتھ غور کریں تو اس نبی کی تعلیم کو عقل و فطرت کے مطابق اور ضروریاتِ زمانہ کی کفیل پائیں۔ یہ بات صرف تعلیم محمدی میں ہی ہے کہ جس چیز کے کرنے کا حضورؐ نے حکم دیا اس کے محاسن اور خوبیوں سے کسی زمانہ میں عقلاء نے انکار نہ کیا ہو مثلاً اجتماعیت و تنظیم کے لئے نماز باجماعت کا حکم، اخوت و مساوات اور ہمدردی انسانی کے لئے زکوٰۃ کا قانون عالم انسانیت کو متحد کرنے اور مبادلۂ خیالات کے لئے حج کی فرضیت، صحتِ جسمانی کے برقرار رکھنے اور فقراء کے فاقوں کا احساس کرنے کے لئے روزوں کی فرضیت وغیرہ ایسے اصول و ضوابط ہیں، جن کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ انسانی قاصر ہے۔ ہزاروں سلطنتوں کے شخصی اور جمہوری قوانین بنے۔ مختلف مجالسِ شوریٰ نے اصلاحِ عالم کے قانون بنائے۔ لیکن آج تک اس قدر جامعیت، سہولت، عموم افادہ اور اصلاحِ عالم کی بے پناہ ہمہ گیری کا کسی قانون اور کسی مجلسِ شوریٰ کے اختراعی ضابطہ کو نصیب نہ ہوئی۔ بیع، ہبہ، شراء، اجارہ، شفعہ، رجسٹری، شہادت، قضاء، عدالت وغیرہ کے جو قوانین حضورؐ نے جاری فرمائے اُن کی نظیر برٹش گورنمنٹ کے ضوابط میں تلاش کرو، گزشتہ روسی دور میں ڈھونڈو۔ یونانیوں کے پُرحکمت دفاتر میں جستجو کرو، لیکن کہیں نہ ملے گی۔

حضورؐ نے جن باتوں کے کرنے کی ممانعت فرمائی وہ قیامت تک قبیح اور ضرر رساں رہیں گی۔ زنا، قمار بازی، شراب خواری، دغابازی، ظلم، فریب، تعدی، جنگ، چوری وغیرہ کو کون شخص اچھا کہہ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب خواری ہی کو لیجئے۔ ایک دور آیا کہ برٹش علاقوں میں، امریکن ممالک میں، رومن مقبوضات میں بہانگِ دہل اس کی خوبیوں کا اعلان ہوتا رہا لیکن اس خبیث چیز کی مضرت کا اندازہ کر کے کچھ ہی مدت کے بعد بڑے بڑے ماہرین کیمیا نے اس کے ایک قطرہ کو بھی حیاتِ انسانی کے لئے تباہ کن قرار دیا۔ امریکہ میں ممانعت ہو گئی۔ برٹش حکماء نے رجعتِ قہقری کی اب ہندوستان میں بھی کانگریس نے اس کی خرید فروخت اور پینے پلانے کو ممنوع قرار دیا۔

حاصل یہ کہ اسلامی تعلیم سراسر عقل کے مطابق، فطرتِ سلیم کے موافق اور ادیانِ صافیہ کے نزدیک صحیح اور درست ہے اور قیامت تک رہے گی اس کے ایک حرف میں تبدل تغیر یا تحریف ناممکن ہے۔ اگر کیا جائے گا تو انتہائی تباہی کے غار کی طرف قدم اٹھے گا۔

(۹) دورِ اسلام سے قبل یہودی طرح طرح کی قیدوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ دینی احکام میں بھی بے انتہا سختی اور دنیا میں بھی ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بخت نصر اور کیخسرو نے لوٹ کر اُن کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ نہ مذہبی آزادی تھی، نہ دنیوی معاشرت کی حریت۔ یہودیوں پر واجب تھا کہ اگر کوئی غلطی سے نادانستہ بغیر ارادہ کے بھی قتل کر دے تب بھی قصاص واجب ہے۔ مقتول کے ورثاء خواہ معاف کر دیں یا خوں بہا کے طالب ہوں تب بھی قصاص ساقط نہیں ہو سکتا۔

جس کپڑے پر نجاست لگ جائے جب تک اتنے حصہ کو کاٹ نہ ڈالا جائے دھونے سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کی اور سخت تکالیف ہیں جو ملتِ اسلامیہ نے ساقط کر دیں۔ پھر آزادی، عدل اور رسومِ مذہبی کی عمومی اجازت جو اسلام نے دی وہ کبھی یہودیوں کو بابلی اور ایرانی سائے کے نیچے نصیب نہ ہوئی۔ غرض اسلام نے جو سہولت بنی اسرائیل کے لئے کر دی وہ کبھی ان کو میسر نہ تھی۔

بعض کور دماغ اسرائیلی اعتراض کرتے ہیں اور نسخ احکام کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کو آئندہ واقعات کا علم نہ تھا کہ اُس نے پہلے ایک حکم دے کر آزمایا اور پھر دوسرے زمانہ میں اس حکم کو بدل دیا۔ مسلمانوں کے بعض فرقے بھی ان کی تقلید میں نسخ کے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض بصیرت کے خلاف ہے۔ منسوخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے ایک حکم تھا اور پھر دوسرا حکم دوسرے زمانہ میں جاری کیا گیا اور علمِ الٰہی میں یہ بات پہلے سے تھی کہ فلاں زمانہ میں فلاں حکم مناسب و مفید ہے اور فلاں زمانہ میں فلاں حکم۔ نسخ احکام کا کون بے وقوف انکار کر سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں بضرورت بھائی بہن کا نکاح جائز تھا۔ اس کے بعد منسوخ ہو گیا کیونکہ ضرورت پوری ہو گئی، مصلحتِ الٰہی جس چیز کی مقتضی تھی اُس کی تکمیل ہو گئی۔ یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں۔ موجودہ توریت میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اسی طرح سنیچر کے روز سوائے عبادت کے اور کوئی کام کرنا یہودیوں کے لئے ناجائز تھا لیکن انجیل والوں نے اس کو

منسوخ مانا۔ ختنہ کی رسم عیسائیوں کے اعتقاد و عمل کی رُو سے منسوخ ہوگئی۔ شریعتِ توریت میں جہاد کرنا واجب تھا۔ یہود و نصاریٰ سب قائل ہیں کہ موسیٰؑ و یوشعؑ و داؤدؑ نے جہاد کیا لیکن نصاریٰ قائل ہیں کہ عیسوی شریعت میں جہاد حرام ہوگیا۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ کے مرسل نبی امی ہونے کی صراحت۔ اس بات کی بانگِ دہل وضاحت کہ توریت و انجیل میں حضورؐ کے حالات صفات، نام، حلیہ وغیرہ سب کچھ موجود تھا اور آپ کے زمانہ میں جو توریت یا انجیل کے نسخے موجود تھے اگرچہ ایک حد تک اُن میں تحریف و تغیر ہوگئی تھی مگر پھر بھی حضورؐ کا مفصل تذکرہ اُن میں مذکور تھا۔ حضورؐ کے خصوصی اوصاف پانچ ہیں:۔ اچھے کاموں کا حکم دینا، بُرے کاموں کی ممانعت کرنی، پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا، ناپاک چیزوں کو حرام کرنا، گزشتہ شرائع کی سختیوں کو سہولت سے بدلنا۔ اس کی صراحت کہ دینِ اسلام کے کل قواعد و ضوابط اور تمام جزئیاتِ عقل کے مطابق ہیں۔ جن چیزوں کو اسلام اور بانیٔ اسلام نے اچھا کہہ دیا وہ عقلاً اور فطرتاً اچھی ہیں اور جن چیزوں کو بُرا کہہ دیا وہ بُری ہیں۔ احکام میں نسخ جائز بلکہ واقع ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نور ہے اور اس کے زمانہ میں تمام دیگر مذاہب کی تعلیم گمراہی و تاریکی ہے۔ رسولِ پاکؐ کی رفاقت اور مدد کرنے والے اور حضورؐ کی پیروی کرنے والے ہی نجات یافتہ اور فلاح یاب ہیں۔ دوسری اقوام کو کسی طرح اُخروی فلاح نہیں مل سکتی۔ وغیرہ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں آسمان و زمین کی حکومت اُسی

وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

کی ہے رجلاتا اور مارتا ہے لہٰذا تم اللہ پر اور اُس کے نبی اُمی فرستادہ پر ایمان لاؤ جو

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(خود بھی) اللہ پر اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ خصوصی رحمت سے وہی لوگ سرفراز ہوں گے جن کے عقائد و اعمال دُرست ہوں جو نبی آخر الزماں کے اوصاف بیان کئے تھے کہ وہ رسول و نبی ہوگا۔ اُمّی ہوگا۔ توریت و انجیل میں اس کا تذکرہ موجود ہے وہ اچھی باتوں کا حکم دے گا اور بُری باتوں سے منع کرے گا۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دے گا اور بنی اسرائیل سے اُن سخت احکام کی بیڑیاں اور طوق اُتار کر پھینک دے گا۔ جو شریعتِ گزشتہ اور سلاطینِ زمانہ نے ان کی گردنوں اور ہاتھ پاؤں میں ڈالی تھیں۔ یہ رسولِ پاکؐ کی شناخت کی علامات ہیں جب یہ تمام آثارِ معرفت بیان کر چکا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع فرمایا۔

بعثتِ انبیاء کی غرض دو باتیں ہیں۔ اقرارِ توحید اور اعتراف و اتباعِ رسالت توحید کے ذیل میں توحیدِ الوہیت و ربوبیت دونوں قسمیں داخل ہیں۔ اتباعِ رسولؐ کا اصل مقصد نجات و ہدایت ہیں۔ ان تمام امور کو ان آیات میں ذکر فرمادیا۔ سب سے پہلے رسولِ پاکؐ کو حکم دیا کہ تم تمام موجودہ اور آئندہ آنے والے انسانوں کو خطاب کر کے کہہ دو کہ مجھے تم سب کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مقصودِ رسالت یہ ہے کہ تم اللہ کی توحید، ربوبیت والوہیت کو مانو اور ضوابطِ حیات میں میری پیروی کرو۔ آسمانوں اور زمین کا کل تصرف انتظام اور حکومت اللہ ہی کی دستِ قدرت میں ہے۔ وہی موجد اور مربی ہے۔ لہٰذا وہی اپنی ربوبیت میں واحد ہے پھر وہ الٰہ مطلق بھی ہے۔ کیونکہ جلانا اور مارنا اُسی کے اختیار میں ہے۔ وہی زندہ اور مُردہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہی اپنی الوہیت میں یکہ و تنہا ہے۔ پس تم اس پر ایمان لاؤ لیکن اس کے رسول کو بھی ضرور مانو۔ کیونکہ یہ وہی رسول

ہے جس کو (توراۃ وغیرہ میں) نبی اُمّی کہا گیا ہے۔ یہی اس کا اعجاز ہے اور وہ فقط تم کو ہی دعوت ہدایت نہیں دے رہا ہے بلکہ خود بھی اس پر کاربند ہے۔ اللہ کی ذات وصفات پر اس کا ایمان ہے لہٰذا تم کو اس کی پیروی ضروری کرنی چاہیئے۔ اس کی پیروی کرنے سے ہی امید ہدایت و نجات ہو سکتی ہے۔

تحقیقِ اجزاء

جمیعًا کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک جتنے آنے والے انسان ہیں اور حضورؐ کے زمانہ میں جتنے اشخاص موجود تھے سب کے واسطے حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دعوتِ تبلیغ سب کے لئے عام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اسود واحمر کی طرف بھیجا۔ عموم دعوت کے متعلق احادیث صحیح بکثرت موجود ہیں جن کی اسناد قوی اور جید ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے دورِ رسالت میں یعنی ابتدائے بعثت سے قیامت تک جو شخص بھی حضورؐ کی رسالت کو نہ مانے گا اس کی نجات ناممکن ہے۔ خواہ وہ موحد ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی روایت ہے۔ حضورؐ گرامی نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا اور کوئی ہو میری رسالت کو سن کر اگر مجھ پر ایمان نہ لائے گا تو ضرور جہنمی ہوگا (مسلم وغیرہ)۔
ایک روایت میں ہے وہ جنت میں نہ جائے گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہوش وحواس دُرست ہوں اور دعوتِ اسلام کی اطلاع پہنچ گئی ہو بصورتِ نفی معذور ہے۔

اللہ کے تین اوصاف بیان کئے۔ ملکیتِ عامہ، وحدتِ الوہیت، زندہ اور مُردہ کرنا، ملکیتِ عامّہ ثابت کرنے سے مشرکین عرب وعجم کا رد ہو گیا جو سوائے خدا کے اوروں کو مستحقِ عبادت خیال کرتے تھے حالانکہ ان کو ذرہ برابر تصرف کرنے کا اختیار نہیں اور نہ اُن کی ملکیت میں عالم کا کوئی ذرہ ہے۔

دوسرے وصف سے اعتقادِ یہود و نصاریٰ کی تردید ہو گئی جو عزیر و مسیح کو ابن اللہ خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں پھر ابن اللہ ہونا کیسے ممکن ہے۔ تیسرے وصف سے تمام دنیا کے باطل پرستوں اور تاویلاتِ زائفہ کرنے والوں کے عقائد کا..... استیصال ہو گیا۔ کیونکہ زندہ کرنا اور مُردہ کرنا بداہۃً کسی کے اختیار میں نہیں۔

کلمٰتِہٖ کی بجائے ایک روایت میں کَلِمَتِہٖ بصیغۂ مفرد بھی آیا ہے۔ اس سے مُراد ابن کثیر، قتادہ اور بیضاوی کے قول کے موافق فقط قرآن ہے۔ دیگر مفسرین کے نزدیک قرآن اور دیگر آسمانی کتابیں مُراد ہیں۔ مجاہد اور سدی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ کی ذات مُراد ہے۔

مقصودِ بیان

رسولِ پاکؐ کی بعثتِ عامّہ کی صراحت، منکرینِ رسالت کے جہنمی ہونے کی طرف اشارہ، خدا تعالیٰ کے مخصوص اوصاف کا بیان جن سے توحیدِ الوہیت و ربوبیت ثابت ہوتی ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ جس نبی اُمّی کے بھیجنے کا وعدہ موسیٰؑ سے کوہ طور پر خدا تعالیٰ نے کیا تھا وہ حضورؐ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔ اس امر کی صراحت کہ رسول کا اتباع لازم ہے۔ یعنی جو شخص رسول کے اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی حکم دے اس کے قول پر نہ چلنا چاہیئے۔ اس بات پر ضمنی تنبیہ کہ اگر کوئی شخص رسول پاکؐ کی تصدیق کرتا ہے مگر اتباع نہیں کرتا وہ خطا کار ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس بات کی دربردہ نصیحت کہ عظمت وجلالِ الٰہی کے سامنے بے باکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اتباع کے بغیر کچھ بھی امید نہیں۔ وغیرہ

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

تفسیر اس آیت میں کون لوگ مراد ہیں ؟ اس میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے لیکن توریت میں تحریف و تغیر نہ کی بلکہ صحیح احکام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو باتیں توریت میں بیان کی گئی تھیں اس میں تحریف نہیں کی صحیح احکام ظاہر کرتے رہے۔ لیکن ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین قائل ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولؐ پاک کے زمانہ میں تھے اور اپنے دین پر اخلاص کے ساتھ قائم رہے۔ پھر حضور کی دعوت پر لبیک کہی اور ایمان لے آئے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ بہر حال مطلب ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کے قول و عمل کی مدح فرماتا ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں۔ حق پر عمل کرتے اور انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں یعنی رشوت اور دینی طمع سے حق کو ناحق اور صحیح کو غلط نہیں قرار دیتے اور لوگوں کو راہِ راست پر چلنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں۔ پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار کیا تھا۔ یہاں اس عمومی حکم سے ایک ہادی عادل کا استثنا کر لیا۔

میرے خیال میں اس سے وہ فرقہ مراد ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے دعویٰ نبوت سے قبل گزر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل کے باہمی اختلاف کا ایک عام قاعدہ کے ماتحت فیصلہ فرمایا ہے کہ یوں تو بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے مگر انھوں نے احکامِ الٰہی سے سرکشی کی اور گمراہ ہوئے مگر ایک فرقہ ان میں ایسا بھی تھا جو اعتدال پسند اور افراط و تفریط سے محترز تھا اور وہی فرقہ راہِ حق پر تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کے حق پرست فرقہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ وَمِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ الآیۃ۔ علی ہذا مسلمانوں کے ناجی فرقہ کا بیان بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے....
وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔

مقصودِ بیان اس بات کا بیان کہ بنی اسرائیل کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ وہ خود بھی اعتدال و انصاف پر قائم ہیں اور لوگوں کو بھی راہِ راست پر چلنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ

ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے گروہ در گروہ جدا کر دیئے تھے اور جب موسیٰؑ سے اُن کی قوم نے پانی مانگا تو

اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ

ہم نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (مارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اُس میں سے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ

بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن پر ابر کو

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

سائبان بنایا اور من و سلویٰ اُن پر نازل کیا (اور کہہ دیا کہ) ہماری دی ہوئی نفیس چیزیں کھاؤ

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝

اُنھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے

تفسیر حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ہر ایک کی اولاد جدا جدا ایک بڑا گروہ اور خاندان بن گئی اور اس طرح بنی اسرائیل الگ الگ بارہ خاندانوں پر منقسم ہوگئے جن میں کچھ چھوٹے خاندان تھے کچھ بڑے۔ سمندر سے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد قادسیہ کے قریب پہنچ کر بنی اسرائیل نے ایک محسوس معبود کی خواہش کی اور موسیٰؑ کی تنبیہ کے بعد اپنی خواہش سے باز آئے پھر وادیٔ سینا میں پہنچ کر حضرت موسیٰؑ توراۃ لینے کے لئے کوہِ طور پر گئے اور آپ کی غیبت میں بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا پوجنا شروع کیا لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کی اُن پر عنایت و نوازش ہوئی مگر ان کی سرکشیوں میں کمی نہ آئی تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایک بیابان میں چالیس سال حیران و پریشان گھومتے رہے۔ رہائی کا راستہ ہی نہ ملا۔ بیابان میں نہ کھانا تھا نہ پانی حضرت موسیٰؑ سے بھوکا پیاسا مرنے کی شکایت کی۔ موسیٰؑ نے دعا کی بحکمِ الٰہی ہوا کہ پتھر پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ فوراً پتھر کے اندر سے الگ الگ بنی اسرائیل کے خاندانوں کی تعداد کے موافق بارہ چشمے پھوٹ نکلے جن میں کچھ چھوٹے تھے کچھ بڑے اور خاندان بھی چونکہ چھوٹے بڑے تھے اس لئے ہر خاندان نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور اس طرح کسی گروہ کو دوسرے سے جھگڑا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ کھانے کے لئے آسمان سے من و سلویٰ نازل ہوا جس کی تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے۔ پھر دھوپ سے بچنے کا چونکہ کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے بحکمِ خدا ہر وقت ایک ابر چھایا رہا۔ جدھر چلتے ساتھ ساتھ ایک ابر جاتا اور جہاں ٹھہرتے ٹھہر جاتا۔ اس ابر میں نہ تکلیف دہ خنکی تھی، نہ آفتاب کی گرمی نیچے پہنچ سکتی تھی لیکن نعمتیں بلا مشقت کھاتے کھاتے بنی اسرائیل اُکتا گئے، ناشکری کرنے لگے۔ کہنے لگے ہم سے تو ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا ہم کو تو منہ کا مزہ سلونا کرنے کے لئے لہسن، پیاز، مسور کی دال وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اُن کو خدا پر اعتماد بھی نہ رہا حکم تھا کہ اگلے روز کے لئے غذا کوئی جمع نہ کرے ورنہ اس کا نتیجہ بُرا ہوگا مگر کوتاہ نظر رکھنے والوں نے ذخیرہ جمع کرنا شروع کر دیا اور خیال کیا خدا جانے کل کو یہ روزی ملے گی یا نہیں۔ اس جُرم کی پاداش میں نعمتِ نازلہ کا نزول بند ہوگیا۔ اور جو کچھ جمع کیا تھا وہ بھی سڑ گیا۔ اور خود بنی اسرائیل نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کا سامان کیا۔

مقصود بیان بنی اسرائیل کی سرکشی کا اظہار، اللہ کی قدرتِ جلیلہ کا بیان، اس امر کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی ہر چیز عطا فرما سکتا ہے مگر انسان میں اس کی قبول کی صلاحیت اور اعتماد ضروری ہے۔ قدرتِ الٰہی پر بھروسہ نہ رکھنے کی سزا سخت ہے۔ انسان اپنی تدبیروں سے اپنے لئے خود بُرائی کرتا ہے۔ خدا کسی کی بُرائی نہیں کرتا۔ شروع آیت میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی (موجودہ مسلمانوں کی طرح) تفریق قومی اور امتیاز نسلی تھا اور اس حد تک تھا کہ ایک گھاٹ پانی پینا گوارا نہ کر سکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی تفریق ہٹانے اور منازعت کو دور کرنے کے لئے چشمے بھی الگ الگ جاری فرمائے تھے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا

جب ان کو حکم دیا گیا کہ اس بستی میں بس جاؤ اور وہاں جو چاہو کھاؤ اور حطۃٌ

حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کہو اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے نیک بندوں کو اور زیادہ دیں گے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

مگر ظالموں نے اُس لفظ کو بدل ڈالا جو اُن سے کہا گیا تھا تو ہم نے اُن کی

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ع

ظلم کرداری کی وجہ سے آسمان سے اُن پر عذاب بھیج دیا

ع ۵ ۱۰

تفسیر یہ قصہ حضرت موسیٰ کے بعد آپ کے خلیفہ یوشع بن نون کا ہے۔ حضرت یوشع ملک شام کو گئے اور نہر اردن کو عبور کر کے شہر کنعان اریحا میں پہنچے۔ اریحا کا فاصلہ نہر اردن سے سات یا نو میل تھا اور یروشلم سے بیس میل۔ خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ جب تم اس شہر میں داخل ہو تو داخلہ کے وقت سجدہ کرتے یعنی عاجزی اور سرنگونی کرتے ہوئے داخل ہونا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے گھسنا مگر بنی اسرائیل انتہائی سرکش تھے یہاں پہنچے تو بجائے سرنگونی، عاجزی اور مغفرت کے لگے حکم الٰہی کا مذاق اڑانے۔ کہنے لگے پروردگارا! ہم کو گیہوں بھری بالیاں عطا کر۔ پھر شہر فتح ہوا تو حکم ہوا کہ مالِ غنیمت کوئی پوشیدہ نہ رکھے، نہ کوئی شخص کوئی چیز چوری کرے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم سے بھی سرتابی کی اور لوٹ کا مال چھپالیا۔ اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی مرض طاعون پیدا ہوا اور اکثر تباہ ہو گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آسمانی بلا سے مراد یہ ہے کہ عی کے لوگوں یعنی اہلِ کنعان نے بنی اسرائیل کو شکست دے کر قتل و غارت کردیا۔

تحقیق یہ قصہ مختصر سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے مگر بعض الفاظ کا یہاں تغیر ہے۔ مطلب بہرحال ایک ہی ہے۔ قریۃ سے مراد بعض لوگوں نے بیت المقدس بیان کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ قریہ سے مراد اریحا ہے۔

سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سر جھکاتے ہوئے، فروتنی کرتے ہوئے داخل ہو۔ خمیدہ قامت اور سرنگوں ہو کر اندر جاؤ۔ کیونکہ پیشانی زمین پر رکھ کر داخل ہونا ناممکن ہے۔ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکم کی تعمیل کرو گے اور نیکوکار رہو گے تو خدا تعالیٰ مزید نعمت عطا کرے گا۔ ابھی تو صرف ایک شہر فتح ہوا ہے پھر پورا ملک فتح ہو جائے گا۔

مقصود بیان تعمیل حکم الٰہی واجب ہے۔ نعمت کا شکر ادا کرنا، توبہ و استغفار کرنا، بارگاہِ خداوندی میں عاجزی کرنا ضروری ہے۔ ملکی فتوحات بھی انعام ربانی ہے۔ نعمت کا شکریہ ادا کرنے سے مزید نعمت ملتی ہے۔ احکام الٰہی کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ وغیرہ

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ

اس بستی سے دریافت کرلو جو دریا کے کنارے واقع تھی جب وہ ہفتہ کے بارے میں زیادتی کرتے

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ

تھے ہفتے کے دن اُن کی مچھلیاں (پانی کے اوپر) ظاہر ہو ہو کر آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا تو یہ اُن کے پاس نہ آتی تھیں

كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

یونہی ہوتا تھا ہم ان کو آزماتے تھے کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور جب ایک گروہ نے اُن میں سے کہا تم

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا

کیوں ایسی قوم کو نصیحت کیے جاتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا اُن کو سخت عذاب دینے والا ہے وہ بولے

مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا

صرف تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کو اور اس لئے کہ شاید وہ پرہیزگار ہو جائیں غرض جب وہ اُس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو کی جاتی تھی

الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ

تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُرے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو اُن کی بدکرداری کی وجہ سے

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

سخت عذاب میں پکڑ لیا اور جب ممنوعات کی حد سے وہ آگے بڑھ گئے تو ہم نے ان کو حکم دیا

قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝

ذلیل بندر بن جاؤ

تفسیر یہ قصہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں واقع ہوا جبکہ بنی اسرائیل ملک شام میں آکر رہنے لگے تھے اور یہاں اُن کا کامل تسلط ہوگیا تھا پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہودیوں پر سنیچر کے دن کی تعظیم اور کل دنیوی مشاغل کو ترک کرکے محض عبادت کرنا اس دن میں فرض کر دیا تھا۔ قلزم کے کنارے ایک گاؤں تھا جس کا نام ایلہ تھا وہاں مچھلیاں بکثرت تھیں اور وہاں کے باشندوں کی روزی عموماً شکار پر موقوف تھی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کی گئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ سنیچر کے دن دریا کے کنارے بے انتہا مچھلیاں ابھر آتیں۔ بنی اسرائیل کے دل للچاتے مگر مجبور تھے کیا کرتے۔ لیکن سنیچر گزر جاتا تو چھ روز تک مچھلی کا پتہ بھی نہ ملتا۔ آخر حکم الٰہی کے ٹالنے کے لئے ان میں سے بعض لوگوں نے ایک حیلہ تراشا۔ دریا کے کنارے سے کچھ نالیاں نکالیں اور نالیوں کے اختتام پر گہرے گڑھے کھود دیئے۔ سنیچر کے روز حسب معمول مچھلیاں آتیں اور ان نالیوں میں ہوتی ہوئی گڑھوں میں جا کر گر جاتیں۔ اتوار کے روز وہ سب کو پکڑ لیتے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں بھی تساہل کرنے لگے۔ اکا دکا سنیچر کے دن بھی مچھلیاں پکڑ لیتا۔ ایک فریق نے ان شکاریوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس فعل قبیح سے منع کیا لیکن جب انھوں نے نہ مانا تو روکنے والا گروہ چپ ہو رہا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو برابر نصیحت کرتے رہے۔ فریق دوم نے کہا ان کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ ماننے والے معلوم نہیں ہوتے۔ اغلب خیال ہے کہ سرکشی کی پاداش میں مبتلا ہوں گے اور عذاب الٰہی ان پر نازل ہوگا۔ واعظین نے جواب دیا۔ ہمارے مقصد دو ہیں۔ اول تو اپنی جانوں کی خدا کے سامنے براءت کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے دریافت فرمائے تو ہم اپنا عذر پیش کر سکیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں اور اس نازیبا حرکت سے توبہ کرلیں۔ بالآخر عذاب الٰہی آیا۔ نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں میں ایک مرض پیدا ہوگیا (غالباً جذام ہوگا) جس کی وجہ سے اُن کی صورتیں بندروں کی طرح (گول اور متورم) ہوگئیں اور تین روز تک یونہی جھک مار کر مر گئے۔

اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کے تین گروہ ہوگئے تھے۔ ایک گروہ تو خود شکار کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو شکار کرنے والوں کو برابر منع کئے جاتا تھا۔ تیسرا فریق وہ تھا جو شروع میں تو اپنی قوم کو شکار کرنے سے منع کرتا رہا لیکن آخر میں تھک کر چپ ہو رہا۔ ابن عباسؓ کی متعدد روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ عذاب صرف شکار کرنے والوں پر نازل ہوا۔ واعظین کا گروہ محفوظ رہا اور خاموش ہو جانے والوں کی نسبت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی حالت معلوم نہیں لیکن عکرمہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی عذاب سے بچ گئے کیونکہ انھوں نے ان نافرمانوں کے فسق کو بُرا جانا تھا۔ ابن عباسؓ کا رجوع بھی عکرمہ کے قول کی طرف ایک روایت میں آیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف دو فرقے تھے ایک شکار کرنے والا دوسرا منع کرنے والا۔

تحقیق اجزاء قریہ کا نام ابن کثیر وغیرہ کے نزدیک ایلہ تھا جو مدین اور طور کے درمیان واقع تھا۔ ابن اسحاق نے بروایت عکرمہ ابن عباسؓ کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد، قتادہ، سدی بھی اسی کے قائل ہیں۔ زہری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے

کو قریہ سے مراد مدین ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طبریہ مراد ہے مگر صحیح اول قول ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آزمائش خدا تعالیٰ نے اُن کی نافرمانی اور حیلہ تراشی کی وجہ سے کی تھی۔ وہ لوگ مذکورہ واقعہ کو دریا کا ریلا خیال کرتے تھے اور جب مذکورہ تدبیر و حیلے کے بعد کچھ دنوں انہوں نے عذاب الٰہی نہ ہوتا دیکھا تو مطمئن ہو گئے۔ علمائے اسلام نے ایسے حیلہ کو جو موم نص کے خلاف ہو ممنوع قرار دیا ہے بلکہ بعض نے حرام کہا ہے۔ فقیہ ابن بطہ نے ابوہریرہؓ کی روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اس چیز کا ارتکاب نہ کرو جس کے مرتکب یہودی ہوئے کہ ادنیٰ حیلے سے انہوں نے محارم الٰہی کو حلال تصور کر لیا۔ ابن کثیر اور احمد بن محمد بن مسلم نے اس حدیث کی اسناد قوی اور جید بیان کی ہے۔ خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں اس کی توثیق کی ہے۔

اَللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ کہنے سے غرض صرف اپنے غالب خیال کا اظہار ہے۔ اُن لوگوں نے دیکھا کہ یہ شکاری فرقہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی سے باز نہیں آتا تو ضرور اس پر عذاب آئے گا اور اللہ ہی ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو مذکورہ قول اپنے زعم کے موافق کہہ دیا۔ بندر بن جانے کو بعض لوگوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ وہ واقعی دُم دار بندر بن گئے تھے۔ اگرچہ قدرت سے یہ بات بھی بعید نہیں۔ مگر چونکہ اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی، اس لئے مطلب زیادہ بہتر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر چہروں پر ورم آگیا اور چہرے گول چپٹے ہو کر بندروں کی طرح ہو گئے۔

مقصود بیان رسول پاکؐ کی صداقت کا اظہار کہ گزشتہ اہم ترین واقعہ سینکڑوں برس پہلے کا حضورؐ بیان فرما رہے ہیں باوجودیکہ کوئی آسمانی کتاب نہیں پڑھی۔ نہ اہل کتاب سے میل جول پیدا کر کے سُنا اور بے کم و کاست صحیح واقعہ بیان کر دیا جس کو یہودی بھی تسلیم کرتے ہیں اور کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ امتحانِ الٰہی کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ اللہ کی طرف سے آزمائش صرف انسان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حیلہ بہانہ بنا کر حکم الٰہی کو ٹالنے کی تدبیریں کرنی حرام ہیں۔ وعظ و تبلیغ فرض قطعی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر حکم الٰہی بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر حکم الٰہی کو نہ بیان کیا اور خاموش رہا تو ماخوذ ہوگا۔ مختلف سخت ترین امراض جن سے آدمی کی شکل بگڑ کر جانور کی طرح ہو جاتی ہے عذاب الٰہی ہیں۔ (پناہ بخدا) وغیرہ

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ

اور جب تمہارے رب نے جتا دیا کہ اللہ یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انھیں بری مار دیا کرے گا

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بلاشبہ تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور وہ یقیناً غفور رحیم ہے

تفسیر اللہ نے توریت میں صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اگر تم بدی کرو گے تو وہ ابد تک تم کو تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں دیدے گا جو تم کو سخت مصائب میں مبتلا رکھیں گے۔ سفر استثناء کے باب ۱۱ و ۱۹ میں اسی قسم کے مضامین موجود ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بنی اسرائیل نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو حکومت، عزت، شوکت اور سلطنت سے محروم کر دیا۔ کبھی نینوا و بابل کے بادشاہوں نے اُن کو غلام بنایا۔ کبھی ایرانیوں کے زیر تسلط آئے۔ کبھی نصاریٰ نے ان پر حکومت کی۔ پھر سکندر اعظم نے ان کو اسیر کیا۔ اسلامی دور میں مسلمانوں کی رعیت ہو کر بڑی ذلت و خواری سے زندگی بسر کی۔ اب تک ان کو کہیں کی حکومت و سلطنت میسر نہ ہوئی۔ ہر قوم اللہ کی زمین کے کسی نہ کسی حصہ کی مالک اور بادشاہ ہے لیکن یہود کا یہ جم غفیر بدستور کسی نہ کسی کا غلام ہے۔ اب فلسطین میں انگریز ان کی حکومت کی بنیاد قائم کرنی چاہتے ہیں لیکن اپنا انتداب قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی زیر سیادت ان کی سلطنت بنانے کے خواستگار ہیں۔ اگرچہ اس طرح کی حکومت حکومت نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ غلامی ہوتی ہے مگر توراۃ کی پیشین گوئی اور قرآن پاک کی صراحت پر نظر کرتے ہوئے ایسی حکومت کی بھی یہودیوں کے واسطے امید نہیں۔

مقصودِ بیان یہودیوں کے متعلق پیشین گوئی کہ ان کو کبھی دنیوی سلطنت نصیب نہ ہوگی ۔ در پردہ مسلمانوں کو تنبیہ کہ اگر تم بھی یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلوگے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو یہودیوں کا ہوا ۔ تمہاری سلطنت و حکومت بھی چھین جائے گی اور ذلّت و غلامی کی زندگی بسر کروگے ۔ آخر کی دونوں آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی پیروی کرو تاکہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے ۔ ورنہ عذاب میں ماخوذ ہوجاؤگے ۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫

اور ہم نے اُن کو زمین میں گروہ گروہ کرکے پھیلا دیا بعض تو اُن میں سے نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم نے اُن کو نعمتوں سے اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ باز آجائیں لیکن اُن کے بعد

خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ

ایسے ناخلف آئے جو کتاب کے وارث بنے اس دنیائے دون کا سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ

ہم کو معاف کردیا جائے گا اور اُن کے پاس اگر ویسی ہی چیز پھر آجائے تو اس کو بھی لے لیتے ہیں کیا اُن سے کتاب کے

مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ

اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ پر سوائے سچ کے (جھوٹ) نہ کہیں اور جو مضمون کتاب میں تھا وہ انہوں

وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

نے پڑھ بھی لیا اور دارِ آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں اور جو لوگ کتاب

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھتے ہیں تو ہم نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے

تفسیر اوپر کی آیت میں یہودیوں پر ذلّت کی مہر دینے کی صراحت تھی ۔ اب بیان فرمانا چاہتا ہے کہ بنی اسرائیل کی حالت ایک سی نہ تھی ۔ ہم نے زمین پر اُن کے مختلف گروہ بنادئے تھے ۔ ایک جگہ یا ایک عمل و عقیدہ پر اُن کا اجتماع نہ تھا باہم تفرقہ اور پھوٹ تھی ۔ کچھ لوگ تو واقعی نیک اور نیکوکار تھے ۔ تورات کے صحیح احکام پر چلتے تھے ۔ لیکن باقی افراد بدکار ، فاسق ، فاجر اور کافر تھے ۔ ہم نے اُن بدکاروں کو طرح طرح سے ہدایت کی راہ پر آنے کا موقع دیا ۔ نعمت ، فراغت اور راحت و چین دیا ۔ کبھی فقر و افلاس اور دنیوی مصائب میں مبتلا کیا کہ شاید عیش میں یا تکلیف میں ان کو خدا یاد آجائے اور اپنے کرتوت چھوڑ کر حق پرستی کی طرف رجوع کرلیں ۔ بہرحال ان یہودیوں کے اسلاف کے دو گروہ ہوئے نیک اور بد لیکن ان کے

جانشین تو ایسے ناخلف ہوئے جن کے ہاتھوں میں تو کتاب الٰہی ہے مگر احکام الٰہی کو رشوتیں لے کر بدلتے ہیں۔ حرام کھاتے ہیں۔ حق کے عوض ذلیل دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں اور پھر بے باک ایسے ہیں کہ اس جرم عظیم کو حقیر سمجھ کر کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہی کیا ہے ہم تو اللہ کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں۔ ہمارا خدا سے رشتہ ہے۔ ہمارا یہ سب گناہ معاف ہو جائے گا اور یہ زبانی دعوائے مغفرت اور دعوئی عفو بھی کچھ بلحاظ توبہ نہیں بلکہ صرف نمائش ہے۔ ان کے دلوں میں اس کا ذرہ برابر اثر نہیں۔ کیونکہ اگر دوبارہ ان کو کہیں رشوت لے کر حق پوشی اور باطل کوشی کا موقع ملتا ہے تو دریغ نہیں کرتے بلکہ وہی پہلی حرکت کرتے ہیں اور برابر دنیوی حقیر مال کے لالچ میں پڑے رہتے ہیں حالانکہ توراۃ میں اصرار بر معصیت کے باوجود مغفرت کا وعدہ نہیں بلکہ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ دیکھو اللہ کے متعلق کوئی خلاف بات نہ کہنا۔ اس بات کا ان کو علم بھی ہے۔ توراۃ میں پڑھتے بھی ہیں مگر پھر وہی کرتے ہیں جس سے آخرت تباہ ہو۔ باوجودیکہ یہ بالکل نمایاں حقیقت ہے کہ جو لوگ دنیائے دنی سے منہ موڑ کر اللہ سے تعلق جوڑ کر آخرت کے طالب ہوتے ہیں اُن کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ ہاں اُن لوگوں میں کچھ اشخاص (عبداللہ بن سلام وغیرہ) ایسے بھی ہیں جو کتاب الٰہی کے احکام کے پابند ہیں، محمد رسول اللہ صلعم پر توریت کے حکم کے مطابق ایمان لائے ہیں۔ وہ نیک لوگ ہیں۔ اللہ اُن کو اجر عطا فرمائے گا۔

تحلیل شیخ ابن کثیر نے بروایت سدی بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی رشوت خوار تھے اور قوم میں جو نیک لوگ تھے وہ جمع ہو کر عہد لیتے تھے کہ ہم کسی طرح احکام توریت کو تحریف نہیں کریں گے اور رشوت لے کر حق کو نہیں چھپائیں گے لیکن انہی لوگوں میں سے اگر کوئی برسر حکومت ہو جاتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ اس کے ثبوت میں سدی نے آیت وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ پڑھی۔ لیکن جمہور کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی۔

مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ سے وہ میثاق مُراد ہے جس کا بیان خدا تعالیٰ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ میں فرمایا ہے۔

آیت کا حکم عام ہے۔ جو مسلمان علماء بنی اسرائیل کے صفات رکھتے ہوں وہ بھی اس وعید کے مصداق ہیں۔ کیونکہ ابن عباس رضؓ نے فرمایا تھا کہ وہ لوگ بار بار اپنے گناہ کی طرف عود کرتے تھے اور توبہ نہیں کرتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے بھی مدعی تھے۔ اس کے بعد ابن عباس رضؓ سے آیت مذکورہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا پر جھکے ہوئے ہیں۔ حرام و حلال جس طرح پاتے ہیں کھائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کی جائے گی حالانکہ دنیا کی جو چیز اُن کے سامنے آتی ہے اس کو بغیر لئے نہیں چھوڑتے۔ مجاہد کہتے ہیں اس آیت کا مصداق نصاریٰ ہیں۔

مقصودِ بیان کسی قوم کا باہمی افتراق اُس پر عذاب الٰہی ہے۔ خدا تعالیٰ دُکھ سُکھ دے کر آزمائش کرتا ہے۔ یہودی رشوت خوار اور حق پوش تھے۔ مسلمانوں کے لئے ایہ صد عبرت مخفی ہے کہ اگر وہ بھی اسرائیلیوں کی طرح حق پوش و رشوت خوار ہوں گے تو اُن کا بھی انہی کی طرح انجام ہوگا۔ کتاب اللہ پر عمل کرنے والوں کو خدا تعالیٰ ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ وغیرہ

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ

اور جب ہم نے اُن کے اوپر پہاڑ کو سائبان کی طرح اُٹھا لیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ اُن پر گرنے والا ہے (اور ہم نے کہا کہ) جو کچھ ہم

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ع

نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو مضمون اُس میں ہے اُسکو یاد رکھو تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ

تفسیر پہاڑ سے مُراد بعض کے نزدیک کوہ طور ہے۔ بعض قائل ہیں کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ تھا۔ بعض نے بیت المقدس کے قریب کا کوئی پہاڑ بتایا ہے۔ یہ قصہ مکمل سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ نسائی نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ نے الواحِ توریت کو اُٹھایا تو اس کے بعد بنی اسرائیل کو لے کر زمین مقدس کی طرف چل دیئے اور الواح کے مطابق عقائد رکھنے اور فرائض و واجبات پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل پر یہ احکام شاق گزرے اس لئے انھوں نے قبول سے انکار کیا۔ اللہ نے اس پر پہاڑ کو اُٹھایا (گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اُن پر گرایا جاتا ہے) نسائی کی روایت کی صورت میں پہاڑ کا اُٹھایا جانا معلوم ہوتا ہے مگر معلق ہونا ثابت نہیں ہوتا لیکن حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے مکرر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اگر الواح میں خفیف فرائض و وظائف ہوں گے تو خیر ورنہ ہم نہیں مانیں گے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ سے منقطع ہو کر بلند ہوا اور اُن کے سروں پر معلق ہو گیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا کیا اب بھی نہ مانو گے؟ اللہ فرماتا ہے کہ مانو ورنہ پہاڑ تم پر ڈال دیا جائے گا۔ پس یہ دیکھ کر ہر شخص سجدہ میں اپنے بائیں ابرو کے بل گر پڑا اور دائیں گوشۂ چشم سے تکتا رہا کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی بائیں بھوں پر سجدہ کرتے اور کہتے ہیں کہ اسی سجدہ کی وجہ سے ہم پر سے عذاب دور ہوا۔ آیت میں ظن سے مراد یقین ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر احکام نہ مانیں گے تو ہم پر یہ پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ مطلب بالکل واضح ہے۔

مقصودِ بیان قدرتِ الٰہی کا اظہار، معجزاتِ انبیاء کا ثبوت، بنی اسرائیل کی انتہائی جہالت و سرکشی کا مظاہرہ، اس بات کی صراحت کہ کتابِ الٰہی کے احکام خواہ سہل ہوں یا دشوار بہرحال انسان کی فلاح کے لئے ہوتے ہیں اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان افعالِ قبیحہ اور حرکاتِ شنیعہ سے بچ جائے اور عذابِ اخروی سے نجات پا جائے۔ وغیرہ

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ

اور جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا اور اُن سے خود اُنہی کی ذاتوں پر اقرار

أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں (سب نے) کہا ہے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (یہ اقرار اس لئے لیا) تاکہ قیامت کے دن تم

إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوٓا إِنَّمَآ أَشْرَكَ آبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ

یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل تھے یا تم یہ کہنے لگو کہ شرک پہلے تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ

ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے پھر کیا بدکاروں کے کرتوت کے عوض تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اسی طرح ہم

نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

آیات تفصیل وار بیان کرتے ہیں تاکہ تم باز آجاؤ

تفسیر آیات کی تفسیر اور طریقۂ تفسیر کے اختلاف سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت کے مسلک کے موافق بحث کی تحقیق کر دی جائے عموماً علمائے اہلِ سنت متفق ہیں کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذریات کا اخراج واقع ہوا۔ آپ کی پُشت سے تمام ذریات چیونٹیوں

کی طرح خارج ہو کر میدانِ عرفات میں پھیل گئیں اور حق تعالیٰ نے اُن سے سوال جواب کیا تھا۔ حضرت انس رضؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے روز دوزخی آدمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے ملک میں تمام روئے زمین کی کل چیزیں موجود ہوں تو کیا تو عذابِ دوزخ سے رہا ہونے کے لئے اُن کو دے دیگا! دوزخی کہے گا بیشک۔ خدا تعالیٰ بزبانِ ملائکہ فرمائے گا میں نے اُس وقت جبکہ تو پشتِ آدم میں تھا تجھ سے آسان ترین بات کی خواہش کی تھی یعنی یہ کہا تھا کہ تو شرک نہ کرنا مگر تو نے شرک ہی کیا (رواہ البخاری ومسلم)

ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے روز وادیِ نعمان میں پشتِ آدم سے میثاق لیا۔ اُن کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر اُن کے سامنے رکھا پھر اُن ذریات سے کلام فرمایا۔ اس کے بعد حضور صلعم نے آیت الست بربکم مبطلون تک تلاوت فرمائی (رواہ احمد والنسائی وابن جریر وابن ابی حاتم) لیکن ابن ابی حاتم نے یہ روایت موقوفاً روایت کی ہے۔ وقد رواہ العوفی والضحاک عن ... علی ابن عباس ورواہ الحاکم مرفوعاً وموقوفاً)

عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ اللہ نے آدم کی پشت میں سے ذریات نکالیں جیسے سر میں سے کنگھی سے نکالتے ہیں۔ پھر اُن سے فرمایا الست بربکم انھوں نے جواب دیا بلیٰ۔ پس ملائکہ نے کہا۔ شہدنا ان تقولوا یوم القیامت الآیۃ (رواہ ابن جریر باسنادہ لاباس بہ ولہ طرق یقوی)

مسلم بن یسار جہنی کی روایت ہے کہ فاروقِ اعظم رضؓ سے یہ آیت دریافت کی گئی تو فرمایا رسولِ پاکؐ سے بھی یہ آیت دریافت کی گئی تھی اور میں سن رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر داہنے دستِ قدرت سے اس کی پشت پر مسح کیا۔ پس اس سے کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ یہ اہلِ جنت کے کام کریں گے۔ پھر پشت پہ ہاتھ پھیرا اور کچھ ذریات نکالیں اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے واسطے پیدا کیا۔ یہ دوزخیوں کے کام کریں گے (رواہ مالک فی الموطا واحمد فی مسندہ وعبد بن حمید والبخاری فی تاریخہ وابو داؤد والنسائی وابن جریر وابن منذر وابن حبان فی صحیحہ وابو الشیخ والحاکم وابن مردویہ والبیہقی ورواہ الترمذی وقال حدیث حسن ومسلم بن یسار لم یسمع من عمر وکذا قال ابو حاتم الرازی وابو زرعۃ وقال ابن ابی حاتم فیہ مسلم بن یسار عن نعیم بن ربیعۃ عن عمر بن الخطاب وکذا رواہ ابو داؤد فی سننہ من طریق عمر بن جعثم القرشی واللہ اعلم۔

ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا پھر اس کی پشت کو مسح فرمایا۔ پس اس کی پشت سے تمام ذریات جن کو قیامت تک خدا تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے گر پڑیں الحدیث (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن وکذا صححہ الحاکم علی شرط مسلم (ابن ابی حاتم) مقبلی کا قول ہے کہ اس بارے میں اس کثرت سے روایات موجود ہیں کہ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ بتواترِ معنوی یہ امر باخبارِ نبوت ثابت ہے تو کچھ بے جا نہیں۔ ان روایات میں چند امور حل طلب ہیں :-

(۱) کیفیتِ استخراج کیا ہے ؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ امر محض اعتقادی ہے۔ اخراجِ ذریاتِ پشتِ آدم سے بطریقِ صحیح ثابت ہے اور قدرتِ الٰہیہ کا اعلیٰ و اجل ہونا بھی متحقق ہے۔ لہٰذا کوئی استحالہ نہیں جو بات ممکن اور تحتِ قدرت ہے۔ جب وہ باخبارِ رسالت ثابت ہے تو اُس کا ماننا فرض ہے۔ چگونگی اور کیفیت کا سوال بے محل ہے۔

(۲) خدا تعالیٰ نے ذریات کو زندہ پیدا کیا کیونکہ ذریت زندہ ہی کو کہتے ہیں۔

(۳) احادیث میں اس کی صراحت نہیں کہ ذریات کی شکل آدمی کی تھی یا نہیں۔ رہی چیونٹیوں سے تشبیہ تو ممکن ہے یہ تشبیہ صغرِ جسم کے لحاظ سے ہو۔

(۴) کہا لیں میں زبان سے ذریت کا اقرار کرنا مذہبِ جمہور قرار دیا گیا ہے۔ لیکن زبان سے مراد نطق ہے۔

(۵) وادیِ نعمان سے مراد عالمِ ازل کا کوئی مقام ہے۔ یہ وادیِ عرفات مراد نہیں۔ اس کا وجود تو بعد کو ہوا۔ بہرحال ان مباحث میں عقل کو گنجائش تحقیق نہیں۔ جتنا نصوص میں آ گیا اسی پر اکتفا کرنا لازم ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر پر آتے ہیں۔ آیات کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ اول یہ کہ کل واقعات اخراج سے تحقیقی وقوع مراد ہے۔ کلام کا محمل مجاز پر نہیں بلکہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ ابن انجاح وغیرہ نے لکھا ہے کہ اکابر اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ کمالین میں بھی اسی کی صراحت کی گئی ہے۔
دوسرے یہ کہ آیت میں مجازی معنی مراد ہیں اور کلام بطریق تمثیل ہے۔ یہ قول زمخشری وغیرہ اہل اعتزال کا ہے۔ شیخ ابن کثیر بیضاوی نسفی رازی وغیرہ نے اگرچہ اول قول کے جواز کو مانا ہے مگر میلان ثانی قول کی طرف کیا ہے۔ اول قول حل طلب نہیں ثانی قول کی تشریح ہم کسی قدر کرتے ہیں۔ اخراج سے ازلی اخراج مراد نہیں بلکہ یہی تدریجی یکے بعد دیگرے پیدائش مراد ہے۔ اللہ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریات کو اس طرح پیدا کیا کہ آباء کی پشت میں نطفہ بنایا۔ نطفہ نے ماؤں کے رحم میں قرار پکڑا پھر تدریجی نمو ہو کر انسان عالم شہود میں آیا۔
اقرارِ ربوبیت اور شہادت سے مراد شہادت حال اور اقرارِ عقل ہے۔ انسان کی تخلیق اس طور پر ہوئی کہ اس کی فطرت اللہ کی ربوبیت کی بزبانِ حال شاہد ہے۔
قول سے مراد دلالتِ حال اور زبانِ فطرت ہے۔ اہل سنت کے مسلک پر آیت کا تفسیری مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے پھر اُن کو عقل دگویائی عطا کر کے فرمایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ ارشاد فرمایا میں تمہارے اس اقرار پر ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن کوئی عذر نہ پیش کر سکو۔ نہ تو یہ کہہ سکو کہ ہم کو بالکل خبر نہ تھی۔ ہم تیرے حکم سے ناواقف تھے اور نہ یہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا نے کیا تھا۔ انھوں نے ہی شرک کی بنیاد ڈالی تھی ہم تو ان کے مقلد تھے۔ لہٰذا مجرم تو وہ ہوئے۔ اُن کے اعمال کی پاداش میں تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے۔ اب تم کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم میرا کسی کو شریک نہ بنانا۔ میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول اور پیغامبر بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا وہ تم کو میرا عہد یاد دلائیں گے۔ سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں تو ہی ہمارا معبود اور رب ہے۔
قول ثانی کی تقدیر پر مطلب اس طرح ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریت اس طرح نکالی کہ پہلے وہ آباء کی پشت میں بشکل نطفہ تھے پھر ماؤں کے رحم میں آئے۔ پھر علقہ بنے پھر مضغہ ہوتے پھر مکمل انسان ہوئے پھر اُن کو عقل و ہوش عطا کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے اُس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے تو یہ تخلیق اور دلائل خدا کی طرف سے ایک عہد ہیں اور اس بات پر شہادت ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و رب و معبود نہیں اور لوگوں کی حالت احتیاج و حدوث گویا اُس عہد فطری کو قبول کرنا اور مان لینا ہے۔ خدا تعالیٰ کا دلائل پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور انسان کو موجودہ حالت میں خلق کرنا گویا زبانِ حال سے اقرار لینا اور گواہ بنانا ہے۔ اس عہد کی رو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تاکہ اس کے بعد کسی کو یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے۔ وہی بُری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم اُن کے بعد پیدا ہوئے۔ اُنہی کی پیروی کرتے رہے اگر گناہ کیا تو انھوں نے۔ لیکن قیامت کے دن یہ عذر باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے عقل ادراک عطا کر دیا تو کیوں ایسی بُری باتوں میں جو عہدِ خداوندی کے خلاف ہیں۔ پڑتے ہو اور کیوں صاحبِ ہوش ہو کر جاہلوں کی پیروی کرتے ہو۔ دنیا میں خدا کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔

معتزلہ کے اعتراضات اور اہلِ سُنّت کی طرف سے اُن کے جوابات

(۱) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ بدل ہے مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ سے۔ اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذریات کو نکالا۔ ان سے عہد لیا۔ نہ کہ آدم کی پشت سے نکال کر اس کے علاوہ اگر آدمؑ کی پشت سے ذریت کا نکالنا مراد ہوتا تو مِنْ ظُهُوْرِهِمْ نہ فرماتا بلکہ مِنْ ظَهْرِہٖ فرماتا یعنی ضمیر جمع کی نہ آتی اور ظہور جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا۔ کیونکہ آدم تنہا تھے اور اُن کی چند پشتیں نہ تھیں بلکہ ایک آدمی کی ایک ہی پشت ہوتی ہے۔ پھر اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی ذریتِ آدم کی نسبت صادق آتا ہے نہ کہ آدمؑ کی نسبت کیونکہ آدم کا کوئی باپ دادا ہی نہ تھا۔ مشرک

وہ موقعہ ہوتا تو بجائے خود رہا۔

جواب:۔ مراد یہ ہے کہ سلسلہ وار تمام اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی ذریات نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے۔ مثلاً زید کو عمرو کی پشت سے، عمرو کو بکر کی پشت سے، بکر کو خالد کی پشت سے وعلیٰ ہذا۔ لامحالہ یہ سلسلہ اوپر کی طرف حضرت آدمؑ پر منتہی ہوگا۔ کیونکہ سب کا مبداء آدم ہیں تو صراحۃً آدمؑ کی پشت سے نکلنا نہ کہا گر جب اس طرح سے ایک دوسرے کی پشت سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدمؑ کی پشت سے نکلنا کہلا سی لئے **من ظهور آدم** نہ کہا کیونکہ تسلسل اولاد میں ہے نہ کہ نفقلا آدم میں اور اسی لئے إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا کہنا بھی بلحاظ شرک نسلوں کے صحیح ہوا۔

(۲) عہد کسی اہل عقل وفہم سے لیا جاتا ہے نہ کہ نافہم وغیر مدرک سے۔ پس لامحالہ اس وقت اولادِ آدم کو ذی عقل وفہم ہونا چاہیئے لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہم کو یاد ہونا چاہیئے۔ حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں۔

جواب:۔ انسان درحقیقت نفسِ ناطقہ یا روح ہے۔ روح اگرچہ حادث ہے مگر تخلیقِ جسم سے بہت پہلی چیز ہے اور اس عالم حسّی میں اس کا ادراک آلاتِ حسیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن دوسرے عالم میں آلاتِ حسیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمام ارواح جواہر باقیہ ہیں۔ اگرچہ تمام اولادِ آدم اور آدم کی رُوحیں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں۔ مگر دنیا میں ترتیبی ظہور کے اعتبار سے آدمؑ سب کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ نے جب آدمؑ کو دنیا میں بھیجا تو اُن کے ذریعہ سے تمام نفوس وارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے آپؑ کی پشت سے ترتیب وار نکالا اور اس وقت اُن کو عقل بھی عطا کی بلحاظ تک وہ ذی عقل اور مدرک ہیں۔ رہی یہ بات کہ اب ہم کو وہ عہد یاد کیوں نہیں رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جسم سے جب نفس کا تعلق ہوتا ہے تو نفس کے آزاد جسم پر فائض ہوتے ہیں اور گرفتارِ قفس طائر کی طرح روح اس عنصری قفس میں بند ہو جاتی ہے۔ جن کی تدبیر اور تصرف میں اس قدر منہمک ہوتی ہے کہ عالمِ قدس کے حالات بالکل بھول جاتی ہے۔ اسی انہماک کی وجہ سے ہم دنیا کے سینکڑوں حالات ومعاملات بھول جاتے ہیں اگر دوسری طرف انہماک نہ ہو تو کل حالات ہم کو یاد رہنے چاہئیں۔

(۳) بنی آدم غیر معدود اور ان گنت ہیں پھر اس قدر لوگ چیونٹی کیا اگر ذرہ سے بھی کم فرض کئے جائیں تب بھی آدم کی پشت سے نہیں نکل سکتے کیونکہ ان کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا چاہیئے تھا اور جواب عالم وجود میں انسان آئے ہیں اگر آن ذوات کا عین ان کو قرار دیا جائے تب بھی ممکن نہیں کیونکہ عین ہوتا تو بجائے خود رہا جزو ہونا بھی ناممکن ہے۔

جواب: چیونٹیوں کے مانند ہونے سے مراد ارواح کی تشبیہ بہ لحاظ اُس حالت اجمالیہ کے ہے جو اس وقت ارواح کی تھی تفصیل مراد نہیں ہے اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ اُن میں کچھ نورانی اور کچھ ظلماتی تھے۔ یعنی اہلِ سعادت کی روحیں روشن اور اہلِ شقاوت کی رُوحیں تاریک تھیں۔ اُس وقت ذریات یا ارواح اجسام عنصریہ نہ تھے جن کا مجموعہ پہاڑ کی برابر یا اس سے بھی بڑا ہو جائے۔ نہ روح کوئی مادی عنصری چیز ہے بلکہ یہ محض تشبیہ ہے اور حالت اجمالیہ کا بیان مقصود ہے۔

میرا مسلک میرے نزدیک معتزلہ کے اعتراضات تو قطعاً غلط اور مضحکہ خیز ہیں۔ عالم مادی پر عالم قدس کو قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ نہ غیر مادی کیفیات کے ساتھ مطابق کیا جاسکتا ہے اور اہلِ سنت کا مسلک خلافِ عقل ودرایت نہیں کیونکہ قدرتِ الٰہیہ اجل واعلیٰ ہے وہاں چگونگی اور سوال کو دخل نہیں۔ البتہ عقل سے کسی قدر دور ضرور ہے۔ اب اگر صحیح روایات سے ثابت ہو جائے تو ان لینا عین ایمان ہے اور اگر روایاتِ صحیحہ سے یقینی طور پر ثابت نہ ہو تو قرینۂ عقلی اور دائرۂ قیاس کی خلاف ورزی کیا ضرور ہے۔ لیکن سب کی سب آحاد ہیں جو کسی طرح مفید یقین نہیں ہو سکتیں۔ پھر روایات احاد ہونے کے باوجود خود مجمل ہیں صراحۃً اہلِ سنت کے مسلک پر دلالت نہیں کرتیں اسی لئے اہلِ سنت کو بھی آخر درجہ میں پہنچ کر تحقیق سے تمثیل وتشبیہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک معتزلہ کی تاویل ہی زیادہ صحیح ہے جس کی طرف رازی اور ابن کثیر جیسے بزرگوں کا میلان ہے۔ پھر احادیث وا مادہ آحاد ہونے کے ساتھ ساتھ مرفوع بھی نہیں موقوف ہیں کیونکہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کو ابن کثیر جیسے محققین نے موقوف قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ہدایت عقل کو چھوڑ کر آثار آحاد کی طرف دوڑیں اور پھر

اُن آثار میں بھی تو غور مڈ کریں۔ اس کے علاوہ مختلف آثار و احادیث سے بھی قولِ ثانی کی تائید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہد بنانے سے مراد شاہد فطرت ہے۔ ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے مومن ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا الآیۃ۔ صحیحین میں ابو ہریرہ کی مرفوع روایت موجود ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی کر ڈالتے ہیں۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو حنیف یعنی مائل بحق پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آکر ان کو اُن کے دین سے بہکا دیا اور جو میں نے اُن پر حلال کیا تھا اس کو حرام کر ڈالا (رواہ مسلم)

اسود بن سریع سندی کہتے ہیں۔ میں نے رسولِ پاک کی ہمراہی میں چار جہاد کئے۔ مسلمانوں نے (ایک بار) حربی کفار کو قتل کر کے اُن کے بچوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ پر سخت ترین ناگوار گزرا اور فرمایا بعض لوگ کیوں بچوں پر دست درازی کرتے ہیں؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں؟ فرمایا تم میں سے جو بڑے نیکو کار مومن ہیں وہ بھی تو مشرکوں کی اولاد ہیں۔ خوب سُن لو کہ ہر شخص فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور برابر اسی حالت پر رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے پر اس کے والدین اس کو یہودی عیسائی وغیرہ کا دین اور عقیدہ سکھلاتے ہیں۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام ارواح کو جب خاکی عنصر کا لباس پہنایا اور سب کو عالمِ شہود میں لایا تو سب کو دینِ فطرت یعنی اقرارِ ربوبیت اور شہادتِ توحید پر پیدا کیا۔ آیت میں اقرار و شہادت و عہد سے یہی فطری اقرار مراد ہے۔

اس کے علاوہ حضرت حسن بصری نے تو صاف واضح صراحت کر دی ہے کہ آیت کی تفسیر یہی ہے۔ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ الآیۃ یعنی اے محمد! بیان کر دو کہ تیرے پروردگار نے اولادِ آدم کو اُن کی پشتوں سے پیدا کیا یعنی ان کی نسلیں پشت در پشت نکالیں۔ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کیا۔ جس طرح کہ دنیا میں وجود ہوتا ہے۔ پھر اُن کو شاہد بنایا اُن کے نفوس پر یعنی ان کی پیدائش کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے بس یہ دلالت قائم مقام اشہاد کے ہوئی۔ قاضی بیضاوی نے بھی شاہد بنانے کا مطلب اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی ربوبیت کے دلائل ان کے پیشِ نظر کر دیئے اور ان کی عقلوں میں ایسی صنعت قائم کی جو اس اقرار کا باعث ہوئی اور بمنزلہ ایسے شخص کے ہوگئے جس سے کہا گیا ہو۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور وہ جواب دے بَلٰى شَهِدْنَا۔ پس چونکہ اس امر کے علم پر خدا نے ان کو قدرت دی اور وہ اس پر قادر ہوئے۔ لہٰذا اس تمکین و تمکن کو تمثیلاً بطورِ استشہاد و اعتراف کے قرار دیا۔ چنانچہ ان کا جواب خود اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز بعد والی آیات سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اعتراف و شہادت کو دو طرح کے عذروں کے لئے موجب قرار دیا ہے۔ ایک عذر عدم علم کا دوسرا عذر تقلیدِ آبار کا۔ خدا نے دونوں عذروں کو رد کر دیا۔ کیونکہ جب دلیل قائم ہوگئی اور دلیل کے علم پر قدرت بھی حاصل ہوگئی تو حجت قائم ہوگئی اور ترکِ نظر یا تقلیدِ آبار کوئی عذر قابلِ قبول نہ رہا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان

عہدِ ازل یا شہادتِ فطری کی صراحت، اس بات کی وضاحت کہ خدا تعالیٰ نے عقل صرف اس لئے عطا کی ہے کہ قیامت کے دن کسی کو اپنی لاعلمی یا تقلیدِ آبار کی حجت و معذرت نہ رہے۔ آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اقرارِ توحید پر ہر عاقل مکلف ہے خواہ پیامِ رسالت اس کو پہنچے یا نہ پہنچے اور ہر شخص کو غور و تحقیق کرنی چاہیئے۔ تقلیدِ اسلاف مقلد کے لئے حجت نہیں ہو سکتی بلکہ تحقیق کو چھوڑ کر تقلید کرنی ناجائز ہے۔ آیات سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ عقائدِ اسلامیہ مبنی بر فطرت اور مطابقِ عقل ہیں۔ سادہ فطرت اور سلیم عقل والا عقائدِ اسلامیہ کی حقانیت کے قبول پر مجبور ہے۔ وغیرہ

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ

(اے محمد) اُن کو اس شخص کا حال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا تو اس کے پیچھے شیطان لگ گیا

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى
پس وہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کی بدولت عالی مرتبہ کر دیتے مگر وہ زمین کی طرف
الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ
جھک گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو اس کی حالت کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو زبان لٹکا
اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ
دیتا ہے یا چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا دیتا ہے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی پس تم یہ
الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
قصے بیان کردو تاکہ یہ غور کریں جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ان کی بری
بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ
مثال ہے اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہے
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○
اور جن کو اللہ گمراہ چھوڑ دے وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

تفسیر آیات کی تفسیر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول اُس شخص کو بتا دیا جائے جس کا قصہ ان آیات میں مذکور ہے۔ مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جس کے لئے مسجد ضرار تعمیر کی گئی تھی۔ جب اُس نے حضور کے صفات وحالات گزشتہ کتابوں میں پڑھے تو ایمان لے آیا مگر پھر مرتد ہو گیا

سعید بن مسیب، زید بن اسلم اور ابو رزاق کے نزدیک آیت میں امیہ بن صلت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو جاہلیت کا بڑا شاعر تھا اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ خدا کو واحد جانتا تھا۔ حساب کتاب، اجر و ثواب کا قائل تھا لیکن دنیوی لالچ میں پڑ کر مشرکین کے ساتھ رہا اور حضور کی نبوت کو نہ مانا (ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن عمرو اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض نے صیفی بن راہب کو معین کیا ہے۔ لیکن اکثر محققین نے اس سے مراد بلعم بن باعور کی ذات لی ہے اور بلعم کے قصہ کو امیہ بن صلت کے قصہ پر منطبق کر کے بلعم کی طرح امیہ کی حالت کو قابل عبرت قرار دیا ہے۔ قتادہ، عکرمہ اور ابو مسلم کہتے ہیں کہ یہ عام ہے اس میں ہر ایک شخص کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو خدا علم و ہدایت دے اور وہ خواہش نفس کا تابع ہو کر اس کو چھوڑ دے۔

بلعم کا کیا نام و نسب تھا، اسرائیلی تھا یا کنعانی؟ اس کے متعلق اختلاف ہے عبدالرزاق نے صحیح طرق سے ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا اس کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ ابن عباس، عکرمہ و مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے بلعام بن عوراء کہا ہے۔ بلعم بن باعورا مشہور ہے بن توشتم بن مارب بن لوط بن ہاران بن آزر۔ بلقاء کے کسی گاؤں کا باشندہ تھا۔ ابن عساکر کہتے ہیں بلعم اسم اعظم جانتا تھا۔

ابن جریر نے بسند جید شیخ یسار تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص مستجاب الدعوات تھا یعنی اسم اعظم کے وسیلے سے جو دعا کرتا قبول ہوتی تھی۔

جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر ملک شام کو جانے کے ارادے سے نکلے تو اثنائے راہ میں دریائے اردن کے پار شہر اریحا یا یریحو کے مقابل مواب کے میدانوں میں اقامت کی۔ بلق بن صفور موابیوں کا بادشاہ تھا۔ اس کو بنی اسرائیل سے خطرہ ہوا اور بلعام کو طلب کیا تاکہ اگر وہ بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کرے۔ اول اس نے انکار کیا پھر دنیوی لالچ میں پھنس کر راضی ہوا۔ راستہ میں اس کی خچری رُک گئی۔ ہر چند مارا آگے نہ بڑھی۔ خدا تعالیٰ نے اُس کو گویائی عطا کردی اور اس نے ظاہر کیا کہ مجھے آگے سے فرشتے روکے ہوئے ہیں از خود نہیں رُکی۔ بلعام نے جھنجھلا کر اُس کو مارا۔ بحکم خدا وہ چل کھڑی ہوئی۔ بلعام ایک پہاڑی پر پہنچا اور پھر بھی بددعا کرنے سے انکار کرتا رہا مگر قوم کے اغواء اور ترہیب و ترغیب سے بددعا کرنے پر آمادہ ہوگیا وہ جانتا تھا کہ موسیٰ بھی برحق ہیں اُن کے خلاف دعا کرنی بے سود ہے۔ مگر شیطانی اغوا سے آمادہ ہوگیا۔ لیکن جونہی اسرائیلیوں کے لئے بددعا کے کلمات زبان سے نکالنا چاہے فوراً خدا تعالیٰ نے اس کی زبان پھیردی مواب والوں کے لئے بددعا اور اسرائیلیوں کے حق میں دعائیہ کلمات زبان سے نکلے۔ بلعام نے ہر چند کوشش کی مگر بنی اسرائیل کے حق میں کلماتِ بد زبان سے نہ نکال سکا۔ اس نیت بد اور کوشش شر کی پاداش میں اُس کی زبان سینہ پر لٹک گئی۔ تمام علمی روشنیاں اور کرامات غائب ہوگئیں۔ بلعم ذلیل و خوار ہوکر واپس آیا اور بلق سے کہا میرا دین اور دنیا تو برباد ہوگئی مگر اب تمہیں ایک حیلہ بتاتا ہوں۔ تم اپنی عورتیں آراستہ کرکے اسرائیلیوں کے لشکر میں بھیج دو، وہ مسافر لوگ ہیں اگر زنا میں پڑ گئے تو مجھے امید ہے کہ تباہ ہوجائیں گے۔ بلق ایک لڑکی تھی اس کو بلعم نے حکم دیا کہ تو جاکر موسیٰ کو کسی طرح فریب دے۔ سوائے موسیٰؑ کے کسی سے تعرض نہ کرنا۔ جب مشورہ عورتیں اسرائیلیوں کے لشکر میں گئیں اور عام طور پر اسرائیلی زنا کے مرتکب ہوئے۔ بادشاہ کی لڑکی کی حضرت موسیٰؑ تک رسائی نہ ہوسکی بلکہ اس کی شناسائی ایک نوجوان سے ہوگئی جس کا نام زمری بن شلوم بن شمعون بن یعقوب تھا۔ زمری اس لڑکی کو لے کر ایک خیمہ میں چلا گیا اور زنا میں مشغول ہوگیا۔ حضرت موسیٰؑ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ فخاص بن عیزار بن ہارون نے آکر زمری اور دختر بلق کو قتل کردیا اور بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا جس سے تقریباً ستر ہزار یا تیس ہزار آدمی مرگئے۔ یہ قصہ توریت کتاب عدد کے ۲۲-۲۴ باب میں مفصل مذکور ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے محمد! ان لوگوں کی نصیحت و عبرت کے لئے اس شخص کا واقعہ سُناؤ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی نشانیاں، کرامات یا معارف عطا کئے تھے مگر وہ خواہشِ نفس کا تابع ہوکر عالمِ باقی کی بلندی سے دنیائے دنی کی پستی کی طرف جھک پڑا چونکہ وہ خود پستی کی طرف جھکتا تھا اور خواہش کا پرستار بنا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی اُس کو نہ اُٹھایا۔ اُس کی حالت کتے کی طرح تھی جو دوڑنے میں بھی ہانپتا ہے اور بیٹھا بیٹھا بھی ہانپتا ہے۔ یعنی بے اختیار و ارادہ ناشائستہ حرکت کرتا ہے اور حالتِ اضطرار میں بھی اس سے افعالِ شنیعہ سرزد ہوتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی تھی۔ کھڑے بیٹھے بے اختیار و اضطرار قوت کی حالت میں اور ضعف کی صورت میں بہر حال گناہ کا ارتکاب کرتا تھا یہی مثال ان لوگوں کی ہے جن کو آیاتِ الٰہی اور علوم حقانی کی تصدیق کا موقع میسر ہے مگر وہ انکار کرتے اور اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان

ابتدائی آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان خود آیاتِ قدرت علوم حقہ اور معارف صحیحہ سے اعراض کرتا ہے تو شیطان بھی اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اس بات کی طرف بھی ایما ہے کہ انسان کی ہدایت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ پر ترقی بلند کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان جو پستی کی طرف جاتا ہے تو یہ واضح طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ اُس کو بلند کرنا نہیں چاہتا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کہنے سے اس امر پر دلالت ہے کہ قرآن پاک میں مختلف قصوں کا بیان محض عبرت اندوزی اور نصیحت پذیری کے لئے ہے تفریح مقصود نہیں۔ بنی اسرائیل کو یہ قصہ سنانے میں یہ غرض ہے کہ جو شخص مقبولِ الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے اُس کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب تم محمد رسول اللہ کا مقابلہ کرتے ہو جس کا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے۔ سو وہ چشمہ تو بند نہ ہوگا۔ دین کے سیلاب کو تو کوئی کوشش روک نہ سکے گی البتہ تم بلعام کی طرح خاک ہوکر بہہ جاؤگے ان آیات میں ہر اس شخص کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جس کو خدا علم و ہدایت عطا کرے مگر وہ خواہش نفس کا تابع ہوکر اُس کو چھوڑ دے۔ علمائے اسلام کے لئے بھی اس میں بصیرت افروز ہدایت ہے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ فقط عقائد کی درستگی کافی نہیں بلکہ علماء پر فرض ہے کہ اُن کے اعمال بھی عقائد کے مطابق ہوں تاکہ اختلافِ عمل کی وجہ سے بلعام کی طرح اُن کی حالت تباہ نہ ہوجائے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ

اور ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن وانس پیدا کئے ہیں اُن کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ

نہیں اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں اِن کے کان ہیں جن سے سُنتے نہیں وہ چرپایوں

كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ○

کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں

تفسیر گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ جس کو خدا گمراہ کرتا ہے وہی زیاں کار ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کے گمراہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بُری باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اضلالِ شنیعہ کی تعلیم دیتا ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ ابتدائے ازل سے ہی بُرے پیدا ہوئے ہیں پھر دنیا میں جو افعال اُن سے سرزد ہوتے ہیں وہ بُرے ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی قدرت کو وہ اچھے کاموں میں صرف نہیں کرتے۔ اُنھوں نے اپنے آلاتِ ادراک اور ہوش وحواس کو حقانیت وصداقت کی طرف سے معطّل کر رکھا ہے قوتِ ادراک کو انھوں نے تباہ کر رکھا ہے، اس لئے حقانیت وراستی کو نہیں سمجھتے۔ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، مگر چونکہ وہ اپنی آنکھوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے، اس لئے اُن کو صداقت کی تصویر نظر نہیں آتی۔ کانوں سے سُنتے ہیں، مگر گوشِ حق نیوش ان کے بند ہیں، اس لئے آوازِ حق ان کو سُنائی نہیں دیتی۔ غرض یہ کہ تمام مشاعرِ ادراکیہ اور آلاتِ حس اُن کے بیکار ہیں اور وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں کیوں کہ جانور تو معذور ہیں اُن کو ادراکی قوتیں اور حق وباطل میں تمیز کرنے کی طاقت نہیں ہے اور یہ باوجودیکہ علم، ارادہ، اختیار اور قدرت ہوش وحواس سب کچھ رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی حق کی طرف سے غافل ہیں۔ صحیحین میں حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث موجود ہے کہ ہر شخص کا ٹھکانہ مقرر ہو چکا۔ کسی کا دوزخ، کسی کا جنت۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر لکھے پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کیا کریں؟ فرمایا "کئے جاؤ"۔ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اُس سے ویسے ہی عمل بآسانی سرزد ہوتے ہیں۔ اچھوں سے اچھے اور بُروں سے بُرے۔

صحیحین میں ابن مسعودؓ کی حدیث جو تقدیر کے حق ہونے کے متعلق ہے موجود ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں رُوح پھونکی جاتی ہے تو چار باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ رزق، مدّتِ زندگی، نوعیتِ عمل اور خاتمہ یعنی وہ سعید ہے یا شقی۔ صحیح مسلم میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن عاص مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے یعنی بہت پہلے جب اس کا عرش پانی پر تھا۔ مقادیرِ خلق کو تقدیر کر دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "ایک انصاری کے بچے کا انتقال ہو گیا، حضورؐ کو جنازہ میں بلایا گیا۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ وہ تو جنت کی چڑیا تھی۔" فرمایا "اس کے سوا کچھ اور تھا۔" عائشہ اللہ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لئے آدمیوں کو پیدا کیا حالانکہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ حاصل حدیث یہ کہ اللہ نے جنّت دوزخ کے لئے پہلے ہی سے لوگوں کو پیدا کر دیا۔ جنتی دوزخی ہونا وجودِ دنیوی اور عمل پر موقوف نہیں۔ یہ مطلب حدیث کا یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بچے جنتی نہیں بلکہ صرف اس بات پر تنبیہ ہے کہ جنتی دوزخی ہونا عمل پر مشروط نہیں۔

تحقیق بَلْ هُمْ أَضَلُّ کہنے سے یہ غرض ہے کہ ہر جانور اپنے نفع نقصان کو ظاہر طور پر جانتا ہے۔ بکری شیر ببر کا پتہ نہیں کھاتی، گدھا کنیر نہیں کھاتا، کوئی جانور خود آگ میں نہیں کودتا، ہری گھاس کی طرف جاتا اور دشمن سے بھاگتا ہے، مگر کافر ومشرک جان بوجھ کر خود عناد سے دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ بنی عبد مناف سے ہم سب باتوں میں تو برابر تھے اب انھوں نے اپنا یہ فخر نکالا کہ ہم

میں ایک نبی صاحب وحی و کتاب ہے سو اللہ میں تو اس عار کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا اور ایمان نہ لاؤں گا۔ اگرچہ محمدؐ بڑا سچا اور سب باتوں میں اچھا ہے۔ یہودی اور عیسائی بھی حضورؐ کی صداقت و حقانیت کو خوب جانتے تھے، مگر دنیوی لالچ میں پڑے۔ پیر و مرشد بنے، نذرانے کھاتے اور عالم کہلاتے تھے، اس لئے ایسے لوگوں کا درجہ جانور سے بھی ذلیل ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے دو چیزیں عقل اور شہوت پیدا کیں۔ پس فرشتوں کو تو فقط عقل عطا کی ان میں کوئی خواہش نہیں جو اللہ کی عبادت سے روکے اور جانوروں کو فقط شہوت دی بس وہ کھانے پینے وغیرہ کی خواہشات میں مشغول ہیں ان میں عقل نہیں کہ معرفت حاصل کریں۔ رہا انسان تو اس میں دونوں چیزیں جمع کر دیں۔ پس اگر اس نے عقل کی پیروی کی، معرفت و اطاعت حاصل کی تو فرشتوں سے بڑھ گیا کیوں کہ شہوت کو اس نے روک کر ترقی کی اور اگر شہوت کی پیروی سے نافرمان بنا تو جانوروں سے بدتر ہو گیا اور ناپاک گڑھے میں پھسل پڑا۔ سب جانور اپنے خالق کے فرماں بردار ہیں، مگر کافر نافرمانی کرتا ہے۔ سب جانور اپنے پروردگار کو پہچانتے اور یاد کرتے ہیں، مگر کافر نہیں پہچانتا اور نہیں یاد کرتا۔ سب جانور اگر ان کو کوئی ہانکنے اور چلانے والا ہو تو سیدھی راہ پر چلتے ہیں، مگر کافر رسول ہادی کی رہنمائی کو نہیں مانتا اور کج روی اختیار کرتا ہے۔

مقصودِ بیان تقدیر برحق ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے خدا نے ان کی سرشت ایسی کر دی ہے کہ وہ دوزخیوں کے ایسے اعمال کرتے ہیں اور دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کافروں کے پاس اگرچہ دل و دماغ اور کان آنکھ سب کچھ ہوتا ہے، مگر یہ ظاہری مضبوط گوشت بالکل بے کار ہے، جب تک اس کا استعمال صحیح طور پر نہ کیا جائے۔ جو دل معرفتِ الٰہی سے غافل ہو وہ دل نہیں، جو آنکھ حق نہ دیکھے وہ اندھی ہے، جو کان کلمۂ صداقت نہ سنے وہ بہرا ہے۔ کافر گمراہ جانور سے بھی بدتر ہے۔ یعنی جو عقل شہوت سے مغلوب ہو جائے وہ عقل نہیں بلکہ جہالت ہے، جو علم موجب ہدایت نہ ہو وہ سرچشمۂ نادانی ہے۔

آیت میں ضمنی تعلیم ہے اس بات کی کہ خدا کے عطا کردہ اعضاء جسم اور قوتیں حق و معرفت کے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے۔ بے محل استعمال سے اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے، مگر اس میں کمال غفلت کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اور اللہ ہی کے سب اچھے نام ہیں تو اس کو ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی

اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی جلد سزا دی جائے گی

تفسیر مشرکین اللہ پاک کو ایسے ناموں سے پکارتے تھے جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ مثلاً کفار عرب اللہ سے دعا کرتے وقت خطاب کرتے وقت کہتے تھے یا ابا المکارم یا ابیض الوجہ اور نصاریٰ کہتے تھے یا ابا المسیح اور فلاسفہ کہتے تھے یا علۃ العلل وغیرہ۔ مشرکوں نے اپنے دیوتاؤں کے کچھ نام تراش لئے تھے اور اللہ کے ناموں سے ان کو مشتق کر لیا تھا۔ مثلاً عزیز سے عزیٰ، منّان سے منات، اللہ سے لات وغیرہ۔ ان کے علاوہ خدا کے مخصوص ناموں سے رحمان کا اطلاق خدا پر نہیں کرتے تھے۔ اس سب کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس مضمون کی آیات چار سورتوں میں نازل ہوئیں۔ ایک تو یہاں دوسرے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں تیسرے سورۂ طٰہٰ کے شروع میں اور چوتھے سورۂ حشر کے آخر میں۔

اللہ کے اسماء توقیفی ہیں یا نہیں یعنی اس کے نام مخصوص و متعین ہیں۔ ہر زبان میں وہی اسماء اور انہیں کا استعمال ہونا چاہیئے یا ان کے ہم معنی دوسرے الفاظ کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ اس کے متعلق مختلف حدیثیں وارد ہیں اور اسی بناء پر علماء کا اختلاف ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا "جس شخص کو کوئی دکھ یا رنج ہو اور وہ یہ دعا پڑھے

اللہ اس کے رنج وغم کو دور کر کے اس کی بجائے خوشی عطا فرماتا ہے۔ عرض کیا گیا "یا رسول اللہ کیا ہم اس کو سیکھ نہ لیں؟" فرمایا "کیوں نہ سیکھو۔ جو شخص اس کو سُنے اس کے لئے سیکھنا مناسب ہے"۔ دعا یہ ہے:- اللّٰھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماضٍ فی حکمك عدل فی قضاؤك اسالك بكل اسم ھو لك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القراٰن العظیم ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی و ذھاب ھمی۔ اس حدیث کی بنا پر ہم قطعاً نہیں کہہ سکتے کہ اسماء حسنیٰ کچھ ننانوے ناموں پر منحصر نہیں ہے لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا "اللہ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو اُن کا احصاء (یعنی احاطہ و حفظ) کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا" (رواہ احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابو عوانۃ وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن منذر وابن مردویہ وابو نعیم والبیہقی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ناموں کا ننانوے میں حصر ہے۔

حق یہ ہے کہ اللہ کے نام غیر محصور ہیں۔ آیت میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حصر معلوم ہوتا ہو اور بداہت عقل بھی عدم حصر کی مقتضی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جس زبان یا اصطلاح میں جو لفظ صفتی یا علمی خدا کے لئے وضع کیا جائے یا خود کوئی اپنی طرف سے بولے وہ حدود شریعت سے خارج نہ ہو صفت کمال پر دلالت کرتا ہو اور عیب و نقصان سے پاک ہو۔ رہی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث تو اس کا مطلب صاف ہے کہ ان ننانوے ناموں کو جو شخص یاد کرلے گا اور ان کے توسل سے دعا مانگے گا خدا تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا۔ چونکہ یہ اسماء کتاب اللہ میں موجود ہیں (اور ترمذی کی حدیث میں بھی ان کی تفصیل مذکور ہے) اس لئے حضور صلعم نے ننانوے کا لفظ ارشاد فرمایا ورنہ پوری حدیث میں کوئی لفظ حصر نہیں اور نہ ننانوے کے علاوہ اور ناموں کی نفی ہے۔ اسی بناء پر شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ احصاء اسماء الٰہی میں جملہ احادیث مضطرب ہیں کوئی صحیح نہیں۔ حاصل آیات یہ ہے کہ اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں جو عیب و نقصان پر دلالت کرنے سے پاک ہیں۔ لہٰذا مسلمانو تم انھیں اچھے اچھے ناموں کو لے کر خدا سے دعا کیا کرو اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرو جو اللہ کے ناموں میں تراش خراش اور الحاد کرتے ہیں اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب ان کو اپنے کئے کی پاداش ملے گی۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ اللہ کے تمام نام اچھے ہیں۔ ہر نام کو لے کر دعا کرنی جائز ہے کسی نام کی تخصیص نہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ اللہ کے لئے جو نام مقرر کیا جائے اس کا مفہوم اچھا ہونا چاہیے۔ وہ صفت کمال پر دلالت کرتا ہو اور عیب و نقصان کے معنی سے پاک ہو۔ آیت سے ضمنی طور پر یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جب تک لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس لفظ کے معنی اچھے ہیں اس وقت تک اللہ پر اس کا اطلاق نہ چاہیے۔ وغیرہ۔

ع ۲۲ / ۱۰ / ۱۲

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ۧ

اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق بات کی ہدایت کرتے ہیں اور اُسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان تھا کہ ہم نے بہت سے جن و انس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ کون لوگ ہیں جن کو جہنم کے لئے پیدا کیا۔ خود ان کا بیان فرمایا کہ جہنم کے لئے وہ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو دل تو رکھتے ہیں، مگر غافل، آنکھیں رکھتے ہیں، مگر حق کی طرف سے نابینا، کان رکھتے ہیں مگر صداقت کی آواز نہ سننے والے۔ اب ان لوگوں کے مقابل اس فرقے کا ذکر فرماتا ہے جو جنتی ہے۔ وہ کون گروہ ہے؟ وہی گروہ ہے جو ہادی بھی ہے مہتدی بھی۔ عامل بھی ہے اور ناصح بھی۔ دوسروں کو بھی حق کی ہدایت کرتا ہے اور خود بھی اپنی خواہشات میں تعدیل رکھتا ہے دوسروں کا رہبر حق ہے، مگر خود بھی افراط تفریط اور زیادتی کمی سے پرہیز رکھتا ہے۔ اپنی غضبی اور شہوانی قوتوں و افعال میں اعتدال رکھتا ہے۔ قوت روحی سے مادی قوتوں کا زور توڑ کر ان کو متوسط درجے پر رکھتا ہے نہ تو راہب تارک الدنیا بن جاتا ہے نہ مطلق العنان شہوت ران نہ تو اس نے اپنی قوت غضبی کو ایسا معطل کر رکھا ہے کہ حق و صداقت کی خلاف ورزی کے وقت بھی خاموش رہتا ہے اور اس کو جوش نہیں آتا اور نہ ایسا غضب ناک قہار بنا رہتا ہے کہ مست ہاتھی کی طرح ذرا سی تحریک میں بھی دنیا کو تباہ کرنے کے درپے ہو جائے۔ اس کی قوت بصیرت بھی اعتدالی حالت میں ہے نہ آزاد ہر وقت شیطانی تدبیر

سوچتا رہتا ہے ذاتی پابند کہ علوم و معارف اور صنائع الٰہی میں بھی غور نہ کرے۔

حنار میں وارد ہے اس امتِ مرحومہ سے مراد امت محمدیہ ہے۔ قتادہ کی روایت ہے کہ حضورؐ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے، تم لوگوں کے واسطے ہے اور تم سے اگلی امت کو بھی اسی طرح دیا گیا جیسا چہ فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ - الآیۃ

شیخ ابن کثیر نے بروایت ربیع بن انس مرسل روایت ذکر کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "میری اُمت میں ایک قوم برابر حق پر رہے گی۔ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو۔

صحیحین میں بروایت معاویہ بن ابی سفیان مذکور ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "میری اُمت قیامت بپا ہونے تک برابر ایک گروہ حق پر ظاہر رہے گا ان کو جو کوئی خوار کرنا یا ان کو مخالف کرنا چاہے گا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ بیضاوی وغیرہ مفسرین نے اسی سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کیوں کہ مراد یہ ہے کہ زمانے میں ایک گروہ ایسا ہو گا قویہ کہ فقط رسول پاکؐ کے زمانے میں ایسا گروہ تھا بعد کو نہ ہو گا ورنہ اس سے کیا فائدہ یہ تو معلوم ہی تھا۔

مقصودِ بیان اُمتِ صالحہ محمدیہ کی تعریف۔ دوسروں کو ہدایت کرنے اور خود ہدایت پر رہنے کی تلقین و مدح۔ اس امر کی طرف ضمنی اشارہ کہ عدل و توسط پر قائم رہنے والے اور حق کا فیصلہ کرنے والے کم لوگ ہیں۔ ان کے مقابلے میں باطل پرست زائد ہیں۔ وغیرہ۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہم آہستہ آہستہ اُن کو اس طرح پکڑیں گے کہ اُن کو علم بھی نہ ہو گا

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝

اور میں ان کو مہلت دوں گا میری تدبیر مضبوط ہے

تفسیر چونکہ اوپر دو گروہ بیان کئے گئے تھے۔ حق پرست اور باطل پسند، جنتی اور دوزخی، اس لئے شبہ ہوتا تھا کہ شاید دنیوی عروج و زوال حق و باطل اور جنتی دوزخی ہونے کا معیار ہے۔ جس پر دنیا میں سختی اور زندگی میں عسرت ہے وہ جہنمی ہے اور جو مرفہ الحال فارغ البال ہے وہ جنتی ہے۔ کیونکہ اگر مؤخر الذکر شخص دوزخی ہوتا تو خدا اس سے فوری مواخذہ کرتا، اس کے عیش و عشرت کو خاک میں ملا دیتا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرماتا ہے "یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو ازلی جہنمی ہیں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم اُن کو فوری گرفت بھی کر لیں کہ اُن کا جہنمی ہونا معلوم و محسوس ہو جائے بلکہ ہم باوجود اُن کے کفر و گناہ کے دنیا میں ہر طرح کی نعمت و راحت اور عیش و کامیابی میں رکھ کر یکدم اُن کو پکڑ لیں گے اور اس طرح پکڑیں گے کہ اُن کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ یہ مصیبت ہم پر کس طرح آئی۔ خواہ گرفت کی صورت یہ ہو کہ دنیا میں ہی یکدم دفعتاً اُن پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اور کل نعمت و عیش فنا ہو جائے یا یکدم اُن پر اسی حالت میں موت آ جائے کہ وہ راحت و مسرت سے ہمکنار ہوں اور اخروی نتیجہ سے غافل ہوں اور موت کا فرشتہ آ کر اُن کو دوزخ میں لے جائے۔

مقصودِ بیان دنیوی راحت و تکلیف، دُکھ سکھ جنتی دوزخی ہونے کا معیار نہیں بلکہ اصل معیار وہ ہے جو اوپر گذر گیا۔ اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ جب بندہ انتہائی درجے پر سرکشی کے پہنچ جاتا ہے۔ تو یکدم گرفت ہو جاتی ہے۔ وغیرہ۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

کیا انہوں نے کچھ دھیان نہ کیا کہ اُن کے رفیق کو کچھ جنون نہیں ہے بس وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن

یا انہوں نے آسمان و زمین کی حکومت اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں غور نہیں کیا

شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ

اور نہ اس پر غور کیا کہ شاید اُن کی اجل آ گئی ہو پس قرآن کے بعد کس بات پر وہ

يُؤْمِنُونَ ۝ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

ایمان لائیں گے جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے اُس کو کوئی راہ پر لانیوالا نہیں اور اللہ اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے

تفسیر قتادہ کی روایت ہے کہ ایک بار حضور اقدس ؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قریش کو نام نام پکارا اور ایسے الفاظ سے پکارا جو دشمن کے خطرے کے وقت استعمال کئے جاتے تھے۔ سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضور ؐ نے ہر گروہ کو نام بنام عذاب الہٰی سے ڈرایا۔ آئندہ کے واقعات جو موت بلکہ قیامت تک اُن پر واقع ہونے والے تھے بتائے اور فنا و زوال کی تصویر کھینچ دی۔ ایک شخص بولا کیا اس شخص کو جنون ہو گیا ہے کہ شام سے صبح تک چیخ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ؐ کے وعظ کی تصدیق تین طرح سے فرمائی۔ اول تو یہ کہ ذرا غور کرنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے اور مجنون نہیں پھر کیوں اُن کے اظہار حقائق کی تکذیب کی جائے۔ دوسرے اس بات پر بھی ذرا غور کرنا چاہیئے کہ آسمان و زمین اور اس کی کل کائنات جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے خالق پر دلالت کر رہی ہے۔ صحرا کا ذرہ، پہاڑوں کا ہر ریزہ، درختوں کا ہر پتہ، حیوانات کی ہر کیفیت و حالت، سورج، چاند، ستاروں کا طلوع و غروب، پانی اور ہوا کا تموج۔ غرض ہر چیز نمایاں طور پر تصویر فنا اور آئینہ تغیر ہے۔ پھر یہی بات اگر رسول ؐ کی زبان سے نکلتی ہے اور وہ موت و مابعد الموت سے ڈراتے ہیں تو کیوں اُن کو جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ تیسرے خود اپنی زندگانی طریق زندگانی، اعضاء کی ساخت اور تغیر جسمانی کو بہ نظر غور دیکھنا چاہیئے کہ ہر وقت زندگی زوال پذیر ہے۔ ممکن ہے کہ عنقریب ہی زندگانی کے اختتام کا وقت آ گیا ہو۔ اب ان نصوص دلائل اور واضح ثبوت کو بھی اگر کفار نہ مانیں اور رسول ؐ کو نہ پہچانیں اور سچا نہ جانیں تو اور کس بات کو مانیں گے۔ بہرحال اتمام حجت ہو گیا اس کے بعد بھی نہ مانیں تو سمجھ لو کہ اللہ ہی نے ان کو ہدایت کرنا نہیں چاہا۔ ان کو یوں ہی دشت ضلالت میں سرگرداں پھرنے دو۔

مقصود بیان تین امور پر غور کرنے کی صراحت، احادیث رسول ؐ[1]، صنائع قدرت[2] اور خود اپنی حالت[3]۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ ہدایت کے لئے یہی تین راستے ہیں جو شخص ان طریقوں سے ہدایت یاب نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ گمراہ اور فطری شقی گم کردہ راہ ہے۔ اس کے راہ یاب ہونے کی اُمید نہیں۔ وہ کبھی راستی پر نہ آئے گا۔ بس اُس سے کوئی مناظرہ اور مجادلہ نہ کرو۔ وغیرہ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا

پوچھتے ہیں تجھ سے کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا تم کہہ دو کہ اس کی خبر تو میرے رب کو ہے وہی اُس کو

لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ

اُس کے وقت پر اُس کو ظاہر کرے گا وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہے بس اچانک ہی تم پر آ جائے گی تم سے وہ اس

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

طرح پوچھتے ہیں گویا تم اس کے متلاشی ہو کہہ دو کہ اُس کا علم تو صرف اللہ کو ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے

تفسیر حمل بن قشیر اور سموال بن زید نے حضور اقدسؐ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ محمدؐ! اگر تم نبی ہو تو بتاؤ قیامت کب آئے گی؟ یہ سوال بطور امتحان کے تھا کیونکہ سائلوں کو خود معلوم تھا کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قریش نے یہ سوال کیا اور یہ سوال بطور خوف یا طلب تصدیق کے نہ تھا بلکہ اُن کے شک کا مظاہرہ تھا۔ اسی قول کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں یہودی نہ تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے محمدؐ کہہ دو کہ قیامت کا یقینی علم سوا خدا کے کسی کو نہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ قیامت کب آئے گی؟ جب وقت آئے گا تو خدا اس کو ظاہر کرے گا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اہلِ دنیا کے لئے وہ عظیم الشان حادثہ ہوگا اور اچانک ہوگا بس اتنا معلوم ہے اس سے آگے معلوم نہیں۔ مگر ان میں سے اکثر جاہل آدمی نہیں جانتے کہ قیامت کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں۔

تحلیلِ اجزاء مُرْسٰىهَا کے معنی استقرار اور ثبات کے ہیں، لیکن ابن عباسؓ نے اس کے معنی مُنْتَهٰى بیان کئے ہیں یعنی دنیا کے انتہاء کا وقت کب ہوگا۔ لَا يُجَلِّيْهَا کے معنی عام مفسرین نے لَا يُظْهِرُهَا قرار دیے ہیں یعنی خدا ہی قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سدی نے تجلیہ کے معنی ارسال بیان کئے ہیں۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے حقیقت واقعہ کو سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا اور اس کے مقررہ وقت سے کوئی واقف نہیں۔

ثَقُلَتْ سے مراد یہ ہے کہ قیامت آسمان و زمین کے تمام رہنے والوں پر بھاری ہوگی (ابن عباس و حسن بصری نے یہی معنی بیان کئے ہیں)

قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے وقت کو نہ جاننا زمین و آسمان والوں پر بھاری ہے۔ ابن جریج نے کہا جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے بکھر جائیں گے، سورج سیاہ ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یہی اس کا ثقل ہے۔ ابن جریر نے قتادہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ سدی کہتے ہیں ثَقُلَتْ کے معنی یہ ہیں کہ آسمانی اور زمینی مخلوق سے قیامت کا یقینی علم مخفی ہے نہ کسی فرشتے کو معلوم ہے نہ کسی نبی کو۔ اس تقدیر پر ثَقُلَتْ کے معنی خَفِيَتْ ہوتے۔

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ کے مطلب کی توضیح میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مشرکوں نے حضورؐ سے یوں سوال کیا کہ گویا آپ اُن کے حفی ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے حضورؐ سے کہا کہ ہم کو بحق قرابت بتا دو کہ قیامت کب ہوگی؟ عوفی نے ابن عباسؓ کا قول اس طرح بیان کیا ہے:-

وہ تجھ سے قیامت کے متعلق اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو اُن کا بڑا دوست ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ابو مالک اور سدی سے بھی یہی مطلب مروی ہے لیکن ابن ابی نجیح کی روایت سے مجاہد کے نزدیک صحیح مطلب اس طور پر ہے کہ وہ لوگ قیامت کے متعلق تجھ سے سوال کرتے ہیں گویا تو قیامت کی کھوج میں لگا ہوا ہے۔ شیخ جلال نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے اُس آیت کا مطلب اس طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں اور اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تو اس کے مقررہ وقت کو جانتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ آیت متذکرہ سے شبہ ہوتا ہے کہ رسول پاکؐ کو قیامت کا کوئی علم نہ تھا تو واقعاتِ قیامت کی تفصیلی خبر دینا، عذاب، ثواب اور حساب کتاب کی کیفیت بیان کرنا بالکل غلط ہے ان کو بھی سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مسلم کی اس حدیث سے جس کی راوی حضرت عائشہؓ ہیں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو قیامت کا علم تھا۔ عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب دیہاتی لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرتے کہ قیامت کب ہوگی؟ تو آپ اُن میں سے سب سے کم عمر والے آدمی کی طرف اشارہ فرماتے کہ اگر یہ زندہ رہا تو بہت زیادہ بوڑھا ہونے نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی۔

ازالہ:- آیت سے مطلقاً احوالِ قیامت کے علم کی نفی نہیں نکلتی۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ کو قیامت اور احوالِ قیامت کے متعلق

کچھ علم نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ دن، تاریخ، وقت معین طور پر حضورؐ کو معلوم نہ تھا۔ اس کا علم نہ تھا کہ قیامت کس دن ہوگی اور کتنی مدت باقی ہے؟ باقی علامات آثار اور قرائن تو آپ نے مفصل بیان فرما دیے ہیں۔ حذیفہؓ کی روایت میں بطریق مرفوع آیا ہے کہ حضورؐ نے سوال قیامت کے جواب میں فرمایا کہ اس کا علم فقط اللہ ہی کو ہے، لیکن میں اس کے بعض علامات جو وقوع قیامت کے قریب ہوں گے بیان کرتا ہوں۔ قیامت کے قریب فتنہ وقتل ہوگا۔ اس زمانے میں لوگوں کے درمیان جان پہچان اتنی کم ہو جائے گی کہ قریب ہے کوئی کسی کو نہ پہچانے (رواہ احمد) امام احمد کی روایت کردہ احادیث معراج میں حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور قتل دجال اور خروج یاجوج ماجوج کا قصہ مذکور ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اس وقت قیامت کی حالت ایسی ہوگی جیسے حاملہ عورت کے دن میں اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے یا رات میں۔ انس اور سہل بن سعد کی صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "میں اور قیامت ان دونوں کی طرح متصل پیدا ہوئے ہیں۔ بہرحال رسول پاکؐ کو علامات قیامت کا تفصیلی علم تھا۔ البتہ تعین قیامت معلوم نہ تھی۔ یہی مطلب آیت کا ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث کا مطلب تو حضورؐ کی اس سے مراد یہ تھی کہ ہر شخص کی موت اس کی قیامت ہے۔ امام مسلم نے یہی مطلب بیان کیا۔ یہ کہ بچے کے بوڑھے ہونے سے پہلے قیامت آ جائے گی یعنی عمر رسیدہ لوگ مر جائیں گے لا محالہ ان کی قیامت آ جائے گی۔ دیہاتیوں کے مقابلے میں یہی جواب مناسب تھا۔ رہا قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت اس کے متعلق حضورؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔

مقصودِ بیان قیامت کا یقینی علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ نہ کسی نبی کو، نہ ولی کو، نہ فرشتے کو۔ ہاں علاماتِ قیامت معلوم ہیں۔ قیامت ایک عظیم الشان سانحہ ہوگا۔ قیامت رفتہ رفتہ نہ آئے گی بلکہ یکدم آئے گی۔ قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم ضروری نہیں نہ اس کی جستجو اور تلاش مناسب ہے، جب آئے گی آ جائے گی۔

اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ قیامت کا تعینی علم غیر مفید ہے اور لوازم نبوت سے نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

تم کہہ دو کہ مجھے تو بغیر مشیت خدا کے اپنی جان کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں ہے اگر میں غیب جانتا ہوتا تو یقیناً بہتیرا نفع

مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؀

حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو ایماندار قوم کو بس ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول میں ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے عجیب قسم کے قصے بیان کیے ہیں جن کا تحقیق و تنقید کے بعد کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً ابن کثیر نے کہا ہے کہ جب حضور والاؐ غزوۂ بنی المصطلق سے لوٹے تو راہ میں آندھی آئی اور سواری کے جانور بھاگ گئے۔ حضورؐ نے بطور معجزہ کے اُس روز یہ اطلاع دی تھی کہ آج مدینے میں رفاعہ کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضورؐ نے یہ فرمایا کہ میری اونٹنی کو تلاش کرو۔ اس پر عبداللہ بن اُبی منافق کہنے لگا "دیکھو تو یہ شخص مدینہ میں رفاعہ کے متعلق تو خبر دے رہا ہے اور خود اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ حضور نے وحی خفی کے ذریعہ لوگوں کو اطلاع دی کہ منافقوں کا میرے متعلق اس قسم کا خیال ہے جاؤ میری اونٹنی اس پہاڑ کے درہ میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت میں اُلجھ گئی ہے، جا کر لے آؤ۔ چنانچہ لوگ گئے اور اونٹنی کو لے آئے۔ اسی طرح کے دیگر واقعات بھی شانِ نزول میں بیان کیے جاتے ہیں، مگر ایسے واقعات کو شانِ نزول قرار دینا روایت و درایت کے خلاف ہے کوئی معتبر روایت اس کے ثبوت کے لیے موجود نہیں اور عقل بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتی کیونکہ غزوہ بنی المصطلق ہجرت کے بعد مدینہ کی سکونت کی حالت میں ہوا اور یہ آیت مکی ہے۔ متاخر کا سبب متقدم کس طرح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا صحیح تفسیر کسی شانِ نزول کی محتاج نہیں۔ کیونکہ اوپر کی آیت میں کفار کا سوال قیامت اور پھر اس کے جواب کی تعلیم بیان کی گئی تھی اور یہ اُسی کی تائید ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ محمد! تم ان لوگوں سے کہدو قیامت کا تعیین علم تو درکنار مجھے اپنے نفس پر بھی حقیقی قدرت نہیں۔ میں اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی حقیقی مالک نہیں نہ مجھے علم غیب ہے نہ عالم الغیب اور مالک خیر و شر ہونا میرے لوازم میں سے ہے نہ میری نبوت کو اس سے کوئی خاص تعلق ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو عذاب سے خوف دلاؤں اور ثواب کی بشارت دے دوں یعنی لوگوں کو بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دوں۔ اگر مجھے غیب کی تمام باتیں معلوم ہوتیں تو پھر اچھائی ہی اچھائی کی طلب میں کثرت کرتا کسی قسم کی برائی مجھے پہنچنے ہی نہ پاتی نہ کسی تجارت میں نقصان ہوتا نہ بیماری آتی نہ دشمنوں کے مقابلے میں جانفشانی کرنی پڑتی نہ نماز میں بھول چوک ہوتی نہ دنیوی معاملات میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوتی، میرے ہر فعل اور ہر حرکت و سکون کا نتیجہ موافق ہی نکلتا۔

یہاں دو شبہے کئے جاسکتے ہیں۔ پہلا شبہ تو یہ ہے کہ کیا رسول اللہؐ مالک خیر و شر نہ تھے؟ کیا اچھا برا کام کرنے کی آپ میں قدرت بھی نہ تھی؟ کیا معجزات اور خوارق عادات آپ سے ظاہر نہ ہوتے تھے؟ کیا تصرفات نبوت سے آپ خالی تھے؟ کیا آپ کا کام فقط انذار و تبشیر تھا اور روحانی تاثرات و اختیارات سے آپ بالکل کورے تھے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا علم غیب نہ تھا؟ کیا اخبار وحی و رسالت اور احکام ہدایت کا بھی آپ کو علم نہ تھا حالانکہ آیت اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الخ تو بتا رہی ہے کہ غیب الٰہی پر اُس کے خاص بندے یعنی پیغمبر مطلع ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو ملائک، عرش، کرسی، لوح، قلم، احوالِ قیامت، جنت و دوزخ، حساب کتاب اور بعض آئندہ واقعات کا بھی علم نہ تھا حالانکہ ان سب کی خبر حضورؐ نے اُمت کو دی ہے۔ اگر علم نہ تھا تو پھر خبر کیسے دی؟ اور اگر تھا تو آیت کی صراحتِ نفی کا کیا مطلب؟

جواب :- پہلے شبہ کا جواب مفسرین نے اس طرح دیا ہے کہ معجزات و خوارق مستثنیٰ ہیں۔ وہ تصرفات نبوت اور اعجاز رسالت اور اختیارات روحانی حضورؐ کو مخصوص طور پر عطا کئے گئے تھے وہ لَآ اَمْلِكُ کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کے بعد اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ فرمادیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے اپنے نفس کے نفع نقصان کا بھی اختیار نہیں۔ ہاں اتنا اختیار ہے جتنا خدا کی مشیت ہے یعنی جو خدا نے مجھے عطا کر دیئے ہیں وہی تصرفات میں کرسکتا ہوں، زیادہ نہیں کرسکتا۔

میرے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ لَآ اَمْلِكُ میں ملک حقیقی اور قدرتِ کاملہ کی نفی ہے اور اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ملک مجازی کا ثبوت۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے نفس کے کسی نفع نقصان کا تو حقیقی اختیار ہی نہیں نہ مجھ میں قدرتِ کاملہ ہے نہ کوئی چیز حقیقتاً میری ملک میں ہے کہ جب چاہوں بارش نازل کردوں، قحط دور کردوں، خدا کے خزانے کھول کر تم کو دولت تقسیم کردوں، پہاڑوں کو سونے کا بنادوں، جو کام کروں حقیقی اختیار سے کروں۔ ہاں جتنا اختیار و تصرف خدا نے مجھے عطا کردیا ہے، جو چیز اس نے مجھے دے دی ہے وہ موجود ہے۔ وہ چیزیں کیا تھیں جو خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو عطا کی تھیں؟ وہی کمالاتِ نبوت، اختیاراتِ رسالت، تصرفاتِ روحانی، خوارق عادت معجزات وغیرہ۔

دوسرے شبہ کا جواب ذرا تفصیل طلب ہے۔ غیب ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو علم نظر سے غائب ہو جس چیز کا ہم کو علم نہ ہو وہ ہمارے لحاظ سے غیب ہے۔ زید نہیں جانتا کہ عمرو کے دل میں کیا ہے۔ عمرو نہیں جانتا کہ بکر کا تخیل اور ارادہ کیا ہے؟ یہ سب غیب ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر شخص عالم الغیب ہے کیونکہ ہر شخص وہ باتیں جانتا ہے جن کا کسی دوسرے کو علم نہیں۔ اپنی جسمانی، دماغی، ذہنی اور احساسی حالت کو ہر شخص خود ہی جانتا ہے دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر شخص اُن چیزوں کا عالم ہے جو دوسرے کے علم سے غائب اور غیر کے لحاظ سے غیب ہیں۔ رسول پاکؐ بھی عالم الغیب تھے یعنی ان امور سے واقف تھے جو دیگر کائنات کا لحاظ کرتے ہوئے غیب تھیں۔ موجودات عالم کا کوئی فرد اسرار خداوندی نہیں جانتا تھا جو حضورؐ جانتے تھے۔ علام الغیوب سے جو تعلق حضورؐ کا تھا وہ کسی کا نہ تھا۔ فرشتوں، انسانوں اور جنوں کے علم کی رسائی وہاں تک نہ تھی جہاں تک حضورؐ کے علم کی رسائی تھی۔ اس بناء پر تمام خصوصیاتِ نبوت و اسرار رسالت، پیشین گوئیاں گذشتہ واقعات کی صحیح اطلاع، احوالِ قیامت کی خبر اور ذات و صفاتِ الٰہیہ کا بیان حضورؐ کے علم غیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی معنی سورۂ جن کی آیت لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آیت مذکورہ میں حضورؐ نے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس قسم کی نفی کی صراحت کی گئی ہے تو

اس کی وضاحت کے لئے غیب کی اقسام کو سمجھنا ضروری ہے۔

غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ چیزیں جن کے وجود اور وجود کی کیفیت و کنہ پر دلائل و شواہد نہ ہوں۔ (۲) وہ چیزیں جن کے وجود پر دلائل قائم ہوں مثلاً قیامت، حشر، نشر، ملائکہ، وجود صانع وغیرہ۔ غیب کی مقدم الذکر قسم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ جیسے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ یا قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ یا قُلْ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ وغیرہ میں اسی قسم کا غیب مراد ہے جس سے کوئی بھی سوا خدا کے واقف نہیں نہ کوئی نبی نہ فرشتہ۔ مثلاً اللہ کی پوری حقیقت ماہیت اُس کے صفات کاملہ کا علم مخلوقات کے انواع افراد اور ہر ذرہ کے غیر محدود کیفیات سے کسی کو واقفیت نہیں۔ مؤخر الذکر غیب کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ سب سے اعلیٰ صورت وہی ہے جس کا علم خداوند تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عطا فرمایا، اسرار وحی سے واقف کیا، اپنے ذات و صفات کا اجمالی علم عطا کیا، قیامت، موجودات قیامت یعنی آخرت، واقعات اور کچھ گزشتہ سوانح کا رسولوں کے دماغوں پر انکشاف کیا، حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق بتایا، دینی اعتبار سے مفید و مضر اور خیر و شر پر مطلع کیا۔ یہ سب انبیاء کے خصوصیات ہیں۔ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ الآیۃ کے یہی معنی ہیں۔ رہا دنیوی امور کا دینی ضروریات سے تعلق ہے وہاں تک انبیاء کو اس کا علم تھا اور جہاں دینی ضرورت حائل نہ تھی مثلاً کھجور کے نر و مادہ کے ملنے سے پھل خوب آتا ہے۔ کون سا تخم کس فصل میں بویا جاتا ہے، کس پھل کی پیداوار کس زمین میں اچھی ہوتی ہے، ہیرا، موتی کے کس طرح بنائے جا سکتے ہیں، حسب منشاء بارش کیسے برس سکتی ہے وغیرہ۔ تو ایسے بے کار امور کا انبیاء کے فرائض سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ دینی اصلاح ان باتوں کے جاننے پر موقوف ہے نہ اُخروی نجات کا ان چیزوں پر مدار ہے، اس لئے انبیاء کو ان باتوں کا علم نہ تھا جیسا کہ بعض صحیح احادیث سے مستنبط ہوتا ہے اور اگر ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ رسول پاکؐ نے اس چیز کو مابہ الفخر قرار دیا نہ کبھی اس کا اظہار کیا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان کوئی شخص خواہ کتنا ہی عالی قدر نبی ہو اپنے نفس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا۔ بغیر مشیت الٰہی کے کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا۔ وہ امور جو کائنات کی نظر سے غائب ہیں اور مخصوصات باری تعالیٰ ہیں اُن کا کسی کو علم نہیں۔ نبی کے فرائض میں صرف تبلیغ احکام اور عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی بشارت دینا ہے۔ عالم میں تصرف حقیقی کرنا اور مخصوص مغیبات بتانا فرائض نبوت سے خارج ہے۔ انبیاء کے دنیوی افعال و اعمال کے نتائج بھی کبھی موافق نہیں نکلتے یعنی دنیوی کاروبار میں کبھی نفع ہوتا تھا کبھی نقصان۔ کبھی انبیاء بیمار ہوتے تھے کبھی تندرست۔ آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کی ٹوہ میں لگا رہنا بے ہودہ بات ہے اس قسم کے سوال کرنا ہی لغو ہے۔ اس امر کی طرف بھی ایماء ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت سے کچھ مخصوص تصرف و اختیار بھی دیا تھا جو لوازم رسالت اور اقتضائیات نبوت میں سے تھا۔ آیت میں تنبیہ ہے اُن لوگوں کو جو انبیاء اولیاء کو مظہر الوہیت خیال کرتے ہیں اور تمام صفات ربانی سے اُن کو متصف جانتے ہیں اور تصرفات حقیقیہ کا مالک سمجھتے ہیں اور عالم کا مختار کل اور مطلق العنان حاکم یقین کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ

اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑ بنایا تاکہ جوڑے سے اسکو سکونِ خاطر حاصل ہو

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ

پھر جب مرد عورت پر چھا گیا تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا اور اس حالت میں وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اپنے

رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا

رب کو پکارا کہ اگر تو ہم کو نیک (بچہ) عنایت کرے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے لیکن جب اُن کو نیک بچہ دیا

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

تو لگے خدا کی دی ہوئی چیز میں اُس کے شریک بنانے پس اللہ اُن کی شرک انگیزیوں سے برتر ہے

تفسیر ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اور ہر گروہ نے اپنے مدعا کے ثبوت میں حدیث و اثر کو پیش کیا ہے ہم ذیل میں اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں :-

صاحب معالم و مدارک اور عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قصہ حضرت آدم و حوا کا ہے۔ سمرہ بن جندبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت حوا کے بچے زندہ نہ رہتے تھے یعنی کئی بچے پیدا ہونے کے بعد مر چکے تھے۔ جب ایک بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے آکر کہا اس کا نام عبد الحارث رکھو، زندہ رہے گا۔ حوا نے یہی نام رکھا وہ بچہ زندہ رہا۔ پس یہ شیطانی وسوسہ تھا اور شیطان نے یہ نام رکھنے کا حکم دیا تھا (رواہ الحاکم وقال حدیث صحیح ورواہ الترمذی وقال حسن غریب وقد رواہ احمد وابو العلی وابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ)۔

محمد بن اسحاق نے بطریق عکرمہ ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ حوا کے اولاد ہوتی تو آدمؑ اُن کے نام عبد اللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھا کرتے لیکن وہ مر جاتے بالآخر دونوں کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا اگر تم کوئی اور نام رکھو گے تو بچہ زندہ رہے گا۔ پس انھوں نے عبد الحارث نام رکھا اور بچہ زندہ رہا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا الخ وقد روی العوفی وسعید بن جبیر عن ابن عباس بنحوہ۔

سعید بن جبیر کی روایت میں اتنی اور صراحت ہے کہ میں وہی ہوں جس نے تم کو جنت سے نکالا تاکہ تم میری پیروی کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں سینگوں والا بچہ بنا دوں گا اور پیٹ پھٹ جائے گا۔ اسی قسم کی خوفناک باتیں کرتا رہا۔ آدم نے دو مرتبہ نہ مانا اور بچے مردہ پیدا ہوئے، مگر تیسری مرتبہ بچے کی محبت غالب آئی اور عبد الحارث نام رکھا۔ اس اثر کو ابن عباسؓ سے اُن کے شاگردوں کی ایک جماعت نے مثلاً مجاہد، سعید، عکرمہ وغیرہ نے طبقۂ دوم میں روایت کیا ہے، لیکن اس پر سخت ترین اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ آدمؑ نے نبی ہو کر شرک کیا اور حوا جیسی مقدس عورت نے بھی۔ دوسرے یہ کہ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ میں جمع کا صیغہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کرنے والی جماعت مراد ہے نہ کہ فقط آدم و حوا۔ تیسرے یہ کہ اگر شیطان نے ان کو بہکایا ہوتا تو لفظ مَا کی جگہ لفظ مَنْ آتا کیونکہ مَن کا اطلاق ذی عقل چیزوں پر ہوتا ہے اور مَا کا اطلاق غیر عاقل پر۔ چوتھے یہ کہ آدم کو خدا نے ہر چیز کے نام سکھا دئیے تھے اور ایک بار شیطان سے زک اٹھا بھی چکے تھے پھر کیا ممکن تھا کہ ان کو اتنا بھی معلوم نہ ہوتا کہ شیطان کا نام حارث ہے۔ وغیرہ۔

ان اعتراضات کے جوابات بہت ضعیف ہیں ہم ان کی تفصیل بخوف طوالت ترک کرتے ہیں کیونکہ کوئی جواب بجائے خود معقول نہیں مثلاً ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے شرک فی التسمیہ کیا شرک فی العبادت نہیں، مگر یہ جواب لغو ہے کیونکہ شرک فی التسمیہ بھی حرام ہے اور کوئی نبی مرتکب حرام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیگر جوابات بھی سطحی ہیں۔

ان اعتراضات سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا کہ نفس واحدہ سے مراد قُصَیّ ہے اور نفس قُصَیّ سے اس کی بیوی کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قُصَیّ کی نوع سے یعنی نوع انسانی سے خدا تعالیٰ نے اس کی بیوی کو پیدا کیا تاکہ اس کی طبیعت کو سکون اور روح کو راحت حاصل ہو۔ لیکن جب قُصَیّ کی اولاد ہوئی تو اس نے بجائے عبد اللہ، عبد الرحمٰن وغیرہ نام رکھنے کے عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ اور عبد قصی نام رکھے اور خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جو خالق نہیں اور پھر اس کی اولاد نے بھی شرک کیا۔

لیکن یہ تاویل بھی خلاف روایت ہے۔ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان آیات میں قُصَیّ اور اس کی بیوی کا بیان ہے لہٰذا صحیح مطلب وہ ہے جو حسن بصری، عکرمہ، ابو مسعود، ابن کیسان، ابن کثیر، امام رازی، بیضاوی اور دیگر محققین نے بیان کیا ہے کہ :-

جَعَلَ مِنْهَا میں مِنْ جزئیت کے لئے نہیں ہے بلکہ جنسیت کے لئے ہے اور نفس واحدہ سے ہر فرد مراد ہو سکتا ہے یعنی رب کریم اللہ نے ایک ہی نفس یعنی مرد کی نوع سے پیدا کیا، سب کو انسانی افراد بنایا، مرد کی بیوی کو بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا۔ جاندار کو اس کا جوڑا نہ بنایا تاکہ مرد کو عورت سے سکون

خلاصہ بات یہ ہے کہ مردوں میں ادھر ادھر پھرتے ہیں اور رات کو اپنے مسکن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عورت سے مرد کو راحتِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ عورت مرد کے تمام غموم و ہموم کی مونس و رفیق ہے۔ غرض جب عورت و مرد کی مواصلت ہوتی ہے تو ابتداءِ حمل میں عورت کو کچھ زیادہ بار محسوس نہیں ہوتا۔ بخوبی چلتی پھرتی اور کاروبار کرتی رہتی ہے، لیکن جب حمل کو زیادہ زمانہ گزر جاتا ہے اور بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا ہوتا ہے اس سے زندگی بھی بچتی ہے یا نہیں؟ اس لیے مرد عورت دونوں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا زندہ بچہ دے دیا تو ہم تیری شکر گزاری کریں گے پھر جب خدا ان کو بچہ حسبِ مراد دے دیتا ہے تو میں اگر خدا کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی ملا لیتے ہیں۔ کوئی طبیعت کے افعال کی طرف منسوب کرتا ہے، کوئی پیروں، فقیروں، بتوں، دیوتاؤں کی طرف کوئی بچوں کی چوٹی کسی پیر کے نام کی چھوڑتا ہے، کوئی کسی قبر پر لے جاتا ہے، کوئی نذر نیاز مانتا ہے۔ حالانکہ خدا ان تمام لغویات ..... اور شرکیات سے پاک ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے۔

اس مطلب کی تائید حسن بصری کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ ابن جریر نے بسند صحیح حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت بعض ملت والوں کے حق میں ہے حضرت آدم کے حق میں نہیں ہے۔

معمر کے طریق سے بسند صحیح حسن بصری کا قول مروی ہے کہ اس سے آدمؑ کی ذرّیت اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت آدم کے بعد شرک کیا مراد ہیں۔

قتادہ نے بروایت صحیحہ حسن کا قول بیان کیا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کے حق میں ہے۔ حسن بصریؒ کے ان اقوال سے تفسیر مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

اب رہا سمرہؓ کی روایت کردہ حدیث اور ابن عباس کے قول کا جواب تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ امام احمد نے جو روایت سمرہ بن جندبؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے وہ تین طریق سے معلول اور مجروح ہے۔ اوّل تو یہ کہ سلسلۂ روایت میں عمر بن ابراہیم رازی کا نام ہے جس کے متعلق ابو حاتم رازی کی صراحت ہے کہ یہ شخص قابلِ حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث مذکور بغیر رفع کے فقط سمرہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ یعنی حدیث مذکورہ رسول پاکؐ کا ارشاد نہیں بلکہ سمرہ کا قول ہے۔ تیسرے یہ کہ حسن بصری جنہوں نے یہ حدیث خود سمرہ سے سُن کر نقل کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر دوسرے طور پر بیان کرتے ہیں (جس کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا) اگر حسن بصری اس حدیث کو مرفوع جانتے تو تفسیر بالحدیث سے عدول نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ قول صحابی ہے جس میں احتمال ہے کہ کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ مومنین اہلِ کتاب سے لی گئی ہو جو ناقابلِ اعتبار ہے کیونکہ اس سے عصمتِ انبیاء پر حملہ ہوتا ہے جو صراحۃً نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ رہا ابن عباسؓ کے قول کا جواب تو وہ بھی ظاہر ہے کہ کسی اسرائیلی مؤمن سے سُن کر آپ نے بیان کیا ہوگا بلکہ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ کا جو قول بیان کیا ہے اُس میں صراحت ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ قصہ اُبی بن کعبؓ سے سُنا تھا۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ افرادِ انسانی کا مبدأ ایک ہی ہے۔ تخلیق زوجیت کی علت کی تصریح اور استمتاع کا بیان۔ اس بات کی تصریح کہ انسان مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتا ہے، لیکن مطلب پورا ہونے پر غیروں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا

کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ نہیں پیدا کر سکتیں بلکہ خود ہی مخلوق ہیں اور نہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں

وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ

اور نہ اپنی ہی مدد کرتے ہیں اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری پکار پر نہ چلیں

سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

تم پر برابر ہے کہ ان کو پکارو یا خاموش رہو جن کو اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں بھلا اگر تم ان کو پکارو تو اُن کو تمہارا کہنا کرنا چاہیئے اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ

سچے ہو کیا اُن کے ایسے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا

لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط

اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا اُن کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ مشرکوں کی بھی عجب کیفیت ہے۔ جب تک مطلب رہتا ہے، جان خطرے میں رہتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں، اس سے دعائیں کرتے ہیں، شکر گزاری کے وعدے کرتے ہیں۔ جب مطلب پورا ہو جاتا ہے، بامراد بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ناشکری اور شرک کرنے لگتے ہیں اور دوسری چیزوں کو اللہ الوہیت و ربوبیت میں شریک کرتے ہیں۔ دیوتاؤں کو اللہ کے ساتھ ملا کر حصہ دار بناتے ہیں۔ ان آیات میں انھیں حصہ داروں اور دیوتاؤں کے اوصاف کا بیان ہے کہ کم بخت اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں بھی تو ایسے شریکوں کو کہ وہ خود کچھ نہیں پیدا کر سکتے بلکہ دوسروں کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں یعنی اپنی خلقت میں دوسروں کے محتاج ہیں پھر خود خالق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی کی مدد نہیں کر سکتے کتنا ہی ان کی عبادت کرو۔ اللہ کا حصہ دار بھی بناؤ، مگر مصیبت پڑے پر کسی کی مدد نہیں کر سکتے اور دوسروں کی کیا مدد کر سکتے ہیں خود اپنی ذات پر کچھ دکھ آئے تو اُس کو دفع نہیں کر سکتے گویا وہ اپنی پیدائش میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں اور پیدائش کے بعد دفع ضرر میں بھی غیروں کے ضرورت مند ہیں۔

معاذ بن جبل رضؓ اور معاذ بن عمرو بن جموح کا قصہ مشہور ہے کہ یہ دونوں سعادت مند صحابی مشرکوں کے بُت توڑ کر تلف کر ڈالتے اور بتوں کے نام کی نکر (؟) نکال کر غریب بیوہ عورتوں کو لے جا کر دے دیتے تھے۔ معاذ بن عمرو کا باپ حالتِ کفر میں اپنی قوم کا سردار تھا اور اس نے ایک بُت بنا رکھا تھا جس کو روز غسل دیتا، خوشبو لگاتا اور آراستہ کرتا تھا، لیکن مذکورہ بالا دونوں جوان رات کو آ کر اس بُت کو اوندھا کر کے نجاست میں آلودہ کر دیتے تھے۔ صبح کو پھر وہ شخص اُس کو نہلا دُھلا کر بنا سنوار کر رکھ دیتا تھا۔ ایک روز اُس نے بُت کے پاس تلوار رکھ دی اور کہہ دیا کہ اگر تجھ کو کوئی آ کر ستائے تو اس تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ ان دونوں نوجوانوں نے رات کو جا کر بُت کے پاؤں میں رسی باندھی اور پھر اس کو ایک مُردار کتے کے ساتھ رسی میں باندھا اور اوندھے کنوئیں میں لٹکا دیا صبح کو عمرو بن جموح نے اُٹھ کر بُت کو اس حالت میں دیکھا تو سمجھا کہ میں باطل دین اور غلط اعتقاد پر ہوں۔ اسی وقت بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گیا اور جنگِ احد میں شہید ہوا۔

کافروں کے دیوتاؤں کی دو طرح مجبوری ظاہر کرنے کے بعد تیسری مجبوری اور ظاہر فرماتا ہے کہ اگر اُن کو سیدھے راستے کی طرف بلایا جائے تو وہ آ نہیں سکتے، اُن میں قدرت ہی نہیں کہ آسکیں خواہ ان کو کتنا ہی پکارو یا نہ پکارو۔ بہرحال وہ سنتے ہی نہیں تو پھر راہ پر کس طرح آ سکتے ہیں اور جب خود راہ پر نہیں آ سکتے تو دوسروں کو کس طرح راہ بتا سکتے ہیں۔ غرض تینوں اعتبار سے مجبور ہیں۔ خلقت دفع ضرر اور راہنمائی تینوں باتوں میں وہ دوسروں کے محتاج ہیں پھر ان کی پرستش اور اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ جن مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں، مورتیاں بڑے بڑے عظیم الشان آدمیوں کی ہیں۔ بعض لوگ ملائکہ اور شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ تمہارے دیوتا کوئی بھی ہوں تمہارے عقیدے کے موافق وہ تمہاری طرح اللہ کے محتاج ہیں۔ ان کو اپنے نفع و ضرر کا کوئی اختیار نہیں پھر تمہاری مدد کس طرح کر سکتے ہیں؟ اچھا ان کو پکار کر دیکھو وہ کس طرح تم کو جواب بھی نہ دے سکیں گے۔ مدد کرنا تو بجائے خود

رہا کم از کم انسان ہی دیکھ لو کہ قدرت و اختیار اور تصرف و طاقت تو بڑی چیز ہے۔ اُن میں انسانوں کی طرح اعضا بھی نہیں نہ چلنے کے لئے پاؤں ہیں نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں نہ سُننے کے لئے کان اور تمہارے پاس یہ سب چیزیں ہیں۔ پھر تم باوجود ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان رکھنے کے اپنے سے کمزور ترین بے جان چیزوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اور کیوں ان کو خدا کا حصہ قرار دیتے ہو۔

مقصود بیان کفار کی شرک پرستی کی مدلل تردید اور اس بات کی طرف ایماء کہ معبود کو قادر، خالق، صاحب اختیار اور مالک بصیرت ہونا چاہیئے۔ انسان کی بیوقوفی اور کوتاہ بینی پر تعس کہ اپنے سے ادنیٰ اور عاجز ترین مخلوق کی پرستش کرتا ہے۔ وغیرہ۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ۝ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي

(اے محمدؐ) کہہ دو کہ اپنے (تجویز کردہ) شرکاء کو بلا لو پھر مجھ پر داؤ کرو اور مجھے مہلت نہ دو میرا حامی تو وہی اللہ ہے جس نے

نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا

کتاب اُتاری اور وہی نیکوکاروں کی حمایت کرتا ہے اور اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ

يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۝ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ

نہ تمہاری مدد کرنے پر قادر ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ

لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝

تو وہ کچھ نہ سنیں تم اُن کو خیال کرتے ہو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ اُن کو سوجھتا نہیں

تفسیر آیات مذکورہ میں جب کافروں کے دیوتاؤں کی مذمت کی گئی اور رسول پاکؐ نے بتوں کو اور کفار کے معبودوں کو علی الاعلان برا کہا تو قریش کے بعض آدمی کہنے لگے "محمدؐ! تم ان کو برا نہ کہو۔ ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے دیوتا تم کو دکھ نہ پہنچا دیں"۔ حضرت ہودؑ کی قوم نے بھی ایسا ہی کہا تھا اِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ۔ خدا تعالیٰ یہاں جواب تعلیم فرماتا ہے اور نبی کو تعلیم دیتا ہے کہ تم ان کافروں سے کہہ دو کہ جس قدر تمہارے دیوتا معبود ہیں جن کو تم اللہ کا شریک سمجھتے ہو سب کو بلا لو اور میرے ضرر پر آمادہ کرو پھر تم اور تمہارے دیوتا سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کی تدبیریں کرو اور مجھے بالکل بچاؤ کا موقع اور مہلت نہ دو۔ دیکھو کوئی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا بغیر مشیت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ میرا حافظ و ناصر ہے بلکہ تمام نیک لوگوں کا وہی کارساز و مددگار ہے۔ میں تو پھر رسول ہوں وہ میری مدد کیوں نہیں کرے گا۔ رہے تمہارے دیوتا تو وہ بیچارے مجبور محض ہیں نہ اُن میں دفع ضرر کی طاقت کہ تمہاری مدد کر سکیں یا اپنے اوپر ہی سے دُکھ دور کر سکیں۔ نہ اُن کے پاس کان اور آنکھیں کہ سُن اور دیکھ سکیں۔ اُن کو کتنا ہی پکارو اور سیدھا راستہ دکھاؤ مگر اُن کے پاس کان ہی نہیں کہ سُنیں بظاہر آنکھیں دکھائی دیتی ہیں یعنی آنکھوں کی تصویر کافروں نے مورتیوں میں بنا دی ہے مگر اُن میں نور نہیں پھر دکھائی کس طرح دے۔ غرض یہ کہ جب وہ اپنا دُکھ دور نہیں کر سکتے، دوسروں کی مدد نہیں کر سکتے، کسی کے کام نہیں آ سکتے، کچھ سُن نہیں سکتے، کچھ دیکھ نہیں سکتے تو پھر مجھے ضرر کیسے پہنچا سکتے ہیں۔ باوجودیکہ میرا حافظ و ناصر خدا ہے یعنی ایک تو اُن میں ضرر رسانی کی طاقت نہیں دوسرے خدا میرا مددگار پھر مجھے کیا اندیشہ۔

تحقیق اجزاء يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صالحین وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کے لئے کچھ اندوختہ نہیں کیا تھا۔ لوگوں نے اس کو مصلحت بینی کے خلاف سمجھا۔ آپ نے فرمایا میری اولاد صالح ہوگی یا غیر صالح۔ اگر صالح ہوگی تو اللہ اس کا ولی اور کارساز ہے پھر اس کو میرے مال کی کیا حاجت اور اگر غیر صالح ہوگی

تو میرا اس سے کیا تعلق اس کے اہتمام میں میرا مشغول ہونا بیکار ہے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ سے لَا يُبْصِرُوْنَ تک۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین کے نزدیک بتوں کی حالت کے بیان میں ہے اور کلام پاک کی رفتار عبارت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ اوپر سے برابر بتوں کی حالت کا بیان چلا آ رہا ہے لیکن سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مشرکوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں کو کتنا ہی ہدایت کی طرف بلاؤ مگر وہ ایک نہ سنیں گے۔ اُن کے پاس گوش حق نیوش ہی نہیں ہیں۔ نہ اُن کے پاس آنکھیں ہیں کہ دیکھ سکیں۔ اگرچہ بظاہر ان کی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں اور تم کو ایسا معلوم بھی ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں مگر اُن کے پاس چشم حقیقت بین نہیں ہیں کہ وہ حقانیت و صداقت کو دیکھ سکیں اور جب باطن میں آنکھیں نہیں تو ظاہر میں آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

مقصود بیان آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ مومن کامل کو کسی شیطانی طاقت سے ڈرنا نہ چاہیئے۔ صالح بندوں کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا اور اسی کو اپنا کارساز حقیقی یقین رکھنا لازم ہے۔ سوائے خدا کے کوئی مدد نہیں کر سکتا نہ اپنے نفع اور ضرر کو دور کر سکتا ہے۔ خاص ایماء اور ضمنی تنبیہ اس امر پر بھی ہے کہ گوش حق نیوش اور چشم حقیقت نگر کی ضرورت ہے۔ مادی کان اور آنکھیں وجہ امتیاز نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی کی طرف حضور اقدس نے اشارہ فرمایا من رانی فقد رای الحق۔ دوسری جگہ فطوبی لمن رانی ولمن رای من رانی یعنی جس نے مجھے چشم بصیرت اور عین حقیقت نگر سے دیکھا اُس نے حق و صداقت اور جلوۂ الٰہی کو دیکھ لیا۔ خوشخبری اور بشارت ہو اس شخص کو جس نے مجھے چشم باطن سے دیکھ لیا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

(اے محمد) عفو کو اختیار کرو اور نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو اگر تم کو کبھی شیطان کی چھیڑ چھاڑ

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اُبھار دے تو اللہ کی پناہ مانگو بلاشبہ وہی سنتا جانتا ہے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں اسلاف کا اختلاف ہے۔ بروایت علی بن طلحہ ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عفو سے مراد وہ مال ہے جو لوگ لا کر رسول اللہ کو دے دیں۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ حکم سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا جس وقت تک کہ فرائض و صدقات کی تفصیل نازل نہ ہوئی تھی۔ ضحاک و سعید بن جبیر کی روایت بھی علی بن طلحہ کی روایت کے ہم معنی ہے لیکن عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر، ام المومنین عائشہ رضؓ، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ اہل تحقیق کے نزدیک عفو سے مراد عدم تشدد، چشم پوشی، درگزر اور مسامحت ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن کثیر اور شیخ جلال کا بھی یہی مختار ہے۔ احادیث و آثار سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم کی مرسل روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضورؐ نے جبرئیل سے اس کے معنی دریافت کئے۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں جو آپ کو نہ دے آپ اس کو دیں جو آپ سے رشتہ توڑے آپ اُس سے جوڑیں۔ جابر اور قیس بن سعد کی مرفوع روایت جس کو امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اسی کی تائید کرتی ہے۔ بروایت بخاری عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا۔ یہ آیت لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل ہوئی۔ بخاری میں ایک طویل روایت ہے کہ عیینہ بن حصن مدینہ میں آکر اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس ٹھہرا۔ حر نے حضرت عمرؓ سے سفارش کی کہ عیینہ کو کہیں حکومت کے کام پر مقرر کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا۔ عیینہ نے کھڑے ہو کر کہا اے عمر! آپ نہ تو ہم کو کافی مال دیتے ہیں اور نہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ کو یہ الفاظ سن کر غصہ آیا اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں کہ حر نے عرض کیا۔ امیر المومنین! اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ: خُذِ الْعَفْوَ الخ یہ جاہل ہے۔ حضرت عمرؓ فوراً ٹھہر گئے

کیونکہ کلام پاک سنتے ہی آپ ٹھہر جاتے تھے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر کا گزر اہلِ شام کے ایک قافلہ کی طرف سے ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ اُن کے اونٹوں کی گردنوں میں چھوٹی گھنٹیاں بندھی ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس حرکت سے اُن کو منع کیا۔ وہ بولے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے ہاں بڑا جلجل یعنی گھنٹا ممنوع ہے۔ سالم نے آیت مذکورہ پڑھی اور خاموش ہو رہے (رواہ ابن ابی حاتم) ان آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عفو سے مراد درگزر اور چشم پوشی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے نبی! اگر لوگوں کے برتاؤ سے تمہارے متعلق کچھ بے عنوانی ہو جائے تو اُس کو معاف کرو، تشدد نہ کرو اور نیک کاموں کی تعلیم دو۔ اور اگر اس تعلیم کے بعد بھی کوئی جہالت کرے اور نہ مانے اور بے ہودگی کرنے لگے تو اُس سے کنارہ کشی کرو لڑنے نہ لگو۔ رحلن میں کارِ شیطان کو دخل نہ دو اور اگر کسی وقت (انتقام کے لئے) دل میں کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہو تو جب یاد آئے اللہ کی پناہ پکڑو اور سنبھل جاؤ۔

تحقیقِ اجزاء

عُرف کے معنی عروہ بن زبیر، سدی، قتادہ اور ابن جریر وغیرہ کے نزدیک معروف کے ہیں اور اس میں جملہ طاعات داخل ہیں۔

جاہلوں سے اعراض کرنے اور کنارہ کشی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اخلاقی امور میں لوگوں کی زیادتی برداشت کرو اور انتقام کے درپے نہ ہو۔ یہ مراد نہیں کہ جو اللہ کے حقوقِ واجبہ میں جہالت کرے، اللہ کو بُرا بھلا کہے، فرائضِ الٰہیہ کو ترک کرے اُس سے بھی تعرض نہ کرو اور مطلق العنان چھوڑ دو۔ اس تقدیر پر یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ مجاہد و قتادہ کا یہی قول ہے لیکن عطا اور ابن زید کے نزدیک آیۃ السیف اس آیت کے حکم کی ناسخ ہے۔ بعض کے نزدیک آیت کا اول و آخر حصہ منسوخ ہے درمیانی حصہ محکم ہے۔ سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں منجملہ دیگر شہداء کے حضرت حمزہؓ بھی تھے جن کو کافروں نے مثلہ کر ڈالا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ میں ستر آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔ اس پر جبرئیلؑ یہ آیت لائے (رواہ ابن مردویہ) اس تقدیر پر شانِ نزول خاص ہوگی مگر حکم بہر حال عمومی ہوگا۔

نَزْغٌ سے مراد اغواء یا وسوسہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت عفو و اعراض نازل ہوئی تو رسول پاکؐ نے دعا کی کہ پروردگار میں غضب کا کیا علاج کروں؟ اُس پر اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ الآیۃ نازل ہوئی۔ اس صورت میں نَزْغ سے مراد غصہ ہوگا۔

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ آیت میں خطاب رسول اللہؐ کو ہے اور رسول اللہ یقیناً معصوم تھے۔ پھر وسوسہ شیطانی کا اندیشہ اور اُس کو دور کرنے کے لئے اللہ کی پناہ چاہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ آیت میں خطاب اگرچہ آنحضرتؐ کو ہے مگر مراد افرادِ اُمت ہیں۔ یا یہ حکم اور خطاب بطریقِ فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو اللہ سے پناہ مانگنا۔

سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ انبیاء یقیناً معصوم ہوتے ہیں یعنی شیطان کو اُن پر قابو نہیں ہوتا اور وہ گناہ نہیں کرتے اور صرف وسوسہ گناہ نہیں۔ شیطان انبیاء کے دل میں بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے اور خطرہ پیدا کر سکتا ہے مگر انبیاء اس کے پھندے میں پھنستے نہیں ہیں اور شیطان کا وسوسہ اُن کو کج راہ نہیں کر سکتا جس کی تدبیر خدا تعالیٰ نے بتا دی کہ شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ مانگا کرو۔ بس شیطانی وسوسہ جاتا رہے گا۔

مقصودِ بیان

مکارمِ اخلاق کی تعلیم، حلم اور درگزر کا حکم، امرِ خیر کی تلقین کی صراحت، جاہلوں اور بیہودہ لوگوں سے پہلو تہی اور کنارہ کشی کرنے کا امر، شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم، آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے بلکہ مصرح ہے کہ اگر نادانوں کی حرکات پر غصہ آئے اور انسان کو مغضوب الغضب ہونے کا اندیشہ ہو تو اعوذ باللہ پڑھے فوراً غصہ جاتا رہے گا۔ اسی مضمون کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ صحاح میں مذکور ہے کہ دو شخص باہم لڑ رہے تھے۔ ایک مغلوب الغضب ہو گیا۔ حضورؐ نے یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر یہ شخص وہ الفاظ کہے گا تو اس کا یہ اندرونی احساس و غضب جاتا رہے گا۔ وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ہے۔ ضمنی طور پر آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ شیطان انبیاء کے دل میں بھی وسوسے ڈال سکتا ہے اگرچہ ناکام رہتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ معمولی آدمیوں کی طرح انبیاء کو خطور ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں اور ایک دم

مُّبْصِرُونَ ۞ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝

ہوشیار ہو جاتے ہیں اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور کمی نہیں کرتے

تفسیر اوپر کی آیت میں اُس وسوسہ کا ذکر تھا جو شیطان کی طرف سے انبیاء کی شانِ تقدس کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اب عام انسانوں کی حالت بیان فرماتا ہے۔ عام انسانوں کے دو گروہ ہیں نیک اور بد۔ مومن اور کافر دونوں کی حالت الگ الگ ظاہر فرماتا ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ شرک اور معصیت سے بچنے والے ہیں جب اُن کے دل میں کوئی شیطانی وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور اغوا کی کوئی خیالی تصویر اُن کے دماغ میں آتی ہے اور وہ مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں تو فوراً وہ اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ بس جونہی انہوں نے یادِ خدا کی اور وہ ظلماتی تاریک تصویر اُن کی آنکھوں سے دور ہوئی۔ پردۂ ظلمت اُن کے دماغ سے ہٹ گیا اور ان کو حق نظر آنے لگا۔

لیکن جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی خبیث کافر ہیں وہ شیطانوں کی باتیں مانتے ہیں، ان کی پیروی کرتے ہیں۔ شیاطین برابر اُن کو گمراہی میں بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور گمراہی میں بڑھانے سے کمی نہیں کرتے۔ شیاطین کافروں کا پیچھا نہیں چھوڑتے مرتے دم تک ساتھ لگے رہتے ہیں اور کافر بھی ان کی پیروی میں کمی نہیں کرتے۔

مقصودِ بیان کافر و مومن کی حالت کے فرق کا بیان۔ اس امر کی تلقین کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی شیطان کا وسوسہ ہو اور وہ مغلوب الغضب ہو جائے یا کسی گناہ کا ارادہ اُس کے دل میں پیدا ہو جائے تو اس کو فوراً یادِ خدا کرنی چاہیئے تاکہ شیطانی اغوا کا پردہ اس کی روح سے ہٹ جائے اور نورِ حق پھر چمکنے لگے۔ اس بات پر ضمنی تنبیہ کہ جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ جو حکم شیطان کا ہے وہی ان کا ہے۔ نہ مرتے دم تک شیطان اُن سے الگ ہوگا نہ وہ شیطان سے جدا ہوں گے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

اور جب تم اُن کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں تم نے اس کو بھی کیوں نہ گھڑ لیا (اے نبی) کہہ دو کہ میں صرف اُسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس

مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

میرے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے سوجھ کی باتیں اور ایماندار قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ شیطان پرست لوگ اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ گناہ پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور اُن کے مددگار یعنی شیاطین اُن کو تباہی و سرکشی کی طرف اور بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں میں سے کوئی بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ بروایت ابن کثیر انہی کفار میں سے کچھ خبیث کافر ایسے بھی تھے جو رسول سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور اپنی کج بحثی سے طرح طرح کے معجزات طلب کرنے لگتے تھے اور جب اُن کی خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزے نہیں ظاہر فرماتے تو کہتے تم نے اپنی طرف سے بنا کر کیوں کوئی معجزہ ظاہر نہیں کر دیا۔ ایسے بد باطن لوگوں کو جواب دینے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا۔

ابن عباس، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید کے نزدیک لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کی خواہش کے مطابق آپ معجزہ نہیں دکھاتے تو وہ کہتے ہیں تم اپنی طرف سے بنا کر معجزہ کیوں نہیں نکال لائے۔ ابن جریر نے اسی مطلب کو اختیار کیا ہے لیکن ضحاک نے اس طرح ترجمہ کیا ہے تم خود جا کر اس کو آسمان سے کیوں نہیں لے آئے یعنی اگر وحی نہیں آئی تھی تو خود جا کر لے آئے ہوتے۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اُن سے کہہ دو کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو پروردگار کی طرف سے وحی آتی ہے جناب الٰہی میں خود پیش قدمی نہیں کرتا اگر اجازت ہوئی تو مانگتا ہوں ورنہ خود جرأت نہیں کرتا۔ وحی کا منتظر رہتا ہوں اور پھر مزید معجزے کی درخواست کرنے سے حاصل بھی کیا ہے۔ یہ قرآن کیا کم معجزہ ہے۔ جو لوگ ایمان لانے والے ہیں ان کے فلاح کا کل مواد اس میں موجود ہے۔ اس کے اندر بصائر بھی ہیں ہدیٰ بھی اور رحمت بھی۔ یعنی اس میں توحید، نبوت اور معاد کے حال کا بیان ہے۔ گزشتہ انبیاء اور اُن کی قوموں کے واقعات کا اظہار ہے۔ اس لئے قرآن پاک مجسم بصائر ہے۔ عین الیقین کا مرتبہ رکھنے والے توحید و نبوت و معاد کے معارف کا مشاہدہ کرنے والے اس سے بصیرت اندوز ہوتے ہیں اور جو لوگ علم الیقین کے طالب ہیں اُن کے لئے قرآن ہدایت ہے اور عام لوگوں کے لئے رحمت ہے۔ لہٰذا ہر طالب فلاح اس سے فلاح یاب ہو سکتا ہے مزید معجزے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ضمیمہ اہلِ ایمان کے تین درجات ہیں:۔ (۱) وہ مومن جو توحید و معرفت کی انتہا کو پہنچ گئے اور اس درجہ پر فائز ہو گئے گویا وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ مرتبہ عین الیقین رکھنے والوں کا ہے۔ ان لوگوں کے لئے قرآن بصائر ہے (۲) وہ مومن جن کا علم توحید محض استدلالی اور نظری ہے کشف و مشاہدہ کو دخل نہیں۔ ان کا مرتبہ اول گروہ کے مرتبہ سے کمزور ہے۔ یہ لوگ علم الیقین والے کہلاتے ہیں ان کے لئے قرآن ہدایت ہے (۳) تیسرا گروہ عام مومنین کا ہے جن کا ایمان بغیر مشاہدہ اور بلا استدلال کے ہے۔ نہ تو انھوں نے درجاتِ توحید کا مشاہدہ کیا نہ قوتِ نظر واستدلال سے علم توحید حاصل کیا بلکہ یونہی مان لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن رحمت ہے۔

اس تقریر پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر قرآن عین الیقین رکھنے والوں کے لئے بصائر ہوگا تو مشرکوں اور کافروں کے لئے بصائر نہ ہوگا کیونکہ کفار عین الیقین نہیں رکھتے۔ پھر کفار پر حجت قائم نہ ہوگی حالانکہ اصل مقصود یہی ہے۔ اس لئے ابوسعود نے جو تفسیر بیان کی ہے وہی صحیح ہے یعنی قرآن کا بصائر ہونا تو تمام لوگوں کے لئے ہے خواہ کافر ہوں یا مومن اور مومن بھی کسی درجے کے ہوں۔ باقی ہدایت و رحمت فقط اہلِ ایمان کے لئے ہے اسی لئے بصائر کے بعد مِنْ رَّبِّكُمْ عمومی خطاب کا صیغہ استعمال کیا جس میں کافر اور مومن سب داخل ہیں اور هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کا لفظ ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان اس بات کا اظہار کہ فرمائشی معجزات انبیاء کو پیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ بغیر حکم الٰہی کے انبیاء کسی چیز کی طلب بھی نہیں کرتے۔ قرآن میں عقلاء کے ہر گروہ کے فلاح کا مواد موجود ہے۔ دانشمندوں اور فلاسفروں کے لئے اسباب بصیرت و دانش بھی اس میں موجود ہیں اور متوسط عقل والوں کے لئے اسبابِ ہدایت بھی اور عام لوگوں کے لئے ذریعۂ نجات و رحمت بھی۔ خلاصہ یہ کہ ہر فرقہ اپنی عقل کے مطابق اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

تفسیر اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلی آیتوں سے مربوط ہے۔ دوسرے یہ کہ کلام جدید ہے پہلے کلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مربوط ہونے کی یہ صورت ہوگی کہ جب اوپر کی آیت میں فرما دیا کہ قرآن بصائر و ہدایت اور رحمت ہے تو اس کی تعظیم و احترام، تعمیل احکام متوجہ ہو کر سننا اور خاموش رہنا واجب ہو گیا۔ لہٰذا حکم دے دیا کہ جس وقت قرآن پڑھا جائے تو غور کر کے سنو تعمیل احکام کرو اور چپ رہو یعنی

کفار کے اس قول پر کوئی توجہ نہ کرو جس میں وہ قرآن کے سننے کو منع کرتے ہیں اور تلاوتِ قرآن کے وقت گڑبڑ پھیلانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اگر ایسا کرو گے تو قرآن کے اندر جو حکمتیں اور خوبیاں بھری ہیں اُن سے تم کو نصیحت حاصل ہوگی۔ اور تم پر خدا تعالیٰ رحمت نازل فرمائے گا۔

اگر آیت مذکورہ کو کلام جدید کہا جائے گا تو سببِ نزول بیان کرنا لازم ہے۔ سببِ نزول میں اختلاف ہے:۔

(۱) نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے اس کی ممانعت کے لئے یہ حکم نازل ہوا۔

(۲) نماز میں بعض لوگ امام کے پیچھے قرآن پڑھا کرتے تھے اُس کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) عیدین و جمعہ کا خطبہ سننے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ ایک انصاری نوجوان بھی حاضر تھا۔ جب حضورؐ کوئی آیت پڑھتے تو وہ بھی پڑھتا جاتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر عن الزہری واسنادہٗ جید) پہلا قول قتادہ کا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے لیکن ابو ہریرہؓ نے کسی دوسرے سے سُن کر یہ سببِ نزول بیان کیا ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ایمان لانا بعد ہجرت کے بزمانۂ خیبر واقع ہے۔ پھر کس طرح کی آیت کا سببِ نزول بیان کرسکتے تھے۔

ابن مسعودؓ کی روایت میں باتیں کرنے کا تذکرہ نہیں بلکہ سلام کرنے کا ہے یعنی لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی (رواہ ابن جریر) دوسرے قول کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جہر سے قرأت کی تھی۔ سلام پھیر کر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ کچھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! میں نے۔ فرمایا میں کہتا ہوں کہ قرآن میں میرے ساتھ کیوں گڑبڑ کی جاتی ہے؟ اس کے بعد جب حضورؐ جہر یہ قرأت کرتے تو لوگ پڑھنے سے باز رہتے (رواہ احمد واہل السنن و قال الترمذی حدیث حسن وصححہ ابو حاتم الرازی)

اسی مضمون کی روایات ابن مسعود، عمران بن حصین اور جابر بن عبداللہ سے بھی منقول ہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبّر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ یعنی امام کو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ زہری و نخعی وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ تیسرا قول ابن عباسؓ کا ہے۔ سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن کثیرؒ نے بھی اسی کو ارجح قرار دیا ہے مگر واقع میں یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ آیت مکی ہے اور خطبہ کی مشروعیت مدینہ میں آکر ہوئی۔ پھر سببِ مقدم کو مؤخر حکم کی علت نہیں قرار دیا جاسکتا آخری قول عام احناف کا ہے۔ علمائے حنفیہ کا مسلک ہے کہ نماز کے اندر امام بالجہر قرأت کرے یا نماز سے باہر کوئی قرآن تلاوت کرے۔ بہرحال اس کا سننا واجب ہے اور چپ رہنا ضروری ہے۔

مسئلہ مستنبطہ اسی بناء پر احناف کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے۔ جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جو شخص نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اُس کی نماز نہ ہوگی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح) احمد اور مالک نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ طحاوی نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔ اسی مضمون کی اور بہت سی احادیث امام محمد اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہیں۔ صحابہ میں سے ابن مسعودؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابن عمرؓ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھی جائے لیکن شافعیؒ اور بعض محدثین آیت اور احادیث مذکورہ کو مخصوص کرکے امام کے پیچھے صرف الحمد پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ جب امام سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی الحمد پڑھے۔ ترمذی میں ہے کہ واختار اصحٰب الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جہر الامام بالقراءۃ وقالوا یتتبع سکتات الامام۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: من صلّٰی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القراٰن فھی خداج غیر تمام۔ یعنی جس نے نماز میں الحمد نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ناتمام ہوئی لیکن سرگروہ محدثین امام احمد نے اس حدیث کو حالتِ انفراد پر محمول کیا ہے۔ یعنی الحمد کا پڑھنا اُس شخص کے لئے ضروری ہے جو بغیر جماعت کے تنہا نماز

بڑھ رہا ہو اور اگر امام کے پیچھے ہو تو الحمد نہ پڑھنی چاہیئے

ترمذی میں ہے ۔ اما امام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام ۔ والعلم عند اللہ ۔

مقصودِ بیان قرآن کی تعظیم واحترام کا حکم ۔ تلاوتِ کلام مجید کے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کا وجوب ، فرمانِ الٰہی کو سننے میں غرق ہو جانے کی تعلیم وغیرہ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور اللہ کو اپنے دل میں صبح وشام عاجزی سے اور آہستہ آواز سے نہ بلند آواز سے

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۝

یاد کرو اور غافل نہ ہو

تفسیر اوپر کی آیات میں تلاوتِ قرآن کے وقت بگوشِ دل سننے کا حکم دیا تھا جو یادِ الٰہی کی ایک خاص شکل اور تعمیلِ حکم کی ایک خاص صورت تھی اب عمومی یاد کا حکم دیا جاتا ہے ۔

ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا اعضائے جسمانی سے خواہ قرآن مجید کے پڑھنے سے ہو خواہ نماز میں خواہ دعا میں خواہ اللہ کے ننانوے ناموں کی شکل میں ۔ یہ تمام ذکرِ الٰہی کی صورتیں ہیں اور ہر شخص کی حالت کے مناسب ذکر کی مختلف شکلیں ہیں ۔

ذکر کے ساتھ یہاں چند قیود کو بیان کیا ۔ اول تو یہ کہ دل میں یادِ الٰہی ہو ۔ یعنی جو الفاظ زبان سے نکلیں اُن کے معانی سے واقف بھی ہو ۔ دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو ، صرف زبانی روانی نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ عجز و نیاز اور فروتنی کے ساتھ یادِ الٰہی ہو ۔ اللہ کے جلال سے ڈرتا بھی ہو اور اس کے انعام کی امید بھی رکھتا ہو ۔ تیسرے یہ کہ خوف کی حالت میں ہو یعنی کبھی اپنی عبادت کے ناقص ہونے کا اندیشہ لگا ہو ، کبھی اللہ کی بے نیازی کا ، کبھی عذابِ خداوندی کا ، کبھی اپنی کمزوری اور شیطانی اغوا کا ۔ چوتھے یہ کہ چلا کر نہ ہو ۔ یعنی نہ تو اللہ کی یاد کے وقت گدھوں کی طرح چلائے کہ تخیل کی یکسوئی اور طمانیتِ روح غائب ہو جائے اور دل توجہ الی اللہ سے ہٹ جائے اور نہ اس قدر پست آواز سے لبوں ہی لبوں میں یادِ الٰہی کرے کہ خود بھی نہ سن سکے ۔ بلکہ درمیانی طور پر ہو ۔ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے ۔ چیخ چیخ کر تکبیر وتہلیل کرنے سے حضور نے صحابہ کو منع فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو (پھر اس قدر چلانے کی کیا ضرورت) درمیانی آواز سے یادِ الٰہی کرنے سے خیالات کی یکسوئی باقی رہتی ہے ۔ روح اور دل یادِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں ۔ پانچویں یہ کہ صبح وشام یعنی طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ، عصر کے بعد سے مغرب تک یادِ الٰہی کرو ۔ چونکہ یہ دونوں وقت شب وروز کے تبادلے کے وقت ہیں اور لیل ونہار کے انقلاب سے انسان کی جسمانی وروحانی حالت میں بھی خاص انقلاب پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس وقت ذکرِ الٰہی زیادہ ضروری ہے ۔ فرشتوں کی توجہ بھی خاص طور پر اس وقت سروں کی طرف ہوتی ہے اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا بھی ان اوقات میں تبادلہ ہوتا ہے ۔

بعض مفسرین نے اس سے فجر ، عصر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں ۔ چھٹے یہ کہ یادِ الٰہی فقط صبح وشام یا مخصوص اوقات میں ہی نہ ہو بلکہ ہر وقت ہو ۔ اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے ، سوتے جاگتے اللہ کی طرف سے توجہ نہ ہٹنی چاہیئے ۔ ہر کام خواہ دنیوی ہو یا دینی اُس کا اصل مقصد رضائے الٰہی کو سمجھنا چاہیئے ۔ ایک دم یادِ مولا سے غفلت نہ کرنی چاہیئے ۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسولِ پاک کو ہو مگر تعلیمِ افرادِ اُمت مقصود ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے غفلت کا صدور تو ناممکن تھا۔

مقصود بیان ذکر قلبی کا حکم۔ یاد الٰہی کے وقت چلانے پکارنے کی ضمنی ممانعت، یاد الٰہی کے وقت عاجزی و فروتنی کرنے کی تعلیم اور خاموش رہنے کی شرط یا چپکے چپکے یاد کرنے کا امر۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩

بیشک وہ (فرشتے) جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر کفار کہ اللہ کو سجدہ کرنے سے سرکشی کرتے تھے اور کہتے تھے جس کو محمد سجدہ کرتا ہے کیا ہم بھی اسی کو سجدہ کرنے لگیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ چونکہ اوپر کی آیت میں حکم دیا تھا کہ ہر وقت یاد الٰہی کرنی چاہیئے۔ کسی وقت اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹانی چاہیئے۔ اس لئے اب فرماتا ہے کہ یہ حکم تمہارے ہی لئے فقط نہیں ہے بلکہ ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کر سکتے بلکہ اعضائے جسمانی اور دل سے اس کی یاد کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر سراج میں ہے کہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔ دل سے تعلق رکھنے والے اور دیگر اعضائے جسم سے تعلق رکھنے والے۔ قلبی اعمال تو یہ ہیں کہ اللہ کو ہر عیب و برائی سے پاک سمجھے۔ اس کی طرف اشارہ لفظ يُسَبِّحُونَ سے کر دیا اور اعضاء کے اعمال میں سب سے بڑھ کر سجدہ ہے اس کو وَلَهُ يَسْجُدُونَ میں بیان کر دیا۔ حاصل یہ نکلا کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد پاک رکھنے چاہئیں اور اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے تاکہ ملائکہ کے ساتھ مشابہت و موافقت ہو جائے۔

مقصود بیان صبح و شام کے وقت خصوصیت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کی ہدایت، اس امر کی تصریح کہ کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اگر زبانی یاد ممکن نہ ہو تو دل کو کم از کم اسی کی طرف لگائے رکھنا چاہیئے۔ اس بات کی وضاحت کہ آدمی تو کیا چیز ہیں فرشتے بھی ہر وقت اللہ سے لو لگائے اور اس کی عبادت میں غرق رہتے ہیں۔ اتنی پاک اور مقدس مخلوق بھی اللہ سے سرکشی نہیں کر سکتی۔ پھر گندے بندے کی کیا مجال کہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے کو باعث عار سمجھے۔ وغیرہ

تنبیہ خاص قرآن پاک میں یہ پہلا سجدہ ہے۔ اس کو پڑھنے یا سننے کے وقت سجدہ کرنا واجب ہے۔ احادیث و آثار میں سجدۂ تلاوت کی بہت تاکید آئی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی سورت پڑھتے اور سجدہ کرتے ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض آدمیوں کو پیشانی رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ و فی الباب احادیث۔

سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَعَشْرُ رُكُوعَاتٍ

سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں

حسن بصری، عکرمہ، جابر بن زید، عطاء، عبداللہ بن زبیر اور زید بن ثابت وغیرہ کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ کل مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس نے اس کا نام سورۂ بدر بھی بتایا ہے۔ ابن عباس کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ سورت علاوہ سات آیتوں کے مدنی ہے سات آیتیں مکی ہیں یعنی وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا سے آخر رکوع تک مکی ہیں باقی مدنی۔

اس سورت میں ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیات۔ ۱۷۵ کلمات اور ۵۰۸۰ حروف ہیں۔

نماز مغرب میں کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے تھے (رواہ الطبری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

(اے نبی) تم سے مالِ غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اموالِ غنیمت اللہ اور رسول کے ہیں پس اللہ سے ڈرو

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اور اپنے آپس میں صلح رکھو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اگر تم ایماندار ہو

تفسیر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب بدر میں گئے۔ کافروں اور مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ ہوا۔ کافروں کو اللہ نے شکست فاش دی۔ مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے کافروں کا تعاقب کیا اور ان کو قتل و قید کرنا شروع کر دیا۔ دوسرا گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے لگا۔ تیسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اگرد حلقہ کیے رہا تاکہ کوئی دشمن کر کے حضورؐ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ جمع ہوئے تو مالِ غنیمت کے استحقاق میں باہم اختلاف ہو گیا۔ جنھوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا انھوں نے کہا اس میں کسی اور کا حق نہیں ہے ہم نے جمع کیا ہے۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں ہم نے دشمن کو شکست دی اور بھگایا۔ تیسرے گروہ نے کہا ہم نے دشمن کے فریب کے اندیشے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور حضورؐ کی حفاظت کی ہم حقدار ہیں۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا اور حضورؐ نے مالِ غنیمت سب مسلمانوں کو تقسیم کر دیا (رواہ احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجہ وابن حبان والحاکم)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میرا بھائی عمیر شہید ہو گیا اس کے عوض میں نے سعید بن عاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار جس کا نام ذوالکتیفہ تھا لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یہ تلوار مجھے دے دیجیے۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دو۔ میں بہت مغموم ہوا اس پر آیت انفال نازل ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا اب وہ تلوار لے لو میں تم کو دیتا ہوں۔ (رواہ احمد وابو داؤد والنسائی والترمذی وقال حسن صحیح) اس کے بعد فرمایا مالِ غنیمت کے پانچ حصے ہوں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم ہوں جس میں مقاتل اور معین سب برابر کے شریک ہوں اگرچہ قتال میں شریک نہ ہوتے ہوں دوسری خدمت پر مامور ہوں اور پانچواں حصہ بیت المال میں محفوظ رہے وہ اپنے موقع پر خرچ کیا جائے۔

مسئلہ خاص حصۂ غنیمت اور انعام موعود سے زیادہ اگر امام کسی کو دینا چاہے تو وہ بھی اسی پانچویں حصہ میں سے دیا جائے گا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ یہ مسلمان آپ سے مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ مالِ غنیمت کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تقسیم کریں۔ تم اگر کامل ایمان رکھتے ہو تو آپس کے جھگڑوں کو دور کر دو۔ ایک دوسرے سے سلوک رکھو۔ مالِ غنیمت میں جھگڑا نہ کرو۔ ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

ہدایت خاص قطع خصومت اور باہم سلوک رکھنے کا حکم احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ آیا ہے۔ باہم ربط رکھو بغض مت رکھو، حسد مت کرو۔ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بنے رہو۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے جس نے موقع کے مناسب باتوں سے دو مسلمانوں میں صلح کرا دی وہ جھوٹ نہیں بولا۔

مقصود بیان حرص مال کی ضمنی ممانعت، آپس کا اختلاف دور کرنے اور ایک دوسرے سے سلوک رکھنے کی ہدایت، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر حکم کو ماننے کی تعلیم، اس طرف درپردہ اشارہ کہ مسلمانوں کو باہم مل جل کر بغیر بغض و عداوت

کے رہنا چاہیئے کوئی کسی سے دشمنی نہ رکھے۔ ہر مسلمان دوسرے کا دوست بنا رہے۔ وغیرہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

مومن بس وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اُس کی آیتیں اُن کے سامنے

اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا یقین بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور) وہ ٹھیک ٹھیک نماز

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ

پڑھتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ سچے مومن ہیں

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ

اُن کے لئے اُن کے رب کے ہاں بڑے مرتبے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حکم بالاجمال دیا تھا۔ اب مومنین کاملین کے خصوصی اوصاف بیان فرماتا ہے۔ ان میں بعض کا تعلق قوتِ نظریہ سے ہے، بعض کا تعلق قوتِ عملیہ سے۔ قوتِ عملیہ سے تعلق رکھنے والے اوصاف بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق صرف اپنے جسم اور اپنے فائدے سے ہے۔ دوسرے وہ جس کا تعلق دوسروں سے اور عام غریب مسلمانوں کے فائدے سے بھی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کامل مومن بس وہی لوگ ہیں جن میں یہ پانچ اوصاف ہوں۔ اللہ کی عظمت و جلال کی ہیبت اور اُس کی محبت سے اُن کے دل کانپ جاتے ہوں۔ آیاتِ الٰہی کو سُن کر اُن کے ایمان میں مزید استحکام ہوجاتا ہو۔ اور اطمینان کا درجہ حاصل ہوتا ہو۔ محض خدا پر اُن کا بھروسہ ہو۔ ہر کام میں وہ امدادِ الٰہی پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ کافروں کی کثرت و شوکت اور اپنی قلتِ تعداد و ناداری سے خوف زدہ نہ ہوں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک پنجگانہ اوقات میں ادا کرتے ہوں۔ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں اور مسکینوں کو دیتے ہوں۔ ایسے ہی مسلمان درحقیقت سچے مسلمان ہیں۔

تحقیقِ الفاظ وَجِلَ کہتے ہیں محبت آمیز ہیبت کو۔ بجائے خوف یا خشیت وغیرہ کے اس لفظ کو اختیار کرنے میں خاص حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عذاب سے ڈرنا تو معمولی اہلِ ایمان کا درجہ ہے۔ مومنین کاملین کو وعیدِ عذاب کی نوبت ہی نہیں پہنچتی بلکہ اللہ کی عظمت و جلال کی محبت آمیز ہیبت اُن کے دل لرزا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

پھر ذُكِرَ اور تُلِيَتْ دونوں مجہول کے صیغے بولنے سے یہ مقصد ہے کہ اُن کے دل کانپنے اور اطمینانِ ایمان پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ خود ذکرِ الٰہی یا تلاوتِ آیات کریں بلکہ کوئی بھی کرے اُن پر اثر بدستور ہوتا ہے خواہ نبی کی زبان سے سُنیں یا کسی اور کی، خواہ خود ذکر و تلاوت کریں۔

رَزَقْنٰهُمْ کا صیغہ بولنے سے مسلمانوں کو خیرات و صدقات دینے کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ سب خداداد ہے تم کہیں سے نہیں لائے، نہ تم نے پیدا کیا۔ پھر خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اگر خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے بندگانِ خدا کو دوگے تو کچھ بعید نہیں۔

مقصودِ بیان

یادِ الٰہی کرنے اور یادِ الٰہی کے وقت، دل میں ہیبتِ الٰہی اور رقت پیدا کرنے کی ترغیب۔ تلاوتِ آیات کرنے کی تلقین اور تلاوت کے وقت استحکامِ ایمان حاصل کرنے کی طرف ایماء۔ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کا ضمنی حکم یعنی غیر اللہ سے امر لینے نہ کرنے کی تعلیم۔ بدنی اور مالی عبادات ادا کرنے کی طرف لطیف اشارہ۔ اس بات کی صراحت کہ اوصافِ مذکورہ رکھنے والے ہی کامل مومن ہیں اور انہی کو مومن کہنا سزاوار ہے اور انہی کو خدا کے ہاں مراتب حاصل ہوں گے اور وہی خدا کے انعام سے سرفراز ہوں گے۔

نوٹ:۔ ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا مسئلہ اور اس کا پورا اختلاف سورۂ بقرہ میں گزر گیا۔ ہم یہاں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ آیت میں زیادتی ایمان سے مراد استحکامِ ایمان ہے۔ واللہ اعلم۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(اے نبی) جس طرح تمہارے رب نے تم کو تمہارے گھر سے سچے کام پر نکالا حالاں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ

لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى

ناخوش تھا ظاہر ہونے کے بعد بھی تم سے حق بات میں جھگڑا کر رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی آنکھوں دیکھتے

الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

اُن کو موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے اور جب تم سے اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرما رہا تھا

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ

کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو مل جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ

حق کو اپنے کلام سے سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ حق کو حق اور

يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم ناخوش ہوں

تفسیر

شروع آیت کی تشبیہ اور تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ہم وہی اختیار کرتے ہیں جو فخر الدین رازی جیسے ائمہ نے پسند کیا ہے۔ شروع کی آیت میں مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا ذکر تھا اور مسلمانوں کو خدا اور رسول کے احکام ماننے کی ہدایت تھی لیکن لوگوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق اختلاف ہو چکا تھا اور تقسیم پر عام لوگ راضی نہ تھے۔ اس ناخوشی اور عدم رضا کو جنگِ بدر پر ناخوشی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی مالِ غنیمت کی موجودہ تقسیم بھی مسلمانوں کو ایسی ہی ناگوار ہے جیسا جنگِ بدر کے لئے بحکمِ الٰہی آپ کا گھر سے نکلنا ناگوار تھا لیکن جس طرح وہاں اُن کی ناخوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا ویسا ہی یہاں بھی لحاظ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کے مصالح اور انجامِ کار پر ان کی نظریں نہیں پہنچتی ہیں۔ انسان موجودہ سہولت اور فوری فائدے کا خواستگار ہوتا ہے۔ جنگِ بدر کے لئے گھر سے نکلنا اگرچہ بظاہر نظر سببِ ہلاکت معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ دشمنوں کی تعداد بہت تھی اور

ان کے پاس اسبابِ جنگ بھی تھے اور مسلمان کم تھے اور نہتے بھی تھے مگر مسلمانوں کی اس ہمت اور بہت کے بعد جنگ نے کافروں کی کمر توڑ دی اور ہمیشہ کے لیے اچھا نکلا۔ اسی طرح مالِ غنیمت میں شرعی تقسیم کا قائم کرنا آئندہ لشکرکشی اور ہمتِ مجاہدین کے لیے بہت مفید ہے اگرچہ بالفعل ان لوگوں کو ناگوار ہے۔ ان آیات میں جنگِ بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل تفسیر معالم وسراج وغیرہ سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آغازِ رمضان میں بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ ملکِ شام سے آرہا ہے اور اس میں بکثرت مال واسباب ہے۔ حضورؐ نے عام مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی۔ مسلمانوں کا مشورہ ہوا کہ قافلہ میں زیادہ نہ ہوں گے اور ہم کو مال کی سخت ضرورت ہے لہٰذا چل کر لوٹ لینا چاہیے اور واقعی قافلہ کے ساتھ عمرو بن عاص، مخرمہ بن نوفل وغیرہ چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان سپہ سالار تھا جب مشورہ تین سو مسلمان جمع ہو کر چل دیئے۔ اہلِ قافلہ کو بھی مسلمانوں کی روانگی کی خبر مل گئی۔ ابوسفیان نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ قریش کو مسلمانوں کے ارادے کی اطلاع کردے اور سب کو مسلمانوں کے مقابلہ پر اکٹھا کر لائے۔ ضمضم پہنچنے سے قبل مکہ میں ایک عجیب واقعہ ہوگیا۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہمشیرۂ عباس بن عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار اونچے ٹیلے پر کھڑا چلا رہا ہے۔ اے آلِ غالب! جاؤ اپنے مقتل کی طرف چلو۔ تمام لوگ اُس سوار کے پاس جمع ہوگئے۔ پھر آسمان سے ایک فرشتہ آتا اور پہاڑ سے اُس نے ایک پتھر اُٹھا کر اوپر کو پھینکا۔ پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا اور مکہ کے ہر گھر میں اس کا کوئی نہ کوئی ریزہ پہنچ گیا۔ عاتکہ نے یہ خواب عباس سے بیان کیا۔ عباس نے اظہار کرنے سے منع کر دیا مگر خود جاکر اپنے دوست ولید بن عتبہ سے کہہ دیا اور پوشیدہ رکھنے کی تاکید کردی۔ ولید نے اپنے باپ سے بیان کر دیا اور اس طرح خواب فاش ہوگیا۔ دوسرے دن عباس طواف کر رہے تھے۔ ابوجہل ایک جماعت کو لے کر آیا اور کہنے لگا عباس اِدھر آؤ۔ عباس اُس کے پاس گئے۔ بولا اے اولادِ عبدالمطلب! کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ تم میں کے مرد نبوت کا دعویٰ کریں کہ اب تمہاری عورتیں بھی دعویٰ کرنے لگیں۔ ہم تین روز تک منتظر ہیں۔ اگر معاملہ سچا نکلا تو خیر ورنہ تین روز کے بعد ہم بذریعۂ تحریر اعلان کردیں گے کہ عرب میں تمہارا خاندان بڑا جھوٹا ہے۔ عباس نے عاتکہ کے خواب سے انکار کیا۔ شام ہوئی تو خاندانِ عبدالمطلب کی تمام عورتیں عباس کے پاس جمع ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تم نے اس خبیث کو اپنے مردوں کو بُرا بھلا کہنے دیا یہاں تک کہ اُس نے اب عورتوں کی بھی بدگوئی کرنی شروع کردی اور تم سنتے رہے کوئی جواب نہ دیا کیا تم میں غیرت کا مادہ نہیں رہا۔ تیسرے روز صبح کو میں اُس کے پاس گیا مگر وہ بھاگا جا رہا تھا۔ کیونکہ اُس وقت ضمضم بن عمرو وسط وادی میں کھڑا چلا رہا تھا۔ اُس نے گریبان پھاڑ ڈالا تھا اور پکار رہا تھا اے خاندانِ غالب! اے قریش والو! جلد دوڑو محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں نے تمہارے سامانِ تجارت کو گھیر لیا ہے۔ اتنے میں ابوجہل بھی پہنچ گیا اور اس نے تمام قریش کو ندا کی۔ فوراً تقریباً ایک ہزار جوان مسلح جمع ہوگئے اور ابوسفیان کی مدد کے لئے ابوجہل کی معیت میں چل دیئے۔ راستہ میں خبر ملی کہ ابوسفیان قافلہ کو لے کر ساحلی راستہ سے صحیح سلامت چلا آیا۔ لوگوں نے کہا اب ہم کو بھی آگے بڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ابوجہل نہ مانا اور کہنے لگا ہم بدر پر پہنچ کر ٹھہریں گے وہاں دَور ہوگا، ناچ رنگ ہوگا، اس سے مسلمانوں کو ذلت ہوگی۔ چند روز کے بعد واپس آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تمام لشکرِ کفار بدر پر جاکر ٹھہرا اور بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں کی طرف کا قصہ عروہ بن زبیر کے سلسلۂ روایت سے اخذ کرکے محمد بن اسحاق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ذفران میں پہنچے تو حضورؐ کو اطلاع ملی کہ قریش جمع ہوکر اپنے قافلے کی حمایت کے لئے آرہے ہیں۔ آپ نے مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم تو قافلہ کے لئے نکلے تھے۔ قریش کے لشکر سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ دوبارہ مشورہ کیا تب بھی یہی مشورہ ملا۔ یہ مشورہ سُن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مسلمان بھی اس کو تاڑ گئے۔ فوراً صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم حضورؐ کے ساتھ ہیں جو حکم ہوگا بجان و دل اُس کی تعمیل کریں گے۔ مقداد بن عمرو بولے یا رسول اللہ! آپ کو جو حکم الٰہی ہو اُسی پر آپ چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اللہ کی ہم آپ سے وہ قول نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ بلکہ ہم کہیں گے إِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُوْنَ قسم ہے اُس پروردگار کی جس نے آپؐ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے اگر ہم کو برک الغماد لے جائیں تب بھی وہاں جائیں گے اُس سے ورے نہ ٹھہریں گے۔ حضورِ اقدسؐ چونکہ خواستگار تھے

کہ کافروں کا زور ٹوٹ جائے اور زور ٹوٹنے کی صرف یہ شکل تھی کہ اُن کی پُر قوت جمعیت سے مقابلہ کیا جائے۔ قافلہ کے لُوٹنے سے اگرچہ مسلمانوں کو قوت ضرور حاصل ہو جاتی مگر کافروں کا زور نہ ٹوٹتا اس لئے آپؐ مقداد کا جواب سُن کر خوش ہوئے اور اُن کو دعائے خیر دی۔ پھر فرمایا۔ لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ انصار رضامندی ظاہر کریں کیونکہ بڑا گروہ انصار ہی کا تھا اور بیعت عقبہ کے وقت انصار نے حضورؐ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ ہجرت کرکے مدینہ آجائیں گے تو مدینہ کے اندر ہم آپ کی حفاظت اپنی اولاد کی طرح کریں گے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ اگر مدینہ کے باہر کوئی دشمن آپ پر حملہ کرے گا یا آپ کسی دشمن کی مدافعت کریں گے تب بھی ہم آپ کی مدد کریں گے۔ حضورؐ کا مکرر فرمان سُن کر سردار انصار حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاید حضورؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ سعد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کو سچا جانا اور شہادت دی کہ جو کچھ آپ لائے سب برحق ہے پھر اس پر ہم نے عہد و میثاق بھی کیا کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے اُسے بسر و چشم قبول کریں گے، اُس پر چلیں گے۔ لہٰذا اب جو کچھ آپ کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہو آپ اُس پر چلیں۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو اس سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم ہرگز ناپسند نہیں کریں گے۔ ہم بوقت جنگ بالکل ثابت قدم اور راسخ دم رہیں گے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے ایسی باتیں دکھا دے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں پس آپ اللہ کی برکت پر ہم کو لے چلیں۔ سعد بن معاذؓ کی تقریر سُن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا لوگو! اللہ کی برکت پر چلو تم کو بشارت ہو کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ قافلہ یا جمعیت کفار پر فتح۔ قسم ہے خدا کی گویا میں اس وقت اُن لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ابن کثیر نے بروایت عوفی ابن عباسؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ سدی، قتادہ، ابن زید اور دیگر علماء سے بھی یہی مروی ہے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم پر مسلمانوں کی ناخوشگواری ایسے ہی ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے جس طرح جنگ بدر کو جانے کے وقت تھی کہ بعض (اُن مسلمانوں نے جن کے پاس لڑائی کا ساز و سامان نہ تھا اور اُن کے پیش نظر اپنی تعداد کی قلت بھی تھی) جنگ بدر جانے اور کافروں کی جمعیت سے مقابلہ کرنے کو مناسب نہ سمجھا تھا۔ اگرچہ اُن پر ظاہر ہو گیا تھا کہ ہر چیز اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے ظاہری ساز و سامان حقیقی مؤثر نہیں اور کوئی نفع نقصان بغیر قضائے الٰہی کے نہیں پہنچ سکتا مگر پھر بھی (بمقتضائے بشریت) وہ تمہاری رائے سے اختلاف کر رہے تھے ان کو (اپنے ساز و سامان اور تعداد کی قلت کی وجہ سے) اپنی موت آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور وہ سمجھ رہے تھے کہ گویا ہم کو موت کی طرف لے جایا جا رہا ہے اور اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ ایک گروہ پر تمہارا دسترس ہوگا یا قافلہ کی گرفتاری یا جماعت کفار پر فتح۔ مگر مسلمانو! تم چاہتے تھے کہ وہ چیز تم کو مل جائے جس میں کانٹا نہ لگے یعنی قافلے کو لوٹ لو۔ لیکن خدا چاہتا تھا کہ حق و باطل کا فیصلہ کر دے، حق کو ظاہر کر دے اور باطل کو مٹا دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اگرچہ کافروں کو اپنی بیخ کنی کتنی ہی ناگوار ہو۔

مقصودِ بیان اس امر پر تنبیہ کہ احکام الٰہی میں چون و چرا نہ کرنا چاہیئے۔ فوراً بلا سوچے سمجھے تعمیل حکم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آدمی نتیجہ سے ناواقف ہوتا ہے، ظاہری سہولت کو پسند کرتا ہے اور وہ کام کرنا چاہتا ہے جس میں تکلیف و مشقت نہ اٹھانی پڑے مگر ہر حکم کی حکمت و مصلحت سے واقف خدا ہی ہے اس لئے تعمیلِ حکم میں پس و پیش مناسب نہیں۔ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ظاہری ساز و سامان اور اسباب بے حقیقت چیز ہے۔ کامیابی کی ضروری شرائط میں سے نہیں مؤثر حقیقی خدا ہے البتہ ثابت قدم رہنا اور نیت صحیح رکھنا اور حق کی حمایت کرنا لازم ہے۔

یہ امر بھی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جب تک اکثریت کا فیصلہ نہ ہو جاتا کسی کام کی طرف پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔ اگر آدمی ثابت قدم اور راسخ العقیدہ رہے تو اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب ضرور کر دیتا ہے۔ وغیرہ

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے اور اللہ نے تمہاری سن لی (اور فرمایا کہ) لگاتار ایک ہزار فرشتوں سے میں تمہاری

مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا

مدد کروں گا اور یہ تو اللہ نے صرف خوشخبری دینے اور تمہارے دلوں کے مطمئن ہونے کے لئے کیا تھا مدد

النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ

فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے جبکہ اللہ اپنی طرف سے چین دینے کے

أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ

لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل کر رہا تھا۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی

عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○

نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مستقیم کر دے اور تمہارے قدم جمائے رکھے

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي

جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں تم مسلمانوں کو جمائے رکھو عنقریب

فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم گردنیں مارو اور ان کا

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ

پور پور کاٹو یہ اس کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کا اور

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ

اس کے رسول کا مخالف ہوگا تو اللہ کی مار بڑی سخت ہے یہ تو چکھ لو اور (جانے رہو کہ)

لِلْكٰفِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ○

کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

تفسیر ان آیات میں جنگ بدر کے تین واقعات بیان کئے ہیں (۱) مسلمانوں کا اللہ سے استغاثہ کرنا اور اللہ کا ان کی دعا کو قبول کر کے ایک ہزار فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنا (۲) مسلمانوں کو جنگ کے دوران میں اونگھ آجانا (۳) جنگ کے موقع پر بارش نہ ہونا۔ ہم ہر واقعہ کو احادیث و آثار سے نقل کر کے قرآنی آیات کے مطابق کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اس میں اختلاف ہے کہ استغاثہ اور دعا کس نے کی تھی ؟ عام مسلمانوں نے یا فقط رسول اللہ نے۔ تفسیر معالم وغیرہ میں ہے کہ جب ملکوں نے یقین کر لیا کہ لڑائی ضرور ہوگی اور ہماری تعداد کم ہے کافروں کی زائد ہے۔ علاوہ ازیں ہم اکثر نہتے ہیں وہ مسلح ہیں تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ الٰہی ہم کو کافروں پر فتح عنایت کر، ہماری فریاد رسی فرما۔ لیکن عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ صرف حضور اقدسؐ نے دعا کی تھی۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن جب حضورؐ والا نے ملاحظہ فرمایا کہ مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر تین سو ہے اور کافروں کی تعداد ہزار سے اوپر تو قبلہ کی طرف منھ کر کے کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضور تہبند باندھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے اور دعا مانگنی شروع کی۔ الٰہی جو تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر۔ الٰہی اگر اہلِ اسلام میں سے یہ ٹکڑا مارا گیا تو زمین پر تیری عبادت کی امید نہیں۔ اسی طرح برابر اپنے پروردگار سے استغاثہ کرتے اور دعا مانگتے یہاں تک کہ دوش مبارک سے چادر سرک گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے چادر اٹھا کر پھر اڑھا دی اور ایک طرف سے حضورؐ کو دبوچ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس آپ کی دعا کافی ہو چکی۔ اللہ عنقریب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس وقت اللہ نے نازل فرمایا۔ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ الخ الی آخر الحدیث (رواہ الترمذی وصححہ ومسلم وابن جریر وابن مردویہ وابن المدینی)

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مقداد بن اسود کے ساتھ میں ایک موقع پر تھا اور مان کو اس وقت جو بات حاصل ہوئی وہ مجھے دنیا و مافیہا سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ حضورؐ اقدس مشرکوں پر فتح یاب ہونے کی دعا کر رہے تھے کہ مقداد نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے وہ قول نہیں کہیں گے جو موسیٰؑ سے بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا الخ بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک کھل گیا (رواہ البخاری)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضورؐ اس طرح دعا مانگ رہے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اُنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے دستِ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ بس۔ اس کے بعد حضورؐ والا ہماری طرف بڑھتے ہوئے نکلے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ یعنی عنقریب کافروں کو شکست ہوگی اور پشت پھیر کر بھاگیں گے (رواہ البخاری)

ان تمام آثار و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا و استغاثہ صرف حضورؐ نے کیا تھا اور چونکہ حضورؐ کی دعا درحقیقت کل مسلمانوں کی طرف سے تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے استغاثہ کرنے والا تمام مسلمانوں کو قرار دیا۔ بہرحال حضورؐ نے دعا کی اور خدا نے قبول فرمائی اور فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجا۔ فرشتے کتنے تھے ؟ کس طور پر نازل ہوئے تھے ؟ کس غرض سے آئے تھے ؟ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں سے جنگ کی تھی یا نہ کی تھی ؟ ہم ہر بحث کو مختصر لکھتے ہیں :-

یہاں آیت میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ لیکن سورۂ آل عمران میں زائد تعداد کا ذکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ جبرئیلؑ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ حضورؐ اقدس کے میمنہ میں اُترے اس روز میمنہ میں حضرت ابوبکرؓ تھے اور میکائیل ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ میسرہ میں اُترے اور میں میسرہ میں تھا (رواہ ابن جریر) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی تعداد کم تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں فرشتے ایک ہزار تھے پھر دو ہزار کا اضافہ ہوا پھر دو ہزار اور بڑھا دئے گئے۔ کل پانچ ہزار ہو گئے۔ کذا قال قتادہ۔ فرشتے جوان آدمیوں کی شکل میں سفید لباس پہنے اور سفید عمامہ باندھے ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے آنے کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو امدادِ الٰہی کی بشارت ہو اور اپنی فتح کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔ فرشتوں کے جنگ کرنے کے متعلق منفی اور مثبت قول ہیں۔ جو لوگ نفی کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر قتال مقصود ہوتا تو ایک فرشتہ تمام دنیا کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ قوم لوط کی آبادی کو فقط جبرئیلؑ نے تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ اس قدر کثیر مسلمانوں کی جماعت کو بیش از بیش دکھانا مقصود تھا مگر یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ کی اور کافروں کو قتل کیا۔ رہی یہ بات کہ اگر ہلاک کرنا مقصود

ہوتا تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہاں فقط یہ مقصود نہ تھا بلکہ دشمنوں کو انسانوں کی طرح قتل کرنا، مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنا اور اہلِ اسلام کو امدادِ الٰہی کی بشارت دینا یہ تمام مقاصد تھے۔ جنگِ ملائکہ کے ثبوت کے چند دلائل ہیں۔ اول تو خود آئندہ آیت میں فرشتوں کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کافروں کی گردنوں پر بلکہ پور پور پر مارو۔ دوسرے جنگِ ملائکہ کے ثبوت میں بکثرت احادیث و آثار صحیح وارد ہیں۔ رفاعہ بن رافع کی روایت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ اپنی جماعت میں اہلِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے افضل۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا وہ ملائکہ جو بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ بھی ایسے ہی ہیں۔ (رواہ البخاری) ابن عباسؓ نے فرمایا (جنگِ بدر کے موقع پر) ایک مسلمان نے ایک کافر کا پیچھا کیا۔ اچانک اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور کسی نے کہا۔ اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ اتنے میں مشرک کو دیکھا کہ گدی کے بل زمین پر پڑا ہے اور کوڑے کی ضرب سے اس کا چہرہ پھٹ گیا ہے۔ ایک انصاری نے حاضر ہو کر یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا۔ فرمایا تو نے سچ کہا وہ تیسرے آسمان کی مدد والوں میں سے تھا (ابن کثیر) جس وقت ابو جہل زخمی پڑا ہوا تھا تو ابن مسعودؓ سے بولا وہ آواز کہاں سے آتی تھی جو ہم کو بدحواس بنا رہی تھی باوجودیکہ آواز دینے والا کوئی نظر نہ آتا تھا! ابن مسعودؓ نے جواب دیا وہ ملائکہ کی آواز تھی۔ ابوجہل بولا پھر تو وہ ہم پر غالب ہوئے تم غالب نہیں ہوئے۔ ابو داؤد مازنی کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے ایک مشرک کا پیچھا کیا لیکن میری تلوار پڑنے سے پہلے اس کا سر میرے سامنے آگرا۔ سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ بدر کے روز ہم میں سے بعض آدمی اپنی تلوار لے کر حملہ کرنے کے لئے ہم پر اٹھاتے مگر تلوار پہنچنے سے قبل کافر کا سر گر پڑتا۔ اسی مضمون کے اور بہت آثار ہیں۔

(۲) دوسرا واقعہ مسلمانوں کو اونگھ آجانے کا ہے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبرؓ کے سائبان کے اندر تھے اور دونوں دعا مانگ رہے تھے۔ اتنے میں حضورؐ پر اونگھ کی طرح ایک خفیف نیند طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہی حضورؐ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا ابوبکرؓ! بشارت ہو یہ جبرئیل آگئے۔ ان کے اگلے دانتوں پر غبار پڑا ہے۔ اس کے بعد سائبان کے دروازے سے یہ کہتے ہوئے باہر نکلے (سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ) مسلمان چونکہ لڑائی میں تھک گئے تھے اور بہت مضطرب الحال تھے اس لئے خدا نے ان پر ایک اونگھ طاری کردی تھی جو تھوڑی دیر میں ہی زائل ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کل ماندگی دفع ہوگئی۔ اضطرابِ قلب دور ہوگیا اور حالت اصلی پر آگئے۔ دورانِ جنگ میں اونگھ آجانا یہ خود ایک معجزہ اور رحمتِ خداوندی تھی۔

(۳) تیسرا واقعہ بارش کا ہے۔ علی بن طلحہ اور عوفی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا کہ بدر میں جو پانی کی جھیل تھی اس پر مشرکین قابض ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو پانی نہ ملنے سے سخت تکلیف ہوئی تو خدا تعالیٰ نے خوب پانی برسایا جس سے ساری تکلیف رفع ہوگئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش خوب زور کی ہوئی تھی۔ لیکن شعبی و زہری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش خفیف ہوئی تھی۔ ابن اسحٰق نے عروہ بن زبیر کی روایت بیان کی ہے کہ میدان نہایت نرم ریت کا تھا جس میں پاؤں دھنستے تھے پھر اللہ کے حکم سے پانی برسا، مسلمانوں کی طرف تو صرف اتنا برسا کہ زمین جم گئی اور ریت دب گئی اور قریش کی طرف دلدل ہوگئی اور ان کا چلنا دشوار ہوگیا۔

ابن جریر نے حضرت علیؓ کا قول بیان کیا ہے کہ جنگِ بدر کی شب میں خفیف بارش ہوئی۔ ہم لوگ درخت کے سائے میں اور ڈھالوں کے نیچے چھپ گئے اور حضورؐ نے ساری رات لڑائی پر آمادہ کرنے میں گزاری۔

مغازی میں ابن اسحٰق وغیرہ سے ثابت ہے کہ بارش کی شدت اور دلدل کے سبب مشرکین کوچ کرنے سے عاجز رہے اور مسلمانوں نے بڑھ کر تالاب پر قبضہ کرلیا۔ بارش کا پانی مسلمانوں کی طرف صرف اتنا پڑا کہ ریت جم گئی اور چلنے پر قادر ہوگئے اور قدم جمنے لگے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمانو! جب گرمی کی شدت اور پیاس کی تکلیف سے تم نے بارگاہِ الٰہی میں استغاثہ کیا اور فتحیابی کی دعا کی تو اللہ نے تمہاری دعا قبول کی اور ایک ہزار فرشتوں کی جماعت پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے تمہاری مدد کے لئے بھیجی تاکہ تم کو فتحیابی کی بشارت اور اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ مگر یہ صرف تمہاری تسلی کے لئے تھا ورنہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے فرشتوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ غرض خدا نے فرشتے بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، ان کے شریکِ حال رہو۔

یا یہ مطلب ہے کہ تم مسلمانوں کے دلوں میں بہادری کا القا کرد۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تم اُن کے تمام اعضا کے ریکیسا ود ہاتھوں پانوؤں یہاں تک کہ پور پور پر مارو کیونکہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف ہیں۔ مسلمانو! دوسرا احسان خدا نے تم پر یہ کیا کہ تمہارا خوف و اضطراب دور کرنے کے لئے اونگھ کو تم پر مسلط کر دیا۔ تیسرا احسان یہ کیا کہ تم پر بارش برسائی جس کے ذریعہ سے تم نہا دھو کر پاک صاف ہو گئے پیاس بھی دور ہو گئی روح اور دل کو بھی تسکین ہو گئی۔ یہ شیطانی وسوسہ بھی دور ہو گیا کہ بغیر پانی کے فتح مشکل ہے۔ دلوں میں بھی قوت پیدا ہو گئی۔ پانوؤں بھی ریت پر جمنے لگے۔

مقصود بیان مصیبت اور سختی کے وقت خدا سے استغاثہ کرنے کی تلقین۔ اللہ کی غیبی طاقت کا اظہار اس بات کی صراحت کہ اللہ کو اگرچہ ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں وہ ہر طرح کام کر سکتا ہے مگر انسانوں کے اطمینانِ قلب کے لئے وہ ظاہری سامان مہیا کرتا ہے۔ استقلالِ قلب، ثباتِ قدم، خطرۂ شکست کا عدم جنگ میں نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ فرشتوں کو اہلِ ایمان کے دلوں میں الہام اور القائے خیر کی طاقت خدا تعالیٰ نے دی ہے۔ جہاد کے وقت کافروں کے جوڑ جوڑ پر ضرب لگانی چاہیئے۔ عضو اعلیٰ ہو یا اسفل کسی کی تخصیص نہیں۔ فرشتے انسانی کی شکل میں ہو کر آدمیوں میں انسان کی طرح لڑ سکتے ہیں۔ یعنی اگرچہ وہ خود نورانی اور غیر مادی ہیں مگر مادی افعال کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے ضد کرنے کی دنیوی سزا قتل اور جنگ ہے اور آخرت کی سزا دوزخ۔ پورے قصہ میں مسلمانوں کو ایک خاص ہدایت کرنی مقصود ہے کہ تم مالِ غنیمت کی تقسیم کی مخالفت نہ کرو۔ تم اس کی حکمت سے ناواقف ہو جس طرح جنگ بدر کی مصالحت سے ناواقف تھے اور قافلہ کو گرفتار کرنے پر اڑے ہوئے تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا نتیجہ بُرا ہے۔ وغیرہ

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿ع﴾

مسلمانو! جب کافروں کے انبوہ سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو اُن کو پیٹھ نہ دکھاؤ

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلٰى فِئَةٍ

جو شخص اُن کو اُس روز پیٹھ دے گا بغیر اس کے کہ لڑائی کا ہنر کرتا ہو یا فوج میں شامل ہوتا ہو

فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿﴾

تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

تفسیر آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے پہلے ہم آیت کی تفسیری شرح کرتے ہیں پھر اختلاف بیان کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! جس وقت تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو پشت نہ دو۔ ہاں دو صورتوں میں بھاگ سکتے ہو۔ ایک تو یہ کہ پیٹھ پھیرنے سے غرض یہ ہو کہ اپنے گروہ میں (یا اپنے امام کے پاس) چلے جاؤ۔ دوسرے یہ کہ لڑائی سے رُخ پھیرنے کا مقصود کنّی کاٹنا اور دشمن کو دھوکا دینا ہو تاکہ جب وہ زد پر آجائے اُس وقت اُس پر حملہ آور ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ جو شخص جہاد سے منہ پھیرے گا وہ غضبِ خدا میں مبتلا ہوگا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے کہ کافروں کی تعداد زیادہ سے زائد مسلمانوں سے دوگنی ہو اور اگر دوگنی سے زائد ہو تو بموجب حکم آیت تخفیف جنگ سے رُخ پھیرنا اور اپنی جان بچانا جائز ہے۔

یہاں تین قول اور بھی ہیں:۔

ایک یہ کہ مذکورہ حکم فقط صحابہ کے لئے تھا کیونکہ اُن پر جہاد فرض عین تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم انصار کے لئے تھا۔ مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں؛

کیونکہ حدیث میں عام جہاد سے فرار کرنے کو بشرطیکہ بغیر شرعی عذر کے ہو مہلکات سبعہ میں شمار کیا گیا ہے اور مہلکات سبعہ کا حکم عام ہے۔
صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد خاص اہلِ بدر ہیں۔ سیاقِ قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کے قبل بھی بدر ہی کا بیان ہے اور اس کے بعد والی آیات میں اسی قصہ کا تذکرہ ہے۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدری رضؓ، ابونضرہ، نافع، سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، ضحاک وغیرہم کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس مسلک پر یَوْمَىٕذٍ سے مراد یومِ بدر ہوگا۔ چونکہ بدر کے دن مسلمانوں کی پوری طاقت اور تعداد معرکہ میں موجود تھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ مدینہ میں کچھ یونہی مسلمان رہ گئے تھے جو گنتی میں آنے کے قابل نہ تھے اس لئے جو شخص میدان سے رُخ پھیرتا تو اس کی صرف تین وجہ ہو سکتی تھیں۔ اپنی جماعت میں آکر مل جانا اور ان کی مدد سے دوبارہ حملہ کرنا یا میدان سے جان بچانے کے لئے بزدلی کے ساتھ بھاگ جانا۔ تیسری صورت قطعاً حرام ہے اور اول دونوں صورتیں جائز۔ لیکن بدر کے بعد دیگر جہادوں میں ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا جنگ سے رُخ پھیرنا خواہ اس لئے کہ خلیفۂ وقت یا حاکمِ وقت کے پاس اس کے شہر میں چلا جائے یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے ہو جائز ہے۔ اس مضمون کی تائید مختلف آثار و احادیث سے ہوتی ہے۔
عبداللہ بن مبارک نے باسنادِ صحیح حسن بصری سے روایت کی ہے کہ آیت وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ الخ روزِ بدر کے واسطے حکم تھا اب تو اگر مسلمانوں کی جماعت یا اسلامی شہر کی طرف بھاگ آئے کچھ مضائقہ نہیں۔ نافع نے عبداللہ بن عمر رضؓ سے پوچھا ہم لوگ دشمنوں سے قتال کرنے کے وقت ثابت قدم نہیں رہتے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ ہمارا (شرعی) فئۃ (یعنی ملجا و ماویٰ جس کی طرف بھاگ کر آنا جائز ہے) ہمارا امام ہے یا ہمارا لشکر۔ ابن عمر رضؓ نے فرمایا فئۃ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نافع نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:-
اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ۔ ابن عمر رضؓ نے فرمایا یہ آیت تو بدر کے دن اُتری۔ نہ اس سے پہلے کے لئے ہے نہ اس کے بعد کے لئے (رواہ ابن ابی حاتم) لیکن بغیر شرعی عذر کے جہاد سے دشمن کے مقابلے کے وقت بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے خواہ کوئی جہاد ہو کسی زمانہ میں ہو۔ مومنوں پر کفار کے مقابلہ میں ثبات لازم ہے۔ ابن کثیر کا یہی قول ہے۔

مقصودِ بیان جہاد سے روگردانی کے بغیر عذرِ شرعی کے ممانعت جہاد سے روگردانی کرنے کے شرعی عذر کی تفصیل۔
اس امر کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کی جماعت اور اسلام کی مجموعی طاقت کی حمایت فرض ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی طاقت کی حمایت نہ کرے (اگرچہ وہ شخص فرائض یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتا ہو) مگر جہنمی ہے۔ اس سے آج کل کے علماء کو درسِ بصیرت کی ضرورت ہے جو کفر کے فتوے دے کر اسلامی طاقت کو فنا کر رہے ہیں اور عملی طور پر جمعیتِ اسلامیہ کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جہاد سے روگردانی صرف اس لئے حرام ہے کہ اس سے مسلمانوں کو ضعف پہنچتا ہے۔ پھر کس طرح ایسے فتنہ انگیز فتوے جائز ہو سکتے ہیں جو اسلام کی جڑ کو کھوکھلا کر رہے ہیں وغیرہ

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

سو تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو قتل کیا اور (اے محمدؐ) نہ تم نے اُن پر خاک پھینکی تھی جبکہ تم نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

تھی اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) مسلمانوں کو اللہ اپنی بارگاہ سے اچھا انعام عطا فرمائے بلاشبہ اللہ سنتا جانتا ہے

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

یہ تو ہو چکا اور یقیناً اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

تفسیر ابن عباس، سدی، ابو معشر، محمد بن قیس، محمد بن کعب، عبدالرحمٰن بن زید، عروہ، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور بہت سے ائمہ تابعین کا قول ہے کہ اس آیت میں جنگ بدر کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس وقت بدر کی لڑائی جوش پر آگئی اور حضور اقدسؐ سائبان میں دعا کرنے کے لئے مشغول ہوئے اور کافروں نے یکبارگی ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو زندہ گرفتار کرلیں تو حضورؐ نے میدان جنگ کی ایک مٹھی خاک حضرت علیؓ سے منگوائی اور وہ مٹی شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر کافروں کی طرف پھینک دی جس سے ہر کافر تھوڑی دیر کے لئے اندھا ہوگیا۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اس مٹی کا کچھ حصہ نہ پڑا ہو۔ بالآخر شکست کھا کر سرپٹ بھاگے۔ ستر گرفتار ہوئے اور ستر مارے گئے۔ اسی واقعہ کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے مگر عبدالرحمٰن بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ خیبر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضورؐ نے تیر پھینکا تھا اور وہ تیر ابوالحقیق کے جا کر لگا تھا باوجودیکہ ابوالحقیق بستر پر لیٹا ہوا تھا۔

ابن جریر اور حاکم نے باسنادِ صحیح سعید بن مسیب اور زہری کی روایت بیان کی ہے کہ جنگِ احد میں جو حضورؐ نے ابی بن خلف کی ہنسلی کے نیچے ضرب لگائی تھی اور وہ جہنم رسید ہوگیا تھا۔ اگرچہ ضرب بظاہر کاری نہ تھی۔ آیت میں اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان حضرات کو اشتباہ ہوگیا۔ اگرچہ یہ تمام واقعات بجائے خود صحیح ہیں لیکن آیت میں تو جنگ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سیاق و سباق اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ ابتداءِ سورت سے بدر کے ہی واقعات بیان کئے جا رہے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آیت میں تو بدر کا واقعہ بیان کیا گیا ہو لیکن بر قول رازی لفظ میں چونکہ عموم ہے اس لئے اس میں اس قسم کے تمام واقعات داخل ہوں۔

جنگ بدر کے بعد ہر مسلمان اپنے کارناموں کا مدعی تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ میں نے جنگ میں ایسی بہادری اور جفاکشی کی۔ کوئی کہتا تھا میں نے مجھ سے زیادہ جانفشانی کی فلاں کافر کو قتل کیا۔ چونکہ اس سے اپنی جسمانی طاقت اور ذاتی شجاعت پر بھروسہ ثابت ہوتا تھا اور اپنی قوت و قدرت پر غرور ظاہر ہو رہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم میں سے کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے کافروں کو قتل کیا۔ مسبب وہی ہے اگرچہ اس نے سبب تم کو بنا دیا اور تم نے کیا نبی نے جو مٹھی بھر کر خاک اُن پر پھینکی تھی وہ بھی درحقیقت نبی کا فعل نہ تھا بلکہ خدا کا تھا۔ غرض یہ کہ تم اپنے کو فاعلِ حقیقی قادرِ مطلق اور فاتح مؤثر نہ سمجھو۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو خواہ نبی ہو درحقیقت خود مختار نہیں بلکہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہے۔

تمہاری فتح اور کافروں کی شکست سے غرض یہ تھی کہ کافر ذلیل ہو جائیں اور مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نعمتِ کاملہ اور احسانِ عظیم عطا فرمائے اور مسلمانوں کی اچھی طرح آزمائش بھی ہو جائے (کہ کون اپنی طاقت و شجاعت کو فتح کا اصلی سبب قرار دیتا ہے اور کون نصرت و امدادِ الٰہی پر بھروسہ رکھتا ہے) اب کافروں کے کئے سے کچھ نہیں پڑے گی وہ کچھ بھی تدبیریں اور چالاکیاں کریں اللہ اُن کی کسی تدبیر کو چلنے نہ دے گا۔

مقصودِ بیان اس بات کی تعلیم کہ بندوں کے افعال کو پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ بندہ خود اپنے افعال کا مطلق العنان مختار اور مؤثر حقیقی نہیں ہے۔ ذاتی شجاعت اور اپنی طاقت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ جو فتح و کامیابی ہو اس کو محض امدادِ الٰہی سمجھنا چاہیئے۔

اللہ اپنے نبی کے ہاتھ سے کبھی کبھی معجزہ کا اظہار کرا دیتا ہے بظاہر وہ نبی کا فعل معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر بطور کرامت و اعجاز کسی سے کوئی خارق عادت فعل سرزد ہو جائے تو اس کا انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ بجائے اس کے کہ اُس کو آدمی کا فعل سمجھا جائے قدرتِ الٰہی پر محمول کرنا چاہیئے۔ آخری آیت سے یہ بات بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اہلِ حق ہمیشہ غالب رہیں گے۔ جو لوگ دین پر ثابت قدم رہیں گے اُن کو باطل پرستوں کی کوئی شیطانی تدبیر ضرر نہ پہنچا سکے گی لیکن یہ بات بھی ضرور مترشح ہوتی ہے کہ اہلِ کفر و الحاد دنیا سے بالکل مٹنے والے نہیں ہیں۔ کچھ کافر باقی ضرور رہیں گے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ

اگر تم فتح چاہتے تو فتح آموجود ہوتی اور اگر باز آجاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے

وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ

اور اگر پھر کروگے تو ہم بھی پھر کریں گے اور تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہو مگر تمہارے کام نہ آئے گا

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ع ۹ / ۱۶

اور بلاشبہ اللہ مسلمانوں کا حامی ہے

تفسیر جمہور کے نزدیک آیت میں روئے خطاب کفار مکہ کی طرف ہے۔ کیونکہ امام احمد نے بطریق زہری عبداللہ بن ثعلبہ کی روایت بیان کی ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ پروردگار! ہمارے دونوں گروہوں میں سے جو گروہ بھی برادری کے سلوک کو قطع کرنے والا اور ایسی چیز لانے والا ہو جس کو ہم نہیں پہچانتے یعنی قاطع رحم ہو اور حق کے خلاف باطل کو پیش کرنے والا ہو اس کو کل کے روز ہلاک کردے۔ پس ابوجہل ہی استفتاح کرنے والا تھا۔
وقد رواہ النسائی والحاکم وکذا روی عن ابن عباس ومجاہد وضحاک وقتادہ ویزید بن رومان وغیرہم۔
سدی کا قول ہے کہ مشرکین مکہ نے مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہا تھا کہ پروردگار! ہمارے دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ کو اور دونوں گروہوں میں سے بزرگ کو اور دونوں میں سے بہتر کو فتح عنایت فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس صورت میں کلام کی بنا تہکم و استہزاء پر ہوگی اور حاصلِ ارشاد یہ ہوگا کہ اے کفارِ مکہ! تم پہلے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے تو اب تم نے دیکھ لیا تم کو کیسی فتح حاصل ہوئی (گرفتار ہوئے قید ہوئے اور شکست کھا کر بھاگے) اب بھی تم اگر اسلام کی مخالفت کروگے تو ہم بھی پھر اہلِ اسلام کی مدد کریں گے۔ تمہارا جتھا کتنا ہی کیوں نہ ہو جب ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں تو کچھ بھی تمہارے کام نہ آئے گا۔
آیت میں درپردہ ایک پیشین گوئی ہے کہ آئندہ مشرکین بڑی جماعت بنا کر مسلمانوں پر چڑھائی کریں گے مگر کچھ فائدہ نہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب میں قریش نے بڑی لشکر بندی کی تھی مگر ذلیل وخوار ہو کر واپس ہوئے۔
بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔ جب مسلمانوں نے جنگِ بدر کے موقع پر اللہ سے دعائے فتح اور استغاثہ کیا تو اللہ نے ان کو فتح عنایت کی الخ یہ آیت نازل ہوئی۔ قاضی عیاض نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اس تقریر پر کلام حقیقت پر محمول ہوگا اور حاصلِ ارشاد یہ ہوگا کہ مسلمانو! تم نے ہم سے فتح کی دعا مانگی تھی ہم نے تم کو فتح عنایت کی لیکن تم نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا اس کا نتیجہ اٹھایا۔ اب آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ ہم پھر برا نتیجہ دیں گے اور کبھی یہ نہ سمجھنا کہ فتح کا مدار کثرتِ افراد پر ہے۔ کتنی ہی بڑی جماعت ہو اگر ایمان کامل نہ ہوگا اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کروگے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کی مدد تو مومنین کاملین کے ساتھ ہے۔ تھوڑے ہوں یا بہت۔ لیکن صحیح تفسیر وہی ہے جو جمہور نے بیان کی ہے۔

مقصودِ بیان جب تک عقائد کی صلاح اور اعمال کی درستگی نہ کی جائے صرف دعا کرنا کافی نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیشہ مومنین کاملین کی مدد کرتا ہے۔ اہلِ باطل کی جماعت خواہ کتنی ہی بڑی اور شاندار ہو اہلِ حق کے مقابلے میں ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ

مسلمانو! اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اس سے نہ پھرو حالانکہ تم

تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

جانتے ہو اور اُن لوگوں کی طرح نہ بنو جنھوں نے کہا ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ سُنتے نہیں ہیں

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

بیشک تمام جانوروں میں سب سے بڑے اللہ کے نزدیک وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے ہیں

تفسیر اوپر کی آیت میں تھا کہ خدا تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے اس لئے کفار کوئی تدبیر کریں مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس آیت میں بتانا چاہتا ہے کہ خدا کا مسلمانوں کے ساتھ ہونا کچھ مسلمان نام ہونے کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تمہارا صرف مسلمان کہلانا کافی ہے بلکہ دو شرطوں کی تکمیل لازم ہے۔ اول یہ کہ اگر مومن ہونے کے مدعی ہو تو حقیقتِ ایمان اپنے اندر پیدا کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانو اور اُنہی پر چلو۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سننے کے بعد روگردانی نہ کرو۔ رسولِ خدا کے کلام سے لاپرواہی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ فرمانِ رسول سننے کے بعد سُنی اَن سُنی برابر کر دو اور تعمیل نہ کرو۔ اُن منافق یہودیوں اور مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ جو زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے حکم سُن لیا اور واقع میں سُنتے سُناتے خاک نہیں کیونکہ اُس کی طرف توجہ اور اُس پر عمل نہیں کرتے۔ قضاء و قدر نے درحقیقت اُن میں حق کے سُننے اور ماننے کی قابلیت و استعداد ہی نہیں دی۔ پس یہ لوگ مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک تمام چرپایوں اور حیوانوں سے بدتر ہیں کیونکہ اُن کی زبانیں ہیں مگر حق کی گویا نہیں۔ اس لئے یہ گونگے ہیں۔ اُن کے کان ہیں مگر صداقت کو نہیں سنتے اس لئے یہ بہرے ہیں۔ ان کے پاس ہوش حواس اور عقل ہے مگر حق کو سمجھنے والی اور ہدایت و بصیرت کو سوچنے والی نہیں اس لئے یہ بے عقل ہیں۔ تو جو لوگ زبان، کان اور عقل ہوتے ہوئے گونگے بہرے اور بے عقل ہوں وہ یقیناً تمام حیوانات سے بدتر ہیں۔

مقصودِ بیان نام کا مسلمان کہلانا کافی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے انکار علامتِ نفاق ہے اور زبان سے اقرار عمل سے انکار بھی کچھ سود مند نہیں۔ اس سے حقیقتِ ایمان نہیں پیدا ہوتی۔ جو لوگ کلامِ حق سے گونگے، صداقت کی طرف سے بہرے، ہدایت و بصیرت کے سمجھنے سے کورے ہیں وہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ وغیرہ

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

اگر اللہ اُن میں کچھ بھلائی جانتا تو اُن کو سُناتا اور اگر اُن کو اب سُنا دے تو یقیناً بے رُخی کرتے ہوئے اعراض کریں گے

تفسیر ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خاندان عبد الدار کے چند آدمیوں نے حضور اقدسؐ سے عرض کیا کہ آپ قُصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) کو زندہ کر دیجئے وہ عرب کا بزرگ تھا اگر وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دے گا تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کا رد کر دیا کہ اگر اللہ قُصی کو زندہ کر کے اُس کا کلام اُن کو سنوا دے تب بھی وہ سحر و جادو کہہ کر کافر کے کافر بنے رہیں گے (ابن کثیر)

حاصل یہ کہ ان میں ایمان کی قابلیت و استعداد ہی نہیں۔ اگر اللہ مُردوں کو زندہ کر دے اور وہ رسولؐ کی صداقت پر شہادت دے دیں تب بھی یہ مسلمان نہ ہوں گے اور چونکہ ان میں ایمان کی قابلیت ہی نہیں اس لئے خدا مُردوں کو زندہ کر کے اُن کی شہادت اُن کو نہیں سُنواتا۔ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو خدا ایسا بھی کر دیتا۔

وضاحت:۔ اللہ ہی کفر و ہدایت کا خالق ہے وہی موفق و ہادی ہے، جو لوگ ایمان کی اہلیت رکھتے ہیں اُن کی ہدایت کے لئے ایک آیت

کافی ہے اور جب ایک آیت کیا بکثرت آیات بھی کسی کے لئے کافی نہ ہوں اور وہ مزید معجزات کا طالب ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ معجزات کو مؤثر حقیقی اور ہادی سمجھتا ہے اور یہ خود عقیدۂ کفر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کی صلاحیت ہی نہیں کہ اگر ہدایت کی طلب کرتا ہے تو وہ کافرانہ طور پر باطل عقیدہ کے ساتھ۔

مقصودِ بیان معجزات مؤثر حقیقی اور ہادی نہیں۔ کفر و ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس کے دل میں مادۂ ہدایت نہ ہو وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ رسول اللہ سے فرمائشی معجزات ہمیشہ ظاہر ہوں۔ وغیرہ

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

مسلمانو! اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم بجا لاؤ جبکہ وہ تم کو ایسے کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اور جان لو کہ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان اللہ آڑ بن جاتا ہے اور بلاشبہ اُس کے پاس تم جمع ہو گے

تفسیر یہ کلام سابق کی تائید ہے یعنی اے وہ لوگو! جو مدعیِ ایمان ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ وہ تم کو اُن اُمور کی طرف بلا رہے ہیں جن میں تمہاری ابدی زندگی ہے۔ وہ کون امور ہیں جو ابدی زندگی کا باعث ہیں؟ بعض کا قول ہے کہ اس سے مُراد علوم شرعیہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی مراد ہیں۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ اس سے مراد علوم شرعیہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی مراد ہیں۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے۔ سدّی کے نزدیک ایمان مراد ہے۔ ابن کثیر نے عام دینِ اسلام مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ گزشتہ تمام تفاسیر بطور مثال کے ہیں۔ تخصیصی معنی مراد نہیں ہیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے فرمایا خوب سمجھ لو کہ آدمی (کے ارادہ) کے اور اس کے دل کے درمیان خدا حائل ہوتا ہے۔ ان لفظوں کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار و اطلاع ہے۔ بدر کے روز مسلمانوں کو کثرتِ کفار سے اندیشہ تھا خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ قلوب کی حالت خدا کے قبضہ میں ہے۔ کثرت سے کثیر تعداد کے قلوب خوف زدہ ہو سکتے ہیں جس طرح بدر کے دن کفار کے ہوئے اور قلیل تعداد کے قلوب کو ثبات ہو سکتا ہے، جس طرح مسلمانوں کے دلوں کو ہوا۔

ابن عباسؓ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مومن اور معاصی کے درمیان نیز کافر اور ایمان کے درمیان خدا حائل ہو جاتا ہے (یعنی مشیتِ خدا حائل ہو جاتی ہے اس کی مشیت کی وجہ سے مومن کا اتّصال کفر و معاصی سے نہیں ہوتا اور کافر کا اتصال ایمان و طاعت سے نہیں ہونے پاتا) سعید بن جبیر، ضحاک، عکرمہ، مجاہد اور ابو صالح وغیرہ کا یہی قول ہے۔ سدی کا قول بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ یہی صحیح بھی ہے کیونکہ قلب کا فعل یا تو اعتقاد ہے یا جذبہ و ارادہ اور دونوں کا فاعلِ حقیقی خدا ہے۔ وہی ہر اعتقاد و ارادہ دل میں پیدا کرتا ہے اور وہی ہر عقیدہ و ارادہ سے دل کو روکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا جسم نہیں جسمانی نہیں پھر وہ کس طرح حائل ہوتا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کلام حقیقت پر محمول نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یعنی مشیتِ الٰہی حائل ہو جاتی ہے (سدی) علمِ الٰہی حائل ہو جاتا ہے (ربیع بن انس) اللہ دلوں کے قریب ہے (حسن بصری)

اولیٰ یہ ہے کہ کسی معنی کی تعیین نہ کی جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ہر دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب چاہا اس کو ٹھیک رکھا جب چاہا موڑ دیا۔ اس کے معنی بھی مجازی مراد ہیں۔

مقصودِ بیان قرآن پاک اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب العمل ہونے کی صراحت (اس سے فرقۂ قرآنیہ کا رد نکلتا ہے جو احادیث کو نہیں مانتے) اللہ کے قادر و مختار ہونے کی تصریح اور اس بات کی طرف اشارہ کہ ہدایت و ضلالت خدا کے

اختیار میں ہے۔ اس امر پر تنبیہ کہ انسان کو توبہ و استغفار اور نیک عمل میں جہاں تک ممکن ہو جلدی کرنی چاہیئے۔ خدا جانے کہ دیر کے بعد نیکی کا ارادہ قائم رہے یا نہ رہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور تم اُس بلا سے ڈرو جو تم میں سے صرف ظالموں ہی پر چُن کر پڑے گی اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر فتنہ سے مراد ہر وہ امر ہے جس سے دل قائم نہیں رہتا۔ مثلاً قحط سالی، گرانی، افلاس، ظالموں کا غلبہ، بدکاروں کا تسلط، فاجروں کی.... گناہگاری اور نیکوں کا اس کو نہ روکنا وغیرہ۔ ان تمام امور سے دل متزلزل ہو جاتا ہے یا باوجود ثباتِ قلب کے انسان مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری کے قول کے مطابق یہ آیت چار صحابیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ علی، عمار، طلحہ، زبیر۔ مطلب یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کا مصداق آئندہ زمانے میں یہ چار صحابہ ہوئے ورنہ دوسرے صحابی بھی اس آیت کے مفہوم کے مصداق بنے۔ پھر آیت میں صحابی اور غیر صحابی کی کوئی تخصیص بھی نہیں ہے بلکہ عمومی حکم ہے۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ بدر کے حق میں نازل ہوئی۔ چنانچہ جنگِ جمل میں اہلِ مصر کے فتنہ کی وجہ سے وہ لوگ آپس میں لڑے مرے اور مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بروایت علی بن طلحہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت سب کے حق میں ہے۔ مجاہد، ضحاک، یزید بن ابی حبیب کا بھی یہی قول ہے۔

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو مبتلائے فتنہ نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ پس جو کوئی فتنہ سے پناہ مانگے اس کو چاہیئے کہ گمراہی میں ڈالنے والے فتنوں سے پناہ مانگے (رواہ ابن جریر)

ہم پہلے آیت کا توضیحی مطلب لکھتے ہیں۔ پھر چند احادیث لکھیں گے جن میں فتنہ کی حالت کا بیان ہے۔ یہ اصل ارشاد ہے کہ اُس فتنہ سے اہلِ ایمان کو پرہیز چاہیئے جس کا وبال فقط ظالموں اور اصل مجرموں پر ہی نہیں پڑے گا بلکہ اُن کی شامتِ اعمال سے سب پر پڑے گا نیک لوگ بھی آئی کے منہ پر آجائیں گے کیونکہ جب دلیر لوگ لڑائی میں سستی کرنے لگیں اور اس وجہ سے بزدل بھاگ جائیں تو شکست کا خمیازہ سب ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی طرح دین میں مداہنت کرنے اور گناہگاروں کو گناہ سے نہ روکنے کے باعث عذابِ الٰہی جب نازل ہوتا ہے تو سب پر عام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جانور تک کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔

عدی بن عمیرہؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا خاص بندوں کی بدفعلی کی وجہ سے عام بندوں کو خدا تعالیٰ اُس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ اپنے سامنے بدکاری ہوتے دیکھ کر منع کرنے سے باز نہ رہیں۔ درآنحالیکہ منع کرنے پر قادر بھی ہوں۔ پس اگر انھوں نے منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ بدنام کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سب کو مبتلائے عذاب فرما دیتا ہے۔ (رواہ احمد)

حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور تم ایسی باتوں کا حکم دوگے جو شرع میں اچھی ہیں اور ایسی باتوں سے منع کروگے جو شرع میں بُری ہیں ورنہ اللہ تم پر ایک قوم کو مسلط کر دے گا جس سے بچنے کی تم دعائیں کروگے مگر قبول نہیں ہوں گی۔ (رواہ احمد)

نعمان بن بشیر کی روایت بخاری نے لکھی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جہاز میں نیچے کے درجہ والے اگر پانی لینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے جہاز میں چھید کر دیں اور اوپر والے منع نہ کریں تو سب کے سب غرق ہو جائیں گے۔

حضرت جریر کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو قوم بدکاری کرے اور اُن میں کوئی باعزت شخص ہو جو روک سکتا ہو مگر نہ روکے تو اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (رواہ احمد ابو داؤد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا جب زمین میں بدکاریاں پھیلیں گی تو اللہ اُن پر عذاب نازل فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُن میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بھی ہوں گے؟ فرمایا ہاں ہوں گے لیکن (مرنے کے بعد) وہ اللہ کی رحمت و رضوان میں چلے جائیں گے (رواہ احمد) یعنی وہ عذاب اُن کے لئے عذاب نہ ہوگا بلکہ مرنے کے بعد رحمتِ الٰہی اُن کو حاصل ہوگی اگرچہ بظاہر عذاب کی شکل میں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ عمومی بدکاری کے وبال سے بچنے کے لئے اہلِ حق کو کیا کرنا چاہیئے؟ تو اس کا بیان خود حدیث میں آگیا ہے کہ اگر ہاتھ سے روک سکتا ہو تو روکے ورنہ زبان سے ہی منع کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم دل سے ہی اُس کو بُرا جانے۔ اُس کے نیچے رائی کے برابر ایمان نہیں ہے۔

مقصودِ بیان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پُرزور تاکید۔ اس بات کی صراحت کہ عمومی گناہوں کے وبال سے خواص بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس امر کی طرف تنبیہ کہ آئندہ جب بدکاری عام ہو جائے گی تو اس کا وبال ضرور بھگتنا ہوگا اور پھر اس وبال سے نیک لوگوں کی بھی جان نہ چھوٹے گی۔ آیت سے یہ بات بھی ضمنی طور پر مترشح ہوتی ہے کہ اکثریت کا فعل قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ نیکی تو اکثریت کی قابلِ اعتبار ہے ہی بدی بھی اکثریت ہی کی معتبر ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے تم ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو

يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

اُچک لے جائیں گے پس اللہ نے تم کو جگہ دی اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت کیں

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

تاکہ تم شکر کرو

تفسیر اِن آیات میں روئے خطاب صحابۂ مہاجرین کی طرف ہے۔ واقعہ بدر کے بعد اِن آیات کا نزول ہوا۔

الارض سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سرزمین مکہ ہے مگر حکم بہر صورت عام ہے۔ اسی لئے قتادہ بن دعامہ سدوسی نے فرمایا کہ یہ گروہ عرب سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور سب سے بڑھ کر ننگا بھوکا تھا۔ جیتا تھا تو بدبختی کی حالت میں اور مرا تو جہنمی۔ واللہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی اُن سے زیادہ بدحال ہو۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسلام کو بھیجا اور عرب کو مشرف فرما کر دنیا کے ممالک میں اُن کو شوکت و قوت دے کر اُن کے قدم بادشاہوں کی گردنوں پر رکھے۔ تم جو کچھ یہ دیکھ رہے ہو اسی اسلام کی بدولت ہے۔ الخ آیات کا مطلب ظاہر ہے۔

مقصودِ بیان اسلام شروع میں کمزور حالت میں تھا لیکن مسلمانوں نے چونکہ احکامِ اسلام کی تعلیم کی اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کی مدد کی اور شوکت و قوت حاصل ہوئی۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ آیت میں ضمنی طور پر تعمیلِ احکامِ اسلامیہ کی ترغیب ہے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ

مسلمانو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور جان بوجھ کر اپنی باہمی امانتوں میں

تَعۡلَمُوۡنَ ۞ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۙ وَّاَنَّ

خیانت نہ کرو اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہاری آزمائش ہے اور اللہ کے

اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ؏

ہاں بڑا ثواب ہے

تفسیر اس آیت کے سببِ نزول میں اہلِ تفسیر کے چند اقوال ہیں:- (۱) یہ آیت ابو لبابہ بن عبد المنذر کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بنی قریظہ یہودیوں کا ایک خاندان تھا جو مدینہ کے قریب رہتا تھا۔ انھوں نے باوجود معاہدہ جنگ احزاب میں جبکہ مشرکوں نے آکر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا مشرکوں کی مدد کی اور معاہدہ کی سخت خلاف ورزی کی جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچا۔ جنگِ احزاب ختم ہوگئی اور مشرکین واپس بھاگ گئے تو حضورؐ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا اور تین روز یا ایک ہفتہ یا اکیس روز محاصرہ قائم رہا۔ یہودی تنگ ہوئے تو صلح وامان کے خواستگار ہوئے۔ ابو لبابہ ایک انصاری تھے۔ ان کے بال بچے اور کل مال بنی قریظہ کی گڑھی کے اندر تھا اور یہودیوں سے ان کا میل جول بھی تھا۔ حضورؐ نے ابو لبابہ کو بھیجا کہ یہودیوں سے جاکر کہہ دو ہم کوئی شرط منظور نہیں کرتے البتہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں اس پر ہم راضی ہیں بشرطیکہ تم بھی راضی ہو۔ ابو لبابہ نے جاکر پیغام پہنچا دیا۔ یہودیوں نے ابو لبابہ سے مشورہ کیا کہ تمہاری رائے میں ہم کو سعد کے فیصلہ پر راضی ہوجانا چاہیئے یا نہیں؟ ابو لبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ سعد تو تمہارے قتل کا فیصلہ دیں گے۔ اس کے بعد ابو لبابہ بہت پچھتائے اور حضورؐ کے پاس واپس نہ آئے بلکہ باہر ہی باہر آکر مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو مضبوط بندھوا دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا اسی طرح مر جاؤں گا۔ تین دن اسی طرح گزرے تو بے ہوش ہوگئے۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا اگر میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا۔ اب چونکہ حق تعالیٰ نے بلاواسطہ رجوع کیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی حکم فرمائے۔ اسی حال میں قریب ایک ہفتہ کے گزر گیا اور یہ آیت مع آئندہ آیت کے نازل ہوئی۔ لوگ خوش ہوکر بشارت دینے کے لئے اُن کے پاس گئے اور کھولنا چاہا۔ ابو لبابہ نے قسم دی کہ مجھے نہ کھولو جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دستِ مبارک سے نہ کھولیں۔ بالآخر حضورؐ نے تشریف لے جاکر کھولا (کذا قال ابن ابی قتادہ والزہری)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی وجہ سے ابو لبابہ نے ایسا کیا تھا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جب فتح مکہ کے لئے لشکر کشی کا ارادہ مسلمانوں نے کیا تو حاطب نے ایک خط اہلِ مکہ کو لکھا اور اس میں مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع دی۔ کیونکہ حاطب کے بچے اور مال قریش کی حفاظت میں تھا۔ ان کو اپنے اہل وعیال اور مال کے تلف کا اندیشہ ہوا۔ حضورؐ کو یہ واقعہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا۔ آپ نے علی رضی اللہ و زبیر بن عوام کو بھیج کر وہ خط راستہ میں پکڑوایا اور بالآخر حاطب کی توبہ قبول ہوئی۔

سدی کہتے ہیں اس میں منافقوں اور بعض سادہ لوح مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو حضورؐ کی راز کی باتیں اور مسلمانوں کی باہمی تجویزیں پھیلا دیتے تھے اور اس طرح دشمنوں کو مسلمانوں کے راز کی اطلاع ہوجاتی تھی۔ اولیٰ یہ ہے کہ سببِ نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم عمومی ہے۔ اس میں ہر قسم کی خیانت داخل ہے خواہ مال کی ہو، خواہ غنیمت کی، خواہ آبرو کی، خواہ کسی راز کی اور تجویز کی۔ بلکہ ہر فرض وسنت کا ترک اور ممنوع وحرام کا ارتکاب بھی چونکہ اللہ اور رسول کی خیانت ہے اس لئے یہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! فرائضِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ کو ترک مت کرو، نہ رسول اللہ کے اندرونی راز کا افشا کرو۔ نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال، عزت، راز اور امانت کی خیانت کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ اس طرح سے تمہارے بال بچے اور مال کی حفاظت ہوجائے گی۔ یہ چیزیں تو تمہا

کی طرف سے تمہاری آزمائش ہیں۔ احکام اسلامی کے مقابل میں ان کا لحاظ نہ کرو۔ اگر احکام اسلامیہ کی خلاف ورزی نہ کروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو اجر عظیم عطا کرے گا پس تم مال اولاد کی طمع میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرکے اجر عظیم کو ضائع نہ کرو۔

مقصودِ بیان ہر قسم کے فرض اور سنت کی بجا آوری کی تاکید آپس میں ایک دوسرے کی خیانت کرنے کی ممانعت۔ خیانت کی کوئی شکل ہو۔ اس امر کی صراحت کہ مال و اولاد ہی درحقیقت انسان کو کج راہ بناتے ہیں۔ انہی کی محبت سے آدمی اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ گو یہ ایک آزمائش ہے ایسا نہ کرنا چاہیئے وغیرہ۔ بعض حضرات جو قرآن کے علاوہ سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ اُن کے لئے آیت میں ذخیرۂ عبرت پوشیدہ ہے۔ سنتِ رسول کو ماننا اور اس پر چلنا بھی بحکم آیت ضروری ہے لیکن جس حد تک وہ مستوی ہو اسی حد تک اُس پر چلنا چاہیئے۔ اگر سنت سے اُس کا وجوب ثابت ہو تو بطور وجوب اُس کو ادا کرنا چاہیئے۔ اگر بطور سنتِ مؤکدہ ثابت ہو تو سنتِ مؤکدہ کے طور پر کرنا چاہیئے۔ اور اگر حضورؐ نے کبھی اس کو ترک بھی کیا ہے تو کبھی اُس کو ترک بھی کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے لئے امتیاز کردے گا اور تمہارے گناہ تم سے

سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے

تفسیر فُرقان سے مراد ابن عباس، مجاہد، سدی، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کے نزدیک نجات ہے۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ فتح یابی مراد ہے۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ فرقان سے مراد ہے حق و باطل میں امتیاز۔ میری رائے میں عموم مفہوم اولیٰ ہے۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ آیت میں تقویٰ کے تین نتائج بیان کئے ہیں۔ مغفرت، برائیوں کی معافی، فرقان وامتیاز خواہ دین میں ہو یا دنیا میں۔ دینی فرقان تو ظاہر کہ اہل تقویٰ کے خاص علامات اور امتیازات ہوں گے اور دنیوی فرقان کی مختلف صورتیں ہیں۔ حکومت شوکت، فتح و نصرت غلبہ مکارم اخلاق وغیرہ۔
حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم شرک اور معاصی سے اجتناب رکھوگے تو ہم آخرت میں تمہاری مغفرت کریں گے، تمہارے گناہ معاف فرمائیں گے تم کو نجاتِ ابدی دیں گے، تم کو خاص امتیازات عطا کریں گے اور دنیا میں بھی تمہاری امتیازی شان رکھیں گے۔ ہماری مخصوص عنایات تمہارے شاملِ حال ہوں گی۔

مقصودِ بیان تقویٰ کی ترغیب۔ اس امر سے ضمنی ترشح کہ بغیر خاص تقویٰ کے بھی مومن ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کمالِ ایمان کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی اگر فقط شرک سے اجتناب کیا تو مومن کا اطلاق اس پر صحیح ہے اگرچہ معاصی سے پرہیز نہ کیا ہو۔ لیکن اگر معاصی کو بھی ترک کردیا تو اس سے کامل مومن ہو جائے گا۔
اس امر کی صراحت کہ تقویٰ سے علاوہ مغفرت اور عفو و قصور کے دین و دنیا میں خصوصی امتیاز بھی حاصل ہوتا ہے۔ گویا ہر دینی اور دنیوی امتیاز کا مدار تقویٰ پر ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

(اے محمدؐ) یاد کرو جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو قید کردیں یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○

وہ بھی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے

تفسیر محمد بن اسحاق، قتادہ، مقسم وغیرہ نے متعدد طرق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ اسلام کے خلاف کوئی تدبیر نہیں چلتی تو دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ اہل ندوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ شیبہ، ابوجہل، طعیمہ بن عدی، النضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور ابوالبختری وغیرہ موجود تھے۔ ہر ایک نے اپنی تجویز پیش کرنی شروع کر دی۔ ایک خبیث شیطان بھی نجدی شیخ کی صورت میں شریک تھا اور اپنی رائے دینے آیا تھا۔ ابوالبختری بولا میری رائے تو یہ ہے کہ ایک بند مکان میں قید کر دو۔ اس صورت میں نہ کوئی ان کے پاس آنے پائے گا نہ یہ اس کو بے راہ کر سکیں گے۔ صرف دانہ پانی پہنچانے کو اس جیل خانے میں ایک روشندان یا کھڑکی رکھو۔ بالآخر جس طرح دوسرے شاعر زہیر، نابغہ وغیرہ مر گئے اسی طرح محمد بھی مر جائیں گے۔ نجدی بولا یہ ٹھیک نہیں اس کے ہمراہی تم سے لڑیں گے اور اس کو چھڑا لے جائیں گے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔ ہشام بن عمر نے کہا میری رائے میں محمد کو شہر بدر کر دو۔ اس صورت میں نہ یہ ہمارے سامنے ہوں گے، نہ اپنی تدبیروں سے ہم کو یا ہمارے اہلِ وطن کو اپنا بنا سکیں گے۔ نجدی بولا یہ بھی ٹھیک نہیں ان کی میٹھی میٹھی باتیں دوسروں کے دل لبھاتی ہیں۔ وہ اپنا ایک بڑا جتھا کر کے تم سے لڑیں گے اور انجام کار تم کو نیچا دیکھنا پڑے گا۔ اور کچھ سوچو۔ ابوجہل بولا اچھا ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان لے لو اور وہ سب مل کر بلوے کے طور پر محمد کو قتل کر ڈالیں۔ جب محمد مارے گئے تو ہر طرح اطمینان ہو جائے گا۔ اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ محمد کے اقارب قتل کرنے والوں پر قصاص کا دعویٰ کریں گے اس لئے ہم تمام سردار یعنی امرائے مکہ مدعیانِ قصاص کو خونبہا دے دیں گے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ بنی ہاشم جب تمام قریش سے لڑنے کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں گے تو مجبور ہو کر دیت ہی قبول کر لیں گے۔ آخر اس رائے پر سب کی مہر ہو گئی اور یہ لوگ یہاں سے اٹھ کر اپنی تدبیر میں مشغول ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے اور نجایت کی کل خبر دے کر کہا آپ یہاں رات نہ گزاریں۔ حسبِ وحی حضورِ انور شب کو اپنی جگہ حضرت علیؓ کو لٹا کر اپنی چادر اڑھا کر حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر کوہ ثور کے غار میں جا چھپے۔ کفار تمام رات گھر کو گھیرے پڑے رہے۔ صبح جب حضورؐ کو نہ پایا تو جستجو میں چاروں طرف پھیل گئے۔ جس غار میں حضور تشریف رکھتے تھے وہاں تک بعض تلاش کرنے والوں کو نشانِ قدم دیکھ کر قیافہ شناسوں نے لا کر کھڑا کر دیا مگر اللہ نے ان کو لاعلم رکھا اور حضور اقدسؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین شب اسی غار میں رہ کر معمولی راستہ کرتے بخیر و عافیت مدینہ منورہ جا پہنچے۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔

لِيُثْبِتُوكَ یعنی تجھے بیڑیوں میں جکڑ دیں (قتادہ، ابن عباس، مجاہد) یا تجھے قید خانہ میں بند کر دیں (عطاء بن زید) سدی نے دونوں معنوں کا مجموعہ بیان کیا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی! اللہ کے اس احسانِ عظیم کو یاد کرو کہ کفار نے باہم خفیہ تدبیریں کی تھیں کہ تم کو گرفتار کر کے جکڑ بند کر کے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں مگر اللہ بھی اپنی تدبیر میں لگا ہوا تھا اور بالآخر اللہ ہی کی تدبیر غالب آئی۔ کفار کی تدبیریں بے سود ہو گئیں۔

مقصودِ بیان انعامِ خصوصی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دہانی اس بات کی وضاحت کہ تدبیرِ الٰہی ہمیشہ غالب آتی ہے اور اللہ کی تدبیر کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا ہے بُرا کبھی نہیں نکلتا یعنی کفار کی مکاری کا انجام اچھا نہیں نکلتا۔ اس بات کی طرف ضمنی ایماء کہ اللہ تعالیٰ کی امداد ظاہری اسباب کی محتاج نہیں، وہ بغیر مادی اسباب کے اپنے خاص بندوں کی امداد فرماتا ہے۔ وغیرہ

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا اگر ہم چاہتے تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے تھے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

تفسیر نضر بن حارث بن کلاہ ایک بڑا تاجر تھا۔ تجارت کی غرض سے ایران، حیرہ، عراق، شام وغیرہ کا سفر کرتا تھا اور ایران میں اسفندیار کے قصے سن کر اس نے یاد کر لئے تھے اور وہاں سے آکر رات کو قریش کو وہی جھوٹے قصے سُناتا اور کہتا تھا دیکھو میرے بیان کئے ہوئے قصے بہتر ہیں یا محمد کے۔ اسی شخص نے کہا تھا کہ ہم بس سن چکے۔ ہم خود اگر چاہیں تو ایسے قصے کہہ سکتے ہیں یہ پارینہ قصے ہیں، ان میں رکھا ہی کیا ہے۔ کمبخت قرآن کی مثل فصیح بلیغ عبارت اور ہدایت آمیز، صداقت انگیز معانی پیش کرنے سے تو قاصر تھا اس لئے اس بات کا تو دعویٰ نہیں کیا کہ میں بھی ایسا بلیغ کلام کہہ سکتا ہوں بلکہ دعویٰ کیا تو یہ کیا کہ میں بھی ایسے قصے کہہ سکتا ہوں۔

مقصودِ بیان قریش کے بیہودہ اقوال کا اظہار، آیاتِ الٰہی اور پیامِ ہدایت کو پارینہ قصص کہنے کی صراحت۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ ازلی گمراہوں کو واضح پیامِ حق بھی سودمند نہیں ہوتا وہ اس کو قصۂ پارینہ ہی سمجھتے ہیں۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا

(وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ انھوں نے کہا کہ یا اللہ! اگر یہی تیری طرف سے حق دین ہے تو ہم پر آسمان سے

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر بھیج دے حالانکہ جب تم اُن میں موجود ہو تو

وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَمَا

اللہ اُن کو عذاب نہیں دے گا اور جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اللہ اُن کو عذاب دینے والا نہیں انھیں

لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا

اس بات کا کیا اطمینان ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہیں دے گا حالانکہ یہ کعبہ سے لوگوں کو روکتے ہیں باوجودیکہ

كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

اس کے مختار نہیں ہیں درحقیقت اس کے متولی تو پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان میں سے بہتیروں کو واقفیت

يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً

نہیں ہے خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے ان کی نماز ہی کیا تھی

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

لہٰذا اپنے کفر کے عوض عذاب کا مزہ چکھو

تفسیر حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل تھا (بخاری) ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ بھی نضر بن حارث نے کہا تھا۔ عطا کہتے ہیں اس سے زائد قرآنی آیات میں نضر بن حارث کی شقاوت ظاہر کی گئی ہے۔ مجاہد وغیرہ تابعین نے بھی اس کو نضر کا قول قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ نے بروایت بریدہ بیان کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا عمرو بن عاص (کفر کی حالت میں) گھوڑے پر سوار احد کے روز کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی حق ہے جو محمد کہتے ہیں تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ اولیٰ یہ ہے کہ کفار قریش میں کسی کی تخصیص نہ کی جائے بلکہ یہ قول عام طور پر کفار قریش کا قرار دیا جائے کیونکہ بعض لوگ قائل تھے اور باقی اس قول پر راضی تھے۔ لہٰذا کل قائل قرار پائے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں الہٰی! اگر یہ تعلیم محمد اور قرآن تیرے پاس سے واقعی ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہم کو ہلاک کر دے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ (باوجود اس ہٹ اور اصرار کے) ہم نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ (۱) اے نبی! تم ان میں موجود تھے یعنی جس قوم میں نبی موجود ہو تو جب تک وہ اُن میں موجود رہے گا ان سے الگ نہ ہوگا، عذاب نازل نہ ہوگا۔ (۲) وہ استغفار کرتے ہیں یعنی اپنے قول کی معافی مانگتے ہیں۔ اس لئے اُن پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔

ابن جریر نے بروایت یزید بن رومان و محمد بن قیس بیان کیا ہے کہ اہلِ مکہ نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی مگر جب شام ہوئی تو نادم ہو کر اللہ سے معافی مانگی۔ ابن ابی حاتم نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ استغفار سے حالتِ طواف میں استغفار کرنا مراد ہے کیونکہ قریش دورانِ طواف میں استغفار کرتے تھے۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ معافی مانگنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے ازل میں ایمان مقرر ہو چکا تھا اور وہ آئندہ ایمان لانے والے تھے۔ مجاہد، عطیہ، عکرمہ، سدی اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔

ضحاک اور ابومالک کے نزدیک وہ مومن مراد ہیں جو مکہ میں موجود تھے اور کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (انہی دونوں وجوہ سے اُن پر عذاب نازل نہ ہوا ورنہ) ان کو کوئی ذاتی استحقاق نہ تھا کہ عذاب اُن پر نازل نہ ہوتا۔

اس کے بعد فرماتا ہے:۔ اُن پر عذاب نازل نہ کرنے کی (اور کوئی وجہ نہیں بلکہ عذاب کی مقتضی دو وجوہ موجود ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے یہ لوگ مومنوں کو روکتے ہیں حالانکہ کعبہ کے متولی ہونے کا ان کو استحقاق نہیں۔ کعبہ کی تولیت کے حقدار تو بس وہی لوگ ہیں جو اہلِ تقویٰ (رسول اللہ صحابہ مومنین) ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ بجائے نماز پڑھنے کے یہ لوگ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ پڑھنے دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ عذاب کے دواعی موجود ہیں مگر بالفعل چونکہ دواعی کے ساتھ موانع بھی موجود ہیں اس لئے رُکا ہوا ہے جب یہ موانع نہ رہیں گے تو عذاب ضرور آئے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کر گئے اور مکہ والوں نے استغفار بھی چھوڑ دیا اور جو کمزور بے طاقت اہلِ ایمان اُن کے پنجہ میں گرفتار تھے وہ بھی کسی تدبیر سے نکل آئے تو جنگِ بدر کی شکل میں اُن پر عذاب نازل ہوا۔ شکستوں پر شکستیں نصیب ہوئیں۔ ہزاروں مارے گئے۔ بالآخر مکہ بھی فتح ہو گیا اور دوامی عذاب میں ماخوذ ہوئے۔

مقصودِ بیان

عذاب نہ نازل کرنے کے وجوہ کا بیان اس بات کی صراحت کہ وجودِ نبیؐ ان پر عذاب نازل ہونے سے مانع تھا۔ اس امر کی طرف لطیف ایما کہ خاص حضورؐ کی برکتیں اور ان کی موجودگی اور ان کا توبہ استغفار اور دعا عذاب نازل نہ ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ اگرچہ دواعی و اسباب موجود ہوں، نزولِ عذاب کے تمام مقتضیات فراہم ہوں۔ اہلِ حق پر ظلم ہو، لوگ عام طور پر شرک و معاصی میں مبتلا ہوں مگر خاص بندوں کے وجود کی برکت اور ان کی دعا سے نزولِ عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔ اس بات کی صراحت کہ کعبہ کی تولیت اُنھی لوگوں کا حق ہے جو عبادت گزار، پرہیزگار، اطاعت شعار ہوں۔ کفار چونکہ کعبہ کا احترام نہیں کرتے اس کے پاس کھڑے ہو کر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں اور نماز بھی نہیں پڑھتے اس لئے ان کو متولی ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اس امر کی نص کہ جنگِ بدر میں کافروں کا قتل ان کے کفر و شرک کا نتیجہ تھا، وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

جو لوگ کافر ہیں — وہ اللہ کی راہ — روکنے کے لئے — اپنے مال — خرچ کرتے ہیں — تو وہ — اب تو — خرچ

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے — رہیں گے — لیکن انجام کار — اُن کو پشیمانی ہوگی — اور بالآخر وہ — مغلوب ہوں گے — اور جو لوگ — کافر ہیں

إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ

جہنم کی طرف کھینچے — جائیں گے — تاکہ اللہ — ناپاک کو — پاک سے — جُدا کر دے — اور ناپاک

الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ

کو — ایک دوسرے — پر رکھے — اور سب کا — ڈھیر بنا کر — ڈھیر کو — جہنم میں — ڈال دے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ع

یہی لوگ — نقصان اُٹھانے — والے — ہیں

ع ۹ / ۱۸

تفسیر

يُنفِقُونَ اور سَيُنفِقُونَهَا سے کونسا خرچ مراد ہے؟ اس میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق نے بروایت زہری و محمد بن یحییٰ بن حبان و بن عاصم بن عمر بن قتادہ و حصین بن عبدالرحمٰن بیان کیا ہے کہ بدر کے روز جب قتل و قید ہوئے اور پھر قید سے چھوٹ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان بھی بھاگ کر قافلہ لے کر مکہ پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ نے تمام قبائل قریش میں گشت لگائی اور ابوسفیان کو سرغنہ کر کے یہ تجویز قرار دی کہ تجارتی قافلہ کے کل مال کو فراہمی لشکر میں صرف کیا جائے اور پھر اس لشکر سے چڑھائی کر کے اپنے مقتولوں کا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ سبھوں نے ایسا ہی کیا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ الخ۔ انہی کے حق میں نازل ہوئی۔ اس تقدیر پر اموال سے وہ اموال مراد ہوں گے جو کفار نے جنگِ بدر میں خرچ کئے تھے۔ سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، سدی، ابن ابزیٰ اور حکم بن عتیبہ سے بھی یہی مروی ہے بیضاوی اور معالم میں ہے کہ ابوسفیان نے چالیس اوقیہ (ہر اوقیہ بیالیس مثقال) سونا خرچ کر کے علاوہ جماعت ہائے قریش کے دو ہزار عرب کی فوج جنگِ اُحد کی تیاری کے لئے فراہم کی تھی۔ بظاہر اس قول سے بھی جنگِ احد کے لئے اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت ان کافروں

کے حق میں نازل ہوئی جو بدر کے روز لڑنے آئے تھے۔ ان میں سے بارہ آدمی سب کو کھانا دیتے تھے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، منبہ، نبیہ، ابوالبختری، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، ربیعہ بن اسود، حارث بن عامر اور عباس بن عبدالمطلب۔

ابن کثیر نے ان تمام روایات کا لحاظ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ یُنْفِقُوْنَ سے جنگ بدر کی تیاری پر خرچ کرنا مراد ہو اور سَیُنْفِقُوْنَ میں آئندہ جنگ (احد وغیرہ) میں صرف کرنے کی اطلاع ہو۔ میرے نزدیک بھی بہتر ہے۔

کفار کے استحقاق عذاب کی یہ تیسری وجہ بیان فرمائی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے یہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدر کی جنگ میں خرچ کیا۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتا ہے کہ ابھی ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ چنانچہ جنگ احد کی تیاری میں ابوسفیان وغیرہ نے کثیر مال خرچ کیا۔ اس کے بعد مآل کار بتاتا ہے کہ نتیجہ میں انھیں حسرت مغلوبیت اور عذاب جہنم حاصل ہوگا۔ یعنی کفر کی حالت میں مریں گے تو جہنم میں جائیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے تو پہلے خرچ کرنے پر افسوس کریں گے۔

کفار کے مال کو صرف کرنے کی ایک پوشیدہ اور اصلی وجہ بیان فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا میں خبیث وطیب یعنی کافر و مسلم میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خرچ کررہے ہیں وہ خبیث ہیں جو ان کے خلاف ہے وہ طیب ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ پاک وناپاک مال میں امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ جو اللہ کی راہ میں صرف ہو وہ پاک ہے اور جو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس سب ناپاک مال کو اکٹھا کرکے اللہ دوزخ میں ڈال دے گا اور تجارت میں ان کو سخت خسارہ ہوگا۔ نفع کی بجائے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نہ تو دنیا ہی میں غلبہ حاصل ہوگا نہ آخرت میں نجات۔

مقصود بیان مسلمانوں کے خلاف مالی امداد دینے کی مذمت۔ دو پیشین گوئیاں یعنی جنگ احد وغیرہ میں مال صرف کرنے کی اور مآل میں شکست اور مغلوبیت کی۔ جو مال حق کی امداد میں صرف ہو وہ پاک ہے جو باطل کی طرفداری میں صرف ہو وہ ناپاک ہے۔ وغیرہ

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ

کافروں سے کہدو۔ کہ اگر باز آجاؤ گے تو جو کچھ ہوچکا معاف کردیا جائے گا اور اگر پھر وہی کروگے تو گزشتہ لوگوں کی روش

الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پڑھی چکی (مسلمانو!) ان سے لڑتے رہو تاوقتیکہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سرا اللہ کا دین رہ جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان

بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اگر سرتابی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حامی ہے وہی اچھا حامی اور اچھا مددگار ہے

تفسیر خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر عام کافر اپنے کفر و شرک اور محاربہ مسلمین سے باز آجائیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اگر مسلمان ہونے اور محاربہ مسلمین سے باز رہنے کے بعد پھر اصلی حالت کی طرف رجوع کریں گے پھر کافر حربی ہوجائیں گے تو خدا نے جس طرح گزشتہ اقوام کو تباہ کردیا ان کو بھی تباہ کردے گا کیونکہ قانون قدرت یہی ہے کہ جو کوئی عدل و اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ تو جب اگر کفار اپنے معاہدے پر قائم نہ رہیں یا مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہوجائیں تو مسلمانو! تم ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ کفر و شرک کی جڑ نہ کٹ جائے اور خالص دین اسلام باقی نہ رہ جائے۔ اس کے بعد اگر وہ پھر توبہ کرلیں اور کفر و محاربہ سے باز آجائیں اور کلمۂ توحید کے قائل ہوجائیں تو ان کو چھوڑ دو اور ان کے عقائد کی تفتیش نہ کرو۔ کیونکہ ان کے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ یہ کام اللہ کا ہے اور اگر وہ اپنے معاہدہ سے پھر جائیں اور اسلام سے روگردانی کرکے کفر کی طرف مائل ہوجائیں اور کفر میں بڑھتے چلے جائیں یا ظاہر کے خلاف دل میں نفاق رکھیں تو تم ان سے کوئی اندیشہ نہ کرو، نہ دل میں ہراس لاؤ، وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے

اللہ تمہارا حامی ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

تحقیقِ اجزا اور چند مسائل

اِنْ يَّنْتَهُوْا سے بیضاوی وغیرہ کے نزدیک یہ مُراد ہے کہ اگر کفار اپنے کفر اور محاربہ مسلمین سے اس طور پر باز آجائیں کہ مسلمان ہو جائیں۔ یہی مطلب محققین اہل تفسیر نے پسند کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ معاصی و شرک معاف ہو جاتا ہے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں جب میرے دل میں خدا نے مسلمان ہونے کا خیال پیدا کیا تو میں مکہ سے چل کر مدینہ میں آیا اور خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کروں گا۔ حضورؐ نے دایاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کیوں کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا میں کچھ شرطیں کرنی چاہتا ہوں فرمایا شرطیں کیا کروگے۔ میں نے عرض کیا آپ مجھے معاف کر دیں یا میرے لئے استغفار کریں۔ فرمایا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام گزشتہ گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی اگلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔ (رواہ احمد مسلم)

صحاح سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے جو نیکیاں کی ہیں مسلمان ہونے کے بعد ان کا بھی ثواب ملے گا۔ قال الزمخشری اس سے امام ابو حنیفہ نے یہ استدلال کیا کہ اسلام کے بعد کوئی مرتد ہو جائے اور قتل سے پہلے پھر مسلمان ہو جائے تو حالتِ ارتداد میں جو عبادتیں اس سے چھوٹ گئی ہوں ان کی قضا واجب نہیں۔ خفاجی نے احکام القرآن میں امام مالک کا بھی قول نقل کیا ہے لیکن شافعی کا قول ان دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ قہستانی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد نماز، زکوٰۃ، نذر، کفارہ وغیرہ کی قضا کرے۔ شمس الائمہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کافر مسلمان ہو جائیں اور پھر مرتد ہو کر کفر و محاربہ مسلمین کی طرف رجوع کریں تو ہلاک ہوں گے ہم نے خلاصہ مطلب میں ثانی شق کو اختیار کیا ہے۔

اَلْاَوَّلِيْنَ سے مراد پہلی امتیں ہیں۔ مثلاً قوم فرعون، ثمود، عاد وغیرہ اس تقدیر پر آیت تین مضامین کو بالاجمال حاوی ہوگی۔ وعید، تہدید اور تمثیل سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ مقتولین بدر مراد ہیں۔ یعنی اگر کفار نہ مانیں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا جیسے مقتولین بدر کا یعنی جس طرح وہ ہلاک و برباد ہوئے ویسے ہی یہ ہونگے۔ والیہ اشار البیضاوی۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ میں ابن عباسؓ و دیگر علمائے تابعین کے نزدیک فتنہ سے مراد شرک ہے لیکن عروہ کے نزدیک ہر وہ فتنہ مراد ہے جس سے مسلمان راہِ دین سے خطرے میں پڑ جائیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص طور پر کفارِ عرب کا تھا یعنی اُن سے لڑنا ضروری تھا۔ جزیہ وغیرہ اُن سے لینا جائز نہ تھا۔ آیت میں بھی کفارِ عرب کا ہی حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ تم ان کے دلوں کی حالت نہ تلاش کرو۔ زبان سے اگر اقرارِ توحید و رسالت کرلیں تو مان لو دلوں کی حالت جاننے والا خدا ہے۔ صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے جس کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا ہے۔ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ یعنی ان کی دلی حالت اللہ جانتا ہے۔ وہی اس کا محاسبہ کرے گا اور بدلہ دے گا۔

مقصودِ بیان

مسلمان ہونے سے گزشتہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں معاف ہو جاتے ہیں۔ آیت میں کفار کو وعید و تہدید ہے اور گزشتہ اقوام یا مقتولینِ بدر کی طرح ان کا انجام ہونے کی دھمکی دی ہے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ قانونِ فطرت اور ضابطۂ قدرت بدل نہیں سکتا۔ جو قوم قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرے گی وہ تباہ ہو جائے گی۔ شرک اور کفر عظیم الشان فتنہ ہے۔ اس سے امنِ عالم برباد ہو جاتا ہے۔ شرک کو دور کرنے کے لئے ہر قسم کا جہاد یہاں تک (بشرطیکہ اس کے شرائط موجود ہوں اور موانع معدوم ہوں) واجب ہے۔

مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ کفر و اسلام کا حکم ظاہری حالت کو دیکھ کر لگایا جاتا ہے باطنی حالت کو تلاش کرنا نہ چاہیئے اس کا علم خدا کو ہے۔ گویا منافق بھی مسلمانوں کے حکم میں داخل ہیں۔ جب تک کہ واضح علامات سے ان کا نفاق کھل نہ جائے۔

آیت بتا رہی ہے کہ اگر مسلمان صداقت و حق پر قائم رہے تو منافقوں کے نفاق سے اُن کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ان کا اللہ حامی ہے وہی اُن کی مدد کرے گا۔ وغیرہ

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلامہ مولانا سید عبد الدائم جلالی

پبلشر

پوسٹ بکس ۱۲۰۶، سوئیوالان ۵۶۵ انئی دہلی ۲

دسواں پارہ

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تم لوٹ کر لاؤ اُس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اُس کے رسول کا

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ

قرابت داروں کا یتیموں کا محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے اگر تم کو

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی

اللہ پر اور اُس (غیبی مدد) پر یقین ہو جو فیصلہ کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی جبکہ دونوں جماعتیں

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

گتھ گئی تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں حربی کافروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور جنگ کے بعد بصورتِ فتح مالِ غنیمت ہاتھ آنا بھی لازم تھا۔ لہٰذا اُن آیات میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا کہ کفار سے چھین کر جو مال ہاتھ آئے اس کے پانچ حصے کرو۔ ایک حصہ اللہ، اس کے رسول، رسول کے قرابتدار، یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ایک حصے کے پانچ حصے کئے جائیں اور اس کا ⅕ یعنی کل مال کا پچیسواں حصہ رسول کا ہے اور اسی طرح ⅕ رسول کے قرابتداروں کا ⅕ یتیموں کا اور ⅕ مسکینوں کا اور ⅕ مسافروں کا۔ رہ گئے کل مال کے چار حصے یعنی $\frac{20}{25}$ تو ان کا کوئی حکم نہیں بیان کیا۔

تحلیل اجزاء اور چند اختلافی مسائل

بحث مذکورہ بہت اختلافی ہے۔ ہم تفسیر ابن کثیر ابن جریر اور حقانی کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک غنیمت اور فئی ایک ہی چیز ہے۔ یعنی وہ مال جو ظلم سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے لیکن بعض اہل علم کے نزدیک دونوں میں اصطلاحی فرق ہے اگرچہ لغوی اتحاد ہے یعنی غنیمت وہ مال ہے جو بصورتِ جنگ کفار سے ہاتھ آئے اور فئی وہ مال ہے جو بغیر جنگ و جدل کے کفار سے مل جائے مثلاً مال جزیہ ہو یا کفار سے محصول وصول کیا جائے یا اُن کا لاوارث مال رہ جائے وغیرہ۔

مالِ غنیمت کی تقسیم بشرطیکہ وہ اسباب منقولہ ہو اس طرح کی جائے کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ یعنی اس پانچویں حصے کے پانچ حصے کئے جائیں۔ یہ قول جمہور کا ہے اور آیت کے مطابق ہے۔ مگر ابو العالیہ کے نزدیک کل مال کے پانچویں حصے کے چھ حصے کئے جائیں گے۔ پانچ حصے تو مذکورہ بالا پانچ قسم کے لوگوں کو دیئے جائیں گے اور چھٹا حصہ اللہ کے نام کا ہوگا۔ جو خانہ کعبہ کی تعمیر و ترمیم میں صرف ہوگا۔ ابو العالیہ اپنے قول کے ثبوت میں ایک تو لِلّٰهِ کے لفظ کو پیش کرتے ہیں جو آیت میں مذکور ہے۔ دوسرے ایک مرسل حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت میں سے لپ بھر کر خانہ کعبہ کے صرف کے لئے رکھ

دیتے۔ اس صورت میں اللہ کا حصہ اور حصوں کے برابر ہونا ضروری نہ ہوگا لیکن صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور اللہ کا نام صرف تبرک کے طور پر ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو مالِ غنیمت آتا رسول پاکؐ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصہ کے پانچ حصے کرتے۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے آیت وَاعْلَمُوْٓا الآیۃ پڑھی اور فرمایا اللہ کا تو سب آسمان و زمین ہی ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔ حسن بصری، ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ غزوۂ خیبر کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت حضورؐ نے فرمایا۔ لوگو! میرے لئے تو ان میں سے خمس ہے۔ سو وہ بھی تمہیں لوگوں کو واپس کر دیا جاتا ہے۔ رواہ احمد عن عبادۃ بن الصامت وابی الدرداء والحارث بن ابی ضرارۃ الکندی وقد رواہ ابوداؤد والنسائی۔ رہا تعمیر کعبہ کا صرف تو امام اور عام مسلمانوں کے ذمہ ہے خواہ مالِ غنیمت حاصل ہو یا نہ ہو۔

حضورؐ کا حصہ آپ کے خانہ داری کے مصارف میں صرف ہوتا تھا اور اقارب کے حصہ کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے اقارب میں کون لوگ داخل تھے؟ اس میں علماء کے تفسیری اختلاف ہے۔ بعض نے سب قریش کو لیا۔ مجاہد و علی بن حسین نے بنی ہاشم کو خاص کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بنی ہاشم اور اولاد عبدالمطلب مراد ہیں نہ کہ بنی نوفل اور بنی عبد شمس۔ کیونکہ جبیر بن مطعمؓ اور عثمان بن عفانؓ نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے بنی المطلب کو دیا۔ حالانکہ ہم اور وہ آپ سے قرابت میں مساوی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا وہ اور بنی ہاشم ایک ہی ہیں۔ یعنی زمانۂ جاہلیت میں بنی ہاشم کی طرح انہوں نے اسلام کی مدد کی تھی۔

فقراء، مسافرین اور یتامی میں جمہور کے نزدیک حضورؐ کے قرابتداروں اور غیر قرابتداروں کی کوئی قید نہیں کوئی بھی ہو۔ لیکن علی بن حسین فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قرابتدار ہونا ضروری ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد اس خمس کی تقسیم کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ بلکہ عام جمہور کے نزدیک حضورؐ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا۔ کیونکہ وفات کے بعد حضورؐ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ حضورؐ کا حصہ ہتھیاروں اور اسباب جہاد کی خریداری میں صرف کیا کرتے تھے۔ (معالم) بلکہ حضورؐ اپنی زندگی میں اپنے مصارف ضروریہ سے بچا ہوا مال ہتھیاروں اور سواریوں کی خرید میں خرچ کرتے تھے۔

بعض کا قول ہے کہ حضورؐ کا حصہ آپ کے اقارب اور یتامی اور مساکین اور مسافروں کو تقسیم ہوگا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کے اقارب کا حصہ باقی رہا یا ساقط ہوگیا۔ شافعیؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ بعد میں اقارب کو ضرور ملے گا۔ مرد کو دوگنا عورت کو اکہرا۔ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اقارب کی خبرگیری نبی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے۔ جب وفات کے بعد حضور اقدسؐ ذاتی حوائج بشریہ سے مبرا ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس ان میں سے غرباء اور یتامی کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہے۔ اس تقدیر پر خمس اس زمانہ میں صرف تین گروہوں کو تقسیم ہوگا۔ مساکین، یتامی اور مسافر رہے کل مالِ غنیمت کے بقیہ چار حصے وہ مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں گے۔ عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے کہ چار حصے اہل لشکر کے لئے قرار دیئے (بیہقی) ابن المنذر، ابن عبدالبر، داؤدی، مازری، قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس پر اجماع ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غازیوں کو اس کی تقسیم اس طور پر ہوگی کہ سوار کا دوگنا اور پیدل کا اکہرا۔ دیگر علماء نے سوار کے تین حصے قائم کئے ہیں دو حصہ کے ایک اس کے گھوڑے کا اور پیدل کا ایک تو حصہ مقرر ہی ہے۔

امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک بقیہ چار حصے غازیوں کو تقسیم نہ کئے جائیں گے بلکہ امام کو اختیار ہے کہ جس حاجت اور ضرورت میں مناسب سمجھے صرف کرے کیونکہ ابوعبیدہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے مکہ بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور کفار کا مال مجاہدین کو نہیں دیا بلکہ مکہ والوں کو ہی واپس کر دیا۔ اس کے علاوہ جنگ حنین میں جو مال ہاتھ آیا اس میں سے انصار کو (چوارحصہ) نہ دیا اور انصار نے شکایت کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ دنیا ساتھ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول خدا کو اپنے گھر لے جاؤ۔ نیز خلفائے اربعہؓ نے حضورؐ کے بعد ایسا ہی کیا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو امام کے پاس کوئی ذخیرہ کافی جمع نہ ہو جس کو بوقت ضرورت امورِ اسلامیہ میں صرف کر سکے۔ نیز ایسی صورت میں حکومتِ اسلامیہ کا ضعف ہو جائے گا۔ رہا آنحضرتؐ کا عمل تو وہ مخصوصات میں سے ہے۔ بعض مواقع پر ضرورت سمجھ کر حضورؐ نے مجاہدین کو تقسیم کر دیا تھا کیونکہ حکم یہ

چکے ہیں کہ امام کو مالِ غنیمت کا اختیارِ کامل حاصل ہے۔ وہ جس کو مناسب سمجھے دے۔ حضورؐ کو اس وقت جا ہیں کو تقسیم کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا اس لئے تقسیم کر دیا لیکن اس سے لزومِ تقسیم لازم نہیں آتا۔ یہ تو مالِ غنیمت کا حکم تھا۔ رہا مالِ فَیٔ کا حکم تو اس کا اختیار جمہور کے نزدیک امام کو بہر حال ہے جو چاہے کرے۔

یَوْمَ الْفُرْقَانِ اور یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ سے مراد یوم بدر ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مسلمانو تم مالِ غنیمت کی تقسیم میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ اللہ نے جو اس کی تقسیم کا قاعدہ مقرر کیا ہے اسی کے مطابق تقسیم کرو۔ اگر ان چیزوں پر تمہارا ایمان و یقین ہے جو ہم نے بدر کے دن نازل کی تھیں تو کچھ تردد نہ کرو۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہر طرح تمہاری مدد کرے گا اور کر سکتا ہے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم سے کیوں اندیشہ کرتے ہو اللہ نے بدر کے دن مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو نازل کیا تو وہ بہر حال اہلِ حق کی ہر طرح سے امداد کر سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

مالِ غنیمت کی تقسیم کے طریقہ کا اظہار اس بات کی طرف واضح اشارات کرتا ہے کہ فتح و نصرت سے مسلمانوں کا مقصد ملک گیری تسلط اور دولت مندی نہ ہونا چاہئے بلکہ اصل مطمح نظر مسافروں، غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی امداد کرنی ہونا چاہئے مالِ غنیمت سے بحصۂ مقررہ ان ہر سہ طبقات کی خبر گیری اور پرورش لازم ہے۔ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ سپہ سالار یا بادشاہ وقت کا کچھ حصہ زائد ہے کیونکہ کل مال کا پچیسواں حصہ ملنے کی حضور کے متعلق صراحت آیات میں موجود ہے اور بقیہ مال تمام غرباء، فقراء، مساکین، مسافر اور اہل جہاد خواہ ہزار لاکھوں ہوں سب شریک ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپہ سالار کا حصہ یقیناً زائد ہوگا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے حصہ میں سے بیسیوں قسم کے مصارف تھے۔ فقط بنی یا اپنے متعلقین کی شکم پری ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صرف نہ کرتے تھے بلکہ اس سے سامانِ جنگ، گھوڑے، زرہ وغیرہ خریدتے تھے اور اپنے متعلقین کے علاوہ دیگر ضرورت مندوں اور ناداروں کی پرورش بھی کرتے تھے۔ اگر حساب لگایا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں مالِ غنیمت میں سے ایک سپاہی کی برابر بھی مال نہ آتا تھا مگر ہاں تصرف کا اختیار ضرور تھا۔ باقی فوج والے اپنا اپنا مال بحصۂ رسدی لے کر اپنے گھروں کو چل دیتے تھے اور اس سے اپنی ہر قسم کی ضروریات کی کفالت کرتے تھے۔ ان کو اسبابِ جنگ وغیرہ کی خریداری سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اپنے اور متعلقین کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ وغیرہ

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ
اُس وقت تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر تھے اور قافلہ تم
اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ
سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم باہم وعدہ کرتے تو ضرور وعدہ میں دیر سویر کرتے لیکن اللہ نے تم سب کو یکجا
اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ
کر دیا، تاکہ جس کام کو کرنا تھا اُس کو پورا کر دے اور جو انکشافِ دلیل کے بعد مرتا ہے مر جائے اور جو انکشافِ دلیل کے
حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ
بعد زندہ رہتا ہے رہے اور اللہ ضرور سنتا جانتا ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں جنگِ بدر پر ایمان لانے کا تذکرہ تھا اسی سلسلہ کا ایک واقعہ اور جنگِ بدر کے اتفاقیہ پیش آنے کی مصلحت ظاہر فرماتا ہے یعنی جنگِ بدر صرف اتفاقیہ بات تھی ادھر سے مسلمان قافلہ لوٹنے کے لئے چلے ادھر سے ابوجہل اور سرداران قریش اپنی جمعیت کو لے کر قافلہ کی حمایت کو نکلے قافلہ تین میل کترا کر ساحلی نشیبی حصہ میں ہو کر نکل گیا اور مسلمانوں و کافروں کا مقابلہ ہو گیا۔ نہ مسلمانوں کا ارادہ گھر سے نکلنے کے وقت جنگ کا تھا نہ کفار کی لڑائی ٹھان کر نکلے تھے۔ اس اتفاقیہ مقابلے میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر قصداً باہم ٹھہراؤ کر کے نکلتے اور دن مقرر کر کے چلتے تو ایسے بر وقت نہ پہنچتے اور اگر یہ لڑائی نہ ہوتی تو ہر فریق اپنے زعم میں اپنے کو غالب سمجھتا ہے لیکن جنگ کے بعد سب نے دیکھ لیا کہ غالب کون رہا اور مغلوب کون۔ اللہ نے کس کی مدد کی۔ اس سے پیغمبر کی صداقت بھی کھل گئی اور اللہ کا الزام بھی پورا ہو گیا۔ جو مرا وہ بھی حق کو پہچان کر مرا اور جو بچا وہ بھی حق کو پہچان کر بچا۔ یعنی تجربہ کے بعد حقانیت اس پر واضح ہو گئی۔ اپنی مغلوبیت کا احساس و اقرار ہر کافر کو ہو گیا۔

مقصود بیان اللہ کی حکمتِ بالغہ کا اظہار، جنگِ بدر کا اتفاقیہ پیش آجانے کی مصلحت کا بیان۔ اس بات کی طرف اشارہ کہ آدمی حق پر ہو یا باطل پر بہرحال بقدرِ امکان لڑائی سے جی چُراتا ہے، مسلمان اگرچہ حق پر تھے لیکن اگر جنگ کا پہلے سے ٹھہراؤ کر لیتے تو وعدے پر نہ پہنچتے۔ جنگِ بدر کے نتیجہ سے حقانیتِ اسلام واضح اور صداقتِ رسول ثابت ہو گئی۔ وغیرہ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ

(اے محمدؐ) جبکہ اللہ نے کافروں کی تعداد تم کو خواب میں دکھائی تھی اور اگر اُن کی تعداد تم کو زیادہ دکھاتا تو تم ڈھیلے پڑ جاتے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

اور بات میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچا لیا بیشک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

اور جب مڈبھیڑ کے وقت کافروں کی تعداد تمہاری آنکھوں میں کم دکھائی اور تمہاری تعداد اُن کی آنکھوں میں کم دکھائی

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ع

تاکہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا ہے اُس کو پورا کر دے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں

تفسیر یہ بھی جنگِ بدر ہی کا ایک قصہ ہے۔ جس کی تین شاخیں ہیں۔ (۱) لڑائی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نظر آیا کہ کافر تھوڑے ہیں۔ آپ نے اس کی اطلاع صحابہ کو دی۔ صحابہ کے دلوں میں حضورؐ کے خواب سے مقابلہ کی مزید جرأت پیدا ہو گئی (۲) پھر جب کافروں اور مسلمانوں کی صفیں ایک دوسرے کے سامنے آکر پڑیں اس وقت بھی اللہ نے مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی تعداد قلیل کر کے دکھائی یعنی رسول پاکؐ کی خواب کے مطابق مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیا کہ کافروں کی تعداد ہم سے بہت کم ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا کہ میرے خیال میں کافر ستر ہوں گے۔ اس نے جواب دیا (نہیں) کوئی سَو ہیں۔ اس کے بعد جب ایک قیدی گرفتار ہو کر آیا اور اس سے کافروں کی تعداد پوچھی تو اس نے ہزار بتائی (ابن جریر) اس سے مسلمانوں کی جرأت اور بھی بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اُن کو سچ ثابت ہو گیا اور واقع میں بھی سچ تھا۔ کیونکہ جتنے لوگ قریش کی طرف سے میدانِ جنگ میں آئے تھے ان میں سے اکثر کچھ زمانہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ گویا مآلِ کار میں کافر رہنے والے لوگ کم ہی تھے۔ (۳) مقابلہ کے وقت کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی۔ چنانچہ بروایت سدی بعض مشرکین نے کہا تھا کہ قافلہ تو سلامت بچ

آیا اب تم لوگ واپس جاؤ۔ اسی بنا پر اخنس بن شریق بنی زہرہ کو واپس لے گیا اور بنی عدی بھی لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور کھینچ کر سب کو لے آیا اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر بولا محمد اور اس کے ساتھی آج تمہارے مقابلہ میں آئے ہیں ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں گے واپس نہ جائیں گے۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے پکڑ کر باندھ لو۔ اگر کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد بہت دکھائی دیتی تو وہ بھاگ جاتے مقابلہ نہ ہوتا۔ کفر کی جڑ نہ کٹتی۔ اسلام کا غلبہ نہ دکھائی دیتا یا اگر مسلمانوں کی نظر میں کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی دیتی تو مسلمانوں کو بظاہر مقابلہ کے وقت اتنی جرأت نہ ہو سکنے کا امکان تھا اور شاید رسول اللہ کے خواب کی صداقت کا مسلمانوں کو محسوس طور پر یقین نہ ہوتا اور ان کی ہمتیں کمزور پڑ جاتیں لیکن خدا کو تو ایک کام کا فیصلہ کرنا تھا۔ اسلام کا نمایاں غلبہ اور کفر کا کمزور کرنا مقصود تھا اور ہمیشہ کے لئے اسلام کی جڑ بنیاد قائم کرنی تھی اس لئے یہ تدبیر فرمائی۔ ممکن ہے کوئی بے وقوف کہہ دے کہ کثیر تعداد کی نظری تقلیل کیونکر ممکن ہے؟ تو اس کا جواب دے دیا کہ ہر چیز کا رجوع خدا کی طرف ہے۔ آنکھ بھی اس وقت اپنا کام کرتی ہے جب خدا کا حکم ہوتا ہے۔ یہ ظاہری سبب ہے اور خدا مسبب ہے۔ سبب میں تاثیر بغیر قدرت مسبب کے ہو نہیں سکتی۔ پھر اگر آنکھوں کو کثرت بصورتِ قلت نظر آئی تو کیا بعید ہے۔ یہ چشمِ ظاہر بین کی غلطی ہے۔ مگر حقیقت میں آنکھ اس کو ہرگز غلط نہیں کہہ سکتی باعتبار دلوں کا اور ان کی جرأت کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو کافروں کے دلوں میں جرأت نظر نہیں آتی ہے اس لئے وہ ان کو کم ہی سمجھتے تھے اگرچہ واقع میں کفار زیادہ تھے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب سورۂ آلِ عمران میں فرمایا ہے۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند یا کم از کم مومنوں کی واقعی تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے اور یہاں آیت میں بتایا ہے کہ کفار کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آ رہی تھی۔

جواب یہ ہے کہ تقلیل نظری اُس وقت تھی جب دونوں فریق میدانِ جنگ میں آ کر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہو گئے تھے اور لڑائی شروع ہو گئی اور اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ بھیج دیا جن کو بصورتِ انسان کفار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد دوچند نظر آنے لگی یعنی اپنی فوج سے وہ مسلمانوں کو دوگنا سمجھنے لگے اور اس وجہ سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب چھا گیا۔ باقی مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بدستور کم ہی نظر آتی رہی اور اُن کے دل میں وہی ابتدائی جرأت قائم رہی۔ کسی وقت رعب نہ پیدا ہوا۔

مقصودِ بیان اس امر کی طرف واضح اشارات کہ اللہ کی تدبیر بہت مخفی ہوتی ہے۔ شروع میں فریقین کی تقلیلِ نظری سے اُس نے مٹھ بھیڑ کرائی۔ پھر کافروں پر مسلمانوں کا رُعب ڈالا۔ مسلمانوں کو مزید جرأت دلائی اور بالآخر کافروں کو تباہ اور مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ آیات میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے حواس کو معطل کر دے۔ کوئی شخص اپنے حواس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا بلکہ حواس کے عمل کی تکمیل قبضۂ الٰہی میں ہے۔ دیکھنے کی سب شرطیں موجود ہونے کے باوجود دکھائی نہ دینا قدرتِ الٰہی کا واضح ثبوت ہے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

مسلمانو! جب تم کسی فوج کے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو خوب یاد کرو تاکہ تم کو

تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

کامیابی حاصل ہو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

جاتی رہے گی اور جمے رہو خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی اور فتح کے چند اسباب بتائے ہیں۔ ان میں سے کچھ باطنی ہیں کچھ ظاہری کچھ روحانی کچھ مادی۔
(۱) جب کفار کے لشکر سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم یا ثابت القلب رہو۔ صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہے بعض لڑائیوں میں جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو حضورؐ منتظر رہے۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا لوگو دشمن سے بھڑنے کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا مانگو لیکن جب تم اُن سے بھڑ جاؤ تو صبر (ثباتِ قلب) کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان رکھو کہ جنت انہی تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ الی آخر الحدیث۔

(۲) اللہ کی بکثرت یاد کرو یعنی اس سے فتح کی دعا مانگو۔ زید بن ارقم کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ کو تین جگہ پر خاموشی پسند ہے۔ ایک تلاوت قرآن کے وقت، دوسرے جہاد میں صفیں سنبھلنے کے وقت، تیسرے جنازے کے ساتھ (رواہ الطبرانی) ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرا کامل بندہ وہ ہے جو جہاد میں بھڑ جانے کے وقت مجھے یاد کرے یعنی مجھ سے دعا و استغاثہ کرے۔ قتادہ و عطاء کہتے ہیں کہ لڑائی کے وقت خاموشی واجب ہے۔ لیکن ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا بلند آواز سے اللہ کو یاد کریں۔ فرمایا ہاں۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یاد کرنے سے مراد نعرۂ تکبیر لیا ہے۔ کامیابی کا یہ روحانی سبب ہے اس سے دل میں قوت حوصلہ میں جرأت اور طبیعت میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔
(۳) اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تکمیل کرو۔ یہ فتح یابی کا ظاہری سبب بھی ہے اور باطنی بھی۔ رسول پاکؐ کی تعلیم اور اصول مادی کے اعتبار سے بھی مفید ہیں اور روحانی لحاظ سے بھی۔
(۴) آپس میں جھگڑا فساد اور پھوٹ نہ کرو، ورنہ بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ قوت و شوکت زائل ہو جائے گی۔ یہ جنگ میں فتحیابی بلکہ ہر کام کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس لشکر میں اختلافِ آراء، باہم عناد اور پھوٹ ہو اس کو کسی طرح فتحیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس قوم میں باہم مخالفت ہو اس کو کبھی قوت و شوکت نہیں مل سکتی، نہ اس کا کبھی مقصد پورا ہو سکتا ہے۔
(۵) لڑائی میں صبر رکھو، مصائب برداشت کرو۔ بھوک، پیاس، جفاکشی اور محنت غرض ہر قسم کی تکلیف میں صابر رہو۔ نہ دشمن کی قوت کو دیکھ کر بھاگو، نہ مال لالچ میں آکر لوٹ جاؤ، نہ بھوک پیاس اور جفاکشی سے جی چراؤ۔ کیونکہ اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اہل صبر کی وہی حمایت کرتا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔ صحابہ کو خدا اور رسول کی تعلیم پر چلنے کی وجہ سے جو شرف حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے روم، فارس، ترک، صقالبہ، بربر، حبش، سوڈان اور مصر کو تھوڑی مدت میں باوجود اپنی قلت کے مسخر و مفتوح کر لیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا بول بالا ہو گیا۔ اس کا دین مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور ظلم مٹ کر عدل و انصاف دنیا میں قائم ہو گیا۔

مقصود بیان کامیابی اور نصرت کے اصول کی تعلیم۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیابی کے لئے جہاں تعاون، اتحاد، صبر، استقلال، استقامت کی ضرورت ہے وہاں تعمیل احکام خدا، فرمانبرداری رسول اللہ سے دعا کرنا بھی لازم ہے۔ فاتی صبر، قومی تعاون، قلبی استقلال بغیر امداد الٰہی اور بلا تعمیل حکم رسول کے باعث فتح نہیں ہو سکتا۔ گویا مسلمان کے لئے دونوں باتوں کی ضرورت ہے۔ ظاہری اسباب کی فراہمی بھی ہونی چاہئے اور باطنی لو بھی خدا سے لگائے رکھنی لازم ہے وغیرہ۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترانے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور راہ خدا

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ

سے روکتے تھے اور ان کے تمام اعمال اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہیں

تفسیر ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ، سدی اور ضحاک وغیرہ کے نزدیک الَّذِیْنَ خَرَجُوْا سے قریش مراد ہیں جو رسول اللہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ شروع میں قافلہ کو بچانے کے لئے نکلے تھے لیکن قافلہ کے صحیح سلامت نکل جانے کے بعد بھی غرور اور تکبر سے چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ پر بدر میں آئے تو گویا شیخی اور ریاکاری کے لئے ہی وطن سے نکلے کیونکہ قافلے کے سالم نکل جانے کے بعد مسلمانوں کے مقابلے پر جانے کے واسطے ان کو سوائے شیخی، غرور، جرأت وغیرہ کے کوئی سبب باقی ہی نہیں رہا تھا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے رُخ پر سیدھے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب مقام صفراء پر پہنچے تو لبیس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ ہر دو صاحبان بدر پہنچے وہاں اُتر کر تالاب سے مشک بھری۔ وہاں دو باندیاں باہم جھگڑ رہی تھیں اور مجدی بن عمرو دونوں کا فیصلہ کر رہا تھا۔ واپس آکر حضورؐ کو اس کی اطلاع دے دی۔ ادھر ابوسفیان نے مجدی بن عمرو سے پوچھا کہ تالاب پر کسی اجنبی کو تو تونے نہیں دیکھا؟ مجدی نے کہا واللہ کوئی بھی نہ تھا ہاں دو مسافر پانی بھرنے آئے تھے۔ ابوسفیان نے بدر پر آکر اونٹوں کی مینگنیاں توڑ کر شناخت کی اور بولا واللہ ان میں تو مدینہ کی گٹھلیاں اور وہاں کی گھاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد جلد جاکر قافلہ کو ساحلی سمت کی طرف تین میل نشیب میں لے گیا اور قریش کو کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ صحیح سلامت نکل آیا۔ اب تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا۔ بنی عدی بھی لوٹ گئے۔ لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور بولا واللہ ہم تو بدر پر جاکر اُتریں گے وہاں تین روز ٹھہریں گے، اونٹوں کو ذبح کریں گے، کباب شراب اُڑائیں گے ناچ دیکھیں گے، گانا سُنیں گے تاکہ تمام عرب میں ہماری خبر مشہور ہو اور تمام لوگوں پر ہماری ہیبت چھا جائے۔ دوسری جانب رسول اللہؐ نے بدر کے قریب پہنچ کر علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن عوامؓ کو چند آدمیوں کی معیت میں خبر لینے کے لئے بھیجا۔ یہ صاحبان سعید بن عاص اور حجاج کے چند غلاموں کو پکڑ کر لے آئے۔ حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ نے اُن سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم قریش کے غلام ہیں پانی لینے آئے تھے۔ صحابہ نے ان کے قول کو غلط جان کر مارنا شروع کیا۔ مجبوراً انھوں نے کہا ہم ابوسفیان کے قافلے کے ہیں۔ صحابہ نے اُن کو مارنا چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے سلام پھیر کر فرمایا۔ جب انھوں نے سچ کہا تو تم نے مارا۔ جب جھوٹ بولے تو تم نے مارنا چھوڑ دیا۔ واللہ وہ قریش کے ساتھ ہیں۔ تم قریش کی خبر بتاؤ۔ حضرت علیؓ وغیرہ نے عرض کیا وہ سامنے والے ٹیلے کی پرلی طرف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی تعداد اور ان کے سرداروں کی تفصیل دریافت فرمائی۔ جب سب کچھ معلوم ہوگیا تو فرمایا لوگو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ صبح کو قریش آگے بڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیلہ کے پیچھے سے ان کو آتے دیکھا تو دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! تو دیکھتا ہے کہ قریش اتراتے اکڑتے اور فخر و تکبر کرتے چلے آتے ہیں۔ تیرے رسول کی تکذیب کرتے اور اس سے لڑتے ہیں۔ پروردگار! تو کل کو ان کو ہلاک کر دے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو تم ان مغرور قریش کی طرح نہ بن جانا جو اتراتے فخر و غرور کرتے اور لوگوں کو دکھانے اُن پر اپنی بہادری جتلانے کے لئے نکلے۔ تم نہ اترانا اپنے جتھے پر بھروسہ نہ کرنا بلکہ اللہ کی یاد اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرتے رہنا۔ بوقتِ جنگ اعلانِ حق کی نیت رکھنا اور اللہ تعالیٰ عزوجل پر بھروسہ کرنا۔

مقصودِ بیان اترانے، شیخی مارنے اور غرور کرنے کی ممانعت، اعلانِ حق اور اظہارِ صداقت کی نیت رکھنے کی طرف اشارہ۔ اس بات کا ضمنی بیان کہ قریش کی نیت ایسی نہ تھی، وہ اظہارِ حق و صداقت کے لئے جنگ نہ کرتے تھے بلکہ لوگوں کو راہِ حق سے روکنے اور اپنی بہادری کی شہرت کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔

آیت سے یہ امر بھی مستنبط ہوتا ہے کہ کارِ خیر میں ریاکاری کی نیت نہ ہونی چاہیئے اور نہ اترانا چاہیئے بلکہ ہر کام خدا ہی کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے ہونا چاہیئے۔ وغیرہ

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ

اور جب شیطان نے ان کے اعمال اُن کو بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر کوئی آدمی غالب نہیں

النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

آسکتا اور میں تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں چلتا بنا

وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ

اور بولا میرا تم سے کوئی سروکار نہیں میں وہ بات دیکھ رہا ہوں جو تم کو نہیں دکھائی دیتی میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ع

اور اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر علمائے تفسیر کے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں :-

(۱) آیت سے مراد مجازی معنی ہیں۔ یعنی شیطان نے قریش کے دلوں میں یہ وسوسہ اور خیال پیدا کیا تھا کہ آج تم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ تمہاری تعداد بہت، ساز و سامان بکثرت ہے۔ تمہارے عقائد اور بت پرستی وغیرہ (اعمال خبیثہ) تم کو پناہ دینے والے ہیں۔ (بیضاوی)

(۲) آیت سے مراد حقیقی معنی ہیں۔ شیطان نے اُن سے واقعی یہ قول کہا تھا۔ بنی مدلج کے سردار کا نام سراقہ بن مالک بن جعشم تھا۔ شیطان سراقہ کی شکل پر ہو کر قریش کے پاس آیا تھا۔ اُس زمانہ میں قریش کی بنی بکر سے چشمک تھی۔ قریش کو ہر وقت بنی بکر کے حملہ کر دینے کا اندیشہ تھا اسی لئے بدر کو جانے اور مسلمانوں پر چڑھائی کرنے میں تردد کر رہے تھے۔ شیطان سراقہ کی شکل بن کر آیا اور کہنے لگا آج تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا میں اپنی جماعت سمیت تمہارے ساتھ ہوں۔ بنی بکر سے تم اندیشہ نہ کرو۔ میں ضامن ہوں وہ حملہ نہ کریں گے۔ جعلی سراقہ کی باتیں سُن کر قریش چل دیئے۔ سراقہ بھی ساتھ رہا۔ جب کافروں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور ابلیس نے ملائکہ کو دیکھا تو اس کو اپنی جان کا اندیشہ ہوا۔ اُس وقت یہ ملعون حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا ملائکہ کو دیکھتے ہی حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ حارث نے ہر چند کہا کہ سراقہ ایسی حالت میں تو ہم کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہنے لگا کہ مجھے جو بات (ہزیمت) دکھائی دے رہی ہے وہ تم کو نہیں دکھائی دیتی۔ میں اللہ سے (یعنی اپنی جان سے) ڈرتا ہوں کہیں مارا نہ جاؤں۔ یہ کہہ کر حارث نے دھینگا مشتی کر کے اُس کی چھاتی پہ دھکا مار کے اپنے ساتھیوں سمیت نکل بھاگا۔ ابو جہل نے آگے بڑھ کر لوگوں کو آمادہ کیا اور بولا تم سراقہ کے بھاگ جانے سے بد دل نہ ہو وہ در پردہ محمد سے ملا ہوا ہے۔ قسم ہے لات و عزّٰی کی ہم لوگ واپس نہ ہوں گے جب تک ان کو باندھ کر نہ لے جائیں اور ان کو ان کی شرارت کا مزہ نہ چکھائیں۔ ان کو بہت قتل نہ کرنا بلکہ باندھ لینا۔ اُدھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت اور کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی اور کوئی کافر ایسا نہ بچا جس کی آنکھ میں اس کا کچھ حصہ نہ پڑا ہو۔ مجبور ہو کر آنکھیں ملنے لگے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا۔ بہتوں کو قتل کیا اور بہتوں کو گرفتار کیا۔ کفار بھاگ نکلے اور سراقہ کو لعنت کرنے لگے کہ اس نے ہم کو یہ شکست دلوائی۔ یہ خبر اصلی سراقہ بن مالک کو پہنچی تو اُس نے کہا واللہ مجھے تمہارے جانے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ جب تم شکست کھا کر آگئے ہو تو مجھے تمہاری جنگ کی خبر ہوئی۔ شرکائے بدر میں سے جب کچھ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کو یقین ہوا کہ وہ سراقہ نہ تھا۔

یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے ہم نے مختصر تحریر کیا ہے۔ حاصل قصہ ابن عباسؓ و دیگر صحابہ و تابعین سے صحیح اسانید کے

ساتھ مروی ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر آیا ہے بمشہور احادیث میں بھی ذکر ہے۔ لہٰذا آیت کے حقیقی معنی لینے ہی صحیح ہیں۔ حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کی طرف جانا کسی طرح جائز نہیں۔

مقصودِ بیان شیطان کے اغوا کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ شیطان شروع میں آدمی کو کج روی پر اُبھارتا ہے۔ طرح طرح کے لالچ اور کامیابی کی اُمیدیں دلاتا ہے۔ ہر قسم کے وسوسے پیدا کرتا ہے۔ درپردہ بھی خیالات بدلتا ہے اور آدمی کی شکل میں آکر بھی شیطنت کرتا ہے۔ لیکن جب اپنا کام کر چکتا ہے تو نتیجۂ بد کا ذمہ دار اپنے آپ کو قرار نہیں دیتا اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تمام الزام آدمی کے سر تھوپ دیتا ہے۔ آیت میں درپردہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم کسی بہکانے والے کی باتوں میں آکر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ بہکانے والا شیطان ہو۔ اور پھر وقت پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ

جب منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض تھا کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بیشک اللہ زبردست اور باحکمت ہے

تفسیر مرض سے مراد ابن عباسؓ کے قول کے موافق مرضِ شرک ہے۔ اس تقدیر پر اس قول کے قائل منافق اور مشرک دونوں ہوں گے۔ عام مفسرین کے نزدیک مرضِ نفاق مراد ہے۔ اس تقدیر پر عطف تفسیری ہوگا اور قائل صرف منافق ہوں گے۔ ابن عباسؓ کے قول سے ثابت ہے کہ بدر کے روز جب فریقین کی نظر میں اپنے حریف کی تعداد کم محسوس ہوئی تو مسلمانوں کی تعداد کم دیکھ کر بعض مشرکین کہنے لگے کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ بات یہ تھی کہ ان کہنے والوں کو مسلمانوں کی شکست کا یقین تھا۔

ابن جریج کا قول ہے کہ ایسا کہنے والے مکہ کے بعض منافق تھے جنھوں نے مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے بظاہر تو کلمہ پڑھ لیا تھا مگر مشرکوں کی معیت میں مسلمانوں سے لڑنے بھی آئے تھے۔ عامر، شعبی، مجاہد، معمر، محمد بن اسحاق وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن سیاقِ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے منافقوں نے یہ بات کہی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔ محمدؐ کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ایک ہزار جنگجو بہادر قریشیوں سے لڑنے چلے ہیں۔

خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے یہ فریب اور غرور نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غالب بھی ہے اور (دعاؤں کی) سننے والا بھی۔

مقصودِ بیان منافقوں کے کلمۂ نفاق کا بیان، اس امر کا مجمل اظہار کہ جس طرح جسمانی مرض سے نظامِ جسمانی بگڑ جاتا ہے اور آدمی کسی مصیبت یا بار کو اُٹھانے کے قابل نہیں رہتا اسی طرح جن کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کے متعلق شک اور اور نفاق ہے وہ روحانی مریض ہیں۔ اُن کی روح اس قابل نہیں کہ وہ اسلام کی حقانیت کے بار کو اُٹھا سکے۔ اس لئے بجائے حمایتِ اسلام کے اُلٹے مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

آیت میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ توکل کرنے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

توکل سے کس قسم کا توکل مراد ہے؟ اندھا توکل یا فراہمی اسباب کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا؟ اس کا بیان چار پانچ آیات کے بعد آتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ

اور کاش تم وہ حالت دیکھتے جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں اور اُن کے منھ اور پشت پر مارتے

اَدْبَارَھُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ○ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ

ہیں اور (کہتے جاتے ہیں کہ) جلنے کا عذاب چکھو یہ اسی کا بدلہ ہے جو خود تم نے پہلے کر کے بھیجا ہے

وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ○ ۙ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ

اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے ان لوگوں کا حال وہی ہے جیسا فرعون والوں کا اور اُن سے

مِنْ قَبْلِھِمْ ۭ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ۭ اِنَّ

پہلے لوگوں کا تھا انھوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا تو اُن کے گناہوں کے سبب اللہ نے اُن کو پکڑا بلاشبہ

اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

اللہ قوی اور سخت عذاب دینے والا ہے

تفسیر

گزشتہ آیات میں کفار بدر کے تکبر، غرور، قتل و ہزیمت کا بیان تھا۔ ان آیات میں ان کی اس حالت کا بیان ہے جو مرنے کے وقت ان کی ہوئی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سیاق آیات اگرچہ کفار بدر کی رُوح نکالے جانے کے متعلق ہے، مگر مرنے کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے اسی لیے خدا تعالیٰ نے کفار بدر کی تخصیص نہیں کی بلکہ سورۂ انعام میں فرمایا وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ الآیۃ۔

خلاصہ آیات یہ ہے کہ کفار بدر یا عموماً کفار کی وہ حالت بھی عجیب ہیبت ناک تھی یا ہوتی ہے جب کہ فرشتے ان کی جان نکالتے اور پشت و چہرے پر مارتے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے کئے کی اب سزا بھگتو، دوزخ کا مزہ چکھو، یہ تمہارے افعال کی سزا ہے ورنہ خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔ کافر کو مرنے کے وقت بعد الموت کی تاریکی اور عذاب دکھائی دیتا ہے اور ہر لذات دنیا کو چھوڑنے سے بھی قلق رہتا ہے، اس لئے کمبخت کو آگے پیچھے سے عذاب ہوتا ہے ممکن ہے کہ چہرے اور پشت پر مارنے سے یہی مراد ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنتِ الٰہیہ یوں ہی جاری ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ اس سے پہلے دوسری قوموں نے مثلاً فرعون وغیرہ نے اللہ کے احکام سے سرتابی کی اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کی۔ اللہ نے اُن کے قصور کی پاداش میں اُن کی گرفت کی۔ ان کافروں کی حالت بھی اُن ہی جیسی ہے۔ لہٰذا خدا نے اُن کی بھی ویسی ہی گرفت کی۔ کیوں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اس کو ہر طرح کی طاقت بھی ہے لہٰذا کسی کی طاقت اُس کے سامنے نہیں چلتی اور کوئی سرکش اُس کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔

مقصودِ بیان حق کی بیزدی کی در پردہ ہدایت، اس بات کا بیان کہ اللہ کو کسی سے ذاتی پرخاش نہیں بلکہ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے، اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ کفرانِ نعمت کرتا ہے نعمت سے محروم ہوجاتا ہے وغیرہ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز اُس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو عنایت کر دیتا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی حالت

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

خود نہ بدل ڈالیں اور یہ سبب بھی ہے کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ان لوگوں کی عادت وہی ہے جیسی قوم فرعون اور اُن سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ

پہلے والوں کی تھی انھوں نے اپنے پروردگار کی آیات کی تکذیب کی اس لئے اُن کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے اُن کو برباد کر دیا اور فرعون

اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ

کے لوگوں کو غرق کر دیا اور اُن میں سے ہر شخص ظالم تھا

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں ایک ضابطۂ قدرت اور قانونِ فطرت بیان کرتا ہے کہ عادتِ الٰہی یوں ہی اور قانونِ عمل اسی طور پر نافذ ہے کہ جو قوم اپنی حالت خود بدلتی ہے، خداداد نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر کرتی ہے، راہِ ہدایت کو چھوڑ کر کج روی اختیار کرتی ہے، انصاف و عدل کی بجائے حق تلفی کرنے لگتی ہے تو خدا بھی اپنی دی ہوئی نعمت اُس سے چھین لیتا ہے۔ عزت کی جگہ ذلت، حکومت و حریت کی بجائے غلامی، دولت کی جگہ افلاس اور راحت کی بجائے اُس پر مصائب نازل کرتا ہے اور انجام کاریوں ہی برباد کر دیتا ہے ورنہ خدا خود کسی سے اپنی دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا اور خواہ مخواہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ دیکھو فرعون کی قوم اور اس سے پہلے عاد و ثمود طسم و جدیس وغیرہ اقوام نے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی، ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا، انبیاء کی تکذیب کی، اُن کے احکام کو ٹھکرایا خدا نے اُن کو تباہ کر دیا کیوں کہ اُن سب نے خود ظلم کیا تھا یہی حالت ان کافروں کی ہے۔ خدا نے ان کو دولت، مال، صحت، آزادی اور راحت عطا کی۔ نبی کو ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ رسول نے ان کو احکام الٰہی پہنچائے، مگر انھوں نے ناقدری کی، نبی کی ایک نہ سُنی اُلٹے اُس کے دشمن بن گئے، اہلِ حق کو ستانے لگے۔ بالآخر خدا نے ان سے اپنی نعمت چھین لی۔ ان کو ذلیل و خوار، برباد، خستہ حال کیا اور ان کی گردنوں میں مدینہ کے رہنے والوں کی غلامی کا طوق ڈالا۔ یہ سب کچھ ان کی کرتوت کی سزا ہے۔

مقصودِ بیان جو قوم نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرتی رہتی ہے اُس سے انعامِ خداوندی کبھی زائل نہیں ہوتا۔ ضمنی طور پر مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم حق کی ڈوری نہ چھوڑنا، کفرانِ نعمت نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام بھی گذشتہ اقوام کی طرح ہوگا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۖ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ

خدا کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو منکر ہو گئے اور ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے عہد

مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۞ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

لے لیا، مگر ہر بار عہد توڑ ڈالتے ہیں وہ بلا خوف لہٰذا اگر تم اُن کو

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ○ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ

لڑائی میں پاؤ تو ایسی سزا دو کہ اُن سے پیچھے والے بھاگ جائیں تاکہ اُن کو عبرت حاصل ہو اور اگر کسی قوم کی طرف

قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ع

سے تم کو دغا کا اندیشہ ہو تو تم اُن کو برابر کا جواب دو اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت خاندان قریظہ کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے، مگر انھوں نے بدر کے روز اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور سامانِ جنگ سے مشرکوں کی مدد کی پھر جواب طلب کیا گیا تو کہنے لگے ہم بھول گئے تھے اب ایسا نہ کریں گے، لیکن غزوۂ خندق میں دوبارہ عہد شکنی کی اور مشرکوں کو مدد پہنچائی بلکہ کعب بن اشرف نے مکہ جاکر قریش سے معاہدہ کیا اور ان کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور اقرار کیا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت تم راہ راست پر ہو، ہم تمہاری مدد کریں گے اور بالآخر مشرکوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں میدان میں آگئے۔

اگرچہ سببِ نزول مخصوص ہے تب بھی آیت کا حکم عمومی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ویسے تو تمام کفار خبیث ہیں، مگر سب میں بدتر بلکہ جانوروں سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو کفر پر مستحکم ہیں کبھی ایمان نہ لائیں گے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہوچکا مگر وہ ہر مرتبہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر لڑائی میں ہاتھ آجائیں تو اُن کو سخت ترین سزا دینا چاہیئے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور وہ آئندہ عہد شکنی کی جرأت نہ کریں اور اگر عہد شکنی کا تحقق و وقوع نہ ہو بلکہ علامات و آثار دیکھ کر معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو اور ایسے قرائن ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ لوگ اب عہد شکنی کرنی چاہتے ہیں تو اُن کو آگاہ کردو کہ اب ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں جو تمہارا جی چاہے تم کرو جو ہمارا جی چاہے گا ہم کریں گے۔ مگر تم اپنی طرف سے (خواہ مخواہ) معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرنا کیونکہ اللہ کو خیانت کار پسند نہیں ہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ آیت کا کریمہ خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم عہد شکنی کرے اُس کو بری طرح قتل کردو اور جس کی طرف سے عہد شکنی کا گمان ہو اُس کو اچھی طرح آگاہ کردو کہ آج سے تمہارا ہمارا معاہدہ منسوخ ہے یعنی امام المسلمین نے جس قوم سے معاہدہ کیا ہے اگر اُن کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور نقض معاہدہ کا احتمال ہو تو شکست معاہدے کی اطلاع و اظہار کردینا واجب ہے۔ جیسے قریظہ نے حضورؐ سے عدم اعانت مشرکین کا عہد کیا پھر مشرکین کی درخواست مدد کو منظور کیا اور اس وجہ سے حضورؐ کو اُن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہوا تو حضورؐ نے اُن کو اطلاع دے دی، لیکن اگر نقض عہد بہ ظہور قطعی ہو تو فسخ معاہدے کی اطلاع دینی ضروری نہیں۔ جب بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ ہوئی اور قریش نے بنی بکر کی مدد کی باوجودیکہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف اور معاہد تھے تو اُس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو فسخ معاہدے کی اطلاع دیئے بغیر مکہ پر چڑھائی کردی اور مکہ فتح ہوگیا۔

امام احمدؒ نے بروایت سلیم بن عامر بیان کیا ہے کہ جب امیر معاویہ نے روم پر چڑھائی کی تو افواج اسلام اور عساکر روم میں ایک خاص مدت کیلئے صلح ہوگئی۔ جب مدت معاہدہ قریب الختم ہوگئی تو مسلمانوں نے سرحد پر صف بندی کردی تاکہ مدت ختم ہوجاتے ہی بلا اطلاع دیئے کفار پر حملہ کردیں۔ اتفاقاً حضرت عمرو بن عبسہ گھوڑے پر سوار نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے آئے اور پکار کر کہنے لگے وفائے عہد کرو شکست نہ کرو کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہوجائے تو مدت اختتام سے پہلے نہ اُس کی گرہ کھولی جائے نہ باندھی جائے۔ مدت معاہدہ یوں ہی گذر جانے دی جائے یا فسخ معاہدہ (کا اعلان) کردیا جائے۔ معاویہ یہ خبر سُن کر واپس آگئے۔ وقد رواہ ابو داؤد والنسائی وابن حبان والترمذی وقال حسن صحیح۔

مقصودِ بیان کافر مشرک جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اگر کفار کھلم کھلا عہد شکنی کریں تو اُن کو جنگ کر کے سخت ترین سزا دینی چاہیئے۔ تاکہ اور لوگوں کو شکست معاہدے کی ہمت نہ ہو اور اگر کھلم کھلا عہد شکنی نہ کی ہو بلکہ معاہدے کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہوں تو فسخ معاہدے کی اطلاع اُن کو دے دی جائے۔

خیانت یعنی عہد شکنی سخت جرم ہے مسلمانوں کو اس سے پرہیز رکھنا لازم ہے وغیرہ۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعِدُّوا لَهُم

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے وہ ہم کو عاجز نہیں کر سکتے اور جس قدر سامان

مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَ

تم اُن کے مقابلے کے لئے فراہم کر سکتے ہو کرو قوتِ جسمانی اور پرورش اسپ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں پر اور

عَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا

اپنے دشمنوں پر اور اُن کے سوا دوسروں پر جن سے تم واقف نہیں اللہ ان سے واقف ہے دھاک بٹھا دو اور راہِ خدا میں

مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝

جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا تمہاری حق تلفی نہ ہوگی

تفسیر علامہ سیوطی کے نزدیک اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے وہ کفار مراد ہیں جو میدانِ بدر سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب ہم مسلمانوں کی زد سے نکل گئے، لیکن سیاق عبارت بتا رہا ہے کہ ان آیات کا ربط گزشتہ آیات سے ہے، اس لئے مخصوص کفار مراد نہیں ہیں۔ بیضاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ معاہد کفار کی طرف سے اگر معاہدے کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہو جائیں تو تم بھی فسخ معاہدہ کر دو اور اس فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمن کو دے دو۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جب فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمنوں کو دے دی جائے گی تو ہشیار اور بیدار ہو جائیں گے اور بیدار ہو کر پوری تیاری اور قدرت حاصل کر لیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ مسلمانوں کے قبضے کے نہ رہیں گے۔ اس شبہ کو رفع فرماتا ہے کہ تم اُن کو ہوشیار و بیدار کرنے سے قطعاً اندیشہ نہ کرو وہ کسی طرح اللہ کے قبضے سے نکل نہیں سکتے اور کبھی اللہ کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکتے بلکہ تم پر لازم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جتنا بھی ممکن ہو جنگ کا ساز و سامان اور سواری کے گھوڑے فراہم کرو تاکہ دشمن کے مقابلے کے کام آئیں اور اس سے ان کافروں پر بھی تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دوسرے منافقوں پر بھی یعنی کافروں اور منافقوں کے مقابلے میں اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ جنگ کے ساز و سامان کی کثرت سے ہوگا۔ وہ تمہاری حقانیت و صداقت، علم و زہد و ورع وغیرہ سے تو ڈرتے نہیں البتہ جنگ کا ساز و سامان اس کو لرزہ بر اندام کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری میں جہاں تک ممکن ہو اپنا مال صرف کرو۔ جو کچھ راہِ خدا میں صرف کرو گے اس کا اجر تم کو پورا پورا ملے گا۔ ذرہ برابر حق تلفی نہ کی جائے گی۔

تحلیل اجزاء مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ میں قوت سے کیا مراد ہے؟ عقبہ بن عامر کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر تین مرتبہ فرمایا "قوت تیر اندازی ہے" اور بعض کے نزدیک اس سے مراد قلعہ گرانا ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک

تیر چلانے اور جملہ ہتھیار مراد ہیں۔ مجاہد و عکرمہ کہتے ہیں کہ گھوڑے سے قوت ہیں اور گھوڑیاں رباط الخیل۔ ارجح یہ ہے کہ قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے جہاد میں مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو خواہ کسی قسم کے ہتھیار ہوں، سامانِ رسد یا اور کچھ۔ رہی حدیث تو وہ بطور تمثیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تیر اندازی دشمن کی مدافعت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانے میں تیر اندازی بے کار چیز ہے بلکہ بندوق، گن مشینیں، بکری وبری ہوائی توپیں، ٹینک، بم وغیرہ آلاتِ حرب ہیں۔ لہٰذا ان کی فراہمی لازم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ بیت المال کو خزانہ سے بھرا ہوا رکھنا لازم ہے تاکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت کام آئے۔ لیکن کہ اس زمانے میں محاصل ملکی اور مال آمدنی کا مصرف اور مقصود ہی دوسرا قرار پا لیا ہے۔ چند نفس پرور استبداد پسند امراء کی خواہشات نفس پر قربان کر دینا ہی محاصل ملکی کا اصل مقصد ہے نہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ رسانی مقصود ہے نہ دشمنوں سے اسلام کی حفاظت پیش نظر ہے بلکہ جاہ و حشم بڑھانا، عیاشی میں برباد کرنا اور غریب مزدوروں کا خون چوس کر اپنی آسائش کے لئے فلک بوس کوٹھیاں تعمیر کرنا ہی آلِ سلطنت ہے۔ یہی نتیجہ دولت ہے۔

مقصود بیان کفار کوئی تدبیر کریں اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے۔ آیت میں پیشین گوئی ہے کہ بدر سے بھاگے ہوئے لوگ آئندہ مغلوب و ذلیل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگر آیت کو اہلِ بدر کے متعلق نہ کہا جائے تو مقصود یہ ہوگا کہ کافروں کو اگر تم فسخ معاہدہ کی اطلاع دے دو تب بھی کوئی حرج نہ ہوگا وہ کسی طرح ہزیمت ذلت وغیرہ سے بچ نہیں سکتے۔ حاکمِ اسلامیہ پر واجب ہے کہ بقدر امکان جتنا بھی ہو سکے سامانِ جنگ فراہم رکھیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دشمنوں پر ان کی دھاک بیٹھ جائے اور بوقت ضرورت آسانی سے مقابلہ کر کے اُن پر فتح حاصل کر سکیں وغیرہ۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سنتا جانتا ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ

اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو تمہارے لئے خدا کافی ہے اُسی نے اپنی امداد اور مسلمانوں کے ذریعہ

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

سے تم کو قوت پہنچائی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں ایسی اُلفت پیدا کر دی ہے کہ اگر تم رُوئے زمین کا کل سامان خرچ کر ڈالتے تب

مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

بھی اُن کے دلوں کو باہم نہیں ملا سکتے تھے صرف اللہ ہی نے اُن میں اُلفت پیدا کر دی بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

اے نبی! تمہارے لئے اللہ اور وہ مسلمان کافی ہیں جنھوں نے تمہاری پیروی کی

تفسیر یہ گزشتہ احکام کا تکملہ ہے یعنی اگر کفار تمہارے جنگی ساز و سامان کو دیکھ کر مرعوب ہو کر صلح یا اطاعت کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی بلا پس و پیش اُن سے صلح کر لو اور کچھ اندیشہ نہ کرو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ خوب جانتا ہے اور سنتا ہے کہ کس مقصد سے اور کیا

مشورہ کر کے کافروں نے صلح کی طرف میلان کیا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ دھوکہ بازی کریں اور پیام صلح صرف اس لئے بھیجیں کہ اپنا ساز وسامان درست کریں اور جنگی قوت بڑھالیں تو تم کچھ پرواہ نہ کرو تمہارا مددگار صرف اللہ کافی ہے، اسی نے تمہاری نصرت کے ظاہری و باطنی اسباب پیدا کئے۔ باطنی اسباب تو مخفی ہیں اور ظاہری اسباب یہ پیدا کئے کہ مومنوں کو تمہاری نصرت و امداد کے لئے مقرر فرمایا۔ باوجودیکہ ان کے دلوں میں اسلام سے پہلے دیرینہ عداوت تھی اور اس حد تک کہ اگر تم روئے زمین کے کل خزانے ان میں میل و محبت پیدا کرنے کے لئے صرف کرڈالتے تب بھی ان کا میل ناممکن تھا۔ مگر اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تمہاری مدد کے لئے سب کو ایک سطح پر جمع کر دیا۔ اس ائتلاف کے اندر خدا کی حکمت مخفی ہے وہ باحکمت اور غالب ہے یعنی مسلمانوں کے اس ائتلاف سے مقصود یہ ہے کہ اشاعت اسلام مسلمانوں کی حکومت اور ممالک کی فتوحات حاصل ہوں۔ یہ مقصد بغیر اتحاد مسلمین کے ناممکن اسلام سے قبل تقریباً ایک سو بیس سال سے برابر عرب میں کشت وخون کے ہنگامے بپا رہتے تھے۔ اونٹ کے خون کے ایک قطرے کے عوض ہزاروں لاکھوں انسانوں کا خون بے دریغ بہادیا جاتا تھا۔ گھوڑوں کی دوڑ اور مسابقت پر بیسیوں برس بازار قتال گرم رہتا تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی چالیس سال جاری رہی۔ اوس و خزرج کی عداوت پرانے زمانے سے پشت در پشت منتقل ہوکر آتی رہی، لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی تمام تاریکیاں دور ہوگئیں، دیرینہ عداوتیں زائل ہوگئیں، دشمنوں کے دل بھائیوں کی طرح مل گئے، قبائل اوس خزرج بھائی بھائی بن گئے اور سبھوں نے یک روح ہوکر پرچم اسلام کو اطراف عالم کی سب اونچی چوٹیوں پر لہرا دیا۔ یہ بھی اتحاد مسلین کی غرض اور یہ بھی اللہ کی مخفی حکمت۔

مقصود بیان کفار کی مکاری اور دھوکہ بازی سے اندیشہ نہ کرنے کی ہدایت۔ اس امر کا ضمنی ترشح کہ صلح بہرحال اچھی چیز ہے۔ جہاں تک ممکن ہو صلح کی طرف ہاتھ بڑھاؤ۔ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ کفار صلح کے پردہ میں مسلمانوں کو فریب دینا اور اپنی قوت کو فراہم کرنا چاہتے ہیں، مگر پھر بھی اللہ کے بھروسے پر صلح کرلینا چاہیئے، لیکن آپس کے تعاون و اتحاد کو قائم رکھنا چاہیئے۔ مسلمانوں میں کسی طرح تفرقہ اور پھوٹ نہ پڑنا چاہیئے۔

اس بات کی صراحت کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد نعمت الٰہی ہے۔ اتحاد کی بدولت یہ قہار دشمن پر بھی غالب آسکتے ہیں وغیرہ۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے ۲۰ بیس آدمی

صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ

ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ہزار کافروں پر

الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ

غالب آجائیں گے کیونکہ وہ بے وقوف لوگ ہیں اب اللہ نے تم پر سہولت کردی اور اسے

أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن

معلوم ہوگیا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے تو اب اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

تم میں سے ہزار ہوں گے، تو دو ہزار پر بحکمِ خدا غالب ہوں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا حامی ہے

تفسیر آثارِ صحابہؓ کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ ابتداءِ اسلام میں لوگ بہت جری تھے۔ ایک سو مسلمان ہزار کافروں کا مقابلہ کر لیتے تھے بلکہ کبھی دس آدمی دس ہزار کے لشکر پر حملہ کر دیتے تھے اور ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کے دلوں میں ایمان اور امدادِ الٰہی کی کبریائی طاقت موجزن تھی۔ اللہ نے اس کی مخالفت نہیں فرمائی بلکہ سہولت کے لئے ایک خاص حکم نازل فرما دیا اور تعداد کی خاص تعیین کر دی کہ اپنے سے دس گونہ دشمنوں کے سامنے سے فرار کرنا روا نہیں۔ ہاں اگر کفار اس سے زائد ہوں تو جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے مسلمان معرکہ سے پہلو تہی کریں، لیکن اگر دس گونہ کافروں سے زائد کا مقابلہ بھی کریں گے تو ناجائز نہیں، لیکن کچھ زمانے کے بعد مسلمانوں کے صبر و استقامت میں ضعف پیدا ہو گیا تو لوگوں کو دس گونہ کافروں سے مقابلے کا حکم بھی شاق گزرنے لگا۔ ابن عباس سے بطرقِ متعدد یہی مروی ہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور صرف دوگونہ کافروں سے مقابلے کا وجوبی حکم باقی رہ گیا۔ یعنی اگر مسلمان دس اور کافر بیس ہوں یا مسلمان سو اور کافر دو سو یا مسلمان ایک ہزار اور کافر دو ہزار تو ایسی صورت میں استقامت اور مقابلہ واجب ہے۔ میدانِ جنگ سے مُنہ موڑنا کسی طرح جائز نہیں اور اگر کفار دوچند سے زائد ہوں تو مقابلے سے ہٹ جانا جائز ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تنصیف و تضعیف سے مراد صرف عرفی تنصیف و تضعیف ہے ٹھیک نصف مراد نہیں۔ یعنی اگر مسلمان سو کے لگ بھگ ہوں۔ مثلاً ۹۷ یا ۹۸ یا ۹۹ ہوں اور کفار دو سو ہوں یا کفار دو سو پانچ ہوں اور مسلمان سو ہوں تب بھی فرار جائز نہیں واللہ اعلم۔ اخیر میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی جنگ میں صبر و استقامت لازم ہے۔ کثرت و قلت کو اس میں زیادہ دخل نہیں۔ جو لوگ جم کر یک دل ہو کر لڑیں گے نصرتِ الٰہی اُن کے ساتھ ہوگی۔

مقصودِ بیان جہاد کی ترغیب کا حکم۔ اس امر کی صراحت کہ کافروں کی کثرت سے مسلمانوں کو مرعوب نہ ہونا چاہیئے۔ یہ اپنے دگنی تعداد پر غالب آ سکتے ہیں، مگر صبر و استقلال لازم ہے۔ بغیر جہاد کے کامیابی ناممکن ہے۔ اس بات کی بھی آیت میں صراحت کر دی گئی ہے کہ غلبہ و نصرت محض اللہ کے حکم پر موقوف ہے۔ طاقت و تعداد موجبِ فتح نہیں، لیکن اللہ اسی قوم کو فتح و کامرانی کا حکم دیتا ہے جو ثابت القلب صابر ہو اور دشمن کے مقابلے میں جم کر لڑے۔ اس میں مسلمانوں کو ایک ضابطۂ فطرت کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ اللہ کا حکم خواہ مخواہ نہیں ہو جاتا بلکہ جو لوگ اپنی مدد خود کرتے ہیں یعنی دشمن کے مقابلے میں متحد و صابر رہتے ہیں انہیں کی فتح و نصرت کا اللہ بھی حکم دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ اُن کے پاس قیدی ہوتے تاوقتیکہ وہ ملک میں (کافروں کو) خوب قتل نہ کر لیتے تم دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ

سامان چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ زبردست و باحکمت ہے اگر ایک بات

مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھی جا چکی ہوتی تو اس مال لینے میں تم پر بڑا عذاب آ پڑتا مگر اب جو تم لے چکے ہو اُس کو حلال

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۧ

پاکیزہ سمجھتے ہوئے کھاؤ | اور اللہ سے ڈرتے رہو | بلاشبہ اللہ | غفور رحیم | ہے

تفسیر ان آیات کا سبب نزول عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر جماعت صحابہؓ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب بدر کی جنگ میں ستر قیدی گرفتار ہوکر آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں ان سے توبہ کرائیے اور انہیں چھوڑ دیجئے شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو مکہ سے نکالا۔ مجھے اجازت دیجئے میں ان کی گردنیں اڑا دوں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لوگ اس قابل ہیں کہ لکڑیوں کا ڈھیر کرکے اس میں رکھ کر ان کو پھونک دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اندر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اختلاف کرنا شروع کیا۔ کسی نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا، کسی نے عمرؓ کے قول کو اور کسی نے ابن رواحہ کے خیال کو۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا "اللہ بعض دلوں کو نرم کرتا ہے یہاں تک کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہوجاتے ہیں اور بعض دلوں کو سخت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیمؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اے ابوبکر! تمہاری مثال عیسیٰؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اے عمر! تمہاری مثال موسیٰؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰي يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ اے عمر! تمہاری مثال نوحؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ تم لوگ اس وقت مفلس ہو لہٰذا ان قیدیوں میں سے کوئی رہا نہ ہوگا جب تک اپنا فدیہ (مالی معاوضہ) ادا نہ کرے ورنہ اس کی گردن مار دی جائے گی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے زبان لڑا کر عرض کیا یا رسول اللہ! سہیل بن بیضاء کے کیوں کہ اسلام کا ذکر پہلے ہی کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاموشی کے بعد فرمایا "ہاں سوائے سہیل بن بیضاء کے"۔ غرض ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا اور یہ شرط کرلی کہ آئندہ مسلمانوں سے نہ لڑیں۔

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انصار عباس کو قتل کرنا چاہتے تھے اور ان کو قتل کی دھمکی بھی دی تھی۔ حضورؐ کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا انصار کا ارادہ ہے کہ عباس کو قتل کردیں۔ مجھے چچا عباس کے خیال سے رات کو نیند نہیں آئی۔ عمرؓ نے عرض کیا میں عباس کو لے آؤں؟ فرمایا "ہاں"۔ عمر انصار کے پاس گئے اور کہا عباس کو چھوڑ دو۔ انصار نے کہا "نہیں چھوڑیں گے"۔ عمر نے کہا "اگر رسول اللہ فرمائیں تب بھی؟" انصار نے کہا "اگر حضورؐ کی منشا ہے تو لے جاؤ"۔ حضرت عمرؓ عباسؓ کو لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور راستے میں اُن سے کہا "عباس! مسلمان ہوجاؤ۔ مجھے تمہارا مسلمان ہونا اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ مرغوب ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے مسلمان ہونے سے زیادہ رغبت ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ فی کس چالیس اوقیہ (سونا) لے کر تمام قیدیوں کو رہا کردیا (البتہ تین آدمیوں کو قتل کیا) حضرت عباسؓ سے خود ان کی ذات کا اور اُن کے بھتیجے عقیل اور علی ابن ابی طالب کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا گیا۔ عباسؓ نے عرض کیا میں فقیر ہوگیا۔ حضورؐ نے فرمایا وہ سونا جو گھر رکھ کر آئے ہو کہاں ہے؟ چونکہ اس سونے کی عباس کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لئے فرمان نبویؐ سنتے ہی آپ مسلمان ہوگئے، مگر اس قول کی محققین نے تضعیف کی ہے۔

غرض اس فدیہ لے کر چھوڑنے پر اللہ کی طرف سے رسول پاکؐ اور مسلمانوں کو عتاب آمیز لطیف خطاب ہوا۔

معتبر روایات میں آتا ہے کہ دوسرے روز حضرت عمرؓ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور گرامیؐ اور ابوبکرؓ رو رہے ہیں۔ رونے کا سبب دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیرے ساتھیوں کے لئے رو رہا ہوں کہ انھوں نے فدیہ لینا پسند کیا اور اب ان کے حق میں عذاب

اُس سامنے والے درخت سے بھی زیادہ نزدیک پیش کیا گیا ہے یعنی آئندہ سال اس فدیہ لینے کی یہ سزا ہوگی کہ اتنے ہی آدمی جنگ میں شہید ہوں گے۔

تحقیق اجزائے

حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ کا یہ مطلب ہے کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر ڈالنا بہتر تھا اور فدیہ لے کر چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ یہ حکم بدر کے قیدیوں کے متعلق تھا اور یہ حکم اگرچہ سخت تھا مگر مصلحت وقت کے مناسب تھا۔ ایسے مصالح کو وہی خوب جانتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور باوجود رحم دل اور مہذب ہونے کے ذرا سے قصور پر سپاہیوں کا کورٹ مارشل کر دیتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور مسلمان چھا گئے تو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے بالعوض اور بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینے کی بھی اجازت دے دی۔ گویا حکم قتل کی تعیین کو منسوخ کر دیا۔ مفسر سیوطیؒ کا یہی قول ہے۔ اسی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اختیار کیا ہے کہ جب کوئی حربی کافر قید ہو کر آئے تو امام المسلمین کو اختیار ہے کہ اس کو قتل کر دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا بلاعوض رہا کر دے یا غلام بنا لے۔ ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ امام کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے۔ یا قتل کرنا یا غلام بنا کر رکھنا۔ رہ گئی آیت فدیہ تو وہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے منسوخ ہے۔ کیوں کہ سورۂ برارت بعد کو نازل ہوئی جیسا کہ صحیحین کی اُس روایت سے ظاہر ہے جس کے راوی عثمانؓ ہیں۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ آیت فدیہ یہاں کی آیت کی ناسخ نہیں نہ دونوں کے مفہوم میں تضاد ہے بلکہ دونوں آیات موافق ہیں۔ کیوں کہ دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے اثخان (یعنی قتل عام) ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد بالعوض یا بلاعوض چھوڑنے کا اختیار ہے۔ مطلب یہ کہ کافروں کو عمومی قتل کرو، کسی کو مت چھوڑو۔ اس کے بعد جو لوگ رہ جائیں اُن کو چھوڑنے کا بھی اختیار ہے، لیکن امام رازیؒ کی اس تاویل کو اہل تحقیق نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ صحیح اور بہترین تاویل یہ بیان کی ہے کہ حَتّٰى يُثْخِنَ میں حتّٰی غایت کے لئے ہے اور اثخان کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ ہو جائے گویا فدیہ لینے کی ممانعت اثخان تک ہے یعنی جب تک شوکتِ اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ نہ ہو جائے فدیہ لینا ناجائز ہے۔

حاصل حکم یہ ہوا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا ہی کے لئے جائز نہ تھا، جب تک شوکتِ اسلام کا مظاہرہ نہ ہو جاتا۔ رہا شوکتِ اسلام کے مظاہرہ کے بعد کا حکم تو اس کو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً میں بیان کر دیا۔ یعنی شوکتِ اسلامی کے ظہور کے بعد بالعوض و بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینا جائز ہے میرے نزدیک بھی یہی تاویل بہتر و انسب ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے آخرت کو چاہا تھا، مگر ایسا نہ ہوا۔ کیوں کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں کے لئے آخرت کو پسند فرما دیا ہے اور چونکہ مسلمانوں نے ثواب آخرت کے حصول میں غلطی کی اور فدیہ لے لیا، اس لئے عتاب ہوا۔ اس آیت سے بیضاوی نے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی اجتہاد میں چوک جاتے ہیں، لیکن بذریعہ وحی اُن کو مطلع کر دیا جاتا ہے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ الخ۔ یعنی اگر اللہ کی سابقہ تحریر نہ ہو چکی ہوتی تو فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر عذاب عظیم آ جاتا۔ اللہ نے سابقہ تحریر یعنی لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ خدا ہی جانے کیا لکھا تھا؟ لیکن علماء نے قرائن سے مختلف وضاحتیں کی ہیں:- (۱) لوح محفوظ میں اللہ نے یہ بات لکھ دی تھی کہ جو مؤمن بندہ اجتہاد میں غلطی کرے اس پر عذاب نہ ہوگا۔ (۲) جس قوم کو کسی کام کرنے کی صریح ممانعت نہ ہو اور وہ اس کو کر لے تو ماخوذ نہ ہوگی۔ (۳) اہل بدر جو عمل کریں بخشے جائیں گے۔ ان پر عذاب نہ ہوگا۔ (۴) اس اُمت پر مال فدیہ حلال ہوگا۔ بہرحال آیت میں عذاب کی تنبیہ ہے اگرچہ وعید نہیں ہے۔

فَكُلُوْا الخ۔ جب آیت عتاب نازل ہوئی تو صحابہ نے بدر کے حاصل شدہ مال غنیمت اور فدیہ میں تصرف کرنے سے ہاتھ کھینچنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی اور مال غنیمت و زر فدیہ حاصل کر لے اور اس میں ہر قسم کا جائز تصرف کرنے کو مباح قرار دے دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدیوں کو گرفتار کرے اور خوب قتل نہ کرے۔ مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہو گئے جو دنیا کا (فانی) اسباب ہے۔ اللہ تو تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ (دنیا میں مفلس رہے تو کیا اور مالدار رہے تب کیا) وہ حکیم اور زبردست ہے۔ حکم قتل کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ اگر تقدیر الٰہی میں بروز ازل ایک خاص حکم نہ لکھا گیا ہوتا تو اس فدیہ لینے پر تم کو عذاب عظیم ہوتا۔ خیر اب جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے یا مال غنیمت حاصل کیا ہے وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ کھاؤ پیو۔ اللہ معاف کرنے والا ہے، مگر آئندہ پرہیز رکھو اور اللہ

سے ڈرتے رہو۔

مقصودِ بیان

تاوقتیکہ شوکتِ اسلام اور قوتِ اہلِ اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ نہ ہو جائے اور کفار پر طاقتِ اسلامی کا رعب نہ چھا جائے اس وقت تک فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی رسول پاک ﷺ کو ممانعت، اصحاب اور رسول کو عتاب آمیز خطاب۔ اس بات کی صراحت کہ اہلِ ایمان کے لئے اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ (خواہ دنیا میں وہ دولت مند ہیں یا نادار) تقدیرِ الٰہی کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ فعل اگرچہ سزا کا مقتضی ہو، مگر تقدیرِ الٰہی میں اگر اس کی سزا مقدر نہیں ہے تو آدمی ماخوذ نہیں ہوتا۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ گناہ کا اثر بالکل ایسا ہی ہے جیسے زہر کا۔ جس طرح زہر کھانے سے آدمی پر فوراً اثر ہو جاتا ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ زہر ہو یا گناہ دونوں کا نتیجہ یعنی ہلاکت وعذاب تقدیرِ الٰہی پر موقوف ہے۔ اگر اللہ نے اس فعل یا زہر کا نتیجہ بصورت عذاب وہلاکت مقرر کیا ہے تو ضرور ہوگا ورنہ اسباب کی تاثیر بالکل نہ ہوگی۔ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں۔ انبیاء کے اجتہاد میں کبھی چوک بھی ہو جاتی ہے، جس کی اطلاع وحی کے ذریعہ سے کر دی جاتی ہے، لیکن اس سے ان کی عصمت میں کوئی خرابی نہیں آتی کیونکہ دینی مسائل میں کبھی وہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ وحی کے منتظر رہتے ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ بھی معصوم نہ تھے بلکہ باقتضائے بشریت کبھی دنیوی مال کی طرف ان کا میلانِ خاطر ہو جاتا تھا۔ بشرطیکہ مال کی حرمت کا اُن کو علم نہ ہو۔ امتحان میں پڑنے کے لئے دلیری نہ کرنی چاہئے۔ بالآخر اسیرانِ بدر کا زرِ معاوضہ مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا تھا وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ

اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں اُن سے کہو کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں کچھ نیکی معلوم ہوگی

خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اُس سے بہتر تم کو عنایت کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے

وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ

اور اگر وہ تم سے دغا کرنی چاہیں تو اس سے پہلے بھی اللہ سے دغا کر چکے ہیں مگر اللہ نے اُن پر تم کو قابو دے دیا

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اور اللہ جاننے والا باحکمت ہے

تفسیر

سببِ نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ منجملہ اسیرانِ بدر کے حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا اور چھڑا لیا۔ عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا۔ فرمایا تمہارے اسلام کا حال خدا جانے۔ بظاہر تم ہم پر چڑھ کر آئے تھے۔ لہٰذا اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کرو۔ عباس نے عرض کیا "اتنا میرے پاس کہاں ہے؟" ایک روایت میں ہے کہ عباسؓ نے رقم مقررہ ادا کر دی اور کہا "اے میرے بھتیجے تم نے مجھے ایسا مفلس کر کے چھوڑا کہ جیتی زندگی قریش کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ٹکڑے مانگوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ مال کہاں گیا جو ام الفضل اور تم نے چپکے سے زمین میں گاڑا ہے اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ دیکھو اس سفر میں کیا پیش آئے۔ اگر میں نہ لوٹا تو یہ مدفونہ مال میرے بچوں فضل اور عبداللہ اور قثم کے واسطے ہے۔" عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں یقینی طور پر سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

کہ تو کیسے جانتا ہو جو بات کہ وقت رخصت کہا تھا اور ام الفضل کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی۔ اب یقین ہو گیا ہوں کہ آپ بیشک اور فدیہ ہونا جو میرے پاس تھا وہ غنیمت کے وقت لوٹ لیا گیا تھا وہ میرے حساب میں محسوب کر لیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا ہرگز نہیں وہ تو اللہ نے ہم کو عطا کیا ہے۔ اسی قصہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہیں۔

حضرت عباسؓ فرمایا کرتے کہ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ بیس اوقیہ سونے کی بجائے اسلام میں مجھ کو بیس غلام عطا کئے، جو خود بہت قیمتی ہیں۔ کم سے کم غلام کی قیمت تقریباً بیس ہزار درہم ہے اور ہر غلام میرے لئے کثیر مال تجارت لگا کر بڑھا رہا ہے۔ پھر اس سب کے علاوہ آخرت میں اللہ سے مغفرت اور اجر جزیل کی امید رکھتا ہوں۔ متعدد طرق سے ثابت ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عباسؓ بہت مالدار ہو گئے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس بحرین سے کثیر مال آیا۔ نماز کے بعد حضورؐ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا جو سامنے آتا، اس کو دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو بھی دیجئے۔ میں نے اپنی جان کا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا۔ فرمایا "لے لو"۔ حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے رول کر اپنے کپڑے میں خوب بھرا اور اٹھا کر لے جانا چاہا مگر اٹھ نہ سکا۔ عرض کیا کہ "آپ کسی کو حکم دے دیں کہ وہ اٹھوا دے"۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں"۔ عرض کیا "آپ ہی اٹھوا دیں"۔ فرمایا "نہیں اٹھواؤں گا"۔ آخر عباسؓ نے اس میں سے کچھ کم کر دیا اور بمشکل اٹھا کر لے چلے۔ حضورؐ ان کی حرص کو تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سب مال بانٹ دیا۔ اُٹھے تو ایک درہم بھی وہاں باقی نہ تھا اور اپنے گھر ایک درہم بھی نہ بھیجا تھا۔ (رواہ البخاری وجماعۃ من ائمۃ الحدیث)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی! تم بدر کے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں کہہ دو کہ جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تم افسوس نہ کرو۔ اگر تمہارے دل میں نیکی ہو گی اور ایمان لے آؤ گے اور سچے دل سے اسلام کے مقابلے میں تلوار نہ اٹھانے کا عہد کرو گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اللہ اس سے بہتر تم کو عنایت کرے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اگر اے نبی وہ تم کو دھوکہ دینا چاہیں گے اور پھر شرارت کرنے کا ان کا ارادہ ہو گا اور عہد و پیمان کے خلاف ان کے دلوں میں مکاری چھپی ہو گی تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ خود ذلیل ہوں گے۔ پہلے بھی شرارت کر چکے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ دوبارہ ایسی حرکت کریں گے تو پھر ایسی سزا پائیں گے۔ خدا کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اس کو ان کی نیتوں اور آئندہ ارادوں کا اب بھی علم ہے، لیکن اس کی حکمت و مصلحت ہے کہ ظاہر نہیں فرماتا اور کسی کا پردہ فاش نہیں کرتا۔

مقصود بیان رسول پاکؐ کو قیدیوں کی طرف سے نڈر رہنے کا حکم، گرفتاران بدر کو نصیحت اور تسلی آمیز ہدایت کہ گئے ہوئے مال کا افسوس نہ کرو، جو کچھ زبان سے کہو اس پر عمل بھی کرو۔ آئندہ زندگی کو درست رکھو۔ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ بلکہ سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تم کو اس سے بہتر مال مل جائے گا اور آخرت میں مغفرت بھی ہو گی ورنہ مکاری کرو گے تو خود تباہ ہو جاؤ گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ

جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور اپنے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا

اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ

اور وہ مسلمان جنھوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ

آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِن

ایمان تو لائے مگر انھوں نے ہجرت نہ کی تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں تمھیں ان کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں لیکن اگر

اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد دینی لازم ہے ہاں اس قوم کے مقابلہ میں مدد دینی لازم نہیں جس سے تمہارا

مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ

معاہدہ ہو چکا ہو اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝

ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں بڑا فتنہ اور زبردست فساد ہوگا۔

تفسیر

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے چار طرح کے مسلمانوں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کے واقعی مرتبہ صفات بھی الگ الگ بیان کر دیے ہیں۔ پھر پانچویں درجہ میں تمام دنیا کے مختلف مذاہب کے کفار کا ایک ہی فرقہ قرار دیا ہے (۱) وہ لوگ جو شروع میں حضورؐ پر ایمان لائے اور ہجرت کر کے آپ کے ساتھ یا آپ سے پہلے مدینہ میں آ کر رہنے لگے۔ ان کے چار اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ اور ملائکہ اور قیامت اور انبیاء پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے اللہ کی خوشنودی اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ترک وطن کیا۔ وطن کو انھوں نے چھوڑا۔ وطن نے اُن کو چھوڑا۔ تمام اعزا اقارب اور بال بچوں سے منہ موڑا۔ اللہ اور اس کے رسول سے رشتہ جوڑا۔ جلاء وطنی کتنی سخت چیز ہے اس کو وہی لوگ جانتے ہیں جن پر گذری ہے۔ قتل موت احمر ہے اور جلاء وطنی موت اسود۔ قتل کے بعد جلاء وطنی سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں۔ تیسرا اور چوتھا وصف یہ ہے کہ راہِ خدا میں انھوں نے جان و مال قربان کر دیا۔ سخت ترین معرکوں میں جانیں لڑا دیں، مگر حضور اقدسؐ کی رفاقت نہ چھوڑی۔ مکہ کے اندر گھاٹی میں محصور رہے۔ تین سال ترکِ موالات کی تکلیف اٹھائی۔ قوم نے حقہ پانی کلام سلام بند کر دیا، مگر ان کی ہمتیں کمزور نہ پڑیں۔ غارِ ثور میں ساتھ رہے۔ جس مکان سے حضورؐ نے ہجرت کی اُس مکان کے اندر حضورؐ کی بجائے خود اپنی جان کو نرغہ میں پھنسایا۔ بدر احد احزاب وغیرہ میں ساتھ رہے۔ مالی قربانیاں اس حد تک کیں کہ متعدد نے گھر میں کوئی چیز نہ چھوڑی۔ ہر چیز حضورؐ کے قدموں میں لا کر ڈال دی۔ غرض تن من دھن کسی سے بھی دریغ نہ کیا۔

(۲) وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین اولین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی۔ باوجودیکہ خود تنگ حال تھے، مگر اپنے معزز مہمانوں کی ہر طرح خاطر مدارات کی خود بھوکے رہے، اہل و عیال کو بھوکا رکھا، مگر مہمانوں کو تکلیف نہ ہونے دی۔ تمام دنیائے کفر کے خلاف مہاجرین کی مدد کی۔ دنیا ان کے گھروں پر چڑھ گئی، مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ اپنے اہل و عیال کی طرح مہاجرین کی حفاظت کی۔ گویا انھوں نے بھی راہِ خدا میں جانیں لڑا دیں اور اسلام کی اعانت میں مالی قربانیاں کامل طور پر کیں۔

(۳) وہ گروہ جو فتح مکہ سے قبل مسلمان تو ہو گیا، اللہ اور رسولؐ کی تصدیق تو کی، احکام شریعت کی تعمیل تو کی، مگر خاص وجوہ کے تحت ترکِ وطن نہ کر سکے۔ کچھ کافروں کے پنجے میں گرفتار ہونے کے لئے مجبور رہے کوئی بیماری کے سبب حرکت نہ کر سکے۔ کسی کو اور قسم کے موانع روکے رہے۔

(۴) وہ مسلمان ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ اپنا وطن چھوڑ کر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی۔ آخری جہادوں میں بھی شریک ہوئے یہ چار قسم کے مسلمان ہوئے۔ ہر گروہ کے جدا جدا احکام بیان فرمائے۔ اوّل الذکر دونوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق دوست، جان و مال بلکہ دین و ایمان کے ساتھی ہیں۔ ان کے اندر اتحاد، تعاون، تناصر اور ولایت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک ولایت سے مراد تعاون توارث ہے۔ یعنی انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے رفیق جان و مال اور دینی بھائی ہیں اور میراث میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں۔

اس آیت کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ و برادری کرا دی تھی۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی

بھائی بنا دیا تھا اور سلسلۂ توارث مہاجر و انصاری میں جاری کرا دیا تھا بلکہ قریبی وارثوں سے بھی ان دینی بھائیوں کو میراث کا زیادہ مستحق قرار دیا تھا۔ جس انصاری کو مواخاۃ کسی مہاجر سے ہو گئی تو اس نے اپنا نصف مال نصف جائیداد دے دی۔ یہاں تک کہ اگر دو بیویاں تھیں تو ایک بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مہاجر سے کر دیا، لیکن آیت میراث نازل ہونے کے بعد انصار و مہاجرین کے توارث کا حکم منسوخ ہو گیا۔

تیسرے گروہ کا حکم بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو حق موالات حاصل نہیں۔ دین میں اشتراک ضرور ہے۔ مذہبی تعاون بھی لازم ہے، مگر مواخات و موالات کا درجہ ان کو حاصل نہیں۔ سلسلۂ توارث ان سے جاری نہیں تاوقتیکہ وطن کو نہ چھوڑیں۔ مہاجرین اوّلین کو ایمان اور ہجرت دو فضیلتیں حاصل تھیں اور ان کو صرف فضیلت ایمان حاصل ہے، ہجرت سے محروم ہیں۔ لہٰذا دونوں گروہ مساوی درجے کے نہیں ہو سکتے۔ ہاں ان کی دینی اعانت ضرور ہے۔ اگر وہ کفار کے مقابلے میں مہاجرین و انصار سے مدد کے خواستگار ہوں تو ان کی مدد کرنی لازم ہے۔ بشرطیکہ ان کی چڑھائی ایسے کافروں پہ نہ ہو جن سے مہاجرین یا انصار کا معاہدہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر ان کی امداد کی جاوے گی تو نقض عہد اور معاہدہ کی خلاف ورزی لازم آئیگی۔

چوتھے قسم کے مسلمانوں کا حکم آئندہ آیات میں آتا ہے۔

اب رہ گئے کفار تو ان کے متعلق فرمایا کہ ان میں باہم تعاون ہے۔ یعنی یہ اگرچہ مختلف مذاہب کے پیرو ہیں اور مختلف عقائد رکھتے ہیں، مگر مخالفت اسلام میں سب ایک دوسرے کے حلیف اور معاون ہیں۔ اسلام کے مقابلے میں سب متحد ہیں۔ چنانچہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے اتحاد کر لیا اور ان کی مدد کی۔ باوجودیکہ یہودیت اور بت پرستی میں عقائد کے اعتبار سے اتنی ہی دوری تھی جتنی اسلام اور شرک میں۔ لہٰذا مسلمانوں کو بھی باہم اتحاد و تعاون اور تناصر کرنا چاہیے تاکہ مجموعی طاقت اور یگانگت سے کفر کا مقابلہ ہو سکے ورنہ زمین میں فتنہ فساد برپا ہو جائے گا۔ جس سے اسلام کو ضعف اور کفر کو قوت حاصل ہو گی۔

مقصود بیان مہاجرین، سابقین اور انصار کے اوصاف کا خصوصی بیان اور اس بات کی صراحت کہ یہ لوگ قطعی مؤمن ہیں، ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ اس سے شیعہ اور خارجیوں کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ جنہوں نے خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کو خارج از ایمان قرار دے رکھا ہے اور برائے نام لفظ مسلم کا ان پر اطلاق کرتے ہیں۔ تمام کفار کو موقع پڑنے پر ایک دوسرے کا معاون قرار دیا گیا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس زمانے میں بھی تمام کفار خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا ہندو مسلمانوں کے مقابلے میں یک زبان ہیں۔ آیت میں ضمنی ہدایت کی گئی ہے کہ جب دنیائے کفر تمہارے مقابلے کے لئے یک جہت ہے تو تم کو بھی آپس میں اتفاق و اتحاد رکھنا اور باہم تعاون کرنا لازم ہے ورنہ کفر کو غلبہ اور اسلام کو ضعف پیدا ہو جائے گا اور پھر دنیا میں تباہی و بربادی پھیلے گی۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام پیام امن ہے اور کفر مرکز فساد اور محور ظلم۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ آئے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے اُن کو جگہ دی

وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اور اُن کی مدد کی یہ سب سچے مسلمان ہیں انہی کے لئے بخشش گناہ اور عزت کی روزی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور وطن چھوڑ آئے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں

مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

داخل ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق رشتہ دار ایک دوسرے کے حقدار ہیں بلاشبہ

اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ع

اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ان آیات میں خداتعالیٰ مہاجرین وانصار کے واقعی اوصاف مدحیہ پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کہ مؤمن جنہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا اور وہ مؤمن جنہوں نے مہاجرین کو رہنے کو جگہ دی، اُن کی مہمانی کی اور ہر طرح سے اُن کی امداد کی۔ یعنی مہاجرین سابقین اور انصار واقعی پختہ مؤمن ہیں، اُن کے ایمان میں قطعاً شبہ نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے اُن کے لئے دو انعام مقرر ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اللہ نے اُن کے کُل گناہ معاف فرما دیے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے واسطے اجرِ جزیل اور باعزت باکرامت ثواب موجود ہے۔ رہے چوتھی قسم کے مسلمان یعنی وہ لوگ جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کر کے مہاجرین انصار کے ساتھ مل کر جہاد کیا، اُن کا شمار بھی مہاجرین وانصار میں ہے۔ کچھ ایسے ہیں جن کا باہم کوئی رشتہ نہیں، کچھ ایسے ہیں جو باہم رشتہ دار ہیں۔ تو جو لوگ باہم رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں۔

بعد کو ایمان لانے سے کیا مُراد ہے؟ اس کے متعلق علماء کے خیالات مختلف ہیں۔ مفسر جلال نے کہا "مہاجرین سابقین کے بعد" بعض نے کہا "غزوۂ بدر کے بعد" بعض نے کہا "اس آیت کے نزول کے بعد" بعض نے کہا "صلح حدیبیہ کے بعد" خازن میں ہے کہ اس سے دوسری ہجرت والے مراد ہیں۔ جنہوں نے فتح مکّہ سے پہلے ہجرت کی تھی جیسے خالد بن ولید وغیرہ۔ بہرحال بعد سے کچھ بھی مراد لی جائے، مگر فتح مکّہ سے پہلے ہجرت کی شرط ضرور لگانی پڑے گی۔ کیونکہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ فتح مکّہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔

ہجرت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل وہ ہجرت جو ابتدائے اسلام میں ہوئی جب کہ اسلام کی حالت کمزور تھی۔ دوسری وہ ہجرت جو صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکّہ سے پہلے ہوئی۔ اوّل قسم کے مہاجرین مہاجرین سابقین کہلاتے ہیں اور آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الخ میں اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں سب سے زیادہ اعزاز انہیں کا ہے۔ دوسری ہجرت بھی ہجرت ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو قیامت تک باقی ہے۔ یعنی اپنے وطن کو جو کفرستان میں واقع ہو چھوڑ کر اسلامی ملک میں ہمیشہ کے لئے چلا جانا۔ اس ہجرت کے دو حکم ہیں واجب اور مستحب۔ جس ملک میں غلبۂ کفر کی وجہ سے اسلامی فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے اور جہاں حدودِ اسلامی جاری نہ ہوں، فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک نہ ہو وہاں سے ہجرت کر جانا مستحب ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ اس آیت میں کتاب اللہ سے لوحِ محفوظ مراد ہے اور بقول ابن کثیر اولوا الارحام سے تمام قرابتدار خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا اصطلاحی ذوی الارحام۔ اس آیت سے میراث کا وہ سلسلہ منسوخ کر دیا گیا جو گذشتہ آیات میں موالات و مواخاۃ کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا گویا یہ آیت میراث موالاۃ کی ناسخ ہے۔

مقصودِ بیان آیات میں عقدِ موالاۃ و مواخاۃ کا بھی حکم ہے اور اس کی بھی صراحت ہے کہ وہ آپس میں قریبی قرابتدار دوسرے رشتوں سے مقدم ہیں۔ رہے دوسرے مسلمان وہ بھی اگرچہ دینی بھائی ہیں، مگر ان کا یہ مرتبہ نہیں۔ البتہ دینی معلومات میں اُن کی امداد کرنی واجب ہے۔ بشرطیکہ ذمّی کفار پر وہ چڑھائی نہ کریں۔

آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام کی امداد کے لئے بھی ذمّی کفار سے عہد شکنی کرنی ناجائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں معاہدہ کی کتنی وقعت واہمیت تھی۔ آیات کے اخیر میں قرابتداروں کا حق میراث مقدم رکھا گیا ہے اور میراث موالات کے حکم کو منسوخ

کردیا ہے۔ شروع آیات سے لے کر آخر آیات تک پیامِ اتفاق، فرمانِ اتحاد اور ہدایت تعاون لفظ لفظ سے مترشح ہے۔ کاش علماء اس پر غور کریں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۹ آیتیں ہیں اور سولہ (۱۶) رکوع ہیں

قرطبی کا قول ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن زبیرؓ اور قتادہ سے بھی یوں ہی مروی ہے۔ براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی وہ سورۂ برأت ہے۔ (رواہ البخاری) لیکن ابن کثیر نے اس سورت کی آخری دو آیات کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے۔

اس سورت میں ۱۳۰ یا ۱۲۹ آیات ہیں۔ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس سورت کے مختلف نام ہیں:۔ توبہ، برآءت، فاضحہ، بحوث، مبعثرہ، مثیرہ، مشققہ، مخزیہ، حافرہ، منکلہ، مدمدمہ، مشردہ، منقرہ۔

چونکہ انفال کی آخری آیات میں معاہدین پر چڑھائی کرنے کی ممانعت تھی اور اس سورت میں تمام معاہدات کو ختم کردیا ہے، اس لئے دونوں میں ایک حد تک مناسبت تھی۔ لہٰذا لوح محفوظ میں دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ جبرئیل بغیر بسم اللہ کے اس سورت کو لے کر نازل ہوئے۔ (علامہ قشیری کا یہی قول ہے) اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مطالب میں بھی مناسبت تھی۔ آیات باہم متشابہ تھیں اگرچہ ہر سورت بجائے خود مستقل تھی اور نزول میں بھی تقدم تاخر تھا۔ ہجرت کے دوسرے سال انفال نازل ہوئی اور بقول ابن عباسؓ آٹھویں سال برأت اُتری، مگر چونکہ دونوں مفہوم کے لحاظ سے شدید الاتصال تھیں، اس لئے لوح محفوظ میں ان دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ قرآن پاک میں بھی اس کو بسم اللہ سے شروع نہ کرنے کی یہی وجہ ہے۔ اس کے علاوہ علماء صحابہ نے ترک تسمیہ کے دیگر اسباب بھی بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں سے اس کے موقع پر لکھواتے تھے چونکہ ان دونوں کا مضمون یکساں تھا، اس لئے ہم نے دونوں کو ایک سورت سمجھ لیا، مگر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک سورت نہیں ہیں (رواہ الترمذی)

(۲) صحابہ کا اختلاف تھا۔ بعض صحابی ان دونوں کو ایک ہی سورت کہتے تھے۔ بعض دو ہونے کے قائل تھے، اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی، مگر فصل کی علامت ظاہر کرنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی (ابن عباسؓ) لیکن ابومسعود نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ذکر تسمیہ اور ترک تسمیہ میں کسی کی رائے کو دخل نہیں یہ امر توقیفی ہے جہاں شارع نے واقف کر دیا وہاں ویسا ہی کیا جائے گا بلکہ ترک تسمیہ کی صحیح ترین وجہ وہ ہے۔

(۳) جو حضرت علیؓ نے فرمائی تھی کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ برأت نازل ہوئی تلوار کے ساتھ۔ یعنی سورۂ برأت تو کفار سے امن دور کرنے کے لئے نازل ہوئی اور بسم اللہ موجب امن ہے لہٰذا شروع میں ذکر تسمیہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ عرب کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی عہد کو توڑنے کا خط لکھتے تو امان آمیز الفاظ سے شروع نہیں کرتے تھے۔ خفاجی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکین کا قطع تعلق ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا پس (اے مشرکو)

الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي

ملک میں چار مہینے چل پھر لو اور جانتے رہو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کرسکتے اور اللہ بالحال کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

رُسوا کرنے والا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن کافروں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ

اور اگر رُخ پھیر لوگے تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو کمزور نہیں کرسکتے اور کافروں کو تکلیف دہ عذاب کی خوشخبری

اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــــًٔا

سُنادو ہاں جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا ہو پھر اُنھوں نے (تکمیل معاہدہ میں) کوئی کمی نہ کی ہو

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے خلاف کسی کو مدد نہ دی ہو تو تم بھی مدتِ مقررہ تک اُن کے معاہدہ کو پورا کرو اللہ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے پھر جب پناہ کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

کرو پکڑو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ میں اُن کے لئے بیٹھو

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَــلُّوْا سَـبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلیں اور باقاعدہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ

غفور رحیم ہے اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ۧ

کے کلام کو سُن لے اس کے بعد اس کو اس کی امن کی جگہ تک پہنچادو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے نہیں ہیں

تفسیر پہلے ہم اجمال کے ساتھ تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں پھر تحقیق اجزاء اور اختلافی مسائل کی تفصیل کریں گے، لیکن سب سے اول مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سبب نزول بیان کر دیا جائے۔ جب آٹھویں سال مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی شوکت نمایاں ہو گئی تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور بہت سی قوموں نے دب کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں نہ کرنے کا عہد و پیمان کر لیا اور اقرار کر لیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے ان حلیفوں سے جن سے آپ کا معاہدہ ہو چکا ہے جنگ نہ کریں گے اور ضرورت ہوئی تو مدد بھی کریں گے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن سے معاہدہ کر لیا تھا۔ ۹ھ میں حضور اقدس کو اطلاع ملی کہ شاہ غسان اپنی جرار فوج لے کر حدود شام سے بڑھ کر سرزمین حجاز میں داخل ہونا چاہتا ہے اور کفار عرب کے بھڑکانے سے اُس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی، اس لئے حضور والا نے مسلمانوں کی زبردست جمعیت جس کی تعداد بیس ہزار کہی جاتی ہے فراہم کی اور شام کی طرف مدافعت کے ارادے سے تشریف لے گئے اور سرحد شام پر بمقام تبوک اقامت کی، لیکن وہاں غسانی فوجیں نہ تھیں، اس لئے چند روز کے قیام کے بعد وہاں سے واپس آ گئے۔ اُدھر منافقوں نے افواہیں اڑائیں کہ اب مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ملک غسان کی فوجوں کے مقابلے میں ان کا ستیاناس ہو جائے گا۔ یہ افواہیں عرب میں چاروں طرف پھیل گئیں اور ان کفار نے جن سے مسلمانوں کے معاہدے ہو گئے تھے بدعہدی کرنی شروع کر دی۔ صرف بنو ضمرہ اور بنو کنانہ اپنے معاہدے پر قائم رہے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کافروں اور منافقوں سے فسخ معاہدہ کا اعلان کیا ہے اور اُن چند مسلمانوں کو سرزنش کی گئی جو غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔

حاصل آیات یہ ہے کہ:۔ اللہ اور رسول کی طرف سے مشرکوں کو صاف جواب ہے کہ اب ہمارا تمہارا کوئی عہد باقی نہیں رہا۔ صرف چار مہینے کی تم کو مہلت ہے۔ اس زمانہ میں جہاں چاہو پھر سکتے ہو۔ چار مہینے کے بعد کوئی عہد باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔ اب کسی قسم کی اُن کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ حرمت جنگ کے یہ چار ماہ گذرنے کے بعد مسلمانوں پر لازم ہے کہ مشرکوں کو جہاں پائیں قتل کریں، گرفتار کریں، محاصرہ کریں، اُن کی تاک گھات میں کمین گاہوں میں بیٹھیں، لیکن اگر مشرکین اپنے عقائد و افعال سے توبہ کر لیں، توحید و رسالت وغیرہ کا اقرار کر لیں، نماز پڑھنے لگیں، زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر ان کو مارنے یا گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں اس فسخ معاہدے سے وہ کفار مستثنیٰ ہیں جن سے مسلمانوں نے معاہدہ کیا تھا اور (مسلمانوں کی غیبت میں) انھوں نے کسی طرح کی عہد شکنی نہیں کی اور مقررہ معاہدے کی تکمیل میں کسی قسم کی کمی بھی نہیں کی۔ اُن کی مدت معاہدہ پوری کرنی لازم ہے۔ اُن کے لئے چار ماہ کا نوٹس نہیں ہے۔ اس کے بعد شبہ ہوتا تھا کہ جب کفار پر ایسی ہی مار دھاڑ رہے گی تو پھر اُن کو تبلیغ اسلام کس طرح کی جائے گی۔ پیام ہدایت کیوں کر پہنچایا جائے گا نہ وہ یہاں آئیں گے نہ مسلمان وہاں جائیں گے، اس لئے آخر میں فرما دیا کہ اگر کوئی حربی تم سے امن کا خواہاں ہو اور پیام ہدایت سننا چاہے تو اُس کو اتنی مدت کے لئے امن دیدو کہ وہ آکر کلام الٰہی سن لے اور اس کے بعد اُس کو اُس کی امن گاہ تک پہنچا دو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناواقف اور بے وقوف لوگ ہیں۔ اتنی اُن میں سمجھ نہیں کہ غائبانہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر سوچ کر حق و باطل میں امتیاز کر سکیں لہٰذا کلام الٰہی سننا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حقانیت اسلام کے دلائل و براہین کو جاننا ضروری ہے اور یہ بغیر وقتی امن دہی کے ناممکن ہے۔

تحلیل اجزا اور تحقیق مباحث

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ میں کون سے معاہدین مراد ہیں اور کس کو صاف جواب دیا گیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ اہل معاہدہ تین طرح کے تھے۔ ایک تو وہ جن سے معاہدہ کیا گیا اور کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی۔ دوسرے وہ جن کے معاہدے کی میعاد چار ماہ یا اس سے زائد تھی پھر ان ہر سہ اقسام میں کچھ وہ معاہد تھے جو اپنے معاہدے پر قائم تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ابن کثیر نے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد کہا کہ حکم برارت اُن لوگوں سے ہوا جن کے معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہ تھی یا جن سے معاہدہ چار مہینے سے کم مدت کے لئے تھا۔ رہے وہ لوگ جن کی مدت معاہدہ چار ماہ سے زائد تھی اُن کے ساتھ معاہدہ اختتام مدت باقی رکھنے کا حکم ہوا۔ فَاَتِمُّوْٓا سے اسی کا حکم دیا گیا۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ من کان بینہ وبین رسول اللہ عھد فعھدہ الی مدتہ یعنی جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہو گیا ہے اُن کے معاہدے کی پابندی اختتام مدت

تک کی جائے گی۔ ابن جریر نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔

اب چار ماہ سے کون سے چار ماہ مراد ہیں؟ اگرچہ علی بن ابی طلحہ اور ضحاک وغیرہ کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہی چار ماہ مراد ہیں جن میں اہلِ عرب قتال وجدال کو ہمیشہ سے حرام سمجھتے آئے تھے۔ یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ مگر بیضاوی نے اس کو خلافِ اجماع اور غلط قرار دیا ہے۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ چار ماہ مراد ہیں جن میں کفار کو چلنے پھرنے کی آزادی دی گئی تھی اور کسی قسم کا تعرض نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ سیاقِ آیات اور نظمِ قرآنی کے یہی مناسب ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عمرو بن شعیب، ابن اسحاق، قتادہ، سدی اور ابن زید وغیرہ سے یہی مروی ہے ائمہ اہلِ علم نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔

اِن چار ماہ کی ابتدا حجِ اکبر کے دن سے ہوئی اور اختتام دس ربیع الثانی پر ہوا۔

یومِ حجِ اکبر سے کون سا دن مراد ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا "یوم النحر ہے" بخاری نے ابوہریرہؓ کا قول بھی یوں ہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے خطبہ حجۃ الوداع کو روایت کرتے وقت باسنادِ صحیح مرفوعاً اسی کو روایت کیا ہے۔ ابن مسعود، ابن ابی اوفیٰ، مغیرہ بن شعبہ اور مجاہد و جماعتِ تابعین کا بھی یہی قول ہے، لیکن حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس اور طاؤس وغیرہ نے کہا کہ یومِ عرفہ مراد ہے۔ حسن بصری اور ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ حجِ اکبر کا دن حجِ ابوبکرؓ و حجِ رسول اللہ ﷺ کا دن تھا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ الخ بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی بعض آیات فتحِ مکہ سے پہلے نازل ہوئیں اور آیات بعد کو۔ یہ آیت فتحِ مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس قول پر ان معاہدین سے مراد قریش ہوں گے، جنہوں نے بمقام حدیبیہ دس سال کے لئے رسولِ پاک ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم اس مدت میں با امن رہیں گے، مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم رہیں، کسی کی خلاف ورزی نہ کریں اور تمہارے خلاف کسی کو مدد بھی نہ دیں تو تم بھی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرو۔ مدتِ مقررہ امن کے ساتھ پوری کر دو لیکن اکثر محققین کا قول ہے کہ سورۂ براءت پوری فتحِ مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ لہٰذا اس سے مراد قبائل بنو ضمرہ و بنو کنانہ ہوں گے جو مسلمانوں کے بوک جانے کے بعد بھی اپنے معاہدے کے پابند رہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ میں مشرکین کا لفظ اگرچہ عام ہے، لیکن مخصوص بسنت ہے۔ مختلف صحیح احادیث میں حربی کافروں کی عورتوں، بچوں اور ان ضعیف بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے جو لڑائی کے کام کے نہ ہوں۔ اسی طرح تارک الدنیا فقیر اور ایلچی بھی مستثنیٰ ہیں۔ ابن کثیر نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک ﷺ چار تلواریں لے کر مبعوث ہوئے۔ ایک تلوار تو مشرکینِ عرب کے لئے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الآیۃ اور غالباً دوسری تلوار اہلِ کتاب کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا:- قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ تیسری تلوار منافقوں کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا:- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ الآیۃ۔ چوتھی تلوار باغیوں کے لئے جن کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔

وَاحْصُرُوْهُمْ کے معنی بعض لوگوں نے یہ بیان کئے ہیں کہ اُن کو حرم میں داخل ہونے سے روکو۔ مگر صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اُن کا محاصرہ کرو اور ان کو محبوس کر دو اُن کے قلعے اور امن گاہوں کو گھیر لو۔

فَاِنْ تَابُوْا الخ اس میں تنبیہ ہے کہ جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے یا زکوٰۃ نہیں دیتا اُس کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی (بیضاوی)

ابن کثیر نے کہا ابن عمر کی مرفوع روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں الخ (صحیحین) انسؓ کی روایت اسی مفہوم کی ہے مگر اس سے بہت طویل ہے (بخاری) ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم مامور ہو کہ نماز ٹھیک پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پس جس نے زکوٰۃ نہ دی اُس نے نماز بھی نہیں پڑھی۔

صدیق اکبرؓ نے اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورے کو بھی قبول نہ کیا تھا۔

آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ کا امتثالِ حکم

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اقامتِ حج اور اعلانِ برأت کے لئے امیر الحاج بنا کر مکہ کو روانہ کیا، لیکن صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد فرمایا اس بات کو میرے اور میرے کسی اہلبیت کے سوا کوئی نہیں پہنچائے گا (رواہ الترمذی) یعنی کسی اور کا پہنچانا مناسب نہیں۔ بات یہ تھی کہ اہلِ عرب اس قسم کے معاہدے کے انعقاد یا فسخ معاہدے کے معاملات میں یا تو صاحبِ معاملہ کے قول کا اعتبار کرتے تھے یا اس کے گھر والے کا اور حضرت ابوبکرؓ اہلِ بیت میں داخل نہ تھے اور کافروں کو ان کی عظمت و عزت کا مخصوص اندازہ تھا۔ اس لئے حضورؐ نے مذکورہ بالا قول فرمایا اور پیچھے سے حضرت علیؓ کو اعلانِ برأت کے لئے روانہ فرمایا۔ راستہ میں حضرت علیؓ صدیق اکبرؓ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا امیر ہو کر آئے یا مامور ہو کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا مامور بن کر۔ غرض مکہ پہنچے۔ حضرت علیؓ نے بروز نحر منیٰ میں جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر چار باتوں کا اعلان کر دیا۔ جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا۔ اس سال کے بعد خانہ کعبہ میں کوئی مشرک نہ داخل ہو۔ کوئی شخص برہنہ طواف نہ کرے (جاہلیت میں برہنہ ہو کر طواف کرنے کا دستور تھا) جس کسی کا رسول اللہ سے معاہدہ تھا اس کا معاہدہ تھا اس کا معاہدہ تمام ہو گیا حضرت علیؓ نے اس اعلان سے قبل سورۂ برأۃ کی تیس[30] چالیس[40] اور بقول مجاہد تیرہ آیات پہلے تلاوت کی تھیں اور بعد کو بلند آواز سے اعلان کیا تھا۔ بعض کافروں نے اس اعلان کا جواب دیا کہ اے علیؓ! اپنے بھائی سے کہہ دو کہ ہم نے خود معاہدہ کو پس پشت ڈالا۔ اب تلوار ہے یا تیر۔

مقصودِ بیان کفار کی عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فسخ معاہدہ کرنے کے اعلان کا علم اور اس بات کی صراحت کہ کفار کتنا بھی نقض معاہدہ کریں اور کتنی بھی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کریں مگر خدا کے پنجے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ بالآخر مسلمان اُن پر غالب آئیں گے اور ان کو ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ شرک ہی بڑا گناہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ اہلِ شرک سے بیزار ہیں خواہ مشرک کوئی ہوں۔ آیات میں مشرکوں کو توبہ کی تلقین بھی کی گئی ہے اور ظاہر کیا کہ مسلمان ہو جانا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اللہ نے جو فسخ معاہدہ کا حکم دیا ہے وہ ظلم پر مبنی نہیں ہے۔ نہ یہ شکست معاہدہ نہ تمام مشرکوں سے کئے ہوئے معاہدات کو ٹھکرایا ہے نہ اسلام جنگجو مذہب ہے بلکہ فسخ معاہدہ کا حکم صرف اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف دوسروں کو مدد دی اور تکمیلِ وعدہ میں قصور کیا۔ اس سے ضمنی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ مشرکوں نے تو بغیر اعلانِ فسخ کے معاہدہ کی شکست کی، مگر اسلام اتنا تنگ ظرف اور پست حوصلہ مذہب نہیں کہ اعلانِ فسخ سے اندیشہ کرے اور چپکے چپکے بغیر اعلان کے معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کر دے۔ آیات کی صراحت سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور بر طریق مفہوم مخالف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ نماز نہ پڑھیں یا زکوٰۃ نہ دیں اُن سے لڑنا اور جہاد کرنا لازم ہے خواہ وہ فرضیت سے انکار کریں یا نہ کریں۔ سہولتِ تبلیغ احکام کے لئے اللہ نے مشرکوں کو قرآن سننے اور ہدایت یاب ہونے کے لئے مسلمانوں سے ملنے کی اجازت دے دی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ان کو پناہ دو اور ان کو قرآن سناؤ جب وہ کلام اللہ سن چکیں تو اُن کو اپنے ٹھکانے پہنچا دو۔ وغیرہ۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کس طرح رہ سکتا ہے مگر ہاں جن سے تم نے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

مسجدِ حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے تو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی اُن سے سیدھے رہو بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں

الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً

کو دوست رکھتا ہے۔ صلح کیونکر رہ سکتی ہے حالانکہ اُن کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں نہ کسی عہد کا

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا

وہ اپنی زبانی گفتگو سے تم کو راضی کر رہے ہیں مگر اُن کے دل نہیں مانتے اُن میں سے اکثر بدکار ہیں اُنھوں نے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

آیاتِ خدا کے عوض تھوڑے دام لے لئے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکا بلاشبہ بُری حرکتیں ہیں جو وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کر رہے ہیں کسی مسلمان کے بارے میں وہ نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ عہد کا یہی زیادتی کرنے

الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

والے ہیں پس اگر وہ توبہ کرلیں اور باقاعدہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے

فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

دینی بھائی ہیں اور ہم واقف لوگوں کے لئے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر عہد کے بعد وہ اپنی

مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ

قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو بلاشبہ اُن کی

لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

قسمیں کچھ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں شاید وہ باز آجائیں

تفسیر گزشتہ آیات میں مشرکوں کے معاہدہ کو فسخ کردینے کا حکم تھا، مگر وجہ فسخ کوئی نہیں بتائی تھی۔ ان آیات میں وجوہ فسخ بیان فرماتا ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا تھا (یعنی قریش یا بنی کنانہ اور بنو ضمرہ) ان کو چھوڑ کر دیگر مشرکوں سے جو معاہدت کیا گیا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیوں کر باقی رہ سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو باقی نہیں چھوڑ سکتے کیوں کہ اُن میں چند اوصاف قبیحہ اور عہد شکنی عادات ہیں۔

(۱) اُن کی یہ حالت ہے کہ اگر اُن کا دست رس ہو اور تم پر قابو مل جائے تو پھر کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں گے نہ عہد و میثاق کا۔

(۲) وہ تم کو خوش کرنے کے لئے زبانی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں، مگر اُن کے دل پھرے ہوئے ہیں اور ان کے ارادوں میں کھوٹ ہے

(۳) اگرچہ کافر سب ہیں، مگر اُن میں سے اکثر حالتِ کفر میں بھی اچھے عادات اور عمدہ اطوار نہیں رکھتے بلکہ بیشتر حصہ فاسق ہے۔

(۴) انھوں نے دنیا کے حقیر فوائد کے عوض احکامِ الٰہی کو فروخت کر دیا یعنی اپنی ریاست و سرداری قائم رکھنے کے لئے احکامِ الٰہی کو نہ مانا اور دوسروں کو راہِ حق سے روکا۔ ممکن ہے اس سے یہودیوں کی طرف اشارہ ہو جنھوں نے رشوتیں لے کر تحریف کر دی تھی۔

(۵) نہ فقط تم سے ان کو بیر ہے بلکہ ہر مومن سے ان کو دشمنی ہے۔ کسی ایماندار کے حق میں ان کو قرابت اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہیں رہتا۔

(۶) زیادتی انہیں کی طرف سے ہوئی۔ یہی حدِ مقررہ سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ لہٰذا اللہ اور اللہ کا رسول بھی ان کے معاہدے کو برقرار نہیں رکھتا اور فسخِ معاہدہ کرتا ہے، لیکن یہ عہد شکن لوگ اگر مسلمان ہو جائیں اور مسلمانوں کی طرح اسلام کے فرائض ادا کرنے لگیں تو وہ دینی بھائی ہو گئے۔ ان کے احکام مسلمانوں کے طرح ہیں۔ اب رہے وہ لوگ جن سے کعبہ کے قریب یعنی بمقام حدیبیہ تم نے صلح کی تھی اور دس سال کے لئے معاہدہ کیا تھا تو ان کا معاملہ بدستور باقی ہے بشرطیکہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ تم بھی قائم رہو اور اگر وہ شکستِ معاہدہ کر دیں اور دینِ اسلام پر طعنہ زنی کریں تو بس تلوار پکڑو۔ یہ سب کفر کے سرغنہ ہیں ان کو مارو۔ آئندہ کیسا ہی قول و قسم کے ساتھ عہد کریں ایک نہ سنو۔ ان کے عہد و میثاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ سزا اُن کو صرف اس لئے دو کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے باز آجائیں۔

ابن کثیر نے اسی جگہ سے استنباط کیا ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرے یا کوئی عیب لگائے یا حضورؐ کی کسی حالت پر طعنہ زنی کرے وہ واجب القتل ہے۔

اَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے کون لوگ مراد ہیں؟ قتادہ نے ائمۃ الکفر کی مثال میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف وغیرہ مشرکین کے اسماء بیان کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ائمۂ کفر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ایک خارجی کی طرف سے گذرے۔ اُس نے بطورِ طعن کے کہا "یہ شخص بھی ائمۂ کفر میں سے ہے"۔ سعد نے فرمایا "بدبخت جھوٹ ہے، میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں نے تو ائمۂ کفر سے قتال کیا ہے"۔ (رواہ ابن مردویہ) حذیفہ سے مروی ہے کہ جو لوگ اس آیت سے مراد ہیں۔ ابھی تک اُن سے قتال نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے یعنی آئندہ آنے والے ہیں۔ مجاہد کی روایت ہے کہ ائمۂ کفر اہلِ فارس و روم تھے۔ حسن بصری نے اہلِ دیلم کو مراد لیا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے جب مسلمانوں کا لشکر ملک شام کی طرف بھیجا تو فرمایا "عنقریب تم کو ایسے کافر لوگ ملیں گے جن کے سروں کی چندیا مُنڈی ہوئی ہوگی اور آس پاس بال ہوں گے پس شیطان کے قدمچہ پر تلوار مارنا۔ قسم ہے اللہ کی اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل کر ڈالوں تو دوسرے ستر کافروں کو قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ الآیۃ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی وہ کفار جن کی صدیق اکبرؓ نے شناخت بتادی تھی، بڑے مفسد تھے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں گستاخ باتیں کہتے اور بہتان تراشیاں کیا کرتے تھے اور چونکہ وہ دولت مند تھے، اس لئے کفر کو ان سے بہت ترقی ہوتی تھی اور عام فساد پھیلتا تھا، لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ائمۂ کفر سے خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ قریش کے سرداران ہوں یا دیگر قبائلِ عرب کے یا اسرائیلیوں کے پیشوا یا بعد کو آنے والے سردارانِ کفر۔ یہاں تک کہ اس زمانے میں جو لوگ کفر کے سرغنہ، مسلمانوں کے قطعی دشمن اور رسولؐ اسلام پر طعن کرنے والے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر وقت کوشش کرنے والے ہیں وہ سب ائمۂ کفر ہیں اور سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مقصودِ بیان

اس بات کی صراحت کہ فسخِ معاہدہ میں مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں بلکہ کفار نے نقضِ عہد میں پیش دستی کی، مگر مجبور تھے بس نہ چل سکا ورنہ ان کو عہد و پیمان یا دوستی و قرابت کا لحاظ پاس نہ تھا۔ ان کو ہر مؤمن سے دشمنی ہے۔ لہٰذا ایسی عہد شکن غدار قوم سے کسی طرح کا معاہدہ قائم رکھنا خلافِ مصلحت اور پست حوصلگی ہے۔ آیات سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام عدل و مساوات کا علمبردار ہے۔ مسلمانوں کو اپنی طرف سے اقدام کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مدافعانہ کارروائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یعنی جیسا معاملہ کفار تم سے کریں ویسا ہی تم اُن سے کرو۔ وہ پابندیٔ عہد کریں تم بھی پابندیٔ عہد کرلو۔ وہ خلاف ورزی کریں تم بھی ایسا ہی کرو، مگر پہلے اظہارِ فسخ کر دو تا کہ کفار دھوکے میں نہ رہیں۔ وغیرہ۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلی مرتبہ

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

تم سے پہل شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو اگر تم ایماندار ہو تو (سمجھ لو کہ) اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

تم اُن سے لڑو تمہارے ہاتھوں سے اللہ ان کو سزا دے گا رسوا کرے گا اور تم کو اُن پر فتح یاب کرے گا اور مسلمانوں کے

صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ

دل ٹھنڈے کرے گا اور اُن کے دلوں کی جلن دور کرے گا اور جس شخص پر چاہتا ہے

عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

اللہ مہربانی فرماتا ہے اور اللہ دانا و باحکمت ہے

تفسیر جو لوگ کہتے ہیں کہ کل سورۃ براءت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اُن کے نزدیک ان آیات میں جن لوگوں سے لڑنے کی ترغیب دی گئی ہے اُن سے مراد خاندانِ قریظہ کے یہودی ہیں جنہوں نے آپس میں اسکیمیں بنائی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دینا چاہیئے، بلکہ بعض نے تو فریب سے قتل کر دینے کا بھی ارادہ بھی کیا تھا، مگر خدا نے اُن کا فریب کھول دیا۔ ارادۂ قتل کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مرتبہ عہد شکنی بھی کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ معاہدہ کیا اور معاہدہ کے خلاف مشرکین کو امداد دینے کا وعدہ کیا پھر عذر معذرت کر کے وعدہ کیا اور وعدہ شکنی کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں کو مدد دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

لیکن اکثر محققین کے نزدیک آیات میں قریش کی بدعہدی کی طرف اشارہ ہے۔ جب ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ کا قصد کیا اور تقریباً سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے اور مکہ سے نو میل ورے بمقام حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے روک دیا اور مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ حضورؐ جنگ کے خواستگار نہ تھے بالآخر صلح ہو گئی۔ معاہدہ قرار پایا، عہد نامہ لکھا گیا۔ جس کے چند دفعات یہ تھے۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے چلے جائیں آئندہ سال آکر عمرہ کریں، لیکن تین روز سے زائد مکہ میں نہ ٹھہریں۔ برہنہ ہتھیار لے کر مکہ میں نہ داخل ہوں۔ ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے خلاف کوئی کارروائی دس سال تک نہ کریں۔ ہم بھی مسلمانوں پر چڑھائی نہ کریں گے اور نہ اُن قوموں کو ستائیں گے جن کا معاہدہ مسلمانوں سے ہوگا۔ غرض حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ ہی مدت کے بعد قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، جس کی صورت یہ ہوئی کہ اطراف میں بکر بن وائل کا خاندان آباد تھا۔ اس خاندان کا قریش سے عہد و پیمان تھا گویا قبائل بکر قریش کے حلیف تھے۔ ایک تو خزاعہ نے عبدالمطلب جد رسول اللہؐ سے معاہدہ کیا تھا جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم و برقرار رکھا تھا۔ دوسرے خود حضورؐ سے بھی ان کا قول و قرار ہو گیا تھا اور ہر دو فریق نے مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی شرکت کا وعدہ کر لیا تھا۔ قبیلۂ بکر اور قبیلۂ خزاعہ

دیرینہ عداوت تھی۔ ایک بار قبیلۂ بکر کا ایک آدمی دف بجا بجا کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ برا کہہ رہا تھا۔ خزاعہ کے ایک شخص نے اس کو منع کیا، اُس نے نہ مانا۔ خزاعی نے اُس کا دف توڑ ڈالا۔ اُس نے اپنی قوم سے فریاد کی۔ دونوں قبیلوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ قبیلۂ بکر نے قریش سے مدد طلب کی۔ قریش کا اگرچہ مسلمانوں سے معاہدہ ہو چکا تھا، لیکن اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ سرداران قریش نے بھیس بدل کر قبیلۂ بکر کے شریک ہو کر قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا۔ اس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینے پہنچا اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر منظوم فریاد پیش کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر تکلیف ہوئی اور آپ نے قریش پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کر لیا، لیکن قریش کی طرف سے مسلمانوں کو اندیشہ تھا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں چند باتیں ظاہر فرمائیں۔ کافروں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ دار الندوہ میں مشورہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کو شہر بدر ہونے پر مجبور کیا۔ سب سے اوّل چھیڑ انھیں کی طرف سے ہوئی۔ تمہارے ہاتھوں اللہ اُن کو ذلیل کرے گا اور تم کو فتحیاب کرے گا۔ کوئی صورت خلاف ارادہ ایسی پیش آئے گی جس سے تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ اُن میں سے وہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے جن کا مسلمان ہونا خدا کو منظور ہوگا۔ گویا مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لئے تین گذشتہ موعودہ اسباب جنگ ظاہر کئے اور تین باتوں کا آئندہ کے لئے وعدہ کیا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ ہجرت کے آٹھویں سال حضورؐ نے مکہ پر لشکر کشی کی۔ کفار پر رعب چھا گیا۔ ابو سفیان نے حاضر ہو کر اہل مکہ کے لئے جدید معاہدہ کرنا چاہا مگر حضورؐ نے انکار کر دیا اور بالآخر نہایت شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ سب لوگ عاجزانہ طور پر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے سرداران مشرکین کی درخواست پر اُن کو امان دی، لیکن ایک گروہ لڑائی پر اڑ گیا اور مارا گیا۔ پھر حضورؐ نے خالد بن ولیدؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ اب کسی کو قتل نہ کرو۔ حکم سُننے میں قاصد کو کچھ غلطی ہوئی۔ اُس نے جا کر ایسے مشتبہ الفاظ کہے جن سے صراحۃً قتل سے دست کشی کا مفہوم نہ نکلتا تھا۔ کچھ دیر بعد کو بھی قتال جاری رہا اور اس طرح بلا ارادہ اہل اسلام اور قبیلۂ خزاعہ والوں کے دل ٹھنڈے ہوئے۔ اس کے بعد اہل مکہ میں سے بعض حضرات مسلمان بھی ہو گئے۔ مثلاً ابو سفیان، معاویہ، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی تینوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ اس توضیح پر ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے مانا جائے گا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! تم ایسی قوم سے جہاد کیوں نہیں کرتے۔ جس نے اپنے پختہ معاہدوں کو توڑا یعنی قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ یعنی قتل کا ارادہ کیا جس سے بچنے کے لئے رسول اللہؐ نے وطن کو چھوڑا۔ اور انھوں نے ہی سب سے پہلے چھیڑ کی۔ یعنی بلا قصور تم کو ایذا پہنچانے، مار پیٹ کرنے اور طرح طرح سے تکلیفیں دینے کی ابتداء انھیں کی طرف سے ہوئی۔ لہٰذا تم کو اس ظلم و فساد کی بیخ کنی کرنے اور ان سے لڑ کر عدل و انصاف پھیلانے میں کون سی بات مانع ہے۔ کیا تم کو ان سے ڈر لگتا ہے یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اُن کی طاقت زبردست ہے، ہم کو ان کو مقابلے میں کامیابی نہ ہوگی۔ حالاں کہ تم کو خوف تو بس خدا سے چاہیئے یعنی اسی کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ اُن کی طاقت خدا کی طاقت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا اگر تمہارا ایمان پختہ ہے تو تم ان سے ہرگز نہ ڈرو بلکہ اُن سے لڑو۔ اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو ذلیل کرے گا، اُن کو برباد و رسوا کرے گا، تم کو ان پر فتحیاب کرے گا اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا پھر اس کی ازلی مشیت میں جس کی قسمت میں ایمان و اسلام لکھا ہوگا اُس کو مسلمان ہونے کی توفیق دے گا اور اس کی توبہ قبول کرے گا۔ وہی اپنے اسرار و مصالح جانتا ہے۔

مقصود بیان مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب، اس امر کی صراحت کہ اگر قریش پر چڑھائی کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے اقدام نہ ہوگا بلکہ اپنے تحفظ و بقا کے لئے مدافعانہ کارروائی ہوگی۔ کیوں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ابتداء قریش ہی کی طرف سے ہوئی۔ شروع سے یہ تکلیفیں دیتے چلے آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے شہر بدر کیا۔ مسلمانوں کو انھوں نے ایذا دی پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ اب معاہدے کے بعد خود ہی چھیڑ کی۔ آیات میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ مسلمانوں کو فتحیاب کرنے کی، اُن کے دل ٹھنڈا کرنے کی، اہل مکہ میں سے بعض لوگوں کے مسلمان ہونے کی وغیرہ۔ آیات میں ضمنی طور پر بیان ہے کہ اگر کفار کی طرف سے شکست معاہدہ ہو تو مسلمانوں کو بھی معاہدہ کی پابندی نہ کرنی چاہیئے اور کفار کی طرف بڑھنا چاہیئے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوٹ جاؤ گے حالانکہ اللہ نے تم میں سے ابھی تک ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور اللہ

مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (۱۶) ع ۸

اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر اوروں کو دوست نہیں بناتے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے

تفسیر اوپر آیات میں قتال وجہاد کا حکم دیا گیا تھا اور کافروں کی طرف اسباب قتال کی ابتداء ظاہر کرنے کے بعد حکمت قتال یہ بیان کی گئی تھی کہ اللہ کافروں کو ذلیل و رسوا اور مغلوب کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنا مقصود ہے، اس لئے تمہارے ہاتھوں سے اُن کو تباہ کرنے کا حکم دیا، لیکن اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ کافروں کی ذلت رسوائی اور تباہی تو بغیر جہاد کے بھی ممکن تھی۔ خدا تعالیٰ کچھ فعلی اسباب پیدا کر دیتا یا کافروں میں باہم جنگ وجدال کا سلسلہ قائم کر دیتا اور وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کر دیتے۔ مسلمانوں کو کشمکش میں ڈالنے اور مصائب جہاد میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ قتال سے مقصود فقط ذلتِ کفار ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی آزمائش بھی مقصود ہے اور اہلِ ایمان کا اہلِ نفاق سے امتیاز غرض ہے۔ خواہ مخواہ یوں ہی بغیر امتحان و امتیاز کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابھی تک مفصل طور پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ مدعیانِ اسلام میں سے کون ہیں وہ لوگ جنہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہو اور خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی ہو اور گروہِ اسلام کو قوت پیدا کی ہو۔ لہٰذا یہ ایک کسوٹی ہے تم ضرور اس پر کسے جاؤ گے جو اس پر کھرا نکلا وہی حقیقی ایماندار ہے ورنہ منافق ہے۔

مقصودِ بیان جہاد کا حکم محض اس لئے نہیں ہوا کہ کافر ذلیل و رسوا ہو جائیں بلکہ اس سے مقصود اہلِ اسلام کی آزمائش اور مومن و منافق کا امتیاز بھی ہے۔ جہاد سے پہلے اگرچہ خدا کو ہر ایک کی حالت معلوم تھی، مگر عام طور پر نفاق و ایمان کا اظہار نہ ہوا تھا، اس لئے جہاد کا وجوب ہوا۔ جو جہاد میں ثابت قدم رہے اور دل سے شریکِ قتال ہوئے وہ پکے مومن ہیں اور جنہوں نے مصائبِ جہاد برداشت کرنے سے گریز کیا وہ منافق ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے دوستی کرنا حرام ہے۔ وغیرہ۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِينَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں

أُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ

انہی لوگوں کے اعمال اکارت ہو گئے اور یہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کی مسجدیں تو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ ۖ فَعَسٰى أُولٰئِكَ

اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہو نماز باقاعدہ پڑھتا ہو اور زکوٰۃ دیتا ہو اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرتا ہو توقع ہے کہ یہی لوگ

أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ (۱۸) أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہدایت یاب ہوں گے کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی طرح

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ

قرار دیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا خدا کے نزدیک ـ برابر

اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور جان و

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا خدا کے نزدیک اُن کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور وہی

هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا

مراد پانے والے ہیں اُن کا رب اُن کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور اُن کے باغوں (میں داخل ہونے) کی خوشخبری دیتا ہے

نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

جن کے اندر دائمی آرام ہوگا وہ ہمیشہ اُن کے اندر رہیں گے بلاشبہ اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے

تفسیر ان آیات کے سبب نزول میں مختلف قصے وارد ہیں۔ مثلاً حضرت عباسؓ جنگِ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو انھوں نے مشرکوں کے فضائل شمار کرنا شروع کئے اور کہنے لگے ہم لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہیں، ہم بھی نیکی کرنے میں مومنوں سے کم نہیں۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی بیان کیا ہے کہ ایک بار تین آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ عثمان بن طلحہؓ، عباسؓ اور حضرت علیؓ۔ عثمانؓ نے کہا "مجھے یہ فضیلت حاصل ہے کہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے۔ میں چاہوں تو کعبہ کے اندر سو بھی سکتا ہوں"۔ عباسؓ نے کہا "میں زمزم کا پانی حاجیوں کو پلاتا ہوں مجھے بھی کعبہ کے اندر سونے کا استحقاق ہے"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو؟ میں نے لوگوں سے چند مہینے پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں صاحب جہاد بھی ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ سدی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ رواہ عبدالرزاق باسنادہ عن الحسن۔

نعمان بن بشیر انصاریؓ فرماتے ہیں میں چند صحابہ کے ساتھ مسجد میں منبر اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اصحاب میں باہم گفتگو ہونے لگی کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ ایک نے کہا مسلمان ہونے کے بعد اگر میں حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں یعنی ایمان کے بعد سب سے بہتر عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں بلکہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے بہتر عمل ہے۔ تیسرے نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے بھی افضل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو جھڑک دیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس شور مت مچاؤ۔ میں جمعہ پڑھ کر حضور گرامیؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی کیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ تا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ آیات نازل فرمائیں۔

آل ابن کثیر وقد رواہ مسلم وابوداؤد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابن حبان وغیرہم۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایام حج میں مکہ کے مشرک حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے اور خانہ کعبہ کے متولی بھی تھے اور اُن کو اپنی نیکیوں پر اسلامی فضائل

کے مقابلے میں فخر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں بعض اوقات اختلاف ہوا تھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ اس پر خدا تعالیٰ نے مندرجۂ بالا آیات نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مساجد الٰہی کی تعمیر کرنا مشرکوں کا کام نہیں کیونکہ ان کی جڑ ہی صحیح نہیں پھر عمدہ شاخیں اور اچھے پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ وہ کفر کے مقر اور شرک کے مرتکب ہیں اور مساجد کی تعمیر (خواہ اس صورت سے ہو کہ اُن کی عمارت بنائی جائے اُن کو روشن، صاف اور خوبصورت رکھا جائے) خلوص اور ایمان پر مبنی ہے اور کافروں میں ایمان کی بو بھی نہیں، اس لئے اُن کی ساری نیکیوں کو ان کے کفر نے برباد کر دیا اور ان کے اچھے کام کالعدم ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ مساجد کی تعمیر اور اُن کو پر رونق رکھنا تو انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے عقائد و اعمال درست ہوں اور دینی امور میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ یہ نیکیاں اُن کو سعادت کا راستہ بتانے والی ہیں اور یقینی اُمید ہے کہ ایسے ہی لوگ صحیح راستے پر ہیں کیا کافروں کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو بنانا اُن لوگوں کے فعل کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کو اور روزِ آخرت کو مانتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں، راہِ حق میں انھوں نے ترکِ وطن کیا ہے اور مولا کے راستے میں جان و مال سے لگے ہوئے ہیں، اُن کا درجہ کہیں بڑا ہے۔ بس یہی کامیاب و بامراد ہیں۔ انھیں کو اللہ اپنی رحمت و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور انہیں کو دوامی جنت ملے گی۔

تحلیلِ اجزاء

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ اللَّهِ میں تعمیر سے مراد بطور عموم مجاز کے حقیقی عمارت بنانا اور مسجد کو پر رونق رکھنا بہر طور اس کو آباد کرنا ہے۔ بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ فرش سے مسجد کو آراستہ رکھنا، چراغ روشن کرنا، ہمیشہ اُس میں یادِ الٰہی کرنا، علم شریعت پڑھنا پڑھانا اور ہر قسم کی دنیوی باتوں سے اُس کو خالی رکھنا سب کچھ تعمیر مسجد کی شاخیں ہیں اور آیت سب کو حاوی ہے۔

لَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ میں اختیاری خوف کی نفی ہے اور دینی امور میں نہ ڈرنے کی تبلیغ ہے۔ رہا اضطراری خوف مثلاً شیر سے ڈرنا وغیرہ۔ اس کی ممانعت نہیں ہے۔

عَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا میں ابن عباسؓ کے نزدیک عَسَىٰ بمعنی تحقیق ہے۔ یعنی اُن لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا یقینی اور قطعی ہے۔ میرے نزدیک عَسَىٰ کے لفظ کو استعمال کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے۔ اس میں درحقیقت مشرکوں کی طمع کو روکنا اور اُن کو ملامت کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحیح عقائد رکھتے ہیں، شرک اور کفر سے اُن کے خیالات پاک ہیں اور اعمال بھی اُن کے درست ہیں۔ نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اُن کا حال تو نجاتِ آخرت کے متعلق اُمید کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ پھر تم باوجود مشرکُ الاعمال ہونے کے کس برتے پر اپنے کو نجات یافتہ اور ہدایت یاب سمجھتے ہو۔ عَسَىٰ کا لفظ استعمال کرنے سے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی کہ کبھی اپنے اعمال پر غرور نہ کرنا۔ اللہ کی عظمت و جلال کے مقابلے میں مخلوق کا اپنے پندار و کردار پر مغرور کرنا زیبا نہیں بلکہ ہمیشہ اپنی عاجزی اور فروتنی کو پیشِ نظر رکھ کر سربسجود رہنا ہی مناسب ہے۔

أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً الخ چار امور اصلاحِ انسانی کے بنیادی پتھر ہیں۔ عقائد کی درستگی، بدنی فرائض کی ادائیگی، مالی حقوق کی ادائیگی اور چوتھے درجہ پر بدنی اور مالی ہر دو قسم کی قربانی

اوّل کی طرف خدا تعالیٰ نے مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ سے اشارہ فرمایا۔ دوسرے نمبر کی طرف نماز پڑھنے سے اشارہ کیا۔ تیسرے نمبر کی طرف زکوٰۃ دینے سے۔ چوتھے نمبر کی طرف ہجرت و جہاد کرنے سے۔

حاصل یہ نکلا کہ مسلمان کا عقیدہ بھی درست ہوتا ہے۔ صرف بدنی فرائض ہی ادا کر کے نہیں بلکہ مالی حقوق بھی دیتا ہے اور اُن فرائض کی تکمیل سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا جن کو ادا کرنے میں مالی اور بدنی قربانی ادا کرنی پڑتی ہے پھر اس کا کافر سے مقابلہ ہی کیا۔ اس کو اللہ کے ہاں جو اجر و مرتبہ حاصل ہو گا وہ کافر کو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت اسی کے شاملِ حال ہو سکتی ہے۔ اللہ کی خوشنودی اسی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی فوزِ عظیم کا مالک ہے اور یہی اجر جلیل کا مستحق ہے۔

مقصودِ بیان

خواہ مخواہ فخر کرنے کی مذمت، مساجد کو تعمیر کرنے، اُن کو آراستہ رکھنے اور ہر وقت اُن کو بھرپور رکھنے کی طرف ایماء۔ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب آمیز ہدایت۔ ہجرت اور جہاد پر آمادگی۔

اس امر کی صراحت کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اگرچہ اچھا کام ہے، مگر کافر کی کوئی کی مقبول نہیں۔ اُس کا کفر سب نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اُس کی نیکیاں اُس کو سعادتِ ابدی کا راستہ نہیں بتا سکتیں۔
کافروں کو کبھی فوز اور نجات حاصل نہ ہوگی۔ مسلمانوں سے قیامت کے دن خدا ناخوش نہ ہوگا۔ جنتِ ابدی چیز ہے۔ کبھی اہلِ جنت کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ وغیرہ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟

مسلمانو! اپنے باپ بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں

ٱلْكُفْرَ عَلَى ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ قُلْ

کفر کو عزیز سمجھیں تم میں سے جو لوگ ان کی رفاقت کریں گے وہی ظالم ہوں گے (اے محمدؐ)

إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَٰلٌ

کہدو اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیبیاں تمہاری برادری تمہارا کمایا

ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم

ہوا مال اور وہ تجارت جس کے کساد کا اندیشہ ہو اور وہ مسکونات جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک

مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ

اللہ اس کے رسول اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو حکم خدا آنے تک منتظر رہو

وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ۝

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں "جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے بال بچے رونے لگے اور اپنے سرپرستوں سے لپٹے اور کہنے لگے کہ ہم کو کیوں برباد کرتے ہو، ہماری زندگی کا کیا سہارا ہے؟ اس پر وہ لوگ سست پڑ گئے اور کہنے لگے ہم مجبور ہیں۔ ہجرت کرتے ہیں تو اپنے والدین، بیوی بچے اور تمام اعزا، اقارب سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے، تجارت تباہ ہوتی ہے اور ہم برباد ہوتے ہیں۔ اس لئے وطن چھوڑنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ مقاتل کہتے ہیں نو آدمی مرتد ہو کر کفارِ مکہ سے جا ملے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے عزیز و اقارب کو ان سے موالات کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسبابِ نزول جزوی اور اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ بات صرف یہ تھی کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو بعض اوقات اپنے ماں باپ اور عزیزوں سے لڑنا پڑتا تھا جس سے باقتضائے بشری دل ہچکچاتا تھا۔ نیز ہجرت کا عمومی حکم ہوا تو اس سے بھی عزیزوں اور بھائی بندوں کو چھوڑنا پڑتا تھا اور تجارت تباہ ہوتی تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر آیاتِ مذکورہ میں تنبیہ کی گئی۔
حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تمہارے بھائی باپ کفر کو پسند کریں تو تم ان سے دوستی قائم نہ رکھو، ورنہ حقانیت سے ہٹ جاؤ گے۔ اسلام

کے مقابلے میں کفر کو پسند کرنا تمہاری بے جا بات ہوگی۔ اگر تم کو تمہارے اقارب، مال اور تجارت (جس کی تباہی کا تم کو اندیشہ ہے) اور مکانات اللہ اور اس کے رسول سے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو ہجرت مت کرو اور دیکھو پھر خدا کیا کرتا ہے یعنی کچھ تمہاری ہجرت اور جہاد پر ہی موقوف نہیں ہے اللہ ویسے بھی اپنے دین کو غالب کردے گا اور تم دیکھو گے اور مکہ فتح ہو جائے گا اور تمام کفار مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان فتح یاب اور مال دار ہو جائیں گے اور پھر تم حسرت کرو گے اور اپنی نافرمانی پر پچھتاؤ گے مگر بے سود ہوگا۔ جنہوں نے نافرمانی کی دل میں ٹھان لی ہو اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

تحلیلِ اجزاء

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ قرآن پاک میں مختلف مقامات میں کافروں کی موالات سے منع فرمایا ہے۔ خواہ باپ بھائی ہوں، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ معاملات میں بھی موالات منع ہے اور ماں باپ کو نان نفقہ بھی نہ دیا جائے۔ یہ بات آیت سے مستفاد نہیں ہوتی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل کافر سے نہ ملا ہو اور وہ کافروں کی طرفداری میں کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہو۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے والد جراح نے جب ابو عبیدہؓ کے سامنے بتوں کی بہت زیادہ تعریف کی اور بیٹے کو بت پرستی کی طرف مائل کرنا چاہا تو ابو عبیدہؓ نے ان کی تردید کی اور کوشش کی کہ کسی طرح وہ ان کو اسلام سے نہ روکے، مگر اس نے نہ مانا تو ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس طور عدم موالات کا اظہار کیا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ الخ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور احکامِ اسلام کی محبت مسلمان کے دل میں انتہائی درجہ پر ہونی چاہیئے۔ دنیا کا کوئی تعلق خواہ وہ فطری ہو یا غیر فطری مسلمان کو اللہ، رسول اور اسلام کی محبت سے روک نہ سکے، لیکن اس محبت سے مراد اختیاری محبت ہے۔ اضطراری محبت پر انسان مکلف نہیں ہے۔ امام احمد نے بروایت عبداللہ ہشام بیان کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے ہم لوگ بھی حاضر تھے عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اپنی جان کے آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے زیادہ نہ ہو۔ عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں عمرؓ اب تم پورے مومن ہوئے (رواہ البخاری) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ میں بعض مفسرین کے نزدیک امر سے عذاب مراد اور جو لوگ مال و اقارب کی محبت میں پھنس کر ہجرت کرنے سے باز رہے تھے اُن کو دنیاوی یا اخروی عذاب کی وعید ہے، لیکن بعض اہلِ تفسیر قائل ہیں کہ ان آیات کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا اور امر سے مراد فتح مکہ ہے اور اللہ ظاہر فرماتا ہے کہ تم یوں ہی منتظر رہو اللہ خود تمہاری امداد و ہجرت کے بعد مسلمانوں کو مکہ پر غالب کردے گا۔

مقصودِ بیان

کفار سے موالات کرنے کی ممانعت اور کافروں سے اندرونی تعلقات رکھنے کی بازداشت۔ اللہ اور اس کے رسولؐ اور فریضۂ اسلامی کی ادائیگی کی محبت کو تمام دنیا اور دنیوی تعلقات پر ترجیح دینے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اپنے والدین، اولاد، خاندان اور رشتہ داروں کی محبت ہو وہ نافرمان اور ظالم ہیں۔ ضمنی طور پر جہاد و ہجرت کی تبلیغ اور اس بات کی طرف اشارہ کہ عنقریب مسلمان غالب آئیں گے۔ وغیرہ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

بلاشبہ بہت سے موقعوں پر اللہ تمہاری مدد کرچکا ہے خصوصاً حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کردیا تھا

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ
لیکن وہ کثرت تمہارے کام نہ آئی اور باوجہ فراخ ہونے کے زمین تم پر تنگ ہوگئی اور پیٹھ پھیر کر تم بھاگ
مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
اُٹھے بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے سکون نازل کیا اور
اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝
فوجیں نازل کیں جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھیں اور کافروں کو خوب سزا دی اور کافروں کی یہی سزا ہے
ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اس کے بعد جس کو چاہے خدا توبہ نصیب کرے اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں جہاد و ہجرت کی ترغیب دی تھی اور آخر میں فرمایا تھا اگر تم جہاد میں شرکت نہ کروگے اور اقربا کی محبت میں پھنسے رہو تو منتظر رہو دیکھو خدا خود اپنا کام کرے گا یعنی مسلمانوں کو فتحیاب کردے گا۔

یہ آیات پہلی آیات سے مربوط ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم شرکت نہ کروگے تو نہ کرو۔ تمہاری اعانت اور تعداد کی کثرت پر موقوف نہیں ہے۔ فتح مکہ کا مدار تو غیبی امداد پر ہے، اگرچہ ظاہری قوت نہ ہو اور ظاہری شان و شوکت اور اعداد کی کثرت کتنی ہی ہو، مگر امداد اللہ کی امداد نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ دیکھو اللہ نے بہت سے معرکوں میں باوجود اسباب کی کمی اور قلت اور تعداد کے تم کو فتحیاب کیا۔ خصوصاً حنین کے دن کا واقعہ یاد کرو جہاں تمہارے پاس بہت کچھ سامان اور بڑا لشکر تھا جس پر تم کو ناز ہوا تھا باوجودیکہ تمہارے مخالف کم تھے، لیکن وہاں تمہاری کثرت تمہارے کام نہ آئی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور زمین باوجود فراخ ہونے کے تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تم پشت پھیر کر بھاگ پڑے، مگر پھر اللہ نے تمہاری مدد کی غیبی مدد بھیجی۔ تمہارے دلوں میں جرأت پیدا کی، تم کو ثبات قلب عطا کیا، تمہاری اعانت کے لئے فرشتوں کی ایسی فوج نازل کی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی، جس کے ذریعہ سے کافروں کو سزا دلوائی اور بالآخر تمہاری فتح ہوئی اور پھر اللہ نے توبہ نصیب کی ان مسلمانوں کو بھی جو جنگ سے منہ پھیر کر بھاگے تھے اور بعض ان کافروں کو بھی جو اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

حنین، طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے مکہ فتح ہوگیا تو حضور والا نے قبائل ہوازن و ثقیف کی شرارت مٹانے کو شنبہ کے دن ماہ شوال ۸ھ میں دس بارہ ہزار کی فوج لے کر ان کی طرف کوچ کیا۔ مسلمانوں کی فوج میں تقریباً دو ہزار نو مسلم بھی تھے جو تجربہ کار اور کار آزمودہ نہ تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان نہ ہوئے تھے صرف اس خیال سے مسلمانوں کے ساتھ ہوگئے تھے کہ کہیں ہوازن کو قریش پر فتح نہ ہو جائے اور اس سے قومی اور خاندانی ذلت ہو۔ ہوازن و ثقیف کو جب حضورؐ کے کوچ کی اطلاع ملی تو وہ کہنے لگے، محمدؐ نے مکہ کو فتح کرلیا۔ وہاں کے لوگ جنگ سے ناآشنا تھے، ہم سے لڑیں تو معلوم ہو جائے۔ ان کے حملے سے پہلے ہی ہم ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ مالک بن عوف امیر ہوازن اور کنانہ بن عبد یالیل نے چار ہزار فوج جمع کی اور مسلمانوں کے راستے میں تیر اندازوں کی جماعت کو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپا کر بٹھا دیا۔ مسلمانوں کی فوج میں نو مسلموں کے دستے آگے تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور انصار و مہاجرین کی جمعیت بہت پیچھے تھی۔ پہلے مقابلے پر ہی کافروں کو شکست ہوئی اور وہ دانستہ پسپا ہوگئے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، جب تیر اندازوں کی زد پر مسلمانوں کی

فوج آگئی تو انھوں نے یک دم بازہ ہلہ بولا اور بھاگتے ہوئے کفار بھی لوٹ پڑے۔ مسلمان بدحواسی میں اس افتاد سے حواس باختہ ہو گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلا۔ حضورؐ کے ساتھ سو یا اس سے بھی کم قدیم جان نثار رہ گئے باقی انصار و مہاجرین قریب پیچھے تھے۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ کے ذریعہ انصار و مہاجرین کو آواز دلوائی۔ فوراً سب آکر جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں بھاگے ہوئے نو مسلم بھی اکٹھے ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد کو کافروں کی نظر میں زیادہ دکھانے کے لئے بحکم الٰہی فرشتے بھی آگئے۔ حضورؐ نے ایک مٹھی بھر خاک اور کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اور کچھ نہ کچھ سب کی آنکھوں میں جا پڑا اور اس طرح کافروں کو ہزیمت ہوئی۔

تحلیلِ اجزاء

فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ یعنی خدا تعالیٰ نے بہت سے معرکوں یا ایام حرب میں تمہاری مدد کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں رسول اللہؐ کے تمام غزوات کی شمار بروایت زید بن ارقم انیس مذکور ہے۔ بریدہؓ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے صرف آٹھ غزوات میں جنگ ہوئی۔ بعض کے نزدیک غزوات سرایا اور بعوث سب ملاکر ستر تھے بعض نے اسّی بیان کئے ہیں۔

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ الخ۔ مکّہ اور طائف کے درمیان مکّہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے جس کا نام حنین ہے۔ فتح مکّہ کے بعد حضور گرامیؐ کو اطلاع ملی کہ قبائل ہوازن نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کیا ہے۔ تمام بنو ثقیف اور بنو جشم اور بنو سعد اور بنو ہلال اور بنو عمرو اور بنو عون اُن کے ساتھ ہیں اور سب لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر عورتوں، بچوں اور تمام ساز و سامان کو ساتھ لے کر معاہدہ کیا تھا کہ کسی طرح میدان سے منہ نہ موڑیں گے حضورؐ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بارہ ہزار کی جماعت لے کر آپ بھی روانہ ہو گئے۔ انصار و مہاجرین اور دیگر قبائل دس ہزار تھے اور دو ہزار تھے۔ طلقاء (یعنی فتح مکّہ کے دن جن کو حضورؐ نے آزاد کیا تھا) کچھ نو مسلم تھے، کچھ دل سے مسلمان بھی نہ ہوئے تھے اور کچھ ویسے ہی شریک ہو گئے تھے تاکہ قبیلۂ قریش کی ہوازن کے مقابلے میں ذلت نہ ہو۔ مسلمانوں کے لشکر کے بعض آدمی کہنے لگے کہ اب مدینہ اور مکّہ والے ایک ہو گئے ہیں خوب فتح ہوگی۔ بعض آدمیوں نے کہا قلت تعداد کی وجہ سے جو ہم کو شکست ہوئی تھی وہ اب نہ ہوگی۔ حضورؐ کو یہ دونوں باتیں ناگوار ہوئیں کیونکہ ان سے فخر و تکبر کی بو نکلتی تھی۔ غرض وادی حنین میں پہنچے۔ قوم ہوازن نے اپنے تیر انداز گھاٹیوں میں چھپا دیئے تھے۔ کچھ لوگ سامنے آئے۔ مسلمان سواروں نے اُن پر حملہ کر دیا وہ فوراً اپنا مال اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حملہ کرنے والے نو مسلم تھے۔ صحابہ اور انصار بہت پیچھے تھے اس وقت تک نہیں پہنچے تھے۔ کافروں کو بھاگتا دیکھ کر فوراً مال پر ٹوٹ پڑے۔ چند تجربہ کار آدمیوں نے منع بھی کیا، مگر یہ نہ مانے۔ قوم ہوازن کے تیر اندازوں نے موقع کو مناسب سمجھ کر گھاٹیوں میں تیر برسانے شروع کئے مسلمانوں میں بھگدڑ پڑ گئی اور ایسے بھاگے کہ بعض نے تو مکّہ پہنچ کر دم لیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اس روز حضور سفید خچر پر سوار تھے صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ حضور کے سفید خچر کی لگام ابو سفیان پکڑے ہوئے تھے اور عباس لگام تھامے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ تقریباً سو صحابی ثابت قدم رہے۔ جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، فضل بن عباس، علی، اسامہ بن زید، براء بن عازب اور ابن مسعود بھی تھے۔ حضور والا اس وقت فرما رہے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اور لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ۔ خدا کے بندو! میری طرف آؤ! اس کے بعد آپ نے عباس کو حکم دیا کہ اصحاب الشجرہ یعنی بیعت رضوان والوں کو پکارو حضرت عباسؓ نے آواز دینی شروع کی۔ لوگوں نے فوراً لبیک کہی اور حضورؐ کی طرف بڑھے۔ ابن جریر نے بروایت عبد الرحمٰن بیان کیا ہے کہ ایک شخص جو اُس روز مشرکوں کا ساتھی تھا ہم سے بیان کرتا تھا کہ جب ہمارا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے ہوا تو وہ اتنی دیر بھی نہ ٹھہرے جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ ہم نے اُن کو بھگا دیا۔ یہاں تک کہ ہم رسول اللہؐ کے قریب پہنچ گئے۔ آپؐ سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے آس پاس گورے گورے خوبصورت لوگ موجود تھے۔ رسول اللہؐ نے ہم لوگوں کی طرف جھڑک کر فرمایا۔ شَاھَتِ الْوُجُوْہُ اِرْجِعُوْا تمہارے چہرے ذلیل ہوں لوٹ جاؤ۔ یہ الفاظ سن کر ہم نے فوراً بھاگنا شروع کیا اور وہ لوگ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ جب عباس کی آواز سے لوگ لوٹے تو تیزی کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ تیزی سے نہ بڑھا تو وہ زرہ پھینک کر اونٹ پر سے کود پڑا اور دوڑتا ہوا خدمت میں حاضر ہو گیا۔ امام احمد نے روایت کی ہے کہ پھر شَاھَتِ الْوُجُوْہُ کہہ کر حضورؐ نے ایک مشت خاک کافروں پر پھینک ماری اور مشرکین بھاگے۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں حضورؐ نے ایک مٹھی خاک لے کر مشرکوں پر ماری اور فرمایا۔ شَاھَتِ الْوُجُوْہُ اِنْھَزَمُوْا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ چہرے خوار ہوں

قسم ہے رب کعبہ کی اب بھاگے۔ مٹھی بھر خاک پھینکنا تھی کہ کافروں کی آنکھیں اور منہ ریت اور کنکریوں سے بھر گئے اور وہ بھاگ نکلے۔

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل نفاق اور بعض مذبذب لوگوں نے کہا "جادو اب زور ختم ہو گیا شکست مکہ تک نہیں رکتی۔"

وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مومنین سے مراد ابن مسعود کے نزدیک وہ اسی مسلمان ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ میدان سے منہ نہ موڑا تھا۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا مومنین کے سرکے کے دن خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا تھا، مگر فرشتے لڑے نہ تھے اور نہ مسلمانوں کو نظر آتے تھے صرف کافروں کو دکھائی دیتے تھے۔ شیبہ بن عثمان جو فتح مکہ کے نومسلموں میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے ساتھ جنگ حنین کے لئے نکلا تھا۔ اسلام کی وجہ سے نہیں نکلا تھا بلکہ صرف اس عصبیت کی وجہ سے گیا تھا کہ کہیں ہوازن قریش پر غالب نہ ہو جائیں۔ میں نے دوران جنگ حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے ابلق گھوڑوں پر کچھ سوار نظر آ رہے ہیں! فرمایا "شیبہ ان کو سوائے کافر کے کوئی نہیں دیکھتا ہے؟" پھر میرے سینہ پر دست مبارک مار کر تین مرتبہ فرمایا "الہٰی شیبہ کو ہدایت فرما" تیسری مرتبہ حضورؐ نے مذکورہ قول ختم نہ کیا تھا کہ میری عجیب کیفیت ہو گئی۔ حضورؐ سے زیادہ محبوب کل مخلوق میں مجھے کوئی نظر ہی نہ آتا تھا۔ جبیر بن مطعم کہتے ہیں "میں جنگ حنین میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ لوگ لڑ رہے تھے اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ کملی آسمان سے زمین پر مومنوں اور مشرکوں کے درمیان گری اور اس سے اتنی چیونٹیاں نکلیں جن سے تمام وادی بھر گئی اور فوراً مشرکوں نے بھاگنا شروع کیا ہم کو یقین ہو گیا کہ وہ ملائکہ تھے (رواہ ابن اسحاق)

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عذاب سے مراد قتل اور قید ہونا اور مال کا لوٹا جانا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو ملا کر کل چھ ہزار قیدی تھے اور مال غنیمت اتنا ملا کہ کبھی اتنا نہ ملا تھا۔ صرف اونٹ بارہ ہزار تھے اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ الخ اس سے مراد قبیلۂ ہوازن کا مسلمان ہونا ہے۔ جب ہوازن والوں کو شکست ہوئی تو جو لوگ مارے گئے۔ مارے گئے اور جو گرفتار ہو گئے وہ گرفتار ہو گئے باقی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور جنگ سے بیس روز کے بعد خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ اس وقت مکہ کے قریب بمقام جعرانہ مقیم تھے۔ ہوازن والوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی اور مال غنیمت کی واپسی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا "دونوں میں سے ایک چیز پسند کر لو۔" انھوں نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ مجاہدین کو مال غنیمت تقسیم کر دیا۔ مکہ کے نومسلموں میں سے بعض کو تالیف قلب کے لئے سو سو اونٹ دیے۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نضری کو بھی سو اونٹ دیے اور اس نے حضورؐ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا۔

مقصود بیان اسباب ظاہری پر نظر رکھنا اور اپنی طاقت پر ناز کرنا ناجائز ہے۔ ظاہری اسباب مؤثر نہیں۔ مؤثر در حقیقت غیبی طاقت ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کی اعانت فرماتا ہے اور سخت مواقع میں ان کے دلوں میں جرأت، ایمان میں استقلال عطا فرماتا ہے۔ جنگ حنین میں ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگوں کو اپنی کثرت پر ناز تھا۔ آخر میں ایسا لشکر خدا تعالیٰ نے نازل کیا جو مسلمانوں کو نہیں دکھائی دیا۔ جنگ حنین سے بھاگے ہوئے مسلمانوں اور ہزیمت خوردہ کافروں کی توبہ خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

مسلمانو! مشرک نرے ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ

پاس بھی نہ جائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو عنقریب اگر خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے دولتمند

اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

کر دے گا بالیقین اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں اندر داخل ہونا تو بجائے خود۔ کیونکہ یہ ناپاک اور گندے ہیں اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ ان کے آنے اور سالانہ میلہ لگانے سے تجارت کو فروغ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ آئیں گے تو تجارت تباہ ہو جائے گی، ہماری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی اور ہم تباہ ہو جائیں گے تو اس بات کا اندیشہ نہ کرو۔ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو غنی بنا دے گا۔ فقر دور کر دے گا۔ اس کے علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ اپنے اس حکم کی مصلحت اور فوائد خوب جانتا ہے اور تمہارے افلاس کو دور کرنے کے جو طریقے اس نے مقرر کر رکھے ہیں ان سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ لہٰذا تم بے چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کرو اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔

یہاں تین امور قابلِ تحقیق ہیں۔ مشرکوں کی نجاست کے کیا معنی ہیں؟ مسجد حرام سے کیا مراد ہے۔ اور مسلمانوں کو غنی بنا دینے کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ مشرکین کے نجس عینی ہونے کے قائل ہیں اور کہتے کہ سور اور مشرکین کتے اور سور کی طرح ہیں۔ ظاہریہ اور خصوصاً امامیہ فرقے کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور اسلام اور مذاہب اربعہ کے نزدیک مشرکین کی نجاست ظاہری نہیں۔ کیونکہ رسول پاکؐ نے ان کا کھانا پینا مسلمانوں کے لئے پاک قرار دیا۔ ان کے برتنوں میں کھایا بلکہ ایک یہودیہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا (جس میں اس نے زہر ملا دیا تھا) نوش فرمایا۔ ثمامہ بن اثال کو مسجد کے اندر ستون سے باندھا۔ وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔ مشرکوں کی نجاست درحقیقت اعتقادی ہے۔ کفر و شرک نے ان کے عقائد کو ناپاک کر دیا ہے اور اگر نجاست ظاہری کہا ہے تو بقول قتادہ و معمر مطلب ہوگا کہ مشرکوں کی باطنی خباثت و نجاست اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ گویا ان کا ظاہر بھی نجس ہو گیا۔

(۲) مسجد حرام کا اطلاق خانہ کعبہ پر بھی آتا ہے اور پورے حرم پر بھی۔ ابن عباس، عطاء، سعید بن جبیر، مجاہد اور امام شافعیؒ کے نزدیک پورا حرم مراد ہے۔ یعنی بغیر امام کی اجازت کے مشرکوں کا حرم میں داخلہ ممنوع ہے۔ عام اہلِ علم کے نزدیک خاص کعبہ مراد ہے۔ بیضاوی نے امام ابوحنیفہؒ کا قول اس سے بھی اخص ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مسجد حرام میں داخلہ مشرکین کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ کے لئے نہ جائیں۔ صاحب کمالین نے کسی قدر تعمیم کی ہے اور کہا ہے کہ امام کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر زور و غلبہ کے ساتھ نہ جائیں۔ بغرض حج و عمرہ جائیں۔ نہ ننگے طواف کرنے کے لئے جائیں۔ جابر بن عبداللہ صحابیؓ نے حکم ممانعت سے مشرک غلام اور ذمی کافروں کو مستثنیٰ کر لیا ہے۔ یعنی اگر مسلمان کا خادم کوئی مشرک ہو یا کوئی کافر ذمی ہو تو اس کا داخلہ جائز ہے۔ یہ قول امام صاحب کے مسلک کی تاکید کرتا ہے۔

مشرکین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک تمام کفار مراد ہیں۔ خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مجوسی یا بت پرست وغیرہ۔ شافعی کا یہی قول ہے۔ اور انہی نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمال کو لکھ بھیجا تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں یہود و نصاریٰ نہ داخل ہوں۔ اس حکم کے بعد آیت مذکورہ لکھی تھی۔ رہی یہ بات کہ کعبہ کے علاوہ دیگر مساجد کا کیا حکم ہے؟ تو علماء مدینہ تمام مساجد میں داخلہ کفار کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن شافعی اور ابوحنیفہ کے نزدیک دیگر مساجد میں بضرورت کافروں کا داخل ہونا جائز ہے۔

(۳) آیت میں حکم ہوا کہ اگر اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اگر کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو اللہ کی طرف نظر رکھنی چاہیے۔ اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو نہ کسی سے آس لگاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آئندہ سال یعنی ۱۰ھ میں مشرک حج کو نہ آئے۔ مسلمانوں کو تجارتی نقصان ہوا۔ ادھر اللہ نے بارش برسا دی جس سے غلہ کی پیداوار بہت زیادہ ہوئی۔ یمن اور دیگر جوار اطراف سے رسد کا سامان بکثرت آیا۔ پھر رفتہ رفتہ تھوڑی ہی مدت میں شام، روم، ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

مقصودِ بیان کفار کے نجس ہونے کی صراحت۔ داخلۂ حرم کی ممانعت۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ ان کا زور ٹوٹ گیا۔ آئندہ ان کی اتنی طاقت ہی نہ ہوگی کہ کعبہ میں بارادہ حج و طواف یا بغلبۂ قوت داخل ہو سکیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور کفیل کار جاننے کی تلقین اور اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ	لَا يُؤْمِنُونَ	بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ	وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ
جو اہلِ کتاب	ایمان نہیں رکھتے	اللہ اور روزِ قیامت پر	اور اُن چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو

اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى

اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان سے لڑو تاوقتیکہ ذلیل ہو کر

يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ ۝

اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں

تفسیر اوپر کی آیت میں مشرکوں کی حالت کا بیان اور ان کا حکم مذکور تھا، اب اہل کتاب کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان آیات میں اہل روم پر جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اسی کے بعد حضورؐ نے غزوہ تبوک کے لئے سفر کیا۔ کلبی کے قول کے مطابق بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ لیکن آیت میں روم ہے کوئی تخصیص نہیں۔ اہل کتاب سے مراد آیت میں فقط یہودی اور عیسائی ہیں۔ اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مجوسیوں کے متعلق حضرت عمرؓ سے کہا کہ حضور اقدسؐ کا فرمان ہے۔ سنوا بہم سنة اهل الكتب ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کرو۔

آیت میں اہل کتاب کے اندر چار قبیح اوصاف بیان کئے گئے۔ اُن کا اللہ پر ایمان نہیں۔ روز قیامت کو نہیں مانتے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جن چیزوں کو حرام کر دیا ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ دین حق کی پیروی نہیں کرتے۔

ان قبیح اوصاف کی وجہ سے اللہ نے ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ ذلت کے ساتھ ٹیکس ادا کریں اور مسلمانوں کی پُرامن رعایا بن کر رہیں یا مسلمان ہو جائیں۔

ہم تفصیل جزیہ اور تحقیق بحث جدا بیان کرتے ہیں۔

(۱) اہل کتاب کا اللہ پر ایمان نہیں۔ بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اہل کتاب تو خدا کو مانتے تھے۔ ابن کثیرؒ نے یہ مطلب بیان کیا کہ ایمان لانا اس بات پر موقوف ہے کہ کسی نبی کو سچا مانیں اور کسی نبی کو سچا جاننے کے یہ معنی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا جانیں کیونکہ ہر نبی نے حضورؐ کے متعلق بشارت عام اُخرویؒ دی ہے۔ پس اگر کسی نبی پر ایمان ہوتا تو ضرور محمد رسول اللہؐ کی تصدیق کرتے۔ معلوم ہوا کسی نبی کو نہیں مانتے اپنی اپنی رائے پر چلتے ہیں اور خود اختراع کئے ہوئے صفات خدا تعالیٰ میں مانتے ہیں۔ باری تعالیٰ میں مختلف عیوب و نقائص ثابت کرتے ہیں گویا اس خدا کو نہیں مانتے جو تمام عیوب سے پاک ہے۔ بلکہ عیب دار فرضی خدا کو مانتے ہیں۔

مفسر جلالؒ نے بھی ایسا ہی مطلب بیان کیا ہے۔

(۲) روز آخرت پر ان کا ایمان نہیں۔ اگرچہ روز قیامت کو ماننے کے مدعی ہیں، مگر درحقیقت قائل نہیں۔ ان کی قیامت بھی خیالی ہے نہ اس میں ان سے حساب کتاب ہو گا نہ عذاب بلکہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس سے بہتر توجیہ کی ہے کہ قیامت اس دن کا نام ہے جس میں انسان کا جسمانی حشر ہو گا، لیکن اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن بلکہ ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کا روحانی حشر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی روح کو غیر مادی رنج و راحت اور تکلیف و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کو تجرد کی ذلت اور فراق مادہ کا عذاب ہوتا ہے نہ جنت میں کوئی مادی چیز ہے وغیرہ۔ ایسی قیامت کو ماننا قیامت نہ ماننے کے ہے۔

(۳) اللہ اور اس کے پیغمبر نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اُن کو حرام نہیں سمجھتے۔ مثلاً اللہ نے یہودیوں پر چربی کھانا حرام کر دیا تھا، مگر وہ پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھایا کرتے تھے۔ احکام الٰہی کا اخفا ممنوع تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں مذکور تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ رشوت خوری اور تحریف کتاب کی ممانعت تھی، مگر علماء نذر و نیاز اور تحفے تحائف کی صورت میں برابر رشوت لیتے اور اس کو حلال سمجھتے تھے اور کتاب میں برابر تحریف کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں کا جب مقابلہ کیا گیا تو کئی لاکھ جگہ باہم فرق نکلا۔ پادری فنڈر نے اس کا خود اقرار کیا ہے اور اظہار عیسوی میں اس کی بحث مفصل موجود ہے۔

(۴) دین حق کی پیروی نہیں کرتے یعنی اسلام کو حق نہیں جانتے اور اپنے اپنے مذہب کو ناقابل منسوخ خیال کرتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی ہر دو فرقوں کے

کرتی ہیں۔ باوجودیکہ بات ہے، علامہ سیوطی اس کو منسوخ مانا پڑتا ہے۔ مثلاً عیسائی توریت کو عہد عتیق اور انجیل کو عہد جدید جانتے ہیں بعد اسلام توریت نے
رجوب کے قائل ہیں اور توریت میں حکم جہاد بڑی قوت کے ساتھ موجود ہے۔ حالانکہ انجیل تو ان کا ... کرنی ہے۔ ...
ہے مسلمانوں کے حکم جہاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تمام اہل کتاب کے مشترک قواعد تھے۔

یہ مبل اشارہ ہے کہ اہل کتاب سے لڑو کیونکہ وہ خدا کو مانتے ہیں نہ روزِ قیامت کو نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام جانتے ہیں۔
نہ دینِ حق کو مانتے ہیں۔ اس وقت تک ان سے جہاد جاری رکھو کہ ذلت کے ساتھ ماتحت ہو کر جزیہ ادا کرنے لگیں۔

جزیہ کی مقدار میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، یحییٰ بن آدم، ابو عبید اور ابن جریر کہتے ہیں کہ شریعت نے جزیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی جیسا مناسب
ہو وصول کیا جائے۔ لیکن ابن جریر کے نزدیک ایک دینار کی کمی جائز نہیں ہے۔ حضور والا نے اہل یمن و بحرین سے جو جزیہ لیا تھا۔ اس کی کوئی خاص مقدار
معلوم نہیں فرمائی تھی۔ لیکن شافعیؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعلیٰ حیثیت والے سے ۴۸ درہم متوسط سے ۲۴ درہم اور ادنیٰ حیثیت والے
سے ۱۲ درہم لئے جائیں۔

جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا یا ان کو مسلمان ہونا چاہیے ورنہ جلا وطنی۔ البتہ
عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ باقی بیرونِ عرب ہر کافر ذمی سے جزیہ قابل قبول ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک عرب اور بیرونِ عرب سوائے
اہل کتاب کے کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ امام مالک کے نزدیک تمام اصناف کفار سے جزیہ لیا جائے خواہ وہ مشرک ہوں یا کتابی اور عرب
کے رہنے والے ہوں یا بیرونِ عرب۔

مقصودِ بیان اہلِ کتب سے جہاد کرنا فرض ہے۔ اہلِ کتاب نہ قیامت کو مانتے ہیں نہ خدا کو نہ محرماتِ الٰہیہ کے تابع ہیں۔ نہ دینِ حق کے پیرو
ہیں۔ اللہ کو اس کے صفاتِ کمالیہ کے ساتھ نہ ماننا گویا عدم ایمان کے برابر ہے۔ تمام اہلِ کتاب سے سالانہ ٹیکس اور خراج
لینے کی شرط پر معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جزیہ کا تقرر اس وقت ہوگا جب کافروں کو شرائطِ معاہدہ کی رُو سے دبا کر صلح کی جائے۔ کوئی عالم یا پیر محرم و محلل
نہیں ہو سکتا۔ تحریم و تحلیل صرف اللہ کا کام ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ

یہودی کہتے ہیں	کہ عزیر خدا کا بیٹا تھا	اور عیسائی	کہتے ہیں	کہ مسیح	ابن اللہ	تھے

ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ

یہ اُن کی	اپنی زبانی	باتیں ہیں	یہ بھی	پہلے کافروں	کے قول کی	ریس	کرنے لگے

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا

اُن کو خدا غارت کرے	کہاں پھرے جا رہے ہیں	انھوں نے	خدا کو چھوڑ کر	اپنے علماء و مشائخ	اور

مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا

ابن مریم کو	خدا بنا لیا	حالانکہ اُن کو صرف	اس بات کا حکم دیا گیا تھا	کہ ایک	اللہ کی	پرستش

سوا کسی اور کو بھی معبود جانتا ہے؟ پھر مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں سچے دل سے مسلمان ہو گیا الخ۔ ایک روایت میں حدیث کے آخر میں اتنا اور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا واضح رہے کہ ان لوگ مشائخ و علماء کی عبادت بطور سجدہ وغیرہ کے نہیں کرتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ احبار و رہبان کسی چیز کو حلال کر دیتے تو اس کو حلال جانتے اور جس کو حرام کر دیتے اس کو حرام سمجھتے (رواہ احمد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن المنذر وابن حمید والترمذی والبیہقی) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں میں نے فقہاء کے مقلد بکثرت ایسے دیکھے ہیں کہ بعض مسائل میں میں نے ان کو بہت آیات سنائیں۔ حالانکہ ان کا مذہب ان آیات کے خلاف تھا، اس لئے انھوں نے ان آیات کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے فقہاء مجتہدین ہی کا قول مانا اور میری طرف تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اگر تم غور کرو گے تو تم کو نظر آئے گا کہ بہت سے دنیاداروں میں بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسلام میں بھی جو لوگ اپنے مشائخ و ائمہ کو محلّ و محرّم یا قاضی الحاجات جانتے ہیں اور ان کی خلاف شریعت باتوں کو بھی مانتے ہیں وہ بھی اِتَّخَذُوْٓا الخ کی وعید میں داخل ہیں۔ ہاں مجتہدین کے اُن فتووں کو ماننے والے جو کتاب و سنت سے استنباط کئے گئے ہوں اس میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ ایسے مسائل میں اتباع مجتہد بعینہٖ اتباع قرآن ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی عزیرؑ کو عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اپنی زبانی باتیں بناتے ہیں۔ یہ درحقیقت گزشتہ کافروں کی ریس کرتے ہیں۔ ان کو خدا غارت کرے کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ خلاف عقل و نقل بات پر اڑ گئے۔ پھر ان لوگوں نے اور بھی ستم ڈھایا یہودیوں نے اپنے علماء کو اور عیسائیوں نے اپنے مشائخ کو خدا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان کو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا مگر انھوں نے بکثرت معبود بنا لئے۔ اللہ ان کی شرک انگیزیوں سے پاک ہے۔

مقصود بیان آیت میں مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ کسی پیشوا کی تعظیم اللہ کی طرح کرنا۔ اُن کے افعال و اقوال کو اگرچہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوں تسلیم کرنا اور واجب العمل قرار دینا سخت ترین گمراہی اور شرک ہے گویا کورانہ تقلید حرام ہے۔ کتنا ہی بڑا امام اور صاحب معرفت شیخ ہو، مگر اس کا قول یا فعل خلاف کتاب و سنت ہو تو واجب الترک ہے۔ آیات سے مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کا نسخ نہ اجماع سے ہو سکتا ہے قیاس مجتہد سے نہ مجتہد کا اختراع کیا ہوا مسئلہ اگر اس کی اصل نہ ہو قابل قبول ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ

یہ اپنی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کر کے رہے گا

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

تاکہ ہر دین پر اُس کو غالب کر دے خواہ مشرکوں کو بُرا لگے

النصف

تفسیر اوپر کی آیات میں یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا بیان تین طرح کیا گیا تھا۔ دین حق پر نہیں چلتے جنھوں نے مخلوق و خالق میں ابنیت و بنوت کا رشتہ قائم رکھا ہے۔ اپنے علماء و مشائخ کو خدائی کا مجاز بنا رکھا ہے گویا اہل کتاب متواترہ تہ بہ تہ تین تاریکیوں میں چھپے ہوئے ہیں اور کسی طرح اندھیرے سے خلاصی نہیں پاتے۔ اب فرماتا ہے کہ ان میں فقط یہی خرابی نہیں کہ وہ خود تاریکی میں ہیں بلکہ اللہ کے آفتاب ہدایت کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا اور دوسرے لوگوں کو بھی تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح

کے لئے جو قرآن نازل کیا اور رسول کو بھیجا اور رسول نے ان کو دعوت دی تو اس سے سرتابی کرتے ہیں بلکہ جھوٹے بہتان اور افترا باندھتے ہیں اور طرح طرح کی لغو باتیں کرتے ہیں جو کہ دین حق نہ پہلے مسلمانوں کو غلبہ و شوکت نصیب ہو، مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اللہ تو اپنے دین کی روشنی ہدایت عالم تمام اطراف میں پھیلا کر رہے گا۔ شان اسلامی مشرق و مغرب میں جلوہ گر ہوگی۔ خواہ ان کافروں کو کتنا گراں ہی ہو۔ دین اسلام تمام مذاہب پر غالب آکر رہے گا۔ اللہ نے اپنے رسول کو عقائد و اعمال کی اصلاح کے اصول و قواعد دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ اسلام کو تمام مذاہب پر غالب فرما دے، خواہ مشرک برا مانیں۔

یہ اشاعت و غلبہ اسلام کی ایک زبردست پیشین گوئی ہے۔ جس کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے بھی بار بار بلند آہنگی سے ارشاد فرمایا تھا جیسے میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے میرے لئے زمین کے مشرق و مغرب کو تہ کیا اور عنقریب میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لئے تہ کیا گیا ہے۔ امام احمد قبیصہ بن مسعود کی مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "عنقریب تمہارے لئے زمین کے مشرق و مغرب کھول دیے جائیں گے، یعنی ان ملکوں پر جو حاکم ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے سوائے ان حاکموں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور تقویٰ پر ثابت قدم رہے۔ عدی بن حاتم والی حدیث میں ہے کہ پھر حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا "خبردار ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ جو خیال تم کو مسلمان ہونے سے روکتا ہے۔ تم اس خیال میں پڑے ہو کہ اس شخص پر ایمان لانے والے اور اس کی پیروی کرنے والے صرف کمزور نادار غریب لوگ ہیں عرب کے طاقتور لوگوں نے تو اس کو نہیں مانا بلکہ ٹھکرا دیا تو کیا تم نے حیرہ بھی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا "دیکھا نہیں، مگر سنا ہے۔" فرمایا "قسم ہے اس خدا کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ اس امر یعنی اسلام کو پورا کرے گا یہاں تک کہ تنہا عورت بغیر کسی کو ساتھ لئے حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کر جائے گی اور واللہ تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کر کے تصرف میں لو گے۔" میں نے عرض کیا "کسریٰ بن ہرمز شاہ فارس کے خزانے؟" فرمایا "ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرو گے اور واللہ ایسا ہوگا کہ مال خیرات کیا جائے گا مگر اس کو کوئی قبول نہ کرے گا یعنی ہر شخص دولت مند ہوگا الخ (احمد)

مقصودِ بیان اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے عمومی تسلط کی زبردست پیشین گوئی۔ اس امر کی ضمنی صراحت کہ اگر دنیائے کفر مکمل اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے، مگر مٹا نہ سکے گی۔ حق کی فتح ہمیشہ ہوتی ہے۔ اسلام ہمیشہ اپنے براہین و دلائل کے ساتھ دیگر مذاہب پر غالب رہے گا۔ عیسائی اور یہودی اس کو زیر کرنے کی کتنی بھی کوشش کریں، مگر ہر کوشش بے سود ہوگی۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

مسلمانو! اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ

ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں جو لوگ سونا چاندی جمع

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۴)

کر کے رکھتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ

جس روز کہ دوزخ کی آگ میں اس کو تپا کر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ

یہی وہ مال ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو

تفسیر اوپر کی آیتوں میں بیان تھا کہ عیسائی اور یہودی اپنے علماء و مشائخ کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب ان احبار و رہبان کی عجیب حالت ہے۔ بظاہر تو عالم و درویش تارک الدنیا سادھو بنے بیٹھے ہیں اور اصل میں عجیب خرافات بھری ہے۔ یہ بیسے کے لالچ میں طرح طرح سے لوگوں کا مال اڑاتے اور اس کو جمع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے۔ یہ لوگ دین بیچ کر رشوتیں لیتے ہیں اور کتاب الٰہی کے احکام و الفاظ میں تحریف کرتے۔ اپنے مطلب کے موافق فتوے دے کر ان کو بنا لیتے۔ مگر قیامت کے دن ایسے جمع کئے ہوئے مال کو تپا کر ماتھے اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔

آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ کی تفسیر میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن ابو سفیان کا قول ہے کہ اس سے عیسائی اور یہودی علماء و مشائخ ہی مراد ہیں جن کا تذکرہ متصل آیات میں ہوتا چلا آیا ہے ان کی قبیح حالت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ خود مال کے انتہا حریص ہیں مگر راہ خدا میں صرف نہیں کرتے خود کنجوسی کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان مراد ہیں۔ سدی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بیضاوی نے کہا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کو اہل کتاب کے رشوت خواروں کے ساتھ ملا کر بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر زکوٰۃ کا روپیہ جمع کرنا بھی سخت قبیح عمل ہے۔ ابن عباسؓ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس کی تعمیل بہت شاق گذری۔ حضرت عمرؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمانوں کی حالت کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "اللہ نے تم پر زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کو نکال کر باقی مال کو پاک رکھو" (رواہ ابو داؤد وابو یعلی والبیہقی والحاکم وغیرہم مطولاً) تیسرا قول ابو ذرؓ کا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور اہل اسلام دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ عموم لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے سمجھ یہی ہے کہ جو شخص مال جمع کرے اور اس میں سے شرعی حق نہ نکالے وہ اس غضب و عذاب کا مستحق ہوگا۔ خواہ وہ کتابی ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔

رہی یہ بات کہ کنز سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے متعلق حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں "حاجت و ضرورت سے زائد جو مال جمع کیا جائے وہ کنز ہے۔ یعنی بس بقدر ضرورت کے نفقہ رکھنا تو جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ جمع کرنا حرام ہے۔ لیکن جمہور علماء (جن میں حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ و ابن عباسؓ و جابرؓ و ابو ہریرہؓ وغیرہم داخل ہیں) کا مسلک ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں خواہ حاجت سے زیادہ کتنا ہی بڑا خزانہ ہو۔ یہی صحیح بھی ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ نازل ہونے سے پہلے یہ حکم (یعنی حاجت سے زائد مال کو جمع نہ کرنے کا حکم) تھا لیکن جب حکم زکوٰۃ نازل ہوا تو اللہ نے زکوٰۃ کو تطہیر مال کا سبب مقرر کر دیا۔ اب اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے کچھ ڈر نہیں۔ میں اس کی زکوٰۃ دے دوں گا اور اس کو اطاعت الٰہی میں خرچ کروں گا (رواہ البخاری واحمد والبیہقی وغیرہم)۔

مقصود بیان یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف عقلیہ ظاہر فرما کر موجودہ مسلمانوں کے ان عالموں اور درویشوں کو تنبیہ کرنا ہے جو اپنے مطلب کے فتوے دیتے ہیں جو ہر اہ میں مال جمع کرنے کے لئے خلاف شرع باتیں نکالتے ہیں۔ یہ شیطانی گروہ اولیائے کرام کا بھیس بنا کر درویشوں اور پیر زادوں کی صورت میں آکر وہ ڈھونگ رچاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کہیں نذر و نیاز کے حرام طریقے۔ پھر علماء سوء ان شیاطین الانس کے ان حرام افعال کی تاویلات کرتے اور ان پر علمی پردہ ڈال کر ہر رنگ میں ان کے ہر ڈھب کو جائز ثابت کرتے، غیر مرئی کو دیکھنے کا سبب بتاتے ہیں اور عوام جاہل دولت و جنوں کو دیکھ کر کرامات و ولایت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اپنے پیروں کو علم غیب کا جاننے والا سمجھ کر کہنے ہیں کہ یہ بزرگ دل ہم سے زیادہ واقف ہیں جو وہ فرمائیں وہی سب ٹھیک ہے۔ ہماری اتنی سمجھ ہی نہیں کہ ان کے احوال کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ ان سب خرافات مذکورہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

اللہ کے نزدیک بلاشبہ مہینوں کی تعداد بارہ ہے (یعنی) اس نے زمین و آسمان کے پیدا کرنے کے

وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ

دن کتاب اللہ میں (لکھ دی ہے) ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں یہی سیدھا دین ہے تم ان میں کمی بیشی کرکے اپنے اوپر

أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

ظلم نہ کرو اور تمام مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جانے رہو کہ اللہ

مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

پرہیزگاروں کا حامی ہے مہینوں کا مؤخر کر دینا تو کفر میں زیادتی ہے جس کی وجہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں

يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ

ایک سال تو ایک مہینہ کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام سمجھنے لگتے ہیں تاکہ اُن مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جن کو اللہ نے باحرمت قرار دیا ہے

اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ ع ۸ ١١

اور حرام کردہ مہینوں کو حلال بھی کرلیں اُن کی بداعمالیاں اُن کی نظروں میں زیب دہ بنا دی گئی ہیں اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر اوپر کی آیات میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشایخ کی بیہودگیوں کا تذکرہ تھا اور اس بات کی صراحت کی تھی کہ اہل کتاب نے اپنے پیشواؤں کو خدائی اختیارات کا مجاز سمجھ رکھا ہے۔ اب ان آیات میں روئے سخن مشرکین کی طرف کیا جاتا ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ مشرکین بھی اہل کتاب سے اس معاملے میں پیچھے نہیں۔ ان کے مقتدی اور سردار بھی بزعم خود خدائی تصرفات سے بے بہرہ نہیں ہیں انھوں نے انھیں کا رواج جاری کر رکھا ہے اور اللہ کے بارہ مہینوں میں کمی بیشی کرنے کا اپنے کو مختار سمجھ لیا ہے۔

عرب کی سرزمین عموماً ذرائع معاش سے خالی تھی اور اب بھی معاش کی وہاں کمی ہے۔ نہ تو زراعت کے قابل زمین ہے۔ سوا بعض حصوں کے کل جزیرہ نما ریگستانی ہے، کوہستانی ہے، بنجر ہے، بیابان اور میدان ہے۔ نہ کوسوں پانی کا پتہ نہ سبزہ کی نمود نہ تجارت کا دائرہ کچھ وسیع ہے۔ ملکی پیداوار بھی ایسا نہیں جس کا مبادلہ غیر ملک سے بکثرت کیا جا سکے۔ پھر تہذیب و تمدن، نوشت و خواند اور دیگر اسباب ترقی سے دور۔ جہالت میں عرب بہت بڑھے تھے۔ پڑھنا لکھنا عار جانتے تھے، تہذیب اخلاق کو جرم سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ جس ملک میں اسباب معاش کا فقدان اور موروثی فطری جہالت بر سر عمل ہوگی اس کے کیرکٹر کی کیا حالت ہوگی؟ یہی وجہ تھی کہ عرب کی سرزمین ہمیشہ اور ہر زمانے میں انسانی خون سے لالہ زار بنی رہتی تھی۔ ان کی روزی کا مدار لوٹ کھسوٹ اور قتل و خون ریزی پر تھا۔ فطری جہالت اور سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ عرب کا کوئی حصہ پُرامن نہ تھا۔ کوئی شخص آزادی کے ساتھ سال کے بارہ مہینے میں پھر نہ سکتا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ پر بھی ہر وقت ڈاکہ پڑ جانے کا اندیشہ رہتا تھا چونکہ قومی اور شخصی زندگی اس طرح سخت تلخ تھی۔ اس لیے بعض سمجھدار آدمیوں نے دور اسماعیلی کے بعد سے یہ دستور قائم کر رکھا تھا کہ ہر سال چار ماہ کے لیے کل عرب قتل و خون ریزی سے دست کش رہتے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور

محرم۔ چنانچہ اس حکم کی نہایت سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ ان مہینوں کو ماہ اللہ حرام کہا جاتا ہے اور اس زمانے میں جو شخص جہاں چاہتا آزادی سے پھرتا، تجارت کرتا۔ کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا۔ مگر عربوں کے لئے باعتبار فطری جہالت کے بھی اور باعتبار اسباب معاش کے نقصان کے بھی اس حکم کی پابندی شاق تھی۔ بہت شاق رجب کا مہینہ تو خیر گذر جاتا، لیکن ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے تین ماہ مسلسل جنگ و غارتگری سے دستکش رہنا اور اس سے گذارہ کرنا ان کے لئے ناقابل برداشت مصیبت تھی۔ اس مصیبت و تکلیف کا احساس کر کے بعض جاہل لیڈروں نے یہ دستور نکالا کہ محرم کے مہینے کی حرمت ماہ صفر پر لے جا کر کبھی ڈال دیتے یعنی ماہ محرم میں قتل و غارتگری کو کل عرب کے لئے کسی سال حلال کر دیتے اور بجائے محرم کے ماہ صفر میں جنگ و جدال کو حرام قرار دیتے۔ اس صورت سے تین ماہ کے تسلسل کی بجائے صرف دو ماہ کی مسلسل حرمت رہ جاتی۔ اس طریقے کو نسئ کہتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نسئ یعنی لوند ہے یعنی جس طرح ہندوستان والے تیسرے سال یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس سال دو ساون یا دو چیت یا کوئی دوسرے مہینے دو ہیں کیونکہ فصلی حساب قمری ہوتا ہے اور حساب قمری میں ہر تیسرے سال ایک ماہ کی بیشی ہونی لازم ہے۔ اسی طرح عرب کا حساب بھی چونکہ قمری تھا اور اس میں بھی تیسرے سال ایک ماہ کی زیادتی ضروری تھی اور ہر سالانہ کام کا اسی ماہ اور اسی فصل میں ہونا لازم سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے وہ تیسرے سال نسئ یعنی لوند کا حکم لگا دیتے تھے اور دو محرم یا دو صفر یا دو ذی الحجہ قرار دے لیتے تھے۔ اس کو نسئ کہا جاتا تھا۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ صحابہ اور بڑے بڑے مفسرین سے نسئ کی تفسیر وہی منقول ہے جو ہم پہلے درج کر آئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں جس دن سے زمین و آسمان پیدا کئے گئے یعنی ابتدائے خلقت سے سال کے بارہ مہینے اللہ نے بنائے ہیں جن میں سے چار مہینے (رجب اور تین متواتر) حرام ہیں۔ سو مسلمانو! ان میں زیادہ تر احتیاط کیا کرو اور ظلم نہ کیا کرو یعنی خواہ مخواہ ان مہینوں میں لڑ کر خود اپنے کو تباہ نہ کرو، یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر کفار تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو اور مہینے کو ہٹا دینا کفر کی رسم ہے۔ کسی سال لوند کے مہینے کو حرام اور کسی سال حلال قرار دے کر سال کے بارہ مہینے پورے کرنا اور ماہ ہائے حرام کی گنتی پوری کر دینا گمراہی کا کام ہے۔

بعض مفسرین نے نسئ کی تفسیر دوم کو ترجیح دی ہے۔ ان کا قول ہے کہ سردی گرمی کے موسم کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کرتے تھے تاکہ حج موسم اس میں آیا کرے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے جس سال حج کرایا یعنی ۹ھ میں۔ اس سال حج بجائے ذی الحجہ کے ذیقعدہ میں ہوا یعنی واقع میں وہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا جس کو عام طور پر ذی الحجہ کہا جاتا تھا۔ گویا ذی الحجہ کے اس سال دو مہینے تھے اور پھر جس سال رسول پاکؐ نے حج کیا یعنی حجۃ الوداع کے سال ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ان الزمان قد استدار کہیئتہ (بخاری) یعنی زمانہ گھوم کر اپنی اصلی جگہ پر آگیا۔

° اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں ان مہینوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی۔ ہر مہینہ اور ہر زمانے میں گناہ اور ظلم اور قتل و جنگ ممنوع ہے بعض کہتے ہیں ان کی زیادہ رعایت ہے۔ اگر کافر اس زمانے میں چڑھائی کریں تو بمجبوری مدافعت کرنی چاہیئے ورنہ اپنی طرف سے اقدام نہ کرنا چاہیئے واللہ اعلم۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ اسلامی حساب چاند سے ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ لوند بے حقیقت چیز ہے۔ ماہ ہائے حرام کی حرمت مسلمانوں پر لازم ہے بشرطیکہ کفار ان پر حملہ نہ کریں۔ اگر کفار حملہ کریں تو پھر قتال لازم ہے۔ نسئ کی رسم جہالت انگیز ہے۔ بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر واقع میں خراب ہے اور شیطانی حرکت ہے۔ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے راہ خدا میں چل نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر

إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ

ڈھے جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو پسند کرنے لگے حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی

الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

زندگی کا عیش تو بہت تھوڑا ہے اگر تم جہاد کو نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہاری بجائے ایک

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ

اور قوم کو لے آئے گا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور خدا سب کچھ کر سکتا ہے اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو نہ کرو اللہ نے

نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ

تو اس کی مدد اس وقت بھی کی تھی جبکہ کافروں نے اس کو نکالا تھا جب وہ دو میں کا دوسرا تھا دونوں غار کے اندر تھے اور وہ اپنے ساتھی

لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ

سے کہہ رہا تھا کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اپنی طرف سے اُس پر سکون خاطر نازل فرمایا اور ایسی فوجوں سے اس کی مدد

تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب و صاحب تدبیر ہے (

تفسیر سنہ ۹ ھ میں غزوۂ طائف سے واپس آکر حضور اقدسؐ نے جنگ تبوک کا ارادہ کیا۔ حضورؐ کا قاعدہ تھا کہ اگر کہیں چڑھائی کرنے کا ارادہ ہوتا تو اصل مقصد کا اظہار نہ فرماتے بلکہ دوسرے الفاظ میں ارادہ کو ظاہر فرماتے تاکہ دشمن آپ کے ارادے سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں، لیکن تبوک چونکہ سرحد شام پر مدینے سے دس منزل کے فاصلے پر تھا اور آپ کو کل تیاری کرنی تھی، اس لئے بوضاحت ارادہ کا اعلان کر دیا اور تمام مسلمانوں کو ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ تبوک کو جانے کی وجہ یہ تھی کہ ملک شام سے ایک قافلے نے آکر اطلاع دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو کفار اور دشمنانِ اسلام نے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور ان کے ملک میں قحط ہے لوگ پریشان اور بے سروسامان ہیں۔ ایسے وقت میں آسانی سے فتح ہو سکتی ہے۔ ہرقل نے یہ اطلاع پا کر اپنے کمانڈر انچیف قباد کو چالیس ہزار فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے اور عرب و عراق کے تمام نصرانی قبائل کو فوج کی مدد کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ لخم جذام عاملہ وغیرہ شاہی فوج کے مددگار ہیں نیز شاہ غسان بھی فوجی اور مالی امداد کرنے پر تیار ہو چکا ہے۔ حضورؐ والا نے یہ خبر پا کر مسلمانوں کو جہاد کیلئے آمادہ کیا اور تمام مسلم قبائل عرب میں نقیب و داعی بھیجے اور سب کو جلد از جلد جمع ہو جانے کا حکم دے دیا۔ چونکہ اُس سال سخت کال تھا، پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا، سخت گرمی پڑ رہی تھی، سفر بھی دور کا تھا، ساز و سامان کچھ نہ تھا، بے انتہا تنگدستی تھی، دس دس مسلمانوں کے حصے میں ایک ایک سواری آتی تھی، خوراک کے لئے بودار چربی کے سوا کوئی چیز نہ تھی، کوسوں پانی نہ تھا، ریگستان طے کرنا تھا اس پر ہرقل جیسے جبار بادشاہ کا مقابلہ تھا، اس لئے بعض لوگ خصوصاً منافق چلنے میں حیلے بہانے کرنے لگے اور پست ہمت ہو کر سست پڑ گئے اُس پر یہ آیت نازل ہوئیں، مگر پستی ہمت حیلہ تراشی عام مسلمانوں نے نہیں کی تھی، مسلمان تو شاید تین سے زائد رسول اللہؐ کی ہمرکابی سے نہیں رہے تھے البتہ منافقوں کو چونکہ شکست کا یقین تھا اور دولت کی دستبرداری شاق تھی، اس لئے وہ پست ہمت تھے اور حیلے بہانے کرتے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

مسلمانو! جہاد کا حکم ملنے پر تم سست اور پست ہمت کیوں پڑ گئے؟ کیا تم نے آخرت پر دنیوی زندگانی اور آرام طلبی کو ترجیح دے لی۔ دنیوی زندگانی اور دنیا کا عیش و طرب تو بے حقیقت اور چند روزہ ہے۔ یاد رکھو اگر جہاد پر نہ جاؤ گے تو اللہ کے سخت عذاب میں ماخوذ ہو گے اور تمہاری بجائے اللہ

دوسری قوم کو اسلام کی حمایت کے لئے مقرر کردے گا۔ جہاد پہ نہ جانے سے تم رسول اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر ہم مدد نہ کریں گے تو رسول اللہؐ کی کوئی مدد نہ کرے گا۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے رسولؐ کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اس کو جلا وطن کر دیا تھا اور وہ محض اپنے دوسرے ہمراہی کے ساتھ چل کر غار ثور میں چھپ گیا تھا اور (اس کے ساتھی نے جب اس سے اپنے اضطراب کو ظاہر کیا تو) اس نے اپنے ساتھی سے کہا فکر کی کوئی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ اپنی طرف سے اطمینان قلب اس کو عطا کیا اور مختلف مقامات پر غیبی لشکر سے اس کی امداد کی اور بالآخر کافروں کی بات کو نیچا دکھایا (تو کیا اب ؁ خدا اپنے رسولؐ کی مدد نہیں کرے گا۔ اللہ کا قول بالا ہے بہرحال بول بالا رہے گا۔ اس کو ہر طرح کی طاقت ہے اور اس کی علم و حکمت کا دائرہ بھی وسیع ہے پھر امداد کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہو سکتا۔

اِذْ اَخْرَجَهُ الخ میں خدا تعالٰے نے ہجرت کا واقعہ مختصر طور پر بیان فرما کر مسلمانوں کو یقین دلایا ہے کہ اللہ بہرحال اپنے رسولؐ کی مدد فرمائے گا چونکہ آیات میں مجمل طور پر ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس لئے ہم بھی صحیح بخاری سے مختصر طور پر یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جب کافروں نے دار الندوہ میں رسول پاکؐ کو شہید کرنے کا مشورہ طے کر لیا تو بحکم الٰہی آپ نے مدینے کی طرف ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا اور اس راز سے حضرت صدیق اکبرؓ کو مطلع کیا۔ صدیق اکبرؓ بھی ہمراہ چلنے کے خواستگار ہوئے۔ حضورؐ نے ان کو اجازت دے دی۔ چنانچہ رات کو جب کافروں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تو بحکم خدا آپ حضرت علیؓ کو اپنی جگہ لٹا کر دروازہ کھول کر چوکیدارہ کرنے والوں کے سروں پر خاک ڈالتے نکل گئے اور پتہ بھی نہ ہوا۔ یہاں سے نکل کر ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچے وہاں ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر چل دیئے۔ کافروں کو جب صبح کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور ہزار اونٹ انعام مقرر کر دیا یہ دونوں بزرگ چلتے چلتے غار ثور پہنچے اور وہاں جا کر غار کے اندر آرام سے بیٹھ گئے کفار نے پیچھا کیا۔ نشان قدم دیکھتے دیکھتے غار ثور کے دہانے پر پہنچے۔ اندر سے کافروں کے پاؤں نظر آتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو حضور اقدسؐ کا اندیشہ ہوا۔ عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ کافر آگئے ہیں۔ اگر نیچے جھک کر دیکھیں گے تو ہم دیکھ جائیں گے" یہ حضورؐ نے فرمایا "ابو بکرؓ! ان دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے تم کچھ فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطمینان قلب حاصل ہوا اور تین شبانہ روز رہنے کے بعد وہاں سے مدینے کو چل دیے۔

مقصود بیان

جہاد کا حکم ترغیب آمیز دنیوی ساز و سامان کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر آخرت کے مقابلے میں حقیر بے مقدار ہے۔ مسلمان کو اس سے دل نہ لگانا چاہیئے۔ اس امر کی صراحت کہ دین الٰہی کی کامیابی اور تبلیغ رسول اللہؐ کی ظفر و اشاعت کچھ موجودہ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ جس سے چاہتا ہے اپنا کام لیتا ہے وہ بجائے موجودہ مسلمانوں کے دوسری قوموں سے بھی یہ کام لے سکتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کی تصریح کہ جب حضورؐ کو دنیا نے چھوڑ دیا تب بھی ابو بکرؓ نے آپ کی معیت اختیار کی اور اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اگر کچھ فکر ہوئی تو حضورؐ کی نسبت۔ اس پر حضورؐ نے تسلی دے دی۔ حضور اقدسؐ نے جو حضرت ابو بکرؓ کو فہمائش کی تھی اس سے توکل اور ہر مصیبت کے وقت ذات الٰہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کا بھی استخراج ہوتا ہے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور ہر شخص کے ساتھ موجود ہے۔ ضمنی طور پر یہ امر بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی مدد ہر کڑے وقت کرتا ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ کافروں کو ہر موقع پر مسلمانوں کے مقابلے بشرطیکہ مقابلہ کفر اور اسلام کا ہو نیچا دیکھنا پڑتا ہے اور ہمیشہ اللہ کا بول بالا رہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ممکن و واجب اور مخلوق و خالق کا اتحاد وجودی نہیں ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ تمام عالم کا وجود بعینہٖ اللہ کا وجود ہے ورنہ معیت کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ معیت تعدد کو چاہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
ہلکے اور بھاری نکل کھڑے ہو۔ اور راہ خدا میں اپنے جان و مال سے جہاد کرو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا

اگر دانشمند ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر کچھ قریب الحصول فائدہ ہوتا اور متوسط درجہ

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ

کا سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے مگر مسافت انھیں لمبی معلوم ہوئی عنقریب یہ قسمیں

بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبوک کو جانے کا ارادہ کر لیا اور بیس یا تیس یا ستر ہزار مسلمانوں کی عظیم الشان فوج جمع ہوگئی تو بعض منافقوں نے مختلف عذر پیش کرنے شروع کئے۔ کسی نے اپنی کمزوری ظاہر کی، کسی نے ناداری، کسی نے عیال کی کثرت، کسی نے اپنی عمر کے زیادہ ہونے کا، کسی نے اپنے کاروبار کی مشغولیت۔ غرض وہ کہ ہر شخص نے حیلے تراشنے اور بہانہ سازی شروع کر دی۔ اس پر یہ حکم عام ہوگیا اور یہ آیات نازل ہوئیں اور عمومی اعلان ہوگیا کہ حالت کمزور ہو یا طاقتور، مشغول ہو خالی، بوڑھے ہو یا جوان، تنگ دستی ہو یا فراخی، چست ہو یا سست بہرحال جہاد کو چلو۔ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور جانیں لڑا دو، یہ دنیا و دین میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم کو اس کی بہتری کا علم ہو اور جہاد کا ثواب معلوم ہو تو ضرور اس حکم کی تعمیل کرو۔

جب یہ حکم نازل ہوا تو حضور سب کو ساتھ لے کر چل دیے، لیکن منافق پھر بھی ہر منزل پر بچھڑتے جاتے تھے اور حیلے بہانے کر کے اجازت لے کر واپس جا رہے تھے۔ کچھ لوگ پہلے ہی سے مدینے میں رہ گئے تھے جن میں سے تین مخلص مسلمان بھی تھے۔ غرض حضور تبوک پہنچے وہاں کچھ قیام کیا اور کچھ مدت کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں منافقوں کے حق میں مذکورہ ذیل آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان منافقوں کو مال غنیمت ہاتھ لگنے کا یقین ہوتا اور سفر بھی قریب ہوتا تو ضرور آپ کے ساتھ چلتے، مگر سفر تھا دور کا اور مال غنیمت کے حصول کی قطعی امید نہ تھی، اس لئے ساتھ نہ گئے (بلکہ ان کو شکست کا یقین تھا) اب مدینے پہنچو گے تو اللہ کی قسمیں کھا کر عذر پیش کریں گے کہ حضور ہم میں طاقت نہ تھی ہم مجبور تھے۔ اگر مجبور نہ ہوتے تو ضرور آپ کے ساتھ چلتے، مگر اس روغ بافی اور حیلہ تراشی اور جھوٹی قسمیں کھانے کا وبال انھیں کو بھگتنا ہوگا، وہی اپنے ہاتھوں خود اپنے کو تباہ کریں گے۔ خدا کو خوب معلوم ہے وہ جھوٹے ہیں۔

تحلیل اجزاء اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا، خفت و ثقل کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ ابن کثیر کا قول ہے خوشی ہو یا ناخوشی، تنگدستی ہو یا فراخی بہرحال جہاد کو نکلو۔ ابن عباس، عکرمہ، ابو صالح، حسن بصری، مقاتل، شعبی، زید بن اسلم وغیرہ کا قول ہے "جوان ہو یا بوڑھے جہاد کو نکلو"۔ مجاہد کا قول ہے "جوان ہو یا بوڑھے، تونگر ہو یا مفلس"۔ حکم ابن عتیبہ کا قول ہے "خالی ہو یا مشغول"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عموم حالت مراد ہے یعنی ایسی حالت کہ جہاد آسان ہے یا ایسی حالت ہو جس میں جہاد دشوار ہے۔ کمزور ہو یا طاقتور، بوڑھا ہو یا جوان، فقیر ہو یا تونگر۔ بہرحال جہاد کو چلو۔ یہی تفسیر سب سے اچھی ہے کیونکہ لفظ میں عموم ہے، اس لئے تفسیر کسی وجہ سے خصوصیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت میں جہاد کا عمومی حکم دیا، لیکن جن لوگوں میں جہاد کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں وہ عقلاً یا نقلاً مستثنیٰ ہیں، مثلاً بچے اور غلام اور عورتیں اور مختلف نہیں ہیں یا بیمار، لنجے، اور اپاہج اور وہ بوڑھے جن میں چلنے کی طاقت ہی نہیں عقلاً بھی جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بعض لوگوں کے نزدیک آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ کی رو سے مخصوص ہیں، لیکن بعض صحابہ نے آیت کو عموم پر ہی محمول کیا ہے۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے آخری عمر

میں سفرِ جہاد پر جانے کا ارادہ کیا۔ بیٹوں نے کہا آپ رسول اللہ صلعم کے ہمراہ صدیق اکبر رضی کے ہمراہ فاروق اعظم رض کے ہمراہ بہت جہاد کر چکے ہیں اب آپ کا ارادہ
نہیں ہم آپ کی طرف سے جہاد کریں گے تو فرمایا نہیں مجھے یہی حکم ہے۔ چنانچہ گئے جہاز میں انتقال ہو گیا۔ جنازہ نو روز تک جہاز میں رہا پھر ایک جزیرہ آیا تو وہاں
دفن کیا گیا مگر کسی قسم کی بو پیدا نہ ہوئی تھی۔ مقداد بن اسود جب آخر عمر میں جہاد کر جانا چاہتے تھے تو بعض لوگوں نے کہا۔ اب آپ کو اللہ نے معذور کیا ہے آپ کیوں
ارادہ کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں سورۂ بعوث میں ہم کو اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا کا حکم ہوا ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ غیر مکلف اور ناقابلِ جہاد ورگ حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی لوگوں کے واسطے عمومی حکم ہے اور فقط غزوۂ تبوک کے ساتھ ہی
اس حکم کی خصوصیت نہیں اگرچہ نزولِ آیت تبوک ہی کے متعلق ہو مگر ہر جہاد کے لئے اس حکم کو عموم ہے۔

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ میں پیشین گوئی ہے کہ مدینہ پہونچو گے تو منافق اگر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

مقصودِ بیان

جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرنے کا عمومی حکم اس امر کی طرف اشارہ کہ انسان بعض احکام کے مصالح سے ناواقف ہوتا ہے
اور اس کو حکم کی تعمیل میں دشواری محسوس ہوتی ہے مگر واقع میں وہ حکم پُر حکمت اور مفید ہوتا ہے۔ منافق صرف دکھاوے اور فتنہ
انگیزی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے آیت میں منافقوں کے متعلق پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف سچی ہوئی۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

(اے محمد) اللہ نے تم کو معاف کیا تم نے ان کو اجازت ہی کیوں دی اس سے پہلے کہ سچوں کی سچائی تم پر ظاہر ہو جائے اور تم جھوٹوں کے

الْكٰذِبِيْنَ ○ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

جھوٹ سے تم واقف ہو جاؤ جو لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اپنے

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا

جان و مال سے جہاد (نہ) کرنے کی اجازت ہی نہ مانگیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے رخصت

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ

کے خواہاں وہی لوگ ہوں گے جن کا اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں اور اُن کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ

فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ○ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

شک میں بھٹکے پھرتے ہیں اگر وہ نکلنا چاہتے تو کچھ سامان اس کے لئے تیار کرتے مگر

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ لَوْ خَرَجُوْا

اُن کا اُٹھنا اللہ کو ناپسند تھا اس لئے اس نے اُن کو ڈھیلا کر دیا اور کہہ دیا کہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ تمہارے

فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ

ساتھ نکلتے بھی تو بس تم میں خرابی ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان گھوڑے دوڑاتے اور تمہارا جھگڑا لگانے کی تلاش میں لگے رہتے

وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالظّٰلِمِينَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ

تم میں بعض لوگ سُن بھی لیتے ہیں ۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔ اُنھوں نے پہلے بھی فساد ڈلوانا

مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ ۝

چاہا تھا اور تمہارے لئے تدبیروں کی اُلٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اُن کی ناخوشی کے باوجود اللہ کا حکم غالب آیا۔

تفسیر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو منافقوں نے آکر معذرتیں کرنی شروع کیں۔ حضورؐ نے اُن کے عذر بظاہر قبول فرمائے اور کچھ مواخذہ نہ کیا۔ اس کے علاوہ روانگی کے وقت اور اثناء راہ میں بھی ساتھ نہ چلنے کی اجازت دے چکے تھے اس پر لطیف عتاب ہوا اور خفیف فروگذاشت پر بلاغت آمیز خفیف ناراضگی کے ساتھ صراحتِ عفو بھی فرمادی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

خیر اب تو خدا نے تم کو معاف کردیا لیکن تم نے اُن کو واپسی کی اجازت ہی پہلے سے کیوں دیدی تھی۔ سچے اور جھوٹوں کی حالت کا تو انکشاف ہو جانے دیا ہوتا جو پکے مومن تھے وہ تم سے واپسی کی اجازت کے خواستگار ہی نہ ہوئے تھے بلکہ اجازتِ واپسی تو اُن لوگوں نے چاہی تھی جن کا اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہ تھا۔ اسلام کے متعلق اُن کے دلوں میں شک و تردد تھا۔ پھر وہ تمہارے ساتھ ویسے ہی نہ جاتے خود ہی نہ جاتے۔ انہوں نے نہ جانے کا پہلے سے پختہ ارادہ کر لیا تھا کیونکہ اگر اُن کو جانا ہوتا تو جانے کا کچھ تو سامان پہلے سے کرتے۔ چونکہ اُن کے دلوں میں ایمان نہ تھا اور جانا نہ چاہتے تھے اس لئے اللہ کو بھی پسند نہ تھا کہ وہ اُٹھ کر تمہارے ساتھ جاتے۔ اللہ نے اسی بات کو مناسب سمجھا کہ وہ بیٹھے رہیں۔ اچھا اگر وہ چلے بھی جاتے تو وہاں جا کر کرتے بھی کیا۔ جھوٹی خبریں اُڑاتے، مسلمانوں میں فتنہ بپا کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں میں اُن کے جاسوس موجود ہیں جو مسلمانوں کی خبریں اُن کو پہنچاتے ہیں۔ ان جاسوسوں کا علم اللہ کو ہے۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنہ بپا کرنا چاہا تھا اور بہت جوڑ توڑ لگائے تھے مگر ان کی ایک نہ چلی۔ اب بھی جاتے تو ایسا ہی کرتے۔

تحلیلِ اجزاء عَفَا اللّٰهُ الخ کو اکثر مفسرین نے معافی آمیز عتاب قرار دیا ہے۔ عون، عمرو بن میمون، عطاء خراسانی اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن قاضی عیاض نے شفاء میں اس کو عتاب نہیں کہا ہے بلکہ زبان کا محاورہ قرار دیا ہے۔ جس طرح اردو میں کہتے ہیں اچھا خیر اب جانے دو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ قشیری نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ میرے نزدیک بھی یہی بہتر ہے۔ امام رازی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الخ مقصد یہ ہے کہ جھوٹے حیلے تراش کر اہلِ ایمان اجازت کے خواہاں نہیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار نے کہا تھا کہ ہم اجازت نہیں چاہتے۔ کیونکہ بار بار اللہ نے جہاد کی دعوت دی ہے۔ جب اس سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو ساتھ نہ لے گئے اور اپنا قائم مقام مدینہ میں کر گئے تو حضرت علیؓ پر یہ بات بہت تکلیف دہ اور شاق گزری۔ بالآخر حضورؐ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ جس طرح موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے اسی طرح تم میرے لئے ہو۔ اس فرمان پر بمشکل تمام حضرت علیؓ رہنے پر رضامند ہوئے۔

مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا میں شبہ کیا گیا ہے کہ کیا مسلمانوں میں پہلے سے فتنہ فساد تھا جس کی زیادتی منافقوں کے شمول سے ہو جاتی؟ ورنہ آیت کے کیا معنی؟ بیضاوی اور صاحبِ کشاف نے لفظ اِلَّا کو لٰکِنْ کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی اگر منافق شامل ہو جاتے تو مسلمانوں کے اندر کوئی قوت نہ زیادہ کرتے بلکہ فتنہ پیدا کرتے۔ لیکن خفاجی وغیرہ نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے یعنی تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے سوائے فتنہ پیدا کرنے کے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی حالتیں تمہاری تھیں وہ بدستور رہتیں مگر اُن حالتوں میں ایک جدید حالت یعنی فتنہ کا اضافہ ہو جاتا۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ اس کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ بعض نے اس سے کمزور مسلمان مُراد لئے ہیں۔ ابن کثیر نے وہ لوگ مُراد لئے ہیں

جو منافقوں کے کلام کی تحسین اور اُن کی مدح سرائی کرتے تھے تاکہ منافقوں اور مسلمانوں میں باہم فوراً مخالفت پیدا ہو جائے۔ لیکن مجاہد اور زید بن اسلم نے اس سے جاسوس مراد لئے ہیں۔ ہم نے بھی تفسیری مطلب میں جاسوس کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اُحد کے دن بھی منافق پھر گئے تھے۔ ابن جریج نے کہا کہ تبوک سے واپسی میں رات کے وقت ایک گھاٹی میں بارہ منافق چھپ گئے تھے تاکہ حضورؐ کو اچانک ضرر پہنچائیں لیکن جبریلؑ نے آپ کو اطلاع دے دی تھی۔ وہ لوگ مراد ہیں۔

قَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ الخ جب حضورؐ مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی اور منافق سب ہی دشمن تھے اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ لیکن جب بدر کے روز مسلمانوں کو کھلی فتح حاصل ہو گئی تو عبداللہ بن ابی بولا اب تو یہ کام چلا لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ اس میں شریک ہو جاؤ۔ چنانچہ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔

مقصودِ بیان عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے رسولِ پاک کو تلطف آمیز خطاب ہے۔ آیات میں اس امر پر دلالت ہے کہ رسولِ پاکؐ کبھی اجتہاد سے بھی کام کرتے تھے جیسے کہ منافقوں کو واپس ہو جانے کی اجازت حضورؐ نے بغیر وحی کے دیدی تھی۔ تعمیلِ حکمِ الٰہی میں پختہ ایمان والے کبھی پس و پیش اور حیلہ تراشی نہیں کرتے۔ ہر کام بمشیتِ الٰہی ہوتا ہے کفار و منافقین کا جنگِ تبوک سے رہ جانا بھی بمشیتِ الٰہی تھا۔ منافقوں اور کافروں نے اسلام کے خلاف ہزار تدبیریں کیں مگر ایک نہ چلی اور بالآخر حق غالب ہو کر رہا۔ اس میں مسلمانوں کو تسکین دی گئی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجئے بلا میں نہ پھنسائیے بلا میں تو وہ خود ہی آگرے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

تفسیر یہ آیت جد بن قیس کے متعلق نازل ہوئی۔ جد ایک منافق تھا اور خاندان بنو سلمہ کا سردار بھی تھا۔ ابن عباس، مجاہد اور دیگر ائمۂ تفسیر نے آیت کی شانِ نزول اس طرح بیان کی ہے کہ جب مسلمانوں نے غزوۂ تبوک کا ارادہ کیا اور ساز و سامان درست کرنے لگے تو حضورِ اقدس نے جد بن قیس سے بھی ہمراہ چلنے اور جہاد میں شریک ہونے کو کہا۔ جد نے بطور بہانہ کے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھے عورتوں کی طرف زیادہ میلان ہے اگر میں اہلِ روم کے مقابلہ پر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکوں گا لہٰذا آپ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں یعنی جہاد پر نہ لے جائیں۔ میں آپ کو مالی امداد دوں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جد نے یہ بہانہ کیا تھا۔ درحقیقت وہ منافق تھا نفاق کے سوا عدمِ شرکت کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ یہ منافق بظاہر تو آپ سے فتنہ سے بچنے کی درخواست کرتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے خیر اندیش اور نیکوکار ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فتنہ میں خود پڑے ہوئے ہیں۔ رسولؐ کے حکم سے سرتابی اور فرمانِ الٰہی کو حیلہ بہانہ سے ٹال دینا زبردست فتنہ ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ غرض یہ کہ دل میں کافر اور ظاہر میں مومن ہیں اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جہنم کے اندر کافر بند ہوں گے۔ ان کی کفر طرازیاں ایسی بہانہ سازیوں کی موجب ہیں اور یہ نفاق انگیزیاں دخولِ جہنم کا سبب ہیں اور چونکہ یہ نفاق انگیزیاں ان کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں تو گویا جہنم اُن کو محیط ہے۔

مقصودِ بیان دخولِ جہنم کا سبب کفر ہے۔ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ کافر قطعی جہنمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں چون و چرا اور حیلہ سازیاں کرنا کفر ہے۔ لشکرِ اسلام کی امداد اپنی جان سے کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ وغیرہ

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا

اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اُن کو برا لگتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا

أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ○ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ

کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کیا تھا اور خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں تم (ان سے) کہہ دو کہ ہم کو تو بس وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے

اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○

لئے لکھ دیا ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے

تفسیر یہ آیت گزشتہ آیت کا معنوی ثبوت ہے۔ سابق آیت میں منافقوں کے نفاق کی طرف ضمنی اشارات کئے گئے تھے۔ اس آیت میں اُن کے علامات نفاق کی صراحت ہے اور پھر مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

حاصل فرمان یہ ہے کہ یہ لوگ قطعی منافق ہیں۔ مسلمانوں کو جہاد وغیرہ میں کوئی خوشگوار امر پیش آتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں ان کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے اور اگر کوئی بری بات پیش آجاتی ہے فتح نہیں ہوتی اور بظاہر کامیابی نہیں ہوتی تو بس شاداں اور فرحاں گھروں کو لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں اور ہم تو یہ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے اس لئے ہم نے تو اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلی تھی اور اپنا کام کر چکے تھے۔ اے رسول! تم اُن سے کہہ دو کہ دکھ سکھ تو تقدیر ہے جو تقدیر میں اللہ نے لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اللہ ہی ہمارا ناصر حافظ اور مددگار ہے۔ یعنی کسی تدبیر سے نہ کوئی نفع مل سکتا ہے نہ نقصان دور ہو سکتا ہے اس لئے اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

مقصود بیان اہل اسلام کی مصیبت پر خوش ہونا نفاق ہے۔ امر مقدر کسی احتیاط سے نہیں رکتا۔ عقل و تدبیر پر بھروسہ رکھنا کفر ہے۔ اگرچہ ہر کام کی تدبیر کرنی لازم ہے۔ اچھائی برائی اور دکھ سکھ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی مقرر کر دیا ہے جو لامحالہ پہنچ کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں) کا حامی اور مددگار ہے۔ اُسی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن

تم کہہ دو کہ ہمارے حق میں تو تم دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر

يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُم

ہیں کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر کوئی عذاب ڈالے لہٰذا تم منتظر رہو ہم بھی

مُّتَرَبِّصُونَ ○ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ

تمہارے ساتھ منتظر ہیں کہہ دو کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے قبول ہرگز نہ ہوگا بلاشبہ تم

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ

نافرمان قوم ہو اور اُن کے خرچ کی قبولیت سے مانع صرف یہ بات ہے کہ وہ

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ

اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانتے اور نماز کو آتے ہیں تو الکساتے ہوئے اور اگر خرچ

اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○

کرتے ہیں تو بُرے دل سے

تفسیر یہ بھی سابق آیات کا ضمیمہ ہے۔ اوپر کی آیت میں تین مضمون بیان فرمائے تھے (۱) مسلمانوں کی مصیبت میں منافقوں کا خوش ہونا اور خوش ہو کر بطور شیخی کے یہ بات کہنا کہ ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لی تھی ہم اس بات سے پہلے ہی واقف تھے (۲) مسلمانوں کی کامیابی و فتح پر منافقوں کا رنجیدہ ہونا (۳) مسلمانوں کو ہدایت اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین اور اس بات کی صراحت کہ اچھا برا دکھ سکھ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ مقدر کا لکھا پورا ہوتا ہے۔ اب ان آیات میں بیان فرماتا ہے کہ: مسلمانوں کا ہر حالت میں فائدہ ہے اور منافقوں کا ہر صورت نقصان۔ اہلِ نفاق مسلمانوں کی مصیبت اور شکست سے خوش ہوتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کا ضرر خیال کرتے اور اپنے بچ جانے کو اپنے لئے فائدہ جانتے ہیں مگر اُن کا یہ خیال واقعہ کے خلاف ہے۔ مسلمان کا کسی وقت نقصان نہیں ہوتا۔ لڑائی کا انجام مسلمانوں کے لئے بہرحال اچھا ہوتا ہے۔ فتح پائی تو غازی ہوا ثواب کمایا، مارا گیا تو شہید ہوا۔ رہے منافق تو وہ بہرحال نقصان میں ہیں یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہوئے یا کسی غیبی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ مرنا اور جینا دونوں اُن کے لئے ضرر رساں ہیں اور اس کی وجہ محض اُن کا نفاق اور قلبی کفر اور اعمال کی ریاکاری ہے۔ نماز پڑھتے ہیں دکھاوٹ کی ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے ہیں تو دکھاوٹ کے لئے باطن میں منکر اور ظاہر میں مقر۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی مالی امداد بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ اگر یہ لوگ بطورِ خود بغیر مانگے کچھ دیں گے تب بھی دکھاوٹ کے لئے اور مانگنے کے بعد بادلِ ناخواستہ کچھ دیں گے تب بھی دکھاوٹ کے لئے۔ بہرحال ان کی ہر قسم کی مالی امداد مردود ہے۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کو جہاد کی مدلل ترغیب، اس بات کی طرف ایما کہ منافقین مسلمانوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ اس امر کی صراحت کہ ریاکاری اور نفاق کی کوئی عبادت اور کوئی مالی اعانت قبول نہیں ہو سکتی۔ وغیرہ

ہدایت خاص بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اور وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ یہ دونوں آیات باہم متضاد ہیں۔ پہلی آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ اہلِ نفاق بخوشی خاطر بھی کبھی صدقات و زکوٰۃ دیتے تھے اور دوسری آیت بصراحت دلالت کر رہی ہے کہ بغیر ناگواری اور مجبوری کے ایک پائی راہِ خدا میں نہ دیتے تھے۔ لیکن یہ شبہ محض سطحی ہے۔ گہری نظر کے بعد کوئی تضاد باقی نہیں رہتا کیونکہ اول آیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تم بخوشی مسلمانوں کی مالی امداد کرتے ہو تب بھی تمہاری امداد قابلِ قبول نہیں۔ حالانکہ تمہارے اعمال ریاکاری پر مبنی ہیں۔ اقرارِ ایمان، نماز، جہاد وغیرہ سب دکھاوٹ کے لئے ہیں۔ تمہارے دلوں میں نفاق ہے پھر کس طرح یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ تمہاری مالی امداد خلوص پر مبنی ہے اور تم خوشی سے دے رہے ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کا مطلب یہ ہے کہ تم بغیر مانگے دو یا طلب کے بعد، بہرحال تمہاری امداد مردود ہے کیونکہ خلوص سے خالی ہے۔ مؤخر الذکر آیت اسی کی مؤید ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

پس تم کو اُن کا مال و اولاد تعجب میں نہ ڈالے بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دنیوی زندگی میں اللہ اور

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

ان کو عذاب دینا چاہتا ہے اور کفر کی حالت میں اُن کی جانیں نکلنے کا (وہ خواستگار ہے)

تفسیر عموماً دنیا پرست طبقہ مرفہ الحال اور فارغ البال ہوتا ہے۔ سیدھے سادے مسلمان اُن کی دولتمندی اور آسودگی سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بعض آدمی تو شبہ کرنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کے مقبول بندے ہیں اور ہم پر خدا کا عتاب ہے ورنہ یہ اس قدر بے غم اور ہم اتنے بدحال کیوں ہوتے۔ رسول پاک کو اگرچہ اس طرح کا شبہ ہونا ممکن نہ تھا مگر عام مسلمان باقتضائے بشریت بچ نہ سکتے تھے۔ اُدھر منافق بھی اپنی مالداری پر مغرور ہو کر عام لوگوں پر رعب جمانا چاہتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کی دولتمندی اور کثرتِ اولاد درحقیقت رحمت نہیں بلکہ زحمت ہے۔ لوگ اس کو نعمت جانتے ہیں اور واقع میں یہ دُکھ ہے کیونکہ اہلِ نفاق ثوابِ آخرت کے تو امیدوار ہی نہیں۔ اُن کے نزدیک جو کچھ ہے دنیا ہے۔ محنت، مصیبت اور سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد مال جمع کرتے ہیں۔ پھر اس میں سے بادلِ ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرتے، صدقات دیتے اور مسلمانوں کی امداد کرتے ہیں جس سے اُن کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح اولاد کو پالتے، کھلاتے پلاتے اور ہر طرح کی نگرانی کرتے ہیں لیکن اسی اولاد میں سے کچھ لوگ مر جاتے اور کچھ پختہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے بھی اُن کے دل کو دُکھ پہنچتا ہے۔ غرض یہ کہ مال و اولاد اُن کے جیتے جی کے لئے عذاب ہے اور مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں۔ وہ ہر تکلیف کو موجبِ رحمت اور باعثِ ثوابِ آخرت جانتے ہیں۔ پھر یہ دُکھ فقط زندگی ہی کا نہیں ہے مرنے کے وقت ان کی رُوح مال و اولاد میں اٹکی رہتی ہے گویا موت بھی چین کی نصیب نہیں ہوتی۔ ایسی دولتمندی اور کثرتِ اولاد کو پسند کرنا اور مستحسن جاننا غلط ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ سے مراد استدراج ہے۔ یعنی باوجود معصیت کے اللہ تعالیٰ منافقوں کو نعمت پر نعمت عطا فرماتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ منافقوں کو دنیا و آخرت میں دُکھ پہنچے۔ خطیب کا قول ہے کہ باوجود کفرانِ نعمت کے اگر کوئی شخص دولتمند اور کثیر الاولاد ہو تو اس کے حق میں اس مالداری اور کثرتِ اولاد کو وبال و عذاب سمجھنا چاہئے۔

مقصودِ بیان اس بات کی صراحت کہ دنیا میں عیش و تنعم اور کثرتِ اولاد موجبِ فضیلت نہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مالدار آدمی خدا کا منظورِ نظر اور نادار شخص موردِ عتاب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں کبھی ہلاک کرنے اور عذابِ ابدی پہنچانے کے لئے بھی عطا کرتا ہے۔ مالداری انسان کو کبھی تباہ کر دیتی ہے۔ مرتے وقت جان بھی مال میں اٹکی رہتی ہے۔ ایسی مالداری قابلِ استحسان نہیں۔ وغیرہ

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝

یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم ہی میں شامل ہیں حالانکہ وہ تم میں شامل نہیں بلکہ ڈرپوک قوم ہے

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو منہ پھیر کر باگیں اٹھائے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑیں

تفسیر منافقوں کو اندیشہ ہے کہ اگر اظہار اسلام نہ کریں گے تو مسلمان ان کی حفاظت اور سرپرستی نہ کریں گے بلکہ ان کو بھی کافروں کی طرح سمجھیں گے اور ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے جیسا دیگر مشرکوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، ارکان اسلامی کی پابندی کرتے تھے مگر دل میں مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ اسی مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان فرمایا کہ اہل نفاق چونکہ تم سے ڈرتے ہیں اس لئے اللہ کی انتہائی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی تم ہی میں سے ہیں۔ جیسے تم مخلص مسلمان ہو ہم بھی سچے مسلم ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ مسلمان نہیں۔ ایسی باتیں تو صرف ڈر کی وجہ سے کہتے ہیں ورنہ اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا بچاؤ کا کوئی اونچا نیچا مقام مل جائے تو فوراً بھاگ کر وہاں پناہ گیر ہو جائیں اور تمہاری طرف رُخ بھی نہ کریں گے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا بستیوں کو اُجاڑ دیتا ہے۔ جھوٹی بات کہنے کو حدیث میں منافق کی علامت بتایا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو رُخا آدمی سب سے بُرا آدمی ہے۔

مقصود بیان منافقوں کی بدترین حالت کا بیان۔ مسلمانوں کو در پردہ ہدایت کہ تم ان کی پختہ قسموں پر بھروسہ کرکے ان کو مخلص مومن نہ سمجھ لینا یہ سخت ترین دشمن ہیں۔ ضمنی طور پر اہل اسلام کو نفاق اور دوغلے پن سے بچنے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ

ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو تقسیم خیرات کے بارے میں تم پر طعن کرتے ہیں اگر ان کو خیرات میں سے دے دیا جائے تو راضی ہوتے ہیں

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ

اور نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتے ہیں اگر وہ اسی پر راضی رہتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا ہے

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُولُهٗ ۙ إِنَّا إِلَى

اور کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ کافی ہے آگے کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو بہتیرا دے گا ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں تو

اللّٰهِ رَاغِبُونَ ۝

کیا اچھا ہوتا

تفسیر ان آیات کو سبب نزول مختلف اہل تفسیر و روایت نے مختلف واقعات کو قرار دیا ہے، لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے۔ ہم مختصر لکھتے ہیں:۔ بخاری، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ اور ابو الشیخ وغیرہ محدثین نے بروایت ابو سعید خدریؓ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ اتنے میں ذو الخویصرہ کا بیٹا (جس کا نام حرقوص تھا۔ ابن کثیر نے یہی بیان کیا ہے لیکن مفسر حقانی نے حرقوص بن زہیر کہا ہے اور ذو الخویصرہ حرقوص کا لقب قرار دیا ہے) آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ انصاف سے تقسیم کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں عدل نہیں کرتا تو اور کون عدل کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس بے ادب کی گردن مار دوں۔ ارشاد فرمایا رہنے دو اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی نمازوں کے سامنے تم لوگ اپنی نمازیں اور ان کے روزوں کے سامنے تم لوگ اپنے روزے حقیر سمجھو گے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اسلام سے ایسے باہر ہوں گے جیسے کمان سے تیر۔ لہٰذا ان کو تم جہاں کہیں پاؤ قتل کر ڈالنا۔ زیر آسمان تمام مقتولوں سے وہ بدتر ہوں گے الخ۔ ابن مردویہ نے بروایت ابن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ جب حضور اقدسؐ حنین کا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص بولا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوئی

حضورؐ نے فرمایا اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسولِ پاک مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ایک نومسلم بدوی آیا اور کہنے لگا محمدؐ! اگر تم کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو واللہ تم نے عدل نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا ارے تو پھر میرے سوا کون عدل کرے گا۔ اس کے بعد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! اس سے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے پرہیز رکھنا۔ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ جب یہ لوگ خروج کریں تو ان کو قتل کر ڈالنا۔ یہ حکم حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔

واقعہ یہ تھا کہ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت حضورؐ والا نے اہلِ مکہ کو زیادہ دے کر اُن کی تالیف قلوب فرمائی تھی۔ اس پر کچھ دنیا پرست بے دین منافقوں نے اعتراض کیا۔ بروایت کلبی جواظ نامی منافق بولا کہ لوگو! دیکھو تمہارا سردار بکریاں چرانے والوں کو مالِ غنیمت بانٹ رہا ہے اور عدل کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا او بے پدر! کیا موسیٰ چرواہا نہ تھا اور کیا داؤدؑ چرواہا نہ تھا۔ ابوبکر اصم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضورؐ اقدس نے ایک صحابیؓ سے فرمایا تم فلاں شخص سے واقف ہو؟ صحابیؓ نے عرض کیا حضورؐ! مجھے اتنا معلوم ہے کہ آپ اپنی مجلس میں اس کو اپنے قریب بٹھاتے اور بہت کچھ مال عطا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہاں وہ منافق ہے۔ اُس کا نفاق دُور کرنے کے لئے مدارات کرتا ہوں اور یہی غرض ہے کہ وہ اوروں کے دلوں میں فساد نہ ڈالے۔ الحدیث۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں منافقوں کی قبیح حالت کا اظہار کیا ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ بعض اہلِ نفاق تقسیم صدقات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر خواہش کے موافق اُن کو مال دے دیا جائے تو راضی رہتے ہیں ورنہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مناسب تو یہ تھا کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم پر راضی رہتے اور خدا و رسولؐ کی مرضی پر خوش ہوتے اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا مرکزِ توجہ اور کمالِ زندگی قرار دیتے۔ بجائے مال کے اللہ کو اپنا کفیل اور کارساز جانتے اور اس بات کا یقین رکھتے کہ یہ مال بے مقدار چیز ہے۔ اللہ اپنے فضل سے اور رسولؐ اللہ اپنی عنایت سے آئندہ ہم کو بہت کچھ عطا کریں گے مگر انھوں نے ایسا نہ کیا اور مالِ حقیر کو غایتِ مقصود قرار دے لیا۔

مقصودِ بیان منافقوں کی حالتِ سقیمہ کا اظہار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال و معاملات پر نکتہ چینی کرنے سے درپردہ باز داشت، اس امر کی صراحت کہ اللہ اور رسولؐ پر بھروسہ رکھنا اور اُن کی مرضی پر راضی رہنا مسلمانوں کا اوّلین فرض ہے۔ اِس بات کی بشارت و پیشین گوئی کہ آئندہ مالِ غنیمت بہت کچھ حاصل ہوگا اور مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوں گی۔ وغیرہ

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ

زکوٰۃ کا حق ہے صرف فقیروں کا محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو خیرات پر تعینات ہوں اور اُن لوگوں

قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ

کا جن کے دلوں کو ملانا غرض ہو اور بردوں کو آزاد کرانے کا اور قرضداروں کے قرضہ کی ادائیگی کا اور راہِ خدا میں صرف کرنے کا اور مسافروں کو

فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

دینے کا یہ حکم اللہ کا فرض کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا، صاحبِ تدبیر ہے

تفسیر بعض کو بدگمانی تھی یا منافق گمان کرسکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت اپنے اعزا و اقارب اور خاص خاص دوستوں کو دینا چاہتے ہیں اسی لئے منافقوں کو نہیں دیتے۔ اس آیت میں مصارفِ زکوٰۃ و صدقات کی تفصیل بیان کر کے مذکورہ وہمِ باطل کا ازالہ فرما دیا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ نائبِ خدا ہیں۔ اپنے اور اپنے اقارب کے لئے نہیں بلکہ جن کو شرعًا مالِ زکوٰۃ دینا چاہیئے اُن کو دیتے ہیں مصارفِ زکوٰۃ آٹھ ہیں:- فقرآء۔ مساکینؔ۔ زکوٰۃؔ وصول کرنے کے ملازم وہ لوگؔ جن کی تالیفِ قلوب اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت مقصود ہو۔ قرضدارؔ۔ غلاموںؔ کی آزادی۔ راہِؔ خدا میں جہاد کرنے والے۔ مسافرؔ۔

چونکہ مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق علمائے تفسیر و فقہ کا بسیط اختلاف ہے اور بغیر تفصیل کے اصل بحث سمجھ میں نہیں آسکتا اس لئے بطور اختصار ہم ہر مصرف کو علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کرتے ہیں:-

نمبر(۱) و (۲) یعنی فقرآء و مساکین۔ فقیر و مسکین کے معنی کی توضیح میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن سکیت، قتیبی، یونس بن حبیب کا قول ہے کہ فقیر کی حالت مسکین سے اچھی ہوتی ہے۔ ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام لغت اصمعی، طحاوی، علمائے کوفہ اور اکثر اصحاب شافعیؒ کے نزدیک مسکین کی حالت فقیر سے اچھی ہوتی ہے۔ ابو یوسف اور اصحاب مالک کے نزدیک دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ ابن عباس، حسن بصری، عکرمہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو عفیف ہو یعنی کسی سے سوال نہ کرے اور محتاج سائل کو مسکین کہتے ہیں۔ ابن جریر نے اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ لیکن حدیث لاتحل الصدقة سے مستنبط ہوتا ہے کہ فقیر اُس محتاج کو کہتے ہیں جو کمانے پر قادر نہ ہو۔ غالبًا اسی بنا پر قتادہ نے فرمایا ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو اپاہج ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لقمہ دو لقمہ دے کر ٹال دیتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو بقدرِ ضرورت نہیں پاتا اور نہ اُس کے حال سے لوگ واقف ہوتے ہیں کہ کوئی اس کو صدقہ دے سکے اور نہ وہ کسی سے مانگتا ہے (الحدیث فی الصحیحین)

نمبر(۳) زکوٰۃ کا کام کرنے والے خواہ مالدار ہوں یا نہ ہوں بہرحال مستحقِ اُجرت ہیں۔ اُن کی اُجرت اموالِ صدقات میں سے دی جائے گی۔ عامل کا لفظ عام ہے خواہ زکوٰۃ وصول کرنے والا ہو یا کاتب یا عشر وصول کرنے والا یا محاسب یا خزانچی یا اربابِ استحقاق کو پہچاننے والا۔

نمبر(۴) مؤلفۃ القلوب۔ ان میں مندرجۂ ذیل اشخاص داخل ہیں:- (الف) وہ اشراف کفار جن کو مال دے کر اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو جس طرح صفوان بن اُمیّہ کو غنیمت حنین میں سے حضورِ اقدسؐ نے کچھ مال عطا فرمایا تھا باوجودیکہ صفوان اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ صفوان نے خود بیان کیا کہ حنین کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطیہ دیا۔ باوجودیکہ اُس زمانہ میں میں حضورؐ سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا۔ اس کے بعد بھی برابر مجھ پہ عطایا کی بارش رہی یہاں تک کہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئی۔ (رواہ مسلم)

(ب) وہ ضعیف الاسلام اشخاص جن کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کچھ دیا جائے جس طرح حضورؐ والا نے طلقائے قریش کو بروزِ حنین سَو سَو اونٹ عطا فرمائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ میں بعض آدمیوں کو دیتا ہوں باوجودیکہ دوسرے لوگ مجھے اُن سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ اُن کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈال دے۔

(ج) وہ لوگ جن کو مال دینے سے غرض یہ ہو کہ اُن کے اور ہمسر مسلمان ہو جائیں۔ جس طرح حضورِ اقدسؐ نے عیینہ بن حصن، عباس بن مرداس اور اقرع بن حابس سردارانِ بنو تمیم کو عطا فرمایا تھا۔ اسی کے متعلق عباس نے یہ شعر کہا:-

اتجعل نھبی ونھب العبید بین عیینة والاقرع

(د) وہ کفار جن کو کچھ مال دیا جائے اور وہ ایسے مقام کے رہنے والے ہوں جس کی سرحد دارالاسلام سے ملی ہوئی ہو اور اُن کو دینے سے مقصود یہ ہو کہ اہلِ اسلام ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

(ہ) وہ لوگ جن کو صرف اس لئے دیا جائے کہ وہ ان لوگوں کو جاکر زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دیں جو زکوٰۃ ادا نہ کرتے ہوں۔

مؤلفۃ القلوب کے اقسام بیان کرنے کے بعد ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اب بھی مالِ زکوٰۃ مؤلفۃ القلوب کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مفسر سراج کا قول ہے کہ قسمِ اول کو اب کچھ نہ دیا جائے گا۔ اب اُن کی تالیف کی حاجت نہیں رہی۔ حضرت عمرؓ، عامر شعبی اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ رویانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ بعض حنفیہ نے اس پر اجماع ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن اہلِ اسلام کی ایک بڑی جماعت جواز کی قائل ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نمبر (الف) و (د) کو اب کچھ دینا جائز نہیں اور باقی اقسام کو دینا جائز ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ اول الذکر قسم کا منسوخ ہونا مجھے

معلوم نہیں ہوا۔ اسی پر ماوردی نے فتویٰ دیا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کے تمام اقسام ساقط الحق ہیں۔

نمبر (۵) غلاموں کو آزاد کرانا یعنی جن غلاموں کو اُن کے مالکوں نے اس قسم کی کوئی تحریر دے دی ہو کہ اگر تم اس قدر روپیہ ہم کو دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے اور غلاموں کو اتنا مال میسر نہ آتا ہو تو ایسے لوگوں کو بدل کتابت اموالِ صدقات و زکوٰۃ سے دے کر غلاموں کو آزاد کرایا جائے۔ یہ تفسیر حسن بصریؒ، مقاتل، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری، ابن زید، ابو موسیٰ اشعری، ابو حنیفہ، شافعی، لیث بن سعد اور اکثر فقہاء سے مروی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن عمر، احمد اور اسحاق وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ غلام و باندی کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

محققین کا قول ہے کہ آیت دونوں قسموں کو شامل ہے۔ لہٰذا عمومی مطلب مراد لینا اولیٰ ہے، مگر شرط یہ ہے کہ غلام و باندی مسلمان ہوں۔ بیضاوی نے فکِ رقاب کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ جو مسلمان کافروں کی قید میں ہوں ان کا عوض کافروں کو دے کر رہا کرایا جائے۔

نمبر (۶) قرضداروں کو دینا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ کسی مسلمان نے کسی جائز کام کے لئے قرض لیا اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا گناہ کے کام کے لئے لیا تھا اور پھر توبہ کر چکا یا مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کے لئے قرض لیا۔ اگرچہ خود بھی مالدار ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اموالِ زکوٰۃ اور صدقات سے اُس کا قرض ادا کیا جائے گا۔ تفسیر سراج و معالم وغیرہ میں ہے کہ غارمین یعنی قرضداروں کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ ایک وہ جس نے اپنی ذاتی مصلحت سے قرض لیا۔ دوسرے وہ جس پر تاوانِ ضمانت وغیرہ پڑا۔ تیسرے وہ جس نے کسی فتنہ کو فرو کرنے کے لئے قرض لیا۔ اول الذکر صورت میں اگر جائز کام کے لئے لیا ہے اور ادا کرنے کی طاقت نہیں، یا ناجائز کام کے لئے لیا تھا پھر توبہ کر لی اور ادا نہیں کر سکتا۔ بہرحال اموالِ صدقات میں سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کما کر ادا کرنے پر قادر ہو۔ مکاتب غلام کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قبیصہ بن مخارق سے فرمایا سوال کرنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے جائز ہے (۱) کسی نے کسی کا بار اُٹھایا ہو (۲) وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آئی ہو اور مال برباد ہو گیا ہو۔ اس کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ قوامِ زندگی اس کو حاصل ہو جائے (۳) وہ شخص جس پر فاقہ ہو اور اس کی قوم کے تین آدمی کہہ دیں کہ فلاں شخص فاقے کرتا ہے۔ ان اقسام کے علاوہ جس نے سوال کر کے کھایا اُس نے حرام کھایا (رواہ مسلم)

نمبر (۷) راہِ خدا میں کوشش کرنے والے۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد غازی اور اہلِ جہاد ہیں اگرچہ یہ تونگر ہوں مگر اموالِ صدقات میں سے ان کو دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک غازی کو اموالِ صدقات میں سے اُس وقت دینا جائز ہے جب وہ فقیر یا منقطع عن الجہاد ہو۔ امام احمد و اسحاق نے حج کو بھی فی سبیل اللہ کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد حج و عمرہ کرنے والے ہیں۔

نمبر (۸) مسافر۔ مسافر خواہ تونگر ہو لیکن بالفعل اس کے پاس اتنا نہ ہو کہ وطن تک پہنچ سکے اگرچہ اس کو قرض مل سکتا ہو۔ بہرحال اموالِ صدقات میں سے اُس کو اتنا دیا جائے گا جس سے وہ گھر پہنچ سکے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اگر تونگر مسافر کو وطن پہنچنے تک کا کرایہ قرض مل سکتا ہو تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے۔ امام محمد اور فقہائے عراق کے نزدیک ابن السبیل سے وہ حاجی مراد ہیں جن کے پاس سفر میں کچھ نہ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

چند مسائل و شرائط

مسلمانوں و رقبہ کے اقسامِ ثمانیہ میں شرط یہ ہے کہ لینے والا مسلمان ہو اور ہاشمی و مطلبی نہ ہو۔ آیت میں اگرچہ یہ شرط مذکور نہیں مگر احادیث نے تخصیص کر دی ہے۔ خود رسولِ پاکؐ نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے صدقہ کا مال کبھی نہیں لیا اور فرمایا یہ لوگوں کا میل کچیل ہے محمدؐ اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں۔ حسنینؓ میں سے کسی نے بمقتضائے طفولیت صدقہ کا کوئی چھوارہ منہ میں رکھ لیا تھا تو حضور والا نے کخ کخ کہہ کر اُگلوا دیا تھا۔

اُن صورتوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا مالِ صدقہ اس شخص کو دیا جائے گا جو دولتمند نہ ہو اور کمائی کی قوت نہ رکھتا ہو۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ غنی اور کمائی کی طاقت رکھنے والے کے لئے صدقہ حلال نہیں (رواہ احمد و اہل السنن) ایک اور حدیث میں آتا ہے حضورؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے صدقہ لے کر تمہارے محتاجوں کو تقسیم کروں۔ اہلِ صدقات کے مسلمان ہونے کی شرط بھی احادیث کی رُو سے لگائی گئی ہے۔ کیونکہ کفار سے جب زکوٰۃ و صدقات وصول نہیں کئے جاتے تو اُن کو دیئے بھی نہیں جا سکتے۔

اگر آٹھوں مصارف زکوٰۃ موجود ہوں تب بھی امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ چاہے آٹھوں اصناف کو تھوڑا تھوڑا دیدے یا بعض اصناف کو سب

دیدے اور بعض کو کچھ نہ دے۔ حضرت عمرؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابوالعالیہ، سعید بن جبیرؒ، میمونؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے عام علماء کا یہی قول بیان کیا ہے۔ امام مالکؒ نے اس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے۔ بقول ابن عبدالبر اجماع صحابہ ہے۔
شافعیؒ کے نزدیک کل اصناف کو تقسیم واجب ہے اور بصورتِ تعذر کم از کم تین اصناف دینا تو لازم ہی ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے اُس شبہ کا ازالہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعزا و اقارب کو مالِ غنیمت دیتے ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ منافق اہلِ استحقاق نہیں۔ گویا منافقوں کی طمع کی جڑ کاٹ دی۔ اس امر کی صراحت کہ مصارفِ صدقہ یہی اصناف ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور کو دینا رسول کے اختیار میں بھی نہیں۔ اس سے درپردہ اس بات کی طرف بھی ایماء ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کی تقسیم بہ تجویز خود نہیں کرتے بلکہ خدا تعالٰے کے حکم سے مصارف مقرر ہیں انہیں کو حضورؐ دیتے ہیں، وغیرہ

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ

ان ہی میں سے بعض لوگ نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کان ہے تم کہہ دو کہ تمہارے

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا

بھلے کے لئے کان ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کا یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کے لئے

مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

رحمت ہیں اور جو لوگ رسولِ خدا کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بدگوئی کوئی پس پشت ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے کچھ غیبت کی تو بعض لوگوں نے کہا ایسی باتیں نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اُن کو خبر پہنچ جائے۔ جلاس بن سوید یا نبتل بن حارث بولا کچھ ڈر نہیں اگر اُن سے کوئی جاکر کہہ دے گا تو ہم بھی جاکر قسم کھا کر انکار کرلیں گے اُن کے تو فقط کان ہیں جیسا کسی نے کہہ دیا مان لیا کوئی ہماری شکایت کرے گا وہ سُن کر یقین کرلیں گے پھر ہم جاکر انکار کردیں گے اس کا یقین کرلیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اہلِ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، آپؐ کی غیبت کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اُن کے تو فقط کان ہیں جو کچھ کہو سُن لیتے ہیں تم کیوں ڈرتے ہو۔ خدا تعالٰی اس کے رد میں فرماتا ہے کہ ہاں وہ کان ضرور ہیں مگر تمہاری بہتری اور بھلائی کے لئے ہیں شر اور فساد پیدا کرنے والی باتوں کو نہیں سنتے بلکہ بھلائی کی باتوں کو سنتے ہیں۔ اللہ پر ان کا ایمان ہے اور اہلِ ایمان کی باتوں کو سچ جانتے ہیں۔ یعنی منافقوں کے قول کو جھوٹ سمجھتے ہیں لیکن دانستہ چشم پوشی کرتے ہیں تمہارے نفاق سے ناواقف نہیں ہیں اور تم میں سے جو لوگ کامل الایمان اور صادق الاسلام ہو جاتے ہیں اُن کے لئے رحمتِ مجسم ہیں۔ غرض یہ کہ تمہاری ذات سے ان کو دشمنی نہیں بلکہ تمہارے نفاق و کفر سے ہے وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا نفاق جاتا رہے اور تم سچے مسلمان ہو جاؤ۔

مقصودِ بیان منافقوں کو تنبیہ کہ تمہاری باتوں کا علم رسول اللہؐ کو ہو جاتا ہے لہٰذا بدگوئی سے باز رہو۔ اس امر کی صراحت کہ بہتری اور صلاح پیدا کرنے والی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور فساد پھیلانے والی باتوں کو نہیں سنتے اس بات کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کی بات کا یقین کرنا چاہیئے۔ رسول اللہؐ بھی مسلمان کی بات کو صحیح سمجھتے تھے۔ گویا اس امر پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو کبھی خلافِ واقعہ کوئی جھوٹی بات نہ کہنی چاہیئے۔ اس بات کی تصریح کہ مسلمانوں کے لئے رسول پاکؐ رحمتِ مجسم تھے۔ حضورؐ کو کسی کی ذات سے عناد نہ تھا۔ بلکہ ہر مسلمان

کہ نبی آپ رحمت تھے اور کافروں کی اصلاح کے خواستگار تھے ۔ وغیرہ

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ

تمہارے خوش کرنے کو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اُس کا رسول رضامند رکھنے کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ

كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ

یہ مومن ہوں کیا ان کو معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اُس کے لئے

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

دوزخ کی آگ مخصوص ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہی بڑی رُسوائی ہے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے بروایت قتادہ وسدی بیان کیا ہے کہ منافقوں کی جماعت میں جلاس بن سوید و دیعہ بن ثابت وغیرہ اہلِ نفاق نے ایک بعض کہا واللہ ہمارے یہ لوگ تو بہت افضل واشرف ہیں لیکن محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہو تو ہم اس صورت میں گدھوں سے بھی بدتر ہوں گے۔ اس گفتگو کے وقت ایک انصاری نوجوان عامر بن قیسؓ بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے منافقوں نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ جب منافقوں کے ناشائستہ کلمات اُن سے نہ سُنے گئے تو بولے واللہ جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں وہ سچ ہے اور بلاشبہ تم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہو۔ پھر وہاں سے آکر حضور اقدسؐ سے کل ماجرا عرض کر دیا۔ حضورؐ نے منافقوں کو بلایا اور واقعہ دریافت کیا۔ منافق قسمیں کھا گئے کہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا اور جس نے کہا اُس پر اللہ کی لعنت۔ حضورؐ نے اُن کی اس قدر محکم قسموں کو تسلیم کر لیا اور عامرؓ کی طرف کچھ التفات نہ کی اس پر عامرؓ شکستہ خاطر ہو گئے اور دُعا کی۔ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا ظاہر کر دے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ممکن ہے کہ مذکورۂ بالا آیات اور ان آیات کی شانِ نزول متصل ہو اور ان دونوں آیات کا نزول بھی ساتھ ہی ہوا کیونکہ دونوں قصے اور مطلب بہرحال مربوط ہیں۔ آیات کا مطلب واضح ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی مخفی حالت کا اظہار، اُن کو خلوصِ ایمان کی ترغیب، اللہ و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی تعلیم خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرنے پر عذاب کی وعید معصیتِ خالق میں مخلوق کی رضاجوئی کی ممانعت وغیرہ۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ

منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نازل ہو کر ان کی دلی باتوں کی خبر نہ دے دے

قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

تم کہہ دو کہ اچھا ٹھٹھے کرتے رہو جس بات کا تم کو ڈر ہے اللہ اُس کو ظاہر کرے گا اگر تم اُن سے کچھ دریافت کرو

لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ

تو کہیں گے ہم تو صرف ایک مشغلہ اور کھیل کر رہے تھے تم کہہ دو کہ کیا تم اللہ اور اس کے احکام اور اس کے رسولؐ کے

تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ

ساتھ ہنسی کر رہے تھے　بہانے نہ بناؤ　تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے　اگر تم میں سے

عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ع

بعض کو ہم معاف بھی کردیں۔ تو ایک گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں

تفسیر محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب حضورؐ والا مسلمانوں کی جماعت لے کر تبوک کو تشریف لے جا رہے تھے تو منافقوں کی جماعت بھی ساتھ تھی۔ اثنائے راہ میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر وغیرہ منافقین نے آپس میں مسلمانوں کو ڈرانے اور سنانے کے لئے کہنا شروع کیا کہ کیا تم لوگ رومیوں کی بہادری اور دلیری ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں لڑتے ہیں۔ واللہ ہم کو تو دکھ رہا ہے کہ کل کو لڑائی میں تم لوگ ان کی زنجیروں میں جکڑے پڑے ہوگے۔ مخشی بولا ارے مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری اس گفتگو کے متعلق کہیں قرآن نہ نازل ہو اور مجھے تو یہ پسند ہے کہ تم میں ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں مگر یہ باتیں نہ کرو۔ یہ لوگ اسی خرافات میں مشغول تھے کہ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا جاکر قوم کی خبر لو وہ منافقوں کی آگ میں جلی جاتی ہے اور منافقوں سے پوچھنا تم نے کیا باتیں کہی تھیں؟ اگر وہ انکار کریں تو کہنا نہیں تم نے ضرور یہ باتیں کہی تھیں۔ چنانچہ عمارؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت وہ لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذر کرنے لگے۔ بعض نے کہا حضورؐ! ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ مخشی بن حمیر جس کا نام بعض اہل تاریخ نے مجش بن حمیر بھی کہا ہے سچے دل سے مسلمان ہوگئے اور دعا مانگی الٰہی مجھے ایسی جگہ شہید کر کہ کسی کو میری قبر بھی نہ معلوم ہو۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی اور عبدالرحمن نام مشہور ہوا۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ستر منافقوں کا ذکر نام بنام کیا تھا پھر اُن کے نام و نسب کو منسوخ کردیا اور یہ مومنوں پر رحمت تھی کیونکہ ان کی اولاد میں مخلص مومن پیدا ہونے والے تھے۔ یعنی بنظر رحمت اُن کے نام منسوخ کردیئے تاکہ ان کی اولاد کو جو مخلص مومن تھی عار و شرم نہ رہے۔ باقی نزول کے وقت ان کی جو رسوائی اور فضیحت مقصود تھی وہ پوری ہوگئی۔ مسلمانوں کو بھی اُن کے حال سے آگاہی ہوگئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن میں کوئی سورت ایسی نہ نازل ہو جائے جس سے اُن کی پول کھل جائے اور دلوں کی نفاق آمیزی ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا تم اُن سے کہہ دو کہ تم یونہی اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے رہو جس بات کا تمہیں اندیشہ ہے اس کو اللہ ضرور ظاہر کرکے رہے گا۔ اس پیشین گوئی کا ظہور بار بار ہوتا رہا۔ منافق جو فتنہ انگیزی کی تدبیریں کرتے ان کو اللہ اپنے رسولؐ پر ظاہر کر دیتا۔ چنانچہ تبوک سے لوٹتے وقت رات میں بارہ منافقوں نے ایک گھاٹی پر توقف کیا اور خفیہ مشورہ کرکے طے کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزریں گے تو ہم اچانک خفیہ طور پر اوپر سے پتھر لڑھکا دیں گے۔ حضورِ اقدسؐ کو وحی کے ذریعہ سے اس کا علم ہوگیا اور حذیفہؓ نے بتعمیلِ حکمِ نبویؐ منافقوں کے اونٹوں کو مار کر راستے سے الگ ہٹا دیا مگر حضرت حذیفہؓ نے کسی کو شناخت نہ کیا۔ پھر حضورؐ والا نے نام بنام ایک ایک کو بتلا دیا اور فرمایا ان کو قتل مت کرو یہ خلافِ اخلاق اور موجبِ بدنامی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنبل کی بیماری سے ہلاک کرے گا۔ حدیث مسلم میں ہے کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت کی خوشبو نہ پائیں گے جن میں سے آٹھ آدمیوں کے دونوں شانوں کے بیچ میں آگ کے شعلہ کی طرح دنبل نکل کر اُن کے سینہ سے پھوٹ پڑے گا۔

اس سے آگے آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اُن سے دریافت کروگے کہ تم میرا اور قرآن کا ذکر کرکے مذاق کیوں اُڑاتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ مذاق اُڑانا ہمارا مقصد نہ تھا۔ تم اُن سے کہہ دو کہ کیا مذاق اُڑانے کے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ اور اللہ کی آیات ہی رہ گئی ہیں۔ اب تمہارا عذر پیش کرنا بیکار ہے۔ پہلے تم نے ایمان کا اظہار کیا تھا اگرچہ دل میں مذبذب تھے۔ مگر اب تم نے کھُلم کھُلا اظہارِ کفر کیا۔ اس لئے اب کسی قسم کا عذر پیش کرنا کچھ سود مند نہیں۔

ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ تبوک کو جاتے وقت ایک شخص نے کہا کہ میں نے تو ان قاریوں کی طرح کسی کو نہیں دیکھا جو کھانے میں سب سے بڑے پیٹ والے، بولنے میں کرتاہ زبان اور لڑائی میں بودے ہیں۔ اس پر ایک مومن بولا تو بڑا مفتری اور منافق معلوم ہوتا ہے۔ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دوں گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں میں نے اس منافق کو دیکھا تھا حضورؐ کی اونٹنی کے آگے ٹھوکریں کھاتا اور دوڑتا جا رہا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ ہم تو راہ کاٹنے کو دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان منافقوں کے ایک طائفہ کو معاف کردیں گے اور دوسرا چونکہ مجرم ہے اس لئے اس کو عذاب دیں گے۔

اول الذکر طائفہ سے مراد صرف مخشی بن حمیر ہے جس نے صدق دلی سے توبہ کرلی تھی اور باقی بدستور نفاق پر قائم رہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی پوشیدہ حالت اور مخفی گفتگو کا اظہار جس سے قرآن کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس امر کا بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کہ اللہ تمہاری کل مخفی تدبیروں کو ظاہر کردے گا۔ اس امر پر تنبیہ کہ اللہ اور اس کے رسول اور آیات الٰہی کا مذاق اڑانا کفر ہے اگرچہ دل لگی کے لئے ہو۔ اس بات کی پیشین گوئی کہ بعض منافق صدق دل سے توبہ کرلیں گے اور کچھ بدستور منافق رہیں گے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کا ایک چال ہے برے کام کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور نیک کام سے

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

منع کرتے ہیں اور اپنی مٹھیاں بند کر لیتے ہیں یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اس لئے خدا نے بھی ان کو فراموش کردیا اس

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

میں کچھ شک نہیں کہ منافق ہی نافرمان ہیں اللہ نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں کے متعلق دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی اُن کو کافی ہے خدا نے اپنی رحمت سے اُن کو دُور کردیا ہے اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہے

تفسیر یہ آیات سابقہ کی تائید ہے۔ گزشتہ آیات میں منافقوں کے خصوصی حالات بیان فرمائے تھے اور یہ بھی بطور اجمال کے ذکر کیا تھا کہ وہ تم سے نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل ان آیات میں ظاہر فرمائی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق مردوں کی تعداد تین سو اور منافق عورتوں کی تعداد ایک سو ستر تھی۔

آیات کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ (۱) منافق مرد ہوں یا عورتیں نفاق میں سب ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ایمان کوئی نہیں لائے گا۔ مذہبی حالت سب کی یکساں ہے۔ کفر و شرک اور اُن امور کے سب قائل ہیں جو عقل و شرع کی رُو سے بُرے ہیں اور اچھی باتوں کے خود منکر بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے ہیں۔ کارِ خیر میں کچھ صرف نہیں کرتے۔ امورِ خیر میں خرچ کرنے سے مٹھیاں بند کئے رہتے ہیں۔ غرض عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات میں اُن کی حالت مسلمانوں کے بالکل خلاف ہے۔ خدا اور اس کے انتقام سے بالکل غافل ہو چکے۔ گویا خدا کو بھول گئے۔ اس لئے خدا نے بھی ان کو اپنے فضل و کرم سے محروم کردیا۔ گویا خدا بھی اُن کو بھول گیا۔ درحقیقت ان کا نفاق ہی ان کی سرتابی اور نافرمانی کی علت ہے۔ خدا نے اُن کے لئے دوامی دوزخ مقرر کردی اور ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے محروم کردیا۔

(۲) منافق جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ قول ان کا بالکل غلط ہے۔ منافق مرد ہو یا عورت سب اس دعوے میں جھوٹے ہیں بلکہ یہ سب ایک تھیلی کے بٹے ہیں کسی کی حالت اچھی نہیں۔

مقصودِ بیان

کافروں کا مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں جو دل میں کافر ہو اگرچہ بظاہر اسلام کا اقرار کرے وہ مسلمان نہیں نہ وہ جماعت مسلمین میں داخل سمجھا جاسکتا ہے۔ نفاق کی زبردست علامات تین ہیں (۱) بری باتوں کا حکم دینا (۲) اچھی باتوں سے روکنا۔ (۳) کارِ خیر میں خرچ کرنے سے کنجوسی کرنا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظاہری اعمال قلبی حالت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی کے ظاہری اخلاق، عادات، اقوال و اعمال مسلمانوں کی طرح نہ ہوں تو اُس کو مسلم نہیں کہا جاسکتا بلکہ اُس کو منافق کہا جائے گا۔ کیونکہ نفاق کی علامات اس کے اندر موجود ہیں۔ جو شخص بداعمالی میں جری اور نیکی کی طرف سے بالکل غافل ہو وہ گویا خدا کو بھول گیا۔ منافقوں کی نافرمانی کی علت ان کا نفاق ہے۔ گویا جس کے اندر شائبہ نفاق نہ ہو وہ نافرمان نہ ہوگا۔ منافق اور کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور دائرۂ رحمت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ عورتیں بھی ایمان و اعمالِ صالحہ پر مکلف ہیں۔ وغیرہ

كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا

تمہاری حالت بھی انہی لوگوں ایسی ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زور میں بھی زیادہ تھے اور مال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ

وہ بھی اپنے حصے کے مزے اُڑا چکے سو تم بھی اپنے حصے کے مزے اُن ہی کی طرح

مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

اُڑا چکے اور جیسے (بری باتوں میں) وہ گھسے تم بھی ویسے ہی گھسے نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دین میں

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ أَلَمْ يَأْتِهِمْ

اُن کے اعمال اکارت گئے اور وہی نقصان میں رہے کیا ان لوگوں

نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ

کو پہلی اقوام یعنی قوم نوح عاد ثمود قوم ابراہیم اور اہل مدین

مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ

اور اُلٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں کی خبر نہیں پہنچی اُن کے پاس انہی کے پیغمبر نشانیاں لے کر پہنچے تھے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

اُن پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے

تفسیر

قرآن پاک جگہ جگہ جو آیات پڑھ کلام کا طرزِ بیان اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کسی کو نصیحت کرنی ہوتی ہے تو نرمی سے اس کو بازداشت کی جاتی ہے۔ آدمی کی ہدایت و ہدایت کرنی ہوتی ہے اُن کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر کچھ سمجھ ہم اس پر نہیں مانتے اور اپنے اقوال و اعمال کو اچھا خیال کرتے ہیں و ان کے کرتوت کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے اعمالِ شنیعہ کی خرابیاں محسوس کر کے بداعمالی سے رُک جائیں۔

اس کے بعد اگر پھر بھی وہ ضد پر قائم رہتے ہیں تو اُن کے اعمال کا نتیجۂ بد ظاہر کیا جاتا ہے اور اُن قوموں کی حالت بیان کی جاتی ہے جن کے اعمال و اقوال اور عقائد انہی کی طرح کے تھے اور جو کہ ان کا نتیجہ خراب ہوا تو حالاں ان کا نتیجہ بھی خراب ہوگا۔ کیونکہ ان کے حرکات بھی انہی کی طرح ہیں چنانچہ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اول کافروں اور منافقوں کو نرمی سے نصیحت کی پھر اُن کے افعالِ شنیعہ بیان فرمائے، پھر بداعمالیوں کا نتیجۂ بد ظاہر کیا۔ پھر اُن گزشتہ اقوام سے ان کو تشبیہ دی جن کے حرکات و سکنات اُن کی طرح تھے۔ پھر اُن اقوام کا نتیجہ اور مآل ظاہر کیا اور بالآخر ان کے تخمِ عمل کا بُرا پھل جو کچھ ہوگا وہ ظاہر فرمایا۔ حاصلِ اشارہ یہ ہے کہ ا۔

اِن کافروں اور منافقوں کی حالت اُن قوموں کی طرح ہے جو اُن سے پہلے گزر گئی ہیں۔ اُن کی قوتِ جسمانی، دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی جب تک دنیا میں رہے اپنی قدرت و حوصلہ کے موافق انھوں نے خوب مزے اُڑائے اسی طرح یہ بھی مزے اُڑاتے ہیں۔ انھوں نے آیاتِ الٰہی میں فکر و نظر چھوڑ کر باطل میں غور و خوض کیا۔ حق کو چھوڑ کر ناحق میں گھس پڑے۔ یہ بھی اقرارِ توحید و رسالت اور اعمالِ صالحہ کو چھوڑ کر کفر، بے دینی، اور افعالِ شنیعہ کے جوش زن سمندر میں گھس گئے۔ غرض یہ کہ جو اُن کا چلن تھا وہی اِن کا چلن ہے۔ جو اُن کی حالت تھی وہی ان کی حالت ہے اور نتیجۂ اعمال میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ اُن کا بھی کیا کرایا نابود اور ملیامیٹ ہوگیا۔ ان کا حاصلِ زندگی بھی برباد ہے۔ انجام کار وہ بھی تباہ رہے یہ بھی تباہ ہوں گے۔ قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح، قومِ ابراہیم، قومِ شعیب اور قومِ لوط نے انبیاء کی تکذیب کی، احکامِ الٰہی کو نہ مانا۔ بالآخر تباہ ہوئے۔ اور اپنے کرتوت سے تباہ ہوئے۔ اللہ نے بالکل ان کی حق تلفی نہ کی۔ مآلِ کار ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ پہلی قوموں کے چال چلن اور اُن کے راستہ پر چلوگے، ایک گز یا ایک ہاتھ یا ایک بالشت کا فرق نہ ہوگا۔ یہاں تک۔ اُن کی پیروی کروگے کہ اگر کوئی ان میں سے سیہی کے غار میں داخل ہوا تھا تو تم بھی سیہی کے غار میں گھسوگے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلی قوموں سے کیا اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) مراد ہیں؟ فرمایا اور کون۔

تحقیق الفاظ

خَلَاق کے معنی اندازہ اور تقدیر ہے۔ یہاں مراد وہ دنیوی حصہ ہے جو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مقدر ہے (ابن کثیر) لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حسن بصری نے فرمایا کہ دین ہے اور آیت میں مراد شائد برتاؤ ہے یعنی اپنے دنیوی حصہ یا خواہشِ نفس کے برتاؤ پر عیش اُڑاتے ہیں۔

قومِ نوح۔ حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے نو سو پچاس برس اپنی قوم کو احکامِ الٰہی پہنچائے، توحید کی دعوت دی، افعالِ ذمیمہ سے منع کیا مگر قوم نے نہ مانا۔ اللہ نے ان کو طوفان میں غرق کردیا۔ تکذیبِ نبی کا یہی انجام ہوا۔

عاد۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ بڑی طاقتور، قوی ہیکل، قدآور، اپنے تعداد اور تن آوری پر مغرور تھے۔ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت ہود نے نصیحت کی، ڈرایا دھمکایا، ثواب کی ترغیب دی مگر قوم نے ایک نہ سنی۔ بالآخر ایک تیز آندھی نے سب کو پاش پاش کردیا۔ ہستی سے نام و نشان بھی مٹ گیا۔ صفحاتِ تاریخ پر کہیں مفصل تذکرہ بھی نہیں ملتا۔

ثمود۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ اس کو عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی بڑے سرکش تھے۔ ان پر بھی عذابِ الٰہی آیا۔ غیب سے ایک کڑاکے کی چیخ پیدا ہوئی جس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور سب تباہ ہوگئے۔

قومِ ابراہیم۔ اس قوم کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا۔ بابل کا بڑا جابر سرکش اور ظالم انسان تھا۔ مچھروں کی فوج نے اس کو مع قوم کے غارت کردیا۔

اصحٰبِ مدین۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو مدین میں رہتی تھی۔ تجارت میں ناپنے تولنے کے وقت بے ایمانی کرتی تھی۔ ان پر بھی عذابِ الٰہی

آیا۔ اوپر سے ابرِ سیاہ پیدا ہوا جس نے عالم کو گھٹا ٹوپ کر دیا۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ بالآخر سب مر گئے۔

مُؤتفکٰت۔ اُلٹی ہوئی بستیاں۔ یہ حضرت لوطؑ کی قوم تھی۔ لواطت اور بداخلاقی بے حیائی میں مبتلا۔ طرح طرح کے معاصی میں منہمک۔ اللہ نے اُن کی تمام بستیوں کو اُلٹ دیا۔ سب تہ و بالا ہو گئے۔

مقصودِ بیان دورِ محمدیؐ کے کفار و منافقین کی تشبیہ اقوامِ گزشتہ سے اس بات کا ضمنی بیان کہ جسمانی بیش از بیش طاقت، دولت کی کثرت اور اولاد کی فراوانی عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتی بلکہ یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ کچھ دنوں۔ کچھ ظالم مزے اُٹھا لیتے ہیں اور جتنا اُن کے مقدر میں ہے اتنا عیش کر لیتے ہیں لیکن انجام کار اُن کی گرفت ہوتی ہے۔ دَر پردہ یہ بات بھی نکلتی ہے کہ لذات و خواہشات میں منہمک ہونا حق کو چھوڑ کر باطل پر اپنے تمام قوائے فکریہ کو صرف کرنا موجبِ تباہی ہے۔ کافر کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں سب بیکار اور نابود ہوں گے۔ اللہ کے نزدیک ربّ مخلوق برابر ہے وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنے کو تباہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ صرف بداعمال کی پاداش دیتا ہے۔ وغیرہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے رفیق ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ

اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں نماز کو باقاعدہ پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ

کے حکم کو مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا اس میں شک نہیں کہ اللہ غالب اور صاحبِ تدبیر ہے مسلمان

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

مردوں اور مسلمان عورتوں سے اللہ نے اُن گھنے باغوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ

رہیں گے اور دوامی بہشت میں نفیس مکانوں کا بھی وعدہ کیا ہے اور اللہ کی تھوڑی سی خوشنودی ان سب سے بزرگ ہے

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۹

یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر قرآنِ پاک کا اسلوبِ بیان ہے کہ بُروں کو نصیحت کرنے کے لئے اُن کے اعمال کا انجام اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے تاکہ نتیجہ پر غور کر کے وہ ڈر جائیں اور بدکرداری سے باز آجائیں۔ پھر اُن کے مقابل نیک طبقہ کا ذکر فرماتا ہے۔ اُن کے عقائدِ صحیحہ اور افعالِ حسنہ کے عمدہ نتائج ظاہر کرتا ہے تاکہ بدکرداروں کو اپنے افعال سے توبہ کرنے اور نیکی کرنے کی طرف رغبت ہو کیونکہ نصیحت کے صرف دو ہی طریقے ممکن ہیں ترہیب اور ترغیب۔ ترہیب کی تکمیل اول صورت سے اور ترغیب کی تکمیل موخر الذکر صورت سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خدا تعالیٰ نے پہلے کافروں اور منافقوں کی حالت اُن کے

خصوصیات اور بالآخر نتیجہ بد سے ظاہر فرمایا۔ اب اہلِ ایمان کی حالت خصوصیات اور نیک انجام کو بیان فرماتا ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مومن مرد ہوں یا عورتیں سب باہم اقربا ہیں یعنی باعتبار حقانیت صداقت امرِ الٰہی کی اطاعت اور حکمِ رسول کی پیروی کے سب باہم محبت رکھتے ہیں۔ دینی رشتہ سب کو جوڑے ہوئے ہے۔ سب ایک دوسرے کے مددگار غمخوار اور مونس و یار ہیں۔ حدیث صحیح وارد ہے کہ ایک مومن کے لئے دوسرا مومن ایسا ہے جیسے عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ فرمانے کے وقت حضورؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا جال بنا کر بتایا یعنی ہر مومن دوسرے مومن سے اس طرح وابستہ رہتا ہے جیسے کسی مکان کی اینٹیں یا انگلیوں کا جال۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومنوں کی باہمی شفقت و محبت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کے اعضاء۔ ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو تمام اعضاء میں بخار اور بیخوابی رہتی ہے اور سب کو درد ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مومن کے خصوصی اوصاف پانچ بیان فرمائے (۱) اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ یعنی جو امور عقل و شریعت کی رو سے اچھے ہیں ان پر خود بھی کاربند ہوتے ہیں اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتے ہیں یعنی شریعت و عقل نے جس چیز کو برا کہا اس سے خود بھی باز رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ (۳) نماز کو ٹھیک وقت پر اعتدالِ ارکان اور پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں منافقوں کی طرح سستی گرانی اور بے دلی کے ساتھ نہیں پڑھتے (۴) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی غرباء فقراء وغیرہ کی مالی امداد کا جو طریقہ شریعت نے مقرر کر دیا ہے اس پر چلتے ہیں اور اہلِ حاجت کی حکمِ شرعی کے موافق مدد کرتے ہیں۔ (۵) اللہ اور رسولؐ کے ہر حکم کو مانتے اور ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔ اپنی خواہش نفسی اور عقل کو دخل نہیں دیتے اور بغیر چون و چرا کرنے کے امتثالِ حکم کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ پانچ اوصاف ہوں گے اللہ انہی پر رحم فرمائے گا یعنی رحمت سے ان کی مغفرت کر دے گا۔ بغیر کسی عذاب کے ابتداہی سے ان کو دوامی جنتیں اور پاکیزہ خوشگوار مکانات رہنے کو عطا فرمائے گا پھر ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی عنایت ان پر ہوگی۔ وہ یہ کہ ان کو رضائے مولا حاصل ہوگی اور اس کی خوشنودی کا سب سے چھوٹا حصہ بھی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو خطاب فرمائے گا۔ جنتی جواب دیں گے لبیک وسعدیک۔ ارشاد ہوگا کیا تم خوش ہو گئے؟ اہلِ جنت عرض کریں گے پروردگار! ہم کس طرح راضی نہ ہوں گے تو نے ہم کو وہ چیزیں عنایت کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیں۔ ارشاد ہوگا کیا میں اس سے بہتر چیز عطا کروں؟ اہلِ جنت عرض کریں گے پروردگار! اس سے افضل کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوگا میں اپنی رضامندی تم کو دیتا ہوں اس کے بعد کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مقصودِ بیان

اس امر کی صراحت کہ اہلِ ایمان باہم محبت اور شفقت رکھتے ہیں گویا بطور مفہوم مخالف کے کہا جا سکتا ہے کہ جس مسلمان کو مسلمانوں سے ہمدردی نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں مسلمانوں کے خصوصی اوصاف کا بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا، بری باتوں سے منع کرنا فقط یہی ضروریاتِ اسلام میں سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دینا اور بغیر چون و چرا کے اس پر عمل کرنا مسلمان کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے۔ آیات سے اس بات کا ضمنی استخراج ہوتا ہے کہ اسلام فقط قلبی اعتقاد ہی کا نام نہیں بلکہ زکوٰۃ تعمیل حکمِ الٰہی پیروی رسول امورِ شرعی کے سامنے خمیدہ گردن ہو جانا سب ارکانِ اسلامی ہیں سَیَرْحَمُهُمُ کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی شخص اعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا بلکہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے ایسے نیکوکار بندے کو معاف کر دے گا۔ گویا اس کی نیک اعمال موجبِ رحمت ہوں گی اور رحمت موجبِ مغفرت۔ احادیث سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے آیت میں صراحت ہے کہ اہلِ ایمان عورتیں ہوں یا مرد سب سے اللہ نے نجات و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے لیکن سب سے بڑھ کر نعمت ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ آیت میں مدہدہ تیقن ہے کہ مسلمان اپنے ہر قول و عمل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کو پیشِ نظر رکھے۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ

اور وہ بُری جگہ ہے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو نہیں کہا حالانکہ وہ کفر کی بات کہہ چکے ہیں

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ

اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو چکے ہیں اور ایسی چیز کا ارادہ کر چکے ہیں جو اُن کو نہ مل سکی اور یہ سب کچھ اس بات کا بدلا دیا کہ

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

اللہ اور اس کے رسول نے بفضلِ خدا اُن کو دولت مند کر دیا سو اگر وہ توبہ کر لیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا

اور اگر رُخ پھیر لیں تو اللہ اُن کو دنیا و آخرت میں دردناک سزا دے گا اور

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

روئے زمین پر اُن کا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار

تفسیر اوپر کی آیت میں منافقوں اور کافروں کے اعمال و نتائج بیان کر کے عذاب کی وعید کی تھی پھر مسلمانوں کے افعال و نیک انجام ظاہر کر کے اہل کفر کو اسلام کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جب دونوں طریقوں سے اتمامِ حجت ہوگیا اور مخالفینِ اسلام اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو جہاد کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ جہاد کے یہ معنی ہیں کہ اوّل زبان سے اُن کو نصیحت اور فہمائش کرو اگر اس طرح فتنہ انگیزی سے باز نہ آئیں تو اور سختی کرو۔ اس پر بھی نہ رُکیں تو تلوار سے فتنہ کی بیخ کنی کر دو۔ چونکہ منافقوں سے جہاد کرنے کے متعلق اقوال مختلف ہیں اس لئے ہم ان کو علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔ مگر جہاد کرنے کا صحیح مطلب ہم نے بیان کر دیا۔

حسن، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ منافقوں کے جہاد کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کو شرعی سزا دی جائے۔ یعنی جب ایسا فعل کریں جس کی شرعاً حد اور سزا مقرر ہے تو بغیر رعایت کے ان کو مقررہ سزا دی جائے مگر صاحب بیضاوی نے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے۔ کیونکہ مقررہ سزا دینے کا حکم تو منافق و مسلم سب کے لئے برابر ہے۔

ضحاک، مقاتل اور ربیع انس کا قول ہے کہ کفار سے جہاد تلوار سے کیا جائے اور منافقوں سے زبانی کلام میں سختی اور درشتی کی جائے امام رازی کی بھی رائے ہے اور ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن مسعودؓ نے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ ہاتھ سے روکے اور قدرت نہ ہو تو زبانی سختی کرے۔ شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ منافق جب کھلم کھلا نفاق ظاہر کرے تو اس پر تلوار سے جہاد کیا جائے۔ اسی کی تائید حضرت علیؓ کے اس قول سے ہوتی

ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ حضور اقدسؐ کو چار تلواریں عطا کی گئی تھیں۔ ایک تلوار مشرکوں کے لئے جس کا بیان آیت فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ میں ہے اور دوسری تلوار اہل کتاب کے لئے جس کا بیان آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں ہے اور تیسری تلوار منافقوں کے لئے جس کا بیان آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ میں ہے اور چوتھی تلوار مسلمان باغیوں کے لئے جس کا بیان آیت فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ میں ہے۔

اس سے آگے خدائے بزرگ جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا مگر وہ جھوٹے ہیں انہوں نے ضرور کفر کا کلمہ کہا اور اظہار اسلام کے بعد پھر کلمۂ کفر زبان سے نکالا۔ اس آیت کا مطلب واضح کرنے کے لئے مختلف راویوں نے مختلف قصے نقل کئے ہیں۔ کیونکہ آیت سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منافقوں نے کوئی کفریہ بات کہی تھی۔ وہ کیا تھی؟ اس کی تفصیل ذیل میں پڑھو۔

ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ بمقام تبوک ایک انصاری کا جھگڑا قبیلہ جہینہ کے آدمی سے ہو گیا۔ جہینی شخص نے انصاری پر اپنی فضیلت ظاہر کی اور شیخی ماری۔ عبداللہ بن ابی بولا: محمدؐ کی مثل ہم میں ایسی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ اپنا کتا پال پال کر موٹا کرو تاکہ وہ تم کو ہی کھا جائے۔ یعنی ہم نے ہی محمدؐ کو پالا وہی ہم کو کھاتا ہے۔ جس وقت ہم مدینہ پہنچیں گے تو دیکھنا جو با عزت لوگ ہیں وہ ذلیلوں کو باہر نکال پھینکیں گے۔ اس منافق کے ان خبیث الفاظ کی اطلاع کسی نے حضور اقدسؐ سے جا کر کر دی۔ حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کو طلب فرما کر دریافت کیا۔ عبداللہ صاف انکار کر گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبداللہ بن فضل نے بروایت انس بن مالک بیان کیا کہ ایک روز حضور والا تقریر کر رہے تھے۔ ایک شخص بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بدتر ہوئے۔ حضرت زید بن ارقمؓ بولے۔ ہاں واللہ محمدؐ سچے ہیں اور تو ضرور گدھے سے بدتر ہے۔ جب حضورؐ کے سامنے اس واقعہ کا اظہار کیا گیا تو وہ منافق منکر ہو گیا۔ اس پر حضرت زید بن ارقم کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت کعب بن مالک انصاریؓ بیان کیا۔ کعب کہتے ہیں (جب میں تبوک کو نہ جا سکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور کچھ لوگوں نے جھوٹی معذرتیں پیش کرنی شروع کر دیں تو) جب منافقوں کی عدم شرکت کی فضیحت کے متعلق قرآن نازل ہوا ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہؐ کے ساتھ موجود تھے اور پھر بھی قرآن میں اُن کی رسوائی ظاہر کی گئی۔ چنانچہ ایک منافق جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ جلاس نے عمیر بن سعدؓ کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اس لئے عمیرؓ اس کی زیر تربیت تھے۔ منافقوں کی رسوائی کی آیات سن کر جلاس بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہیں۔ عمیر بن سعدؓ یہ بات سن کر بولے جلاس اللہ کی قسم میں تمام لوگوں سے تجھے زیادہ چاہتا ہوں۔ تیرے مجھ پر بہت احسان ہیں۔ مجھے منظور نہیں کہ تجھے برائی پہنچے۔ لیکن تو نے بات ایسی کہی جس کے چھپانے میں خیانت اور ظاہر کرنے میں تیری رسوائی ہے اور تیری طرف سے مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہے تاہم مؤخر الذکر قدرت میرے واسطے سہل ہے۔ اس کے بعد عمیرؓ نے جا کر حضور اقدسؐ سے واقعہ عرض کر دیا۔ اس نے جا کر قسمیں کھائیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور عمیرؓ کا دشمن ہو گیا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس کے بعد جلاس نے سچے دل سے توبہ کر لی (رواہ محمد بن اسحٰق) عروہ بن زبیر کے نزدیک بھی آیت مذکورہ جلاس کے حق میں نازل ہوئی۔ بہرحال آیت میں کچھ صراحت نہیں اور قصے متعدد واقع ہوئے۔ ہر ایک پر آیت کو محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

منافقوں نے ایک بات کا ارادہ کیا تھا مگر اس کو حاصل نہ کر سکے۔ اس سے مراد بعض علماء کے نزدیک وہی عمیرؓ کا قصہ ہے کہ عمیرؓ نے جب واقعہ کا انکشاف کر دیا تو جلاس اس کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا لیکن قتل نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ خود مسلمان ہو گیا۔ سدی کہتے ہیں یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج حکومت رکھنا چاہا تھا مگر ایسا نہ کر سکے۔ اس قصہ کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ تبوک سے واپسی میں بارہ منافقوں نے راستہ میں چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں شہید کر ڈالنے کا ارادہ کیا اور عمار بن یاسرؓ نے اُن کو مار بھگایا۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ (رواہ احمد والبیہقی) بہرحال یہاں بھی آیت میں صراحت نہیں اور قصے متعدد ہیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ ناز یبا حرکات احسان کے مقابلہ میں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن کو کوئی

تکلیف نہیں پہنچی کہ جس کا یہ انتقام لیتے بلکہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اُن کو تونگر کر دیا۔ پہلے نادار تھے اب مالدار ہو گئے۔ مالِ غنیمت کے حصے ان کو ملے اس احسان کا انھوں نے یہ بدلہ دیا۔ چنانچہ جلاس بہت غریب آدمی تھا اس کا ایک غلام مارا گیا۔ حضورؐ نے مقتول کے خون بہا کے بارہ ہزار درہم اس کو دلائے جس سے وہ دولتمند ہو گیا مگر پھر بھی حضورؐ کی بُرائی کے درپے رہا۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ اب بھی اگر یہ بچی توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے ورنہ دنیا و آخرت میں اُن کو سخت دکھ اُٹھانا پڑے گا۔ آخرت کا عذاب تو ہو گا ہی مگر دنیا میں ان کمبختوں کو ایسا دکھ پہنچا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آتشیں پھوڑوں نے اُن کو سوختہ کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

مقصود بیان کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم اس امر کی صراحت کہ ان پر سختی کی جائے۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ دشمنانِ اسلام پر سختی کرنی چاہیئے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ جو شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے اگرچہ دل میں منافق ہو مگر ظاہری حکم اس پر اسلام کا لگایا جائے گا۔ کفار کی خفیہ تدبیروں کی صراحت۔ اس امر کی تصریح کہ منافق بڑے احسان فراموش تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ احسانات کئے مگر انھوں نے بھلائی کا بدلہ بُرائی سے دیا گویا ضمنی تنبیہ اس بات پر بھی ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مال و دولت عنایت فرمائے وہ سرکشی چھوڑ دے اور حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دے۔ منافقوں کی توبہ مقبول ہے۔ اللہ نے ان کو بآسانی توبہ کرنے کا موقع دیا ہے۔ آیت میں منافقوں کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ ان پر دنیوی عذاب بھی آئیگا اور آخرت میں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

ان میں سے بعض لوگوں نے تو اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات دینگے اور نیک

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

بن جائیں گے لیکن جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو لگے اس میں بخل کرنے اور رُخ پھیر کر

مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

چلتے بنے نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے کے عوض نفاق اس دن تک کے لئے

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

قائم کر دیا جب کہ وہ خدا سے ملیں گے کیا یہ واقف نہیں کہ اللہ

اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

اُن کے راز اور سرگوشی کو جانتا ہے اور وہ بلاشبہ غیب کی باتوں سے خوب واقف ہے

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدمت گرامی میں عرض کیا یارسول اللہ دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ مجھے دولت عنایت فرمائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے ثعلبہ وہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت نہ ہو۔ ثعلبہ نے مکرر درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تو اس

بات پر راضی نہیں کہ اللہ کے رسول کی طرح تیری حالت ہو قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔ ثعلبہ نے تیسری بار اصرار کیا اور عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اگر آپ اللہ سے دعا کریں اور خدا تعالیٰ مجھے مالدار کر دے تو میں ہر حقدار کو اس کا حق ضرور پہنچاؤں گا۔ حضورؐ نے دعا فرمائی الٰہی ثعلبہ کو مال عطا فرما چنانچہ ثعلبہ نے چند بکریاں لیں اور تھوڑی مدت میں اتنی برکت اور کثرت ہوئی کہ ثعلبہ مدینہ میں نہ رہ سکا۔ آبادی سے باہر اس نے اپنا مسکن بنا لیا لیکن اب اس نے فجر مغرب اور عشاء کی جماعت چھوڑ دی صرف ظہر و عصر کی جماعت میں آکر شریک ہوتا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ظہر و عصر کی جماعت بھی چھوڑ دی صرف جمعہ کو آتا رہا۔ بکریوں کا بڑھاؤ برابر کیڑوں کی طرح جاری تھا۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد جمعہ میں بھی غیر حاضر ہو گیا اور آنے جانے والوں سے رسول اللہ کی حالت دریافت کر لیتا تھا۔

ایک روز حضورؐ نے دریافت فرمایا ثعلبہ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے واقعہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا ثعلبہ کی بربادی۔ پھر جب حکمِ الٰہی ہوا کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرو تو حضورؐ نے دو آدمی مقرر کئے اور مسلمانوں سے وصول صدقات کی تحریر ان کو لکھ دی اور دونوں سے فرما دیا کہ ثعلبہ کے اور فلاں اسلمی شخص کے پاس بھی جانا اور مال صدقہ ان سے لے آنا۔ حسب الحکم دونوں روانہ ہو کر ثعلبہ کے پاس پہنچے اور فرمانِ گرامی سنا کر مال صدقہ طلب کیا۔ ثعلبہ بولا یہ تو بالکل جزیہ ہوا۔ جزیہ کا بھائی صدقہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا اچھا تم جاؤ۔ جب فارغ ہو جاؤ تو پھر آنا۔ دونوں صاحب چل دیئے اور اسلمی شخص کے پاس پہنچے۔ اس کے پاس اونٹ تھے۔ اس نے بے چون و چرا کئی بہترین اونٹ صدقہ میں دیئے۔ ہر چند محصلوں نے کہا ہم کو بہترین مال لینے کا حکم نہیں ہوا۔ ایسے عمدہ چھنٹے ہوئے اونٹ صدقہ میں دینا واجب نہیں مگر اسلمی نے ایک نہ مانی اور بولا واجب نہ سہی میری خوشی اسی میں ہے۔ یہ سب صدقہ ہی کے لئے ہیں۔ غرض یہ دونوں صاحب وہ اونٹ لے کر آئے۔ دوسرے مسلمانوں سے مقررہ زکوٰۃ وصول کی۔ اور لوٹ کر ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ ثعلبہ نے پھر وہی پہلی بات کہی اور بالآخر کہہ دیا تم اس وقت جاؤ میں اس کے متعلق غور کروں گا۔ دونوں حضرات لوٹ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی کچھ عرض بھی نہ کیا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا ثعلبہ کی بربادی اور اسلمی شخص کو دعا دی۔ دونوں صاحبوں نے سلام کر کے واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ نزولِ آیات کے وقت حضورؐ کے پاس ثعلبہ کا ایک رشتہ دار موجود تھا اس نے جا کر ثعلبہ کو اطلاع دی کہ تیرے حق میں یہ وعید نازل ہوئی ہے۔ ثعلبہ فوراً خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور مال صدقہ پیش کر کے قبول کرنے کا امیدوار ہوا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا یہ سب تیرا ہی کیا ہوا ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے نہ مانا۔ الحاصل ثعلبہ ناکام واپس چلا گیا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی قبول نہ کیا۔ خلافتِ عثمانی میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں میں سے بعض آدمی (ثعلبہ) اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہم کو مال عنایت کرے گا تو ہم صدقہ دیں گے۔ اور دوسرے نیکوکاروں میں ہم بھی داخل ہو جائیں گے۔ یعنی ہم حقداروں کو ان کا حق ادا کریں گے، اہلِ حاجت کی مدد کریں گے اور شرعی مقررہ حصہ دیتے رہیں گے لیکن جب اللہ نے ان کو مالدار کر دیا تو ان کے اندر دو وصف پیدا ہو گئے۔ اول تو کنجوسی کرنے لگے گزشتہ عہد و پیمان بالکل بھلا دیا۔ دوسرے حکمِ الٰہی سے منہ موڑ کر چل دیئے کچھ پرواہ نہ کی کہ اللہ کا کیا حکم ہے۔ اس خلاف ورزی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے دلوں میں خلوص نہ رہا۔ اللہ نے اُن کے سینوں میں نفاق قائم کر دیا اور ایسا قائم کر دیا کہ مرتے دم تک اُن کے دلوں میں قائم رہے گا زائل نہ ہوگا۔ کیا وہ واقف نہیں کہ اللہ ان کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ ظاہر باطن یہاں تک کہ راز اور سرگوشی کی باتیں بھی اللہ کو معلوم ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار باتیں ہیں جس شخص میں وہ چاروں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں کی کوئی ایک ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ وہ چاروں یہ ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے، جھگڑے کے وقت فحش بکے، وعدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (رواہ عبداللہ بن عمرو بن العاص) بعض روایتوں میں دوسری خصلت کا ذکر نہیں ہے۔

مقصودِ بیان کثرتِ مال اکثر موجبِ تباہی ہو جاتی ہے تھوڑا مال بہتر ہے۔ جس مال کا صدقہ نہ دیا جائے وہ انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ عہد کی خلاف ورزی اور جھوٹ بولنا نفاق کی علامات بلکہ اسبابِ نفاق ہیں۔ بخل کرنا اور احکامِ الٰہی سے سرتابی کرنا

دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ آیت میں اخبار عن الغیب کے ساتھ ساتھ پیشین گوئی بھی ہے۔ ثعلبہ کا نفاق مرتے دم تک نہ جائے گا اور یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

یہی لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں پر اور اُن لوگوں پر جن کو مزدوری کے سوا

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ

کچھ میسر نہیں طعن کرتے ہیں اور اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں اللہ نے بھی اُن کو

مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

مذاق کی پاداش دی اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی عادات میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ مسلمانوں پر ہر وقت نکتہ چینی کرتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان بخلوص خاطر کچھ زائد مال صدقہ میں دیتا تو وہ کہتے اس نے دکھانے اور ریا کرنے کے لئے دیا ہے اور کوئی غریب آدمی ہے زیادہ مال میسر نہیں کوئی معمولی چیز اُس نے بطور صدقہ پیش کی ہوتی تو اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے صدقہ دینے کے متعلق وعظ فرمایا۔ ایک شخص نے بکثرت مال خدمت گرامی میں لاکر حاضر کردیا اور عرض کیا جس صورت سے مناسب ہو اس کو تقسیم کردیجئے۔ منافق کہنے لگے اس شخص نے دکھانے کے لئے ایسا کیا ہے۔ ایک اور شخص نہایت تنگدست اور نادار تھے جن کا نام ابوعقیل تھا انھوں نے (مزدوری کرکے) ڈیڑھ سیر چھوارے خدمتِ گرامی میں بہ نیتِ صدقہ پیش کئے تو منافق کہنے لگے اللہ کو اس کے صدقہ کی کوئی ضرورت نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)، ابوبکر بزار وغیرہ نے بروایت ابوہریرہ و ابن عباس و مجاہد و ابن اسحٰق بیان کیا ہے کہ اصحاب استطاعت میں سے عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار درہم اور عاصم بن عدی نے چار من کھجوریں بطور صدقہ پیش کی تھیں۔ منافق بولے انھوں نے ریاکاری سے صدقہ دیا ہے۔ حالانکہ حضور اقدسؐ نے حضرت عبدالرحمٰن سے فرمایا تھا۔ خدا تیرے مال صدقہ میں برکت دے جو تو نے رکھ چھوڑا ہے۔ ادھر ابوعقیل کا قصہ اور ان پر طعن تو اوپر گزر ہی چکا ہے۔ بہرحال یہ حالت تھی کہ خدا نے آیت مذکورہ نازل کی۔

حضرت ابوالسلیل کہتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ بقیع کے جلسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص اللہ کے واسطے کچھ صدقہ دے گا میں خود قیامت کے دن اس کا شاہد ہوں گا۔ میں نے یہ فرمان سُن کر اپنے عمامہ میں سے ایک یا دو (درہم) صدقہ دینے کی غرض سے کھولے لیکن فوراً انسانی خطرہ دل میں آیا (کہ یہ بہت حقیر رقم ہے) اس لئے عمامہ کی گرہ پھر باندھ لی۔ اتنے میں ایک سیہ فام پستہ قد بدشکل آدمی ایسا آدمی میں نے بقیع میں دوسرا نہیں دیکھا اس کے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی جس کی مثل خوبصورت اونٹنی میں نے نہیں دیکھی۔ اس نے آکر کہا یارسول اللہ یہ صدقہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ ایک منافق نے اس شخص پر کچھ نکتہ چینی کی اور کہنے لگا ایسا (بدشکل) آدمی اور اس نے ایسی خوبصورت اونٹنی دے دی۔ واللہ یہ اونٹنی تو اس سے اچھی ہے۔ حضورؐ نے یہ کلام سُن کر فرمایا تو جھوٹا ہے وہ شخص تجھ سے اور اس اونٹنی سے دونوں سے اچھا ہے۔ الحدیث (رواہ احمد) غرض منافق اہلِ اسلام کے صدقات پر اس طرح کی نکتہ چینی کیا کرتے تھے کہ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ان منافقوں کی عجب حالت ہے جو مسلمان دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں ان پر طعن و طنز کرتے ہیں اور ایسی خیرات کو ریاکاری پر محمول کرتے ہیں اور جن لوگوں کو سوائے محنت مزدوری کے اور کچھ توفیق نہیں اور وہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات میں دیتے ہیں تو منافق اُن کا

مذاق اُڑاتے ہیں۔ خدا ان کو ان کے مسخرے پن کرنے کی سزا دے گا اور انہی کو مسخرہ بنائے گا اور آخرت میں تو المناک عذاب ان پر ہوگا ہی۔

مقصودِ بیان کسی مومن پر ناجائز طنز یا کسی کا مذاق اُڑانا نفاق کی علامت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے۔ صدقہ وخیرات ہو خواہ قلیل ہو یا کثیر اگر بخلوص نیت ہو تو مقبول ہے جس طرح دولتمندوں کا دل کھول کر راہِ خدا میں دینا قابلِ مدح ہے ویسے ہی غریب مزدوروں کا محنت مزدوری کر کے تھوڑی سی خیرات کرنی بھی قابلِ استحسان ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ

(اے محمدؐ!) آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں) اگر ستر بار بھی آپ ان کے لئے دعائے مغفرت

مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

کریں گے تو اللہ اُن کو ہرگز معاف نہ کرے گا کیونکہ انھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع

فاسق لوگوں ہدایت نہیں کرتا

ع ۸ ۱۶

تفسیر عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا۔ بظاہر مومن ہوگیا تھا لیکن باطن میں حضورؐ کی ایذا رسانی کے درپے رہتا تھا۔ اسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ تم ہی نے محمدؐ کے پاس ان کے ساتھیوں کو کھانا کپڑا دے کر جمع رکھا ہے ورنہ سب متفرق ہوجاتے۔ تبوک میں اسی نے کہا تھا کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو جو لوگ عزت دار ہیں وہ بے عزتوں کو نکال باہر کردیں گے۔ غرض یہ پکا منافق تھا۔ بظاہر مسلمانوں کی مدد کے لئے اس نے کچھ مال دیا تھا اور گرفتارانِ بدر میں سے حضرت عباسؓ کو اس نے اپنی قمیص پہنائی تھی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ جو خاص مومن تھا منافق نہ تھا خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا۔ باپ کے مرنے کی اطلاع دی اور باپ کے مغفرت کی دعا کا طالب ہوا۔ حضورؐ نے اپنا پیراہنِ مبارک عبداللہ کو عنایت فرمایا تاکہ وہ اپنے باپ کی میت کو پہنائے اور دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آیۃ کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافق درحقیقت کافر ہیں اور جو لوگ ازلی کافر ہیں جن کا کافر ہونا قطعی ہے اُن کو خدا تعالےٰ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا ہے۔ لہٰذا اے نبی تم ان کے لئے کتنی ہی دعائے مغفرت کرو اللہ ان کو نہیں بخشے گا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ یعنی ان کی عدم مغفرت کی یہ وجہ نہیں کہ اللہ بخیل ہے یا تم میں کچھ قصور ہے بلکہ ان کا کفر خود عدم مغفرت کا موجب ہے۔

مقصودِ بیان منافق یا کافر کے لئے دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ لوگ رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں یہاں تک کہ دعائے نبیؐ بھی ان کے لئے مفید نہیں۔ جو لوگ رسول اللہ کے منکر ہیں اگرچہ خدا کو مانتے ہیں وہ کافر ہیں۔ منافقوں پر اگرچہ بظاہر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں جزیہ وغیرہ نہیں لیا جاتا مگر درحقیقت خدا کے ہاں وہ کافر ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کا لفظ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ بخیل نہیں۔ نہ اللہ کو ذاتی کسی سے دشمنی ہے بلکہ انسان کی بداعمالی خود اس کو تباہ کرتی ہے۔ وغیرہ

تحقیقِ لفظی سَبْعِيْنَ کے معنی کلام عربی میں ستر کے ہیں لیکن عرفِ عام میں کثرتِ تعداد مراد ہوتی ہے اور یہاں بھی کثرت مراد ہے حصر عدد مقصود نہیں۔ چونکہ حضور اقدسؐ اپنی اُمت پر بہت زیادہ شفیق تھے۔ اس لئے باوجود اس جاننے کے کہ کثرتِ تعداد مراد ہے پھر بھی آپ نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید مخصوص عدد مراد ہے۔ جب عبداللہ ابن ابی کے لئے دعائے مغفرت

کرنے کی ممانعت میں یہ حکم نازل ہوا کہ اگر تم ستر مرتبہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرو گے تو اللہ پھر بھی ان کو ہرگز نہ بخشے گا تو پھر حضورؐ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ یہ صرف محبت امت تھی۔ شیخ عکبری نے بتیان فی اعراب القرآن میں صراحت کی ہے کہ حضور اقدس کا مذکورہ بیان ایک خاص اسلوب کلام کو حاوی ہے۔ کیونکہ لفظ کو بظاہر ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا احتمال تو ہو مگر یہ بات بھی معلوم ہو کہ یہ متحمل معنی یہاں مراد نہیں ہے ایک خاص بلاغت جس طرح قبعثری شاعر نے حجاج سے کہا تھا میں تجھے ادہم گھوڑے پر سوار کروں گا ادہم مشکی گھوڑے کو اور بیڑیوں کو کہتے ہیں قبعثری واقف تھا کہ حجاج مجھے قید کی دھمکی دے رہا ہے اور ادہم سے مراد بیڑیاں ہیں۔ لیکن حجاج کے غصہ کو فرو کرنے کے لئے اس نے اس کا روئے سخن بدل دیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ گویا میں آپ کی دھمکی کو نہیں سمجھا بلکہ آپ کے کلام کو بشارتِ انعام سمجھا ہوں۔ چنانچہ جواب میں کہنے لگا آپ جیسے سردار مشکی گھوڑے پر اور سرنگ گھوڑے پر دونوں پر سوار کر دیتے ہیں۔ گویا قبعثری نے ادہم کے معنی مشکی گھوڑے کے لئے باوجودیکہ واقف تھا کہ حجاج کی مراد بیڑیاں ہیں اسی طرح حضور اقدسؐ اگرچہ واقف تھے کہ لفظ سبعین سے خاص مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے لیکن پھر بھی حضورؐ نے شفقتِ امت کی بنا پر فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ اپنے بیٹھ رہنے سے برخلاف رسول اللہ سے خوش ہوئے اور راہِ خدا میں اپنے

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا

جان و مال سے جہاد کرنا اُن کو بُرا لگا اور بولے کہ گرمی میں

فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۗ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا

نہ کوچ کرو (اے نبی) تم کہہ دو کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے کاش اُن کو سمجھ ہوتی اب اُن کو

قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیئے اپنے کرتوت کے عوض

تفسیر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہمراہ لے کر (فوج ہرقل کے مقابلہ کے ارادہ سے) مقام تبوک علاقہ شام کو تشریف لے گئے تو منافقوں کی ایک جماعت حیلہ بہانہ کر کے پیچھے رہ گئی حضورؐ کے ساتھ تبوک کو نہ گئی اور ایک دوسرے سے کہنے لگی گرمی سخت پڑ رہی ہے اس سخت گرمی میں کون جائے۔ چنانچہ رہ گئے اور جب حضورؐ تشریف لے گئے تو پیچھے ہنسنے اور مذاق کرنے لگے کہ دیکھو ہم نے کیسا دھوکا دیا بعض روایات میں آیا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے جھوٹ بول کر مدینہ میں رہ جانے کی حضورؐ سے اجازت لے لی تھی اور عذر یہ تراشا تھا کہ اگر آپ کے ساتھ ہم بھی چلے جائیں گے تو مدینہ خالی رہ جائے گا۔ شاہِ غسان اور بعض دیگر قبائلِ عرب کے حملہ کا اندیشہ ہے لہٰذا ہم کو یہیں چھوڑ جائیے۔ یہ حیلہ تراش گروہ صرف منافقوں کا تھا۔ انہی کے بارے میں آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں۔ تین خالص مومن بھی باقتضائے بشریت رہ گئے تھے مگر انہوں نے کوئی حیلہ تراشی نہیں کی بلکہ اپنا قصور ظاہر کیا۔ وہ لوگ یہاں مراد نہیں ہیں۔ ان کی مغفرت کی صراحت دوسری آیات میں موجود ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے منافقوں کی جو جماعت مدینہ میں رہ گئی تھی وہ اپنے حیلہ کی کامیابی اور چال چلنے پر خوش ہوئی۔ اس کو گوارا نہ ہوا کہ راہِ خدا میں مالی اور جانی قربانی کرے بلکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے انھوں نے باہم ایک دوسرے کو جہاد پر جانے سے

منع کیا۔ اور جب ان کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا تو ہنسی اُڑانے لگے۔ کھلکھلا کر ہنستے تھے اور شاداں و شادماں تھے۔ اے نبی! تم اُن سے کہہ دو کہ تم کو دنیوی گرمی کا خیال ہوا۔ حالانکہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش ان میں اتنی سمجھ ہوتی کہ تھوڑی دیر کی تکلیف کو اختیار کرتے اور ابدی نجات حاصل کرتے۔ مگر انھوں نے ابدی عذاب اختیار کیا اور تھوڑی دیر کی تکلیف برداشت نہ کی۔ اب ان کو بے انتہا ہمیشہ رونا پڑے گا اور یہ دوامی گریہ ان کی بداعمالی کی وجہ سے ہے۔ یعنی خدا ظالم نہیں۔ نہ اُس کو کسی سے عناد ہے بلکہ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ مختلف احادیث میں آتا ہے کہ مومن ہمیشہ ابتلاء میں رہتا ہے لیکن شکر اور صبر کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ دے کر پاک صاف رہتا ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے جاتا ہے اور منافق کھجور کے درخت کی طرح کسی آندھی سے جھونک نہیں کھاتا یہاں تک کہ ایک بار جڑ سے گر جاتا ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے نفاق اور مکاری کا اظہار، اس امر کی صراحت کہ اہلِ نفاق راہِ خدا میں قربانی کرنے کو پسند نہیں کرتے نہ مال خرچ کرنا چاہتے ہیں، نہ جان کو دُکھ دیتے ہیں بلکہ موسمی گرمی بھی رضائے مولیٰ کے لئے برداشت نہیں کرتے، نہ مسلمانوں کی امداد کا ان کو خیال ہوتا ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا کچھ لحاظ، بلکہ نفس کے بندے ہیں۔ احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں خواہشِ نفس ان کو زیادہ محبوب ہے۔ خود بھی احکامِ خداوندی کی پیروی نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ راہِ خدا میں مالی اور جانی قربانی کرو۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مصائب برداشت کرو۔ گرمی سردی کا خیال نہ کرو، مسلمانوں کا ساتھ دو۔ رسول اللہ کی مدد کرو، احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشات کو ترک کرو۔ دنیا تمہارے لئے دار البکاء ہے اگر مصائب میں گرفتار ہو کر کچھ دنوں یہاں رو لوگے تو کچھ حرج نہیں آخرت میں ہمیشہ ہنستے رہوگے۔ منافقوں کی طرح نہ بن جاؤ جو چند روزہ مسرت و شادمانی پر پھولے ہوئے ہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ ان کو روتا رہنا پڑے گا۔ وغیرہ

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ

اگر ان کے کسی گروہ کی طرف | تم کو خدا واپس لے جائے | اور وہ تم سے جہاد پر جانے کی | اجازت مانگیں تو اُن سے کہہ دینا

لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ

تم میرے ساتھ کبھی نہ چلوگے | اور نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑوگے | تم کو پہلی مرتبہ ہی

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝

بیٹھ رہنا پسند آیا تھا | لہذا اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو

تفسیر یہ بھی آیاتِ سابقہ کا تکملہ ہے اوپر کی آیات میں ان منافقوں کو جو جہادِ تبوک پر رسول اللہ کے ہم رکاب نہیں گئے تھے عذاب کی دھمکی تھی۔ ان آیات میں بطور تنبیہ آئندہ شرکتِ جہاد کی ممانعت ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ نبی جب تم تبوک سے واپس مدینہ کو جاؤ اور پھر کوئی دوسرا سفرِ جہاد پیش آئے تو جو منافق تمہارے پاس تبوک کو نہیں گئے تھے ان کی جماعت کو پھر کبھی ساتھ نہ لے جانا (یہ مطلب قتادہ نے بیان کیا ہے اور ایسے منافقوں کی تعداد بارہ کس ظاہر کی ہے) اگر وہ تم سے ہم رکاب چلنے کی اجازت مانگیں تو اُن سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلوگے اور چل کر کبھی کسی دشمن سے نہ لڑوگے۔ یعنی میں تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اول تو تم منہ سے کہہ رہے ہو دل میں نفاق ہے۔ تم دل سے ساتھ چلنے پر راضی ہی نہیں ہو اور اگر بالفرض چلے بھی جاؤ تو تمہارا وہاں جانا بیکار ہے۔ تم وہاں پہنچ کر دشمنانِ اسلام سے مقابلہ نہیں کروگے۔ لہٰذا جہاں اور لوگ پیچھے رہ جائیں گے تم بھی

یہیں رہو یعنی جس طرح ضعیف اور بوڑھے، بیمار اور بچے اور عورتیں سب مدینہ میں رہ جائیں گے تم بھی انہی کے ساتھ رہو۔ کیونکہ تم نے پہلے بھی ہمارے ساتھ چلنا پسند نہیں کیا تھا۔ ابن عباسؓ کے نزدیک خالفین سے مراد وہ لوگ جو غازیوں سے پیچھے رہے ہیں جریر نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

بعض مفسرین نے خالف کے معنی فاسد کے لئے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ بیضاوی کے نزدیک عورتیں، بچے اور کمزور مرد جن میں جہاد کی طاقت نہ ہو سب ہی داخل ہیں۔ اسی مطلب کو ہم نے پسند کیا ہے۔

مقصود بیان منافقوں کے مخصوص طبقہ کو یعنی ان لوگوں کو جو نفاق پر جمے ہوئے تھے اور آئندہ اُن سے ترکِ نفاق کی امید نہ تھی آئندہ شرکتِ جہاد کی ممانعت کی گئی ہے۔

امام رازی کہتے ہیں کہ آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ اگر کوئی مکر و فریب اور نفاق میں مضبوط اور سخت ہو اور اسباب و غا پر مصر ہو تو ایسے آدمی سے ترکِ تعلق ضروری ہے اور اس کی مصاحبت سے احتراز لازم ہے۔ وغیرہ

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

اُن میں سے اگر کوئی مر جائے تو تم اس کی نماز کبھی نہ پڑھو اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہو کیونکہ ان

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور فاسق ہی مر گئے اور تم کو اُن کے مال و اولاد

وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

پر تعجب نہ ہونا چاہئے ان کے ذریعہ سے اللہ ان کو دنیا میں سزا دینا اور کفر کی حالت میں

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اُن کی جان نکالنا چاہتا ہے

تفسیر یہ آیت بھی عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی۔ راویانِ حدیث کا اختلاف ہے کہ عبداللہ کے جنازہ کی نماز رسول پاکؐ نے پڑھی تھی یا نہیں؟ ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت پیش کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریلؑ نے حضورؐ کو منع کر دیا تھا اور حضورؐ نے اس کی نماز نہیں پڑھی۔ لیکن بقول ابن کثیر اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایجاب کا قول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی مر گیا تو اس کے جنازہ کی نماز کے لئے حضورؐ کو بلایا گیا۔ جب حضورؐ تشریف لے گئے اور نماز کو کھڑے ہوئے تو میں نے سامنے جا کر کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ اس دشمنِ خدا ابن ابی کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں جس نے فلاں روز یہ بات کہی تھی اور فلاں روز یہ بات۔ میں اس کے منافقانہ افعال شمار کر رہا تھا اور حضورؐ تبسم فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب میں نے بہت کہا تو فرمایا عمر! مجھے (اللہ کی طرف سے نماز پڑھنے کا نہ پڑھنے کا) اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے (نماز پڑھنے کو) اختیار کر لیا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا تو اس کی بخشش کر دی جائے گی تو ضرور ایسا کرتا۔ پھر حضورؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے، قبر پر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ دفن سے فراغت ہوئی۔ پھر اللہ کی قسم کچھ ہی دیر میں یہ دونوں آیات

نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وفات تک حضور ؐ کسی منافق کی قبر پر کھڑے نہیں ہوئے (رواہ احمد والترمذی وقال حسن صحیح وقد جاء فی الصحیحین بالفاظ متقاربۃ مفرقۃ مجملۃ ودلیل الروایات علی معنی واحد اصحاح ومسانید کی روایات سے ثابت ہے کہ ابن ابی کے مرض الموت میں حضور کو بلوایا آپ تشریف لے گئے اور فرمایا تجھے یہودیوں کی محبت نے ہلاک کیا۔ ابن ابی بولا میں نے آپ کو نماز وغیرہ کے لئے بلایا ہے۔ ملامت کرنے کے لئے نہیں بلایا گویا مرتے دم تک کم بخت منافق تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابن ابی کو جب قبر میں اتارا جا چکا تھا تو اس وقت حضور پہنچے تھے اور قبر سے نکلوا کر نماز پڑھی اور عبداللہ بن مبارک کی پہنوایا تھا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چونکہ اہل نفاق بے ایمان ہیں اور مرتے دم تک بے ایمان رہے۔ یعنی توبہ نہیں کی تھی۔ لہٰذا اے نبی تم کبھی آئندہ ان کی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہونا۔ اس کے بعد والی آیت کا مطلب واضح ہے اور اوپر اسی سورۃ میں گزر چکا ہے۔

حافظ کی تفسیر میں ہے کہ اگر کسی شخص کی حالت معلوم نہ ہوتی اور اس کا مخلص مومن یا منافق ہونے کی واقفیت نہ ہوتی اس کی نماز حضرت عمرؓ نہ پڑھتے تھے تا وقتیکہ حضرت حذیفہؓ تعین کے ساتھ منافقوں کو نہ جانتے تھے۔ حضور صلعم نے آگاہ فرما دیا تھا۔

مقصود بیان کافروں اور منافقوں کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے بشرطیکہ یہ بات تحقیق کے ساتھ واقعی طور پر معلوم ہو کہ یہ شخص دل میں مومن نہ تھا اور مرتے دم تک بے ایمان رہا۔ کوئی دعا اور استغفار کافروں اور منافقوں کے حق میں کارآمد نہیں۔ منافق کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھی جائے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے یہ بات اس کے لئے موجب کرامت ہے۔ کثرت مال اور اولاد کفار و منافقین کے حق میں دنیا و دین کے وبال کا باعث ہے مرتے وقت بھی چین سے ان کی جان نہیں نکلتی بلکہ مال و اولاد میں پھنسی رہتی ہے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ

اور جب کوئی سورۃ اس حکم کی اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ

مقدور والے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دیجئے تاکہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہم رہ جائیں ان کو پسند آیا کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اس لئے وہ نہیں سمجھتے

تفسیر ان آیات میں بھی منافقوں کی حیلہ تراشی، بے ایمانی، احکام الٰہی سے سرتابی اور دماغی حماقت کو بیان کیا ہے۔ اوپر کی آیات سے مترشح ہوتا تھا کہ منافقوں کا اصل مقصود دنیوی لذائذ، مال کی کثرت، اولاد کی بہتات اور عیش و آسائش ہے۔ اسی مضمون کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب قرآن کا کوئی ٹکڑا مالی و جانی جہاد کا حکم لے کر نازل ہوا تو اچھے تندرست مالدار اور صاحب استطاعت منافق اجازت لینے آئے کہ ہم کو ان لوگوں کے ساتھ رہنے دیجئے جو کمزور نحیف یا بیمار یا زیادہ بوڑھے یا کم عمر بچے ہیں۔ گویا انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کیا جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے معذور ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان سے ان کے دل خالی ہیں۔ ان کے دلوں پر زنگ بلکہ پردہ بلکہ مہر الٰہی لگ چکی ہے۔ دانشمندی اور دینی سمجھ اور مآل کار کو سمجھنا ان سے بہت دور ہے۔ حاصل کلام یہ نکلا کہ سزا جزا اور عذاب ثواب کا

یقین ہی نہیں رکھتے۔ ان کا اللہ اور رسول پر ایمان ہی نہیں۔ پھر کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جاکر جہاد کر سکتے ہیں۔

لفظی تحقیق سورۃ سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک یہی سورۃ براءۃ ہے۔ بعض کے نزدیک مطلق سورۃ مراد ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن کا کوئی حصّہ خواہ پوری سورۃ ہو یا چند آیات ہوں بشرطیکہ ان کے اندر حکم جہاد ہو مراد ہے۔ یہی اولیٰ ہے۔

طَول کے معنی دسترس، قوت، فراخی، استطاعت وغیرہ ہیں۔ اُولُوا الطَّوْلِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تندرست بھی ہیں مالدار بھی اور صاحب استطاعت بھی۔

قَاعِدِیْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ مثلاً زیادہ نحیف، دکمزور دھول یا بہت پیر فرتوت یا دیرینہ بیمار یا اپاہج، لنگڑے لولے یا بچے عورتیں۔ خوالف سے بھی یہی مراد ہے۔

مَعَ رَسُوْلِهٖ کہنے سے یہ مراد ہے کہ صرف انہی کو جہاد پر نہیں بھیجا جاتا ہے بلکہ رسول کے ہمرکاب جانے کا حکم ہوتا ہے اس لئے ان کو زیادہ اندیشہ کا امر تو بھی نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی مصیبت آئے گی تو رسول پر بھی آئے گی۔

لَا یَفْقَهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ ان میں دینی سمجھ نہیں۔ یہ اچھا برا نہیں جانتے۔ ان کو عذاب ثواب اور مالِ کار کا اخروی یقین نہیں۔

مقصودِ بیان حکم الٰہی خصوصاً حکمِ جہاد سے گریز کرنے کے لئے حیلہ تراشی کرنا نفاق کی علامت ہے۔ جب انسان خود احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتا رہتا ہے تو اس کے دل پر زنگ آجاتا ہے اور زنگ کے بعد پردہ پڑ جاتا ہے اور کچھ مدت پردہ پڑا رہنے کے بعد اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ اب خیر و شر کا امتیاز، حقانیت کا ادراک، حق و باطل کا امتیاز بالکل ناممکن اور معدوم ہو جاتا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

لیکن رسول نے اور ان کی معیت میں مسلمانوں نے اپنے جان و مال سے جہاد کیا

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی کامیاب ہیں اللہ نے اُن کے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر حُسنِ طینت، صدقِ نیت اور اپنے مولا کی رضاجوئی کے لئے جان و مال قربان کرنا ہی بندگی کی علامت ہے۔ حکمِ الٰہی میں چون و چرا اور حیلہ بہانہ کرنا خلافِ بندگی ہے۔ اوپر کی آیات میں سرتابی کرنے والوں اور حیلہ سازی کر کے حکمِ الٰہی سے منہ موڑنے والوں کا بیان اور ان کے انجام کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں اپنے مخلص فرمانبردار تابع حکم بندوں کا مدح کے پیرائے میں تذکرہ اور ان کے نیک انجام کا ذکر فرما کے رسول کے ساتھ ان لوگوں کا بھی تذکرہ فرما دیا اور اس میں نیک طبقہ کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے تمام احکامِ خداوندی کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ جہاد کی دونوں قسموں میں حصّہ لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے صراحت فرما دی کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اور خوبیاں انہی لوگوں کو ملیں گی اور کامیاب بھی یہی لوگ ہوں گے۔ خصوصاً آخرت میں جنتِ الٰہی اُن کو نصیب ہوگی جو فی الحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔

مقصودِ بیان جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ مال سے مدد کرنا اور راہِ خدا میں جان سے کوشش کرنا مومن کے لئے لازم ہے کہ حکمِ الٰہی کو اپنے تمام مال بلکہ جان پر بھی مقدم سمجھے خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچتا ہو مگر اللہ کی معصیت نہ کرے۔ کامل مومنوں کو اللہ نے دین و دنیا کی خوبیاں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کا ہوجاتا ہے اور راہِ خدا میں بے دریغ قربانی کرتا ہے اللہ علاوہ اجرِ آخرت کے دنیا میں بھی اس کو سرخرو باعزت اور بلند رتبہ فرما دیتا ہے اور جو حکمِ الٰہی سے سرکشی کرتا ہے وہ اگرچہ بالفعل کامیاب نظر آئے مگر دنیا میں بھی اس کو ذلت اور رسوائی نصیب ہوتی ہے۔ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ مومنوں کے علاوہ کوئی کامیاب بامراد نہ ہوگا یعنی اس کو حقیقی بہبودی حاصل نہ ہوگی۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

اور بہانہ ساز دیہاتی آئے تاکہ اُن کو اجازت مل جائے اور اللہ و رسولؐ سے جھوٹ

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

بولنے والے بیٹھ رہے ان میں سے جو لوگ کافر ہوگئے اُن کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا

تفسیر ابن عباسؓ کے نزدیک مُعَذِّرُوْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سچے عذر والے تھے۔ اپنا عذر پیش کرنے اور اجازت لینے کے لئے رسولِ پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے منہ نہیں چھپایا اور نہ لاپرواہی کے ساتھ بیٹھ رہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ دیہاتی جو واقعی معذور تھے تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے لیکن جو لوگ منافق تھے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے تھے وہ کسی قسم کا عذر پیش کرنے بھی نہ آئے ان کو حکمِ رسولؐ کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ نہ حکمِ جہاد ان کے نزدیک کچھ وقعت رکھتا تھا اس لئے گھروں میں بغیر حصولِ اجازت اور بغیر حاضری و اطلاع کے بیٹھ رہے۔ ایسے کافروں کو سخت عذاب ہوگا۔

مجاہد، قتادہ، حسن بصری اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلۂ غفار کے کچھ آدمیوں نے آکر جہاد میں شریک نہ ہونے کی معذرت کی مگر اللہ نے ان کی معذرت کو صحیح نہیں قرار دیا۔ مُعَذِّرُوْنَ سے یہی لوگ (مثلاً خفاف بن ایماء غفاری وغیرہ) مراد ہیں۔

بعض اہلِ تفسیر نے سببِ نزول بنی غطفان اور بنی اسد کے چند آدمیوں کو قرار دیا جنھوں نے آکر منافقانہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اہل و عیال بہت زیادہ محتاج ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ معذرت صحیح نہ تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عامر بن طفیل نے آکر کہا تھا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد پر جائیں گے تو قبیلۂ طے کے دیہاتی آکر ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو لوٹ لیں گے۔ بہرحال ان تمام اسبابِ نزول کی بنا پر مُعَذِّرُوْنَ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے مراد ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ منافق تھے اور جہاد میں شرکت نہ کرنا چاہتے تھے ان میں سے کچھ لوگوں نے تو عدمِ شرکت کی منافقانہ معذرت پیش کی اور بعض نے انتہائی لاپرواہی سے اس کی بھی کچھ ضرورت نہ سمجھی اور یونہی بیٹھ رہے۔

اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ مُعَذِّرُوْنَ کا لفظ عام ہے خواہ سچا عذر پیش کرنے والے ہوں یا جھوٹا سب کو شامل ہے لہٰذا تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

مقصودِ بیان آدمی کا نفس جس بات کو عذر سمجھے وہ عذر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ شرع اس کو معذور نہ سمجھے۔ اگر عذر صحیح بھی ہو اور عام طور پر مسلمانوں کو جہاد پر جانا ہو تب بھی امام سے اجازت لے لینا چاہئے۔ بغیر اجازتِ امام کے جہاد میں نہ جائے گا تو گنہگار ہوگا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا

البتہ کمزوروں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اُن پر کوئی گناہ ہے جن کو خرچ کرنے کو

يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ

میسّر نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کی خیر خواہی کریں نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور اللہ غفور رحیم ہے اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس لئے آئے کہ تم

قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ

اُن کو سواری دیدو تو تم نے کہا تمہارے سوار کرنے کو میرے پاس کوئی سواری نہیں یہ سُن کر وہ واپس چلے گئے مگر اس غم میں اُن کی آنکھوں سے

الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى

آنسو جاری تھے کہ (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے الزام تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے

الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ

ہوئے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہنے

الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

کو پسند کرتے ہیں اور اُن کے دلوں پر اللہ نے مُہر لگادی ہے اس لئے اُن کو واقفیت نہیں

تفسیر ابن ابی حاتم نے بروایت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کیا۔ حضرت کہتے ہیں میں کاتب وحی تھا۔ چنانچہ سورۂ براۃ بھی لکھی تھی۔ میرے کان پر قلم رکھا تھا کہ جہاد کا حکم دیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ میں کیا کروں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ الخ

ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ سب لوگ میرے ساتھ تبوک کے جہاد پر چلیں۔ صحابہ کی ایک جماعت جن میں عبداللہ بن مغفل مزنی بھی تھے آئی۔ مجاہد کا قول ہے سات انصاری آئے۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے۔ سات انصاری یہ تھے:۔

سالم بن عمیر یا بن عوف۔ علیہ بن زید، عبدالرحمن بن کعب، عمرو بن الحمام، عبداللہ بن مغفل مزنی، حرمی بن عبداللہ، عیاض بن ساریہ

بہرحال سات انصاریوں نے حاضر ہو کر درخواست کی ہم کو کسی طرح سواری عطا فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا واللہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کرسکوں۔ یہ جواب سن کر مذکورہ حضرات بہت غمگین اور پژمردہ خاطر ہوئے ان کو سخت شاق گزرا کہ جہاد میں شرکت

نہ کر سکیں اور زادِ راہ ان کے پاس موجود نہ تھا کہ خود انتظام کر لیتے۔ مجبوراً روتے ہوئے لوٹے پس اللہ نے ان کی شدتِ رغبت دیکھ کر اُن کو معذور رکھا اور اُن کے عذر کو قبول فرمایا اور محسنین میں داخل کر لیا۔

صحیحین میں مرفوعاً روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لوگو تم مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو جو ہر وادی طے کرنے اور ہر راستہ میں چلنے کے وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اور ہیں وہ مدینہ میں؟ فرمایا ہاں (تمہارے ساتھ آنے سے) اُن کو عذر مانع تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ لوگ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے جو تم میں ضعفاء ہیں انہی کی برکت سے تم کو رزق ملتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے جو صدقِ دل سے جہاد کا قصد رکھے وہ ثواب پائے گا۔ اگرچہ اپنے بستر پر مرے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چار قسم کے آدمی شرکتِ جہاد سے شرعاً معذور ہیں اور ان کا عذر مقبول ہے۔ (۱) ضعفاء یعنی وہ کمزور بوڑھے جو جہاد کو جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اہلِ تفسیر کے نزدیک انہی میں بچے اور عورتیں بھی داخل ہیں (۲) بیمار خواہ اس کی بیماری اتفاقی ہو جیسے بخار وغیرہ کا مریض (۳) جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو یعنی اگرچہ تندرست طاقتور ہوں لیکن جہاد پر جانے کے لئے زادِ راہ اور ضروری سامان نہ ہو (۴) وہ لوگ جن کے پاس سواری نہ ہو اور رسول اللہ بھی ان کو سواری نہ دے سکیں اور وہ شکستہ خاطر ہو کر روتے ہوئے گھروں کو لوٹ جائیں۔ یہ چاروں اقسام جہاد میں شریک نہ ہونے کے مجاز ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیتِ صادق اور خلوص رکھتے ہوں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ رہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہوں۔ یہ سب لوگ محسنین میں داخل ہیں۔ ان کو بھی مجاہدین کا اجر ملے گا۔ رہے وہ لوگ جو ہٹے کٹے اور مالدار ہیں پھر بھی جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہتے ہیں اور معذور طبقہ کے ساتھ مدینہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مہرِ الٰہی ثبت ہے۔ ان کی حالت ناقابلِ اصلاح ہے۔

مقصودِ بیان صدقِ نیت اور خلوص ہر مومن کے لئے لازم ہے اگرچہ کام کی استطاعت حاصل نہ ہو۔ اللہ اور رسولؐ کی بقدرِ امکان خیرخواہی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بغیر خیرخواہی کے کوئی عمل مقبول نہیں اور خیرخواہ معذور بھی فرمانبردار عامل کے حکم میں ہے۔ نیکوکاری فقط عمل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ وہ صادق النیت جو عمل کرنے سے شرعاً معذور ہے نیکوکار ہے۔